# تفسیر مظہری

تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتیؒ

تخریج و ترجمہ و ضروری اضافات

مولانا سید عبدالدائم جلالیؒ

دار الاشاعت
اردو بازار کراچی پاکستان

# تفسیر مظہری

## جلد پنجم

سورۂ انفال سے سورۂ یونس تک
پارہ ۹ رکوع ۱۵ تا پارہ ۱۱ رکوع ۱۶


تالیف
حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتیؒ
تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات
مولانا سید عبدالدائم الجلالی
رفیق ندوۃ المصنفین



ناشر
دارالاشاعت
اردو بازار کراچی ۱ ـــــ فون ۲۱۳۷۶۸


Marfat.com

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر
اس ترجمہ و کمپوزنگ کے حقوق ملکیت پاکستان میں بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں۔

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : ۱۹۹۹ء شکیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات در ۶ جلد

## ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 26-ناھ روڈ لاہور
کشمیر بک ڈپو۔ چھوٹے بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور

ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارہ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## فہرست عنوانات

# تفسیر مظہری اردو جلد پنجم


| عنوانات | صفحات | عنوانات | صفحات |
|---|---|---|---|
| سورۂ انفال | ۱۵ | قصہ بدر کا تکملہ | ۲۷ |
| بدر کی لڑائی اور مال غنیمت کے حصول میں اختلاف کا ذکر | ۱۵ | حضور ﷺ کا ابو بکر کے ساتھ خبر معلوم کرنے کے لئے نکلنا | ۲۷ |
| اور آیت یسئلونک عن الانفال کے نزول کا ذکر | ۱۵ | حضور ﷺ کا علیؓ بن ابی طالب اور سعدؓ بن ابی وقاص اور زبیرؓ بن عوام کو صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ جستجوئے احوال کیلئے بدر کے چشمہ کی طرف روانہ کرنا۔ | ۲۷ |
| "میں انشاء اللہ مومن ہوں" کہنا جائز ہے یا نہیں | ۱۸ | | |
| (علمائے سلف میں ایک اختلافی مسئلہ) | ۱۸ | | |
| غزوۂ بدر کی تفصیل | ۲۰ | قریش کے دو غلاموں کی گرفتاری اور ان سے احوال کا معلوم ہونا | ۲۷ |
| عاتکہ بنت عبدالمطلب کا خواب | ۲۱ | | |
| کفار مکہ کی غزوۂ بدر کے لئے تیاری | ۲۲ | | |
| ابلیس کا "سراقہ بن مالک کی شکل میں آکر" کفار کو فریب دینا | ۲۳ | بسیس بن عمرو اور عدی بن ابی الرغباء کے ابو سفیان کی خبر لانے کی تفصیل | ۲۷ |
| ضمضم بن عمرو کا خواب، جہیم بن صلت کا خواب | ۲۳ | ابو سفیان کا بدر پر پہنچنا اور حضور ﷺ کے مدینہ سے روانہ ہونے کی خبر کا پہنچنا اور ساحل تک قافلہ کو نکال لے جانے میں جلدی کرنا | ۲۸ |
| رسول اللہ ﷺ کا مدینہ سے روانہ ہونا | ۲۳ | | |
| رسول اللہ ﷺ کا مدینہ کے لئے دعا فرمانا | ۲۴ | | |
| رسول اللہ ﷺ کا اپنے ساتھیوں کے لئے دعا فرمانا | ۲۴ | قافلہ کو بچالانے کے بعد ابو سفیان کا قریش کو مکہ واپس لوٹ آنے کے لئے مشورہ دینا اور ابو جہل کا انکار اور اہل الرائے کا ابو جہل کے فعل کو ناپسند کرنا | ۲۸ |
| بسیس بن عمرو اور عدی بن الرغباء کو ابو سفیان کی خبر لانے کے لئے روانہ کرنا | ۲۴ | | |
| قریش کے "ابو سفیان کے قافلہ کی مدد کے لئے نکلنے کی خبر پاکر آپ ﷺ کا صحابہ سے مشورہ کرنا | ۲۴ | اخنس بن شریک کے کہنے سے بنی زہرہ کا واپس لوٹنا | ۲۸ |
| صحابہ کے ایمان آفرین جواب سن کر رسول اللہ ﷺ کا خوش ہونا اور احدی الطائفتین کی بشارت دینا | ۲۵ | بدر کے ایک کنارے پر اونچی زمین پر قریش کا فروکش ہونا اور حضور ﷺ کا دوسرے کنارہ پر اترنا | ۲۸ |
| | ۲۵ | پانی پر مشرکوں کا قبضہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں پر پیاس کی مصیبت، شیطان کا وسوسہ ڈالنا، پھر بارش کے ہونے پر مشرکین کا آگے بڑھنے سے رک جانا اور | ۲۸ |
| وان فریقا من المومنین لکارھون کی تفسیر | ۲۵ | | |


Marfat.com

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| مسلمانوں کے لئے ریتلی زمین کا ہموار ہو جانا، عمار بن یاسر اور عبداللہ بن مسعود کو تجسس احوال کیلئے بھیجنا | ۲۹ |
| حباب بن جموح کا حضور ﷺ کو اترنے کے لئے مشورہ دینا اور حضرت جبرئیل ؑ کی تائید سے حضور ﷺ کا منظور کرنا، آپ کے لئے جھونپڑی بنانا وغیرہ | ۲۹ |
| مقتولین جنگ کے ناموں اور قتل گاہ کیلئے حضور ﷺ کی پیشن گوئی | ۲۹ |
| بدر کی رات میں حاضر ہونے کا ثواب اور فضیلت | ۳۰ |
| بدر میں فریقین کا آمنے سامنے آنا اور عتبہ کا لوٹ جانے کا مشورہ دینا اور ابو جہل کا انکار | ۳۰ |
| آغاز جنگ | ۳۲ |
| رسول اللہ ﷺ کا جھونپڑی میں تشریف لانا اور اللہ سے دعا کرنا | ۳۲ |
| فرشتوں کے ذریعے مدد آنے کی بشارت | ۳۳ |
| فرشتوں کی جنگ میں شرکت کی نوعیت اور تعداد | ۳۴ |
| فائدہ (فرشتوں کا انسانوں کی شکل میں آنا) | 〃 |
| لوگوں کا بدر کے دن حضور ﷺ کی حفاظت کرتے ہوئے فرشتوں کو آدمیوں کی شکل میں دیکھنا | ۳۵ |
| حضور ﷺ کا بنفس نفیس جنگ میں شریک ہونا اور حضرت ابو بکرؓ کا آپ کے ساتھ ہو کر لڑنا | ۳۶ |
| مومنین پر میدان جنگ میں اونگھ کا طاری ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے سکون کے لئے تھا | ۳۷ |
| احادیث :- جو فرشتوں کے جنگ میں شرکت کے بارے میں وارد ہوئی ہیں | ۳۸ |
| ابولہب کی موت کا ذکر | ۳۹ |
| کفار پر اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی وجہ سے اللہ کے عذاب کا نازل ہونا | ۴۰ |
| دنیا میں مومن پر مصیبتوں کا نزول گناہوں کا کفارہ ہے | ۴۰ |
| مسئلہ :- مومن کو میدان جنگ میں کفار کے مقابلے سے بھاگنے کی ممانعت | ۴۱ |
| وما رمیت اذ رمیت الخ کی تفسیر | ۴۲ |

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| فضائل اہل بدر | ۴۴ |
| فائدہ :- اہل بدر کو دی گئی بشارت کا تعلق آخرت کے عذاب سے ہے دنیوی احکام سے نہیں ابو جہل کی دعا جو اس کے خلاف ہوئی اور آیت ان تستفتحوا کا نزول اور ابو جہل کے قتل کے واقعہ کی تفصیل | ۴۵ |
| مسئلہ :- رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر نماز میں جواب دینا اللہ آڑ بن جاتا ہے آدمی اور اس کے دل کے درمیان | ۴۹ |
| آیت واتقوا فتنة الخ کی تفسیر | ۵۰ |
| کیا آیت میں مذکورہ فتنہ کا معنی بغاوت ہے مولف کی رائے | ۵۱ |
| بنی قریظہ کا محاصرہ اور ان کا گفتگو کرنے کے لئے ابو لبابہ کو منتخب کرنا، ابو لبابہ کی خیانت اور توبہ کرنا، ابو لبابہ کی توبہ قبول ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے ان کو خود کھولا | ۵۲ |
| ابو لبابہ کے متعلق آیت یاایھاالذین امنوا لاتخونوا الخ کا نزول | ۵۵ |
| ابو لبابہ کی خیانت پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ | ۵۵ |
| "تمہارے مال، اولاد فتنہ ہیں" کی تشریح | ۵۵ |
| حدیث :- مومن کی فراست سے ڈرو | ۵۶ |
| حدیث :- اپنے دل سے فتویٰ لو | ۵۶ |
| مدار نجات اللہ کے فضل پر ہے اعمال خیر پر نہیں | ۵۶ |
| آیت واذ یمکر الخ کی تفسیر اور قریش کے اجتماع اور ان میں شیطان کا نجدی شیخ کی صورت میں شریک مجلس ہونے کا قصہ اور حضور ﷺ کا مکہ سے مدینہ ہجرت کرنا | ۵۷ |
| قریش کی مجلس شوریٰ میں ابو جہل کا مشورہ اور شیخ نجدی کی تائید | ۵۸ |
| اللہ نے بذریعہ جبرئیل ؑ حضور ﷺ کو مشورۂ قتل کی اطلاع اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے جانے کی اجازت دی | ۵۸ |
| ہجرت کے واقعہ کی پوری کیفیت | ۵۹ |
| اللہ کی طرف مکر کی نسبت کے معنی | ۵۹ |
| | ۶۰ |


Marfat.com

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| وماکان اللہ لیعذبھم کی تفسیر میں علماء کے اقوال | ۶۲ |
| کفار کی ایک بڑی جماعت کا اسلام قبول کرنا، جن میں کچھ بدر کے قیدی بھی تھے | ۶۶ |
| اسلام کفر کے زمانے کے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور ہجرت و حج بھی گزشتہ گناہوں کا کفارہ ہوتے ہیں | ۶۶ |
| حدیث :- سطح زمین پر کوئی خیمہ یا مکان باقی نہ رہے گا، جس میں اللہ کلمہ اسلام داخل نہ کردے | ۶۶ |
| حدیث :- مجھے اس وقت تک کافروں سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے جب تک لا الہ الا اللہ الخ کے قائل نہ ہو جائیں | ۶۷ |
| مال غنیمت کے مسائل | ۶۸ |
| مسئلہ :- اگر ایک یا دو آدمی بغیر اذان امام دار الحرب میں داخل ہو کر کچھ مال حاصل کریں تو کیا خمس واجب ہوگا؟ | ۶۸ |
| مسئلہ :- مال غنیمت کم ہو زیادہ خمس واجب ہے بلا اذان امام لے لینا خیانت ہے | ۶۸ |
| خمس کے مال کا مصرف | ۶۹ |
| کیا خمس کا سارا مال ایک ہی صنف یا ایک ہی شخص کو دے دینا جائز ہے؟ | ۷۰ |
| مسئلہ :- کیا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپکا حصہ مال غنیمت یعنی خمس میں باقی رہا؟ یہ مسئلہ اختلافی ہے | ۷۲ |
| مسئلہ :- کیا وفات رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے اقارب کا حصہ حسب سابق باقی ہے؟ | ۷۳ |
| خلفائے راشدین کا طریقہ | ۷۴ |
| مولف کی رائے | ۷۵ |
| فصل :- مال غنیمت کا خمس والی آیت میں اشارۃ النص خمس کے چار حصوں کے بارے میں ہے | ۷۶ |
| مقتول سے چھینے ہوئے مال کا حق دار کون ہے؟ | ۷۷ |
| مقتول کا سامان قاتل کے لئے ہوگا، اگر امام نے اعلان کر دیا ہو | ۷۹ |
| مسئلہ :- کسی کو اس کے حصے سے زائد دینے کا حق باتفاق علماء امیر کو ہے | ۸۱ |
| مسئلہ :- انعام کس مال سے دے دیا جائے گا اور کب دیا جائے گا | ۸۱ |
| امیر خاتمہ جنگ پر اپنی صوابدید پر بطور انعام کسی کو دے سکتا ہے | ۸۲ |
| امام اعظمؒ کے مسلک پر اعتراض | ۸۲ |
| سوار کے حصوں میں اختلاف | |
| مسئلہ :- اگر کسی کے پاس ایک سے زائد گھوڑے ہوں تو کتنے حصے ملیں گے؟ | ۸۶ |
| مسئلہ :- کیا اس امدادی فوج کو دار الحرب میں مجاہدین سے دار الاسلام میں مال غنیمت پہنچنے سے پہلے جا ملے، کیا حصہ ملے گا؟ | ۸۶ |
| مسئلہ :- کیا لشکر کے ساتھ جانے والے تاجروں اور سائیسوں کے لئے مال غنیمت میں حصہ ہے؟ | ۸۷ |
| مسئلہ :- اگر لڑکے کو امام شریک جنگ ہونے کی اجازت دے دے تو وہ مال غنیمت کا حصہ دار ہے | ۸۸ |
| مسئلہ :- کیا غیر منقولہ جائیداد مال غنیمت کی طرح ہے | ۸۸ |
| ایک شبہ اور اس کا ازالہ | ۹۰ |
| بدر کی جنگ میں معجزات کا ظہور | ۹۱ |
| آپس کی لڑائی تمہاری دھاک کو ختم کر دے گی | ۹۵ |
| آیت ولا تنازعوا کی تفسیر | ۹۵ |
| جہاد کا خطبہ | ۹۶ |
| شیطان کا امدادی فرشتوں کو دیکھ کر راہ فرار اختیار کرنا | ۹۷ |
| جب شیطان خود کو ذلیل سمجھنے لگا | ۹۸ |
| قریش قصی بن کلاب کے زمانے سے دین اسمٰعیل پر تھے | ۱۰۰ |
| بنی قریظہ کی عہد شکنی اور ان کا قتل | ۱۰۲ |
| بنی قینقاع کی عہد شکنی اور ان کی جلاوطنی | ۱۰۳ |
| تیر اندازی کی فضیلت اور ترغیب | ۱۰۴ |
| گھوڑوں کو جہاد کے لئے پالنے کی فضیلت | ۱۰۵ |
| مجاہدین فی سبیل اللہ پر خرچ کرنے کی ترغیب اور فضیلت | ۱۰۵ |
| کفار سے مصالحت کرنے کی اجازت | ۱۰۶ |
| یاایھا النبی حسبک اللہ الخ کا شان نزول | ۱۰۷ |
| حضور ﷺ کو جہاد کی ترغیب دینے کا حکم | ۱۰۸ |


Marfat.com

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| بدر کے قیدیوں کے سلسلہ میں حضور ﷺ کا صحابہ سے مشورہ، حضرت ابو بکرؓ کے مشورہ پر عمل کرنے پر آیت عتاب کا نزول | ۱۰۹ |
| مسئلہ :- باتفاق علماء امام المسلمین قیدیوں کو قتل کر سکتا ہے | ۱۱۰ |
| مسئلہ :- باتفاق علماء قیدیوں کو غلام بنائے رکھنا جائز ہے | ۱۱۰ |
| وہ قیدی جن پر حضور ﷺ نے احسان کیا اور مسلمان قیدیوں کا کافر قیدیوں سے تبادلہ | ۱۱۱ |
| ثمامہ بن اثال کا اسلام | ۱۱۲ |
| حضور ﷺ کو تمام انبیاء پر چھ چیزوں کیساتھ فضیلت دی گئی، جن میں سے ایک مال غنیمت کا حلال ہونا بھی ہے | ۱۱۳ |
| حضرت عباس بن عبد المطلب کی گرفتاری اور فدیہ دینے سے انکار کا واقعہ | ۱۱۵ |
| یاایھاالنبی قل لمن فی ایدیکم الخ کا شان نزول وغیرہ | ۱۱۵ |
| مسئلہ مومن کی کافروں سے دوستی اور ان کی مدد جائز نہیں ہے | ۱۱۷ |
| مومن اور کافروں کے درمیان وراثت نہیں جاری ہوگی | ۱۱۷ |
| فاسق سے موالاۃ کا تعلق مکروہ ہے | ۱۱۷ |
| اگر حربی کافر مستامن مسلمانوں کی کفار سے ملی جلی بستی پر حملہ کریں تو مستامن مسلمانوں کا شریک جنگ ہونا جائز نہیں، بشرطیکہ حملہ مسلمانوں پر نہ ہو | ۱۱۸ |
| مسئلہ :- مستامن مسلمانوں کو اپنے ہم وطن کافروں سے ان مسلمانوں کا رہا کرانا ضروری ہے، جن کو یہ قیدی بنا کر لا رہے ہوں، خواہ جنگ کرنی پڑے | ۱۱۸ |
| قرابت داروں کی میراث کے احکام | ۱۱۹ |
| سورۂ توبہ | |
| سورۂ توبہ کے متعدد نام اور وجہ تسمیہ | ۱۲۰ |
| سورۂ برات کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں یوم حج اکبر کی تحقیق | ۱۲۱ |
| اشہر حرم منسوخ ہیں یا نہیں؟ | ۱۲۲ |
| حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج بنانا اور حضرت علیؓ کو سورۂ | ۱۲۴ |

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| برات پڑھنے کے لئے بھیجنا | |
| کیا حرم مکہ میں قتال جائز ہے؟ | ۱۲۷ |
| مسئلہ :- اگر مشرکین اشہر حرم میں یا حرم مکہ میں قتال شروع کردیں تو مسلمانوں کے لئے بھی جائز ہے | |
| اہل قبلہ کی خونریزی حرام ہے کی تحقیق | ۱۲۷ |
| جنگ کا مقصد اعلاء کلمۃ اللہ اور لوگوں کو شرک و معاصی سے روکنا | ۱۳۰ |
| حدیث :- میری امت میں ایک گروہ ہمیشہ احکام الٰہی کو قائم کرنے والا رہے گا | ۱۳۰ |
| کافروں کو مسجد حرام میں داخل ہونے اور مساجد کی تعمیر کی ممانعت | ۱۳۲ |
| اللہ کی مساجد کی آبادی کون لوگ کرتے ہیں اور آبادی کا مفہوم | ۱۳۴ |
| بنائے مسجد کی فضیلت | ۱۳۵ |
| آیت اجعلتم سقایۃ الحاج الخ کا شان نزول | ۱۳۶ |
| ایمان باللہ کے بغیر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوگا | ۱۳۷ |
| زمزم سے پانی پلانے کا قصہ | ۱۴۰ |
| غزوۂ حنین | ۱۴۲ |
| حضور ﷺ کے لشکر کی تفصیل اور روانگی کے حالات | ۱۴۲ |
| حضور ﷺ کے سوتے میں اچانک ایک کافر کا حملہ آور ہونا مشرکوں کے سردار مالک کی جنگی تدبیریں | ۱۴۳ |
| مسلمانوں کے فرار کی داستان اور حضور ﷺ کی ثابت قدمی | ۱۴۴ |
| شیبہ بن عثمان کا رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ سے قتل کرنے کا ارادہ و کوشش اور نصرت الٰہی کا ظہور | ۱۴۵ |
| فائدہ :- رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کتنے لوگ ثابت قدم رہے | ۱۴۶ |
| شکست خوردہ مسلمین پر اللہ کی طرف سے تسلی و تسکین کا نزول | ۱۴۷ |
| حضور ﷺ کا ایک مٹھی بھر کافروں پر مٹی پھینکنا | ۱۴۸ |
| آسمان سے امدادی فرشتوں کا اترنا | ۱۴۸ |
| حنین کی لڑائی میں بچوں کے قتل کی نوبت آپہنچی مگر قتل سے آپ نے منع فرمایا | ۱۴۹ |


Marfat.com

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| مشرکین کا فرار | ۱۴۹ |
| مالک کا طائف بھاگ کر پہنچا | ۱۴۹ |
| ذرید بن صمہ کا قتل | ۱۵۰ |
| مال غنیمت حاصل کر کے جعرانہ بھیجا گیا | ۱۵۰ |
| حضور ﷺ کا طائف کا محاصرہ کرنا اور مشرکین کا شدید مقابلہ کرنا | ۱۵۰ |
| شہداء کی تعداد | ۱۵۱ |
| محاصرہ کتنے دن رہا۔ | ۱۵۱ |
| ہوازن کے وفد کی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آمد اور قیدیوں کی رہائی کے لئے درخواست | ۱۵۱ |
| رسول اللہ ﷺ کے رضاعی ماں باپ اور بہنوں کی آمد اور قیدیوں کی واپسی کا قصہ | ۱۵۲ |
| غنائم کی تقسیم اور مولفہ قلوب کو مال غنیمت میں سے حصہ دینا | ۱۵۳ |
| مال غنیمت میں سے مولفہ قلوب کو حصہ دیئے جانے اور انصار کو نہ دینے پر انصار میں بے چینی اور رسول اللہ ﷺ کا اس کی اطلاع ملنے پر تلافی فرمانا | ۱۵۵ |
| یاایھاالذین امنوانماالمشرکون نجس کی تفسیر | ۱۵۷ |
| مشرکین کے حرم میں داخل ہونے کے احکام | ۱۵۷ |
| حرم مشرکین کے دخول کے بارہ میں فقہاء کا مسلک | ۱۵۷ |
| مشرکین کے لئے ممانعت سے مسلمان تشویش میں پڑگئے تو آیت وان خفتم عیلۃ الخ سے ان کی تشویش دور کردی گئی | ۱۵۹ |
| کفار سے ان کے ایمان لانے یا جزیہ دینے تک قتال کا حکم ایک شبہ، کفار کو غیر مومن کیوں کہا گیا اور اسکا ازالہ | ۱۵۹ |
| جزیہ کے معنی اور اس کی تفصیلی بحث | ۱۶۰ |
| جزیہ کے بارہ میں فقہا کا اختلاف اور جزیہ کے مسائل | ۱۶۰ |
| مجوسیوں کے بارہ میں فقہا کا اختلاف اور اس کا جواب | ۱۶۱ |
| رسول اللہ ﷺ کی لشکر یا فوجی دستہ کو روانگی سے قبل ہدایت | ۱۶۲ |
| کیا جزیہ کا حکم صرف عجم کیلئے ہے عربوں کیلئے بھی | ۱۶۳ |
| اکیدر سے جزیہ پر صلح کرنے سے استدلال کہ عربوں سے جزیہ لینا درست ہے | ۱۶۳ |

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| مسئلہ :- (مقدار جزیہ کا بیان) | ۱۶۴ |
| سواد (عراق) کی زمینوں کے ٹیکس کے لئے حضرت عمرؓ نے کیا طریق کار اختیار فرمایا | ۱۶۵ |
| مسئلہ :- بے روزگار مفلس کے بارہ میں امام ابو حنیفہؒ کا مسلک | ۱۶۶ |
| مسئلہ :- (ذمی کافر کے مسلمان ہونے کے بعد باقی جزیہ کا حکم!) | ۱۶۷ |
| ایک شبہ اور اس کا ازالہ | ۱۶۸ |
| مسئلہ :- جزیہ کب واجب ہوتا ہے؟ | ۱۶۸ |
| مسئلہ :- ذمی پر دو سال کا جزیہ واجب ہو جائے تب کیا حکم ہے | ۱۶۹ |
| مسئلہ :- بچوں، پاگلوں، عورتوں پر جزیہ نہیں | ۱۶۹ |
| مسئلہ :- غلام پر بھی جزیہ نہیں | ۱۶۹ |
| مسئلہ :- ذمی اگر جزیہ نہ دے یا احکام کی اطاعت سے انکار اور دوسرے جرائم کرے تو ذمہ ٹوٹ جائے گا | ۱۷۰ |
| خدا کی یا رسول اللہ ﷺ کی شان میں بدکلامی قرآن یا اسلام کے بارہ میں بدزبانی ذمیت کو توڑ دیتی ہے | " " " |
| یہود کا حضرت عزیر کو اور نصاریٰ کا حضرت عیسیٰؑ کو ابن اللہ کہنا ان کی بکواس ہے | ۱۷۰ |
| احبار، رہبان اور ارباب ملک ہی دین کو مسخ کرتے ہیں | ۱۷۳ |
| آیت لیظھرہ علی الدین کلہ کی تفسیر | ۱۷۴ |
| آیت والذین یکنزون الذھب الخ کی تفسیر | ۱۷۵ |
| مال جمع کرنے والوں کیلئے عذاب الیم کی دردناک اطلاع | ۱۷۶ |
| فائدہ :- (عذاب وعید پر بحث) | ۱۷۷ |
| مال جمع کرنے والوں کے لئے عذاب کی تفصیل | ۱۷۸ |
| مہینے اور سال کا تعین زمین و آسمان کے پیدا ہونے کے وقت سے ہی ہے | ۱۷۹ |
| دنوں مہینوں اور سالوں کی تقسیم اور ان کے احکام | ۱۸۰ |
| مہینوں کی حرمت و حلت کا بدلنا کفر ہے | // |
| نسی (حرمت و حلت کا الٹ بدلنا) اس کا بانی کون تھا | // |
| تاجروں کے ذریعے رومیوں کی مسلمانوں کے خلاف تیاری کی اطلاع جہاد کی تیاری کا حکم | ۱۸۲ |
| | ۱۸۳ |


Marfat.com

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| منافقین اور بعض مخلص مومنین نے سستی کی وجہ سے جنگ میں شرکت نہ کی جس پر آیت یایھاالذین امنوامالکم اذاقیل لکم الخ نازل ہوئی | ۱۸۴ |
| آپ لوگوں کی منافقت یا ست کاری کے باعث جہاد میں عدم شرکت کا خیال نہ کریں وہ آپ کا ناصر و مددگار ہے جیسا کہ ہجرت کے وقت ثابت ہو چکا ہے | ۱۸۵ |
| فصل :- ہجرت کی تفصیل اور سفر کے تفصیلی واقعات سراقہ کا قصہ | ۱۸۶ |
| مدینہ میں داخل ہوتے وقت ابو بکر صدیقؓ کو حضورؐ کی ہدایت | ۱۹۲ |
| مدینہ میں داخل ہوتے وقت حضرت بریدہ نے آپ کے لئے اپنے عمامہ کا جھنڈا بنایا | ۱۹۳ |
| انفروا خفانا ثقالا کی تفسیر | // |
| غزوۂ تبوک کے لئے تیاری لشکر کی غرض سے مالی امداد کی ترغیب | ۱۹۴ |
| غزوۂ تبوک کے لئے صحابہ کا ایثار | ۱۹۵ |
| منافقین نے بعد مسافت اور مشقت کو بہانہ بنا کر غزوۂ تبوک میں شرکت سے اعراض کیا | // |
| آیت عفاالله عنک الخ کی تفسیر | ۱۹۶ |
| رسول اللہ ﷺ کی جہاد تبوک پر روانگی | // |
| منافقین کی عدم شرکت اچھا ہوا نہ ہوئی نہ جانے وہ کیا کیا فتنے پیدا کرتے | ۱۹۸ |
| جد (منافق) کا اجازت طلب کرنا اور اس کے بیٹے عبداللہ کا (جو مومن تھا) باپ سے جہاد پر نہ جانے کے لئے جھگڑا کرنا | ۱۹۹ |
| منافق مسلمانوں کی اچھی حالت پر دکھ محسوس کرتے ہیں اور جب کوئی مصیبت آپڑے تو خوش ہوتے ہیں | ۲۰۰ |
| کیا منافقین ہماری دو کامیابیوں میں سے ایک کامیابی کا انتظار کریں گے | ۲۰۱ |
| منافقین کے صدقات مقبول نہیں ہیں (ان کے کفر کی وجہ سے) | // |
| منافقین کے اموال واولاد آپ کو پسند نہ آنا چاہئے | ۲۰۲ |
| صدقات کے بارہ میں منافقین کی نکتہ چینی | ۲۰۳ |
| ان کو دو تو خوش ہو جاتے ہیں نہ دو تو ناراض | ۲۰۴ |
| صدقات اور مال غنیمت رسول اللہ ﷺ اپنی رائے سے نہیں بلکہ خدا کے حکم سے تقسیم فرماتے تھے | ۲۰۵ |
| آیت انماالصدقات للفقراء الخ میں صدقات کے مصارف بیان کئے گئے ہیں | // |
| غیر مسلم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی | ۲۰۶ |
| ایک شبہ، جواب | // |
| ایک شبہ : کیا بھیک مانگنے والے فقیر، مسکین ہو سکتے ہیں جواب | ۲۰۷ |
| محصلین زکوٰۃ کو فقراء میں ضمناً شمار کیا جائے گا | ۲۰۸ |
| محصل زکوٰۃ کو کتنا دیا جائے ؟ | // |
| مولفۃ القلوب سے کون لوگ مراد ہیں | ۲۰۹ |
| کیا مولفۃ القلوب اب بھی مصرف زکوٰۃ میں سے ہیں | // |
| ایک شبہ حضور صفوان بن امیہ کو حالت کفر میں مال زکوٰۃ سے دیتے رہے یا مال غنیمت سے ؟ اور اس کا جواب | ۲۱۰ |
| کیا مولفۃ القلوب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے ؟ | // |
| غلام و باندی کی آزادی کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے ؟ | ۲۱۱ |
| کیا سفر حج کے مصارف پر زکوٰۃ خرچ کی جاسکتی ہے ؟ | ۲۱۱ |
| مال زکوٰۃ سے آزاد کردہ غلام کا حق ولاء کس کو حاصل ہے | // |
| قرض داروں کو بھی ادائے قرض کے لئے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے | ۲۱۲ |
| فقہاء نے قرض داروں کی تین قسمیں بیان کی ہیں | // |
| مجاہدین پر بھی زکوٰۃ سے خرچ کیا جاسکتا ہے، فی سبیل اللہ سے مراد حج ہو سکتا ہے | ۲۱۳ |
| ابن سبیل (مسافر) کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، فقہا کی تشریحات | // |
| قرابت داروں پر زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے | ۲۱۵ |
| صدقات کے ساتوں اصناف میں امام صاحب کے نزدیک اصل بنیاد فقر ہے | ۲۱۸ |


Marfat.com

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| امام شافعیؒ کا مسلک | ۲۱۸ |
| مصنف کی طرف سے جواب | // |
| مصارف زکوٰۃ میں فقہی بحث | ۲۱۹ |
| فقر وغنا کی تشریح اور اس پر بحث | ۲۲۰ |
| مسئلہ :- کمائی کے قابل ضرورت مند کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے | ۲۲۲ |
| امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا اختلاف | // |
| ایک شبہ اور اس کا جواب | ۲۲۳ |
| مسئلہ :- رسول اللہ ﷺ کے لئے زکوٰۃ و صدقات حرام تھے | // |
| کیا آل رسول اللہ ﷺ کیلئے بھی زکوٰۃ صدقہ حرام تھا؟ | ۲۲۴ |
| مسئلہ :- حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور کے قرابتداروں کے لئے زکوٰۃ و صدقات کی حلت و حرمت میں علماء کا اختلاف | ۲۲۴ |
| اس بارہ میں علماء کے چار مختلف اقوال اور ان پر تفصیلی بحث | ۲۲۴ |
| حدیث :- ہم کسی کو وارث نہیں چھوڑتے ہم جو چھوڑ جائیں صدقہ ہے | ۲۳۵ |
| مسئلہ :- ہاشمی، ہاشمی کی زکوٰۃ لے سکتا ہے؟، امام یوسفؒ کے نزدیک لے سکتا ہے کیونکہ وہ خود ان کا اپنا صدقہ ہے | // |
| دیگر ائمہ کو اختلاف ہے | // |
| بنی ہاشم کے غلاموں کے لئے زکوٰۃ کے احکام | ۲۲۵ |
| مسئلہ :- بنی ہاشم جن کے لئے زکوٰۃ حرام ہے ان کی تشریح آل علیؓ، آل عباسؓ، آل جعفرؓ، آل عقیلؓ، آل حارث بن عبدالمطلب | // |
| مسئلہ :- مال زکوٰۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جانا مکروہ ہے، حضرت عمر بن عبدالعزیز کا عمل | ۲۲۶ |
| آیۃ : ومنهم الذين يوذون النبی الخ کی تفسیر | ۲۲۷ |
| رسول اللہ ﷺ کو ایذا دینے والوں کیلئے عذاب الیم ہے | // |
| یہ منافقین جھوٹی قسمیں کھا کر مسلمانوں کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں | // |
| منافقین ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں ان کے رازوں کا پردہ چاک نہ ہو جائے مگر اللہ تعالیٰ ان کا پردہ چاک کرے گا | ۲۲۸ |
| یہ غزوۂ تبوک سے واپسی پر ایک گھاٹی میں آپ کے قتل کے منصوبہ کی طرف اشارہ ہے | ۲۲۹ |
| قتل کی سازش میں بروایت ۱۴، ۱۵ آدمی تھے | ۲۳۱ |
| آپ ان سازشیوں سے دریافت کریں تو کہیں گے ہم تو آپس میں خوش طبعی کر رہے تھے | // |
| یہ ان کی جھوٹی معذرت کو شیاں ہیں ان کو ان کے جرم کی سزا ملے گی | ۲۳۳ |
| منافق مرد و عورت سب ایک ہیں یہ صرف برا کام کرنے اچھا کام نہ کرنے کا ہی عمل کرتے ہیں | // |
| منافق فاسق ہیں ان کا ٹھکانا جہنم ہے | ۲۳۴ |
| منافقوں کے اعمال دنیا و آخرت میں اکارت کر دیئے گئے | ۲۳۵ |
| مومن مرد و عورتیں آپس میں سب ایک ہیں | ۲۳۶ |
| مومن اچھے کام کرنے والے، برے کام سے روکنے والے ہیں، اقامت صلوٰۃ و ایتاء زکوٰۃ اور خدا کی اطاعت ان کا شیوہ ہے | ۲۳۶ |
| مومنوں کیلئے اللہ کی طرف سے جنت کی بشارت ہے | // |
| جنت اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ | // |
| خداوند کریم کی خوشنودی ہی مومنوں کی عظیم کامیابی ہے | ۲۳۸ |
| کفار اور منافقین سے جہاد کا حکم | // |
| آیۃ :يحلفون بالله ماقالوا کی تفسیر | ۲۴۰ |
| ثعلبہ بن حاطب انصاری نے مال و دولت کے حصول کے لئے حضور ﷺ سے دعا کرائی اس کا ذکر | // |
| ثعلبہ کی زکوٰۃ ادا کرنے سے پہلو تہی اور رسول اللہ ﷺ کا اس کی زکوٰۃ قبول کرنے سے انکار | ۲۴۱ |
| ثعلبہ کی زکوٰۃ صدیق اکبرؓ، عمر فاروقؓ نے بھی قبول نہیں فرمائی | ۲۴۲ |
| آیۃ :الذين يلمزون المطوعين الخ کی تفسیر | // |
| منافقین کے لئے دعائے مغفرت مستحسن نہیں ہے | ۲۴۳ |
| غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے والوں کا ذکر کہ وہ کس طرح خوش تھے | ۲۴۴ |


Marfat.com

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| مگر اس خوشی کے نتیجہ میں آخر کو رونا زیادہ ہوگا فلیضحکوا قلیلاً ولیبکوا کثیراً کی تشریح | ۲۴۵ |
| جہاد میں بیٹھ رہنے والوں کے لئے حکم | ۲۴۷ |
| ان کی نماز جنازہ و دعا کی بھی ممانعت ہے | ″ |
| عبداللہ بن ابی منافق کے لئے دعاء مغفرت و نماز سے آپ کا مقصد اس کی قوم کے اسلام کی خواہش تھی | ۲۴۸ |
| کفار کی اولاد و اموال کے معاملہ میں فراوانی قابل تعجب نہیں ہے اس سے اللہ تعالیٰ ان کو دنیا میں عذاب دیتا ہے | ″ |
| رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی جان و مال سے جہاد میں شرکت ان کے لئے خیر ہی خیر ہے | ۲۴۹ |
| جہاد پر نہ جانے والے اعراب (دیہاتیوں) کا ذکر | ۲۵۰ |
| قاعدین عن الجہاد کا حکم | ″ |
| جو لوگ (مومن) حقیقی عذر کی بناء پر شریک جہاد نہ ہو سکے تھے ان کا ذکر | ″ |
| یعتذرون گیارہواں پارہ | |
| غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے والے منافقین کی معذرت قبول کرنے سے انکار کا بیان | ۲۵۵ |
| ایسے منافقین کی تعداد ۸۰ تھی | ۲۵۶ |
| دیہاتی لوگ کم معلومات کی وجہ سے نفاق میں شدید ہوتے ہیں | ″ |
| جو لوگ خدا کی راہ میں نہیں بلکہ تاوان سمجھ کر خرچ کرتے ہیں ان کا ذکر | ۲۵۷ |
| دیہات کے ان لوگوں کا ذکر جو خدا اور یوم آخرت پر ایمان لائے | ″ |
| مہاجرین و انصار کا ذکر | ۲۵۸ |
| سابقین سے کون سے مہاجر و انصار مراد ہیں | ″ |
| منافقین اعراب سے کون کون سے قبیلے مراد ہیں | ۲۶۰ |
| اہل مدینہ کے منافقین اور ان کے تمرد اور ان کے عذاب کا ذکر | ″ |
| غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونے کے قصور کا اعتراف کرنے والوں کا ذکر | ۲۶۱ |
| معترفین گناہ کی توبہ قبول ہونے کا ذکر | ۲۶۲ |
| صدقہ تذکیہ جان و مال ہے | ۲۶۲ |

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| ابولبابہ کی قبول توبہ | ۲۶۳ |
| آیۃ : وصل علیھم کی تفسیر | ۲۶۴ |
| لفظ صلوٰۃ کا استعمال کیا انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے | ″ |
| آیۃ :ان صلوتک سکن لھم کے معنی اور تفسیر | ۲۶۵ |
| آیت : واخرون مرجون سے کون لوگ مراد ہیں | ۲۶۶ |
| مسجد ضرار کی بناء کا پس منظر اور (بنانے والوں کا ذکر) | ۲۶۷ |
| غزوۂ تبوک سے واپسی پر جب آپ مسجد کا افتتاح کرنے کے لئے تھوڑے فاصلے پر رکے تو حکم نازل ہوا، لاتقم فیہ ابداً | ۲۶۸ |
| مسجد ضرار کو جلادیا گیا | ″ |
| لمسجد اسس علی التقوی سے کون سی مسجد مراد ہے | ۲۶۹ |
| آیت :فیہ رجال یحبون ان یتطھروا کی تفسیر | ۲۷۰ |
| آیت :افمن اسس بنیانہ علی تقویٰ الخ کی تفسیر | ۲۷۱ |
| قبیلہ اوس کے اسلام لانے کا واقعہ (بیعت عقبیٰ اولیٰ) | ۲۷۲ |
| بیعت عقبیٰ ثانیہ کا ذکر | ۲۷۳ |
| بیعت عقبیٰ ثالثہ کا ذکر | ″ |
| مومنین سے جنت کے عوض جان و مال کا اللہ نے سودا کیا مومنوں کے لئے کامیاب سودا ہے | ۲۷۳ |
| توبہ کرنے والے عابد و روزہ داروں نماز پڑھنے والوں اور دوسرے نیک اعمال کرنے والوں کا ذکر | ۲۷۵ |
| مشرکین کے لئے استغفار کی ممانعت | ۲۷۶ |
| ایک شبہ، اس کا جواب | ۲۷۸ |
| حضرت ابراہیمؑ نے اپنے والد کے لئے استغفار صرف اس لئے کی تھی کہ انہوں نے ان سے وعدہ کر لیا تھا، | ۲۷۹ |
| حضرت ابراہیمؑ کو جب حقیقت حال کا علم ہوا تو انہوں نے برات ظاہر کی | ″ |
| احکام ممنوعہ بتانے سے پہلے ان پر مواخذہ نہیں ہے | ۲۸۰ |
| تنگی کے وقت حضور ﷺ کا ساتھ دینے والوں پر خدا خصوصی توجہ فرماتا ہے | ۲۸۱ |
| غزوۂ تبوک میں حضرت ابوذر غفاریؓ کی شرکت کا واقعہ | ۲۸۲ |
| حضرت ابوخیثمہؓ کا ذکر | ″ |


Marfat.com

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| آیت : وعلی الثلثۃ الذین خلفوا غزوۂ تبوک میں تین صحابہ کی عدم شرکت | ۲۸۳ |
| کعب بن مالک کا بیان اور تفصیلی واقعہ | ۲۸۴ |
| تینوں صحابہؓ سے کلام نہ کرنے کی ہدایت | ۲۸۵ |
| غسان کے بادشاہ کا کعب بن مالک کا وطن چھوڑ کر اس کے پاس چلے آنے کا لالچ دینا | ۲۸۶ |
| چالیس دن کے بعد تینوں صحابہؓ کو بیوی بچوں سے الگ ہو جانے کا حکم | // |
| پچاس دن کے بعد قبول توبہ کی بشارت | ۲۸۷ |
| بشارت دینے والے ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ تھے | // |
| توبہ قبول ہونے کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری | // |
| توبہ و قبول توبہ کے سلسلہ کی احادیث | ۲۸۸ |
| رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دینا یا پیچھے رہ جانا مسلمانوں کے لئے زیبا نہیں ہے | ۲۸۹ |
| جہاد میں ساتھ دینے کا حکم دوامی ہے | ۲۹۰ |
| جہاد کے سلسلہ میں معمولی سے معمولی ایثار بھی باعث ثواب ہے | // |
| تمام لوگوں کا ایک ساتھ جہاد پر نکل جانا مناسب نہیں تاکہ معاشرہ میں بگاڑ نہ ہو | ۲۹۱ |
| کچھ لوگوں کو علم حاصل کرنے کے لئے بھی نکلنا چاہئے | // |
| آیت : فلولا نفر من کل فرقۃ الخ کا شان نزول | ۲۹۳ |
| کفار سے جہاد کب اور کس طرح کرنا چاہئے فقہا کی تصریح | ۲۹۴ |
| نزول قرآن پر مومنوں کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے | // |
| نزول قرآن پر منافقین کا غرباء مسلمین سے تمسخر کا بیان | ۲۹۵ |
| منافقین بار بار ذلیل ہوتے ہیں مگر نفاق سے توبہ نہیں کرتے | // |
| منافقین نزول قرآن کے وقت آپس میں استہزا کرتے تھے | // |
| آیت : لقد جاء کم رسول من انفسکم الخ کی تفسیر | ۲۹۶ |
| فصل (غزوۂ تبوک کے متعلق مزید واقعات و معجزات | ۲۹۷ |

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| قلعہ دومۃ الجندل کی فتح اور اکیدر سے امان کی شرط پر صلح | ۳۰۳ |
| مال غنیمت کی تقسیم اور ہر ایک کو کتنا ملا | ۳۰۴ |
| اکیدر کی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیشی اور جزیہ کی شرط پر صلح | // |
| غزوۂ تبوک میں قیام بیس دن رہا | // |
| حضرت عمرؓ کی درخواست پر غذا میں حضورؐ کی برکت کے لئے دعا اور اسی کا اثر | ۳۰۵ |
| غزوۂ تبوک کی واپسی میں نماز فجر قضاء ہو گئی | // |
| شدت پیاس میں حضورؐ کا پانی کے لوٹے پر ہاتھ رکھنا اور انگلیوں سے چشمہ کا ابل پڑنا | ۳۰۶ |
| تبوک اور وادی ناقہ کے درمیان نشیب میں خشک چشمہ تھا، صرف معمولی کیچڑ میں آپ نے ہاتھ ڈال کر اس کو متعالو دعا فرمائی، چشمہ جاری ہو گیا | // |
| جانوروں پر آپ نے دم فرمایا اور ان میں تیزی و روانی آگئی | // |
| **سورہ یونس** | |
| عربوں کو تعجب تھا کہ کیا انسان نبی ہو سکتا ہے ؟ اور وہ انسان کو خدا کا نبی ماننے کے منکر تھے اس ذیل میں آیت اکان للناس عجبا الخ نازل ہوئی | ۳۰۸ |
| نبی کا مقصد لوگوں کو خدا سے ڈرانا اور ایمان والوں کو بشارت دینا ہے | // |
| زمین و آسمان کی پیدائش کی مدت | ۳۰۹ |
| استواء علی العرش کی حقیقت اور علماء کی بحث | // |
| صفات خداوندی کا ذکر | ۳۱۲ |
| نیکوکاروں کے لئے ٹھیک ٹھیک جزاء | // |
| کفار کے لئے ان کے کفر کی وجہ سے عذاب | // |
| شمس و قمر اور تقدیر منازل کس لئے ؟ | ۳۱۳ |
| آیت : ان الذین لا یرجون لقاء نا | // |
| اور آیت : والذین ھم عن اٰیتنا غفلون میں الذین سے کون لوگ مراد ہیں | // |
| ایمان پل صراط پر جنت تک پہنچانے والا راستہ بنا دے گا | ۳۱۴ |


Marfat.com

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| جنت میں جنتیوں کی دعا سبحنک اللھم ہوگی | ۳۱۴ |
| جنت میں ملاقاتیوں کا پہلا کلام "سلام" ہوگا | |
| فرشتے بھی ہر صبح سلام علیکم بما صبرتم کہیں گے اور خدا کا سلام پہنچائیں گے | ۳۱۵ |
| غصہ کی حالت میں اہل وعیال کو یا اپنے آپ کو بددعا نہ دینی چاہئے | // |
| آیت : واذا تتلی علیھم ایتنا میں مشرکین مکہ کو خطاب ہے جنہوں نے حضور ﷺ سے کہا تھا کہ قرآن مجید میں اگر ذرا سی تبدیلی کردیں تو ہم ایمان لے آئیں، اس کا ذکر | ۳۱۷ |
| فقدلبثت فیکم عمرأمن قبلہ سے قرآن کریم کے وحی الٰہی اور معجزہ ہونے کی طرف لطیف اشارہ | ۳۱۸ |
| فائدہ : نزول وحی، قیام مکہ بعد الوحی، قیام مدینہ اور وفات کا تفصیلی ذکر) | // |
| خدا پر جھوٹا بہتان لگانا انتہائی ظلم ہے | ۳۱۹ |
| غیر اللہ کی عبادت کوئی نفع یا نقصان نہیں پہنچا سکتی | // |
| قل اتنبئون اللہ الخ کفار کو زجر توبیخ کی گئی ہے | // |
| آیت : وماکان الناس الا امۃ واحدۃ کی تفسیر | // |
| قوموں کے بارہ میں خدا کا فیصلہ اگر متعین نہ ہو چکا ہوتا تو ان کے اختلاف کا فیصلہ اس دنیا میں ہی کر دیا جاتا | ۳۲۰ |
| مشرکین سرسبزی، فراوانی اور خوشحالی یا خشک سالی و بدحالی کے وقت کہتے تھے کہ یہ سب بختر کی وجہ سے ہوتا ہے اور قرآن کا استہزاء کرتے تھے اس کا ذکر | // |
| آیت : قل اللہ اسرع مکراً مکر کے معنی اور تشریح فراخی و خوشحالی کے وقت خوش ہو لیتے ہیں | ۳۲۱ |
| اور جب مشکلات و مصائب نازل ہوتے ہیں اس وقت خدا کو یاد کرتے ہیں، نجات مل جانے پر پھر سرکش ہو جاتے ہیں | ۳۲۲ |
| انسان کی سرکشی ہی اس کے لئے وبال جان ہے دنیاوی زندگی کو تمثیل دے کر بتایا گیا کہ کیا ہے | // |
| آیت : واللہ یدعوالیٰ دارالسلام میں دعوت خداوندی کی تشریح و تمثیل | ۳۲۳ |

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| صراط مستقیم کی طرف ہدایت کے کیا معنی ہیں | ۳۲۴ |
| آیت : للذین احسنوا حسن عبادت سے کیا مراد ہے؟ اور حسن عمل کا بدلہ جنت میں کیا ہے | // |
| برے کام کرنے والوں کو اس کی سزا دی جائے گی، اس کی تفصیل | ۳۲۵ |
| آیت : ویوم نحشرھم سے قیامت کے دن کو یاد دلانے کے بعد مشرکین اور ان کے شرکاء کے درمیان قیامت کے دن تعلقات کی تفصیل بتائی گئی | ۳۲۶ |
| ربوبیت خداوندی پر کفار سے سوال و جواب کفار اپنے عقائد میں دلائل و براہین سے کام نہیں لیتے بلکہ ظن و گمان سے کام لیتے ہیں | ۳۲۷ |
| قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے خدا کی طرف سے نازل ہوا | ۳۲۸ |
| قرآن کے بارے میں شک کرنے والوں کو تحدی کہ اس کی کسی صورت کے مثل ہی بنا لاؤ | ۳۲۹ |
| قرآن کی حقانیت سے ان کا یہ انکار غور و تحقیق کی بناء پر نہیں بلکہ ہٹ دھرمی پر مبنی ہے | // |
| اسلام و قرآن کے بارہ میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے ایمان لانے کی بشارت | ۳۳۰ |
| دلائل براہین کے باوجود جب کفار نہیں مانتے تو آپ ان سے اظہار بیزاری فرما دیجئے | // |
| اللہ ظلم نہیں کرتا لوگ اس کے احکام نہ مان کر ضد و ہٹ دھرمی کر کے اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں | ۳۳۱ |
| حشر کے میدان میں لوگ ایک دوسرے کو خوب پہچانیں گے | // |
| آیت : ثم اللہ شھید علیٰ مایفعلون شہید کا معنی | ۳۳۲ |
| آیت : ولکل امۃ رسول الخ کی تشریح کہ جب کسی قوم میں ان کا رسول آجاتا ہے تو قوم کے ساتھ کیا معاملات ہوتے ہیں | // |
| نفع و نقصان کا مالک اللہ ہے | ۳۳۳ |
| موت و زیست کا وقت مقرر ہے | // |
| خدا کا عذاب اگر سوتے میں یا دن میں کاروبار کے وقت | // |


Marfat.com

| عنوانات | صفحات |
|---|---|
| تو کیا کرو گے | |
| عذاب آجانے یا موت کا یقین ہو جانے پر اسلام لانا بے سود ہے | ۳۴۳ |
| توحید، نبوت قرآن اور قیامت کے بارہ میں کفار کا سوال اور اس کا جواب | // |
| عذاب آخرت کے عوض کفار سب کچھ نچھاور کر دینگے | ۳۴۴ |
| قرآن تمہارے لئے موعظت اور شفا بن کر نازل ہوا ہے | ۳۴۵ |
| مومنین کے لئے قرآن ہدایت و رحمت ہے، حصول قرآن پر مسلمانوں کو خوش ہونا چاہئے | // |
| کفار نے خدا کے عطا کردہ رزق سے کچھ حرام کر لیا کچھ کو حلال، کفار سے سوال کیا کہ تم نے خدا کے حکم سے ایسا کیا ہے؟ | // |
| خدا پر جھوٹ بولنے والے کیا عذب آخرت سے نہیں ڈرتے، وماظنکم فی شان میں حضورؐ سے خطاب ہے کہ آپ کی ہر ہیئت عمل سے خدا باخبر ہے، خدا سے کچھ ہوا نہیں ہے | ۳۴۶ |
| آیت: الا ان اولیاء اللہ 'ولاء' کے معنی اور اس پر تنقیح | ۳۴۷ |
| اللہ پر ایمان لانے والے اور اس سے ڈرنے والے ہی اولیاء اللہ ہیں | ۳۴۸ |
| خدا کے بعض بندے ایسے بھی ہوں گے جن کے مرتبہ قرب کو دیکھ کر انبیاء، شہداء ان پر رشک کریں گے کہ وہ کون ہیں؟ | // |
| حصول ولایت کے ذرائع | // |
| اولیاء اللہ کی علامات کیا ہیں؟ | ۳۴۹ |
| فائدہ: اولیاء اللہ کا خدا سے قرب اور عامۃ الناس کی اولیاء اللہ سے ہم نشینی کی تمثیل | ۳۵۰ |
| فائدہ: کشف و کرامت ولایت کی خصوصی نشانی نہیں ہے | // |
| صحابہؓ اور مسلمانوں کے لئے دنیوی زندگی میں بشارت مبشرات اجزاء نبوت سے ہیں | ۳۵۲ |
| آیت: لھم البشریٰ بشارت کے معنی | // |
| ایک شبہ، کیا اولیاء اللہ کا خواب مفید یقین نہیں؟ | // |
| شبہ کا ازالہ | // |
| رات کو آرام کرنے کے لئے اور دن کو روشن و تابناک بنانا اللہ کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے | ۳۵۴ |
| آیت: وقالوا اتخذ اللہ ولدا کی تفسیر | // |
| اللہ کی اولاد ہونے سے برات اور اس کے دلائل | // |
| خدا پر افتراء کرنے کا عذاب بہت شدید ہوگا | // |
| حضرت نوح علیہ السلام کا خطاب قوم سے اور اسلام کی دعوت | ۳۵۵ |
| قوم نوح علیہ السلام کی تکذیب اور اس کا نتیجہ | ۳۵۶ |
| حضرت نوح علیہ السلام کے بعد دوسرے انبیاء کا آنا اور قوم کا اپنی پہلی آڑ پر اڑا رہنا | // |
| حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کی بعثت فرعون کی طرف | ۳۵۷ |
| مکالمہ: فرعون کا ساحروں کا جمع کرنا اور ان کی شکست ظہور صداقت کے باوجود فرعون ایمان نہیں لایا | // |
| صرف موسیٰ کی قوم کا ایک حصہ (مصری) ایمان لایا باقی قوم (قبطی) فرعون کے ڈر سے ایمان نہیں لائی | ۳۵۸ |
| موسیٰ علیہ السلام کا بنی اسرائیل سے خطاب | ۳۵۹ |
| ادائے نماز کے لئے خدا کی موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کے لئے گھر بنانے کی ہدایت | // |
| حضرت موسیٰ ؑ کی دعا کہ فرعون کی زیب و زینت گمراہی کا سبب بن جائے | ۳۶۰ |
| یہ دعا کہ ان کے مال و اسباب کو تباہ کر دے | // |
| واشدد علیٰ قلوبھم کی تفسیر | ۳۶۱ |
| ایک شبہ اور اس کا ازالہ | ۰ |
| حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا دریا سے پار ہونا اور فرعون کا غرق ہونا | // |
| فائدہ: کیا فرعون کا ایمان (ڈوبتے وقت) مقبول ہو گیا تھا | ۳۶۲ |
| بنی اسرائیل آپ کی بعثت تک نبی آخر الزمان کے بارہ میں تصدیق کرتے رہے اور جب آپ کی بعثت ہو گئی تو اختلاف کی بعثت ہو گئی تو اختلاف کرنے لگے | // |
| حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ | ۳۶۶ |


Marfat.com

| عنوانات | صفحات |
| --- | --- |
| آیت : ولوشاء ربک الخ میں مشیت کے معنی | ۳۵۸ |
| آیت :قل یٰایھاالناس ان کنتم الخ مشرکین سے | ۳۶۰ |
| خطاب ہے کہ تمام حجت کر دیا گیا، ہم تو یہی کریں گے جس کا خدا نے حکم دیا ہے | ۳۶۰ |


Marfat.com

# سورۂ انفال

اس میں ۷۶ یا ۷۷ آیات ہیں یہ سورت مدنی ہے، بعض علماء کے نزدیک وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ سے سات آیات تک کی ہیں، مکہ میں ان کا نزول ہوا زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ واقعہ اگرچہ مکہ کا ہے مگر آیات کا نزول مدینہ میں ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابن ابی شیبہ، ابو داؤد، حاکم، ابن حبان، عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن عابد، بن مردویا ور ابن عساکر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کا دن ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کسی (دشمن) کو قتل کرے گا اس کو یہ یہ ملے گا اور جو کسی کو قید کرلے گا اس کو یہ یہ ملے گا۔

ابن مردویہ نے کلبی کی وساطت سے بروایت ابو صالح اور عطاء نے ابن عجلان کی وساطت سے بروایت عکرمہؓ حضرت ابن عباسؓ کے بیان کے موافق حدیث کے الفاظ اس طرح بیان کئے ہیں جو کسی (دشمن) کو قتل کردے گا اس سے چھینا ہوا مال (یعنی اسلحہ اور لباس) اسی کا ہوگا اس فرمان کے بعد بوڑھے لوگ تو جھنڈوں کے لئے جمے رہے اور جوان تیزی کے ساتھ قتل کرنے اور لوٹنے کی طرف بڑھے بوڑھوں نے جوانوں سے کہا ہم کو بھی اپنے ساتھ (مال غنیمت میں) شریک کرلو ہم تمہاری پشت پر تھے اگر تم سے کچھ ہو جاتا (یعنی بھاگنا پڑ جاتا) تو تم ہماری ہی طرف آتے، غرض دونوں فریقوں نے اپنا جھگڑا حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا ابوالیسر دو آدمیوں کو قید کر کے لائے تھے انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ نے ہم سے (یہ یہ) وعدہ کیا تھا اس پر سعد بن معاذ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا آپ نے (سب کچھ) ان لوگوں کو دے دیا اور آپ کے (خاص) ساتھیوں کے لئے کچھ بھی نہ بچا ہم اس (میدان جنگ) میں گھسنے سے اس وجہ سے باز نہیں رہے تھے کہ آخرت کی ہم کو طلب نہ تھی یا ہم دشمن سے ڈرتے تھے یا زندگی کی ہم کو زیادہ پیاری تھی اور ہم جان دینے میں بخیل تھے جیسا ہمارے بھائیوں نے کیا ہم بھی کر سکتے تھے مگر بات یہ تھی کہ ہم نے دیکھا آپ تنہا رہ گئے ہیں ہم نے گوارا نہ کیا کہ آپ کو جان جوکھوں کے مقام میں تنہا چھوڑ کر آگے بڑھ جائیں، آپ کی حفاظت کرنے کے لئے ہم یہیں ٹھیرے رہے کہیں پیچھے سے دشمن آپ پر نہ آپڑیں۔ خلاصہ یہ کہ لوگوں میں خوب اختلاف ہوا اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا۔

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝۱

آپ سے یہ لوگ مال غنیمت کا حکم دریافت کرتے ہیں آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ اموال غنیمت تو اللہ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی ہیں پس اگر تم ایمان والے ہو تو اللہ سے ڈرو اور باہمی تعلقات درست رکھو اور اللہ کے اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلو۔

انفال نفل کی جمع ہے نفل کا معنی ہے مال غنیمت (مفت کا مال) مال غنیمت کو نفل (مال زائد) کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ محض خداداد ہوتا ہے جو اللہ اپنی مہربانی سے عطا کرتا ہے (نہ تجارت و زراعت و صنعت کے ذریعہ سے حاصل کردہ ہوتا ہے نہ میراث وہبہ کے ذریعہ سے حاصل شدہ) مطلب یہ ہے کہ مسلمان آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ مال غنیمت کس کا ہے کون اس کا مستحق ہے آپ

Marfat.com

ان سے کہہ دیجئے کہ مال غنیمت کی ملکیت تو اللہ کی ہے اور تصرف کرنے کا حق رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے جو اللہ کے حکم کے مطابق اس کو تقسیم کرتے ہیں۔ ائمہ حدیث نے مندرجہ بالا آیت کے بارے میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے مال غنیمت کا اختیار لوگوں کے ہاتھوں سے لے کر رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں دے دیا اور رسول اللہ ﷺ نے سب مسلمانوں کو برابر تقسیم کر دیا اللہ سے ڈرنے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی اطاعت کرنے اور باہمی تعلقات کو درست رکھنے کا یہی مفہوم ہے۔

فَاتَّقُوا اللّٰهَ یعنی باہمی اختلاف اور پھوٹ پیدا کرنے سے پرہیز کرو اس معاملہ میں اللہ سے ڈرو وَاَطِیْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور مال غنیمت وغیرہ کے متعلق جو تم کو حکم دیا جاتا ہے اس میں اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کلام سابق چونکہ جزا کے مفہوم پر دلالت کر رہا ہے اس لئے جزا کے مزید ذکر کی ضرورت نہیں فقط شرط کا ذکر کافی ہے یعنی تم کامل الایمان ہو تو جیسا حکم دیا جا رہا ہے ویسا کرو کمال ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ احکام کی اطاعت کی جائے نافرمانی سے پرہیز رکھا جائے انصاف ہو یا احسان یا اپنے حق سے دست برداری کسی صورت سے ہو آپس کے تعلقات کو بگڑنے نہ دیا جائے بیضاوی نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا کہ جس کو مال غنیمت حاصل ہو گا رسول اللہ ﷺ اسی کو وہ مال عطا فرما دینگے یہ فرمان سن کر جوان تو میدان کی طرف بڑھ گئے ستر آدمیوں کو قتل کر دیا اور ستر کو قید کر لائے اور جو مال غنیمت لے کر آئے تھے اس کے طلب گار ہوئے مگر مال تھوڑا تھا وہ بوڑھے مشائخ اور سردار جو جھنڈوں کے پاس سے نہیں ہٹے تھے وہیں اپنی جگہ جمے رہے تھے ان کو کچھ مل نہ سکتا تھا اس پر ان حضرات نے جوانوں سے کہا ہم جھنڈوں کے پاس تمہارے لئے پشت پناہ رہے تم میدان سے سمٹ کر ہماری طرف ہی آسکتے تھے (اس لئے ہم کو بھی حصہ دو) اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے سب کو برابر برابر تقسیم کر دیا۔ بیضاوی نے لکھا ہے اسی سے یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے کہ امام سپاہیوں سے جو وعدہ کر لے اس کو پورا کرنا لازم نہیں (بلکہ آئندہ مصلحت کے موافق جیسا چاہے کر سکتا ہے) امام شافعیؒ کا بھی یہی قول ہے۔

ابن ابی شیبہؒ امام احمدؒ عبد بن حمید اور ابن مردویہؒ نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کی لڑائی ہوئی تو میرا بھائی عمیر شہید ہو گیا اور میں نے سعید بن عاص کو قتل کر کے اس کی تلوار جس کو ذوالکتیفہ کہا جاتا تھا لے لی اور رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مشرکوں کی طرف سے اللہ نے آج میرا دل ٹھنڈا کر دیا اور یہ تلوار مجھے مال غنیمت میں عطا فرما دی اور میں وہی ہوں جس کو آپ جانتے ہیں (یعنی میری شجاعت اور ایمان کی پختگی سے آپ واقف ہیں اس لئے اس تلوار کا مستحق ہوں) فرمایا یہ تلوار نہ تیری ہے نہ میری اس کو رکھ دے میں نے رکھ دی اور دل میں کہا شاید رسول اللہ یہ تلوار ایسے آدمی کو دے دیں گے جس کے کارنامے میری طرح نہ ہوں گے اس خیال سے میں کچھ جھجکا مگر حضور ﷺ نے فرمایا جا کر اس کو مال غنیمت میں رکھ دے مجھے یہ سن کر رنج ہوا جو صدمہ مجھے اپنے بھائی کے شہید ہونے اور دشمن سے چھینے ہوئے مال کو مال غنیمت میں داخل کئے جانے کا تھا اس کو خدا ہی جانتا تھا مجبور اً جب میں لوٹ کر تلوار کو مال غنیمت میں ڈالنے لگا تو میرے نفس نے پھر مجھے برا کہا جس کی وجہ سے میں پھر لوٹ کر گیا اور عرض کیا یہ مجھے ہی عنایت فرما دیجئے۔ حضور ﷺ یہ سن کر مجھ پر چیخ پڑے اور میں ہٹ آیا۔ تھوڑا سا ہی ہٹا تھا کہ سورۃ الانفال نازل ہوئی اس کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جا کر اپنی تلوار لے لے۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ فوراً رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا تو نے مجھ سے (وہ تلوار) مانگی تھی مگر اس وقت وہ میری نہ تھی اب وہ میری ہو گئی لہٰذا اب وہ تیرے لئے ہے۔

بخاری نے تاریخ میں لکھا ہے کہ سعدؓ بن جبیر کی روایت ہے حضرت سعدؓ اور ایک انصاری شخص مال غنیمت چھیننے کے لئے نکلے دونوں کو ایک تلوار پڑی ملی دونوں تلوار پر ٹوٹ پڑے سعدؓ نے کہا یہ میری ہے اور انصاری نے کہا میری ہے میں نہیں دوں گا رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو دونوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر قصہ عرض کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا سعدؓ وہ نہ تیری ہے نہ انصاری کی اس پر آیت یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ الخ نازل ہوئی پھر یہ آیت دوسری آیت یعنی وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا

Marfat.com

غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی سے منسوخ کر دی گئی۔

ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم اور بیہقی نے سنن میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ انفال یعنی مال غنیمت کا خالص اختیار رسول اللہ ﷺ کو تھا مال غنیمت میں کسی کا کچھ نہ تھا مسلم مجاہدین کو جو کچھ ہاتھ آتا وہ لا کر پیش کر دیتے اگر ایک سوئی دھاگہ بھی روک لیتے تو وہ چوری ہوتی لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ مال غنیمت میں سے کچھ ہم کو عنایت فرما دیجئے اس پر نازل ہوا یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ..... اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ تک یعنی اللہ فرماتا ہے کہ مال غنیمت میرا ہے میں نے اپنے رسول کے اختیار میں دے دیا ہے تمہارا اس میں کچھ نہیں ہے تم اللہ سے ڈرتے رہو اور آپس کے تعلقات میں بگاڑ نہ پیدا ہونے دو اس کے بعد نازل فرمایا وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ..... فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ تک پھر پانچواں حصہ تو رسول اللہ ﷺ کا قرابت داروں کا مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کا مقرر کر دیا اور پانچ حصوں میں سے چار خمسہ دوسرے لوگوں کے لئے مقرر کر دیئے (یعنی مجاہدین کے لئے) پیدل کا اکہرا حصہ اور سوار کا تہرا حصہ یعنی دو حصے گھوڑے کے اور ایک حصہ سوار کا۔

محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت کو برابر برابر تقسیم کرنے کا حکم دیا تو حضرت سعد بنؓ معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ اس سوار کو جو قوم کی حفاظت کرتا ہے اتنا ہی دے رہے ہیں جتنا ایک کمزور آدمی کو (جو اپنی بھی حفاظت نہیں کر سکتا دوسروں کو تو کیا بچائے گا) فرمایا تیری ماں تجھے روئے کیا (تم اتنا بھی نہیں جانتے کہ) تم کو فتح کمزوروں کی (برکات اور دعاؤں) کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کے منادی نے ندا لگا دی جس نے کسی (کافر جنگی) کو قتل کیا ہو اس سے چھینا ہوا مال قتل کرنے والے کا ہے اور جس نے کسی کو قید کیا ہو تو وہ قیدی اسی کا ہے۔ رسول اللہ ﷺ قاتل کو مقتول (کافر) سے چھینا ہوا مال عنایت فرما دیتے تھے۔

سعید بن منصور، امام احمد، ابن المنذر، ابن حبان اور حاکم نے سنن میں حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت سے بیان کیا مسلمانوں کا کافروں سے مقابلہ ہوا اللہ نے دشمن کو شکست دے دی مسلمانوں کے ایک گروہ نے بھاگنے والوں کا تعاقب کیا کسی کو قید اور کسی کو قتل کرنے لگے دوسرا گروہ میدان جنگ میں جا گھسا اور مال غنیمت جمع کرنے لگا اور تیسرا گروہ رسول اللہ ﷺ کو اپنے احاطہ میں لئے رہا کہیں دشمن دھوکہ سے آپ کو کوئی دکھ نہ پہنچا دے جن لوگوں نے مال غنیمت جمع کیا تھا انہوں نے کہا مال ہم نے جمع کیا ہے اس لئے (ہمارے سوا) کسی اور کا اس میں حصہ نہیں ہے جو لوگ دشمن کے تعاقب میں گئے تھے انہوں نے کہا تم ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہو ہم نے دشمن کو نکالا اور شکست دی۔ رسول اللہ ﷺ کے محافظ دستہ نے کہا تم میں سے کوئی بھی ہم سے زیادہ مستحق نہیں ہے ہم رسول اللہ ﷺ کو اپنے گھیرے میں لئے رہے اور حفاظت کرتے رہے کہیں دشمن غفلت میں کوئی دکھ حضور ﷺ کو نہ پہنچا دے ہم اسی حفاظت میں لگے رہے اس پر آیات یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ کا نزول ہوا۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّعَلٰی رَبِّهِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۝ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۝

(کیونکہ) ایمان والے تو بس ایسے ہوتے ہیں کہ جب ان کے سامنے اللہ کا ذکر آتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور جب اللہ کا کلام ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو اللہ کے کلام سے ان کے ایمان میں مزید پختگی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اپنے رب پر بھی بھروسہ رکھتے ہیں اور نماز کی پابندی کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں بس سچے ایمان والے یہی ہیں ان کے لئے ان کے رب کے ہاں بڑے درجے ہیں اور ان کے لئے مغفرت ہے اور عزت کی روزی ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ یعنی کامل الایمان وہی لوگ ہیں وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ یعنی اللہ کی عظمت و جلال اور ہیبت و عزت سے ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی گناہ کا ارادہ کرتے ہیں مگر

Marfat.com

جب ان سے کہا جاتا ہے اللہ سے ڈرو ایسا نہ کرو تو اللہ کے عذاب کے خوف سے وہ اس گناہ سے باز رہتے ہیں۔ اس صورت میں ذُکِرَ اللّٰہ میں اللہ سے پہلے مضاف محذوف ہوگا یعنی اللہ کے عذاب کی وعید کا ذکر ان سے کیا جاتا ہے۔

وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُہٗ زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا اور جب ان کے سامنے قرآن کی تلاوت کی جاتی ہے تو چونکہ تلاوت قرآن کے وقت برکات کا نزول ہوتا ہے اور ایمان بخش دلائل یقیم سامنے آتے ہیں جن کی وجہ سے یقین راسخ ہو کر اطمینان قلبی بڑھ جاتا ہے اس لئے ایمان میں مزید استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔

وَعَلٰی رَبِّھِمْ یَتَوَکَّلُوْنَ اور وہ اپنے تمام کام اللہ ہی کے سپرد کر دیتے ہیں نہ اللہ کے سوا کسی سے امید رکھتے ہیں نہ خوف

اَلَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ یعنی نمازوں کو ان کے پورے حقوق کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور اسی طرح سیدھا کرتے ہیں جس طرح تیر سیدھے کئے جاتے ہیں (یعنی اقامۃ الصلوۃ تقدیم القداح کے محاورہ سے ماخوذ ہے۔ تقویم القداح آگ پر سینک کر تیر کو سیدھا کرنا اقامۃ الصلوۃ نماز کو سیدھا کرنا مراد پورے حقوق اندرونی و بیرونی کے ساتھ ادا کرنا) یُنْفِقُوْنَ یعنی اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ اُولٰئِکَ مذکورہ بالا مومن جو تمام مکارم و محاسن کے حامل ہیں ان کے دلوں میں اخلاص اللہ کا خوف اور اللہ پر بھروسہ ہے اور اللہ کی یاد سے طبیعت کو اطمینان و سکون ہے اور نماز و خیرات کے فرائض اعضاء بدنی سے ادا کرتے ہیں اور مال کا ایثار کرتے ہیں ان صفات کے مومن ہی ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا پکے سچے مومن ہیں حَقًّا یا اٰمَنَّا" محذوف کی صفت ہے یعنی پکا ایمان یا فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے جو فعل کی تاکید کر رہا ہے یعنی ان کا ایمان پکا ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔

حسنؒ بصری سے ایک شخص نے دریافت کیا آپ مومن ہیں فرمایا اگر تیرا سوال یہ ہے کہ میرا ایمان اللہ پر اللہ کے ملائکہ اور کتابوں پر اور رسولوں پر اور جنت و دوزخ پر اور حشر و حساب آخرت پر ہے یا نہیں تو میں یقیناً مومن ہوں (ان چیزوں پر ایمان رکھتا ہوں) اور اگر تو دریافت کرتا ہے کہ میں آیت اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ الخ کا مصداق ہوں یا نہیں تو مجھے نہیں معلوم کہ میں ایسے لوگوں میں سے ہوں یا نہیں۔

حسنؒ بصری کی مراد یہ ہے کہ نفس ایمان تو الحمد اللہ موجود ہے مگر ایمان کا تکمیلی درجہ اخلاص سے دل کا زنگ دور کرنے سے نفس کو (خطرات وساوس اور گناہوں سے) پاک کرنے سے اور اعضاء جسم سے اداء اطاعات اور ترک معاصی کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ میں اس تکمیل درجہ پر فائز ہوں یا نہیں۔

علماء سلف میں ایک اختلافی مسئلہ ہے کہ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءَ اللّٰہ میں انشاء اللہ مومن ہوں کہنا جائز ہے یا نہیں چونکہ اِنْ حرف شرط شک کے لئے آتا ہے اس لئے بعض علماء کہتے ہیں کہ ایمان کو حرف شرط کے ساتھ معلق کرنا درست نہیں ایمان قطعی ہونا چاہئے ایمان میں شک ایمان کو زائل کر دیتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اعتبار انجام کا ہے معلوم نہیں کہ خاتمہ کے وقت ایمان ہو یا نہ ہو اس لئے اِنْ حرف شرط جو ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے اس جگہ استعمال کرنا صحیح ہے حضرت مولفؒ نے فرمایا میرے نزدیک حسنؒ بصری کا یہ قول (یعنی یہ کہنا کہ میں مومنوں میں سے ہوں یا نہیں) اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءَ اللّٰہ کے ذیل میں نہیں آتا (کیونکہ حسنؒ بصری کی مراد یہ ہے کہ میں مومن تو ہوں لیکن کامل الایمان اور کامل صالح الاعمال ہونے کا مجھے علم نہیں معلوم نہیں مومنین کاملین صالحین میں اللہ کے ہاں میرا شمار ہے یا نہیں)۔

علقمہؒ کا بیان ہے ایک سفر میں ہماری ملاقات کچھ لوگوں سے ہوئی ہم نے پوچھا تم کون لوگ ہو انہوں نے جواب دیا نَحْنُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ہم یقیناً پکے مومن ہیں ہم لاجواب ہو گئے سمجھ میں نہ آیا کہ ان سے کیا کہیں جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا اور ہم نے یہ واقعہ حضرت سے عرض کیا تو آپ نے پوچھا تم نے کیا جواب دیا ہم نے عرض کیا ہم کچھ جواب نہ دے سکے فرمایا تم نے ان سے یہ کیوں نہیں پوچھا کہ کیا تم یقینی جنتی ہو مومنین حق تو یقینی جنتی ہوتے ہیں

ثوریؒ کا قول ہے جو شخص دعویٰ کرتا ہو کہ میں مومن ہوں قطعاً یہ کہے کہ میں اللہ کی نظر میں مومن ہوں پھر اپنے جنتی ہونے کی شہادت نہ دے تو اس کا ایمان آدھی آیت پر ہوگا جو لوگ اَنَا مُؤْمِنٌ اِنْشَاءَ اللّٰہ کہنے کو جائز قرار دیتے ہیں وہ

Marfat.com

سفیان ثوریؒ کے اسی قول سے دلیل اخذ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انشاء اللہ کہنے سے مراد یہ ہے کہ حسن خاتمہ کا یقین نہیں اور خاتمہ بخیر ہونا ہی موجب جنت ہے انکا یہ مطلب نہیں کہ بالفعل ایمان میں ہم کو شک ہے کیونکہ ایمان نام ہے پختہ قطعی ناقابل شک اعتقاد کا ایمان میں شک ہو ہی نہیں سکتا۔ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک انا مومن انشاء اللہ کہنا ہی مکروہ ہے کیونکہ اسے ایمان میں شک ہونے کا وہم پیدا ہوتا ہے بلکہ انا مومن کے بعد انشاء اللہ کہنے کی بجائے حقا کہنا صحیح ہے انا مومن حقا کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ مجھے اپنا خاتمہ بخیر اور برا ایمان ہونے کا قطعی یقین ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس وقت میں قطعی مومن ہوں میرا ایمان شک و شبہ سے پاک ہے گویا اول الذکر قول میں اور امام صاحبؒ کے قول میں صرف لفظی نزاع ہے معنوی اختلاف نہیں زیادہ احتیاط امام صاحبؒ کے قول میں ہے (کہ ایسا لفظ بھی استعمال کرنا مکروہ ہے جس سے عدم ایمان کا وہم پیدا ہوتا ہو)۔

امام ابو حنیفہؒ نے قتادہؒ سے پوچھا آپ اپنے ایمان کو انشاء اللہ سے مشروط کیوں کرتے ہیں قتادہؒ نے جواب دیا حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کی تقلید میں حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تھا وَالَّذِیْٓ اَطْمَعُ اَنْ یَّغْفِرَ لِیْ خَطِیْٓئَتِیْ یَوْمَ الدِّیْنِ (یعنی مجھے طمع ہے کہ قیامت کے دن اللہ میرے قصور کو معاف کر دے اس میں لفظ طمع آیا ہے کہ جو عدم یقین پر دلالت کر رہا ہے) امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا آپ نے حضرت ابراہیمؑ کے اس قول کی تقلید کیوں نہیں کی کہ جب اللہ نے ان سے فرمایا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ کیا تو ایمان نہیں لایا تو حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ (یعنی ایمان کیوں نہیں لایا مگر میں قلبی اطمینان کے لئے مشاہدہ کرنا چاہتا ہوں) ابراہیم تیمی کا مقولہ ہے کہ تم انا مومن حقاً کہو اگر تمہارا یہ قول سچا ہے تو اس کا ثواب ملے گا اور اگر یہ بات غلط ہے (اور واقع میں تم مومن نہیں ہو دل سے کافر ہو اور ایمان ظاہر کر رہے ہو) تو تمہارا کفر اس قول سے زیادہ شدید اور موجب عذاب ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو منافق نہیں ہے وہ قطعاً مومن ہے لَهُمْ دَرَجٰتٌ ان کے لئے درجات ہیں یعنی عزت بزرگی اور مرتبہ کی بلندی ہے۔ عِنْدَ رَبِّهِمْ اللہ کے ہاں اسی کی طرح دوسری آیت آئی ہے (جس میں پیغمبروں کے مراتب کا ذکر ہے) تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ عطاء نے کہا لَهُمْ دَرَجَاتٌ سے یہ مراد ہے کہ جنت کے اندر ان کے درجات ہوں گے جن پر اعمال کی وجہ سے فائز ہوں گے (جتنا اور جس مرتبہ کا عمل ہوگا ویسا ہی درجہ ملے گا) حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے اندر سو درجات ہیں ہر درجہ کا دوسرے درجہ سے فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان زمین کے درمیان ہے، فردوس کا سب سے اونچا درجہ ہے اسی سے جنت کی چاروں نہریں نکلتی ہیں اس سے اوپر عرش ہوگا دعاء کرتے وقت تم اللہ سے فردوس مانگا کرو رواہ الترمذی۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ ربیع بن انسؒ نے فرمایا ستر درجے ہیں ہر درجہ کی دوسرے درجے سے مسافت اتنی ہے جتنی مسافت اس دوڑ کے میدان کی ہوتی ہے جس میں مشاق سوار گھوڑا ستر برس تک دوڑاتا چلا جائے۔

وَمَغْفِرَةٌ اور گناہوں کی بخشش ہے وَرِزْقٌ كَرِيْمٌ اور اچھا رزق ہے اللہ نے جنت کے اندر وہ نعمتیں ان کیلئے رکھی ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کان نے سنا نہ کسی کے دل میں اس کا تصور آیا اور یہ نعمتیں لازوال ہوں گی کبھی منقطع نہ ہوں گی۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ ۝ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝

جیسا آپ کے رب نے آپ کے گھر (اور بستی) سے مصلحت کے ساتھ (بدر کی طرف) آپ کو روانہ کیا اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کو گراں سمجھتی تھی اور وہ اس مصلحت کے کام میں بعد اس کیلئے کہ اس کا ظہور کیا تھا (اپنے بچاؤ کے لئے) آپ سے (بطور مشورہ) اس طرح جھگڑ اکر رہے تھے کہ گویا کوئی ان کو موت کی طرف ہانکے لئے جاتا ہے اور وہ دیکھ رہے ہیں۔

كَمَآ اَخْرَجَكَ كَمَا مبتدا محذوف کی خبر ہے مطلب اس طرح ہو گا مال انفال کا اللہ اور رسول ﷺ کے اختیار میں ہونا اور رسول اللہ ﷺ کا سب کو برابر تقسیم کرنا اور جہادی جنگی جوانوں پر اس تقسیم کا گراں گذرنا ایسا ہی ہے جیسے تم کو جب اللہ نے

Marfat.com

مدینہ سے نکالا تھا اور تم بدر کی طرف روانہ ہوئے تھے اور بعض لوگوں کو بدر کی جنگ کے لئے جانا گراں گذرا تھا یا فعل محذوف کے مصدر کی صفت ہے یعنی لوگوں کی ناگواری کے باوجود مال غنیمت کا اختیار اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں ہونا اسی طرح ثابت ہے جیسے بدر کو جہاد کے لئے جانے کی بعض لوگوں کی طرف سے ناگواری کے باوجود اللہ تم کو مدینہ سے (بدر کی طرف) لے گیا تھا (مطلب یہ کہ بدر کو جنگ کے لئے جانا بعض لوگوں کو اپنی بے بضاعتی اور نہتے ہونے کی وجہ سے جس طرح ناگوار تھا مگر اللہ کے فرمان کے مطابق تم مدینہ سے چل دیئے اور نتیجہ فتح کی صورت میں نکلا اسی طرح اب مال غنمت کی تقسیم کا اختیار اللہ اور رسولؐ کے ہاتھ میں ہونا اور سب کو برابر برابر تقسیم ہونا تم کو گراں گذرتا ہے مگر نتیجہ اس کا بھی اچھا نکلے گا) کَمَآ اَخْرَجَکَ الخ مبرد مِنْ بَیْتِکَ سے مراد یا تو یہ ہے کہ اللہ نے تم کو تمہارے اس گھر سے جو مدینہ میں ہے باہر نکالا یا بیت سے مراد ہی مدینہ ہے کیونکہ مدینہ رسول اللہ ﷺ کی ہجرت گاہ تھا اور ہجرت کے بعد آپ کا مسکن تھا۔ مدینہ کو آپ کے ساتھ وہی خصوصیت تھی جو کسی گھر کو اپنے مالک کے ساتھ ہوتی ہے بعض اہل تفسیر کے نزدیک اصل کلام اس طرح تھا لوگ خواہ گوارا نہ کریں مگر آپ مال غنیمت کے سلسلہ میں وہی رفتار اختیار کریں جس کا حکم اللہ نے دیا ہے جسے لوگوں کی ناگواری کے باوجود اللہ کے حکم کے مطابق آپ (جہاد کے لئے) مدینہ سے نکلے تھے۔

## غزوہ بدر

ابن عقبہ اور ابن عابد نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قریش کا ایک قافلہ جس میں ہزار اونٹوں پر بڑا قیمتی تجارتی سامان لدا ہوا ہے ابوسفیان بن حرب کی نگرانی میں شام سے آرہا ہے اور کوئی قریشی مرد یا عورت ایسا نہیں بچا ہے جس کے پاس ایک مثقال بھی ہو اور اس نے اس تجارت میں حصہ نہ لیا ہو کہا جاتا ہے کہ اس قافلہ میں پچاس ہزار دینار ہیں اور ستر آدمی ساتھ ہیں۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ حضرت عبداللہ بن زبیر محمد بن اسحاق اور سدی کا بیان ہے کہ ابوسفیان چالیس سواروں کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا یہ چالیس سوار قریش کے بڑے لوگ تھے جن میں عمرو بن عاص اور مخرمہ بن نوفل زہری بھی تھے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو باہر نکل چلنے کی دعوت دی اور فرمایا قریش کا قافلہ ہے جس میں قریش کا بہت مال ہے چلو نکل چلیں شاید اللہ تم کو ان کا مال غنیمت عطا فرمادے لوگوں نے دعوت قبول کی کچھ لوگ ہلکے (یعنی بغیر سازو سامان اور اسلحہ) تھے اور کچھ بھاری (سازو سامان اور اسلحہ کے ساتھ) بہت سے لوگ ساتھ نہیں بھی گئے مگر ان کو قابل ملامت نہیں قرار دیا گیا کیونکہ ان کو خیال بھی نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کوئی لڑائی پیش آئے گی۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی کچھ زیادہ پروا نہیں کی اور فرمایا جس کے پاس سواری موجود ہو وہ ہمارے ساتھ سوار ہو کر چلے کچھ لوگوں نے اجازت طلب کی کہ ہماری سواریاں بالائی مدینہ میں ہیں ہم جا کر لے آئیں حضور ﷺ نے فرمایا نہیں صرف وہ شخص جائیں جن کی سواریاں اس وقت موجود ہوں۔ مدینہ سے روانہ ہونے سے دس روز پہلے رسول اللہ ﷺ نے طلحہؓ بن عبید اللہ اور سعید بن زیدؓ کو شام کے راستہ کی طرف قافلہ کی ٹوہ لگانے کے لئے بھیج دیا تھا یہ دونوں حضرات سرزمین حوار میں پہنچ کر کشد بن مالک جہنی کے پاس مقیم ہوئے کشد نے دونوں کو اپنی ذمہ داری میں اپنے پاس چھپا کر رکھ لیا جب قافلہ گزر گیا تو دونوں حضرات کشد کے گھر سے باہر آگئے اور کشد ان کو مقام ذوالمروہ تک پہنچا یا گیا دونوں بزرگ جب رسول اللہ ﷺ کو قافلہ کی اطلاع دینے پہنچے تو حضور ﷺ مدینہ سے نکل رہے تھے جب رسول اللہ ﷺ کا قبضہ ینبوع پر ہو گیا تو آپ نے کشد کو ینبوع جاگیر میں کاٹ دیا تھا کشد نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ میں تو بوڑھا ہوں (آج مرا کل دوسرا دن) میرے بھتیجے کے نام یہ جاگیر کر دیجئے حضور ﷺ نے کشد کے بھتیجے کے نام ینبوع کی جاگیر کر دی پھر اس سے عبدالرحمٰن بن سعد بن زراہ نے خرید لی (رواہ عمر بن شیبہ) ادھر بنی خذام کے آدمی نے مقام زرقاء میں پہنچ کر ابوسفیان کو اطلاع دے دی کہ رسول اللہ ﷺ قافلہ کی واپسی کی راہ دیکھ رہے ہیں ابوسفیان ساتھیوں کو لے کر ڈرتے ڈرتے تاک گھات کے

Marfat.com

لئے نکلا حجاز کے قریب پہنچا تو تجسس احوال کرنے لگا جو سوار ملتا اس سے خبر دریافت کرتا آخر ایک سوار سے اس کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ قافلہ کے لئے نکل چکے ہیں۔ ابوسفیان کو اندیشہ پیدا ہو گیا اور اس نے ضمضم بن عمرو غفاری کو بیس دینار مزدوری دے کر مکہ کو بھیجا اور اس سے کہہ دیا کہ مکہ میں پہنچنے کے وقت اونٹ کے کان کاٹ کر کجاوہ الٹا باندھ لینا اور آگے پیچھے سے اپنا کرتہ پھاڑ لینا (فریاد کرنا) اور قریش سے جا کر کہنا کہ اپنے مال کی حفاظت کے لئے باہر آ جائیں اور ان کو یہ بھی بتا دینا کہ محمد اپنے ساتھیوں سمیت قافلہ کو لوٹنے کے درپے ہیں ضمضم فوراً مکہ کو چل دیا اور جیسا ابوسفیان نے حکم دیا تھا ویسا ہی کیا۔

## عاتکہؓ بنت عبدالمطلب کا خواب

ابن اسحاق نے بروایت عروہ اور بیہقی نے بروایت ابن شہاب اور ابن اسحاق اور حاکم اور بیہقی نے بالاتفاق عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے اور موسیٰ بن عقبہ کا بھی یہ بیان ہے کہ ضمضم کے پہنچنے سے تین رات پہلے عاتکہ بنت عبدالمطلب نے ایک خواب دیکھا صبح کو اس خواب سے ان کو بڑی فکر ہو گئی انہوں نے اپنے بھائی عباسؓ بن عبدالمطلب کو بلوایا اور کہا بھائی میں نے ایک خوفناک خواب دیکھا ہے قریش پر کوئی مصیبت اور آفت آنے والی معلوم ہوتی ہے حضرت عباس نے خواب پوچھا تو عاتکہ نے کہا میں اس شرط پر تم سے بیان کر سکتی ہوں کہ تم کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا کیونکہ لوگ اگر اس کو سن لیں گے تو ہم کو دکھ پہنچائیں گے اور نا گوار باتیں سنائیں گے حضرت عباسؓ نے ظاہر نہ کرنے کا وعدہ کر لیا عاتکہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ ایک شخص اونٹ پر سوار آیا اور وادی کے اوپر پہنچ کر بہت زیادہ چیخ کر تین مرتبہ کہا اے غدار و اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دن کے اندر نکلو۔ لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے وہاں سے وہ مسجد میں آیا لوگ پیچھے پیچھے آئے اور مسجد میں پہنچ کر اس کا اونٹ سیدھا کھڑا ہو گیا اور کعبہ کے اوپر پہنچ کر اس نے تین چیخیں ماریں اور کہا اے غدارو تین دن کے اندر اپنی قتل گاہوں کی طرف نکلو پھر (وہاں سے چل دیا اور) کوہ ابوقبیس پر پہنچ کر اس نے وہی کہا کہ اے غدارو اپنی قتل گاہوں کی طرف تین دن کے اندر نکلو اس کے بعد اس نے ایک بہت بڑا پتھر اکھاڑ کر نیچے کو لڑھکایا پتھر لڑھکتا ہوا آیا جس کی گڑگڑاہٹ شدید تھی نیچے پہنچ کر پارہ پارہ ہو گیا اور آپ کی قوم کے ہر گھر میں اس کا ٹکڑا (اڑ کر) جا پہنچا آپ کی قوم کا کوئی گھر اور کوئی کوٹھڑی ایسی نہیں بچی کہ اس میں پتھر کا ٹکڑا نہ پہنچا ہو۔ حضرت عباسؓ نے کہا واللہ یہ خواب ہی ہے (تخیل نہیں ہے) اس کو پوشیدہ رکھنا اگر قریش کو اس کی اطلاع پہنچ گئی تو وہ ہم کو دکھ دیں گے اس کے بعد عباسؓ عاتکہ کے پاس چلے آئے اور ولید بن عتبہ بن ربیعہ بن عبدالشمس سے ملاقات کی اور چونکہ ولید عباسؓ کا دوست تھا اس لئے عباسؓ نے اس سے اس خواب کا ذکر کر دیا لیکن چھپائے رکھنے کی تاکید کر دی ولید نے اپنے باپ عتبہ سے اس کا ذکر کر دیا اور عتبہ نے اس کا چرچا کر دیا اس طرح بات مکہ میں پھیل گئی اور قریش آپس میں اس کا چرچا کرنے لگے۔

حضرت عباسؓ کا بیان ہے صبح کو میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ ابوجہل بن ہشام قریش کی ایک جماعت کے ساتھ بیٹھا وہاں عاتکہ کے خواب کا تذکرہ کر رہا تھا مجھے دیکھ کر کہنے لگا ابوالفضل طواف سے فارغ ہو کر ہماری طرف آ جانا میں فارغ ہو کر وہاں پہنچ کر ان لوگوں کے پاس بیٹھ گیا ابوجہل بولا اے اولاد عبدالمطلب یہ نبیہ تم میں کب سے پیدا ہو گئی میں نے پوچھا کیا بات ہے اس نے کہا عاتکہ کا خواب میں نے کہا عاتکہ کا خواب کیا ہے ابوجہل بولا اے اولاد مطلب تم کو اسی پر بس نہیں ہوا کہ تمہارے مرد نبی بن گئے اب تمہاری عورتیں بھی نبیہ ہونے لگیں۔ ابن عقبہ کی روایت میں ابوجہل کے یہ الفاظ آئے ہیں اے بنی ہاشم تم فقط اپنے مردوں کے جھوٹ بولنے سے خوش نہ تھے کہ اب تم عورتوں کی دروغ بیانی بھی پیش کرنے لگے ہم اور تمہارے اسلاف رئیس کے دو گھوڑوں کی طرح تھے (مقابلہ پر دوڑ رہے تھے) جو کوشش کرنے والا تھا آگے نکل رہا تھا ہم دونوں فریق ایک جیسے رہے تو اب تم نے کہا ہم میں ایک نبی ہے اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ اب تم کہنے لگے ہم میں سے ایک بیبہ بھی ہے قریش کے اندر کوئی گھرانا مجھے ایسا معلوم نہیں نہ مرد نہ عورت کہ تم سے زیادہ جھوٹا ہو۔ ابوجہل نے اس طرح عباسؓ کو سخت دکھ پہنچایا اور

Marfat.com

بولا عاتکہ کہتی ہے کہ میں نے خواب میں ایک شخص کو یہ کہتے سنا کہ تین دن کے اندر نکلو ہم بھی تین دن کا انتظار کرتے ہیں اگر عاتکہ کا قول صحیح ہے تو ایسا ہو جائے گا اور اگر تین دن گذر گئے اور ایسی کوئی بات نہ ہوئی تو ہم لکھ کر لگا دیں گے کہ تمہارا خاندان عرب میں سب سے بڑھ کر جھوٹا ہے حضرت عباسؓ کا بیان ہے کہ اس کو جواب دینے کے لئے میرے پاس بہت کچھ تھا مگر میں نے کچھ نہیں کہا اور عاتکہ کے خواب دیکھنے کا انکار کر دیا ابن عقبہ کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عباسؓ نے ابو جہل کو یہ جواب دیا تھا کیا اب تو باز رہے گا (یا نہیں) جھوٹ تیرے اور تیرے خاندان والوں کے اندر ہے حاضرین نے کہا ابو الفضل تم تو جاہل اور ایسے بیوقوف و احمق نہ تھے۔

ابن عابد کی روایت بھی اسی طرح ہے بلکہ اس میں ایک گالی کا ذکر مزید آیا ہے۔ عباسؓ کو اس خبر کے افشا کرنے سے بڑا دکھ پہنچا حضرت عباس کا بیان ہے شام ہوئی تو خاندان عبد المطلب کی کوئی عورت ایسی نہ بچی جس نے مجھ سے آکر یہ نہ کہا ہو کہ آپ نے خود موقع دیا کہ اس خبیث فاسق نے پہلے آپ کے مردوں کی بوٹیاں نوچیں پھر آپ لوگوں کی عورتوں پر بھی نکتہ چینی کی تم سنتے رہے تمہارے پاس اس کی بات سے بڑھ کر کوئی چیز جواب دینے کیلئے ہی نہیں تھی میں نے کہا خدا کی قسم مجھ سے یہ حرکت تو ہو گئی جو الفاظ میں نے اس سے سنے اس سے بڑھ کر میری طرف سے اس کیلئے کچھ نہیں تھا لیکن اب میں اس کے درپے رہوں گا دوبارہ اس نے کچھ کیا تو میں تمہاری طرف سے اس سے بھگتنے کے لئے کافی ہوں اس کے بعد میں مسجد میں آیا اور اس کو وہاں دیکھا اور خدا کی قسم قصد اس کی طرف جانے لگا تا کہ جو کچھ وہ کہہ چکا ہے دوبارہ کہے اور میں اس سے لپٹ جاؤں ابو جہل تھا بڑا چالاک چست قوی تیز زبان تیز نظر (مجھے دیکھ کر) فوراً دوڑتا ہوا مسجد کے دروازہ سے نکل گیا میں نے اپنے دل میں کہا اس پر اللہ کی لعنت یہ حرکت نے اس ڈر سے کی کہ میں بھی اس کو گالیاں دوں گا بات واقع میں یہ ہوئی کہ مجھے تو سنائی نہ دی مگر اس نے ضمضم بن عمرو کی آواز سن لی ضمضم اپنے اونٹ پر کھڑا وادی کے اندر چیخ رہا تھا اس نے اونٹ کے کان کاٹ دیئے تھے کجاوہ کا رخ الٹ کر رکھ دیا تھا اپنا کرتہ چاک کر دیا تھا اور کہہ رہا تھا اے گروہ قریش اے خاندان لوی بن غالب اپنے لدے ہوئے اونٹوں کی خبر لو تمہارے مال ابو سفیان کے ساتھ ہیں محمد ﷺ اور ان کے ساتھی ان کو لوٹنے کے درپے ہیں میرا خیال ہے کہ تم ان کو پا نہیں سکتے دہائی ہے دہائی خدا کی قسم میرا خیال ہے کہ تم ان کو نہ پہنچ پاؤ گے یہ سن کر قریش خوف زدہ ہو گئے اور عاتکہ کے خواب سے ڈر گئے۔

حضرت عباسؓ کا بیان ہے اس آواز نے ابو جہل کے لئے میری طرف متوجہ ہونے کا موقع نہیں چھوڑا اور میں اس کی طرف سے رک گیا اس پر عاتکہ نے یہ شعر کہے کیا خواب سچا نہ تھا اس کی تصدیق لے کر تو تمہارے پاس ایک بھاگا ہوا شکست خوردہ آدمی آگیا میں نے جھوٹ نہیں کہا تو نے مجھے جھوٹا کہا جو خود جھوٹا ہے وہ میری اس سچی بات کو جھوٹا کہتا ہے۔

لوگوں نے جلد جلد تیاری کی اور کہا محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے کہ ابن حضرمی کے قافلہ کی طرح ہو گا ایسا ہرگز نہیں ہو گا خدا کی قسم ان کو کچھ اور ہی نتیجہ معلوم ہو گا غرض لوگ یا تو خود جانے کے لئے نکل کھڑے ہوئے یا اپنی جگہ کسی کو بھیج دیا اور دو یا تین دن میں تیاری کر لی جو طاقتور تھے انہوں نے کمزور کی مدد کی اگر کسی کا مسلمان ہو جانا قریش کو معلوم تھا یا محمد ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے دوست ہونے کا کس پر شبہ تھا یا خاندان بنی ہاشم کا کوئی فرد تھا ایسے سب لوگوں کو انہوں نے ساتھ لیا چنانچہ عباسؓ بن عبد المطلب نوفلؓ بن حارث طالبؓ بن ابی طالب، عقیل بن ابی طالبؓ اور ان کے ساتھ دوسرے لوگ روانہ ہو گئے۔ ابولہب صرف ایسا شخص تھا جو نہ خود گیا نہ اپنی جگہ کسی کو بھیجا اور نہ ہر قریشی کو خود جانا پڑا یا اپنی جگہ دوسرے کو بھیجنا پڑا بعض روایات میں آیا ہے کہ ابولہب نے بھی اپنی جگہ عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیجا تھا عاصؓ آخر میں مسلمان ہو گئے تھے عاصؓ پر ابولہب کا چار ہزار درہم کا سودی قرض تھا اس رقم کو مزدوری میں منہا کرنے کی شرط پر ابولہب نے اپنی جگہ اس کو بھیج دیا اور اس کے مصارف کی کفالت کی، ابولہب کے نہ جانے کی وجہ صرف عاتکہ کا خواب تھا وہ کہتا تھا عاتکہ کے خواب نے ہاتھ باندھ دیئے۔ امیہ بن خلف، عتبہ بن شیبہ، زمعہ بن اسود، عمیر بن وہب اور حکیم بن حزام وغیرہ نے اہل بت کے پاس جا کر

Marfat.com

تیروں سے قال قتال قال میں مزاحمت کا تیر لگا جس کی وجہ سے ان لوگوں نے نہ جانے کا پختہ ارادہ کر لیا مگر ابو جہل نے مجبور کر کے ان کی رائے بدل دی۔ امیہ بن خلف بہت بھاری بدن کا سو برس سے اوپر کا بوڑھا آدمی تھا جب اس نے نہ جانے کا ارادہ کر لیا تو عقبہ بن ابی معیط کے پاس گیا عقبہ اپنی قوم کے حلقہ میں مسجد کے اندر بیٹھا ہوا تھا انگیٹھی سپ کے سامنے سلگ رہی تھی انگیٹھی لا کر امیہ کے سامنے رکھ دی گئی پھر عقبہ نے امیہ سے کہا ابو علی تم تو عورت ہو (بھاری بھرکم بدن ہے جس کی وجہ سے جنگ میں شریک نہیں ہو سکتے) امیہ نے کہا اللہ تیرا برا کرے تو نے بری بات کہی اس کے بعد یہ بھی تیاری کر کے لوگوں کے ساتھ روانہ ہو گیا۔

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے جب لوگ تیاری کر چکے اور روانگی کا ارادہ کر لیا اور جو اچھی بری سواریاں تھیں ان پر سوار ہو گئے اور گانے والی باندیوں کو اور ان کے طبلوں کو بھی ساتھ لے لیا تو اس وقت سوچا کہ ہمارے اور بنی بکر بن عبد مناۃ بن کنانہ کے درمیان تو خونریز جنگ بے طرفین ہے باہم تقاضائے مطالبات ہیں اندیشہ ہے کہ اگر ہم گئے تو ہمارے پیچھے (ہمارے گھروں پر) کہیں حملہ نہ کر دیں قریب تھا کہ یہ خیال کر کے وہ جانا ملتوی کر دیں مگر ابلیس مردود سراقہ بن مالک کنانی کی شکل میں ان کے سامنے آگیا سراقہ بنی کنانہ کے سرداروں میں سے تھا اور کہنے لگا میں تمہارا توسہ دار ہوں بنی کنانہ کی طرف سے تمہارے پیچھے کوئی ناگوار حرکت سرزد نہ ہو گی اس طمانیت کے بعد نو سو پچاس سپاہیوں کی جماعت روانگی کے لئے نکل کھڑی ہوئی بعض روایات میں ہزار کی تعداد آئی ہے ان کے ساتھ دو سو گھوڑے اور چھ سو زرہیں تھیں قریش کا ہر خاندان روانہ ہو گیا صرف بنی عدی سے خاندان بنی کعب کا کوئی شخص شریک نہیں ہوا اور کوئی نہیں گیا۔

ابن عقبہ اور ابن عابد کا بیان ہے کہ ابلیس بھی مشرکوں کے ساتھ نکلا اور وعدہ دلاتا رہا کہ تمہارے پیچھے بنی کنانہ بھی تمہاری مدد کے لئے آنے والے ہیں اور میں ضامن ہوں کہ آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا تمام لوگ روانہ ہو کر مقام مرالظہران میں فروکش ہوئے ابو جہل نے دس اونٹ ذبح کئے اور لشکر گاہ میں کوئی فدویہ ایسا نہ بچا کہ وہاں تک لوگوں کا خون نہ پہنچا ہو ضمرہ بن عمرو کو روانہ کیا تھا وہ مکہ میں اوپر سے نیچے تک خون ہی خون بہہ رہا ہے۔ مسیف میں پہنچ کر امیہ بن خلف نے نو اونٹ ذبح کئے قدید میں پہنچے تو سہیل بن عمرو نے دس اونٹ ذبح کئے سہیل آخر میں مسلمان ہو گئے تھے قدید سے روانہ ہو کر سمندر کی جانب مختلف چشموں پر ان کا قیام ہوا اور عقبہ بن ابی معیط نے دس اونٹ ذبح کئے پھر صبح کو ابواء میں پہنچے تو پہنچ کر دونوں جگہوں نبیہ اور جحفہ نے دس دس اونٹ ذبح کئے اس کے بعد لوگوں نے اپنا اپنا کھانا خود کھانا شروع کیا (اور مسلمان کا طعام تقسیم کیا گیا) جحفہ میں عشاء کو پہنچے اور وہاں پڑاؤ ڈال دیا بیہقی نے ابن شہاب اور ابن عقبہ اور عروہ بن زبیر کی روایت سے لکھا ہے جب سب لوگ جحفہ میں فروکش ہوئے تو ان کے ساتھ بنی مطلب بن مناۃ کے خاندان کا ایک شخص بھی تھا جس کا نام جہیم بن صلت بن مخرمہ تھا یہ شخص آخر میں حنین کی جنگ کے وقت مسلمان ہو گیا تھا یہ شخص پختہ خیمہ خوبی کی حالت میں رہتے ہوئے تھا جبکہ کچھ کچھ غافل تھا کہ اچانک اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کیا تم نے اس سوار کو دیکھا جو ابھی ابھی یہاں ٹھہرا تھا لوگوں نے کہا تو پاگل ہے کوئی بھی نہیں تھا جہیم نے کہا بھی ایک سوار کھڑا اتھا اور یہ کہتا تھا [illegible] اور زمعہ اور ابو البختری اور امیہ بن خلف سے کہا گیا جہیم نے کچھ اور سرداران قریش کے بھی نام لئے تھے [illegible] میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے اونٹ کے سینہ پر مکہ اور اس کی زمین کر کے لشکر میں پھیلا دیا [illegible] کہ اس اونٹ کا خون وہاں نہ پہنچا ہو جہیم کے ساتھی بولے تو شیطان کا بچہ ہے [illegible] تک بھی پہنچا ہی نہیں ہو گا اپنے تو اپنے ہاشم کے بھوت سے تمہارا واسطہ پڑا تھا بنی مطلب سے [illegible]

[illegible] نے اپنی جگہ نماز سے [illegible] روانہ ہو کر [illegible] واپس کر دیا اور مدینہ پر اپنا نائب ان کو بنا دیا ابن سعد کا بیان ہے [illegible] مضان [illegible] مدینہ سے روانہ ہوئے تھے ابن ہشام نے ۸ رمضان بیان کیا ہے مدینہ سے ایک میل [illegible] قیام کیا اور جو لوگ کم عمر تھے ان کو واپس کر دیا واپس ہونے والوں میں عبداللہ بن عمر اسامہ بن زید [illegible]

Marfat.com

بن حضیرؓ، زید بن ارقمؓ، زید بن ثابتؓ اور عمیر بن ابی وقاصؓ تھے۔ عمیر رونے لگے آخر حضور ﷺ نے ان کو شریک رہنے کی اجازت دے دی اور بدر کی لڑائی میں سولہ سال کی عمر میں آپ شہید ہو گئے حضور ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ چاہ سقیا کا پانی پئیں اور خود بھی اس کنویں کا پانی پیا اور سقیا کے گھروں کے پاس نماز پڑھی اور سقیا سے روانگی کے وقت قیس بن ابی صعصعہ کو مسلمانوں کی گنتی کرنے کا حکم دیا

قیس نے سب لوگوں کو ابو عتبہ کے کنویں کے پاس کھڑا کر کے گنتی کی اور رسول اللہ ﷺ سے عرض کر دیا یہ سب ۳۱۳ ہیں حضور ﷺ سن کر خوش ہوئے اور فرمایا طالوت کے ساتھیوں کی بھی یہی شمار تھی اس روز حضور ﷺ نے مدینہ کے لئے دعا کی اور عرض کیا اے اللہ ابراہیمؑ تیرا بندہ تیرا خلیل اور تیرا نبی تھا اس نے مکہ والوں کے لئے دعا کی تھی میں محمد ﷺ بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں میں مدینہ والوں کے لئے تجھ سے دعا کرتا ہوں کہ تو ان کے صاع (چار سیر کا ایک ناپ) اور ان کے مد (ایک سیر کے برابر ناپ) اور ان کے پھلوں میں برکت عطا فرما (یعنی ان کی کھیتی باڑی اور باغوں کی پیداوار میں برکت عطا کر) اے اللہ تو مدینہ کی محبت ہم کو عطا کر اور مدینہ کے آب و ہوا کی خرابی (بخار ملیریا وغیرہ) کو ختم میں منتقل کر دے جس طرح تیرے خلیل ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم قرار دیا تھا میں بھی مدینہ کی دونوں سوختہ پتھریلی زمینوں کے درمیانی علاقے کو حرم قرار دیتا ہوں (مدینہ کے دونوں جانب پتھریلی گرم تپتی ہوئی زمین ہے مدینہ دونوں کے درمیان واقع ہے) حبیب بن اساف اگرچہ اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے مگر مال غنیمت کے لالچ میں اپنے قبیلہ خزرج کی مدد کے لئے چلے آئے تھے حضور ﷺ نے فرمایا ہمارے ساتھ وہی جائے جو مسلمان ہو کوئی غیر مسلم نہ جائے یہ سن کر حضرت حبیب مسلمان ہو گئے اور کسوٹی پر بہت اچھے اترے آپ نے اچھے کارنامے انجام دیئے سقیا کی آبادی سے اتوار کی رات کو روانہ ہوئے اور روانگی کے وقت دعا کی اے اللہ یہ برہنہ پا ہیں ان کو سواری عطا کر یہ برہنہ بدن ہیں ان کو لباس عنایت کر یہ بھوکے ہیں ان کو پیٹ بھر کھانا مرحمت کر یہ نادار ہیں ان کو اپنی مہربانی سے مالدار بنا دے کل ستر اونٹ ساتھ تھے باری باری سے لوگ انہی پر سوار ہوتے رہے۔ امام احمد اور ابن سعدؒ نے حضرت ابن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے ہم بدر کے زمانہ میں تین آدمی ایک ایک اونٹ پر تھے ابو لبابہ اور علیؓ رسول اللہ ﷺ کے ہم سواری تھے دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ سوار ہو جائیں ہم پیدل چلیں گے فرمایا تم پیدل چلنے پر مجھ سے زیادہ قوت نہیں رکھتے اور میں ثواب کا امیدوار تم سے کم نہیں ہوں صاحب البدایہ والتعیون کا بیان ہے کہ ابو لبابہ کے ہم رکاب ہونے کا واقعہ اس وقت کا تھا جب روحاء سے مدینہ کو ان کو واپس نہیں بھیجا گیا تھا روحاء سے روانگی کے بعد تو رسول اللہ ﷺ کے ہم سواری علیؓ اور زیدؓ تھے۔ اس لشکر کے ساتھ صرف دو گھوڑے تھے ایک گھوڑا مقدادؓ بن اسود کا اور ایک گھوڑا زبیرؓ بن عوام کا ابن سعد کی روایت میں آیا ہے کہ تین گھوڑے ساتھ تھے تیسرا گھوڑا مرثد بن ابی مرثد غنویؓ کا تھا۔ مقام ترباں میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت سعدؓ بن ابی وقاص سے فرمایا ہرن کو دیکھو سعدؓ نے تیر چلہ پر چڑھایا اور رسول اللہ ﷺ نے پیچھے سے کھڑے ہو کر اپنی ٹھوڑی سعد کے مونڈھے اور کان کے درمیان رکھی اور فرمایا تیر چلا اے اللہ اس کے تیر کو نشانہ پر صحیح بٹھا دے چنانچہ تیر ہرن کے سینہ پر لگ گیا۔ حضور ﷺ مسکرا دیئے سعد دوڑتے ہوئے گئے اور ہرن کو پکڑ لیا کچھ جان باقی تھی سعدؓ ذبح کر کے اس کو اٹھا کر لے آئے رسول اللہ ﷺ نے ساتھیوں کو بانٹ دینے کا حکم دیا چنانچہ وہ گوشت سب کو تقسیم کر دیا گیا پھر چلتے چلتے مقام ذوسنتجسج پر جا کر اترے یہ مقام بھی روحاء کے درمیان ہی واقع ہے پھر یہاں سے کوچ کر کے موڑ پر پہنچ کر کہ کارستہ بائیں کو چھوڑ دیا اور دائیں ہاتھ کو نازیہ پر بدر کے ارادہ سے عمل دیئے نازیہ کے کنارے کنارے چل کر وادی رحقان کو طے کیا، وادی رحقان نازیہ اور مقام الصفراء کے درمیان تھی پھر مضیق الصفراء پر پہنچے اور وہاں سے نقیب میں چل دیئے جب صفراء کے قریب پہنچے تو ابو سفیان کی خبر معلوم کرنے کیلئے بسبس بن عمر جہنی کو اور عدی بن زغبا کو بدر کی طرف روانہ کیا بسبسؓ بنی ساعدہ کے معاہد تھے اور عدی بنی نجار کے حلیف تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ صفراء سے بائیں ہاتھ کو چل کر وادی ذفران کے دائیں جانب چلتے رہے اور وادی کے اندر کچھ حصہ طے کر کے پڑاؤ ڈالا تو اطلاع ملی کہ قریش اپنے قافلہ کی حفاظت کے لئے روانہ ہو گئے ہیں رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے مشورہ لیا (کہ اب کیا کیا جائے) مہاجرین نے بطور مشورہ کچھ اچھا کلام کیا۔ اول ابو بکرؓ کھڑے ہو کر اچھا بولے۔ پھر عمرؓ نے بھی کھڑے ہو کر

Marfat.com

اچھی گفتگو کی پھر مقدادؓ بن اسود کھڑے ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ اللہ نے آپ کو جو حکم دیا ہے آپ اس پر چلئے ہم آپ ﷺ کے ساتھ ہیں خدا کی قسم ہم وہ بات نہیں کہیں گے جو موسیٰ کی قوم نے موسیٰ سے کہی تھی کہ تم اور تمہارا رب جاکر لڑیں ہم تو یہیں بیٹھ گئے (آگے نہیں بڑھیں گے) آپ اور آپ کا رب چل کر لڑیں ہم آپ لوگوں کے ساتھ ہیں آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے ہو کر دشمنوں سے لڑیں گے قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ کو حقانیت کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ ہم کو برک الغماد کو لے جائیں تو آپ ﷺ کی ہمراہی میں ہم مدلجی تلواروں سے اس وقت تک لڑیں گے جب تک وہاں پہنچ نہ جائیں یہ سن کر آپکا چہرہ مبارک شگفتہ ہو گیا پھر مقدادؓ کے حق میں کچھ کلمات خیر فرمائے اور دعا کی اس کے بعد تیسری بار لوگوں سے مشورہ لیا اب انصار سمجھے کہ روئے خطاب ہماری طرف ہے کیونکہ انہی کی تعداد زیادہ تھی اس پر سعدؓ بن معاذ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کا خطاب ہم سے ہے فرمایا ہاں سعدؓ نے کہا یارسول اللہ ﷺ ہم آپ پر ایمان لاچکے آپ کو سچا جان چکے ہم نے اقرار کر لیا کہ جو کچھ آپ لائے ہیں وہ حق ہے ہم نے آپ سے مضبوط وعدہ کر لیا اور عہد و پیمان دے دیا کہ جو کچھ آپ حکم دیں گے ہم سنیں گے اور بجالائیں گے اب جو کچھ آپ چاہیں وہ کریں یارسول اللہ ﷺ شاید آپ کو یہ اندیشہ ہو کہ انصار صرف اپنی بستیوں میں ہی آپ ﷺ کی مدد کریں گے (باہر نکل کر نہیں کریں گے) تو میں انصار کی طرف سے عرض کرتا ہوں اور جواب دیتا ہوں کہ آپ جہاں چاہیں سفر کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں جس سے جوڑ کرنا چاہیں جوڑ کریں جس سے توڑنا چاہیں تعلق توڑیں ہمارے مالوں میں سے جتنا چاہیں لے لیں اور جتنا چاہیں ہم کو دے دیں آپ جو مال ہمارے پاس چھوڑ دیں گے وہ ہماری نظر میں لئے ہوئے مال سے زیادہ محبوب نہ ہوگا آپ جو حکم دینا چاہیں دیں ہم آپ کے حکم پر چلیں گے خدا کی قسم اگر آپ ہم کو لے کر برک غمدان یا برک الغماد پہنچنا چاہیں گے تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور اگر سمندر ہمارے سامنے ہوگا تو آپ کے ساتھ اس میں بھی کھس جائیں گے اور ہم میں سے کوئی شخص پیچھے نہیں رہے گا اگر کل دشمن سے مقابلہ ہو جائے تو ہم کو نا گوار نہ ہوگا ہم لڑائی میں تجربہ کار ہیں امید ہے کہ ہماری (جنگی) کارگذاریوں سے اللہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی رکھے گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ایک کام کے لئے نکلے ہوں اور اللہ دوسری بات پیدا کر دے پس اللہ کا نام لے کر ہم کو لے کر چلئے ہم آپ کے دائیں بائیں اور آگے پیچھے رہیں گے اور موسیٰؑ کی قوم کی طرح نہ ہوں گے جنہوں نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ تم اور تمہارا رب جائیں اور جاکر لڑیں ہم تو یہاں سے آگے بڑھنے والے نہیں بلکہ آپ اور آپ کا رب چلیں و دشمن سے لڑیں ہم آپ کے ساتھ ہیں ساتھ نہیں چھوڑیں گے سعد کی یہ تقریر سن کر رسول اللہ ﷺ کا چہرہ چمکنے لگا اور فرمایا اللہ کے نام پر چلو اور خوش ہو اللہ نے مجھ سے دو گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے خدا کی قسم میں اس وقت بھی گویا ان لوگوں کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا ہوں (کہ ان میں سے کون کس جگہ مارا جائے گا) بعض مسلمانوں کو دشمن سے مڈبھیڑ پسند نہ تھی۔

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ اور بلاشبہ مسلمانوں کا ایک گروہ ناپسند کرتا تھا۔ بیضاوی نے لکھا ہے واؤ حالیہ ہے اور پورا جملہ اخرجک کے کاف سے حال ہے یعنی جس حالت میں کہ مسلمانوں کے ایک فریق کو ناپسند تھا اللہ نے تم کو مدینہ سے نکالا۔

میں کہتا ہوں واؤ کا استیناف کے لئے اور کلام کا استینافیہ ہونا ظاہر ہے (واؤ حالیہ نہیں ہے) کیونکہ ذوالحال اور حال کا زمانہ ایک ہونا چاہئے (حالانکہ مسلمانوں کو مدینہ سے نکلنا ناگوار اور ناپسند نہیں تھا) بلکہ بنی نضیر کے ساتھ جب لڑائی پڑ گئی تو اس وقت مسلمانوں کو مدینہ سے نکلنا پسند ہوا تھا (پہلی جنگ میں بکثرت زخمی اور شہید ہو گئے اور سب تھک کر چور چور ہو گئے تھے) قافلہ کی جستجو میں مدینہ سے نکلنے کی تو ان کو رغبت تھی کہ بغیر لڑے مال ہاتھ لگ جائے گا ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابو ایوبؓ انصاری کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابو ایوبؓ نے فرمایا جب ہم ایک دو دن چلتے رہے (اور قافلہ کا پتہ نہ چلا) تو رسولؐ نے فرمایا ان لوگوں سے (یعنی قریش سے جنگ کرنیکے متعلق) آپ لوگوں کی کیا رائے ہے (لڑنے بڑھ کر قریش سے جنگ کریں) یا واپس مدینہ کو لوٹ جائیں) ان لوگوں کو تمہارے نکلنے کی اطلاع پہنچ گئی ہم نے عرض کیا بخدا ہم میں ان لوگوں سے لڑنے کی جان نہیں ہے ہمارا ارادہ تو قافلہ کا ہے حضور ﷺ نے پھر فرمایا تم لوگوں کی رائے

Marfat.com

جنگ کے متعلق کیا ہے ہم نے وہی پہلا جواب دے دیا۔

یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ بَعْدَمَا تَبَیَّنَ یعنی آپ جہاد کو ترجیح دے رہے تھے اور حق بات ظاہر کر رہے تھے اور وہ قافلہ پر چاپڑنے کو پسند کر رہے تھے اور جھگڑا کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ ہم کو ان سے مقابلہ کی طاقت نہیں ہمارا ارادہ تو قافلہ کا ہے اور یہ جھگڑا اس کے باوجود تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو فتح یاب ہونے کی اطلاع دے دی تھی کیونکہ جب رسول اللہ ﷺ روحاء میں تھے تو حضرت جبرئیلؑ نے نازل ہو کر اطلاع دے دی تھی کہ اللہ نے تم لوگوں سے دونوں گروہوں میں سے ایک کا وعدہ کیا ہے یا قافلہ یا قریش (پر فتح)۔

کَاَنَّمَا یُسَاقُوْنَ اِلَی الْمَوْتِ وَھُمْ یَنْظُرُوْنَ اس جملہ کا تعلق کَارِھُوْنَ سے ہے یعنی ان کو جنگ و جہاد کی طرف جانا ایسا ناگوار تھا جیسے اس شخص کو موت کی طرف لے جایا جانا ناگوار ہوتا ہے جس کی آنکھوں کے سامنے موت کے اسباب گھوم رہے ہوں (اور وہ سمجھ رہا ہو کہ اس طرف جانے میں میری موت یقینی ہے) اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ تھی کہ تعداد کم تھی اور تیاری مفقود تھی ابن زیدؒ نے کہا کہ یجادلون کی ضمیر مشرکوں کی طرف راجع ہی مشرک حق کے معاملہ میں آپ سے جھگڑا کرتے ہیں حق کی طرف انکا ان کو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے موت کی طرف کھینچ کر لے جایا جانا۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَیْرَ ذَاتِ الشَّوْکَۃِ تَکُوْنُ لَکُمْ وَیُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّحِقَّ الْحَقَّ بِکَلِمٰتِہٖ وَیَقْطَعَ دَابِرَ الْکٰفِرِیْنَ ۙ﴿۷﴾ لِیُحِقَّ الْحَقَّ وَیُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ کَرِہَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾

اور (تم لوگ اس وقت کو یاد کرو) جب کہ اللہ تعالیٰ دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کا تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی اور تم اس تمنا میں تھے کہ غیر مسلح جماعت (یعنی قافلہ) تمہارے ہاتھ آجائے اور اللہ کو یہ منظور تھا کہ اپنے احکام سے حق کا حق ہونا (عملاً) ثابت کر دے اور انکافروں کی جڑ کاٹ دے تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا (عملاً) ثابت کر دے خواہ مجرموں کو یہ بات پسند نہ ہو۔

وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ اِذْ کا تعلق محذوف فعل سے ہے یعنی اس وقت کا واقعہ یاد کرو کم یعد کا پہلا مفعول اور احدی اطائفتین دوسرا مفعول ہے اور انھا لکم احدی سے بدل ہے وتودون ان غیرذات الشوکۃ اور تم دل سے چاہتے تھے کہ غیر مسلح بے طاقت گروہ یعنی قافلہ تمہارے ہاتھ لگ جائے تاکہ بغیر جنگ کے کثیر مال مل جائے شوکۃ کا معنی ہے طاقت قوت تیزی یہ لفظ شوک سے مستعار ہے شوک کا معنی ہے کانٹا، ہتھیار۔

ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا تھا لوگ چاہتے تھے کہ قافلہ ان کے ہاتھ لگ جائے کیونکہ قافلہ والوں میں زیادہ طاقت نہ تھی جب قافلہ نکل گیا اور ہاتھ نہ آیا تو رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو لے کر قریش کے مقابلہ کے لئے جانا چاہا۔ قریش میں چونکہ طاقت زیادہ تھی اس لئے (بعض) مسلمانوں کو یہ بات ناپسند ہوئی۔

یرید اللّٰہ ان یحق الحق اور اللہ حق کو ظاہر کرنا اور سربلند کرنا چاہتا تھا بکلماتہ یعنی تم کو جہاد اور جنگ کا حکم دے کر یا فرشتوں کو تمہاری مدد کے احکام دے کر بعض کے نزدیک کلمات سے مراد وہ وعدہ ہے جو اللہ نے دین کو غالب اور معزز کرنے کا پہلے کیا تھا۔ ویقطع دابر الکافرین اور کافروں کی بیخ کنی کر دے کہ عرب میں کوئی کافر بغیر اسلام لائے کے نہ رہے اگر رہے تو قتل کر دیا جائے مطلب یہ کہ تم بغیر شدت و تکلیف کے مال کے خواستگار تھے اور اللہ چاہتا تھا کہ دین سربلند ہو حق ظاہر اور تم کو دونوں جہان میں کامیابی حاصل ہو لیحق الحق اس کا تعلق محذوف فعل سے ہے یعنی جو کچھ کیا اس لئے کیا کہ اسلام کو عملاً ثابت کر دے یا یقطع سے تعلق ہے یعنی اللہ کافروں کی جڑ کاٹنا اس لئے چاہتا تھا کہ احقاق حق کر دے ویبطل الباطل اور کفر کو باطل کر دے (بظاہر کلام میں تکرار نظر آرہی ہے کیونکہ پہلے بھی یحق الحق فرمایا اور پھر لیحق الحق فرمایا اسی طرح یقطع دابر الکافرین فرمایا اور پھر یبطل الباطل فرمایا) لیکن حقیقت میں تکرار نہیں ہے اول جملہ تو صرف بیان مقصد کے لئے ہے اس کی غرض تو یہ ہے کہ اللہ

Marfat.com

کے مقصد میں اور مسلمانوں کے مقصد میں جو فرق تھا اس کو واضح کر دیا جائے اور دوبارہ ذکر کرنے کی علت یہ ہے کہ وہ سبب واضح کر دیا جائے جس کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کو طاقت ور لشکر سے مقابلہ کرنے کا حکم دیا گیا ولو کرہ المجرمون مجرموں سے مراد ہیں مشرک کرہ کا مفعول محذوف ہے یعنی مشرک خواہ اس بات کو پسند نہ کریں۔

## قصہ بدر کا تکملہ

ذفران سے رونہ ہو کر رسول اللہ ﷺ ان پہاڑیوں کے راستہ سے جن کو اصافر کہا جاتا ہے آگے چلے (اصافر کی پہاڑیوں جحفہ کے قریب مکہ کو جاتے ہوئے دائیں جانب کو واقع ہیں) پھر نیچے اتر کر ایک بستی کی جانب جس کا نام دبیہ ہے رخ کیا فتحان کو دائیں جانب چھوڑ دیا حنان ایک بڑے پہاڑ کی طرح ریت کا ٹیلہ تھا پھر بدر کے قریب پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا اور خود حضرت ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر ایک عرب بوڑھے کے پاس پہنچے اور اس سے قریش کی اور محمد ﷺ کی اور محمد ﷺ کے ساتھیوں کی خبریں دریافت کیں شیخ بولا مجھے اطلاع ملی ہے کہ محمد ﷺ اور اس کے ساتھی فلاں فلاں دن روانہ ہو گئے ہیں اگر اطلاع دینے والے نے مجھے صحیح اطلاع دی ہے تو آج وہ فلاں جگہ ہوں گے جس جگہ حضور ﷺ نے پڑاؤ ڈالا تھا شیخ نے اسی جگہ کا نام لیا اور مجھے یہ خبر بھی ملی ہے کہ قریش فلاں دن روانہ ہو گئے ہیں اگر خبر دینے والے نے مجھے صحیح خبر دی ہے تو آج قریش فلاں جگہ ہوں گے شیخ نے اسی جگہ کا نام لیا جہاں قریش موجود تھے پھر کہنے لگا تم دونوں کون ہو حضور ﷺ نے فرمایا ہم ماء سے ہیں (یہ لفظ توریہ کے طور پر استعمال فرمایا بوڑھا تو سمجھا ہو گا کہ نبی ماء السماء جو عرب کا مشہور قبیلہ تھا اس سے ان کا تعلق قرابت ہے اور حضور ﷺ کی مراد یہ تھی کہ ماء دافق یعنی کودتے ہوئے پانی سے ہم دونوں پیدا ہوئے ہیں۔)

ابن اسحاق کا بیان ہے پھر رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آئے شام ہوئی تو علیؓ بن ابی طالب اور زبیرؓ بن عوام اور سعدؓ بن ابی وقاص کو صحابہؓ کی ایک جماعت کے ساتھ بدر کے چشمہ کی طرف خبر لینے کے لئے بھیجا ان لوگوں کو قریش کے کچھ سقے ملے جن میں بنی الحجاج کا غلام اسلم اور بنی العاص بن سعید کا غلام ابو یسار بھی تھا یہ حضرات دونوں کو لے آئے اور ان سے کچھ سوالات کئے اس وقت رسول اللہ ﷺ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے دونوں نے جواب دیا ہم قریش کے خدمت گار ہیں انہوں نے ہم کو پانی بھرنے بھیجا تھا مسلمانوں کو یہ جواب ناگوار گذرا ان کا خیال تھا کہ یہ دونوں ابو سفیان کے آدمی ہیں (اور قافلہ کہیں قریب ہی ہے) اس لئے ان کو مارنے لگے جب خوب مارا تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہم ابو سفیان کے آدمی ہیں صحابہؓ نے ان کو چھوڑ دیا اس عرصہ میں ﷺ نے رکوع کیا اور دو سجدے کر کے سلام پھیر دیا اور فرمایا جب انہوں نے تم سے سچی بات کہی تھی تو تم نے ان کو مارا اور جب جھوٹی بات کہی تو تم نے ان کو چھوڑ دیا انہوں نے سچ کہا خدا کی قسم یہ قریش کے آدمی ہیں (پھر دونوں غلاموں سے فرمایا) مجھے قریش کے متعلق بتاؤ دونوں نے عرض کیا اور وہ اس سامنے والے ٹیلہ کے اس پرے کے اونچے مقام پر اور ریت کے ٹیلہ پر فروکش ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کتنے ہیں دونوں نے عرض کیا بہت ہیں فرمایا گنتی میں کتنے ہیں بولے یہ تو ہمیں معلوم نہیں فرمایا کتنے (اونٹ) ذبح کرتے ہیں کہنے لگے ایک دن نو اور ایک دن دس فرمایا تو نو سو اور ہزار کے درمیان ہیں پھر فرمایا ان میں سرداران کون کون ہیں دونوں نے عرض کیا ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ شیبہ۔ ابو البختری بن ہشام، حکیم بن حزام، نفل بن خویلد، حارث بن عامر طعیمہ بن عدی، نضر بن حارث ربیعۃ الاسود، ابو جہل بن ہشام امیہ بن خلف، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ منبہ سہل بن عمرو اور عمرو بن عبدود حضور ﷺ نے فرمایا یہ مکہ کے جگر پارے (یعنی خلاصہ ' رلھسن) ہیں جن کو مکہ نے باہر نکالا ہے۔

ابن عابد کا بیان ہے کہ جحفہ پہنچنے میں راستہ چلنے اور درمیانی قیام میں کل دس دن صرف ہوئے بسبسی بن عمرو اور عدی بن ابی الزغباء بدر کی طرف (تلاش احوال کے لئے) گئے ہوئے تھے پانی کے قریب ایک ٹیلہ پر یہ دونوں جا کر ٹھیرے پھر مشکیزے لے کر پانی بھرنے چل دیئے۔ پانی پر مجدی بن عمر جہنی موجود تھا اور وہاں جو لوگ مقیم تھے ان کی دو باندیاں بھی موجود

Marfat.com

تھیں ایک باندی دوسری کو پکڑے ہوئے تھی (اور اپنا قرض مانگ رہی تھی) جس کو وہ چمٹی ہوئی تھی اس نے کہا قافلہ کل یا پرسوں آجائے گا میں قافلہ والوں کا کچھ کام کاج کر کے کچھ مزدوری کروں گی تو اس سے تیرا قرض ادا کر دوں گی مجدی بولا یہ سچ کہہ رہی ہے عدی اور بسیس یہ بات سن کر اونٹ پر بیٹھ کر چلے آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر جو کچھ سنا تھا عرض کر دیا۔

ابن اسحاق وغیرہ نے لکھا ہے کہ ابوسفیان قافلہ کو لے کر آیا مدینہ کے قریب پہنچا تو بہت خوف زدہ تھا ضمضم بن عمر اور نضیر کی واپسی میں بھی تاخیر ہو گئی تھی غرض ڈرتے ڈرتے پانی پر پہنچا پانی پر مجدی بن عمرو جہنی سے ملاقات ہوئی ابوسفیان نے مجدی سے پوچھا کیا تم کو (یہاں) کچھ سن گن ملی ہے مجدی نے کہا اور تو کسی اجنبی کو میں نے دیکھا نہیں صرف اتنی بات دیکھی کہ دو سوار آئے انہوں نے اس ٹیلہ کے پاس اونٹ بٹھایا اور اتر کر مشکیزوں میں پانی لیا اور چل دیئے ابوسفیان مجدی سے یہ بات سنکر ٹیلہ کے پاس ان کی فرودگاہ پر پہنچا اور اونٹ کی ایک مینگنی اٹھا کر اس کو توڑا اس کے اندر سے کھجور کی گٹھلی برآمد ہوئی کہنے لگا خدا کی قسم یہ تو یثرب والوں کا چارہ ہے (یعنی اونٹوں کو گٹھلیاں وہ ہی کھلاتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ وہ سوار مدینہ کے تھے) فوراً اپنے ساتھیوں کے پاس لوٹ آیا اور قافلہ کا رخ موڑ کر بدر کو بائیں چھوڑ کر ساحل کے راستہ پر پڑ گیا اور تعاقب کرنے والوں کے ڈر سے سرپٹ رات دن چلتا رہا اور جب دیکھا کہ اب میں قافلہ کو بچا لایا تو قریش کے پاس قیس بن امراء القیس کو یہ پیام دے کر بھیجا کہ تم اپنے قافلہ کی اور آدمیوں کی جانوں اور مالوں کی حفاظت کے لئے مکہ سے نکلے تھے اب چونکہ اللہ نے سب کو بچا دیا ہے اس لئے لوٹ آؤ قریش کو یہ اطلاع اس وقت ملی جب یہ لوگ جحفہ میں تھے ابوجہل کہنے لگا خدا کی قسم بدر پر اترے بغیر ہم نہیں لوٹیں گے بدر پر ہر سال عرب کا ایک تہوار ہوتا اور بازار لگتا تھا یہ زمانہ تہوار ہی کا تھا ہم تین روز بدر میں قیام کریں گے اونٹ ذبح کریں گے کھانا کھلائیں گے شرابیں پلائیں گے گانے والیوں کا گانا سنیں گے عرب ہماری یہ خبریں سنیں گے اور ہمارے آپہنچنے کی اطلاع ہو گی تو اس کے بعد ہمیشہ ہم سے ہیبت کھائیں گے ان پر ہمارا رعب پڑے گا۔

اہل رائے پہلے ہی مکہ سے نکلنے کے مخالف تھے اور ایک دوسرے کے پاس یہی مشورہ دینے گیا تھا حارث بن عامر امیہ بن خلف، ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ حکیم بن حزام ابوالبختری علی بن امیہ بن خلف اور ابوالعاص سب ہی جانے سے جھجک رہے تھے لیکن ابوجہل نے سب کو بزدل ہو جانے کی عار دلائی اور رائے پلٹ دی تھی ابوجہل کی تائید عقبہ بن ابی معیط نضر بن حارث اور حارث بن مکلدہ نے کی تھی بالآخر سب کا جانے پر اتفاق ہو گیا تھا۔

اخنس بن شریف نے جو بنی زہرہ کا حلیف تھا بنی زہرہ سے کہا تم لوگ مخرمہ بن نوفل کی جان مال کی حفاظت کے لئے نکلے تھے وہ تمہارا آدمی تھا اب اللہ نے تمہارا مال بھی بچا دیا اور مخرمہ بن نوفل کو بھی بچا دیا اس لئے مکہ کو لوٹ جاؤ بنی زہرہ کی تعداد تقریباً ایک سو اور بعض روایات میں تین سو تھی اخنس کی بات سن کر سب لوٹ گئے بنی زہرہ کے صرف دو آدمی یعنی مسلم بن شہاب زہری کے چچا واپس نہیں گئے اور بدر کی لڑائی میں بحالت کفر مارے گئے۔

ابن سعدؒ کا بیان ہے کہ قیس بن امرء القیس نے واپس جا کر ابوسفیان کو قریش کے آجانے کی اطلاع دی ابوسفیان نے کہا ہائے قوم افسوس یہ عمرو بن ہشام یعنی ابوجہل کی حرکت ہے۔ اخنس کی رائے سے چونکہ بنی زہرہ بدر میں شریک نہیں ہوئے اور ان کو نقصان نہیں پہنچا اور ان کی حالت قابل رشک بن گئی اس لئے اخنس کی اس واقعہ کے بعد ان کی نظروں میں بڑی عزت ہو گئی اور سب اس کی رائے ماننے لگے۔ بنی ہاشم نے بھی لوٹ جانا چاہا تھا مگر ابوجہل نے ان پر سختی کی اور کہا ہماری واپسی تک (بنی ہاشم کی) یہ جماعت ہمارے ساتھ رہے گی ہم سے الگ نہیں ہو سکتی۔ غرض قریش ریت کے ٹیلے اور بطن وادی کے پیچھے پرے کے کنارہ والی اونچی زمین پر فروکش ہوئے اور رسول اللہ ﷺ ور لے کنارہ پر۔ شروع میں پانی پر مشرکوں کا قبضہ رہا مسلمان پیاسے رہ گئے اور ان پر سخت مصیبت پڑی شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تمہارا دعویٰ تو یہ ہے کہ ہم اللہ کے دوست ہیں رسول اللہ ﷺ ہم میں موجود ہیں مگر پانی پر مشرکوں نے زبردستی قبضہ کر رکھا ہے اور تم جنابت کی حالت میں بغیر غسل کے

Marfat.com

نمازیں پڑھتے ہو مگر اسی رات اللہ نے بارش کر دی مشرکوں کی طرف تو ایسی موسلا دھار بارش ہوئی کہ وہ آگے نہ بڑھ سکے اور مسلمانوں کے لئے ہلکی ہلکی بارش ہوئی جس سے وہ نہا بھی لئے بدن کی گندگی بھی دور ہو گئی اور زمین بھی ہموار ہو گئی ریت سخت پڑ گئی اور قدم جمنے لگے (دلدل اور کیچڑ نہیں ہوئی) پڑاؤ بھی درست ہو گیا دلوں میں سکت بھی آگئی اور ادھر ادھر چلنے کی رکاوٹ دور ہو گئی وادی بننے لگی سب نے پانی پی لیا اونٹوں کو بھی پلا دیا اور مشکیزے بھی بھر لئے اسی رات کو مسلمانوں پر ایک ایسی اونگھ طاری ہو گئی کہ سب لوگ سو گئے ایک دوسرے کے سامنے آکر اٹھاتا تھا مگر اس کو پتہ بھی نہ چلتا تھا اور وہ پہلو کے بل گر پڑتا تھا ابو یعلی اور بیہقی نے دلائل میں حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مقدادؓ کے علاوہ ہم میں کوئی سوار نہ تھا اور میری آنکھوں میں اب تک وہ منظر ہے کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے ہم میں کوئی آدمی ایسا نہ تھا جو سو نہ گیا ہو حضور ﷺ ایک درخت کے نیچے صبح تک نماز پڑھتے رہے یہ جمعہ کی رات تھی اور دونوں فریقوں کے درمیان ریت کی ایک پہاڑی حائل تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے عمارؓ بن یاسر اور عبداللہ بن مسعودؓ کو (قریش کی طرف حال معلوم کرنے) بھیجا دونوں نے جا کر ان لوگوں کی فرودگاہ کے آس پاس چکر لگایا اور آکر اطلاع دی کہ وہ لوگ خوف زدہ ہیں اور ان پر سرسخت بارش ہوئی ہے رسول اللہ ﷺ ساتھیوں کو لے کر عشاء کے وقت اور آگے بڑھے تاکہ مشرکوں کے پہنچنے سے پہلے چشمہ پر قبضہ کر لیں چنانچہ آگے پہنچ گئے اور پانی پر قبضہ کر لیا اور بدر کے اول چشمہ پر پہنچ کر ٹھیر گئے مشرکوں کو بارش نے آگے نہ بڑھنے دیا ابن اسحاق کی روایت میں آیا ہے کہ حبابؓ بن منذر بن جموح نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اس جگہ اترنے کا آپکو اللہ نے حکم دیا ہے پھر تو ہم پیچھے آگے ہٹ نہیں سکتے یا یہ ایک مصلحت اور جنگی تدبیر ہے حضور ﷺ نے فرمایا (حکم نہیں) بلکہ رائے مصلحت اور جنگی تدبیر ہے حبابؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ اترنے کی جگہ نہیں ہے یہاں سے لوگوں کو اٹھا لے چلئے اور قریش کے قریب ترین جو پانی ہے وہاں چل کر ٹھیریئے وہاں چشمہ کے قریب ہم ایک کنواں کھودیں گے اور کنویں پر ایک حوض بنا دیں گے اس طرح چشمہ سے نکلنے کی بجائے پانی کنویں میں آکر بھر جائے گا اور اس پانی سے ہم حوض بھر لیں گے ہمارے پینے کے لئے تو پانی ہو جائے گا اور وہ نہ پی سکیں گے حضور ﷺ نے فرمایا تم نے مشورہ سمجھ کا دیا۔ ابن سعد نے لکھا ہے کہ جبرئیلؑ نے بھی اتر کر کہا تھا کہ حبابؓ نے جو مشورہ دیا وہ ٹھیک ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ اپنے ساتھ سب لوگوں کو لے کر اٹھ کھڑے ہوئے اور قریش کے قریب ترین پانی کے پاس آدھی رات کو پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا پھر حضور ﷺ کے حکم سے ایک کنواں کھودا گیا اور اس پر ایک حوض بنا دیا گیا اور حوض کو پانی سے بھر دیا گیا پھر سب لوگوں نے اس میں (اپنے اپنے) برتن ڈال دیئے۔

سعدؓ بن معاذ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم آپ کے لئے ایک جھونپڑی بنائے دیتے ہیں اس میں آپ ﷺ قیام کریں پاس ہی ہم کچھ اونٹنیاں تیار رکھیں گے پھر ہم دشمن سے مقابلہ کریں گے اگر ہم دشمن پر غالب آگئے تو مقصد پورا ہو گیا اور اگر کچھ دوسری بات ہوئی تو آپ اونٹنی پر سوار ہو کر ان لوگوں کے پاس پہنچ جائیں جن کو ہم اپنے پیچھے (مدینہ میں) چھوڑ آئے ہیں کیونکہ وہاں ہمارے پیچھے بکثرت ایسے لوگ رہ گئے ہیں جو حضور ﷺ (کی محبت میں ہم سے کم نہیں ہیں اگر ان کو خیال ہوتا کہ حضور ﷺ کو جنگ پیش آئے گی تو وہ پیچھے نہ رہتے اللہ ان کے ذریعہ سے آپ کی حفاظت کرے گا وہ آپ ﷺ کی خیر خواہی کریں گے اور آپ کے ساتھ مل کر جہاد کریں گے رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سنکر سعد کے لئے کلمات خیر ادا فرمائے اور ان کو دعا دی پھر رسول اللہ ﷺ کے لئے ایک ٹیلہ پر جہاں سے میدان جنگ کی حالت دکھائی دیتی تھی ایک جھونپڑی بنا دی گئی اس میں رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ فروکش ہوئے تیسرا کوئی نہ تھا سعدؓ بن معاذ جھونپڑی کے دروازہ پر تلوار گردن سے لٹکائے کھڑے ہو گئے پھر رسول اللہ ﷺ میدان جنگ کے مقام پر تشریف لے گئے اور ہاتھ سے اشارہ کر کر کے بتانے لگے کہ یہ فلاں شخص کی قتل گاہ ہے اس جگہ فلاں آدمی مارا جائے گا انشاء اللہ چنانچہ جہاں جہاں حضور ﷺ نے اشارہ کر دیا تھا قریش کے آدمیوں میں سے کوئی بھی وہاں سے بچ نہ سکا (ہر شخص حضور ﷺ کی بتائی ہوئی جگہ پر ہی مارا گیا) رواہ احمد و مسلم وغیرہما۔

طبرانی نے حضرت رافع بن خدیج کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی

Marfat.com

جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر اہل اسلام کا کوئی بچہ پیدا ہو کر آخر عمر تک اللہ کی پوری پوری اطاعت کرتا رہے تب بھی (ثواب اور درجہ میں) تمہاری اس ایک رات (یعنی شب بدر) کو نہیں پہنچ سکتا اور فرمایا جو ملائکہ بدر میں حاضر ہوئے تھے وہ ان ملائکہ سے فضیلت رکھتے ہیں جو حاضر نہیں ہوئے اس روایت کے تمام راوی سوائے جعفر بن معلاس کے ثقہ ہیں جعفرؓ غیر معروف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صبح مقام بدر پر کی۔

ادھر قریش اپنی پوری طاقت اور اسلحہ کے ساتھ اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت میں نکلے تھے ان کے اندر رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے خلاف جوش غضب غصہ اور سخت اشتعال تھا کہ صحابہؓ نے ان کے قافلہ کو لوٹا اور قافلہ کے آدمیوں کو قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا اور اس سے پہلے عمرؓ بن حضرمی کو قتل اور اس کے اونٹوں کو چھین چکے تھے یہ قصہ سورۂ بقرہ کی آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الشَّھْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِیْہِ کی تفسیر کے ذیل میں ہم بیان کر چکے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے قریش کو ریت کے پہاڑ سے نیچے وادی کی طرف آتے ہوئے ملاحظہ فرمایا سب سے پہلے زمعہ بن اسود گھوڑے پر سوار سامنے آیا اس کے پیچھے اس کا بیٹا بھی تھا اس نے گھوڑے کو ایک چکر دیا قوم کے پڑاؤ کے لئے مقام تلاش کر رہا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ قریش اپنے غرور اور تکبر کے ساتھ آ گئے اے اللہ! یہ تیرے رسول کی تکذیب کر رہے ہیں اور اس سے لڑ رہے ہیں اے اللہ تو نے جس فتح کا مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ عطا فرما اور صبح ان کو ہلاک کر دے۔ عتبہ بن ربیعہ کو سرخ اونٹ پر سوار دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا اگر اس قوم میں سے کسی میں کوئی خیر ہو سکتی تھی تو اس سرخ اونٹ والے میں تھی اگر یہ لوگ اس کا مشورہ مان لیتے تو سیدھے راستہ پر پڑ جاتے یہ عتبہ ہے یہ لڑائی سے روک رہا اور لوٹ جانے کا مشورہ دے رہا تھا اور کہہ رہا تھا قوم والو آج لوٹنے کی عار کی پٹی میرے سر سے باندھ دو اور کہو کہ عتبہ نامراد ہو گیا اور ابو جہل انکار کر رہا تھا (اور جنگ کے لئے اڑا ہوا تھا) خفاف بن ایما بن رحضہ غفاری نے یا اس کے باپ نے (یہ تینوں آخر میں مسلمان ہو گئے تھے مگر اس وقت کافر تھے) اپنے بیٹے کے ساتھ کچھ اونٹ قریش کے پاس بطور ہدیہ بھیج دیئے اور کہلا بھیجا کہ اگر تم چاہو تو اسلحہ اور آدمیوں سے ہم تمہاری مدد کر سکتے ہیں قریش نے جواب میں کہلوایا آپ سے تعلق اور رشتہ پکا ہے جو آپ پر حق تھا وہ آپ نے ادا کر دیا (آئندہ امداد کی ضرورت نہیں) اگر ہمارا مقابلہ آدمیوں سے ہے تو خدا کی قسم ان کے مقابلہ میں ہمارے اندر کوئی کمزوری نہیں ہو سکتی اور اگر محمد ﷺ کے گمان کے مطابق ہماری لڑائی اللہ سے ہوئی تو اللہ کا مقابلہ کرنے کی کسی میں طاقت نہیں۔

جب لوگ ٹھہر گئے تو قریش کے چند آدمی جن میں حکیم بن حزام بھی تھے رسول اللہ ﷺ کے (بنائے ہوئے) حوض پر اتر آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ان کو اترنے دو سوائے حکیم بن حزام کے ان میں سے جس شخص نے بھی اس کا پانی پیا مارا گیا حکیمؓ بن حزام بچ گئے اور اس کے بعد مسلمان ہو گئے اور اسلام میں پختہ رہے جب آپ (مسلمان ہونے کے بعد) مضبوط قسم کھاتے تھے تو یوں کہتے تھے قسم ہے اس اللہ کی جس نے بدر کے دن مجھے بچا لیا۔

جب قریش ٹھکانے سے ہو گئے تو عمیرؓ بن وہب جمحی کو (جو آخر میں مسلمان ہو گئے تھے) مسلمانوں کی تعداد کا اندازہ لگانے کے لئے بھیجا عمیر نے مسلمانوں کے لشکر کے ارد گرد گھوڑے کو چکر دیا اور لوٹ کر بتایا کہ کم و بیش تین سو ہیں لیکن ذرا ٹھہرو میں یہ بھی دیکھ لوں کہ کہیں ان کی چھپی ہوئی کمک نہ ہو چنانچہ وادی کے اندر وہ دور تک گیا اور جب کچھ نظر نہ آیا تو لوٹ کر قریش سے کہہ دیا میں نے کوئی کمک تو نہیں دیکھی لیکن ایک بات دیکھی اونٹنیاں موتوں کو اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہیں۔ یثرب کے آب کش اونٹوں پر لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ ایسی قوم ہے کہ سوائے تلواروں کے نہ ان کے محافظین ہیں نہ پناہ کا مقام کیا تم کو نہیں معلوم کہ وہ باتیں کرتے ہیں ہوشیار رہتے ہیں اور سانپ کی طرح منہ میں زبانیں گھماتے ہیں بخدا میرا خیال ہے کہ ان کا ایک آدمی بھی اس وقت تک قتل نہیں ہو گا جب تک وہ تمہارے کسی آدمی کو قتل نہ کر دے اگر وہ اپنی تعداد کے برابر تمہارے آدمیوں کو قتل کر دیں (اور خود بھی مارے جائیں) تو اس کے بعد زندگی کا کیا فائدہ، اب تم خود سوچ لو۔

اس کے بعد قریش نے ابو سلمہ جشمی کو بھیجا اس نے گھوڑے پر سوار ہو کر مسلمانوں کے گرداگرد چکر لگایا اور واپس آ کر کہا خدا

Marfat.com

کی قسم میں نے تمہاری بھی کوئی مدد نہیں کی اور نہ تمہارے لئے کچھ کیا ہے میں نے ان کو ایسی قوم پایا جو خیال کئے ہوئے ہیں کہ اب گھر والوں کے پاس لوٹ کر جانا نہیں ہے وہ مسلم ہیں موت کے طلب گار نہ ان کے محافظ ہیں نہ کوئی پناہ گاہ۔ بس تلواریں ہی ان کا سب کچھ ہیں تیلی آنکھوں والے ہیں ڈھالوں کے پیچھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پتھر کی چٹانیں ہیں غیر متحرک اب تم خود سوچ لو۔

حکیم بن حزم نے جو یہ باتیں سنی تو کل کر عتبہ بن ربیعہ کے پاس پہنچے اور اس سے لوگوں کو واپس لے جانے کی گفتگو کی اور کہا ابوالولید آپ قریش کے معزز بزرگ ہیں سردار ہیں آپ کی بات سب مانتے ہیں کیا آپ ایک کام ایسا کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے آپ کا نام ہمیشہ رہے گا۔ عتبہ نے پوچھا حکیم وہ کیا بات ہے حکیم نے کہا لوگوں کو لوٹا کر لے جائیے اور اپنے حلیف عمر بن حضرمی (کے جانی مالی نقصان) کو خود برداشت کر لیجئے عتبہ نے کہا حکیم تم نے (میرے پاس آکر تو) ایسا کر لیا میں یہ نقصان اپنے اوپر لیتا ہوں کیونکہ عمر حضرمی میرا حلیف تھا مجھ پر اس کی دیت اور مالی نقصان لازم ہے (میں دے دوں گا) مگر تم ابن حنظلہ کے پاس بھی جاؤ مجھے اندیشہ اور کسی سے نہیں صرف اسی سے ہے وہی لوگوں پر جادو کر دے گا ابن حنظلہ سے مراد ابوجہل تھا۔ اس کے بعد عتبہ نے لوگوں میں جا کر ایک تقریر کی اور کہا اے گروہ قریش تم کیا کر رہے ہو خدا کی قسم سچ کو اگر تم محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں پر کچھ غلبہ بھی پاؤ گے تب بھی آسکتہ پیشہ ایک آدمی دوسرے کو نظرت کی نظر سے دیکھنے گا کیونکہ وہ اس کے چچا، ماموں کے بیٹے کو یا اس کے قبیلہ کے کسی اور قوی کو قتل کر چکا ہو گا (کسی کو اپنے بھائی بیٹے اور رشتہ دار کا قاتل کیسے اچھا لگے گا) لہٰذا تم لوٹ جاؤ محمد ﷺ دوسرے عربوں کے (مقابلہ کے) لئے چھوڑ دو اگر دوسرے عرب اس پر غالب آگئے تو تمہاری مراد حاصل ہو گئی اگر اس کے سوا کچھ ہوا تو وہ تم کو الگ پائے گا تم اس سے تعرض نہ کرو گے میں دیکھ رہا ہوں کہ یہ لوگ موت کے طلب گار ہیں تم میں جب تک خیر ہے ان لوگوں تک نہیں پہنچ سکتے (یعنی ان پر غلبہ پانے کے لئے تم کو بہت جانی نقصان اٹھانا پڑے گا) کو کہ آج اس بات کی پٹی میرے سر سے باندھ دو اور کہہ دو عتبہ بزدل ہو گیا حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہارے اندر سب سے زیادہ بہادر نہیں ہوں۔

حکیم کا بیان ہے اس کے بعد میں ابوجہل کے پاس گیا وہ زرہ کیس سے زرہ نکال کر صیقل کر رہا تھا میں نے اس سے کہا اے عمر تم نے مجھے تب کے پاس یہ بات کہنے کے لئے بھیجا کہنے لگا جب سے اس نے محمد ﷺ کو اور اس کی نشانیوں کو دیکھا ہے خدا کی قسم اب تو جب تک خدا ہی ہار اور محمد ﷺ کا فیصلہ نہ کر دے گا کچھ انجام اپنی نہیں جائیں گے عتبہ سے اس قول کی سوائے اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ اس نے محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کو دیکھا ہے اور عتبہ اور اس کے بھائی اور خود اس کا بیٹا موجود ہے پس اس نے اپنے بیٹے سے متعلق ڈر لگا۔ میں وہاں سے اٹھ کر چلا آیا اس کے بعد ابوجہل نے عامر حضرمی کو بلا کر کہا دیکھو یہ عتبہ جو تمہارا حلیف ہے اپنے لوگوں کو لوٹا کر لے جا رہا ہے تم اٹھو اور (قریش سے) اپنا حلیف اور اپنے بھائی کا خون طلب کرو۔ (قریش عمر قبیلہ بنو مخزم کے درمیان باہم حلف و عہد کے معاہدہ تھے جس سے عامر حضرمی بے خبر تھا) عامر اٹھا اور اس نے حلف کی مسلمانوں سے جدائی کا خواہشمند ہوا تو قریش پر لازم تھا [illegible] انتظام حاصل کرنے میں عامر کی مدد کریں اس پر عامر نے اپنے [illegible] سے بعد [illegible] جمع ہو گئے [illegible] عتبہ [illegible] ابوجہل نے [illegible] چلے جانے [illegible]

[illegible] عتبہ [illegible] ابوجہل [illegible] محمد بن عمر الواقدی [illegible]

Marfat.com

بن خطاب کو یہ پیام دے کر قریش کے پاس بھیجا کہ آپ لوگ واپس چلے جائیں تم سے لڑنے کو میں پسند نہیں کرتا یہ کام میرے مقابلہ پر تمہاری جگہ اگر دوسرے لوگ کریں تو اس سے اچھا ہوگا کہ تم مجھ سے لڑو یہ پیام سن کر حکیم بن حزام نے کہا بات تو محمد ﷺ نے خیر خواہی کی پیش کی ہے اس بات کو مان لو، خدا کی قسم وہ انصاف کی بات جب پیش کر چکا تو اب تم اس پر غالب نہیں آسکتے کیونکہ اب (محمد ﷺ سے جنگ کرنا تمہاری طرف سے زیادتی ہوگی) ابو جہل بولا جب اللہ نے ہم کو ان پر قابو دے دیا ہے تو اب ہم (بغیر ان لوگوں کی بیخ کنی کے) واپس نہیں جائیں گے۔

ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے ابن جریج کی روایت سے لکھا ہے کہ ابو جہل نے بدر کے دن کہا تھا ان کو پکڑ کر رسیوں سے باندھ لو کسی کو قتل نہ کرو اس پر سورۂ نون کی آیت اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ نازل ہوئی یعنی ان لوگوں کو مسلمانوں پر وہ قابو حاصل ہو گیا (مسلمانوں کو وہ اپنے قابو میں سمجھنے لگے تھے) جیسے باغ والوں کا اپنے باغ پر قابو ہوتا ہے۔

غرض صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کی صف بندی کی اور تیر کی طرح صفوں کو ہموار کیا آپ کے پاس ایک چھوٹا تیر تھا اس سے اشارہ کر رہے تھے کسی سے فرما رہے تھے ذرا آگے بڑھو کسی کو حکم دے رہے تھے پیچھے ہٹو آخر صفیں درست ہو گئیں حضور ﷺ نے جھنڈا مصعبؓ بن عمیر کو دیا جس جگہ جھنڈا نصب کرنے کا حضور ﷺ نے حکم دیا۔ مصعبؓ اس طرف کو بڑھے حضور ﷺ لائنوں کو دیکھنے لگے مغرب کی طرف اور سورج کی طرف لشکر کی پشت کرائی مشرک سامنے تھے ان کا منہ سورج کی طرف رہا مسلمانوں کا قیام شمالی کنارہ (عدوہ شامیہ) پر اور مشرکوں کا قیام جنوبی کنارہ (عدوہ یمنیہ) پر تھا رسول اللہ ﷺ جب صف بندی کر رہے تھے تو سواد بن غزیہ کچھ آگے نکل آئے رسول اللہ ﷺ نے ان کے پیٹ میں گھونسا مارا اور فرمایا سوادؓ سیدھا رہ۔ سوادؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے دکھ پہنچایا ہے آپ ﷺ کو اس خدا کا واسطہ جس نے آپ ﷺ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے آپ کو اس کا بدلہ دینا ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے یہ سنتے ہی شکم مبارک کھول دیا اور فرمایا بدلہ لے تو سواد۔ پیٹ کھلا دیکھ کر پیٹ سے چمٹ گئے اور چومنے لگے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا سواد تم نے ایسا کیوں کیا سواد نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کا جو حکم تھا وہ سامنے آگیا اور مجھے خیال ہے کہ میں مارا جاؤں گا اس لئے میری خواہش ہوئی کہ آخری وقت آپ سے چمٹ جاؤں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس وقت صحابہؓ کو حکم دیا جب دشمن تمہارے قریب ہو تو تیر مارنا اور تلوار سے جنگ اس وقت کرنا جب بالکل ہی قریب آجائیں کذا روی ابو داؤد عن ابی اسید۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک تقریر فرمائی اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد لوگوں کو جنگ پر ثابت قدم رہنے اور اللہ کی خوشنودی کا طلب گار ہونے کی ترغیب دی قریش بھی جنگ کے لئے تیار ہو گئے اور (انسانی شکل میں) شیطان بھی ان کے ساتھ لگا رہا مسلمان اپنی لائن پر جمے رہے (کوئی ابتداء میں آگے نہیں بڑھا) سب سے پہلے عامر حضرمی نے مسلمانوں پر حملہ کیا اس کے مقابلہ پر مہجع بن عابش حضرت عمرؓ کا آزاد کردہ غلام نکلا عامر نے مہجع کو شہید کر دیا۔ انصار میں سے سب سے پہلے حارثہ بن سراقہ شہید ہوئے آپ کو حبان بن عرفہ نے شہید کیا۔ عتبہ بن ربیعہ اپنے بھائی شیبہ اور بیٹے ولید کے درمیان میدان میں نکلا اس کے مقابلہ کے لئے تین انصاری عبد اللہؓ بن رواحہ عوذؓ اور معاذؓ نکلے عوذؓ و معاذؓ کے باپ کا نام حارث اور ماں کا نام عفراء تھا عتبہ نے کہا ہم تم سے مقابلہ نہیں کریں گے ہمارے مقابلہ کے لئے ہمارے ہم سر (قریشی) سردار ہونے چاہئیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عبیدہؓ بن حارث کھڑے ہو جاؤ حمزہؓ کھڑے ہو جاؤ علیؓ کھڑے ہو جاؤ حمزہؓ نے تو شیبہ کو سنبھلنے بھی نہ دیا قتل کر دیا۔ علیؓ نے ولید کو فرصت نہ دی قتل کر دیا عبیدہؓ اور عتبہ میں تلواروں کی نوک جھونک ہونے لگی دونوں زخمی ہو گئے یہ دیکھ کر حمزہؓ اور علیؓ اپنی تلواریں لے کر عتبہ پر ٹوٹ پڑے اور اس کا کام تمام کر دیا اور قریش اپنے آدمی (عتبہ) کو اٹھا کر لے گئے صحیحین میں آیا ہے کہ سورت حج میں انہی دونوں کے متعلق آیت هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ نازل ہوئی تھی۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ ابو بکرؓ کو ساتھ لے کر جھونپڑی میں لوٹ آئے تیسرا کوئی ساتھ نہ تھا اور اللہ سے اس فتح کی دعا کرنے لگے جس کا وعدہ اللہ نے کیا تھا دعا میں آپ ﷺ کے الفاظ یہ بھی تھے اے اللہ آج اگر یہ گروہ

Marfat.com

ہلاک ہو گیا تو زمین پر پھر تیری پوجا نہ ہو سکے گی حضرت ابو بکرؓ کہہ رہے تھے یا رسول اللہ ﷺ اب اپنے رب کی پکار میں کمی کیجئے اللہ نے جو وعدہ آپ سے کیا ہے وہ یقیناً پورا کرے گا۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور طبرانی نے حضرت ابو ایوبؓ انصاری کی روایت سے لکھا ہے کہ عبد اللہؓ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حضور ﷺ کی ذات تو مشورہ دینے سے بالاتر ہے مگر میں ایک مشورہ عرض کرتا ہوں کہ اللہ کو اس کا وعدہ یاد دلانے کی اب ضرورت نہیں اس کی ذات اس کی یاد دہانی سے بالا اور اعلیٰ ہے فرمایا ابن رواحہ میں اللہ کو اس کے وعدہ کا واسطہ دیتا رہوں گا کوئی شبہ نہیں کہ اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرے گا۔

ابن سعدؒ اور ابن جریر نے حضرت علیؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت علیؓ نے فرمایا بدر کے دن میں کچھ دیر لڑتا رہا پھر دوڑا ہوا آیا کہ دیکھوں رسول اللہ ﷺ کس حال میں ہیں، میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ سجدہ میں پڑے یا حیّ یا قیوم فرما رہے ہیں اس سے زیادہ کوئی لفظ نہیں فرما رہے تھے پھر میں لڑائی کی طرف لوٹ گیا کچھ دیر کے بعد پھر واپس آیا اور حضور ﷺ کو سجدہ میں یہی الفاظ کہتے پایا اس کے بعد اللہ نے فتح عنایت فرمادی بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی اس میں اتنا زائد ہے پھر حضور ﷺ نے رخ موڑا ایسا معلوم ہوتا کہ حضور ﷺ کا چہرہ چاند ہے اور فرمایا گویا میں شام کو ہی اس قوم کی قتل گاہوں کو دیکھ رہا تھا۔

سعیدؒ بن منصور نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت ملاحظہ فرمائی تو دو رکعت نماز پڑھی ابو بکرؓ دائیں طرف کھڑے تھے اور نماز میں دعا کی اے اللہ مجھے بے مدد نہ چھوڑنا اے اللہ میں تجھے اس وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں جو تو نے مجھ سے کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ احمد مسلم ابو داؤد اور ترمذی وغیرہ نے حضرت عمرؓ بن خطابؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کو دیکھا وہ ایک ہزار تھے اور اپنے ساتھیوں کو دیکھا وہ تین سو انیس تھے تو کعبہ کی طرف رخ کر کے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور اپنے رب کو پکارنے لگے کہنے لگے اے اللہ تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے وہ پورا کر اے اللہ اپنے وعدہ کے مطابق مجھے عطا کر اے اللہ اگر مسلمانوں کا یہ گروہ ہلاک ہو گیا تو زمین پر تیری پرستش نہ ہو سکے گی برابر یونہی قبلہ کی جانب ہاتھ پھیلائے پکارتے رہے یہاں تک کہ دوش مبارک سے چادر گر گئی تھی اور ابو بکرؓ نے آ کر چادر اٹھا کر دوش مبارک پر ڈالی پھر پیچھے سے رسول اللہ ﷺ کو چمٹ گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بس کیجئے اللہ کو پکارنے کی حد ہو گئی اللہ ضرور اپنا وعدہ پورا کرے گا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُمْ بِأَلْفٍ مِنَ الْمَلَائِكَةِ مُرْدِفِينَ ۝٩

اس وقت کو یاد کرو جب تم اپنے رب سے فریاد کر رہے تھے تو اللہ نے تمہاری سن لی (اور فرما دیا) کہ میں تم کو ایک ہزار فرشتوں سے مدد دوں گا جو سلسلہ وار چلے آئیں گے اذ تستغیثون یا اذ یعدکم سے بدل ہے یا لیحق سے اس کا تعلق ہے یا فعل محذوف سے متعلق ہے یعنی تم دشمن سے محفوظ رہنے کی اللہ سے درخواست کر رہے تھے اور مدد طلب کر رہے تھے پھر اللہ نے تمہاری دعا قبول کر لی تھی اس وقت کو یاد کرو انی ممدکم یعنی تمہاری مدد کے لئے اور تمہاری طرف سے دفاع کے لئے بھیجوں گا بالف من الملئکۃ ایک ہزار ملائکہ بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ حضرت حکیمؓ بن حزام اور حضرت ابراہیمؒ تیمی کی روایت سے حدیث و عالور حضرت ابو بکرؓ کا قول نقل کیا ہے اس روایت میں یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جھونپڑی کے اندر تھے کہ آپ ﷺ کے سر کو ایک جھٹکا ہوا پھر (گویا) بیدار ہو کر آپ نے فرمایا ابو بکرؓ بشارت ہو یہ جبرئیل سر پر زرد عمامہ باندھے ہوئے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے آسمان و زمین کے درمیان موجود تھے پھر زمین پر اترے اور کچھ دیر کے لئے میری نظر سے غائب ہو گئے پھر گھوڑے پر سوار نمودار ہوئے اور مجھ سے کہہ رہے ہیں جب اللہ سے تم نے دعا کی تو اللہ کی مدد تم کو پہنچ گئی۔

ابن اسحٰق اور ابن المنذر کی روایت میں ہے کے یہ الفاظ ہیں یہ جبرئیل ہیں گھوڑے کو چاروں ٹانگوں پر چلاتے ہوئے آگے سے

Marfat.com

لگام پکڑے آرہے ہیں۔ بخاری اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن فرمایا یہ جبرئیل اسلحہ لگائے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہیں۔

مردفین کا ترجمہ ہے قطار در قطار ایک کے پیچھے ایک حضرت ابن عباسؓ نے اس لفظ کی تشریح میں فرمایا یعنی ہر فرشتہ کے پیچھے دوسرا فرشتہ رواہ ابن جبیر وابن المنذر، قتادہ نے ترجمہ کیا ہے پے در پے رواہ ابن جریر وعبد بن حمید قتادہؓ نے یہ بھی فرمایا کہ شروع میں اللہ نے ایک ہزار ملائکہ سے مسلمانوں کی مدد کی پھر تین ہزار سے پھر پورے پانچ ہزار کر دیئے۔ طبرانی نے حضرت رفاعہؓ بن رافع کی روایت سے اور ابن جریر وابن المنذر وابن مردویہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ اللہ نے اپنے نبی کی اور مسلمانوں کی مدد ایک ہزار ملائکہ سے کی ایک پہلو پر جبرئیل کے ساتھ پانچ سو تھے اور دوسرے پہلو پر میکائیل کے ساتھ پانچ سو، الحدیث۔

ابن ابی حاتم نے شعبی کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول ﷺ کو اطلاع ملی کہ کرز محاربی مشرکوں کو مدد دینی چاہتا ہے آپ کو اس خبر سے تکلیف ہو گئی اس پر اللہ نے نازل فرمایا اَلَنْ یَّکْفِیَکُمْ اَنْ یُّمِدَّکُمْ رَبُّکُمْ بِثَلٰثَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُنْزَلِیْنَ بَلٰٓی اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَاْتُوْکُمْ مِّنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَۃِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُسَوِّمِیْنَ کرز کو قریش کی شکست کی خبر پہنچی تو وہ لوٹ گیا قریش تک نہ پہنچ سکا اس لئے اللہ نے بھی مدد کے لئے پانچ ہزار فرشتے نہیں بھیجے صرف ایک ہزار ملائکہ سے مدد کی۔

ابو یعلی اور حاکم کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا میں بدر کے کنویں کے پاس تھا کہ ایسی تیز ہوا آئی جس کی طرح میں نے کبھی نہیں دیکھی تھی پھر ویسی ہی ایک تیز ہوا اور آئی پھر اسی طرح کی ایک تیز ہوا اور آئی، پہلی ہوا جبرئیلؑ کے آنے کی تھی جو ایک ہزار ملائکہ کیساتھ اتر کر رسول اللہ ﷺ کی طرف آئے تھے دوسری ہوا میکائیل کے آنے کی تھی جو ایک ہزار ملائکہ کیساتھ رسول اللہ ﷺ کے دائیں جانب اترے تھے ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے دائیں طرف تھے اور تیسری ہوا اسرافیل کے آنے کی تھی جو ایک ہزار ملائکہ کیساتھ رسول اللہؐ کے بائیں جانب نازل ہوئے تھے میں بائیں جانب تھا، الحدیث۔

امام احمد، بزار اور حاکم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا بدر کے دن مجھ سے اور ابو بکر سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم میں سے ایک سے فرمایا تمہارے ساتھ جبرئیلؑ ہیں اور دوسرے سے فرمایا تمہارے ساتھ میکائیل ہیں اور اسرافیل ایک عظمت والا فرشتہ ہے جو میدان جنگ میں موجود رہتا ہے مگر صف میں شامل ہو کر لڑتا نہیں ہے ابو یعلی کی روایت ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا ہم غزوہ بدر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے کہ نماز میں ہی رسول اللہ ﷺ مسکرا دیئے تھے (نماز کے بعد) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے دیکھا کہ حضور ﷺ مسکرا دیئے تھے (کیا وجہ تھی) فرمایا جبرئیل میری طرف سے گزرے تھے قوم کے تعاقب سے واپس آرہے تھے ان کے پروں پر غبار کا کچھ اثر موجود تھا میری طرف دیکھ کر ہنسے تھے میں ان کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا تھا۔

ابن سعد اور ابو الشیخ نے حضرت عطیہؓ بن قیس کی روایت سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ بدر کی لڑائی سے فارغ ہو گئے تو حضرت جبرئیلؑ سرخ گھوڑی پر سوار زرہ پہنے نیزہ لئے آئے اور کہا محمد ﷺ اللہ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ جب تک آپ کی خوشی نہ ہو میں آپ کے ساتھ سے الگ نہ ہوں کیا اب آپ کی خوشی ہو گئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں میں خوش ہو گیا اس کے بعد جبرئیلؑ واپس چلے گئے۔

فائدہ:- بعض فرشتے آدمی کی شکل میں بعض لوگوں کے سامنے نمودار ہوئے تھے ابراہیم حرثی کا بیان ہے کہ ابو سفیانؓ بن حارث نے کہا ہم نے بدر میں کچھ گورے رنگ کے آدمی ابلق گھوڑوں پر سوار آسمان وزمین کے درمیان دیکھے تھے بیہقی اور ابن عساکر راوی ہیں کہ حضرت سہیلؓ بن عمرو نے فرمایا بدر کے دن میں نے کچھ گورے رنگ کے مرد ابلق گھوڑوں پر سوار آسمان وزمین کے درمیان دیکھے جو قتل بھی کر رہے تھے اور قید بھی کر رہے تھے۔

Marfat.com

محمد بن عمر واسلمی اور ابن عساکر کا بیان ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا میں نے بدر کے دن دو آدمی دیکھے ایک رسول اللہ ﷺ کے دائیں اور دوسرا بائیں جانب تھا دونوں سخت ترین قتال کر رہے تھے پھر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے تیسرا آ گیا پھر آپ کے آگے چوتھا آ گیا۔

محمد بن عمر واسلمی کا بیان ہے کہ ابراہیم غفاری نے کہا میں اور میرا چچا کا بیٹا بدر کے پانی پر تھے محمد ﷺ کے ساتھیوں کی قلت اور قریش کی کثرت دیکھ کر ہم نے کہا دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوگا تو ہم محمد ﷺ کے لشکر اور اس کے ساتھیوں کا قصد کریں گے (یعنی برابر اسی راستہ ہم رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہؓ کو نشانہ بنائیں گے) محمد ﷺ کے ساتھیوں کے میسرہ (بائیں بازو) کو جا کر دیکھا تو اندازہ کیا کہ یہ قریش سے ایک چوتھائی ہوں گے ہم میسرہ میں گھوم ہی رہے تھے کہ ایک بادل آیا اور ہم سب پر چھا گیا ہم نے بادل کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھا تو اس میں سے کچھ آدمیوں کی اور ہتھیاروں کی آواز سنائی دی ایک آدمی اپنے گھوڑے سے کہہ رہا تھا خیزوم آگے بڑھ [1] یہ (غیبی) آدمی آ کر رسول اللہ ﷺ کے میمنہ پر اترے پھر ایک جماعت اور اسی طرح کی (اوپر سے) آئی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو گئی اب وہ (صحابہؓ کی فوج) قریش سے دگنی ہو گئی میرا چچا کا بیٹا تو مر گیا میں رکا رہا (یعنی جنگ میں بچ گیا) اور مسلمان ہو گیا اور رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی اطلاع دی۔

ابن اسحاق اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ایک غفاری شخص کا اور بیہقی نے سائب بن ابی حبیش کا قول نقل کیا ہے غفاری اور سائب کہتے تھے کہ خدا کی قسم مجھے کسی آدمی نے قید نہیں کیا واقعہ یہ ہوا کہ جب قریش کو شکست ہوئی اور وہ بھاگے تو میں ان کے ساتھ بھاگا مجھے ایک دراز قامت گورے رنگ کے آدمی نے پکڑ لیا یہ شخص گھوڑے پر سوار تھا اور آسمان و زمین کے درمیان معلق تھا پھر مجھے باندھ دیا اتنے میں عبدالرحمن بن عوف آ گئے اور مجھے بندھا ہوا دیکھ کر پوچھا اس کو کس نے باندھا ہے لیکن کسی نے مجھے گرفتار کرنے کا دعویٰ نہیں کیا آخر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مجھے پیش کیا گیا اور حضور ﷺ نے فرمایا تجھے کس نے گرفتار کیا ہے میں نے اصل بات بتانی نہیں چاہی اور جواب میں کہہ دیا مجھے معلوم نہیں فرمایا تجھے ایک فرشتہ نے گرفتار کیا ہے۔ امام احمد ابن سعد اور ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور بیہقی نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ ابوالیسرؓ نے عباس کو گرفتار کیا تھا ابوالیسر گٹھیلے بدن کے ناٹے قد کے آدمی تھے اور عباسؓ قد آور تھے رسول اللہ ﷺ نے ابوالیسر سے دریافت فرمایا تم نے عباسؓ کو کیسے گرفتار کر لیا ابوالیسرؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ گرفتار کرنے میں ایک اور شخص نے میری مدد کی جس کی ہیئت اس اس طرح کی تھی میں نے اس شخص کو نہ پہلے کبھی دیکھا تھا نہ اس کے بعد دیکھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہاری مدد ایک بزرگ فرشتہ نے کی تھی۔

ابن اسحٰق اور اسحٰق بن راہویہ کا بیان ہے کہ حضرت ابو اسید ساعدی نے نابینا ہو جانے کے بعد فرمایا تھا اگر اب میں تمہارے ساتھ بدر میں ہوتا اور میری آنکھیں بھی ہوتیں تو میں تم کو وہ گھاٹی بتاتا جس سے ملائکہ نکل کر آئے تھے اور مجھے (ان کے آنے میں) نہ کوئی شک تھا نہ شبہ۔

بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن ملائکہ کی خصوصی نشانی سفید عمامے تھے جن کو انہوں نے پشت پر چھوڑ رکھا تھا (یعنی عمامہ کا کچھ حصہ بطور دم دونوں شانوں کے بیچ میں لٹکا رکھا تھا) اور خیبر کے دن (فرشتوں کی خصوصی نشانی) سرخ عمامے تھے ابن اسحاق نے بھی حضرت ابن عباسؓ کا قول اسی طرح نقل کیا ہے اس روایت میں استاز اضافہ ہے ہاں جبرئیلؑ کا عمامہ زرد تھا۔ طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عروہؒ کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کے دن حضرت جبرئیل زبیرؓ کی شکل میں زرد عمامہ باندھے اترے تھے۔ ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ بن زبیر کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

---

[1] اس قصہ میں اقدم حیزوم کا لفظ آیا ہے حضرت مولفؒ نے حاشیہ میں لکھا ہے کہ اُقْدُمْ اِقْدَمْ اَقْدِمْ تینوں طرح پڑھنا درست ہے نووی نے اَقْدِمْ کو ترجیح دی ہے مراد ہے جنگ میں آگے بڑھنا یا اقدام کرنا حیزوم، حزم سے مشتق ہے حیزوم سینہ کو بھی کہتے ہیں ممکن ہے کہ اس گھوڑے کا نام حیزوم اس لئے ہو کہ وہ ملائکہ کے سب گھوڑوں سے آگے تھا۔

Marfat.com

طبرانی اور ابن مردویہ نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا مرفوع قول نقل کیا ہے کہ مسومین کا معنی ہے نشان زدہ بدر کے دن فرشتوں کی خصوصی نشانی سیاہ عمامے تھے اور احد کے دن سرخ عمامے، ابن سعد نے لکھا ہے کہ بدر کے دن ملائکہ کی خصوصی نشانی سبز اور زرد اور سرخ نورانی عمامے تھے جن کی دمیں انہوں نے شانوں کے درمیان چھوڑ رکھی تھیں اور گھوڑوں کی پیشانیوں پر بطور کلغی اون بندھا ہوا تھا اور ملائکہ ابلق گھوڑوں پر سوار تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ملائکہ نے خصوصی نشانی مقرر کر لی ہے تم بھی (یہ ہی) نشانی اختیار کرو چنانچہ لوگوں نے اون (کو بطور کلغی) اپنے سروں کے بیچ میں اور ٹوپیوں پر باندھ لیا

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى اور اللہ نے ملائکہ کی امداد صرف تمہاری بشارت کے لئے عطا فرمائی تھی جملہ میں ہ ضمیر امداد کی طرف راجع ہے اور امداد کا ذکر ضِمْنًا لفظ مُمِدُّكُمْ میں آگیا ہے۔ بشریٰ یعنی خوش ہونے کا سبب۔

وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ قُلُوْبُكُمْ اور اس لئے کہ تمہارے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور وہ خوف دور ہو جائے جو اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کو دیکھ کر حسب معمول پیدا ہوا تھا۔

میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ سے اللہ نے فتح کا وعدہ فرما لیا تھا پھر بھی آپ کو اضطراب پیدا ہوا اور آپ نے اللہ سے وعدہ کا واسطہ دے کر دعا کی بات یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ کی حالت حضرت ابراہیمؑ کی طرح تھی حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا تھا رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی اللہ نے فرمایا اَوَلَمْ تُؤْمِنْ حضرت ابراہیمؑ نے جواب دیا بَلٰی وَلٰكِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ دونوں پیغمبروں کی حالت نزول اتم کے مرتبہ کی تھی [1] نزول اتم کی تشریح سورہ بقرہ کی آیت رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی کی تفسیر کے ذیل میں ہم کر چکے ہیں۔

عبداللہ بن رواحہ نزول اتم کے مرتبہ پر فائز نہ تھے اسی لئے انہوں نے کہا تھا کہ اللہ کو وعدہ یاد دلایا جائے اس سے اللہ بہت بالا و برتر ہے (اس کو اس کی ضرورت نہیں) اور حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے اس مرتبہ سے واقف تھے اور آپ کو رسول اللہ کا قرب حاصل تھا اس لئے حضرت ابن رواحہ کی طرح تو الفاظ زبان سے نہیں نکالے ہاں یہ فرمایا کہ اب اللہ کو واسطہ دے کر دعا کرنے کی حد ہو گئی (اس سے زیادہ ضرورت نہیں) اور رسول اللہ ﷺ کے بے قرار ہونے کی وجہ یہ تھی کہ آپ اشاعت اسلام اور استیصال کفر کی انتہائی رغبت رکھتے تھے اور آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ اللہ سارے جہان کی عبادت سے بے نیاز ہے (اس کو ضرورت نہیں کہ کوئی اس کی عبادت کرے اور دنیا میں اسلام پھیلے اور کفر مٹے)، واللہ اعلم۔

وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ۝۱۰ اور فتح تو حاصل نہیں ہوتی مگر اللہ کی جانب سے بے شک اللہ غالب ہے اور اس کے کام مبنی بر حکمت ہیں۔ ع ۱ ۱۵

ملائکہ کی امداد تعداد کی کثرت اور سامان جنگ کی زیادتی یہ تو درمیانی ذرائع ہیں واقع میں ان کی کوئی تاثیر نہیں ضابطہ خدا وندی یونہی ہے۔

فائدہ:- دعا سے فارغ ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس جنگ میں شریک ہو گئے اور خوب لڑے حضرت ابو بکرؓ بھی شریک جنگ ہو کر لڑے اول دونوں حضرات جھونپڑی کے اندر انتہائی کوشش کے ساتھ دعا اور زاری میں منہمک رہے پھر باہر نکل کر لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی اور برانگیختہ کیا اور خود بھی اجتماعی حالت میں مختلف مقامات پر لڑے محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں یہی صراحت کی ہے۔

ابن سعد اور فریابی کا بیان ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا بدر کا دن ہوا اور جنگ سامنے آئی تو رسول اللہ ﷺ

[1] پیغمبروں کی دو حالتیں ہوتی ہیں صعودی اور نزولی یعنی قرب الٰہی اور قرب مخلوق اول حالت کا تعلق نبوت سے ہے اور دوسری حالت رسالت سے متعلق ہے جس کی صعودی حالت اکمل ہوتی ہے اس کی نزولی حالت بھی بدرجہ اتم ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابراہیمؑ کو نزول اتم کا مرتبہ حاصل تھا اسی لئے باوجود کمال ایمانی کے حضرت ابراہیمؑ نے احیاء موتی کو آنکھوں سے دیکھنے کی درخواست کی تاکہ شہودی طور پر اطمینان قلب پیدا ہو جائے اور رسول اللہ ﷺ نے شہودی اطمینان کے لئے امداد ظاہری کے لئے دعا کی۔

Marfat.com

ہمارے آگے ہوگئے اور ہم نے حضورؐ کی آڑ میں اپنا بچاؤ کیا اس روز آپ سب سے زیادہ جنگ جو تھے ہم میں سے کوئی بھی مشرکوں سے اتنا قریب نہ تھا جتنا حضور ﷺ تھے امام احمدؒ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت علیؓ نے فرمایا بدر کے دن کا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی پناہ لے رہے تھے نسائی کے یہ الفاظ ہیں جب لڑائی گرم ہو گئی اور قوم سے مقابلہ ہوا تو ہم رسول اللہ ﷺ کی آڑ پکڑ کر اپنا بچاؤ کرنے لگے۔

اِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ جب کہ اللہ تم پر اونگھ چھا رہا تھا ابن کثیر اور ابو عمرو کی قرات میں اِذْ يُغْشٰىكُمُ آیا ہے جیسے سورت آل عمران میں آیا ہے اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَّآئِفَةً کی قرآت میں يُغَشِّيكُمْ آیا ہے جیسے آیت كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ میں آیا ہے (یعنی باب افعال سے) باقی قاریوں کے نزدیک اِذْ يُغَشِّيكُمُ (باب تفعیل سے) آیا ہے جیسے آیت فَغَشّٰهَا مَا غَشّٰى میں آیا ہے۔

اَمَنَةً مِّنْهُ اپنی طرف سے چین دینے کے لئے امنة لفظ کے اعتبار سے مفعول مطلق ہے اور معنی کے لحاظ سے مفعول لہ (یعنی علت فعل) کیونکہ اونگھ آجانے کی غرض چین حاصل ہو جانا ہے اور یغشیکم النعاس کے اندر اونگھ آجانے کا مفہوم داخل ہے (اونگھ چھا جائے گی تو آدمی ضرور اونگھ جائے گا) امنة یا لازم ہے یعنی چین پانا اور متعدی بھی ہو سکتا ہے یعنی چین دینا یعنی تمہارے چین پانے کے لئے اللہ کی طرف سے تھی یا اونگھ جو تم پر چھا رہی تھی وہ تم کو چین عطا کرنے کے لئے اللہ کی طرف سے نازل شدہ تھی۔

---

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا جنگ میں اونگھ آجانا یہ خدا کی طرف سے نازل شدہ چین ہوتا ہے اور نماز میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہوتی ہے عبد بن حمید نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اونگھ اللہ کی طرف سے نازل شدہ چین تھا اور اونگھ (کا نزول) دو بار ہوا ایک بار بدر کی جنگ میں اور ایک بار احد کی جنگ میں۔

وَ يُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ اور (اس کے قبل) تم پر آسمان سے پانی برسا رہا تھا تاکہ پانی کے ذریعہ تم کو (حدث اور جنابت سے) پاک کر دے اور شیطانی وسوسہ کو تم سے دفع کر دے رجز الشیطان یعنی شیطان کا یہ وسوسہ دور کر دے کہ باوجودیکہ تمہارا دعویٰ ہے کہ تم اللہ کے دوست ہیں تمہارے اندر اللہ کا رسول ہے لیکن پانی پر دشمن کا قبضہ ہونے کی وجہ سے تم ناپاکی کی حالت میں بغیر طہارت کے نماز پڑھ رہے ہو پھر کس طرح تم اللہ کے دوست ہو اور تمہارے اندر اللہ کا رسول کیسا ہے کہ اس کی مدد خدا نہیں کرتا۔

وَلِيَرْبِطَ عَلٰى قُلُوبِكُمْ اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے یعنی اللہ کی مہربانی پر اعتماد رکھنے اور دلوں کے اندر سکون نازل ہونے کی وجہ سے تمہارے دل مضبوط ہو جائیں، رابط الجاش، قوی دل والا، ربط کا لغوی معنی ہے باندھنا اور قوت و استحکام تقاضا بندش ہے (یعنی ربط کا معنی قوت مجازی ہے ربط سبب قوت ہے سبب کا اطلاق مسبب پر مجازاً ہوتا ہے)

وَيُثَبِّتَ بِهِ الْاَقْدَامَ ﴿۱۱﴾ اور بارش کی وجہ سے قدموں کو جمادے بارش سے ریت جم گئی سخت ہو گئی اس کے اندر دھنسنے سے قدم محفوظ ہو گئے یا قدموں کو جمانے سے مراد ہے دل میں قوت پیدا کرنا اور برداشت شدت پر ثابت قدم رکھنا۔

اِذْ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿۱۲﴾

اس وقت کو یاد کرو جب کہ تمہارا رب فرشتوں کو حکم دے رہا تھا کہ میں تمہارا ساتھی (یعنی مددگار) ہوں سو تم ایمان والوں کی ہمت بڑھاؤ میں کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دوں گا پس تم ان کی گردنوں پر مارو اور ان کے پور پور پر مارو۔

الملائکۃ سے مراد وہ ملائکہ ہیں جن کو مسلمانوں کی کمک کے لئے بھیجا گیا تھا۔

انی معکم یعنی مسلمانوں کی مدد کرنے میں میں تمہارے ساتھ ہوں (حضرت مفسرؒ کی مراد یہ ہے کہ معیت سے جسمانی معیت مراد نہیں ہے بلکہ اللہ کے ساتھ ہونے سے مراد ہے اللہ کی مدد کا ساتھ ہونا فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی مسلمانوں



Marfat.com

کے دشمنوں سے لڑ کر مسلمانوں کی جماعت میں اضافہ کر کے اور مسلمانوں کو کامیابی کی بشارت دے کر تم ان کی ہمت بڑھاؤ ان کو اطمینان خاطر دلاؤ مقاتل کا بیان ہے کہ آدمیوں کے بھیس میں ملائکہ صف سے آگے آگے چلتے تھے اور کہتے تھے تم کو بشارت ہو کہ اللہ تم کو قطعی طور پر فتح یاب فرمائے گا۔ الرعب دل کے اندر خوف بھر جانا مراد ہے کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا ڈر بیٹھ جانا سالقی فی قلوب الذین یہ پورا جملہ گویا انی معکم کی تشریح ہے (یعنی میری مدد کی گویا شکل یہ ہوگی کہ میں کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کی تعداد کو دوگنا چوگنا دکھا کر رعب ڈال دوں گا) ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے پوچھا یا آپ کو ابوالیسرؓ نے کیسے گرفتار کر لیا اگر آپ چاہتے تو اس کو مٹھی میں پکڑ لیتے (آپ قد آور اور جسیم آدمی ہیں اور ابوالیسر ناٹا ٹھگنا سا بھر آدمی ہے) فرمایا بیٹے ایسا نہ کہو وہ مجھے کوہ خندق سے بھی بڑا دکھائی دیتا تھا۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے قریش کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا تھا۔

فوق الاعناق یعنی گردنوں سے اوپر والے حصوں میں مار دو جیسے سر حلق وغیرہ، عکرمہ نے کہا فوق الاعناق سے سر مراد ہیں کیونکہ سر گردنوں کے اوپر ہوتے ہیں ضحاک نے کہا فوق الاعناق سے مراد ہے گردنوں پر فوق بمعنی علی ہے (گردنوں کے اوپر یعنی گردنوں پر مارو) کل بنان یعنی ہر جوڑ پر (عطیہ) یا پور پور پر مارو (حضرت ابن عباس ابن جریج ضحاک) بنان بنانۃ کی جمع ہے ہاتھ پاؤں کی انگلیوں کے پوروں کو بنان کہتے ہیں قاموس میں ہے بنان انگلیاں یا انگلیوں کے سر۔

آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ اضربوا سے ملائکہ کو خطاب ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ملائکہ بھی لڑے تھے (صرف مسلمانوں کی تعداد بڑھانے ان کے دلوں میں اطمینان پیدا کرنے اور کافروں کو خوفزدہ کرنے کے لئے ہی شریک نہیں ہوئے تھے) ابن انباری نے کہا فرشتے واقف نہ تھے کہ آدمیوں کو کیسے قتل کیا جاتا ہے اللہ نے فاضربو فرما کو ان کو بتایا بخاری نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کے دن جب کہ رسول اللہ ﷺ ڈیرہ کے اندر تھے آپ ﷺ نے دعا کی اے اللہ میں تجھے تیری ذمہ داری اور تیرے وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں اے اللہ اگر مسلمانوں کو مغلوب کرنے کی آج تیری مشیت ہوئی تو آج کے بعد تیری عبادت نہ کی جا سکے گی یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ نے رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ بس آپ اپنے رب کے سامنے خوب زاری کر چکے (حضور ﷺ نے دعا ختم کر دی) اور زرہ پہنے اچھلتے ہوئے یہ فرماتے ہوئے ڈیرہ سے باہر آگئے سیھزم الجمع ویولون الدبر بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھی وامر اور اللہ نے نازل فرمایا اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ مُرْدِفِيْنَ سے مراد ہیں پے در پے ایک کے بعد ایک سلسلہ وار اور فرمایا اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ اور فرشتوں سے فرمایا اَنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَاُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ وَاضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ۔

مسلم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس روز ایک مسلمان ایک مشرک کے تعاقب میں دوڑ رہا تھا مشرک آگے آگے بھاگا جا رہا تھا کہ مسلمان نے اوپر سے کوڑا مارنے کی آواز سنی اور کسی سوار کی آواز سنی جو کہہ رہا تھا اقدم حیزوم (حیزوم آگے بڑھ) نظر اٹھا کر دیکھا تو مشرک سامنے چت پڑا ہوا دکھائی دیا جس کی ناک ٹوٹ گئی تھی اور چہرہ پھٹ گیا تھا اس مسلمان نے سب کو وہاں جمع کر کے دکھایا ایک انصاری نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا حضور ﷺ نے فرمایا تم سچ کہتے ہو وہ (قتل) تیسرے آسمان کے فرشتوں کی کمک نے کیا تھا حاکم اور بیہقی اور ابو نعیم نے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ حضرت سہلؓ بن حنیف نے فرمایا بدر کے دن ہم میں سے بعض لوگ اپنی تلوار سے مشرک کے سر کی طرف اشارہ ہی کرتے تھے اور تلوار پہنچنے نہ پائی تھی کہ سر نیچے گر پڑتا تھا بیہقی نے حضرت ربیعؓ بن انس کا بیان نقل کیا ہے کہ گردنوں اور پوروں پر آگ سے جلے ہوئے کی طرح نشان دیکھ کر لوگ پہچان لیتے تھے کہ اس کو کس نے قتل کیا ہے ابن سعد نے حویطب بن عبدالعزی کا بیان نقل کیا ہے میں بدر کے موقع پر مشرکوں کی معیت میں موجود تھا میں

Marfat.com

نے ایک جماعت دیکھی آسمان وزمین کے درمیان ملائکہ کو دیکھا جو قتل اور قید کر رہے تھے۔

محمدؒ بن عمر اسلمی اور بیہقی نے لکھا ہے کہ حضرت ابو بردہؓ بن دینار نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تین سر لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان دو کو میں نے قتل کیا ہے اور تیسرے کو میں نے دیکھا کہ کسی گورے رنگ کے دراز قامت شخص نے اس کے تلوار ماری اور سر اڑا دیا معلوم نہیں وہ کون شخص تھا) میں نے اس کا سر لے لیا حضور ﷺ نے فرمایا اس کو قتل کرنے والا فلاں فرشتہ تھا ابن سعدؒ نے عکرمہ کا بیان نقل کیا ہے اس روز بعض لوگوں کے سر اڑ کر الگ گر رہے تھے اور معلوم نہ ہوتا تھا کہ کس نے قتل کیا ہے بعض کے ہاتھ کٹ کر الگ گر رہے تھے اور معلوم نہ ہوتا تھا کہ کاٹنے والا کون ہے۔

ابن اسحاق اور بیہقی نے حضرت ابو واقد لیثی کا بیان نقل کیا ہے میں بدر کے دن ایک مشرک کا تعاقب کر رہا تھا لیکن میری تلوار پہنچنے سے پہلے اس کا سر گر پڑا اس سے میں نے پہچان لیا تھا کہ کسی اور نے اس کو قتل کر دیا۔ بیہقی نے حضرت خارجہ بن ابراہیم کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرئیلؑ سے دریافت کیا بدر کے دن اقدم حیزوم کہنے والا کون فرشتہ تھا حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا تمام آسمان والوں کو میں نہیں پہچانتا۔

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافع نے فرمایا میں عباس بن عبد المطلب کا غلام تھا اسلام ہمارے گھر والوں کے اندر داخل ہو چکا تھا ام الفضل مسلمان ہو چکی تھیں اور میں بھی اسلام لے آیا تھا۔ عباس قوم والوں سے ڈرتے تھے اور ان کی مخالفت پسند نہیں کرتے تھے کیونکہ آدمی بڑے مالدار تھے اور ان کا مال قوم میں (بطور قرض) بٹا ہوا تھا اس لئے آپ ایمان کو چھپائے ہوئے تھے دشمن خدا ابو لہب خود بدر میں شریک نہ ہوا تھا اپنی جگہ اس نے عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بھیج دیا تھا جب اس کو بدر کی شکست کی اطلاع ملی تو اللہ نے اس کو ذلیل اور رسوا کر دیا اور ہم کو اپنے اندر قوت اور عزت محسوس ہونے لگی میں کمزور آدمی تھا تیر بنایا کرتا تھا اور زمزم کے حجرہ کے اندر بیٹھا تیر چھیلا کرتا تھا ایک روز حجرہ کے اندر بیٹھا تیر تراش رہا تھا ام الفضل میرے پاس بیٹھی تھیں کہ ابو لہب کافر پاؤں کو گھسیٹتا ہوا سامنے آگیا اور حجرہ کے بیرونی حصہ میں بیٹھ گیا اس کی پشت میری پشت کی طرف تھی وہ بیٹھا ہی ہوا تھا کہ لوگوں نے کہا لو ابو سفیان بن حارث بن عبد المطلب آگیا۔ ابو لہب بولا بھتیجے میرے پاس آؤ تمہارے پاس ضرور اطلاع ہو گی ابو سفیان اس کے پاس آکر بیٹھ گیا لوگ کھڑے رہے ابو لہب نے کہا بھتیجے بتاؤ کیا ہوا ابو سفیان نے کہا کچھ نہیں خدا کی قسم مقابلہ ہوا تو ہم نے اپنے شانے ان کے ہاتھوں میں دے دیئے کہ وہ جیسا چاہیں کریں ہم کو قتل کریں یا قید کریں اس کے باوجود خدا کی قسم لوگ کبیدہ خاطر نہیں ہوئے مگر ہمارا مقابلہ ایسے گورے رنگ کے لوگوں سے ہوا جو ابلق گھوڑوں پر سوار تھے اور آسمان وزمین کے درمیان (فضا میں) معلق تھے خدا کی قسم ان کا اندازہ کسی چیز سے نہیں ہوتا تھا نہ ان کے سامنے کوئی چیز ٹھیر سکتی تھی حضرت ابو رافع کا بیان ہے میں نے یہ سن کر خیمہ کا ایک حصہ (غالباً راوی نے جس کو حجرہ کہا ہے وہ حجرہ نما ڈیرہ ہوگا جو طنابوں سے بندھا ہوا ہوگا) اپنے ہاتھ سے اٹھا کر کہا خدا کی قسم وہ ملائکہ تھے ابو لہب نے ہاتھ اٹھا کر فوراً میرے منہ پر زور سے ضرب لگائی میں اس سے لپٹ گیا اس نے مجھے اٹھا کر زمین پر دے مارا اور اوپر چڑھ کر مجھے مارنے لگا میں کمزور آدمی ام الفضل نے جو یہ دیکھا تو ڈیرے کی ایک ٹیکی لے کر ابو لہب کو زور سے ماری جس سے اس کا سر برے طور سے پھٹ گیا اور بولیں چونکہ اس کا آقا موجود نہیں ہے اس لئے تو نے اس کو کمزور سمجھ لیا۔

ابو لہب ذلیل ہو کر منہ پھیر کر چل دیا اور سات راتیں گذرنے نہ پائی تھیں کہ اللہ نے اس کو عدسہ کے مرض میں مبتلا کر دیا اور ختم کر دیا ابن جریر نے کہا عدسہ ایک قسم کا پھوڑا ہوتا تھا عرب اس کو منحوس جانتے تھے ان کا خیال تھا کہ یہ بڑا متعدی مرض ہے ابو لہب کو چونکہ عدسہ کا مرض ہوا تھا اس لئے مرنے کے بعد بھی تین دن تک اس کی اولاد اس سے دور دور ہی رہی کوئی اس کی لاش کے قریب نہ آتا تھا نہ اس کو دفن کرنے کا قصد کرتا آخر جب بدبو کا زیادہ اندیشہ ہوا تو ایک گڑھا کھود کر لاٹھیوں کے سہارے لاش کو اٹھا کر اس گڑھے میں ڈال دیا اور دور ہی دور سے پتھروں سے گڑھے کو پاٹ کر لاش کو چھپا دیا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یونس بن بکیر کی روایت میں آیا ہے ابو لہب کی لاش کے لئے گڑھا نہیں کھودا گیا تھا بلکہ کسی باغ کی دیوار کے سہارے اس کو

Marfat.com

ٹکا کر دیوار کی پشت کی جانب سے پتھر پھینک کر لاش کو پتھروں میں چھپا دیا تھا۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَآقُّوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۴﴾

یہ (سزا) اس لئے دی گئی کہ انہوں نے خدا اور رسول ﷺ کی مخالفت کی اور جو شخص رسول کی مخالفت کرتا ہے (تو اس کو خدا عذاب دے گا کیونکہ) خدا سخت عذاب دینے والا ہے یہ مزہ (تو یہاں) چکھو اور (جانے رہو کہ) کافروں کے لئے دوزخ کا عذاب بھی (آخرت میں تیار) ہے۔

ذلک یعنی یہ مار اور مارنے کا حکم اس میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔

بانھم شاقوا یعنی اس مار کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے اللہ اور اللہ کے رسول سے عناد کیا۔ شاقوا کا مادہ شق ہی شق کا معنی ہے جانب پہلو۔ دو عناد کرنے والوں میں سے ہر فریق دوسرے فریق کے مخالف جانب ہوتا ہے جیسے معادات کا مادہ عدوہ اور مخاصمۃ کا مادہ خصم ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اس کی جزاء محذوف ہے یعنی جو اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کرتا ہے اللہ اس کو سخت سزا دیتا ہے فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ یہ سزا دینے کی علت کا اظہار ہے یا اس عذاب کی وعید ہے جو اس دنیوی عذاب کے بعد آخرت میں اللہ کے دشمنوں کے لئے تیار رکھا گیا ہے۔

ذلکم پہلا خطاب رسول اللہ ﷺ کو تھا اب کلام کا رخ بطور خطاب کافروں کی طرف پھیر دیا گیا شاقوا صیغہ غائب تھا اور ذلکم ضمیر خطاب ہے غیبت سے خطاب کی طرف (کلام میں رنگینی پیدا کرنے یا براہ راست دھمکی دینے کے لئے) کلام کو منتقل کیا گیا ہے ذلکم فعل محذوف کا مفعول ہے اور فَذُوْقُوْهُ میں فاء عاطفہ (تفسیری یا تاکیدی) ہے یعنی اس کو چکھو یا ایسے کئے جاؤ پھر عذاب کا مزہ چکھو وان للکافرین یعنی کافروں کے لئے آخرت میں دوزخ کا عذاب ہے اس کا عطف ذٰلِكُمْ پر ہے یا وَاَنَّ میں واؤ معیت کے لئے ہے یعنی یہ سزا جو فوری طور پر تم کو دی گئی ہے اس کو مع اس سزا کے چکھو جو آخرت میں تمہارے لئے تیار کی گئی ہے لَهُمْ کی جگہ صراحت کے ساتھ للکافرین کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ آخرت میں عذاب اور دنیوی سزا کے ساتھ آخرت کے عذاب میں بھی مبتلا ہونا محض کفر کی وجہ سے ہے مومن پر بداعمالی کی وجہ سے اگر دنیا میں کوئی مصیبت آ بھی جاتی ہے تو وہ کفارہ ہو جاتی ہے انشاء اللہ آخرت میں اس پر عذاب نہیں ہوگا۔

بغویؒ نے آیت مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ کی تفسیر کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا کیا میں تم کو اللہ کی کتاب کی ایک بزرگ ترین آیت بتاؤں جو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان فرمائی تھی وہ آیت ہے مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اے علیؓ میں اس کی تم سے تفسیر بیان کرتا ہوں مراد یہ ہے کہ جو بیماری یا سزا یا مصیبت تم پر دنیا میں آتی ہے وہ تمہارے اعمال سے آتی ہے اور اللہ آخرت میں اس کی دوبارہ سزا دینے سے بہت بزرگ ہے (یعنی دوبارہ آخرت میں سزا نہیں دے گا) اور جس عمل کی سزا سے اس نے دنیا میں درگذر فرما دی تو معافی کے بعد پھر آخرت میں اس کی سزا دینے سے اللہ لاپرواہے ترمذی اور حاکم نے بوساطت عکرمہ حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن بھی کہا ہے کہ خدمت گرامی میں عرض کیا گیا یا رسول اللہ قافلہ کا پیچھا کرنا آپ کے لئے ضروری ہے قافلہ سے کوئی مانع نہیں ہے حضرت عباس اس وقت قیدی کی حیثیت میں تھے اور بندھے ہوئے تھے اسی حالت میں آپ ﷺ نے پکار کر کہا یہ بات نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیوں حضرت عباسؓ نے عرض کیا اللہ نے آپ سے دونوں گروہوں میں سے ایک پر فتح یابی کا وعدہ کیا تھا اور جو وعدہ کیا تھا وہ دے دیا (یعنی قریش پر آپ کو فتح حاصل ہو گئی دوسرے گروہ پر فتح یاب کرنے کا وعدہ نہیں فرمایا) حضور ﷺ نے فرمایا تم نے سچ کہا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾

اے ایمان والو جب تم کافروں سے (جہاد میں) دوبدو مقابل ہو جاؤ تو ان کو پشت نہ دینا زحفا لقیتم کے فاعل و مفعول سے حال

Marfat.com

ہے تزاحف کا معنی ہے لڑائی کے وقت ایک کا دوسرے سے قریب ہو جانا (ایک جماعت کا اپنے مقابل کی جماعت میں مخلوط ہو جانا) یعنی جب تم میں سے بعض بعض کے قریب ہو جائیں مسلمان اور کافر باہم گڈمڈ ہو جائیں کذا قال البغوی۔

میں کہتا ہوں تزاحف کے معنی باہم قرب کے اس لئے ہیں کہ یہ لفظ زَحَفَ الصَّبِیُّ کے محاورہ سے ماخوذ ہے بچہ سرینوں کے بل جب سرکنے لگتا ہے تو زحف الصبی کہا جاتا ہے یا زحف البعیر سے ماخوذ ہے جب اونٹ تھک جانے کی وجہ سے آہستہ آہستہ قدم اٹھانے لگتا ہے اور کچھ گھسٹتا ہوا چلتا ہے تو زحف البعیر کہا جاتا ہے دشمن کی مزاحمت بھی سپاہی کو تیزی کے ساتھ آگے بڑھنے سے روکتی ہے اور وہ بچہ کی طرح سرکتا ہے اس تفسیر پر زحف مصدر قرار پائے گا اسی لئے اس کو بصیغہ جمع ذکر نہیں کیا (کیونکہ مصدر کی جمع نہیں آتی جیسے قَوْمٌ عَدْلٌ لیث کا قول ہے کہ زحف اس جماعت کو کہتے ہیں جو دشمن کی طرف اجتماعی شکل میں بڑھے زحف اس کی جمع آتی ہے قاموس میں ہے زحف اس لشکر کو کہتے ہیں جو دشمن کی طرف بڑھے۔ بیضاوی نے اس معنی کو اختیار کیا ہے اسی لئے زحفاً کا تفسیری معنی اس نے کثیراً لکھا ہے اس تفسیر پر زحفاً الذین کفروا سے حال ہوگا یعنی جب تمہارا مقابلہ کثیر التعداد دشمن سے بھی ہو تب بھی بھاگ کر پیٹھ نہ دو تھوڑے دشمنوں کا تو ذکر ہی کیا ہے یا فعل و مفعول دونوں سے حال ہے یعنی تمہاری کثیر التعداد جماعت کا مقابلہ کثیر دشمنوں سے ہو اس وقت زحفاً کا لفظ (شرط احترازی کے طور پر نہ ہوگا بلکہ) واقعہ کا اظہار ہوگا۔ عام طریقہ یہ ہی ہے کہ جماعت کا جماعت سے مقابلہ ہوتا ہے یا صرف فاعل سے حال ہے اس صورت میں آئندہ ہونے والے واقعہ پر تنبیہ ہوگی بدر کے بعد جب حنین کی لڑائی پیش آئی تو مسلمانوں کی تعداد بارہ ہزار تھی مگر اس کثرت کے باوجود وہ پیٹھ پھیر کر گھبراہٹ میں بھاگ کھڑے ہوئے میرے نزدیک بغوی کی تفسیر زیادہ مناسب ہے اس تفسیر پر ممانعت کے حکم میں عموم ہو جائے گا جماعت کا مقابلہ جماعت سے ہو یا ایک کا ایک سے بہرحال پیٹھ دینے کی ممانعت مستفاد ہوگی جب جمع کا تقابل جمع سے ہوتا ہے تو افراد کا افراد سے مقابلہ لازم ہے۔

مسئلہ:- اکثر اہل علم کے نزدیک میدان جنگ سے مقابلہ کے وقت بھاگنا گناہ کبیرہ ہے چاروں اماموں کا قول یہی ہے مگر سب کے نزدیک یہ شرط ہے کہ مسلمانوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں نصف سے کم نہ ہو اگر نصف سے کم ہو تو دشمنوں کو چھوڑ کر بھاگنا جائز ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ الخ عطاء بن رباح کا قول ہے کہ آیت لَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ دوسری آیت اَلْآنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ سے منسوخ کر دی گئی اس کے علاوہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت کردہ حدیث بھی آیت مذکورہ کے حکم کی ناسخ ہے حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے ہم کو ایک جہادی دستہ کے ساتھ بھیجا وہاں پہنچ کر یہ دستہ شکست کھا کر تتر بتر ہو گیا اور ہم سب مدینہ میں واپس آکر چھپ رہے اور آپس میں کہا ہم (اس بھاگنے کی وجہ سے) تباہ ہو گئے (یعنی رسول اللہ ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی ہم سے ہو گئی جس کی وجہ سے ہماری تباہی لازمی ہے) پھر خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم بھگوڑے ہیں فرمایا (نہیں) بلکہ تم تو مڑ کر دوبارہ حملہ کرنے والے ہو (یعنی یہ تو جنگی تدبیر ہے کہ دشمن کو دھوکہ دینے کے لئے سپاہی میدان جنگ سے بھاگتا ہے اور پھر موقعہ پا کر مڑ کر حملہ کرتا ہے) اور میں تمہارے لئے جماعتی مرکز ہوں (جس کی طرف ایک دانش مند مجاہد لوٹ کر آتا ہے) رَوَاہُ التِّرْمِذِیُّ وَرَوَی اَبُوْدَاوٗدَ مُخْتَصَرًا ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ شہید ہو گئے اور حضرت عمرؓ کو اس کی اطلاع ملی تو فرمایا اگر میری طرف سمٹ آتے تو میں ان کے لئے مرکزی پناہ گاہ (ثابت) ہوتا میں ہر مسلمان کے لئے جماعتی پناہ گاہ ہوں۔

مذکورہ بالا دونوں حدیثوں کا حکم اس وقت ہوگا جب مسلمانوں کی تعداد کافروں کی تعداد سے آدھی سے بھی کم ہو (مندرجہ بالا دونوں صورتوں میں ایسا ہی تھا) بغوی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو شخص تین کے مقابلہ سے بھاگا وہ نہیں بھاگا اور جو دو کے مقابلہ سے بھاگا وہ (حقیقت میں) بھاگا۔ بعض لوگوں نے مندرجہ بالا دونوں حدیثوں کی روشنی میں ہر صورت میں فرار کو جائز قرار دیا ہے (تعداد کی کمی بیشی کی کوئی شرط نہیں لگائی) حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا مقابلہ سے

Marfat.com

روگرداں ہونے کی ممانعت صرف اہل بدر کے ساتھ مخصوص تھی رسول اللہ ﷺ وہاں موجود تھے انہی کے لئے بھاگنا ناجائز تھا اگر بھاگتے تو کہاں جاتے مشرکوں کے ہی طرف لوٹ کر جانا پڑتا بدر کے بعد تو (ہر لڑائی میں) مسلمان باہم ایک دوسرے کے لئے پناہ کا مقام تھے بھاگنے والا لوٹ کر بھی مسلمان کی طرف سمٹ کر آئے گا اس لئے بدر کے بعد قتال سے فرار گناہ کبیرہ نہیں حسن قتادہ اور ضحاک کا بھی یہی مسلک ہے یزید بن ابی حبیب نے کہا بدر کے دن فرار ہونے والے کے لئے تو اللہ نے دوزخی ہونے کی صراحت فرمادی لیکن اس کے بعد احد کے بعد جو لوگ میدان قتال سے روگرداں ہوئے ان کے متعلق فرمایا اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ پھر حنین کے دن فرار ہونے والوں کے متعلق فرمایا ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدُ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ۔

میں کہتا ہوں یہ قول اجماع امت کے خلاف ہے اور احد و حنین میں بھاگنے والوں کے متعلق جو آیات مذکورہ ہیں وہ تو ان لڑائیوں میں بھاگنے والوں کو گناہ گار قرار دے رہی ہیں اول جگہ صراحت ہے کہ بھاگنے والوں ہی کی بعض نازیبا حرکتوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیئے اور اللہ نے ان کا قصور معاف کر دیا دوسری آیت میں ہے تم منہ پھیر کر بھاگے پھر اللہ جس کی توبہ چاہے گا قبول فرمالے گا ظاہر ہے کہ معافی اور قبول توبہ بغیر ارتکاب گناہ کے کوئی معنی نہیں رکھتی۔ رسول اللہ ﷺ نے سات ہلاکت آفریں چیزوں میں قتال سے بھاگنے کا شمار کیا ہے بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اور اصحاب سنن نے حضرات صفوان بن عسال کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے سورت نساء کی آیت اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ کی تفسیر میں ہم نے کبائر کی تشریح کر دی ہے لہٰذا مذکورۂ ذیل آیت کی وعید عام ہے (صرف اہل بدر کی خصوصیت نہیں)

وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾ جو شخص اس موقع پر ان کو پشت دے گا بشرطیکہ لڑائی کے لئے پینترا نہ بدلتا ہو یا اپنی جماعت کی طرف پناہ لینے نہ آتا ہو تو وہ اللہ کے غضب میں آجائے گا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

من یولھم یعنی جو کافروں کو قتال کے دن پیٹھ دے گا الا متحرفا لقتال یعنی دشمنوں کو فریب دینے کے لئے اپنی شکست دکھائے اور مقصد یہ ہو کہ دشمن کو غافل بنا کر لوٹ کر حملہ کرے گا۔ او متحیزا الی فئۃ یا اگر لڑتے لڑتے تھک جائے تو اپنی جماعت سے آملے اور مقصد یہ ہو کہ تھکان دور ہونے کے بعد وہ دوبارہ جا کر لڑے گا بدر کے قصے میں بغویؒ نے مجاہد کا بیان نقل کیا ہے کہ جب مسلمان لڑائی سے فارغ ہو کر لوٹے تو بعض لوگ کہنے لگے میں نے فلاں کافر کو قتل کیا ہے دوسرا بولا میں نے فلاں کو مارا ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ پھر تم نے ان کو (اپنی قوت کی بدولت) قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے ان کو قتل کیا یعنی اللہ نے تمہاری مدد کی تم کو ان پر دست رس عنایت کی، ان کے دلوں میں تمہارا رعب ڈالا اور فرشتوں سے تمہاری امداد کرائی۔ اصل کلام اس طرح تھا اگر دشمن پر فتح یاب ہونے پر تم فخر کرتے ہو تو غلطی کرتے ہو تم نے اپنے بل بوتے پر دشمنوں کو قتل نہیں کیا تمہاری محنت کشی فتح کی علت نہیں بلکہ اللہ نے غیر معمولی مدد دے کر دشمنوں کو قتل کیا۔

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ۚ اور جب تم نے (اے نبی دشمنوں پر مٹھی بھر خاک) پھینکی تو تم نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی۔ یعنی گو بظاہر تم نے پھینکی مگر دشمنوں کی آنکھوں میں جھونکنے اور وہاں تک پہنچانے کی تم کو قدرت نہ تھی اللہ نے وہ خاک اور کنکریاں دشمنوں کی آنکھوں تک پہنچادیں جس کی وجہ سے ان کو شکست ہو گئی۔

ابن جریر، ابن المنذر اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور اموی نے حضرت عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مناجات کے وقت عرض کیا اگر تو اس جماعت کو ہلاک کر دے گا تو (اس وقت تیری پرستار چونکہ صرف یہی جماعت ہے اس لئے) زمین پر پھر کبھی تیری عبادت نہ ہوگی دعاء کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے (آکر) کہا ایک مٹھی خاک لے کر ان لوگوں کے چہروں پر پھینک مارو (حضور ﷺ نے مشورہ پر عمل کیا) نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی مشرک ایسا نہ

Marfat.com

بچا جس کی آنکھوں نتھنوں اور منہ میں خاک نہ پڑ گئی ہو بالآخر سب پشت پھیر کر بھاگ پڑے حضور ﷺ نے صحابہؓ سے فرمایا اب ان پر حملہ کرو حملہ ہوتے ہی مشرکوں کو شکست ہو گئی اور سرداران قریش میں جس کا قتل ہونا اللہ کو منظور تھا وہ مارا گیا اور جس کا قید کرنا منظور تھا وہ گرفتار کر لیا گیا اس وقت آیت فلم تقتلوهم ولكن الله قتلهم نازل ہوئی۔

طبرانی اور ابو الشیخ نے صحیح سند کے ساتھ ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا مجھے ایک مٹھی کنکریاں دے دو حضرت علیؓ نے دے دیں رسول اللہ ﷺ نے کافروں کے چہروں پر پھینک ماریں نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں کوئی شخص نہ بچا جس کی آنکھوں میں کنکریاں نہ بھر گئی ہوں۔ ابو الشیخ، ابو نعیم اور ابن مردویہ نے بیان کیا کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا میں نے بدر کے دن آسمان سے کچھ کنکریاں گرنے کی آواز سنی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی طشت میں گری ہیں جب صف بندی ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے وہ کنکریاں لے کر مشرکوں کے چہروں پر پھینک ماریں جس کی وجہ سے ان میں بھگدڑ پڑ گئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن زید کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین کنکریاں پھینکی تھیں ایک کنکری مشرکوں کے میمنہ پر دوسری میسرہ پر اور تیسری درمیان میں اور شاهت الوجوه فرمایا تھا جس کی وجہ سے ان کو شکست ہو گئی حضرت محمد بن عمر واسمیؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی کنکریاں لے کر مشرکوں پر پھینک ماریں اور فرمایا شاهت الوجوه اللهم ارعب قلوبهم وزلزل اقدامهم (چہرے بگڑ گئے اے اللہ ان کے دلوں میں رعب ڈال دے اور ان کے قدم اکھاڑ دے نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کے دشمنوں میں بھگدڑ پڑ گئی کسی چیز کی طرف منہ نہ موڑا کمانڈر خوف زدہ ہو گئے مسلمان ان کو قتل اور قید کرنے لگے کوئی ایسا نہ بچا جس کا منہ اور آنکھیں (خاک اور) کنکریوں سے نہ بھر گئی ہوں جدھر جس کا سینگ سمائے بغیر رخ دیکھے چل دیا اور فرشتے ان کو قتل کرنے لگے ابن حاتم اور ابن جریر نے حسن سند کے ساتھ حکیم بن حزام کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کا دن ہوا تو ہم نے آسمان سے زمین کی طرف اترتی ہوئی ایک آواز سنی جیسے کسی طشت میں کوئی پتھری گری رسول اللہ ﷺ نے وہی پتھری لے کر شاهت الوجوه فرماتے ہوئے پھینک ماری جس کی وجہ سے ہم کو شکست ہو گئی آیات مذکورہ کی شان نزول میں کچھ غریب روایات اور بھی آئی ہیں (جن میں سے بعض کا ذکر کیا جاتا ہے)۔

حاکم نے بروایت سعید بن مسیب بحوالہ مسیب بیان کیا کہ احد کے دن ابی بن خلف رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھا لوگوں نے اس کا راستہ چھوڑ دیا اور مصعبؓ بن عمیر اس کے مقابلہ کو آگئے ابی کی زرہ اور خود کے درمیان ایک شگاف تھا جس سے اس کی ہنسلی کی ہڈی رسول اللہ ﷺ نے دیکھ پائی اور اس شگاف میں چھوٹا نیزہ (برچھی) مارا ابی فوراً گھوڑے سے گر پڑے ایک پسلی ٹوٹ گئی مگر زخم سے خون نہیں نکلا (یعنی ایسا زخم نہیں لگا کہ خون نکلتا کچھ خراش لگ گئی) مگر ابی بیل کی طرح چلانے لگا کہ ساتھیوں نے کہا تو کیسا ڈھیلا آدمی ہے (کوئی زخم نہیں پھر کیوں چلاتا ہے) صرف ایک خراش لگی ہے ابی نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تو یہ کہا تھا کہ میں ابی کو قتل کئے دیتا ہوں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر یہ زخم تمام ذی المجاز (ذی المجاز ایک میلہ کا نام ہے جہاں عکاظ کے میلہ کے بعد عرب جمع ہوتے تھے) والوں کے لگتا تو سب مر جاتے۔ غرض مکہ کو پہنچنے سے پہلے ابی مر گیا اور اللہ نے آیت وما رميت اذ رميت و لكن الله رمى نازل فرمائی۔ اس حدیث کی سند صحیح ہے مگر غریب ہے۔ ابن جریرؒ نے عبد الرحمن بن جبیرؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خیبر کے دن رسول اللہ ﷺ نے کمان منگوا کر قلعہ پر تیر مارا تیر لڑھکتا ہوا نیچے آگرا نیچے ابن ابی الحقیق بستر پر لیٹا ہوا تھا تیر اس کے لگ گیا اور وہ مر گیا اس پر آیت وما رميت اذ رميت ولكن الله رمى نازل ہوئی۔ یہ روایت مرسل اور جید ہے مگر غریب ہے۔

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا اور تاکہ مسلمانوں کی اپنی طرف سے ان کی محنت کا خوب عوض دے۔

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ یعنی اللہ نے جو کچھ کیا وہ دین کو غالب کرنے اور دشمنوں کو مقہور کرنے کے لئے کیا اور اس لئے کیا کہ مومنوں کو نعمت عظیمہ عنایت فرمائے فتح مال غنیمت اور آیات کا مشاہدہ کرا کے ایمان میں قوت اور جہاد و شہادت کا ثواب اور

Marfat.com

جنت اور مراتب قرب اور اپنی خوشنودی عطا فرمائے۔ میں کہتا ہوں ولیبلی الخ حقیقت میں ایک شبہ کا جواب ہے شبہ ہو سکتا تھا کہ اللہ جب تمام کافروں کو ہلاک کر سکتا تھا پھر مومنوں کے جہاد و جنگ کرنے اور فرشتوں کی کمک پہنچانے کی کیا ضرورت تھی پھر ایک فرشتہ بھی سب کو ہلاک کرنے کے لئے کافی تھا جیسا کہ گزشتہ قوموں کے ساتھ کیا گیا اللہ نے خود فرمایا وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰی قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَمَا كُنَّا مُنْزِلِيْنَ اِنْ كَانَتْ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً فَاِذَا هُمْ خٰمِدُوْنَ ایسی صورت میں ہزاروں ملائکہ بھیج کر امداد کرانے کی ضرورت ہی کیا تھی اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ ہم نے جو کچھ کیا اس لئے کیا کہ دین غالب ہو جائے اور انسان و ملائکہ کے مل کر جنگ کرنے سے اہل ایمان کو ثواب، اجر، فتح، مال غنیمت اور مرتبہ قرب حاصل ہو جائے اگر اللہ بغیر کسی ذریعہ کے محض اپنی قدرت سے سب کو ہلاک کر دیتا یا ایک فرشتہ کی چیخ سے سب کو مار ڈالتا اور کوئی مشرک باقی نہ رہتا تو آئندہ کوئی کافر دولت ایمان سے سرفراز نہ ہوتا، جنگ میں مارے جانے شکست پانے کے بعد تو بہت لوگ بچ گئے جو بعد کو مسلمان ہوئے اور ایمان کی نعمت ان کو مل گئی اس کے علاوہ مومنوں کو جہاد اور شہادت کا ثواب مل گیا اور غازیوں کو مال غنیمت حاصل ہو گیا اور ملائکہ کو کچھ شرف نصیب ہو گیا۔

## ..... فضائل اہل بدر .....

بخاری نے حضرت رفاعہ بن رافع زرقی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا آپ لوگ اہل بدر کو اپنے اندر کس درجہ پر جانتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا وہ تمام مسلمانوں سے افضل ہیں یا اسی مفہوم کا کوئی اور جواب دیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے کہا (ملائکہ میں) یہی مرتبہ ان ملائکہ کا ہے جو بدر میں شریک ہوئے تھے امام احمد اور ابن ماجہ نے حضرت رافع بن خدیج کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ امام احمد نے صحیح سند سے بر شرط مسلم حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بدر اور حدیبیہ میں شریک رہا وہ دوزخ میں ہرگز نہیں جائے گا ابو داؤد ابن ماجہ اور طبرانی نے جید سند سے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اہل بدر کے احوال سے واقف ہو جانے پر فرماتا ہے کہ تم اب جو چاہو عمل کرو میں نے تم کو بخش دیا۔

امام احمدؒ کا بیان ہے کہ حضرت حفصہؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کو خود فرماتے سنا آپ فرما رہے تھے کہ جو کوئی بدر اور حدیبیہ میں حاضر رہا انشاء اللہ وہ دوزخ میں نہیں جائے گا حضرت حفصہؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا اللہ نے و ان منکم الا واردھا (تم میں سے کوئی ایسا نہیں کہ دوزخ میں نہ اترے) نہیں فرمایا حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا کہ ثم ننجی الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا مسلم اور ترمذی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عبداللہؓ بن حاطب (اپنے باپ) حاطبؓ کی شکایت کرنے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حاطب بلاشبہ دوزخ میں جائے گا حضور ﷺ نے فرمایا تم غلط کہتے ہو وہ دوزخ میں نہیں جائے گا وہ بدر اور حدیبیہ میں شریک تھا۔

صحیحین میں حضرت علیؓ کی روایت سے حاطبؓ بلتعہ کے خط کا قصہ آیا ہے (کہ حاطبؓ نے رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے ارادہ کی اطلاع مکہ والوں کو دینے کے لئے خط لکھا تھا اور راستہ میں وہ خط حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے پکڑ لیا تھا) اور یہ بھی آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حاطبؓ کی گردن مار دیجئے حضور ﷺ نے فرمایا کیا وہ شرکاء بدر میں سے نہیں ہے اور اللہ نے اہل بدر کے احوال پر مطلع ہونے کے بعد ہی فرمایا ہے کہ جو کچھ چاہو کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی اور یہ بھی فرما دیا کہ تمہارے لئے جنت ضروری ہو گئی۔ ہم نے یہ حدیث سورہ فتح اور سورہ ممتحنہ میں ذکر کر دی ہے۔ بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کے دن حضرت حارثہ بن زید شہید ہو گئے تو ان کی ماں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ واقف ہیں کہ حارثہ کا مجھ سے کیا رشتہ تھا اب اگر وہ جنت میں ہو تو میں صبر کروں اور ثواب کی امید

لہ یعنی رسول اللہ ﷺ نے اللہ کا یہ فرمان جو اہل بدر کے متعلق ہے نقل فرمایا۔

Marfat.com

رکھوں اور اگر اس کے علاوہ کوئی صورت ہو تو مجھے بتائیے کہ میں کیا کروں حضور ﷺ نے فرمایا ہاں کیا جنت ایک ہے جنتیں تو بہت ہیں اور وہ جنت الفردوس میں ہے بخاری کے علاوہ بعض دوسری روایتوں میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ اس روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ حارثہؓ دور سے دیکھنے والوں میں شامل تھے ان الفاظ سے اہل بدر کی مزید فضیلت پر روشنی پڑتی ہے کہ حارثہ میدان جنگ کے وسط میں بھی نہ تھے ہلاکت گاہ میں بھی نہ تھے دور سے دیکھنے والوں میں تھے کہ ایک تیر آلگا جب کہ آپ حوض سے پانی پی رہے تھے اس کے بعد جنت الفردوس میں ان کو جگہ ملی اور جنت الفردوس ہی جنت کا اعلیٰ مرتبہ ہے اور سب سے برتر بھی ہے یہیں سے جنت کی نہریں پھوٹ کر نکلتی ہیں جب ایسے لوگوں کا یہ مرتبہ ہے تو پھر ان لوگوں کے مرتبہ کا کیا کہنا جو دشمن کے سامنے ڈٹے ہوئے تھے اور دشمن کی تعداد بھی تین گنی تھی اور اسلحہ کی طاقت بھی تین گنی تھی۔

رسول اللہ ﷺ نے اہل بدر کے متعلق فرمایا تم جو عمل چاہو کرو میں نے تم کو بخش دیا بظاہر اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اہل بدر کے لئے ہر عمل مباح کر دیا گیا ہے مگر یہ شریعت کے ضابطہ کے خلاف ہے۔ اس شبہ کا ازالہ بعض علماء نے اس طرح کیا کہ فرمان مذکورہ میں گزشتہ گناہوں کے معاف ہو جانے کی خبر دی گئی ہے (یعنی یہ مراد ہے کہ تمہارے پچھلے گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں آئندہ جیسا چاہو کرو جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے) لفظ غَفَرْتُ (میں نے بخش دیا) اسی مفہوم کی تائید کر رہا ہے۔

مگر یہ جواب غلط ہے کیونکہ حضرت حاطبؓ بن بلتعہ کے خط کا واقعہ تو بدر سے چھ برس بعد کا ہے اور اس وقت حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمرؓ کی درخواست کی تردید کرتے ہوئے فرمان مذکورہ صادر فرمایا تھا (اگر بدر کے بعد کا کوئی جرم قابل مواخذہ ہوتا اور مغفور نہ ہوتا تو حضور ﷺ حاطبؓ کے متعلق مذکورہ بالا الفاظ نہ فرماتے) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آئندہ گناہوں کا بخشا جانا بھی مراد ہے اور ماضی کا صیغہ مغفرت کے قطعی اور یقینی ہونے کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے پس صحیح یہ ہے کہ جو عمل چاہو کرو کے الفاظ اہل بدر کی عزت افزائی کے لئے استعمال کئے گئے ہیں اور یہ ظاہر کر رہے ہیں کہ اہل بدر کی اللہ کی نظر میں عظمت مغفرت کی موجب ہے اور وہ ایسے مرتبہ پر پہنچ چکے ہیں کہ اگر آئندہ ان سے گناہ کا صدور بھی ہو جائے تب بھی مواخذہ نہ ہوگا۔

فائدہ :- اہل بدر کو جو بشارت معافی دی گئی اس کا تعلق آخرت کے عذاب سے ہے دنیوی احکام سے اس کا تعلق نہیں ان کے قابل حد جرم کی سزا دنیا میں معاف نہیں کی گئی تھی۔

إِنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ — بے شک اللہ سننے والا ہے یعنی ان کی فریاد اور دعا کو۔

عَلِيمٌ ﴿١٧﴾ — خوب جاننے والا ہے یعنی ان کی نیتوں کو اور تمام احوال کو۔

ذٰلِكُمْ — یہ یعنی خوب صورت آزمائش یا دشمنوں کو قتل کرنا یا ان پر کنکریاں پھینکنا ذلکم خبر ہے اس کا مبتدا محذوف ہے یعنی مقصود یہ تھا۔

وَأَنَّ اللّٰهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِينَ ﴿١٨﴾ — یعنی کافروں کے داؤ کو کمزور کر دینا بھی مقصود تھا اس جملہ کا عطف ذلکم پر ہے (گویا المقصود مبتدا محذوف ہے اور ذلکم سے الکافرین تک اس کی خبر ہے مطلب یہ ہے کہ اہل ایمان کی آزمائش اور کافروں کی بیخ کنی اس جہاد کی غرض تھی)۔

محمد بن اسحاق اور امام احمد نے حضرت عبداللہ بن ثعلبہ بن صعیر عذری کی روایت سے اور ابن جریر و ابن المنذر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ (بدر کے دن) جب باہم مقابلہ پر صف آرائی ہوئی اور ایک فریق دوسرے کے قریب پہنچ گیا تو ابو جہل نے کہا اے اللہ! ہم میں سے جو بھی رشتہ قرابت کو قطع کرنے والا اور بری باتیں (باپ دادا کے خلاف) لانے والا ہو کل صبح تو اس کو ہلاک کر دے گویا ابو جہل نے خود اپنے خلاف فتح کی دعا کی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمُ الْفَتْحُ — اور اگر تم فیصلہ چاہتے ہو تو وہ فیصلہ تو تمہارے سامنے آ پہنچا۔ یعنی اگر تم اللہ سے اس بات کے طالب تھے کہ جو اللہ کی نظر میں محبوب اور پسندیدہ ہو اس کو فتح نصیب ہو تو تمہاری درخواست

Marfat.com

کے بموجب فتح آگئی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ہے میں بدر کے دن لائن میں کھڑا ہوا تھا میں نے دیکھا کہ میرے دائیں بائیں دو لڑکے ہیں اور میں دو نوجوان لڑکوں کے درمیان ہوں مجھے خیال پیدا ہوا کہ اگر میرے دونوں طرف طاقتور آدمی ہوتے تو بہتر ہوتا (کہ وقت پر کچھ میری مدد کرتے اور کچھ کام آتے) اتنے میں ایک لڑکے نے چپکے سے مجھے دبایا اور پوچھا چچا کیا آپ ابو جہل کو پہچانتے ہیں، میں نے کہا ہاں لیکن بھتیجے تم کو اس سے کیا سروکار کہنے لگا مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دیتا ہے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں نے اس کو دیکھ پایا تو میری نظر کے سامنے سے وہ ہٹنے نہ پائے گا یہاں تک کہ ہم میں سے جس کی موت پہلے آئی ہے وہ مارا جائے گا۔ دوسرے نے بھی مجھے ہاتھ سے دبا کر یہی بات کہی مجھے ان کی باتیں سن کر اچنبھا ہوا اتنے میں ابو جہل یہ شعر گاتا ہوا لوگوں میں نظر پڑا ماتقم الحرب العوان منی بازل عامین حدیث سنی پھر کہنے لگا ایسے ہی دن کے لئے میری ماں نے مجھے جنا تھا۔

میں نے ان لڑکوں سے کہا جس شخص کے متعلق تم دریافت کر رہے تھے وہ یہ ہے یہ سنتے ہی دونوں تلواریں لے کر اس پر جھپٹ پڑے اور دونوں نے فوراً مار کر اس کو ٹھنڈا کر دیا اور لوٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اطلاع دے دی حضور ﷺ نے فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے پھر آپ نے ابو جہل کے اسلحہ اور اس سے چھینا ہوا سامان معاذ بن عمرو بن جموح کو عطا فرما دیا۔ یہ دونوں شخص معاذ بن عمر اور معاذ بن عفراء تھے۔

بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کوئی دیکھ کر آئے کہ ابو جہل کس حال میں ہے حسب الحکم حضرت ابن مسعودؓ گئے اور جا کر دیکھا کہ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس کو مار کر ٹھنڈا کر دیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے جا کر اس کی ڈاڑھی پکڑ کر فرمایا کیا تو ابو جہل ہے (کہ اتنا غرور کرتا تھا) ابو جہل نے کہا کیا جس شخص کو اس کی قوم نے یا یہ کہا کہ تم لوگوں نے قتل کر دیا ہے اس سے بڑا کوئی ہے۔

امام احمد نے مسند میں ابو عبیدہ بن عبداللہ بن مسعودؓ کی وساطت سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن میں نے ابو جہل کو اس حال میں پڑا پایا کہ اس کی ایک ٹانگ پر تلوار لگی تھی اور ٹانگ لنگڑی ہو گئی تھی میں نے اس کی تلوار لے کر اس کو اسی تلوار سے قتل کر دیا اور رسول اللہ ﷺ نے وہ تلوار مجھے ہی عنایت فرما دی حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ یہ حدیث اس صحیح روایت کے خلاف ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ابو جہل کے اسلحہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ بن عمرو بن جموح کو عنایت فرما دیئے تھے دونوں کے اختلاف کو دور کرنے کے لئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ صرف وہ تلوار جس سے ابو جہل کو حضرت ابن مسعودؓ نے قتل کیا رسول اللہ ﷺ نے آپ کو عطا فرمائی تھی (اور باقی سامان و اسلحہ حضرت معاذؓ کو عنایت فرمائی)۔

ابن اسحٰق نے حضرت معاذؓ بن عمرو بن جموح کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ بدر سے فارغ ہو گئے تو آپ نے لاشوں میں ابو جہل کو تلاش کرنے کا حکم دیا اور دعا کی اے اللہ! وہ تیری گرفت سے نہ بچنے پائے۔ میں نے یہ فرمان سنا تو ابو جہل کی (تلاش) کو اپنے پیش نظر رکھا اور سیدھا اسی طرف چلا اور جا کر اس کے ایسی تلوار ماری کہ اس کی آدھی پنڈلی کٹ گئی اور میرے کندھے پر ابو جہل کے بیٹے عکرمہ نے تلوار ماری جس سے میرا ہاتھ کٹ کر لٹک گیا صرف کھال جڑی رہی اور جنگ نے مجھے اس کی طرف رخ نہ کرنے دیا کیونکہ دن بھر میں اس ہاتھ کو اپنے پیچھے لئے لڑتا رہا آخر جب اس نے مجھے زیادہ دکھ دیا تو میں نے قدم جما کر اس ہاتھ کو پکڑ کر کھینچا اور الگ کر کے پھینک دیا۔

ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ حضرت معاذؓ اس کے بعد حضرت عثمان غنیؓ کے دور خلافت تک زندہ رہے قاضی (عیاض) نے الاعیون میں لکھا ہے کہ ابن وہب کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ حضرت معاذؓ اپنا (لٹکایا کٹا ہوا) ہاتھ اٹھائے خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے اس پر لعاب مبارک لگا دیا فوراً ہاتھ جڑ گیا۔ قاضی عیاض نے شفاء میں ابن وہب کی روایت سے اس طرح نقل کیا ہے کہ ابو جہل نے حضرت معاذؓ کا ہاتھ کاٹ دیا تھا حضرت معاذؓ وہ ہاتھ اٹھائے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے اس پر لعاب لگا کر (اس کی جگہ پر) جوڑ دیا اور وہ جڑ گیا۔

Marfat.com

اسحٰقؒ نے بیان کیا ابو جہل زمین پر پچھڑا پڑا تھا حضرت معوذ بن عفراء اس کی طرف سے گذرے اور تلوار کا ایک کارگر ہاتھ مارا مگر کچھ جان اس میں باقی رہی۔ حضرت معاذؓ جنگ میں شہید ہو گئے پھر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ابو جہل کی طرف سے گذرے آپ کا بیان ہے میں نے اس کو آخری سانسوں میں پایا اور گردن پر پاؤں رکھ کر کہا دشمن خدا اللہ نے تجھے ذلیل کر دیا بولا ذلیل کیسے کر دیا تم نے جس شخص کو قتل کیا ہے کیا اس سے زیادہ کوئی باعزت ہے (یعنی جس شخص کو اس کی قوم قتل کر دے وہ ذلیل نہیں ہوتا) مجھے یہ بتاؤ کہ انجام کس کے ہاتھ رہا (یعنی فتح کس کی ہوئی) میں نے کہا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی فتح ہوئی۔

ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ ابو جہل نے مجھ سے کہا اے بکریوں کے چرواہے تو سخت (دشوار رس) بلندی پر چڑھا ہے (یعنی میرا سینہ لونچے پہاڑ کی طرح ہے جس کی چوٹی پر پہنچنا سخت دشوار تھا اور تو اس پر چڑھا بیٹھا ہے) پھر میں اس کا سر کاٹ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ اللہ کے دشمن ابو جہل کا سر ہے حضور ﷺ نے (تعجب سے) فرمایا قسم ہے اس خدا کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے عرض کیا جی ہاں قسم ہے اس کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں یہ کہہ کر میں نے حضور ﷺ کے سامنے سر ڈال دیا حضور ﷺ نے اللہ کا شکر ادا کیا دوسری روایت میں ہے کہ آپ سجدہ میں گر گئے تیسری روایت میں ہے (بطور شکر) دو رکعت نماز پڑھی۔ ابن عابد نے قتادہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر امت کا ایک فرعون ہوتا ہے اس امت کا فرعون ابو جہل ہے اس پر اللہ کی مار۔ عفراء کے دونوں بیٹوں نے اس کو قتل کر دیا فرمایا ملائکہ نے اس کو قتل کر دیا اور ابن مسعودؓ نے اس کا کام تمام کر دیا اور تیزی سے قتل کر دیا، عکرمہ کا بیان ہے کہ مشرکوں نے کہا تھا محمد جو چیز لائے ہیں ہم بخدا اس کو (حق) نہیں جانتے (اے اللہ) ہمارے اور محمد ﷺ کے درمیان حقیقت واضح کر دے اس پر یہ آیت اتری اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ یعنی اگر تم (حق) فیصلہ کے طلب گار تھے تو تمہارے سامنے فیصلہ آ گیا۔

سدیؒ اور کلبیؒ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی جانب روانگی کے وقت مشرکوں نے کعبہ کے پردے پکڑ کر کہا تھا، اے اللہ دونوں لشکروں میں سے برتر لشکر کو دونوں گروہوں میں سے افضل گروہ کو اور دونوں دینوں میں سے بہتر دین کو فتح عطا کر اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی مذکورہ روایات کی روشنی میں آیت مذکورہ کے مخاطب کفار مکہ قرار پائیں گے لیکن حضرت ابی بن کعبؓ کا قول آیا ہے کہ آیت میں صحابہؓ کو خطاب کیا گیا ہے اللہ نے مسلمانوں سے فرمایا ہے ان تستفتحوا فقد جاء کم الفتح یعنی اگر تم کامیابی اور فتح مندی کے خواستگار تھے تو فتح و نصرت تم کو مل گئی۔

بغویؒ نے اپنی سند سے حضرت قیس بن حبابؓ کا قول نقل کیا ہے حضرت قیسؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ چادر سر کے نیچے رکھے کعبے کے سایہ میں لیٹے ہوئے تھے ہم نے حضور ﷺ سے بطور شکوہ عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے اللہ سے دعا نہیں کرتے اور اللہ سے نصرت کی درخواست نہیں کرتے یہ سن کر آپ اٹھ بیٹھے چہرہ مبارک سرخ ہو گیا اور فرمایا تم سے پہلے بعض لوگ ایسے گذرے ہیں کہ زمین میں گڑھا کھود کر گڑھے میں ان کو کھڑا کر کے آرہ سر پر رکھ کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے لیکن یہ اذیت بھی ان کو ان کے دین سے نہیں لوٹا سکتی تھی بعض لوگوں کے گوشت کے اندر لوہے کی کنگھیاں، ہڈی اور پٹھے تک کی جاتی تھیں مگر یہ دکھ بھی ان کو ان کے دین سے نہیں پھیر سکتا تھا اللہ اس کام کو ضرور پورا کرے گا یہاں تک کہ تمہارا سوار صنعاء سے حضر موت تک بلا خوف و خطر جائے گا اور راستہ میں سوائے اللہ کے اور کسی کا اس کو ڈر نہ ہو گا (یعنی مسلمانوں کے لئے امن عام ہو جائے گا) مگر تم جلدی کرتے ہو (اور وقت سے پہلے غلبہ کے خواہش مند ہو)۔

وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اور (اے کافرو) اگر رسول اللہ سے جنگ سے) اگر تم باز آ جاؤ گے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔

وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ اور (رسول اللہ سے جنگ اور دشمنی کی طرف) دوبارہ لوٹو گے تو ہم بھی (بدر جیسے واقعہ کی طرف) دوبارہ لوٹیں گے۔

Marfat.com

وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَوْ كَثُرَتْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾

اور تمہارا گروہ کتنا ہی زیادہ ہو بالکل یا کسی دکھ کو تم سے دفع نہ کر سکے گا اور اللہ بلاشبہ ایمانداروں کے ساتھ ہے اگر ان تستفتحو کے مخاطب مسلمان ہوں تو آیت کا مطلب اس طرح ہوگا اگر تم اللہ کی طرف سے نصرت کے خواستگار ہو تو اللہ کی طرف سے نصرت تم کو مل گئی اب اگر راہ حق میں جنگ و جہاد میں سستی کرنے سے باز رہو گے اور رسول اللہ ﷺ جس امر کو پسند کریں اس سے اعراض نہیں کرو گے تو تمہارے لئے بہتر ہوگا لیکن اگر انکار کی طرف لوٹ پڑے تو ہم بھی دشمن کو پھر برانگیختہ کر دیں گے اس وقت تمہاری کثرت تم کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے گی اللہ کی مدد تو کامل ایمانداروں کے ساتھ ہوتی ہے۔ تمہارے ساتھ اس کی مدد نہ ہوگی پھر تمہاری کثرت تعداد بے سود ہوگی آئندہ آیت سے اسی کی تائید ہو رہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم پر چلو اور اس کا کہنا ماننے سے روگردانی مت کرو اور تم (اعتقاد سے) سن تو لیتے ہو۔ عنہ کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے کیونکہ اصل مقصود رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم اور ان کی مخالفت کی ممانعت ہی ہے اطاعت خدا کا ذکر تو بطور تمہید ہے اور اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے ہے کہ اللہ کی اطاعت حقیقت میں رسول ہی کی اطاعت ہے بعض علماء کے نزدیک جہاد کی طرف ضمیر راجع ہے یعنی جہاد سے روگرداں نہ ہو بعض کے نزدیک اطاعت کی طرف راجع ہے جو اطیعوا کے اندر ضمناً مذکور ہے۔

سننے سے مراد ہے قرآن مجید اور مواعظ رسول کو سننا اور تصدیق کرنا۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾

اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو (زبان سے تو) کہتے ہیں ہم نے سن لیا حالانکہ وہ سنتے نہیں یعنی منافقوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو سننے اور تصدیق کرنے کا دعویٰ تو کرتے ہیں مگر موعظت پذیری اور قبول کے کانوں سے نہیں سنتے۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

درحقیقت اللہ کے نزدیک بدترین جانور وہ بہرے گونگے ہیں جو (حق کو) سمجھتے نہیں الدَّوَآبِّ سے مراد ہیں زمین پر تمام چلنے رینگنے والے جانور یا صرف چوپائے مراد ہیں۔ بہرے گونگے سے مراد ہیں وہ لوگ جو حق بات کو گوش قبول سے نہیں سنتے اور کلمہ حق نہیں بولتے اللہ نے ایسے لوگوں کو بہائم میں شمار کیا اور بدترین چوپایہ قرار دیا کیونکہ چوپایوں سے امتیاز و برتری جس وجہ سے ان کو حاصل تھی وہ سبب فضیلت انہوں نے تباہ کر دیا (گوش حق نیوش اور نطق حق گو اور عقل صداقت فہم سے خالی ہو گئے) حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ آیت میں قبیلہ بنی عبدالدار کے افراد مراد ہیں جو کہتے تھے کہ محمد ﷺ جو چیز لے کر آئے ہیں ہم اس کے سننے سے بہرے اقرار کرنے سے گونگے اور دیکھنے سے نابینا ہیں جنگ احد میں یہ سب مارے گئے لشکر کے علمبردار یہی تھے ان میں سے صرف دو آدمی مسلمان ہوئے مصعب بن عمیر اور سویط بن حرملہ۔

وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيْهِمْ خَيْرًا

اور اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی یعنی قبول حق کی صلاحیت جانتا اور وہ اہل سعادت میں سے ہوتے اور اللہ کے اسم ہادی کا ان پر اثر پڑ سکتا۔

لَاَسْمَعَهُمْ

تو ان کو سناتا یعنی اس طرح سناتا کہ وہ سمجھتے اور قبول کر لیتے۔

وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

اور اگر ان کو سنا بھی دیتا (اور وہ فائدہ اندوز بھی ہو جاتے اور سمجھ بھی جاتے تب بھی ایمان و تصدیق و نفع اندوزی کے بعد مرتد ہو جاتے اور) منہ پھیر کر پشت موڑ جاتے (کیونکہ اللہ کو معلوم ہے کہ ان کے اندر کوئی بھلائی نہیں) اس لئے ظہور حق کے بعد بھی محض عناد کی وجہ سے حسب تقدیر فطری روگرداں ہو جاتے

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے بعض لوگ اہل جنت کے کام (ساری عمر) کرتے ہیں یہاں تک کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے، اس وقت کتاب (لوح محفوظ) کا لکھا غالب آتا ہے اور وہ دوزخیوں کا کام کر کے

Marfat.com

ووزخ میں چلے جاتے ہیں الخ، رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین عن عبداللہ بن مسعودؓ۔

بغویؒ نے لکھا ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ لوگ رسول اللہ ﷺ سے کہتے تھے قصی ہمارا بابرکت شیخ تھا اس کو زندہ کر دو اور وہ آپ کی نبوت کی شہادت دے تو ہم ایمان لے آئیں گے اس پر اللہ نے فرمایا وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ یعنی اگر اللہ قصی کا کلام بھی ان کو سنا دے تب بھی یہ منہ پھیر کر چل دیں گے ایمان نہیں لائیں گے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ ۔ اے ایمان والو تم اللہ اور اس کے رسول کے کہنے کو بجالایا کرو جبکہ رسول تم کو تمہاری زندگی بخش چیز کی طرف بلاتے ہیں سدی نے کہا زندہ کرنے والی چیز سے مراد ہے ایمان کیونکہ کافر مردہ ہے قتادہؓ نے کہا قرآن مراد ہے اسی سے زندگی نجات اور دونوں جہان میں عذاب سے بچاؤ حاصل ہوتا ہے۔ مجاہد نے کہا حق مراد ہے ابن اسحاق کے نزدیک جہاد مراد ہے جہاد کے ذریعہ سے ہی اللہ نے ذلت کے بعد عزت عطا فرمائی بیہقی کے نزدیک شہید ہونا مراد ہے شہداء کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ الخ۔

میں کہتا ہوں سب سے زیادہ مناسب یہ ہے کہ جس جس چیز کی رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہے وہ سب مراد قرار دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی دل کو مردہ کر دیتی ہے اور آپ کی اطاعت حیات قلب کی موجب ہے اس صورت میں دعوت کما یحییکم کے ساتھ مقید کرنا احترازی نہ ہوگا (یعنی یہ مطلب نہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ کی) اطاعت ان چیزوں میں کرو جو زندہ کرنے والی ہیں اور جو تعلیم زندہ کرنے والی نہیں ہے اس میں اطاعت نہ کرو بلکہ زندگی بخشی کی قید صرف اظہار مدح اور اطاعت پر برانگیختہ کرنے کے لئے ہوگی (اور اس بات پر تنبیہ ہوگی کہ رسول اللہ ﷺ کی ہر اطاعت زندگی بخش ہے) دل کی زندگی کا مطلب ہے پردے ہٹا کر تاریکی چھانٹ کر دل سے غفلت دور کرنا۔ ترمذی اور نسائی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ نماز پڑھ رہے تھے رسول اللہ ﷺ کا ان کی طرف گذر ہوا آپ ﷺ نے ان کو آواز دی حضرت ابی بن کعب جلدی جلدی نماز پوری کر کے حاضر خدمت ہوئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب میں نے تم کو پکارا تھا تو تم نے فوراً اجابت کیوں نہیں کی (میری دعوت پر لبیک کیوں نہیں کہا اور کیوں حاضر نہیں ہوئے) حضرت ابیؓ نے عرض کیا میں نماز میں تھا فرمایا کیا اللہ یہ نہیں فرماتا ہے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ حضرت ابیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بے شک حضور ﷺ کی دعوت پر لبیک ضروری تھی آئندہ جب کبھی آپ پکاریں گے میں ضرور جواب دوں گا خواہ نماز ہی پڑھتا ہوں یہ حدیث تائید کر رہی ہے کہ جس کام کی دعوت رسول اللہ ﷺ نے دی ہو اس کی تعمیل ضروری ہے۔

مسئلہ :- بعض علماء کا قول ہے کہ نماز میں رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر جواب دینے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ بعض نے کہا اگر کسی فوری کام کے لئے رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہو تو اس کی تعمیل کے لئے نماز توڑ دینا لازم ہے۔ پہلا قول زیادہ قوی ہے ورنہ ہر دینی ضروری کام کے لئے جو تاخیر کرنے سے فوت ہو رہا ہو نماز توڑ دینا جائز ہے (دعوت رسول اللہ ﷺ کی ہی کیا خصوصیت ہے) مثلاً کوئی نابینا کنویں میں گر رہا ہو اور کوئی نمازی نماز پڑھ رہا ہو اور خیال ہو کہ اگر نماز نہ توڑے گا تو اندھا کنویں میں گر پڑے گا تو نماز توڑ کر اس کو راستہ بتانا اور بچا دینا جائز ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ اور جان رکھو کہ اللہ آڑ بن جایا کرتا ہے آدمی اور اس کے قلب کے درمیان، یعنی مردہ کر دے گا اور اطاعت خداوندی کی فرصت جو اس وقت حاصل ہے مرنے کے بعد نہیں ملے گی لہٰذا اس وقت کو غنیمت سمجھو بھلائیوں کی طرف تیزی سے بڑھو اور دلوں میں اللہ کی فرمانبرداری کے لئے خلوص پیدا کرو۔

یا یہ مطلب ہے کہ انسان طول حیات کی تمنا کرتا ہے مگر اللہ اس کے اور اس کی قلبی تمنا کے درمیان مانع ہو جاتا ہے اور اس کے عزائم کو فسخ کر دیتا ہے لہٰذا تم امور دین میں سستی نہ کرو (اور طول حیات کی تمنا نہ کرو اور یہ امید نہ قائم کرو کہ آئندہ نیکیاں کر لیں گے)۔

Marfat.com

یا اس آیت میں بندہ سے اللہ کے قرب کو بطور تشبیہ بیان کیا ہے جیسے آیت وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ میں (انتہائی قرب کو بطور تشبیہ ظاہر کیا گیا) ہے اور اس امر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ دل کے اسرار سے اتنا واقف ہے کہ آدمی خود اپنے قلبی راز سے غافل ہو سکتا ہے مگر اللہ ناواقف نہیں ہے لہٰذا اخلاص خاطر لازم ہے یا اللہ کی کامل قدرت اور انسان کے دل پر اللہ کے پورا پورا قابو ہونے کی تصویر کشی کی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ انسان کے عزم کو شکست کر دینے اور مقصد کو بدل دینے پر پورا قابو رکھتا ہے اگر اللہ انسان کی سعادت چاہتا ہے تو کفر و معصیت اور انسان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ (اس صورت میں آدمی گناہ کی طرف نہیں بڑھ سکتا) اور اگر انسان کی بدبختی اس کو منظور ہوتی ہے تو ایمان و طاعت اور قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے (اس صورت میں آدمی ایمان و اطاعت کی طرف نہیں بڑھ سکتا) لہٰذا ہر وقت خاتمہ کا ڈر رکھنا اور اللہ سے ہر دم زاری اور التجا کی دعا کرتے رہنا چاہئے۔ حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ یہ دعا کثرت سے کرتے تھے۔ يَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِيْ عَلٰى دِيْنِكَ اے دلوں کو پلٹنے والے میرے دل کو اپنی طاعت پر جمائے رکھنا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم آپ کے لائے ہوئے دین پر ایمان لا چکے ہیں تو کیا آپ کو (آئندہ دین سے لوٹ جانے کا) ہمارے متعلق اندیشہ ہے فرمایا تمام دل اللہ کی ایک چٹکی میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے ان کو الٹ پلٹ کر دیتا ہے، رواہ الترمذی و ابن ماجہ۔

حضرت ابن عمرؓ کی مرفوع روایت ہے کہ تمام بنی آدم کے دل ایک دل کی طرح رحمٰن کی ایک چٹکی میں ہیں وہ جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے دعا کی اے اللہ! اے دلوں کو پھیر دینے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے (یا اپنی طاعت پر جما دے) رواہ مسلم۔ حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک لڑکے کو یہ دعا کرتے سنا اے اللہ تو آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے لہٰذا میرے اور میرے گناہوں کے درمیان حائل ہو جا تاکہ میں کوئی برا کام نہ کر سکوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ تجھ پر رحمت کرے اور اس کو دعاء خیر دی۔

وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ اور بلا شبہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے پس وہی تم کو تمہارا عمال کی سزا جزا دے گا۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ اور اس معصیت سے اجتناب کرو جس کا وبال صرف انہی لوگوں کو نہیں پہنچے گا جنہوں نے ظلم کیا ہو گا بلکہ ظالم اور غیر ظالم سب کو اس کی مصیبت پہنچے گی لَا تُصِيْبَنَّ کی ضمیر فتنہ کی طرف راجع ہے اور فتنہ کے پہنچنے سے مراد ہے فتنہ کے نتیجہ بد کا پہنچنا لا تصیبن نہی کا صیغہ ہے اور یہ فتنہ کی صفت ہے (صفت کا موصوف پر حمل ہوتا ہے مگر نہی انشاء ہے اور انشاء کا حمل نہیں ہوتا اس لئے) لفظ یقال محذوف ہے یعنی ایسی معصیت سے بچو جس سے کہا جائے گا کہ تیرا وبال صرف ظالم کو ہی نہ پہنچے بلکہ ظالم اور غیر ظالم سب کو پہنچے یا نفی کا صیغہ ہی اور چونکہ یہ نفی نہی کے معنی کو متضمن ہے اس لئے نون ثقیلہ اس پر آ گیا۔ اس وقت مطلب وہ ہو گا جو لول الذکر ترجمہ سے ظاہر ہے۔ فتنہ یعنی معصیت سے مراد کونسا گناہ ہے اس کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض لوگوں کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا ترک مراد ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ کسی بدی کو اپنے اندر ٹھیرنے نہ دیں ورنہ اللہ ایسے عذاب میں مبتلا کر دے گا جو مجرم اور غیر مجرم سب کو پہنچے گا۔ اس کی تائید حضرت ابو بکر صدیقؓ کے فرمان سے ہو رہی ہے آپ نے فرمایا لوگو! تم آیت يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ (مسلمانو! تم اپنی ذات کے مکلف ہو اگر ہدایت پر ہوئے تو کوئی گمراہ اپنی گمراہی کا ضرر تم کو نہ پہنچا سکے گا) پڑھتے ہو اور میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے اگر لوگ ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور (باوجود قدرت کے) اس کی گرفت نہ کریں تو بہت ممکن ہے کہ اللہ اپنی طرف سے ان سب پر ایک عمومی عذاب لے آئے یہ حدیث چاروں اصحاب سنن نے نقل کی ہے۔ ترمذی نے اس کو حسن صحیح اور ابن حبان نے صحیح کہا ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو! بھلائی کا حکم دو اور بدی سے روکو اس سے پہلے کہ

Marfat.com

(ایسا وقت آجائے کہ) تم اللہ سے (اپنے بچاؤ کے لئے) دعا کرو اور تمہاری دعا قبول نہ ہو اور گناہوں کی معافی کی درخواست کرو اور گناہ معاف نہ کئے جائیں خوب سمجھ لو کہ بھلائی کا حکم دینا اور بدی سے روک دینا نہ (آنے والے) رزق کو دفع کرتا ہے اور نہ (دیر میں آنے والی) مقررہ موت کو قریب لے آتا ہے (یعنی اس سے نہ مالی مضرت پہنچتی ہے نہ جانی) علماء یہود و نصاریٰ نے جب بھلائی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا چھوڑ دیا تو پیغمبروں کی زبانی اللہ نے ان پر لعنت بھیجی پھر سب کو عمومی عذاب میں مبتلا کر دیا۔ رواہ الاصبہانی۔

اس حدیث (کے مضمون) کی تائید حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت عائشہؓ کی روایات سے بھی ہوتی ہے۔ عدی بن عدی کندی کے دادا کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ خاص خاص لوگوں کے (برے) عمل کی وجہ سے عمومی عذاب اللہ (نازل) نہیں کرتا ہاں اگر خاص طبقہ اپنے سامنے بدی ہوتے دیکھے اور اس کو رد کرنے پر قابو بھی رکھتا ہو اور باوجود قابو رکھنے کے رد نہ کرے تو پھر اللہ عام و خاص سب کو عذاب میں مبتلا فرما دیتا ہے۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ والمعالم۔

حضرت نعمان بن بشیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی مقررہ حدود میں سستی کرنے والے اور ان میں داخل ہو جانے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کسی جہاز میں کچھ لوگ سوار ہوں اور قرعہ اندازی کر کے کچھ زیریں حصہ میں اور کچھ بالائی حصہ میں قیام پذیر ہوں اور زیریں حصہ میں رہنے والا بالائی حصہ میں رہنے والوں کی طرف سے پانی کا مرور کرے اور پانی کے اس مرور سے ان کو تکلیف ہو اس لئے نیچے رہنے والا کلہاڑی لے کر جہاز کے نچلے حصہ میں کچھ سوراخ کرنے لگے یہ دیکھ کر اوپر والے کہیں تم یہ کیا کرتے ہو سوراخ کرنے والا جواب دے تم لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اور پانی کا مرور بہر حال مجھے کرنا ہی تھا اس لئے سوراخ کر رہا ہوں اب اگر اوپر والے اس کو سوراخ کرنے سے روک دیں گے تو وہ سوراخ کرنے والا بھی بچ جائے گا اور اوپر والے بھی بچ جائیں گے ورنہ وہ تو ڈوبے گا ہی ساتھ میں اوپر والے بھی مریں گے، رواہ البخاری۔

میں کہتا ہوں مذکورہ احادیث سے اس امر پر استدلال کرنا صحیح نہیں ہے کہ ظالم کے گناہ کا وبال غیر ظالم پر بھی پڑتا ہے ان احادیث سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ اگر لوگوں کے سامنے کوئی شخص گناہ کرے اور وہ لوگ اس شخص کو گناہ سے روکنے پر (خواہ ہاتھ سے یا زبان سے) قدرت رکھتے ہوں لیکن نہ روکیں تو ایسی حالت میں اس گناہ کا عذاب عمومی ہو جاتا ہے جو کرنے والے پر بھی پڑتا ہے اور (ممانعت نہ کرنے والے) غیر مجرم پر بھی کیونکہ گناہ سے روکنا فرض ہے اور ایسا نہ کرنے والا ظالم ہے اس لئے عذاب کا مستحق یہ بھی ہو گیا اور اس پر عذاب ظالم پر ہی عذاب ہوا غیر مجرم پر عذاب نہ ہوا۔

دیکھو اس ساحلی بستی (یعنی ایلیا) کے رہنے والوں نے جب یوم شنبہ کی حرمت قائم رکھنے میں حدود مقررہ سے تجاوز کیا تو ایک گروہ (یعنی تدبیر اور حیلہ سے مچھلیاں تالاب میں قید کرنے والا گروہ) مجرم قرار پایا اور وہ گروہ بھی مبتلائے عذاب ہوا جنہوں نے خود شکار کا جرم نہیں کیا مگر روز شنبہ کی حرمت شکنی سے دوسروں کو نہ روکا باقی تیسرا گروہ جنہوں نے شنبہ کی حرمت شکنی سے باز داشت کی ان پر عذاب نہیں آیا اللہ نے فرمایا ہے اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْھَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَاَخَذْنَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍ الخ اس سے واضح ہو رہا ہے کہ ترک نہی کا عذاب صرف تارک پر پڑا غیر تارک مبتلائے عذاب نہ ہوئے۔ لیکن آیت زیر تفسیر دلالت کر رہی ہے کہ ایسی مصیبت آئے گی جو ظالم اور غیر ظالم دونوں کو پہنچے گی (اس لئے اس آیت کی مندرجہ بالا تشریح غلط ہے)۔

بعض علماء کا قول ہے کہ فتنہ سے مراد ہی بغاوت اور ملک کی تخریب و تباہی اس کا وبال بے قصور لوگوں کو پہنچتا ہے۔ بے قصور لوگ مارے اور لوٹے جاتے ہیں قتادہؓ نے اس آیت کی تشریح میں فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو دانشمند صحابیؓ سمجھ گئے کہ عنقریب فتنے پیدا ہوں گے اسی بناء پر ابن زید نے کہا کہ فتنے سے مراد اس جگہ افتراق کلمہ اور آپس کی پھوٹ ہے۔

حسنؒ بصری کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علیؓ حضرت عمارؓ حضرت طلحہؓ اور حضرت زبیرؓ کے حق میں ہوا۔ مطرف کا بیان ہے میں نے حضرت زبیرؓ سے کہا ابو عبداللہ آپ نے خود خلیفہ کی مدد نہیں کی جس کے نتیجہ میں وہ شہید کر دیئے

Marfat.com

گئے پھر خود ہی ان کے خون کا قصاص طلب کرنے لگے۔ حضرت زبیرؓ نے فرمایا ہم اس آیت کو ایک مدت تک پڑھتے رہے اور نہیں سمجھتے تھے کہ اس آیت کے مصداق ہم ہیں آخر معلوم ہوا کہ ہم ہی اس آیت میں مراد ہیں آپ کا اشارہ جنگ جمل کی طرف تھا جس روز کہ آپ نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی تھی سدی ضحاکؒ اور قتادہؒ کا بھی یہی قول ہے۔

میں کہتا ہوں کہ قصہ کی رفتار بتا رہی ہے کہ آیت میں فتنہ سے مراد ہے جہاد نہ کرنا۔ خصوصاً اس زمانہ میں جب امام کی طرف سے مجاہدین میں بھرتی ہونے کا عام اعلان کر دیا گیا ہو اور جنگ کے وقت جہاد سے منہ موڑنا بھی مراد ہے اللہ نے فرمایا ہے وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکٰرِهُوْنَ یُجَادِلُوْنَکَ فِی الْحَقِّ مومنوں کا ایک گروہ جہاد کو پسند نہ کرتا تھا اور حق کے معاملہ میں آپ سے جھگڑ رہا تھا۔

دوسری آیت میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ الْاَدْبَارَ اے مسلمانو! جب کافروں سے تمہاری لڑائی اور مڈ بھیڑ ہو جائے تو ان کو پیٹھ نہ دو۔ ایک اور آیت ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ اے ایمان والو اللہ اور رسول کے فرمان کو قبول کرو جب وہ تم کو دعوت دیں۔

ظالم اور غیر ظالم کو (عمومی) عذاب پہنچنے سے مراد یہ ہے کہ مصیبت سب پر پڑے گی اگر جہاد کو بالکل چھوڑ دیا جائے تو کافروں کا غلبہ ہو جائے گا بچے بڑے عورت مرد سب ہی مسلمان مارے جائیں گے اور ان کا مال لوٹا جائے گا اور میدان جہاد سے منہ پھیر کر بھاگنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو مسلمان میدان میں جم کر لڑتے رہیں گے وہ (تعداد کی قلت اور مدد کے فقدان کی وجہ سے) شہید کر دیئے جائیں گے۔ دیکھو شیطانی اغواء کی وجہ سے جنگ احد میں جب کچھ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تو اس کی مصیبت سب ہی مسلمانوں پر پڑی یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک بھی زخمی اور دانت شہید ہو گیا

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لاتصیبن (نفی نہ ہو بلکہ نہی کا صیغہ ہو پہلے فتنہ سے بچنے کا حکم دیا گیا پھر فتنہ کا ارتکاب کرنے کی ممانعت فرمادی مطلب یہ کہ فتنہ کا وبال صرف ظالم پر خصوصیت کے ساتھ پڑے گا پس تم فتنہ کا ارتکاب نہ کرو تاکہ ظالم یعنی تم پر فتنہ کا وبال نہ پڑے۔ اسی کی تائید بغویؒ کے قول سے ہوتی ہے کہ لاتصیبن خالص جزاء نہیں ہے یعنی نفی نہیں ہے ورنہ اس میں نون نہ آتا (نون ثقیلہ تو صرف نہی پر آتا ہے) بلکہ یہ کلمہ نہی ہے مگر جزاء آمیز اس کی دوسری مثال کے لئے دیکھو اللہ نے فرمایا ہے یٰۤاَیُّهَا النَّمْلُ ادْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ (چیونٹیوں کے سرگروہ نے کہا) چیونٹیو! اپنے گھروں میں گھس جاؤ کہیں سلیمان اور ان کا لشکر تم کو روند نہ ڈالے یعنی اگر سوراخوں میں گھس نہ جاؤ گی تو سلیمان اور ان کا لشکر تم کو روند ڈالے گا لاتصیبن امر کا جواب نہیں ہو سکتا اگر جواب قرار دیا جائے گا تو یہ مطلب ہو جائے گا کہ اگر فتنہ سے بچو گے تو وہ فتنہ (یعنی اس کا وبال) صرف تم کو نہیں پہنچے گا عام لوگوں کو پہنچے گا یعنی تم کو اور دوسرے لوگوں کو سب کو عموماً پہنچے گا۔ (خلاصہ یہ کہ عذاب کی خصوصیت تمہارے ساتھ نہ ہو گی) کیونکہ (بقول شیخ عبدالقاہر) مقید کی نفی قید کی نفی ہوتی ہے (مطلق کی نفی نہیں ہوتی مطلق کے لئے حکم کا ثبوت باقی رہتا ہے) پس بصورت مذکورہ نزول عذاب کی خصوصیت زائل ہو جائے گی عموم باقی رہے گا۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ امر کا جواب ہے مطلب یہ ہے کہ اگر وہ فتنہ تم کو پہنچے گا تو تم میں سے صرف ظالموں کو ہی نہیں پہنچے گا میں کہتا ہوں امر کے جواب میں ایک ایسی شرط محذوف ماننی ضروری ہے جو امر سے اخذ کی گئی ہو جیسے اَسْلِمْ تَدْخُلِ الْجَنَّةَ اسلام لا جنت میں داخل ہو جائے گا یعنی اگر اسلام لائے گا تو جنت میں داخل ہو جائے گا یا آیت اُدْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ لَا یَحْطِمَنَّکُمْ سُلَیْمٰنُ وَجُنُوْدُهٗ اپنے گھروں میں چلی جاؤ (اگر گھروں میں چلی جاؤ گی تو) سلیمان اور ان کا لشکر تم کو پامال نہ کر پائے گا پس آیت مذکورہ میں اِنْ اَسْکَنْتُمْ کو شرط قرار دے کر محذوف ماننا غلط ہے بلکہ شرط محذوف اور جزاء مذکور سے مل کر جملہ شرطیہ ہو کر فتنہ کی صفت ہو گی امر کا جواب نہ ہو گا اور مطلب وہ ہوگا جو ہم نے سطور بالا میں بیان کر دیا۔

یہ کہنا بھی غلط ہے کہ لاتصیبن جواب قسم ہے اور قسم محذوف ہے پورا کلام اس طرح تھا فتنہ سے بچو بخدا وہ فتنہ تم میں

Marfat.com

سے صرف ظالموں (یعنی مجرموں) پر ہی نہ پڑے گا بلکہ تم سب پر پڑے گا اس کلام کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں جس فتنہ سے بچنے کا حکم ہے وہ نکرہ ہے اور اس سے آگے لاتصیبن میں اس کی ضمیر ہے لہٰذا اس میں بھی عموم ہونا چاہئے گویا اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ہر گناہ کا وبال مجرم اور غیر مجرم سب پر پڑے گا یہ مطلب خلاف نص بھی ہے اور اجماع علماء بھی اس کے خلاف ہے (ہر گناہ کا وبال سب لوگوں پر پڑنا باتفاق علماء غلط ہے) لاتزروازرۃ وزراخری میں صراحت ہے کہ مجرم کا بار غیر مجرم پر نہیں پڑ سکتا ہے لامحالہ یہی ماننا پڑے گا کہ فتنہ سے مراد ترک جہاد اور میدان سے فرار ہے اور دنیا میں ترک جہاد و فرار کی مصیبت عام مسلمانوں پر پڑنا فتنہ پہنچنے سے مراد ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۵﴾ اور جان رکھو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے لہٰذا اللہ کے عذاب کے خوف سے فتنہ سے اجتناب رکھو۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۲۶﴾ اور اس حالت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے اس زمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے تم کو اندیشہ لگا رہتا تھا کہ (مخالف) لوگ تم کو نوچ کھسوٹ نہ لیں سو اللہ نے تم کو مدینہ میں رہنے کا ٹھکانا دیا اور اپنی نصرت سے تم کو قوت دی اور تم کو نفیس نفیس چیزیں عطا کیں تاکہ تم شکر کرو۔

واذکروا سے خطاب مہاجروں کو ہے اور قلیل ہونے سے مراد ہے تعداد کم ہونا اور الارض سے مراد ہے مکہ اور الناس سے مراد قریش ہیں۔ لیکن ابوالشیخ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور اقدس ﷺ سے دریافت کیا گیا الناس سے مراد کون لوگ ہیں فرمایا اہل فارس قوت دینے سے مراد ہے بدر میں قوت عطا کرنا الطیبٰت سے مراد ہے مال غنیمت جو صرف مسلمانوں کے لئے حلال کیا گیا پہلے کسی امت کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔

بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ واذکروا میں تمام عرب سے خطاب ہے عرب اسلام سے پہلے ذلیل تھے روم و فارس کے غلام تھے رومی اور ایرانی باہم دشمن تھے مگر عرب کے دشمن دونوں تھے عربوں میں تاب مقابلہ نہ تھی جب اسلام آیا تو اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کے پاس عربوں کا محفوظ ٹھکانا بنا دیا عربوں کو مضبوط پناہ گاہ مل گئی اور تمام مذاہب والوں کے مقابلہ میں اللہ نے ان کی نصرت کی۔

بغویؒ نے سعید بن منصور کی روایت سے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی قتادہؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اکیس روز تک بنی قریظہ کا محاصرہ رکھا بنی قریظہ نے درخواست کی کہ جن شرائط پر آپ نے بنی نضیر سے صلح کی ہے اسی شرط پر ہم سے بھی صلح کر لیجئے جس طرح بنی نضیر کو اذرعات اور ارجا علاقہ شام میں جا کر رہنے کی اجازت دے دی گئی ہم کو بھی ان کے پاس جا کر آباد ہونے کی اجازت دے دی جائے رسول اللہ ﷺ نے یہ شرط ماننے سے انکار کر دیا اور فرمایا سعدؓ بن معاذ کی ثالثی پر اگر راضی ہو تو اپنے پہاڑی قلعوں سے باہر آجاؤ اور سعدؓ کے فیصلہ پر رضامند ہو جاؤ۔ بنی قریظہ نے سعدؓ بن معاذ کی ثالثی قبول نہیں کی اور عرض کیا ہمارے پاس ابولبابہؓ بن عبدالمنذر کو (گفتگو کرنے کے لئے) بھیج دیں ابولبابہؓ کے بیوی بچے اور سارا مال یہودیوں کے پاس (یعنی ان کی بستی میں) تھا اس لئے آپ ان کے خیر خواہ تھے۔ حضور ﷺ نے ابولبابہ کو بھیج دیا ابولبابہؓ پہنچے تو یہودیوں نے سعدؓ بن معاذ کی ثالثی کے متعلق ان کی رائے دریافت کی ابولبابہؓ نے اپنے حلق کی طرف اشارہ کر دیا مراد یہ تھی کہ سعدؓ کا فیصلہ تمہارے سب کے قتل کا ہوگا تم ان کی ثالثی پر رضامند نہ ہو۔

سبیل الرشاد میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابولبابہؓ کو بھیج دیا آپ کو دیکھ کر یہودی مرد استقبال کے لئے کھڑے ہو گئے اور عورتوں اور بچوں نے آپ کے سامنے رونا پیٹنا شروع کر دیا یہ منظر دیکھ کر آپ کا دل نرم پڑ گیا۔ کعب بن اسد نے کہا ابولبابہؓ دوسروں کے مقابلہ میں ہم نے آپ کا انتخاب کیا ہے محمد ﷺ اپنے فیصلہ پر اڑے ہوئے ہیں اور اپنی ہی شرط کے مطابق ہم کو باہر نکل آنے کا حکم دے رہے ہیں۔ آپ کی کیا رائے ہے کیا ہم محمد ﷺ کے فیصلہ کے مطابق (اپنی پناہ گاہوں سے) نیچے اتر



Marfat.com

آئیں حضرت ابولبابہؓ نے زبان سے تو ہاں کہہ دیا مگر ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کر دیا مطلب یہ تھا کہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ حضرت ابولبابہؓ کا بیان ہے یہ اشارہ کرنے کے بعد اس جگہ سے میں ہٹا بھی نہ تھا کہ فوراً مجھے یقین ہو گیا کہ یہ تو میں نے اللہ اور اس کے رسول سے غداری کی یہ یقین آتے ہی پشیمان ہوا انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور (اتار دیا کہ) داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی لوگ میری واپسی کے منتظر تھے مگر میں گڑھی کے پیچھے سے دوسرے راستے سے نکل کر سیدھا مسجد پہنچا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھی حاضر نہ ہوا مسجد میں پہنچ کر پچھلے ستون سے جس کو (اب) ستون توبہ کہا جاتا ہے اپنے کو باندھ دیا اور پکا ارادہ کر لیا کہ یہاں سے نہیں ہٹوں گا یہاں تک کہ مر جاؤں یا اللہ توبہ قبول فرمالے۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابولبابہؓ نے یہ الفاظ کہے تھے میں نہیں کھلوں گا نہ کھانے پینے کا مزہ چکھوں گا تاوقتیکہ اللہ میری توبہ قبول نہ کر لے یا میں یونہی مر جاؤں۔ اس واقعہ کی رسول اللہ ﷺ کو اطلاع پہنچی تو فرمایا اگر وہ میرے پاس آجاتا تو میں اس کے لئے استغفار کرتا لیکن جب اس نے خود وہ کام کر لیا جو اس نے چاہا تو اب جب تک اللہ اس کی توبہ قبول نہیں فرمائے گا میں اس کو نہیں کھولوں گا چنانچہ ابولبابہؓ سات روز تک اسی حالت میں بغیر کچھ کھائے پیئے رہے آخر بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر اللہ نے اس کی توبہ قبول فرمائی۔

سبیل الرشاد میں ابن ہشام کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابولبابہؓ چھ روز تک بندھے رہے بی بی آکر ہر نماز کے وقت کھول دیتی تھی آپ وضو کر کے نماز پڑھ لیتے اور پھر بندھ جاتے تھے ابن عقبہ کا بیان ہے کہ لوگوں کا خیال ہے کہ ابولبابہؓ تقریباً بیس روز تک بندھے رہے بدایہ میں اسی کو سب سے زیادہ صحیح روایت کہا گیا ہے۔ ابن اسحاق نے پچیس دن بندھے رہنے کی صراحت کی ہے ابن وہب نے بروایت مالک حضرت عبداللہ بن ابی بکر کا بیان نقل کیا ہے جس میں بکری (باندھنے) کی رسی سے کچھ اوپر دس روز تک بندھے رہنے کی صراحت کی ہے اور بیان کیا ہے کہ ان کی شنوائی اور بینائی تقریباً مفقود ہو گئی تھی کچھ سن نہ سکتے تھے اور نماز یا ضروری حاجت کے لئے بیٹی آکر کھول دیتی تھی اور فراغت کے بعد پھر باندھ دیتی تھی بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کبھی بیوی یہ خدمت انجام دیتی تھی اور کبھی بیٹی۔ ابولبابہؓ کی توبہ ہی کے متعلق آیت وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ نازل ہوئی۔

ابن اسحاق نے بروایت یزید بن عبداللہ بن قسیط بیان کیا کہ ابولبابہؓ کی توبہ قبول ہونے کی آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ حضرت ام سلمہؓ کے مکان میں تھے اول صبح (سحر کے وقت) رسول اللہ ﷺ مسکرانے لگے حضرت ام سلمہؓ نے عرض کیا اللہ آپ کو ہنساتا رہے آپ ﷺ کے (اس وقت) ہنسنے کی کیا وجہ ہے فرمایا ابولبابہؓ کی توبہ قبول کر لی گئی حضرت ام سلمہؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا میں یہ خوشخبری (باہر کے لوگوں کو) نہ دے دوں۔ فرمایا کیوں نہیں دے دو پردہ کا حکم اس وقت تک نازل نہیں ہوا تھا اس لئے حضرت ام سلمہؓ نے دروازہ پر آکر کہا ابولبابہؓ تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی ہے یہ سنتے ہی لوگ ابولبابہؓ کو کھولنے کے لئے چڑھ دوڑے ابولبابہؓ نے کہا نہیں (مجھے کوئی نہ کھولے) خدا کی قسم جب تک رسول اللہ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے مجھے نہیں کھولیں گے (میں کسی کو کھولنے نہ دوں گا) چنانچہ فجر کی نماز کو جاتے میں رسول اللہ ﷺ ابولبابہؓ کی طرف تشریف لے گئے اور ان کو آزاد کیا۔

سہیلی نے حضرت علی بن حسین (یعنی امام زین العابدین) کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت سیدہ فاطمہؓ (شروع میں) ابولبابہؓ کو کھولنے کے لئے تشریف لے گئی تھیں مگر ابولبابہؓ نے کہا میں نے قسم کھالی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوا مجھے اور کوئی نہیں کھول سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاطمہؓ میرا ہی جز ہے (اس کا کھولنا میرا ہی کھولنا ہے) اس روایت کی سند میں علی بن زید بن جذعان ضعیف راوی ہے پھر علیؓ بن حسینؓ کی یہ روایت مرسل بھی ہے (امام زین العابدینؒ نے حضرت فاطمہؓ کو نہیں دیکھا اور آپ نے کس سے سنا اس کا ذکر نہیں کیا نہ اپنے والد امام حسینؓ کا نہ امام حسنؓ کا نہ کسی اور صحابیؓ کا)۔

رہا ہونے کے بعد حضرت ابولبابہؓ نے کہا میری توبہ کی تکمیل اس وقت ہو گی جب میں اپنے خاندانی مکان کو چھوڑ دوں

Marfat.com

کیونکہ اسی مکان میں مجھ سے گناہ کا صدور ہوا ہے اور اپنے تمام مال سے بھی کنارہ کش ہو جاؤں (کل مال خیرات کر دوں) رسول اللہ نے فرمایا اگر تم کو خیرات کرنی ہی ہے تو ایک تہائی مال خیرات کرنا تمہارے لئے کافی ہے۔ ابو لبابہؓ کے متعلق اس کے بعد آیت ذیل نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ اے ایمان والو! اللہ اور اسکے رسول کی خیانت نہ کرو۔

خون (مصدر) کا اصل لغوی معنی ہے کم کرنا جیسے وفاء کا لغوی معنی ہے پورا کرنا چونکہ امانت کے خلاف مفہوم (یعنی خیانت) میں کمی کا مفہوم ہوتا ہی ہے اس لئے امانت کے خلاف خیانت کا لفظ استعمال کیا جانے لگا۔

وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ اور نہ آپس میں امانتوں میں خیانت کرو اور تم جانتے ہو تخونوا کا عطف گذشتہ تخونوا پر ہے دونوں نہی کے ذیل میں ہیں (ترجمہ اسی طور پر کیا گیا ہے) یا اس جگہ تخونوا سے پہلے ان محذوف ہے اور واؤ عطف اور جمعیت کے لئے ہے (اس وقت مطلب یہ ہوگا کہ لوگوں کی خیانت سے ملا کر اللہ اور رسول ﷺ کی خیانت نہ کرو یعنی دونوں خیانتوں کا مجموعہ نہ کرو) اول مطلب صحیح ہے کیونکہ دوسرے مطلب پر ہر خیانت کی الگ الگ صورت میں ممانعت نہ ہوگی بلکہ ایک خیانت کو دوسری خیانت سے ملا کر کرنے کی ممانعت ہوگی۔ صرف اللہ اور رسول ﷺ کی خیانت تنہا ناجائز نہیں قرار پائے گی جیسے لاتاکل السماک وتشرب اللبن یعنی ایک وقت میں مچھلی بھی کھاؤ اور دودھ بھی پیو ایسا مت کرو (الگ الگ مختلف) اوقات میں مچھلی کھانے کی اور دودھ پینے کی ممانعت نہیں۔

وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ تم جانتے ہو کہ یہ لمانت ہے لہٰذا جان کر خیانت نہ کرو یا یہ مطلب ہے کہ جب تم جانتے ہو کہ حلق کی طرف اشارہ کرنا خیانت ہے تو ایسا نہ کرو یا یہ مطلب ہے کہ تم خود جاننے والے ہو اچھے برے میں تمیز کر سکتے ہو ایسی حالت میں خیانت نہ کرو (گویا اس وقت تعلمون بمعنی عالموں کے ہوگا اور کسی مفعول کا محتاج نہ ہوگا)۔

سدی نے کہا کہ (آپس کی امانت میں خیانت بھی اللہ اور رسول ﷺ کی امانت میں خیانت ہے کیونکہ) جب انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کی امانت میں خیانت کی تو یقیناً یہ اپنی ہی باہمی خیانت ہو گئی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ کے فرائض کو ترک کرنا اللہ سے خیانت ہے رسول اللہ ﷺ کی سنت کو ترک کرنا رسول ﷺ سے خیانت ہے اور اللہ کے وہ فرائض و اعمال جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور جن کا امین اللہ نے اپنے بندوں کو بنایا ہے وہ انسانوں کی امانتیں ہیں یعنی ترک فرض و سنت نہ کرو اور فرائض پوشیدہ کو بھی ادا کرو، قتادہؓ نے کہا فرائض ہوں یا حدود پورا دین اللہ کی امانت ہے اس امانت کو ادا کرو (اس کی ادائیگی میں خیانت اور کمی نہ کرو) اور جس کے پاس جو امانت جس کسی کی ہو وہ صاحب امانت کو ادا کرے۔

حضرت ابن عباسؓ اور قتادہؓ کے قول کا حاصل یہ ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول اگرچہ حضرت ابو لبابہؓ کے فعل کے سلسلے میں ہوا تھا مگر عموم لفظ کا اعتبار ہے سبب نزول کی خصوصیت عموم حکم سے مانع نہیں (حکم عام ہے) اللہ کے فرائض و حدود کی ادائیگی میں کمی کرنا حرام ہے حضرت ابو لبابہؓ کا عمل بھی اسی کی ایک شاخ ہے۔

## ایک شبہ

امام احمدؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت سے ایک حدیث نقل کی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا المستشار موتمن جس سے مشورہ لیا جائے اس کو امانت دار ہونا چاہئے (خیانت کے ساتھ دانستہ غلط مشورہ نہ دینا چاہئے) یہ حدیث صحیح ہے ترمذی نے حضرت ام سلمہؓ کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ان کو بیان کیا ہے اس صورت میں یہودیوں نے جب ابو لبابہؓ سے مشورہ لیا تو ان کو صحیح مشورہ دینا ہی چاہئے تھا ورنہ خیانت مشورہ کا گناہ ہوتا صحیح مشورہ کے بعد خیانت سے بچاؤ ان کا ممکن نہ تھا۔

ازالہ :- گناہ سے بچنے کی شکل یہ بھی ہو سکتی تھی کہ خاموش رہتے یا مشورہ دینے سے انکار کر دیتے اور کہہ دیتے کہ

Marfat.com

جب تک تم مسلمان نہ ہو گے میرے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض قائم رہے گا اس لئے میں مشورہ نہیں دے سکتا واللہ اعلم۔

ابن جریر نے سدی کی روایت سے لکھا ہے کہ صحابہؓ رسول اللہ ﷺ سے کوئی حدیث سنتے اور اس کو آپس میں پھیلاتے آخر مشرکوں تک بھی وہ بات جا پہنچتی (اور راز فاش ہو جاتا) اسی سلسلہ میں آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔ ابن جریر وغیرہ نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا کہ ابوسفیان (لشکر لے کر مدینہ پر چھاپہ مارنے کا ارادہ سے) مکہ سے چلا حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے دی کہ ابوسفیان فلاں فلاں مقام پر ہے (مدینہ پر چڑھائی کرنے آرہا ہے) رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے فرمادیا کہ ابوسفیان فلاں فلاں مقام پر آگیا ہے تم بھی (مدینہ سے) اس کی طرف چل نکلو مگر (اپنی روانگی کے مقصد کو) پوشیدہ رکھو کسی منافق نے اس کی اطلاع ابوسفیان کو دے دی کہ محمد ﷺ تو تمہارے مقابل آرہے ہیں اپنی احتیاط رکھو اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی یہ حدیث بہت زیادہ غریب ہے اس کی سند میں ضعف ہے۔

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ اور جان رکھو کہ تمہارا مال اور تمہاری اولاد تمہارے امتحان کی چیزیں ہیں۔

فتن کا لغوی معنی ہے سونے کو آگ میں تپا کر کندن بنانا۔ امتحان اور جانچ کو اسی مناسبت سے فتنہ کہا جاتا ہے (کہ امتحان سے کھرا کھوٹا ظاہر ہو جاتا ہے) اللہ نے فرمایا ہے نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً فتنہ کا لفظ عذاب کے لئے بھی مستعمل ہے اللہ نے فرمایا ہے عَلَى النَّارِ يُفْتَنُوْنَ کبھی کفر گناہ فساد اور تمام اسباب عذاب پر بھی اس کا اطلاق کیا جاتا ہے اللہ نے فرمایا ہے واتقوا فتنہ الافی الفتنہ سقطوا الفتنہ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ مال و اولاد گناہ اور عذاب میں مبتلا ہونے کا ذریعہ ہیں اور اللہ کی طرف سے یہ ایک امتحان ہے اس لئے ان کو فتنہ فرمایا۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ اس آیت کا نزول بھی حضرت ابولبابہؓ ہی کے متعلق ہوا کیونکہ آپ کا مال اور بچے بنی قریظہ کی بستی میں تھے آپ کو ان کے متعلق اندیشہ تھا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ ایک بچہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا گیا حضور ﷺ نے اس کو بوسہ دیا اور فرمایا سنو یہ (بچے) کنجوس ہو جانے اور بزدل بن جانے کا سبب ہیں اور یہ اللہ کی رحمت بھی ہیں، رواہ البغوی۔ ابویعلی نے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے بیان کیا اولاد دل کا چین (بھی) ہے اور بزدلی کنجوسی اور غم کا سبب بھی حاکم نے حضرت خولہ بنت حکیم کی روایت سے بیان کیا کہ اولاد جنت کے سکھوں میں سے) ایک سکھ ہے۔

وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کے پاس اجر عظیم ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور رسول ﷺ کے خیر خواہ ہوں، امانت ادا کرتے ہوں، حدود کا لحاظ رکھتے ہوں اور مال و اولاد کی محنت پر اللہ کی خوشنودی کو ترجیح دیتے ہوں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا اے ایمان والوں اگر تم ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو گے تو اللہ تم کو ایک فیصلہ کی چیز عنایت کر دے گا یعنی ایک بصیرت قلبی عطا فرمائے گا جس سے تم حق و باطل میں تمیز کر لو گے۔

فراست مومن کا لفظ جو حدیث میں آیا ہے اس سے یہی قلبی بصیرت مراد ہے حضور ﷺ نے فرمایا تھا مومن کی فراست سے ڈرو وہ اللہ کے نور یعنی خداداد نور بصیرت سے دیکھتا ہے۔ رواہ البخاری فی التاریخ والترمذی عن ابی سعیدؓ الخدری و الطبرانی وابن عدی عن ابی امامہؓ وابن جریر عن ابن عمرؓ۔ دوسری حدیث ہے حضور ﷺ نے فرمایا خواہ مفتی تجھے فتویٰ دے چکے ہوں (مگر تو پھر بھی) اپنے دل سے فتویٰ طلب کر، رواہ البخاری فی التاریخ عن وابصۃ بسند حسن یہ قلبی فتویٰ اسی وقت ہوتا ہے جب نفس تمام بری باتوں سے پاک ہو گیا ہو اور قلب کی نفسانیت فنا ہو چکی ہو حقیقت تقویٰ اس وقت ظاہر ہوتی ہے صوفیہ کی اصطلاح میں اسی کو (باطنی) کشف کہتے ہیں۔

یا فرقان سے مراد وہ نصرت ہے جس سے اہل حق اور باطل پرستوں میں فرق ہو جاتا ہے اہل ایمان کو باعزت اور اہل کفر کو

Marfat.com

ذلیل کر دیا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا یعنی اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں متقیوں کے لئے تمام خطرات اور ہولناکیوں سے بچاؤ کا راستہ بنا دے گا۔ مقاتل بن حیان نے کہا کہ دین میں شبہات و شکوک واقع ہونے سے محفوظ رہنے کا طریقہ بتا دے گا۔ مقاتل کا قول لول الذکر تفسیر کے قریب ہے (جس میں فرقان سے بصیرت قلبی مراد قرار دی گئی ہے) عکرمہ نے نجات اور ضحاک نے ثبات فرقان کا ترجمہ کیا ہے۔ ابن اسحاق نے کہا یعنی حق و باطل میں فیصلہ کر دے گا جس سے تمہاری حقانیت ظاہر اور تمہارے مخالفوں کی باطل پر ستی ثابت ہو جائے گی فرقان (لغوی اعتبار سے) مصدر ہے جیسے رجحان اور نقصان۔

وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝ اور تمہارے گناہ اتار دے گا اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ یعنی تمہارے گزشتہ گناہ مٹا دے گا ان پر پردہ ڈال دے گا اور اپنی نعمتیں تم کو بخش دے گا۔

بزار نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن آدم کے تین رجسٹر سامنے لائے جائیں گے ایک رجسٹر نیک اعمال کا دوسرا رجسٹر اس کے گناہوں کا اور تیسرے رجسٹر میں اللہ کی نعمتوں کا اندراج ہو گا جو اللہ نے اس بندہ کو عنایت کی ہوں گی پھر انعامات کے رجسٹر میں سے کسی حقیر ترین نعمت کو حکم ہو گا تو اپنے مقابل کسی عمل صالح کو وصول کر لے (یعنی اللہ کی اس حقیر ترین نعمت کا مقابلہ بندہ کے نیک عمل سے کیا جائے گا) تو اس نعمت کے مقابل تمام نیک اعمال بھی پورے نہ اتریں گے نعمت کہے گی تیری عزت کی قسم میں نے تو پورے اعمال کو بھی اپنے مقابل نہیں پایا نیک اعمال سب ختم ہو گئے تمام گناہ باقی ہیں اور دوسری نعمتیں بھی موجود ہیں اب اگر اللہ کو کسی بندہ پر رحم کرنا مقصود ہو گا تو فرمائے گا میرے بندے میں نے تیری نیکیاں چند گنی کر دیں تیری بد اعمالیاں معاف کر دیں اور تجھے اپنے انعام سے سرفراز کر دیا (گویا نیک اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اللہ کے انعام و رحمت سے بندہ کی بخشش ہو گی)۔

طبرانی نے حضرت واثلہؓ بن اسقع کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ ایک ایسے بندہ کو قبر سے اٹھائے گا جس کا (اس کے اعمال نامہ میں) کوئی گناہ درج نہ ہو گا اللہ اس سے فرمائے گا (تیرا کوئی گناہ درج نہیں تو بے گناہ ہے) اب بتا تجھے تیرے نیک اعمال کے مطابق جزا دی جائے یا میں اپنے انعام کی وجہ سے تجھے ثواب دوں تجھے دونوں باتوں میں سے کون سی بات پسند ہے بندہ عرض کرے گا پروردگار تو خوب جانتا ہے کہ میں نے تیری کوئی نافرمانی نہیں کی (اس لئے میری نیکیوں کا ثواب عطا فرما اللہ فرمائے گا میرے بندے کی نیکیوں کا میری نعمتوں سے مقابلہ کرو نتیجہ میں کوئی نیکی ایسی نہ بچے گی کہ جس کے مقابل بندہ کو نعمت نہ دے دی گئی ہو (ایسی حالت میں تمام نیکیوں کا معاوضہ دنیوی نعمتوں کی شکل میں مل چکا ہو گا اور کوئی نیکی قابل ثواب باقی نہ رہے گی ناچار ہو کر) بندہ عرض کرے گا اپنی رحمت اور انعام سے مجھے ثواب عطا فرما اسی بناء پر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ تم میں سے کسی شخص کو اس کا (نیک) عمل نہیں بچائے گا صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی اپنے اعمال کی وجہ سے نجات نہیں پائیں گے فرمایا نہ میں بھی بغیر اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت و فضل سے ڈھانک لے۔ متفق علیہ من روایۃ ابی ہریرہؓ۔

صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا راستی اختیار کرو اور پوری راستی ممکن نہ ہو تو راستی کے قریب آجاؤ اور بشارت پاؤ کیونکہ تم میں سے کسی کے اعمال تو جنت میں لے جانے والے نہیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی (اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جائیں گے) فرمایا نہ میں بھی بغیر اس کے کہ اللہ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانک لے۔ اسی کی طرف اللہ نے اشارہ کیا ہے اور فرمایا ہے اللہ بڑے فضل والا ہے، یعنی اللہ نے نیک اعمال کے اجر کا جو وعدہ کیا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ تمہارا تقویٰ موجب اجر ہے بلکہ یہ تو محض اللہ کا کرم اور مہربانی ہے (کہ اس نے نیک اعمال کو نجات کا ذریعہ بنا دیا ہے ورنہ تمام نیک اعمال تو اس قابل بھی نہیں کہ اللہ کے دنیوی احسانات کا بدل ہو سکیں) جیسے کوئی آقا کسی کام کے کرنے پر اپنے غلام کے لئے کوئی انعام مقرر کر دے (تو یہ محض اس کی مہربانی ہو گی) ورنہ اس خدمت کی انجام

Marfat.com

دہی تو غلام کے لئے ویسے بھی ضروری ہوتی ہے بعض اہل تفسیر نے یکفر عنکم سیاتکم ویغفرلکم کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ اللہ تمہارے صغیرہ گناہ ساقط کردے گا اور کبیرہ گناہ معاف فرمادے گا۔

وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اور (یاد کرو) جب کہ کافر تمہارے متعلق خفیہ سازش کر رہے تھے اس آیت کا عطف اذا نتم قلیل پر ہے یعنی وہ وقت بھی یاد کرو جب تمہاری تعداد کم تھی اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب کفار تمہارے متعلق خفیہ اسکیمیں بنا رہے تھے یہ پوشیدہ اسکیمیں مکہ میں بنائی گئی تھیں (یعنی ہجرت سے پہلے) اور یہ سورت مدنی ہے۔

ابن اسحاق ؒ، عبدالرزاق ؒ، امام احمد ؒ، ابن جریر ؒ، ابو نعیم ؒ، ابن المنذر ؒ، اور طبرانی نے حضرت ابن عباس ؓ کی روایت سے اور عبدالرزاق و عبد بن حمید نے قتادہ ؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب انصار مسلمان ہوگئے تو قریش کو خیال ہوا کہ رسول اللہ کے پیرو اور ساتھی دوسرے شہر کے کچھ لوگ ہوگئے اور غیروں کا ایک جتھا ان کا ساتھی بن گیا پھر انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ ہجرت کر کے کچھ مسلمان انصار کے پاس پہنچ گئے اور ان کو ٹھیرنے کی جگہ بھی مل گئی اور ٹھیرانے والے بھی اور حمایت کرنے والے بھی ہیں یہ دیکھ کر ان کو اندیشہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ بھی انصار کے پاس چلے جائیں گے اور ان سے مل کر ہم سے لڑنے کو تیار ہو جائیں گے اس لئے پنچائیت گھر میں جو قصی بن کلاب (قریش کے مورث اعلیٰ) کا گھر تھا سب کا اجتماع ہوا قریش ہر کام کا مشورہ اسی دار الندوہ (پنچائیت گھر) میں جمع ہو کر کرتے تھے چنانچہ سب یہیں اکٹھے ہوئے اسی یوم الاجتماع کو یوم الرحمت کہا جاتا ہے یہ لوگ جمع ہی تھے کہ ابلیس ایک سال خوردہ بوڑھے کی شکل میں چادر اوڑھے دروازہ پر آ کھڑا ہو گیا لوگوں نے دروازہ پر کھڑا دیکھا تو پوچھا یہ کون بوڑھا آدمی ہے شیخ نے جواب دیا نجد کا رہنے والا ایک بوڑھا ہے جس نے سنا تھا کہ آپ لوگ ایک مہم میں مشورہ کرنے یہاں جمع ہوئے ہیں اس لئے وہ بھی تمہاری باتیں سننے چلا آیا امید ہے کہ آپ اس میں اچھی رائے اور خیر خواہی پائیں گے لوگوں نے کہا بہت اچھا اندر آجاؤ بوڑھا اندر آگیا وہاں قریش کے سردار عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ طعیمہ بن عاری نضر بن حارث بن کلدہ، ابوالبختری بن ہشام، زمعہ بن اسود، ابو جہل بن ہشام، حجاج کے دونوں بیٹے منبیہ اور منبہ، امیہ بن خلف، ابوسفیان بن حرب، جبیر بن مطعم اور حکیم بن حزام جمع تھے موخر الذکر تینوں حضرات آخر میں مشرف باسلام بھی ہوگئے (باقی اشخاص کافر رہے اور اکثر بدر میں مارے گئے) ان کے علاوہ بھی قریش اور دوسرے قبائل کے کچھ اشخاص تھے جو قابل ذکر نہیں۔

حاضرین میں سے ایک شخص بولا آپ لوگوں کو اس شخص کے حالات معلوم ہی ہیں میرے خیال میں کچھ بعید نہیں کہ یہ شخص اپنے پیروؤں کو جو غیر لوگ ہیں ساتھ لے کر ہم پر حملہ کر دے اس لئے باہم مشورہ کر لو اور کسی رائے پر متفق ہو جاؤ ایک شخص نے جس کا نام سہیلی نے بروایت عبدالسلام ابوالبختری بن ہشام بتایا ہے کہا اس کو زنجیروں میں باندھ کر کسی گھر میں بند کر دو اور دروازہ مقفل کر دو، یہاں تک کہ وہ موت جو اس جیسے دوسرے گزشتہ شعراء، زہیر، نابغہ وغیرہ کو آئی اس کو بھی (قید خانہ کے اندر) آجائے۔ شیخ نجدی بولا بخدا یہ رائے تمہارے لئے سود مند نہیں اگر تم اس کو مکان کے اندر بند بھی کر دو گے تب بھی بند دروازوں کے اندر سے اس کا حکم اس کے ساتھیوں تک پہنچ جائے گا اور بہت ممکن ہے کہ وہ تم سے لڑ کر اور غالب آکر اس کو تم سے چھین لیں۔ حاضرین نے کہا شیخ نے سچ کہا ایک اور شخص نے کہا سہیلی نے اس کا نام ابوالاسود ربیعہ بن عمر بتایا ہے جو قبیلہ بنی عامر بن لوی کا ایک فرد تھا۔ ہم اپنے اندر سے اس کو نکال دیں جہاں چاہے چلا جائے جو چاہے کرے ہم کو ضرر نہ پہنچے گا وہ ہم سے غائب ہو جائے گا اور ہم کو اس سے فراغت ہو جائے گی تو ہم اپنے معاملات کی درستی کر لیں گے اور (زائل شدہ) اتحاد کو ٹھیک کر لیں گے۔ شیخ نجدی بولا یہ رائے بھی ٹھیک نہیں تم واقف ہو کہ اس کی باتیں کیسی اچھی ہوتی ہیں اس کی گفتگو میں کیسی مٹھاس ہوتی ہے جو چیز یہ پیش کرتا ہے دو دلوں میں اتر جاتی ہے اگر تم نے ایسا کیا تو وہ چلا جائے گا اور کچھ لوگوں کے دلوں کو لبھا کر سب کو ساتھ لا کر تم کو روند ڈالے گا اور اقتدار تمہارے ہاتھوں سے چھین کر جیسا سلوک کرنا چاہے گا تمہارے ساتھ کرے گا۔ لہٰذا اس کے علاوہ کوئی اور بات سوچو ابو جہل نے کہا میری ایک رائے ہے جس سے تم لوگ ابھی تک واقف نہیں ہو لوگوں نے پوچھا وہ کیا ہے ابو جہل نے کہا میرا خیال ہے کہ ہم ہر قبیلہ سے ایک جیالا شریف جوان لے لیں پھر ہر جوان کے ہاتھ میں تلوار دے دیں اور

Marfat.com

سب مل کر یکدم اسی پر ٹوٹ پڑیں سب تلواریں یکبارگی پڑیں اس طرح قتل کر کے ہم کو اس کی طرف سے چین مل جائے گا۔ بنی عبد مناف ساری قوم سے تو نہ لڑ سکیں گے اور قتل کا جرم تمام قبائل پر عائد ہوگا لامحالہ خوں بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے ہم سب مل کر خون بہا ادا کر دیں گے یہ مشورہ سن کر شیخ نجدی بولا بات تو یہ ہے اس کے سوا کوئی رائے نہیں ہو سکتی پھر اس نے مندرجہ ذیل دو شعر پڑھے۔

اَلرَّاْیُ رَاْیَانِ رَاْیٌ لَیْسَ یُعْرَفُ ۔۔۔ وَھَادُوْرَایِ کَنَصْلِ السَّیْفِ مَعْرُوْفُ

یَکُوْنُ اَوَّلُہٗ عِزًّ وَّمَکْرُمَۃً ۔۔۔ یُوْمًا وَّاٰخِرُہٗ حَمْدٌ وَّتَشْرِیْفُ

رائے دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ رائے جس کو کوئی راہنما نہیں جانتا (یعنی غیر معروف ناپسندیدہ رائے) اور دوسری معروف (ممتاز) رائے تلوار کے پھل کی طرح (روشن چمکدار) جس کے آغاز میں عزت اور بزرگی ہوتی ہے اور انجام میں تعریف و تعظیم۔

---

غرض اسی رائے پر متفق ہو کر مجمع برخاست ہو گیا اس مشورہ کی اطلاع حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ کو دے دی اور کہہ دیا کہ جس بستر پر آپ رات کو (روز) سوتے ہیں آج رات اس بستر پر نہ رہنا اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے نکل جانے کی اجازت دے دی رات کا اندھیرا ہوا تو قریش رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر اس انتظار میں جمع ہو گئے کہ آپ ﷺ سو جائیں تو وہ حملہ کریں رسول اللہ ﷺ نے بھی ان کی موجودگی محسوس کر لی اور حضرت علیؓ سے فرمایا میری سبز حضرمی چادر اوڑھ کر میری جگہ میرے بستر پر لیٹ جاؤ ان کی طرف سے تم کو کوئی دکھ نہیں پہنچے گا رسول اللہ ﷺ وہی سبز حضرمی چادر اوڑھ کر سویا کرتے تھے باہر سب جمع ہو گئے تو ابو جہل نے کہا محمد ﷺ کہتے ہیں کہ اگر تم ان کی پیروی کرو گے تو عرب و عجم کے بادشاہ ہو جاؤ گے پھر مرنے کے بعد تم کو زندہ کیا جائے گا اور اردن کے باغوں کی طرح تم کو باغ ملیں گے اور اگر تم ان کے حکم پر نہیں چلو گے تو ان کے ہاتھوں قتل کیے جاؤ گے پھر مرنے کے بعد تم کو زندہ کیا جائے گا اور آگ میں جلایا جائے گا رسول اللہ ﷺ مٹھی میں خاک لئے مکان سے برآمد ہوئے اور فرمایا ہاں میں یہ بات کہتا ہوں اور تو مقتولین میں سے ایک ہوگا، اللہ نے قریش کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کو دکھائی نہیں دیئے آپ ہر ایک کے سر پر کچھ کچھ مٹی ڈالتے اور یٰسٓ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ لَا یُبْصِرُوْنَ تک پڑھتے چلے گئے کوئی بھی ایسا نہ بچا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے سر پر خاک نہ ڈالی ہو پھر باہر آ کر آپ جہاں جانا چاہتے تھے چلے گئے جب حضور ﷺ تشریف لے گئے تو کوئی بیرونی شخص قریش کے پاس آیا اور اس نے کہا یہاں کس کا انتظار کر رہے ہو قریش نے کہا محمد ﷺ کا آنے والے نے کہا اللہ نے تم کو ناکام کر دیا خدا کی قسم وہ تو تمہارے سامنے سے نکل گئے اور تم میں سے کوئی بھی ایسا نہ بچا کہ انہوں نے اس کے سر پر خاک نہ ڈال دی ہو اب وہ اپنے کام کو جا چکے تم سوچ لو کہ تم کو اب کیا کرنا ہے یہ سن کر ہر ایک نے اپنے سر پر ہاتھ رکھا تو سر پر خاک دکھائی دی پھر اندر جھانکنے لگے تو وہاں رسول اللہ ﷺ کی چادر اوڑھے کوئی شخص دکھائی دیا کہنے لگے خدا کی قسم محمد ﷺ تو یہ چادر اوڑھے سو رہے ہیں اسی حالت میں صبح ہو گئی تو حضرت علیؓ بستر سے اٹھ بیٹھے اس وقت کہنے لگے بے شک اس شخص نے سچ کہا تھا یہاں سے نکل کر رسول اللہ ﷺ غار ثور کی طرف تشریف لے گئے باقی قصہ سورہ توبہ میں انشاء اللہ آئے گا۔

حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنی جان کا ایثار کیا اور رسول اللہ ﷺ کا لباس پہن کر آپ ﷺ کی جگہ سو گئے مشرک رسول اللہ ﷺ کو تاک رہے تھے مگر وہاں حضور ﷺ کی جگہ علیؓ تھے اور علیؓ کو ہی وہ رسول اللہؐ سمجھے ہوئے تھے حضرت علیؓ سوتے میں جب کروٹ لے کر سیدھے ہوئے تو مشرکوں کو علیؓ کی شکل نظر آئی کہنے لگے تو بڑا کمینہ ہے تیرا ساتھی تو کروٹ نہیں لیتا تھا اور تو (سوتے میں) کروٹ لیتا ہے ہم پہچان نہ سکے (چادر کے اندر تجھے دیکھ کر غلط سمجھے)۔

حاکم نے حضرت علیؓ بن حسینؒ (یعنی امام زین العابدینؒ) کا قول نقل کیا ہے کہ (آیت وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْرِیْ نَفْسَہُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ کا مصداق حضرت علیؓ ہی ہیں) علیؓ نے ہی اللہ کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے اپنی جان فروخت کی یا

Marfat.com

خریدی اور اسی کے متعلق مندرجہ ذیل اشعار فرمائے۔

وقیت بنفسی خیر من وطی الحصی ۔ ومن طاف بالبیت العتیق وبالحجر
رسول الٰہ اخاف ان یمکروا بہ ۔ فنجاہ ذوالطول الالہ من المکر
وبات رسول اللہ فی الغار امنا ۔ موتی وفی حفظ الالہ وفی ستر
وبت ارا عیہم وما یتھمونہ ۔ وقد روطنت نفسی علی القتل والاسر

جن لوگوں نے (بطحاء کی) پتھریوں کو روندا اور کعبہ اور سنگ اسود کا طواف کیا ان میں سب سے برتر ہستی کو اپنی جان کی پیش کش کر کے میں نے بچایا جو اللہ کے رسول ﷺ تھے مجھے اندیشہ تھا کہ مشرک ان پر خفیہ داؤ نہ کریں آخر مشرکوں کے داؤ سے قدرت والے اللہ نے ان کو بچالیا۔ رسول اللہ ﷺ رات بھر غار کے اندر بے فکری کے ساتھ محفوظ اللہ کی حفاظت و پناہ میں رہے اور میں نے رات بھر مشرکوں کی اور ان کی سازش کی تاک جھانک رکھی اور اپنی جان کو مارے جانے اور قید ہونے پر جمائے رکھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے مشرکوں کے اسی اجتماع اور واقعات کے متعلق آیت واذیمکر بک الذین کفروا الخ نازل ہوئی۔

لِيُثْبِتُوكَ — تاکہ تم کو گرفتار کر کے باندھ کے قید کر دیں جس طرح ابوالحقیق کی رائے تھی۔
اَوْ يَقْتُلُوكَ — یا تم کو قتل کر دیں جیسے ابو جہل کی رائے تھی اور شیطان نے اس کو پسند کیا تھا۔
اَوْ يُخْرِجُوكَ ؕ — یا تم کو (مکہ سے) نکال باہر کر دیں جیسے ابوالاسود کی رائے تھی۔
وَيَمْكُرُوْنَ وَيَمْكُرُ اللّٰهُ ؕ — اور وہ اپنی تدبیریں کر رہے تھے اور اللہ اپنی تدبیر کر رہا تھا۔

مکر کا (لغوی) معنی ہے کسی تدبیر سے دوسرے کو اس کے مقصد سے پھیر دینا مکر کی دو قسمیں ہیں اچھا بر اگر اچھا فعل مقصود ہو تو اچھا مکر ہے برا فعل مقصود ہو برا مکر ہے (گویا مکر کی اچھائی برائی مقصد کی اچھائی برائی سے وابستہ ہے) مکر کی ابتدائی نسبت اللہ کی طرف صحیح نہیں کیونکہ مطلق مکر سے برے مکر کی طرف ذہنی انتقال ہو سکتا ہے ہاں اگر دوسروں کے مکر کے مقابل اللہ کی طرف مکر کی نسبت کی جائے تو درست ہے (یعنی دوسروں کا مکر جب مذموم اور برا ہوگا اور اس کے مقابل اللہ کی طرف مکر کی نسبت کی جائے گی تو لامحالہ اللہ کا مکر اچھا ہی ہوگا اور برا مکر ہونے کا وہم بھی نہ ہو سکے گا)۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ قریش سازشیں کر رہے تھے کہ محمد ﷺ کی دعوت اکارت جائے اور اللہ کا نور بجھ جائے اور اللہ تدبیر کر رہا تھا کہ اس کا نور پھیل جائے اور کام پورا ہو جائے اور اللہ کے دشمن تباہ ہو جائیں۔

وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝۳۰ — اور سب سے مستحکم اور بہتر تدبیر کرنے والا اللہ ہے کیونکہ اللہ کی ہر تدبیر اور عمل اچھا اور خیر ہی خیر ہے۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک اللہ کے مکر کا معنی ہے مشرکوں کی سازشوں کا ناکام بنا دینا بعض اہل تفسیر نے کہا کہ مشرکوں کے مکر کے بدلے کو اللہ کا مکر کہا گیا ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ مکر اللہ کا معنی ہے بندہ کو ڈھیل دینا اور دنیوی سامان و عیش پر اس کو قابو عطا کرنا اسی لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ جس کو دنیوی فراخی حاصل ہو اور وہ اس فراخ حالی کو اللہ کا مکر (ڈھیل) نہ سمجھے وہ فریب خوردہ ہے۔

ابن جریر نے عبید بن عمیرؓ کی سند سے مطلب بن وداعہ کا قول نقل کیا ہے کہ ابو طالبؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تمہاری قوم تمہارے متعلق کیا مشورہ کرتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مجھے قید کرنے یا قتل کرنے یا جلاوطن کرنے کا مشورہ کر رہے ہیں ابو طالبؓ نے کہا تم کو یہ کس نے بتایا حضور ﷺ نے فرمایا میرے رب نے ابو طالبؓ نے کہا تمہارا رب بہت اچھا ہے تم اس کے خیر خواہ رہو۔ وہ تو خود میرا خیر خواہ ہے اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ابن کثیر نے لکھا ہے اس روایت میں ابو طالبؓ کا ذکر غریب بلکہ منکر ہے یہ واقعہ تو ہجرت کی رات کا ہے جب کہ ابو طالبؓ کے انتقال کو تین سال گذر چکے تھے۔

Marfat.com

ابن جریرؒ نے سعیدؒ بن جبیر کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کے دن عقبہ بن ابی معیط طعیمہ بن عدی اور نضر بن حارث گرفتار ہونے کے بعد مارے گئے نضر بن حارث کو حضرت مقدادؓ نے گرفتار کیا تھا جب نضر کو قتل کرنے کا حکم رسول اللہ نے دیا تو حضرت مقدادؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو میرا قیدی) ہے فرمایا یہ اللہ کی کتاب کے متعلق ایسی باتیں کہتا تھا (یعنی پارینہ داستان اور اساطیر الاولین کہتا تھا لہٰذا اس کا قتل ضروری ہے) اس کے متعلق آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا قَالُوْا اور جب ان کو ہماری آیات پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو کہتے ہیں۔ یعنی نضر بن حارث کہتا ہے چونکہ نضر کے قول پر سب راضی تھے اس لئے قول کی نسبت سب کی طرف کر دی جس طرح حضرت صالحؑ کی اونٹنی کا قاتل صرف قدار بن سالف تھا مگر تمام قوم ثمود اس فعل پر راضی تھی اس لئے فعقروھا میں کونچیں کاٹنے کی نسبت پوری قوم کی طرف کر دی گئی۔

قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ہم نے (قرآن) سن لیا اگر ہم چاہیں تو ہم ایسا ہی (کلام) کہہ سکتے ہیں ان کا یہ قول انتہائی عناد اور جاہلانہ خصوصیت کا مظہر تھا دس سال تک قرآن ان کو مقابلہ کی دعوت دیتا رہا اور چیلنج کرتا رہا کہ اگر ایسا کلام بنا سکتے ہو تو بنا کر لاؤ پھر اگر ان میں مقابلہ کی طاقت تھی تو ایسا کرنے سے مانع کیا تھا مغلوبیت اور عاجز ہونے کی ذلت سے ان کو نفرت ہونی ہی چاہئے تھی اور تھی بھی پھر ادنیٰ سورت کی مثال پیش نہ کرنے کی کیا وجہ تھی۔

اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۳۱﴾ یہ تو محض گزشتہ لوگوں کی لکھی ہوئی کہانیاں ہیں اساطیر اسطورہ کی جمع ہے لکھی ہوئی تحریر یعنی گزشتہ اقوام کے واقعات جو پچھلے لوگوں نے لکھے ہیں بغویؒ نے لکھا ہے کہ نضر بن حارث تاجر تھا فارس اور حیرہ (عراق) کو جایا کرتا تھا وہاں رستم اسفندیار کی داستانیں اور عجمیوں کے قصے کہانیاں سنا کرتا تھا اور یہود و نصاریٰ کی طرف سے گذر تا تھا تو ان کو توریت و انجیل پڑھتے اور رکوع سجدہ کرتے پاتا تھا پھر جب مکہ میں آیا اور رسول اللہ ﷺ کو قرآن اور نماز پڑھتے دیکھا تو بولا ہم نے (ایسی بہت باتیں) سنی ہیں اگر ہم چاہیں تو ایسا ہی کلام کہہ سکتے ہیں۔

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ

اور جب انہوں نے کہا اے اللہ اگر یہ (قرآن) تیری جانب سے حق ہی ہے (اور ہم اس کی صداقت سے انکار کرتے ہیں تو انکار کی پاداش میں) ہم پر آسمان سے پتھر برسا جیسے اصحاب فیل اور قوم لوط کو تو نے سزا دی تھی۔

اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ﴿۳۲﴾ یا کوئی اور لزیت رسال عذاب ہم پر بھیج دے۔ یہ بات کہنے سے ان کا مقصود محض استہزاء کرنا اور یہ بتانا تھا کہ ہم یقین رکھتے ہیں اور بصیرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔

ابن جریر نے سعید بن جبیر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ بات کہنے والا نضر بن حارث ہی تھا اسی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت نقل کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے گزشتہ امتوں کے احوال بیان فرمائے تو نضر بن حارث نے کہا میں بھی چاہوں تو ایسی باتیں بیان کر سکتا ہوں یہ تو وہ افسانے ہیں جو پہلے لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھ دیئے ہیں۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون نے فرمایا اللہ سے ڈر۔ محمد ﷺ تو سچی بات کہتے ہیں نضر بولا میں بھی سچی بات کہہ رہا ہوں حضرت عثمانؓ نے فرمایا محمد ﷺ تو لا الہ الا اللہ کہتے ہیں (اور تو شرک کی باتیں کرتا ہے) بولا میں بھی لا الہ الا اللہ کا قائل ہوں اور یہ یعنی بت اللہ کی بیٹیاں ہیں (اللہ نہیں ہیں) پھر کہنے لگا اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک یعنی یہ قرآن اگر حق ہے اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے اور ہم اس کا انکار کرتے ہیں تو انکار کی پاداش میں ہم پر پتھر برسا یا کوئی دوسرا سخت عذاب ہم پر بھیج دے اس قول کا مقصد قرآن کا مذاق اڑانا اور قرآن کے باطل ہونے پر اپنے یقین کا اظہار کرنا ہے۔ نضر بن حارث ہی کے متعلق آیت سال سائل بعذاب واقع نازل ہوئی تھی عطاء نے کہا نضر بن حارث کے متعلق کچھ اوپر دس آیات کا نزول ہوا اور جس عذاب کا وہ طلب گار تھا بدر کے دن اسی نے اس کو گھیر لیا۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا لَهُمْ اَلَّا یُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ

Marfat.com

يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اور اللہ ایسا نہیں کرے گا کہ ان کے اندر آپ کے موجود ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے اور اللہ ان کو عذاب دینے والا نہیں ایسی حالت میں کہ وہ استغفار بھی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کیا استحقاق ہے کہ اللہ ان کو (بالکل) عذاب نہ دے حالانکہ وہ مسجد حرام سے (مسلمانوں کو) روکتے ہیں۔

اس آیت کے تفسیری معنی میں علماء کے اقوال مختلف ہیں محمد ابن اسحاق نے اس آیت کو سابق آیت کا تتمہ اور مشرکوں کے قول کا جز قرار دیا ہے مطلب اس طرح ہوگا کہ مشرک کہتے ہیں اللہ ہم کو عذاب نہیں دے گا ہم تو اس سے استغفار کرتے ہیں نبی کی موجودگی میں اس کی امت کو اللہ عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا اللہ نے ان کی جہالت اور فریب خوردگی اور خود اپنے لئے بد دعا کرنے کی وضاحت کرتے ہوئے بطور تردید فرمایا کہ یہ لوگ اگرچہ استغفار کرتے ہیں اور آپ بھی ان میں موجود ہیں لیکن یہ چیزیں عذاب سے مانع نہیں ہو سکتیں جب کہ یہ لوگ مسجد حرام (کعبہ) سے مسلمانوں کو روکتے ہیں دوسرے اہل تفسیر کا خیال ہے کہ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ سے نیا کلام ہے سابق آیت سے وابستہ نہیں ہے بخاری نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ ابو جہل نے کہا تھا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اس پر اللہ نے اپنی طرف سے فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔

موخر الذکر تقریر پر ضحاک اور ایک جماعت نے اور بروایت ابن جریر ابن ابزی نے یہ مطلب بیان کیا ہے جب آپ ان میں موجود ہیں تو اللہ ان پر ہرگز عذاب نہیں بھیجے گا یعنی رسول اللہ ﷺ ان میں موجود ہونا عذاب ٹلنے اور بد دعا قبول نہ ہونے کا سبب ہے اللہ کا یہ ضابطہ نہیں کہ جب نبی موجود ہو تو قوم پر مکمل تباہ کن عذاب مسلط کر دیا جائے جس سے ان کا استیصال ہو جائے خصوصاً ایسی حالت میں کہ آپ ﷺ ان میں موجود ہیں اور آپ ﷺ کو رحمت عالم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اس وقت لیعذبہم میں لام نفی کی تاکید کے لئے ہوگا اور در پردہ اس بات پر تنبیہ ہوگی کہ جب نبی ان کو چھوڑ کر ہجرت کر جائیں گے اس وقت ان کو عذاب کا منتظر رہنا چاہئے اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ مکہ میں موجود تھے پھر ہجرت کر کے تشریف لے گئے اور کچھ (کمزور) مسلمان مکہ میں رہ گئے اور ہر وقت اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی کی خواستگاری کرنے میں مشغول رہے اس وقت اللہ نے آیت وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ نازل فرمائی پھر جب یہ پسماندہ مسلمان بھی مکہ سے چلے گئے تو کافروں کو عذاب میں مبتلا کیا گیا اور مسلمانوں کو فتح مکہ کی اجازت دی گئی یہی وہ عذاب الیم تھا جس کی دھمکی کافروں کو پہلے سے دی گئی تھی مسلمانوں کی مکہ میں موجودگی اور استغفار کا مانع عذاب ہونا دوسری آیت میں بھی صراحت کے ساتھ مذکورہ ہے فرمایا ہے وَلَوْلَا رِجَالٌ مُّؤْمِنُوْنَ وَنِسَآءٌ مُّؤْمِنَاتٌ لَّمْ تَعْلَمُوْهُمْ سے لَوْ تَزَيَّلُوْا لَعَذَّبْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا تک۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کسی بستی پر اللہ نے عذاب نازل نہیں کیا جب تک اپنے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو وہاں سے نکال کر مشیت کے مطابق جہاں چاہا پہنچا نہ دیا (دیکھو) اللہ نے فرمایا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ پس مسلمان جب نکل گئے تو اللہ نے فرمایا مالہم ان لا یعذبہم اللہ یعنی مسلمانوں کے نکل جانے کے بعد عذاب نازل نہ کرنے کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی بلکہ عذاب نازل کرنے کا سبب محکم ہو گیا لوگوں کو مسجد حرام سے انہوں نے روک دیا یعنی رسول اللہ ﷺ کو اور مسلمانوں کو ترک وطن پر مجبور کر دیا چنانچہ بدر کے دن اللہ نے ان پر عذاب نازل کر دیا۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا (اے مسلمانو!) تمہارے اندر اللہ کے دنیوی عذاب سے محفوظ رہنے کے دو سبب تھے رسول اللہ ﷺ کی موجودگی اور تمہارا استغفار کرتے رہنا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ رسول اللہ ﷺ تو (دنیا سے) تشریف لے گئے اور استغفار (کا سلسلہ) روز قیامت تک تمہارے اندر باقی رہے گا (اس لئے دنیوی عمومی عذاب تم پر نہیں آئے گا)۔

Marfat.com

ترمذی نے حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے میری امت کے لئے عذاب سے محفوظ رہنے کی دو آیات مجھ پر نازل فرمائیں فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ میں جب (دنیا سے) چلا جاؤں گا تو استغفار کے (سلسلہ) کو ان کے اندر قیامت تک کے لئے چھوڑ جاؤں گا ترمذی نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے (یعنی یہ حضرت ابو موسیٰؓ کا قول ہو سکتا ہے اس کو (رسول اللہ ﷺ کا قول قرار دینا ضعیف ہے)۔

بعض علماء کا قول ہے کہ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ سے مراد یہ ہے کہ مشرک استغفار کرتے ہیں (یعنی ہُمْ ضمیر مشرکوں کی طرف راجع ہے) چنانچہ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ مشرک کعبہ کا طواف کرتے تھے اور طواف کرتے میں کہتے جاتے تھے غفرانک غفرانک (ہم تیری مغفرت کے طلب گار ہیں) اس پر اللہ نے آیت وما کان اللہ لِيُعَذِّبَهُمْ الخ نازل فرمائی۔ ابن جریر نے یزید بن رومان کی روایت سے لکھا ہے کہ قریش کے لوگوں میں سے بعض نے بعض سے کہا محمد (تنہا) اللہ کی تعظیم کرتے ہیں اے اللہ اگر یہ حق ہے تو ہم پر پتھر برسا کہنے کو تو انہوں نے یہ بات کہہ دی لیکن جب شام ہوئی تو کہے پر پشیمان ہوئے اور دعا کی غفرانک اللھم اس پر اللہ نے فرمایا وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ سے لَا يَعْلَمُوْنَ تک۔

قتادہؒ اور سدیؒ نے کہا آیت مَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ مشرک استغفار کر لیتے تو اللہ ان کو عذاب نہ دیتا لیکن انہوں نے استغفار نہیں کیا کیونکہ اگر گناہ کا اقرار کر کے معافی کے طلب گار ہو جاتے تو مومن ہو جاتے۔ اسی کی مثل آیت مَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ (یعنی اس میں بھی نفی تقدیری ہے مطلب یہ کہ ظالم بستیوں والے اگر مصلح ہوتے تو اللہ ان کو ہلاک نہ کرتا (لیکن وہ اصلاح پسند نہ تھے اگر مصلح ہوتے تو ظلم نہ کرتے عادل ہو جاتے)۔

بعض کا قول ہے کہ اس کلام میں اللہ نے اسلام مصاحبت رسول اور استغفار کی لوگوں کو دعوت دی ہے اور دعوت دینا اصل مقصد ہے جیسے کوئی شخص دوسرے سے کہے کہ تو میری اطاعت کرے گا تو میں تجھے سزا نہیں دوں گا اس کا مقصد بھی ترغیب اطاعت ہے۔

مجاہدؒ اور عکرمہؒ نے یستغفرون کی تفسیر یسلمون کے لفظ سے کی ہے یعنی اگر وہ مسلمان ہو جاتے تو ان پر عذاب نہ آتا والبی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ہم یستغفرون کا مقصد یہ ہے کہ (چونکہ) اللہ کی طرف سے یہ امر پہلے ہی طے کر دیا گیا ہے کہ ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں گے اور استغفار کریں گے جیسے ابو سفیانؓ بن حرب صفوانؓ بن امیہ عکرمہؓ بن ابی جہل سہیلؓ بن عمر حکیمؓ بن حزام وغیرہ (اس لئے عذاب عمومی نازل نہیں ہوا اگر ان میں سے بعض کا مسلمان ہو جانا تقدیر الٰہی میں نہ ہوتا تو عذاب آ جاتا) عبد الوہاب نے مجاہدؒ کا قول نقل کیا ہے کہ هم یستغفرون کا مطلب یہ ہے کہ ان کی پشت سے ایسی نسل پیدا ہو گی جو استغفار کرے گی بعض علماء کا قول ہے کہ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ میں عذاب سے مراد ہے بالکل تباہ و برباد کر دینے والا (عذاب استیصال) اور مَا لَهُمْ اَنْ لَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ میں عذاب سے مراد ہے عذاب قتل۔ بعض کے نزدیک نفی عذاب سے مراد ہے عذاب استیصال دنیا میں نہ ہونا اور وقوع عذاب سے مراد ہے عذاب آخرت۔

وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ اور وہ مسجد حرام کے متولی (ہونے کے قابل) نہیں تھے حسن کا قول ہے کہ مشرک کہتے تھے ہم کعبہ کے متولی (حقدار) ہیں جس کو چاہیں گے اندر آنے سے روک دیں گے اور جس کو چاہیں گے اندر آنے دیں گے اس کی تردید میں اللہ نے جملہ مذکورہ نازل فرمایا اس وقت اولیاءہ سے اولیاء کعبہ مراد ہوں گے (اور ہٗ ضمیر بیت کی طرف راجع ہو گی)۔

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ نہیں ہیں حقدار کعبہ کے مگر متقی یعنی وہی لوگ کعبہ کے حقدار ہیں جو شرک سے پرہیز رکھنے والے ہیں اور اللہ کے سوا کسی کی پوجا نہیں کرتے۔ بعض اہل تفسیر نے ہٗ ضمیر اللہ کی طرف راجع کی ہے یعنی اللہ کے

Marfat.com

دوست نہیں ہیں مگر متقی۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۴﴾ لیکن ان میں سے اکثر ناواقف ہیں۔ نہیں جانتے کہ کعبہ کی تولیت کا ان کو استحقاق نہیں لفظ اکثر ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ان میں سے بعض لوگ اس بات کو جانتے ہیں اور دانستہ عناد کا مظاہرہ کرتے ہیں یا اکثر سے مراد سب ہیں جیسے لفظ قلت سے عدم (بالکل نہ ہونا) مراد لے لیا جاتا ہے [1]

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ اِلَّا مُكَآءً وَّتَصْدِيَةً ؕ اور کعبہ کے پاس ان کی نماز صرف سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہوتی ہیں۔ صلوٰۃ سے مراد دعا ہے یا وہ عبادت مراد ہے جس کو مشرک نماز کہتے تھے مکاء کا ترجمہ حضرت ابن عباسؓ اور حسنؒ نے سیٹی کیا ہے اصل میں مکاء اس سفید پرندہ کو کہا جاتا تھا جس کی آواز سیٹی کی طرح ہوتی تھی یہ پرندہ حجاز میں ہوتا تھا اس معنی کے لحاظ سے آیت میں مکاء سے مراد مکاء کی آواز ہوگی تصدیہ کا معنی تالی بجانا بغویؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف برہنہ ہو کر کیا کرتے تھے اور طواف کی حالت میں سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے واحدی نے حضرت ابن عمرؓ کی طرف بھی اس بیان کو منسوب کیا ہے۔

بغویؒ نے مجاہدؒ کا بیان لکھا ہے کہ قبیلہ عبدالدار کے کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کے طواف کرتے وقت سامنے آجاتے مذاق بناتے اور اپنے منہ میں انگلیاں ڈال کر سیٹیاں بجاتے تھے اس روایت کی روشنی میں مکاء کا معنی ہوگا بانچھوں کے اندر انگلیاں داخل کرنا اور تصدیہ کا معنی ہوگا سیٹی جیسی آواز نکالنی پہاڑ کے درہ میں آواز نکالنے والے کو جو بازگشت کی آواز سنائی دیتی ہے جس کو صدا کہا جاتا ہے اسکا ماخذ لفظ تصدیہ ہی ہے لغت میں صدا اس آواز کو کہتے ہیں جو (میدان یا پہاڑ یا کسی بلند عمارت میں) ہر طرف سے آتی ہے۔

ابن جریر نے بحوالہ سعید بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے طواف کے دوران قریش آپ ﷺ کے سامنے آجاتے آپ ﷺ سے ٹھٹا کرتے اور سیٹیاں اور تالیاں بجاتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

جعفر بن ابی ربیعہؒ نے حضرت ابو سلمہؓ بن عبدالرحمٰن سے مکاء و تصدیہ کا معنی پوچھا تو ابو سلمہؓ نے دونوں ہتھیلیاں ملا کر بیچ میں پھونکا جس سے سیٹی جیسی آواز پیدا ہوئی رواہ ابن جریر مقاتل کا بیان ہے کہ آپ مسجد حرام میں نماز پڑھنے کے لئے کھڑے ہوتے تو آدمی آپؐ کے دائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور دو آدمی آپؐ کی بائیں جانب کھڑے ہو جاتے اور تالیاں بجاتے تاکہ آپؐ کی نماز گڑبڑ ہو اور آپؐ نماز نہ پڑھ سکیں

یہ لوگ قبیلہ عبدالدار کے تھے سعید بن جبیرؒ نے کہا تصدیہ سے مراد ہے مسلمانوں کو مسجد حرام اور دین اور نماز سے روکنا، اس قول کی بناء پر تصدیہ کا مادہ صَدٌّ قرار پائے گا دوسری دال کو یاء سے بدل دیا گیا۔

بہر صورت لفظ صلوٰۃ سے مراد کافروں کی وہ حرکات ہوں گی جن کو نماز کے قائم مقام انہوں نے بنا رکھا تھا حکم تو دیا گیا تھا مسجد میں نماز پڑھنے کا اور انہوں نے بجائے نماز کے ان حرکات کو اختیار کیا۔

فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ اب تم عذاب کو چکھو کفر کرتے رہنے کے عوض عذاب سے

---

[1] حضرت رفاعہؓ بن رافع راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ اپنی قوم کو ایک جگہ جمع کرو جب سب لوگ بارگاہ نبوت پر حاضر ہو گئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا میری قوم کے سب لوگ (یعنی مہاجرین) حاضر ہیں انصار نے بھی یہ بات سن لی اور خیال کیا کہ قریش کے متعلق کوئی وحی آئی ہے چلو ہم بھی چلیں چنانچہ سننے اور دیکھنے والے آگئے (یعنی پیام وحی کو سننے اور حالات کو دیکھنے کے لئے انصار بھی آگئے) رسول اللہ ﷺ باہر تشریف لائے اور سب کے سامنے کھڑے ہو کر فرمایا کیا تم میں تمہارے علاوہ کوئی اور بھی ہے مہاجرین نے عرض کیا جی ہاں ہمارے حلیف اور بھانجے اور اہل قرابت (یعنی انصار) ہیں فرمایا ہمارے حلیف تو ہم میں سے ہیں ہمارے بھانجے بھی ہم میں سے ہیں اور ہمارے اہل قرابت بھی ہم میں سے ہیں تم (قرآن میں) سنتے ہو ان اولیاء ہ الا المتقون پس اگر تم وہ (متقی) ہو تو ٹھیک ہے ورنہ سمجھ لو کہ لوگ قیامت کے دن (نیک) اعمال لے کر آئیں گے اور تم (گناہوں کا) بار لیکر آؤ گے تو تم سے روگردانی کر لی جائے گی (تمہاری طرف نظر التفات و توجہ نہیں کی جائے گی)۔

Marfat.com

مراد ہے بدر کی لڑائی میں مارا جانا بعض کے نزدیک عذاب آخرت مراد ہے اور العذاب میں الف لام عہدی ہو سکتا ہے یعنی وہ عذاب جس کی انہوں نے درخواست کی تھی اور کہا تھا اوائتنا بعذاب الیم اور کفر سے مراد ہے اعتقادی اور عملی کفر، یہ آیت گزشتہ آیت سے وابستہ ہے اور اس بات کو پختہ کر رہی ہے کہ واقعی وہ عذاب کے مستحق ہیں اور تولیت کعبہ کے حقدار نہیں ہیں جس کے یہ احوال ہوں جو اوپر بیان کر دیئے گئے وہ ضرور عذاب کا مستحق ہوگا اور تولیت کعبہ کا حقدار نہ ہوگا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِیَصُدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ جن لوگوں نے کفر کیا وہ اپنا مال راہ خدا سے لوگوں کو روکنے کے لئے یقیناً خرچ کرتے ہیں سبیل اللہ سے مراد ہی اللہ کا دین کلبی نے کہا اس آیت کا نزول ان لوگوں کے حق میں ہوا جنہوں نے بدر کے موقع پر (قریش کے سارے لشکر کو) کھانا کھلایا تھا یہ بارہ آدمی تھے ابو جہل بن ہشام۔ ربیعہ بن عبد الشمس کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ، حجاج کے دونوں بیٹے نبیہ اور منبہ، ابو البختری بن ہشام، نضر بن حارث، حکیم بن حزام، ابی بن خلف زمعہ بن اسود، حارث بن عامر بن نوفل، عباس بن عبد المطلب یہ سب افراد قریشی تھے اور ہر شخص روزانہ دس اونٹ ذبح کیا کرتا تھا۔ محمد بن اسحاق نے کہا مجھ سے زہری اور محمد بن یحییٰ بن حبان اور عاصم بن عمر بن قتادہ اور حصین بن عبد الرحمٰن نے بیان کیا کہ جب بدر کے دن قریش مارے گئے اور شکست کھا کر مکہ کو لوٹے تو عبد اللہ بن ابی اور عکرمہ بن ابی جہل اور صفوان بن امیہ اور دوسرے وہ لوگ جن کے باپ یا بیٹے بدر میں مارے گئے تھے ابو سفیان کے اور ان قریشیوں کے پاس گئے جن کی ابو سفیان والے تجارتی قافلہ میں شرکت تھی اور ان سے کہا اے گروہ قریش محمد ﷺ نے تمہاری قوت توڑ دی تمہارے چنے ہوئے لوگوں کو قتل کر دیا اب تم (قافلہ کے اس تجارتی) مال سے ہماری مدد کرو تاکہ ہم محمد ﷺ سے لڑ کر انتقام لے سکیں لوگوں نے یہ بات قبول کر لی بقول ابن عباسؓ انہی کے متعلق آیت ان الذین کفروا سے یحشرون تک نازل ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حکم بن عتبہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ یہ آیت ابو سفیان کے متعلق نازل ہوئی جس نے چالیس اوقیہ سونا مشرکوں پر خرچ کیا تھا ابن جریر نے ابزی اور سعید بن جبیر کی روایت سے لکھا ہے کہ یہ آیت ابو سفیان کے حق میں نازل ہوئی جس نے دو ہزار [1] احابیش کو اجرت دے کر جنگ احد کے لئے تیار کیا تھا میں کہتا ہوں الفاظ عام ہیں مذکورہ اشخاص بھی اس حکم میں داخل ہیں اور ان کی طرح کے دوسرے لوگ بھی۔

فَسَیُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَیْهِمْ حَسْرَةً اب تو یہ (راہ خدا سے روکنے کے لئے) مال صرف کرتے ہیں (لیکن) پھر یہ ان کے لئے (دنیا میں ہی) باعث پشیمانی و غم ہو جائے گا کیونکہ مال بھی جائے گا اور مقصد بھی حاصل نہ ہوگا حسرت ہونے سے مراد ہے موجب حسرت ہونا کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے باعث حسرت کو حسرت قرار دیا۔

ثُمَّ یُغْلَبُوْنَ ؕ پھر (انجام کار) یہ مغلوب ہوں گے، اگرچہ شروع میں لڑائی اونچی نیچی (یعنی برابر سرابر) ہوتی رہے گی۔

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِلٰی جَهَنَّمَ یُحْشَرُوْنَ ۙ﴿۳۶﴾ اور جن لوگوں نے کفر کیا یعنی کفر پر قائم رہے جہنم کی طرف ان کو ہنکا کر لے جایا جائے گا۔

لِیَمِیْزَ اللّٰهُ الْخَبِیْثَ مِنَ الطَّیِّبِ وَیَجْعَلَ الْخَبِیْثَ بَعْضَهٗ عَلٰی بَعْضٍ فَیَرْكُمَهٗ جَمِیْعًا فَیَجْعَلَهٗ فِیْ جَهَنَّمَ ؕ

تاکہ اللہ ناپاک کو پاک سے الگ کر دے اور ان ناپاکوں کو ایک دوسرے سے ملا کر سب کو متصل کر کے جہنم میں ڈال دے ناپاک و پاک سے مراد کافر و مومن ہے یا کاگزو بناؤ اور لیمیز کے لام کا تعلق یحشرون سے ہے یا یغلبون سے۔

یا ناپاک سے مراد وہ مال ہے جو رسول اللہ ﷺ کی دشمنی میں کفار نے صرف کیا تھا اور پاک سے مراد وہ مال ہے جو رسول اللہ ﷺ کی مدد میں مسلمانوں نے صرف کیا تھا۔

[1] احابیش کچھ قبائل عرب تھے جو بنی الہیث کے ساتھ مل گئے تھے تاکہ جنگ میں ان کا ساتھ دیں تحبنس کا معنی ہے جمع ہونا بعض کے نزدیک احابیش مختلف قبائل کے کچھ لوگ تھے جنہوں نے کوہ حبش کے نیچے قریش سے مدد کا معاہدہ کیا تھا۔

Marfat.com

یرکم یعنی باہم ملادے (رکم جمع کرنا باہم ملانا) سحاب مرکوم (گھنا تہ بر تہ بادل) اسی معنی کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔

أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿٣٧﴾ یہ ہی سب گھانا اٹھانے والے ہیں یہ ہی سے اشارہ ناپاک گروہ یا منافقوں کی طرف ہے اور گھانا اٹھانے سے مراد ہے پورا پورا گھانا اٹھانا کہ مال دے کر آخرت کا عذاب مول لیا۔

قُل لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِن يَنتَهُوا يُغْفَرْ لَهُم مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ آپ ان کافروں سے کہہ دیجئے کہ اگر یہ کفر عداوت رسول اور قتال سے باز آجائیں گے تو جو کچھ (کفر فساد اور گناہ ان سے) پہلے ہو چکا اس کو بخش دیا جائے گا آخر میں کفار میں سے ایک بڑی جماعت اسلام لے آئی ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، عکرمہ بن ابی جہل اور عمرو بن عاص وغیرہ بہت اشخاص مسلمان ہو گئے بدر کے قیدیوں میں سے حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب، عقیل بن ابی طالب، نوفل بن حارث، ابوالعاص بن ربیع، ابوعزیز بن عمیر عبدری، صائب بن ابی حبیش خالد بن ہشام مخزومی، عبداللہ بن ابی السائب، مطلب بن حنطب، ابووداعہ سہمی، عبداللہ بن ابی بن خلف، وہب بن عمیس نجمی، سہیل بن عمر عامری، ام المومنین حضرت سودہؓ کے بھائی عبداللہ بن رمعہ، قیس بن سائب امیہ بن خلف کے آزاد کردہ غلام نسطاس۔

سائب بن عبید زر فدیہ ادا کرنے کے بعد مسلمان ہوئے عدی بن خیار فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے ولید بن مغیرہ کو ہشام اور خالد نے گرفتار کر لیا تھا جب زر فدیہ انہوں نے ادا کر دیا اور رہا ہو گئے تو پھر مسلمان ہو گئے لوگوں نے بے وقوف بنایا (کہ مسلمان ہونا ہی تھا تو قید کی حالت میں مسلمان ہو گئے ہوتے مسلمان ہوتے ہی رہا ہو جاتے زر فدیہ ادا کرنے کی کیا ضرورت تھی) کہنے لگے لوگ خیال کرتے کہ میں قید میں رہنے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا مجھے یہ بات پسند نہ تھی (بلکہ بطیب خاطر برضاء رغبت مسلمان ہونا تھا) آپ مسلمان ہو گئے تو ننھیال والوں نے آپ کو قید کر دیا رسول اللہ ﷺ آپ کے لئے قنوت میں دعا کیا کرتے تھے آخر چھوٹ گئے اور حضور ﷺ کی وفات کے سال خدمت گرامی میں پہنچ گئے۔

حضرت عمرو بن عاص کا بیان ہے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا دست مبارک بڑھایئے میں بیعت کرنا چاہتا ہوں حضور ﷺ نے ہاتھ بڑھایا تو میں نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا حضور ﷺ نے فرمایا عمرو کیا بات ہے میں نے عرض کیا میں کچھ شرط رکھنا چاہتا ہوں فرمایا پیش کرو کیا شرط ہے میں نے عرض کیا شرط یہ ہے کہ میرے (گزشتہ) قصور معاف ہو جائیں فرمایا عمرو کیا تم نہیں جانتے کہ اسلام گزشتہ جرائم کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی جو کچھ پہلے ہو چکا اس کو ڈھا دیتی ہے اور حج بھی سابق باتوں (یعنی گناہوں) کو ڈھا دیتا ہے، رواہ مسلم۔

وَإِن يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ اور اگر (رسول اللہ ﷺ) سے لڑنے کی طرف دوبارہ لوٹیں گے تو کفار سابقین کے متعلق قانون نافذ ہو چکا ہے کہ جن لوگوں نے انبیاء کی مخالفت کی ان کو تباہ کر دیا گیا جیسے بدر میں لڑنے والے کافروں کے ساتھ کیا گیا لہٰذا ان لوگوں کو بھی اسی قانون سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ ۚ اور (اے مسلمانو) ان کافروں سے اس حد تک لڑو کہ فتنہ (یعنی شرک اور ملک میں فساد) نہ رہے اور دین خالص اللہ ہی کا ہو جائے فتنہ سے مراد ہے زمین پر فساد ہونا اور زمین پر سب سے بڑا فساد ہے شرک کا اقتدار لہٰذا فتنہ نہ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسلمان ہو جائیں یا ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں (بہر حال اقتدار مشرکوں کے ہاتھ میں نہ رہے) دین سے مراد ملت اسلام اور اسلامی عبادات و فرائض نہیں ورنہ ادائے جزیہ والی آیت میں اور اس آیت میں تناقض پیدا ہو جائے گا (جزیہ والی آیت میں تو حکم دیا گیا ہے کہ اگر کفار جزیہ ادا کریں یعنی مسلمانوں کے اقتدار کو مان لیں تو ان سے نہ لڑو اور اس آیت میں لڑنے کا حکم اس وقت تک لازم قرار دیا گیا جب تک سب مسلمان نہ ہو جائیں) بلکہ دین سے مراد ہے حکومت، اقتدار، غلبہ، تسلط، دین کے یہ تمام معانی قاموس میں مذکورہ ہیں۔

حضرت مقداد بن اسود کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کوئی ایسا مکان اور خیمہ روئے زمین پر باقی نہیں رہے گا جس کے اندر اللہ کلمہ اسلام کو داخل نہ کر دے (خواہ) عزت مند کو عزت دے کر یا ذلیل کو ذلت دے کر یا تو مکان اور



Marfat.com

ڈیرے والوں کو (مشرف باسلام کرکے) اللہ عزت عطا فرمادے گا اور ان کو اہل کلمہ بنادے گا یا (اسلام سے محروم رکھ کر) ان کو ذلیل کردے گا اور وہ کلمہ اسلام کے زیر فرمان ہو جائیں گے اس طرح سارا اقتدار اللہ ہی کا ہو جائے گا رواہ احمد زیر فرمان ہونے سے مراد ہے محکوم ہو جانا اور ذمی بن جانا۔

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۳۹﴾ پھر اگر باز آجائیں تو اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھتا ہے یعنی اگر وہ کفر سے باز آجائیں گے اور اسلام لے آئیں گے تو اللہ ان کے اعمال کے مطابق ان کو جزا دے گا کیونکہ اللہ بلاشبہ ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اس وقت تک لوگوں (یعنی کافروں) سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کے قائل ہو جائیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے لگیں جب وہ ایسا کرلیں تو ان کے خون اور مال میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے سوائے حق اسلام کے (یعنی حقوق عباد کی وجہ سے ان سے قصاص اور مالی معاوضات لئے جاسکیں گے) اور ان کا باطنی حساب اللہ کے ذمہ ہے (اندرونی حالت اللہ کو معلوم ہے کہ کون اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے ایمان لایا اور کون سچے دل سے مسلمان ہوا) متفق علیہ، مسلم کی روایت میں سوائے حق اسلام کا لفظ نہیں ہے (یعنی حقوق عباد کا استثناء نہیں ہے) اصحاب ستہ نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے سیوطیؒ نے اس کو متواتر کہا ہے۔

یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اگر جنگ سے باز آجائیں خواہ مسلمان ہو کر یا ذمی بن کر تو اللہ ان کے اعمال کا بینا ہے تم ان سے نہ لڑو اللہ خود ان کے اسلام و کفر اور اچھے برے اعمال کی جزا سزا دے دے گا یعملون کی قرات میں یعملون کی جگہ تعملون آیا ہے اس صورت میں مسلمانوں کو خطاب ہوگا یعنی اے مسلمانو! جیسا سلوک تم مسلمانوں سے کرتے ہو ویسا ہی برتاؤ تم ان سے کرو، ان پر ظلم نہ کرو بلاشبہ تمہارے اعمال کے مواقع تم کو بدلا دیگا۔ صفوان بن سلیم نے چند صحابہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ نے فرمایا خوب سُن لو جو کسی معاہد (ذمی) پر ظلم کریگا یا اس کے حق میں کمی کریگا اسکی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا یا اس سے بغیر اس کی رضامندی کے کچھ لے گا تو قیامت کے دن اسکی طرف سے میں جھگڑا کرنے والا ہوں گا۔ رواہ ابوداؤد۔ یہ مطلب دونوں صورتوں میں ہوسکتا ہے باز رہنے سے مراد کفر سے باز رہنا ہو گویا جنگ سے باز رہنا، مسلمان ہونے کا اظہار کرکے ہو یا ذمی بن کر اور جزیہ دے کر۔

بیضاویؒ نے تعملون کی قرات پر یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مسلمانو! تم جو جہاد کرتے ہو دعوت اسلام دیتے ہو کفر کی تاریکی سے نور ایمان کی طرف آنے کی تبلیغ کرتے ہو تمہارے اس عمل کو اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے وہ تم کو اس کی جزا دے گا بیضاوی کی یہ تفسیر اسی تقدیر پر ہوگی جب باز رہنے سے مراد ہو کفر سے باز رہنا جو بلا وجہ تخصیص ہے پھر تعملون کا لفظ ہر نیکی بدی کو شامل ہے اس میں بھی تخصیص کرنی پڑے گی اور صرف جہاد و تبلیغ اسلام مراد لینی پڑے گی۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ ۭ اور اگر وہ اسلام سے روگرداں رہے اور کفر سے باز نہ آئے یا اطاعت سے روگرداں رہے لڑائی سے باز نہ آئے تو یقین رکھو کہ اللہ تمہارا مددگار ہے اس پر بھروسہ رکھو اور کافروں سے لڑو ان کی دشمنی کی پرواہ نہ کرو، خواہ وہ کتنے ہی زیادہ ہوں (اندیشہ نہ کرو)۔

نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿۴۰﴾ اللہ بہترین حامی ہے (اپنے دوستوں کو ضائع نہیں ہونے دیتا اور بڑا اچھا مددگار ہے (جو اس کے دین کی حمایت کرے اس کو مغلوب نہیں ہونے دیتا)۔

Marfat.com

# بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

## پارہ واعلموا.....

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ اور جان لو کہ جو شئے بطور غنیمت تم کو (کافروں سے) حاصل ہو

ما بمعنی الذی ہے اور غنمتم صلہ ہے اور موصول کی طرف راجع ہونے والی ضمیر محذوف ہے یعنی جو کچھ مال غنیمت تم کو حاصل ہوا ما کو (ان کے ساتھ) ملا کر لکھنا درست نہیں ورنہ ماکافہ ہو جائے گا (موصول نہ ہوگا) غنیمت کافر حربی کے اس مال کو کہتے ہیں جو جبراً یا غالب آکر حاصل کیا گیا ہو (چونکہ خطاب مسلمانوں کی جماعت کو ہے) اسی لئے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ امام (یعنی مسلمانوں کے حاکم یا قائم مقام) کی اجازت کے بغیر ایک یا دو مسلمان دار الحرب میں جاکر حربی کافروں سے کچھ مال چھین لیں گے یا چرا لیں گے تو اس میں خمس (پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کرنا واجب نہیں لیکن اگر امام کی اجازت کے بغیر چار آدمیوں نے دار الحرب میں جاکر کچھ مال حربیوں کا لے لیا تو اس میں خمس واجب ہے محیط میں ہے کہ امام ابو یوسف کے نزدیک جماعت کی تعداد سات ہونی چاہئے اگر حفاظتی طاقت نہ ہو اور اگر حفاظتی طاقت حاصل ہو تو دس آدمیوں کا دستہ جماعت کہلائے گا۔

امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور اکثر علماء کا قول ہے کہ اگر ایک شخص بھی دار الحرب میں جاکر کسی حربی کا مال چرا کر لے آئے گا تو اس میں بھی خمس واجب ہوگا کیونکہ وہ حربی کا مال ہے جو جبراً حاصل کیا گیا ہے لہٰذا غنیمت کے حکم میں ہے امام اعظم اور ایک روایت میں امام احمد کا قول ہے کہ چوری کا مال غنیمت کا مال نہیں ہے چوری کا مال جبراً نہیں حاصل کیا جاتا بلکہ جھپٹ کر یا خفیہ طور پر حاصل کیا جاتا ہے۔ چور تدبیر سے چوری کرتا ہے اور یہ دوسرے مباحات کی طرح مال حاصل کرنے کا ایک مباح طریقہ ہے جیسے جنگل سے لکڑیاں جمع کرنا یا شکار کرنا اور خمس کے وجوب کے لئے مال غنیمت ہونا ضروری ہے ہاں اگر امام کی اجازت سے ایک دو آدمیوں نے دار الحرب میں جاکر کسی تدبیر سے کچھ مال حاصل کر لیا تو بالاتفاق اس میں خمس واجب ہے کیونکہ امام کی اجازت کے بعد جانے والے کی مدد کرنا امام پر لازم ہے اور حفاظتی طاقت رکھنے والی جماعت خواہ چار کی ہو یا زائد کی ہو اگر امام کی اجازت کے بغیر بھی دار الحرب میں جائے گی تو ان کی مدد امام پر لازم ہے تاکہ مسلمانوں کی اور اسلام کی توہین نہ ہو اور جب امام کی پشت پناہی حاصل ہو تو پھر وہ لوگ چور نہیں کہلائے جاسکتے من شیئی کے لفظ سے تعمیم ہو گئی یعنی مال غنیمت کتنا ہی ہو خواہ صرف دھاگہ اور سوئی ہو (سب کا پانچواں حصہ واجب ہے) حضرت عبادہؓ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے، دھاگہ اور سوئی بھی داخل کر دو اور مال غنیمت کی چوری سے اجتناب رکھو، قیامت کے دن چور کے لئے یہ چوری باعث عار ہوگی۔ رواہ الدارمی امام شافعیؒ نے یہ حدیث عمرو بن شعیب کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ یہ سن کر ایک شخص جس کے ہاتھ میں بالوں کا ایک گچھا تھا بولا میں نے یہ خچر کے زین کی مرمت کرنے کے لئے لیا تھا حضور ﷺ نے فرمایا میرا اور بنی عبد المطلب کا جو حصہ ہے وہ تیرا ہے۔

فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہے چونکہ لفظ ما میں شرط کا معنی ہے اس لئے فان میں فاء لائی گئی اور چونکہ یہ فقرہ محل رفع میں ہے خواہ اس کو مبتدا محذوف الخبر قرار دیا جائے یا خبر محذوف المبتدا اس لئے اِنَّ نہیں ذکر کیا اَنَّ فرمایا یعنی اس کا پانچواں حصہ اللہ کا ہونا واجب ہے یا واجب یہ ہے کہ اس کا خمس اللہ کا ہو۔

Marfat.com

غنیمت کا پانچواں حصہ اپنی ملک میں مخصوص طور پر رکھا اہل غنیمت کی ملک نہیں قرار دیا اسی لئے حنفیہ قائل ہیں کہ مال خمس کی ادائیگی اہل غنیمت پر واجب نہیں وہ تو ان کی ملک میں داخل ہی نہیں ہوا شروع سے ہی وہ اللہ کی ملک ہے ہاں زکوٰۃ ادا کرنی اہل مال پر واجب ہے (کیونکہ مال زکوٰۃ کی ملکیت اہل مال کی ہوتی ہے) اللہ نے اہل مال کو ہی حکم دیا ہے کہ زکوٰۃ ادا کریں (یعنی اپنی ملکیت سے نکال کر اہل استحقاق کی ملکیت میں داخل کر دیں) یہی وجہ ہے کہ زکوٰۃ کا مال لوگوں کے مال کا میل کچیل قرار دیا گیا اور رسول اللہ ﷺ اور آپ کی آل کے لئے حرام کر دیا گیا اور (خمس کے مال کا چونکہ شروع سے ہی اللہ کے سوا کوئی مالک نہیں ہوتا اس لئے) خمس آپ کے لئے حلال کیا گیا اس سے آگے اللہ نے اپنے خالص حق کے مصرف کی تفصیل بیان کر دی اور فرمایا۔

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی اور رسول ﷺ کا اور رسول ﷺ کے اقارب کا حق ہے۔

اقارب کی تفصیل میں علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض علماء کے نزدیک تمام قریش اقارب ہیں مجاہدؒ اور امام زین العابدین کے نزدیک صرف بنی ہاشم اقارب ہیں امام شافعیؒ کے نزدیک عبد مناف کے دو بیٹوں ہاشم اور مطلب کی اولاد اقارب ہیں اور عبد مناف کے دوسرے دو بیٹوں عبد الشمس اور نوفل کی نسل اقارب میں داخل نہیں۔

امام شافعیؒ نے بسند معتبر حضرت جبیرؓ بن مطعم کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ذوی القربیٰ کا حصہ صرف بنی ہاشم اور بنی المطلب کو تقسیم کیا بنی عبد الشمس اور بنی نوفل کو کچھ نہیں دیا بخاری نے صحیح میں بھی اسی طرح نقل کیا ہے امام شافعیؒ کی روایت ہے کہ حضرت جبیرؓ بن مطعم نے فرمایا جب رسول اللہ ﷺ نے ذوی القربیٰ کا حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو تقسیم فرمایا تو میں اور عثمان بن عفان خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو اپنے ہاشمی بھائیوں کی فضیلت کا تو انکار نہیں کیونکہ آپ بنی ہاشم میں سے ہیں لیکن بنی مطلب کی قرابت اور ہماری قرابت تو ایک ہی ہے پھر حضور ﷺ نے ان کو دیا اور ہم کو نہیں دیا یہ ترجیح کیوں ہے۔ حضور ﷺ نے اپنی انگلیاں انگلیوں میں ڈال کر جال بنا کر اشارہ کرتے ہوئے فرمایا بنی ہاشم اور بنی مطلب تو اس طرح (باہم وابستہ اور) ایک ہی ہیں ابو داؤد اور نسائی نے یہ حدیث نقل کی ہے اور برقانی نے اس کو شرط مسلم کے موافق قرار دیا ہے اس حدیث میں اشارہ اس معاہدہ کی دستاویز کی طرف ہے جس میں قریش نے لکھا تھا کہ بنی ہاشم کے ساتھ نہ بیٹھیں گے نہ ان سے خرید و فروخت کریں گے نہ نکاح کا رشتہ قائم کریں گے ایک سال تک قریش اس معاہدہ پر قائم رہے اس دستاویز میں اگرچہ بنی مطلب کا ذکر نہ تھا مگر بنی مطلب نے بنی ہاشم کا ساتھ نہیں چھوڑا شعب ابی طالب میں ان کے ساتھ جا کر رہے۔ کذا فی السنن والمغازی و کذا روی البیہقی فی السنن والدلائل۔

خطابی نے لکھا ہے کہ یحییٰ بن معین کی روایت کے الفاظ یہ ہیں بس بنی ہاشم اور بنی مطلب تو ایک جیسے ہیں اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی مطلب کو بنی ہاشم کے ساتھ ملا دیا اور ان کو بنی ہاشم میں شمار کیا اس کی علت صرف یہ تھی کہ اسلام اور جاہلیت دونوں زمانوں میں دونوں خاندانوں باہم موافق اور مددگار تھے محض نسبی قرابت ہی ظاہر کرنی مقصود نہیں ہے ورنہ بنی عبد الشمس اور بنی نوفل کا رشتہ بھی بنی مطلب ہی کی طرح تھا۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ محض قرب نصرت مراد ہے قرابت مراد نہیں ہے (بنی ہاشم کے مددگار بنی مطلب تھے اس لئے ان کو ذوی القربیٰ قرار دیا اور بنی عبد الشمس اور بنی ہاشم کے مددگار نہ تھے اس لئے ان کو اقارب نہیں مانا گیا) صاحب ہدایہ کا یہ قول غلط ہے اگر صرف قرب نصرت مراد ہوتا تو حضرت عثمانؓ بہ نسبت حضرت عباسؓ کے اس کے زیادہ مستحق تھے آپ آغاز اسلام میں ہی اسلام لے آئے تھے اور حضرت عباسؓ بدر کی لڑائی کے بعد مسلمان ہوئے بلکہ جو مہاجرین و انصار رسول اللہ ﷺ کے رشتہ دار نہ تھے اور قرب نصرت رکھتے تھے ان کو خمس کا استحقاق زیادہ ہونا چاہئے۔

وَالْیَتٰمٰی اور یتیموں کے لئے۔ یتیمی یتیم کی جمع ہے یتیم بن باپ کے بچہ کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے یتیم کا معنی ہے باپ کا مر جانا بچہ ہونے کی شرط اس لئے ضروری ہے کہ ایک حدیث میں ابو داؤد نے حضرت علیؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ جوان ہونے کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ اس حدیث کو عقیلی عبد الحق، ابن القطان اور منذری وغیرہ نے معلل قرار دیا ہے اور

Marfat.com

نووی نے اس کو حسن کہا ہے۔ طبرانی نے دوسری سند سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ہی کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے اور ابو داؤد طیاسی نے بھی اس کو نقل کیا ہے اسی موضوع کی ایک حدیث حضرت طلحہ بن حذیفہؓ سے بھی آئی جو طبرانی کبیر میں منقول ہے اس کی سند غنیمت ہے ابن عدی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بھی اس کو نقل کیا ہے اس کی سند میں ایک راوی حزام بن عثمان بھی ہے جو (محدثین کے نزدیک) متروک ہے۔ حضرت انسؓ سے بھی یہی حدیث مروی ہے۔

وَالْمَسٰكِيْنِ اور مسکینوں کے لئے اس کی تحقیقات ہم سورۂ توبہ میں مصارف صدقات کے ذیل میں کریں گے۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ اور مسافر کے لئے جو اپنے گھر سے دور ہوتا ہے چونکہ مسافر عموماً راہ نوردی میں مشغول رہتا ہے اس لئے گویا راستہ کی اولاد ہوتا ہے اسی وجہ سے اس کو ابن السبیل کہا جاتا ہے۔

موخر الذکر تینوں اقسام کو خمس کا حقدار صرف ناداری اور احتیاج کی بناء پر کیا گیا ہے اسی لئے ائمہ کا اتفاق رائے ہے کہ اگر یہ لوگ مالدار اور غنی ہوں تو ان کو خمس نہ دیا جائے۔ بعض لوگوں نے ذوی القربی کے استحقاق خمس کی علت فقر و ناداری کو ہی قرار دیا مالدار اقارب بھی خمس کے مستحق نہیں مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ ذوی القربی کے لفظ سے فقر کی طرف اشارہ بھی نہیں اور یتیم و ابن السبیل کے الفاظ ناداری کی غماضی کرتے ہیں حضرت عباسؓ باوجودیکہ بڑے مالدار تھے مگر رسول اللہ ﷺ ان کو بھی خمس میں سے دیا کرتے تھے۔

تمام ائمہ کا اجماع ہے اور تمام راوی بھی اس امر پر متفق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کے پانچ حصے کرتے تھے جن میں سے چار حصے تو شرکاء جہاد کو عطا فرما دیتے تھے اور پانچویں حصہ کے پھر پانچ حصے کرتے تھے جن میں سے ایک حصہ تو اپنے اور اپنے متعلقین کے لئے لے لیتے تھے اور اپنا اور اپنے گھر والوں کا خرچ اسی سے چلاتے تھے اور کچھ بچ رہتا تھا تو اس سے جہاد کے لئے ہتھیار اور گھوڑے خریدتے تھے اور مسلمانوں کے مصالح میں صرف کرتے تھے اور ایک حصہ بنی ہاشم اور بنی مطلب کو بانٹ دیتے تھے مالدار، نادار، مرد عورت سب کو دیتے تھے اور اور تین حصے یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو عنایت کرتے تھے۔

قابل غور یہ امر ہے کہ جن پانچ اقسام کو اللہ نے قرآن میں مستحق قرار دیا ہے کیا ان پانچوں اقسام کو دینا ضروری ہے اور ایک کا حصہ دوسری قسم والوں کو دینا جائز نہیں یا یہ مطلب ہے کہ یہ پانچوں اقسام مصرف خمس ہیں ان کے علاوہ دوسروں کو دینا جائز نہیں لیکن امام کو اختیار ہے کہ کسی ایک ہی قسم کو دے دے دوسرے گروہ کو نہ دے اور ایک گروہ میں سے بھی صرف ایک ہی شخص کو سب دے دے دوسرے شخص کو بالکل نہ دے موخر الذکر قول کو امام اعظم نے اختیار کیا ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ تحفہ میں مذکور ہے موخر الذکر تینوں اقسام یعنی یتیمی مسکینی اور مسافر ہمارے نزدیک مصارف خمس ہیں لیکن (وجوبی) مستحق ان میں سے کوئی بھی نہیں اگر ایک ہی قسم کو سب مال دے دے تو جائز ہے لیکن امام شافعیؒ اور متقدمین و متاخرین کی ایک جماعت قائل ہے کہ ہر گروہ کو اس کا حصہ دینا ضروری ہے امام کسی ایک قسم یا دو قسموں کو مخصوص طور پر نہیں دے سکتا بلکہ تمام اقسام کو تقسیم کرنا لازم ہے، اب اگر ہر گروہ کی ایک محدود جماعت ہو جس کی تعداد معین ہو تو اس گروہ کے ہر فرد کو دینا ضروری ہے کسی فرد کو محروم کرنا درست نہیں اور تقسیم کے وقت ہر ایک کا حصہ برابر رکھنا لازم ہے جیسے پانچ حصہ میں سے چار حصے شرکاء جہاد میں سے ہر فرد کو تقسیم کرنا لازم ہے اور کسی کو محروم رکھنا بالاجماع درست نہیں۔ امام شافعیؒ نے رشتہ قرابت رکھنے والے مستحقین میراث کی طرح (مال غنیمت پانے والے) اقارب کو بھی قرار دیا ہے فرق یہ ہے کہ (میراث میں قریب ترین کی موجودگی میں بعید کو میراث نہیں ملتی اور مال غنیمت میں) قریب و بعید ہر ایک حصہ دار ہوتا ہے میراث کی طرح مرد کا دو بہر اور عورت کا اکہرا حصہ مال غنیمت میں بھی ہوتا ہے اور اگر بے شمار ہوں جن کی گنتی ممکن نہ ہو تو اس صورت میں ہر قسم میں سے تین اشخاص کو دینا ضروری ہے کیونکہ لذی القربے میں لام اختصاص پر دلالت کر رہا ہے اور اختصاص کا تقاضا ہے کہ وہ مال (تقسیم سے پہلے ہی) ان کا ہو یا کم از کم ان کو استحقاق ملکیت ہو اور ہر گروہ کا ذکر بصیغہ جمع کیا ہے اور جمع کا اطلاق کم سے کم تین پر ہوتا ہے (ہم جنس قرآن کو اپنے ہاتھوں میں رکھتے ہیں اس میں تو ذی القربیٰ ہے جو جمع کا صیغہ نہیں البتہ یتامیٰ اور مساکین بصیغہ جمع ہے)۔

Marfat.com

امام اعظمؒ اور آپ کے ہم خیال لوگوں کا کہنا ہے کہ لام مطلق اختصاص کے لئے ہے (نہ ملکیت پر دلالت کر رہا ہے نہ استحقاق پر) مطلب یہ ہے کہ خاص طور پر انہی اقسام مذکورہ کو مال غنیمت دیا جائے ان کے علاوہ کسی اور کو نہ دیا جائے اور الف لام استغراق کے لئے نہیں بلکہ جنسیت کے لئے ہے اس لئے جمعیت کا مفہوم باطل ہو گیا (پس یہ مطلب نہیں کہ ان اقسام میں سے ہر ایک قسم کو دیا جائے یا ایک قسم کے ہر فرد کو دیا جائے) اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اصناف مذکورہ میں باہم تداخل ممکن ہے (ان اقسام کے درمیان کوئی امتیازی حد فاصل نہیں کہ ایک قسم کے ساتھ دوسری قسم کا اجتماع ناممکن ہو) قرابت دار یتیم بھی ہو سکتا ہے اور مسکین بھی اور مسافر بھی (بلکہ ایک شخص کے مجموعی چاروں احوال بھی ہو سکتے ہیں) اسی طرح یتیم باقی تین اوصاف کا بھی حامل ہو سکتا ہے اور مساکین اور مسافر بھی اسی طرح (چاروں اوصاف کے مجموعہ ہو سکتے ہیں) اب اگر ایک صنف کا حصہ دوسری صنف کو دینا جائز قرار دیا جائے تو ضروری ہے کہ ہر ایک صنف کا جداجدا اس طرح ذکر کیا جائے کہ وہ کسی دوسری صنف کے ساتھ جمع نہ ہو (یعنی قرابت دار کی یہ شرط ہو کہ وہ یتیم مسکین اور مسافر نہ ہو اور یتیم و مسکین و مسافر میں سے ہر صنف کی یہ شرط ہو کہ باقی تین اصناف کے اوصاف ان کے اندر نہ ہوں) ان کے علاوہ یہ بھی لازم آئے گا کہ اگر کسی صنف کا کوئی فرد دوسری اصناف کی صفات کا حامل ہو (مثلاً قرابت دار یتیم بھی ہو یا یتیم مسکین بھی ہو یا مسکین مسافر بھی ہو یا مسکین قرابت دار بھی ہو یا مسافر رشتہ دار بھی ہو وغیرہ وغیرہ) تو اس کو دگنا سہ گنا چہار گنا حصہ دیا جائے (ایک اپنی صنف کا اور باقی حصے دوسری اصناف کے) جیسے میراث میں دو ہمراہ رشتہ رکھنے والے کو دو ہمراہ حصہ ملتا ہے مثلاً شوہر اگر متوفیہ کے چچا کا بیٹا بھی ہو تو وہ شوہریت کا فرض حصہ بھی پائے گا اور چچازاد ہونے کی وجہ سے عصبہ بھی ہوگا اور عصبہ کا حصہ بھی اس کو ملے گا۔

دلیل عقلی کے علاوہ مختلف احادیث بھی ہمارے قول کو ثابت کر رہی ہیں صحیحین میں حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا گیا ہے کہ چکی پیسنے کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھ میں ٹھیٹ پڑ گئی تو آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس (غنیمت میں) کچھ باندی غلام آئے ہیں (کسی باندی کی درخواست کے لئے) حضرت سیدہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گئی لیکن حضور ﷺ موجود نہ تھے ملاقات نہ ہو سکی حضرت عائشہؓ سے آمد کی غرض بیان کر دی اور جب رسول اللہ ﷺ کاشانہ نبوت میں تشریف لے آئے تو حضرت عائشہؓ نے جناب سیدہؓ کی آمد کا ذکر کر دیا، رسول اللہ ﷺ اطلاع پا کر فوراً ہمارے گھر تشریف لے آئے ہم اپنے بستروں پر جا چکے تھے حضور ﷺ کو دیکھ کر ہم اٹھنے لگے تو فرمایا اپنی اپنی جگہ لیٹے رہو حضور ﷺ آ کر ہم دونوں کے درمیان بیٹھ گئے (اور حضور کے پاؤں میرے پیٹ سے لگ گئے) مجھے حضور کے قدم کی ٹھنڈک اپنے پیٹ پر محسوس ہوئی (غالباً سردی کا زمانہ ہوگا) پھر بیٹھ کر فرمایا کیا میں تم دونوں کو ایسی چیز بتاؤں جو تمہاری درخواست کردہ چیز سے بہتر ہے خواب گاہ میں پہنچ کر ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد اللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھ لیا کرو یہ تمہارے لئے خادم سے بہتر ہے۔

مسلم کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ حضرت فاطمہؓ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کیا میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو خادم سے تمہارے لئے بہتر ہے ہر نماز کے وقت اور سوتے وقت ۳۳ بار سبحان اللہ ۳۳ بار الحمد اللہ اور ۳۴ بار اللہ اکبر پڑھا کرو۔

طحاوی کی روایت میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فاطمہؓ سے ایک روز فرمایا اللہ نے تمہارے باپ کو فراخی عطا فرمادی۔ حضور کے پاس کچھ باندی یا غلام آ گئے ہیں ایک خادم تم بھی جا کر مانگ لو۔ حضرت فاطمہؓ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ گزارش کر دی حضور ﷺ نے فرمایا میں اہل صفہ کو بھوکا چھوڑ دوں اور تم کو (کوئی باندی) دے دوں ایسا نہیں کر سکتا میرے پاس اہل صفہ کے مصارف کے لئے کچھ (نقد و جنس) نہیں ہے اور وہ بھوکے ہیں میں یہ (باندی غلام) بیچ کر ان پر خرچ کروں گا کیا میں تم کو ایسی چیز نہ بتادوں جو تمہارے معروضہ اور سوال سے بہتر ہے مجھے جبرئیل نے یہ چیز بتائی ہے ہر نماز کے بعد بستر پر جاتے وقت دس بار اللہ اکبر دس بار سبحان اللہ اور دس بار الحمد اللہ پڑھ لیا کرو۔

طحاوی نے فضلؓ بن حسن بن عمر بن حکم کی روایت سے بیان کیا کہ فضلؓ کی ماں نے کہا میں اپنی والدہ کے ساتھ حضرت فاطمہؓ کی خدمت میں پہنچی پھر ہم دونوں حضرت فاطمہؓ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچیں آپ کسی جہاد سے واپس

Marfat.com

تشریف لائے تھے اور آپ کے ساتھ (غنیمت کے) کچھ باندی اور غلام بھی تھے حضرت فاطمہؓ نے حضور ﷺ سے ایک خادم ملنے کی درخواست کی، فرمایا شہداء بدر کے یتیم تم سے آگے ہیں (یعنی زیادہ حقدار ہیں)۔

یہ تمام احادیث بتا رہی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (چاروں اصناف میں سے) کسی ایک کو دیتے اور دوسروں کو ترک کر دیا کرتے تھے ورنہ حضرت فاطمہؓ کو ان کے حق سے کس طرح روک دیتے حضرت فاطمہؓ تو قرابت دار تھیں اور قرابت دار ہونے کی وجہ سے خمس کی حقدار بھی تھیں پھر آپ کا حق صفہ کے فقراء اور شہداء بدر کے یتیموں کو کیوں عطا فرمایا اقارب کا حق تو امام شافعی کے نزدیک فقراء و یتامیٰ کو نہیں دیا جا سکتا بلکہ اقارب کے حصہ کے علاوہ فقراء اور یتامیٰ کا حصہ تو ان کے نزدیک ضروری ہے۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں اشعث بن سوار کے حوالہ سے بروایت ابو الزبیر حضرت جابر بن عبد اللہ کا بیان نقل کیا ہے کہ جو ہمارے مدعی کی تائید کرتا ہے حضرت جابرؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ مال خمس سے اہل جہاد کے لئے سواریاں خرید کر دیتے تھے اور حوادث قومی میں بھی اس کو صرف کرتے تھے پھر جب مال بہت ہو گیا تو آپ یتیموں مسکینوں اور مسافروں کو بھی دینے لگے۔

میرے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ ملکیت کے اعتبار سے تو خمس اللہ کا ہے اللہ نے اس کو براہ راست اپنی ملک میں رکھا بندوں کو مالک نہیں بنایا اور استحاق تصرف کے اعتبار سے رسول ﷺ کا ہے کہ رسول ﷺ جتنا چاہیں اپنے لئے رکھیں اور اقارب و یتامیٰ و مساکین و مسافر بھی اس کا مصرف ہیں (اس لئے یہ مال ان چاروں کے صرف میں بھی لایا جا سکتا ہے)۔

پس لام تین ٹکڑوں میں تعلق کو ظاہر کر رہا ہے مگر تعلق کی نوعیت چونکہ مختلف ہے اس لئے تینوں لفظوں پر جدا جدا مستقل طور پر لایا گیا ہے اللہ کا لام ملکیت پر للرسول کا لام اختیار صرف پر اور لذی القربیٰ کا لام مصرف اور اہل ہونے پر دلالت کر رہا ہے اور چونکہ مصرف خرچ ہونے کی حالت موخر الذکر چاروں اقسام میں ایک ہی جیسی تھی اس لئے لذی القربیٰ کے ایک لام کے تحت سب کو ذکر کر دیا ہر مصرف پر جدا جدا لام ذکر نہیں کیا گیا گویا لام جو تعلق و اختصاص پر دلالت کر رہا ہے وہ تعلق و اختصاص مشترک ہے جس کے تین معانی ہیں ملکیت اختیار تصرف اور مقام صرف ہونا یا یوں کہو کہ اول حقیقی معنی ہے اور باقی دونوں مجازی اور چونکہ ایک ساتھ مشترک کے متعدد معانی یا حقیقت و مجاز کا مجموعہ (یا دو مجازی معنی) مراد نہیں ہو سکتے اس لئے تینوں انواع پر لام الگ الگ ذکر کیا گیا (تاکہ ایک جگہ ملکیت دوسری جگہ تصرف اور تیسری جگہ مصرف مراد ہو سکے) پورے خمس پر رسول اللہ ﷺ کو اختیار تصرف حاصل تھا اس پر مندرجہ ذیل حدیث جس کو عمرو بن عنبہ کی روایت سے ابو داؤد نے ذکر کیا ہے روشنی ڈالتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اونٹ کے پہلو سے ایک بال لے کر فرمایا تمہارے اموال غنیمت میں سے پانچویں حصہ کے علاوہ اتنا لینا بھی میرے لئے حلال نہیں اور پانچواں حصہ بھی لوٹا کر تم کو ہی تقسیم کر دیا جاتا ہے۔

عمرو بن شعیب کی روایت کے الفاظ یہ ہیں سوائے خمس کے اس مال غنیمت میں سے میرے لئے کچھ (حلال) نہیں اور نہ یہ (یعنی اونٹ کا ایک بال) اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے خمس (کل مال غنیمت کا پانچواں حصہ) فرمایا۔ خمس الخمس پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ (یعنی کل مال غنیمت کا پچیسواں حصہ) نہیں فرمایا (اس لئے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کو پورے خمس کو تقسیم کرنے کا اختیار حاصل تھا۔

مسئلہ :- کیا رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد آپ کا حصہ مال غنیمت یعنی خمس میں باقی رہا یہ مسئلہ اختلافی ہے۔

امام شافعیؒ قائل ہیں کہ خمس میں جو رسول اللہ ﷺ کا حصہ آپ کی زندگی میں تھا وہ اب مسلمانوں کے مفاد اور اسلام کی تقویت کے لئے صرف کیا جائے گا کیونکہ رسول اللہ ﷺ خود اپنی زندگی میں اپنے حصہ کا مال جو ضروری مصارف سے بچ جاتا تھا اہل جہاد کے لئے اسلحہ اور گھوڑوں کی خریداری میں صرف کرتے تھے۔ اعمش نے ابراہیم کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ (اپنے اپنے عہد خلافت میں) گھوڑوں اور اسلحہ کی خریداری میں رسول اللہ ﷺ کا حصہ غنیمت صرف کیا کرتے تھے۔

قتادہؒ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو مال غنیمت سے حصہ لینے کا استحقاق حاکم ہونے کی وجہ سے تھا اس لئے آپ کے

Marfat.com

بعد جو آپ کا جانشین ہو اس کو یہ حصہ دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کا حصہ ساقط ہو گیا کیونکہ آپ خمس کا استحقاق حاکم و امیر ہونے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ رسول ہونے کی وجہ سے تھا اور رسالت کا دروازہ آپ کے بعد بند ہو گیا لہٰذا خلیفہ کو آپ کا حصہ نہیں دیا جا سکتا بات یہ ہے کہ اگر کسی حکم کو کسی صیغہ مشتق سے وابستہ کیا جاتا ہے تو حکم کے تعلق کی علت مشتق کی وصفیت ہوتی ہے (جیسے خمس کو رسول اللہ ﷺ سے وابستہ کیا گیا ہے اور رسول صفت کا صیغہ ہے پس خمس کا استحقاق وصف رسالت کی وجہ سے ہو گا اور وصف رسالت ہی استحقاق خمس کی علت ہو گا) دیکھو مال غنیمت میں سے کوئی چیز پسند کرنے اور اپنے لئے چن لینے کا استحقاق رسول اللہ ﷺ کو تھا بدر کے دن مبہ بن حجاج کی تلوار جس کو ذوالفقار کہا جاتا تھا رسول اللہؐ نے اپنے لئے پسند کر لی تھی اور خیبر کے قیدیوں میں سے حیی بن اخطب (یہودی) کی بیٹی حضرت صفیہؓ کا انتخاب حضور ﷺ نے اپنے لئے کر لیا تھا (رواہ ابو داؤد فی سنہ والحاکم و صححہ عن عائشہؓ) لیکن حضور ﷺ کے بعد باتفاق علماء اسلام کسی مسلم کمانڈر یا خلیفہ کو صفی (پسندیدگی اور انتخاب) کا یہ حق حاصل نہیں پس اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی خلیفہ کو مال غنیمت میں سے خمس لینے کا بھی حق نہیں ہے۔

مسئلہ :- رسول اللہ ﷺ کے بعد کیا آپ کے اقارب کا حصہ حسب سابق باقی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا حضور ﷺ کی وفات کے بعد آپ کے اقارب کا حصہ بھی ساقط ہو گیا احناف نے اس قول کے مختلف دلائل بیان کئے ہیں صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ اقارب کا یہ حصہ رشتہ داری کی وجہ سے نہ تھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی نصرت کی وجہ سے تھا (بنی ہاشم جاہلیت اور اسلام ہر دور میں رسول اللہ ﷺ کے مددگار رہے اس لئے رسول اللہ ﷺ ان کو مال غنیمت میں سے حصہ دیا کرتے تھے) جبیر بن مطعم کی روایت اوپر گذر چکی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی مطلب کو خمس میں سے حصہ دیا اور بنی نوفل اور بنی عبد الشمس کو نہیں دیا (باوجودیکہ ان دونوں قبائل کا رشتہ بنی ہاشم سے وہی تھا جو بنی مطلب کا تھا) اور فرمایا وہ یعنی بنی مطلب (بنی ہاشم کے ساتھ) جاہلیت اور اسلام میں اس طرح (وابستہ) رہے آپ نے انگلیوں میں انگلیاں ڈال کر انگلیوں کی طرف اشارہ کر کے یہ بات فرمائی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت میں ذوی القربیٰ سے مراد وہ لوگ ہیں جو (رشتہ داری کے علاوہ) قرابت نصرت بھی رکھتے تھے (تنہا) قرابت نسب مراد نہیں ہے اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد نصرت رسول ﷺ کا سلسلہ ختم ہو گیا (لہٰذا اقارب رسول اللہ ﷺ کا بھی حصہ ساقط ہو گیا) صاحب ہدایہ کی یہ دلیل نہایت ضعیف ہے ضعف کی وجہ ہم نے اوپر ذکر کر دی ہے طحاوی نے لکھا ہے کہ اقارب سے مراد سب اہل قرابت تو بہرحال نہیں ہیں بنی نوفل اور بنی عبد الشمس کو رسول اللہ ﷺ نے کوئی حصہ نہیں دیا بلکہ خاص خاص قرابت دار مراد ہیں خاص خاص قرابت دار کون تھے اس کا انتخاب رسول اللہ ﷺ کی رائے پر موقوف تھا جن کو چاہا آپ نے دیا اور حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضور ﷺ کی رائے جاننے اور دریافت کرنے کا سلسلہ ختم ہو گیا اس لئے اقارب کا حصہ بھی ساقط ہو گیا جیسے مال غنیمت میں سے کوئی چیز اپنے لئے چھانٹ لینے کا حق حضور ﷺ کی وفات کے بعد ختم ہو گیا حضور ﷺ کی زندگی تک قائم تھا۔

طحاوی نے اسی دلیل کو دوسرے طرز سے اس طرح بیان کیا ہے کہ آیت میں ذوی القربیٰ کا لفظ تمام قرابت داروں کو شامل ہے کسی کی خصوصیت نہیں رسول اللہ ﷺ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو دیا اور بنی نوفل و بنی امیہ کو کچھ نہیں دیا جن لوگوں کو دیا ان کی تعداد معین تھی کچھ ان میں مالدار تھے کچھ نادار اسی طرح جن کو کچھ نہیں دیا ان کی گنتی بھی مقرر تھی اور ان میں بھی کچھ مالدار اور کچھ نادار تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے اس عمل سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ مال رسول اللہ ﷺ کا تھا اور اقارب کی تعیین۔ انتخاب اور عطاء کا اختیار رسول اللہ ﷺ کو تھا جس طرح مال غنیمت سے بعض چیزوں کو اپنے لئے چھانٹ لینے کا اختیار حضور ﷺ کو تھا پس آپ کی وفات سے جس طرح حق صفی (پسندیدگی اور چھانٹ لینے کا حق) ختم ہو گیا اسی طرح اقارب (کی تعیین کر کے ان کو اقارب) کا حصہ دینا بھی واجب نہیں رہا۔ طحاوی نے لکھا ہے یہی قول امام ابو حنیفہؒ اور ابو یوسفؒ اور محمدؒ کا ہے۔

میں کہتا ہوں مذکورہ بالا دونوں دلیلیں ضعیف ہیں چونکہ بنی مطلب ہر طرح بنی ہاشم کے مددگار اور حمایت کنندہ تھے اس

Marfat.com

لئے رسول اللہ ﷺ نے بنی ہاشم کے ساتھ بنی مطلب کو بھی ملا دیا۔ عبد مناف کی اولاد ہونے اور رشتہ میں یگانگت ہونے کی اس میں دخل نہ تھا جس طرح صدقہ کا مال جب بنی ہاشم پر حرام کر دیا تو ان کے چچازادوں یعنی بنی مطلب پر بھی حرام کر دیا اس کی وجہ سے بھی رشتہ کی یگانگت اور سب کا عبد مناف کی اولاد ہونا نہ تھی پھر یہ کہنا بجائے خود غلط ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بنی مطلب کی قرابت ایسی ہی تھی جیسی بنی ہاشم سے کیونکہ بنی ہاشم کی قرابت زیادہ تھی (ایک دادا کی اولاد کی باہم قرابت دادا کے بھائی کی اولاد کی قرابت سے زیادہ قریبی ہوتی ہے۔

اور اگر یہ بات مان بھی لی جائے کہ آیت میں ذوی القربی سے مراد تمام اقارب نہیں بعض اقارب مراد ہیں مگر ان کی تعیین نہیں کی گئی تو یہ ہی کہا جائے گا کہ ذوی القربی کا لفظ مجمل تھا رسول اللہ ﷺ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو دے کر ان کو بیان کر دیا مگر اجمال ہمیشہ ہر وقت اجمال نہیں رہتا کہ رسول اللہ ﷺ کے بیان کے بعد بھی یہ مجمل ہی رہے اور آئندہ پھر بیان کا محتاج ہو۔ پھر اگر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ اللہ نے تعیین اور تقسیم کا اختیار رسول اللہ ﷺ کی رائے پر رکھا تھا لیکن حضور ﷺ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ کی رائے کا سلسلہ منقطع ہو جائے یہ ناقابل تسلیم ہے۔ کیونکہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد یہ تقسیم و تعیین آپ کے خلفاء کی رائے پر موقوف ہونا چاہئے صدقات میں اور مال غنیمت کے خمس میں مسکینوں یتیموں اور مسافروں کا حصہ بغیر تعیین و تخصیص کے کتاب اللہ میں ہے لیکن بعض کو دینا اور بعض کو نہ دینا، یہ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں دے دیا گیا پھر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد یہ اختیار خلفاء کو منتقل ہو گیا۔

پھر تعیین اقرباء کا حق اگر رسول اللہ ﷺ کو دے دیا گیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ذوی القربی کا حصہ بھی رسول اللہ ﷺ کا ہو گیا بالکل اسی طرح جس طرح مسکینوں یتیموں اور مسافروں کی تعیین کا حق رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا مگر ان کے حصہ کا مالک رسول اللہ ﷺ کو نہیں بنایا گیا اور اختیار تعیین رسول اللہ کے ہاتھ میں ہونے کا یہ معنی نہیں کہ ان کے حصے کا مال رسول اللہ کا ہے پس جس طرح ان ہر سہ اقسام کو تقسیم کرنے اور تعیین مخصص کرنے کا اختیار رسول اللہ کے بعد خلفاء کے ہاتھ میں باجماع علماء ہے اسی طرح اقارب کا حصہ تقسیم کرنے کا اختیار بھی حضورؐ کے بعد ساقط نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ خلفاء کے ہاتھوں میں ہونا چاہیئے

## ..... خلفاء راشدین کا عمل کیا تھا؟ .....

خلفاء راشدین کے عمل کو ہر فریق اپنے قول کے ثبوت میں پیش کرتا ہے صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ خلفاء راشدین نے خمس کے مال میں تین سہام قائم رکھے تھے (یتامیٰ مسکین اور ابن السبیل کے باقی رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اقارب کے سہام ساقط کر دیئے تھے) اور خلفائے راشدین کا عمل ہی قابل اقتداء ہے صاحب ہدایہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ خلفاء کے اس عمل کی کسی صحابی نے تردید نہیں کی لہٰذا یہ عمل اجماعی ہو گیا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد خلفاء ذوی القربی کو خمس کا حصہ دیتے تھے اور نادار و مالدار کا کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء حضرت عباسؓ کو ان کا حصہ دیا کرتے تھے باوجودیکہ حضرت عباسؓ مالدار تھے۔

امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں کلبی کی روایت سے ابو صالح کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں خمس کے پانچ سہام کئے جاتے تھے ایک اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا ایک ذوی القربی کا اور تین سہام یتیموں مسکینوں اور مسافروں کے رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے صرف تین سہام قائم کئے۔ رسول اللہ ﷺ اور ذوی القربی کے حصے ساقط کر دیئے پھر حضرت علیؓ نے بھی تینوں خلفاء کی طرح خمس کے تین ہی سہام قائم رکھے۔

امام ابو یوسفؒ نے اس کے خلاف محمد بن اسحاق کی روایت سے بحوالہ زہری یہ قصہ نقل کیا ہے کہ بجدہ نے حضرت ابن

Marfat.com

عباسؓ کو لکھا کہ اب ذوی القربیٰ کا حصہ کس کو دیا جائے۔ حضرت ابن عباسؓ نے جواب میں لکھا تم نے مجھ سے ذوی القربیٰ کے حصہ کے متعلق دریافت کیا ہے کہ ذوی القربیٰ کا حصہ کس کا ہونا چاہئے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ حصہ ہمارا ہے عمر بن خطابؓ نے ذوی القربیٰ کا حصہ ہم کو دینے سے انکار کر دیا بلکہ ہمارے ناخداؤں کی شادی اور قرضداروں کے قرض کی ادائیگی اور ہمارے (ضرورتمندوں) ناداروں کے لئے خدمت گاروں (یعنی باندی غلام) فراہم کرنے میں صرف کرنا چاہا مگر ہم نے اس بات کو ماننے سے انکار کر دیا اور یہی خواہش کی کہ ذوی القربیٰ کا حصہ ہم کو دیا جائے۔

امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے ہم سے قیس بن مسلم نے حسن بن محمد بن حنفیہ کا بیان نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد رسول اللہ ﷺ اور ذوالقربیٰ کے حصوں کے متعلق لوگوں میں اختلاف ہو گیا بعض لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کا حصہ آپ کے خلیفہ کو ملنا چاہئے۔ کسی نے کہا ذوی القربیٰ کا حصہ رسول اللہ ﷺ کے اقارب کے لئے (رہنا) چاہئے اس کے خلاف بعض کا خیال ہوا کہ ذوی القربیٰ کا حصہ خلیفہ کے قرابت داروں کا ہونا چاہئے آخر سب لوگوں کا اتفاق آراء اس امر پر ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ اور ذوی القربیٰ کے حصے (جہاد کے لئے) گھوڑوں اور ہتھیاروں کی خریداری میں صرف کرنا چاہئے۔ طحاوی نے بھی یہ روایت قیس بن مسلم ہی کے حوالہ سے نقل کی ہے اور اتنا زائد بھی نقل کیا ہے کہ یہ واقعہ حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے عہد خلافت کا ہے۔

طحاوی نے محمد بن خزیمہ کی سند سے محمد بن اسحاق کا بیان نقل کیا ہے ابن اسحاق نے بیان کیا میں نے ابو جعفر سے دریافت کیا کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کو جب عراق پر اقتدار حاصل ہو گیا تو آپ نے ذوی القربیٰ کے حصے کے متعلق کیا کیا۔ ابو جعفر نے جواب دیا خدا کی قسم حضرت علیؓ نے ذوی القربیٰ کے حصہ کے متعلق وہی طریقہ اختیار کیا جو حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کا تھا ابن اسحاق نے کہا پھر آپ لوگ یہ کیا کہتے ہیں (کہ ذوی القربیٰ کا حصہ ہمارا ہے) ابو جعفر نے فرمایا اہل عراق حضرت علیؓ کی رائے پر چلتے تھے ابن اسحاق نے کہا پھر حضرت علی کے لئے مانع کیا تھا (کیوں ذوی القربیٰ کا حصہ انہوں نے آپ کو نہیں دیا) ابو جعفر نے فرمایا حضرت کو صرف یہ خیال رہا کہ ابو بکرؓ و عمرؓ کی مخالفت کرنے کی تہمت آپ پر نہ لگائی جائے (لوگ اصل مسئلہ تو سمجھیں گے نہیں بدگمان لوگ حضرت علیؓ کے اس فعل کو بدنیتی پر محمول کریں گے۔

میں کہتا ہوں اگر مذکورہ بالا اقوال صحابہؓ صحیح ثابت ہو جائیں تو ان سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ خلفاء نے مال خمس کے تین حصے کئے اور ذوی القربیٰ کا حصہ ان کو نہیں دیا اور چونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ پورا خمس صرف ایک صنف کو دے دینے کا اختیار خلیفہ کو ہے اور امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے اس لئے ذوی القربیٰ کو ان کا حصہ نہ دینے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا حصہ ساقط کر دیا گیا یا ان کو دینا ناجائز ہے۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے کہ جو امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بیان کی ہے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کا بیان ہے کہ حضرت علیؓ فرمارہے تھے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ مناسب سمجھیں تو یہ حکم نافذ فرما دیجئے کہ ہم لوگوں کا (یعنی ذوی القربیٰ کا) خمس میں جو حق ہے اس کو آپ کی زندگی ہی میں (اقرباء کو) تقسیم کر دوں تاکہ آپ کے بعد اس (حق تولیت و تقسیم) میں ہم سے کوئی نزاع نہ کر سکے حضور ﷺ نے (میری درخواست کے موافق) کر دیا اور مجھے تقسیم کا متولی بنا دیا اور حضور ﷺ کی حیات میں ہی میں نے خمس کا حصہ ذوی القربیٰ کو تقسیم کیا پھر رسول اللہ ﷺ کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے بھی مجھے اس کا متولی رکھا اور میں نے ان کی زندگی بھر (سہم اقارب کی) تقسیم کی پھر حضرت عمرؓ نے بھی مجھے متولی رکھا اور میں نے ان کی زندگی بھر تقسیم کا کام کیا جب عمرؓ کی خلافت کا آخری سال آیا تو (خمس کا) بہت مال آیا اور حضرت عمرؓ نے اس میں سے ہمارا حصہ نکال کر الگ رکھ دیا اور مجھے بلوا کر کہا اس کو لے کر (ذوی القربیٰ کو) بانٹ دو میں نے کہا امیر المومنین ہم لوگوں کو اس سال مال کی ضرورت نہیں ہے اور دوسرے مسلمان حاجت مند ہیں اس لئے دوسروں مسلمانوں کو ہی (ذوی القربیٰ کا) یہ حصہ بھی تقسیم کر دیجئے جب میں حضرت عمرؓ کے پاس سے نکل کر آیا تو حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب سے میری ملاقات ہوئی۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا علیؓ تم نے آج ہم لوگوں کو ایسی چیز سے محروم کر دیا جو آئندہ بھی لوٹ کر ہم کو نہیں

Marfat.com

ملے گی (یعنی ذوی القربی کا حصہ خمس میں سے آئندہ نہیں نکالا جائے گا) چنانچہ حضرت عمر کے بعد سے اب تک ہم کو کسی نے ذوی القربی کا حصہ تقسیم کرنے کے لئے نہیں پایا۔ ابوداؤد نے بھی یہ روایت نقل کی ہے۔ اسی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ ذوی القربی کا حصہ دیتے تھے اس طرح حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ بھی دیتے تھے البتہ آخری سال حضرت علیؓ کے مشورہ سے حضرت عمرؓ نے ذوی القربی کو کچھ نہیں دیا۔ غالباً حضرت ابن عباسؓ کا مذکورہ قول کہ حضرت عمرؓ ہمارے ناکتخدا لوں کا نکاح اور ہمارے قرضداروں کے قرض کی ادائیگی اس مال سے کرنا چاہتے تھے اور ہمارا اصرار تھا کہ ہمارے قبضہ میں (ذوی القربی کا حصہ) دے دیں (ہم جیسا چاہیں کریں) اور حضرت عمرؓ نے اس سے انکار کر دیا تھا یہ واقعہ غالباً خلافت کے آخری سال کا ہے جب حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کو اس کا مشورہ دے چکے تھے دونوں قولوں کے تضاد کو دور کرنے کے لئے یہی تاویل کی جاسکتی ہے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ذوی القربی کا حصہ خلفاء نے ساقط نہیں کیا ذوی القربی مالدار ہوں یا نادار سب کو دینا جائز ہے لیکن اگر ایک صنف کو ضرورت نہ ہو اور دوسری صنف حاجت مند ہو تو ایک صنف کا حصہ دوسری صنف کو امام دے سکتا ہے جیسا کہ حضرت علیؓ کے مشورہ سے حضرت عمرؓ نے کیا اور حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں بھی اسی طریقہ پر عمل کیا امام کی صوابدید کے خلاف کرنا مناسب نہیں۔

امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے کہ مجھ سے عطاء بن سائب کہتے تھے کہ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے رسول اللہ ﷺ اور ذوی القربی کے سہام بنی ہاشم کو بھجوا دیئے تھے میں کہتا ہوں کہ اس کی وجہ غالباً یہ ہو گی کہ عمرؒ بن عبد العزیز کو بنی ہاشم زیادہ ضرورت مند معلوم ہوں گے اس لئے رسول اللہ ﷺ کا حصہ بھی انہوں نے بنی ہاشم کو بھیج دیا۔

ابوداؤد نے لکھا ہے کہ سعید بن میبؒ نے حضرت جبیر بن مطعم کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی ہاشم اور بنی مطلب کو خمس میں سے حصہ عطا فرمایا اور بنی عبد الشمس اور بنی نوفل کو خمس میں سے کچھ نہیں دیا۔ اور حضرت ابو بکرؓ بھی رسول اللہ ﷺ کی تقسیم کی طرح خمس کی تقسیم کرتے تھے مگر رسول اللہ ﷺ کی طرح حضور ﷺ کے اقارب کو نہیں دیتے تھے ہاں حضرت عمرؓ اور آپ کے بعد آنے والے خلفاء ذوی القربی کا حصہ بھی دیتے تھے۔ حضرت جبیر بن مطعم کے اس بیان سے ثابت ہو رہا ہے کہ خلفاء کبھی ذوی القربی کو دیتے تھے کبھی نہیں دیتے تھے اس سے ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے۔

**فصل** :- آیت کی عبارت صراحۃً اس امر پر دلالت کر رہی ہے کہ مال غنیمت پانچواں حصہ خالص اللہ کا ہے جو اللہ کی راہ میں اصناف مذکورہ کو دیا جائے لیکن بطور اشارہ یہ بات بھی معلوم ہو رہی ہے کہ پانچ حصوں میں سے چار حصے ان لوگوں کے ہیں جنہوں نے مال غنیمت حاصل کیا ہو یہ بات اگرچہ صراحۃً مذکور نہیں بطور اشارہ معلوم ہو رہی ہے لیکن صراحت کے حکم میں ہے جیسے آیت میراث میں آیا ہے وَاِنْ لَّمْ یَکُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ اگر میت کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوں تو ماں کا ایک تہائی ہے باپ کا کتنا ہے یہ مذکور نہیں مگر دو تہائی باقی ہیں (اور کوئی دوسرا وارث نہیں) لامحالہ باقی دو تہائی باپ کو دیا جائے گا باپ کے حصہ کا بیان اگرچہ عبارت میں نہیں کیا گیا لیکن یہ منطوق کے حکم میں ہے (کیونکہ ماں کو دینے کے بعد باپ کے سوا کوئی وارث نہیں تو لامحالہ دو تہائی باپ کا ہی ہو گا)۔

مذکورۂ بالا تفصیل کی روشنی میں اس آیت سے آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ کا حکم منسوخ قرار دیا جائے گا الانفال للہ والرسول میں تو سارا اختیار رسول کو دیا گیا ہے کسی دوسرے کا حصہ مال غنیمت میں بالکل مقرر نہیں کیا گیا جیسے سعید بن جبیر کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے جو بخاری نے اپنی تاریخ میں لکھی ہے (اور اس آیت میں رسول اللہ کو خمس کا اختیار دیا گیا اور خمس کے مصرف کی تفصیل کر دی اور اشارہ بغیر عبارت کے باقی چار حصے مجاہدین کے لئے مقرر کر دیئے)۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ آیت انما غنمتم من شی الخ کا نزول غزوہ بنی قینقاع میں ہوا ہجرت کے بیسویں مہینے غزوہ بدر سے ایک ماہ کے بعد ۱۵ شوال کو یہ غزوہ ہوا تھا اسی غزوہ میں یہ حکم نازل ہوا۔ بیہقی نے دلائل میں سعید بن کعب کی روایت

Marfat.com

سے اسی طرح بیان کیا ہے اور سعید بن مسیب کی روایت بھی یونہی ہے صحیح یہ ہے کہ اول آیت قل الانفال نازل ہوئی اور پھر غزوہ بدر کے موقع پر ہی آیت مذکورہ نازل ہوئی (جس نے آیت قل الانفال کے حکم کو منسوخ کر دیا۔

مسئلہ:- پانچ حصوں میں سے چار حصے باجماع علماء اسی لشکر کو دیے جائیں گے جس نے دشمن سے مال غنیمت حاصل کیا ہو کسی ایک فرد کو محروم رکھنے اور نہ دینے کا اختیار خلیفہ کو نہیں ہے۔ البتہ مقتول کے بدن یا قبضہ سے چھینا ہوا مال (کپڑے اسلحہ نقدی سامان) کس کو دیا جائے اس مسئلہ میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا قول ہے کہ مقتول سے چھینا ہوا سامان (زرہ، ہتھیار، لباس، نقدی وغیرہ) قاتل کا ہے بشرطیکہ قاتل نے روبرو سامنے ہو کر ایسے مقام پر آکر قتل کیا ہو کہ مقتول کو بھی قاتل کو قتل کرنے سے کوئی خاص رکاوٹ نہ ہو پس اگر قاتل نے دور سے کوئی تیر چلایا اور وہ مشرکوں کی جماعت میں سے کسی کے لگ گیا اور وہ مر گیا تو مقتول کا سامان قاتل کا نہ ہو گا۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ قاتل اس جماعت میں سے ہو جو مال غنیمت میں حصہ دار ہو (یعنی مجاہدین کی فوج میں سے ہو اگر کوئی بیرونی آدمی جو شریک جہاد نہ ہو کسی مشرک کو قتل کر دے تو مقتول کا مال قاتل کا نہ ہو گا) امام احمدؒ کے نزدیک قاتل حصہ غنیمت کا مستحق ہو یا نہ ہو بہر حال مقتول کا سامان اس کا ہو گا امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک مقتول کا سامان قاتل کا اس وقت ہو گا جب امام نے حکم جاری کر دیا ہو اگر امام نے حکم نہ دیا ہو تو قاتل مقتول کے سامان کا مستحق نہ ہو گا بلکہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وہ سامان مجاہدین کے لشکر کے حصوں میں شامل کر دیا جائے گا (اور سب فوج کو دیا جائے گا) اور امام مالک کے نزدیک اس کو خمس میں شامل کر دیا جائے گا (جو اقارب فقراء و یتامی اور مسافروں کو خمس کے ساتھ تقسیم کیا جائے گا)۔

حضرت ابو قتادہؓ کا بیان ہے ہم غزوہ حنین کے سال رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب ہو کر جہاد کے لئے مدینہ سے چلے دشمن سے مقابلہ ہوا تو (ابتداء) مسلمانوں کو کچھ شکست ہوئی میں نے دیکھا کہ ایک مشرک ایک مسلمان کے اوپر سوار ہے میں نے اس کے پیچھے سے گردن اور کاندھے کے جوڑ پر تلوار ماری جس سے ذرہ کٹ گئی مشرک اس مسلمان کو چھوڑ کر مجھ سے چمٹ گیا اور ایسا دبایا کہ مجھے موت کا مزہ آ گیا لیکن (زخم کی تکلیف سے) وہ فوراً مر گیا اور میں چھوٹ گیا اس کے بعد میں نے حضرت عمرؓ سے فرمایا مسلمانوں کو کیا ہوا کہ بھاگے جا رہے ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کا حکم پھر مسلمان لوٹ آئے (اور دوبارہ منظم ہو گئے) اور رسول اللہ نے بیٹھ کر فرمایا جس نے کسی (مشرک) کو قتل کیا ہو اور اس کے پاس گواہ ہوں تو مقتول سے چھینا ہوا سامان اس قاتل کا ہے میں نے یہ فرمان سن کر کہا کوئی میرے لئے شہادت دینے والا ہے یہ کہہ کر بیٹھ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر وہی الفاظ فرمائے اور میں نے بھی وہی الفاظ کہے کہ کوئی میرے لئے شہادت دے سکتا ہے یہ کہہ کر میں بیٹھ گیا حضور ﷺ نے تیسری بار بھی پہلے کی طرح فرمایا اور میں بھی (شہادت طلب کرنے کے لئے) کھڑا ہو گیا (مگر کسی نے شہادت نہ دی) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو قتادہؓ کیا بات ہے میں نے حضور ﷺ سے واقعہ بیان کر دیا یہ سن کر ایک شخص بولا ابو قتادہؓ نے سچ کہا اس کے مقتول کا سامان میرے پاس ہے (اس کو کچھ دے کر) میری طرف سے راضی کر دیجئے (کہ وہ مقتول کے سامان سے دست بردار ہو جائے) حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا نہ خدا کی قسم ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ کا ایک شیر اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے لڑے اور مقتول کا سامان تجھے دے دے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو بکرؓ نے سچ کہا اس کو دے دے (چنانچہ اس شخص نے مجھے وہ سامان دے دیا میں نے اس سے بنی سلمہ کی آبادی میں کھجوروں کا ایک باغیچہ خرید لیا یہ پہلا مال تھا جو حالت اسلام میں میں نے حاصل کیا۔ رواہ البخاری و مسلم فی صحیحہما۔

طلحونی کی روایت ہے کہ حضرت ابو قتادہؓ نے ایک مشرک کو مارا اور رسول اللہ ﷺ نے مقتول کا سامان اور زرہ ابو قتادہؓ کو عنایت فرما دی۔ آپؓ نے اس کو پانچ لوقیہ میں فروخت کیا۔

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حنین کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا جس نے کسی (مشرک) کو مارا اور مقتول سے چھینا ہوا سامان قاتل کا ہو گا۔ حضرت ابو طلحہؓ نے اس روز بیس مشرکوں کو قتل کیا اور ان کا سامان لے لیا۔ رواہ الدارمی والطحاوی و

Marfat.com

ابو داؤد۔ حضرت سلمہ بن اکوع کا بیان ہے ہم نے رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب ہو کر بنی ہوازن سے جہاد کیا میں نے ایک شخص کو مار ڈالا اور اس کا اونٹ مہار پکڑ کر کھینچتا لے آیا اونٹ پر مقتول کا سب سامان اور اسلحہ لدا ہوا تھا سامنے سے رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ساتھ لئے تشریف لے آئے اور دریافت فرمایا فلاں شخص کو کس نے قتل کیا ہے لوگوں نے جواب دیا ابن اکوع نے فرمایا مقتول کا سب سامان ابن اکوع کا ہے، رواہ الطحاوی۔

حضرت سلمہ بن اکوع کی روایت ہے کہ مشرکوں کا ایک جاسوس رسول اللہ ﷺ کے پاس آکر بیٹھ گیا اور صحابہؓ کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگا پھر چپکے سے سرک گیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس کو تلاش کر کے قتل کر دو میں نے سب سے پہلے اس کو تلاش کر کے قتل کر دیا اور اس کا سامان لے لیا حضور ﷺ نے وہ سامان مجھے ہی عنایت فرمادیا، رواہ الطحاوی۔ حاکم نے واقدیؒ کی سند سے بیان کیا ہے کہ محمد بن مسلمہ نے مرحب کی دونوں پنڈلیوں کو تلوار کی ضرب سے کاٹ دیا مگر کام تمام نہیں کیا ادھر سے حضرت علی کا گذر ہوا آپ نے اس کی گردن مار دی اور رسول اللہ ﷺ نے محمد بن مسلمہ کو مرحب کا سامان (اسلحہ لباس وغیرہ) عنایت فرمادیا۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ہی مرحب کو قتل کیا تھا صحیح مسلم میں اسی کی صراحت آئی ہے۔

حضرت عوف بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کا سامان قاتل کے لئے قرار دیا۔ رواہ الطحاوی دوسری روایت میں علاوہ حضرت عوفؓ بن مالک کے حضرت خالدؓ بن ولید سے بھی یہی حکم منقول ہے امام احمد، ابو داؤد اور طبرانی نے بھی یہ روایت بیان کی ہے۔ امام احمد نے حضرت عوف بن مالک اور حضرت خالد بن ولید کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول سے چھینے ہوئے سامان کو پانچ حصوں پر تقسیم نہیں کیا (بلکہ کل سامان قاتل کے لئے مقرر فرمادیا۔

ابو داؤد ابن حبان اور طبرانی نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کے سامان کا قاتل کو دینے کا فیصلہ صادر فرمایا اور اس کے پانچ حصے نہیں کئے امام احمدؒ نے حضرت سمرہ بن جندب کی روایت سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ جو کسی کو مار ڈالے تو مقتول سے چھینا ہوا سامان قاتل کا ہے اس حدیث کی سند میں کوئی خرابی نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ ایک مشرک نے مسلمانوں کو دعوت مقابلہ دی، رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیرؓ کو مقابلہ کا حکم دیا حضرت زبیرؓ نے صف سے نکل کر اس مشرک کو قتل کر دیا۔ حضور ﷺ نے اس کا سامان حضرت زبیرؓ کو دے دیا، روی الطحاوی۔

ابن ہمام نے لکھا ہے اس میں تو کلام نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا تھا کہ جس نے کسی کو قتل کر دیا ہو تو مقتول کا سامان قاتل کا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کیا قانون کا درجہ رکھتا ہے جس پر عمل ہر وقت اور ہر حالت میں ہونا چاہئے یا محض عنایت اور ترغیبی فرمان تھا جو اس واقعہ میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔ امام شافعی کے نزدیک اس کلام کا درجہ قانون کا ہے اصل ضابطہ یہی ہے کہ فرمان رسالت قانون شرعی ہوتا ہے (بشرطیکہ ہنگامی اور خصوصی نہ ہو)۔

میں کہتا ہوں کہ حضرت ابو قتادہ کی روایت کی رفتار بتا رہی ہے کہ قتل سے پہلے یہ حضرت ابو قتادہؓ پر محض عنایت ہی نہ تھی بلکہ جب حضرت ابو قتادہؓ نے قتل کر دیا تو حضور ﷺ نے یہ حکم دیا۔ حضرت سلمہؓ بن اکوع کی روایت بھی اسی طرح ہے۔

حدیث میں جو صراحت کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کے سامان کے پانچ سہام نہیں کئے اس سے امام مالک کے قول کے خلاف امام شافعی و امام احمد کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کیونکہ امام مالک مقتول کے سامان کے بھی پانچ حصے کرنے کے قائل ہیں۔

فائدہ :- حضرت انسؓ بن مالک راوی ہیں کہ براء بن مالک (برادر انسؓ بن مالک) نے فارس کے ایک مرزبان سے مقابلہ کیا اور برچھا مار کر اس کی کاٹھی کا اگلا حصہ توڑ کر اس کو زخمی کر دیا جس سے وہ مر گیا پھر اس کے سامان کی قیمت کا اندازہ کیا گیا تو کوئی تیس ہزار کا سامان معلوم ہوا فجر کی نماز جب ہم پڑھ چکے تو حضرت عمرؓ تشریف لائے اور ابو طلحہؓ سے فرمایا پہلے ہم مقتول کے سامان کے پانچ حصے نہیں کرتے تھے لیکن براء نے جو سامان چھینا ہے اس کی قیمت بڑی ہے لہٰذا ہم نے اس کے پانچ سہام کرنے کی

Marfat.com

تجویز کی ہے۔ چنانچہ تخمینہ سے اس سامان کی قیمت ۳۰ ہزار قرار پائی تو ہم نے (پانچویں حصہ کی قیمت) چھ ہزار (حضرت عمرؓ کو) دے دیئے اور چار سہام یعنی ۲۴ ہزار کا سامان تو یونہی حضرت براء کا تھا ہی چھ ہزار ادا کرنے کے بعد کل سامان حضرت براء کا ہو گیا)، رواہ الطحاوی۔

طحاوی کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ براء بن مالک نے فارس کے ایک سردار کو دو بدو مقابلہ کر کے قتل کر دیا اور اس کا سامان اتار لیا اور حضرت عمرؓ کو تحریری اطلاع دے کر حکم طلب کیا حضرت عمرؓ نے سپہ سالار کو لکھ بھیجا کہ سامان کا پانچواں حصہ اپنے قبضہ میں لے لو اور باقی (چار حصے) براء کو دے دو امیر لشکر نے پانچواں حصہ لے لیا یہ دونوں آثار بتا رہے ہیں کہ مقتول کا سامان ہے تو قاتل کا اور اس کے پانچ سہام قائم کرنا درست نہیں ہے لیکن اگر مال زیادہ ہو اور خلیفہ اس میں سے پانچواں حصہ نکال لینا چاہے تو نکال سکتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ مقتول کے سامان کو قاتل کے لئے مخصوص اس وقت قرار دیا جا سکتا ہے جبکہ امام نے ترغیب جہاد کے زیر اثر ایسا حکم دیا ہو طبرانی نے اوسط اور کبیر میں ایک واقعہ نقل کیا ہے جس سے امام کے قول کی تائید ہوتی ہے قصہ یہ ہے کہ حبیبؓ بن سلمہ کی اطلاع ملی کہ والیٔ قبرص آذربائیجان کے راستے پر جانے کے لئے نکلا ہے اور اس کے ساتھ زمرد یاقوت اور موتی وغیرہ کثرت سے ہیں یہ خبر سن کر حبیبؓ نکل کھڑے ہوئے اور پہنچ کر والیٔ قبرص کو قتل کر کے اس کا سامان لے آئے ابو عبیدہؓ (جنرل کمانڈر) نے اس مال کا پانچواں حصہ (مال غنیمت کی طرح) لینا چاہا تو حبیبؓ نے کہا اللہ نے جو کچھ مجھے عطا فرمایا ہے اس سے آپ مجھے محروم نہ کریں رسول اللہ ﷺ نے مقتول سے چھینا ہوا سامان قاتل کا قرار دیا ہے۔ معاذؓ بولے حبیبؓ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آدمی کو وہی لینا چاہئے جو بطیب خاطر اس کا امام حاکم اس کو دے دے۔ یہ روایت مخدوش ہے اس کی سند میں ایک راوی عمرو بن واقد ہے اسحاق بن راہویہ نے اپنی سند سے جنادہ بن امیہ کی روایت سے اس کو نقل کیا ہے اس روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ حبیبؓ والیٔ قبرص کا سامان پانچ خچروں پر لدا ہوا لے کر آئے دیبا (ریشمی دریائی) کپڑا تھا اور یاقوت وزبرجد تھے حبیب نے سب لینا چاہا اور حضرت ابو عبیدہؓ کچھ دینا چاہتے تھے حبیبؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی (مشرک) کو مار ڈالے تو مقتول کا سامان اسی (قاتل) کا ہے ابو عبیدہؓ نے کہا حضور ﷺ کا یہ فرمان ہمیشہ کے لئے نہ تھا (بلکہ ہنگامی اور خصوصی تھا) معاذؓ نے یہ قصہ سنا تو آپ حضرت ابو عبیدہؓ اور حضرت حبیبؓ کے پاس گئے دونوں اس وقت جھگڑ رہے تھے۔

حضرت معاذؓ نے کہا (حبیب) تم اللہ سے نہیں ڈرتے تمہارا امام جو بطیب خاطر تم کو دے رہا ہے تم اس کو کیوں نہیں قبول کرتے تمہارا مال تو بس وہی ہے جو تمہارا امیر بطیب خاطر تم کو دے دے حضرت معاذؓ نے اس مضمون کا ایک فرمان نبوی بھی بیان کیا آخر سب کا معاذؓ کے قول پر اتفاق رائے ہو گیا اور ابو عبیدہؓ نے خمس لینے کے بعد باقی چار سہام حبیبؓ کو دے دیئے اور حبیبؓ نے ان کو ایک ہزار دینار میں فروخت کیا اس روایت کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

صحیحین میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا بیان ابو جہل کے قتل کے سلسلہ میں منقول ہے اس بیان میں یہ بھی آیا ہے کہ معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء کی تلواریں رسول اللہ ﷺ نے معائنہ فرمائیں اور معائنہ کے بعد فرمایا تم دونوں نے اس کو قتل کیا ہے۔ لیکن ابو جہل کا سارا سامان حضورؐ نے معاذ بن عمرو بن جموح کو دے دیا معاذؓ بن عفراء کو کچھ نہیں دیا اگر مقتول کا سامان قاتل کو دینا (عموماً) لازم ہوتا تو (چونکہ دونوں قاتل تھے اس لئے) دونوں کو وہ سامان دیا جاتا۔

مسلم اور ابو داؤد نے لکھا ہے کہ حضرت عوف بن مالک اشجعی نے بیان کیا کہ موتہ کے جہاد میں زیدؓ بن حارث کے ساتھ گیا ایک یمنی شخص مددی بھی میرا رفیق سفر تھا رومیوں کی جماعت سے ہمارا مقابلہ ہوا رومیوں کی جماعت کا ایک شخص سرنگ گھوڑے پر سوار تھا اس کی زین بھی سنہری تھی اور ہتھیار بھی سنہری تھے وہ مسلمانوں سے لڑنے کی ترغیب دے رہا تھا مددی اس کے انتظار میں ایک پتھر کی آڑ لے کر بیٹھ گیا جب رومی پتھر کی طرف سے گذرا تو مددی نے حملہ کر دیا اور اس کے گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں رومی گر پڑا مددی اس پر سوار ہو گیا اور قتل کر دیا اور اس کے گھوڑے اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیا۔ مسلمانوں کی فتح

Marfat.com

کے بعد حضرت خالدؓ بن ولیدؓ (جنرل کمانڈر) نے مدوی سے کچھ چھینا ہوا مال (یعنی خمس) لے لیا حضرت عوف کا بیان ہے کہ میں خالدؓ کے پاس گیا اور ان سے کہا کیا آپ کو معلوم نہیں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کا سامان قاتل کا قرار دیا ہے فرمایا بے شک ایسا ہے لیکن میرے خیال میں مقتول کا سامان بہت تھا اس لئے میں نے کچھ حصہ لے لیا میں نے کہا تو آپ واپس کر دیں ورنہ میں رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع دوں گا خالدؓ نے واپس کرنے سے انکار کر دیا غرض جب ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جمع ہوئے تو میں نے مدویؓ کا قصہ اور خالدؓ کے سلوک کا تذکرہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خالدؓ تم نے جو کچھ اس سے لیا ہے واپس دے دو میں نے یہ حکم سن کر کہا لو خالدؓ کیا میں نے تم سے پوری بات نہیں کہہ دی تھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے میں نے واقعہ عرض کر دیا واقعہ کی تفصیل سن کر حضورؐ کو غصہ آ گیا اور فرمایا خالدؓ (کچھ) واپس نہ کرنا۔ میرے لئے تم میرے مقرر کردہ امیروں کو چھوڑ دو (میں جانوں اور وہ جانیں) ان کے حکم کی بھلائی تم کو پہنچے گی اور حکم کی برائی خود ان پر پڑے گی (یعنی شرع کے مطابق حکم ہو یا خلاف بہر حال اس کی اچھائی برائی کے اللہ کے ہاں وہ ذمہ دار ہیں تمہارا کام حکم کو ماننا ہے یہی تمہارے لئے اچھائی ہے)۔

یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ مقتول کے کل سامان کا قاتل کو استحقاق نہیں ورنہ یہ ہرگز نہ ہوتا کہ پہلے تو رسول اللہ نے خالد کو حکم دیا کہ جو کچھ لیا ہے واپس دے دو پھر حکم دیا کہ واپس نہ دو اگر لازمی استحقاق ہوتا تو مستحق کا حق ادا کرنے کی رسول اللہ ﷺ ممانعت نہ فرماتے۔

خطابی نے ممانعت واپسی کی یہ علت بیان کی ہے کہ اس سے عوف کو تنبیہ کرنی مقصود تھی تاکہ والیان حکومت کے خلاف لوگ جرات نہ کریں خالدؓ کا فیصلہ اجتہادی تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسی کو جاری رکھا کثیر فائدہ کے لئے قلیل ضرر قابل برداشت ہوتا ہے ابن ہمام نے کہا خطابی کا یہ قول غلط ہے کیونکہ (امیر لشکر کے خلاف جس نے حدیث پیش کرنے کی جرات کی تھی اور امیر کے حکم کی) جس نے مخالفت کی تھی وہ مقتول کے سامان کا مالک نہ تھا حقدار تو مدوی تھا اور خالدؓ کے فیصلہ کی مخالفت کرنے والے عوف تھے اور ایک کے جرم کی سزا دوسرا نہیں اٹھا سکتا اصل وجہ یہ تھی کہ اول رسول اللہ ﷺ نے مدویؓ کی خالد سے سفارش فرمائی کہ بطور عنایت پورا سامان ان کو دے دیں پھر جب ناراض ہو گئے تو اپنی سفارش واپس لے لی اور پورا مال دینے کی ممانعت فرما دی۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ناراضگی کی حالت میں ایسے شخص کا حق ادا کرنے سے روک دیا جو بے قصور تھا کسی جرم کا صدور اس سے نہیں ہوا اس سے معلوم ہوا کہ مقتول کا سامان قاتل کو ملنا کوئی قانونی چیز نہیں (امام کے اختیار پر موقوف ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ اول تو حبیبؓ والے قصہ کی حدیث معلول اور ضعیف ہے اور بر تقدیر صحت اس سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ مقتول کے سامان کا پانچواں حصہ امیر وصول کر سکتا ہے مقتول کے سامان میں قاتل کا کوئی حصہ نہیں اور یہ دوسرے مال غنیمت کی طرح ہے (جس کے چار حصے عام مجاہدین کو دیئے جائیں اور ایک حصہ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کا نکالا جائے) اس کا ثبوت اس قصہ سے نہیں ہوتا، رہا ابو جہل سے اتارے ہوئے ہتھیاروں اور سامان کا واقعہ تو وہ منسوخ ہے۔

بیہقی نے لکھا ہے کہ آیت قل الانفال لله والرسول کی رو سے بدر کا کل مال غنیمت رسول اللہ ﷺ کا تھا جس کو چاہیں دیں حضور ﷺ نے اس میں سے ان لوگوں کو بھی دیا جو بدر میں شریک نہ تھے پھر بدر کے بعد آیت غنیمت (واعلموا انما غنمتم من شی الخ) نازل ہوئی اور حضور ﷺ نے مقتول سے چھینا ہوا مال قاتل کے لئے مقرر کر دیا اور یہی حکم قائم ہو گیا حضرت عوفؓ نے حضرت خالدؓ سے کہا تھا کہ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مقتول کا سامان قاتل کیلئے مقرر کر دیا ہے اور اس کے جواب میں حضرت خالدؓ کا اقرار کرنا پھر رسول اللہ کا خالد کو حکم دینا کہ جو کچھ لیا ہے اس کو واپس دے دیں یہ تمام امور اس بات پر دلالت کر رہے ہیں کہ قانون عمومی تھا اور ضابطہ کی حیثیت رکھتا تھا۔ پھر مدویؓ نے اگرچہ خود امیر کے خلاف جرأت نہیں کی تھی بلکہ حضرت عوف نے ان کی حمایت میں جرات کی تھی۔ لیکن چونکہ مدویؓ خود اس حمایت و وکالت پر راضی تھے اس لئے تنبیہ کے مستحق تھے اس لئے خالد نے جو مال ان سے لیا تھا اس کی واپسی کی ممانعت کر دی گئی .... پھر

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمانا کہ میرے لئے مقرر کردہ امیروں کو رہنے دو الخ، اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ امیر خواہ ظلم اور حق تلفی کرے اور کسی کا حق روک لے تب بھی لوگوں پر اس کی اطاعت واجب ہے ظلم کی سزا وہ خود بھگتے گا۔

مسئلہ:- تنفیل یعنی کسی کو حصہ سے زائد دے دینے کا حق باتفاق علماء امیر کو ہے بشرطیکہ دوران قتال میں، قتل سے پہلے امیر نے اس کا اظہار کر دیا ہو کیونکہ درحقیقت یہ ترغیب جہاد کی ایک صورت ہے اور امیر ترغیب جہاد پر مامور ہے اللہ نے فرمایا وحرض المومنین علی القتال اور مسلمانوں کو لڑنے پر برانگیختہ کرو۔

لہٰذا اگر امیر یہ اعلان کر دے کہ جو شخص کسی مشرک کو قتل کر دے گا تو اس کو دس روپیہ دیئے جائیں گے یا جو شخص اس قلعہ میں داخل ہو جائے گا اس کو اتنا انعام دیا جائے گا یا فوجی دستہ سے کہہ دے کہ خمس نکالنے کے بعد تم کو باقی مال کا آدھا یا چوتھائی حصہ (بطور انعام) دیا جائے گا یا یوں کہے کہ جو کسی عورت کو گرفتار کرے گا اس کو اسی کی باندی بنا دیا جائے گا یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ بعض فوجی دستوں کو رسول اللہ ﷺ بھیجا کرتے تھے اور عام لشکریوں کے حصہ کے علاوہ خصوصیت کے ساتھ ان کو بطور انعام کچھ مزید عنایت فرما دیا کرتے تھے، متفق علیہ۔

یہ بات کہنا اور اس کا اعلان کرنا کہ جس شخص کے ہاتھ جو چیز لگے وہ اسی کی ہے ناجائز ہے اس سے اس خمس کا قانون ٹوٹ جائے گا جس کی صراحت اللہ نے اپنی کتاب میں فرما دی ہے۔ پھر احادیث میں پیادوں اور سواروں کے حصوں کی جو مقدار آئی ہے اس کا بھی ابطال ہو جائے گا۔ اسکے علاوہ جن مجاہدین کے ہاتھ میدان جنگ میں کوئی مال غنیمت نہ آیا ہو گا وہ مال غنیمت کا حصہ پانے سے محروم ہو جائیں گے اصناف کی بعض روایات میں آیا ہے کہ اگر امیر مناسب سمجھے تو جتنا مال غنیمت کسی کے ہاتھ آیا ہو وہ سبکاسب اس (جماعت یا فرد) کو دے سکتا ہے حاکم نے تحول کی وساطت اور ابو امامہ کی روایت سے حضرت عبادہ بن صامت کا بیان نقل کیا ہے کہ بدر کے دن مقابلہ کے وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس کے ہاتھ جو (مال غنیمت) لگے وہ اسی کا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ آیت خمس جو اس کے بعد نازل ہوئی وہ اس حکم کی ناسخ ہے پس آیت خمس سے یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ:- انعام ان چہار سہام میں سے دیا جائے گا جو خمس نکالنے کے بعد باقی رہتے ہیں اور دار الاسلام میں جمع ہونے سے پہلے دیا جائے گا لیکن دار الاسلام میں جمع ہونے کے بعد پھر ان چار سہام میں سے انعام نہیں دیا جائے گا بلکہ خمس میں سے دیا جائے گا یہ تفریق امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک ہے امام شافعی اور امام مالکؒ کے نزدیک تو بہر حال خمس میں سے دیا جائے گا۔ کیونکہ اس کا مدار صرف امیر کی صواب دید پر ہے۔ امام مالکؒ نے ابو الزیاد کی روایت سے سعید بن مسیبؒ کا قول نقل کیا ہے کہ لوگ (یعنی صحابہؓ) خمس میں سے ہی انعام دیا کرتے تھے ابن ابی شیبہ نے بھی سعید بن مسیب کا بیان اسی کے ہم معنی نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خمس کے ہمارے مقررہ حصہ کے علاوہ کچھ زائد عطا فرمایا چنانچہ مجھے ایک بوڑھا اونٹ ملا، متفق علیہ۔ امام ابو حنیفہ اس طرح کی روایات کو اس حالت پر محمول کرتے ہیں جب دار الاسلام میں مال پہنچ گیا ہو اور دار الاسلام میں پہنچنے سے پہلے تو انعام مجاہدین کے چار سہام میں سے ہی دیا جائے گا کیونکہ انعام پانے والے مجاہدین ہی ہوں گے یا تمام مساکین اور مسافر نہیں ہوں گے بغوی نے لکھا ہے کہ انعام اس مال میں سے دیا جائے گا جو خمس میں رسول اللہ ﷺ کا مقرر ہے یہی قول سعیدؒ بن مسیب کا بھی ہے امام شافعیؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا تھا کہ جو مال غنیمت اللہ نے تم کو عنایت کیا اس میں سے میرے لئے سوائے خمس (پانچویں حصہ) کے اور کچھ نہیں اور خمس بھی تم کو ہی لوٹا کر دے دیا جاتا ہے اس فرمان کا مطلب بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے حصہ میں سے (یعنی خمس میں سے) انعام دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں اگر رسول اللہ ﷺ نے خمس کے خمس یعنی مال غنیمت کے پچیسویں حصہ میں سے جو خالص طور پر حضور ﷺ ہی کے لئے تھا کسی کو کچھ عنایت کیا تو یہ حضور ﷺ کی طرف سے ایک موہبت اور بخشش تھی اس سے یہ تو ثابت نہیں ہو تا کہ مجاہدین کے حصہ کے مال میں سے کسی کو بطور انعام کچھ دینا ناجائز ہے، دیکھو ترمذی، ابن ماجہ اور ابن حبان نے حضرت عبادہ بن صامت کا بیان نقل کیا ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم نفل فی البداۃ الربع وفی الرجعۃ الثلث اس حدیث

Marfat.com

کا مطلب خطابی نے یہ بیان کیا ہے کہ جب کوئی فوجی دستہ شروع میں کسی جہاد پر جاتا ہے تو رسول اللہ ﷺ بطور انعام اس کے لئے مال کا چہارم حصہ مقرر فرماتے اور جب سفر سے واپس آکر بغیر کسی آرام وراحت کے فوراً دوبارہ کسی جہاد پر چلے جاتے تو ان کے لئے ایک تہائی حصہ مقرر فرمادیتے کیونکہ پہلی مرتبہ جہاد کے لئے جانا زیادہ تکلیف دہ اور شاق نہیں ہوتا تھا اس لئے انعامی رقم کم مقرر کی جاتی تھی اور تھک کر سفر سے لوٹنے کے بعد دوبارہ پھر جہاد کے سفر پر جانا بڑا تکلیف دہ ہوتا تھا اس لئے اس کی انعامی رقم بھی زیادہ مقرر کی جاتی تھی۔ ابوداؤد نے حبیب بن سلمہ فہری کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے۔

میں کہتا ہوں اس حدیث سے ان لوگوں کے قول کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ انعام زائد خمس (کل مال غنیمت کے پانچویں حصے) میں سے یا خمس کے خمس (کل مال غنیمت کے پچیسویں حصے) میں سے ہی دینا جائز ہے مجاہدین کے حصے کے مال (یعنی کل مال غنیمت کے ۴/۵ سہام) میں سے دینا درست نہیں کیونکہ حدیث میں تہائی اور چوتھائی کا ذکر ہے اور خمس کا تہائی یا چوتھائی ممکن نہیں لامحالہ مجاہدین کے حصوں کا یا کل مال غنیمت کا چوتھائی تہائی ہی حدیث میں مراد ہے اور طحاوی کا یہ قول غلط ہے کہ خمس کا تہائی چوتھائی حدیث میں مراد ہے حدیث میں یہ قید نہیں ہے خمس کی قید خود ساختہ ہے اور حدیث کو اپنے مطلب کے سانچہ میں ڈھالنے کی ایک کوشش ہے خود امام طحاوی نے حبیب بن سلمہ والی حدیث میں الربع بعد الخمس والثلث بعد الخمس کے الفاظ نقل کئے ہیں (جس کا مطلب صاف ہے کہ خمس نکالنے کے بعد جو مجاہدین کے چار سہام باقی رہتے ہیں ان میں سے چوتھائی یا تہائی حصہ بطور انعام مزید دیا کرتے تھے) امام احمد نے بھی یہی الفاظ نقل کئے ہیں اسی سے ابن جوزی نے استدلال کیا ہے کہ ۴/۵ سہام میں سے انعام مزید دینا جائز ہے۔

مسئلہ:- جنگ کے خاتمہ پر اگر امیر لشکر کو کسی کی کوشش دوسروں کی کوشش سے زیادہ معلوم ہوئی ہو تو جائز ہے کہ امیر اس کو اس کے تقسیمی حصہ سے الگ کچھ مزید بھی دے دے خواہ دوران جنگ یا جنگ سے پہلے کوئی انعامی اعلان نہ کیا ہو۔ امام صاحب کے نزدیک صورت مذکورہ میں صرف خمس میں سے انعام دیا جاسکتا ہے لشکر والوں کے حصوں کو کاٹ کر نہیں دیا جاسکتا ہے ان کے حق کو کم نہیں کیا جاسکتا۔

## امام اعظمؒ کے مسلک پر اعتراض

حضرت سلمہ بن اکوع کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے غلام حضرت رباح کے ساتھ کچھ اونٹ روانہ کئے میں بھی رباح کے ساتھ تھا صبح ہوئی تو عبدالرحمن فزاری نے حملہ کر دیا اور رسول اللہ ﷺ کے اونٹ لوٹ لئے میں نے (بھاگ کر) ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر مدینہ کی طرف منہ کر کے تین بار چیخ کر کہا یا صباحاہ (یعنی اونٹ لوٹ لئے گئے) پھر اتر کر لٹیروں کے تعاقب میں چل دیا اور دور سے ان کے تیر مارنے لگا تیر مارتا تھا اور بطور رجز گاتا جاتا تھا انا ابن الاکوع والیوم یوم الرضع اس طرح میں برابر ان پر تیر برساتا اور زخمی کرتا چلا جارہا تھا آخر مجبور ہو کر انہوں نے حضور ﷺ کے تمام اونٹ چھوڑ دیئے (یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کا ہر اونٹ میں نے اپنے پیچھے چھوڑ دیا (یعنی سب چھین لئے اور سب کو اپنے پیچھے چھوڑ کر لٹیروں کے تعاقب میں مشغول رہا) بالآخر انہوں نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے تیس چادریں اور تیس برچھے پھینک دیئے (تاکہ بھاگنے میں آسانی ہو) جو چیز وہ پھینکتے جاتے تھے میں اس پر پتھر جمع کر کے رکھ دیتا تھا تاکہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ شناخت کر لیں میں نے ان کا پیچھا اس وقت تک کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے سوار مجھے نظر آگئے (جو مدینہ سے روانہ ہو کر پہنچ گئے تھے) رسول اللہ ﷺ کے سوار ابو قتادہؓ نے عبدالرحمن فزاری کو جا پکڑا اور اس کو قتل کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج سب سے اچھا سوار ابو قتادہؓ اور سب سے اچھا پیادہ سلمہؓ ہے پھر حضور نے مجھے دو حصے عطا فرمائے ایک حصہ سوار کا اور ایک حصہ پیادہ کا۔ دونوں حصوں کا مجموعہ مجھے عنایت فرمایا پھر مدینہ کو واپسی میں عضباء اونٹنی پر اپنے پیچھے مجھے سوار کر لیا، رواہ مسلم۔

Marfat.com

## .....احناف کی طرف سے جواب.....

یہ حدیث ابن حبانؒ نے بھی بیان کی ہے اور ابن حبان نے کہا ہے کہ اس جہاد میں سلمہ بن اکوع پیدل تھے رسول اللہؐ نے اپنے خمس میں سے ان کو (انعامی) حصہ دیا تھا مسلمانوں کے حصوں میں سے کاٹ کر نہیں دیا تھا۔

قاسم بن سلام نے بھی یہ بیان نقل کیا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ابن مہدی کہتے تھے میں نے یہ حدیث سفیان سے بیان کی تو انہوں نے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کی خصوصیت تھی (کہ جس کو جتنا چاہیں دوسرے مسلمانوں کا حصہ کاٹ کر دے دیں) قاسم نے کہا اس کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مخصوص قرار دینا ہی میرے نزدیک زیادہ مناسب ہے کیونکہ اگر رسول اللہ ﷺ نے اپنے حصہ میں سے دیا ہو تا تو اس کو بخشش کہنا چاہئے تھا انعام مزید نہ کہنا چاہئے تھا۔

میں کہتا ہوں دونوں تاویلوں میں سے کسی کی ضرورت نہیں نہ ابن حبان کی بیان کردہ تاویل کی نہ قاسم کی توجیہ کی، ہم عنقریب ذکر کریں گے کہ سلمہ بن اکوع نے بیان کیا کہ حضرت ابو بکرؓ کی ہمرکابی میں ہم نے بنی فزارہ سے جہاد کیا اس بیان میں ہے کہ مسلمان قیدیوں کا غیر مسلم قیدیوں سے تبادلہ کر لیا گیا اور حضرت ابو بکرؓ نے سلمہ کو ایک (قیدی) عورت بطور انعام عنایت کی۔

حضرت عبادہؓ بن صاحت اور حضرت حبیبؓ بن سلمہؓ کی روایت سے جو حدیث ہے کہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم نفل فی بدائۃ الربع وفی رجعتہ الثلث اس حدیث کا مطلب بعض علماء نے یہ بیان کیا ہے کہ قتال کے شروع میں تو رسول اللہ ﷺ نے چوتھائی مال مقرر کیا تھا لیکن قتال سے واپسی کے بعد ایک تہائی مال بطور انعام عطا فرمایا اس مطلب کی روشنی میں طحاوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قتال سے واپسی پر ایک تہائی مال اس مال میں سے دیا جو رسول اللہ ﷺ کے لئے تھا یعنی خمس میں سے طحاوی نے یہ تاویل اپنے اور امام ابو حنیفہ کے قول کو درست ثابت کرنے کے لئے کی ہے۔

بعض مجاہدین کو بطور انعام ان کے حصہ کے علاوہ مال غنیمت میں سے کچھ دینا باتفاق آراء صحابہؓ کے نزدیک جائز تھا صرف محل انعام میں اختلاف تھا۔ طحاویؒ نے مختلف سندوں سے حضرت انسؓ کی روایت نقل کی ہے حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں ایک جہاد میں عبید اللہ بن ابی بکرؓ کے ساتھ تھا جہاد میں کچھ قیدی ہاتھ آئے۔ حضرت عبید اللہ نے تقسیم غنیمت سے پہلے ایک قیدی (غلام یا باندی) مجھے دینا چاہی میں نے کہا نہیں پہلے تقسیم کرو، تقسیم کے بعد خمس میں سے مجھے یہ (زائد) دے دینا، عبید اللہ نے یہ بات ماننے سے انکار کر دیا اور کل مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے دینا چاہا میں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور عبید اللہؓ نے خمس میں سے دینے سے انکار کر دیا۔

طحاوی نے سلیمانؒ بن یسار کی روایت لکھی ہے۔ سلیمانؒ نے کہا ہم مغرب (افریقہ) کے جہاد میں معویہ بن خدیج کے ساتھ تھے معاویہؓ نے لوگوں کو (ان کے حصہ سے) کچھ زائد مال بطور عطیہ دیا ہمارے ساتھ صحابہؓ موجود تھے لیکن سوائے جبلہ بن عمرو کے کسی نے اس کو رد نہیں کیا خالد بن ابی عمرانؒ کا بیان ہے میں نے سلیمان سے جہاد میں کچھ زائد مال (یعنی جو حصے سے زائد ہو) کے متعلق دریافت کیا فرمایا میں نے کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا صرف ابن خدیج نے ایسا کیا تھا افریقہ میں خمس نکالنے کے بعد بقیہ مال کا نصف ہم کو دیا تھا اس وقت ہمارے ساتھ مہاجرین اولین میں سے بہت سے صحابی موجود تھے (کسی نے لینے سے انکار نہیں کیا) صرف جبلہ نے لینے سے انکار کر دیا۔

مسئلہ:- جو چار سہام مہاجرین کے ہیں ان کی تقسیم اس طرح ہو گی کہ پیادہ کو اکہرا حصہ اور گھوڑے سوار کو تین گونہ حصہ دیا جائے گا۔ ایک حصہ سوار کا اور دو حصے اس کے گھوڑے کے۔

قاضی عبد الوہاب نے کہا صحابہؓ میں سے حضرت عمر اور حضرت علی کا یہی فیصلہ تھا اور کسی صحابی نے اس کی مخالفت نہیں کی۔ تابعین میں سے عمرؒ بن عبد العزیز اور ابن سیرینؒ اسی کے قائل تھے۔ فقہاء میں سے مالکؒ اوزاعیؒ لیث بن سعدؒ سفیان ثوریؒ

Marfat.com

شافعیؒ احمد بن حنبلؒ ابو ثورؒ ابو یوسفؒ اور محمدؒ بن حسن کا بھی اسی پر اتفاق ہے صرف امام ابو حنیفہ اس کے خلاف ہیں ان کے نزدیک سوار کے دو حصے اور پیادہ کا ایک حصہ ہوگا۔

جمہور نے مندرجہ ذیل احادیث سے استدلال کیا ہے حضرت زبیر بن عوام کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ایک حصہ اور میرے گھوڑے کے دو حصے عطا فرمائے، رواہ احمد۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ خالد حداء کہتے ہیں اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے جو احادیث منقول ہیں سب میں سوار کے تین حصے آئے ہیں دار قطنی نے حضرت زبیرؓ بن عوام کے بیان کی طرح حضرت جابرؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت سہلؓ بن حشمہ کی روایت بھی نقل کی ہیں۔ عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حزم نے ابن اسحاق کی سند سے غزوہ بنی قریظہ کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے سوار اور اس کے گھوڑے کے تین حصے مقرر فرمائے ایک سوار کا اور دو گھوڑے کے۔

اسی موضوع کی حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے کے دو حصے اور گھوڑے والے کا ایک حصہ مقرر فرمایا اس حدیث کو بخاری نے اور نسائی کے علاوہ دوسرے اصحاب السنن نے بیان کیا ہے۔ مسلم میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے زائد (انعام) بانٹنے کے وقت گھوڑے کے دو اور پیادہ کا ایک حصہ مقرر فرمایا۔ دوسری روایت میں زائد (انعام) کا لفظ نہیں ہے ایک اور روایت میں تین حصے آیا ہے دو حصے گھوڑے کے اور ایک حصہ سوار کا۔ حضرت ابن عباسؓ کا بھی قول یہی منقول ہے، رواہ اسحاق بن راہویہ۔ ابو داؤد نے ابو عمرہ کی روایت سے اور بزار نے مقداد کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ ابو کبشہ انماری کا بیان ہے کہ فتح مکہ کے سال رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے گھوڑے کے دو حصے اور سوار کا ایک حصہ مقرر کر دیا جو اس کو گھٹائے گا اللہ اس کو گھٹائے گا۔ الدار قطنی والطبرانی۔ ابن ہمام نے لکھا ہے اس حدیث کی روایت میں محمد بن عمران عیسیٰؒ ایک راوی ہے جس کو اکثر لوگوں نے ضعیف قرار دیا ہے۔

حضرت ابو درہم کا بیان ہے کہ میں نے اور میرے بھائی نے رسول اللہ کے ہم رکاب رہ کر ایک جہاد کیا ہم دونوں کے دو گھوڑے تھے رسول اللہ ﷺ نے ہم کو چھ حصے دیئے چار حصے گھوڑوں کے اور دو حصے ہم دونوں کے رواہ الدار قطنی۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ نے بیان کیا حنین کے دن میں اور میرا بھائی رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تھے ہمارے دو گھوڑے تھے رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے چھ حصے مقرر فرمائے چار ہمارے دو گھوڑوں کے اور دو ہمارے ہم نے اپنے چھ سہام دو دو جوان اونٹوں کے عوض فروخت کر دیئے۔

امام ابو حنیفہؒ کے قول کا ثبوت مجمع بن جاریہ انصاری کے بیان سے ملتا ہے مجمع نے کہا خیبر کا مال غنیمت حدیبیہ والوں کو تقسیم کیا گیا رسول اللہ ﷺ نے کل مال کے اٹھارہ سو حصے کئے کل لشکر کی تعداد پندرہ سو تھی جن میں تین سو سوار تھے حضور ﷺ نے سوار کو دو حصے اور پیادہ کو ایک حصہ عطا فرمایا (بارہ سو پیادوں کے بارہ سو حصے اور تین سو سواروں کے چھ سو حصے کل اٹھارہ سو) رواہ ابو داؤد ابو داؤد نے کہا یہ (راوی کا) کو ہم نے صرف دو سو سوار تھے رسول اللہ ﷺ نے گھوڑے کے دو حصے اور آدمی کا یعنی سوار کا ایک حصہ دیا تھا شافعی کا یہی قول ہے ہم نے بھی سورۂ فتح میں خیبر کے مال غنیمت کے تذکرہ ذیل میں یہی بیان کیا ہے۔

حضرت مقداد بن عمرؓ کی حدیث ہے کہ آپ بدر کے دن اپنے گھوڑے پر سوار تھے جس کو سبحہ کہا جاتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو دو حصے عطا فرمائے ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ آپ کی ذات کا۔ رواہ الطبرانی اس حدیث کی روایت میں واقدی ضعیف راوی ہے۔ واقدی نے مغازی میں جعفرؓ بن خارجہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت زبیر بن عوام نے فرمایا بنی قریظہ کی جنگ میں میں موجود تھا اور سوار تھا رسول اللہ ﷺ نے ایک حصہ میرا اور ایک حصہ میرے گھوڑے کا دیا ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں عروہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بنی مصطلق کے کچھ قیدی باندی غلام رسول اللہ ﷺ کے قبضے میں آئے آپ نے ان میں سے پانچواں حصہ نکالنے کے بعد باقی مسلمانوں کو بانٹ دیئے سوار کو دوہرا دیا اور پیادہ کو اکہرا۔ اس حدیث کی سند اس طرح ہے محمد بن محمد بن محمد سری از منذر بن محمد از محمد پدر منذر از یحیی بن محمد بن بانی از محمد بن اسحاق از محمد بن جعفر

Marfat.com

بن زبیر از عروہ۔

ابن ابی شیبہ نے مصنف میں بروایت ابو اسامہ و ابن نمیر از عبیداللہ از نافع حضرت ابن عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہؐ نے سوار کا دوہرا حصہ اور پیدل کا اکہرا حصہ مقرر کیا۔ دار قطنی نے بھی اسی سند سے یہ حدیث نقل کر کے کہا کہ ابو بکر نیشاپوری کہتے تھے کہ میرے نزدیک یہ ابن ابی شیبہ کی چوک ہے کیونکہ احمدؒ بن حنبلؒ اور عبدالرحمٰنؒ بن بشیر وغیرہ نے ابن نمیر کی روایت سے یہ حدیث ابن ابی شیبہ کی نقل کے خلاف بیان کی ہے، اس میں سوار کے تین حصے اور پیدل کا ایک حصہ ہونے کی صراحت ہے اس کے بعد دار قطنی نے ابن ابی شیبہ کی حدیث کی طرح حدیث نقل کی ہے جس کی مسند یہ ہے کہ نعیم از ابن مبارک از عبیداللہ بن عمرؓ از نافع از عبداللہؓ بن عمرؓ۔ ابن جوزی نے کہا اس روایت میں شاید چوک نعیم کی ہے کیونکہ ابن مبارک تو بڑے صحیح الحافظ لوگوں میں سے تھے مگر ابن ہمام نے نعیم کو قابل اعتماد کہا ہے۔

دار قطنی نے یونس بن عبدالاعلیٰ کی روایت سے بسلسلہ ابن وہب از عبیداللہ بن عمر از نافع از عبداللہ بن عمر بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑوں کا بھی حصہ دیتے تھے سوار کے دو حصے اور پیادہ کا ایک حصہ ابن ابی مریم اور خالد بن عبدالرحمٰن نے بروایت عبداللہ بن عمر عمری روایت مذکور کی متابعت کی ہے قعنبی نے بھی عمری کا یہ بیان نقل کیا ہے مگر اس میں شک ظاہر کیا ہے کہ حدیث میں فارس (سوار) کا لفظ ہے یا فرس (گھوڑے) کا دار قطنی نے بروایت حجاج بن منہال از حماد بن سلمہ از عبیداللہ بن عمر از نافعؓ از عبداللہ بن عمرؓ بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ تقسیم کر کے دیا نضر بن محمد حماد نے اس کی مخالفت کی ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ عبیداللہ کی روایت کو جن لوگوں نے تعارض کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں سے کرخی بھی ہیں لیکن بیہقی کی روایت زیادہ مضبوط ہے ابن جوزی نے عبیداللہ بن عمرؓ کو ضعیف کہا ہے دار قطنی نے اپنی سند سے بروایت عبدالرحمٰن بن امین حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سوار کے دو حصے اور پیادہ کا ایک حصہ بانٹ کر دیا کرتے تھے۔ امام ابو یوسف نے بحوالہ حسن بن عمارہ از حکم بن عیینہ از مقسم حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کا مال غنیمت اس طرح تقسیم کیا کہ سوار کو دو حصے اور پیدل کو ایک حصہ دیا امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ فقیہ اعظم ابو حنیفہ (اللہ ان کو اپنی رحمت میں چھپالے) فرماتے تھے کہ پیدل کا ایک حصہ ہے اور سوار (یا گھوڑے) کا بھی ایک حصہ ہے اور فرماتے تھے میں چوپائے کو مرد مسلم پر فضیلت نہیں دے سکتا (کہ گھوڑے کو دو حصے دو) غالباً اس قول میں لفظ فارس سے امام کی مراد گھوڑا ہے۔

امام اعظمؒ مندرجہ ذیل اثر کی روشنی میں ایک حصہ گھوڑے کا اور ایک حصہ آدمی کا قرار دیتے تھے زکریا بن حارث نے منذر بن ابی حمصہ ہمدانی کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ کے کسی غلام نے (جو مجاہدین کے کسی دستہ کا سردار تھا) شام کے کسی جہاد میں مال غنیمت اس طرح کی کہ گھوڑے کا ایک حصہ اور آدمی کا ایک حصہ دیا اس کی اپیل حضرت عمرؓ سے کی گئی آپ نے یہ تقسیم جاری رکھی۔

لیکن جن آثار و احادیث میں گھوڑے کے دو حصے اور آدمی کا ایک حصہ آیا ہے ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور مذکورہ اثر سے زیادہ وہ قابل اعتماد بھی ہیں اور عموماً جمہور کا معمول مختار بھی یہی ہے رہی یہ بات کہ اس صورت میں گھوڑے کا درجہ آدمی کے برابر یا بڑھ کر ہو جائے گا تو واقعہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں سامان جہاد کے بیش از بیش فراہم کرنے کی ترغیب ہے کہ ہر شخص زیادہ تیاری کی کوشش کرے اور لوگ جہاد کے لئے گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کریں دیکھو گھوڑے کے حصہ سے گھوڑے کو کیا فائدہ پہنچتا ہے اس کا حصہ تو مالک کے پاس چلا جاتا ہے گھوڑے کو کچھ نہیں ملتا۔

ابن ہمام نے کہا قاعدہ یہ ہے کہ جب روایات میں اختلاف ہو تو نفی کو ترجیح دی جاتی ہے اس لئے تین حصوں والی روایت کو ہم تنفیل (مقررہ حصہ سے زائد یعنی مزید انعام) پر محمول کریں گے اور حضرت جابرؓ کے بیان میں جو آیا ہے کہ ہمارے سوار کو

Marfat.com

تین سہام عطا فرمائے اور اسی طرح کی دوسری روایات تو ان سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی مقررہ ضابطہ نہ تھا اور نہ حدیث کے الفاظ اس طرح ہوتے رسول اللہ ﷺ ہمارے سوار کو تین سہام دیا کرتے تھے تین حصے دینے کا حکم دیا کرتے تھے حضور ﷺ نے ایسا حکم جاری کر دیا تھا باقی ابوکبشہ والی مندرجہ بالا حدیث تو وہ روایۃً صحیح نہیں ہے۔

مسئلہ :- اگر کسی کے پاس دو گھوڑے ہوں تو امام مالک امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کے نزدیک اس کو صرف ایک گھوڑے کا حصہ ملے گا امام مالک نے موطا میں لکھا ہے کہ ایک گھوڑے سے زائد کا حصہ میں نے نہیں سنا امام ابو یوسفؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک گھوڑوں کا حصہ دیا جائے گا دو سے زائد کا باتفاق علماء نہیں دیا جائے گا امام ابو یوسفؒ کے قول کی تائید مندرجہ ذیل روایات سے ہوتی ہے دار قطنی نے بشیر بن عمر بن محصن کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے دو گھوڑوں کے چار حصے اور ایک حصہ میرا عنایت فرمایا عبدالرزاق نے مکحول کی روایت سے بیان کیا ہے کہ غزوہ خیبر میں حضرت زبیر دو گھوڑوں کے ساتھ شریک ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے حضرت زبیر کو پانچ حصے عطا فرمائے یہ روایت منقطع ہے۔

مغازی میں واقدی نے عبدالملک بن یحییٰ کی روایت سے لکھا ہے کہ عیسیٰؒ بن عمر نے بیان کیا کہ خیبر کی جنگ میں حضرت زبیرؓ کے پاس دو گھوڑے تھے رسول اللہ ﷺ نے ان کو پانچ حصے دیئے واقدی نے حارث بن عبداللہ بن کعب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خیبر میں رسول اللہ ﷺ تین گھوڑے لے کر آئے تھے لزاز، ضرب، سکب اور زبیر بن عوام چند گھوڑے ہمراہ لائے تھے اور حراس بن صمت دو گھوڑے لائے تھے اور براء بن اوس اور ابو عمرو انصاری بھی دو دو گھوڑے لائے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے دو دو گھوڑوں والوں کو چار چار حصے اور ایک ایک حصہ ان کی ذات کا کل پانچ پانچ حصے دیئے اور دو گھوڑوں سے زائد کا حصہ نہیں دیا۔

ابن جوزی نے اپنی سند سے بروایت سعید بن منصور بوساطت ابن عیاش اوزاعی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑوں کا حصہ دیا کرتے تھے اور کسی کو دو گھوڑوں سے زائد کا حصہ نہیں دیتے تھے خواہ اس کے ساتھ دس گھوڑے ہوتے۔

سعید بن منصور نے بروایت فرج بن فضالہ بحوالہ محمد بن ولید زہری کا یہ بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح کو لکھا کہ ایک گھوڑے کے دو حصے اور دو گھوڑوں کے چار حصے اور ان کے مالک کا ایک حصہ دو یہ پانچ حصے ہوئے دو گھوڑوں سے زائد (کا حصہ نہ دو) کو تل ہیں۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ ہم سے ابن یحییٰ بن سعید نے حسن کا قول بیان کیا کہ اگر جہاد میں کسی کے پاس چند گھوڑے ہوں تو مال غنیمت میں سے دو گھوڑوں سے زائد کا حصہ نہ دیا جائے۔ محمد بن اسحاق نے بروایت یزید بن یزید بن جابر مکحول کا قول بیان کیا ہے کہ دو گھوڑوں سے زائد کا حصہ نہ دیا جائے۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے امام ابو یوسف اور امام احمد کے قول کی تائید میں جو روایات پیش کی گئی ہیں ان سب میں (مال غنیمت کا مقررہ حصہ مراد نہیں ہے بلکہ) انعامی حصہ مراد ہے جیسے حضرت سلمہ بن اکوع کو رسول اللہ ﷺ نے دوہرا حصہ دیا تھا باوجویکہ آپ پیدل تھے (سوار نہ تھے)۔

میں کہتا ہوں ایک گھوڑے کے دو حصے اور دو گھوڑوں کے چار حصے بطور انعام قرار دینا اسی صورت میں صحیح ہو سکتا ہے کہ امام کو یہ اختیار ہو کہ بغیر سابق اعلان کے لڑائی کے بعد بعض مجاہدین کو (ان کی کوشش کی قدر کرتے ہوئے) ان کے حصہ سے زائد بطور انعام دے سکے اور لڑائی سے پہلے ایسا اعلان رسول اللہ ﷺ نے کیا ہو یہ بات مذکورہ احادیث میں سے کسی میں مروی نہیں۔

مسئلہ :- دار الاسلام میں مال غنیمت پہنچنے سے پہلے اگر لڑائی ختم ہونے کے بعد مجاہدین کو کمک پہنچ جائے اور امدادی فوج دار الحرب میں مجاہدین سے جا ملے (لیکن جنگ میں شریک نہ ہونے پائے) تو تینوں اماموں کے نزدیک مال غنیمت میں ان کا حصہ نہیں لگایا جائے گا اور امام اعظمؒ کے نزدیک ان کو بھی حصہ دیا جائے گا جمہور کے مسلک کی تائید مندرجہ ذیل روایات سے

Marfat.com

ہوتی ہے ابن ابی شیبہ اور طحاوی نے صحیح سند کے ساتھ طارق بن شہاب اسدی کا بیان نقل کیا ہے کہ اہل بصرہ نے نہاوند میں جہاد کیا کوفہ والے حضرت عمار بن یاسر کی زیر قیادت اہل بصرہ کی کمک کو پہنچے لیکن اہل بصرہ غالب آچکے تھے ان کا ارادہ ہوا کہ کمک والوں کو مال غنیمت سے حصہ نہ دیں ایک قسمی اور بقول طحاوی بنی عطارد کا ایک شخص (حضرت عمار سے) کہنے لگا کنکٹے غلام تو ہمارے مال غنیمت میں ہمارا ساجھی بننا چاہتا ہے حضرت عمارؓ نے حضرت عمرؓ کو واقعہ لکھا حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا مال غنیمت اس کا ہے جو لڑائی میں شریک ہوا۔ حضرت عمار کا ایک کان اس وقت کٹ گیا تھا جب آپ رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب کسی جہاد میں شریک ہوئے تھے حضرت عمار نے فرمایا میرا بہترین کان وہ تھا جو کام آگیا۔

طبرانی نے مرفوعاً اور موقوفاً بیان کیا ہے مال غنیمت اسکا ہے جو جنگ میں شریک ہوا یہ روایت موقوفاً صحیح ہے۔ مرفوعاً غیر صحیح ہے۔ ابن عدی نے بطریق بشر بن مختار بروایت عبدالرحمٰن بن مسعود قول مذکور کا قائل حضرت علیؓ کو قرار دیا ہے یعنی یہ حدیث موقوف ہے (فرمان رسول اللہ ﷺ نہیں ہے) امام شافعی نے زید بن عبداللہ بن قسیط کے طریق سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عکرمہ بن ابی جہل کی قیادت میں پانچ سو مسلمانوں کی فوج دے کر زیاد بن لبید کی مدد کے لئے بھیجا اس روایت کے آخر میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے لکھ بھیجا مال غنیمت اس کا ہے جو جنگ میں حاضر ہوا یہ روایت منقطع ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابانؓ بن سعید بن عاص کو ایک فوجی دستہ کے ساتھ نجد کی جانب بھیجا ابانؓ فتح خیبر کے بعد (واپس) پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے (خیبر کی غنیمت میں سے) ان کو حصہ نہیں دیا رواہ ابوداؤد وابو نعیم موصولا والبخاری تعلیقا۔

حنفیہ کی طرف سے اس حدیث کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ فتح کے بعد خیبر دارالاسلام ہو گیا تھا پس خیبر کا مال غنیمت خیبر میں موجود ہوتے ہوئے بھی دارالاسلام میں آگیا اور محفوظ ہو گیا اس کے بعد حضرت ابان اپنے دستہ کے ساتھ پہنچے تو ظاہر ہے کہ دارالاسلام میں مال پہنچنے اور جمع ہونے کے بعد جو کمک پہنچے گی وہ مال غنیمت میں حصہ پانے کی مستحق نہ ہو گی۔

صحیحین میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا کہ جب خیبر فتح ہو گیا تو ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے حضور ﷺ نے ہم کو بھی حصہ دیا اور ہماری کشتی والوں کے علاوہ اور کسی ایسے شخص کو حصہ نہیں دیا جو فتح خیبر کے وقت وہاں موجود نہ تھا۔ ابن حبان نے کہا حضرت ابوموسیٰ کے ساتھیوں کو رسول اللہ ﷺ نے خمس کے خمس (یعنی اپنے حصہ) میں سے (بطور عنایت وانعام) عطا فرمایا تھا (مجاہدین کے ۵/۴ حصوں میں سے نہیں دیا تھا)۔

مسئلہ :- لشکر کے ساتھ جانے والے تاجروں اور گھوڑوں کے سائیسوں کے لئے مال غنیمت میں امام اعظمؒ کے نزدیک کوئی حصہ نہیں جب تک وہ مار دھاڑ میں حصہ نہ لیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک سب کا حصہ ہو گا کیونکہ حدیث نبوی اِنَّ الْغَنِیْمَۃَ لِمَنْ شَہِدَا الْوَقْعَۃَ عام ہے یہ لوگ موقع جنگ پر موجود ہوتے ہیں اس لئے ان کا بھی مال غنیمت میں حصہ ہے شافعی کا استدلال دو وجہوں سے غلط ہے اول تو یہ کہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں بلکہ صحابی کا قول ہے مرفوع ہونا اس کا صحیح نہیں موقوف ہونا صحیح ہے دوسرے مطلب سمجھنے میں غلطی ہے۔

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو بارادہ قتال شریک ہوا ہو اس کو مال غنیمت دیا جائے ارادہ قتال کا ظہور دو طرح سے ہوتا ہے یا تو پہلے سے تیاری کرے اور جہاد کے لئے روانہ ہونے کا اظہار کرے یا مار دھاڑ میں شریک ہو (خواہ پہلے سے اظہار نہ کیا ہو نہ تیاری کی ہو) اگر حدیث کو عموم پر رکھا جائے گا تو فوج کے ساتھ جو عورتیں بچے اور خدمت گار ہوں ان کو بھی مال غنیمت میں حصہ دار بنانا چاہئے جس کا قائل کوئی بھی نہیں۔ مسلم اور ابوداؤد نے نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جو عورتیں جہاد پر جاتی تھیں کیا ان کو مال غنیمت سے حصہ دیا جاتا تھا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا موقع جہاد پر جاتی ضرور تھیں لیکن مال غنیمت میں ان کا کوئی حصہ نہیں لگایا جاتا تھا۔ ابوداؤد کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ ان کو کچھ چھینٹا دے دیا

Marfat.com

جاتا تھا (یعنی بغیر حصہ مقرر کئے کوئی چیز دے دی جاتی تھی) یہ روایت بظاہر اس روایت کے خلاف نظر آتی ہے جو ابوداؤد اور نسائی نے بیان کی ہے حشرج بن زیاد نے اپنی دادی کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کا بھی اسی طرح حصہ دیا جس طرح مردوں کا دیا (لیکن یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ) حشرج راوی مجہول ہے۔

مسئلہ :- اگر لڑکے میں جنگ کی سکت ہو اور امام اس کو جہاد میں شریک ہونے کی اجازت دے دے تو امام مالک کے نزدیک مال غنیمت میں اس کا بھی حصہ لگایا جائے گا جمہور کے نزدیک اس کا حصہ نہیں لگایا جائے گا البتہ چھینٹے کے طور پر اس کو کچھ دے دیا جائے گا لیکن ابوداؤد نے بروایت مکحول بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورتوں لڑکوں اور گھوڑوں کا حصہ دیا، یہ روایت مرسل ہے اور بالفرض صحیح بھی ہو تو (چونکہ عام احادیث سے اس کا تعارض ہے اس لئے) اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو بھی کچھ حصہ چھینٹے کے طور پر دے دیا۔

مسئلہ :- غیر منقولہ جائداد (زمین باغ وغیرہ) پر اگر مسلمان بزور شمشیر قابض ہو جائیں گے یعنی فتح کر لیں گے تو امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ منقولہ املاک کی طرح پہلے اس کا پانچواں حصہ نکالا جائے گا پھر بقیہ چار حصے مجاہدین کو تقسیم کر دیئے جائیں گے خیبر کی جائیداد رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح تقسیم کی تھی ایک روایت میں امام احمد کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ما غنتمنم کا لفظ آیت میں عام ہے (منقولہ اور غیر منقولہ کی کوئی قید نہیں) ہاں اگر مجاہدین خود اپنی خوشی سے اپنا حق چھوڑ دیں اور اپنا حصہ نہ لیں تو وہ جائیداد عام مسلمانوں کے لئے امام وقف کر دے گا جس طرح حضرت عمرؓ نے عراق کی زمینوں کے متعلق کیا تھا امام مالک کہتے ہیں کہ غیر منقولہ جائیداد کو مجاہدین میں تقسیم کرنے کا امام کو کوئی حق نہیں بلکہ قبضہ ہوتے ہی وہ ساری جائیداد وقف ہو جائے گی ایک روایت میں امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے دوسری روایت میں اس کے خلاف امام احمد کا قول آیا ہے جس کو ایک روایت میں امام مالکؒ کی طرف بھی منسوب کیا گیا ہے کہ امام کو اختیار ہے خواہ خمس نکالنے کے بعد مجاہدین کو تقسیم کر دے یا عام مسلمانوں کے لئے وقف کر دے۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا امام کو اختیار ہے کہ خمس نکالنے کے بعد مجاہدین کو تقسیم کر دے یا اخراج پر انہی لوگوں کے قبضہ میں رہنے دے جن کے پاس وہ زمینیں ہوں یا ان سے نکال کر دوسرے لوگوں کو خراج پر دے دے وقف کرنے کا امام کو اختیار نہیں ہے۔

امام احمدؒ نے اپنے قول کے استدلال میں مندرجہ ذیل احادیث پیش کی ہیں حضرت سہل بن حثمہ کا بیان ہے کہ رسول اللہؐ نے خیبر کو برابر برابر کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور ایک حصہ اپنی ضروریات و حوائج کیلئے اور دوسرا حصہ مسلمانوں کیلئے مسلمانوں کے حصے کے اٹھارہ سو سہام کر دیئے (بارہ سو سہام بارہ سو پیادوں کے اور چھ سو سہام تین سو سواروں کے)، رواہ ابن الجوزی۔

طحاوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیبر کو ادھیا کی شرط پر دیا تھا پھر ابن رواحہ کو بھیجا ابن رواحہ نے جا کر اہل خیبر سے (پیداوار کی) بٹائی کر لی۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر سے پیداوار کی آدھی آدھی بٹائی کی شرط پر معاملہ کیا تھا۔

حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ اللہ نے جب خیبر کی زمینیں اور باغات وغیرہ عنایت کئے تو رسول اللہ ﷺ نے سابق کی طرح انہی لوگوں کو برقرار رکھا اور (نصف نصف پیداوار کا) ان سے معاہدہ کر لیا پھر حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کو (پیداوار وصول کرنے کے لئے) ان پر نگران بنا کر بھیجا اس کے بعد طحاوی نے لکھا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پورے خیبر کو تقسیم نہیں کیا تھا بلکہ ایک ٹکڑے کو تقسیم کیا تھا اور ایک ٹکڑے کو تقسیم نہیں کیا تھا۔

میں کہتا ہوں سورۂ فتح خیبر کے قصہ کے ذیل میں ابن اسحاق کا قول ہم نے ذکر کر دیا ہے کہ مال خیبر کی تقسیم تین طرح پر کی گئی تھی، شق۔ نطاۃ۔ کتیبہ، کتیبہ وہ حصے تھے جو خمس کے کئے گئے تھے اور شق و نطاۃ وہ اٹھارہ حصے تھے (جو مجاہدین کے تھے) نطاۃ کے پانچ سو حصے اور شق کے تیرہ سو حصے رہے قطع اور سلالیم یہ مسلمانوں کی ضروریات کے لئے رکھے گئے تھے۔ ان کا معاملہ نصف

Marfat.com

بٹائی پر یہودیوں سے کر لیا گیا تھا حضرت ابن رواحہ ہر سال جا کر (فصل پر مقدار پیداوار کا) تخمینہ کر لیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے خیبر کے یہودیوں کو نکال دیا کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے (آغاز معاہدہ کے وقت ہی) فرمادیا تھا کہ ہم جب تک چاہیں گے تم کو رکھیں گے۔

حضرت عمرؓ کی خلافت میں فتح عراق کے بعد (عراق کی زمینوں کے متعلق صحابہ کی آراء کی مختلف تھیں۔ امام ابو یوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مجھ سے متعدد علماء مدینہ نے بیان کیا کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی طرف سے عراق کا لشکر آیا تو حضرت عمرؓ نے عراق اور شام کی خدا داد زمینوں کی تقسیم کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ لیا۔ کچھ لوگوں نے خواہش کی کہ مجاہدین نے جو کچھ فتح کیا ہے وہ سب انہی کو دے دیا جائے حضرت عمرؓ نے کہا جب زمین اور اس کے غیر مسلم باشندے مجاہدین کو تقسیم کر دیئے جائیں گے اور ہر ایک کا حصہ محفوظ ہو جائے گا اور پھر ان کی نسل کو وہ جائیداد وراثت میں پہنچ جائے گی تو آئندہ آنے والے مسلمان کیا کریں گے اس لئے میری یہ رائے نہیں ہے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے فرمایا زمین اور اس کے باشندوں کی تقسیم کے متعلق رائے تو وہی ہونی چاہئے جو خداد اد مال کے متعلق ہو حضرت عمرؓ نے فرمایا بات تو یہی ہے جو آپ فرما رہے ہیں لیکن میں اس کو مناسب نہیں سمجھتا خدا کی قسم میرے بعد کوئی ایسا ملک تو فتح ہو گا نہیں جس سے کوئی بڑا حصول ہو بلکہ ممکن ہے وہ مسلمانوں پر بار ہی ثابت ہو اگر عراق اور شام کی زمینیں غیر مسلم باشندوں سمیت مجاہدین کو بانٹ دی گئیں تو پھر سرحدوں کا انتظام اور اس ملک اور دوسرے ملکوں کے غریبوں اور ناداروں کی اعانت کس مال سے ہو گی اہل شام و عراق نے حضرت عمر پر ہجوم کر لیا اور کہنے لگے جو چیز اللہ نے ہم کو ہماری تلواروں کے ذریعہ سے عنایت کی وہ آپ ایسے لوگوں کے لئے اور ان کے بیٹوں پوتوں کے لئے وقف کر رہے ہیں جو نہ خود جہاد میں حاضر ہوئے نہ ان کے بیٹے پوتے۔ حضرت عمرؓ اسکے جواب میں صرف اتنا فرماتے تھے یہ میری رائے ہے مجاہدین نے کہا تو مشورہ کر لیجئے حضرت عمرؓ نے مہاجرین سابقین سے مشورہ طلب کیا تو مختلف لوگوں کی رائے مختلف ہو گئی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی رائے تھی کہ مجاہدین ان کے حقوق (یعنی زمینیں) بانٹ دی جائیں۔ حضرت علیؓ حضرت طلحہ اور حضرت عثمانؓ کی رائے حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق تھی حضرت عمرؓ نے کئی بڑے بڑے انصاریوں کو طلب فرمایا دس قبیلہ اوس کے اور دس خزرج کے جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو آپ نے حمد و ثناء کے بعد فرمایا میں نے آپ لوگوں کو صرف اس لئے تکلیف دی ہے کہ جس امانت کا بار میں اٹھائے ہوئے ہوں اور مجھ پر آپ لوگوں کے معاملات کا جو بوجھ ڈالا گیا ہے اس کے اٹھانے میں آپ بھی میرا ساتھ دیں میں بھی آپ میں سے ایک فرد کی طرح (معمولی) فرد ہوں کچھ لوگوں نے میری رائے کی مخالفت کی کچھ نے موافقت کی آپ کو حق قائم کرنا چاہئے۔ میں نہیں چاہتا کہ آپ خواہ مخواہ میری رائے پر چلیں آپ کے پاس اللہ کی کتاب ہے جو حق کی تعلیم دے رہی ہے خدا کی قسم اگر میں کسی معاملہ کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں تو میرا مقصد اظہار حق ہی ہوتا ہے اور کوئی غرض نہیں ہوتی حاضرین نے کہا امیر المومنین (فرمایئے کیا بات ہے) ہم سن رہے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ ﷺ نے ان لوگوں کا کلام سنا جن کا خیال ہے کہ میں ان کی حق تلفی کر رہا ہوں میں حق تلفی کرنے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں اگر میں ان کا واقعی حق ان کو نہ دے دوں اور دوسروں کو ان کا حق دے دوں تو یہ میری بد بختی ہو گی بات اتنی ہے کہ میرے خیال میں کسریٰ کے ملک کے بعد کوئی ملک قابل فتح نہیں رہا اور اللہ نے ہم کو ان کا مال ان کی زمینیں اور ان کی غیر مسلم بستیاں عنایت فرمادیں جو (منقول) مال غنیمت تھا خمس نکالنے کے بعد میں نے مجاہدین کو تقسیم کر دیا اور خمس کا بھی جو مصرف ہے اسی مصرف میں میں اس کو لا رہا ہوں لیکن زمینیں اور ان کی غیر مسلم بستیاں میں روکنا چاہتا ہوں اور زمینوں کو خراج پر انہی کے پاس رکھنا چاہتا ہوں تاکہ جس طرح ان کی ذات پر فی کس جزیہ لاگو ہے اسی طرح زمین کا خراج بھی ان پر قائم ہو جائے اور وہ (دونوں قسم کی رقمیں) لوا کرتے رہیں اور مسلمانوں کے لئے کچھ ہو جائے مجاہدین کے لئے بھی ان کو نسل کے لئے بھی اور آئندہ آنے والے لوگوں کے لئے بھی دیکھو سرحدوں کی حفاظت کے لئے بھی آدمی ہونا ضروری ہیں جو سرحدوں پر ہی رہیں ان بڑے بڑے شہروں شام جزیرہ کوفہ بصرہ اور مصر میں بھی فوجوں کی بھرتی ضروری ہے اور محافظین کی تنخواہیں دینی بھی لازم ہیں اگر

Marfat.com

میں (ساری) زمینیں اور غیر مسلم بستیاں ان مجاہدین کو بانٹ دوں گا تو ان محافظین کو تنخواہیں کہاں سے دی جائیں گی۔

حاضرین نے بالاتفاق کہا آپ کی رائے ہی ٹھیک ہے سرحدوں اور ان شہروں کے لئے آدمیوں کی بھرتی ضروری ہے اور ان کی تنخواہیں جاری کرنا بھی لازم ہے تاکہ ان کی قوت حاصل رہے غیر مسلموں کو ان کی بستیوں میں لوٹا دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے سامنے حقیقت آگئی اب مجھے ایک ایسے دانشمند سمجھدار آدمی کی ضرورت ہے جو ہر (قسم کی) زمین کو اس کے مقام پر رکھے اور غیر مسلموں پر اتنا خراج مقرر کرے جو ان کے لئے قابل برداشت ہو لوگوں نے باتفاق عثمان بن حنیف کا نام پیش کیا اور کہا آپ ان کو اس سے بھی زیادہ اہم کام پر مامور کر سکتے ہیں وہ بڑے صاحب بصیرت ہوش مند تجربہ کار شخص ہیں حضرت عمرؓ نے ان کو فوراً طلب کیا اور اراضی عراق کے سروے پر مامور کیا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عمرؓ کی وفات سے ایک سال پہلے تک صرف علاقہ کوفہ کا لگان ایک کروڑ درہم تک پہنچ گیا اور اس زمانہ میں درہم کا وزن ایک مثقال سوا چار ماشہ تھا۔

امام ابو یوسف نے لکھا ہے مجھ سے محمد بن اسحاق نے زہری کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے فتح عراق کے بعد وہاں کی زمینوں کے متعلق لوگوں سے مشورہ طلب کیا عمومی رائے یہ تھی کہ (مجاہدین کو) اراضی عراق تقسیم کر دی جائیں۔ بلالؓ بن رباح اس خیال میں بہت ہی سخت تھے حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ بغیر تقسیم کے جوں کی توں رہنے دی جائے، حضرت عمرؓ نے دعا کی اے اللہ بلال کے مقابلہ میں میری مدد کر غرض دو تین روز یہی جھگڑا رہا آخر میں حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے پاس میری رائے کی ایک (قطعی) دلیل ہے اللہ نے سورۂ حشر میں فرمایا ہے ماافاء الله علی رسوله منهم سے والذین جاء وا من بعدهم تک ان آیات کا حکم عمومی ہے جو بعد کو آنے والے لوگ ہیں ان کو بھی یہ حکم شامل ہے پس یہ سب کا مال ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ ان (مجاہدین) کو (ساری) زمینیں تقسیم کر دی جائیں اور پیچھے آنے والوں کو بغیر حصہ دیئے چھوڑ دیا جائے۔ غرض زمینوں کو علی حالہا باقی رکھنے اور لگان وصول کرنے پر حضرت عمرؓ کی رائے پختہ ہو گئی۔

امام ابو یوسفؒ نے لکھا ہے مجھ سے لیث بن سعد نے بحوالہ حبیب بن ابی ثابت بیان کیا کہ صحابہ اور جمہور اہل اسلام نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ جس طرح رسول اللہ ﷺ نے خیبر کی زمینیں تقسیم کر دی تھیں اسی طرح آپ بھی شام کی زمینوں کی تقسیم کر دیجئے حضرت زبیرؓ بن عوام اور حضرت بلالؓ بن ابی رباح اس خیال کے سخت ترین حامی تھے حضرت عمرؓ نے کہا اس صورت میں تو جو مسلمان تم لوگوں کے بعد آنے والے ہیں ان کو مجھے یونہی چھوڑ دینا پڑے گا پھر دعا کی اے اللہ! بلالؓ کے مقابلہ میں میری مدد کر مسلمانوں کا خیال ہے کہ شام والوں پر جو عموماً اس کا طاعون آیا وہ حضرت عمرؓ کی بددعا کا ہی نتیجہ تھا ابو یوسف نے کہا حضرت عمرؓ نے وہ زمینیں زمیوں ہی کے ساتھ میں رہنے دیں وہ خراج ادا کرتے تھے۔

میں کہتا ہوں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ زمینیں جن کے ہاتھ میں ہوں انہی کے قبضہ میں ادائے خراج کی شرط پر چھوڑ دینا اجماعی مسئلہ ہے اس پر اجماع ہو چکا ہے۔

## ایک شبہ

اس صورت میں تو لازم آئے گا کہ اجماع سے آیت واعلموانما غنمتم من شی الخ کا عمومی حکم منسوخ ہو جائے حالانکہ اجماع سے آیت کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا نہ اجماع منسوخ ہوتا ہے پھر حضرت عمر کا آیت ماافاء الله علی رسوله من اهل القری الخ سے استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ اس آیت میں تو اس مال کا حکم مذکور ہے جس کے لئے مسلمانوں نے لشکر کشی نہ کی ہو اور ہمارا کلام اسی اراضی کے سلسلہ میں ہے جس کے لئے مسلمانوں نے لشکر کشی کی ہو۔

## شبہ کا ازالہ

امت محمدیہ کا اتفاق گمراہی پر تو ہو نہیں سکتا اور مذکورہ بالا مسئلہ پر اجماع ہے اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ (بالاتفاق) آیت

Marfat.com

ماغنمتم من شی کا حکم عمومی نہیں (بلکہ مخصوص البعض ہے) دیکھو رسول اللہ ﷺ کے لئے بعض مال کو اپنے لئے چن لینے کا اختیار تھا۔ قاتل کے لئے مقتول سے چھینا ہوا مال بھی آپ نے مخصوص کر دیا تھا اور اس میں خمس جاری نہیں کیا پھر دار الحرب میں مسلمانوں کا لشکر جو کچھ پاتا تھا کھا سکتا تھا (کھانے کا نہ خمس نکالا جاتا تھا نہ تقسیم مساویانہ کی جاتی تھی)۔

محمد بن ابی المجالد نے جب حضرت عبد اللہ بن ابی لوفی سے دریافت کیا کہ آپ لوگ کیا رسول اللہ کے زمانہ میں کھانے (یعنی غلہ پھل تیار کھانوں وغیرہ) کا خمس نکالا کرتے تھے تو فرمایا خیبر کے دن ہم کو کچھ طعام (غلہ وغیرہ) ہاتھ لگا تھا ہر شخص اپنی ضرورت کے لائق آکر لے جاتا تھا (یعنی خمس نہیں نکالا گیا تھا) حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں ایک لشکر کو مال غنیمت میں کچھ طعام اور شہد ملا اس میں سے خمس نہیں نکالا گیا۔ عبید الرحمٰن کے آزاد کردہ غلام قاسم نے بعض صحابیوں کا قول نقل کیا ہے کہ جہاد میں ہم اونٹ کا گوشت کھاتے تھے تقسیم نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ جب اپنے پڑاؤ پر آتے تھے تو ہماری خورجیاں گوشت سے بھری ہوتی تھیں یہ تینوں احادیث ابوداؤد نے نقل کی ہیں۔

فائدہ:- شوافع کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جو عراق اور شام کی زمینیں وقف قرار دی تھیں وہ مستحقین غنیمت کی رضا مندی سے کی تھیں مجاہدین اپنے حقوق سے خود دست بردار ہو گئے تھے۔

ہم کہتے ہیں اگر ایسا ہوتا تو سب سے پہلے خمس ضرور نکالا جاتا کیونکہ خمس نہ خلیفہ کا حق ہوتا ہے نہ مجاہدین کا نہ کسی کے ساقط کرنے سے ساقط ہو سکتا ہے پھر حضرت عمرؓ نے ایک جریب انگور اور ایک جریب گندم پر الگ الگ لگان مقرر کیا تھا اب اگر زمین کو عام مسلمانوں کی ملک اور وقف مانا جائے گا اور ایک جریب میں جو کچھ پیدا ہوا اس کے عوض ایک مخصوص رقم کی وصولیابی کو بطور معاوضہ تسلیم کیا جائے گا تو معدوم کی بیع لازم آئے گی (کیونکہ پیداوار تو آئندہ ہوگی اور پیداوار کا عوض ابھی مقرر کر دیا گیا) اور ایک خرابی یہ ہوگی کہ جو چیز اپنے پاس اور اپنے قبضہ میں نہ ہو اس کی بیع کو درست قرار دینا ضروری ہو جائے گا حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے عراق و شام کی زمینوں کو مسلمانوں کی ملکیت میں دیا ہی نہ تھا ملک کافروں ہی کی ہی تسلیم کی تھی اور زمین کا خراج مقرر کر دیا تھا جیسے کافروں کی آزادی کو تسلیم کر کے ان پر جزیہ باندھ دیا تھا۔ جزیہ بندی کا یہ معنی تو نہیں کہ کافر مسلمانوں کا مملوک ہو جاتا ہے اور حقی ملکیت مسلمان کافروں پر ٹیکس لگا دیتے ہیں کیونکہ جزیہ کا قانون کافر عورتوں بوڑھے مردوں اور بچوں پر لاگو نہیں ہوتا خواہ بچے اور بوڑھے بعض جوانوں سے زیادہ کمائی کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اگر ملکیت کی بناء پر جزیہ کو ٹیکس مانا جائے تو ملکیت کے اندر تو عورتیں بوڑھے مرد اور بچے بھی داخل ہیں ان پر بھی جزیہ لاگو ہونا چاہئے۔

اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا اگر تم اللہ پر یقین رکھتے ہو اور اس چیز پر جس کو ہم نے اپنے بندہ محمد ﷺ پر نازل کیا تھا یعنی ملائکہ کے نزول پر اللہ کی طرف سے غیبی امداد پر اور معجزات پر ایمان رکھتے ہو۔ بدر کے موقع پر متعدد معجزات و آیات کا ظہور ہوا تھا۔

۱..... اللہ نے وعدہ کیا تھا کہ دو گروہوں میں ایک گروہ پر قابو عنایت کر دے گا پھر یہ بھی بتا دیا کہ مسلمانوں کا میلان خاطر قافلہ کی طرف تھا قریش کے لشکر کی طرف نہ تھا۔

۲..... غیبی بارش آئی جو مسلمانوں کے لئے باعث رحمت اور کافروں کے لئے موجب زحمت ہوئی۔

۳..... اللہ نے مدد کے لئے فرشتوں کو بھیجا کہ مسلمانوں نے ان کی آوازیں سنیں اور یہ صدا ان کے کانوں میں آئی کہ کوئی (گھوڑے کا نام لے کر) کہہ رہا ہے حیزوم آگے بڑھ لوگوں نے یہ بھی دیکھا کہ کسی انسان کی تلوار لگنے کے بغیر بعض کافروں کے سر دھڑ سے جدا ہو کر گر رہے ہیں ابو جہل کی لاش پر غیبی کوڑوں کی ضرب کے نشان بھی تھے۔

۴..... رسول اللہ ﷺ نے مٹھی بھر کنکریاں کافروں کی طرف پھینکیں جس کی وجہ سے سب کے سب نابینا ہو گئے سب کی آنکھوں میں کنکریاں پڑ گئیں۔

۵..... مسلمانوں کو دلیر بنانے کے لئے کافروں کی کثیر تعداد کو مسلمانوں کی نظر میں قلیل بنا کر دکھلایا گیا (یعنی مسلمانوں

Marfat.com

نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ دشمن کی تعداد ہم سے کم ہے)۔

۶.....رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں کی قتل گاہیں مسلمانوں کو پہلے سے تفصیل کے ساتھ بتادیں اور فرمادیا اس جگہ فلاں آدمی مارا جائے گا اس جگہ فلاں چنانچہ مسلمانوں نے دیکھ لیا کہ رسول اللہ ﷺ نے جو فرمایا تھا وہ صحیح نکلا۔

۷.....رسول اللہ ﷺ نے عقبہ بن ابی معیط سے فرمایا تھا کہ اگر مکہ کے پہاڑوں سے باہر میں نے تجھے پالیا تو پکڑوا کر بندھوا کر مار ڈالوں گا چنانچہ یہ بات پوری ہوئی۔

۸.....رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو بتادیا کہ تم فلاں چیز اپنی بیوی ام الفضل کے پاس رکھ کر آئے ہو اس اطلاع سے حضرت عباسؓ کے دل سے وہ شبہ جاتا رہا جو اس سے پہلے حضور ﷺ کی نبوت کے متعلق ان کو تھا۔

۹.....اللہ نے مسلمانوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں کے اندر بھلائی معلوم ہوئی (اور تمہارا اخلاص ثابت ہو گیا) تو جو مال تم سے لے لیا گیا ہے اس سے بہتر اللہ تم کو عنایت فرمادے گا چنانچہ اللہ کا یہ وعدہ پورا ہوا حضرت عباسؓ کو بیس اوقیہ (سونے یا چاندی) کے عوض اللہ نے بیس غلام عطا فرمائے جو آپ کے روپیہ سے تجارت کرتے تھے (اور نفع لا کر حضرت عباسؓ کو دیتے تھے)۔

۱۰.....اللہ نے اپنے پیغمبروں ﷺ کو مطلع فرمادیا کہ آپ کو قتل کرنے کا مشورہ مکہ میں عمیر بن وہب اور صفوان بن امیہ نے کیا ہے (اور آپ کو قتل کرنے کے ارادہ سے دونوں آئیں گے) اس اطلاع کے بعد اللہ نے اپنے پیغمبر ﷺ کی حفاظت کر دی اسی بنیاد پر عمیر بن وہب مسلمان ہو گئے اور پھر اسلام کے داعی بن گئے۔

۱۱.....کھجور کی ایک خشک شاخ تلوار بن گئی۔ ابن سعدؒ نے زید بن اسلم اور یزیدؒ بن رومان وغیرہ کی روایت سے لکھا ہے اور بیہقی و ابن عساکر نے بھی یہ واقعہ حضرت عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ بدر کی لڑائی میں عکاشہؓ بن محصن کی تلوار لڑتے لڑتے ٹوٹ گئی وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ ﷺ نے ان کو ایندھن کی ایک لکڑی اٹھا کر دے دی اور فرمایا عکاشہؓ اس سے لڑو جونہی عکاشہؓ نے وہ لکڑی ہاتھ میں لے کر ذرا اس کو حرکت دی وہ لکڑی فوراً ایک لمبی چوڑی سفید تلوار بن گئی۔ عکاشہ اسی تلوار سے لڑے یہاں تک کہ مسلمان فتح یاب ہو گئے اس تلوار کا نام عیون تھا عکاشہؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب مختلف معرکوں میں اسی سے لڑتے تھے آخر ارتداد کے زمانہ میں طلحہ بن خویلد اسدی (مدعی نبوت) کے ہاتھ سے شہید ہو گئے۔

بیہقی نے بروایت داؤد بن حصین بنی اشہل کے چند آدمیوں کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ بدر کے دن سلمہ بن اسلم بن حریش کی تلوار ٹوٹ گئی اور وہ خالی ہاتھ ہو کر رہ گئے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں بنی طابہ کے نخلستان کے کسی درخت کی ایک چھڑی تھی آپ نے وہی چھڑی سلمہؓ کو دے کر فرمایا اس سے مارو جونہی سلمہ کے ہاتھ میں وہ چھڑی آئی فوراً عمدہ تلوار بن گئی اور برابر ان کے پاس رہی آخر خیبر میں آپ شہید ہو گئے۔

۱۲.....بیہقیؒ نے بیان کیا ہے کہ بدر کے دن حبیبؓ بن عدی کے چوٹ لگ گئی جس سے ان کا ایک پہلو ٹیڑھا ہو گیا (وہ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے) حضور ﷺ نے اس پر لعاب دہن لگا دیا اور سیدھا کر کے جوڑ دیا پہلو جڑ گیا۔

۱۳.....بیہقیؒ نے بیان کیا ہے کہ جنگ بدر میں حضرت قتادہؓ بن نعمان کی آنکھ پر چوٹ لگی آنکھ باہر نکل کر رخسار پر آگئی لوگوں نے اس کو کاٹ کر علیحدہ کر دینا چاہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں ایسا نہ کرو پھر قتادہؓ کو طلب فرما کر آنکھ کے حدقہ کو ہاتھ میں دبایا (آنکھ چڑھ کر اپنے حلقہ میں پیوست ہو گئی) معلوم بھی نہ ہوتا تھا کہ کس آنکھ پر چوٹ لگی ہے۔

۱۴.....بیہقیؒ نے حضرت رفاعہؓ بن رافع کا بیان نقل کیا ہے حضرت رفاعہؓ نے بیان کیا کہ بدر کے دن میری آنکھ میں تیر لگ گیا اور آنکھ پھوٹ گئی رسول اللہ ﷺ نے اس پر تھتکار دیا اور میرے لئے دعا فرمادی پھر میرا دکھ جاتا رہا۔

۱۵.....ابن سعدؒ نے بروایت اسحاق از عبداللہ بن نوفل بیان کیا ہے کہ بدر کے دن نوفل گرفتار ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ بڑے تمہارے جدہ میں ہیں اگر وہ فدیہ کے طور پر دے دو تو تم کو رہا کر دیا جائے گا نوفل نے کہا اللہ کے اور

Marfat.com

میرے سوا کوئی نہیں جانتا تھا کہ میرے برچھے جدھ میں ہیں (یقیناً یہ اطلاع آپ کو اللہ نے دی ہے اس لئے میں مسلمان ہوتا ہوں) میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں یہ تیرے ایک ہزار تھے۔

يَوْمَ الْفُرْقَانِ فیصلہ کے دن۔

یعنی بدر کے دن جس میں حق و باطل کا فیصلہ کر دیا گیا اسلام کو اللہ نے غلبہ عطا فرمایا اور کفر و اہل کفر کو دفع کر دیا۔

يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ جس روز کو دونوں گروہوں کا مقابلہ ہوا ایک گروہ اللہ کا تھا دوسرا گروہ شیطان کا ہجرت سے سولہ مہینے کے بعد ۱۷ رمضان کو جمعہ کے دن بدر کی جنگ ہوئی۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۱﴾ اور اللہ ہر چیز پر قابو رکھتا ہے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى اور یہ وہ وقت تھا جبکہ تم میدان کے ادھر والے کنارے پر تھے اور وہ (کفار) میدان کے ادھر والے کنارہ پر تھے۔

العدوۃ الدنیا وادی کا قریب ترین کنارہ یعنی شام کی طرف والا کنارہ جو مدینہ کی جانب ہے۔

العدوۃ القصوی وادی کا بعید ترین کنارہ یعنی یمن کی طرف والا کنارہ جو مدینہ سے بعید ترین ہے قصوی اقصی کا مونث ہے جیسے دنیا ادنیٰ کا، قیاس عرفی کے لحاظ سے اقصی کا مونث قصیا ہونا چاہئے لیکن قصوی کا استعمال قصیا سے زیادہ ہے۔

وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ اور قافلہ یعنی ابوسفیان والا قافلہ تم سے نشیب میں تھا یعنی تین میل کے فاصلہ پر سمندر کی طرف تھا مطلب یہ ہے کہ دشمن طاقتور تھا اس کی کمک قریب ہی تھی وہ قافلہ والوں سے مدد لے سکتا تھا اس کو اطمینان تھا کہ وہ اپنے مرکز پر جما رہے گا اور وہ لڑنے کا حریص بھی تھا اپنی کوشش سے دریغ کرنے والا نہ تھا اور مسلمانوں کی حالت کمزور تھی ان کا غالب آنا بظاہر حال بعید تھا وادی کا کنارہ پتیلا نرم تھا قدم اس میں دھنس رہے تھے چلنا دشوار تھا اور وہاں پانی بھی نہ تھا اور پرلا کنارہ اس کے خلاف تھا۔

وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعٰدِ اور اگر تم اور وہ (پہلے سے) باہم ٹھیرا لیتے تو ضرور اس سے تم میں اختلاف ہوتا یعنی مسلمانو! اگر تم کافروں سے مل کر لڑنے اور مقابلہ کرنے کی کوئی تاریخ پہلے سے مقرر کر لیتے تو دشمنوں کی کثرت اور قوت کو دیکھ کر ڈر جاتے اور فتحیابی سے ناامید ہو کر مقررہ تاریخ پر لڑنے کے لئے جمع نہ ہوتے۔

وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ مگر اس لئے (ایسے کیا) کہ اللہ کو جو بات کرنی منظور تھی اس کو پورا کر دے۔ مگر اللہ تم کو دشمن کے مقابلہ پر بغیر پیشگی تاریخ کے تقرر کے لے آیا تم نکلے تھے قافلہ کی تاک میں اور دشمن نکلے تھے اپنے قافلہ کو بچانے کے لئے اسی طرح دونوں گروہوں کا مقابلہ ہو گیا اور جو طے شدہ امر تھا وہ اس طرح پورا ہو گیا یعنی اللہ نے اپنے دوستوں کی مدد کی ان کیلئے دین کو سربلند کر دیا اور دشمنوں کو ذلیل کر دیا۔

لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ تاکہ جس کو برباد (گمراہ) ہونا ہے وہ بھی نشان آنے کے بعد برباد ہو اور جس کو زندہ (یعنی ہدایت یاب) ہونا ہے وہ بھی نشان آنے کے بعد زندہ ہو۔

یعنی جو مرنے والا ہے وہ صداقت کا ثبوت دیکھ کر اور سبق آفریں حقیقت کا معائنہ کر کے اور واضح دلیل کا مشاہدہ کر کے مرے اور جو زندہ رہے وہ بھی مشاہدہ حقانیت و صداقت کر کے زندہ رہے تاکہ کسی (ہلاک ہونے والے) کو کوئی عذر و معذرت کا موقع باقی نہ رہے کیونکہ بدر کا واقعہ صداقت رسول اللہ ﷺ کی کھلی واضح نشانیوں میں سے ایک ہے۔

محمد ابن اسحاق نے کہا بطور استعارہ ہلاکت سے مراد کفر اور حیات سے مراد ایمان ہے (کیونکہ حقیقت میں کفر انسانیت کی موت اور ایمان انسانیت کی زندگی ہے) مطلب یہ کہ دلائل واضح کے بعد بھی جس کی تقدیر میں کافر رہنا لکھا ہے وہ کافر رہے گا اور علم الٰہی میں جس کا مومن ہونا ہے وہ ایمان لے آئے گا۔

وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۴۲﴾ اور یہ یقینی حقیقت ہے کہ اللہ (کفر و ایمان کے کلام کو) خوب سننے والا اور (کفر و

Marfat.com

ایمان کے عقائد کو) خوب جاننے والا ہے۔

یعنی کافروں کے کفر اور کفر کی سزا سے اور مومنوں کے ایمان اور ایمان کی جزا سے بخوبی واقف ہے۔

اِذْ يُرِيْكَهُمُ اللّٰهُ فِيْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا ؕ وَلَوْ اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ ؕ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۴۳﴾ اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ نے آپ ﷺ کے خواب میں آپ ﷺ کو ان کی تعداد کم کر کے دکھائی اور اگر اللہ آپ کو ان کی تعداد کثیر دکھلا دیتا تو تم ہمت ہار جاتے اور اس امر میں تم میں باہر نزاع ہو جاتا مگر اللہ نے (اس اختلاف سے) بچالیا بے شک وہ دلوں کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔

اذ یریکھم کا تعلق فعل محذوف سے ہے یعنی اس واقعہ کو یاد کرو۔ یا یوم الفرقان سے بدل ہے یعنی ہم نے جو کچھ اپنے بندہ پر اتارا تھا فیصلہ کے دن جب کے اللہ نے خواب میں تم کو دشمنوں کی تعداد کم کر کے دکھائی تھی۔ یا علیم سے اس کا تعلق ہے یعنی اللہ اس وقت کے مصالح سے واقف تھا جب خواب میں اللہ نے دشمنوں کی تعداد کم کر کے تم کو دکھائی تھی۔

قلت اعداء دکھانے کی غرض یہ ہے کہ مسلمان ثابت قدم رہیں، ان کے حوصلے بلند ہو جائیں اور دشمنوں کی کثرت دیکھ کر خوف زدہ نہ ہوں۔ واقعہ یہ ہوا کہ بدر کے دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ جب تک میں تم کو لڑنے کا حکم نہ دوں تم لڑائی نہ چھیڑنا اگر دشمن تمہارے قریب آجائیں تو تیر چلانا تلوار نہ چلانا تلوار کی جنگ اس وقت کرنا جب وہ تم پر ٹوٹ ہی پڑیں اس کے بعد جھونپڑی کے اندر حضور ﷺ کو کچھ نیند کی جھپکی آگئی حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ دشمن قریب آپہنچے اور کچھ چھیڑ چھاڑ بھی کرنے لگے رسول اللہ ﷺ (ابو بکرؓ کی آواز سے) بیدار ہو گئے خواب میں اللہ نے آپ کو دشمنوں کی تعداد کم کر کے دکھائی تھی آپ ﷺ نے صحابہؓ کو اس کی اطلاع دی (اس طرح لوگوں کی ہمت بندھی رہی اور حوصلے بلند رہے) ابن اسحاق اور ابن المنذر نے بروایت حبان بن واسع بیان کیا کہ بیدار ہو کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو بکرؓ بشارت ہو اللہ کی مدد تمہارے لئے آپہنچی یہ جبرئیل اپنے گھوڑے کی لگام پکڑے کھینچے لا رہے ہیں، جن کے اوپر غبار ہے۔

حسن نے کہا رسول اللہ ﷺ کو دشمن کی تعداد کم کر کے بیداری میں دکھائی گئی تھی مسلمانوں کی نظروں میں بھی دشمنوں کی تعداد کم دکھائی دی تھی) آیت میں فی منامک (سے مراد خواب نہیں بلکہ اس سے فی عینک مراد ہے آنکھ محل خواب ہے یعنی تمہاری آنکھوں میں اللہ نے دشمن کی تعداد کم کر کے دکھائی تھی۔

لَفَشِلْتُمْ یعنی تم پست حوصلہ اور بزدل ہو جاتے وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ اور جنگ کے متعلق تمہارے خیالات مختلف ہو جاتے۔ کوئی ثابت قدم رہنے کی رائے دیتا کوئی بھاگ جانے کی۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ سَلَّمَ مگر اللہ نے تم کو باہمی اختلاف اور بزدلی سے محفوظ رکھا وہ بلاشبہ دلوں کے احوال کیفیات اور تغیر حالات سے بخوبی واقف ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس فقرہ کی تشریح اس طرح کی کہ اللہ تمہارے دلوں کی حالت سے واقف ہے وہ جانتا ہے کہ تمہارے دلوں میں اللہ کی محبت ہے۔

وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّيُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ اور جب تم دو بدو آمنے سامنے آگئے تو اللہ ان کی تعداد تمہاری نظروں میں کم کر کے دکھا رہا تھا اور تمہاری تعداد بھی ان کو کم دکھا رہا تھا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا دشمنوں کی تعداد ہم کو اتنی کم نظر آتی تھی کہ میں نے اپنے برابر والے آدمی سے کہا، کیا تمہارے خیال میں یہ لوگ نوے ہوں گے۔ اس نے جواب دیا میرے خیال میں سو ہوں گے۔ جب ہم نے ان کا ایک آدمی قید کر لیا (اور جنگ کے بعد اس سے پوچھا تم کتنے تھے تو اس نے کہا ایک ہزار کافروں کی نظروں میں مسلمانوں کی تعداد کم دکھانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ مسلمانوں کی زیادہ تعداد دیکھ کر بھاگ نہ جائیں

ابو جہل نے مسلمانوں کی تعداد دیکھ کر کہا تھا، محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تو ایک اونٹ کی خوراک ہیں، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے بروایت ابن جریج بیان کیا کہ ابو جہل نے یہ بھی کہا تھا ان میں سے کسی کو قتل نہ کرنا بلکہ پکڑ کر رسیوں سے باندھ لینا۔ اس پر آیت اِنَّا بَلَوْنٰهُمْ كَمَا بَلَوْنَآ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ نازل ہوئی۔

یہ تعداد کی تقلیل کفار کی نظر میں جنگ چھڑنے سے پہلے تھی جب گھمسان کی جنگ ہونے لگی تو اس وقت کافروں کو

Marfat.com

مسلمانوں کی تعداد اپنی تعداد سے دوگنی نظر آنے لگی۔

لِيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا تاکہ جو بات اللہ کو کرنا منظور تھا وہ پوری کر دے۔

اس آیت کو مکرر ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ دونوں فعل الگ الگ ہیں جن کی علت اس آیت کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ امرا" سے مراد پہلی آیت میں وہ مقابلہ ہے جس کو بطور حکایت نقل کیا گیا ہے اور اس جگہ امر اُسے مراد اسلام اور اہل اسلام کا اعزاز اور شرک و گروہ شرک کی توہین ہے۔ (تو گویا تکرار الفاظ کے باوجود مراد میں اختلاف ہے اس لئے اس کو مکرر نہیں کہا جا سکتا)۔

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۴۴﴾ اور سب مقدمے اللہ ہی کی طرف رجوع کئے جائیں گے وہ جیسا چاہتا ہے کرتا ہے اور جو حکم چاہتا ہے دیتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

اے ایمان والو اگر (لڑنے کے لئے) تمہارا مقابلہ کسی (کافر) گروہ سے ہو جائے تو جمے رہو اور اللہ کی یاد بکثرت کرو تاکہ کامیاب ہو جاؤ۔

فِئَةً سے مراد ہے کافر گروہ اور مقابلہ سے مراد ہے لڑنے کے لئے مقابلہ۔ گروہ کے لفظ کے ساتھ کافر کا لفظ نہ ذکر کرنا بتا رہا ہے کہ مسلمان صرف کافروں سے ہی لڑتے ہیں۔ جمے رہنے سے مراد ہے لڑنے والے دشمنوں کے سامنے جمے رہنا، مقابلہ کے وقت بھاگنا گناہ کبیرہ ہے۔ صحیح احادیث میں یہی آیا ہے۔ اللہ کی یاد کرنے سے مراد ہے فتح کی دعا کرنا تاکہ اللہ کی یاد سے قوت حاصل ہو اور کامیابی کی قوی امید ہو۔ اس آخری جملہ میں اس بات کی درپردہ تعلیم ہے کہ مومن بندہ سے اللہ کی مہربانی کسی وقت منقطع نہیں ہوتی اس لئے بندہ پر لازم ہے کہ شدائد کے وقت بھی اللہ ہی کی طرف اپنی پوری توجہ رکھے اللہ کی یاد سے کسی وجہ سے بھی غافل نہ ہو اللہ کی مہربانی پر پورا بھروسہ رکھے اور خلوص دل کے ساتھ اسی کی یاد میں مشغول رہے۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور (تمام امور میں عموماً اور خصوصاً دشمن خدا سے لڑنے اور دین خدا کو سربلند کرنے میں) اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرو۔

وَلَا تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ اور آپس میں اختلاف نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا جاتی رہے گی۔

تفشلوا اور تذھب نہی کا جواب ہے اسی لئے دونوں منصوب ہیں اُڑ مضمر ہے۔ انحفش کے نزدیک ریح کا مجازی معنی مراد ہے یعنی اقتدار حکومت، اپنی منشاء کے موافق حکم کا اجراء جس طرح ہوا جس طرف کو چاہتی ہے آزادی کے ساتھ چلتی ہے اسی طرح خود مختار حکومت بھی اپنی چال اور حکم میں آزاد ہوتی ہے پس اسی آزادی رفتار اور حریت حکم کی وجہ سے ریح کے لفظ سے حکومت اور اقتدار اعلیٰ مراد ہو گیا۔

سدی کے نزدیک ریح سے مراد ہے دلیری، مقاتل کے نزدیک تیزی اور نضر بن شمیل کے نزدیک قوت، قتادہؓ اور ابن زیدؓ نے کہا مسلمانوں کو ہمیشہ فتح ہوا کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوتی رہی ہے اللہ ہوا بھیج کر دشمنوں کے رخ کو پلٹ دیتا تھا جس سے مسلمان فتحیاب ہو جاتے تھے اس لئے ریح سے حقیقی معنی یعنی ہوا ہی مراد ہے۔ ابن ابی حاتم نے ابوزید کا قول بھی یہی نقل کیا ہے۔ بخاری اور مسلم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے پروا ہوا کے ذریعہ سے فتح عنایت کی گئی اور عاد کو پچھی ہوا سے ہلاک کیا گیا۔ حضرت نعمان بن مقرن کا بیان ہے میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب (جہادوں میں) شریک ہوتا رہا ہوں اگر شروع دن میں رسول اللہ ﷺ جنگ نہ کرتے تھے (لڑنا مناسب نہیں سمجھتے تھے) تو پھر سورج ڈھلنے کا اور (نرم) ہوا میں چلنے اور (اللہ کی طرف سے) نصرت نازل ہونے کا انتظار کرتے تھے، رواہ ابن ابی شیبہ۔

وَاصْبِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۴۶﴾ اور (مرنے اور زخمی ہونے پر) صبر رکھو یقیناً اللہ صبر رکھنے

Marfat.com

والوں کیساتھ ہے یعنی صبر کرنے والوں کے ساتھ اللہ کی مدد (دنیا میں) اور اچھی جزاء (آخرت میں) ہوگی۔

بخاری نے صحیح میں عمرو بن عبداللہؓ کے آزاد کردہ غلام ابوالنصر سالم کی روایت سے بیان کیا ہے، سالمؒ عمرو بن عبداللہ کے کاتب بھی تھے کہ عبداللہ بن ابی اوفی نے ایک خط لکھا جو میں نے پڑھا تھا خط میں یہ لکھا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کسی جہاد میں جبکہ دشمن کے مقابلہ پر تھے منتظر رہے یہاں تک کہ سورج ڈھل گیا، زوال کے بعد (خطبہ دینے) کھڑے ہوئے اور فرمایا لوگو! دشمن سے مقابلہ کی تمنا مت کرو اور اللہ سے عافیت (بچاؤ) کی دعا کرو

لیکن جب مقابلہ ہو ہی جائے تو پھر ثابت قدم رہو اور یقین رکھو کہ جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے پھر دعا کی اے اللہ اے کتاب نازل کرنے والے بادلوں کو چلانے والے اور (کافروں کے) گروہوں کو شکست دینے والے ان کو شکست دے دے اور ہم کو ان پر فتح عنایت کردے۔

اللہ نے اس آیت میں جب جہاد کرنے اور ثابت قدم رہنے کا حکم دیدیا تو آئندہ آیت میں اخلاص نیت کی تعلیم دی کیونکہ نیتوں کے خلوص کے بغیر اعمال قابل قدر نہیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نہ تمہاری (ظاہری) صورتوں کو دیکھتا ہے نہ تمہارے مالوں کو بلکہ تمہارے دلوں کو اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان آیا ہے لیکن جہاد اور نیت (باقی ہے ہجرت کا حکم ختم ہو گیا) اللہ نے فرمایا۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾ اور ان لوگوں کی طرح مت ہونا جو اپنے گھروں سے اتراتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے اور اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روک رہے تھے اور اللہ ان کے اعمال کو (اپنے علمی) احاطہ میں لئے ہوئے ہے۔ یعنی جہاد اور جنگ میں تم اہل مکہ کی طرح نہ ہونا جو قافلہ کی مدد کے لئے نکلے تھے مگر فخر واکڑ کے ساتھ اور لوگوں کو دکھانے کے لئے۔

بطر کا معنی ہے فخر اور اکڑ زجاج نے کہا بطر کا معنی ہے نعمت پاکر سرکشی کرنا اور شکر ادا نہ کرنا بعض اہل لغت نے کہا کہ بطر کا معنی ہے نعمت کے نشہ میں سرمست ہو جانا اور شکر نہ کرنا۔ رِئَآءَ کا معنی ہے دکھاوٹ یعنی اچھائی کو دنیا کے سامنے ظاہر کرنا اور (اپنی) برائی کو چھپانا۔ مقصد یہ ہے کہ وہ تعداد کی کثرت اور مال کی فراوانی پر اکڑتے ہوئے لوگوں کو دکھانے کے لئے نکلے تاکہ لوگ ان کی بہادری اور سخاوت کی تعریف اور ان کی عظمت کا اعتراف کریں۔

اللہ کے راستے سے روکنے سے مراد ہے اللہ اور رسول پر ایمان لانے سے روکنا ابوسفیان نے جب دیکھا کہ قافلہ کو حفاظت کے ساتھ وہ نکال لایا تو اس نے قریش کے پاس پیام بھیجا کہ تم اپنے قافلہ کو بچانے کے لئے مکہ سے نکلے تھے اب چونکہ قافلہ بحفاظت پہنچ گیا اس لئے تم بھی واپس چلے جاؤ ابوجہل یہ پیام سن کر بولا بخدا ہم تو اس وقت تک واپس نہ ہوں گے جب تک بدر پر جاکر تین روز قیام نہ کرلیں گے۔ ہم بدر پر جاکر اونٹ ذبح کریں گے لوگوں کو کھانا دیں گے شرابیں پلائیں گے طوائفیں گائیں گی۔ عرب جب ہماری ان باتوں کا تذکرہ سنیں گے تو ہماری ہیبت ان پر پڑے گی چنانچہ یہ لوگ بدر پر پہنچے وہاں بجائے شراب کے موت کا دور چلا اور گانے والی باندیوں کی جگہ نوحہ کرنے والیوں نے بین کئے اللہ نے مسلمانوں کو قریش کی طرح ہو جانے سے منع فرمادیا اور ممانعت فرمادی کہ قریش کی طرح وہ بھی فخر اور اکڑ میں کہیں مبتلا ہو جائیں اور ہدایت کردی کہ نیتوں میں خلوص رکھو۔ اللہ کے دین اور اس کے پیغمبر ﷺ کی مدد سے ثواب کی امید رکھو دکھاوٹ اور شہرت کے لئے یہ کام نہ کرو۔

وَإِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۖ

اور یاد کرو اس حالت کو جب کہ شیطان نے ان کے برے اعمال کو ان کی نظروں میں اچھا کر کے دکھایا تھا اور



Marfat.com

شیطان نے ان سے کہا تھا کہ آج کوئی شخص تم پر غالب نہیں آسکتا۔ اور میں (بنی کنانہ کی طرف سے) تمہارا ضامن ہوں۔

اعمالھم سے مراد ہیں برے اعمال یعنی رسول اللہ ﷺ سے دشمنی کرنا آپ کو قتل کرنے اور آپ سے لڑنے کا ارادہ کرنا، ہم لکھ چکے ہیں کہ قریش نے جب دار الندوہ میں اجتماع کیا تھا تو شیطان بھی وہاں سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں آکر شریک جلسہ ہو گیا تھا۔ قریش اور بنی بکر کے درمیان جو جنگ تھی اس کا ذکر بھی ہم نے کر دیا ہے۔ لا غالب لکم الیوم سے مراد یہ ہے کہ تمہاری تعداد بہت ہے اور تم بڑے مالدار بھی ہو اس لئے آج کوئی شخص تم پر غالب نہیں آسکتا۔ شیطان نے ان کے دماغوں میں یہ بات بھی جمادی تھی کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ نیک عمل ہیں۔ ان اعمال کے ذریعہ سے ہم کو نجات حاصل ہو گی۔ یہی وجہ تھی کہ انہوں نے دعا کی تھی اے اللہ! دونوں گروہوں میں جو بھی زیادہ سیدھے راستہ پر ہو اور دونوں مذہبوں میں سے جو بھی افضل ہو اس کی مدد کر۔

فَلَمَّا تَرَاۗءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ عَلٰي عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰي مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ۭ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۴۸

پھر جب دونوں گروہوں نے (باہم مقابل ہو کر) ایک دوسرے کو دیکھ لیا تو شیطان ایڑیوں کے بل پلٹ گیا (پشت پھیر کر بھاگ کھڑا ہوا) اور کہنے لگا، میں تم سے الگ ہوں، مجھے وہ چیز نظر آرہی ہے جو تم کو نہیں آتی مجھے اللہ سے ڈر لگتا ہے اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

یعنی جب مسلمانوں اور کافروں کے دونوں گروہ آمنے سامنے ہوئے اور شیطان نے ملائکہ کو آسمان سے اترتے دیکھا اور سمجھ گیا کہ ان سے مقابلہ کرنے کی مجھ میں طاقت نہیں تو منہ پھیر کر پشت موڑ کر بھاگا۔

طبرانی نے حضرت رفاعہؓ بن رافع کی روایت سے اور ابن جریر و ابن المنذر و ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اللہ نے ایک ہزار فرشتے بھیج کر اپنے پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو مدد پہنچائی۔ حضرت جبرئیلؑ پانچ سو فرشتوں کے ساتھ ایک طرف اور حضرت میکائیلؑ پانچ سو فرشتوں کے ساتھ دوسری جانب تھے۔ ابلیس بھی شیطانوں کا لشکر اور اپنا جھنڈا لے آگیا۔ شیطانی لشکر والے بنی مدلج کے مردوں کے بھیس میں تھے اور خود ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم کی شکل میں۔ اس وقت شیطان نے مشرکوں سے کہا لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَاِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ جوں ہی جبرئیلؑ ابلیس کی طرف بڑھے اور ابلیس نے ان کو دیکھا اس وقت ابلیس کا ہاتھ کسی مشرک کے ہاتھ میں تھا فوراً ہاتھ چھڑا کر پشت پھیر کر بھاگا اور اس کے چیلے بھی اسی کے ساتھ چل دیئے، ایک شخص نے کہا، سراقہ تو نے تو کہا تھا اِنِّىْ جَارٌ لَّكُمْ (اب بھاگا جا رہا ہے) کہنے لگا اِنِّىْ بَرِيْۗءٌ مِّنْكُمْ اِنِّىْٓ اَرٰي مَا لَا تَرَوْنَ الخ ابلیس کا یہ فرار ملائکہ کو دیکھنے کے بعد ہوا تھا۔ حارث بن ہشام نے جب ابلیس کا کلام سنا اور حارث اس کو سراقہ ہی سمجھے ہوئے تھے (سراقہ بدر کے بعد مسلمان ہو گئے تھے) تو اس کا دامن پکڑ لیا مگر شیطان نے حارث کے سینہ پر ضرب کاری رسید کی۔ حارث گر پڑے اور شیطان بھاگ نکلا۔ کسی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھا، آخر جا کر سمندر میں گر پڑا اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگا، اے میرے رب اپنا وعدہ پورا کر جو تو نے مجھ سے کیا تھا۔ اے اللہ میں تجھ سے درخواست کرتا ہوں اس مہلت کی جو تو نے مجھے (قیامت تک کے لئے) دی تھی۔

اس دعا کرنے کی وجہ یہ تھی کہ ابلیس کو اپنے مارے جانے کا اندیشہ ہو گیا تھا (اس کو ڈر ہو گیا تھا کہ جبرئیلؑ مجھے مار ڈالیں گے) ابو جہل کہنے لگا، لوگو! سراقہ نے تمہاری مدد نہ کی، تم اس کو کوئی اہمیت نہ دو اس کی تو محمد ﷺ سے سازش ہو ہی گئی تھی۔ عتبہ اور شیبہ کے مارے جانے کا بھی زیادہ خیال نہ کرو، انہوں نے جلدی کی تھی (اس لئے مارے گئے) قسم ہے لات و عزیٰ کی ہم جب تک محمد ﷺ اور اس کے ساتھیوں کو رسیوں سے باندھ نہ لیں گے لوٹ کر نہ جائیں گے۔ تم میں سے کوئی آدمی مجھے ایسا نہ ملنا چاہئے جس نے محمد ﷺ کے کسی آدمی کو قتل کیا ہو۔ ان کو پکڑ لو تاکہ ہم ان کو ان کے برے کرتوت بتا سکیں۔

روایت میں آیا ہے کہ بدر کے بعد لوگوں نے سراقہ کو مکہ میں دیکھا اور کہا، سراقہ تو نے ہماری صفوں میں شگاف ڈال دیا اور بھگدڑ ڈال دی۔ سراقہ نے جواب دیا، مجھے تو تمہاری کسی معاملہ کی خبر بھی نہیں۔ میں تو وہاں گیا ہی نہیں مجھے کچھ علم ہی نہیں

Marfat.com

لوگوں نے سراقہ کی بات صحیح نہ مانی لیکن جب یہ لوگ مسلمان ہوگئے اور اللہ نے شیطان کے متعلق جو آیات نازل کی تھیں وہ انہوں نے سنیں تو سمجھے کہ ابلیس سراقہ کی شکل میں آیا تھا۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ قتادہؓ نے فرمایا کہ ابلیس نے جو کہا تھا اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ یہ بات اس نے سچ کہی تھی اور انی اخاف اللہ جو کہا تھا تو یہ جھوٹ کہا تھا، بخدا اس کو اللہ کا خوف نہ تھا بلکہ اس کو معلوم تھا کہ اس میں طاقت اور دفاع کی قوت نہیں، اس لئے سب کو میدان میں تو لے آیا اور خود ان کی مدد نہ کی، بے مدد چھوڑ کر چل دیا دشمن خدا کی یہ عادت ہی ہے کہ جب حق و باطل کا ٹکراؤ ہوتا ہے تو وہ اپنے فرماں برداروں اور پیروی کرنے والوں کو بے مدد چھوڑ دیتا ہے اور سب سے الگ ہو جاتا ہے

عطاء نے اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ کا یہ مطلب بیان کیا کہ مجھے اللہ سے اس بات کا ڈر لگتا ہے کہ دوسرے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ کہیں وہ مجھے ہلاک نہ کر دے (یعنی اللہ کی طرف سے مجھے اپنی زندگی کا اندیشہ رہتا ہے)۔

کلبی نے کہا شیطان کو جبرئیلؑ کی طرف سے خوف تھا کہ کہیں جبرئیلؑ اس کو پکڑ کر لوگوں کو اس کی مکاری سے واقف نہ کر دیں پھر لوگ اس کا کہنا نہ مانیں۔ بعض نے اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ میں اللہ کے وعدہ کی سچائی جانتا ہوں کہ وہ اپنے دوستوں کی مدد کرتا ہے۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا کہ مجھے تم لوگوں کے متعلق اللہ کا خوف ہے، اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ بعض نے کہا کہ اِنِّیْ اَخَافُ اللّٰہَ پر کلام ختم ہو گیا۔ وَاللّٰہُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ دوسرا جملہ ہے، (جس کا لفظی ربط پہلے جملے سے نہیں)۔

حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ بن کریز کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، شیطان جب عرفہ کے دن (حج کے دن) اللہ کی رحمت نازل ہوتے دیکھتا ہے اور یہ بھی دیکھتا ہے کہ اللہ (بندوں کے) بڑے بڑے گناہوں سے بھی درگزر فرما رہا ہے تو یہ حالت دیکھ کر وہ اتنا ذلیل حقیر بے عزت اور غضب ناک نظر آتا ہے کہ سوائے یوم بدر کے کبھی اتنا ذلیل نہیں دیکھا گیا، عرض کیا گیا (یا رسول اللہ ﷺ) شیطان نے بدر کے دن کیا بات دیکھی تھی (کہ وہ اپنے کو حقیر ترین ذلیل ترین اور بے عزت سمجھنے لگا تھا) فرمایا، اس نے جبرئیلؑ کو دیکھا کہ وہ ملائکہ کو ڈیوٹیوں کی تقسیم کر رہے تھے (یہ دیکھ کر اس کو اپنی ساری مکاری ہیچ نظر آنے لگی اور ذلیل ہو کر بھاگا)، رواہ مالک مرسلاً و البغوی فی شرح السنۃ والمصابیح والمعالم۔

اِذْ یَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ (یاد کرو) جب (مدینہ میں) منافق کہہ رہے تھے، منافقوں نے دیکھا کہ کچھ اوپر تین سو دس مسلمان مدینہ سے گئے ہیں اور یہ بھی انہوں نے سنا کہ ابوجہل ایک ہزار کی تعداد ساتھ لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے مکہ سے روانہ ہو گیا ہے تو منافق کہنے لگے، یہ لوگ مذہبی فریب میں ایسے پھنسے کہ ان لوگوں سے لڑنے چلے ہیں جن سے مقابلہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں۔

وَالَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ اور وہ لوگ بھی کہہ رہے تھے جن کے دلوں میں بیماری تھی۔ یعنی جن کا ایمان خالص اور پختہ نہ تھا، دلوں میں شبہات باقی تھے۔ بعض لوگوں کے نزدیک اَلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ سے مشرک مراد ہیں۔ بعض نے کہا منافق ہی مراد ہیں لیکن چونکہ ان کے دونوں حال الگ تھے (منافقت بھی اور دلوں میں اسلام کی طرف سے شبہات بھی تھے) اس لئے عطف کر دیا گیا (جیسے الی الملک القرم و ابن الھمام ولیث الکتیبۃ فی المزدحم میں ایک ہی بادشاہ مراد ہے لیکن عظمت ذاتی شرافت نسب اور شجاعت اس کے مختلف لوصاف تھے اس لئے عطف کر دیا گیا)۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ بیمار دل والوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو مسلمان ہونے کے بعد (ہجرت نہیں کر سکے تھے) کمزوری کی وجہ سے وہیں رہ گئے تھے، ان کے رشتہ داروں نے ہجرت نہیں کرنے دی تھی، جب قریش بدر کو گئے تو جبراً ان کو بھی اپنے ساتھ لے گئے۔ بدر میں پہنچ کر ان لوگوں نے مسلمانوں کی تعداد کم دیکھی تو (اسلام کی صداقت کی طرف سے) شک میں پڑ گئے اور مرتد ہو کر کہنے لگے۔

غَرَّ ھٰٓؤُلَآءِ دِیْنُھُمْ ان مسلمانوں کو ان کے دین نے دھوکا دیا۔

Marfat.com

یہ سب کے سب جنگ بدر میں مارے گئے قیس بن ولید بن مغیرہ مخزومی، ابو قیس بن فاکہ بن مغیرہ مخزومی حارث بن زمیہ بن اسود بن مطلب علی بن امیہ بن خلف جمحی اور عاص بن منبہ بن حجاج انہی لوگوں میں سے تھے۔ طبرانی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ بات عتبہ بن ربیعہ اور اس کے ساتھیوں نے کہی تھی جو مشرک تھے اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا۔

وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۴۹ اور جو شخص اللہ پر بھروسہ رکھتا ہے (وہ ذلیل نہیں ہوتا) پس بلاشبہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ اپنی حکمت رسا کے زیر اثر ایسا کام کر دیتا ہے جس کو عقل بعید سمجھتی ہے اسی وجہ سے اس نے کافروں کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو ان کے گمان میں بھی نہ تھا۔ دنیا میں کافروں کے قتل و ہزیمت کا تذکرہ کرنے کے بعد آئندہ آیت میں اس بدانجامی کا ذکر فرمایا جو مرنے کے بعد ان کو پیش آئی۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا ۙ الْمَلٰٓئِكَةُ ۙ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ۚ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝۵۰

اور اگر آپ اس وقت کا واقعہ دیکھتے جب فرشتے ان کی جانیں قبض کر رہے تھے ان کے چہروں پر اور ان کی پشتوں پر مار رہے تھے اور کہہ رہے تھے آگ کی سزا کا مزہ چکھو۔

تری (صیغہ مضارع) بمعنی ماضی ہے کیونکہ لو کی وجہ سے مضارع بمعنی ماضی ہوتا ہے، یتوفی یعنی روحیں قبض کر رہے تھے خواہ بدر میں یا دوسری جگہ، یتوفی کا فاعل ملائکہ ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ فاعل ہو اور الملٰئکۃ مبتداء اور یضربون خبر۔

يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ یعنی آگ کے کوڑوں اور لوہے کے گرزوں سے ان کے سامنے سے (چہروں پر) اور پیچھے سے (پشت پر) مار رہے تھے۔ سعید بن جبیر اور مجاہد نے کہا ادبار سے مراد سرین ہیں۔ اللہ نے بے حیائی کے لفظ کو ترک کر کے بطور کنایہ بیان کیا۔ ذُوْقُوْا یعنی کہہ رہے تھے کہ دوامی آگ کا مزہ چکھو۔ تشریح مذکورہ کی بناء پر یتوفی سے الحریق تک برزخی عذاب کا بیان ہوگا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا (یہ واقعہ بدر کا ہے برزخ کا نہیں) بدر میں مشرک جب مسلمانوں کی طرف رخ کر کے آگے بڑھتے تھے تو ملائکہ ان کے منہ پر تلواریں مارتے تھے اور جب منہ پھیر کر بھاگتے تھے تو فرشتے ان کی پشتوں پر مارتے تھے، اس طرح ملائکہ مشرکوں کو قتل کر رہے تھے اور کہہ رہے تھے (ابھی کیا ہے آئندہ) آگ کے عذاب کا مزہ چکھو۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ملائکہ لوہے کے گرزوں سے مار رہے تھے اور گرز کی ضرب سے زخموں میں آگ سی لگ جاتی تھی۔ ذوقوا عذاب الحریق کا یہی مطلب ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مرنے کے بعد فرشتے یہ بات کہتے تھے اور کہیں گے۔

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝۵۱ یہ عذاب ان اعمال کی پاداش ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سے پہلے (یعنی دنیوی زندگی میں) سمیٹے تھے اور یہ بات ثابت شدہ ہے کہ اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

بما میں ما سببیہ ہے۔ ماقدمت سے مراد ہے کفر اور گناہ، چونکہ عموماً کام ہاتھوں سے ہی کئے جاتے ہیں اس لئے ایدی سے بطور کنایہ ذات مراد ہوتی ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ کا عطف ماقدمت پر ہے۔ عذاب کا سبب اعمال ضرور ہیں لیکن ساتھ ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اللہ ظالم نہیں ورنہ بغیر گناہ کے بھی عذاب دیتا۔ آیت وَاَنَّ اللّٰهَ سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کی مجرم کو عذاب نہ دینے کا اختیار اللہ کو نہیں ہے۔ کیونکہ مستحق عذاب کو عذاب نہ دینا ظلم نہیں بلکہ رحمت و مغفرت ہے غیر مجرم کو عذاب دینا ظلم ہے۔

ظلام (مبالغہ کا صیغہ ہے مگر مبالغہ اس جگہ قوت اور فعل کی شدت کو ظاہر کرنے کے لئے نہیں بلکہ) فعل کی کثرت کے لئے ہے کیونکہ بندوں کی تعداد چونکہ بہت ہے اس لئے کثرت مظالم کی نفی کر دی گئی (مراد یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہیں کرتا) یہاں تک ملائکہ کے کلام کا بیان ہے۔

Marfat.com

كَدَأْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۵۲

ان کی حالت ایسی ہے جیسی فرعون والوں کی اور ان سے پہلے کے کافر لوگوں کی حالت تھی کہ انہوں نے آیات الٰہیہ کا انکار کیا۔ سو خدا تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں پکڑ لیا، بلاشبہ اللہ بڑی قوت والا سخت سزا دینے والا ہے۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ محذوف مبتدا کی خبر ہے یعنی کافروں کا عمل اور طریقہ جس کے یہ عادی اور پابند ہیں آل فرعون کے عمل و طریقہ کی طرح ہے۔ اَلَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد ہے قوم نوح، عاد، ثمود اور دوسری گزشتہ کافر اقوام كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ یہ عمل و طریقہ کی تشریح ہے، فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ یعنی اللہ نے عذاب کی گرفت میں ان کو لے لیا جیسے گزشتہ اقوام کو دھر پکڑا اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ یعنی اللہ پر کوئی چیز غالب نہیں آسکتی، نہ اس کے عذاب کو کوئی دفع کر سکتا ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۵۳

یہ بات اس سبب سے ہے کہ اللہ کسی ایسی نعمت کو جو کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتا جب تک وہی لوگ اپنے ذاتی اعمال کو نہیں بدل ڈالتے اور اس سبب سے بھی ہے کہ اللہ بڑا سننے والا اور بڑا جاننے والا ہے۔

ذلک یعنی یہ عذاب جو ان پر نازل ہوا (یہ ظلم نہیں ہے بلکہ) بان اس کا سبب یہ ہے کہ اللہ جو نعمت کسی قوم کو عطا فرماتا ہے اس کو دکھ اور عذاب سے اس وقت تک نہیں بدلا کرتا جب تک وہ اپنی اچھی حالت کو بری حالت سے خود تبدیل نہ کر لیں (اور مستحق عذاب نہ ہو جائیں) مثلاً اہل مکہ کو اللہ نے رزق، عزت اور امن سے سرفراز کیا اور اصحاب فیل کے لشکر کو تباہ کیا تو اللہ نے بدر کے دن قید و قتل کی مصیبت میں اس وقت تک ان کو گرفتار نہیں کیا جب تک کہ انہوں نے دین اسمٰعیل، ملت ابراہیم، اقرباء سے حسن سلوک، کعبہ کی خدمت، مہمان نوازی اور حاجیوں کو پانی پلانے اور دوسرے اچھے کاموں کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کی دشمنی نہ اختیار کر لی اور مسجد حرام سے ان کو روک نہ دیا اور قربانی کے جانوروں کی جرم میں داخلہ کی ممانعت نہ کر دی اور اہل توحید کا خون بہانے کے درپے نہیں ہو گئے اور آیات کی تکذیب اور استہزاء قرآن کو اختیار نہ کر لیا۔

اہل تاریخ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے دادا (عبدالمطلب بن ہاشم) کے دادا کا نام عبد مناف تھا اور عبد مناف (بن قصی) کے دادا کا نام کلاب (بن مرہ بن کعب بن لوی) تھا کلاب سے پہلے اس کے تمام آباء و اجداد نسلاً بعد نسل دین اسمٰعیلؑ پر تھے ہر بیٹے کو اپنے باپ سے ریاست قوم ملتی تھی اور دین اسمٰعیلؑ پر قائم رہنے کی وصیت بھی، اولاد اسمٰعیلؑ میں دین ابراہیمؑ کی تبدیل اور بت پرستی کی ایجاد قصی بن کلاب کے زمانہ میں ہوئی، کعب بن لوی نے عرب کو مجتمع کیا تھا، تمام قریش اس کے پاس جمع ہوتے تھے۔ قصی ان کو خطاب کرتا اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی اطلاع دیتا اور بتاتا تھا کہ وہ میری نسل میں سے ہوں گے، تم لوگ ان کا اتباع کرنا اور ان پر ایمان لانا پھر چند اشعار پڑھتا جن میں سے ایک شعر کا مضمون یہ تھا، کاش میں ان کی دعوت کے وقت موجود ہوتا جب قریش حق سے سرکشی کریں گے اور مدد نہ کریں گے۔ قصے منی اور عرفات کے زمانہ میں حاجیوں کو بہت زیادہ کھانا کھلاتا تھا۔ اس کو رفادہ کہا جاتا ہے۔ چمڑے کے بڑے بڑے ٹینک اس نے بنوائے تھے جن میں پانی بھر کر مکہ اور منی اور عرفات میں حاجیوں کو پلاتا تھا۔ اس کو سقایہ کہا جاتا ہے۔ قصی کے حکم سے عہد جاہلیت میں حاجیوں کو کھانا کھلانے اور پانی پلانے کی رسم جاری تھی یہاں تک کہ اسلام آگیا اور اسلام نے بھی اس رسم کو قائم رکھا۔ قصی نے ایک دستور یہ ایجاد کیا تھا کہ مزدلفہ میں رات کو آگ جلاتا تھا تاکہ عرفہ سے روانہ ہونے والے آگ کو دیکھ لیں اور راستہ نہ بھٹک جائیں۔ آگ روشن کرنے کا یہ دستور برابر اسلام میں بھی جاری رہا۔ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کے زمانہ میں یہ سلسلہ قائم رہا۔ مزدلفہ میں آگ روشن کی جاتی رہی عمرو بن کعی خزاعی پہلا شخص ہوا جس نے دین اسمٰعیلؑ کو بگاڑا بت پرستی کی اور سانڈ چھوڑنے کی رسم نکالی۔

سدی نے کہا نِعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ میں نعمت سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے۔ اللہ نے یہ نعمت

Marfat.com

قریش اور مکہ والوں کو عنایت کی تھی مگر انہوں نے تکذیب کی اور انکار کر دیا تو اللہ نے یہ نعمت انصار کو منتقل کر دی۔

بعض علماء کا قول ہے کہ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ آل فرعون اور مکہ والوں کی مذہبی حالت پہلے پسندیدہ تھی پھر انہوں نے اس کو بگاڑ لیا کیونکہ یہ لوگ اچھی حالت پر کبھی نہ تھے بلکہ مراد یہ ہے کہ بری حالت پر تو پہلے ہی تھے پھر انہوں نے بدترین حالت اختیار کر لی۔ بعثت سے پہلے بت پرست تھے پھر بعثت کے بعد پیغمبرؐ برحق کو جھوٹا قرار دیا۔ آپ کے قتل کے درپے ہو گئے اور لوگوں کو راہ خدا سے روکنے لگے۔ اللہ نے ان پر اتنا کرم کیا تھا کہ (باوجود بت پرستی اور فسق و فجور کے) ان کو ڈھیل دے رکھی تھی (عذاب میں نہیں پکڑا تھا) لیکن جب انہوں نے اپنی حالت کو مزید بگاڑ لیا تو اللہ نے دنیا میں ہی فوراً ان پر عذاب نازل کر دیا۔

بظاہر کلام کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ عذاب میں مبتلا کرنے کا سبب یہ ہے کہ جب تک وہ لوگ جن کو اللہ نے اپنی نعمت سے سرفراز کیا خود اپنی حالت بگاڑ نہ لیں اللہ اپنی نعمت کو نہیں بدلتا اور عذاب نازل نہیں کرتا (مگر یہ مطلب غلط ہے کیونکہ ڈھیل دینے اور عذاب میں مبتلا نہ کرنے کی تو یہ وجہ ہو سکتی ہے جو آیت میں ذکر کی گئی ہے۔ عذاب میں مبتلا کرنے کی یہ وجہ نہیں ہو سکتی اس لئے ظاہری مدلول الفاظ مراد نہیں بلکہ) حقیقت میں مطلب یہ ہے اور مفہوم بھی یہی ہے کہ جب لوگ اپنی حالت بگاڑ لیتے ہیں تو اللہ کا دستور ہے کہ وہ اپنی نعمت چھین لیتا ہے اور عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اور عذاب میں مبتلا کرنے کا سبب یہ بھی ہے کہ اللہ ان کے کلام کو خوب سنتا اور ان کی حرکتوں کو خوب جانتا ہے (اور چونکہ ان کے اقوال و اطوار ان کو مستحق عذاب بنا دیتے ہیں اس لئے اللہ عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے)۔

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵۴﴾ ان کی حالت فرعون والوں اور ان سے پہلے والے (کافروں) کی سی حالت ہے کہ انہوں نے اپنے رب کی آیات کو جھٹلایا، اس پر ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب سے ہلاک کر دیا اور فرعون والوں کو غرق کر دیا اور وہ سب ظالم تھے۔

فَاَهْلَكْنَاهُمْ یعنی مختلف طریقوں سے ان کو ہلاک کیا کسی قوم کو ڈبو کر، کسی کو زلزلہ کے ذریعہ سے، کسی کو زمین میں دھنسا کر، کسی کی صورتیں بگاڑ کر اور کسی کو طوفان سے۔ کداب آل فرعون کو مکرر ذکر کرنے کی وجہ محض تاکید بیان ہے یا یوں کہا جائے کہ عذاب کے نزول کی وجہ پہلے کفر کو قرار دیا اور اس جگہ تغیر حالت کو یا یوں کہا جائے کہ پہلے فقط اتنا بیان کیا تھا کہ اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کی گرفت کی اور اس جگہ گرفت کرنے کی نوعیت ظاہر کر دی کہ ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا اور بالکل تباہ کر دیا۔ وکل یعنی اگلے اور پچھلے سب ظالم تھے، کفر و معاصی اختیار کر کے انہوں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا تھا۔

اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۵﴾ بلاشبہ بدترین جانور اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جو کفر پر جمے رہے بس وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

کفروا یعنی کفر پر جمے رہے اور قائم رہے فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کی شرط لگانے سے وہ لوگ حکم آیت سے خارج ہو گئے جو پہلے کافر تھے اور پھر خلوص کے ساتھ ایمان لے آئے اور اسلامی کردار ان کا اچھا رہا یا فھم لا یومنون سے ان لوگوں کے متعلق خبر دی گئی ہے جن کی سرشت ہی کفر پر ہوئی ہے فاء عاطفہ لانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ان کافروں کا کفر اللہ کے علم میں قائم ہو چکا ہے اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے اس وقت آیت کا حکم ان تمام کافروں کے لئے عام ہو گا جن کی موت کفر کی حالت میں ہونے والی ہے۔ ابوالشیخ نے سعید بن جبیر کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول یہودیوں کے چھ قبائل کے متعلق ہوا تھا ان ہی میں سے ابن التابوت بھی تھا۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾

جن سے آپ نے عہد لے لیا مگر پھر وہ اپنے معاہدہ کو ہر بار توڑتے رہے اور عہد شکنی سے ڈرتے نہیں۔

Marfat.com

الذین عاھدت کفروا سے بدل بعض ہے یعنی یوں تو عموماً کفر برا ہے مگر خصوصیت کے ساتھ مذمت کے قابل شکست معاہدہ کرنے والے کافر ہیں اور اگر سعید بن جبیرؓ کی روایت کو صحیح مان لیا جائے تو یہ آیت گزشتہ آیت سے بدل کل ہو گی یعنی کافروں سے مراد وہ لوگ ہوں گے جو عہد شکن ہیں مراد یہ کہ یہودیوں کے چھ قبائل بدترین جانور ہیں جنہوں نے بار بار نقض معاہدہ کیا (معاہدہ مصدر ہے اور اس کے مفعول پر من نہ آنا چاہئے عاھدتہم ہونا چاہئے لیکن) چونکہ معاہدہ کے اندر اخذ (لینے کا مفہوم ہے اس لئے من استعمال کیا گیا (معاہدہ کرنے کا معنی ہے کسی سے عہد لینا اور اس کا اس سے عہد لینا)۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ معاہدہ شکن کافروں سے مراد بنی قریظہ کے خاندان کے یہودی ہیں، دو ورق پر رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان (آپسی محبت اور اخوت کی) ایک تحریر لکھی تھی جس میں یہودیوں سے مصالحت کا بھی ذکر تھا اور یہودیوں سے معاہدہ کیا گیا کہ وہ اپنے مذہب پر قائم رکھے جائیں گے اور ہر فریق کا نفع و نقصان دوسرے فریق کا فائدہ اور ضرر مانا جائے گا (یعنی یکجہتی کے ساتھ رہیں گے، کوئی کسی کو نہیں ستائے گا لیکن یہودیوں نے یہ معاہدہ توڑ ڈالا اور رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کیلئے ہتھیار دے کر مشرکوں کی مدد کی پھر کہنے لگے، ہم سے چوک اور غلطی ہو گئی ہم دوبارہ معاہدہ کرتے ہیں لیکن پھر بھی معاہدہ کی خلاف ورزی کی، کعب بن اشرف نے مکہ جا کر کافروں کی موافقت کی اور خندق کے دن کافر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔

ھم لا یتقون کا معنی یہ ہے کہ باوجود یہ کہ اپنی اولاد کی شناخت کی طرح یقینی طور پر رسول اللہ ﷺ کو پہچانتے ہیں پھر بھی انکار رسالت کرتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ سے کئے ہوئے ہر معاہدہ کو توڑ دیتے ہیں۔

عبد بن حمید، ابن جریر اور ابو نعیم نے بیان کیا ہے کہ حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت بشیر بن براء اور حضرت داؤد بن سلمہ نے یہودیوں سے فرمایا، اے گروہ یہود! اللہ سے ڈرو، مسلمان ہو جاؤ، ہم جب مشرک تھے تو محمد ﷺ کا نام لے کر تم ہم پر فتحیاب ہونے کی دعا کیا کرتے تھے اور ہم سے کہتے تھے کہ ان کی بعثت ہونے والی ہے اور آپ ﷺ کے اوصاف بھی بیان کیا کرتے تھے۔

اللہ نے کافروں کو بدترین چوپائے بلکہ بدترین خلق فرمایا اور کافروں میں سے بدترین وہ کافر ہیں جو کفر پر جمے رہتے ہیں اور کفر پر راسخ رہنے والوں میں بھی سب سے برے وہ ہیں جو عہد شکن ہیں۔

فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِی الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ سو اگر آپ لڑائی

میں ان لوگوں کو پائیں تو ان (کو سخت سزا دے کر ان) کے ذریعے سے ان لوگوں کو منتشر کر دیں جو ان کے پیچھے ہیں تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں۔

یعنی اگر تم ان کو لڑائی میں پاؤ اور گرفتار کر لو فشرد بہم، تشرید کا لغوی معنی ہے بے چین کر کے متفرق کر دینا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس سے مراد یہ ہے کہ ان کو ایسی سزا دو کہ پیچھے والوں کو عبرت ہو۔ یعنی ان عہد شکنوں کو اس طرح قتل کرو اور سزا دو کہ مکہ اور یمن کے رہنے والے جو ان کے پیچھے ہیں ان کو عبرت ہو وہ ڈر جائیں اور اپنے جتھوں کو تہائے مقابلے پر نہ لائیں۔ اسی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے تسلط پانے کے بعد بنی قریظہ کے ہر بالغ کو قتل کیا اور عورتوں بچوں کو باندی غلام بنایا اور ان کا مال تقسیم کیا۔ طبرانی نے حضرت اسلمؓ انصاری کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کے قیدیوں کی انگوائی پر مجھے مامور فرمایا تھا، چنانچہ میں نے جس لڑکے کو بالغ پایا اس کی گردن اڑا دی لعلھم یذکرون تاکہ وہ نصیحت اندوز ہوں اور آئندہ عہد شکنی کی جرات نہ کریں۔

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَیْهِمْ عَلٰی سَوَآءٍ اور اگر آپ کو کسی قوم سے غداری کا

اندیشہ ہو تو آپ ان کا معاہدہ ان کو واپس کر دیں کہ آپ اور وہ اس (اطلاع) میں برابر ہو جائیں۔ خیانۃ یعنی عہد شکنی مطلب یہ کہ اگر علامات اور حالات سے تم کو اندازہ ہو جائے کہ یہ معاہدہ کی خلاف ورزی کر رہے ہیں فانبذ یعنی تم بھی ان کا معاہدہ ان پر دے مارو، پھینک دو۔ علی سواء انصاف کے موافق یا یہ مطلب کہ تمہاری طرف سے (ان کو) نقض معاہدہ کی خبر دینے میں

Marfat.com

برابر ہو حاصل یہ کہ معاہدہ توڑنے کی اطلاع پہلے ان کو دے دو تاکہ تمہاری طرف سے خیانت نہ ہو۔

ابو الشیخ نے زہری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے آکر کہا آپ نے تو ہتھیار کھول دیئے اور ہم اب تک قوم کے تعاقب میں لگے ہوئے ہیں۔ آپ نکل کر چلئے اللہ نے بنی قریظہ سے جہاد و قتال کرنے کی آپ کو اجازت دے دی ہے اسی کے متعلق آیت وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً الخ نازل ہوئی۔

میں کہتا ہوں یہ قصہ غزوہ احزاب کے بعد کا ہے۔ حافظ محمد یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ بنی قینقاع کے یہودیوں نے عہد شکنی کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا تھا اور بغاوت و حسد کا مظاہرہ کیا تھا۔ ایک برقعہ پوش عربی عورت بنی قینقاع کے بازار میں آئی اور زیور خریدنے کسی سنار کے پاس بیٹھ گئی۔ لوگوں نے اس کی نقاب اتروانا چاہی لیکن اس نے نقاب کھولنے سے انکار کر دیا۔ سنار نے اس کے کپڑے کا کنارہ کسی کانٹے میں الجھا دیا۔ عورت جو نا دانستگی میں اٹھی تو ننگی ہو گئی۔ لوگ اس پر ہنس پڑے۔ عورت چیخ پڑی عورت کی چیخ سن کر ایک مسلمان نے سنار پر حملہ کر دیا اور اس کو قتل کر دیا۔ سنار تھا۔ یہودی یہودیوں نے اس مسلمان پر حملہ کر کے مار ڈالا اور مسلمانوں سے کیا ہوا معاہدہ توڑ دیا۔ مقتول مسلمان کے گھر والوں نے مسلمانوں سے فریاد کی، مسلمان غضب ناک ہو گئے اس طرح مسلمانوں میں اور بنی قینقاع کے یہودیوں میں جھگڑا ہو گیا۔ اس پر آیت وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً الخ نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے بنی قینقاع کی طرف سے (عہد شکنی کا) اندیشہ ہے چنانچہ اس آیت کے حکم کی تعمیل میں رسول اللہ ﷺ نے ان پر لشکر کشی کی۔ جھنڈا حضرت حمزہ بن عبد المطلب کے سپرد کیا اور مدینہ میں اپنی جگہ حضرت ابو لبابہ بن عبد المنذر کو قائم کیا۔ یہودی قلعہ بند ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے پندرہ روز تک ان کا سخت محاصرہ جاری رکھا آخر اللہ نے ان کے دلوں میں خوف ڈال دیا اور رسول اللہ ﷺ کے شرائط پر انہوں نے باہر نکل آنا منظور کر لیا شرائط یہ تھیں کہ ان کے سارے مال پر رسول اللہ ﷺ کا قبضہ ہو جائے گا۔ صرف عورتوں اور بچوں کو لے کر وہ جلا وطن ہو جائیں گے، چنانچہ تین روز کے بعد وہ مدینہ سے نکل گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے مال میں سے صفی اور کل مال کا پانچواں حصہ خود لے لیا اور چار خمس ۵/۴ ساتھ والوں کو بانٹ دیا۔ بدر کے بعد رسول اللہ ﷺ کا یہ پہلا خمس تھا (یعنی بدر کے مسلمانوں کو پہلا مال غنیمت حاصل ہوا تھا جس کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کو ملا۔ صفی اس مال کو کہا جاتا تھا جو تقسیم سے پہلے کل مال غنیمت میں سے رسول اللہ ﷺ اپنے لئے چھانٹ لینے کا حق رکھتے تھے)۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ ۝ بلاشبہ اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

بغویؒ نے ایک حمیری شخص کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ معاویہؓ بلاد روم کی طرف جا رہے تھے تاکہ میعاد معاہدہ ختم ہوتے ہی (بغیر اعلان و اطلاع کے) ان سے جہاد شروع کر دیں۔ آپ نے دیکھا کہ ایک شخص (سامنے سے) گھوڑے پر آرہا ہے اور کہہ رہا ہے اللہ اکبر اللہ اکبر وفا عہد کرو، غداری نہ کرو۔ دیکھا تو وہ حضرت عمرؓو بن عنبسہ تھے۔ حضرت معاویہؓ نے ان کو بلوایا اور پوچھا کیا بات ہے۔ حضرت عمرؓو بن عنبسہ نے فرمایا میں نے خود سنا ہے رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جس کا کسی قوم سے معاہدہ ہو وہ اس معاہدہ کی شکست و رخت نہ کرے تاوقتیکہ یہ کہ معاہدہ کی مدت ختم نہ ہو جائے یا (فریق مخالف کی خلاف ورزی کی صورت میں) اس کا معاہدہ اسی پر لوٹا نہ دیا جائے یہ سن کر حضرت معاویہؓ لوٹ آئے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ۝ اور یہ کافر لوگ اپنے کو یہ خیال نہ کریں کہ وہ بچ گئے۔ بغویؒ نے لکھا ہے بدر کے دن جو مشرک شکست کھا کر بھاگے تھے ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ۝ وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ یقیناً وہ لوگ خدا کو عاجز نہیں کر سکتے مسلمانو! تم سے جس قدر ہو سکے ان کافروں کے مقابلہ کے لئے طاقت فراہم کر لو۔

یعنی مسلمانو! معاہدہ توڑنے والے یا عام کافروں کے مقابلہ کے لئے جو تیاری ممکن ہو کر لو۔ اعداد کا معنی ہے ضرورت کے لئے تیاری کرنا۔ قوت سے مراد ہے سامان، اسلحہ، ٹریننگ، ریاضت جنگی، گھوڑے، کشتی، تیر اندازی کی مشق، گولی چلانا

Marfat.com

وغیرہ جہاد کے لئے مال فراہم کرنا بھی اسی ذیل میں آتا ہے۔ بعض کے نزدیک قوت سے مراد ہیں قلعے۔

حضرت عقبہ بن عامر کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ ممبر پر فرمارہے تھے واعدوالھم ماستطعتم من قوۃ خبردار ہو جاؤ، قوت تیر اندازی ہے، خوب سن لو، قوت تیر اندازی ہے، آگاہ ہو جاؤ، قوت تیر اندازی ہے، رواہ مسلم۔ حضرت ابو علیؓ سلمی کا بیان ہے میں نے سنا رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے جس نے اللہ کی راہ میں ایک تیر پہنچایا جنت میں اس کے لئے ایک درجہ ہے اور جس نے راہ خدا میں ایک تیر پھینکا وہ اس کے لئے (گناہوں کا) فدیہ ہے اور آزاد کرنے والا ہے (یعنی وہ دوزخ سے آزاد ہو جائے گا)، رواہ النسائی۔ حضرت عقبہ بن عامر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عنقریب روم کی فتح تم کو عنایت کی جائے گی اور اللہ تمہارے لئے کافی ہوگا پس تم میں سے کوئی تیر بازی سے عاجز نہ ہو (یعنی بطور تفریح تیر اندازی کی مشق جاری رکھو)، رواہ مسلم، وابوداؤد، ترمذی نے حضرت عقبہ والی روایت نقل کی ہے اس میں اتنا زائد ہے کہ راہ خدا میں جس کے بال سفید ہوئے قیامت کے دن وہ اس کے لئے نور ہو جائیں گے، بیہقی نے شعب الایمان میں تینوں حدیثیں نقل کی ہیں، البتہ راہ خدا کی جگہ اسلام کا لفظ بیہقی کی روایت میں آیا ہے۔

---

حضرت عقبہؓ بن عامر کی روایت ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا فرمارہے تھے۔ جس نے تیر اندازی سیکھی پھر چھوڑ دی وہ ہم میں سے نہیں ہے یا یوں فرمایا اس نے نافرمانی کی، رواہ مسلم۔

حضرت ابواسیدؓ کا بیان ہے بدر کے دن جب ہم نے قریش کے سامنے اور قریش نے ہمارے سامنے صف بندی کرلی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب وہ تمہارے قریب آجائیں تو تیروں سے کام لینا تم پر لازم ہے، رواہ البخاری۔ حضرت عقبہ بن عامرؓ جہنی کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے کہ اللہ ایک تیر کے ذریعے سے تین آدمیوں کو جنت میں لے جائے گا۔ تیر بنانے والا جو تیر بنانے سے امیدوار ثواب ہو۔ تیر پھینکنے والا۔ تیر جوڑ دینے والا۔ تم لوگ تیر اندازی کرو اور گھوڑوں پر سوار ہو۔ گھوڑے پر سوار ہونے سے تمہاری تیر اندازی بہتر ہے آدمی کے لئے ہر لہو (کھیل) ناجائز ہے سوائے کمان سے تیر پھینکنے اور گھوڑے کی سواری کی ٹریننگ حاصل کرنے اور اپنی بیوی سے تفریح کرنے کے۔ یہ سب باتیں ٹھیک ہیں۔ رواہ الترمذی وابن ماجۃ، ابوداؤد اور دارمی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ جس نے تیر اندازی سیکھ کر بے توجہی کے ساتھ اس کو ترک کر دیا تو حقیقت میں ایک نعمت کو اس نے چھوڑ دیا یا یوں فرمایا کہ نعمت کی اس نے ناشکری کی۔

بغویؒ کی روایت میں ہے کہ ایک تیر کے ذریعہ سے اللہ تین آدمیوں کو جنت میں داخل فرمائے گا، تیر بنانے والا اور تیر سے مدد پہنچانے والا اور راہ خدا میں تیر مارنے والا۔

وَمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ اور پلے ہوئے گھوڑوں کو بھی تیار رکھو یعنی جہاد کے لئے گھوڑوں کی پرورش کرنا رباط مصدر ہے جو اسم مفعول کے معنی میں مستعمل ہے۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے، رباط وہ گھوڑے جو جہاد کے لئے باندھے جائیں مصدر بمعنی اسم مفعول ہے رَبَطَ رَبْطًا وَرِبَاطًا اور رَابَطَ مُرَابَطَةً وَرِبَاطًا دونوں طرح سے آتا ہے یا وزن فعال بمعنی مفعول ہے یا ربیط کی جمع ہے جیسے فصیل کی جمع فصال من رباط کا عطف من قوۃ پر ہے (قوت کا لفظ رباط الخیل کو بھی شامل ہے لیکن خصوصیت اور اہمیت ظاہر کرنے کے لئے خاص کا عطف عام پر کر دیا گیا) جیسے جبرئیل و میکائیل کا عطف الملئکۃ پر دوسری آیت میں کیا گیا ہے۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑوں کی پیشانی کے بالوں میں برکت ہے، متفق علیہ۔

حضرت جریر بن عبداللہ راوی ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے کی پیشانی کے بال اپنی انگلی سے مروڑ رہے تھے اور فرمارہے تھے، گھوڑوں کے پیشانی کے بالوں سے قیامت تک خیر (بھلائی، نفع) وابستہ رہے گی ثواب (جہاد کا یا شہادت کا) اور مال غنیمت (بصورت فتح) رواہ مسلم، بغویؒ نے بطریق بخاری حضرت عروہ بارقی کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، گھوڑے تین (طرح کے) ہوتے ہیں ایک گھوڑا آدمی کے لئے (گناہ کا)

Marfat.com

بار ہوتا ہے دوسرا گھوڑا آدمی کے لئے (بے آبروئی اور دوزخ سے) پردہ (آڑ حفاظت) ہوتا ہے تیسرا گھوڑا آدمی کے لئے ثواب کا ذریعہ ہوتا ہے جو گھوڑا آدمی دکھاوٹ غرور اور مسلمانوں سے اونچا دکھنے کے لئے پالے وہ اس کے لئے بارہ (گناہ) ہے اور جو گھوڑا آدمی جہاد میں شریک ہونے کے لئے پالے اور اللہ نے جو حق گھوڑے کی سواری اور گھوڑے کی ذات سے وابستہ کر دیا ہے اس کو فراموش نہ کرے تو ایسا گھوڑا اس شخص کے لئے پردہ ہے اور جو گھوڑا کسی مسلمان کو جہاد میں شریک کرنے کے لئے کوئی پالے وہ باعث اجر ہے اگر ایسے گھوڑے کو کسی چراگاہ یا سبزہ زار میں باندھ دے گا اور گھوڑا اس چراگاہ یا سبزہ زار سے کچھ کھائے گا تو جتنا وہ کھائے گا اسی کے بقدر گھوڑے والے کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی اور جو لید یا پیشاب کرے گا اسی کے بقدر مالک کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی جب گھوڑا رسی تڑا کر کہیں ایک ٹیلے یا دو ٹیلوں پر کلیلیں بھرے گا تب بھی اس کے قدموں کے نشانات اور لید اور پیشاب کے بقدر مالک کے لئے نیکیاں لکھا جائیں گی۔ اگر گھوڑے کو پانی پلانے کیلئے دریا پر لے جائے گا اور وہ وہاں پانی پئے گا تو جتنا اس نے پانی پیا ہوگا اس کے بقدر مالک کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی، رواہ مسلم۔

بغویؒ کی روایت میں نمبر دوئم کے گھوڑے کے متعلق یہ الفاظ ہیں کہ جس شخص نے گھوڑا اس لئے پالا کہ وہ لوگوں کا ضرورت مند نہ رہے اور کسی سے سوال نہ کرنا پڑے اور گھوڑے کی ذات اور سواری سے اللہ کا جو حق وابستہ ہے اس کو بھی نہ بھولے تو ایسا گھوڑا پردہ ہے۔ حضرت ابو وہبؓ جشمی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گھوڑے پالو ان کی پیشانیوں اور پٹھوں پر ہاتھ پھیرا کرو ان کی گردنوں میں قلادے ڈالو مگر تانت کے قلادے نہ ڈالو، رواہ ابوداؤد والنسائی۔

تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ لَا تَعْلَمُوْنَهُمْ ۚ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ ۭ

اور اس کے ذریعہ سے تم رعب جمائے رکھو اللہ کے دشمن اور اپنے دشمن پر اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے اللہ ان کو جانتا ہے۔ عدو اللہ سے مراد کفار مکہ ہیں اور اخرین من دونھم سے مراد مکہ والوں کے علاوہ دوسرے کفار ہیں۔ مجاہد و مقاتل کے نزدیک یہود بنی قریظہ، سدی کے نزدیک اہل فارس اور ابن زید و حسن کے نزدیک منافق مراد ہیں۔

تم ان کو نہیں جانتے کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ وہ تمہارے ساتھ ہیں اور لا الہ الا اللہ کے قائل ہیں اس لئے تم نہیں جانتے کہ حقیقت میں وہ کافر ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا آخرین سے مراد کافر جن ہیں ابو الشیخ نے ابو المہدی کے سلسلہ سے مرفوعاً یہ قول نقل کیا ہے اور طبرانی نے یزدی بن عبداللہ بن غریب کی روایت سے اس کو رسول اللہ ﷺ کا قول قرار دیا ہے۔

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ اور اللہ کی راہ میں جو چیز بھی خرچ کرو گے وہ (یعنی اس کا ثواب) تم کو پورا پورا دیا جائے گا اور تمہارے حق میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ یعنی جہاد میں خرچ کرنے کا ثواب پورا پورا تم کو دیا جائے گا ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی۔

حضرت زید بن خالد راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے کسی مجاہد کو سامان جہاد دیا اس نے خود جہاد کیا اور جس نے مجاہد کے پیچھے اس کے گھر والوں کی نگہداشت اس کی بجائے کی اس نے جہاد کیا، متفق علیہ۔

حضرت ابو مسعود انصاری کا بیان ہے کہ ایک آدمی ایک اونٹنی جس کے نکیل پڑی ہوئی تھی لے کر آیا اور عرض کیا یہ جہاد کے لئے دیتا ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اس کے عوض تجھے سات سو اونٹنیاں ملیں گی سب کی نکیلیں پڑی ہوں گی، رواہ مسلم۔

حضرت انس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے مالوں جانوں اور زبانوں سے مشرکوں سے جہاد کرو، رواہ ابوداؤد والنسائی والدارمی۔

حضرت خزیم بن فاتک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے راہ خدا میں کچھ خرچ کیا اس کے لئے ساتھ سو گنا (اجر) لکھا جائے گا، رواہ الترمذی والنسائی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجاہد کے لئے اس کا اجر ہے اور بنانے والے کے لئے اپنے بنانے کا بھی اجر ہے اور مجاہد کا بھی، رواہ ابوداؤد۔ ابن ماجہ نے حضرت علیؓ، حضرت ابو درداءؓ،



Marfat.com

حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابوامامہؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت جابر بن عبداللہؓ اور حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جہاد کے لئے کچھ خرچ بھیجا اور خود اپنے گھر بیٹھا رہا اس کے لئے ہر درہم کے عوض سات سو درہم کا ثواب ہوگا اور جس نے خود جہاد کیا اور خود ہی جہاد میں صرف کیا اس کے لئے ہر درہم کے عوض سات ہزار درہم کا ثواب ہوگا پھر حضور ﷺ نے آیت وَاللّٰهُ يُضَاعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ پڑھی۔

حضرت عبدالرحمٰن بن حباب کا بیان ہے، میں موجود تھا رسول اللہ ﷺ جیش عسرت (تبوک کو جانے والے لشکر) کو تیار کرنے اور مدد کرنے کی ترغیب دے رہے تھے۔ حضرت عثمانؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! سو اونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت میرے ذمے ہیں۔ حضور ﷺ نے پھر جیش عسرت کی مدد کی ترغیب دی۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے عرض کیا، میرے ذمے دو سو اونٹ مع ان کی جھولوں اور پالانوں کے ہیں۔ حضرت ﷺ نے پھر اپیل کی، حضرت عثمانؓ نے پھر کھڑے ہو کر عرض کیا، مجھ پر راہ خدا میں تین سو اونٹ جھولوں اور پالانوں سمیت لازم ہوئے۔ راوی کا بیان ہے میں دیکھ رہا تھا کہ رسول اللہؐ ممبر سے اتر رہے تھے اور فرما رہے تھے، اس کے بعد عثمانؓ جو عمل بھی کرے عثمانؓ سے اس کا مواخذہ نہیں ہوگا اس کے بعد عثمان جو عمل بھی کرے عثمان سے اس کا مواخذہ نہیں، رواہ الترمذی۔

حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ کا بیان ہے۔ جیش عسرت کی تیاری کے وقت حضرت عثمانؓ ایک ہزار دینار اپنی آستین میں لے کر آئے اور لا کر رسول اللہ ﷺ کی گود میں بکھیر دیئے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی گود میں وہ اشرفیاں الٹ پلٹ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے، عثمان اس کے بعد جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہ پہنچے گا (یعنی مواخذہ نہ ہوگا) یہ الفاظ حضور ﷺ نے دو بار فرمائے، رواہ احمد۔

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۶۱ اور اگر وہ (کفار) صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی صلح کی طرف جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو بلاشبہ وہ (تمہارے اقوال کا) سننے والا اور (تمہاری نیتوں کو) جاننے والا ہے۔

سلم (صلح) کا مقابل حرب (جنگ) چونکہ عربی زبان میں مونث ہے اس لئے سلم کو بھی مونث استعمال کیا۔ مراد یہ ہے کہ اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں اور معاہدہ کرنا چاہیں تو تم بھی صلح کی طرف جھک جاؤ اور معاہدہ کر لو۔ حسن و قتادہ کا خیال ہے کہ آیت اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ سے اس آیت کا حکم منسوخ کر دیا گیا۔ بیضاویؒ نے لکھا ہے کہ اس آیت کا حکم اہل کتاب کے لئے مخصوص ہے۔ کیونکہ اس آیت کا اتصال اہل کتاب کے قصہ سے ہی ہے۔

میں کہتا ہوں، نہ آیت کو منسوخ ماننے کی ضرورت ہے نہ اہل کتاب کے ساتھ مخصوص قرار دینے کی (اس لئے کہ اس آیت میں امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ یہاں) امر کا صیغہ اباحت کے لئے ہے یعنی صلح کرنا جائز ہے اور ظاہر ہے کہ اگر امام المسلمین مناسب سمجھے تو صلح کر سکتا ہے۔ اور آیت اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ کا حکم عمومی بھی نہیں بلکہ مخصوص البعض ہے۔ ذمی کافر اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ اللہ پر بھروسہ رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ ان کی مکاری کا تم کچھ اندیشہ نہ کرو اگر ان کے دلوں میں فریب ہوگا تو اللہ ان کے فریب سے تمہیں محفوظ رکھے گا جو اللہ پر توکل کرتا ہے اللہ اس کی حفاظت خود کرتا ہے۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ۭ اور اگر وہ تم سے فریب کرنا چاہیں گے تو اللہ تمہارے لئے یقیناً کافی ہے۔ یعنی اگر وہ صلح کے پیرایہ میں جنگ کی تیاری کرنا چاہیں گے یا غداری کریں گے یا صلح میں کچھ فریب کریں گے تو ان کے فریب کو ناکام بنانے کے لئے اللہ تمہاری طرف سے کافی ہے۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۶۲ وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ۭ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۶۳

اللہ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد اور مومنوں کے ذریعے سے تم کو قوت عطا کی اور مومنوں کے دلوں کو باہم جوڑ دیا۔ اگر زمین کی تمام

Marfat.com

چیزیں تم خرچ کر ڈالتے تب بھی ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے مگر اللہ ہی نے ان میں الفت پیدا کر دی۔ کوئی شک نہیں کہ اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔

مومنوں سے مراد ہے قبیلہ اوس و خزرج والے دونوں قبائل میں اتنی عداوت اور کینہ و بغض اور شر و فساد تھا کہ دور ہی نہیں ہو سکتا تھا۔ سورۂ آل عمران میں آیا ہے اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا مطلب یہ ہے کہ ان میں باہم اتنی سخت دشمنی تھی کہ روئے زمین کی دولت خرچ کرنے کے بعد بھی ان کے دلوں کو باہم نہیں جوڑا جا سکتا تھا مگر اللہ نے محض اپنی ہمہ گیر قدرت سے ان کے دلوں کو جوڑ دیا تمام لوگوں کے دل اللہ کی چٹکی میں ہیں جس طرف چاہتا ہے موڑ دیتا ہے۔ بلاشبہ ایسے غلبہ اور قدرت والا ہے کہ کوئی اس کی مشیت سے اس کو روک نہیں سکتا اور ایسا حکیم ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اس کو اپنی منشا کے مطابق کس طرح کرنا چاہئے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۴﴾ اے نبی آپ ﷺ کے لئے اللہ اور وہ مومن جنہوں نے آپ ﷺ کا اتباع کیا ہے کافی ہیں۔ اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ من اتبعک کا عطف حسبک کے کاف پر ہے خواہ اس کو حسبک کا مضاف الیہ مجرور قرار دیا جائے جیسا کہ علمائے کوفہ کا قول ہے یا مفعول معہ منصوب مانا جائے جیسے ایک شاعر کا قول ہے۔ حسبک والضحاک سیف مهند اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا اے نبی ﷺ! تمہارے لئے اور تمہارے اتباع کرنے والے مومنوں کے لئے اللہ کافی ہے۔ اس ترکیب کلام میں معنوی لحاظ سے تو قرب فہم ہے مگر لفظی بعد ضرور ہے۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ من اتبعک کا عطف اللہ پر ہے اس وقت مطلب اس طرح ہوگا اے نبی تمہارے لئے اللہ اور تمہارا اتباع کرنے والے مومن کافی ہیں۔ اس ترکیب میں لفظی قرب ضرور ہو جائیگا مگر معنوی بعد ہوگا۔ اس مطلب کی تائید سعید کی اس بیان سے ہوتی ہے جس کو ابن ابی حاتم نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب ۳۳ مرد اور چھ عورتیں مسلمان ہو گئیں تو (چالیسویں نمبر پر) حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوالشیخ نے سعید بن مسیّب کے حوالہ سے بیان کیا کہ جب حضرت عمر مسلمان ہو گئے تو اللہ نے آپ کے اسلام کے متعلق یہ آیت اتاری۔

طبرانی وغیرہ نے بروایت سعید بن جبیر حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ۳۹ مرد و عورت ایمان لا چکے تھے، ان کے بعد حضرت عمر مسلمان ہوئے۔ اس طرح چالیس مسلمان ہو گئے۔ اس وقت اللہ نے آیت يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ الخ نازل فرمائی۔

بزار نے ضعیف سند کے ساتھ عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت عمرؓ مسلمان ہو گئے تو مشرکوں نے کہا، آج ہماری قوم (کی طاقت) آدھی ہو گئی اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ یہ تمام احادیث بتا رہی ہیں کہ یہ آیت مکی ہے مگر کلام کی رفتار کا تقاضا ہے کہ اس کو مدنی کہا جائے کیونکہ یہ سورت بدر کے بعد نازل ہوئی (تو یہ آیت بھی بدر کے بعد مدینہ میں نازل ہوئی ہوگی)۔

---

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ اے نبی مسلمانوں کو جہاد کے لئے بہت زیادہ ترغیب دو۔ حرض کا لغوی معنی ہے۔ بیماری کا بدن کو اتنا دبلا کر دینا کہ اس کو لب گور کر دے۔ چونکہ مرض مریض کو عاجز کر کے ہلاکت کے کنارہ تک پہنچا دیتا ہے پس اس عاجز اور مجبور کرنے کے مفہوم کو پیش نظر رکھ کر اس شدید ترین ترغیب کے معنی میں بھی اس لفظ کا استعمال ہونے لگا جو آدمی کو مجبور کر دے اور حکم نہ ماننے کا حکم راستہ نہ چھوڑے۔

اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾ اگر تم میں سے لڑائی میں ثابت قدم رہنے والے اور امید ثواب رکھنے والے بیس مرد ہوں گے تو دو سو دشمنوں پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے سو مرد لڑائی میں ثابت قدم رہنے والے اور امید ثواب رکھنے والے ہوں گے تو ہزار کافروں پر غالب آئیں گے وجہ یہ ہے کہ

Marfat.com

وہ جنگ کی غرض سمجھتے نہیں یعنی مشرک امید ثواب نہیں رکھتے اللہ اور آخرت پر انکا ایمان نہیں اس لئے جنگ کے وقت ثابت قدم نہیں رہتے موت سے ڈرتے ہیں اور تم ثواب کی امید رکھتے ہو اللہ سے مراتب آخرت کے طلب گار ہو اس لئے جم کر لڑتے ہو۔

یہ کلام ہے تو خبری لیکن امر میں غالب آنے کا وعدہ بھی ہے کہ اگر ثابت قدم رہنے والے تم میں سے دس ہوں گے تو سو پر غالب آئیں گے یعنی تم دس گنا طاقت پر غالب آؤ گے۔ یہ حکم بدر کے دن تھا کہ ہر مسلمان پر دس کافروں سے لڑنا اللہ نے فرض کر دیا تھا۔ اسحٰق بن راہویہ نے اپنے مسند میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب اللہ نے ہر ایک مسلمان پر دس دس کافروں سے لڑنا واجب کر دیا تو یہ حکم مسلمانوں کے لئے بڑا تکلیف دہ اور شاق ہوا اس کے بعد اللہ نے اس میں کمی کر دی اور فرمایا۔

اَلْـٰٔنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۚ فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ اب اللہ نے تم سے بوجھ ہلکا کر دیا اور اس کو معلوم ہو گیا کہ تمہارے اندر (جسمانی) طاقت کم ہے پس اب اگر تم میں سے جم کر لڑنے والے سو ہوں گے تو دو سو دشمنوں پر غالب آئیں گے اور اگر تم میں سے ایک ہزار (صابر) ہوں گے تو دو ہزار دشمنوں پر غالب آئیں گے۔

بِاِذْنِ اللّٰهِ ہمیشہ حکم میں تخفیف کر دی گئی، دس گنی طاقت سے لڑنے کی جگہ دو گنی طاقت سے لڑنے کا حکم ہو گیا اب اگر کافروں کی تعداد مسلمانوں سے دوگنی ہو تو فرار جائز نہیں۔ سفیان کا بیان ہے کہ شبرمہ نے فرمایا میرے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا بھی یہی حکم ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مسلمانوں کی تعداد جب کم تھی تو ان کو زیادہ تعداد سے لڑنے کا حکم دیا جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو حکم میں تخفیف کر دی ایک ہی حکم (یعنی دس کے سو سے مقابلہ کرنے کا حکم) دو متناسب اعداد میں دینے سے یہ غرض ہے کہ یہ تناسب پیش نظر رہنا چاہئے خواہ تعداد کم ہو یا زیادہ (یعنی ایک دس، دو بیس، تین تیس چار چالیس دس سو، بیس دو سو وغیرہ)۔

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ اور اللہ کی مدد ثابت قدم رہنے والوں کے ساتھ ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ مسلمان ثابت قدم نہ رہیں اور غالب نہ آئیں۔

امام احمدؒ نے حضرت انسؓ کی روایت سے، ابن مردویہ نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے ابن ابی شیبہ احمد، ترمذی، ابن المنذر اور طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ابن المنذر ابن مردویہ ابوالشیخ اور ابو نعیم نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کو حسن بھی کہا ہے کہ بدر کے قیدیوں میں حضرت عباسؓ بھی تھے۔ ایک انصاری نے آپ کو گرفتار کیا تھا اور انصاریوں نے ان کو قتل کر دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو جو یہ اطلاع ملی تو (آپ کو رات بھر نیند نہیں آئی اور) آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنے چچا عباسؓ کے خیال سے آج رات نیند نہیں آئی۔ انصار کا خیال ہے کہ عباسؓ کو قتل کر دیں۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا تو کیا میں انصار کے پاس جاؤں فرمایا ہاں! حضرت عمرؓ انصار کے پاس گئے اور ان سے کہا عباسؓ کو چھوڑ دو انصار نے کہا واللہ ہم نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ اسی کو پسند کرتے ہیں۔ انصار نے کہا اگر رسول اللہ ﷺ کی یہ رضا ہے تو ان کو لے لو۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو لے لیا جب عباسؓ قبضہ میں آ گئے تو حضرت عمرؓ نے کہا عباسؓ مسلمان ہو جاؤ آپ کا اسلام لانا مجھے خطابؓ کے مسلمان ہونے سے بھی زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی صرف یہ وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو آپ کا مسلمان ہونا پسند ہے۔

بخاری اور بیہقی نے حضرت انسؓ بن مالک کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ انصاری اجازت لے کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے بھانجے عباسؓ کا زر فدیہ معاف کر دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم ایک درہم بھی نہ چھوڑو پھر حضور ﷺ نے فرمایا یہ قیدی اللہ نے تمہارے قابو میں کر دیئے ہیں یہ سب

Marfat.com

تمہارے بھائی بند ہیں ان کے متعلق تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے۔ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کے قبیلہ کنبہ کے لوگ ہیں اللہ نے ان پر آپ کو کامیابی اور نصرت عنایت کر دی ہے یہ سب چچازاد ہے ہیں قبیلہ والے ہیں بھائی ہیں ان کو قتل نہ کیجئے۔ میری رائے ہے کہ ان سے زر فدیہ لے لیجئے ہم کو جو مال ان سے وصول ہو گا وہ کافروں کے مقابلہ کے لئے ہمارے لئے باعث قوت ہو گا اور امید ہے کہ آپ کے ذریعہ سے اللہ ان کو ہدایت فرمادے گا اور یہ آپ کے بازو بن جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن خطابؓ تمہاری کیا رائے ہے حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان لوگوں نے آپ کو جھٹلایا۔ وطن سے نکال باہر کیا اور آپ سے جنگ کی میری رائے ابو بکرؓ کی رائے کے موافق نہیں میری رائے ہے کہ فلاں شخص (حضرت عمرؓ کا ایک قریبی عزیز تھا اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت عمرؓ نے کہا) کو آپ میرے قابو میں دے دیں کہ میں اس کی گردن ماردوں تاکہ اللہ کو معلوم ہو جائے کہ ہمارے دلوں میں مشرکوں کی محبت نہیں ہے یہ قریش کے سردار ان ہیں پیشوا ہیں لیڈر ہیں ان کی گردنیں مار دیجئے۔

حضرت عبد اللہ بن رواحہ نے کہا یا رسول اللہ وادی میں بہت سی لکڑیاں جمع کر کے آگ لگا کر ان کو جلا ڈالئے۔ حضرت عباسؓ عبد اللہ کی یہ بات سن رہے تھے بولے تم نے قرابت کا رشتہ کاٹ دیا اس کے بعد رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے کچھ لوگ کہنے لگے حضرت ابو بکرؓ کی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ..... قبول کر لیں گے کسی نے کہا حضرت عمرؓ کے مشورہ پر چلیں گے اور بعض کا خیال ہوا کہ حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ کی رائے اختیار کر لیں گے۔ پھر آپ باہر تشریف لائے اور فرمایا کچھ لوگوں کے دل اللہ اتنے نرم کر دیتا ہے کہ وہ دودھ سے بھی زیادہ نرم ہو جاتے ہیں اور بعض کے دل اتنے سخت کر دیتا ہے کہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ ابو بکر تمہاری مثال (صحابہ میں) ایسی ہے جیسے ملائکہ میں میکائیلؑ جو بارش لاتے ہیں اور انبیاء میں جیسے حضرت ابراہیمؑ جنہوں نے کہا تھا مَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ جو میری پیروی کرے وہ میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو بے شک تو بخشنے والا مہربان ہے۔ عمرؓ تمہاری مثال (صحابہ میں) ایسی ہے جیسے ملائکہ میں جبرئیل جو سختی مصیبت اور عذاب اللہ کے دشمنوں پر لاتا ہے اور انبیاء میں جیسے حضرت نوحؑ جنہوں نے کہا تھا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اے رب زمین پر کافروں کے کسی متنفس کو نہ چھوڑ یا جیسے انبیاء میں حضرت موسیٰؑ تھے جنہوں نے کہا تھا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ اے اللہ ان کے مالوں کو یکسر برباد کر دے اور ان کے دلوں کو سخت کر دے کہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ دردناک عذاب دیکھ لیں (اور معاینہ عذاب کے بعد ایمان قبول نہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم دونوں متفق الرائے ہوتے تو میں تمہاری رائے کے خلاف نہ کرتا تم لوگ نادار ہو اس لئے ان میں سے کوئی بغیر فدیہ ادا کئے نہیں چھوٹ سکتا یا اس کی گردن ماری جائے گی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ سہل بن بیضاء کو مستثنیٰ فرما دیجئے میں نے اس کو اسلام کا ذکر کرتے سنا ہے، رسول اللہ ﷺ خاموش ہو گئے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود کا بیان ہے مجھے آسمان سے اپنے اوپر پتھر برسنے کا اندیشہ اس روز سے زیادہ کبھی نہیں ہوا (کہ میں نے ایک کافر کی سفارش کی) آخر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سہیل بن بیضاء مستثنیٰ ہے۔ دوسرا دن ہوا تو حضرت عمرؓ صبح ہی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ اور ابو بکرؓ رو رہے ہیں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ رونے کی کیا وجہ ہے بتائیے اگر میں بھی رو سکا تو روؤں گا۔ ورنہ آپ دونوں کے رونے کی وجہ سے رونی شکل بنالوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابن خطاب کی رائے کے خلاف کرنے سے ہم پر دردناک عذاب آنے والا ہی تھا اگر عذاب آجاتا تو ابن خطاب کے علاوہ عذاب سے کوئی بھی نہ بچتا۔ ایک قریب کے درخت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا اس درخت سے بھی زیادہ نزدیک عذاب جو تم لوگوں پر آنے والا تھا مجھے دکھایا گیا (مگر اللہ نے وہ عذاب ٹال دیا) اس پر آیات ذیل کا نزول ہوا۔

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ۭ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۡ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۭ

Marfat.com

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾

نبی کے لئے زیبا نہیں کہ اس کے قیدی باقی رہیں جب تک کہ وہ اچھی طرح زمین میں (کفار کی) خوں ریزی نہ کرلی تم تو دنیا کا مال واسباب چاہتے ہو اور اللہ آخرت کی مصلحت کو چاہتا ہے اور اللہ زبردست قوت والا بڑی حکمت والا ہے۔ [1]

یثخن فی الارض یعنی خوب قتل کرے کافروں کو کمزور اور کفر کو ذلیل کردے اثخنہ المرض مرض نے اس کو ست کردیا۔ آیت میں مفعول محذوف ہے۔ یعنی یثخن الاسری قیدیوں کو خوب قتل کرے قاموس میں ہے اثخن فلانا فلاں شخص کو کمزور کردیا اثخن فدی العدو دشمن کو خوب زخمی کیا۔ تریدون یعنی اے مسلمانو تم فدیہ لے کر دنیوی متاع حقیر کے خواستگار ہو واللہ یرید الاخرہ اور اللہ تمہارے لئے آخرت کا ثواب چاہتا ہے کہ مشرکوں کو قتل کر کے اور اللہ کے دین کی مدد کر کے تم آخرت کا ثواب کماؤ۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ واقعہ بدر کے دن کا ہے مسلمان اس زمانہ میں کم تھے جب مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہوگئی اور ان کا اقتدار قوی ہوگیا تو آیت فامنا بعد واما فداء نازل کر کے اللہ نے حکم مذکورہ منسوخ کردیا اور رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو اختیار دے دیا کہ وہ چاہیں تو قیدیوں کو قتل کردیں چاہیں باندی غلام بنالیں چاہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیں چاہیں ویسے ہی آزاد کردیں۔

مسئلہ :- علماء کا بالاتفاق فیصلہ ہے کہ امام المسلمین کو قیدیوں کو قتل کردینے کا اختیار ہے یہ آیت اسی مضمون پر دلالت کر رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بنی قریظہ کو قتل کرادیا تھا اور نضر ابن حارث طعیمہ بن عدی اور عقبہ بن ابی معیط کو بھی گرفتاری کے بعد قتل کرادیا تھا۔ سبیل الرشاد میں ہے کہ عقبہ بن ابی معیط نے کہا محمد ﷺ بچوں کا کون ہے حضور ﷺ نے فرمایا آگ، عقبہ کو بقول ابن اسحٰقؒ ابن ابی الارلح نے قتل کیا تھا اور بقول ابن ہشام حضرت علی بن ابی طالبؓ نے۔

مسئلہ :- قیدیوں کو غلام بنائے رکھنا باتفاق علمائے جائز ہے اس میں کافروں کے شر کا دفعیہ اور مسلمانوں کی مصلحت کی تکمیل ہوتی ہے اسی بناء پر امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کوئی از خود قیدی کو قتل کرنے کا اختیار نہیں رکھتا۔ یہ فیصلہ امام کے ہاتھ میں ہے وہ جو مناسب سمجھے کرے ہاں اگر کسی نے از خود (بغیر امام کی اجازت کے) قیدی کو قتل کردیا تو اس کو قتل کا تاوان نہیں دینا پڑے گا۔

مسئلہ :- قیدیوں کو چھوڑ کر بلا معاوضہ دار الحرب میں بھیج دینا یا تاوان لے کر دار الحرب بھیج دینا یا مسلمان قیدیوں سے تبادلہ کرلینا یا ذمی بنا کر دار الاسلام میں آزادی کے ساتھ رکھنا یہ شقیں امامنا بعد واما فداء کی ہیں اور علماء کا ان مسائل میں اختلاف ہے۔ امام مالک، امام شافعی، امام احمد سفیان ثوری اسحاق (بن راہویہ) حسن اور عطاء کا قول ہے کہ (مفت) چھوڑ دینا یا فدیہ لے کر رہا کرنا یا قیدیوں سے تبادلہ کرنا سب صورتیں جائز ہیں۔ امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد اوزاعی قتادہ اور ضحاک قائل ہیں کہ مفت احسان رکھ کے چھوڑنا ناجائز ہے۔ مالی معاوضہ لے کر رہا کرنے کے متعلق امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا مشہور قول یہ ہے کہ یہ بھی ناجائز ہے لیکن سیر کبیر میں ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں جب کہ مسلمانوں کو مال کی ضرورت ہو اسی طرح

---

[1] قاضی ابو الفضل عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ آیت ماکان لنبی ان یکون لہ اسری الخ میں رسول اللہ ﷺ کو کسی قصور کا مجرم اور گناہ کا مرتکب قرار دینا مقصود نہیں ہے بلکہ دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں آپ کی خصوصیت اور برتری کو ظاہر کرنا مقصود ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہیں کیا گیا۔

قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ تریدون میں خطاب ان لوگوں کو ہے جن کی خالص غرض وغایت صرف دنیوی ساز وسامان ہے اور مال کی کثرت ہی ان کا مقصد ہے اس میں خطاب نہ رسول اللہ ﷺ کو نہ عام صحابہؓ کو بلکہ ضحاک کی روایت میں آیا ہے کہ جب بدر کے دن مشرک شکست کھا کر بھاگے تو لوگ لڑائی چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہوگئے اس سے حضرت عمرؓ کو اندیشہ پیدا ہوگیا کہ کہیں کفار پھر پلٹ کر حملہ نہ کردیں۔

Marfat.com

ابو حنیفہؒ کے نزدیک قیدیوں کا تبادلہ بھی ایک روایت کی رو سے ناجائز ہے۔ صاحب قدوری و ہدایہ نے یہی قول نقل کیا ہے قوی ترین روایت یہ ہے کہ تبادلہ جائز ہے صاحبین کا بھی قول یہی ہے۔

رہا آزاد کر کے ذمی بنا لینا تو امام ابو حنیفہ اور امام مالک کے نزدیک جائز ہے۔ حضرت عمرؓ نے اہل عراق اور باشندگان شام کو ذمی بنا کر رکھا تھا۔ امام شافعیؒ و امام احمد کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ قیدی ہونے کے بعد وہ مملوک ہو گئے (اور مملوک کو ذمی نہیں بنایا جا سکتا)۔

امام ابو حنیفہؒ کہتے ہیں کہ اگر مفت یا مال لے کر یا قیدیوں سے تبادلہ کر کے ان کافروں کو دار الحرب بھیج دیا جائے گا تو کافروں کو قوت حاصل ہو گی اور لوٹ کر دوبارہ ہم سے لڑیں گے۔ موخر الذکر صورت کے عدم جواز کی ایک وجہ یہ ہے کہ کافر قیدیوں کو دار الحرب میں بھیجنا تو ہمارا فعل ہے ہم اپنے اس فعل سے کفر کی اعانت کے مرتکب ہوں گے اور مسلمان قیدی کا کافروں میں قید رہنا یہ اللہ کی طرف سے مسلمان قیدی کا امتحان ہے جس کے مرتکب ہم نہیں (لہٰذا ہم کو تبادلہ کر کے کفر کی اعانت نہ کرنا چاہئے) باقی رہی آیت فلما منا بعد واما فداءا تو یہ آیت منسوخ ہو گئی آیت فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اور آیت اقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ آیت فدیہ کے حکم کی ناسخ ہیں۔

جمہور کے نزدیک آیت منّ و فدیہ منسوخ نہیں کیونکہ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہم اوپر نقل کر چکے ہیں کہ جب مسلمانوں کی کثرت ہو گئی اور ان کا اقتدار قوی ہو گیا تو آیت اما منا بعد واما فداءا نازل ہوئی رہا آیت اقتلوا المشرکین کا حکم تو ان مشرکوں سے قیدی مراد نہیں ہیں کیونکہ باتفاق علماء قیدیوں کو باندی غلام بنانا جائز ہے (قتل کرنا لازم نہیں) اور امام ابو حنیفہؒ تو ان کو ذمی بنا کر چھوڑ رکھنے کے قائل ہیں (اس لئے ان کے نزدیک تو واجب القتل مشرکوں سے قیدی مراد ہو ہی نہیں سکتے)۔

مسلم نے صحیح میں ابو داؤد نے مسند میں اور ترمذی نے جامع میں حضرت عمران بن حصین کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے دو مسلمانوں کا ایک مشرک (قیدی) سے تبادلہ کیا۔

مسلم اور احمد اور اصحاب السنن الاربعہ نے حضرت سلمہؓ بن اکوع کے حوالہ سے بیان کیا، حضرت سلمہؓ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو ہمارا امیر بنا کر جہاد پر بھیجا ہم نے آپ کے زیر قیادت بنی فزارہ پر لشکر کشی کی جب (بنی فزارہ کے) پانی پر پہنچنے کے لئے ایک گھنٹہ کی مسافت رہ گئی تو حضرت ابو بکر کے حکم پر ہم نے پڑاؤ کیا پھر آپ نے بنی فزارہ پر حملہ کر دیا اور ان کے پانی پر اتر گئے اور وہاں جس (فزاری) کو مارا جانا تھا مارا گیا میں نے دیکھا کہ کچھ لوگ جن میں عورتیں اور بچے تھے ایک بلندی کی طرف جا رہے ہیں، مجھے اندیشہ ہوا کہ مجھ سے پہلے یہ پہاڑی پر پہنچ جائیں گے (اور محفوظ ہو جائیں گے) اس لئے میں نے ان کے اور پہاڑ کے درمیان حائل ہو کر ان پر تیر برسانا شروع کئے جب انہوں نے تیر (برستے دیکھے تو رک گئے اور میں ان کو ہنکاتا [illegible] ان میں بنی فزارہ کی ایک عورت بھی تھی جس کے ساتھ عرب کی حسین ترین ایک لڑکی تھی۔ میں ان کو ہنکاتا [illegible] تک لے گیا حضرت ابو بکرؓ نے وہ لڑکی مجھے عنایت کر دی پھر ہم مدینہ کو آ گئے مگر (راستہ میں) میں نے [illegible] کھولا۔ بازار میں رسول اللہ ﷺ کی ملاقات مجھ سے ہوئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا سلمہ یہ عورت مجھے دے دے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو مجھے پسند ہے اور میں نے اب تک اس کا پٹڑا بھی نہیں کھولا ہے حضور ﷺ خاموش ہو گئے اور دوسرا دن ہوا تو پھر بازار میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات ہوئی اور حضور ﷺ نے فرمایا سلمہ اللہ تیرا بھلا کرے یہ عورت مجھے دے دے میں نے جواب دیا یا رسول اللہ ﷺ یہ آپ کے لئے ہے میں نے اس کا پٹڑا بھی نہیں کھولا ہے۔ حضور ﷺ نے اس عورت کو مکہ بھیج دیا اور مکہ میں جو مسلمان قیدی تھے اس کے عوض ان قیدیوں کو [illegible] ابو داؤد نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب مکہ والوں نے اپنے قیدیوں کا زر فدیہ بھیجا تو رسول اللہ ﷺ [illegible] زینبؓ نے بھی اپنے شوہر ابو العاص کے فدیہ میں وہ ہار بھیجا جو ان کو حضرت خدیجہؓ نے جہیز میں دیا تھا [illegible]

Marfat.com

ﷺ پر سخت رقت طاری ہو گئی اور صحابہؓ سے فرمایا اگر تم مناسب سمجھو تو زینبؓ کے قیدی کو چھوڑ دو اور جو چیز اس نے بھیجی ہے اس کو بھی واپس کر دو۔ صحابہؓ نے اس حکم کی تعمیل کی۔ حاکم کی صحیح روایت میں اتنا زائد آیا ہے کہ ابوالعاص کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ نے اس سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ حضرت زینبؓ کو بھیج دے اس نے وعدہ کے مطابق عمل کیا۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ من جملہ ان لوگوں کے جن کو رسول اللہ ﷺ نے بلا معاوضہ رہا کیا تھا۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ کا قیدی مطلب بن حنطب بھی تھا اور ابو عزہ مجمی بھی تھا یہ محتاج آدمی تھا اور اس کی چند لڑکیاں تھیں رسول اللہ ﷺ سے اس نے اپنی عیالداری اور ناداری کا عذر پیش کر کے رہائی کی درخواست کی تھی حضور ﷺ نے اس سے وعدہ لے لیا تھا کہ کسی کی مدد میرے خلاف نہ کرنا اس نے چند اشعار میں رسول اللہ ﷺ کی مدح بھی کی تھی لیکن احد میں مشرکوں کا شریک ہو کر پھر یہ لڑنے آیا۔ آخر گرفتار کر لیا گیا رسول اللہ ﷺ سے پھر اس نے معافی کی درخواست کی حضور ﷺ نے فرمایا اب تیرے رخسار مکہ کی خاک کو نہیں چھو سکتے کہ تو مکہ پہنچ کر کہے میں محمد ﷺ کو دو بار جل دے آیا اس کے بعد حضور ﷺ نے اس کی گردن مارنے کا حکم دے دیا۔

سبیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کو جن کے پاس مال نہ تھا رسول اللہ ﷺ نے بلا معاوضہ رہا کر دیا اور جن لوگوں سے زر فدیہ وصول کیا اس کی مقدار فی کس ایک ہزار سے چار ہزار تک وصول کی۔ صحیح بخاری میں ہے کہ بدر کے قیدیوں کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مطعم بن عدی زندہ ہوتا اور ان لوگوں کے متعلق مجھ سے درخواست کرتا تو اس کی وجہ سے میں ان کو (بلا معاوضہ چھوڑ دیتا)۔

حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ سوار یمامہ کی جانب روانہ کئے وہ بنی حنیفہ کے ایک آدمی کو پکڑ لائے جس کو ثمامہ بن اثال کہا جاتا تھا۔ صحابہ نے اس کو مسجد کے ایک ستون سے باندھ دیا رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ تیرے پاس کیا ہے ثمامہ نے جواب دیا بھلائی۔ محمد ﷺ اگر تم مجھے قتل کر دو گے تو خونی کو قتل کرو گے اگر کرم کر کے چھوڑ دو گے تو شکر گزار پر کرم کرو گے اگر تم مال چاہتے ہو تو جتنا چاہو طلب کرو رسول اللہ ﷺ اس کو یوں ہی چھوڑ کر تشریف لے گئے دوسرا دن ہوا تو پھر تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ کیا خیال ہے ثمامہ نے گزشتہ جواب کی طرح جواب دیا حضورؐ چھوڑ کر تشریف لے گئے۔ تیسرا روز ہوا تو پھر تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ تیرا کیا خیال ہے ثمامہ نے جواب دیا میرا خیال وہی ہے جو میں آپ سے کہہ چکا ہوں فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو صحابہؓ نے کھول دیا مسجد کے پاس ہی کچھ کھجور کے درخت تھے وہاں جا کر ثمامہ نے غسل کیا پھر مسجد میں آیا اور کہا اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ محمد ﷺ خدا کی قسم روی زمین پر کسی کی صورت سے مجھے اتنی نفرت نہ تھی جتنی آپ کی صورت سے تھی مگر اب آپ کا چہرہ تمام لوگوں سے زیادہ مجھے محبوب ہے خدا کی قسم کسی دین سے مجھے اتنی نفرت نہ تھی جتنی کہ آپ ﷺ کے دین سے تھی مگر اب آپ کا مذہب تمام مذاہب سے زیادہ پیارا ہو گیا آپ کا شہر تمام شہروں سے زیادہ میرے لئے قابل نفرت تھا مگر اب تمام شہروں سے زیادہ مجھے محبوب ہو گیا میں عمرہ کرنے جا رہا تھا کہ آپ کے سواروں نے پکڑ لیا اب آپ کا کیا حکم ہے رسول اللہ ﷺ نے ثمامہ کو بشارت دی اور عمرہ کرنے کا حکم دیا۔ جب ثمامہؓ مکہ پہنچے تو ایک شخص نے کہا کیا تم بے دین ہو گئے ثمامہ نے کہا نہیں میں اسلام لے آیا آئندہ خدا کی قسم رسول اللہ کی اجازت کے بغیر یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی تمہارے پاس نہیں پہنچے گا۔

امام احمد نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے قیدیوں کے متعلق لوگوں سے مشورہ طلب کیا اور فرمایا اللہ نے ان پر تم کو قابو عطا فرما دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ان کی گردنیں مار دیجئے۔ حضورؐ نے ان کے مشورہ کی طرف توجہ نہ دی حضرت ابوبکرؓ نے کھڑے ہو کر عرض کیا مناسب یہ ہے کہ آپ ان سے درگزر فرمائیں اور فدیہ قبول کر لیں رسول اللہ ﷺ نے (حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ کی موافق) ان کو معاف کر دیا اور فدیہ قبول کر لیا اس پر اللہ نے نازل فرمایا۔

Marfat.com

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ اگر خدا تعالیٰ کا ایک

نوشتہ مقدر نہ ہو چکتا تو جو چیز تم نے اختیار کی ہے اس کے متعلق تم پر کوئی بڑی سزا واقع ہو جاتی۔

یعنی اللہ جب کسی قوم کو ہدایت کرتا ہے تو جب تک ممنوعات کو کھول کر نہیں بیان کر دیتا ان ممنوعات کا ارتکاب کرنے والوں کو نہ گمراہ قرار دیتا ہے نہ ان کو عذاب دیتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ منع کرنے سے پہلے کسی عمل کے مرتکب کا مواخذہ نہیں کرتا اگر یہ بات نہ ہوتی تو تم پر عذاب آجاتا حسن مجاہد اور سعید بن جبیر نے آیت کا تفسیری مطلب یہ ہی بیان کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم لوگوں سے پہلے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا آسمان سے ایک آگ آتی تھی جو مال غنیمت کو کھا جاتی تھی۔

بدر کے مسلمان مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے حالانکہ اس وقت تک ان کے لئے مال غنیمت کی حلت نہیں ہوئی تھی اس پر اللہ نے آیت لولا کتاب من اللہ الخ نازل فرمائی۔ مطلب یہ کہ اللہ نے لوح محفوظ میں پہلے سے لکھ دیا تھا کہ مال غنیمت تمہارے لئے حلال کر دیا جائے گا اگر یہ سابق کا لکھا ہوا حکم نہ ہوتا تو تم پر عذاب آجاتا۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان کردہ تفسیری مطلب اسی طرح روایت میں آیا ہے بعض نے توضیح مطلب اس طرح کی ہے کہ بدر کے قیدیوں کو قتل کر دینے سے دوسرے کافروں پر ہیبت پڑتی اور اسلام کی قوت کا مظاہرہ ہوتا یہ بات مسلمانوں نے نہیں سمجھی بلکہ انہوں نے یہ خیال کیا کہ اگر معاوضہ لے کر قیدیوں کو آزاد کر دیا جائے گا تو دو فائدے ہوں گے ایک یہ کہ قیدی زندہ رہیں گے اور آئندہ مسلمان ہو سکیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جن لوگوں کو چھوڑ دیا گیا تھا آئندہ ان میں سے اکثر مسلمان ہو گئے دوسرا فائدہ یہ کہ مال مل جائے گا تو مسلمانوں کی جہادی طاقت قوی ہو جائے گی (اسلحہ اور گھوڑے خریدیں گے) یہ مسلمانوں کی اجتہادی غلطی تھی اسی کے متعلق آیت میں فرمایا گیا ہے لوح محفوظ میں اللہ نے پہلے سے لکھ دیا تھا کہ اجتہادی غلطی کرنے والے پر عذاب نہ ہوگا اگر یہ سابقہ فیصلہ نہ ہوتا تو عذاب آجاتا۔

بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ لوح محفوظ میں پہلے سے ہی اللہ نے لکھ دیا تھا کہ اہل بدر پر عذاب نازل نہیں کرے گا اگر یہ سابقہ فیصلہ نہ ہوا ہوتا تو تم پر عذاب آجاتا فی ما اخذتم یعنی تم لوگوں نے اللہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے محض اپنی صوابدید پر جو قیدیوں کا فدیہ لے لیا اس بناء پر تم پر عذاب آجاتا یہ مطلب کہ حلال ہونے اور اللہ کی طرف سے حکم نازل ہونے سے پہلے جو تم نے مال غنیمت لے لیا اس وجہ سے تم پر عذاب آجاتا۔ [1]

ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ جتنے لوگ وہاں حاضر تھے ان میں سے سوائے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت سعد بن معاذ کے کوئی مال فدیہ کو ناپسند نہیں کرتا تھا حضرت عمر نے ضرور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ

[1] بعض لوگوں کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارا ایمان قرآن پر نہ ہوتا جو سابق کتاب ہے اور اس پر ایمان لانے کی وجہ سے تم درگزر کے مستحق ہو گئے ہو تو تم پر عذاب آجاتا یعنی اگر تم قرآن کو ماننے والے نہ ہوتے اگر اس گروہ میں نہ ہوتے جس کے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا ہے (اور گزشتہ اقوام میں سے ہوتے) تو تم پر عذاب آجاتا ان تمام تاویلات و توجیہات سے ثابت ہوتا ہے کہ مال غنیمت لینے والوں نے کسی گناہ کا ارتکاب نہیں کیا کوئی نافرمانی نہیں کی۔ قاضی ابو بکر بن علاء نے کہا کہ اس آیت میں اللہ نے یہ بتایا ہے کہ مال غنیمت اور فدیہ کے حلال ہونے کا جو حکم اللہ نے پہلے سے لکھ دیا تھا اللہ کے پیغمبر کی فکر رسا اس کے مطابق واقع ہوئی بدر کے واقعہ سے ایک سال پہلے بھی ایسا ہی ایک واقعہ ہو گیا تھا کہ عبداللہ بن جحش کے جہادی دستہ میں جس میں ابن حضرمی کا قتل ہوا رسول اللہ ﷺ نے فدیہ لے لیا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بدر کے قیدیوں کا فدیہ لے کر چھوڑ دینا سوچ سمجھ کر کیا گیا تھا جیسے اس سے پہلے بھی حضور ﷺ نے کیا تھا اور اللہ نے اظہار ناراضگی نہیں کیا تھا پس بدر کا کیس بھی ناراضگی کے قابل نہ تھا اس کا ذکر کرنے سے ناراضگی اور عتاب کا اظہار مقصود نہیں ہے بلکہ یہ واقعہ چونکہ عظیم الشان تھا بہت قیدیوں کو چھوڑا گیا تھا اس لئے بطور منت نہی ذکر کر دیا اور مؤکد طور پر بتا دیا کہ اس چیز کی حلت پہلے سے ہی لوح محفوظ میں لکھ دی گئی تھی اور تم پر یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

Marfat.com

دیا تھا اور حضرت سعد بن معاذ نے بھی عرض کیا تھا یا رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) خوب خونریزی کرنی میرے نزدیک ان لوگوں کو باقی رکھنے سے اچھی ہے اس لئے رسول اللہ نے فرمایا تھا کہ اگر آسمان سے عذاب آجاتا تو سوائے عمر بن خطاب اور سعد بن معاذ کے اور کوئی نہ بچتا۔

ابن ابی شیبہ ترمذی نسائی ابن سعد ابن جریر ابن حبان اور بیہقی نے حضرت علی کی روایت سے لکھا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن کہا ہے کہ حضرت جبرئیل نے آکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ اللہ وسلم سے کہا محمد تمہاری قوم نے جو قیدیوں کا فدیہ لے لیا ان کی یہ حرکت اللہ کو ناپسند ہوئی اللہ نے آپ کو حکم دیا ہے کہ اپنی قوم کو دو باتوں میں سے ایک کو اختیار کرنے کا حکم دے دو تو وہ آگے بڑھ کر ان قیدیوں کی گردنیں مار دیں یا ان کا فدیہ لے لیں لیکن فدیہ لینے کی شرط یہ ہے کہ قیدیوں کی گنتی کی برابر تمہاری قوم کے آدمی (آئندہ) مارے جائیں گے رسول اللہ نے لوگوں کو بلوا کر ان سے اس حکم کا ذکر کیا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ قیدی تو ہمارا خاندانی کنبہ ہیں ہمارے بھائی ہیں ہم ان سے فدیہ اس لئے لے رہے ہیں کہ دشمنوں کے مقابلے میں ہم کو اسلحہ وغیرہ کی قوت حاصل ہو جائے اب اگر ان لوگوں کی گنتی کے برابر ہمارے آدمی شہید ہو جائیں تو ہم اس بات کو برا نہیں سمجھتے (چنانچہ آئندہ جنگ احد میں ستر صحابی شہید ہو گئے) [1]

بغویؒ نے لکھا ہے کہ آیت سابقہ کے نزول کے بعد فدیہ کا مال لینے سے صحابہ نے ہاتھ روک لئے تو یہ آیت نازل ہوئیں۔

فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ ع ۹ ۵

سو جو کچھ تم نے لے لیا ہے اس کو حلال پاک سمجھ کر کھاؤ اور اللہ (کے حکم کی خلاف ورزی) سے ڈرتے رہو بلاشبہ اللہ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے۔

یعنی تم نے جو فدیہ اور مال غنیمت لے لیا ہے اب اللہ نے اس کو تمہارے لئے مباح کر دیا (اب اس کو کھا سکتے ہو) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے چھ خصوصیات عطا فرما کر دوسرے انبیاء پر برتری دی گئی ہے ان چھ خصوصیات میں آپ نے ایک خصوصیت یہ ذکر فرمائی کہ میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ رواہ الترمذی عن ابی ہریرہؓ طبرانی نے صحیح سند سے سائب بن یزید کی روایت سے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے مجھے دوسرے انبیاء پر فضیلت پانچ خصوصیات دے کر عطا کی گئی اور میرے لئے مال غنیمت حلال کر دیا گیا جب کہ مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں کیا گیا بیہقی نے صحیح سند سے بروایت ابوامامہ یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس میں پانچ کی جگہ چار کا لفظ ہے طبرانی نے حضرت ابودرداء کی روایت سے بھی اس کو نقل کیا ہے بغویؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم سے پہلے کسی کے لئے مال غنیمت حلال نہیں کیا گیا اللہ نے ہماری کمزوری اور ناداری کو دیکھ کر ہمارے لئے اس کو پاک بنا دیا۔

[1] قاضی ابوالفضل عیاض نے شفا میں لکھا ہے کہ (اجازت دونوں باتوں کی تھی صرف صحیح اور اصح یعنی غیر اولیٰ اور اولیٰ کا فرق تھا) صحابہ نے کوئی کام خلاف اذن نہیں کیا تھا صرف بعض لوگوں نے فدیہ لینے کو جو غیر اولیٰ تھا قتل و خوں ریزی پر جو اولیٰ فعل تھا ترجیح دی تھی اور اولیٰ کو ترک کیا تھا اولیٰ عمل کو ترک کرنے پر ہی ان کو عتاب کیا گیا بعض کو اختیار غیر اولیٰ اور بعض کو اختیار اولیٰ پر متنبہ کیا۔ بہرحال نافرمانی کسی نے نہیں کی تھی طبری نے بھی اسی مضمون کی طرف اشارہ کیا ہے اس قصہ میں جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر آسمان سے عذاب آجاتا تو ایس سے سوائے عمر کے اور کوئی نہ بچتا۔ اسی کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت عمرؓ اور انہی کے ہم خیال لوگوں کی رائے صحیح تھی حضرت عمر کا نام تعیین کے ساتھ ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے ہی قیدیوں کو قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا خلاصہ یہ کہ اس فعل نے عذاب کا مستحق تو بنا دیا تھا مگر تقدیر سابقہ میں چونکہ فدیہ لینا حلال کر دیا گیا تھا اس لئے عذاب نازل نہ ہوا کیونکہ عذاب کا نزول مقدر ہی نہ تھا۔

داؤدی کا قول ہے اول تو یہ خبر ثابت نہیں اور ثابت بھی ہو تو اس سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ نے ایسی چیز کا حکم دیا تھا جس کی اللہ کی طرف سے کوئی نص نہ تھی اللہ نے اپنے رسول کے لئے اس بات سے (یعنی از خود کوئی دینی حکم دینے سے) پاک ہونے کا اظہار کر دیا ہے۔

Marfat.com

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بھی بدر کے دن گرفتار کر لئے گئے تھے آپ ان دس میں سے ایک تھے جنہوں نے بدر والے کافروں کے کھانے کا ذمہ لیا تھا خاص بدر کے دن سب (قریش اور دوسرے کافروں) کو کھانا کھلانے کی آپ کی باری تھی آپ بیس اوقیہ سونا کھانا کھلانے کے لئے لے کر آئے تھے جب بدر کے دن جنگ ہو گئی تو وہ سونا حضرت عباسؓ کے پاس رہ گیا اور جب گرفتار ہوئے تو وہ سونا بھی آپ کے پاس ہی تھا۔ آپ نے رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی کہ یہ بیس اوقیہ میرے زر فدیہ میں محسوب کر لیا جائے حضور صلعم نے انکار کر دیا اور فرمایا جو چیز تم (اسلام کے خلاف) کام میں لانے کے لئے لے کر نکلے ہو میں اس کو تمہارے لئے نہیں چھوڑوں گا یعنی زر فدیہ میں شمار نہیں کروں گا) حضرت عباسؓ کو مجبور کیا گیا کہ اپنے دونوں بھتیجوں عقیل بن ابی طالب اور نوفل بن حارث کا فدیہ ادا کریں حضرت عباسؓ نے عرض کیا محمد ﷺ تم نے مجھے ایسا کر کے چھوڑا ہے کہ جب تک زندہ رہوں قریش کے سامنے بھیک مانگتا پھروں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو وہ سونا کیا ہوا جو مکہ سے چلتے وقت تم ام الفضل کو دے آئے تھے اور یہ کہہ آئے تھے معلوم نہیں مجھے کیا پیش آئے اگر کوئی حادثہ پیش آجائے تو یہ سونا تمہارا ہے، عبداللہ اور عبیداللہ اور فضل اور قثم کے لئے موجود ہے یعنی حضرت عباس کے چاروں بیٹوں کے لئے حضرت عباسؓ نے عرض کیا آپ کو کس نے بتایا حضور ﷺ نے فرمایا مجھے میرے رب نے بتایا حضرت عباسؓ فوراً بول اٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عبدهٗ و رسوله سوائے اللہ کے اس سے کوئی واقف نہ تھا۔ ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم بیہقی ابو نعیم اسحاق بن راہویہ طبرانی اور ابوالشیخ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن اسحاق و ابو نعیم نے حضرت جابرؓ بن عبداللہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے دن ستر قیدی گرفتار کئے ان میں حضرت عباسؓ اور عقیل بھی تھے اور ان پر چالیس اوقیہ سونا زر فدیہ مقرر کیا بیہقی نے اسماعیل بن عباد الرحمٰن کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ اور عقیل اور نوفل اور ان کے بھائی کا زر فدیہ چار سو دینار تھا ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بدر کے ہر قیدی کے فدیہ سے زیادہ حضرت عباس کا فدیہ تھا تنہا آپ کا زر فدیہ ایک سو اوقیہ سونا تھا۔

ابو داؤد نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدر کے کافروں کا فدیہ (فی کس) چار سو مقرر کیا تھا حضرت عباسؓ نے عرض کیا میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ مال کیا ہوا جو تم ام فضل کو دے کر آئے تھے اور یہ کہہ کر آئے تھے کہ اس سفر میں اگر مجھ پر کوئی افتاد پڑے تو یہ میرے بیٹوں فضل اور عبداللہ اور قثم کا ہے حضرت عباسؓ نے عرض کیا واللہ میں یقین کرتا ہوں کہ آپ بلاشک اللہ کے رسول ہیں اس چیز سے تو سوائے میرے اور ام فضل کے اور کوئی واقف ہی نہ تھا سعید بن جبیرؓ کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ پر چار سو اوقیہ (زر) فدیہ مقرر کیا تھا کچھ لوگوں نے چالیس کہا ہے اور عقیل پر اسی اوقیہ حضرت عباس نے عرض کیا آپ نے مجھے عمر بھر کے لئے قریش میں سب سے محتاج کر کے چھوڑ دیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اے نبی ﷺ تم لوگوں کے قبضہ میں جو قیدی ہیں ان سے کہہ دو کہ اگر اللہ کو تمہارے دلوں کے اندر بہتری معلوم ہوئی تو تم سے جو کچھ لیا گیا ہے اس سے بہتر تم کو اللہ عنایت کر دے گا اور تمہارے قصور معاف کر دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

محمد بن یوسف صالحی نے سبیل الرشاد میں لکھا ہے کہ بدر کے قیدیوں کی ایک جماعت نے جس میں حضرت عباسؓ بھی شامل تھے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ہم تو مسلمان تھے مجبوری کے زیر اثر ہم (مقابلہ پر) آئے تھے ہم سے فدیہ کیوں لیا جا رہا ہے اس پر آیت یاایھا النبی نازل ہوئی۔

Marfat.com

فی قلوبکم خیرا میں خیر سے مراد ہے ایمان اور اخلاص یوتکم خیرا سے یہ مراد ہے کہ جو فدیہ تم سے لیا گیا ہے اس سے چند گنا دنیا میں اور ثواب آخرت میں عنایت کرے گا۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت عباسؓ نے فرمایا جب میں نے رسول اللہ ﷺ کو اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی اور درخواست کی کہ جو بیس اوقیہ سونا میرے پاس نکلا اس کو حساب میں لگا لیا جائے تو خدا کی قسم یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے اس سونے کے عوض مجھے بیس غلام عنایت کر دے جن میں سے ہر ایک میرے سرمایہ سے تجارت کرتا ہے (اور کل نفع مجھے ملتا ہے) اسی کے ساتھ میں اللہ سے مغفرت کا بھی امیدوار ہوں۔

بغویؒ نے حضرت عباس کا قول اس طرح نقل کیا ہے اللہ نے اس کے عوض مجھے بیس غلام عنایت فرما دئیے کہ سب کے سب تاجر ہیں اور کثیر مال کماتے ہیں ہر ایک کم سے کم بیس ہزار درہم بجائے بیس اوقیہ کے کماتا ہے اور اللہ نے مجھے زمزم (کی تولیت) بھی عنایت کر دی ہے جس کے مقابلہ میں مجھے مکہ کا سارا مال بھی پسند نہیں اور مجھے اپنے رب سے مغفرت کی امید بھی لگی ہوئی ہے۔

سبیل الرشاد میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے وقت حضرت عباسؓ نے فرمایا کاش مجھے اس مال سے جو آپ نے لیا ہے کئی گنا زیادہ لیا ہوتا کیونکہ اللہ نے مجھے اس مال سے بہتر عنایت کر دیا یعنی چالیس غلام عنایت کر دے جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں (میرا) مال ہے جس سے وہ کمائی کرتا ہے اور وہ کمائی میری ہوتی ہے) اور مجھے اللہ سے مغفرت کی امید بھی لگی ہوئی ہے۔

بخاری اور ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بحرین سے کچھ مال آیا آپ نے حکم دیا اس کو مسجد میں پھیلا دو (یعنی یونہی بے قدری کے ساتھ ڈال دو) اتنے میں حضرت عباس آگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ (مجھے اس میں سے) عنایت کیجئے میں نے اپنا اور عقیل کا فدیہ ادا کیا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لے لو حضرت عباسؓ نے دونوں ہاتھوں سے اپنا کپڑا بھر لیا اور جب اٹھانے لگے تو اٹھا نہ سکے کہنے لگے کسی کو اٹھوانے کا حکم دے دیجئے۔ حضور صلعم نے فرمایا نہیں حضرت عباسؓ نے کہا تو آپ اٹھوا دیجئے حضورؐ نے فرمایا نہیں حضرت عباسؓ نے (مجبوراً) کچھ حصہ نکال دیا اور اٹھا کر کاندھے پر رکھ کر لے گئے اور جاتے میں کہنے لگے اللہ نے جو وعدہ فرمایا تھا میں وہی لے رہا ہوں اللہ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا رسول اللہ ﷺ اس وقت تک اپنی جگہ سے نہیں اٹھے جب تک وہاں ایک درہم بھی رہا۔

وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

اور اگر وہ آپ سے فریب کرنا چاہیں گے تو (پرواہ نہ کرو) اس سے پہلے بھی وہ اللہ سے خیانت کر چکے اور ان کو اللہ نے (آپ کے) قابو میں دے دیا اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

یعنی فدیہ دے کر یا مفت قید سے چھوٹ کر اگر وہ بد عہدی اور پیمان شکنی کریں گے (تو عہد شکنی کا وبال انہی پر پڑے گا) اس کا ثبوت یہ ہے کہ عہد الست کو انہوں نے اس سے پہلے توڑ دیا کفر و شرک میں مبتلا ہو کر پایہ مراد ہے کہ عقل عطا فرما کر جو ان سے (فطری) عہد لیا گیا اس کو انہوں نے توڑ دیا آخر اللہ نے ان پر آپ کو قابو عنایت کر دیا اب اگر دوبارہ یہ عہد شکنی کریں گے تو ہم دوبارہ ان کو آپ کے قابو میں دے دیں گے ابن اسحاق کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو عزہ جمحی کو بدر کے دن بغیر فدیہ لئے اپنی عنایت سے رہا کر دیا اور اس سے وعدہ لے لیا کہ ہمارے خلاف کسی مشرک کی آئندہ مدد نہ کرنا لیکن احد کی جنگ میں وہ مشرکوں کے ساتھ ہو کر آیا۔ آخر گرفتار کر لیا گیا اور رسول اللہ نے پکڑوا کر اس کو قتل کرا دیا۔

واللہ علیم حکیم یعنی اللہ ان کے دلوں کے خیالات اور ارادہ سے واقف ہے اور اس کے افعال پر حکمت اور مبنی بر مصلحت ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۭ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنی جان

Marfat.com

و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ لوگ جنہوں نے (مہاجرین کو) رہنے کو جگہ دی اور (ان کی) مدد کی یہ لوگ باہم ایک دوسرے کے وارث ہوں گے۔

ھاجروا یعنی جنہوں نے اپنی قوم کو اور اپنے گھروں کو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبت میں چھوڑا مطلب یہ کہ جنہوں نے مکہ سے ہجرت کی۔ وجاھدوا باموالھم یعنی اسلحہ اور گھوڑوں کے خریدنے اور دوسری دینی ضرورتوں میں مال کو صرف کیا۔ والذین آووا اور جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے مہاجر ساتھیوں کو اپنے گھروں کے اندر مدینہ میں جگہ دی اور ٹھہرایا۔ ونصروا اور اللہ کے دشمنوں کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی مدد کی (اول گروہ سے مراد مہاجرین ہیں اور) ان سے مراد انصار ہیں۔ اولئک بعضھم اولیاء بعض یہ سب باہم دوست ہیں کافروں کے دوست نہیں خواہ وہ ان کے (خاندان اور رشتہ کے اعتبار سے) قرابتدار ہی ہوں لہٰذا مومنوں کے لئے کافروں سے (قلبی) دوستی کرنی جائز نہیں نہ ان کی مدد کرنی جائز ہے خواہ کفار ان کے باپ دادا یا بیٹے پوتے یا چچا ماموں ہوں یا ان کے کنبہ اور قبیلہ والے ہوں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول میراث کے متعلق ہوا مہاجرین آپس میں وارث ہوتے تھے۔ مسلم غیر مہاجر مسلم مہاجر کا وارث نہیں ہوتا تھا خواہ وہ اس کا قرابتدار ہی ہوتا گویا باہم تو ارث کی بنیاد ہجرت تھی (اسلام نہ تھا) لیکن جب مکہ فتح ہو گیا اور ہجرت کا حکم ختم ہو گیا تو پھر مہاجر غیر مہاجر باہم وارث ہونے لگے اور قرابت وارثت کی بنیاد قرار پائی اور اس آیت کے حکم کو اللہ نے آیت واولوا الارحام بعضھم اولیٰ ببعض فی کتاب اللہ سے منسوخ کر دیا۔

میرے نزدیک اگر آیت زیر تفسیر کو میراث کے متعلق ہی قرار دیا جائے تب بھی یہ منسوخ نہیں ہے ناسخ منسوخ کا حکم تو اس وقت ہوگا جب (دونوں آیتوں میں ایسا تضاد ہو جس کو دور کرنا ممکن نہ ہو حضرت ابن عباسؓ نے جو یہ فرمایا کہ مہاجرین و انصار باہم وارث ہوتے تھے قرابتدار وارث نہیں ہوتے تھے اس کا مطلب یہ ہے کہ قرابتدار کافر مہاجرین کے وارث نہیں ہوتے تھے کیونکہ دونوں میں دینی اختلاف تھا (اور اختلاف دین اب بھی میراث سے مانع ہے اور مومن غیر مہاجر اپنے قرابت دار مومن مہاجر کا وارث نہ ہوتا تھا کیونکہ وطنیت اور دار کا اختلاف تھا (ایک دار الحرب کا دوسرا دار الاسلام کا رہنے والا تھا اور اختلاف دار مانع میراث اب بھی ہے) آخر جب مکہ فتح ہو گیا اور دار الاسلام بن گیا اور ہجرت کا حکم ختم ہو گیا اور اہل مکہ مسلمان ہو گئے تو (اختلاف دین بھی جاتا رہا اور اختلاف دار بھی لہٰذا) باہم قرابتدار وارث ہونے لگے رہی یہ بات کہ انصاری مہاجر کا وارث ہوتا تھا تو ایسا ہونا ہی چاہئے تھا کیونکہ دونوں کے درمیان موالات کا معاہدہ تھا اور اب بھی اگر میراث سے کوئی امر مانع نہ ہو لو وہ کوئی نسبی یا سببی وارث نہ ہو تو عقد موالات اب بھی موجب میراث ہے امام اعظمؒ کا یہی مسلک ہے عقد موالات کا موجب ارث ہونا منسوخ نہیں ہوا۔

ایک امر باقی رہتا ہے کہ انصاری مہاجر کا یا مہاجر انصاری کا ایسی صورت میں وارث ہوتا تھا کہ قرابتدار مومن مدینہ میں موجود ہو اور عقد موالات کے تحت انصاری اور مہاجر باہم وارث ہوں قرابت دار وارث نہ ہوں تو یہ بات روایت سے ثابت نہیں نہ آیت اس مضمون پر دلالت کر رہی ہے۔

والذین امنوا ولم یھاجروا ما لکم من ولایتھم من شیء حتی یھاجروا وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر الا علی قوم بینکم وبینھم میثاق واللہ بما تعملون بصیر ﴿۷۲﴾

اور جو لوگ ایمان (تو) لے آئے اور ہجرت نہیں کی تمہارا ان سے میراث کا کوئی تعلق نہیں تاوقتیکہ وہ ہجرت نہ کریں اور اگر وہ تم سے دین کے کام میں مدد طلب کریں تو تمہارے ذمے ان کی مدد کرنا لازم ہے مگر اس قوم کے مقابلہ میں نہیں کہ جن سے تمہارا معاہدہ (صلح) ہو اور اللہ بلاشک تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

مالکم من ولایتھم چونکہ فرضیت ہجرت کو (باوجود قادر ہونے کے) ترک کرنے والا مومن فاسق ہے اس لئے غیر مہاجر مومن سے دوستی کی نفی کر دی جو بظاہر نفی ہے مگر مراد نہی ہے (یعنی غیر مہاجر سے دوستی مت کرو) اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فاسق مسلمان کی دوستی صالح مومن کے لئے اس وقت تک زیبا نہیں جب تک وہ توبہ نہ کرلے اور اگر ولایت سے مراد میراث



Marfat.com

ہو تو میراث کی نفی ہو جائے گی اس سے یہ نتیجہ مستفاد ہوگا کہ اختلاف دارین میراث سے مانع ہے۔

وان استنصروکم یعنی اگر غیر مہاجر مومن حربی دشمنوں کے مقابلہ میں تم سے دینی مدد کے خواستگاہوں تو ان کی مدد کرنی تم پر واجب ہے، الا علی قوم ہاں جس (کافر) قوم سے تمہارا معاہدہ (صلح) ہو تو اس کے خلاف مدد کرنی درست نہیں عہد شکنی جائز نہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے ابو جندل کی مدد نہیں کی یہ قصہ تفصیل کے ساتھ سورت فتح میں ذکر کر دیا گیا ہے وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ اس آیت میں حدود شرح سے تجاوز کرنے کی ممانعت اور باز داشت ہے۔

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْضُھُمْ اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ اور وہ جو کافر ہیں وہ باہم ایک دوسرے کے دوست ہیں مقصد یہ ہے کہ کافروں سے دوستی کرنی اور (مسلمانوں کے خلاف) ان کی مدد کرنی مومنوں کے لئے جائز نہیں۔ حضرت اسامہ بن زید کی روایت سے بخاری و مسلم نے صحیحین میں اور اصحاب السنن نے اپنی اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہ مسلمان کافر کا وارث ہوتا ہے نہ کافر مسلم کا سورۂ نساء میں آیت میراث کی تفسیر میں ہم نے اس کی توضیح کر دی ہے۔

مسئلہ :- مبسوط میں ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کچھ حربی کافر دار الحرب میں کسی کافر بستی پر حملہ کر دیں اور اس بستی کے باشندوں کو لوٹیں اور وہاں کافر بھی رہتے ہوں اور مستامن مسلمان بھی تو مسلمانوں کے لئے بستی والے کافروں کی مدد کرنی جائز نہیں ہاں اگر اپنے جان و مال کا اندیشہ ہو تو حملہ کرنے والوں سے مقابلہ کرنا جائز ہے کیونکہ لڑائی میں مقابلہ کرنے کا معنی ہے اپنی جان دینے کے لئے تیار ہو جانا اور مسلمان کی جان صرف اللہ کا بول بالا کرنے اور دین کی عزت کو قائم رکھنے کے لئے دی جا سکتی ہے یا اپنے اوپر سے ضرر کو دفع کرنے کے لئے اگر اپنی جان و مال کا اندیشہ نہ ہو تو کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ بستی کے کافروں کی حملہ کرنے والے کافروں کے مقابلہ میں مدد کرے کافروں کی حمایت میں جان دینا درست نہیں۔

مسئلہ :- اگر دار الحرب میں کافروں کے ساتھ کچھ مسلمان بھی امن کا معاہدہ کر کے رہتے ہوں اور یہ کافر دار الحرب سے باہر کسی مسلمان گروہ پر حملہ کر کے ان کے بیوی بچوں کو گرفتار کر لائیں اور قیدیوں کو لے کر بستی والے مسلمانوں کی طرف سے گزریں تو اس بستی کے مسلمان باشندوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہم وطن لٹیروں سے لڑ کر مسلمان قیدیوں کو رہا کرائیں خواہ یہ قیدی خارجی ہی ہوں کیونکہ مسلمانوں کو قید کرنے سے یہ کافر مسلمانوں کے مالک نہیں بن جاتے اب اگر کافروں کے قبضہ میں مسلمانوں کو رہنے دیا جائے گا تو یہ ظلم کی حمایت ہوگی ہاں اگر مسلمانوں کا صرف مال لوٹ کر لائے ہوں تو چونکہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک حربی کافر مسلمانوں سے لوٹے ہوئے مال کے مالک بن جاتے ہیں اور بستی میں رہنے والے مسلمانوں نے ان سے معاہدہ کر لیا ہے کہ جس مال پر تم قابض ہو گے اس سے تعرض نہیں کریں گے اس لئے دار الاسلام سے لوٹے ہوئے مال کو چھڑوانے کے لئے اپنے وطنی حربی کافروں سے جنگ جائز نہیں۔

اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ اور بگاڑ ہو جائے گا یعنی تم کو جو باہمی امداد و حمایت کرنے اور کافروں سے تعلقات منقطع کرنے یہاں تک کہ میراثی سلسلہ توڑ دینے کا حکم دیا گیا ہے اگر اس کی تعمیل نہ کرو گے (اور باہم امداد نہ کرو گے یا کافروں کی حمایت کرو گے) تو ملک میں ایک فتنہ یعنی کفر کا غلبہ پیدا ہو جائے گا اور بڑا بگاڑ ہو جائے گا۔ یعنی جہاد ترک کرنے اور کافر و مومن کے اختلاط رکھنے کی وجہ سے اسلام کمزور ہو جائے گا۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَھَاجَرُوْا وَجٰھَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا

اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا (یعنی مہاجرین و مجاہدین) اور وہ لوگ جنہوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی اور ان کی مدد کی۔ یہ ہی سب لوگ حقیقی مومن ہیں یعنی پکے ایمان والے ہیں اپنے مسلمان ہونے کے دعوے میں سچے ہیں انہوں نے ہی ایمان کے تقاضوں کو پورا کیا ہجرت کی راہ خدا میں جان و مال صرف کیا اور حق کی مدد کی ان کے برخلاف وہ لوگ ہیں جو مسلمان ہو گئے مگر نہ ہجرت کی نہ جہاد کیا۔ ان کو اگرچہ مومن کہنا صحیح تو ہے اللہ نے فرمایا والذین

Marfat.com

آمنوولم یھاجرو لیکن ان کا ایمان کامل نہیں ان کی سچائی عمل سے ثابت نہیں ہو سکی۔ ان کے ایمان میں نفاق کا احتمال ہے۔ بظاہر آیات میں تکرار نظر آرہی ہے لیکن حقیقت میں تکرار نہیں پہلی آیت میں باہم امداد کرنے اور تعلقات مضبوط کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور اس جگہ ایسے لوگوں کی تعریف کی گئی دونوں جگہ مقصد جدا جدا ہے پھر اس سے اگلے جملہ میں ان سے رزق و ثواب کا وعدہ بھی فرمایا گیا ہے ارشاد ہوا ہے۔

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ ان کے لئے (آخرت میں) بڑی مغفرت ہے اور (جنت میں) بڑی عزت کی روزی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلام اپنے سے پہلے (کے جرائم کو) کو ڈھا دیتا ہے اور ہجرت بھی پہلے (گناہوں) کو ڈھا دیتی ہے حضرت عمرو بن عاص کی روایت سے یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے۔

صلح حدیبیہ سے پہلے جن مسلمانوں نے پہلی ہجرت کی وہ مہاجرین سابقین کہلاتے ہیں اور جنہوں نے حدیبیہ کے بعد ہجرت کی وہ دوسری ہجرت والے کہلاتے ہیں اور جن لوگوں نے ایک مرتبہ حبشہ کو چھوڑ کر حبشہ کو چلے گئے اور دوسری بار مدینہ کو گئے وہ دو ہجرتوں والے کہلاتے ہیں انہی میں سے حضرت عثمانؓ اور حضرت جعفر طیار بھی تھے پہلی ہجرت والوں کا ذکر اوپر کی آیت میں کر دیا دوسری ہجرت والوں کا تذکرہ ذیل کی آیت میں کیا گیا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ اور جو لوگ (صلح حدیبیہ کے) بعد ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ مل کر جہاد کیا تو وہ لوگ تم میں سے ہی ہیں مہاجرین اولین اور انصار کو خطاب ہے کہ دوسری ہجرت کرنے والے مجاہدین بھی تم ہی میں سے ہیں ان کا شمار بھی تم میں سے ہے وہ بھی تمہاری جنس میں سے ہیں تم آپس میں دوست ہو اور ایک دوسرے کی میراث کا وارث ہے۔

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝

اور (مسلمانوں میں) جو لوگ قرابتدار ہیں (وہ میراث اور صلۃ الرحم کے استحقاق میں قرابت نسب نہ رکھنے والوں کے مقابلہ میں) باہم زیادہ قرب رکھتے ہیں اللہ کے فیصلہ اور حکم میں یا لوح محفوظ میں یونہی ہے بلا شبہ اللہ ہر چیز سے بخوبی واقف ہے۔ قرابت اسلام اور نکاح سے میراث کو وابستہ کرنے کی حکمت کا بھی اسی کو علم ہے۔

اس آیت کا مضمون سابق آیت کے خلاف نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مسلمان کا اگر کوئی قرابتدار مسلمان ہو تو قرابت نہ رکھنے والے مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ قرابتدار مسلمان میراث کا زیادہ مستحق ہے اب اگر وہ ان قرابتداروں میں سے ہو جن کا ذکر سورت نساء کی آیت میراث میں کیا گیا ہے تو وہ حسب تقسیم خداوندی میراث کا مستحق ہوگا اور اگر ان میں سے نہ ہو بلکہ اور دور پرے کا کوئی رشتہ دار ہو تب بھی وہ ان مسلمانوں کے مقابلہ میں جو بالکل اجنبی ہیں اور میت سے ان کا دور کا رشتہ بھی نہیں ہوتا میت کے مال کا زیادہ مستحق ہوگا اور میراثی قرابتداروں کے حصوں کی تعیین سورہ نساء میں مذکور ہے موخر الذکر اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے اس آیت کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے کہ جس کا کوئی (شرعی) وارث (ذی فرض یا عصبہ) نہ ہو اس کا ماموں وارث ہوتا ہے۔ یہ حدیث ہم نے سورۂ نساء میں ذکر کر دی ہے۔

اس سے امام شافعیؒ کے مسلک کا ضعف ظاہر ہو رہا ہے امام شافعیؒ کا قول ہے کہ جس کا کوئی وارث نہ ہو نہ ذوی الفروض میں سے ہو نہ عصبات میں سے اس کا مال بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا (ذوی الفروض وہ وارث ہیں جن کے حصوں کی تعیین اللہ نے خود کر دی ہے اور عصبہ وہ وارث ہوتا ہے کہ ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد جتنا مال بچتا ہے وہ سب اس کو ملتا ہے اور اگر ذوی الفروض نہ ہوں تو وہ کل مال کا وارث ہو جاتا ہے اور اگر ذوی الفروض کے حصے دینے کے بعد کچھ نہیں بچتا تو اس کو کچھ نہیں ملتا اگر کسی مسلمان کا کوئی بھی رشتہ دار مسلمان نہ ہو تو اس کا مال بجمہور اہل اسلام کا ہوگا اور بیت المال میں داخل کر دیا جائے گا پہلی آیت میں یہ مضمون گزر چکا ہے کہ لاوارث مسلمان کا مال کافر رشتہ داروں کو نہیں دیا جائے گا بلکہ اجنبی بے قرابت مسلمانوں کو دیا جائے گا۔

(سورہ انفال ختم شد)

Marfat.com

# سورہ توبہ

ہم حمد کرتے ہیں تیری!

اے وہ معبود کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ ہم ہر عیب اور خرابی سے تیری پاکی کا اعتراف کرتے ہیں تجھ سے مدد چاہتے ہیں اور تجھ سے مغفرت کے طلب گار ہیں۔ ہم شہادت دیتے ہیں کہ تو اقتدار کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت نصیب کرتا ہے۔ تیرے ہی دست قدرت میں ہر بھلائی ہے۔ تو ہی بلاشبہ سب کچھ کر سکتا ہے۔ تو ہمارا مالک ہے اور آسمان زمین اور ان کی کائنات کا مالک ہے ہم رحمت وسلامتی کی دعا کرتے ہیں۔ محمد ﷺ کے لئے جو تیرے رسول اور حبیب اور ہمارے آقا و مولیٰ ہیں اور تمام انبیاء اور رسولوں کے لئے اور تیرے تمام نیک بندوں کے لئے بھی۔

## سورۂ توبہ

### یہ سورہ مدنی ہے اس میں ۱۲۹ یا ۱۳۰ آیات ہیں

ابو عطیہ ہمدانی راوی ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے لکھ کر بھیجا سورہ برات (خود) سیکھو اور اپنی عورتوں کو سورۂ نور سکھاؤ میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ ہے کہ سورۂ برات میں ترغیب جہاد ہے اور سورت نور میں پردہ کی تلقین ہے (اول مردوں کا فریضہ ہے اور دوسرا عورتوں کا) حضرت عثمان بن عفان نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سورت انفال اور سورت برات کو ہم جوڑ کہا جاتا تھا اسی لئے سبع طوال میں میں نے ان کو ایک جگہ لکھ لیا۔

اس سورہ کے متعدد نام ہیں۔ (۱) برات، کیونکہ اس میں کافروں سے بیزاری اور دست برداری کا اعلان ہے۔ (۲) سورۂ توبہ کیوں کہ اس میں مسلمانوں کیلئے توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے (۳) مقشقشہ (نفاق سے بیزار کرنیوالی) ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے بروایت زید بن اسلم بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا مقشقشہ کہنے کی یہ وجہ ہے کہ یہ نفاق سے بیزار کرتی ہے (۴) مبعثرہ، یہ نام ابن المنذر نے محمد ابن اسحاق کی روایت سے بیان کیا ہے چونکہ لوگوں کے اندرونی رازوں کی پردہ کشائی کر رہی ہے اس لئے اس کو مبعثرہ کہا گیا۔ (۵) البحوث، یہ نام ابن حاتم طبرانی اور حاکم نے ابو رشد حرانی کی روایت سے حضرت مقداد بن اسود کے حوالے سے لکھا ہے (۶) المثیرہ، یہ نام ابن المنذر اور ابو الشیخ اور ابن ابی حاتم نے قتادہ کے حوالے سے نقل کیا ہے وجہ تسمیہ یہ ہے کہ یہ سورۃ نفاق کی حالت اکھاڑ کر سامنے لاتی ہے منافقوں کی پردہ دری کرتی اور ان کے نفاق کو ظاہر کر دیتی ہے

Marfat.com

کرتی ہے۔ (۷) مُنْكِلَه (عذاب والی) مُدَمْدِمَه (تباہی لانے والی۔ (۸) سورۂ عذاب، یہ نام حضرت حذیفہ نے لیا فرمایا جس کو تم سورۂ توبہ کہتے ہو وہ سورۂ عذاب ہے، خدا کی قسم اس نے کسی کو بغیر اثر انداز ہوئے نہیں چھوڑا رواہ ابن ابی شیبہ والطبرانی و ابو الشیخ والحاکم وابن مردویہ۔ حضرت ابن عباس نے بھی حضرت عمر کی طرف نسبت کرتے ہوئے اس کا نام سورۂ العذاب ذکر کیا ہے اخرجہ ابو عوانہ وابن المنذر وابو الشیخ وابن مردویہ۔ (۹) الفاضحہ بھی اس کا نام ہے، یہ منافقوں کو رسوا کرنے والی ہے بغوی ناقل ہیں کہ سعید بن جبیر نے فرمایا میں نے حضرت ابن عباس سے کہا سورۂ توبہ، آپ نے فرمایا وہ تو فاضحہ ہے یہ تو نازل ہوتی رہی اور لوگوں کو (منافقوں کے حالات کی) اطلاع دیتی رہی یہاں تک کہ لوگوں کا یہ خیال ہو گیا کہ کسی کو بغیر تذکرہ کئے اس نے نہیں چھوڑا میں نے کہا سورۂ انفال فرمایا یہ سورۂ بدر ہے میں نے کہا سورۂ حشر فرمایا اس کو سورۂ نضیر کہو (اس میں قبروں سے مردوں کے نکلنے اور میدان میں جمع ہونے کا بیان ہے۔

## ..... سورۂ برات کے شروع میں بسم اللہ کیوں نہیں ہے .....

حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے میں نے حضرت عثمانؓ سے عرض کیا الانفال مثانی میں سے ہے اور برات مئین میں سے آپ حضرات نے دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا اور دونوں کے بیچ میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نہیں لکھی اور برات کو سبع طوال میں درج کر دیا اس کی کیا وجہ۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا، مختلف زمانوں میں رسول اللہ ﷺ پر متعدد سورتیں نازل ہونے کا سلسلہ جاری تھا جب کچھ نازل ہوتا تھا تو آپ ﷺ اپنے کاتب کو بلوا کر حکم دیتے تھے۔ اس آیت کو فلاں سورہ میں رکھو۔ سورۂ انفال مدینہ کے ابتدائی ایام میں (یعنی ہجرت کے فوراً بعد) نازل ہوئی اور سورۂ برات سب سے آخری زمانہ میں اور دونوں کا بیان باہم ملتا جلتا تھا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں صراحت نہیں فرمائی کہ سورۂ برات سورۂ انفال کا جزء ہے اس لئے میں نے دونوں کو یکجا کر دیا اور برات کو سبع طوال میں درج کر دیا اور دونوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کی سطر نہیں لکھی۔ رواہ البغوی بسندہ واحمد وابو داؤد والنسائی وابن حبان والحاکم والترمذی۔ حاکم نے اس روایت کو صحیح اور ترمذی نے حسن کہا ہے

بسم اللہ کے ترک کی وجہ ایک یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ برات کا نزول امان کا حکم اٹھا لینے کے لئے ہوا اور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ امان کی تعلیم ہے۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علی بن ابی طالب سے دریافت کیا، برات میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کیوں نہیں لکھی گئی فرمایا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ امان ہے اور برات تلوار لے کر اتری ہے۔ کذا اخرج ابو الشیخ وابن مردویہ۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ صحابہ کی رائے باہم مختلف تھی کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ سورۂ انفال و برات کا مجموعہ ایک ہی سورت ہے کچھ لوگ کہتے تھے، دونوں الگ الگ سورتیں ہیں جو لوگ ان کو دو سورتیں کہتے ہیں ان کی رعایت کرتے ہوئے دونوں سورتوں کے درمیان خلاء (کچھ فاصلہ) چھوڑ دیا گیا اور جو لوگ دونوں کو دو مستقل سورتیں جانتے تھے اور اس مجموعے کو سبع طوال میں ساتویں سورت کہتے تھے جس کا نزول جہاد کے متعلق ہوا تھا تو ان کے قول کی رعایت کرتے ہوئے دونوں کے درمیان بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نہیں لکھی گئی۔

بغویؒ نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ تبوک کی طرف چلے گئے تو منافق افواہیں پھیلانے اور ایسی باتیں کہنے لگے جن سے مسلمانوں میں سخت بے چینی پیدا ہو جائے اور جو معاہدے رسول اللہ ﷺ سے کر چکے تھے ان کو توڑنے لگے۔

میں کہتا ہوں اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو یقین تھا مسلمان شاہ شام یعنی قیصر کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے (اور وہیں تباہ ہو جائیں گے) اس پر اللہ نے بھی اپنے پیغمبر کو کافروں سے معاہدہ ختم کرنے کا حکم دے دیا اور فرمایا

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ اللہ اور اس کے رسول کی

Marfat.com

طرف سے ان مشرکوں کے عہد سے دست برداری ہے جن سے تم نے بلا تعیین مدت معاہدہ کر رکھا تھا۔

براۃ نشاۃ اور رُتاوۃ کی طرح مصدر ہے۔ مبتدا محذوف ہے یعنی یہ برات ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے مشرکوں تک پہنچنے والی ہے زجاج نے کہا مطلب یہ ہے کہ جب مشرکوں نے معاہدے توڑ دیئے تو اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ بھی ان کو عہد دینے اور معاہدے کو پورا کرنے سے بری الذمہ ہے۔

عاھدتم میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو خطاب ہے۔ برات کا تعلق اللہ اور رسول اللہ ﷺ سے ظاہر کیا گیا اور معاہدہ کا تعلق رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے، اس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ معاہدات کو توڑ دینا اور ختم کر دینا رسول اللہ اور مسلمانوں پر واجب ہے۔

فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۙ وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝۲

سو تم اس سرزمین میں چار مہینے چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم خدا پر غالب نہیں آسکتے اور یہ بھی جان رکھو کہ اللہ بلاشبہ کافروں کو ذلیل کرنے والا ہے۔

یعنی چین وامن کے ساتھ مسلمانوں سے بے خوف ہو کر چار مہینے ملک میں گھومتے پھرو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ تم اللہ کے پنجہ سے چھوٹ نہیں سکتے، اللہ نے اگرچہ تم کو مہلت دے دی ہے مگر تم اس کی گرفت سے باہر نہیں ہو اور اللہ کافروں کو ضرور ذلیل کرنے والا ہے۔ دنیا میں قتل اور قید کی ذلت اور آخرت میں عذاب جہنم کی خواری۔

زہری کے نزدیک چار ماہ سے مراد ہیں شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم کیونکہ یہ آیت شوال میں نازل ہوئی تھی۔ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک دس ذی الحجہ سے دس ربیع الثانی تک چار ماہ مراد ہیں آئندہ آیت سے اس کی تائید ہو رہی ہے، فرمایا ہے۔

وَأَذَانٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْأَكْبَرِ ۔۔۔ اور اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے بڑے حج کی تاریخوں میں عام لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے۔ اذان کا معنی ہے اعلان۔ وزن فعال بمعنی افعال آتا ہے، جیسے امان بمعنی ایمان اور عطاء بمعنی اعطاء۔ نماز کی بانگ کو اذان بھی اسی مناسبت سے کہا جاتا ہے محاورہ میں بولا جاتا ہے اذنتہ، فاذن میں نے اس کو اطلاع دے دی تو اس کو علم ہو گیا۔ اصل میں یہ لفظ اذن سے بنا ہے یعنی میں نے اس کے کان میں ڈال دی اذان ترکیب عبارت کے لحاظ سے براۃ کی طرح ہے۔

بغویؒ نے بروایت عکرمہ بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا یوم الحج الاکبر یوم عرفہ ہے۔ حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن عمر، حضرت عبد اللہ بن زبیر کی طرف بھی بغویؒ نے اس قول کی نسبت کی ہے[۲]، عطا، طاؤس، مجاہد اور سعید بن مسیب کا بھی یہی قول ہے، میں کہتا ہوں اس تفسیر کا مدار رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان پر ہے کہ حج عرفہ ہے۔ اخرجہ احمد و ابو داؤد و

---

[۲] حسن سے یوم الحج الاکبر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو فرمایا اس سال تھا۔ جب رسول اللہ نے حضرت ابوبکرؓ کو اپنا قائمقام بنا کر بھیجا تھا اور سب کو ابوبکرؓ نے حج کروایا تھا حج کرنے والوں میں مسلمان بھی تھے اور مشرک بھی" اسی لئے اس حج کا نام بڑا حج رکھا گیا یہ دن عیسائیوں اور یہودیوں کی عید کے دن کے مطابق پڑ گیا تھا۔ شعبی کی روایت ہے کہ حضرت ابوذر اور حضرت زبیر میں سے کسی نے رسول اللہ سے سنا آپ ممبر پر جمعہ کے دن یہ آیت پڑھ رہے تھے تو ایک نے دوسرے سے پوچھا تھا یہ آیت کب نازل ہوئی۔ نماز ختم ہونے کے بعد حضرت عمر نے فرمایا تم ہمارا جمعہ نہیں ہوا معاملہ کا رجوع۔

Marfat.com

الترمذی والنسائی وابن حباب والحاکم والدار قطنی والبیہقی عن حدیث عبدالرحمٰن بن معمر ابن ابی حاتم حضرت مسور بن مخرمہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، عرفہ کا دن حج اکبر کا دن ہے، بغویؒ نے لکھا ہے کہ علماء کی ایک جماعت کا قول ہے یوم الحج الاکبر سے مراد قربانی کا دن ہے یحیی بن خراز کا بیان ہے کہ حضرت علی سفید خچر پر سوار ہو کر قربانی کے دن جمانہ جانے کے ارادے سے بر آمد ہوئے، ایک آدمی نے آپ کی سواری کی لگام پکڑ کر یوم الحج الاکبر کے متعلق دریافت کیا حضرت علیؓ نے فرمایا یہی دن ہے اب سواری کو چھوڑ دے۔ ترمذی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے یوم الحج الاکبر کے متعلق دریافت کیا حضور ﷺ نے فرمایا قربانی کا دن، ابن جریر نے اس کی تائید میں حضرت ابن عمر کی روایت بھی نقل کی ہے

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایات سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ شعبی سعید بن جبیر اور سدی کا بھی یہی قول ہے۔ حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ حجۃ الوداع میں قربانی کے دن جمرات کے پاس کھڑے ہو کر آپ نے فرمایا یہ حج اکبر کا دن ہے

بغویؒ نے ابن جریج کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مجاہد نے فرمایا یوم الحج الاکبر حج کا پورا وقت ہے یعنی منی کے تمام ایام، سفیان ثوری بھی فرماتے تھے، یوم الحج الاکبر سے مراد اوقات حج اکبر ہیں یعنی منی کے تمام ایام جیسے یوم صفین، یوم جمل، یوم بعاث سے مراد (صرف ایک ایک دن نہیں بلکہ یوم سے مراد) وقت اور زمانہ ہے کیونکہ یہ لڑائیاں (صرف ایک دن میں ختم نہیں ہو گئیں بلکہ) چند روز تک قائم رہی تھیں۔

عمرہ کو چونکہ جمعو ں حج کہا جاتا ہے اس لئے حج کے ساتھ اکبر کی صفت ذکر کر دی (تاکہ عمرہ کا احتمال نہ رہے) زہری، شعبی اور عطاء نے بھی یہی قول اختیار کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن چار ماہ کا ذکر آیت میں ہے ان کا آغاز حج اکبر کے دن سے ہوا تھا۔

میں کہتا ہوں آیت میں حج اکبر کے دن اعلان کئے جانے کا ذکر ہے، اس اعلان کو چار مہینے کے ساتھ مقید نہیں کیا گیا کہ آغاز کا دن یوم اعلان کو قرار دیا جائے کہ اسی سے سیاحت کا اختیار چار ماہ تک دیا گیا ہے اور سیاحت کے آغاز اور انتہا کا کوئی دن نہیں بتایا گیا زہری کا تعین کی اور قتادہ کی

أَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ وَرَسُوْلُهٗ ؕ کہ بے شک، اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اللہ کا رسول اللہ ﷺ بھی۔ پہلا اعلان برات صرف ان مشرکوں سے تھا جنہوں نے معاہدے کرنے کے بعد عہد شکنی کی تھی اور یہ اعلان برات عام ہے۔ اس میں شکست معاہدہ کرنے والے کافروں سے بھی برات کا اظہار کیا گیا ہے اور ان مشرکوں سے بھی جنہوں نے کوئی معاہدہ ہی نہیں کیا تھا اسی لئے اِلَی النَّاسِ فرمایا، ہاں وہ مشرک اس اعلان برات سے مستثنیٰ ہیں جنہوں نے معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی نہیں کی، ان کے متعلق فرمایا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ انکا معاہدہ پورا کرو اور چونکہ اس آیت میں چار ماہ سیاحت کرنے کا کوئی حکم نہیں اس لئے یوم حج اکبر کو آغاز سیاحت کی تاریخ نہیں قرار دیا جا سکتا۔

میں کہتا ہوں کہ آیت بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اور اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ کا نزول اگرچہ ان لوگوں کے حق میں ہوا جو غزوۂ تبوک کے زمانہ میں تھے ان میں سے کچھ لوگ تو وہ تھے جن کا مسلمانوں سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا اور کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے معاہدہ کرنے کے بعد شکست عہد کی تھی ان دونوں گروہوں سے اظہار برات کر دیا گیا اور چار ماہ تک چلنے پھرنے اور آزادی کے ساتھ بغیر خوف کے گھومنے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے مورد کی خصوصیت حکم کو خاص نہیں کر دیتی، لہٰذا مندرجہ بالا دونوں فریقوں کے لئے جو سیاحت کی آزادی دی ہے اور قتال حرام کیا ہے یہ حکم ہر زمانہ میں قائم ہے گا اور جب تک لڑنا بھڑنا جائز قرار دیا جائے گا۔ اللہ نے غزوۂ فاذا انسلخ الاشہر الحرم الخ دوسری آیت میں منہا اربعۃ حرم

---

لہ اس آیت میں وَرَسُوْلُهٗ لام کے جزم کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ ابن ابی ملیکہ کی روایت ہے کہ ایک اعرابی حضرت عمر بن خطاب کے دور حکومت میں مدینہ آیا اور کہا مجھے کوئی اللہ کا کلام پڑھا دے۔ محمد بن خطاب نے اس کو سورت "برأت" پڑھائی اور رسولہ کے لام کو زیر کے ساتھ پڑھا جس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ مشرکوں اور اپنے رسول سے بری الذمہ ہے۔ اعرابی بولا جب اللہ اپنے رسول سے بری الذمہ ہے تو میں بھی اس سے بزار ہوں جس سے اللہ بزار ہے یہ کہہ کر چل دیا حضرت عمرؓ نے اسی کو بلوایا۔ اور پوچھا کیا اللہ کے رسول سے اظہار بیزاری کر رہا ہے۔ اعرابی نے کہا اے امیر المومنین جب میں مدینہ میں آیا تو مجھے قرآن کریم سے کوئی واقفیت نہ تھی میں نے خواہش کی کہ کوئی مجھے پڑھا دے (ابن مندہ نے) یعنی محمد بن خطاب نے مجھے (سورت برأت) پڑھائی اور اَنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ پڑھا تو میں نے کہا اللہ جس سے بری الذمہ ہے میں بھی اسی سے بیزار ہوں حضرت عمرؓ نے یہ تفریق کر کے محمد بن خطاب کو حکم دیا کہ آئندہ صرف وہی شخص لوگوں کو قرآن پڑھائے جو زبان سے واقف ہو۔ اس کے بعد آپ نے ابو الاسود دؤلی کو حکم دیا اور انہوں نے اس حکم کو بخوبی سرانجام دیا۔

Marfat.com

ایک شبہ :- بعض لوگوں کا قول ہے کہ اشہر حرم (چار مہینے جن میں لڑنا حرام تھا) میں قتال بے شک بڑا جرم تھا مگر آیت قاتلوا المشرکین کافۃ سے اس حرمت کو منسوخ کر دیا گیا۔ اس آیت کا یہ مطلب ہو گیا کہ تمام مشرکوں سے لڑو ہر زمانہ میں خواہ غیر حرام مہینوں میں ہو یا اشہر حرم میں۔ یہ قول قتادہ عطا خراسانی، زہری اور سفیان ثوری کا ہے ان حضرات کا استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین میں قبیلہ ہوازن سے اور طائف میں قبیلہ ثقیف سے جہاد کیا اور ان کا محاصرہ ماہ شوال کامل اور ذیقعدہ کے کچھ حصہ میں جاری رکھا۔

ہم کہتے ہیں قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً کو ناسخ قرار دینا غلط ہے بلکہ یہ آیت تو پوری آیت کا ایک جزو اور تکملہ ہے پوری آیت اس طرح ہے اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَافَّةً یہ پوری آیت ایک ہی وقت میں نازل ہوئی۔ اس لئے اس کا کوئی جزو دوسرے جزو کا ناسخ نہیں ہو سکتا کیونکہ ناسخ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا نزول منسوخ سے کچھ مدت کے بعد ہوا ہو (لہٰذا اشہر حرم کی حرمت کا ناسخ قاتلوا المشرکین سے نہیں ہو سکتا۔ دونوں کے نزول کا وقت ایک ہی ہے) رہا تخصیص کا تصور تو اس جگہ وہ ممکن ہی نہیں، کافۃ کی تفسیر میں یہ کہنا کہ ہر زمانہ میں قتال کرو یہ صریح غلط ہے۔ کافۃ کا معنی تو یہ ہے کہ سب سے لڑو۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر زمانہ میں لڑو کافۃ کا لفظ عموم افراد پر دلالت کر رہا ہے۔ عموم اوقات کا مفہوم ان سے نہیں نکلتا۔

رہا شوال اور ذیقعدہ میں رسول اللہ کا طائف میں محاصرہ کرنا تو یہ خبر آحاد سے ثابت ہے اور خبر آحاد ظنی ہوتی ہے اس سے حکم قرآن کا نسخ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو سورۂ توبہ کا نزول تو طائف کے جہاد کے بعد ہوا اور رسول اللہ ﷺ نے اپنی وفات سے اسی روز پہلے حج وداع میں قربانی کے دن خطبہ میں فرمایا تھا کہ زمانہ گھوم کر اسی ہیئت پر آ گیا جس ہیئت پر آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت تھا، سال بارہ مہینہ کا ہوتا ہے جن میں چار حرمت والے مہینے ہیں تین مہینے پے در پے ہیں، ذیقعدہ ذی الحجہ اور محرم اور چوتھا مہینہ رجب مضر کا ہے جو جمادی (الثانی) اور شعبان کے درمیان ہوتا ہے رواہ الشیخان فی الصحیحین من حدیث ابی بکرہ۔

یہ بھی ممکن ہے کہ طائف میں بنی ثقیف کا ذیقعدہ میں محاصرہ رسول اللہ ﷺ کے لئے خصوصی جواز کے ماتحت ہو جس طرح حرم کے اندر رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص طور پر کچھ دیر کے لئے جائز کر دیا گیا۔ تھا رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا اللہ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے دن ہی اس شہر کو حرمت والا کر دیا تھا پس اللہ کی دی ہوئی حرمت کی وجہ سے قیامت کے دن تک یہ شہر حرمت والا رہے گا یہاں مجھ سے پہلے کسی کے لئے قتال کرنا جائز نہیں کیا گیا اور میرے لئے بھی یہاں دن میں ایک ساعت کے لئے قتال کرنا جائز کیا گیا تھا، رواہ الشیخان فی الصحیحین من حدیث ابن عباس۔

صحیحین میں حضرت ابو شریح عدوی کی روایت سے اس حدیث میں اتنا حصہ اور بھی آیا ہے اگر اللہ کے رسول کے قتال سے کوئی شخص یہاں لڑنے کی اجازت سمجھنے لگے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دے دی تھی تم کو نہیں دی اور رسول اللہ کو بھی اجازت دن کے ایک ساعت کے لئے دی تھی اب اس کی حرمت دوبارہ ویسی ہی ہو گئی جیسے کل تھی۔

## قصہ

شوال ۹ھ میں جب یہ سورت نازل ہوئی تو حج کے اجتماع میں لوگوں کو سنانے کے لئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو بھیجا۔ نسائی نے حضرت جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر کو امیر حج مقرر کر کے بھیجا ہم بھی آپ کے ساتھ گئے (مدینہ سے روانہ ہو کر) عرج میں پہنچے صبح کی نماز کے لئے الصلوہ خیر من النوم کی ندا ہوئی حضرت ابو بکر تیار ہو کر نماز کی تکبیر کہنا ہی چاہتے تھے کے پیچھے سے اونٹ کی آواز سنائی دی، آپ تکبیر کہنے سے رک گئے اور فرمایا یہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی جدعاء کی آواز ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو خود حج کرنے کا خیال پیدا ہو گیا اور آپ تشریف لے آئے اگر ایسا

Marfat.com

ہے تو ہم حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا کریں گے اتنے میں حضرت علیؓ اونٹنی پر سوار تشریف لے آئے۔ حضرت ابو بکر نے دریافت کیا، کیا آپ امیر حج ہو کر آئے ہیں یا قاصد ہو کر، حضرت علیؓ نے جواب دیا قاصد ہو کر، اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس لئے بھیجا ہے کہ مواقف حج میں لوگوں کو سورۂ برات پڑھ کر سنادوں۔ غرض ہم مکہ پہنچے اور یوم ترویہ سے ایک دن پہلے یعنی ۷ ذی الحجہ کو حضرت ابو بکر نے کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کیا اور لوگوں کے سامنے آداب حج بیان کئے۔ جب خطبہ سے فارغ ہو گئے تو حضرت علی کھڑے ہو گئے اور آخر تک سورۂ برات پڑھی پھر ہم حضرت ابو بکر کے ساتھ نکل آئے۔ جب عرفہ کا دن ہوا تو پھر ابو بکر نے کھڑے ہو کر لوگوں سے خطاب کیا اور آداب حج سکھائے اور جب آپ خطاب سے فارغ ہو گئے تو حضرت علی کھڑے ہوئے اور سورۂ برات آخر تک پڑھ کر سنائی پھر قربانی کرنے کا دن ہوا اور ہم چلے تو حضرت ابو بکرؓ نے پھر لوگوں کو خطاب کیا روانگی اور قربانی کے احکام اور دوسرے مناسک حج بتائے اور آپ کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے اور لوگوں کو پوری برات کی سورت پڑھ کر سنائی پھر واپسی کا پہلا دن ہوا تو حضرت ابو بکر نے لوگوں کو خطاب کیا واپسی کی کیفیت اور پتھریاں مارنے کا طریقہ اور دوسرے آداب بیان کئے اور آپ کے بعد حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر سورۂ برات پوری پڑھ کر سنائی [1]

بغویؒ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس سال حضرت ابو بکرؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا اور آپ کے بعد حضرت علی کو اپنی عضباء اونٹنی پر سوار کر کے بھیجا تا کہ سورۂ برات کا ابتدائی حصہ اجتماع حج میں لوگوں کو سنا دیں اور ابھی اختیار دے دیا کہ مکہ اور منیٰ اور عرفات میں اعلان عام کر دیں کہ (آئندہ) ہر مشرک سے اللہ کی اور اللہ کے رسول کی ذمہ داری اٹھ گئی اور کوئی شخص برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف نہ کرے۔ حضرت ابو بکر (حضرت علی کو اپنے پیچھے آتا دیکھ کر) لوٹ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا میری بابت کوئی نیا حکم نازل ہوا ہے فرمایا مناسب نہیں کہ اس (اعلان برات) کو کوئی شخص بھی (لوگوں تک) پہنچائے سوائے اس شخص کے جو میرے گھر والوں میں سے ہو (کیونکہ کسی دوسرے کے اعلان کا لوگوں کو یقین نہیں آئے گا) ابو بکرؓ کیا تم اس بات سے راضی نہیں ہو کہ (یعنی تمہاری خوشی کے لئے کافی نہیں ہے کہ) تم میرے ساتھ غار میں تھے اور قیامت کے دن) میرے حوض پر میرے ساتھی ہو گے؟ ابو بکرؓ نے کہا یا رسول اللہ بلاشبہ میں اس پر راضی ہوں اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ امیر حج اور حضرت علیؓ سورۂ برأت کا اعلان کرنے کے لئے چل دیئے، سات تاریخ ہوئی، تو حضرت ابو بکرؓ نے لوگوں کو خطاب کیا اور مناسک حج سکھائے اور حج کرایا۔ عرب اسی سال

[1] حضرت عروہ راوی ہیں کہ ۹ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر کو امیر حج بنا کر بھیجا اور آداب حج ان کو لکھ کر دے دیئے اور حضرت علی کو سورۂ برات کی آیات دے کر حضرت ابو بکر کے ساتھ بھیج دیا اور ان کو حکم دے دیا کہ منیٰ عرفات اور تمام مقامات حج میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد جو مشرک حج کرے گا یا جو برہنہ طواف کعبہ کرے گا اس کی سلامتی کا ذمہ دار نہ اللہ ہے اور نہ اللہ کا رسول اور جس کا کوئی معاہدہ اللہ کے رسول سے ہو چکا ہے، اس کے لئے رسول اللہ نے چار ماہ کا وقت مقرر کر دیا حضرت علی اونٹنی پر سوار ہو کر چل دیئے اور تمام مواقف حج میں جا کر علی الاعلان سب کو برأۃ من اللہ ورسولہ اور یا بنی ادم خذوا زینتکم عندکل مسجد پڑھ کر سنایا۔ ترمذی نے حضرت انس کی روایت سے لکھا ہے کہ (اول) رسول اللہ ﷺ نے سورۂ برات حضرت ابو بکر کو دے کر بھیجا تھا پھر واپس بلوا لیا اور فرمایا یہ کام سوائے اس شخص کے جو میرے گھر والوں میں سے ہے اور کسی کے لئے زیبا نہیں چنانچہ حضرت علیؓ کو آپ نے طلب فرما کر سورۂ برات ان کو دے کر بھیجا۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۂ برات (اول) حضرت ابو بکر کو دے کر مکہ والوں کے پاس بھیجا تھا پھر ان کے پیچھے حضرت علی کو بھیجا اور علی نے ابو بکر سے برات کے اعلان کا اختیار لے لیا حضرت ابو بکر کو کچھ اس کا احساس ہوا تو حضور نے فرمایا ابو بکر سوائے میری ذات یا میرے گھر والوں میں سے کسی شخص کے اور کوئی اس خدمت کو ادا نہیں کر سکتا ورنہ عرب یقین نہیں کریں گے ترمذی اور حاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے ترمذی نے اس روایت کو حسن اور حاکم نے صحیح بھی کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر کو بھیجا اور حکم دیا کہ ان کلمات (آیات) کی منادی کریں پھر حضرت ابو بکر کے پیچھے حضرت علی کو انہی (آیات) کا اعلان کرنے کے لئے بھیج دیا، حسب الحکم دونوں حضرات گئے دونوں نے حج کیا اور ایام تشریق میں حضرت علی نے اعلان کیا ان اللہ بری من المشرکین ورسولہ فسیحوا فی الارض اربعۃ اشہر اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ کعبہ کا طواف کرے اور جنت میں سوائے مومن کے اور کوئی نہیں جائے گا۔ حضرت علیؓ یہ اعلان کر رہے تھے پھر میں نے دیکھا کہ حضرت ابو بکر کھڑے ہوئے اور آپ نے بھی یہی اعلان کیا۔

Marfat.com

تک حج کے معاملہ میں اپنے جاہلی دستور کے پابند تھے جب قربانی کا دن ہوا تو حضرت علیؓ نے کھڑے ہو کر وہی اعلان کیا جس کا ان کو حکم دیا گیا تھا اور سورت برات سب کو پڑھ کر سنائی۔

زید بن یثیع کا بیان ہے، ہم نے حضرت علی سے دریافت کیا آپ کو کیا پیام دے کر بھیجا گیا تھا فرمایا چار باتوں کا اعلان کرنے کے لئے مجھے بھیجا گیا۔ (۱) آئندہ ننگا ہو کر کوئی شخص کعبہ کا طواف نہ کرے۔ (۲) جس کا رسول اللہ سے کوئی میعادی معاہدہ (صلح) ہو وہ اپنی مقررہ میعاد تک معاہدہ پر رہے گا اور جس کا کوئی معاہدہ نہ ہو اس کے لئے چار ماہ کی میعاد دی جاتی ہے۔ (۳) جنت میں سوائے مومن کے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔ (۴) اس سال کے بعد مومنوں کے ساتھ مشرکوں کا اجتماع نہ ہوگا۔ (یعنی مشرک حج نہ کر سکیں گے)

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھے دوسرے اعلان کرنے والوں کے ساتھ قربانی کے دن منیٰ میں یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور کوئی برہنہ آدمی کعبہ کا طواف نہیں کرے گا۔ حمید بن عبدالرحمٰن نے حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔ حمید کی یہ بھی روایت ہے کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ کو اپنے ساتھ اونٹ بٹھا کر حکم دیا کہ وہ برات کا اعلان کر دیں، ابوہریرہؓ نے کہا پھر علی نے بھی ہمارے ساتھ منیٰ کے اجتماع میں قربانی کے دن اعلان کیا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہیں کرے گا اور نہ کوئی برہنہ ہو کر کعبہ کا طواف کرے گا۔

نتیجہ اس قصہ سے صراحت کے ساتھ ثابت ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کو امارت حج سے معزول نہیں کیا تھا اور حضرت علیؓ کو صرف ان آیات کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا حضرت علیؓ کو اس خدمت پر مامور کرنے کی وجہ یہ بھی کہ عرب کے دستور کے مطابق معاہدات کا انعقاد یا شکست قوم کا سردار یا سردار کے خاندان کا کوئی فرد ہی کر سکتا تھا (دوسرا کوئی نہیں کر سکتا تھا) رسول اللہ ﷺ نے اسی عذر کو ساقط کرنے کے لئے حضرت علیؓ کا اس خدمت پر تقرر کیا تاکہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ معاہدہ کی یہ شکست تو ہمارے رواج کے خلاف ہے (ہم اس کو تسلیم نہیں کر سکتے) رسول اللہ ﷺ کے فرمان لا ینبغی لاحد ان یبلغ ھذا الا رجل من اھلی کا یہی مطلب ہے (اس سے حضرت ابوبکرؓ کی تنقیص لازم نہیں آتی) حضرت انسؓ کی روایت سے امام احمد اور ترمذی نے حدیث مذکور انہی الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

ہم نے جو قصہ نقل کیا ہے اس کا کچھ حصہ مسند احمد سے اور کچھ حصہ دلائل بیہقی سے لیا ہے جو حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے آیا ہے اور کچھ حصہ تفسیر ابن مردویہ سے اخذ کیا ہے جو حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے منقول ہے۔

فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ پس اگر تم (کفر سے اسلام کی طرف) لوٹ آؤ گے تو (دنیا و آخرت میں تمہارے لئے بہتر ہوگا۔

وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ اور اگر (توبہ اور اسلام سے) پشت موڑ لو گے۔

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ تو سمجھ رکھو کہ تم اللہ کو ہرانے والے نہیں اس کی گرفت سے نہیں بچ سکتے، نہ اس سے بھاگ سکتے ہو کلام کا کچھ حصہ حذف کر دیا گیا ہے۔ پورا کلام (اس طرح تھا اگر تم پشت موڑ لو گے تو جان رکھو کہ اللہ تم کو دنیا اور آخرت میں عذاب دے گا کیونکہ تم اللہ کو مغلوب نہیں کر سکتے)۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ اور کافروں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔

دنیا میں قتل وقید کی شکل میں اور آخرت میں دوزخ کی صورت میں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوْكُمْ شَيْـًٔا وَّلَمْ يُظَاهِرُوْا عَلَيْكُمْ اَحَدًا فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝

سوائے ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدہ کر لیا ہو اور انہوں نے معاہدہ کی تکمیل میں کوئی کمی نہ کی ہو اور تمہارے

Marfat.com

خلاف کسی کی مدد نہ کی ہو تو ان سے کیا ہوا معاہدہ میعاد مقرر تک پورا کرو۔ بلاشبہ اللہ اہل تقویٰ کو پسند کرتا ہے اور وفاء معاہدہ بھی تقویٰ ہے کا تقاضا ہے لہٰذا معاہدہ کو پورا کرو۔ الاالذین عاھدتم من المشرکین سے استثناء ہے اور استثناء سے ایک توہم کا ازالہ ہو رہا ہے کہ تم کو ان مشرکوں سے قتال کرنے کا حکم دیا گیا ہے جنہوں نے معاہدہ کرنے کے بعد تم سے بدعہدی کی ہو یا تم سے ان کا کوئی معاہدہ ہی نہ ہوا ہو باقی وہ مشرکین جن سے تمہارا میعادی یا غیر میعادی معاہدہ ہو گیا ہے اور انہوں نے عہد شکنی بھی نہیں کی ہے ان سے لڑنے کا حکم نہیں ہے۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ بنی کنانہ کی ایک شاخ بنی حمزہ نے رسول اللہ ﷺ سے معاہدہ کر رکھا تھا اور عہد شکنی بھی نہیں کی تھی اور میعاد معاہدہ میں نو مہینے باقی تھے، معاہدین سے یہ لوگ مراد ہیں۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ پھر جب ماہہائے حرام گزر جائیں۔ انسلاخ کا مادہ سلخ ہے، سلخ الشاۃ بکری کی کھال اتارنا۔ انسلاخ کا معنی ہے کسی چیز کا اپنے غلاف سے برآمد ہو جانا۔

مجاہد اور ابن اسحاق نے کہا اشہر حرم سے مراد ہیں معاہدہ کے مہینے جن کی میعاد چار ماہ ہے اور جن لوگوں سے معاہدہ نہ ہو ان کے لئے اشہر حرم کی آخری حد ماہ محرم کی آخری تاریخ ہے یعنی (۱۰ ذی الحجہ سے جو اعلان برات کی اولین تاریخ تھی) پچاس دن۔ ان کو حُرُم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے مشرکوں کا خون بہانا اور ان سے لڑنا ان مہینوں کے اندر مسلمانوں کے لئے حرام کر دیا ہے۔ مجاہد کے اس قول پر یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ تو پچاس دن ہوں گے اشہر حرم پورے تو نہ ہوں گے، اشہر حرم کا جزو اور حصہ ہوں گے اور اللہ نے اشہر حرم کا گزر جانا فرمایا ہے۔ اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ چونکہ ۱۰ ذی الحجہ سے آخر محرم تک ایک ایسی مدت تھی جس کا اتصال پچھلے مہینوں سے تھا اس لئے اشہر حرم کا لفظ ذکر کر دیا گویا مراد یہ ہے کہ جب بقیہ مدت آخر محرم تک گزر جائے جو ۱۰ ذی الحجہ سے پہلے گزرے ہوئے مہینے کو ان سے ملا کر اشہر حُرُم بن جاتی ہے۔

یہ خواہ مخواہ کی توڑ مروڑ ہے صحیح یہی ہے کہ اشہر حُرُم ہر سال کے چار مہینے ہیں (ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب۔)

فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ تو (سوائے معاہدین اور پابند معاہدہ لوگوں کے) سب مشرکوں کو قتل کرو۔

حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ جہاں ان کو پاؤ اکثر اہل تفسیر نے لفظ حیث کی تشریح میں لکھا ہے کہ حرم کے اندر ہو یا باہر جہاں پاؤ مار دو یہ تفسیر احادیث مبارکہ کے خلاف ہے۔ حرم کے اندر قتال کی رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمادی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا زمین و آسمان کو پیدا کرنے کے دن ہی اللہ نے اس شہر کو باحرمت بنا دیا تھا، پس قیامت تک یہ شہر خداداد حرمت کی وجہ سے حرام رہے گا۔ مجھ سے پہلے یہاں کسی کے لئے لڑنا حلال نہیں کیا گیا اور میرے لئے صرف ایک ساعت کے لئے یہاں قتال کی حلت ہوئی اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کے قتال کرنے سے اس جگہ قتال کرنے کو مباح قرار دے تو اس سے کہہ دو کہ اللہ نے اپنے رسول کو اجازت دی تھی تم کو نہیں دی اور میرے لئے بھی قتال کی اجازت دن میں ایک ساعت کے لئے تھی اب اس کی حرمت لوٹ کر ویسی ہی ہو گئی جیسے کل تھی۔ یہ دونوں حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں مذکور ہیں الی یوم القیامۃ (روز قیامت تک) کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ حرم کے اندر حرمت قتال منسوخ نہیں ہوئی، نہ ہو سکتی ہے۔

پس آیت میں حیث سے مراد عام جگہ ضرور ہے مگر حرم کے علاوہ۔

مسئلہ :- اگر مشرک حرم کے اندر یا ماہہائے حرام میں اپنی طرف سے جنگ چھیڑ دیں (اور حرم و اشہر حرم کا لحاظ نہ کریں) تو ایسی صورت میں مسلمانوں کے لئے بھی (جوابی) جنگ کرنی جائز ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے الشھر الحرام بالشھر الحرام والحرمات قصاص فمن اعتدی علیکم فاعتدوا علیہ بمثل ما اعتدی علیکم الخ یہ مسئلہ سورۂ بقرہ میں تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

وَخُذُوْهُمْ اور ان کو پکڑو یعنی قیدی بناؤ اخیذ کا معنی ہے قیدی

وَاحْصُرُوْهُمْ اور ان کو گھیرو، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مشرک قلعہ بند ہو جائیں تو ان کا

Marfat.com

محاصرہ کو لو، نکلنے نہ دو تاکہ وہ مجبور ہو کر یا جنگ کریں یا مسلمان ہو جائیں یا جزیہ ادا کرنا قبول کریں۔ بعض نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مکہ میں داخل ہونے اور ممالک اسلامیہ میں گھومنے پھرنے سے کافروں کو روک دو۔

وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ اور ان کی تاک میں ہر ممکن گاہ میں بیٹھو۔ مرصد گھات کا مقام جہاں سے دشمن کی نگرانی رکھی جاتی ہے۔ رصدت الشیئی میں نے اس چیز کی تاک لگائی۔ مطلب یہ ہے کہ تم مشرکوں کی گھات میں لگے رہو کہ جس طرف سے وہ آئیں تم ان کو گرفتار کر لو تاکہ مکہ میں داخل ہونے اور ملک میں پھیلنے نہ پائیں۔

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

پھر اگر وہ (شرک سے) توبہ کر لیں اور نماز قائم (کرنے کا اقرار) کریں اور زکوٰۃ ادا کریں (یعنی نماز و زکوٰۃ کے فرض ہونے کا اعتراف کریں) تو ان کا راستہ چھوڑ دو (معاف کر دو) بے شک اللہ (توبہ کرنے والے کو) معاف کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے

حسن بن فضیل نے کہا اس آیت سے ان تمام آیات کے احکام کو منسوخ کر دیا جن میں مسلمانوں کو کافروں کے ظلم و ایذا پر صبر کرنے اور درگزر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ

اور اگر کوئی مشرک آپ سے پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو اتنی مدت کے لئے پناہ دے دو کہ وہ اللہ کا کلام سن لے پھر اس کو اس کے امن کے مقام تک (بحفاظت) پہنچا دو۔

یعنی اگر وہ اسلام نہ لائے تو اس کی قوم کی بستی تک بحفاظت اس کو پہنچا دو، اس کے بعد اگر وہ تم سے لڑے تو تم بھی لڑو اور قابو مل جائے تو قتل کر دو۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝ یہ (وقتی امن یا یہ حکم) اس لئے ہے کہ یہ لوگ بے سمجھ ہیں یعنی حق و باطل کا ان کو امتیاز نہیں ہے، کلام اللہ سننا ان کے لئے ضروری ہے تاکہ ان کو (اول) علم تو ہو جائے (کہ اللہ کا کیا پیام ہے اور اسلام کیا ہے اور خدا نے کیا فرمایا ہے) حسن نے کہا یہ آیت محکم ہے، اس کا حکم قیامت تک لئے ہے۔

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ ان مشرکین (قریش) کا عہد اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نزدیک کیسے قابل رعایت رہے گا۔ کیف یا یکون کی خبر ہے یا للمشرکین کی یا عند اللہ کی اور استفہام انکار تعجبی کے لئے ہے یعنی یہ بات نہایت بعید ہے کہ باوجود بدکار اور اہل عناد ہونے کے مشرکین عہد کے پابند رہیں اور عہد شکنی نہ کریں یا یہ بات بعید ہے کہ مشرکین تو کئے ہوئے عہد کو توڑیں اور اللہ اور اللہ کا رسول اس عہد کی پابندی رکھیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ سوائے ان لوگوں کے جن سے مسجد حرام کے پاس تم نے معاہدہ کیا ہے۔ یہ استثناء مشرکین سے ہے اگر مشرکین سے مراد عہد شکن مشرک ہوں تو استثناء منقطع ہوگا (کیونکہ مستثنیٰ منہ مستثنیٰ کو شامل ہی نہیں ہوگا) اس وقت الا بمعنی لٰکن کے ہوگا (اور اگر مشرکین کے لفظ کو عموم پر رکھا جائے تو استثناء متصل اور الذین محل نصب میں ہوگا یا مشرکین سے بدل ہوگا اور محل جر میں ہوگا۔

فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ ۚ پس جب تک وہ تمہارے معاہدے پر ٹھیک ٹھیک قائم رہیں تم بھی ان کے معاہدہ پر قائم رہو۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا الذین عاھدتم سے مراد قریش ہیں۔ قتادہ نے کہا اہل مکہ مراد ہیں جن سے حدیبیہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ کیا تھا۔ حدیبیہ کے معاہدہ والوں کے متعلق توقف رکھنے کا اللہ نے حکم دیا کہ جب تک یہ معاہدہ کے پابند رہیں تم بھی پابند رہو۔ لیکن وہ معاہدہ پر قائم نہیں رہے، عہد شکنی کے مرتکب ہو گئے بنی خزاعہ کے خلاف بنی بکر کی مدد کی، اسی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے ان سے جہاد کیا، یہاں تک کہ مکہ فتح کر لیا پھر امان کا عمومی اعلان کر دیا اور چار ماہ کے اندر دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کر لینے کا حکم دیا یا تو چار ماہ کے اندر مسلمان ہو جائیں یا مکہ چھوڑ کر جہاں چاہیں چلے جائیں، اہل مکہ سب کے سب چار ماہ گزرنے سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے۔



Marfat.com

سدی کلبی اور ابن اسحاق کا بیان ہے کہ قبائل بنی بکر کی تین شاخیں، بنی خزیمہ، بنی مدلج ضمرہ اور بنی وائل حدیبیہ کے معاہدہ میں قریش کے ساتھ شریک تھے (کیونکہ یہ قبائل قریش کے حلیف تھے) اس معاہدہ کی خلاف ورزی قریش اور بنی وائل نے کی بنی ضمرہ نے نہیں کی پس آیت میں جن لوگوں کے معاہدہ کو قائم رکھنے کا حکم ہے وہ صرف بنی ضمرہ تھے، انہوں نے عہد شکنی نہیں کی تھی۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ یہی قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا تھا جب قریش کی عہد شکنی کی پاداش میں مسلمانوں نے لشکر کشی کر کے مکہ فتح کر لیا تھا اب جو بات گزر گئی اس کے متعلق فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم کیسے کہا جا سکتا تھا۔ بلکہ یہ وہ لوگ مراد ہیں جن کے متعلق الا الذین عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم شیئا ولم یظاھروا علیکم احدا فرمایا تھا یعنی وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے قریش کی عہد شکنی نہیں کی اور رسول اللہ ﷺ کے خلفاء یعنی بنی خزاعہ کے خلاف بنی بکر کی مدد نہیں کی۔

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝ بے شک اللہ تقویٰ والوں کو پسند کرتا ہے اور وفا عہد پر قائم رہنا تقویٰ کی ایک شاخ ہے۔

كَيْفَ کیسے تعجب کا مکرر اظہار کیا، اس سے مقصود علت تعجب کا اظہار ہے یعنی یہ لوگ عہد پر کیسے قائم رہ سکتے ہیں یا ان لوگوں سے عہد کو پورا کرنے کا کیسے حکم دیا جا سکتا ہے، حالانکہ ان کی یہ حالت ہے کہ

وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ حالانکہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پا جائیں تو تمہارے بارے میں نہ قرابت کا پاس کریں نہ قول قرار کا۔ لا یرقبوا انگمداشت نہیں کریں گے ضحاک نے کہا، لحاظ نہیں کریں گے، قطرب نے کہا رعایت نہیں کریں گے۔ الّاً قتادہ نے کہا حلف کا۔ حضرت ابن عباسؓ نے الا کا ترجمہ کیا ہے قرابت، یمان نے رشتہ داری اور سدی نے عہد۔ ذمۃ کا ترجمہ بھی عہد ہی ہے۔ لفظوں کا اختلاف ہے۔ بعض نے الا کا ترجمہ تربیت کیا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے اِلّ کا معنی ہے جوار (ہمسائیگی اور پناہ) اسی سے حلف کے معنی میں استعمال کیا گیا۔ عرب کا قاعدہ تھا کہ جب باہم محالفہ (حلف باہمی امداد کا معاہدہ) کرتے تھے تو اس محالفہ کو شہرت دیتے اور بلند آواز سے اعلان کرتے تھے گویا ہر معاہد فریق دوسرے کا حلیف اور مددگار بن جاتا تھا) اس کے بعد اس لفظ کا استعمال قرابت کے مفہوم میں ہونے لگا کیونکہ قرابت کا رابطہ حلف کی بندش سے زیادہ مضبوط ہوتا ہے پھر اس کا معنی ہو گا ربوبیت اور تربیت (تربیت کرنے والا تربیت پانے والے کا مکمل ذمہ دار ہوتا ہے، عقد تربیت بہت زیادہ محکم ہوتا ہے) بعض لوگوں کا خیال ہے کہ لفظ اِلّ (بمعنی قرابت اِلّ الشئی سے مشتق ہے، ال الشیئی کا معنی ہے اس چیز کی حد بندی کر دی، محدود کر دیا۔ یال البرق (بجلی چمکی) سے ماخوذ ہے۔ ابو میسر اور مجاہد نے کہا ال عبرانی لفظ ہے۔ عبرانی میں اس کا معنی ہے اللہ، عبید بن عمرؓ جبرئیل پڑھتے تھے جس کا ترجمہ ہے بندۂ خدا، ایک روایت میں آیا ہے کہ مسیلمہ کذاب کی قوم کے کچھ لوگ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے ان سے مسیلمہ کا خط پڑھوایا، انہوں نے خط پڑھا، حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا یہ کلام ال (یعنی اللہ) کا نہیں، اس ترجمہ کی تائید عکرمہ کی قرات سے ہوتی ہے جس میں لا یرقبون فی مومن الّا آیا ہے، کسی مومن کے معاملہ میں وہ اللہ کا بھی لحاظ نہیں کرتے، قاموس میں ہے۔ اِل بکسر ہمزہ کا معنی ہے عہد، حلف، پناہ گیر، پناہ و بندہ۔ قرابت کھری اصل، معدن، کینہ، دشمنی، ربوبیت (پرورش) وحی امان، مصیبت کے وقت بے صبری۔ اللہ ہر اسم مرکب جس کا دوسرا جزء ال ہو (جیسے جبرئیل میکائل) وہاں ال کا معنی اللہ ہوتا ہے۔ ذمۃ عہد یا حق جس کا ترک قابل عیب اور برا ہو۔

يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝ یہ لوگ تم کو اپنی زبانی باتوں سے راضی کر رہے ہیں اور ان کے دل ان باتوں کو نہیں مانتے اور ان میں زیادہ آدمی شریر ہیں۔

یعنی بطور نفاق و فریب، ایمان، اطاعت اور وفاء عہد کی باتیں کرتے ہیں تاکہ تم راضی ہو جاؤ اور دلوں میں کفر و عداوت کو پوشیدہ رکھتے ہیں کہ اگر ان کو کامیابی ہو جائے اور قابو مل جائے تو زبانوں سے کہے ہوئے اقوال کے خلاف کرنے لگیں۔ ان میں

Marfat.com

اکثر عہد شکن ہیں۔ آیت بالا میں فسق سے مراد ہے عہد شکنی بعض مشرک وعدے کے پکے اور معاہدہ کے پختہ تھے۔ عہد شکنی سے نفرت کرتے تھے۔ سب ہی غدار نہ تھے۔ اس لئے اکثر کو فاسق فرمایا۔ کل کو عہد شکن نہیں قرار دیا۔

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ انہوں نے قرآن کے عوض لے لیا تھوڑا مول اسی لئے اللہ کی راہ سے لوگوں کو روک دیا، آیات اللہ سے مراد ہے قرآن مجید اور اشتراء سے مراد ہے عوض میں لے لینا اور ثمن سے مراد ہے دنیا کی متاع حقیر (خواہ کتنی ہی زیادہ ہو) بغوی نے لکھا ہے کہ ابوسفیان کا کھانا کھانے سے عوض انہوں نے رسول اللہ سے کئے ہوئے معاہدہ کو توڑ دیا مجاہد نے کہا کہ ابوسفیان نے ان سب لوگوں کو کھانا کھلایا تھا جن سے اس کا باہمی امداد کا معاہدہ تھا حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اہل طائف نے قریش کو مالی امداد دی تھی تاکہ وہ رسول اللہ کیلئے تنخواہ جنگ کر سکیں راہ خدا سے مراد ہے اللہ کا دین قصدوا میں فاء (تعلیلیہ یا تعقیبیہ) دلالت کر رہی ہے کہ دنیا کے عوض آیات اللہ کو فروخت کرنے سے ان کو اس حد تک پہنچا دیا کہ وہ لوگوں کو دین اسلام میں داخل ہونے سے روکنے لگے۔

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۹ بلاشبہ ہوتے ہیں ان کے کرتوت

لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ؕ مومن کے معاملہ میں وہ نہ کسی قرابت کا لحاظ کرتے ہیں نہ دوستی اور قول و قرار کا۔ یہ سابق آیات کی تکرار نہیں ہے بلکہ ماکانوا یعملون کی تشریح ہے۔ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ پہلی آیت لا یرقبون سے مراد تو عام منافق ہیں اور اس جگہ لا یرقبون سے مراد یہودی اور وہ عرب مراد ہیں جن کو ابوسفیان نے جمع کر کے کھانا کھلایا تھا (اور مسلمانوں کے مقابلہ میں لایا تھا)۔

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ ۝۱۰ (اور یہ ہی بلاشبہ (شرارت اور بدی میں) حد سے بڑھ جانے والے ہیں

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ ؕ پھر اگر یہ (شرک سے) توبہ کر لیں اور ٹھیک نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تمہارے دینی بھائی ہیں۔ یعنی ان کا نفع و ضرر تمہارا نفع و ضرر ہے۔

وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝۱۱ اور جاننے والے لوگوں کی تنبیہ کے لئے ہم آیات (احکام) الگ الگ بیان کر رہے ہیں۔ معاہدہ کرنے والوں اور توبہ کرنے والوں کے احکام کی تفصیل پر غور کرنے کی ترغیب دینے کے لئے یہ جملہ الگ مستقل طور پر ذکر کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت نے اہل قبلہ کی خون کو حرام کر دیا۔ (کسی شخص یا فرقہ کی خوں ریزی بشرطیکہ وہ کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتا ہو جائز نہیں) حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا تم کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے پس جو شخص زکوٰۃ نہ دے اس کی نماز بھی (قابل اعتبار) نہیں۔ بخاری وغیرہ نے حضرت ابوہریرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد جب حضرت ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور (اداء زکوٰۃ کا انکار کر کے) جن عربوں کو منکر اسلام ہونا تھا وہ منکر ہو گئے (اور حضرت ابوبکرؓ نے ایسے مرتدوں سے جہاد کا ارادہ کیا) تو حضرت عمرؓ نے فرمایا آپ ان لوگوں سے قتال کرنا چاہتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا تھا کہ مجھے لوگوں سے قتال کرنے کا حکم اس وقت تک ہے جب تک وہ لا الہ الا اللہ کے قائل نہ ہو جائیں۔ جب وہ اس کلمہ توحید کے قائل ہو جائیں تو ان کی جان و مال میری طرف سے محفوظ ہو جائیں گے (ہاں حق العباد کے تحت محفوظ نہ رہے گا) اور ان (کے خلوص یا نفاق) کی حساب فہمی اللہ کے ذمہ ہے، حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا جو شخص نماز اور زکوٰۃ میں تفریق کرے گا خدا کی قسم میں اس سے لڑوں گا۔ زکوٰۃ مال کا حق ہے (یعنی مالی عبادت ہے) اگر یہ لوگ بکری کا ایک بچہ بھی (رسول اللہ کے زمانہ میں) دیتے تھے اور اب نہ دیں گے تو میں ان سے قتال کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ نے اس فیصلہ کے لئے ابوبکرؓ کے سینہ کو کھول دیا (اس وقت میں نے سمجھا بعد کو) مجھے معلوم ہوا کہ یہی فیصلہ حق تھا۔ حسرت انسؓ بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جاری (جیسی) نماز پڑھی اور ہمارے قبلہ کی طرف منہ کیا اور ہمارا ذبیحہ کھایا، وہی مسلم ہے جس کی ذمہ داری اللہ اور اس کے رسول پر ہے، رواہ البخاری۔ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا مجھے لوگوں سے اس وقت تک لڑتے رہنے کا حکم دیا گیا ہے کہ وہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے قائل ہو جائیں اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے لگیں جب ایسا کریں گے تو میری طرف سے انکی جانیں اور مال محفوظ ہو جائیں گے۔ مگر (حق قانون) اسلام (وہ ماخوذ ہونگے اور ان کا حساب اللہ کے ذمہ ہے۔ مسلم نے یہ آخری جملہ نقل نہیں کیا ہے

Marfat.com

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ اور اگر وہ معاہدہ کرنے کے بعد
پیمان شکنی کریں اور تمہارے دین پر طنز کریں یعنی تمہارے دین کی تکذیب و تشنیع کریں۔

بغویؒ نے لکھا ہے اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو دین اسلام پر کھلم کھلا طنز کرے اس کا معاہدہ (مسلمانوں سے) قائم نہیں رہتا (یعنی یہ فعل خلاف معاہدہ ہے) میں کہتا ہوں بغویؒ کا یہ استدلال کمزور ہے کیونکہ معاہدہ امن کی شکست کا حکم تو دو شرطوں کے مجموعہ پر مبنی ہے، ایک یہ کہ کفار پیمان شکنی کریں دوسرا یہ کہ وہ دین اسلام پر طنز کریں، اگر ایک شرط موجود ہو تو تنہا اس پر حکم مرتب نہیں ہو سکتا۔

فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ ۙ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ پس تم ان پیشوایان کفر سے لڑو۔ کیونکہ اس
صورت میں ان کی قسمیں (باقی) نہیں رہیں۔

ائمتھم (ان کے پیشوا) کی جگہ ائمة الکفر (کفر کے پیشوا) فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مقاتلہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کفر کے سردار اور پیشوا ہیں، کفر کی سرداری نے ہی ان کو مستحق قتل بنا دیا ہے۔ بعض کے نزدیک ائمة الکفر سے مراد مشرکوں کے سردار اور لیڈر ہیں یعنی اہل مکہ۔ کیونکہ ان سے مقاتلہ کی اہمیت زیادہ تھی اور وہ ہی قتل کے زیادہ مستحق تھے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت ابوسفیان بن حرب، حارث بن ہشام، سہیل بن عمرو عکرمہ بن ابی جہل اور دوسرے سرداران قریش کے حق میں نازل ہوئی، جنہوں نے عہد شکنی کی تھی یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو مکہ سے نکال دینے کا ارادہ کیا تھا (بلکہ نکلنے پر مجبور کر دیا تھا) ایمان یمین کی جمع ہے یمین کا معنی ہے عہد یعنی جب انہوں نے معاہدات توڑ دیئے تو پھر تم پر بھی معاہدات کی پابندی واجب نہیں۔ قطرب نے لا ایمان لھم کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ یہ معاہدات کے پابند نہیں۔

بعض قراتوں میں لا ایمان لھم آیا ہے یعنی ان کا دین ایمان کچھ نہیں یا ایمان امن سے مشتق ہے یعنی ان کو امن نہ دو جہاں پاؤ قتل کر دو۔

لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اس مقصد سے کہ یہ باز آجائیں۔

یہ عبارت قاتلوا سے وابستہ ہے اور بیچ میں لا ایمان لھم جملہ معترضہ ہے مطلب یہ ہے کہ مشرکوں سے لڑنے کی غرض یہ ہونی چاہئے کہ وہ شرک اور گناہ سے باز آجائیں، ظالموں کی طرح اذیت رسانی مقصود نہ ہو نہ بادشاہوں کی طرح ملک و مال کا حصول پیش نظر ہو۔ اس سے آگے مسلمانوں کو جہاد پر برانگیختہ کرنے کے لئے فرمایا۔

اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ تم ایسے لوگوں سے کیوں نہیں
لڑتے جنہوں نے اپنی قسموں کو توڑ ڈالا اور رسول کے جلاوطن کرنے کی تجویز کی۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ آیت میں قوما سے مراد ہے یہودی اور منافق اور کفار مدینہ جنہوں نے معاہدہ شکنی کی تھی اور رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو لے کر جب تبوک تشریف لے گئے تھے تو مدینہ سے رسول اللہ ﷺ کو نکال دینے کا ارادہ کیا تھا اور لما تھا لیخرجن الاعز منھا الاذل۔

وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ؕ اور انہوں نے تم سے پہلے چھیڑ نکالی یعنی تمہاری دشمنی کی ابتداء کی رسول
اللہ ﷺ نے ان سے کوئی قتال نہیں کیا تھا مگر انہوں نے (خلاف معاہدہ) مشرکوں کی مدد کی۔ یہ تفسیر اور قوما سے کفار مدینہ مراد لینا ہی صحیح اور قوی ہے کیونکہ یہ سورت غزوہ تبوک کے بعد نازل ہوئی تھی اس وقت اہل مکہ مسلمان ہو چکے تھے لہٰذا اہل مکہ کے متعلق اس آیت کا نزول نہیں ہو سکتا (اور کفار مکہ مراد نہیں ہو سکتے) اس کے علاوہ ہمّوا کا لفظ بتا رہا ہے کہ کافروں نے رسول اللہ ﷺ کو نکال دینے کا ارادہ تو کیا تھا مگر کامیاب نہ ہو سکے مگر اہل مکہ نے (مسلمان ہونے سے پہلے) رسول اللہ ﷺ کو شہید کرنے کا مشورہ کر کے طے کر لیا تھا کہ آپ کو قتل کر دیں گے اور بالآخر ایسے حالات پیدا کر دیئے تھے کہ آپ ﷺ مکہ چھوڑ دینے پر مجبور ہو گئے (آخر کار مکہ سے ہجرت کر لی) اللہ نے فرمایا ہے واخراج اہلہ منہ اکبر عند اللہ بعض اہل تفسیر کے نزدیک

Marfat.com

کفار مکہ مراد ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کی خلاف ورزی کی بنی خزاعہ کے خلاف بنی بکر کی مدد کی انہوں نے ہی دار الندوہ میں جمع ہو کر رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا واقعہ یہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی قرآن پیش کیا دلائل سے قائل کیا اور قرآن کی طرح کلام پیش کرنے کا چیلنج کیا لیکن وہ دشمنی اور قتال پر کمر بستہ ہو گئے دار الندوہ میں جمع ہوئے اور رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کا مشورہ طے کیا۔

مشرکوں نے آغاز جنگ کیا، اس کے ثبوت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ جب ابوسفیان والا قافلہ صحیح سالم نکل آیا تب بھی ابو جہل نے کہا کہ جب تک ہم محمد اور اس کے ساتھیوں کی جڑیں نہ اکھاڑ دیں گے واپس نہ جائیں گے یا آغاز جنگ کا یہ مطلب بیان کیا جائے کہ (بنی بکر کو مدد دے کر) بنی خزاعہ سے لڑنے کا آغاز مشرکوں نے ہی کیا۔ یہ آخری تاویل اسی وقت درست ہو گی جب آیات مذکورہ کا نزول فتح مکہ سے پہلے قرار دیں اگر ایسا تسلیم کر لیا جائے تو پھر حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول صحیح ہو جائے گا کہ ان آیات کا نزول ابوسفیان وغیرہ کے متعلق ہوا اور الاالذین عاھدتم عندالمسجدالحرام فمااستقامو لکم فاستقیموالھم سے مراد قریش ہیں جن سے جنگ نہ کرنے کا حکم اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو دے دیا تھا بشرطیکہ قریش معاہدہ صلح پر قائم رہیں لیکن وہ قائم نہ رہے۔

اَتَخْشَوْنَهُمْ کیا تم ان سے ڈرتے ہو۔ یعنی کیا تم ان سے لڑنا اس اندیشہ سے ترک کرتے ہو کہ شاید تم پر ان کی طرف سے کوئی مصیبت آجائے گی۔

فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ پس اللہ اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ یعنی اللہ اس امر کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کے حکم جہاد و قتال کی تعمیل نہ کرنے سے ڈرو۔ فالله میں فاء سببیت کے لئے یعنی اللہ کا خوف دوسروں سے نہ ڈرنے کا سبب ہے۔ ان کنتم مومنین شرط ہے جس کی جزاء پر کلام سابق دلالت کر رہا ہے اس لئے مزید ذکر کی ضرورت نہیں یعنی اگر تم مومن ہو تو اللہ کے سوا کسی سے نہ ڈرو جو شخص عقیدہ رکھتا ہو کہ جواہر و اعراض اور بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے اور اس کی مشیت و ارادہ کے بغیر کوئی کسی کو نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا تو اس کے ایمان کا تقاضا ہے کہ اللہ کے سوا وہ کسی سے نہ ڈرے۔

ترک قتال پر تنبیہ کے بعد اگلی آیت میں قتال کا حکم پھر دیا اور فرمایا۔

قٰتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ ان سے لڑو اللہ تمہارے ہاتھوں سے (قتل کرا کے) ان کو عذاب دے گا اور (قید و بند کے ذریعہ سے) ان کو ذلیل کرے گا اور (اپنی مدد سے) اور ان پر تم کو غلبہ دے گا اور اہل ایمان کے دلوں کو تسکین دے گا اور ان کے دلوں کی بے چینی کو دور کرے گا۔ یعنی قریش نے بنی بکر کی مدد کر کے جو ان کے دلوں میں غصہ کی آگ بھڑکا دی ہے اس کو (قریش کی ذلت و قتل کے ذریعہ سے) ٹھنڈا کرے گا۔

ابو الشیخ نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول بنی خزاعہ کی بابت ہوا جنہوں نے مکہ میں بنی بکر کو قتل کیا تھا عکرمہ نے بھی یہی کہا ہے کہ یہ آیت بنی خزاعہ کے متعلق نازل ہوئی۔ سدیؒ کا بھی یہی قول ہے کہ قوم مومنین سے مراد بنی خزاعہ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے۔ بنی بکر کے قتل سے ان کے دلوں کو تسکین حاصل ہوئی تھی۔

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اور جس کو چاہے گا اللہ توبہ کی توفیق دے دے گا اور اللہ (ماضی و مستقبل کو) خوب جاننے والا اور حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ آیت میں چند معجزات ہیں، اس امر کی پیشین گوئی ہے کہ بعض لوگ کفر سے توبہ کر لیں گے اور اللہ بہت لوگوں کو اسلام کی توفیق دے گا۔ چنانچہ ابوسفیان عکرمہ بن ابی جہل اور سہیل بن عمرو وغیرہ بکثرت سرداران قریش مسلمان ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے، روایت میں آیا ہے کہ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (قتل) موقوف کرو مگر بنی خزاعہ کے لئے بنی بکر کو قتل کرنے کا عصر تک

Marfat.com

اختیار ہے (مفہوم حدیث)۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً ؕ

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے حالانکہ اللہ نے (ظاہر طور پر) ابھی ان لوگوں کو تو تمہارے اندر سے چھانٹا ہی نہیں جنہوں نے (ایسے موقع پر) جہاد کیا اور اللہ اور اللہ کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو خاص دوست نہ بنایا ہو۔

مسلمانوں کو جہاد جب کسی قدر ناگوار ہوا تو ام حسبتم سے خطاب کر کے ان کو توبیخ کی گئی، بعض لوگوں کا قول ہے کہ یہ خطاب منافقوں کو ہے۔ ام بمعنی بل ہے اور استفہام زجر کے لئے ہے۔ اَنْ تُتْرَكُوْا سے یہ مراد ہے کہ تم کو جہاد کا حکم نہیں دیا جائے گا، تمہارا امتحان نہیں لیا جائے گا اور سچے جھوٹے کو چھانٹ کر الگ الگ نہیں کیا جائے گا لما یعلم اللہ کا یہ مطلب ہے کہ ابھی تک مجاہدوں کے جہاد کا عملی ظہور نہیں ہوا نفی علم سے بطور مبالغہ نفی معلوم مراد ہے گویا مدلل طور پر معلوم کی نفی ثابت کر دی گئی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو اللہ کو اس کا علم ہوتا اور اللہ کو علم نہیں ہے اس سے معلوم ہوا کہ ایسا واقعہ ہی نہیں ہوا یا یوں کہا جائے کہ لازم بول کر ملزوم مراد ہے کیونکہ ہر واقعہ کے لئے اللہ کا علم لازم ہے اور جب اللہ کو علم نہیں تو اس کا ملزوم یعنی وہ واقعہ ہی نہیں۔

ولم یتخذوا کا عطف جاہدوا پر ہے اور لَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ کا مفعول ہے۔ ولیجۃ کا معنی ہے اندرونی دوست راز دار۔ لما یعلم سے اس طرف اشارہ ہے کہ امت محمدیہ میں مخلص مجاہدین کے پائے جانے کی امید رکھنا چاہئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت میں ایک گروہ مسلسل ایسا ہوتا رہے گا۔ جو اللہ کے احکام کو قائم کرے گا کوئی ان کی مدد نہ کرے اور کوئی مخالفت کرے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا (یعنی اللہ ان کا مددگار اور حامی ہوگا کسی مخالف کی مخالفت ان پر اثر انداز نہ ہوگی) وہ اسی حالت پر قائم ہوں گے کہ اللہ کا حکم آجائے گا (قیامت برپا ہو جائے گی) یہ حدیث معاویہ کی روایت سے صحیحین میں منقول ہے اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے، حاکم نے بھی یہ حدیث حضرت عمر کی روایت سے بیان کی ہے اور اس کو صحیح بھی کہا ہے لیکن آخری الفاظ یہ ہیں کہ میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر قائم رہے گا یہاں تک کہ قیامت بپا ہو جائے گی۔

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی باخبر ہے۔ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا الخ سے اللہ کے علم کی (بعض صورتوں میں) نفی کا شبہ ہوتا تھا اور گمان جاتا تھا کہ ہمارے بعض اعمال اللہ کو معلوم نہیں اس بدگمانی کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ جب جنگ بدر میں حضرت عباسؓ گرفتار ہو کر آئے تو مسلمانوں نے ان کو کفر اختیار کرنے اور قرابت منقطع کرنے کی شرم دلائی اور حضرت علیؓ نے کلام میں درشتی کی حضرت عباسؓ نے فرمایا کیا وجہ کہ تم ہماری برائیاں تو ذکر کر رہے ہو اور ہماری خوبیوں کا کوئی تذکرہ نہیں کرتے حضرت علیؓ نے فرمایا کیا تم لوگوں میں کچھ خوبیاں بھی ہیں حضرت عباسؓ نے فرمایا جی ہاں ہم مسجد حرام کی تعمیر کرتے ہیں، ہم کعبہ کی دربانی کرتے ہیں ہم حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، اس پر حضرت عباسؓ کے کلام کے رد میں اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل نازل کی۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝

مشرکوں کی یہ لیاقت ہی نہیں کہ وہ اللہ کی مسجدوں کو آباد کریں ایسی حالت میں کہ وہ خود اپنے کافر ہونے کا کھلم کھلا اقرار کر رہے ہیں ان لوگوں کے سب اعمال اکارت ہیں اور دوزخ ہی میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

مَسٰجِدَ اللّٰهِ یعنی کسی مسجد کو آباد کرنے کا مشرکوں کو حق نہیں کعبہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ اس کی تعمیر کے حقدار تو صرف



Marfat.com

مسلمان ہی ہیں۔ تعمیر کرنے یا آباد کرنے سے کیا مراد ہے اکثر اہل تفسیر کے نزدیک تو اللہ کی عبادت کرنی مراد ہے مسجد کی آبادی اللہ کی عبادت سے ہوتی ہے اور کافر چونکہ اللہ واحد کی (بغیر شرک کے) عبادت نہیں کرتے لہٰذا ان کو مسجد میں عبادت (مشرکانہ) کرنے کا حق نہیں ہے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ تعمیر مساجد سے مراد یہی عرفی تعمیر ہے یعنی مسجد کی عمارت بنانا یا اس کی مرمت کرنا۔ کافر کو اس سے روک دیا جائے گا اور اگر وہ اس کی وصیت کر کے مرے گا تو اس کی وصیت پر عمل نہیں کیا جائے گا

بعض لوگوں کے نزدیک اس جگہ تعمیر مسجد سے مراد ہے مسجد میں داخل ہونا اور مسجد میں بیٹھنا۔ امام احمد، ترمذی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کو مسجد آباد کرتے دیکھو تو اس کے مومن ہونے کی شہادت دو کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ۔

حسن نے آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ مشرکوں کو یہ حق نہیں کہ ان کو مسجد حرام کا اہل (مالک یا قابض یا متصرف) بننے کے لئے چھوڑ دیا جائے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ مساجد اللہ سے مراد مسجد حرام ہے ایک مسجد کو مساجد کہنے کی یہ وجہ ہے کہ مسجد حرام تمام مساجد کا قبلہ ہے اس کی تعمیر مجموعہ مساجد کی تعمیر ہے۔ یہ توجیہ حسن نے کی ہے۔ فراء کا قول ہے کہ عرب کبھی واحد کا صیغہ بول کر جمع مراد لے لیتے ہیں اور کبھی جمع سے واحد دیکھو اگر کوئی شیخ کسی ایک خچر پر سوار ہو تو وہ کہہ سکتا ہے میں نے خچروں پر چڑھنا شروع کر دیا ہے اور اگر کوئی (مالدار) کہے میں کثیر الدرہم یا کثیر الدینار ہوں تو اس کی مراد ہوتی ہے کثیر الدراہم اور کثیر الدنانیر ہوں اور اس کا یہ کلام صحیح ہوتا ہے۔

شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ، یَعْمُرُوْا کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ شرک اور تکذیب رسول علی الاعلان کرتے ہیں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین دو متضاد چیزوں کے حامل نہیں ہو سکتے بیت اللہ کی آبادکاری بھی کریں اور دوسروں کی پوجا بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ حسن نے کہا انہوں نے صراحۃ یہ نہیں کہا تھا کہ ہم کافر ہیں بلکہ ان کا کفر آگیں کلام ان کے کفر کا شاہد تھا۔ ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ان کی اپنے کافر ہونے پر شہادت یہ تھی کہ وہ بت پرستی کرتے تھے بیت حرام کے باہر دیواروں کے پاس انہوں نے کچھ بت نصب کر رکھے تھے جب بیت اللہ کا برہنہ طواف کرتے تھے تو ہر چکر میں بتوں کے سامنے سجدے کرتے تھے۔ سدیؒ نے کہا ان کی اپنے کفر پر شہادت یہ تھی کہ جب کسی عیسائی سے پوچھا جاتا تو کون ہے وہ جواب دیتا میں نصرانی ہوں اسی طرح یہودی بھی دریافت کرنے کے بعد اپنے کو یہودی کہتا تھا۔ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ یعنی یہ لوگ جو حاجیوں کو پانی پلانے اور کعبہ کو آباد کرنے اور قیدیوں کو رہا کرانے کے مدعی ہیں اور اپنی ان اچھائیوں پر نازاں ہیں چونکہ یہ لوجہ اللہ نہیں ہیں اس لئے اللہ کے نزدیک ناکارہ ہیں انہی وجوہ سے یہ دوامی جہنمی ہیں۔

اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ

اللہ کی مسجدوں کو آباد کرنا تو صرف ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور روز قیامت پر ایمان لائیں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ دیں اور سوائے اللہ کے اور کسی سے نہ ڈریں۔ خوفناک چیزوں سے ڈرنا فطری ہے ہر ہوش مند کا فطرتاً ہولناک چیزوں سے (کم و بیش بغیر ارادہ و اختیار کے) ڈرنا ضروری ہے اس لئے آیت کی یہ مراد ہے کہ دین کے معاملہ میں وہ اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے اور کسی کے خوف سے اللہ کے حکم کی پابندی نہیں چھوڑتے۔ آیت میں رسول پر ایمان لانے کا ذکر نہیں ہے کیونکہ اللہ پر صحیح ایمان رسول پر ایمان لانے کے بغیر ممکن نہیں۔ رسول کے ذریعہ سے اللہ پر صحیح ایمان کی تعلیم ملتی ہے۔ چونکہ اہل ایمان ہی علمی اور عملی کمالات کا مجموعہ ہوتے ہیں اس لئے مساجد کی آبادکاری کو انہی کے لئے مخصوص کر دیا۔ وفد عبد القیس کے قصہ میں حضرت ابن عباس کی روایت سے صحیحین میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو، اللہ واحد پر ایمان لانے کی کیا حقیقت ہے حاضرین نے جواب دیا اللہ اور اس کا رسول ہی بخوبی عالم ہے فرمایا لا الٰہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ کی شہادت دینا۔

عمارت مساجد سے اس جگہ مراد ہے ہمیشہ عبادت ذکر الٰہی اور علم و قرآن کی تعلیم سے مسجدوں کو آباد رکھنا۔ حضرت ابو

Marfat.com

سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم کسی کو دیکھ کہ وہ مسجد کا عادی بن گیا ہے۔ (جب کام سے چھوٹتا ہے مسجد کا رخ کرتا ہے) تو اس کے مومن ہونے کی شہادت دو کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ رواہ الترمذی والدارمی وا لبغوی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح یا شام مسجد کو جاتا ہے جتنی مرتبہ بھی جائے اللہ (ہر مرتبہ جانے کے بدلے میں) اس کے لئے جنت میں ایک مکان تیار کر دیتا ہے، متفق علیہ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس روز اللہ کی سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا اس روز سات آدمیوں کو اللہ اپنے سایہ میں لے لے گا۔ ان سات میں رسول اللہ ﷺ نے ایک اس آدمی کا شمار کیا کہ جب وہ مسجد سے نکلتا ہے تو واپس مسجد میں آنے تک دل اس کا مسجد میں ہی پڑا رہتا ہے، متفق علیہ۔ حضرت سلمان راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص گھر میں اچھی طرح وضو کرنے کے بعد مسجد کو جاتا ہے وہ اللہ کی ملاقات کو آنے والا (یعنی اللہ کا مہمان) ہو جاتا ہے اور میزبان پر حق ہے کہ وہ اپنے مہمان کی عزت کرے، رواہ الطبرانی و عبد الرزاق وابن جریر فی تفسیرہما والبیہقی فی شعب الایمان۔ عمرو بن میمون کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی فرماتے تھے زمین پر مسجدیں اللہ کے گھر ہیں جو ان مسجدوں میں اللہ کی ملاقات کو آئے اللہ پر حق ہے کہ وہ ان کی عزت کرے رواہ البیہقی فی شعب الایمان و عبد الرزاق وابن جریر فی تفسیرہما۔

مسجد کی آبادکاری کے ذیل میں آتا ہے مسجد کو بنانا سجانا روشن کرنا اور نامناسب امور سے اس کی حفاظت کرنا مثلاً خرید و فروخت اور دنیا کی باتوں سے اس کو پاک رکھنا۔ نحمود بن لبید کا بیان ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے ایک مسجد بنانے کا ارادہ کیا، لوگوں نے اس کو ناپسند کیا (کیونکہ مدینہ شریف میں رسول اللہ ﷺ کی مبارک مسجد موجود تھی) اور اس ارادہ کو ترک کرنے کی خواہش کی حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں نے خود سنا تھا، رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جو اللہ کے لئے مسجد بنائے گا اللہ اس کے لئے جنت میں گھر بنائے گا۔ دوسری روایت میں آیا ہے اسی شکل کا گھر اللہ اس کے لئے جنت میں بنائے گا۔ ایک اور روایت میں آیا ہے جو شخص اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کوئی مسجد بنائے گا۔ اللہ اس کے لئے ویسا ہی مکان جنت میں بنائے گا، رواہ احمد و الشیخان فی الصحیحین والترمذی و صححہ وابن ماجہ وا لبغوی، ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت علی کی روایت سے بھی بیان کی ہے۔

امام احمد نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے کوئی مسجد بنائے گا گویا ایسا ہی گھونسلہ ہو جیسے قطاۃ اپنے انڈوں کے بنا لیتی ہے اللہ اس کے لئے جنت میں مکان بنائے گا۔ طبرانی نے حضرت ابو لمامہؓ کی روایت سے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنائے گا، اللہ جنت کے اندر اس سے بڑا مکان اس کے لئے میں بنائے گا۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کوئی شخص مسجد کے اندر کسی کو اپنی گم شدہ اونٹنی تلاش کرتے سنے تو کہے اللہ کرے تیری اونٹنی واپس نہ ملے کیونکہ مسجدیں اس کام کے لئے نہیں بنائی گئی ہیں، رواہ مسلم۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے کہ گھروں کے اندر مسجد (نماز کی جگہ) بنالی جائے اور اس کو پاک صاف اور خوشبودار رکھا جائے، رواہ ابوداؤد والترمذی وابن ماجہ۔

حضرت عمرو بن شعیب کے دادا راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مسجد کے اندر اشعار گا کر پڑھنے اور خرید و فروخت اور نماز سے پہلے وہاں گھیرا بنا کر بیٹھنے سے منع فرمایا ہے، رواہ ابوداؤد والترمذی۔

حضرت ابوہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم کسی کو مسجد کے اندر خرید و فروخت کرتے دیکھو تو کہو اللہ تجھے اس تجارت میں نفع نہ دے اور اگر مسجد کے اندر کسی کو گم شدہ اونٹنی ڈھونڈتے (یعنی لوگوں سے پوچھتے اور کہتے سنتے) پاؤ تو کہو اللہ کرے تیری اونٹنی واپس نہ ملے، رواہ الترمذی والدارمی۔

فَعَسٰٓی اُولٰٓئِکَ اَنْ یَّکُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۸﴾ پس ایسے لوگوں کی نسبت توقع (یعنی وعدہ) ہے کہ اپنے مقصود تک پہنچ جائیں گے۔ المہتدین یعنی اطاعت الٰہی کے پابند جو ان کو جنت میں لے جانے والی ہے (اگرچہ اللہ کے فرماں برداروں کا جنت میں داخلہ یقینی ہے مگر) صیغہ امید (عسی) کا استعمال بہ چند وجوہ کیا گیا۔ (۱) کافر جو اپنے اعمال سے فائدہ

Marfat.com

اندوز ہونے اور ہدایت یافتہ ہونے کا یقین کئے بیٹھے تھے۔ ان کو تنبیہ اور زجر کرنا مقصود ہے کہ تم کس گنتی میں ہو۔ تم کو تو اپنے اعمال کے نتیجہ انگیز ہونے کی امید ہی نہ رکھنی چاہئے۔ مسلمانوں کے ہدایت یافتہ ہونے کا معاملہ گو مگو اور غیر یقینی حالت میں ہے۔ مسلمان بھی اپنے کو قطعی نجات یافتہ نہیں کہہ سکتے۔ (۲) مسلمانوں کو باز داشت کہ کہیں اپنے اعمال پر مغرور نہ ہو جانا اور اپنی ان نیکیوں پر بھروسہ نہ کر بیٹھنا۔ (بلکہ خوف کے ساتھ امید رکھنا)۔

ابو نعیم نے حضرت علیؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے کسی پیغمبر کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری امت میں جو میرے اطاعت گزار بندے ہیں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر مگن نہ ہو جانا کیونکہ قیامت کے دن جب میں کسی بندے کی حساب فہمی کروں گا اور اس کو عذاب دینا چاہوں گا تو عذاب دوں گا (اس کے اعمال موجب نجات نہ ہو سکیں گے) اور تمہاری امت میں جو میرے نافرمان ہیں ان سے کہہ دو کہ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو (اور ناامید نہ ہو) میں بڑے بڑے گناہ بخش دوں گا اور پرواہ نہ کروں گا، واللہ اعلم۔

مسلم اور ابن حبان اور ابو داؤد نے کہا کہ حضرت نعمان بن بشیر نے فرمایا میں چند صحابیوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ممبر کے پاس بیٹھا ہوا تھا، ہم میں سے ایک آدمی کہنے لگا، مسلمان ہونے کے بعد مجھے پرواہ نہیں کہ میں اللہ کے لئے کوئی عمل کروں بس میں تو حاجیوں کو پانی پلاؤں گا (اسی کو سب سے زیادہ اچھا عمل جانتا ہوں) دوسرے نے کہا کہ نہیں مسجد حرام کی آباد کاری (سب سے اچھا عمل ہے میں تو یہی کروں گا) تیسرا بولا (سب غلط ہے) جو کچھ تم نے کہا اس سے بڑھ کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ کے ممبر کے پاس مت چیخو۔ یہ واقعہ جمعہ کے دن کا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا جمعہ کی نماز کے بعد میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر تمہارے ان جھگڑوں کے متعلق دریافت کروں گا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۚ لَا يَسْتَوُونَ عِنْدَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾

کیا تم لوگوں نے حاجیوں کے پانی پلانے کو اور مسجد حرام کے آباد رکھنے کو اس شخص کے برابر قرار دے لیا ہے جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لایا ہو اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو، یہ سب برابر نہیں اللہ کے نزدیک اور جو لوگ بے انصاف ہیں اللہ ان کو سمجھ نہیں دیتا۔

فریابی نے ابن سیرین کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت علیؓ بن ابی طالب مکہ پہنچے اور حضرت عباسؓ سے فرمایا، چچا آپ ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ سے جا کر کیوں نہیں مل جاتے (کہ دینی اور دنیوی سعادت حاصل ہو) حضرت عباسؓ نے کہا، میں مسجد حرام کی آباد کاری اور کعبہ کی دربانی کرتا ہوں اس پر آیت مذکورہ کا نزول ہوا۔

بغویؒ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ جب بدر کے دن حضرت عباسؓ گرفتار کر لئے گئے تو انہوں نے فرمایا اگر تم لوگ اسلام، ہجرت اور جہاد میں ہم سے آگے بڑھ گئے تو (ہمارے فضائل بھی کم نہیں ہیں) ہم بھی مسجد حرام کی آبادی کرتے اور حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں، اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ مطلب یہ کہ مشرک رہتے ہوئے مسجد حرام کی آباد کاری اور حاجیوں کو پانی پلانا غیر مفید ہے۔ اللہ پر ایمان اور رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہ کر جہاد کرنا مشرکوں کی ان خدمات سے کہیں بہتر ہے۔ بغویؒ نے کہا کہ حسن بصریؒ اور محمد بن کعب قرظی نے کہا۔ اسی طرح ابن جریر نے محمد بن کعب کی روایت سے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور طلحہ بن شیبہؓ کے حق میں ہوا تھا۔ تینوں نے اپنے اپنے کارناموں کا فخریہ اظہار کیا تھا۔ طلحہ نے کہا میں کعبہ کا متولی ہوں، میرے ہاتھ میں کعبہ کی کنجیاں ہیں۔ حضرت عباسؓ نے کہا میں حاجیوں کو پانی پلاتا ہوں یہ میری ڈیوٹی اور میرا حق ہے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نہیں جانتا آپ لوگ کیا کہہ رہے ہیں میں نے قبلہ کی طرف رخ کر کے چھ سال نمازیں پڑھی ہیں یعنی سب لوگوں سے پہلے اور میں مجاہد ہوں، (راہ خدا میں میں نے جہاد کئے ہیں) اس پر آیت مذکورہ کا

Marfat.com

نزول ہوا۔

سقایۃ سقی کا اور عمارہ عمر کا مصدر ہے مضاف محذوف ہے یعنی اہل سقایۃ اور اہل عمارہ کو کیا تم اہل ایمان کے برابر قرار دیتے ہو یا من امن سے پہلے مصدر محذوف ہے یعنی کیا سقایۃ و عمارہ کو مومنوں کے ایمان کے برابر جانتے ہو یا یوں کہا جائے کہ سقایۃ و عمارہ مصدر ہیں مگر اسم فاعل کے معنی میں یعنی سقایۃ بمعنی ساقی اور عمارہ بمعنی عامر کے ہے جیسے والعاقبۃ للتقوی بمعنی متقی کے ہے یا لفظ اہل محذوف ہے۔ اس کی تائید حضرت زبیرؓ کی قرات سے بھی ہوتی ہے جس میں سقایۃ و عمارہ کی جگہ سقاۃ (اسم فاعل جمع، ساقی مفرد) اور عمرۃ (اسم فاعل جمع، عامر مفرد) آیا ہے۔ اجعلتم میں استفہام انکاری ہے۔ مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان مناظرہ کے متعلق اگر آیت کا نزول قرار دیا جائے تو دونوں میں مشابہت کے نفی ظاہر ہے، کہاں مشرک اور ان کے برباد شدہ اعمال اور کہاں مومن اور ان کے مقبول اعمال۔ حضرت ابن عباسؓ اور محمد بن کعب قرظی کی روایت پر یہی مطلب ہوگا اور اگر مسلمانوں کے اندرونی اختلاف کے متعلق آیت کا نزول مانا جائے جیسا کہ حضرت نعمان بن بشیر کی روایت میں آیا ہے اور مسلم نے اس روایت کو نقل کیا ہے تو اس وقت عمارہ مسجد یعنی مسجد کی آبادکاری سے مراد ہوگا مسجد بنانا، نمازوں اور دعاؤں سے آبادکاری مراد نہ ہوگی کیونکہ اللہ کا ذکر تو جہاد سے افضل ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، اللہ کے ذکر سے زیادہ عذاب الٰہی سے بچانے والی کوئی چیز نہیں یہ حدیث امام مالک اور ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے نقل کی ہے اور بیہقی نے دعوات کبیر میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے بیہقی کی روایت میں آخر میں اتنا زائد آیا ہے کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا جہاد بھی ذکر سے افضل نہیں فرمایا اور نہ اللہ کی راہ میں جہاد ذکر سے افضل ہے) مگر یہ کہ اتنی شمشیر زنی کی جائے کہ تلوار ٹوٹ جائے۔ حضرت ابو درداء کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو بتاؤں کہ تمہارے مالک کے نزدیک تمہارا کونسا عمل سب سے اچھا اور پاکیزہ اور بلند ترین درجہ والا اور راہ خدا میں سونے چاندی کو صرف کرنے سے بھی اعلیٰ ہے اور اس بات سے بھی افضل ہے کہ تم دشمنوں کے مقابلہ پر جا کر ان کی گردنیں مارو اور وہ تمہاری گردنیں کاٹیں۔ صحابہ نے عرض کیا ضرور فرمایئے فرمایا اللہ کا ذکر (ان تمام اعمال سے افضل ہے) رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ، امام مالک نے اس حدیث کو (رسول اللہ ﷺ کا فرمان نہیں قرار دیا بلکہ) حضرت ابو درداء پر روایت کے سلسلہ کو موقوف کیا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا قیامت کے دن اللہ کے پاس سب سے اونچے درجہ والے اور سب سے برتر کون لوگ ہوں گے فرمایا اللہ کی بکثرت یاد کرنے والے اور یاد کرنے والیاں۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اور کیا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے بھی (اللہ کا ذکر بکثرت کرنے والے افضل ہیں) فرمایا اگر کوئی تلوار سے کافروں کو اتنا مارے کہ تلوار ٹوٹ جائے یا خون سے رنگ جائے تب بھی اللہ کا ذکر کرنے والا اس سے افضل ہوگا رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس حدیث کو غریب کہا ہے آخر آیت وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ سے ان لوگوں کے قول کی تائید ہو رہی ہے جن کے نزدیک عدم استوار سے مراد ہے مسلمانوں کے ایمان و جہاد اور مشرکوں کے سقایت حجاج و عمارت مسجد حرام کے درمیان نابرابری کو ظاہر کرنا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ ان ظالموں یعنی مشرکوں کو ہدایت ہی نصیب نہیں کرتا پھر یہ ان لوگوں کے برابر کیسے ہو سکتے ہیں جن کو اللہ نے ہدایت یافتہ بنا دیا اور حق کی توفیق عنایت کر دی ہے۔

بعض لوگوں کے نزدیک الظّٰلِمِیْنَ سے مراد (مشرکین نہیں بلکہ) وہ لوگ ہیں جو مشرکوں اور مسلمانوں کو برابر قرار دیتے ہیں۔

## ..... زمزم سے پانی پینے پلانے کا قصہ .....

بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سقایہ (پانی پینے پلانے کا مقام) کے پاس

Marfat.com

تشریف لائے اور پانی طلب فرمایا، حضرت عباسؓ نے (اپنے بیٹے سے) کہا فضل اپنی ماں کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ کے لئے اس سے پانی لے آؤ۔ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اسی (سقایہ) کا پانی پلاؤ، حضرت عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگ اس میں ہاتھ ڈالتے ہیں، فرمایا اسی سے پلاؤ چنانچہ آپ نے اسی کا پانی پیا پھر زمزم (کے چشمہ) پر تشریف لے گئے لوگ پانی پلا رہے تھے اور چشمہ کے اندر کام کر رہے تھے فرمایا کام کئے جاؤ تم اچھے کام پر لگے ہو پھر فرمایا اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ تم مغلوب ہو جاؤ گے (یعنی لوگوں کا ہجوم اتنا ٹوٹ پڑے گا اور مجھے دیکھ کر اتنے لوگ اندر اترنے کی کوشش کریں گے کہ تم بے بس ہو جاؤ گے) تو میں بھی اندر اتر کر (مشک یا ڈول کی) رسی اپنے اس مقام پر رکھ لیتا (حضور نے اپنے کاندھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ لفظ فرمایا تھا)۔

مسلم کا بیان ہے کہ بکر بن عبداللہ مازنی نے کہا میں حضرت ابن عباس کے پاس کعبہ کے قریب بیٹھا ہوا تھا کہ ایک اعرابی آیا اور کہنے لگا کیا وجہ کہ تمہارے چچا کے بیٹے تو شہد اور دودھ پلاتے ہیں اور تم لوگ نبیذ پلاتے ہو کیا یہ بات تمہارے افلاس کی وجہ سے ہے یا بخل کی وجہ سے حضرت ابن عباس نے فرمایا الحمد للہ ہم محتاج نہیں نہ ہمارے اندر کنجوسی ہے بات یہ ہے کہ رسول اللہ اونٹنی پر سوار ہو کر (زمزم پر) تشریف لائے تھے پیچھے اسامہ بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا تھا تم لوگوں نے خوب کیا تم نے ٹھیک کیا یوں ہی کئے جاؤ اب ہم نہیں چاہتے کہ رسول خدا ﷺ کے حکم کو بدل ڈالیں۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفَاۗىِٕزُوْنَ ۝۲۰

جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کی اور جان و مال سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کے ہاں بڑے مرتبہ والے ہیں۔ یعنی مسجد حرام کی آبادکاری اور حاجیوں کو پانی پلانے پر فخر کرنے والوں سے ان لوگوں کا مرتبہ اونچا ہے اور اللہ کے نزدیک ان کا اعزاز زیادہ ہے یا ان لوگوں سے مرتبہ بلند ہے جن میں یہ خصوصی صفات نہ ہوں۔ اور یہ ہی (جامع الصفات) لوگ دوزخ سے محفوظ رہنے والے جنت میں پہنچنے والے اور اونچے اونچے رتبوں پر پہنچنے والے ہیں۔

يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ۝۲۱ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۲۲

ان کا رب ان کو بشارت دیتا ہے اپنی طرف سے بڑی رحمت اور بڑی رضامندی اور (جنت کے) ایسے باغوں کی جن کے اندر ان کے لئے دائمی نعمت ہوگی اور ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بلاشبہ اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ نعیم مقیم دوامی راحت، رحمۃ، رضوان، جنات اور نعیم کی تنوین تنکیر کے لئے ہے یعنی یہ غیر معروف اور غیر معمولی نعمتیں ہوں گی جن سے کوئی واقف ہی نہیں ہے۔ خلود کے معنی کبھی طویل مدت تک باقی رہنے کے بھی آتے ہیں لیکن ابداً کا لفظ ذکر کرنے سے خلود ابدی ہو گیا، یعنی مدت قیام لازوال ہو گئی، اجر عظیم سے یہ مراد ہے کہ جن اعمال کی وجہ سے ان کو استحقاق ثواب ہوا، ان اعمال کے مقابلہ میں یہ نعمتیں بہت بڑی ہوں گی یا یہ مطلب کہ دنیوی نعمتوں کے مقابلہ میں وہ ثواب بڑا ہو گا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَاۗءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَاۗءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَي الْاِيْمَانِ ۭ

اے ایمان والو اپنے باپ (دادا) اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ ایمان پر کفر کو پسند کرتے ہوں۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ مجاہد نے اس آیت کو گزشتہ آیت سے مربوط قرار دیا ہے، جو حضرت عباس و طلحہؓ کے متعلق نازل ہوئی تھی (یعنی اجعلتم سقایۃ الحاج الخ سے اس کا تعلق ہے جس کا نزول اس وقت ہوا جب عباس و طلحہ نے اپنے کارناموں کو بطور فخر پیش کیا اور ہجرت سے انکار کیا) کلبی نے ابوصالح کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو ہجرت کا حکم دیا تو بعض لوگوں کے اہل و عیال ان سے چمٹ گئے اور اللہ کی قسمیں دے کر کہنے لگے کہ (ہم کو چھوڑ کر) جانے کا ارادہ ترک کر دو ان لوگوں کے دلوں میں رقت پیدا ہو گئی اور انہوں نے ہجرت چھوڑ دی اور بیوی بچوں کے ساتھ رہنے کا ارادہ کر لیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی مقاتل نے کہا اس آیت کا نزول ان نو آدمیوں کے حق میں ہوا جو

Marfat.com

مرتد ہو کر مکہ کو چل گئے تھے۔ اللہ نے اس آیت میں مسلمانوں کو ہدایت کر دی کہ ان کو اندرونی دوست نہ بناؤ کہ ان کے ساتھ مکہ میں قیام کو ہجرت پر ترجیح دینے لگو، کذا روی الثعلبی۔

وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ اور تم میں سے جو بھی ان سے (دلی) دوستی کریں گے، پس ایسے لوگ ہی نافرمان ہوں گے، یعنی جو شخص ان سے دلی دوستی کرے گا اور ان کو مسلمانوں کے چھپے راز بتائے گا اور ہجرت و جہاد چھوڑ کر ان کے ساتھ رہنے کو پسند کرے گا وہ ظالم (ناحق کوش) ہوگا (لغت میں ظلم کا معنی ہے کسی چیز کو بیجا رکھنا) کیونکہ دوستی کو اس کے مقام پر نہیں رکھے گا۔ مسلمان کی رفاقت کا مرکز تو مسلمان ہونا چاہئے (اور یہ کافر سے رفاقت کر رہا ہے مسلمان کو چھوڑ رہا ہے لہٰذا ظالم ہوگا۔

قُلْ (اے محمد ہجرت ترک کرنے والوں سے) آپ کہہ دیجئے۔

اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ِۨ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم کماتے ہو اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو رکے رہو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم (یعنی ہجرت ترک کرنے والوں کی سزا کا فیصلہ بھیج دے۔

عشیرتکم عشیرہ عشرہ سے مشتق ہے یعنی قرابتدار، حتی یاتی جواب شرط بھی ہے اور دھمکی بھی۔ عطائے امر کا ترجمہ کیا ہے فیصلہ یعنی دنیوی اور اخروی عذاب۔ مجاہد اور مقاتل نے اس سے مکہ کی فتح مراد لی ہے۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۴﴾ اور اللہ بے حکمی کرنے والے لوگوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا الفاسقین اللہ کی طاعت سے باہر ہونے والے لا یہدی راستہ نہیں دکھاتا بیضاوی نے لکھا ہے آیت میں محبت سے مراد اختیاری محبت ہے یعنی ان چیزوں کے حصول کو پسند کرنا اور ان کے مقابلے میں اللہ اور اللہ کے رسول کے احکام کو ترک کرنا۔ طبعی فطری محبت مراد نہیں ہے، اس سے بچنے کا تو آدمی مکلف ہی نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں کمال ایمان یہ ہے کہ آدمی کی طبیعت شریعت کی تابع ہو جائے تقاضائے طبیعت بھی وہی ہو جائے جو شریعت کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے جس نے اللہ کی خوشنودی کے لئے محبت کی اللہ کی خوشنودی کے لئے دشمنی کی اللہ کی خوشنودی کے لئے دیا اللہ کی خوشنودی کے لئے روکا (نہیں دیا) اس نے ایمان کامل کر لیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے اس کا ایمان کامل ہو گیا رواہ ابو داؤد عن ابی امامہؓ والترمذی عن معاذ بن جبلؓ مع تقدیم و تاخیر۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔ مومن نہ ہونے سے مراد مومن کامل نہ ہونا ہے۔ [1]

صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین باتیں ہیں جس کے اندر یہ تین باتیں ہوں گی اس کو ایمان کی مٹھاس ملے گی (۱) اللہ اور رسول اس کو ہر دوسری چیز سے زیادہ محبوب ہوں (۲) اگر کسی سے اس کو محبت ہو تو محض اللہ کے لئے ہو اور نفرت ہو تو اللہ ہی کے لئے ہو (۳) جب اللہ نے کفر سے اس کو رہا کر دیا تو پھر کفر میں لوٹنے کو ایسا برا سمجھتا ہو جیسے آگ میں ڈالے جانے کو میں کہتا ہوں، ایمان کی مٹھاس پانے سے مراد ہے ایمان کی لذت پانا جیسے طبعی مرغوبات

[1] حضرت عبداللہ بن ہشام کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا آپ حضرت عمر بن خطابؓ کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم آپ مجھے سوائے اپنی جان کے ہر چیز سے زیادہ محبوب ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کی نظر میں اس کی جان سے بھی زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

Marfat.com

میں لذت آتی ہے اور یہ مزا اسی وقت میسر آتا ہے جب پاکیزہ دل اور روشن روح والوں کی صحبت نصیب ہو۔ یہ آیت اور مذکورہ بالا احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ باطنی صفائی کی تحصیل مشائخ کی خدمت کے ذریعہ سے فرض ہے۔

وَاللّٰہُ لَا یَہْدِی الْقَوْمَ الْفَاسِقِیْنَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اپنی معرفت کا راستہ فاسقوں کو نہیں بتاتا۔

بیضاوی نے لکھا ہے آیت (کے حکم) میں بڑی شدت ہے اور کم ہیں ایسے لوگ جو اس سے بچے رہتے ہوں۔ یعنی جن کو اللہ، رسول اور جہاد کی محبت ہر چیز سے زائد ہو ایسے لوگ کم ہیں) میں کہتا ہوں بس صوفیہ کا گروہ اس سے محفوظ ہے، صاحب مدارک نے لکھا ہے جو لوگ عقیدہ کی کمزوری اور یقین کے ضعف میں مبتلا ہیں آیت میں ان کی شناعت حال کا بیان ہے، بڑے بڑے پرہیزگار بھی باپ، اولاد اور مال و متاع سے زیادہ دین کی محبت نہیں کرتے۔ میں کہتا ہوں ہاں جن لوگوں کو اللہ نے اپنی معرفت عطا کر دی ہے وہ وہی بات کہتے ہیں جو مندرجہ ذیل اشعار میں شاعر نے کہی ہے ؎

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند فرزند و عیال و خان و ماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند

جس نے تجھے پہچان لیا وہ جان، اہل و عیال اور خاندان کا کیا کرے گا تو اس کو اپنا دیوانہ کر کے دونوں جہان بخش رہا ہے تیرا دیوانہ دونوں جہان کا کیا کرے گا۔

لَقَدْ نَصَرَکُمُ اللّٰہُ فِیْ مَوَاطِنَ کَثِیْرَۃٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ

بلاشبہ اللہ نے بہت موقعوں پر مدد کی اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو تمہاری کثرت نے مغرور کر دیا تھا۔ مواطن کثیرہ سے مراد ہے بدر قینقاع اور احزاب اور نضیر کی لڑائیاں یا قریظہ حدیبیہ خیبر اور مکہ کی فتوحات، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک مہینہ کی مسافت سے (کافروں پر) میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔ یوم حنین کا عطف مواطن پر ہے اور معطوف میں مضاف محذوف ہے یعنی مواطن حنین یا معطوف علیہ میں محذوف ہے یعنی ایام مواطن کثیرہ۔ یا مواطن سے مراد (موقع نہیں بلکہ) ایام و اوقات ہیں جیسے مقتل حسین کا معنی ہے وقت شہادت حسین۔ کثرت تکم حنین میں مسلمانوں کی تعداد بارہ یا چودہ ہزار تھی اور مشرک چار ہزار تھے اکثر اہل تاریخ کا یہی قول ہے لیکن حافظ وغیرہ کے نزدیک کافروں کی تعداد مسلمانوں سے دوگنی تھی۔ یعنی چوبیس ہزار یا اٹھائیس ہزار تھے۔ حنین مکہ اور طائف کے درمیان ذی المجاز کے متصل طائف کے قریب ایک وادی تھی مکہ سے اس کا فاصلہ چھ اور دس میل تھا اس جگہ قبائل ہوازن بن منصور بن عکرمہ بن خصفہ بن قیس بن غیلان بن الیاس بن مضر سے رسول اللہ ﷺ کی جنگ ہوئی تھی ہوازن کی مختلف شاخیں تھیں۔ ایک شاخ بنی ثقیف بھی تھی۔

## غزوۂ حنین

اصحاب مغازی نے لکھا ہے کہ رمضان ۸ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو سردار ان ہوازن کو خوف پیدا ہوا کہ اب مسلمان ہمیں ان پر حملہ نہ کر دیں۔ آپس میں کہنے لگے، رسول اللہ ﷺ اب بالکل فارغ ہو گئے ہیں ہم پر حملہ کرنے سے ان کے لئے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی اس لئے مناسب یہ ہے کہ ہم ہی ان پر حملہ کر دیں (تاکہ ان کے حوصلے پست ہو جائیں) رائے یہ ہوئی کہ سب لوگوں کو جمع کر کے رسول اللہ ﷺ کے ادھر آنے سے پہلے تم ہی ان کی طرف چل دو مشورہ طے ہو گیا اور مالک بن عوف بن سعد بن ربیعہ نصری نے سب کو جمع کر لیا یہ شخص آئندہ زندگی میں مسلمان ہو گیا تھا۔ ہوازن کے ساتھ تمام بنی ثقیف۔ نصر اور جشم بھی جمع ہو گئے اور بنی ہلال کے کچھ لوگ یعنی سعد بن بکر کا قبیلہ جس کی تعداد سو سے بھی کم تھی وہ بھی آخر شریک ہو گیا۔ قیس بن غیلان کا کوئی آدمی شریک نہیں ہوا اور ہوازن میں سے بنی کعب اور بنی کلاب بھی نہیں آئے ابن ابی براء نے ان کو شریک ہونے سے منع کر دیا اور بولا مشرق سے مغرب تک جو کوئی بھی محمد کی مخالفت کرے گا محمد اس پر غالب آجائیں گے (لہٰذا ان سے مقابلہ کرنا بے کار ہے) بنی جشم میں ایک مشہور مدبر شاعر سردار تھا جس کا نام تھا درید بن الصمہ اس کی

Marfat.com

عمر ایک سو ساٹھ یا ایک سو بیس برس تھی قبیلہ والوں نے اس کی سوجھ بوجھ کی وجہ سے اس کو اپنا کمانڈر بنانا چاہا درید بولا مجھے آنکھوں سے دکھائی نہیں دیتا، نہ سواری پر تم کر ٹھیک طرح سے بیٹھ سکتا ہوں پھر بھی تم کو مشورہ دینے کے لئے میں تمہارے ساتھ چلوں گا مگر شرط یہ ہے کہ تم میری مخالفت نہ کرنا اگر میرے مشورہ کے خلاف کرو گے تو میں نہیں جاؤں گا اس وقت مالک بن عوف تیس سالہ جوان ہوازن کا سردار تھا۔ اس نے جواب دیا ہم آپ کے مشورہ کے خلاف نہیں کریں گے۔ غرض جب مسلمانوں پر چڑھائی کا پختہ ارادہ ہو گیا تو مالک کے حکم کے موافق سب لوگ عورتوں سمیت نکل کھڑے ہوئے اور اپنا مال بھی ساتھ لے لیا۔ مالک نے لوطاس میں لشکر گاہ بنائی اور چاروں طرف سے امداد آنی شروع ہو گئی اب درید بن الصمہ آیا اور کہنے لگا یہ مجھے بچوں کے رونے کی آواز کیسی سنائی دے رہی ہے اونٹوں کا بلبلانا، گدھوں کا ڈونکنا، بکریوں کا منمنانا اور گایوں کا چیخنا میں کیوں سن رہا ہوں لوگوں نے کہا مالک کے حکم سے لوگ اپنے اہل وعیال اور جانوروں کو ساتھ لے کر آئے ہیں درید نے مالک سے کہا تم سب کو کیوں کھینچ کر لائے ہو، مالک نے جواب دیا۔ میرا خیال یہ ہے کہ جب ہر شخص کے اس کے بیوی بچے اور جانور ہوں گے تو وہ ان کی حفاظت و مدافعت کے لئے جم کر لڑے گا (بھاگنے کا ارادہ بھی نہیں کرے گا) درید نے لوگوں سے کہا، یہ بھیڑوں کا چرواہا ہے اس کا جنگ سے کیا تعلق پھر تعجب کے طور پر ہاتھ پر ہاتھ مار کر بولا بھاگنے والے کو کوئی چیز لوٹا کر نہیں لا سکتی اگر جنگ کا پلڑہ تمہارے حق میں ہونا ہے تو تم کو مردوں کی تلواریں اور نیزے ہی فائدہ پہنچا سکتے ہیں (بال بچے کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتے) اور اگر جنگ تمہارے خلاف پڑی تو بیوی بچوں کی گرفتاری اور مویشیوں کی لوٹ تم کو رسوا کر دے گی لہٰذا ان تمام عورتوں بچوں اور جانوروں کو قوم کے بالائی مقامات اور محفوظ علاقوں میں پہنچا دو پھر گھوڑوں پر سوار اور پیدل سب مل کر لڑو اگر تم کو فتح حاصل ہوئی تو بیوی بچے اور جانور سب تم سے آکر مل جائیں گے اگر تم کو شکست ہوئی تو اہل وعیال اور مال کی تو حفاظت رہے گی، مالک نے کہا میں ایسا نہیں کروں گا تم بوڑھے ہو گئے ہو اور تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو گئی ہے درید کو یہ سن کر غصہ آگیا اور بولا اے گروہ ہوازن کعب اور کلاب کہاں ہیں۔ لوگوں نے جواب دیا ان میں سے تو کوئی نہیں آیا۔ درید نے کہا طاقت اور بہادری تو غائب ہو گئی۔ اگر یہ دن غلبہ پانے اور برتری حاصل کرنے کا دن ہوتا تو وہ لوگ غیر حاضر نہ ہوتے (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فتح کا امکان نہیں اسی لئے بنی کعب و بنی کلاب نہیں آئے) اے گروہ ہوازن لوٹ چلو اور کعب و کلاب نے جیسا کیا ہے تم بھی ویسا ہی کرو۔ لوگوں نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔ درید نے کہا اچھا تم میں سے کون کون آیا ہے قوم نے جواب دیا عامر کے دونوں بیٹے عمرو اور عوف۔ درید نے کہا یہ دونوں بنی عامر کے کمزور اشخاص ہیں فرار تو اختیار نہیں کریں گے لیکن ان کی موجودگی بھی فائدہ رساں نہیں ہے۔ مالک نے درید سے پوچھا اس رائے کے علاوہ بھی کوئی رائے ہے جس پر چلنے کا میں قوم کو حکم دوں، درید نے کہا ہاں اپنی فوج کے کچھ آدمی کمین گاہ میں چھپا دو جو تمہاری مدد کے لئے تیار رہیں اگر دشمن تم پر حملہ آور ہوں گے تو یہ تمہاری چھپی ہوئی کمک دشمنوں کے پیچھے سے ان پر حملہ کرے گی اور تم اپنے ساتھیوں کو لے کر سامنے سے مقابلہ کرو گے اور اگر تم حملہ کرو گے تو ان میں سے کوئی بچ کر نہ جائے گا۔ مالک نے ایسا ہی کیا۔ کچھ لوگوں کو پہاڑی گھاٹیوں اور وادی کے غاروں میں چھپا دیا اور مسلمانوں پر حملہ کیا جس سے رسول اللہ ﷺ کے اکثر ساتھی بھاگ پڑے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ہوازن کے ارادے کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے ان سے لڑنے کا ارادہ کر لیا اور عتاب بن اسیدؓ کو جن کی عمر بیس سال تھی اپنی جگہ مکہ میں حاکم بنایا اور معاذ بن جبلؓ کو مسائل اسلام سکھانے کے لئے معلم مقرر کیا بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حنین کو جانے کا ارادہ کر لیا تو فرمایا کل انشاء اللہ ہمارا پڑاؤ خیف بنی کنانہ پر ہوگا جہاں کافروں نے کفر پر قائم رہنے کی قسمیں کھائی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صفوان بن امیہ سے کچھ زرہیں اور ہتھیار مستعار مانگے۔ صفوان نے کہا محمد کیا زرہیں اور ہتھیار مجھ سے چھیننا چاہتے ہو یا بطور عاریت مانگتے ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا محض عاریت کے طور پر اور وہ بھی ضمان ادا کرنے کے وعدہ پر (یعنی جو ہتھیار تلف ہو گا اس کا معاوضہ دیا جائے گا) صفوان نے سو زرہیں اور ان کے لائق ضروری اسلحہ دے دیئے، ابن اسحاق نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور ابوداؤد و احمد نے امیہ بن صفوان کے حوالہ سے یونہی نقل کیا ہے۔ سہیلی کا بیان ہے کہ رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ نے نوفل بن حارث بن عبدالمطلب سے تین ہزار برچھے بطور عاریت لئے تھے اور فرمایا تھا میں گویا دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے یہ برچھے دشمنوں کی پیٹھ توڑ رہے ہیں۔

غرض رسول اللہ ﷺ ہفتہ کے دن ۶ شوال ۸ھ کو بارہ ہزار مسلمانوں کو لے کر مکہ سے روانہ ہوئے، دس ہزار مدینہ والے تھے اور دو ہزار مکہ والے، ابوالشیخ نے محمد بن عبیداللہ لیثی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مدینہ کے دس ہزار آدمی تھے چار ہزار انصاری اور ایک ایک ہزار جہینہ مزینہ اسلم غفار اور اشجع کے اور ایک ہزار مہاجر اور دوسرے اشخاص۔

عروہ اور زہری کا بیان کہ کہ جب رسول اللہ مکہ میں تشریف لائے تھے تو آپ کے ساتھ بارہ ہزار اشخاص تھے پھر دو ہزار (مکہ کے) آزاد کردہ (یعنی مکہ کے باشندے جن کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ والہ وسلم) نے فرمایا تھا جاؤ تم آزاد ہو) بڑھا لئے گئے اس طرح چودہ ہزار ہو گئے۔

ابن عقبہ اور محمد بن عمر کا بیان کہ رسول اللہ ﷺ جب حنین کی طرف روانہ ہوئے تو مکہ کے تمام لوگ آپ کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے کوئی پیدل تھا کوئی سوار یہاں تک کہ عورتیں بھی ساتھ ہو گئیں باوجود یہ کہ اختلاف مذہب تھا مگر ان کا مقصد جنگ کا نظارہ کرنا اور مال غنیمت حاصل کرنا تھا اگر رسول اللہ کو شکست ہو جاتی تو ان لوگوں کے لئے باعث ناگواری نہ ہوتا۔ حضور کے ساتھ ابوسفیان بن حرب اور صفوان بن امیہ بھی تھے۔ صفوان مسلمان نہ تھے مگر ان کی بیوی مسلمان ہو گئی تھی اور رسول اللہ ﷺ نے دونوں کے درمیان تفریق نہیں کرائی تھی، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آپ کی دونوں بیبیاں حضرت ام سلمہ اور حضرت میمونہ بھی تھیں جن کے لئے خیمہ لگا دیا گیا تھا۔

ابن اسحاق نسائی اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ حضرت حارث بن مالک نے فرمایا ہم رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب حنین کو روانہ ہوئے۔ دور جاہلیت سے نکلے ہوئے ہم کو زیادہ وقت نہیں گزرا تھا۔ قریش اور دوسرے کافروں کو ایک درخت سے عقیدت تھی۔ حاکم نے اکلیل میں لکھا ہے کہ وہ درخت بیری کا تھا اور سرسبز تھا اس درخت کو ذات انواط کہا جاتا تھا ہر سال لوگ وہاں آکر جمع ہوتے اور درخت پر ہتھیار لٹکاتے قربانیاں کرتے اور ایک دن ٹھیرتے تھے جب ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس درخت کی طرف سے گزرے تو ہم نے پکار کر کہا یا رسول اللہ ﷺ جیسے ان کے لئے ذات انواط ہے ایسا ہی ہمارے لئے بھی کوئی ذات انواط مقرر کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ اکبر اللہ اکبر قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے تم نے تو وہی بات کہی جو موسیٰ کی قوم نے موسیٰ سے کہی تھی کہ ہمارا بھی کوئی ایسا ہی معبود مقرر کر دو جیسے ان (بت پرستوں) کے معبود ہیں تم لوگ جاہل ہو یہ انہی کا طریقہ ہے اور تم لوگ اپنے سے پہلے لوگوں کے طریقے پر ضرور چلو گے قدم بقدم۔

حضرت سہیل بن حنظلہ کی روایت ہے کہ ایک سوار نے آکر عرض کیا یا رسول اللہ میں نے فلاں فلاں پہاڑیوں پر چڑھ کر دیکھا تو نظر آیا کہ تمام ہوازن مع عورتوں اور اونٹوں اور بکریوں کے ایک جا اکٹھے ہو گئے ہیں۔ یہ خبر سن کر رسول اللہ ﷺ مسکرائے اور فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ یہ مسلمانوں کا مال غنیمت ہو گا پھر فرمایا آج رات ہمارا چوکیدار کون کرے گا۔ حضرت انسؓ بن مالک ابی مرثد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نگرانی کروں گا۔ فرمایا تو سوار ہو کر اس گھاٹی کے سامنے سے جاؤ اور اوپر پہنچ جاؤ (وہاں سے نگرانی کرو) اور جو لوگ تمہارے سامنے ہیں ان سے غافل نہ رہنا۔ جب رسول اللہ ﷺ فجر کی نماز پڑھ چکے تو حضرت انسؓ آگئے اور عرض کیا میں رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق گیا تھا اور گھاٹی کے اوپر رات کو رہا تھا جب صبح ہوئی تو میں نے دونوں گھاٹیوں کی طرف نظر دوڑائی مگر کوئی شخص وہاں دکھائی نہیں دیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت تمہارے لئے واجب کر دی گئی اس کے بعد اگر تم کوئی عمل بھی نہیں کرو گے تب بھی تمہارے لئے کوئی حرج نہ ہو گا (یعنی اس نیکی نے تم کو جنت کا مستحق بنا دیا اور آئندہ نیکیوں سے بے نیاز کر دیا)، رواہ ابوداؤد والنسائی۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن عدرد کو ہوازن کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ عبداللہ بن عدرد جا کر ان کے اندر گھس گئے اور ایک دو روز (حالات کی جستجو میں) وہیں رہے وہاں انہوں نے مالک کو اپنے ساتھیوں سے یہ الفاظ کہتے سنا کہ اس بار سے پہلے محمد کو کسی (لڑنے والی) قوم سے لڑنے کا واسطہ نہیں پڑا تجربہ کار لوگوں سے ان کا مقابلہ ہوتا ہا جو لڑائی سے واقف ہی نہیں تھے اس لئے ان پر غالب آتے رہے صبح کو تم لوگ اپنے جانوروں عورتوں اور بچوں کو اپنے پیچھے قطار در قطار جمع کر دینا پھر اپنی طرف سے حملہ کا آغاز کرنا اور تلواروں کی نیامیں توڑ ڈالنا میں ہزار برہنہ تلواریں لے کر ایک دم ایک ساتھ ایک شخص کی طرح حملہ کر دینا خوب سمجھ لو کہ جو پہل کرے گا غلبہ اسی کو حاصل ہوگا ابن اسحاق نے حضرت جابر بن عبداللہ اور حضرت عمرو بن شعیب اور حضرت عبداللہ بن ابی بکر بن عمرو بن حرم کی روایت سے لکھا ہے اور یہی محمد بن عمر نے حضرت ابوبردہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ اوطاس میں ایک بڑے درخت کے نیچے اترے رسول اللہ ﷺ بھی اسی درخت کے نیچے فروکش ہوئے وہاں ہم نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرا آدمی بھی آپ کے پاس بیٹھا ہوا ہے حضور ﷺ نے فرمایا میں سو رہا تھا کہ یہ شخص آگیا اور میری ہی تلوار سونت کر میرے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ میں بیدار ہو گیا اس نے مجھ سے کہا محمد اب تم کو مجھ سے کون بچائے گا میں نے کہا اللہ، یہ سن کر میں نے اپنی تلوار نیام سے سونت لی اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اجازت دیجئے میں اللہ کے دشمن کی گردن مار دوں واللہ یہ دشمن کے جاسوسوں میں سے ہے فرمایا ابوبردہ خاموش رہو۔ حضور ﷺ نے اس دشمن سے کچھ نہیں فرمایا نہ اس کو کوئی سزا دی اور مجھ سے فرمایا ابوبردہ اللہ میری حفاظت کرنے والا اور بچانے والا ہے (اس وقت تک وہ میری حفاظت رکھے گا) کہ اس کا دین تمام مذاہب پر غالب ہو جائے۔

ابو نعیم اور بیہقی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ ۱۰ شوال منگل کی شام کو حنین پہنچے۔ مالک بن عوف نے ہوازن کی طرف سے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھیوں کے احوال کی جستجو کے لئے تین آدمی بھیجے اور ان کو حکم دیا کہ مسلمانوں کے لشکر کے اندر پھیل جائیں (اور ہر ایک دشمن کے احوال کی جستجو کرے) جب یہ جاسوس مسلمانوں کے لشکر سے واپس آئے تو ہر ایک کا جوڑ جوڑ (بند بند) الگ الگ ہو رہا تھا (یعنی سب بے سکت خوف زدہ ہو رہے تھے) مالک نے پوچھا ارے تمہاری یہ کیا حالت ہے جاسوس بولے ہم کو کچھ گورے گورے آدمی ابلق گھوڑوں پر سوار دکھائی دیئے ان کو دیکھتے ہی ہم بے سکت ہو گئے اور وہ حالت ہو گئی جو تم دیکھ رہے ہو، خدا کی قسم ہماری جنگ زمین کے باشندوں سے نہیں ہو گی آسمان والوں سے ہم کو لڑنا ہو گا مالک نے کہا تف ہے، تم تمام اہل لشکر سے زیادہ بزدل ہو مالک نے ان لوگوں کو بند کر دیا اس کو اندیشہ ہوا کہ ان کا یہ خوف کہیں لشکر میں نہ پھیل جائے۔ پھر لوگوں سے کہا مجھے ایک جیالا آدمی بتاؤ (جو بیباکی کے ساتھ صحیح اطلاعات فراہم کرے) سب نے ایک شخص کا انتخاب کر دیا وہ شخص (جاسوسی کرنے کے لئے گیا، جب واپس آیا تو اس کی بھی وہی حالت تھی جو اس سے پہلے والے تینوں آدمیوں کی تھی اور اس نے بھی وہی بات کہی جو پہلے آدمیوں نے کہی تھی۔

محمد بن عمر کا بیان ہے دو تہائی رات گزرنے کے بعد مالک نے وادی حنین میں اپنے ساتھیوں کی ترتیب اور صف بندی کی یہ وادی بڑی خوفناک تھی۔ اس میں بکثرت گھاٹیاں اور تنگ راستے تھے، مالک نے اپنے آدمیوں کو ان گھاٹیوں اور تنگ راہوں میں پھیلا دیا اور ان کو حکم دے دیا کہ سب یکدم حملہ کریں رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنے ساتھیوں کو تیار کیا اور صبح کو ان کی صف بندی کی جھنڈے اور پھریرے قائم کئے اور بنفس نفیس دو زرہیں خود اور بکتر سے آراستہ ہوئے اور لشکر کی صفوں کے سامنے جا کر معاینہ کیا اور گھوم پھر کر بعض کو بعض کے آگے پیچھے کیا پھر سب کو جنگ پر آمادہ کیا اور فتح کی خوش خبری دی بشرطیکہ لوگ سچے دل سے ثابت قدمی کی ساتھ جمے رہیں۔ خالد بن ولید کو بنی سلیم کی قیادت سپرد کی، خالد کو اور اہل مکہ کو آگے بڑھایا۔ لشکر کے تین حصے کئے میمنہ، میسرہ اور قلب (دلیاں بازو بایاں بازو اور وسط) قلب میں خود رہے۔

ابوالشیخ، حاکم بزار اور ابن مردویہ نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے کہ جب حنین کے دن مکہ اور مدینہ والے جمع ہو گئے تو ان کو اپنی کثرت پر ایک طرح کا پندار ہو گیا اور لوگ کہنے لگے بخدا آج ہم لڑیں

Marfat.com

گے۔ بزار کی روایت میں ایا ہے کہ ایک انصاری نوجوان نے کہا تھا آج تعداد کی کمی کی وجہ سے ہم مغلوب نہ ہوں گے اور جوں ہی مقابلہ ہوگا دشمن شکست کھا کر پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے یونس بن بکر کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کا یہ قول اور کثرت تعداد پر غرور ناپسند ہوا ابن المنذر نے حسن کا بھی یہی قول نقل کیا ہے اعجبتکم کثرتکم سے یہی مراد ہے (یعنی مکہ اور مدینہ والوں کامل کر اپنی کثرت پر اترانا اور خوش ہونا۔

فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝۲۵

شیئا یعنی تمہاری کثرت نے تم کو کچھ فائدہ نہیں پہنچایا تمہاری کثرت دشمن کے معاملہ میں کام نہیں آئی۔ بما رحبت۔ اس میں ما مصدریہ اور باء بمعنی مع ہے یعنی باوجود فراخ ہونے کے یا باء مصاحبت کا مفہوم ظاہر کر رہی ہے یعنی فراخ ہونے کے ساتھ بھی زمین میں تمہارے لئے اطمینان سے ٹھیرنے کی جگہ نہ تھی تم پر اتنا خوف چھایا کہ امن و قرار کی کوئی جگہ نظر نہ آئی۔ ثم ولیتم پھر تم نے دشمن کو پیٹھ دی یہ خطاب ان مسلمانوں سے ہے جو تتر بتر ہو کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ مدبرین یعنی شکست کھا کر، ادبار اقبال کی ضد ہے یعنی پیچھے کو جانا۔

ابن اسحاق امام احمد اور ابن حبان نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور ابو یعلی و محمد بن عمر نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ حضرت جابرؓ نے فرمایا جب وادی حنین ہمارے سامنے آئی تو ہم خوفناک وادی سے نشیب کی طرف گئے وادی میں مختلف راستے تنگ مقامات اور گھاٹیاں تھیں دشمن کے آدمی ہم سے پہلے وادی میں گھاٹیوں، مخفی مقامات اور تنگ جگہوں میں چھپ گئے تھے اور حملہ کرنے کے لئے تیار ہوگئے تھے۔ ہم نیچے کو اتر ہی رہے تھے اور کوئی شبہ بھی نہ تھا کہ یکدم فوجی دستوں نے ایک آدمی کی طرح یکدم ہم پر حملہ کر دیا یہ تیر انداز تھے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا ہوازن کی طرف سے جو چیز ہمارے سامنے آئی ایسی تو خدا کی قسم میں نے اس زمانہ میں کبھی دیکھی ہی نہ تھی، دشمن کی کثرت تھی وہ لوگ عورتوں بچوں اور جانوروں کو بھی لے کر آئے تھے انہوں نے صف بندی اس طرح کی تھی کہ عورتوں کو اونٹوں پر سوار کر کے مردوں کی قطاروں کے پیچھے کر دیا تھا، پھر اونٹوں، گایوں اور بکریوں کو ان کے پیچھے جمع کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ اس طرح وہ نہیں بھاگیں گے دور سے کچھ کالی کالی شباہت نظر آئی ہم سمجھے وہ آدمی ہیں جب ہم وادی سے نشیب میں اترے صبح تڑکے کا وقت تھا ہماری غفلت کی حالت میں کچھ دستے وادی کے تنگ راستوں اور گھاٹیوں سے نکل کر ایک شخص کی طرح یکدم ہم پر حملہ آور ہوگئے جس کی وجہ سے بنی سلیم کے اگلے سوار تتر بتر ہو کر بھاگ پڑے اور ان کے پیچھے اہل مکہ بھی چلے اور ان کے پیچھے دوسرے لوگ شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کسی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھا اور غبار اتنا اٹھا کہ ہم میں سے کسی کو اپنا ہاتھ بھی نہیں سوجھتا تھا۔ حضرت جابر نے فرمایا رسول اللہ ﷺ (قلب سے) دائیں جانب سمٹ گئے پھر فرمایا لوگو! میری طرف آؤ۔ میں اللہ کا رسول ہوں، میں محمد بن عبد اللہ ہوں۔

بخاری ابن ابی شیبہ، ابن مردویہ اور بیہقی نے بروایت ابن اسحاق بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حضرت براء بن عازب سے کہا ابو عمارہ کیا آپ حنین کی لڑائی میں بھاگ گئے تھے حضرت براء نے فرمایا نہیں خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ نے تو پشت نہیں پھیری لیکن جو صحابہ نہتے نکلے تھے ان کے پاس زیادہ ہتھیار نہیں تھے اور مقابلہ ہوا تیر انداز قوم سے جن کا کوئی تیر (زمین پر) نہیں گرتا تھا۔ جب ہمارا ان سے مقابلہ ہوا اور ہم نے ان پر حملہ کیا تو وہ بھاگ نکلے، لوگ مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوگئے اتنے میں وہ لوگ تیروں کے ساتھ سامنے آگئے۔ تیر کیا تھے ٹڈی دل تھے کوئی تیر خطا نہیں کرتا تھا اسی حالت میں وہ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آگئے۔ حضور سفید خچر پر سوار تھے۔ ابو سفیان خچر کی لگام آگے سے پکڑے ہوئے تھے۔ آپ فوراً اتر پڑے اور اللہ سے دعا کی اور نصرت الٰہی کے طلب گار ہوئے اور فرمایا کوئی جھوٹ نہیں میں اللہ کا سچا نبی ہوں، میں ابن عبد المطلب ہوں (یعنی عبد اللہ بن عبد المطلب کا بیٹا ہوں) ابن اسحاق کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضرت براء نے فرمایا، جب گھمسان کا رن پڑتا تھا تو ہم حضور کے ذریعہ سے اپنا بچاؤ کرتے تھے (یعنی رسول اللہ کے پیچھے آجاتے تھے) ہم میں بڑا بہادر آدمی وہ ہوتا تھا جو رسول اللہ

Marfat.com

کے برابر کھڑا ہو تا یعنی رسول اللہ ﷺ جس طرح آگے ہوتے اسی طرح وہ بھی حضور کے برابر کھڑا ہو تا اور آگے کی صف میں بغیر آڑ لئے کھڑا رہتا)۔

ابن اسحاق کا بیان ہے جب مسلمان تتر بتر ہو گئے تو مسلمانوں میں سے جن لوگوں کے دلوں میں اسلام سے بغض تھا (اور بظاہر وہ مسلمان ہو گئے تھے یا یوں ہی ساتھ آ گئے تھے) چہ میگوئیاں کرنے لگے۔ ابوسفیان کا اسلام بھی اس وقت تک یقینی نہ تھا مشکوک تھا اس لئے اس نے کہا اب یہ شکست خوردہ لوگ سمندر سے ورے نہیں رکیں گے جبلہ بن حنبل اور بقول ابن ہشام کلاہ بن حنبل جو صفوان بن امیہ کا اخیافی بھائی تھا کہا آج جادو بے حقیقت ہو گیا یہ صفوان اس وقت تک اگرچہ مشرک تھا اور اس میعاد کے اندر تھا جو رسول اللہ ﷺ نے (غور کرنے کے لئے) اس کو دے دی تھی لیکن جبلہ کے جواب میں کہنے لگا خاموش رہو خدا کی قسم قریش کے کسی آدمی کے ہاتھ سے اگر میرے تیر لگ جائے تو اس سے بہتر ہے کہ ہوازن کے کسی آدمی کے ہاتھ سے لگے۔

ابن سعد و ابن عساکر نے عبد المالک بن عبید اللہ کی روایت سے اور طبرانی بیہقی ابن عساکر اور ابو نعیم نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ شیبہ بن عثمان نے کہا کہ فتح کے سال جب رسول اللہ ﷺ زبردستی مکہ میں داخل ہو گئے اور مکہ کو فتح کر کے حنین کے جہاد کو گئے تو میں نے سوچا کہ مجھے بھی قریش کے ساتھ ہوازن کی طرف چل دینا چاہئے، تاکہ ہوازن سے جب مسلمانوں کی (گھمسان کی جنگ ہو اور) گتھم گتھا ہو تو محمد کی طرف سے غفلت کا موقع پا کر میں ان پر حملہ کر دوں۔ مجھے اپنے باپ کی جس کو حمزہ نے قتل کیا تھا یاد آئی اور میں نے کہا آج میں محمد سے اپنا اور تمام قریش کا انتقال لے لوں گا اور اگر سارا عرب و عجم بھی محمد کے پیچھے ہو جائے تب بھی میں ان کا اتباع نہیں کروں گا۔ چنانچہ روانگی کے وقت سے میں تاک میں لگا رہا اور برابر میرا حوصلہ بڑھتا ہی جاتا تھا جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھی بھاگ کھڑے ہوئے تو میں (حملہ کا موقع تلاش کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ کی دائیں طرف گیا میں نے دیکھا ادھر عباسؓ چمکیلی زرہ پہنے کھڑے ہیں میں نے خیال کیا کہ یہ تو محمد کے چچا ہیں یہ ضرور ان کی مدد کریں گے۔ پھر میں بائیں طرف سے گیا ادھر ابوسفیان بن حارث موجود تھے میں نے کہا یہ چچا کے بیٹے ہیں یہ بھی ان کو ہرگز بے مدد نہیں چھوڑیں گے پھر میں پیچھے سے گیا اور تلوار سے حملہ کرنے ہی والا تھا۔ کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی تھی کہ میں نے دیکھا میرے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان بجلی کی طرح آگ کے شعلے چمک رہے ہیں مجھے ڈر لگا کہ کہیں مجھ پر نہ آ پڑیں اور اپنی نظر جاتے رہنے کے خوف سے میں نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا اور پچھلے قدم لوٹ پڑا اور سمجھ گیا کہ (اللہ کی طرف سے) ان کی حفاظت کی جا رہی ہے آپ ﷺ نے میری طرف رخ پھیرا اور فرمایا شیبہ میرے قریب آجاؤ میں قریب پہنچ گیا۔ آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ کر کہا اے اللہ اس سے شیطان کو دور کر دے میں نے فوراً اپنا سر اوپر اٹھایا تو آپ کی صورت مجھے اپنے کانوں اور آنکھوں اور دل سے بھی زیادہ پیاری دکھائی دینے لگی پھر فرمایا شیبہ کافروں سے لڑو میں فوراً آپ کے آگے بڑھ گیا اور خدا کی قسم میری یہ خواہش ہو گئی کہ آپ کو ہر دکھ سے بچانے کے لئے اپنی جان قربان کر دوں جب ہوازن کو شکست ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ اپنے پڑاؤ پر واپس تشریف لے آئے تو فرمایا شکر ہے اس اللہ کا جس نے تم کو خیر پہنچانی چاہی (یعنی تم کو پختہ ایمان عطا کر دیا) پھر آپ نے وہ بات بیان فرما دی جس کا میں نے ارادہ کیا تھا، صلے اللہ علیہ وسلم۔

محمد بن عمر کی روایت ہے کہ حضرت نضر بن حارث نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہم کو عزت اسلام دے کر سرفراز فرمایا اور محمد ﷺ کو بھیج کر ہم پر احسان کیا اور ہم اسی (شرک) پر نہیں مرے جس پر ہمارے باپ دادا مر گئے۔ راوی نے یہ طویل حدیث ذکر کی جس کے آخر میں ہے کہ حضرت نضر نے فرمایا۔ میں قریش کے کچھ اشخاص کے ساتھ جو اس وقت تک اپنے مذہب پر قائم تھے نکلا۔ ان اشخاص میں ابوسفیان بن حرب سفیان بن امیہ اور سہیل بن عمرو بھی تھے، ہمارا ارادہ یہ تھا کہ اگر محمد کو شکست ہوئی تو ان کو لوٹنے والوں میں ہم بھی شامل ہو جائیں گے ہم مشرکوں کے (دائرہ کے اندر تھے ان کے) بھی خواہ تھے۔ جب دونوں گروہوں کا آمنا سامنا ہوا تو ہوازن نے یکبارگی حملہ کر دیا۔ ہمارا خیال ہو گیا کہ مسلمان اس حملہ کو نہ سہ سکیں گے ہم

Marfat.com

مسلمانوں کی فوج میں تھے اور میرا ارادہ محمد کے متعلق وہی تھا جس کا میں قصد کر چکا تھا، میں ارادہ کو عملی جامہ پہنانے ہی والا تھا کہ میں نے دیکھا محمد سفید خچر پر سوار مشرکوں کے سامنے کھڑے ہیں اور گورے گورے چہروں والے لوگوں نے ان کو اپنے جھرمٹ میں لے لیا ہے میں نے اپنے ارادہ کے ساتھ محمد کی طرف بڑھا تو ان لوگوں نے چیخ کر کہا ادھر ہی رہنا ادھر نہ بڑھنا چیخ سن کر میرا دل لرز گیا اور اعضاء میں کپکپی پیدا ہو گئی۔ میں نے کہا یہ بات تو بدر کے دن کی طرح ہوئی، بے شک یہ شخص حق پر ہے اور اس کی (غیب سے) حفاظت کی جاتی ہے۔ اللہ نے میرے دل میں اسلام ڈال دیا اور میرے سابق ارادہ کو بدل دیا، الحدیث بطولہ۔

محمد بن عمر نے حضرت ابو قتادہ کی روایت سے بیان کیا کہ تیزی کے ساتھ بھاگنے والے لوگوں نے ۲۴ گھنٹے مسلسل چل کر مکہ پہنچ کر اہل مکہ کو رسول اللہ ﷺ کے شکست کھا جانے کی اطلاع دے دی۔ حضرت عتاب بن اسید اس وقت امیر مکہ تھے اور ان کے ساتھ حضرت معاذ بن جبل بھی تھے یہ خبر سن کر ان لوگوں کو سخت غم ہو گیا لیکن اہل مکہ میں سے کچھ لوگوں کو اس خبر سے خوشی ہوئی اور انہوں نے مسرت کا اظہار کیا ایک شخص بولا اب عرب باپ دادا کے مذہب کی طرف لوٹ آئیں گے جب کہ محمد قتل ہو چکے اور ان کے ساتھی پراگندہ ہو گئے حضرت عتاب نے کہا اگر محمد شہید ہو گئے تو ہو گئے اللہ کا دین تو قائم ہے محمد جس کی عبادت کرتے تھے وہ تو زندہ ہے کبھی نہیں مرے گا دن یونہی گزرا جب شام ہوئی تو اطلاع آئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ہوازن کو شکست دے دی اس خبر کو سن کر حضرت عتاب اور حضرت معاذ خوش ہو گئے اور جو لوگ پہلی خبر سے خوش ہوئے تھے ان کو خدا نے ذلیل کر دیا۔ بھاگنے والے (مسلمان) پھر (سمٹ کر) رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ پڑے اور اوطاس میں پہنچ کر خدمت گرامی میں حاضر ہو گئے اور یہاں سے حضور نے طائف کی طرف کوچ کیا۔

## ..... فائدہ .....

حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ (میدان میں) رسول اللہ ﷺ تنہا رہ گئے تھے، لیکن مسلم۔ ابن اسحاق اور عبدالرزاق کا بیان ہے کہ حضرت عباسؓ نے فرمایا میں حنین کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ میں اور ابوسفیان بن حارث آپ سے چمٹے رہے ہم دونوں نے ساتھ نہیں چھوڑا۔ رسول اللہ ﷺ سفید خچر پر سوار تھے۔ مسلمانوں اور کافروں کا جب مقابلہ ہوا تو مسلمان پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے میں رسول اللہ ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے ہوئے تھا۔ آپ کافروں کی طرف بڑھانے کے لئے خچر کو ایڑھ مار رہے تھے اور میں (خطرہ کو محسوس کر کے) خچر کو روک رہا تھا کہ آپ تیزی کے ساتھ کفار پر نہ جا پڑیں مگر آپ کو اس کی پروا نہیں تھی۔ اس وقت ابوسفیان بن حارث رسول اللہ ﷺ کی رکاب تھامے ہوئے تھے۔ دوسری حدیثوں میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ (میدان میں) ایک جماعت رہ گئی تھی (سب ہی نہیں بھاگ پڑے تھے) محمد بن یوسف صالحی نے مختلف روایات کا تعارض دور کرتے ہوئے بیان کیا کہ آگے بڑھ کر دشمن سے لڑنے والے تو تنہا رسول اللہ ﷺ ہی باقی رہے لیکن کچھ لوگ آپ کے پیچھے بھی موجود رہے تھے اور ابوسفیان بن حارث اور عباس خچر کو روکنے کی خدمت انجام دے رہے تھے گویا موجود تو دوسرے لوگ بھی تھے مگر دشمن سے لڑنے والے اور لڑائی میں مشغول صرف رسول اللہ تھے کتنے لوگ اپنی جگہ ثابت قدم رہے تھے۔

اس میں روایات کا اختلاف ہے، بقول کلبی رسول اللہ کے گرد اگرد تین سو مسلمان رہ گئے تھے باقی بھاگ چکے تھے بیہقی نے حضرت معاذ بن نعمان کا بیان نقل کیا ہے جب لوگ پیٹھ دے کر بھاگ گئے تو میں نے رسول اللہ کے ساتھ رہ جانے والوں کا اندازہ کیا۔ ..... میرے خیال میں وہ سو تھے۔ احمد طبرانی اور حاکم و ابونعیم نے معتبر سند سے حضرت ابن مسعود کا قول نقل کیا ہے کہ حنین کے دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا لوگ پیٹھ دے کر بھاگ گئے۔ مہاجرین اور انصار میں سے صرف اسّی آدمی باقی رہ گئے ہم لوگ بھی تقریباً اسی قدم ایڑیاں موڑ کر پیچھے ہٹ گئے تھے مگر ہم نے کافروں کو پیٹھ نہیں دی تھی۔ حضرت انسؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی ان میں سے ایک نے دس سے زیادہ تلوار کے زخم کھائے تھے یا پہنچائے تھے۔ ابن مردویہ نے حضرت ابوعمرو کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سو آدمی بھی باقی نہیں رہے تھے۔ سو کی نفی اور اسی کے اثبات میں کوئی تعارض نہیں (سو نہ ہوں گے، سوسے کم ہوں گے)

Marfat.com

محمد بن عمر کی روایت ہے کہ حنین کے دن جب لوگ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر بھاگ گئے تو آپ نے حضرت حارثہ بن نعمان سے فرمایا، حارثہ! کتنے لوگ اپنی جگہ قائم رہے۔ حضرت حارثہ کا بیان ہے میں نے اپنے دائیں بائیں دیکھ کر عرض کیا سو ہوں گے مگر مجھے یہ معلوم نہ تھا کہ یہ لوگ گنتی میں سو ہی تھے یہ تو اس وقت معلوم ہوا جب ایک روز مسجد کے دروازہ کے پاس رسول اللہ کو جبرئیل سے چپکے چپکے باتیں کرتے میں نے سنا اور جبرئیل نے پوچھا۔ محمد یہ کون ہے حضور ﷺ نے فرمایا یہ حارث بن نعمان ہے جبرئیل نے کہا یہ وہی ہے جو حنین کے دن سو ثابت قدم رہنے والوں میں شامل تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حارثہ کو اس گفتگو کی اطلاع دی حارثہ نے عرض کیا میں تو یہ سمجھا تھا کہ وحیہ کلبی آپ کے ساتھ کھڑے ہیں۔

نووی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے صرف بارہ آدمی تھے۔

حضرت عباسؓ بن عبد المطلب نے ذیل کے اشعار میں ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہنے والے دس اشخاص تھے۔

نَصَرْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فِي الْحَرْبِ تِسْعَةٌ وَفَرَّ رَمَنْ قَدْفَرَّعَنْهُ فَاقْشَعُوْا
وَعَاشِرُنَا لَاقَى الْحِمَامَ بِنَفْسِهٖ لِمَامَسَّهٗ فِي اللّٰهِ لَايَتَوَجَّعُ

ہم نو آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی مدد کی اور آپ کو چھوڑ کر جو بھاگ گئے اور پھٹ گئے اور ہمارے دسویں آدمی نے موت کا مقابلہ اپنی جان سے کیا اور اللہ کی راہ میں اس کو جو دکھ پہنچا اس پر اس نے درد کا اظہار نہیں کیا۔

صالحی نے کہا یہ زیادہ صحیح ہے اس سے زیادہ تعداد کا جس نے ذکر کیا ہے۔ شاید نہ بھاگنے والوں کی فہرست میں اس نے ان لوگوں کو بھی شمار کر لیا جو بھاگ کر فوراً ہی پلٹ آئے تھے۔ اس روز چار عورتیں بھی اپنی جگہ جمی رہی تھیں ام سلیم بنت ملحان، ام عمارہ، ام سلیط، ام حارث۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اس کے بعد اللہ نے رسول (کے قلب) پر اور مومنوں (کے دلوں) پر تسلی نازل فرمائی۔ سکینہ سے مراد ہے اللہ کی رحمت جس کی وجہ سے لوگ جم گئے اور محفوظ رہے۔ المومنین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو شکست کھا کر تتر بتر ہو گئے تھے۔ رسول اللہ کا ذکر اس وجہ سے کیا کہ رسول اللہ کی ذات گرامی کی برکت اور آپ کے وسیلہ سے ہی شکست پانے والوں پر اللہ کی رحمت نازل ہوئی تھی اور چونکہ رسول اور مومنین کے احوال الگ الگ تھے اس لئے علی کو بھی الگ الگ دو بار ذکر کیا۔

بعض کے نزدیک المومنین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ثابت قدم رہے بھاگے نہ تھے، بیہقی نے دلائل میں اور طبرانی و حاکم و ابو نعیم نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے، حضرت عبد اللہ نے فرمایا حنین کے دن میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا جب لوگ حضور ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ پڑے تو میں اسی ۸۰ مہاجرین و انصار کے ساتھ ثابت قدم رہا۔ تقریباً اسی ۸۰ قدم ہم بھی اپنے قدموں کے بل ہٹے تھے مگر ہم نے دشمن کو پیٹھ نہیں دی تھی، انہی (اسی ۸۰ آدمیوں) پر سکینہ کا نزول ہوا تھا۔

حضرت ابن عقبہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ دونوں رکابوں میں پاؤں ڈالے خچر پر کھڑے ہو گئے اور دونوں ہاتھ اٹھا کر کہنے لگے اے اللہ میں تجھے واسطہ دیتا ہوں اس وعدہ کا جو تو نے مجھ سے کیا تھا۔ اے اللہ! ان کو ہم پر غالب نہ ہونا چاہئے پھر حضرت عباسؓ سے فرمایا عباسؓ! پکارو اے گروہ انصار! اے کیکر کے درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والو! اے سورۂ بقرہ والو! حضرت عباسؓ بلند آواز آدمی تھے، آپ کا بیان ہے میں نے اونچی آواز سے ندا کی انصار کہاں ہیں۔ کیکر کے درخت (کے نیچے بیعت کرنے) والے کہاں ہیں۔ سورۂ بقرہ والے کہاں ہیں جوں ہی انصار نے میری آواز سنی خدا کی قسم وہ ایسے رسول اللہ ﷺ کی طرف مڑ کر آ گئے جیسے مائیں اپنے بچوں کی طرف مڑ جاتی ہیں۔

عثمان بن ابی شیبہ کی روایت میں حسب صراحت بیہقی و بغوی آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عباسؓ مہاجرین کو چیخ کر

Marfat.com

آواز دو جنہوں نے (حدیبیہ کے موقع پر) درخت کے نیچے بیعت کی تھی اور انصار کو پکارو جنہوں نے (مہاجرین اور رسول اللہ ﷺ کو) ٹھکانے دیئے اور مدد کی (میں نے آواز دی انصار فوراً لوٹ پڑے) اور کہنے لگے ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں انصار کا رسول اللہ ﷺ کی طرف مڑ کر آنا بالکل ایسا تھا جس طرح اونٹ اپنی اولاد پر (پیار سے) جھک جاتا ہے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سواری سے اتر آئے۔ رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے انصار کے نیزے مجھے کافروں کے برچھوں سے بھی زیادہ خوفناک معلوم ہونے لگے۔ ابو یعلی اور طبرانی نے قابل اعتماد سند کے ساتھ حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے دن ایک مٹھی سفید کنکریاں لے کر کافروں پر پھینک ماریں اور فرمایا رب کعبہ کی قسم یہ شکست پاگئے اس روز رسول اللہ ﷺ کے سامنے حضرت علیؓ نے بڑی سخت جنگ کی۔

ابن سعد ابن ابی شیبہ احمد ابوداؤد اور بغویؒ وغیرہ نے بروایت ابو عبدالرحمٰن یزید فہری (جن کا نام کرز تھا) ایک طویل حدیث کے ذیل میں بیان کیا کہ مسلمان پشت دے کر بھاگ پڑے جیسا اللہ نے فرمایا ہے اس وقت رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے لوگو! میں اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہوں پھر گھوڑے سے اتر کر نرغہ میں گھس گئے اور جو شخص حضور سے زیادہ قریب تھا اس نے مجھ سے بیان کیا کہ آپ ﷺ نے ایک لپ مٹی لے کر دشمنوں کے چہروں کی طرف پھینکی اور فرمایا چہرے بگڑ گئے۔ یعلی بن عطاء کا بیان ہے جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے مقابل تھے ان کی اولاد نے مجھ سے بیان کیا ہمارے باپ کہتے تھے کہ ہم میں سے ہر ایک کی آنکھیں اور منہ خاک سے بھر گئے اور آسمان کی طرف سے ہم نے ایک ایسی جھنجھناہٹ سنی جیسے کسی طشت میں لوہے کے گرنے سے ہوتی ہے۔ غرض اس طرح اللہ نے ان کو شکست دے دی۔

وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اور اللہ نے ایسے لشکر اتارے جو تمہیں دکھائی نہیں دیتے تھے۔ ابن ابی حاتم نے سدی کبیر کا قول نقل کیا ہے کہ وہ لشکر ملائکہ کا تھا۔ سعید بن جبیر نے بیان کیا کہ حنین کے دن اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کی امداد پانچ ہزار نشان زدہ فرشتوں کو بھیج کر کی تھی۔ ابن اسحاق، ابن المنذر، ابن مردویہ ابو نعیم اور بیہقی نے حضرت جبیر بن مطعم کا بیان نقل کیا ہے کہ دشمنوں کی شکست سے پہلے جب لوگ لڑ رہے تھے۔ میں نے ایک سیاہ چادر آسمان کی طرف سے آتی دیکھی جو آکر لوگوں کے سامنے گر گئی، میں نے دیکھا کہ (اس چادر کے اندر سے) سیاہ چیونٹیاں اتنی برآمد ہوئیں کہ وادی بھر گئی۔ پھر مجھے خیال ہوا کہ شاید یہ ملائکہ ہیں پس میرے دیکھتے دیکھتے دشمنوں کو فوراً شکست ہو گئی۔ محمد بن عمر نے بروایت یحییٰ بن عبداللہ بیان کیا ہے کہ مشائخ انصار کہتے تھے ہم نے اس روز سیاہ چادروں کی طرف تہ بر تہ آسمان سے گرتی ہوئی کوئی چیز دیکھی دیکھتے کیا ہیں کہ بکثرت چیونٹیاں یکدم (وادی میں) پھیل گئیں، ہم ان کو اپنے کپڑوں سے جھاڑنے لگے اس کے بعد فوراً اللہ کی مدد سے ہم فتحیاب ہو گئے۔ مسدد نے مسند میں اور بیہقی و ابن عساکر نے ام برثن کے آزاد کردہ غلام عبدالرحمٰن کا بیان نقل کیا ہے، عبدالرحمٰن کا بیان ہے کہ مجھ سے ایک شخص جو جنگ حنین میں بحالت شرک موجود تھا کہتا تھا کہ جب ہمارا مقابلہ صحابہ سے ہوا تو وہ اتنی دیر بھی مقابلہ پر نہ ٹھیرے جتنی دیر میں بکری دوہی جاتی ہے۔ منہ پھیر کر بھاگے ہم پیچھے سے ان کو کھدیڑتے چلے اچانک خچر پر سوار ایک شخص مقابلہ پر آیا۔ دیکھا تو وہ رسول اللہ ﷺ تھے، دوسری روایت میں ایا ہے کہ ہماری اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان کچھ گورے گورے خوب صورت لوگ حائل نظر آئے جنہوں نے ہم سے کہا چہرے بگڑ گئے لوٹ جاؤ ہم فوراً لوٹ پڑے انہوں نے ہماری مشکیں کس لیں (گرفتار کر لیا) اور یہ وہی تھے۔

ابن مردویہ بیہقی اور ابن عساکر نے بیان کیا کہ حضرت شیبہ بن عثمان یحییٰ نے کہا میں حنین کے دن رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نکلا تھا۔ اس لئے نہیں نکلا تھا کہ میں مسلمان ہو گیا تھا بلکہ اس لئے نکلا تھا کہ ہوازن کا قریش پر غالب آنا مجھے پسند نہیں تھا میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ میدان میں کھڑا ہی تھا (کہ ابلق گھوڑوں پر کچھ سوار مجھے دکھائی دیئے اور) میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے ابلق گھوڑے نظر آرہے ہیں، فرمایا شیبہ یہ تو صرف کافر کو نظر آتے ہیں پھر آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ پر مارا اور فرمایا اے اللہ شیبہ کو ہدایت کر خدا کی قسم ایسا تین بار کیا خدا کی قسم دوسری بار ہی آپ نے اپنا ہاتھ میرے سینہ سے نہیں اٹھایا تھا

Marfat.com

کہ مجھے آپ کی ذات سب مخلوق سے زیادہ پیاری محسوس ہونے لگی۔ غرض مسلمانوں کا مقابلہ ہوا جو لوگ شہید ہونا تھے شہید ہو گئے پھر رسول اللہ ﷺ آگے بڑھے۔ حضرت عمر (خچر کی) لگام پکڑے ہوئے تھے اور حضرت عباسؓ رکاب پکڑے ہوئے تھے، حضرت عباسؓ نے اونچی آواز سے ندا کی، مہاجر کہاں ہیں، سورۂ بقرہ والے کہاں ہیں رسول اللہ ﷺ یہ ہیں۔ فوراً مسلمان آگئے۔ اس وقت رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔ اس کے بعد مسلمانوں نے تلواروں سے کافروں کا مقابلہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب تنور گرم ہوا (لڑائی گھمسان کی اب ہوئی)۔

محمد بن عمر نے مالک بن اوس بن حدثان کا قول نقل کیا ہے مالک نے کہا مجھ سے میرے قبیلہ کے چند آدمی جو اس روز شریک جنگ تھے کہہ رہے تھے کہ اس روز کنکریاں جو رسول اللہ نے (کافروں کی طرف) پھینکی تھیں ان کی وجہ سے کوئی آدمی ایسا نہ بچا جس کی آنکھوں میں مٹی نہ پڑی ہو اور ہم کو اپنے سینوں کے اندر ایک ایسی اضطرابی لہر محسوس ہونے لگی جیسے طشت میں پتھر گرنے سے پیدا ہو جاتی ہے اس دھڑکن میں سکون ہی نہیں پیدا ہوتا تھا ہم نے اس روز کچھ گورے رنگ کے آدمی دیکھے جو آسمان و زمین کے درمیان ابلق گھوڑوں پر سوار تھے ان کے سروں پر سرخ عمامے تھے جن کے پلے انہوں نے شانوں کے درمیان لٹکا رکھے تھے، ان کے دستے دستے (الگ الگ) تھے ہم کو ان کے رعب کی وجہ سے غور کر کے دیکھنے کی طاقت ہی نہیں تھی۔

وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَذٰلِكَ جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ اور کافروں کو اللہ نے عذاب دیا اور کافروں کی یہی سزا ہے۔

ابن ابی حاتم نے (عذاب کی تشریح میں) سدی کبیر کا قول نقل کیا ہے۔ یعنی ان کو تلوار سے قتل کر لیا۔ بزار نے قابل اعتماد سند کے ساتھ حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کے دن فرمایا ان کو خوب کاٹ ڈالو، حضور ﷺ نے یہ فرماتے وقت اپنے ہاتھ سے حلق کی طرف اشارہ کیا۔

بیہقی نے عبداللہ بن حارث کی روایت سے حضرت حارث کا بیان نقل کیا ہے کہ حنین کے دن اہل طائف میں سے اتنے ہی آدمی مارے گئے جتنے بدر کے دن مارے گئے تھے یعنی ستر۔ حنین میں بمقام اوطاس ام ایمن کے بیٹے ایمن اور سراقہ بن حارث اور یتیم بن ثعلبہ اور یزید بن زمعہ اور ابو عامر اشعری شہید ہو گئے۔

محمد بن عمر نے حضرت محمد بن عبداللہ بن صعصعہ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت سعد بن عبادہؓ نے چیخ کر تین بار خزرج کو پکارا اور حضرت اسیدؓ بن حضیر نے تین مرتبہ اوس کو آواز دی، دونوں قبیلے نداء سنتے ہی ہر طرف سے لوٹ پڑے جیسے شہد کی مکھیاں اپنے سردار (یعسوب) کی طرف لوٹتی ہیں۔

اہل مغازی نے لکھا ہے پھر مسلمانوں نے مشرکوں پر حملہ کر دیا اور اتنا قتل کیا کہ قتل کرتے کرتے تیزی سے ان کے بچوں اور عورتوں (کی حد) تک پہنچ گئے، یہ اطلاع رسول اللہ ﷺ کو پہنچ گئی تو فرمایا لوگ کیوں قتل کرتے کرتے بچوں تک پہنچ گئے۔ خوب سن لو بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ حضرت اسید بن حضیر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ تو مشرکوں کے بچے ہیں۔ فرمایا تم میں کے اچھے آدمی کیا مشرکوں کی اولاد نہیں ہیں ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے (اور فطرت پر رہتا ہے) جب تک کہ اس کی زبان کھلے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا عیسائی بنا دیتے تھے۔

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ مشائخ ثقیف کہتے تھے ہم خیال کر رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ہمارے تعاقب میں ہیں یہاں تک کہ ہم میں کے جو لوگ طائف کے قلعہ میں گھس بھی جاتے تھے یہی گمان کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ ان کے پیچھے پیچھے آ رہے ہیں، شکست کا رعب ان پر ایسا پڑا تھا۔ اللہ نے اپنے دشمنوں کو ہر طرف سے شکست دے دی اور مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا قتل بھی کیا اور ان کے بچوں عورتوں کو گرفتار بھی کیا مالک بن عوف اور اس کی قوم کے کچھ سردار بھاگ کر طائف کے قلعہ میں پناہ گیر ہو گئے۔

ابن اسحاق اور محمد بن عمر وغیرہ کا بیان ہے کہ شکست کھانے کے بعد مالک بن عوف اور کچھ ہوازن کے آدمی طائف میں

Marfat.com

آگئے اور کچھ لوگوں نے اوطاس میں ہی لشکر گاہ بنالی اور کچھ نخلہ کی طرف چلے گئے اور جو لوگ گھاٹیوں میں چلے گئے ان کا پیچھا نہیں کیا گیا اور ربیعہ بن رفیع سلمی نے درید بن الصمہ کو قتل کر دیا۔

بغویؒ کا بیان ہے جب مشرک شکست کھا کر پیٹھ دے کر بھاگے تو اوطاس پہنچے وہاں ان کے بیوی بچے اور مویشی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک اشعری آدمی کو جس کا نام ابوعامر تھا لشکر کا کمانڈر بنا کر اوطاس کو بھیجا۔ وہاں اس فوج کی مشرکوں سے لڑائی ہوئی درید بن الصمہ مارا گیا مشرکوں کو شکست ہو گئی مسلمانوں نے ان کے بیوی بچوں کو قید کر لیا۔ مالک بن عوف نصری بھاگ کر طائف چلا گیا اور وہاں قلعہ بند ہو گیا اور اس کے جانور اور اہل و عیال گرفتار ہو گئے۔ مسلمانوں کا امیر ابوعامر بھی شہید ہو گیا۔ اہل مکہ نے جب دیکھا کہ اللہ نے اپنے رسول کو فتحیات اور اپنے دین کو غالب کر دیا تو ان میں سے بکثرت آدمی مسلمان ہو گئے مال غنیمت جو جمع کیا گیا تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کو جعرانہ لے جانے کا حکم دیا حکم کی تعمیل کی گئی یہاں تک کہ طائف کے محاصرہ سے فارغ ہو کر خود حضور ﷺ بھی جعرانہ آ گئے۔ ابن سعد اور مولف العیون نے لکھا ہے کہ قیدی چھ ہزار اونٹ ۲۴ ہزار اور بھیڑ بکریاں چالیس ہزار سے زائد تھیں اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی۔ عبدالرزاق نے سعید بن مسیب کی روایت سے لکھا ہے کہ اس روز چھ ہزار عورتیں اور لڑکے قید کئے گئے اور ابوسفیان بن حرب کو مال غنیمت کا نگران مقرر کیا گیا بلاذری نے کہا بدیل بن ورقاء خزاعی کو اور ابن اسحاق نے کہا مسعود بن عمر غفاری کو نگران غنیمت مقرر کیا گیا تھا اور خود رسول اللہ ﷺ نے فوجی چھاؤنی ڈال دی ثقیف کے لوگ اپنے قلعہ پر چڑھ کر قلعہ بند ہو گئے۔ یہ قلعہ عرب کے سارے قلعوں میں بے نظیر تھا۔ قلعہ کے اوپر انہوں نے سو تیر انداز مقرر کر دیئے جنہوں نے دور والوں پر تیر برسانے شروع کر دیئے اور جو لوگ قلعہ کے قریب پہنچ گئے تھے ان پر وہ آگ میں تپائی ہوئی چنگاریاں برساتی ہوئی لوہے کی چھریاں پھینکتے تھے اتنی کثرت سے انہوں نے تیر برسائے کہ معلوم ہوتا ایک ٹڈی دل ہے بہت مسلمان زخمی ہوئے اور بارہ آدمی شہید ہو گئے اور رسول اللہ ﷺ اس جگہ پر چڑھ گئے جہاں بنی ثقیف نے مسلمان ہونے کے بعد مسجد بنا دی ہے۔ عمرو بن امیہ ثقفی نے جو آخر میں مسلمان ہو گیا تھا اپنی جماعت سے کہا اگر محمد میدان میں نکل کر دو بدو جنگ کی دعوت دیں تو کوئی (کسی مسلمان سے دو بدو) لڑنے کے لئے باہر نہ نکلے جب تک وہ یہاں پڑے رہیں پڑا رہنے دو چنانچہ حضرت خالد بن ولید نے میدان میں نکل کر اپنے حریف کو طلب کیا تو کسی نے اوپر سے جھانکا بھی نہیں آپ نے پھر دعوت دی تب بھی کوئی نہیں اترا بلکہ عبدیالیل نے کہا کوئی تمہارے مقابلہ پر نہیں اترے گا۔ ہم قلعہ کے اندر ہی رہیں گے۔ ہم نے برسوں کے لئے کھانے پینے کی چیزیں رکھ چھوڑی ہیں، جب یہ راشن ختم ہو جائے گا اور تم اس وقت تک یہاں پڑے رہو گے تو ہم سب کے سب نکل کر تلواروں سے تمہارا مقابلہ آخر دم تک کریں گے الحاصل رسول اللہ ﷺ تیروں سے ان کا مقابلہ کرتے رہے اور وہ بھی قلعہ کے اوپر سے تیر پھینکتے رہے، کوئی باہر نکل کر نہیں آیا۔ بنی ثقیف کے تیروں سے بہت لوگ زخمی ہوئے اور ایک جماعت شہید بھی ہو گئی۔ ابن اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ مشائخ کہتے تھے رسول اللہ نے اعلان کیا جو غلام قلعہ سے اتر کر ہمارے پاس آ جائے گا وہ آزاد ہے چنانچہ دس سے کچھ زائد لوگ قلعہ سے نکل کر آ گئے اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو آزاد کر دیا۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ کیا حضرت سلمان فارسی نے عرض کیا میری رائے میں گوپھن نصب کر کے قلعہ پر پتھر برسائے جائیں دور اسلام میں (مسلمانوں کی طرف سے) یہ پہلی گوپھن لگائی گئی جس سے پتھر پھینکے گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے انگور کی ٹہنیاں اور کھجور کے درخت کاٹ دیئے جائیں۔ آپ ﷺ نے ہر مسلمان کو مامور کر دیا کہ پانچ درخت (کھجور کے) اور پانچ بیلیں (انگور کی) قطع کر دے، مسلمانوں نے بے دریغ بکثرت درخت کاٹنے شروع کر دیئے۔ بنی ثقیف نے پکار کر کہا تم ہمارا مال کس حق سے کاٹتے ہو اگر تم ہم پر غلبہ پا لو گے تو یہ مال تمہارا ہو جائے گا ورنہ اس کو اللہ اور قرابت کا لحاظ کر کے چھوڑ دو۔ حضور نے فرمایا میں اس کو اللہ اور قرابت کا لحاظ کر کے چھوڑ دیتا ہوں۔ ابن اسحاق کا بیان ہے مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوبکر سے فرمایا میں نے خواب دیکھا کہ مکھن سے بھرا ہوا ایک بڑا پیالہ مجھے ہدیہ میں پیش کیا گیا ایک مرغ نے اس کو دیکھ لیا اور پیالہ میں جو کچھ تھا اس کو

Marfat.com

گرادیا، حضرت ابو بکر نے عرض کیا میرے خیال میں آج آپ وہ چیز نہیں پاسکتے جو آپ کو مطلوب ہے (یعنی طائف کا قلعہ فتح نہ ہوگا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور میں (بھی) یہ نہیں سمجھتا۔

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ جب طائف کے محاصرہ کو ۱۵ دن گزر گئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت نوفل بن معاویہ دئلی سے مشورہ کیا اور فرمایا نوفل اس جگہ ٹھیرنے کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے۔ نوفل نے عرض کیا یا رسول اللہ لومڑی بھٹ کے اندر ہے اگر آپ یہاں پڑے رہیں گے تو (کبھی نہ کبھی) اس کو پکڑ لیں گے اگر چھوڑ دیں گے تو یہ لومڑی آپ کو ضرر نہ پہنچا سکے گی، بقول شجاع حضرت عمر و حضرت ابن عمر نے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے طائف کا محاصرہ کر لیا اور کچھ حاصل نہ ہوا تو فرمایا انشاء اللہ ہم کل لوٹ جائیں گے۔ صحابہ کو یہ بات شاق ہوئی اور وہ کہنے لگے آپ یوں ہی جا رہے ہیں ہم فتح حاصل کر بھی نہ سکے۔ حضور ﷺ نے فرمایا (اچھا) کل صبح کو نکلنا چنانچہ دوسرے دن صبح کو صحابہ نکلے۔ اور سخت جنگ کی اور خوب زخمی ہوئے (مگر قلعہ فتح نہ ہوا) حضور نے فرمایا انشاء اللہ کل صبح ہم لوٹ جائیں گے اب یہ بات لوگوں کو پسند آئی حضور یہ دیکھ کر ہنس دیئے۔

صالحی نے ذکر کیا ہے کہ طائف میں بارہ مسلمان شہید ہوئے۔

حضرت عروہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا (کل) اونٹ چرنے کے لئے نہ چھوڑے جائیں صبح ہوئی تو آپ نے اور صحابہ نے کوچ کر دیا اور لوٹنے کے لئے سوار ہو گئے تو دعا کی اے اللہ ان کو ہدایت کر دے اور ہم کو ان کی مشقت سے بچالے (یعنی ان کے دلوں میں ایمان ڈال دے تاکہ ہم پر یہ حملہ نہ کریں اور ہم ان پر لشکر کشی نہ کریں)۔ ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے اور اس کو حسن کہا ہے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ثقیف کے تیروں نے ہم کو جلا ڈالا، آپ ان کے لئے بد دعا کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے دعا کی اے اللہ ثقیف کو ہدایت کر اور ان کو ایمان بنا کر لے آ۔

ابن اسحاق کی ایک روایت میں آیا ہے کہ طائف کا محاصرہ تیس رات یا اس کے قریب قریب رہا۔ دوسری روایت سے میں بیس رات سے کچھ اوپر مدت محاصرہ بتائی ہے۔ بعض نے بیس دن کہا ہے بعض کے نزدیک دس دن سے کچھ زیادہ محاصرہ رہا۔ ابن حزم نے کہا یہی بلاشک صحیح ہے۔ امام احمد و مسلم نے حضرت انس کی روایت سے لکھا ہے کہ مسلمانوں نے چالیس دن طائف کا محاصرہ رکھا ہدایہ میں اس روایت کو غریب کہا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے مہینہ کے جتنے دن باقی تھے اتنی روز محاصرہ رکھا یعنی شوال کے مہینہ کے جو دن باقی تھے ان میں محاصرہ جاری رہا۔ جب ماہ ذیقعدہ آگیا تو چونکہ یہ مہینہ حرمت کا تھا (اس میں جنگ و جدال حرام تھا) اس لئے محاصرہ اٹھا کر لوٹ آئے۔ میں کہتا ہوں یہی بات ابن حزم کے قول کے موافق ہے۔ بعض لوگ قائل ہیں کہ ماہ ہائے حرام میں قتال کرنا جو پہلے حرام تھا وہ (اس آیت سے منسوخ کر دیا گیا مگر اس آیت میں حرمت ذیقعدہ کو منسوخ کرنے پر کوئی دلالت نہیں وہاں اگر ایک ماہ یا اس سے زائد محاصرہ قرار دی جائے تو ضرور ماہ ذیقعدہ میں قتال کا ثبوت ہو جائے گا۔

پھر یہاں سے رسول اللہ ﷺ جعرانہ کو تشریف لے گئے اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھا۔

ثُمَّ يَتُوبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ پھر اس کے بعد اللہ جس کو اسلام کی ہدایت دینی چاہے گا۔ اس کو توبہ کی توفیق دے دے گا۔ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اور اللہ بڑا معاف کرنے والا مہربان ہے۔ ابن اسحاق نے یونس بن بکر کی وساطت سے حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے۔ ابن عمر نے فرمایا، میں حنین میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا جب ہوازن پر مال اور اہل و عیال کی گرفتاری کی مصیبت جو پڑی تھی وہ پڑ گئی تو پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بمقام جعرانہ ہوازن کا ایک وفد آیا جس میں چودہ آدمی تھے جن میں رسول اللہ ﷺ کا رضاعی چچا بوبر قان بھی شامل تھا۔ اس وفد کا سرگروہ زہیر بن صرد تھا۔ یہ سب لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ بوبر قان نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سب کی جڑ ایک اور کنبہ ایک ہے اور جو مصیبت ہم پر پڑی ہے وہ آپ سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اب

Marfat.com

آپ ہم پر کرم کریں اللہ آپ پر کرم کرے گا۔ زبیر نے کھڑے ہو کر اپنے خطاب میں کہا۔ یارسول اللہ ﷺ ان باڑوں کے اندر جو قیدی عورتیں ہیں وہ آپ کی پھوپھیاں اور خالائیں ہیں۔ یعنی رضاعی۔ اور وہ عورتیں ہیں جنہوں نے آپ کو گود میں کھلایا ہے اور جو آپ کی خدمت ذمہ داری کے ساتھ کرتی رہی ہیں اگر ہمارا انکر اؤ حارث بن ابی شمر (غانی) شاہ شام یا نعمان بن منذر شاہ عراق سے ہوتا اور ان کی طرف سے ہم پر ایسی مصیبت پڑتی جیسی آپ کے حملے سے پڑی ہے تو ہمیں امید تھی کہ (آخر میں) وہ ہم پر مہربانی اور رحم کرتے اور یارسول اللہ آپ تو سب سے بڑھ کر کفیل ہیں پھر اس نے حضور ﷺ کو کچھ شعر پڑھ کر سنائے۔

صالحی کا بیان ہے کہ زبیر بن صرد جشمی کہتے تھے، جب حنین اور ہوازن کے دن رسول اللہ ﷺ نے ہم کو قید کر لیا اور پھر لشکر میں قیدیوں کی اور بھیڑ بکریوں کی تقسیم کرنے لگے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا یا رسول اللہ ﷺ ہم پر کرم و احسان کیجئے۔ آپ ہی ایسے شخص ہیں جس سے ہم (کرم کے) امیدوار اور منتظر احسان ہیں میں نے کچھ اشعار پڑھے۔ حضور ﷺ نے اشعار سن کر فرمایا میرا اور اولاد عبدالمطلب کا اس مال غنیمت اور قیدیوں میں جو حصہ ہے وہ تمہارے لئے ہے یعنی تم واپس لے لو میں دست بردار ہوتا ہوں قریش نے جو یہ بات سنی تو وہ بولے ہمارا جو حصہ ہے وہ اللہ اور اس کے رسول کا ہے اور رسول نے اپنا حصہ واپس کر دیا لہٰذا ہم بھی اپنے حصے واپس کرتے ہیں اور انصار نے بھی یہی کہہ دیا۔ صالحی نے کہا اس حدیث کی سند بہت بڑھیا اور کھری ہے۔ مقدسی نے بھی اس کو اپنی صحیح میں لکھا ہے اور ابن حجر نے اس کی حسن ہونے کو ترجیح دی ہے۔ بخاری نے صحیح میں مروان اور مسور بن مخرمہ کی روایت سے یہ قصہ اس طرح نقل کیا ہے کہ جب ہوازن والے مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے مال اور اہل و عیال کی واپسی کے لئے درخواست کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھ جو لوگ ہیں ان کو تم دیکھ رہے ہو اور مجھے سب سے اچھی بات وہی لگتی ہے جو سچی ہو (پس سچی اور صاف بات یہ ہے کہ) تم دونوں میں سے ایک چیز واپس لے لو یا قیدی یا مال بنی ہوازن نے کہا ہم قیدیوں کی واپسی پسند کرتے ہیں۔ اس گفتگو کے بعد رسول اللہ ﷺ (خطاب کرنے) کھڑے ہوئے اور مناسب حمد و ثناء کے بعد فرمایا۔ امابعد۔ اب تمہارے بھائی توبہ کر کے تمہارے پاس آئے ہیں۔ میں ان کے قیدیوں کو واپس کرنا چاہتا ہوں تم میں سے جو شخص بخوشی خاطر ایسا کرنا چاہئے کرے اور جو شخص اپنے حصہ پر قائم رہنا پسند کرے اس کو ہم (اس کے حصہ کا معاوضہ) اس مال میں سے جو اللہ سب سے پہلے بطور غنیمت عطا فرمائے گا دے دیں گے۔ لوگوں نے عرض کیا ہم نے بخوشی خاطر ایسا کیا (یعنی بلا شرط معاوضہ قیدیوں کو واپس کرنے پر رضامند ہیں) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے یہ نہیں معلوم ہوا کہ تم میں سے کس نے اجازت دے دی اور کس نے نہیں دی۔ لہٰذا لوٹ کر جاؤ اور جو تمہارے نمائندے ہیں وہ آکر مجھے تمہاری رائے بتائیں لوگ واپس چلے گئے اور ان کے سرداروں نے ان سے گفتگو کی پھر حضور کی خدمت میں واپس آئے اور عرض کیا کہ سب نے بخوشی خاطر اجازت دے دی۔

ابوداؤد بیہقی اور ابویعلی نے بیان کیا کہ حضرت ابوالطفیل نے کہا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ جعرانہ میں گوشت تقسیم کر رہے ہیں (شاید گوشت سے مراد بھیڑ بکریاں ہوں) اتنے میں ایک بدوی عورت آکر رسول اللہ ﷺ کے قریب پہنچ گئی، حضور ﷺ نے اس کے لئے اپنی چادر بچھا دی وہ چادر پر بیٹھ گئی۔ میں نے لوگوں سے پوچھا یہ کون عورت ہے۔ لوگوں نے بتایا یہ رسول اللہ ﷺ کی رضاعی ماں ہے (دودھ پلانے والی) ابوداؤد نے مراسیل میں حضرت عمرو بن سائب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک روز بیٹھے ہوئے تھے اتنے میں آپ کا رضاعی باپ آیا۔ آپ نے اس کے لئے اپنے کپڑے کا کچھ حصہ بچھا دیا۔ وہ اس پر بیٹھ گیا پھر آپ کی رضاعی ماں آئیں آپ نے ان کے لئے اسی کپڑے کا دوسرا حصہ بچھا دیا وہ اس پر بیٹھ گئیں پھر آپ کا رضاعی بھائی آیا آپ کھڑے ہو گئے اور اس کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔

محمد بن عمر کا بیان ہے جب حنین کے دن مشرکوں کو شکست ہو گئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کا تعاقب کرنے کا حکم دیا اور فرمایا اگر قبیلہ بنی سعد کا بجاء تمہارے ہاتھ لگ جائے تو اس کو نہ چھوڑنا اس شخص نے ایک بڑا جرم کیا تھا۔ ایک مسلمان کو پکڑ کر اس کا ایک ایک عضو کاٹ کر ٹکڑے ٹکڑے کیا تھا پھر اس کو آگ میں جلایا تھا۔ وہ بھی اپنے جرم سے واقف تھا اس لئے بھاگ گیا تھا مگر

Marfat.com

سواروں نے اس کو پکڑ لیا اور حارث بن عبدالعزی کی بیٹی شیما کے ساتھ جو رسول اللہ ﷺ کی رضاعی بہن تھی لا کر قید کر دیا تھا۔ شیما کہنے لگی واللہ! میں تو تمہارے سردار کی بہن ہوں مگر لوگوں نے اس کی بات سچ نہیں سمجھی اور پکڑ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے آئے شیما نے حضور ﷺ سے کہا محمد ﷺ میں تو تمہاری بہن ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نشانی کیا ہے شیما نے اپنا انگوٹھا دکھایا جس پر کاٹنے کا نشان تھا اور کہنے لگی یہ نشان تمہارے کاٹنے کا ہے ہم تمہارے اور اپنے ماں باپ کے جانور وادی سرب میں چراتے تھے میں تم کو کولھے پر بٹھائے ہوئے تھی کہ تم نے میرے انگوٹھے میں کاٹا تھا، ماں کا دودھ پینے پر میرا تمہارا نزاع ہوتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے نشانی پہچان لی اور کود کر فوراً کھڑے ہو گئے۔ شیما کے لئے اپنی چادر بچھا دی اور فرمایا اس پر بیٹھ جاؤ، حضور نے اس کو مرحبا کہا آنکھوں میں آنسو آ گئے اور رضاعی ماں باپ کی خبر دریافت کی۔ شیما نے کہا ان کا انتقال ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم یہاں رہنا چاہو تو عزت و تکریم کے ساتھ تم کو رکھا جائے گا اور واپس اپنی قوم میں جانا ہو تو حفاظت کے ساتھ تم کو واپس پہنچا دیا جائے گا۔ شیما نے کہا میں اپنی قوم کے پاس واپس جانا چاہتی ہوں پھر شیما مسلمان ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس کو تین باندی غلام دیئے اور ایک یا دو اونٹ دینے کا حکم دیا۔ اور فرمایا تم جعرانہ کو جا کر اپنی قوم کے ساتھ رہو، میں اب طائف کو جا رہا ہوں، شیما جعرانہ کو لوٹ گئی پھر (طائف سے واپس آ کر) جعرانہ میں رسول اللہ ﷺ نے اس سے ملاقات کی اور اس کو اس کے بقیہ گھر والوں کو اونٹ اور بکریاں عطا فرمائیں۔ شیما نے بجاد کو معاف کر دینے کی درخواست کی رسول اللہ ﷺ نے درخواست قبول کر لی اور جیسا شیما نے کہا ویسا ہی کر دیا)۔

ابن اسحاق نے یونس بن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہوازن کے قیدیوں کو واپس کر چکے تو اونٹ پر سوار ہو کر چل دیئے لوگ آپ کے پیچھے پڑ گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ مال غنیمت ہم کو بھی تقسیم کیجئے۔ لوگوں نے آپ کا پیچھا اتنا کیا کہ لوگوں کے ریلے سے مجبور ہو کر آپ ایک درخت سے لگ کر کھڑے ہو گئے۔ لوگوں نے حضور ﷺ کی چادر بھی کھینچ لی۔ آپ ﷺ نے فرمایا لوگو! میری چادر واپس دے دو۔ قسم ہے اس کی جس کے دست تصرف میں میری جان ہے اگر تہامہ کے درختوں کے برابر بھی میرے پاس اونٹ ہوتے تو وہ بھی میں تم کو بانٹ دیتا پھر تم مجھے نہ بخیل پاتے نہ دروغ گو۔ (اگر اس جگہ عبارت میں شرطیہ جملہ ہونے کی وجہ سے ماضی کے صیغوں کا مضارع سے ترجمہ کیا جائے تو اس طرح ہو گا کہ اگر تہامہ کے درختوں کے برابر بھی میرے پاس اونٹ ہوں گے تو میں تم کو بانٹ دوں گا)۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مؤلفۃ القلوب کو بھی حصہ دیا۔ مولفۃ القلوب عرب کے کچھ سردار تھے جن کی تالیف قلب (بر قول محمد بن عمر مال دے کر) رسول اللہ ﷺ کو مقصود تھی۔ آپ نے ان کو تقسیم مال کے وقت سب لوگوں سے پہلے حصہ دیا۔ صالحی کا قول ہے ان میں سے بعض آدمیوں کو سو اور بعض کو پچاس اونٹ دیئے ان کی مجموعی تعداد پچاس سے زائد تھی۔ صالحی نے ان کے نام بھی ذکر کئے ہیں اور ۵۷ نام بیان کئے ہیں۔

شیخین نے صحیحین میں لکھا ہے کہ حضرت حکیم بن حزام نے بیان کیا، میں نے حنین میں رسول اللہ ﷺ سے سو اونٹ مانگے۔ آپ نے عنایت فرما دیئے میں نے پھر سو اونٹ مانگے آپ نے وہ بھی دے دیئے اور دینے کے بعد فرمایا، حکیم یہ مال شیریں ہے جو شخص سخاوت نفس کے ساتھ اس کو لے گا اس کو مال میں برکت حاصل ہو گی، اور جو دل کی حرص سے لے گا اس کو برکت حاصل نہ ہو گی۔ جیسے کوئی کھائے اور (کتنا ہی کھائے) پیٹ نہ بھرے اوپر کا ہاتھ نچلے ہاتھ سے بہتر ہوتا ہے اور دینا ان لوگوں سے شروع کرو جن کے تم سرپرست ہو حکیم نے عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے آپ کے بعد میں کسی سے کچھ مانگ کر اپنی ذلت نہیں کروں گا چنانچہ حضرت عمر اپنے عہد خلاف میں) حضرت حکیم کو ان کا حصہ دینے کے لئے طلب فرماتے تھے اور حکیم لینے سے انکار کر دیتے تھے حضرت عمر فرماتے تھے لوگو میں تم کو گواہ بناتا ہوں کہ میں حکیم کو ان کا حصہ دے رہا ہوں اور وہ لینے سے انکار کر رہے ہیں۔

ابن ابی الزیاد کی روایت ہے کہ حضرت حکیم نے پہلی مرتبہ کے سو اونٹ تو لے لئے تھے اور باقی (دوسری مرتبہ کے اونٹ) چھوڑ دیئے۔

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ نے سہیل بن عمرو کو سو اونٹ دیئے تھے اور ابوسفیان بن حرب کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی اور معاویہ بن ابوسفیان کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی اور یزید بن ابوسفیان کو سو اونٹ اور چالیس اوقیہ چاندی۔

بخاری کی روایت ہے کہ صفوان (بن امیہ) نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ سے مجھے ہر مخلوق سے زیادہ نفرت تھی لیکن حنین کا مال غنیمت آپ نے پیہم مجھے اتنا دیا کہ میری نظر میں اللہ کی کوئی مخلوق آپ سے زیادہ پیاری نہیں رہی۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے صفوان کو سو اونٹ عطا فرمائے۔ پھر سو دیئے، پھر سو دیئے، محمد بن عمر کا بیان ہے کہ صفوان رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب مال غنیمت کی تلاش (جنگل میں ہر طرف) کرتے پھر رہے تھے ایک گھاٹی کی طرف سے گزر ہوا۔ گھاٹی میں بکریاں اونٹ اور ان کے چرواہے بھرے پڑے تھے۔ یہ مال غنیمت تھا جو اللہ نے اپنے رسول کو بغیر مقابلہ اور جنگ کے عطا کیا تھا۔ صفوان کو وہ مال مویشی بہت پسند آئے اور گھاٹی کی طرف دیکھنے لگے۔ ——— رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوہب کیا تم کو یہ گھاٹی پسند ہے۔ صفوان نے جواب دیا جی ہاں فرمایا وہ مع ان چیزوں کے جو اس کے اندر ہیں تمہاری ہو گئی۔ صفوان نے عرض کیا میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ بلاشبہ اللہ کے رسول ہیں نبی کے سوا کسی اور کا دل بخوشی خاطر کبھی اس کو دینا پسند نہیں کر سکتا۔ امام احمد مسلم اور بیہقی نے حضرت رافع بن خدیج کا بیان ذکر کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مولفۃ القلوب میں سے ہر ایک مرد کو حنین کے مال غنیمت سے سو سو اونٹ عطا کئے۔ اسی بیان میں آیا ہے کہ عباس بن مرداس کو سو سے کم دیئے، اس پر عباس نے یہ شعر کہے کیا آپ میرا مال غنیمت میں حصہ عیینہ (بن حصن فزاری) اور اقرع (بن حابس) کے حصے کے برابر قرار دے رہے ہیں حالانکہ حصن اور حابس کے کارنامے تو (میرے باپ) مرداس کے ہم پلہ نہ تھے۔ الخ۔ یہ اشعار سن کر رسول اللہ ﷺ نے عباس کو بھی پورے سو اونٹ دے دیئے۔ عثمان بن وہب، عدی بن قیس عمیر بن وہب علاء بن جاریہ اور مخرمہ بن نوفل میں سے ہر ایک کو پچاس پچاس اونٹ دیئے۔ پھر حضرت زید بن ثابت کو حکم دیا کہ مردم شماری کریں اور مال غنیمت کی مقدار بھی معلوم کریں۔ اس کے بعد لوگوں کو حصہ وار مال تقسیم کیا گیا، ہر پیدل کو چار اونٹ یا چالیس بکریاں ملیں۔ گھوڑے کے سوار کو بارہ اونٹ یا ایک سو بیس بکریاں دی گئیں (یعنی سوار کا حصہ پیدل سے تین گنا لگایا گیا) اگر کسی سوار کے پاس ایک گھوڑے سے زیادہ گھوڑے نکلے تو مزید گھوڑے کا حصہ نہیں لگایا گیا پہلے لکھا جا چکا ہے کہ مال غنیمت کے کل اونٹ چوبیس ہزار تھے اور کل بکریاں چالیس ہزار یا اس سے زائد تھیں اور یہ بھی ثابت ہے کہ ایک اونٹ کو دس بکریوں کے برابر قرار دیا گیا ہے اس طرح چار ہزار اونٹ چالیس ہزار بکریوں کے برابر ہوئے اور اونٹوں کی کل تعداد ۲۸ ہزار ہو گئی اور مولفۃ القلوب کو چار ہزار اونٹوں کے لگ بھگ دیئے گئے اس صورت میں کل اونٹوں کا خمس الخمس یعنی پچیسواں حصہ یا اس سے کچھ زائد تو مولفۃ القلوب کو دیا نہیں گیا بلکہ کل مال کا لگ بھگ ساتواں حصہ دیا گیا۔ ایسی حالت میں دو باتوں میں سے ایک بات کا اقرار کرنا ہو گا یا تو بغیر سابقہ اعلان اور پیشگی شرط کے رسول اللہ ﷺ نے کل مال غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے جتنا چاہا بطور انعام مولفۃ القلوب کو دے دیا یا ۱/۵ یعنی کل مال کا تقریباً پانچواں حصہ مستحقین کے صرف ایک گروہ کو رسول اللہ ﷺ نے عطا فرما دیا اور مولفۃ القلوب کو حاجت مندوں کے گروہ میں شمار کر کے تقریباً خمس ان کو دے دیا۔ کل لشکر بارہ ہزار یا سولہ ہزار تھا اس میں کچھ سوار بھی تھے پیادہ کے حصہ میں فی کس چار اونٹ آئے اور سوار کو فی کس ۱۲ اونٹ ملے اس طرح کل غنیمت کے اونٹ لگ بھگ ساٹھ ہزار ہوتے ہیں اور تھے چوبیس یا اٹھائیس ہزار پھر یہ کہاں سے آئے اس کی تصحیح کے لئے کہا جا سکتا ہے کہ سامان کی قیمت اور نقد روپیہ کو جانوروں کے ساتھ ملا کر ساٹھ ہزار اونٹوں کی تعداد شاید قائم کر لی گئی (اس کے بغیر کوئی تاویل ممکن نہیں)۔

محمد بن اسحاق نے بروایت محمد بن حارث تیمی بیان کیا کہ کسی صحابی نے جن کا نام محمد بن عمر نے سعد بن ابی وقاص بتلایا ہے، رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس کو تو سو سو اونٹ عطا فرما دیئے اور جعیل بن سراقہ ضمری کو نظر انداز کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ جعیل بن سراقہ تو عیینہ بن حصن اور اقرع بن حابس جیسے تمام اہل ارض سے کہیں بہتر ہے لیکن میری غرض ان دونوں

Marfat.com

کو جوڑے رکھنا ہے تاکہ یہ مسلمان رہیں اور جعیل بن سراقہ کو تو میں نے اس کے اسلام کے سپرد کر دیا ہے (اس کا اسلام اتنا مضبوط ہے کہ وہ اپنی جگہ سے نہیں ہلے گا)۔

بخاری نے حضرت عمرو بن تغلبہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ لوگوں کو مال دیا اور کچھ کو نہیں دیا معلوم ایسا ہوتا تھا کہ جن کو کچھ نہیں دیا وہ ناراض ہو گئے۔ اس پر حضور نے فرمایا مجھے جن لوگوں کی حرص اور بھوک سے (ان کے ضعیف الاسلام ہو جانے یا اسلام سے پھر جانے کا) اندیشہ ہوتا ہے تو میں ان کو مال دیتا ہوں اور کچھ لوگوں کو ان کے قلبی مضبوط اسلام اور بے نیازی کے سپرد کر دیتا ہوں (ان کو کچھ نہیں دیتا) انہی میں سے عمرو بن ثعلب بھی ہے۔ حضرت عمرو کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا یہ لفظ مجھے اپنے لئے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ پیارا ہو گیا اسی جگہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا باوجود یہ کہ بعض لوگ مجھے زیادہ عزیز ہوتے ہیں لیکن ان کو چھوڑ کر میں بعض ایسے لوگوں کو دیتا ہوں کہ (مال نہ پہنچنے کی صورت میں) اس کے اوندھے منہ دوزخ میں گر جانے کا مجھے اندیشہ ہوتا ہے (یعنی مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ اگر ان کو نہ دوں گا تو یہ مرتد ہو کر جہنم میں گر پڑیں گے) رواہ البخاری عن سعد بن ابی وقاص۔

محمد بن اسحٰق اور امام احمد نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے اور امام احمد و شیخین نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے نیز شیخین نے حضرت عبداللہ بن یزید بن عاصم کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حنین کا مال غنیمت حاصل کرنے کے بعد قریش کے مولفۃ القلوب اور دوسرے عربوں کو حسب مرضی تقسیم کر دیا دوسری روایت میں آیا ہے کہ ایک ایک کو سو سو اونٹ دیئے مگر انصار کے لئے کچھ نہ ہوا نہ تھوڑا دیا نہ بہت اس پر انصاریوں کے دلوں میں کچھ احساس ہوا اور چہ میگوئیاں خوب ہونے لگیں، بعض لوگ یہاں تک کہنے لگے کہ اللہ اپنے رسول کو معاف کرے یہ عجیب بات ہے وہ قریش کو دے رہے ہیں اور ہم کو چھوڑ رہے ہیں حالانکہ ہماری تلواروں سے دشمنوں کا خون ٹپک رہا ہے اگر کوئی سخت مصیبت آتی ہے تو ہم کو بلایا جاتا ہے اور مال غنیمت ہم کو چھوڑ کر دوسروں کو دیا جاتا ہے یہ تقسیم کس کے حکم سے ہو رہی ہے۔ اگر اللہ کے حکم سے ہو رہی ہے تو ہم صبر کریں گے۔ اور اگر خود رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ہو رہی ہے تو ہم آپ کی ناراضگی دور کرنے کی کوشش کریں گے ایک انصاری نے کہا میں تو تم سے پہلے ہی کہتا تھا کہ جب سب کام ٹھیک ہو جائیں گے تو یہ رسول اللہ ﷺ دوسروں کو تم پر ترجیح دیں گے دوسرے لوگوں نے اس انصاری کو سختی کے ساتھ ڈانٹ دیا۔ حضرت انس کا بیان ہے ان باتوں کی اطلاع رسول اللہ تک پہنچ گئی۔ حضرت ابو سعید کا بیان ہے کہ اس کے بعد حضرت سعد بن عبادہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ انصاریوں کا یہ قبیلہ اپنے دلوں میں آپ سے ناراض ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا وجہ ہے حضرت سعد نے کہا مال غنیمت کی تقسیم کی وجہ سے آپ نے اپنی قوم کو اور دوسرے عربوں کو تو دیا اور انصاریوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوا حضور ﷺ نے فرمایا سعد تمہارا کیا خیال ہے۔ حضرت سعد نے کہا میں بھی اپنی قوم کا ایک فرد ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو پھر اپنی قوم والوں کو اس احاطہ کے اندر یکجا جمع کر لو۔ حضرت سعد نے باہر آ کر لوگوں کو جمع کر پکارنا شروع کیا اور سب کو جمع کر لیا۔ ایک مہاجر بھی آ گیا۔ حضرت سعد نے اس کو بھی انصار کے ساتھ بیٹھنے کی اجازت دے دی لیکن دوسرے مہاجرین نے درخواست کی تو حضرت سعد نے ان کی استدعا رد کر دی، اجازت نہیں دی۔ جب سب انصار آ گئے تو رسول اللہ ﷺ برآمد ہوئے اور اللہ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا اے گروہ انصار کیا تم گمراہ نہ تھے پھر (میرے ذریعہ سے) اللہ نے تم کو ہدایت فرمائی، کیا تم نادار نہ تھے پھر اللہ نے تم کو مالدار کر دیا کیا تم آپس میں دشمن نہ تھے پھر اللہ نے تمہارے دلوں کو ملا دیا۔ انصار نے عرض کیا بے شک ایسا ہی ہوا، اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کا ہم پر بڑا احسان اور کرم ہے اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ فرمایا، انصار نے اس کے جواب میں یہی کہا کہ اللہ اور اس کے رسول کا ہم پر بڑا احسان اور کرم ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اے گروہ انصار تم (دوسرے طور پر) جواب کیوں نہیں دیتے۔ انصار نے عرض کیا! رسول اللہ ﷺ ہم اور کیا کہیں اور آپ کو کیا جواب دیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہتے تو یوں کہہ سکتے تھے اور یہ بات سچی بھی ہوتی اور تمہاری تصدیق بھی کی جاتی کہ

Marfat.com

آپ ہمارے پاس (وطن اور قوم سے) بھاگ کر آئے تھے ہم نے آپ کو ٹھکانا دیا آپ نادار تھے ہم نے آپ کی ہمدردی کی آپ خوف زدہ تھے ہم نے آپ کو بے خوف بنایا، آپ کی کسی نے مدد نہیں کی تھی ہم نے آپ کی مدد کی۔ سب نے آپ کو جھوٹا قرار دیا تھا ہم نے آپ کی تصدیق کی۔ انصار نے جواب دیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا ہم پر بڑا احسان ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا پھر یہ کیا بات ہے، جو مجھے تمہاری طرف سے پہنچی ہے، انصار خاموش رہے۔ حضور ﷺ نے پھر یہی فرمایا، اس پر کچھ سمجھدار انصاریوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہمارے دانشمند طبقہ نے تو کچھ کہا نہیں، البتہ کچھ نوجوانوں نے کہا تھا کہ اللہ اپنے رسول کو معاف کرے وہ قریش کو دیتے ہیں اور ہم کو نہیں دیتے حالانکہ ان کا خون ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ایسے لوگوں کو دیتا ہوں جن کے کفر کا زمانہ ابھی حال ہی میں گزرا ہے اور ایمان ابھی پختہ نہیں ہوا ہے مجھے ان کو ملائے رکھنا ہے دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں میں قریش کو دیتا ہوں اس لئے کہ ان کا دور جاہلیت حال ہی میں گزرا ہے اور وہ دکھی ہیں، میں ان کے زخموں پر پٹی باندھ رہا ہوں اس روایت میں لفظ اجبر ہم۔ جبر سے مشتق ہے۔ جبر کا مفہوم کسر کی ضد ہے۔ یعنی جوڑنا جو توڑنے کی ضد ہے بعض روایات میں اجبر ہم بھی آیا ہے۔ اجبر اجازت سے مشتق ہے۔ یعنی جائز انعام دیتا ہوں۔ اے گروہ انصار کیا تم کو اپنے دلوں میں دنیائے حقیر مال کا احساس ہوا۔ جو ان نئے مسلمانوں کو جوڑے رکھنے کے لئے میں نے دیا اور تم کو تمہارے اسلام کے اعتماد پر چھوڑے رکھا جو اللہ نے تم کو نصیب کیا۔ اے گروہ انصار کیا تم اس سے خوش نہیں کہ لوگ تو بکریاں اور اونٹ لے کر گھروں کو جاتے ہیں دوسری روایت میں دنیا کا لفظ آیا ہے دنیا لے کر گھروں کو جائیں اور تم اللہ کے رسول کو لے کر گھروں کو لوٹو اور اللہ کے رسول کو گھروں میں رکھو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے کہ سب لوگ ایک گھاٹی پر چلیں اور انصار دوسری گھاٹی پر تو میں انصار کی راہ پر چلوں گا اور لوگ میرا ظاہر ہیں اور تم میرا باطن ہو انصار میرا جگر ہیں۔

میرے محل اسرار ہیں۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار ہی کا ایک فرد ہوتا۔ اے اللہ انصار پر انصار کی اولاد پر اور ان کی اولاد کی اولاد پر رحمت نازل فرما، انصار یہ تقریر سن کر رونے لگے ان کی ڈاڑھیاں تر ہو گئیں اور کہنے لگے ہم اللہ اور اللہ کے رسول کو اپنے نصیب اور حصہ میں پا کر خوش ہیں (ہم کو ان کے مقابلہ میں دنیا کا مال درکار نہیں) محمد بن عمر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بحرین کو بطور جاگیر انصار کے لئے لکھ دینے کا ارادہ کیا تاکہ آپ کے بعد بحرین انہی کے پاس رہے۔ بحرین اس زمانہ کے مفتوحہ علاقوں میں سب سے بڑھیا علاقہ تھا لیکن انصار نے انکار کر دیا اور عرض کیا آپ کے بعد ہم کو دنیا کی ضرورت نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار سے فرمایا تم میرے بعد دوسروں کو اپنے اوپر بہت زیادہ ترجیح پاؤ گے (یعنی حکومت اور دولت پر لوگ خود قابض ہو جائیں گے تم کو نہیں دیں گے) تو صبر کرنا یہاں تک کہ حوض کوثر پر تمہاری مجھ سے ملاقات ہو جائے۔ اہل مغازی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبیلہ ہوازن کے وفد سے فرمایا مالک بن عوف کا کیا ہوا انہوں نے عرض کیا وہ قبیلہ ثقیف کے ساتھ طائف کے قلعہ میں جا کر حصار بند ہو گیا۔ فرمایا اس سے کہہ دو کہ اگر وہ مسلمان ہو کر میرے پاس آ گیا تو میں اس کا مال متاع اور بیوی بچے واپس کر دوں گا اور سو اونٹ بھی دوں گا۔ رسول اللہ نے مالک کے بیوی بچوں کو مکہ میں ان کی پھوپھی ام عبد اللہ بنت ابو امیہ کے گھر قید کرنے کا حکم دے دیا تھا۔ مالک کو جب رسول اللہ کے اس سلوک کی اطلاع پہنچی اور معلوم ہوا کہ اس کے بیوی بچے محفوظ ہیں تو اس نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن اس کو اندیشہ ہوا کہ اگر قوم والوں کو یہ اطلاع مل گئی کہ رسول اللہ ﷺ مالک کے متعلق یہ الفاظ فرمائے ہیں تو وہ گرفتار کر لیں گے اسلئے اس نے خفیہ طور پر ایک اونٹنی کسی بندھی مقام وحنا میں بھیج دی اور خود رات کو قلعہ سے نکل کر گھوڑے پر بیٹھ کر وحناء میں پہنچ گیا اور وہاں سے اونٹ پر سوار ہو کر مقام جعرانہ میں یا مکہ میں حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ حضور ﷺ نے اس کے بیوی بچے اور مال و متاع واپس کر دیئے اور سو اونٹ بھی عنایت فرما دیئے۔ مالک مسلمان ہو گیا اور سچا مسلمان ثابت ہوا۔ قبائل دوس ہوازن ثقیف اور ثمالہ کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے مالک کو ان کا سردار بنا دیا اور کچھ دوسرے مسلمان بھی اس کے پاس سمٹ آئے حضورؐ نے سب کی کمانڈ مالک کے سپرد کر دی۔ مالک اپنی جماعت کو لے کر مشرکوں سے لڑنے لگا بلکہ ثقیف کے خلاف اس نے جنگ شروع

Marfat.com

کر دی۔ ثقیف کے جو مویشی جنگل میں چرنے کے لئے نکلتے تھے مالک ان کو لوٹ لیتا تھا اور اکا دکا جو آدمی ہاتھ لگتا تھا اس کو قتل کر دیتا تھا اور مال غنیمت کا پانچواں حصہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیتا تھا۔ ایک بار سو اونٹ بھیجے اور ایک بار ہزار بکریاں بھیڑیں، اہل طائف کے مویشی بھی مالک نے پکڑ لئے اور ایک دن میں ہزار بھیڑ بکریاں ہنکا لایا۔

ابن اسحاق نے بروایت یونس بیان کیا ہے کہ رمضان ۹ھ میں قبیلہ ثقیف کا وفد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔ یہ واقعہ غزوہ تبوک کے بعد کا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ — اے ایمان والو! مشرک تو ناپاک ہی ہیں۔

نَجَسٌ باب سَمِعَ اور کَرُمَ سے مصدر ہے اسی لئے اس کا تثنیہ آتا ہے نہ جمع۔ مذکر اور مونث دونوں کے لئے ایک ہی لفظ مستعمل ہے۔ مصدر غیر مصدر پر تحمول نہیں ہوتا اور خبر کا ثبوت مبتداء کے لئے ہوتا ہے اور خبر ہونے کی وجہ سے اس جگہ باوجود مصدر ہونے کے نجس کا ثبوت المشرکون کے لئے ہو رہا ہے تو یہ حمل) یا بطور مبالغہ کے ہے (یعنی مشرک اتنے ناپاک ہیں کہ بعینہٖ نجاست بن گئے ہیں کہ جو ان کو چھوئے اس کا ہاتھ بھی ناپاک ہو جائے، یا مصدر سے مراد ہے صفت (یعنی نجاست سے مراد ہے نجاست والے)۔

نَجَسٌ نِجْسٌ نَجِسٌ نَجُسٌ سب کے معنی ہیں ناپاک (قاموس) میں کہتا ہوں نجس وہ چیز ہے جس کو سلیم الطبع آدمی گندگی سمجھتے ہیں جیسے پیشاب، خون، پاخانہ یہی حقیقی نجاست ہے شریعت نے اسی کے حکم میں حکمی نجاست کو بھی داخل کر دیا ہے، بے وضو ہو جانا جنابت، حیض اور نفاس کا خاتمہ گویا سب نجاست۔ حکمی وہ ہے جو شریعت کے نزدیک نجاست ہے (اور نجاست حقیقی وہ ہے جس کو سلیم الطبع غیر مسلم بھی گندگی سمجھتے ہیں) چونکہ کافر کا باطن ناپاک ہے اس لئے شرعاً وہ ناپاک ہے اس سے اجتناب لازم ہے جس طرح حقیقی نجاست سے اجتناب نمازی کے لئے ضروری ہے اسی طرح کافر سے اجتناب لازم ہے۔ اس لئے کفار سے گہرا دلی تعاون درست نہیں۔ ضحاک اور ابو عبیدہ نے نجس کا ترجمہ کیا ہے قذر یعنی نجاست غلیظہ۔ بغوی نے لکھا ہے یہاں بدن کی نجاست مراد نہیں بلکہ نجاست حکمی مراد ہے بطور مذمت کافروں کو نجس فرمایا ہے۔ قتادہ نے کہا مشرک اس لئے نجس ہیں کہ جنابت کا غسل نہیں کرتے وضو نہیں کرتے نجاستوں سے اجتناب نہیں کرتے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ کتوں کی طرح کافروں کی نجاست جسمانی ہے، ان کے بدن نجس ہیں۔ ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اگر مشرک سے کوئی مصافحہ کر لے تو وضو کر لے۔ یا فرمایا اپنے دونوں ہاتھ دھو لے، یہ قول باجماع علماء متروک ہے۔ (گویا باجماع علماء یہ روایت ہی صحیح نہیں ہے۔

فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ — لہٰذا یہ مسجد حرام کے پاس بھی نہ آئیں۔ احناف کا قول ہے کہ مسجد حرام کے قریب آنے سے ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ حج و عمرہ نہ کریں ویسے مسجد حرام میں داخلہ کی ممانعت نہیں ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو موسم حج میں اعلان کرنے کے لئے بھیجا تھا کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اس اعلان سے مراد ہے حج و عمرہ کی ممانعت کرنا مسجد حرام میں کافر کے داخلہ کی ممانعت مقصود نہیں۔ لہٰذا دوسری مساجد میں کافروں کا داخلہ تو بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

قریب جانے کی ممانعت صرف کلام میں زور پیدا کرنے (اور حج و عمرہ کی سختی کیساتھ ممانعت کرنے) کیلئے کی گئی ہے۔

امام شافعی کے نزدیک حرم میں داخل ہونے کی ممانعت مقصود ہے کیونکہ حرم میں داخل ہونے کے بعد مسجد حرام کے قریب پہنچنا ضروری ہے مسجد حرام سے حرم اس جگہ اسی طرح مراد ہے جس طرح آیت سبحان الذی اسری بعبدہ لیلا من المسجد الحرام میں مسجد حرام سے حرم مراد ہے۔ کیونکہ (شب معراج میں) رسول اللہ ﷺ کو حضرت ام ہانی کے مکان سے (جو حرم میں تھا) لے جایا گیا تھا (کعبہ سے نہیں لے جایا گیا تھا)۔

بغوی نے لکھا ہے (۱) حرم کے اندر کسی کافر کا داخلہ جائز نہیں، ذمی ہو حربی ہو یا مستامن۔ اس آیت کا بظاہر یہی مطلب



Marfat.com

ہے۔ اگر امام (امیر المسلمین) حرم کے اندر ہو اور کافروں کی طرف سے دار الکفر سے کوئی (غیر مسلم) قاصد آئے تو حرم کے اندر داخل ہونے کی اجازت اس کو نہیں دی جاسکتی۔ امیر المسلمین اپنے کسی آدمی کو حرم کے باہر بھیج کر اس کا پیام معلوم کرالے۔

(۲) حجاز کے اندر تجارت وغیرہ کی غرض سے کافروں کا داخلہ تو ہو سکتا ہے۔ مگر تین روز یعنی مدت سفر سے زائد قیام نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا اگر میں زندہ رہا تو انشاء اللہ جزیرہ عرب سے یہودیوں اور عیسائیوں کو نکال دوں گا۔ کسی کو سوائے مسلمان کے یہاں نہیں چھوڑوں گا مگر اس کام کی تکمیل سے پہلے حضور ﷺ کی وفات ہو گئی لیکن آپ نے اس کی وصیت فرمادی آپ کے بعد حضرت ابو بکر کو بھی اس کا موقع نہیں ملا، آخر حضرت عمرؓ نے سب غیر مسلموں کو جزیرہ عرب سے باہر نکال دیا۔ البتہ تاجروں کو تجارت کے لئے حجاز میں آنے اور تین دن ٹھیرنے کی اجازت دے دی۔ جزیرہ عرب کی حدود اربعہ اس طرح ہیں، طول میں عدن کے آخری کنارہ سے عراق کے سبزہ زار تک اور عرض میں جدہ اور ساحل سمندر سے شام تک۔

(۳) باقی تمام بلاد اسلام میں غیر مسلم ذمی بن کر پاویزا لے کر رہ سکتے ہیں مگر مسجدوں کے اندر مسلمانوں کی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہو سکتے۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے امام شافعی کا جو قول روایت میں آیا ہے اس میں کعبہ اور دوسری مساجد کے حکم میں فرق منقول ہے، مسجد حرام کے اندر تو داخلہ ممنوع ہے اور دوسری مساجد میں جائز ہے۔ فقہاء مالکیہ اور مزنی کے نزدیک مسجد حرام اور دوسری مساجد کا ایک ہی حکم ہے جس طرح مسجد حرام میں کافروں کا داخلہ ممنوع ہے اسی طرح دوسری مسجدوں میں بھی ناجائز ہے۔ امام بخاری نے مسجد میں مشرکوں کے داخلہ کے جواز کے لئے ایک مستقل باب قائم کیا ہے اس میں حضرت ابو ہریرہ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ سوار نجد کی طرف بھیجے وہاں سے وہ بنی حنیفہ کے ایک شخص کو جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا پکڑ کر لائے اور مسجد کے ستون سے لا کر باندھ دیا۔ ہم نے ثمامہ کا پورا قصہ سورہ انفال میں ذکر کر دیا ہے لیکن اس قصہ سے مسجد میں داخل ہونے کے جواز پر دلیل قائم کرنا ضعیف ہے، کیونکہ ثمامہ کا واقعہ تو فتح مکہ سے پہلے ہوا تھا اور کافروں کو حج کرنے اور مسجد حرام میں داخل ہونے سے باز داشت ۹ھ میں ہوئی۔

بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ ان کے اس سال کے بعد یعنی اس سال کے بعد جس میں سورہ توبہ اتری تھی اور حضرت ابو بکرؓ نے سب کو حج کرایا تھا اور حضرت علیؓ نے کافروں سے برات کا اعلان کیا تھا یہ واقعہ ۹ھ کا ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ اہل کتاب کو خصوصیت کے ساتھ مسجد حرام میں داخل ہونے کی اجازت دی جاسکتی ہے حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں باب دخول المشرک المسجد میں لکھا ہے کہ اس باب میں جو حدیث مذکور ہے وہ خیال مذکور کی تردید کر رہی ہے کیونکہ ثمامہ اہل کتاب میں سے نہ تھا۔

بیضاوی نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ اسلام کے فروعی احکام کے مخاطب کفار بھی ہیں۔ کیونکہ مسجد حرام کے قریب جانے کی ممانعت کافروں کے لئے ہوئی ہے مگر بیضاوی کا یہ استدلال غلط ہے کیونکہ آیت میں اگرچہ ممانعت کا تعلق کافروں سے ہے مگر مخاطب مومن ہی ہیں انہی کو خطاب کر کے فرمایا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا۔

اگر کفار کو فروع کا مخاطب قرار دیا جائے گا تو چونکہ حج بھی فروع میں داخل ہے (کیونکہ اصل بنیاد توحید و رسالت کا اقرار ہے) اس لئے کفار حج پر مامور ہوں گے اور اس آیت میں ان کو حج کی ممانعت کی گئی ہے۔ اس طرح دونوں حکموں میں تضاد پیدا ہو جائے گا۔ پھر اگر کفار کعبہ کو نہ جائیں اور حج نہ کریں تو فلا یقربوا کے حکم کی تعمیل ہو جائے گی اور حکم خداوندی کی تعمیل موجب ثواب واجر ہے لہذا کافروں کو ترک حج کا ثواب ملنا چاہئے جو سراسر باطل ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کا قول اور ابن جریر و ابو الشیخ نے سعید بن جبیر عکرمہ، عطیہ، عوفی، ضحاک اور قتادہ وغیرہ ہم کا بیان نقل کیا ہے کہ مشرک کعبہ کو آتے تو (اطراف ملک سے) اپنے ساتھ غلہ پھل وغیرہ بھی لاتے تھے (اور مکہ میں لا کر فروخت کرتے تھے) جب ان کو حج کی ممانعت کر

Marfat.com

دی گئی اور آیت اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بعد عامِهِمْ هٰذَا نازل ہوئی تو مسلمانوں پر بڑی دشواری آپڑی کہنے لگے اب غلہ اور سامان (خوراک) ہم کو کون لاکر دے گا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی اور اللہ نے فرمایا۔

وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً (اے مکہ کے مسلمانو) اگر تم کو فقر و فاقہ کا اندیشہ ہے۔ عیلۃ (باع یَبِیْعُ کے باب سے) مصدر ہے عال یعیل کہا جاتا ہے۔

فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ (اندیشہ نہ کرو) اگر اللہ نے چاہا تو وہ اپنے فضل سے تم کو ضرور غنی بنادے گا۔

مشیت سے غنا کو وابستہ کرنے کی غرض یہ ہے کہ اللہ کی مشیت کو امید گاہ سمجھا جائے۔ اور یہ یقین رکھا جائے کہ اللہ کی طرف سے غنی بنانا محض اس کا فضل ہے (جو عمومی حیثیت رکھتا ہے) اور موجودہ غنا (عمومی نہیں) کسی کو حاصل ہے کسی کو حاصل نہیں، کسی سال ہوتی ہے کسی سال نہیں ہوتی۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ (اپنے بندوں کے احوال کو) جاننے والا اور حکمت والا ہے (جس کسی کو دیتا ہے مصلحت و حکمت کے زیر اثر دیتا ہے)۔

عکرمہ نے کہا (بموجب وعدہ) اللہ نے ان کو غنی کر دیا، جس کی صورت یہ ہوئی کہ بارش خوب ہوئی اور پیداوار کی کثرت ہو گئی مقاتل نے کہا جدہ اور صنعاء اور جرش والے مسلمان ہو گئے اور بکثرت بقدر ضرورت غلہ اپنے ملک سے مکہ میں لے آئے جس سے اہل مکہ کو فقر و فاقہ کا خوف نہیں رہا۔

ضحاک اور قتادہ نے کہا اللہ نے کافروں سے ان کو جزیہ دلوا دیا اور اس طرح مکہ کے مسلمانوں کو غنی کر دیا۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾

جو اہل کتاب نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روز آخرت پر اور نہ اس چیز کو حرام قرار دیتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کر دیا ہے اور نہ دین حق اختیار کرتے ہیں ان سے اس وقت تک لڑو کہ وہ ذلیل ہو کر اپنے ہاتھوں سے جزیہ پیش کریں۔ مجاہد نے کہا جب رسول اللہ ﷺ کو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دے دیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اس کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک پر تشریف لے گئے۔

## ..... ایک شبہ .....

اہل کتاب تو اللہ کو بھی مانتے ہیں اور روز آخرت کو بھی ان کو غیر مومن کیوں فرمایا۔

## ..... ازالہ شبہ .....

اہل کتاب کا اللہ پر ایمان ایسا نہیں ہوتا جیسا ہونا چاہئے۔ مسیح اور عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے کے بعد اللہ کی توحید بے نیازی اور والدیت سے پاکی کہاں رہی جب کسی دوسرے کو اللہ جیسا (نسلاً یا وصفاً) مان لیا تو اللہ کی یگانگت و بے ہمتائی کہاں باقی رہی، پھر یہودیوں کا اپنے لئے اور عیسائیوں کا اپنے لئے جنت کو مخصوص کر لینا اور یہودیوں کا یہ کہنا کہ صرف چند روز کے لئے ہم کو دوزخ چھو جائے گی اور اہل کتاب کا یہ اختلاف کہ جنت کی نعمتیں ایسی ہی ہوں گی جیسے دنیا کی یا اس سے الگ ہوں گی اور پھر یہ نزاع کہ جنت دوامی ہے یا فنا پذیر اور وہاں کھانا پینا ہوگا یا نہ ہوگا یہ تمام خیالات و اختلاف عقیدہ آخرت کو متزلزل اور غیر صحیح بنا دیتے ہیں۔ اور آخرت پر ایمان کو عدم ایمان میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

Marfat.com

وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اور جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے۔ اس کو وہ حرام نہیں قرار دیتے یعنی قرآن اور حدیث سے جس چیز کی حرمت ثابت ہے اس کو وہ حرام نہیں مانتے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ رسولہ سے (مراد محمد رسول اللہ ﷺ نہیں بلکہ) وہ رسول مراد ہے جس کے اتباع کا اہل کتاب کو دعوی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے اصل دین کا بھی اعتقادی اور عملی اتباع نہیں کرتے کیوں کہ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ نے تو حضور گرامی محمد رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنے کا حکم دیا تھا (اور اہل کتاب اس حکم کو نہیں مانتے اور محمد ﷺ کا اتباع ضروری نہیں سمجھتے۔

وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ اور سچے دین کو نہیں اختیار کرتے دِیْنَ موصوف مضاف اور اَلْحَقِّ صفت مضاف الیہ ہے۔ قتادہ کے نزدیک اَلْحَقِّ سے مراد اللہ ہے یعنی اللہ کے دین اسلام کو اختیار نہیں کرتے بعض کے نزدیک اَلْحَق سے مراد اسلام ہے۔ ابو عبیدہ نے (اَلْحَق سے پہلے مضاف محذوف قرار دیا ہے اور دین کا معنی اطاعت کہا ہے اور) مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ اہل حق کی طاعت کی طرح اللہ کی اطاعت نہیں کرتے۔

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ یعنی وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے اس سے مراد یہودی اور عیسائی ہیں۔

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ یہاں تک لڑو کہ وہ رعیت بن کر جزیہ دینا منظور کر لیں۔

جزیہ کا لغوی معنی ہے بدلہ، آخر میں تاہیئت جزا کو ظاہر کر رہی ہے یعنی وہ ہیئت ذلت جو مقررہ رقم ادا کرنے کے وقت ادا کرنے والے کی ہوتی ہے۔ اس سے مراد وہ شخصی ٹیکس ہے جو فی کس مقرر کیا گیا ہو۔ بعض کے نزدیک لفظ جزیہ جَزٰی یَجْزِیْ (اس نے اپنا قرض چکا دیا) سے مشتق ہے۔ ید سے مراد ہے دست اطاعت یعنی اطاعت کے ساتھ اداء کریں۔ یا یہ مراد ہے کہ خود اپنے ہاتھ سے ادا کریں کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بھجوائیں۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے اسی لئے ادا جزیہ کے لئے کسی کو اپنا نمائندہ بنانا جائز نہیں۔ یا عن ید سے مراد ہے مجبور ہو کر ذلت کے ساتھ ادا کرنا۔ ابو عبیدہ نے کہا جو شخص ناگواری و خاطر کے ساتھ کوئی چیز دے تو عرب کہتے ہیں فلان اعطی عن ید۔ بعض نے کہا عن ید سے مراد ہے نقد ادا کرنا۔ قرض نہ رکھنا۔ بعض نے کہا عن ید سے یہ مراد ہے کہ شکر گزار ہو کر جزیہ ادا کریں کہ مسلمانوں نے ان کو قتل نہیں کیا کچھ مال لے کر چھوڑ دیا۔ صاغرون یعنی ذلیل اور مغلوب ہونے کی حالت میں جزیہ ادا کریں۔ عکرمہ نے کہا مراد یہ ہے کہ لینے والا بیٹھا ہو اور دینے والا کھڑا ہو کر پیش کرے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ اس کی گردن روند کر اس سے جزیہ وصول کیا جائے۔ کلبی نے کہا لیتے دیتے وقت اس کی گردن پر گھونسا رسید کیا جائے، بعض نے کہا اس کی داڑھی پکڑ کر طمانچہ مارا جائے، بعض نے کہا اس کا گریبان پکڑ کر کھینچتے ہوئے سختی کے ساتھ مقام تحصیل تک لایا جائے۔ بعض نے کہا جزیہ پیش کرنا ہی ذلت ہے امام شافعی نے فرمایا ذمیوں پر اسلام کے احکام لاگو کرنا ہی ان کی تذلیل ہے۔

ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جزیہ لے کر جنگ بند کر دینا صرف اہل کتاب کے ساتھ مخصوص ہے اسی لئے شروع میں حضرت عمر مجوسیوں سے جزیہ نہیں لیتے تھے۔ لیکن جب حضرت عبد الرحمن بن عوف نے شہادت دی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجوسیوں سے جزیہ قبول فرمایا تھا تو حضرت عمر نے اپنا سابق عمل ترک کر دیا۔ رواہ البخاری من حدیث بجالۃ بن عبدہ۔ امام شافعی کے بجالہ کے (قابل اعتماد یا ناقابل اعتماد ہونے کے) متعلق دو قول ہیں حدود میں تو امام شافعی نے اس شخص کو مجہول کہا ہے اور جزیہ کے باب میں کہا ہے کہ اس سلسلے کی حدیث صحیح ہے اسی لئے مجوسیوں سے جزیہ لینے پر اجماع علماء ہے۔

## اختلافی مسائل

امام ابو حنیفہ کے نزدیک اہل کتاب سے جزیہ لیا جائے گا خواہ وہ عرب ہوں یا عجمی۔ اور عجم کے مشرکوں سے بھی لیا جائے گا خواہ وہ مجوسی ہو یا بت پرست البتہ مرتدوں سے نہیں لیا جائے گا، امام ابو یوسف کا قول ہے کہ عرب سے بالکل جزیہ نہیں لیا

Marfat.com

جائے گا، اہل کتاب ہوں یا مشرک جزیہ صرف عجمیوں سے لیا جائے گا۔ اہل کتاب سے بھی اور مشرکوں سے بھی۔

امام مالک اور اوزاعی کے نزدیک ہر کافر سے جزیہ لیا جائے گا خواہ وہ عرب ہو یا عجمی کتابی ہوں یا کوئی اور ہاں مرتدوں سے اور قریش کے مشرکوں سے نہیں لیا جائے گا۔ امام شافعی نے کہا جزیہ مذہب کی بنیاد پر ہے شخصیت کی بنیاد پر نہیں ہے۔ لہذا صرف اہل کتاب سے لیا جائے گا خواہ وہ عربی ہو یا عجمی بت پرستوں سے بالکل نہیں لیا جائے گا۔ امام شافعی کے نزدیک مجوسی اہل کتاب ہیں۔ امام مالک نے موطا میں اور امام شافعی نے الام میں بیان کیا ہے کہ جعفر بن محمد نے کہا مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا کہ حضرت عمر نے فرمایا میں نہیں جانتا کہ ان کے یعنی مجوس کے معاملہ میں کیا کروں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کو میں نے یہ فرماتے خود سنا ان کے ساتھ اہل کتاب کا جیسا طریقہ اختیار کرو۔

امام شافعی نے کہا ہم سے سفیان نے بوساطت سعید بن مرزبان بروایت نصر بن عاصم بیان کیا کہ فروہ بن نوفل نے کہا مجوسیوں سے جزیہ کس بنیاد پر لیا جاتا ہے یہ تو اہل کتاب نہیں ہیں۔ یہ سن کر مستورد (غصہ میں) کھڑے ہو گئے اور فروہ کا گریبان پکڑ لیا اور کہا دشمن خدا کیا تو ابو بکرؓ اور عمرؓ اور امیر المومنین یعنی علی بن ابی طالب پر طعن کر رہا ہے ان حضرات نے تو مجسویوں سے جزیہ لیا تھا اسکے بعد مستورد قصر خلافت میں گئے اور اندر سے حضرت علی برآمد ہوئے اور فرمایا ہائیں! میں سب سے زیادہ مجوسیوں کی حالت جانتا ہوں ان کے پاس دینی علم اور کتاب تھی جس کو پڑھتے پڑھاتے تھے ایک بار ان کا بادشاہ نشہ کی حالت میں اپنی بیٹی یا ماں پر جا پڑا۔ اس کی اس حرکت کو کسی نے دیکھ لیا اور جب ..... بادشاہ کا نشہ اترا تو لوگوں نے اس کو کتابی سزا دینی چاہی بادشاہ نے رعایا کو جمع کیا اور کہا آدم کے دین سے بہتر کیا کوئی دین ہو سکتا ہے آدم تو اپنے بیٹوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے میں نے آدم کا دین اختیار کر لیا۔ تمہارے لئے بھی آدم کے مذہب سے گریز کرنے کی کوئی وجہ نہیں یہ سن کر لوگوں نے بادشاہ کے مسلک کو اختیار کر لیا اور جس نے مخالفت کی اس کو قتل کر دیا۔ ایک رات میں ہی علماء کے سینوں سے علم زائل ہو چکا تھا۔ پس مجوسی اہل کتاب ہیں رسول اللہ ﷺ نے اور ابو بکر و عمر نے ان سے جزیہ لیا تھا۔ یہ حدیث ابن جوزی نے التحقیق میں ذکر کی ہے لیکن سعید بن مرزبان پر جرح بھی کی ہے یحییٰ بن سعید نے کہا سعید بن مرزبان کی روایت لینی میں جائز نہیں سمجھتا۔ یحییٰ (بن قطان) نے کہا یہ شخص کچھ نہ تھا اس کی حدیث نہ لکھی جائے۔ فلاس کے نزدیک سعید متروک الحدیث تھا مگر ابو اسامہ نے اس کو ثقہ کہا ہے اور ابو زرعہ کا قول ہے کہ سعید صدوق تھا مگر مدلس۔

میں کہتا ہوں امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بروایت سفیان بن عیینہ بوساطت نضر بن عاصم لیثی لکھا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر و عمرؓ نے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ اور میں تم سب لوگوں سے مجسویوں کی حالت سے زیادہ واقف ہوں، یہ لوگ اہل کتاب تھے کتاب الٰہی پڑھتے تھے۔ علم شریعت کی تعلیم دیتے تھے لیکن ان کے سینوں سے علم الٰہی نکال لیا گیا۔

امام ابو یوسف نے نصر بن خلیفہ کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ فروہ بن نوفل اشجعی نے کہا یہ بات بہت سخت ہے کہ مجوسیوں سے خراج لیا جاتا ہے باوجود یہ کہ وہ اہل کتاب نہیں ہیں یہ بات سن کر مستورد بن احنف نے کھڑے ہو کر کہا تو نے رسول اللہ ﷺ پر نکتہ چینی کی فوراً توبہ کر ورنہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے تو ہجر کے رہنے والے مجوسیوں سے خراج لیا تھا۔ میں نے مجوسیوں سے خراج لیا تھا۔ مجوسیوں کے متعلق ایک بات بیان کرتا ہوں جس کو تم دونوں پسند کرو گے مجوسی ایک کتابی امت تھی ان کے پاس اللہ کی ایک کتاب تھی جس کو وہ پڑھتے تھے۔ ایک بار ان کے بادشاہ نے شراب پی اور نشہ میں اپنی بہن کا ہاتھ پکڑ کر بستی سے باہر لے گیا۔ پیچھے پیچھے چار آدمی ہو لئے، وہاں جا کر اس نے بہن سے قربت کی پیچھے جانے والے لوگ دیکھ رہے تھے۔ جب نشہ اترا تو بہن نے اس سے کہا، فلاں فلاں لوگوں کی نظروں کے سامنے تو نے ایسی حرکت کی ہے۔ ایسی حرکت کی ہے۔ بادشاہ نے کہا مجھے کچھ معلوم نہیں۔ بہن نے کہا اب تجھے قتل کر دیا جائے گا ورنہ میری بات مان۔ بادشاہ نے کہا میں ضرور مانوں گا۔ عورت نے کہا اس فعل کو تو مذہبی مسئلہ بنا دے اور لوگوں سے کہہ دے کہ آدم کا مذہب یہی ہے حواء کی پیدائش آدم ہی سے ہوئی تھی (گویا حواء آدم کی بیٹی تھیں) لوگوں کو اسی مذہب کی دعوت دے جو تیرا مذہب مان لے اس کو

Marfat.com

چھوڑ دے جو نہ مانے اس کو تلوار سے قتل کر دے بادشاہ نے اس مشورہ پر عمل کیا مگر بادشاہ کا حکم کسی نے نہیں مانا اور ستام تک لوگ قتل ہوتے رہتے عورت نے کہا میں محسوس کرتی ہوں کہ لوگ قتل ہونے سے نہیں ڈرتے۔ آئندہ تو ان کو جلانے کی دھمکی دے اور ایک جگہ آگ روشن کر دے۔ بادشاہ نے اس مشورہ پر عمل کیا اور لوگوں کو دہکتی آگ میں ڈال دینے کی دھمکی دی تو لوگ ڈر گئے اور بادشاہ کی بات مان لی۔ حضرت علیؓ نے فرمایا چونکہ مجوسی اہل کتاب تھے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان سے خراج لے لیا اور چونکہ مشرک ہو گئے تھے اس لئے ان سے نکاح اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ حرام قرار دے دیا۔

ابن جوزی نے التحقیق میں لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اہل فارس کا پیغمبر جب وفات پا گیا تو ابلیس نے ان کے لئے دستور مجوسیت لکھ دیا۔

## جواب

رسول اللہ ﷺ کے فرمان۔ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب جیسا معاملہ کرو۔ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مجوسی اہل کتاب، ہیں اور جو سلوک اہل کتاب سے کیا جاتا ہے وہی مجوسیوں سے بھی کیا جائے۔ کیونکہ ان سے نکاح اور ان کے ہاتھ کا ذبیحہ تو باجماع امت حرام ہے۔ حدیث کا مطلب صرف اتنا ہے کہ اہل کتاب کی طرح مجسیوں سے بھی جزیہ لیا جائے۔ بلکہ حدیث سے تو ہمارے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ مجوسیوں کے اسلاف اگرچہ اہل کتاب تھے اور اللہ کی کتاب پڑھتے پڑھاتے تھے مگر جب سے انہوں نے اللہ کا دین چھوڑا یا کتاب اللہ پر عمل کرنا ترک کر دیا اور علم ان کے سینوں سے اٹھا لیا گیا اور ابلیس نے دستور مجوسیت ان کیلئے بنا دیا اس وقت سے یہ اہل کتاب نہیں رہے اسی لیے علماء کا اتفاق ہے کہ مجوسی اہل کتاب نہیں ہیں ہاں امام شافعی کا قول ایک روایت میں آیا ہے کہ یہ اہل کتاب ہیں لیکن دوسری روایت میں امام شافعی کا قول بھی جمہور کے قول کے موافق آیا ہے کہ یہ اہل کتاب نہیں ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اگر مجوسیوں کے اسلاف کا اہل کتاب ہونا ان مجوسیوں کے اہل کتاب قرار دینے کے لیے کافی ہے تو ہمارے زمانہ کے یہ ہندو بت پرست بھی اہل کتاب ہو جائیں گے۔ ان کے پاس بھی وید نام کی ایک کتاب ہے جس کے چار حصے ہیں اور ان کا دعویٰ ہے کہ یہ خدائی کتاب ہے۔ پھر ان کے اکثر اصول بھی شرعی اصول کے موافق ہیں اور جن اصول میں اختلاف ہے وہ شیطانی آمیزش کا نتیجہ ہے جس طرح شیطانی تفرقہ اندازی سے مسلمانوں کی ایک جماعت پھٹ کر تتر فرقے بن گئی۔ ہندوؤں کے اہل کتاب ہونے کی تائید قرآن سے بھی ہو رہی ہے اللہ نے فرمایا ہے وان من امة الا خلا فیها نذیر ہر امت میں کوئی نہ کوئی پیغمبر ضرور گذرا ہے۔ مجوسیوں سے تو ہندو اہل کتاب کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ مجوسیوں کے بادشاہ نے تو نشہ سے بدمست ہو کر اپنی بہن سے زنا کیا اور اپنے دین و کتاب کو چھوڑ دیا اور دین آدم کا مدعی بن بیٹھا مگر ہندوؤں نے ایسی کوئی حرکت نہیں کی البتہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا انکار کرنے کی وجہ سے کافر ہو گئے۔ مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ چوتھے وید میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت کی بشارت مذکور ہے جس کو پڑھ کر بعض ہندو مسلمان ہو گئے ہیں۔ واللہ اعلم

امام شافعی قائل ہیں کہ بت پرستوں سے جزیہ نہ لیا جائے۔ اس کے ثبوت میں بعض شوافع آیت قاتلوهم حتی لا تکون فتنة (کافروں سے لڑو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے) کو پیش کرتے ہیں مگر اہل کتاب اور مجوسی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں اہل کتاب کا استثناء تو خود قرآن میں موجود ہے اور مجوسیوں کا استثناء حدیث سے ثابت ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے ہجر کے رہنے والے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ آیت مذکورہ کے عموم سے مجوسی بالاجماع خارج ہیں۔ ان کی تخصیص کی وجہ حدیث مذکور بھی ہے اور ایک عقلی علت مخصصہ بھی ہے۔ عقلی وجہ تخصیص یہ ہے کہ وہ مشرک ہیں اور ظاہر ہے کہ بت پرست بھی انہی کی طرح مشرک ہیں لہذا بت پرستوں کو بھی مجوسیوں کے حکم میں ہونا چاہیئے رہی یہ بات کہ مجوسیوں کے اسلاف اہل کتاب تھے تو اس بات سے

Marfat.com

کوئی فرق نہیں پڑتا (کیونکہ مشرکوں اور بت پرستوں کے اسلاف بھی صحیح طور پر اہل کتاب تھے اس کے علاوہ) یہ مجوسی تو بہر حال اپنے اسلاف کی کتاب کے حامل اور عامل نہیں۔

پھر (مجوسیوں کی طرح) بت پرستوں کو باندی غلام بنانا باتفاق علماء درست ہے لہذا مجوسیوں کی طرح ان پر جزیہ مقرر کرنا بھی درست ہونا چاہیے غلامی ہو یا تقرر جزیہ دونوں صورتوں میں ذاتی (تصرفات کی) آزادی میں تو خلل پڑتا ہی ہے غلام آقا کے لیے کماتا ہے اور اپنی کمائی سے خود اپنا خرچ بھی چلاتا ہے جزیہ ادا کرنے والا بھی اپنی کمائی سے خود بھی کھاتا ہے اور جزیہ بھی ادا کرتا ہے۔

سلیمان بن بریدہؓ نے اپنے باپ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی کو کسی لشکر یہ فوجی دستہ کا امیر بنا کر بھیجتے تھے تو خصوصیت کے ساتھ اللہ سے ڈرنے اور ساتھ والے مسلمانوں سے بھلائی کرنے کی نصیحت فرماتے تھے پھر فرماتے تھے اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں جہاد کرنا جو اللہ کے منکر ہو ان سے قتال کرنا لڑنا شکست نہ کھانا عہد شکنی نہ کرنا کسی کے ناک کان نہ کاٹنا کسی بچے کو قتل نہ کرنا دشمن سے آمنا سامنا ہو تو سب سے پہلے اس کو تین باتوں کی دعوت دینا اگر وہ ان تین باتوں میں سے ایک بات کو بھی مان لیں تو قبول کر لینا اور جنگ سے باز رہنا اول ان کو اسلام کی دعوت دینا اگر مان لیں تو تم بھی مان لینا اور ان سے جنگ ترک کر دینا پھر ان سے کہنا کہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر مدینہ کو چلے چلو وہاں رہنا اگر تم ایسا کر لو گے تو دوسرے مہاجرین کی طرح ہو جاؤ گے۔ ان کا نفع تمہارا نفع اور ان کا ضرر تمہارا ضرر مانا جائے گا۔ اگر وہ ہجرت کرنے سے انکار کریں تو ان سے کہ دینا کہ دوسرے بیرونی مومنوں کی فہرست میں ان کا شمار ہو گا۔ عرب اہل اسلام پر جو حکم لاگو ہے وہی ان پر ہو گا۔ غنیمت اور فے کے مال میں بغیر جہاد میں شرکت کرنے کے ان کا کوئی حصہ نہ ہو گا۔ اگر وہ مسلمان ہونے سے انکار کر دیں تو ان سے جزیہ طلب کرنا جزیہ دے دیں تو لے لینا اور ان سے جنگ ترک کر دینا آخر میں اگر وہ جزیہ ادا کرنے سے بھی انکار کر دیں تو اللہ سے مدد کی درخواست کرنا اور ان سے قتال کرنا۔ الحدیث۔ رواہ مسلم۔

حضرت انس کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب کتابی سے بھی جزیہ لینا جائز ہے۔ حضرت انس کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خالد بن ولید کو اکیدر حاکم دومتہ الجندل کی طرف بھیجا حضرت خالد اس کو گرفتار کر لائے۔ رسول اللہ ﷺ نے جانی پناہ دے دی اور اداء جزیہ کی شرط پر اس سے صلح کر لی۔ رواہ ابوداؤد

حضرت یزید بن رومان اور حضرت عبداللہ بن صدیقی اکبر کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ (صلے اللہ علیہ وسلم) نے اکیدر بن عبدالملک کندی شاہ دومتہ الجندل کی طرف حضرت خالد بن ولید کو بھیجا تھا۔ اس روایت میں ہے کہ اکیدر سے جزیہ کی شرط پر آپ ﷺ نے صلح کر لی۔ رواہ ابوداؤد والبیہقی۔

حافظ نے لکھا ہے اگر اکیدر کا کندی ہونا ثابت ہو جائے تو حکم جزیہ صرف عجم کے ساتھ مخصوص نہ رہے گا کیونکہ اکیدر کا عربی ہونا یقینی ہو گا (بنی کندہ عرب کا ایک قبیلہ تھا) اور جب یہ بات ثابت ہو جائے گی کہ جزیہ کے ساتھ نہ اہل کتاب کی خصوصیت ہے نہ عجم کی، تو امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مسلک صحیح قرار پائے گا۔ دونوں میں صرف اتنا فرق ہو گا کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک عرب کے بت پرستوں سے نہ جزیہ لینا درست ہے نہ ان کو غلام بنانا (کیونکہ اکیدر عیسائی یا مجوسی تھا) عبدالرزاق نے بوساطت معمر زہری کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے (جزیہ پر) بت پرستوں سے صلح کر لی مگر عرب کے بت پرستوں سے (جزیہ نہیں لیا اور جزیہ لے کر صلح نہیں کی)۔

امام ابوحنیفہ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ عربوں میں ان کے سامنے پلے بڑھے تھے اور قرآن بھی عرب کی زبان میں ہی اترا تھا اس لیے عرب کے لیے معجزہ کا ظہور ناقابل انکار تھا اسی وجہ سے عرب (کے بت پرستوں) سے سوائے اسلام کے اور کچھ قبول نہیں کیا جا سکتا ورنہ قتال کیا جائے گا۔ یہی حالت مرتدوں کی ہے۔ مرتد ہدایت پانے اور اسلام کی خوبیوں سے واقف ہونے کے بعد انکار کرتا اور اسلام کو ترک کرتا ہے (اس کے پاس اسلام سے ناواقفیت کا کوئی عذر نہیں ہوتا اسی لیے) اسلام یا قتال کے سوا اس

Marfat.com

کی طرف سے جزیہ قبول نہیں کیا جاسکتا۔

امام محمد بن حسن نے بوساطت مغنم حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عرب کے مشرکوں سے سوائے اسلام یا جنگ کے اور کچھ قبول نہ کیا جائے۔ اگر عرب کے بت پرستوں یا مرتدوں پر دست رسی ہو جائے تو ان کے بیوی بچوں کو باندی غلام بنایا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے بنی ادطاس اور ہوازن کے اہل وعیال کو باندی غلام بنایا تھا یہ لوگ عرب اور مشرک تھے اسی طرح بنی مصطلق کے اہل وعیال کو باندی غلام بنایا تھا بنی حنیفہ جب مرتد ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ نے ان کے بیوی بچوں کو گرفتار کرا کے باندی غلام بنا کر مجاہدین کو تقسیم کر دیا۔

حضرت محمد بن حضرت علی بن ابی طالب کی ماں اور زید بن حضرت عبداللہ بن حضرت عمر کی والدہ بھی انہی میں سے تھیں۔

گرفتار کرنے اور مملوک بنانے کے بعد مرتدوں کے بیوی بچوں کو مسلمان ہونے پر مجبور کیا جائے گا۔ بت پرستوں کے بیوی بچوں کو اسلام پر مجبور نہیں کیا جائے گا، امام شافعی کے نزدیک عرب کے مشرکوں کے بیوی بچوں کو بھی گرفتار کر کے مملوک بنایا جاسکتا ہے۔

امام ابو یوسف کہتے ہیں کہ اکید روالی حدیث سے اگرچہ ثابت ہو رہا ہے کہ عرب سے بھی جزیہ لیا جائے خواہ وہ اہل کتاب ہو یا مشرک لیکن دوسری احادیث میں آیا ہے کہ جزیرہ عرب سے یہودیوں اور عیسائیوں کو نکال دیا جائے اور وہاں مسلمان کے سوا کسی کو نہ چھوڑا جائے ان احادیث سے اکید روالی حدیث کا حکم منسوخ ہو گیا کیونکہ قبول جزیہ تو عرب کے اندر سکونت رکھنے پر مبنی ہے جب کہ غیر مسلم کی سکونت کی ہی اجازت نہ رہی تو پھر عرب مشرک یا کتابی سے جزیہ لینے کا معنی ہی کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین باتوں کی نصیحت فرمائی تھی۔ فرمایا تھا، مشرکوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو اور (غیر ملکی کافروں کے) وفد کو ویسی ہی اجازت (داخلہ) دو جیسی میں دیتا ہوں۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا تیسری بات بیان کرنے سے حضور ﷺ خاموش رہے یا میں بھول گیا۔

## متفق علیہ

حضرت جابر بن عبداللہ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے سنا حضور ﷺ فرما رہے تھے میں یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے ضرور نکال دوں گا یہاں تک کہ مسلمان کے سوا کسی کو یہاں نہیں چھوڑوں گا رواہ مسلم۔

امام مالک نے موطاء میں زہری کی روایت سے مرسلاً اور صالح بن خیر نے زہری کی وساطت سے حضرت ابوہریرہ کا بیان موصولاً نقل کیا ہے کہ جزیرہ عرب میں دو مذہب اکٹھے نہ ہوں گے مؤخر الذکر روایت اسحاق نے اپنی مسند میں نقل کیا ہے۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو آخری کلام کیا وہ یہ تھا کہ حضور نے فرمایا کہ یہودیوں کو حجاز سے اور اہل نجران (اہل یمن) کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ یہ حدیث امام احمد اور بیہقی نے نقل کی ہے۔

## مسئلہ: مقدار جزیہ کا بیان

امام ابوحنیفہ کے نزدیک مقدار جزیہ کی تعیین باہم صلح اور رضامندی سے ہونی چاہیے۔ جتنی مقدار بھی باہم طے ہو جائے کوئی حد بندی نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے (یمن کے) نجرانیوں سے دو ہزار کپڑے کے جوڑوں کی وصولیابی کی شرط پر صلح کی تھی ابوداؤد نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران سے (کپڑے کے) دو ہزار جوڑوں کی شرط پر صلح کی تھی نصف کی وصولیابی ماہ صفر میں اور نصف کی وصولیابی ماہ رجب میں (قرار پائی تھی) امام ابو یوسف نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل نجران کو ایک تحریر دے دی تھی جس میں لکھا تھا کہ وہ دو ہزار جوڑے دیں گے ہر جوڑے کی قیمت ایک اوقیہ ہو گی۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ کتاب الاموال کی روایت کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ولوجی نے جو ہر

Marfat.com

جوڑے کی قیمت پچاس درہم ضروری قرار دی ہے وہ غلط ہے کیونکہ ایک اوقیہ کی چالیس درہم ہوتے ہیں۔
ایک جوڑا دو کپڑوں کا ہوتا تھا تہبند اور چادر۔ ذات اور زمین دونوں کا ٹیکس کپڑوں کی شکل میں وصول کیا جاتا تھا۔ امام ابو یوسف نے نجران کے غیر مسلموں کے ذات اور زمینوں پر دو ہزار جوڑوں کی تقسیم مانی ہے۔ زمین کا جزیہ زمین پر قائم رہے گا خواہ وہ زمین کسی ذمی یا تغلبی (عیسائی) یا مسلمان کے ہاتھ فروخت ہی کر دی گئی ہے (مگر ٹیکس زمین پر قائم رہے گا) یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں کی زمینوں پر بھی زمین کا جزیہ عائد ہوگا البتہ پرسنل ٹیکس (شخصی جزیہ) عورتوں اور بچوں پر عائد نہ ہوگا۔
ابن ابی شیبہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر نے بنی تغلب کے عیسائیوں سے اس شرط پر صلح کی تھی کہ جتنا مال ایک مسلمان سے بطور وجوب لیا جائے گا۔ اس سے دوگنا عیسائیوں سے لیا جائے گا۔
اگر مسلمانوں کا امیر قوت اور زور کے ساتھ غالب آیا ہو (بطور مصالحت غیر مسلم مسلمانوں کے زیر سایہ نہ آئے ہوں) تو ہر مال دار امیر آدمی سے چار درہم ماہانہ کے حساب سے سالانہ آڑ تالیس درہم اور متوسط سے دو درہم ماہانہ کے حساب سے سالانہ چوبیس درہم اور غریب بر سر روزگار سے اگر وہ سال کے زیادہ حصہ میں تندرست رہتا ہو ایک درہم ماہانہ کے حساب سے سالانہ بارہ درہم لئے جائیں۔ امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے۔
امام مالک کا مشہور قول یہ ہے کہ امیر غریب کا کوئی فرق نہیں ہر شخص سے چار دینار یا چالیس درہم سالانہ لیے جائیں، امام شافعی کے نزدیک ہر غریب امیر سے سالانہ ایک دینار لیا جائے۔ امام احمد کے چار اقوال چار مختلف روایات میں آئے ہیں، پہلی روایت میں امام احمد کا قول امام ابو حنیفہ کے قول کے مطابق آیا ہے، دوسری روایت میں آیا ہے کہ مقدار کی تعیین امیر اسلام کی رائے پر ہے معین مقدار کوئی نہیں، ثوری کا یہی قول ہے۔ تیسری روایت میں آیا ہے کہ کم سے کم ایک دینار سالانہ لیا جائے زیادہ کی حد بندی نہیں ہے، چوتھی روایت میں۔ آیا ہے کہ صرف اہل یمن کے لئے ایک دینار فی کس سالانہ مخصوص تھا (یہ حکم عمومی ہر ذمی کے لیے نہیں ہے) حدیث جو اہل یمن کے متعلق آئی ہے۔ اسی کی تائید کرتی ہے حضرت معاذ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مجھے (عامل بنا کر) یمن کو بھیجا تو حکم دیا کہ ہر بالغ سے ایک دینار یا ایک دینار قیمت کے معافر یمنی کپڑے لئے جائیں رواہ ابو داؤد، والترمذی، والنسائی، والدار قطنی، وابن حبان، والحاکم، شافعی کا بھی یہی قول ہے۔ ابو داؤد نے اس کو حدیث منکر قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ مجھے یہ بھی اطلاع ملی ہے کہ امام احمد بھی اس حدیث کو منکر قرار دیتے تھے۔ بیہقی نے اس حدیث کے روایوں میں کچھ اختلاف نقل کیا ہے کسی سند میں اعمش از ابو وائل از مسروق از معاذ ہے، کسی میں اعمش از ابو وائل از مسروق ہے (گویا یہ بیان مسروق کا ہے حضرت معاذ کا نہیں ہے)۔
ابن حزم نے اس کو منقطع کہا ہے کہ مسروق نے معاذ کو نہیں پایا، حافظ ابن حجر نے کہا ابن حزم کے اس قول میں کلام ہے۔ ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، ترمذی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ بعض علماء کے نزدیک اس حدیث کی روایت مرسل ہے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔
امام ابو حنیفہ کے مسلک کی تائید حضرت عمر حضرت عثمان اور حضرت علی کے قول و عمل سے بھی ہوتی ہے۔ اصحاب سنن نے اپنی کتابوں میں عبد الرحمن بن ابی لیلی کی روایت سے حکم کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت حزیفہ بن یمان اور حضرت عثمان بن حنیف کو سواد (عراق) کو بھیجا۔ دونوں حضرات نے جا کر وہاں کی زمین کا سروے کیا اور خراج مقرر کیا اور لوگوں کے تین درجات مقرر کیے (اعلیٰ مال دار۔ متوسط مال دار۔ نادار بر سر روزگار) پھر واپس آ کر اپنی کارگذاری کی اطلاع دے دی، حضرت عمر کے بعد حضرت عثمان نے بھی اسی پر عمل کیا۔
ابن ابی شیبہ نے بوساطت علی بن مسہر شیبانی بروایت ابن عون محمد بن عبد اللہ ثقفی بیان کیا کہ حضرت عمر نے پرسنل ٹیکس بڑے مالداروں پر فی کس ۴۸ درہم سالانہ اور درمیانی طبقہ کے لوگوں پر فی کس ۲۴ درہم سالانہ اور نادار وں پر فی کس ۱۲ درہم سالانہ مقرر کیا ہے۔ یہ حدیث مرسل ہے۔

Marfat.com

ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں از مندل از شیبانی از ابن عون از مغیرہ بن شعبہ مذکورہ بالا حدیث لکھی ہے۔

ابن سعد نے طبقات میں ایک اور سند سے بروایت نضرہ لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے مفتوحہ ممالک میں ذمیوں پر جزیہ لگایا مالداروں پر اتنا الخ۔ ایک دوسری سلسلہ میں حارثہ بن مضرب کا بیان آیا ہے کہ حضرت عمر نے عثمان بن حنیف کو بھیجا انہوں نے فی کس ۴۸ اور ۲۴ اور ۱۲ درہم جزیہ قائم کیا یہ واقعہ صحابہ کی موجودگی کا ہے کسی نے اسکے خلاف آواز نہیں اٹھائی اس لیئے یہ تجویز اجماع کے قائم مقام ہوگئی۔

امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں بروایت سری بن اسماعیل عامر شعبی کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے عراق کی پیمائش کرائی ۳۶۰ کروڑ جریب زمین پیمائش سے نکلی اناج کاری کے جریب پر ایک درہم اور ایک قفیز غلہ اور انگوروں کے ایک جریب پر دس درہم اور کھجوروں کے ایک جریب پر پانچ درہم ٹیکس کے مقرر کیے اور شخصی جزیہ فی کس ۱۲ اور ۲۴ اور ۴۸ درہم سالانہ طے کیے۔ شعبی نے کہا مجھ سے سعد بن ابی عروبہ نے بروایت قتادہ ابن مجلز کا بیان نقل کیا کہ حضرت عمر نے نماز کی امامت اور فوج کی قیادت حضرت عمار بن یاسر کے اور محکمہ قضا و خزانہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اور زمین کا سروے حضرت عثمان بن حنیف سے متعلق کر کے بھیجا اور ان حضرات کے راشن کے لیے ایک بکری روزانہ مقرر کر دی، آدھی بکری اور شکمی آلات حضرت عمار کے لیے، چوتھائی بکری حضرت ابن مسعود کے لئے اور چوتھائی بکری حضرت عثمان بن حنیف کے لیے۔ اور فرمایا میں اپنی ذات کو اور آپ لوگوں کو اس مال کے معاملہ میں یتیم کے سرپرست کی طرح خیال کرتا ہوں، اللہ نے فرمایا ہے کہ جو مال دار ہو وہ (یتیم کے مال سے) بچا رہے اور جو نادار ہو وہ (اپنے زیر نگرانی یتیم کے مال میں سے) دستور کے مطابق کھا سکتا ہے۔ جس زمین سے روزانہ ایک بکری لے لی جائے خدا کی قسم میرے خیال میں وہاں بہت جلد نقصان (یعنی بکریوں کی کمی) ہو سکتا ہے۔ حضرت عثمان نے جا کر زمینوں کی پیمائش کی انگور والی ایک جریب زمین پر دس (درہم) کھجور والی جریب پر آٹھ گنے کی ایک جریب پر چھ گیہوں کی ایک جریب پر چار اور جو کی ایک جریب پر دو درہم (سالانہ) مقرر کیے اور شخصی ٹیکس بارہ درہم، چوبیس درہم اور اڑتالیس درہم لاگو کیا اور عورتوں بچوں پر کوئی (شخصی) ٹیکس عائد نہیں کیا۔ سعید کا بیان ہے کہ میرے ایک ساتھی نے روایت میں اتنا اختلاف کیا ہے کہ کھجور کی جریب پر دس درہم اور انگور کی جریب پر آٹھ درہم ہونے کا ذکر کیا ہے۔

محمد بن اسحاق نے بروایت حارثہ بن مطرف بیان کیا کہ حضرت عمر نے سواد کو مسلمانوں کے لیے تقسیم کرنے کا ارادہ کیا اور سواد (عراق) کی مردم شماری کرائی تو کافروں کی تعداد اتنی نکلی کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں دو دو تین تین کافر آئے (گویا عراق کے دیہاتوں کی تعداد مسلمانوں سے دوگنی تین گنی نکلی، یہ دیکھ کر صحابہ نے باہم مشورہ کیا حضرت علی نے فرمایا یہ کفار تو مسلمانوں سے دوگنی تیگنی نکلے، یہ دیکھ کر صحابہ نے باہم مشورہ کیا حضرت علی نے فرمایا یہ کفار تو مسلمانوں کے اقتصادی مددگار ہو سکتے ہیں) اس لیئے ان کی زمینیں نہ نکالی جائیں بلکہ سالانہ ٹیکس مقرر کر دیا جائے) چنانچہ حضرت عثمان بن حنیف کو بھیجا گیا اور عثمان نے جا کر (تین طبقات قائم کیے اور) ۴۸ اور ۲۴ اور ۱۲ درہم سالانہ مقرر کیے۔ حنیف نے حضرت معاذ والی حدیث کا یہ جواب دیا ہے کہ یمن کو فوجی غلبہ سے نہیں فتح کیا گیا بلکہ صلح سے وہاں تسلط قائم کیا گیا اہل یمن سے مقدار جزیہ بھی مصالحت سے طے ہوئی پھر اہل یمن عموماً محتاج تھے اس لیے مقدار جزیہ ان پر وہ عائد کی گئی جو مفلسوں پر لاگو ہوتی ہے اس کی تائید بخاری کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ ابو نجیح نے بیان کیا میں نے مجاہد سے پوچھا شام والوں پر تو فی کس چار دینار مقرر کیے گئے اور یمن والوں پر فی کس ایک دینار اس کی کیا وجہ ہے مجاہد نے جواب دیا یہ سہولت کے پیش نظر کیا گیا (اہل شام مال دار تھے اور اہل یمن نادار) سفیان ثوری اور امام احمد کے قول کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو تو ایک دینار (فی کس) وصول کرنے کا حکم دیا اور نجران کے عیسائیوں سے کپڑوں کے دو ہزار جوڑوں پر مصالحت کر لی اور حضرت عمر نے ذمیوں کے تین درجات قائم کیے۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا قول ہے۔ اور بنی تغلب سے اتنا جزیہ وصول کرنے پر صلح کی جو مسلمانوں سے وصول کیے جانے والے مال سے دوگنا تھا۔ یہ اختلاف تجویز دلالت کر رہا ہے کہ جزیہ کی کوئی خاص حد شرعاً مقرر نہیں امام مسلمین کی رائے پر اس کی بیشی موقوف ہے۔

مسئلہ :- امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک بے روزگار مفلس سے جزیہ نہ لیا جائے۔ امام شافعی کا مسلک

Marfat.com

ایک روایت میں تو یہی ہے دوسری روایت میں اس کے خلاف آیا ہے۔ مفلس بے روزگار پر بھی جزیہ واجب ہے لیکن ادا کا مطالبہ اس وقت کیا جائے گا جب وہ فراخ دست ہو جائے تیسری روایت میں آیا ہے کہ جب ایک سال پورا ہونے پر بھی نادار بے روزگار فراخ دست نہ ہو سکے تو اس کا الحاق دار الحرب سے کر دیا جائے (گویا وہ ذمی نہیں رہا) امام شافعی کی دلیل یہ ہے کہ حضرت معاذ سے رسول اللہ ﷺ نے بلا شرط فرما دیا تھا کہ ہر بالغ سے وصول کرنا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان بن حنیف نے بیر روزگار نادار پر جزیہ مقرر نہیں کیا۔

ابن زنجویہ نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ ہشیم بن عدی نے بروایت عمر بن نافع بحوالہ ابو بکر صلہ بن زفر عبسی بیان کیا کہ حضرت عمر نے ایک ذمی بوڑھے کو بھیک مانگتے دیکھا، فرمایا کیا بات ہے بوڑھے نے کہا میرے پاس مال نہیں ہے اور مجھ سے جزیہ لیا جاتا ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا ہم نے تیرے ساتھ انصاف نہیں کیا کہ تیری جوانی (کی کمائی) کھائی پھر (بڑھاپے میں بھی) تجھ سے جزیہ لے رہے ہیں پھر آپ نے اپنے کارندوں کو لکھ بھیجا کہ بڑے بوڑھے سے جزیہ نہ لیا کرو۔ بعض سلسلہ روایات میں امتیاز ائمہ ہے کہ کمائی کرنے والے نادار پر بارہ درہم ہیں۔ رواہ البیہقی۔

ابو یوسف نے بروایت عمرو بن نافع بو ساطت ابو بکر بیان کیا کہ حضرت عمر کسی شخص کے دروازے کی طرف سے گذرے وہاں ایک بوڑھا نابینا سائل (بھیک مانگ رہا تھا) باقی حدیث حسب سابق ہے اس روایت میں امتیاز ائمہ ہے کہ حضرت عمر نے اس بوڑھے اور اس جیسے دوسرے لوگوں سے جزیہ لینے کا حکم ساقط کر دیا۔ ابو بکر کا بیان ہے، میں اس وقت موجود تھا اور میں نے اس بوڑھے کو دیکھا بھی تھا۔

ابو یوسف نے بروایت ہشام بن عروہ از عروہ (بن زبیر بن عوام) بیان کیا کہ حضرت عمر شام سے واپسی میں کچھ لوگوں کی طرف سے گزرے ان لوگوں کو دھوپ میں کھڑا کیا گیا تھا اور ان کے سروں پر تیل بہایا جا رہا تھا۔ فرمایا یہ کیا بات ہے، لوگوں نے کہا ان پر جزیہ واجب ہے اور انہوں نے ادا نہیں کیا ہے۔ جزیہ وصول کرنے کے لیے ان کو تکلیف دی جا رہی ہے۔ فرمایا جزیہ ادا کرنے کے متعلق ان کا کیا عذر ہے۔ لوگوں نے کہا یہ اپنی ناداری ظاہر کر رہے ہیں۔ فرمایا ان کو چھوڑ دو اور برداشت سے زیادہ ان کو مجبور نہ کرو۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے، حضور ﷺ فرما رہے تھے، لوگوں کو عذاب نہ دو جو دنیا میں لوگوں کو عذاب دیں گے، اللہ قیامت کے دن ان کو عذاب دے گا، اس کے بعد آپ نے ان کو رہا کر دینے کا حکم دے دیا۔

ابو یوسف نے فرمایا مجھ سے ایک بوڑھے شیخ نے مرفوع حدیث بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن ارقم کو ذمیوں سے جزیہ وصول کرنے کی خدمت پر مامور فرمایا جب عبد اللہ نے جانے کے لیے پشت پھیری تو حضور ﷺ نے ان کو پکار کر فرمایا سن لو جو شخص کسی معاہد پر ظلم کرے گا یا اس کو ناقابل برداشت کام پر مجبور کرے گا یا اس کو گھٹائے گا یا اس کی خوشی خاطر کے بغیر کچھ اس سے لے گا تو میں قیامت کے دن اس کی طرف سے جھگڑا کروں گا۔ اس حدیث سے امام احمد کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ مقدار جزیہ کی تعیین امام کی رائے پر موقوف ہے امام کو چاہیے کہ ذمی کی طاقت کا لحاظ رکھے برداشت سے زائد کا اس کو مکلف نہ کرے۔

مسئلہ :- اگر کسی ذمی کافر کے معاہدے کو ایک سال پورا گزر گیا اور اس نے جزیہ ادا نہیں کیا اور پھر مسلمان ہو گیا تو امام شافعی کے نزدیک اس سے پورے گزشتہ سال کا جزیہ لیا جائے گا (اسلام سے واجب الادا جزیہ ساقط نہ ہوگا) کیونکہ جزیہ کافر کے دار الاسلام میں بسنے کی اجرت ہے، ایک روایت میں امام شافعی نے یہی فرمایا ہے اور سال بھر دار الاسلام میں رہنے کی سکونت بھی لہٰذا اجرت بھی واجب ہو گئی (دوسری روایت میں امام شافعی کا یہ قول آیا ہے کہ) جزیہ حفاظت (جان و مال کی) اجرت ہے جس کا معاہد ذمی نے کیا ہے اور اس کی جان کی حفاظت اسلامی حکومت نے سال بھر کی اور وہ سال بھر دار الاسلام میں رہ چکا لہٰذا اس کا معاوضہ اس پر واجب اور قرض ہو گیا اور جس طرح دوسرے قرض مسلمان ہو جانے کے بعد معاف نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح سابق جزیہ بھی ساقط نہیں ہو سکتا۔

Marfat.com

امام ابو حنیفہ امام مالک اور امام احمد کے نزدیک جزیہ کفر کی سزا ہے اور توبہ کے بعد سزا نہیں دی جاتی لہٰذا حالت کفر کا جزیہ بھی اسلام کے بعد نہیں لیا جا سکتا۔ معاہدہ جزیہ سے قتال کا حکم ختم ہو جاتا ہے، اسلام سے بھی قتال کا حکم ختم ہو جاتا ہے۔ رہا جزیہ کا اجرت سکونت ہونا تو یہ نا قابل تسلیم ہے ذمی تو اپنی ملک میں رہتا ہے۔

ہمارے قول کا ثبوت حضرت ابن عباس کی اس روایت سے بھی ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان پر جزیہ نہیں ہے۔ رواہ احمد والترمذی وابوداؤد۔ ابوداؤد نے لکھا ہے کہ سفیان ثوری سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا جب ذمی مسلمان ہو گیا تو اس پر (سابق) جزیہ کی ادائیگی نہیں۔ سفیان ثوری نے جو تشریح کی ہے وہ ابن عمر کی روایت سے بھی منقول ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو مسلمان ہو گیا اس پر جزیہ نہیں، رواہ الطبرانی فی المعجم الاوسط ابن قطان جو حضرت ابن عباس کی حدیث کے ایک راوی کہتے ہیں کہ اس سند (یعنی حضرت ابن عمر کی روایت کی سند) میں قابوس بن ابوالظبیان ضعیف راوی ہے۔ طبرانی کی سند میں قابوس کا نام نہیں آیا، ابن ہمام نے لکھا ہے حدیث میں خصوصیت کے ساتھ اس جزیہ کا سقوط مقصود ہے جو اسلام سے پہلے ذمی پر واجب الادا تھا (اور اس نے ادا نہیں کیا) یہ مراد نہیں ہے کہ مسلمان ہونے کے بعد اس پر جزیہ لاگو نہ ہوگا کیوں کہ اسلام کا ابتدائی تقاضا بلا شبہ جزیہ کا لاگو نہ رہنا ہے اس کے ذکر کا کوئی فائدہ نہیں۔ امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مجھ سے کوفہ کے ایک بوڑھے عالم نے بیان کیا کہ عمر بن عبد العزیز نے عبد الحمید بن عبد الرحمن کو لکھ کر بھیجا (تحریر کے الفاظ یہ تھے) تم نے مجھ سے تحریر اُدریافت کیا ہے کہ حیرہ کے رہنے والے وہ یہودی اور عیسائی اور مجوسی جو مسلمان ہو جائیں اور حالت کفر کا ایک بڑا جزیہ ان کے ذمہ باقی ہو، اس جزیہ کا کیا کیا جائے تمہارا مقصد یہ ہے کہ سابق جزیہ ان سے وصول کیا جائے تم کو جان لینا چاہیے کہ اللہ نے محمد صلعم کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بھیجا تھا ٹیکس جمع کرنے کے لیے نہیں بھیجا تھا اس لئے ان مذاہب والوں میں سے جو مسلمان ہو جائے اس کے مال پر زکوٰۃ واجب ہو گی۔ اس پر جزیہ نہیں (یعنی سابق جزیہ جو اس پر واجب الادا رہ گیا ہو وہ معاف ہو جائے گا۔

## ایک شبہ .....

مسلمان ہونے کے بعد زمین کا خراج ساقط نہیں ہوتا نہ کوئی کافر غلام مسلمان ہونے کے بعد آزاد ہو جاتا ہے پھر جزیہ (سابقہ والا حصہ) کے معاف ہونے کا کیا معنی، تینوں چیزیں کفر کی سزا ہیں اور (مسلمان ہونے کے بعد تینوں کو ساقط ہو جانا چاہیے)۔

## ازالہ .....

جزیہ کھلی ہوئی ذلت ہے جزیہ کی بنا ہی جزیہ ادا کرنے والے کی توہین پر ہے (لہٰذا اسلام کے بعد مسلمان کی ذلت نہ ہونی چاہیے) اور خراج میں حکومت اور حکومت کی فوج کی خدمت و محنت کو بھی دخل ہے اگر حکومت کی طرف سے حفاظت (اور دشمنوں ظالموں کی مدافعت) نہ ہو تو کوئی کھیتی والا کھیتی نہیں کر سکتا گویا خراج حفاظت کی اجرت ہے (اور حکومت کی طرف سے کاشتکار کی حفاظت و حمایت حالت اسلام میں بھی جاری رہتی ہے لہٰذا زمین کا خراج حالت اسلام بھی لاگو رہے گا) رہا بقاء غلامی کا مسئلہ تو غلامی کا تعلق افراد کے انفرادی فرق سے ہے غلام فرد کی ملکیت ہوتا ہے (۔ حکومت کسی فرد کی ملکیت سلب نہیں کر سکتی ۔اور جزیہ کا تعلق کسی فرد کے خصوصی حق سے نہیں یہ عامۃ المسلمین کا حق ہے (جن کی نمائندہ حکومت ہے) افراد کے خصوصی ملک کی طرح اس کا حکم نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ :- امام ابو حنیفہ کے نزدیک سال شروع ہوتے ہی پورے سال کا جزیہ ادا کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ امام مالک کا قول بھی ایک روایت میں یہی آیا ہے لہٰذا ذمیت کا معاہدہ ہوتے ہی سال بھر کا جزیہ ادا کرنا لازم ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ادائے جزیہ کا وجوب سال ختم ہونے پر ہوتا ہے اس لیے سال گزرنے سے پہلے مطالبہ نہیں کیا جا سکتا امام مالک کا بھی مشہور قول

Marfat.com

یہی ہے۔

اگر دور ان سال میں یا سال تمام ہونے کے بعد ذمی مر جائے اور جزیہ ادا نہ کیا ہو تو امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک واجب الادا رقم جزیہ ساقط ہو جائے گی۔ اس کے ترکہ سے وصول نہیں کی جائیگی) کیونکہ جزیہ کفر کی دنیوی سزا ہے اور موت سے تمام دنیوی سزائیں ساقط ہو جاتی جس طرح حدود (قصاص) کا سقوط ہو جاتا ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کے نزدیک جزیہ چونکہ دار الاسلام میں رہنے کا اور حفاظت جان کا معاوضہ ہے اور سکونت و حفاظت سے مرنے والا سال بھر فائدہ اٹھا چکا ہے اس لیے معاوضہ کی ادائیگی واجب ہے اور جزیہ اس کے ترکہ سے وصول کیا جائے گا۔ بالکل اسی طرح جس طرح دوسرے قرض ترکہ سے وصول کیے جاتے ہیں۔

مسئلہ :- اگر دو سال یا دو سال سے زیادہ مدت کا جزیہ ذمی نے ادا نہیں کیا تو امام ابو حنیفہ اور امام احمد کے نزدیک تداخل ہو جائیگا۔ اس سے صرف ایک سال کا جزیہ لیا جائیگا۔ امام شافعی کے نزدیک ہر سال کا جدا جدا لیا جائے گا۔ کیوں کہ قرض کی طرح ہر سال کا جزیہ ذمی پر واجب الادا ہوتا ہے لہٰذا ایک سال کے دوسرے سال میں ادغام نہ ہوگا۔ ہماری دلیل یہ ہے کہ جزیہ محض دنیوی سزا ہے اس کا مقصد کافروں کی توہین ہے اسی لیے ذمی پر لازم ہے کہ خود ادا کرے کسی دوسرے کے ہاتھ نہ بھیجے اس کا مقصد مال جمع کرنا نہیں ہے اس لیے ایک سال کا جزیہ لینے سے بھی جزیہ کا مقصد پورا ہو جائے گا۔

مسئلہ :- بچوں پاگلوں اور عورتوں پر جزیہ واجب نہیں یہ قول متفق علیہ ہے بچے اور پاگل کسی سزا کے اہل ہی نہیں ہیں، امام ابو یوسف نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ مجھ سے عبید اللہ نے نافع کی روایت سے اسلم کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت عمر نے (اپنے تحصیلداروں کو) لکھا تھا بالغوں سے جزیہ لینا عورت اور بچہ سے نہ لینا اور جزیہ میں صرف چار دینار یا چالیس درہم (فی کس سالانہ) لینا یعنی زیادہ نہ لینا۔

بیہقی نے بروایت زید بن اسلم زید کے باپ کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے فوجی کمانڈروں کو لکھ کر بھیج دیا تھا کہ جزیہ صرف بالغوں پر مقرر کرنا۔ حضرت عمر عورتوں اور بچوں پر جزیہ مقرر نہیں کرتے تھے۔ دوسری روایت میں اتنا زائد ہے کہ (حضرت عمر نے لکھا تھا) عورتوں اور بچوں پر جزیہ لاگو نہ کرنا۔

مسئلہ :- غلام پر جزیہ نہیں، خواہ خالص غلام ہو یا مکاتب[1] یا مدبر یا ام ولد کا بیٹا۔ کیونکہ غلام کا، کسی طرح کا غلام ہو۔ کوئی مال اپنا نہیں ہوتا آقا کا ہوتا ہے اور ان کے مالکوں پر غلاموں کے حصہ کا یوں جزیہ نہیں کہ غلاموں کے وجہ سے ان پر جزیہ کا وجوب پہلے ہی زیادہ ہوتا ہے۔

ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں عروہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو لکھ بھیجا تھا کہ جو شخص یہودی یا عیسائی مذہب پر ہو اس کے مذہب سے زبردستی اس کو نہ نکالا جائے۔ بلکہ ہر بالغ پر جزیہ لگا دیا جائے۔ مرد ہو، عورت ہو، غلام ہو، باندی ہو (ہر شخص سے) ایک دینار یا اس کے مساوی قیمت (یعنی دس درہم) لی جائے۔ یہ حدیث ابن زنجویہ نے بھی حسن کی روایت سے لکھی ہے یہ دونوں روایتیں مرسل ہیں لیکن چونکہ ایک دوسری کی مؤید ہے اس لیے قابل قبول ہے مگر امت اسلامیہ کا اجماع ہے کہ ان روایتوں پر عمل نہیں کیا جائے گا (اور اجماع امت قطعی دلیل ہے اور احادیث مذکورہ ظن کے دائرہ میں ہیں اور قطعی کے مقابلہ میں ظنی ناقابل عمل ہے)۔

اسی طرح ابو عبیدہ کی یہ روایت بھی متروک العمل ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا تھا ذمیوں کے غلاموں کو نہ خریدنا وہ اہل خراج (یعنی اہل جزیہ) ہوتے ہیں ایک دوسرے کی طرف سے ادا کرتا ہے۔

---

[1] مکاتب وہ غلام ہے جس کو آقا نے یہ اختیار دے دیا ہو کہ اتنی رقم اگر تم مجھ کو دے دو گے تو آزاد ہو جاؤ گے۔ مدبر وہ غلام ہے جس سے آقا نے کہ دیا ہو کہ میرے مرنے کے بعد تو آزاد ہے۔ ام ولد وہ باندی ہے جس کے بطن سے آقا کی کوئی اولاد پیدا ہو جائے ایسی باندی کو بیچنا ناجائز ہے۔ اس کا بیٹا اگرچہ اس کے آقا کا بیٹا ہوتا ہے مگر باندی کا بچہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

مسئلہ :- اگر ذمی جزیہ ادا کرنے یا اسلام کے کسی حکم کو ماننے سے انکار کر دے یا کسی مسلمان کو قتل کر دے یا مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لیے لوگوں کو جمع کرے یا کسی مسلمان عورت سے زنا کرے یعنی نکاح (غیر شرعی) کر کے مسلمان عورت سے قربت کر لے یا کسی مسلمان کو اسلام کی طرف سے ورغلائے یا مسلمانوں کو راستہ میں لوٹ لے اور رہزنی کرے یا مشرکوں کے لیئے جاسوسی کرے یا مسلمانوں کے خلاف کافروں کی رہنمائی کرے یا کافروں کو مسلمانوں کی خبریں پہنچائے اور مسلمانوں کے رازوں سے ان کو واقف کرے تو ظاہر روایت میں آیا کہ امام احمد کے نزدیک ایسے ذمی کا معاہدہ توڑ دیا جائے گا اور وہ ذمی نہیں رہے گا۔ عبد الرزاق نے بروایت ابن جریج بیان کیا ہے کہ دو کتابیوں نے ایک مسلمان عورت پر دست درازی کی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ بن جراح اور حضرت ابو ہریرہ نے ان کو قتل کر دیا۔

بیہقی نے شعبی کی روایت سے سوید بن غفلہ کا مقولہ نقل کیا ہے، سوید کا بیان ہے ہم حضرت عمر کے پاس موجود تھے (امیر المومنین اس زمانہ میں شام میں تھے اچانک ایک نبطی شخص فریاد کرتا آیا کسی نے اس کو مارا تھا اور وہ چیخ رہا تھا حضرت عمر نے صہیب سے فرمایا جا کر دیکھو یہ حرکت کس نے کی صہیب نے جا کر دیکھا تو مارنے والے عوف بن مالک نظر آئے عوف کو لے کر صہیب امیر المومنین کے پاس آگئے عوف نے کہا ایک مسلمان عورت (گدھے پر سوار جا رہی تھی اس) کو گدھے سے گرانے کے لیے اس شخص نے گدھے کو مارا لیکن جب عورت گدھے سے نہیں گری تو اس نے دھکا دے کر عورت کو گدھے سے گرا دیا اور اس پر چڑھ گیا اس لیے میں نے اس کے ساتھ وہ سلوک کیا جو آپ کے سامنے ہے حضرت عمر نے (اس نبطی کی طرف خطاب کرتے ہوئے) فرمایا ان شرطوں پر تو ہم نے تم سے معاہدہ نہیں کیا ہے اس کے بعد آپ کے حکم سے اس شخص کو صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ پھر حضرت نے فرمایا لوگو! محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے ذمے کو پورا کرو لیکن جو شخص ان میں سے ایسی حرکت کرے اس کی ذمہ داری نہیں رہتی۔

ایک روایت میں امام احمد کا قول ہے کہ معاہدہ ذمیت کی شکست صرف اسی وقت کی جا سکتی ہے کہ ذمی اداء جزیہ سے یا ہمارے احکام کو ماننے سے انکار کر دے۔

امام شافعی نے فرمایا صرف تین وجوہ سے ذمیت کے معاہدہ کو توڑا جا سکتا ہے۔ ذمی جزیہ دینے سے انکار کر دے یا اسلام کے احکام کے لاگو ہونے سے انکار کر دے یا مسلمانوں سے جنگ کرے کا پکا ارادہ کر لے (یعنی مسلمانوں سے لڑنے کے لیے لوگوں کو جمع کرنے لگے) ہاں اگر مندرجہ بالا امور کی شرط معاہدے کے وقت کر لی گئی ہو تو پھر امور مندرجہ بالا میں سے اگر کوئی حرکت کر لے گا تو اس کی ذمیت کے معاہدہ توڑ دیا جائے گا۔

امام مالک نے فرمایا مسلمان عورت سے اگر ذمی زناء کر لے یا برائے نام نکاح کے بعد مسلمان عورت سے قربت کر لے یا رہزنی کرے تو ان تینوں صورتوں میں معاہدہ نہیں توڑا جا سکتا باقی مذکورہ بالا صورتوں میں معاہدہ توڑ دیا جائے گا۔ امام مالک کے شاگرد قاسم کی نزدیک رہزنی کی صورت میں بھی شکست معاہدہ کی جا سکتی ہے۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا صرف اس صورت میں معاہدہ توڑا جا سکتا ہے کہ ذمی دار الحرب سے مل جائے یا اس کے پاس کوئی فوجی طاقت ہو جس کی وجہ سے وہ دار الاسلام کے کسی حصہ پر قابض ہو گیا ہو ان دونوں صورتوں میں وہ حربی ہو جائے گا ذمی نہ رہے گا باقی کسی صورت میں معاہدہ نہیں توڑا جا سکتا کیونکہ مسلمانوں کو قتال سے باز داشت یعنی کافروں کو قتل کرنے کی ممانعت اس بنیاد پر ہوتی ہے کہ کافر ادائے جزیہ کا وعدہ کر لیتے ہیں اور جزیہ کو اپنے اوپر لاگو مان لیتے ہیں (اس کے بعد ادا بھی کرتے ہیں یا نہیں یہ دوسری بات ہے) جزیہ ادا کرنا معاہدے کی بنیاد نہیں ہے۔ اب اگر کوئی ذمی جزیہ نہیں دیتا اور اس کے پاس جنگی یا فوجی قوت بھی نہیں ہے تو اس نہ دینے کا اعتبار نہیں (ہم اس کو باغی یا حربی نہیں کہہ سکتے) امام المسلمین اس کو گرفتار کر اسکتا ہے اور مار سکتا ہے۔

مسئلہ :- اللہ کی شان میں نازیبا الفاظ کہنے یا قرآن مجید یا دین اسلام کے متعلق نامناسب کلمات ادا کرنے یا رسول

Marfat.com

اللہ ﷻ کی ذات کی بابت ناشائستہ کلام کرنے سے امام احمدؒ کے نزدیک معاہدہ ذمیت ٹوٹ جاتا ہے خواہ معاہدہ کے وقت اس شرط کا تذکرہ آیا ہو یا نہ آیا ہو، امام مالکؒ نے فرمایا: اگر اللہ اور رسول ﷺ کی شان میں ایسے الفاظ کہے جو سابق کفریہ عقیدہ و کلام کے علاوہ ہیں تو معاہدہ ذمیت ٹوٹ جائے گا۔ امام شافعیؒ کے اکثر شاگردوں کا خیال ہے کہ معاہدہ میں اگر اس کی شرط لگائی گئی ہو تو معاہدہ ٹوٹ جائے گا کیوں کہ یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہوگی) ورنہ نہیں ٹوٹے گا۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے مذکورہ امور میں معاہدہ ذمیت ٹوٹ جائے گا کیونکہ ان حرکات سے مومن کا ایمان جاتا رہتا ہے۔ لہٰذا ذمی کے لیے معاہدہ امان بھی جاتا رہا گا۔ معاہدہ امان (کافر کے لئے) ایمان کا قائم مقام ہوتا ہے۔ لیکن امام ابو حنیفہ کا مسلک یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو برا کہنے اور آپ کی شان میں نازیبا کلمات زبان سے نکالنے سے ذمیت کا معاہدہ نہیں ٹوٹتا کیونکہ یہ امور موجب کفر ہیں اور ذمی کافر تو پہلے سے ہی کافر ہوتا ہے اس کا کفر ذمیت کو ساقط نہیں کرتا لہٰذا حالیہ کلمات کفر بھی اس کی ذمیت کو نہیں توڑ سکتے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے اس قول کی تائید حضرت عائشہ کی روایت سے ہوتی ہے۔ کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے کہا اَلسَّامُ عَلَیْکَ (آپ پر ہلاکت ہو) حضور ﷺ نے جواب دیا وَعَلَیْکُمْ (اور تم پر بھی) حضرت عائشہ یہودیوں کے الفاظ (اور مطلب) سمجھ گئیں آپ نے فوراً "یہودیوں کو جواب دیا عَلَیْکُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَۃُ (تم پر ہلاکت اور لعنت ہو) رسول اللہ ﷺ نے یہ جواب سن کر فرمایا عائشہؓ نرمی کرو اللہ مہربان ہے ہر کام میں نرمی کو پسند فرماتا ہے، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ نے ان کا قول نہیں سنا فرمایا میں نے بھی تو وَعَلَیْکُمْ کہہ دیا۔ بعض روایات میں عَلَیْکُمْ بغیر واو کے آیا ہے۔ بخاری و مسلم، ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان اتنا زائد آیا ہے میں نے ان پر (ان کا قول) لوٹا دیا ان کے متعلق میرا قول مقبول ہوگا اور ان کا قول میرے متعلق مقبول نہ ہوگا۔ ابن ہمام نے اس کے بعد لکھا ہے کوئی شبہ نہیں کہ یہودیوں کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کی شان میں یہ گستاخی تھی مگر اس کے باوجود ان سے کیا ہوا معاہدہ نہیں توڑا گیا اگر شکست عہد ہوتی تو ان کو قتل کر دیا جاتا۔

فتاوی میں امام اعظم کا مسلک یہ منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو گالیاں دینے والا کوئی ہمو من ہو یا کافر بہر حال اس کو قتل کر دیا جائے اس کی توبہ بھی قبول نہ کی جائے۔ اس قول کا مطلب صاف ہے کہ رسول اللہ کی شان میں نازیبا کلمات کہنے سے معاہدہ ذمیت ٹوٹ جاتا ہے اس کی تائید امام ابو یوسف کی روایت سے بھی ہوتی ہے حفص بن عبداللہ بن عمر نے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی نے حضرت عبداللہ سے کہا میں نے خود سنا ہے کہ ایک راہب نے رسول اللہ کو گالی دی حضرت عبداللہ نے فرمایا میں نے نہیں سنا اگر میں سن لیتا تو اس کو قتل کر دیتا ہم نے اس بات پر ان سے معاہدہ نہیں کیا ہے۔

ابن ہمام نے لکھا ہے کہ ذمی رسول اللہ کی یا اللہ کی شان میں وہ الفاظ کہیں جو ان کے عقیدہ میں داخل نہیں ہیں مثلاً "یہودی اور عیسائی اللہ کی اولاد ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں، یہ بات ان کے عقیدہ کا جزء ہے اور اس کے علاوہ کوئی نازیبا بات اللہ یا رسول کی شان میں علی الاعلان کہیں اور اس کا اظہار کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے اور معاہدہ ذمیت توڑ دیا جائے اور اگر ظاہر نہ کریں چھپائے رکھیں اور حاکم کو اطلاع مل جائے تو معاہدہ نہ توڑا جائے کیونکہ جزیہ قبول کر کے جنگ سے باز داشت کا حکم نص میں اس قید کے ساتھ مقید ہے کہ ذلت کے ساتھ کافر جزیہ ادا کریں۔ تنہا ادائے جزیہ خواہ بغیر ذلت و حقارت کے ہو مطلوب نہیں اور یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ جزیہ کو قبول کرنا ذمی کے لیے توہین آمیز ہمیشہ ہونا چاہیے۔ یہ حکم استمراری ہے پس ذمیوں کی علی الاعلان مذکورہ حرکات ان کے انتہائی تمرد سرکشی اور اسلام و مسلمان کی توہین پر دلالت کرتی ہیں جس سے اس طریقے سے جزیہ قبول کرنے اور ادا کرنے کا حکم ختم ہو جاتا ہے جو طریقہ معاہدہ کے وقت تھا (یعنی کافر کی ذلت اور مسلمانوں کی عزت) لہٰذا معاہدہ ذمیت باقی نہیں رہے گا۔ رہی حضرت عائشہ والی روایت تو ظاہر ہے کہ اس وقت یہودی ذمی نہیں تھے۔ ان سے کوئی مال بطور جزیہ نہیں لیا جاتا تھا بلکہ ان کے شر سے محفوظ رہنے کے لیے امن کا معاہدہ کر لیا گیا تھا جب اللہ نے قدرت عطا فرما دی تو اس وقت ایک خاندان کے افراد کو قتل اور دوسرے کو جلا وطن کیا گیا۔

Marfat.com

ابن ہمام نے لکھا ہے، اس تنقیح سے یہ امر ثابت ہو رہا ہے کہ اگر کوئی ذمی مسلمانوں پر کسی طرح غلبہ پائے اور غلبہ استمراری ہو تو امام مسلمین کو حق ہے کہ اس کو یا تو سابقہ ذلت و حقارت کی طرف لوٹا دے (اور اسکی عزت و سطوت ختم کر دے) یا قتل کر دے۔ ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیر اور عکرمہ کی روایت سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سلام بن مشکم نعمان بن اوفی ابوانس، محمد بن وحیہ شاس بن قیس اور مالک بن الصیف حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ نے ہمارا قبلہ چھوڑ دیا اور عزیر کو آپ اللہ کا بیٹا نہیں کہتے پھر ہم آپ کے پیرو کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨ ابْنُ اللّٰهِ اور یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ عزیر تنوین کے ساتھ عربی لفظ ہے۔ اسم تصغیر ہے۔ بعض کے خیال میں عجمی لفظ ہے اور (اس پر تنوین آنے کی وجہ یہ ہے کہ) یہ عربی کے اسم تصغیر کے مشابہ ہے (باوجود چہار حرفی ہونے کے) اتنا ہی خفیف لفظ ہے جیسے نوح ہو لوط (پس سہ حرفی عجمی ناموں کی طرح یہ منصرف ہے)

عاصم کسائی اور یعقوب کے علاوہ باقی قاریوں نے اس لفظ کو بغیر تنوین کے پڑھا ہے کیونکہ غیر منصرف ہے۔

عبید بن عمیر نے کہا، اس قول کا قائل صرف فنحاص بن عاذورا یہودی تھا (کوئی اور قائل نہ تھا) اسی نے ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء بھی کہا تھا بغوی نے عطیہ عوفی کی روایت سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ یہودیوں میں عزیر کو ابن اللہ کی روایت اس طرح پڑی کہ جب عزیر موجود تھے اور توریت بھی موجود تھی اور تابوت بھی یہودیوں کے پاس موجود تھا تو یہودیوں نے توریت پر عمل چھوڑ دیا اور توریت کو انہوں نے کھو دیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے توریت ان کے سینوں سے فراموش کرا دی اور تابوت کو اٹھا لیا۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت عزیرؑ سے صبر نہ ہو سکا اور انہوں نے اللہ سے دعا و زاری کی اللہ نے دعا قبول فرمالی اور ان کو توریت لوٹا کر عطا فرما دی (یعنی حضرت عزیر کو بھولی ہوئی توریت پھر یاد ہو گئی) حضرت عزیر نے بنی اسرائیل کو اطلاع عام دیدی اور فرمایا قوم والو! اللہ نے توریت مجھی دوبارہ عنایت فرما دی لوگ یہ سن کر (ہر طرف سے) ان سے چمٹ گئے (اور یاد کرنے لگے) اس بات کو کافی عرصہ گذر گیا پھر مدت کے بعد اللہ نے تابوت بھی نازل فرما دیا (تابوت کے اندر توریت بند تھی) لوگوں نے حضرت عزیر کی تعلیم دی ہوئی توریت کی، تابوت والی توریت سے تطبیق کر کے دیکھی تو ایک ہی طرح پایا یہ بات دیکھ کر کہنے لگے عزیر کو دوبارہ توریت عطا ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ عزیر اللہ کا بیٹا ہے) کلبی نے ذکر کیا ہے کہ بخت نصر جب بنی اسرائیل پر غالب آ گیا تو اس نے ان تمام لوگوں کو قتل کر دیا جو توریت پڑھتے تھے۔ حضرت عزیرؑ اس زمانہ میں بچہ تھے اس لیے ان کو قتل نہیں کیا۔ جب (ستر یا سو سال کے بعد قید سے چھوٹ کر) بنی اسرائیل بیت المقدس میں ائے تو کسی کو توریت یاد نہ تھی۔ اللہ نے عزیر کو مبعوث فرمایا تاکہ از سر نو وہ توریت کی تعلیم دیں اور اس بات کو اپنے عزیرؑ ہونے کے ثبوت میں پیش کریں کیونکہ آپ کو سو برس تک مردہ رکھا گیا تھا اور سو برس کے بعد زندہ کر کے بھیجا گیا تھا۔ یہ پورا قصہ ہم نے سورہ بقرہ کی آیت اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا کی تشریح کے ذیل میں بیان کر دیا ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ فرشتہ نے ایک برتن میں پانی لا کر عزیر کو پلا دیا پیتے ہی ساری توریت حضرت عزیر کی سینے میں نقش ہو گئی پھر جب حضرت عزیر قوم کے پاس آئے اور ان سے کہا میں عزیر ہوں تو قوم نے تکذیب کی اور بولے اگر تم عزیر ہو تو توریت ہم کو لکھوا دو۔ حضرت عزیرؑ نے توریت لکھدی پھر کچھ زمانے کے بعد ایک شخص نے کہا مجھ سے میرے باپ نے اپنے باپ کا مقولہ نقل کیا تھا کہ توریت کو ایک مٹکے میں رکھ کر انگور کی بیلوں (کی جڑ) میں دفن کر دیا گیا تھا تاکہ بخت نصر کے حملہ کے وقت توریت کا ایک نسخہ محفوظ رہے) اس شخص کی اطلاع پر لوگ اس کے ساتھ مقررہ جگہ پر گئے اور وہاں سے توریت نکال لائے جب اس قدیمی توریت کو حضرت عزیر کی لکھوائی ہوئی توریت سے مقابلہ کر کے دیکھا تو دونوں کو مطابق پایا ایک حرف بھی نہیں چھٹا تھا اس پر کہنے لگے اللہ نے ایک شخص کے سینہ میں پوری توریت القاء کر دی اس کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ یہ شخص اللہ کا بیٹا ہے اسی وقت سے یہودی عزیر کو خدا کا بیٹا کہنے لگے۔

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح خدا کا بیٹا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ کے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد عیسائی اکیاسی برس تک اسلام پر قائم رہے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز

Marfat.com

پڑھتے تھے اور رمضان کے روزے رکھتے تھے۔ جب، نصاریٰ اور یہود میں جنگ ہوئی تو ایک بہادر یہودی نے جس کا نام بولس تھا حضرت عیسیٰ کے چند صحابیوں کو شہید کر دیا پھر خود ہی یہودیوں سے کہنے لگا اگر عیسیٰ برحق تھا اور ہم اس کا انکار کر رہے ہیں تو لا محالہ ہم دوزخی ہوں گے اور عیسائی جنت میں جائیں گے اس طرح ہم گھاٹے میں رہیں گے اور عیسائی فائدہ میں (۔ عیسائیوں کو کافر بنانے کی) میں ایک تدبیر کرتا ہوں تاکہ وہ بھی گمراہ ہو کر دوزخی ہو جائیں۔

ایک گھوڑا تھا جس کا نام عقاب تھا عقاب پر سوار ہو کر ہی وہ جنگ کرتا تھا بولس نے اس گھوڑے کی کونچیں کاٹ دیں اور (دکھاوے کے طور پر) ندامت کا اظہار کیا اور اپنے سر پر خاک ڈالتا عیسائیوں کے پاس پہنچا نصاریٰ نے پوچھا تو کون ہے بولا میں تمہارا دشمن بولس ہوں مجھے آسمان سے ایک ندا سنائی دی ہے کہ عیسائی ہوئے بغیر تیری توبہ قبول نہ ہوگی اس لئے میں نے یہودیت سے توبہ کر لی اور عیسائی ہو گیا عیسائی (اس کی باتوں میں آ گئے) اور گرجا میں لے گئے وہاں ایک برس تک وہ ایک کوٹھری سے باہر نہیں نکلا نہ دن کو نہ رات کو سال بھر میں انجیل سیکھ گیا۔ پھر باہر آیا اور بولا مجھے ندا آئی ہے کہ اب تیری توبہ قبول ہو گئی۔ عیسائیوں نے اس کی بات سچ مان لی اور اس سے محبت کرنے لگے۔ پھر بولس نسطور کو ایک کمرے میں لے گیا اور عیسائیوں پر اس کو اپنا نائب بنا کر کہا کہ عیسیٰ اور مریم اور اللہ تینوں (الوہیت کے عناصر) تھے اس کے بعد روم چلا گیا اور روم کے عیسائیوں کو لاہوت و ناسوت کی تعلیم دی (یعنی یہ کہا) کہ عیسیٰ (حقیقت میں) آدمی نہ تھے نہ جسم تھے ان کی یہ ظاہری انسانیت و جسمانیت تو عالم ناسوت میں تھی عالم لاہوت میں وہ اللہ کے بیٹے تھے۔ یہ عقیدہ اس نے ایک شخص کو سکھا کر رومیوں پر اپنا خلیفہ بنا دیا پھر ایک اور آدمی کو طلب کیا جس کا نام ملکاء تھا اس کو تعلیم دی کہ اللہ ازلی ابدی ہے اور عیسیٰ بعینہٖ اللہ ہے، جب تینوں کا عقیدہ الگ الگ مضبوط کر دیا تو ہر ایک کو الگ الگ تنہائی میں طلب کر کے کہا تو میرا مخصوص مقرب ہے میں نے عیسیٰ کو خواب میں دیکھا ہے۔ وہ مجھ سے راضی ہیں میں تو کل اپنے کو قربان کر دوں گا (اور عیسیٰ کے پاس چلا جاؤں گا) تم لوگوں کو اپنے عقیدہ اور مسلک کی تعلیم دینا میں عیسیٰ کو خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو ذبح کر دوں گا اس کے بعد وہ ذبح خانہ (خود کسی کے مقام) میں چلا گیا۔ تیسرا دن ہوا تو تینوں میں سے ہر خلیفہ نے لوگوں کو اپنے مسلک کی دعوت دی، ہر ایک کا ایک گروہ بن گیا اور تینوں گروہوں میں باہم اختلاف ہو گیا اور آپس میں خوب قتل و قتال ہونے لگا۔

ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ یہ ان کا قول ہے ان کے منہ سے کہنے کا (قول تو منہ سے ہی ہوتا ہے پھر) بافواھھم کہنے سے تاکید مقصود ہے تاکہ مجاز کا احتمال بھی نہ رہے۔ یعنی، یہ خود انہی کے منہ سے نکالا ہوا کلام ہے۔ یا یہ مقصد ہے کہ ان کی یہ بات افواہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی، صرف زبانی ڈھکوسلا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ لے معنی لفظ ہے۔

يُضَاهِـُٔوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۔ یہ بھی ان لوگوں کی ہی باتیں کرنے لگے جو اس سے پہلے ہو چکے ہیں یُضَاھِؤُنَ ہمزہ کے ساتھ اور بغیر ہمزہ کے دونوں قرأت ہیں، ضاہیتہ اور ضاھأتہ دونوں صحیح ہیں۔ مضاف محذوف ہے یعنی ان کا قول گزشتہ کافروں کے قول کے مشابہ ہے۔ قتادہ اور سدی نے کہا، عیسائیوں کا قول یہودیوں کے قول کے مشابہ ہے۔ یہودیوں نے عزیر کو خدا کا بیٹا کہا اور عیسائیوں نے مسیح کو خدا کا بیٹا کہا۔

مجاہد نے کہا عیسائیوں کا یہ قول مشرکوں کے قول کے مشابہ تھا۔ مشرکین عرب لات، عزیٰ اور منات کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔

حسن نے کہا عیسائیوں کا یہ قول گزشتہ کافروں کے قول کی طرح کفریہ تھا یعنی عیسائیوں کا کفر گزشتہ کافروں کے کفر کی طرح ہے۔ جیسے مشرکین عرب کے متعلق فرمایا كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ انہی کے قول کی طرح گزشتہ لوگوں نے بھی کہا تھا۔ ان کے اور ان کے سب کے دل کفر میں ایک جیسے ہیں۔

قتیبی نے کہا مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ کے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول اپنے اسلاف کے قول کی طرح ہے یعنی ان کا یہ کفر قدیمی ہے۔ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ ۔ ان کو اللہ کی مار یہ بظاہر بد دعا ہے اور حقیقت میں مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ان کو غارت کر دیا۔ ابن جریج نے یہی تفسیر کی ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا یعنی ان پر اللہ نے لعنت کر دی ہے۔ بعض نے کہا۔ (بد دعا نہیں) اظہار تعجب ہے۔ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝ یہ کدھر الٹے جا رہے ہیں۔ یعنی جب دلائل اور براہین قائم

Marfat.com

ہیں تو پھر حق سے باطل کی طرف مڑ کر کہاں جا رہے ہیں۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو اللہ کے سوا رب بنالیا ہے۔ احبار حبر کی جمع ہے حبر عالم اور دینی کتابیں پڑھنے والے کو کہتے ہیں۔ رہبان راہب کی جمع ہے گرجوں میں رہنے والے (تارک الدنیا) عیسائی (جیسے مسلمانوں میں خانقاہ نشین پیر اور درویش) رب قرار دینے سے یہ مراد ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی کرتے اور علماء و فقراء کے احکام کو مانتے ہیں، ترمذی نے صحیح میں اور بغوی نے حضرت عدی بن حاتم کا بیان نقل کیا ہے۔ عدی نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے گلے میں سونے کی صلیب پڑی ہوئی تھی حضور ﷺ نے فرمایا، عدی اس بت کو اپنی گردن سے نکال کر پھینک دے میں نے اتار دی

پھر حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچا تو آپ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ پڑھ رہے تھے۔ پڑھ چکے تو میں نے عرض کیا ہم تو علماء واحبار کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ فرمایا کیا ایسی بات نہ تھی کہ اللہ کی حلال کی ہوئی چیز کو جب علماء واحبار حرام قرار دیتے تھے تو تم اس کو حرام سمجھتے تھے اور اللہ کی حرام کی ہوئی چیز کو جب وہ حلال قرار دیتے تھے تو تم اس کو حلال سمجھ لیتے تھے میں نے عرض کیا ایسا تو ضرور ہوتا تھا فرمایا یہی ان کی عبادت تھی۔

عبداللہ بن مبارک کا مقولہ ہے کہ دین کو بدل دینے والے بادشاہ ہوتے ہیں یا علماء و مشائخ۔

وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ اور مسیح بن مریم کو بھی انہوں نے رب بنالیا ہے۔

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوْٓا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اور ان کو حکم نہیں دیا مگر اس بات کا کہ صرف ایک معبود کی عبادت کریں جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ اور وہ اللہ ہے۔

عبادت کرنے سے مراد ہے اطاعت احکام کرنا یعنی کسی کی اطاعت میں اگر اللہ کی نافرمانی ہوتی ہو تو اس کی اطاعت نہ کریں۔ باقی جس کی اطاعت کا اللہ ہی نے حکم دیا ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے خلفاء تو ان کی اطاعت حقیقت میں اللہ ہی کی اطاعت ہے۔ لا الہ الا ھو۔ الھا کی دوسری صفت ہے (پہلی صفت واحدًا ہے)

سُبْحٰنَهٗ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾ وہ ان کے شرک سے پاک ہے یعنی وہ جو عبادت وطاعت میں دوسروں کو اللہ کا سا بھی بناتے ہیں۔ اللہ ان کی اس حرکت سے پاک ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّآ اَنْ يُّتِمَّ نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۳۲﴾

وہ اللہ کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں اور اللہ نہیں پسند کرتا مگر اپنے نور کو پورا کرنا اگرچہ کافروں کو یہ بات ناگوار ہو۔ نور سے مراد ہیں وہ دلائل و براہین جو اللہ کی وحدانیت اور قدوسیت پر دلالت کر رہی ہیں یا قرآن مراد ہے یا رسول اللہ ﷺ کی نبوت۔ افواہہم سے مراد ہیں ان کے منہ سے نکلی ہوئی جھوٹی بے حقیقت باتیں۔ لفظ افواہ سے اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کی نبوت باطل کرنے کے لئے جو تکذیبی قول یہ لوگ منہ سے نکالتے ہیں وہ ایسے ہی بے کار ہیں جیسے کوئی سورج یا چاند کی روشنی اپنی پھونک سے بجھانے کی کوشش کرے (یعنی ان کی اس کوشش سے قرآن و نبوت کا نور بجھ نہ سکے گا) یَاْبَى اللّٰهُ، اللہ انکار کرتا ہے یعنی نہیں چاہتا نہیں پسند کرتا تا تمام نور سے مراد ہے دین کو سربلند کرنا اور دین کا بول بالا کرنا اور دین حق کو آخری نقطہ تکمیل تک پہنچانا۔ ولوکرہ میں لو شرطیہ ہے چونکہ اوپر والی آیت مضمون جزاء پر دلالت کر رہی ہے اس لئے جزاء کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ اسی نے بھیجا اپنے رسول محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر۔ الہدی سے مراد قرآن مجید ہے جو حلال حرام فرائض اور احکام کو کھول کر بیان کرتا ہے اور جنت کا راستہ بتاتا ہے۔ دین الحق سے مراد اسلام ہے۔

Marfat.com

لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ تاکہ اس دین کو تمام مذاہب پر غالب کر دے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس جگہ اظہار سے مراد ہے واقف بنا دینا اور ہ ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے اور الدین کلہ سے مراد ہیں تمام شریعتیں یعنی اللہ نے اپنے رسول کو دین حق کا حامل بنا کر بھیجا تاکہ تمام شریعتوں سے ان کو واقف کر دے۔ دوسرے مفسرین نے لکھا ہے کہ اظہار سے مراد ہے غالب کر دینا اور ہ ضمیر دین حق کی طرف راجع ہے۔ یعنی اسلام کو دوسرے مذاہب پر غالب کرنے اور ان کو منسوخ کرنے کے لئے۔ یا دوسرے مذاہب والوں پر غالب بنانے کے لئے تاکہ تمام اہل ادیان اسلام کے مطیع ہو جائیں اور اس کو اختیار کر لیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہ اور ضحاک نے کہا یہ بات حضرت عیسیٰؑ کے نزول کے وقت ہو جائے گی۔ تمام مذاہب والے مسلمان ہو جائیں گے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت ہے کہ عیسیٰ کے زمانے میں تمام مذاہب برباد ہو جائیں گے۔ میں کہتا ہوں کہ ظاہر یہ ہے کہ ظہور سے مراد ہے تمام مذاہب پر دین حق کا غلبہ کسی ایک زمانہ میں۔ حضرت مقداد کا بیان اس کی تائید کرتا ہے۔ حضرت مقداد نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا کہ روئے زمین پر کوئی مٹی کا بنا ہوا مکان یا اون یا خیمہ ایسا نہ بچے گا کہ اس میں دین اسلام داخل نہ ہو عزت والے کی عزت کے ساتھ یا ذلت والے کی ذلت کے ساتھ یعنی کلمہ اسلام کی وجہ سے یا تو اللہ لوگوں کو عزت عطا فرما دے گا اور وہ کلمہ گو ہو جائیں گے یا اس کلمہ کی وجہ سے لوگوں کو ذلیل کر دے گا کہ کلمہ کا انکار کریں گے مگر مجبوراً اطاعت کریں گے حضرت مقداد نے فرمایا میں نے کہا تو اس وقت دین سارا اللہ ہی کا ہو جائے گا (یعنی سب پر اللہ کے دین کو غلبہ حاصل ہو جائے گا۔)

میں کہتا ہوں اللہ نے اپنا یہ وعدہ پورا کیا اکثر اطراف عالم میں مختلف مذاہب والے مسلمانوں کے مطیع ہو گئے اور ایک زمانہ میں مسلمانوں کو سب پر غلبہ حاصل ہو چکا لیکن آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ غلبہ ہمیشہ قائم رہے گا۔ کیونکہ مسلم نے حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا رات و دن ختم نہ ہوں گے یہاں تک کہ (ایک زمانہ میں تمام دنیا میں) لات و عزیٰ کی پوجا ہونے لگے گی میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آیت هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ کے نزول کے بعد تو میرا خیال یہ تھا کہ یہ فیصلہ قطعی ہو چکا (آئندہ کبھی کفر کو غلبہ حاصل نہ ہوگا) فرمایا یہ اسلام کا غلبہ تو ہوگا اور جب تک اللہ چاہے گا رہے گا پھر ایک پاکیزہ ہوا چلے گی اور جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہوگا اس کی روح قبض ہو جائے گی اور سوائے اہل شر کے اور کوئی باقی نہ رہے گا سب لوگ اپنے اسلاف کے مذہب شرک کی طرف لوٹ جائیں گے۔

حسن بن فضل نے کہا آیت میں غلبہ سے مراد ہے واضح دلائل و براہین کی وجہ سے دین کا غلبہ یعنی اس دین کا ثبوت ایسی دلائل سے ہو گیا جن کو توڑنا ناممکن ہے بعض کے نزدیک غلبہ دین سے مراد ان مذاہب والوں پر غلبہ ء ہے جو رسول اللہ ﷺ کے گرد و پیش میں رہتے تھے (یعنی) مشرک، یہودی، عیسائی، مجوسی وغیرہ) امام شافعی نے فرمایا اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام مذاہب پر اس طرح غالب کیا کہ ہر سننے والے کو بتا دیا ہے کہ رسول حق پر ہیں اور ان کی مخالفت کرنے والے باطل پر۔ اور یہ بھی ظاہر کر دیا کہ رسول کا انکار کرنے والے دو گروہ ہیں ایک تو اہل کتاب اور دوسرے وہ لوگ جو بلا کتاب ہیں (یعنی آسمانی کتاب ان کے پاس نہیں، وہ کتاب الٰہی کے حامل ہونے کے مدعی ہیں) اللہ نے اپنے رسول کو غیر کتابی گروہ پر تو اس طرح غالب کر دیا کہ وہ بخوشی خاطر اسلام کے فرمان بردار ہو گئے اور اہل کتاب پر غلبہ کی یہ صورت ہوئی کہ بعض کو قید کیا بعض بخوشی مسلمان ہو گئے اور بعض نے ذلت کی ساتھ جزیہ ادا کرنا قبول کیا اور جزیہ کا حکم ان پر لاگو ہو گیا تمام مذاہب پر غلبہ پانے کی یہی صورت ہوئی گویا یہ آیت (یعنی لیظھرہ علی الدین کلہ) آیت و یابی اللہ الا ان یتم نورہ کا بیان ہے۔ اسی لیے اس جگہ دوسری بار فرمایا:

وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ اگرچہ مشرک اس کو پسند نہ کریں، اس جگہ کافروں کی جگہ المشرکون فرمایا دوسری آیت میں الکافرون آیا ہے کیونکہ اس جگہ رسول کے انکار کے ساتھ انہوں نے اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک قرار دے رکھا تھا۔

Marfat.com

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ اے اہل ایمان بکثرت علماء اہل کتاب اور عیسائیوں کے درویش احبار سے مراد ہیں، اہل کتاب کے علماء (خواہ یہودی ہوں یا عیسائی) اور رہبان سے مراد ہیں عیسائی درویش (کیونکہ یہودیوں میں رہبانیت کا دستور نہ تھا)

لَيَاْكُلُوْنَ بلاشبہ کھاتے ہیں۔ کھانے سے مراد ہے فائدہ اندوز ہونا، چونکہ فائدہ اندوز ہونے کی سب سے بڑی صورت کھانا ہے اس لیے لَيَاْكُلُوْنَ فرمایا (مال کا مقصد کھانا پینا پہننا اور استعمال کرنا ہے کھانے کا درجہ سب سے مقدم ہے، یہ مدار زندگی ہے)

اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ لوگوں کے مال ناجائز طور پر۔ باطل سے مراد ہے رشوت لے کر لوگوں کے فیصلے کرنا اللہ کے کلام میں تحریف کرنا، خود اپنے ہاتھوں سے لکھ کر یہ کہنا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ حکم ہے (یعنی خود تراشیدہ احکام کو حکم خدا کہنا) رسول اللہ ﷺ کے ان اوصاف کو جو ان کی کتابوں میں صحیح صحیح مذکور تھے بدل دینا۔ ان کو اندیشہ تھا کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کریں گے (اور اظہار کر دیں گے کہ جس رسول کے اوصاف ہماری کتابوں میں مذکور ہیں وہ رسول یہی ہیں) تو زیردست عوام اور نچلے درجہ کے ہم مذہب لوگوں سے ان کو جو کچھ کھانے پینے کو ملتا تھا وہ ختم ہو جائے گا (ان کی مذہبی سیادت اور دنیوی کمائی ختم ہو جائے گی)

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اللہ کی راہ سے (دوسروں کو) کو روکتے ہیں۔ اللہ کی راہ سے مراد ہے اللہ کا دین یعنی اسلام۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے (یعنی کنز بنا کے) رکھتے ہیں

بظاہر الذین سے مراد احبار اور رہبان ہی ہیں اور اس جملہ کا عطف محذوف پر ہے جس پر سابق کلام دلالت کر رہا ہے۔ اصل کلام اس طرح تھا اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ اس صورت میں آئندہ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کا حکم اہل کتاب کے لیے خصوصیت کے ساتھ ہوگا۔

حسن نے بعض صحابہ کا قول نقل کیا ہے کہ اہل کتاب کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لیے دلالت نص سے یہ حکم ثابت ہو جائے گا۔ حضرت ابوذرؓ کا قول ہے کہ یہ کلام علیحدہ ہے۔ اہل کتاب کے لیے مخصوص نہیں ہے اس صورت میں فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کا تعلق خبری صرف اَلَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ سے ہوگا اور اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ کے بعد فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ محذوف ہوگا۔ حذف کی وجہ صرف یہ ہے کہ آئندہ الذین یکنزون کے بعد اس کا ذکر کر دیا گیا ہے، مذکور محذوف پر دلالت کر رہا ہے۔

وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے۔ یعنی سونے چاندی میں سے کسی کو راہ خدا میں خرچ نہیں کرتے۔ (گویا مضاف محذوف یعنی لاینفقون کل واحد منھا) یا خزائن و اموال مراد ہیں (اور واحد مؤنث کی ضمیر جمع کی طرف راجع کر دی گئی) یا الفضہ کی طرف ضمیر راجع ہے کیونکہ چاندی ہی کثیر الاستعمال ہے (سونے کے سکے تو بہت کم استعمال میں آتے ہیں) سونے اور چاندی کے ساتھ ساتھ ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ تعیین نصاب کے لیے ایک کو دوسرے کے ساتھ ملایا جا سکتا ہے اور ملانے کے بعد ایک نصاب بنا کر اس کی زکوۃ ادا کی جائے ملانے کی صورت امام ابو حنیفہ کے نزدیک قیمت کا حساب لگا لینا ہے۔ اگر مجموعی قیمت بقدر نصاب ہو جائے تو زکوۃ ادا کی جائے) امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک (قیمت کا لحاظ نہیں وزن کا لحاظ ہے) سونی چاندی کو باہم ملایا جائے گا۔ مثلاً کسی کے پاس دس مثقال سونا اور سو درہم ہیں، بالاتفاق زکوۃ واجب ہوگی (دس مثقال سونا واجب الزکوۃ ہے) لیکن اگر پانچ مثقال سونا ہے جس کی قیمت سو درہم یا اس سے زائد ہے تو سونے کی قیمت کو درہموں کے ساتھ ملا دیں گے یعنی نصاب دراہم بنائیں گے۔ اگر نصاب چاندی (دو سو درہم) ہو جائے گا تو امام صاحب کے نزدیک زکوۃ واجب ہوگی اور صاحبین کے نزدیک وجوب زکوۃ نہ ہوگی۔ (کیونکہ سات مثقال

Marfat.com

سے کم سونے پر زکوٰۃ نہیں) اگر پانچ مثقال سونا اور سو درہم ہوں اور سو درہم کی قیمت دس مثقال سونا ہو تو کل پندرہ مثقال سونا ہو جائے گا۔ امام صاحب کے نزدیک سب کو سونا قرار دے کر سونے کی زکوٰۃ دی جائے گی اور صاحبین کے نزدیک کسی کی زکوٰۃ نہ ہو گی۔ نہ پانچ مثقال سونے پر زکوٰۃ ہے نہ سو درہم پر اور سونے کی قیمت کا اعتبار نہیں۔

آیت میں اشارہ اس طرف بھی ہے کہ سونے میں سے۔ الگ اور چاندی میں سے الگ زکوٰۃ نکالنے کی ضرورت نہیں بلکہ دونوں جنسوں کی زکوٰۃ ایک ہی جنس میں سے دی جا سکتی ہے (یہ اشارہ لا ینفقو نھا میں مفرد کی ضمیر ذکر کرنے سے مستفاد ہوتا ہے۔

چونکہ چاندی سونا ثمنیت کے لئے متعین ہیں اور دوسرے مالوں کا اندازہ چاندی سونے (یعنی ان کی قیمت) کے ذریعے سے لگایا جاتا ہے اسی لئے دوسری کسی قسم کے مال کا اس جگہ ذکر نہیں کیا۔ صرف..... چاندی سونے کا کیا دیکھو تجارتی سامان کی قیمت اگر چاندی یا سونے کی نصاب کو پہنچ جائے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے کسی قسم کا دوسرا مال معیار زکوٰۃ نہیں ہے۔ تخصیص ذہب وفضہ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ لوگ عام طور سے انہی کو جمع کر کے رکھتے ہیں (اور دوسری چیزوں کی ذخیرہ اندوزی تو صرف تجارت کے لیے کرتے ہیں) اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے کی دو صورتیں ہیں (۱) بالکل خرچ نہ کیا جائے۔ نہ اللہ کی راہ میں نہ شیطان کی راہ میں (۲) اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے اپنے نفس اور شیطان کی راہ میں صرف کیا جائے۔ جیسے ایک آیت میں آیا ہے کہ ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ۔ آیت میں چونکہ اہل کتاب کے علماء و مشائخ کی باطل خوری اور اللہ کی راہ سے روکنے کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ راہ خدا میں خرچ نہ کرنے سے مطلقاً خرچ نہ کرنا مراد ہے (یعنی انتہائی کنجوسی) یکنزون کا لفظ اسی پر دلالت کر رہا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا لفظ عام ہے اس میں فرض زکوٰۃ نفل خیرات اور تمام واجب و مستحب صدقات داخل ہیں۔ حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص بالامید ثواب اپنے بال بچوں پر صرف کرتا ہے وہ اس کے لیے صدقہ (ایسی خیرات جو موجب ثواب ہے) ہوتا ہے۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے رسول اللہ صلعم نے فرمایا، ایک وہ دینار ہے جس کو تو راہ خدا (جہاد) میں خرچ کرے۔ ایک وہ دینار ہے جو تو کسی غلام (کی آزادی) کے لئے صرف کرے، اک وہ دینار ہے۔ جو تو کسی مسکین کو خیرات کرے، ایک وہ دینار ہے جو تو اپنے بال بچوں کے (ضروری) صرف میں لائے،

،ان میں سب سے زیادہ ثواب والا وہ دینار ہے جو تو اپنے بال بچوں کی (ضروری) صرف میں لائے،
(۔ صحیح مسلم)

حضرت ثوبان راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (اجر و ثواب میں) سب سے بڑھ کر وہ دینار ہی جو آدمی اپنے بال بچوں کے (ضروری) مصارف میں لاتا ہے اور وہ دینار ہے جو راہ خدا میں کسی سواری کے صرف میں لاتا ہے اور وہ دینار ہے جو جہاد کے موقع پر کسی ساتھی کے لیئے خرچ کرتا ہے۔

حضرت ام سلمہ کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ابو سلمہ (سابق شوہر) کے بچے جو میرے بھی بچے ہیں اگر میں ان کے لیے کچھ خرچ کروں تو کیا مجھے ثواب ملے گا۔ فرمایا ان کے لیے خرچ کرو جو کچھ ان کے لیے خرچ کرو گی اس کا ثواب پاؤ گی (بخاری و مسلم) حضرت ابن مسعود کی بیوی زینب کا بیان ہے کہ میں نے اور ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا ہم اگر اپنے شوہروں کو کچھ خیرات دیں تو کیا ہم کو اس کا ثواب ملے گا فرمایا دوہرا اجر ملے گا۔ خیرات کا اور رشتہ (نوازی) کا۔ بخاری و مسلم)

فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ پس ان کو دردناک عذاب کی اطلاع دے دو۔ یعنی دونوں گروہوں کو ان کو بھی جو ناجائز طور پر لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور ان کو بھی جو چاندی سونا جمع کر کے رکھتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے

Marfat.com

## فائدہ

چونکہ وعید عذاب کو دو فعلوں کا نتیجہ قرار دیا ہے ایک جمع کر کے رکھنا، دوسرا راہ خدا میں خرچ نہ کرنا اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر ضروری واجب حصہ راہ خدا میں صرف کر دیا جائے (یعنی زکوٰۃ اور صدقہ واجبہ ادا کر دیا جائے) تو پھر چاندی سونا جمع کرنے میں کوئی گناہ نہیں، اسی پر اجماع ہے۔

طبرانی نے الاوسط میں اور ابن عدی نے الکامل میں اور ابن مردویہ و بیہقی نے سنن میں حضرت ابن عمر کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ جس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے وہ کنز نہیں یعنی وہ کنز نہیں جس پر عذاب کی وعید آئی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا، جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں کو یہ حکم بڑا شاق گذرا۔ انہوں نے کہا ایسا کون کر سکتا ہے کہ اپنے بچوں کے لیے کچھ نہ چھوڑے۔ اس کا تذکرہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کر دیا اس پر حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے زکوٰۃ اسی لیے تو فرض کی ہے کہ تمہارا باقی مال پاک ہو جائے (یعنی زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد باقی مال جمع کرنا ممنوع نہیں اور ایسا مال ناپاک نہیں) یہ حدیث ابو داؤد، ابو یعلی، ابن ابی حاتم، حاکم، ابن مردویہ اور بیہقی نے بھی حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ اس میں امتیاز زائد ہے کہ میراث کے حصوں کے فرضیت تو ہوئی اسی لیے ہے کہ تمہارے بعد والے (ورثہ) کے لیے (ترکہ) ہو جائے۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا مجھے پرواہ نہ ہوگی اگر میرے پاس کوہ احد کے برابر سونا ہو (بشرطیکہ) میں اس کی گنتی کر کے اس کی زکوٰۃ ادا کر دوں اور اللہ کی طاعت پر عمل کروں۔ ابن ابی حاتم، حاکم، ابو الشیخ اور ابن حبان نے حضرت علیؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو مال (یعنی ترکہ) چار ہزار درہم سے زائد ہو وہ کنز ہے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو یا نہ ادا کی گئی ہو اور جو اس سے کم ہو وہ نفقہ ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جو حاجت سے زائد ہو وہ کنز ہو، کیونکہ حضرت ابوذر کا بیان ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہونچا اس وقت حضور کعبہ کے سایہ میں بیٹھے ہوئے تھے مجھے دیکھ کر فرمایا رب کعبہ کی قسم وہ بہت گھاٹا پانے والے ہیں میں نے عرض کیا میرے ماں باپ قربان کون لوگ فرمایا بڑے مال دار سوائے ان (مال داروں) کے جو اس طرح اور اس طرح دیتے ہیں (یعنی) آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں بائیں سے (لٹاتے ہیں) اور ایسے لوگ بہت کم ہیں (صحیح و مسلم و صحیح بخاری)۔

حضرت ابوذرؓ کی مرفوع حدیث ہے کہ جس نے سونا چاندی ترکہ میں چھوڑا اسی سے (قیامت کے دن) اس کو داغا جائے گا۔ اخرجہ البخاری فی تاریخہ وابن جریر وابن مردویہ۔ میں کہتا ہوں اس حدیث کی مراد یہ ہے کہ جس نے سونے چاندی کا حق یعنی زکوٰۃ، ادا نہیں کی اور بغیر زکوٰۃ ادا کیے مر گیا اس کو داغ لگائے جائیں گے۔ اسی طرح سابق حدیث میں بھی وہی مال دار مستثنیٰ ہیں جو فرض مالی ادا کرتے ہیں زیادہ مالداروں پر زیادہ مال کی ادائیگی بھی واجب ہوتی ہے۔ اس لئے ہر طرف سے اور ہر خیر کے راستہ میں ان کو خرچ کرنا ضروری ہے۔

جو علماء فاضل از حاجت مال کو کنز کہتے ہیں، وہ اپنے اس قول کے ثبوت میں حضرت ابو امامہ کی روایت پیش کرتے ہیں کہ اہل صفہ میں سے ایک آدمی مر گیا اور اس کے تہبند میں ایک دینار نکلا رسول اللہ نے فرمایا یہ ایک داغ ہے پھر دوسرا شخص مر گیا اور اس کے تہبند میں دو دینار نکلے حضور ﷺ نے فرمایا یہ دو داغ ہیں۔ رواہ البغوی۔ حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ اہل صفہ میں سے ایک آدمی مر گیا اس کی چادر میں سے دو دینار ملے، رسول اللہ نے فرمایا یہ دو داغ ہیں۔

حضرت مسعود بن عمر کی روایت ہے کہ ایک شخص (کا جنازہ) نماز پڑھنے کے لیے لایا گیا۔ رسول اللہ نے پوچھا اس کا ترکہ کتنا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا دو یا تین دینار، فرمایا اس نے دو یا تین داغ چھوڑے۔ میں حضرت عبد اللہ ابو القاسم سے ملا۔ انہوں نے فرمایا وہ شخص لوگوں سے (جمع کرنے کے لیے) مانگتا تھا۔ رواہ البیہقی من روایۃ یحییٰ بن عبد الحمید الحمانی۔

Marfat.com

میں کہتا ہوں جو تشریح ابوالقاسم نے بیان کی یہی مراد حضرت ابوامامہ اور حضرت ابن مسعود کی روایتوں کی بھی ہو سکتی ہے (شاید وہ لوگ بھی مانگتے ہوں گے)

صورت مسئلہ اس طور پر بھی بیان کی جاسکتی ہے کہ جو شخص صوفی ہو گیا توکل کو اختیار کر لیا دنیا کو ترک کر دیا اور اس پر لوگوں کی کفالت وذمہ داری بھی نہ ہو نہ اس کے بیوی بچے ہوں نہ دوسرے مستحقین اس کے لیے اپنی حاجت سے زائد روک کر رکھنا جائز نہیں اللہ نے فرمایا ہے اوفوا بالعقود ۔اوفوا بالعھد (اپنا عہد پورا کرو) اہل سنہ ایسے ہے (تارک الدنیا متوکل مجرد) لوگ تھے (نہ ان کے بال بچے تھے نہ مستحقین)

حضرت علیؓ تمام صوفیہ کے پیشوا اعظم تھے، آپ کے کلام میں عیال دار صوفی کا حکم مذکور ہے۔[1]

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ کہ اسی روز واقع ہو گی جب کہ دوزخ کی آگ میں اول ان کو تپایا جائے گا، یعنی ان کو آگ میں داخل کیا جائے گا پھر آگ کو سونے چاندی یا درہم و دنانیر پر دہکایا جائے گا۔

فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ پھر اس سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں کو اور پیٹھوں کو داغا جائے گا جَبَاہ سے مراد ہیں جسم کے سامنے کے حصے (چہرہ ناک سینہ پیٹ ران کا اگلا حصہ زانو وغیرہ) جُنُوْب سے مراد ہیں دائیں بائیں کے حصے۔ پہلو، اور ظُہُوْر سے مراد ہیں جسم کے پچھلے حصے کمر سرین پشت گردن گدی وغیرہ مراد یہ ہے کہ ہر طرف سے ان کو دہکتے سونے چاندی داغا جائے گا۔ بعض علماء نے کہا کہ مذکورہ اعضاء کو خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنے کی یہ وجہ ہے کہ کفار فقراء اور مساکین کو دیکھ کر تیوری چڑھا لیتے اور ترش روئی کا اظہار کرتے تھے اور جب مساکین کسی مجلس میں شریک ہوتے تھے تو وہ لوگ اپنے ساتھیوں کو لے کر وہاں سے کترا جاتے اور پشت پھیر کر چل دیتے تھے اور فقراء کی طرف سے منہ موڑ لیتے تھے۔

خصوصی ذکر کی یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ انہی بیرونی اعضاء کے اندر انسان کے اعضاء رئیسہ دماغ دل اور جگر ہوتے ہیں۔

هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۝ (بطور تبنیہ ان سے کہا جائے گا) یہ مال وہی ہے جو تم نے اپنے فائدہ کے لیے جمع کیا تھا (اور سمجھتے تھے کہ جو کچھ ہم نے جمع کیا ہے وہ ہمارے کام آئے گا اور ہمارے لئے مددگار ہوگا) اب اپنے جمع کردہ مال کا یا اس کو جمع کرنے کا عذاب چکھو۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو سونے چاندی کا مالک اس کا حق (زکوٰۃ) ادا نہ کرے گا قیامت کی دن اس سونے چاندی سے اس کے لیے آگ کی چٹانیں بنائی جائیں گی اور دوزخ کی آگ میں ان کو دہکا کر اس شخص کے پہلو پیشانی اور پشت پر داغ لگائے جائیں گے جب وہ کچھ ٹھنڈی پڑ جائیں گی تو دوبارہ پتا کر داغ لگائے جائیں گے اور ایسا اس (پورے) دن ہوتا رہے گا، جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہو گی۔ آخر جب بندوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس شخص کو اس کا راستہ بتایا جائے گا۔ جنت کو جانے والا یا دوزخ کو جانے والا۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ اونٹوں کا کیا حکم ہے فرمایا اور جو اونٹوں والا ان کا حق (یعنی زکوٰۃ) ادا نہ کرے گا اور پانی پلانے کے ان کو دودھ بہنا (اور دودھ میں سے مساکین کو دینا بھی) قابل حقوق کے ہے۔ قیامت کی دن ایک ہموار میدان میں اونٹوں کے سامنے اس کو لٹایا جائے گا اونٹ سب موجود ہوں گے، ایک بچہ بھی کم نہ ہو گا یہ اونٹ اپنے موزوں (یعنی کھر والوں) سے اس کو روندیں گے اور منہ سے کاٹیں گے، اول حصہ جب روند تا چلا جائے گا تو پچھلا حصہ پھر روندنے کے لیے لوٹ پڑے گا (یعنی روندنے کا سلسلہ نہ ٹوٹے گا) ایسا اس (پورے) دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس

[1] حضرت بریدہ کی روایت ہے کہ جب آیت والذین یکنزون الذھب والفضۃ الخ نازل ہوئی تو صحابہ نے کہا آج کنز کے متعلق جو حکم نازل ہوتا تھا ہو گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اب ہم کیا چیز اندوختہ کریں فرمایا ذکر کرنے والی زبان شکر گذار دل اور نیک بی بی جو ایمان پر تمہاری مدد کرے۔

Marfat.com

ہو گی۔ آخر جب بندوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس کو اس کا راستہ بتا دیا جائے گا، جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف۔ عرض کیا گیا گائے بھینس اور بھیڑ بکریوں کا کیا حکم ہے فرمایا ان کا مالک اگر حق ادا نہ کرے گا تو ہموار میدان میں ان جانوروں کے سامنے اس کو پچھاڑ کر لٹایا جائے گا سب جانور موجود ہوں گے کوئی غیر حاضر نہ ہوگا۔ ان میں کوئی ایسا نہ ہوگا کہ اس کے سینگ پیچھے کو مڑے ہوئے ہوں یا کوئی جانور منڈا ہوگا، نہ سینگ ٹوٹا ہوا (سب کے سینگ نوک دار آگے کی طرف ہوں گے) یہ تمام جانور اس شخص کو اپنے سینگوں سے ماریں گے اور کھروں سے روندیں گے اول حصہ گزرتا جائے گا اور پچھلا حصہ لوٹ کر آتا جائے گا۔ یہ عذاب اس (پورے) دن ہوتا رہے گا جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہوگی آخر جب لوگوں کا فیصلہ ہو چکے گا تو اس کو اس کا راستہ دکھا دیا جائے گا۔ جنت کا یا دوزخ کا (رواہ مسلم)

یہ حدیث گویا آیت کی تفسیر ہے، اس میں اس امر کی صراحت ہے کہ وہ کنز جس کو تپا کر داغ دیئے جائیں گے اس سے مراد وہ کنز ہے جس کی زکوٰۃ ادا نہ کی گئی ہو۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو اللہ نے مال دیا ہو اور اس نے اس مال کی زکوٰۃ نہ دی ہو قیامت کے دن وہ مال اس گنجے سانپ کی شکل پر کر دیا جائے گا جس کی آنکھوں کے اوپر سیاہ (دھاریاں یا) نقطے ہوتے ہیں۔ یہ سانپ بصورت طوق اس کے گلے میں پڑ جائے گا، اور دونوں باچھوں کو پکڑ کر (چیرے گا اور) کہے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں پھر حضور ﷺ نے آیت وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الخ تلاوت فرمائی۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابوذرؓ کی روایت کہ رسول اللہ نے فرمایا جس شخص کے پاس اونٹ، گائے، بھیڑیں یا بھیڑ بکریاں ہوں اور وہ ان کی زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو قیامت کے دن ان کو بڑا عظیم الجثہ خوب موٹا تازہ بنا کر لایا جائے گا اور یہ (جانور اس مالک کو اپنے سموں کھروں سے روندیں گے اور سینگوں سے ماریں گے جب پہلی جماعت (پامال کرتی ہوئی) نکل جائے گی۔ اگلی جماعت (لوٹ کر دوبارہ) روندتے آجائے گی۔ یوں ہی اس وقت ہوتا رہے گا کہ لوگوں کا فیصلہ ہو جائے (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ — یقیناً (ایک سال کے) مہینوں کی (انتہائی) گنتی بارہ مہینے ہے۔

شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ — اللہ کی کتاب میں یعنی لوح محفوظ میں یا اللہ کے حکم میں۔

يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ — (اسی وقت سے) جب کہ اللہ نے آسمان و زمین کو بنایا تھا یعنی حج زکوٰۃ اور روزوں کے لیے اللہ کے نزدیک چاند کے مہینے معتبر ہیں اور ایک سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں یعنی ایک سال کا دور اللہ کے نزدیک بارہ مہینے کا ہوتا ہے ان میں سے ایک مہینہ روزوں کے لیے اور چند ماہ حج (کو جانے) کے اور سال کا خاتمہ ادائے زکوٰۃ کے وجوب کے لیے ہے۔

مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ — جن میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں یعنی ان میں لڑائی کا آغاز حرام ہے (دفاع کی حرمت نہیں) رجب کا ایک مہینہ الگ ہے اور ذیقعدہ ذی الحجہ، محرم تین ماہ مسلسل ہیں۔

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ — یہ ہی (یعنی چاند کے مہینے ہونا اور سال بغیر کمی بیشی کی پورے بارہ ماہ کا ہونا) دین مستقیم ہے۔ یعنی دین ابراہیمی ہے جس کو ترک کرنا جائز نہیں (ایک وقت کو چھوڑ کر دوسرا وقت ادائے فریضہ کے لیے مقرر کر لینا درست نہیں) جیسے نصاریٰ نے رمضان کے روزے چھوڑ کر ان کی جگہ بہار کے معتدل موسم میں پچاس روزے از خود مقرر کر لیے۔

فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ — سو ان مہینوں میں اپنے اوپر ظلم نہ کرو۔ یعنی کوئی گناہ نہ کرو۔ بن ضمیر بارہ مہینوں کی طرف راجع ہے لیکن ظاہر یہ ہے کہ اربعۃ حرم کی طرف لوٹائی جائے کیونکہ اربعۃ کا لفظ قریب بھی ہے اور گناہ کی ممانعت کے حکم کو ان کی حرمت پر ہی متفرع بھی کیا ہے ظلم سے مراد ہے ان کی حرمت کی پرواہ نہ کرنا اور ان میں قتل و قتال کرنا۔

Marfat.com

قتادہ نے کہا حرمت کی مہینوں میں نیک کام کرنے کا ثواب بہت بڑا ہے۔ لہٰذا ان میں گناہ کرنے کا عذاب بھی بہت بڑا ہے اگرچہ گناہ ہر زمانے میں (برائی کے لحاظ سے) بڑا ہی ہوتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ظلم کرنے سے مراد ہے حرام کو حلال بنالینا اور ان مہینوں میں لوٹ مار (اور جنگ و جدال) کو جائز سمجھنا۔

محمد بن اسحاق نے کہا مطلب یہ ہے کہ حلال مہینوں کو حرام اور حرام مہینوں کو حلال نہ بناؤ جیسے مشرکوں نے کر رکھا تھا جس کو نسی کہا جاتا تھا (محرم کے مہینہ کو حلال بنا کر صفر کی مہینہ کو حرام قرار دے لیتے تھے اس کو نسی کہتے تھے یعنی ایک ماہ کی حرمت ٹال کر دوسرے ماہ کی طرف منتقل کر دینا)

وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً اور سب مشرکوں سے جنگ کرو جیسے وہ تم سب سے لڑتے ہیں۔ كَافَّةً مصدر ہے۔ كُفَّ عَنِ الْأَمْرِ اس کام سے اس کو روک دیا گیا۔ مجموعہ پر زیادتی کو روک دیا جاتا ہے۔ اس لیے كَافَّةً کا معنی ہو گیا جمیعاً۔

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٦﴾ اور جان لو کہ اللہ تقویٰ والوں کے ساتھ ہے۔ یہ متقیوں کے لیے اللہ سے کامل طور پر قریب ہونے کی بشارت ہے اور ان کو طاقت ور بنا کر فتحیاب کرنے کی ضمانت ہے اللہ کی معیت متقیوں کے ساتھ (جسمانی معیت نہیں بلکہ) ہر کیفیت سے مبرا ہے (۔ناقابل بیان اور ناقابل فہم ہے) بغوی نے لکھا ہے کہ حرمت والے مہینوں میں مسئلہ قتال کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں بعض لوگ کہتے ہیں پہلے گناہ کبیرہ تھا پھر آیت قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً سے اس ممانعت کو منسوخ کر دیا گیا اس صورت میں آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ مشرکوں سے ہر زمانہ میں لڑو حرمت والے مہینے ہوں یا دوسرے مہینے سب میں مشرکوں سے جنگ کرو۔ دیکھو رسول اللہ ﷺ نے حنین میں بنی ہوازن سے اور طائف میں بنی ثقیف سے جہاد کیا، شوال بھر اور ذیقعدہ کے کچھ دنوں تک ان کا محاصرہ جاری رکھا یہ قول قتادہ عطاء خراسانی زہری اور سفیان ثوری کا ہے۔

میں کہتا ہوں، یہ قول غلط ہے آیت قَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً آیت مُحَرَّمْ کی ناسخ ہو ہی نہیں سکتی۔ دونوں آیتیں متصل ہیں (دونوں کا ساتھ ساتھ نزول ہوا ہے) اور ناسخ کے نزول کا زمانہ منسوخ کے نزول کے زمانہ سے موخر ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ حرمت کے مہینوں میں قتال کرنے کی حرمت زمانی ہے اور آیت قاتلوا المشرکین کافۃ "میں عموم زمانی نہیں ہے کہ یہ ناسخ بن سکے (یعنی اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر زمانہ میں مشرکوں سے قتال کرو) آیت کا حکم قتال کرو ہر زمانہ کے لیے عام قرار دینا اور یہ مطلب بیان کرنا کہ حرمت والے مہینے ہوں یا دوسرے مہینے ہر زمانہ میں قتال کرو یہ از خود زیادتی ہے۔ آیت میں اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ رہا رسول اللہ کے عمل سے استدلال تو یہ بھی غلط ہے صحیح یہ ہے کہ ماہ ذیقعدہ کے آتے ہی رسول اللہ نے طائف کا محاصرہ اٹھا لیا تھا شوال حرمت والا مہینہ نہیں ہے اور اگر بالفرض روایت مذکورہ کو صحیح مان بھی لیا جائے تو یہ حدیث آحاد ہوگی قرآن کی ناسخ نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ .....

یہ بات قابل غور ہے کہ غزوہ طائف ۸ھ میں ہوا اور اس آیت کا نزول ۹ھ میں ہوا تو سابق واقعہ پیچھے نازل ہونے والے حکم کو کیسے منسوخ کر سکتا ہے۔ ایک امر یہ بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وفات سے اسی ۸۰ دن پہلے حجۃ الوداع کے خطبہ میں حرمت والے مہینوں کو بیان کیا تھا اور صحیح یہ ہے کہ رسول اللہ کا طائف والا عمل (اگر ثابت ہو جائے تو) منسوخ ہے آیت منسوخ نہیں ہے ابن خریج کا بیان ہے کہ عطا بن ابی رباح نے اللہ کی قسم کھا کر کہا تھا کہ آیت منسوخ نہیں کی گئی حرم کے اندر قتال کرنا جائز ہے نہ حرمت والے مہینوں میں ہاں اگر حرمت والے مہینوں میں کفار مسلمانوں سے جنگ کریں تو (دفاع) کے لئے قتال جائز ہے۔ آئندہ آیت سے بھی یہی اس کی تائید ہو رہی ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ نسیٔ بروزن فعیل بمعنی مصدر ہے جیسے سعیر، حریق یا اسم مفعول کے معنی میں ہے جیسے جریح اور قتیل۔ نسی کا معنی ہے ٹالنا موخر کر دینا یا وہ چیز جس کو موخر کر دیا جائے۔ بیع میں نسیہ (ادھار) بھی اسی سے بنا ہے۔ انساء اللہ اجلہ اور نستأفی اجلہ اللہ نے اس کی (زندگی میں ڈھیل دے دی) موت کو پیچھے کر دیا۔



Marfat.com

اس جگہ نسیئ سے مراد ہے وہ ادل بدل جو حرمت والے مہینوں کی سلسلہ میں اسلام سے پہلے عرب کرتے تھے۔ ایک حرمت والے مہینہ (کو حلال بنالیتے اور اس) کی حرمت کو دوسرے (حلال) مہینے پر ڈال دیتے تھے۔ ابن جریر نے ابو مالک کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اہل جاہلیت سال کے تیرہ مہینے کر دیتے تھے (ایک ماہ میں لوند مان لیتے تھے پس) محرم کو بھی صفر قرار دیتے تھے۔ اس پر اللہ نے یہ ایت نازل فرمائی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ عرب ماہہائے الحرام کی حرمت کا عقیدہ رکھتے تھے اور یہ عقیدہ انہوں نے دین ابراہیمی سے سیکھا تھا جس پر مضبوطی سے قائم تھے۔ لیکن عموماً ان کی روزی شکار یا پھر لوٹ مار پر موقوف تھی اس لیے تین مہینے تک پے در پے لڑائی سے رکا رہنا ان کے لئے بڑا دشوار تھا۔ یہی وجہ تھی کہ کبھی کبھی کسی حرمت والے مہینہ میں ان کی لڑائی واقع ہو جاتی تھی اور لڑائی کو ٹالنا ان کو گوارا نہ ہوتا تھا یہی بنیاد تھی، اس بات کی کہ وہ ایک حرمت والے مہینے کی حرمت کو دوسرے مہینہ پر ٹال دیتے تھے محرم کو صفر اور صفر کو محرم بنالیتے تھے اور اس طرح محرم میں قتل وغارت گری کا جواز نکال لیتے تھے اور اگر صفر کے مہینہ کی بھی حرمت موخر کرنا ہوتی تو ربیع الاول کو حرمت کا مہینہ کر لیتے تھے اسی طرح تحریم میں مزید تاخیر کرتے چلے جاتے تھے یہاں تک کہ تحریم کا یہ چکر ایک ماہ کے بعد دوسرے ماہ پر اور دوسرے ماہ کا تیسرے ماہ پر اور تیسرے ماہ کے بعد حتیٰ کہ پورے سال کو گھیر لیتا تھا جب اسلام آیا تو اس وقت ایک زمانہ کے بعد محرم کی حرمت محرم ہی میں لوٹ کر آچکی تھی۔

چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں خطبہ دیا اور (اس میں) اسی بات کا تذکرہ کیا صحیحین میں حضرت ابو بکرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قربانی کے دن (۱۰ ذی الحجہ کو) خطاب کیا اور فرمایا زمانہ چکر کاٹ کر اسی ہیئت پر آگیا ہے جس ہیئت پر آسمان وزمین کی پیدائش کے دن تھا سال بارہ مہینے کا ہے جن میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں تین پے در پے ذیقعدہ ذی الحجہ محرم اور ایک رجب مضر جو جمادی الثانیہ اور شعبان کی درمیان ہوتا ہے اور حضور نے فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے، ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب واقف ہیں آپ یہ سن کر خاموش رہے ہم نے خیال کیا شاید اس مہینہ کا نام کوئی دوسرا نام (مروج نام کے علاوہ لیں گے (لیکن) آپ نے فرمایا کیا یہ ذی الحجہ نہیں ہے ہم نے عرض کیا جی ہاں ہے کیوں نہیں، فرمایا یہ شہر کونسا ہے ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ہی خوب واقف ہیں آپ یہ سن کر خاموش رہے۔ ہمارا خیال ہوا کہ شہر کا نام مقررہ نام کے علاوہ کچھ اور لیں گے فرمایا کیا یہ مکہ شہر نہیں، ہم نے عرض کیا جی ہے کیوں نہیں فرمایا یہ دن کون سا ہے ہم نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول خوب واقف ہیں آپ خاموش رہے ہمارا گمان ہوا کہ شاید کہ کوئی دوسرا نام لیں گے لیکن آپ نے فرمایا کیا یہ قربانی کا دن نہیں ہے۔ ہم نے عرض کیا جی ہے کیوں نہیں، فرمایا تو جس طرح تمہارا یہ دن اس ماہ اور اس شہر میں حرمت والا ہی اسی طرح تمہارے آپس میں باہمی خون اور مال اور آبروئیں بھی حرام ہیں (کسی کو کسی کا قتل یا آبروریزی یا ناجائز مال لینا جائز نہیں) عنقریب تم کو اپنے رب کے سامنے جانا ہوگا اور وہ تمہارے اعمال کی بازپرس کرے گا اس لیے خوب سن لو کہ میرے بعد گمراہ نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارنے لگے۔ تم نے سن لیا کیا میں نے حکم پہنچا دیا۔ صحابہ نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اے اللہ تو بھی گواہ ہے اب جو حاضر ہی وہ اس کو (یہ حکم) پہنچا دے جو اس وقت موجود نہیں ہے۔ کبھی سننے والے سے وہ شخص زیادہ یاد رکھتا ہے جس کو سننے والا پہنچاتا ہے۔ علماء (یا صحابہ) کا بیان ہے کہ عرب (جاہلیت) میں نسیئ کا رواج برابر جاری تھا بعض سال وہ کسی مہینہ میں اور اگلے سال کسی اور مہینے میں وہ حج کرتے تھے۔ مجاہد کا قول ہی کہ دو سال ایک ہی مہینہ میں حج کرتے ذی الحجہ میں دو سال محرم میں دو سال صفر میں دو سال، اسی طرح ہر ماہ میں دو سال حج کرتے تھے اتفاق ایسا ہوا کہ حج وداع سے پہلے جو حضرت ابو بکر کی زیر قیادت حج کیا گیا وہ ماہ ذیقعدہ میں دوسرے سال کا حج تھا اور اگلے سال جب رسول اللہ نے حج وداع کیا تو وہ حج شرعی یعنی ذالحجہ میں تھا نویں تاریخ کو آپ نے عرفات میں قیام کیا اور ....؟

دسویں تاریخ کو منیٰ میں خطبہ دیا اور بتایا کہ نسیئ کے مہینے منسوخ ہو گئے اور چکر کاٹ کر زمانہ (حج) وہیں آگیا جس پر اللہ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے دن مہینوں کا حساب قائم کیا تھا حضور ﷺ نے اس کی پابندی کا حکم دیا تاکہ اگلے زمانہ میں اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہ کر لی جائے۔

سب سے پہلی نسیئ کا رواج کس نے قائم کیا۔ اس میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ حضرت ابن عباس ضحاک قتادہ اور مجاہد کا قول ہے کہ نسیئ کے بانی قبیلہ مالک بن کنانہ کے افراد تھے۔ یہ تین شخص تھے ابو ثمامہ جندل بن عوف اور ابن امیہ کنانی۔ کلبی

Marfat.com

نے کہا سب سے پہلے اس رسم کو جاری کرنے والا نعیم بن ثعلبہ کنانی تھا یہ حج کے زمانہ میں امیر حج ہوا کرتا تھا۔ جب لوگ حج سے فارغ ہونے لگتے تھے تو وہ کھڑا ہو کر لوگوں سے خطاب کرتا اور کہتا تھا جو فیصلہ میں کر دوں اس کی تردید نہیں کی جا سکتی۔ میرے فیصلہ پر نکتہ چینی کی جا سکتی ہے نہ اس کی تغلیط ہو سکتی ہے۔ مشرک برابر لبیک کہتے جاتے اور اس سے درخواست کرتے کہ ایک ماہ کا لوند کر دے تاکہ وہ لوند کے مہینے میں لوٹ مار کر سکیں۔ اگر وہ کہہ دیتا اس سال صفر (کا مہینہ) حرام ہے (یعنی محرم کی جگہ صفر کو حرمت کا مہینہ قرار دیدیا گیا) تو لوگ فوراً کمانوں سے تانت اتار دیتے اور تیروں سے بوریاں نکال دیتے اور اگر وہ کہہ دیتا یہ ماہ حلال ہے تو لوگ کمانوں پر تانت چڑھا لیتے اور تیروں میں بوریاں پیوست کر لیتے اور لوٹ مار شروع کر دیتے۔ نعیم بن ثعلبہ کے بعد امیر حج ایک اور شخص ہوا جس کو جنادہ بن عوف کہا جاتا تھا اس نے رسول اللہ کا زمانہ پایا تھا۔ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کا بیان ہے کہ یہ رسول اللہ کے زمانہ میں (نعیم بن ثعلبہ کے بعد اہل جاہلیت کو حج کرانے والا موسم حج کا امیر) بنی کنانہ کا ایک آدمی تھا جس کا نام عُلَس تھا۔ ایک کنانی شاعر نے اسی کے متعلق کہا تھا کہ لوند کا مہینہ مقرر کرنے والا ہمارے اندر عُلَس ہے (آئندہ سال کے لئے) لوند کا اعلان ذی الحجہ میں اس وقت کیا جاتا تھا جب عرب حج کے لیے جمع ہوتے تھے۔

جریر نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ نسیئ کا بانی عمرو بن لحی بن قمعہ بن خندف تھا۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس (قبیلہ) بنی کعب کے مورث اعلیٰ عمر بن لحی بن قمعہ بن خندف کو میں نے دوزخ کے اندر دیکھا تھا کہ (اپنی انتڑیاں گھسیٹتا پھر رہا تھا۔ ہمارا مذکورہ بیان اسی نسیئ کے متعلق تھا جس کو اللہ نے۔

زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ فرمایا ہے کہ کیونکہ اس نسیئ سے اللہ کے حرام کیے ہوئے (مہینہ) کی حلت اور اللہ کے حلال کیے ہوئے (مہینہ) کی حرمت بنا دی جاتی تھی اور اس سے اس کفر میں مزید بیشی ہو جاتی تھی جس میں مشرک مبتلا تھے۔

يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا اس سے کافروں کو گمراہ کیا جاتا ہے۔

يُحِلُّونَهُ عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا ایک سال تو ایک مہینہ کو حلال بنا لیتے ہیں اور دوسرے سال اسی کو حرام قرار دے دیتے ہیں۔ یہ دونوں جملے گمراہی کی تشریح ہیں یا جملہ حالیہ ہیں۔

لِيُوَاطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ تاکہ اللہ کے حرام کیے ہوئے (چار مہینوں) کی گنتی تو پوری کر لیں گنتی میں موافقت کر لیں۔

فَيُحِلُّوا مَا حَرَّمَ اللَّهُ اور جو مہینے اللہ نے حرام کر دیئے ہیں ان کو حلال بنا لیں گویا چار مہینوں کی تعداد ان کے پیش نظر رہتی ہے وقت کا لحاظ نہیں ہوتا۔

زُيِّنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ان کی بدکاریاں ان کی نظر میں مرغوب بنا دی گئی ہیں یعنی شیطان نے ان کی نظروں میں بدکاریاں رچا بسا دی ہیں جس کی وجہ سے وہ بدکاری کا اچھا خیال کرتے ہیں یا اللہ کی طرف سے تزئین کا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے ان کی مدد چھوڑ دی اور ان کو گمراہ چھوڑ دیا۔ اگلا جملہ اس معنی سے مناسبت رکھتا ہے فرمایا ہے۔

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٣٧﴾ اور اللہ کافر لوگوں کو ہدایت یاب نہیں بناتا۔

محمد بن یوسف صالحی نے محمد بن عمر اور محمد بن سعید کی روایت نقل کی ہے کہ کچھ نبطی لوگ ملک شام سے مدینہ میں روغن زیتون لاتے تھے، انہوں نے مسلمانوں سے تذکرہ کیا کہ رومیوں نے بڑی فوجیں جمع کی ہیں اور ہرقل نے اپنے آدمیوں کو ایک سال کی تنخواہ بھی تقسیم کر دی ہے اور ان کے ساتھ مختلف قبائل بنی لخم، بنی جزام، بنی عاملہ، بنی غسان وغیرہ بھی اپنے اپنے مقاموں سے چل دیئے ہیں اور ان کا ہراول دستہ بلقاء تک آ گیا ہے مگر یہ ساری اطلاع غلط تھی رسول اللہ ﷺ کو اس خبر کی جب اطلاع پہونچی تو آپ ﷺ نے بھی لوگوں کو شام کی طرف چڑھائی کرنے کی دعوت دے دی، طبرانی نے عمر ان بن حصین کا بیان ضعیف سند سے بیان کیا ہے کہ عرب کے عیسائیوں نے ہرقل کو لکھ کر بھیجا تھا کہ یہ شخص جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تباہ ہو چکا

Marfat.com

ہے لوگ مسلسل قحط میں مبتلا ہیں ان کے مویشی ہلاک ہو چکے ہیں اگر آپ اپنے دین کی حمایت چاہتے ہیں تو یہ موقع ہے اس اطلاع پر ہرقل نے اپنے ایک سردار کو چالیس ہزار فوج دیکر روانہ کر دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع ملی تو آپ نے بھی جہاد کا حکم دیدیا۔

ابن ابی حاتم اور ابو سعید یشاپوری نے حسن سند سے بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا ابو القاسم اگر تم (نبوت کے دعوے میں) سچے ہو تو شام کو جاؤ وہ انبیاء کی سرزمین ہے حضور نے عزم کر لیا اور آپ کے پیش نظر صرف شام کا جہاد تھا جب تبوک میں پہنچے تو اللہ نے سورۂ بنی اسرائیل کی یہ آیات نازل فرمائیں وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ الخ یعنی وہ تو آپ کو مدینہ سے اکھاڑنے کے خواہشمند ہیں ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول اور ابن ابی شیبہ و ابن المنذر نے مجاہد کا قول اور ابن جریر نے سعید بن جبیر کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے جب مشرکوں کو کعبہ کے قریب جانے سے روک دیا اور یہ حکم حج کے زمانہ کیلئے بھی تھا اور یعنی حج کے بھی تو قریش نے کہا اب تجارتی سامان ہم کو نہیں ملے گا بازار ختم ہو جائیں گے اور ہم کو جو کچھ تجارت سے ملتا تھا اب نہیں ملے گا پس اس (تجارتی انقطاع) کے عوض اللہ نے مسلمانوں کو اہل کتاب سے جہاد کرنیکا حکم دیدیا اور اس وقت تک قتال پر مامور کیا کہ یا تو مسلمان ہو جائیں یا ذلیل ہو کر جزیہ ادا کریں، اسی کے متعلق فرمایا وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اگر تم کو ناداری کا اندیشہ ہو تو (یہ اندیشہ نہ کرو) اللہ اپنے فضل سے تم کو ضرور غنی بنا دے گا۔ دوسری آیت میں فرمایا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے لڑنے کا پختہ ارادہ کر لیا کیونکہ عرب کی سرزمین سے وہ ہی سب سے قریب تھے اور دعوت حق کو قبول کرنے کے بھی زیادہ اہل تھے۔ اسلام سے ان کو قرب حاصل تھا۔

---

بغوی نے لکھا ہے کہ طائف سے واپس آکر رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے جہاد کرنے کی تیاری کا حکم دیدیا۔ محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ تبوک کے سال جب رسول اللہ ﷺ نے رومیوں سے جہاد کرنے کا ارادہ کیا تو وہ زمانہ بڑی تنگدستی کا تھا۔ گرمی بھی سخت تھی ملک بھی خشک تھا اور پھلوں کی فصل بھی تیار تھی۔ لوگ اپنے پھلوں کی نگرانی کے لیے مدینہ میں رکنا اور سایہ میں رہنا پسند کرتے تھے ایسے وقت اور اس حالت میں روانگی ان کو ناگوار تھی۔ رسول اللہ کا دستور تھا کہ جب کسی جہاد پر جانے کا ارادہ ہوتا تو بطور کنایہ در پردہ بیان فرما دیتے اور توریہ کے طور پر کسی دوسری جگہ کا اظہار کر دیتے تھے صرف بتوک کا جہاد ایسا ہوا کہ حضور نے کھل کر لوگوں سے ارادہ کا اظہار کر دیا کیونکہ مسافت لمبی تھی زمانہ بھی سخت تھا اور جن دشمنوں کا مقابلہ کرنا تھا ان کی تعداد بھی بہت تھی حضور ﷺ نے نام لے کر اظہار فرما دیا تاکہ لوگ تیاری کر لیں ابن ابی شیبہ بخاری اور ابن سعد نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔ اس روایت میں اتنا زائد ہے کہ رسول اللہ نے مدینہ کے گرد و اگرد رہنے والے قبائل عرب کو بھی شرکت کی دعوت دی تھی اور مکہ کو بھی پیغام بھیج دیا تھا چنانچہ آپ کے ساتھ بکثرت لوگ ہو گئے لیکن منافق اور مخلص مومنوں میں سے بھی کچھ ست کار لوگ ساتھ نہیں گئے ان لوگوں کے متعلق اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ

اے ایمان والو! تم لوگوں کو کیا ہوا کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کی راہ میں (جہاد کے لئے) نکلو تو زمین کو لگے جاتے ہو یہ خطاب صرف ان مسلمانوں کو ہے جو سستی کی وجہ سے نہیں گئے تھے یا اس خطاب میں منافق بھی شامل ہیں کیونکہ زبانوں سے تو وہ بھی ایمان کے مدعی تھے مالکم میں استفہام تعجبی ہے اور اِذَا قِيْلَ کا مطلب یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے تم کو حکم دے دیا تھا۔ اِنْفِرُوْا یعنی نکلو۔ اثَّاقَلْتُمْ تم بوجھل ہو گئے۔ سست پڑ گئے، یعنی تم اپنی زمین اور اپنے گھروں سے چمٹ گئے۔

اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ الْاٰخِرَةِ کیا تم نے آخرت (کی نعمتوں) کے عوض دنیاوی زندگی کو پسند کر لیا یعنی آخرت کی نعمتوں کو چھوڑ کر ان کے عوض تم نے دنیوی (حقیر ساز و سامان کو پسند کر لیا۔

فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝ یعنی آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں دنیوی آرام و راحت نہایت حقیر اور ناپائیدار ہے۔ قلیل سے مراد ہے حقیر قلیل المیعاد۔ ابن ابی حاتم نے نجدہ بن نفیع کی وساطت

Marfat.com

سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب کے ایک قبیلہ کو جہاد کو چلنے کی دعوت دی لیکن قبیلہ والے بوجھل پڑ گئے سستی کی وجہ سے نہیں گئے۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِلَّا تَنْفِرُوْا یُعَذِّبْکُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ اگر تم جہاد کو (جس کی تم کو دعوت دی جا رہی ہے) نہ نکلے تو اللہ تم کو دردناک عذاب دے گا۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ جب لوگ نہیں گئے تو دنیا میں اللہ نے بصورت خشک سالی عذاب دیا۔

وَّیَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ اور تمہارے عوض دوسری قوم کو لے آئے گا، یعنی ایسی قوم کو لے آئے گا جو فرمان بردار ہو گی۔ بعض علماء کے نزدیک اس قوم سے مراد اہل یمن ہیں سعید بن جبیر کے نزدیک اہل فارس مراد ہیں۔

وَلَا تَضُرُّوْہُ شَیْئًا ؕ اور تم اس کا کچھ نہیں بگاڑو گے یعنی اللہ کے دین کی مدد کرنے میں تمہاری سست کاری اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچائے گی اللہ ہر کام میں ہر چیز سے بے نیاز ہے۔ بعض کے نزدیک ہٗ ضمیر رسول کی طرف راجع ہے یعنی رسول کو تم کوئی ضرر نہ پہنچا سکو گے۔ اللہ نے اپنے رسول سے ان کی حفاظت و کامیابی کا وعدہ کر لیا ہے اور اللہ کے وعدے میں خلاف ورزی ناممکن ہے۔

وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۳۹﴾ اور اللہ ہر چیز پر قابو رکھتا ہے۔ تمہاری جگہ دوسری قوم کو لانے اور اسباب کو بدل دینے اور بغیر کسی کی مدد کے رسول کو نصرت یاب بنا دینے پر بھی قادر ہے۔ جن لوگوں نے جہاد پر جانے میں سستی کی ان پر آیت میں سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا اول دردناک عذاب کی وعید سنائی جو دنیا اور آخرت دونوں جگہ ہو سکتا ہے پھر دوسری فرماں بردار قوم کو ان کی جگہ لا سکنے کی اطلاع دی پھر یہ بھی فرمایا کہ اللہ اپنے دین کو نصرت یاب کرنے میں ان کا محتاج نہیں ہے۔

اِلَّا تَنْصُرُوْہُ فَقَدْ نَصَرَہُ اللّٰہُ اگر تم اس کی مدد نہ کرو گے (نہ کرو اللہ ان کی ضرور مدد کرے گا جیسے) اللہ نے اس وقت ان کی مدد کی۔

اِذْ اَخْرَجَہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا جب کہ کافروں نے ان کو نکال دیا تھا۔ یعنی مکہ سے نکال دیا تھا۔

ثَانِیَ اثْنَیْنِ ایسی حالت میں کہ وہ دو میں کے دوسرے تھے یعنی صرف دو آدمی تھے۔ ایک وہ تھے اور ان کے ساتھ ایک اور شخص تھا۔ مراد یہ ہے کہ ابو بکرؓ ان کے ساتھ تھے (کوئی اور ان کا ساتھی بھی نہ تھا) یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم لوگ ان کی مدد نہ کرو گے (نہ کرو) اللہ نے ان کی نصرت لازم کر دی ہے، یہاں تک کہ اس وقت بھی ان کی نصرت کی جب ایک کے سوا ان کا کوئی ساتھی نہ تھا، لہٰذا آئندہ بھی کسی وقت اللہ ان کو بے مدد نہیں چھوڑے گا۔ کافروں نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ سے اگرچہ نکالا نہ تھا لیکن دارالندوہ میں جمع ہو کر چونکہ آپ کو قتل کرنے یا گرفتار کر لینے یا نکال دینے کا مشورہ کیا تھا اور خفیہ تدبیریں کی تھیں اس لیے نکال دینے کی نسبت کافروں کی طرف کر دی۔ کیونکہ اللہ کی طرف سے مکہ سے نکل جانے کا حکم اسی مشورہ کی وجہ سے ہوا تھا۔ سورت انفال میں یہ قصہ گذر چکا ہے۔

اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ جب کہ وہ دونوں غار میں تھے۔ الغار سے مراد وہ پہاڑی غار ہے جو مکہ سے نشیبی جانب تھا۔

اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ جب کہ وہ پیغمبر اپنے ساتھی (ابو بکر) سے کہہ رہے تھے۔ اِذْ اَخْرَجَہُ سے اِذْ ھُمَا فِی الْغَارِ ادل بدل اِذْ یَقُوْلُ دوسرا بدل ہے۔ ترمذی اور بغوی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا تم میرے غار کے ساتھی ہو اور حوض پر میرے ساتھی ہو گے۔ مسلم نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں (اللہ کے سوا) کسی کو خلیل بنانے والا ہوتا تو ابو بکر کو خلیل بنا لیتا مگر (اب) وہ میرے بھائی اور ساتھی ہیں اور اللہ نے تمہارے ساتھی کو (یعنی مجھے اپنا) خلیل بنا لیا ہے۔ حسن بن فضل کا قول ہے اگر کوئی ابو بکر کو رسول اللہ ﷺ کا صحابی نہ کہے تو وہ کافر ہے قرآنی صراحت کا انکار کرتا ہے، باقی صحابہ میں سے اگر وہ کسی کو صاحب رسول ﷺ اللہ نہ کہے تو بدعتی (فاسق) ہو گا۔ کافر نہ ہو گا۔

Marfat.com

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا: غم نہ کر بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اللہ کی معیت بے کیف ہے حضرت شیخ شہید مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ نے فرمایا حضرت ابو بکرؓ کی یہ ہی فضیلت بہت بڑی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ابو بکر کو اپنے ساتھ ملا کر اللہ کی معیت کی دونوں کے لئے یکجائی ثابت کی اللہ کی جو معیت اپنے لیے ثابت کی وہی معیت حضرت ابو بکرؓ کے لیے بھی ثابت کی جو حضرت ابو بکرؓ کی فضیلت کا انکار کرتا ہے وہ اس آیت کا انکار کرتا ہے اور جو آیت کا منکر ہے وہ کافر ہے رہا حضرت ابو بکر کے دل میں فکر پیدا ہونا تو ایسا بزدلی کی وجہ سے نہ تھا جیسے رافضی تہمت لگاتے ہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کے متعلق آپ کو اندیشہ ہوا اور انہوں نے (اپنے دل میں) کہا اگر میں مارا جاؤں تو (کوئی حرج نہیں) ایک آدمی کا قتل ہوگا اور اگر رسول اللہ شہید کر دیئے گئے تو امت ہلاک ہو جائیگی ہم غار والی حدیث میں ذکر کریں گے کہ حضرت ابو بکرؓ کو غم رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک کا تھا۔ اپنی جان کا اندیشہ نہ تھا۔

فصل بہ ہجرت۔ موسیٰ بن عقبہ اور ابن اسحاق اور امام احمد اور بخاری اور ابن حبان نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور ابن اسحاق و طبرانی نے حضرت عائشہؓ کی بہن حضرت اسماءؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ حسب بیان بخاری حضرت عائشہؓ نے فرمایا مجھے شعور ہوا تو میں نے اپنے ماں باپ کو ایک (نئے) دین پر چلتے دیکھا۔ کوئی دن ایسا نہیں گزرتا تھا کہ صبح اور شام رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف نہ لاتے ہوں۔ جب مسلمانوں پر زیادہ تکلیفیں پڑیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں نے خواب میں تمہارا مقام ہجرت دیکھ لیا جہاں بکثرت کھجوروں کے درخت ہیں اور دو سنگلاخ زمینوں کے وسط میں واقع ہے، چنانچہ مہاجرین مدینہ ہجرت کر گئے اور جو لوگ مکہ چھوڑ کر حبشہ کو چلے گئے تھے وہ بھی عموماً ("حبشہ سے) مدینہ کو پہنچ گئے۔ حضرت ابو بکر بھی مدینہ جانے کی تیاری کرنے لگے، لیکن رسول اللہ نے ان سے فرمایا ذرا توقف کرو (۔ ابھی مجھے اجازت نہیں ملی) امید ہے کہ مجھے بھی اجازت مل جائیگی حضرت ابو بکر نے کہا میرے ماں باپ قربان کیا آپ کو اپنے لیے بھی اجازت کی امید ہے فرمایا ہاں حضرت ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلنے کی غرض سے رک گئے آپ نے دو اونٹنیاں کیکر کے پتے کھلا کھلا کر چار ماہ تک پالیں، ایک روز ہم حضرت ابو بکر کے گھر ٹھیک دوپہر کو بیٹھے ہوئے تھے کہ اسماء نے کہا ابا رسول اللہ ﷺ تشریف لا رہے ہیں آپ اس روز سر پر کپڑا ڈالے ایسے وقت آرہے تھے جو خلاف معمول تھا۔ حضرت ابو بکر نے کہا میرے ماں باپ قربان اس وقت جو آرہے ہیں تو ضرور حکم مل گیا ہے (اسی لیے دوپہر کو آرہے ہیں) رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئے داخلہ کی اجازت لی اور اندر آگئے اور حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا جو لوگ تمہارے پاس ہوں ان کو یہاں سے ہٹا دو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا کوئی مخبر نہیں بس یہی میری دونوں لڑکیاں ہیں دوسری روایت میں آیا ہے بس یہی آپ کے گھر والے ہیں رسول اللہ (ﷺ) نے فرمایا مجھے یہاں سے نکلنے کی اجازت مل گئی ہے حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا مجھے ساتھ چلنے کی اجازت دیجیے۔ فرمایا ہاں (تم میرے ساتھ چلو گے) ابو بکرؓ روتے تھے خوشی سے روتے ہوئے میں نے اس سے پہلے کسی کو نہیں دیکھا تھا حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان میری یہ دو اونٹنیاں ہیں ان میں سے ایک آپ لیجئے، فرمایا قیمت پر لوں گا جو اونٹ میرا نہ اس پر سوار نہیں ہوں گا حضرت ابو بکر نے عرض کیا یہ آپ کی ہے فرمایا لیکن جس قیمت پر تم نے خریدی ہے۔ حضرت ابو بکر ﷺ نے عرض کیا اتنی قیمت پر میں نے خریدی تھی۔ فرمایا میں اتنی قیمت پر لیتا ہوں، حضرت ابو بکر نے کہا یہ آپ کی ہو گئی۔

بخاری نے غزوۂ رجیع کے بیان میں لکھا ہے کہ یہ اونٹنی جدعاء تھی، واقدی نے اس کی قیمت آٹھ سو (درہم) بتائی ہے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے ہم نے دونوں کے لیے بہترین زادِ راہ تیار کیا اور ایک تھیلے میں کھانے کا سامان رکھ دیا۔ واقدی نے لکھا ہے کھانے میں بکری کا پکا ہوا گوشت بھی تھا۔ اسماء نے اپنا کمر بند کاٹ کر اس سے تھیلے کا منہ باندھ دیا۔ اسی لیے ان کا لقب ذات النطاقین (دو کمر بندوں والی) ہو گیا دوسری روایت میں آپ کا لقب ذات النطاق (کمر بند والی) آیا ہے۔ محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ حضرت اسماء نے اپنا کمر بند چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے زاد راہ باندھ دیا اور دوسرے کو خود باندھے رہیں، اسی لیے ان کو ذات النطاق اور ذات النطاقین کہا گیا۔ ایک کمر بند والی اور دو کمر بندوں والی آپ کا لقب اسی مناسبت سے

Marfat.com

ہو گیا۔ ابن سعد کے نزدیک دو کمر بند والی کہنے کی یہ وجہ ہوئی کہ انہوں نے اپنا کمر بند چیر کر دو ٹکڑے کر کے ایک سے کھانے کے تھیلے کا منہ باندھ دیا تھا اور دوسرے سے (پانی کے) مشکیزہ کا منہ جکڑ دیا تھا رسول اللہ اور ابو بکر نے قبیلہ بنی وائل کا ایک آدمی جو اس وقت کافر تھا بعد کے زمانہ میں مسلمان ہوا اجرت پر لے لیا تھا یہ شخص راہ شناس اور ماہر راہنما تھا۔ دونوں حضرات نے اس کو امین بنا کر دونوں اونٹنیاں اس کے سپرد کر دیں اور اس سے وعدہ لے لیا کہ تین روز کے بعد غار ثور پر وہ دونوں اونٹنیاں لے کر ملے۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو اپنے جانے کی اطلاع دے دی اور حکم دے دیا کہ میری جگہ تم یہاں رہ کر لوگوں کی جو امانتیں میرے پاس موجود ہیں وہ ادا کر دینا (پھر چلے آنا) مکہ کے اندر جس شخص کو اپنی کسی چیز کی حفاظت مقصود ہوتی وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لا کر بطور امانت رکھ دیتا تھا کیونکہ آپ کی سچائی اور امانتپر اس کو بھروسہ ہوتا تھا (گویا سب کی نظر میں آپ صادق و امین تھے) حضرت عائشہ کا بیان ہے پھر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کوہ ثور کے غار پر جا پہنچے یہی کا بروایت حضرت عمر بیان ہے کہ رات میں روانہ ہوئے تھے، ابن اسحاق اور واقدی کا قول ہے کہ اس دریچے سے نکلے تھے جو حضرت ابو بکر کے گھر کی پشت میں تھا۔ ابو نعیم نے عائشہ بنت قدامہ کی روایت سے لکھا ہے۔ کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں کھڑکی سے بھیس بدلے ہوئے نکلا سب سے پہلے میرے سامنے ابو جہل آیا مگر اللہ نے اس کو نابینا کر دیا وہ نہ مجھے دیکھ سکا نہ ابو بکر کو ہم دونوں (اس کے سامنے سے) گذر گئے۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ حضرت ابو بکر اپنا سارا مال یعنی پانچ ہزار درہم لے گئے تھے بلاذری کا بیان ہے کہ اسلام لانے کے وقت حضرت ابو بکر کے پاس چالیس ہزار درہم تھے مگر مدینہ کو ہجرت کرتے وقت ان کے پاس صرف پانچ یا چار ہزار درہم رہ گئے تھے وہ بھی حضرت ابو بکر نے اپنے بیٹے عبد اللہ کو دے کر بھیج دیا اور انہوں نے لے جا کر غار تک پہنچا دیئے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے میرے دادا ابو قحافہ جن کی نظر جاتی رہی تھی آئے اور بولے خدا کی قسم میرا خیال ہے وہ ساری رقم اپنے ساتھ لے گیا میں نے کہا ابا ایسا نہیں وہ تو ہمارے لیے بہت رقم چھوڑ گئے ہیں، یہ کہنے کے بعد میں نے کچھ پتھریاں لے کر اس طاقچہ میں رکھ دیں جہاں میرے باپ رقم رکھا کرتے تھے اور ان پر ایک کپڑا ڈال کر دادا کا ہاتھ پکڑ کر وہاں لے گئی اور ان سے کہا ابا۔ آپ اپنا ہاتھ رکھ کر دیکھ لیجئے یہ رقم رکھی ہے بڑے میاں نے ہاتھ رکھ کر دیکھ لیا اور کہنے لگے اگر وہ یہ رقم تمہارے لئے چھوڑ لیا ہے تب تو کوئی حرج نہیں یہ اچھا کیا اس سے تمہارا کام چل جائے گا۔ خدا کی قسم حضرت ابو بکر ہمارے لیے کچھ چھوڑ کر نہیں گئے تھے مگر میں نے بڑے میاں کو تسلی دینے کے لیے ایسا کیا تھا۔ بیہقی کا بیان ہے جب حضرت ابو بکر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غار کی طرف روانہ ہو گئے تو راستہ میں کبھی رسول اللہ ﷺ کے آگے چلتے تھے کبھی داہنے کبھی بائیں رسول اللہ ﷺ نے اس کی وجہ پوچھی تو عرض کیا یا رسول اللہ مجھے اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں کوئی آگے گھات میں نہ بیٹھا ہو تو آپ کے آگے ہو جاتا ہوں پھر اندیشہ ہوتا ہے کہ پیچھے سے کوئی جستجو میں نہ آ جائے تو پیچھے ہو جاتا ہوں، اسی طرح داہنے بائیں چلنے لگتا ہو جب غار کے دھانہ پر پہنچے تو حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کو اس خدا کی قسم جس نے آپ کو نبی برحق بنا کر بھیجا ہے آپ اس کے اندر نہ جائیں۔ آپ سے پہلے میں اندر جا کر دیکھ لوں۔ اگر اندر کوئی (موذی کیڑا) ہو گا تو آپ سے پہلے مجھ پر اس کا وار ہو گا چنانچہ آپ پہلے داخل ہو گئے اور ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھنے لگے۔ جو سوراخ نظر آتا اپنا کپڑا پھاڑ کر اس میں ٹھونس دیتے تھے اس طرح سب سوراخ بند کر دیئے صرف ایک سوراخ رہ گیا جس کو بند کرنے کی لیے کپڑا نہ رہا تو آپ نے اس کے منہ پر اپنی ایڑی لگا دی پھر رسول اللہ ﷺ غار میں داخل ہو گئے۔ سوراخ کے اندر سے سانپ حضرت ابو بکرؓ کو ڈسنے لگا اور آپ کے آنسو بہنے لگے (مگر آپ نے ایڑی نہیں ہٹائی) ابن ابی شیبہ اور ابن منذر کی خود حضرت ابو بکرؓ سے روایت ہے کہ جب ہم دونوں غار پر پہنچے تو ایک سوراخ نظر آیا۔ میں نے اس سوراخ میں اپنی دونوں ٹانگیں ڈال دیں اور عرض کیا یا رسول اللہ اگر کوئی سانپ بچھو ہو گا تو پہلے مجھے ڈسے گا (آپ محفوظ رہیں گے) ابن مردویہ نے جندب بن سفیان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب غار پر پہنچے تو عرض کیا یا رسول اللہ آپ پہلے غار میں نہ جائیں اول میں اس کو صاف کر لوں چنانچہ آپ پہلے غار میں داخل ہو گئے اور صفائی کرنے میں کوئی چیز آپ کے ہاتھ میں لگ گئی آپ ہاتھ سے خون پونچھنے لگے اور کہنے لگے تو صرف ایک

Marfat.com

انگلی ہے جو زخمی ہو گئی ہے جو کچھ تجھے دکھ پہنچا ہے وہ اللہ کی راہ میں پہنچا ہے

ابو نعیم نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے دریافت کیا تمہارا کپڑا کہاں گیا حضرت ابو بکرؓ نے وہ واقعہ عرض کر دیا جس میں کپڑے کو کام میں لائے تھے حضور نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اور فرمایا، اے اللہ ابو بکرؓ کو جنت کے اندر میرے درجہ میں میرے ساتھ کر دینا۔ اللہ نے وحی بھیجی کہ آپ کی دعا قبول ہو گئی۔

رزین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کے سامنے حضرت ابو بکرؓ کا تذکرہ آیا تو آپ رونے لگے۔ اور فرمایا مجھے دل سے یہ بات پسند ہے کہ میری زندگی کے سارے اعمال کا مجموعہ ابو بکرؓ کے ایک دن اور ایک رات کے عمل کے برابر (درجہ میں) ہو جائے رات تو وہ جس میں ابو بکرؓ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غار کی طرف چلے تھے اور غار پر پہنچ کر عرض کیا تھا۔ آپ کو خدا کی قسم آپ پہلے اس کے اندر نہ جائیں میں اول داخل ہوں اگر کچھ ہو گا تو مجھے دکھ پہنچ جائے گا آپ محفوظ رہیں گے چنانچہ آپ نے اندر جا کر غار کو صاف کیا ایک جانب ایک سوراخ نظر آیا تو اپنا تہبند پھاڑ کر اس سوراخ کو بند کر دیا مگر دو سوراخ اور رہ گئے تو آپ نے دونوں پاؤں ان دونوں کے منہ کے اندر اڑا دیئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اب آپ اندر آجایئے حضور ﷺ اندر پہنچ گئے اور حضرت ابو بکر کی گود میں سر رکھ کر سو گئے ایک سوراخ کے اندر سے کسی کیڑے نے حضرت ابو بکرؓ کے پاؤں میں کاٹ لیا مگر اس خیال سے کہ رسول اللہ ﷺ کہیں بیدار نہ ہو جائیں آپ نے حرکت بھی نہیں کی شدت تکلیف کی وجہ سے آپ کے آنسو بہہ کر رسول اللہ ﷺ کے چہرہ مبارک پر گرے تو آنکھ کھل گئی اور پوچھا ابو بکرؓ نے کہا میرے باپ ماں قربان کسی کیڑے نے مجھے ڈس لیا۔ حضور ﷺ نے اس پر فوراً تھتکار دیا اور تکلیف جاتی رہی (مگر آخری عمر میں) پھر اس زہر کا حملہ ہوا اور یہی آپ کی وفات کا سبب بنا۔ اور دن وہ کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو عرب مرتد ہو گئے اور کہنے لگے ہم زکوۃ نہیں دیں گے۔ حضرت ابو بکرؓ نے کہا اگر یہ لوگ اونٹ کی ٹانگ میں باندھنے کی ایک رسی دینے سے بھی (جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں دیا کرتے تھے) انکار کریں گے تو میں رسی کے لیے ان سے جہاد کروں گا میں نے عرض کیا اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ لوگوں کو ملائے رکھیے اور ان سے نرمی کا سلوک کیجئے۔ فرمایا کیا تم جاہلیت میں تو بڑے قوی تھے اور اسلام میں آکر بزدل ہو گئے۔ وحی بند ہو گئی دین کامل ہو گیا۔ کیا میرے جیتے جی دین میں کمی ہو سکتی ہے۔

ابن سعد، ابو نعیم، بیہقی اور ابن عساکر نے ابو مصعب مکی کی روایت سے بیان کیا۔ ابو مصعب نے کہا میں نے حضرت انس بن مالک حضرت زید بن ارقم اور حضرت مغیرہ بن شعبہ کو پایا اور ان سب کو یہ بیان کرتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ جب غار کے اندر داخل ہو گئے تو غار کے منہ پر اللہ نے درخت راہ اگا دیا (جس نے غار کا منہ چھپا لیا) اور بحکم خدا مکڑی نے غار کے منہ پر جالا بھی تن دیا اور دو جنگلی کبوتروں نے غار کے منہ میں بسیرا بھی کر لیا۔ جب قریشی جوان ہر طرف سے ڈنڈے لاٹھیاں اور تلواریں لیے آپہنچے اور رسول اللہ ﷺ سے ان کا فاصلہ چالیس گز رہ گیا تو ایک شخص نے غار میں دیکھا اس کو دو جنگلی کبوتر نظر آئے وہ سمجھا کہ غار کے اندر کوئی نہیں۔ اس کی بات رسول اللہ ﷺ نے سن لی جس سے آپ نے یقین کر لیا کہ اللہ نے آئی ہوئی مصیبت ٹالدی اور دونوں کبوتروں کو دعا دی اور ان کی بھلائی کا بدلہ مقرر فرما دیا۔ چنانچہ وہ جوڑا حرم میں پہنچا وہاں ان کے بچے ہوئے اور حرم کے سارے کبوتر انہی کی نسل سے ہوئے۔

امام احمد نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے قدموں کے نشان پر مشرک پہاڑ تک آگئے۔ پہاڑی پر پہنچ کر قدموں کے نشانات گڑبڑ ہو گئے مگر وہ پہاڑی پر چڑھ کر غار کی طرف سے گذر گئے اور غار کے منہ پر مکڑی کا جالا تنا ہوا دیکھ کر کہنے لگے اگر اس میں کوئی اندر گیا ہوتا تو جالا منہ پر تنا ہوا نہ ہوتا۔ غرض رسول اللہ ﷺ وہاں تین رات ٹھہرے رہے۔

قاضی حافظ ابو بکر بن سعید شیخ نسائی نے مسند الصدیق میں حسن بصری کا بیان نقل کیا ہے کہ جب قریش رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں آئے اور غار کے منہ پر پہونچے اور مکڑی کا جالا تنا ہوا دیکھا تو کہنے لگے۔ اگر کوئی اس میں داخل ہوا ہوتا تو جالا منہ پر نہ

Marfat.com

ہو تا اس وقت رسول اللہ ﷺ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے اور حضرت ابو بکر نگرانی کر رہے تھے حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ آپ کی قوم والے آپکی تلاش میں آپہنچے خدا کی قسم مجھے اپنی ذات کے خیال سے تو رونا نہیں آرہا ہے۔ رونا اس اندیشہ کی وجہ سے ہے کہ کہیں حضور ﷺ پر کوئی ناگوار حادثہ نہ آجائے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو بکر کچھ اندیشہ نہ کرو یقیناً "اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم غار میں ہیں (اور قریش اوپر ہیں) اگر ان میں سے کسی نے اپنے قدموں کی طرف دیکھ لیا تو نیچے ہم کو دیکھ لے گا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو بکر تمہارا ان دو شخصوں کے متعلق کیا خیال ہے جن کا تیسرا اللہ ہے (یعنی اللہ ان کے ساتھ ہے) ابو نعیم نے حلیہ میں عطاء بن میسرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ مکڑی نے (اللہ کے پیغمبروں کی حفاظت، کے لیے) دو بار جالا بنا ایک بار حضرت داؤد کی حفاظت کے لیے جب کہ طالوت ان کی جستجو کر رہا تھا اور ایک بار رسول اللہ صلعم کی حفاظت کے لیے جب کہ حضور غار میں تھے۔ بلاذری نے تاریخ میں اور ابو سعید نے بیان کیا کہ مشرکوں نے ایک شخص کو جس کا نام علقمہ بن کرز بن ہلال خزاعی تھا مزدوری پر لے لیا تھا علقمہ فتح مکہ کے سال مسلمان ہو گئے تھے (لیکن ہجرت کے وقت کافر تھے) علقمہ قدموں کے نشانات کے پیچھے پیچھے سب کو لے کر گیا مکہ کے نشیب میں جب غار ثور پر پہنچا تو کہنے لگا یہاں قدموں کے نشانات کٹ گئے۔ میں نہیں سمجھتا دائیں کو گئے یا بائیں جانب پھر پہاڑ پر چڑھ گیا اور غار کے دہانے پر پہنچ گیا امیہ بن خلف نے کہا یہاں تو محمد کی پیدائش سے بھی پہلے سے مکڑی کا جالا ہے پھر امیہ نے (غار کے منہ پر) پیشاب کر دیا۔

بیہقی نے حضرت عروہ کی روایت سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ مشرکوں کو نہ ملے تو وہ سوار ہو کر آپ کی تلاش میں ہر طرف کو چل دیئے اور چشموں والوں کے پاس بھی انہوں نے آدمی بھیجے ان کے لیے معاوضہ بھی مقرر کر دیا (کہ اگر وہ پتہ نشان بتا دیں گے تو ان کو مقررہ معاوضہ دیا جائے گا) اور اس پہاڑ پر چڑھ گئے جس کے اندر وہ غار تھا، جس میں رسول اللہ ﷺ تھے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے ان کی آوازیں سن لیں، حضرت ابو بکر ڈر کر رونے لگے غم واندوہ اور خوف ان پر مسلط ہو گیا حضور نے اس وقت حضرت ابو بکر سے فرمایا غم نہ کرو یقیناً "اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ اسی کے متعلق اللہ نے نازل فرمایا۔

فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ یعنی اللہ نے اپنی طرف سے اطمینان رسول اللہ پر نازل فرمایا کہ آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا۔ غم نہ کرو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے کذا ذکر البلاذری ابن ابی حاتم، ابو الشیخ، ابن مردویہ بیہقی اور ابن عساکر نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ (علیہ کی ضمیر حضرت ابو بکر کی طرف راجع ہے یعنی) اللہ نے اپنا اطمینان حضرت ابو بکر پر نازل فرما دیا۔ جس کی صورت یہ ہوئی کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا غم نہ کرو بلاشبہ اللہ ہمارے ساتھ ہے اس قول سے حضرت ابو بکر کے دل میں اطمینان پیدا ہوا گیا رسول اللہ ﷺ کو تو پہلے سے ہی اطمینان حاصل تھا۔ یہ مطلب زیادہ صحیح ہے، فاء (حرف تعقیب) اس پر دلالت کر رہا ہے پھر قریب ترین مرجع کی طرف ضمیر کو لوٹانا بھی زیادہ مناسب ہے

وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا اور اللہ نے ان کی مدد اس لشکر سے کی جو تم کو دکھائی نہیں دیا۔ یعنی ملائکہ کی فوج بھیج دی جس نے کفار کے چہرے اور نظریں مار مار کر پھیر دیئے تاکہ وہ دیکھ سکیں، ابو نعیم نے حضرت اسماء بنت ابی بکر صدیق کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابو بکر نے ایک شخص کو غار کی طرف منہ کیئے دیکھا تو عرض کیا یا رسول اللہ یہ ہم کو دیکھ لے گا فرمایا ہرگز نہیں فرشتے اپنے پروں سے اس کے سامنے آڑ کر لیں گے، کچھ دیر گذرنے نہ پائی تھی کہ وہ شخص سامنے بیٹھ کر رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر کی طرف منہ کر کے پیشاب کرنے لگا رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا ابو بکر اگر یہ ہم کو دیکھ لیتا ایسا نہ کرتا۔

بعض علماء نے کہا کہ فرشتوں نے کافروں کے دلوں میں رعب ڈال دیا کہ وہ لوٹ گئے۔

مجاہد اور کلبی نے کہا بدر کے دن فرشتوں نے آپ کی مدد کی تھی اس صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ جب رسول اللہ ﷺ غار کے اندر تھے اس وقت اللہ نے دشمنوں کے فریب کو ان کی طرف سے پھیر دیا اور ان کو ناکام کر دیا پھر بدر کے دن بھی ملائکہ کو

Marfat.com

بھیج کر اپنی نصرت کا اظہار کیا۔

ابن عدی اور ابن عساکر نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسان سے فرمایا کیا ابو بکر کے متعلق بھی تم نے کچھ کہا ہے حضرت حسان نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تو کہو میں سنوں گا حضرت حسان نے کہا۔

وہ اونچے غار کے اندر دو میں کے دوسرے تھے جب کہ دشمن پہاڑ پر چڑھا ہوا چکر کاٹ رہا تھا۔ صحابہ جانتے تھے کہ ابو بکر سارے انسانوں میں سب سے زیادہ رسول اللہ کے محبوب تھے آپ نے ان کے برابر کسی کو نہیں قرار دیا یہ شعر سن کر رسول اللہ ﷺ ہنس دیئے کہ ڈاڑھیں (یعنی وہ دانت جو آخری داڑھوں اور سامنے کے دانتوں کے درمیان ہوتے ہیں) نمودار ہو گئیں پھر فرمایا حسان جیسا تم نے کہا وہ ایسے ہی ہیں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے، پھر تین رات دونوں غار میں چھپے رہے اس عرصہ عبداللہ بن ابی بکر بھی انہی کے پاس رات کو رہتے تھے۔ عبداللہ ہوشیار اور بات کو جلد سمجھنے والے نوجوان تھے۔ سحر کو اندھیرے ہی میں واپس آجاتے تھے اور قریش کو قریش کے ساتھ اس طرح ہو جاتے تھے جیسے رات کو انہی کے پاس رہے ہوں (دن میں) جو بات سنتے اس کو یاد رکھتے اور جب تاریکی ہو جاتی تو جا کر دن بھر کی خبروں کی اطلاع دیتے۔ ابو اسحاق کا بیان ہے کہ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ کھانا بنا کر شام کو پہنچا دیتی تھیں عامر بن فہیرہ جو قریش کے چرواہوں کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کی بکریاں چرایا کرتا تھا شام کو ایک گھنٹہ رات گئے (جانوروں کو لے کر) غار پر پہنچ جاتا تھا، اس طرح تازہ دودھ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کو رات کو مل جاتا تھا ہر رات وہ ایسا ہی کرتا تھا جب تین راتیں گذر گئیں اور تلاش کرنے والے لوگوں کو سکون ہو گیا۔ تو وہ شخص جس کو رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ نے سواریاں پہنچانے کے لیے مزدوری پر ٹھیرا لیا تھا، دونوں کے اونٹ لے کر آپہنچا دونوں حضرات سوار ہو گئے۔ عامر بن فہیرہ بھی راستہ میں خدمت کرنے کے لیے ساتھ ہو گیا عامر بن فہیرہ عبداللہ بن طفیل کا غلام تھا اور عبداللہ بن طفیل بن سنجرہ حضرت عائشہ کا اخیافی بھائی تھا راہنما دونوں حضرات کو عسفان سے نشیب کی جانب ساحل کے راستے سے لے چلا پھر امج پر پہنچ کر اس نے راستہ کاٹا۔

امام احمد اور شیخین نے بیان کیا ہے کہ حضرت براءؓ بن عازب نے حضرت ابو بکرؓ سے دریافت کیا، جس رات کو آپ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے تھے اس کی تفصیل بتایئے آپ دونوں حضرات نے کیا کیا تھا، آپ نے فرمایا رات بھر اور آدھے دن چلتے رہے۔ جب ٹھیک دوپہر ہو گئی اور راستہ خالی ہو گیا کوئی راہ گیر راستہ میں نظر نہ آتا تھا اور ایک لمبی سایہ دار چٹان سامنے نظر آئی۔ اس کے نیچے دھوپ کا اثر نہیں پہنچا تھا۔ اور ہم وہیں اتر پڑے اور چٹان کے پاس پہنچ کر میں نے اپنے ہاتھ سے وہاں ایک جگہ رسول اللہ ﷺ کے سونے کے لیے ٹھیک کی پھر اپنے ساتھ کی پوستین اس جگہ بچھا دی اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا آپ یہاں سو جایئے میں چاروں طرف کا چوکیدار اکر تا رہوں گا حضور ﷺ سو گئے اور میں باہر آکر ماحول کی نگرانی کرنے لگا۔ مجھے ایک چرواہا نظر آیا جو اپنی بکریاں لیے چٹان کی طرف اسی غرض سے آرہا تھا جس غرض سے ہم وہاں ٹھہرے تھے۔ میں (آگے بڑھ کر) اس سے ملا اور پوچھا تو کس کا غلام ہے، اس نے مکہ والوں میں سے ایک آدمی کا نام لیا۔ میں اس کو پہچان گیا اور پوچھا تیری بکریوں کے پاس کچھ دودھ بھی ہے۔ اس نے کہا جی ہاں، میں نے کہا تو کیا میں دودھ دوہ لوں، اس نے کہا جی ہاں چنانچہ اس نے ایک بکری کو پکڑا میں نے کہا اس کے تھن جھاڑ کر خاک دھول صاف کر دے اس نے مشکل سے ایک بڑا پیالہ دودھ کا دوہ کر مجھے دیا میرے پاس ایک لوٹا تھا جس میں رسول اللہ کے پینے اور وضو کرنے کے لیے میں پانی رکھتا تھا اور اس کے منہ پر کپڑے کا ایک ٹکڑا پڑا ہوا تھا میں دودھ لے کر رسول اللہ کے پاس پہنچا مگر بیدار کرنا مناسب نہ سمجھا اور بیدار کرنے کی نیت سے کھڑے کھڑے دودھ کے برتن میں پانی ڈالنے لگا۔ برتن کا نچلا حصہ ٹھنڈا ہو گیا تھنے میں حضور بیدار ہو گئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کچھ دودھ پی لیجئے، آپ نے پی لیا اور میں خوش ہو گیا پھر فرمایا کیا ابھی روانگی کا وقت نہیں آیا میں نے عرض کیا آگیا چنانچہ دھوپ ڈھلنے کے بعد ہم روانہ ہو گئے۔

طبرانی، حاکم، ابو نعیم اور ابو بکر شافعی نے حضرت سلیط بن عمر و انصاری کی روایت سے بیان کیا اور حاکم نے اس کو صحیح بھی

Marfat.com

کہا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ اور عامر بن فہیرہ اور راہنما مدینے کو جانے کے ارادہ سے نکلے تو ان کا گذر ام معبد خزاعی کے خیمہ کی طرف سے ہوا ام معبد رسول اللہ ﷺ کو پہچانتی نہ تھی ادھیڑ عمر کی عورت تھی۔ پردہ نہ کرتی تھی پاکدامن تھی خیمہ کے صحن میں، بیٹھا کرتی تھی اور مسافروں کو کھلاتی تھی، ان حضرات نے اس سے گوشت اور چھوارے مول لینے کی غرض سے طلب کئے مگر جو کچھ اس زمانے میں وہ لوگ قحط اور کال میں مبتلا تھے اس لئے ام معبد کے پاس کچھ نہ تھا۔ کہنے لگی خدا کی قسم اگر ہمارے پاس کچھ ہوتا تو ہم تم کو دکھ میں نہ رکھتے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھیڑ کے ایک کونے میں ایک بکری دکھائی دی فرمایا ام معبد یہ بکری کیسی ہے ام معبد نے کہا کمزوری کی وجہ سے بکریوں کے ساتھ (جنگل کو) نہیں جا سکتی۔ فرمایا کیا اس کے پاس دودھ ہے، ام معبد نے کہا یہ تو بہت ہی کمزور ہے فرمایا کیا تمہارا جازت ہے میں اس کو دوہ لوں ام معبد نے عرض کیا میرے ماں باپ قربان اس کے پاس تو کبھی نہیں آیا۔ اگر آپ کو اس کے پاس دودھ معلوم ہوتا ہے تو آپ کو اختیار ہے۔ آپؐ نے اس بکری کو بلوا کر اپنی گود میں لیا اور اس کے تھنوں کو اور پشت کو سہلایا اور بسم اللہ کہی اور ام معبد کے لیے بکری کے سلسلے میں کچھ دعا کی بکری نے فوراً ٹانگیں چیر دیں اور دودھ جاری ہو گیا۔ حضور ﷺ نے ایک برتن منگوایا، برتن اتنا بڑا تھا کہ وہ سب لوگ اس میں دودھ پی کر سیر ہو جایا کرتے تھے، آپ ﷺ نے اسی برتن میں دودھ دوہا۔ دودھ کے جھاگ منہ تک آگئے اور دودھ اوپر تک بھر گیا۔ حضور ﷺ نے ام معبد کو (اول) دودھ پلایا وہ سیر ہو گئی تو اپنے ساتھیوں کو پلایا وہ بھی سیر ہو گئے تو خود پیا اور فرمایا پلانے والے کو سب سے آخر میں پینا چاہیے پھر دوبارہ دوہا پھر بھی برتن بھر گیا اور بھرا برتن اس کے پاس چھوڑ کر سب روانہ ہو گئے۔ ابن سعد اور ابو نعیم نے ام معبد کا بیان نقل کیا ہے کہ جس بکری پر رسول اللہ ﷺ نے ہاتھ پھیرا تھا۔ وہ میرے پاس ۸ھ میں بھی تھی جو حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ تھا یہ سال انتہائی کال کا تھا روئے زمین پر (سبزی نام کی) کوئی چیز باقی نہ رہی تھی مگر ہم صبح شام اس بکری کا دودھ دوہا کرتے تھے (یعنی وہ برابر دودھ دیتی تھی اس کا دودھ خشک نہ ہوا تھا)

بیہقی نے دوسرے طریقہ سند سے کچھ کمی بیشی کے ساتھ ام معبد کا قصہ نقل کیا ہے کہ شام کو ام معبد کا بیٹا اپنی بکریاں لے کر واپس آیا تو ام معبد نے اس سے کہا یہ باکھر بکری اور چھری ان دونوں آدمیوں کے پاس لے جاؤ اور ان سے جا کر کہدے کہ میرے باپ نے کہا ہے آپ لوگ اس بکری کو ذبح کر کے (بھون کر) کھالیں اور کھلا دیں حضور ﷺ نے اس لڑکے سے فرمایا تو چھری لے جاؤ اور ایک بڑا پیالہ لے آ۔ اس نے کہا یہ تو باکھر ہے اس کے پاس دودھ نہیں ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس کے تھنوں پر ہاتھ پھیرا اور پیالہ بھر کر دودھ دوہا۔ اس روایت میں ہے کہ حضرت ابو بکر نے فرمایا ہم دو رات وہاں ٹھیرے رہے پھر روانہ ہو گئے۔ ام معبد رسول اللہ ﷺ کو مبارک کہنے لگی اس کی بکریاں بہت ہو گئیں یہاں تک کہ (کچھ مدت کے بعد) وہ بکریاں لے کر مدینے کو آئی اس کی طرف سے حضرت ابو بکر کا گذر ہوا ام معبد کے بیٹے نے آپ کو دیکھ لیا اور پہچان لیا اور اپنی ماں سے کہا اماں یہ آدمی وہی ہے جو مبارک کے ساتھ تھا ام معبد اٹھ کر حضرت ابو بکر کے پاس آئی اور بولی اے عبداللہ وہ آدمی جو تمہارے ساتھ تھا کون شخص ہے۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا وہ اللہ کے نبی ہیں، کہنے لگی مجھے ان کے پاس لے چلو (حضرت ابو بکر اس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے گئے) رسول اللہ نے اس کو کھانا کھلایا اور کپڑے دیئے اور وہ مسلمان ہو گئی۔ ہشام بن حبش کا بیان ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد معبد کا باپ دبلی حاملہ بکریاں ہنکاتا گھر واپس آیا اور دودھ کو دیکھ کر تعجب سے پوچھا معبد کی ماں یہ دودھ تمہارے پاس کہاں سے آیا، بکریاں تو دور (جنگل میں) تھیں اور گھر میں کوئی دودھیاری بکری نہ تھی۔ معبد کی ماں نے کہا یہ ایک بابرکت آدمی کی برکت ہے جس کا واقعہ اس اس طرح ہوا۔ معبد کے باپ نے کہا ام معبد اس کے کچھ حالات بیان کرو۔ ام معبد نے کہا ایک چمکدار چہرے والا روشن حسین خوش اخلاق آدمی تھا۔ نہ توند نکلنے کی وجہ سے وہ بدہیئت تھا نہ سر چھوٹا ہونے کے سبب حقیر معلوم ہوتا تھا (یعنی نہ توند یا ہونے کا اس میں عیب تھا نہ سر چھوٹا ہونے سے پیدا ہونے والی حقارت) سیاہ کشادہ چشم اور گھنی پلکوں والا تھا اسکی آواز میں گرج یا تیزی تھی داڑھی گھنی بھنویں پتلی لمبی اور ملی ہوئی تھیں، خاموشی کے وقت باوقار اور کلام کرنے کے وقت پررونق، دور سے بہت ہی حسین اور روشن چہرہ نظر آتا تھا اور قریب سے بڑا شیریں اور خوش (گفتار) اس کا کلام بلیغ، مناسب، ممتاز تھا۔ نہ کم، ناقص، نہ زیادہ بکواس۔ گفتگو پروئے ہوئے موتیوں کی طرح تھی۔ اس کا قد میانہ تھا نہ زیادہ طویل عیب دار نہ اتنا چھوٹا کہ آنکھوں کو حقیر معلوم ہو۔ اس کا قد دو ٹہنیوں کے درمیان کی ٹہنی

Marfat.com

تھی نہایت خوش منظر اور عالی قدر۔ اس کے ساتھی اس کو گھیرے رہتے تھے۔ اگر وہ کہتا کہ سنو تو کان لگا کر خاموشی کے ساتھ اس کی بات سنتے تھے اور اگر وہ کوئی حکم دیتا تو تعمیل حکم کے لیے ایک دوسرے سے پیش قدمی کرتا تھا وہ مخدوم، مطاع تھا، بد خلق نہ تھا۔

ابو معبد نے کہا خدا کی قسم یہ تو وہی قریشی ہے جس کے مکہ میں ظہور کا ہم سے ذکر کیا گیا تھا میرا ارادہ تو اس کے پاس رہنے کا تھا اور اگر مجھے کوئی راہ ملی تو آئندہ ضرور ایسا کروں گا۔

حضرت اسماء کا بیان ہے جب رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکر نکل کر چلے گئے تو ہمارے پاس کچھ قریشی آئے جن میں ابو جہل بھی تھا آکر دروازہ پر کھڑے ہو گئے میں باہر نکل کر گئی ان لوگوں نے مجھ سے پوچھا تیرا باپ کہاں ہے۔ میں نے کہا خدا کی قسم مجھے نہیں معلوم میرے باپ کہاں ہیں ابو جہل بڑا بد کلام خبیث تھا اس نے میرے رخسار پر ایک طمانچہ مارا جس سے میری بالی گر پڑی پھر سب لوٹ گئے ہم تین روز اسی حالت میں رہے ہم کو معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کدھر گئے۔ تین روز کے بعد مکہ کے نشیبی جانب سے ایک جن عرب کے گانے کی طرف کچھ اشعار گاتا ہوا آیا لوگ اس کے پیچھے لگے ہوئے تھے مگر وہ دکھائی کسی کو نہ دیتا تھا۔ اشعار کا ترجمہ۔ مالک عرش جزائے خیر دے ان ساتھیوں کو جنہوں نے ام معبد کے خیمہ میں دوپہر کو قیام کیا دونوں اس خیمہ میں ہدایت کے ساتھ اترے جس سے مجھے ہدایت مل گئی اور جو محمد کا ساتھی ہو گیا وہ کامیاب ہو گیا، اے نبی قصی اللہ نے محمد کی وجہ سے تمہاری طرف سے ناقابل مقابلہ فضائل اور سرداری کو نہیں روکا۔ نبی کعب کو مبارک ہو کہ ایک عورت مسلمانوں کے گھات کے راستہ میں مقیم تھی اور وہیں وہ رہتی تھی۔ اپنی بمن سے اس کی بکری اور برتن کے متعلق دریافت کرو اگر تم بکری سے پوچھو گے تو وہ شہادت دے گی ایک گابھن بکری اس نے منگوائی اور اس نے اپنے تھنوں کی جڑوں سے خالص جھاگ والا دودھ دیا۔ محمد وہ بکری اسی عورت کے پاس چھوڑ گئے تاکہ دودھ دوہنے والا اس کو پانی پر اتارتے اور پانی سے نکالتے وقت دوہے (یعنی ام معبد کا شوہر اس بکری کو دوہا کرے اور جنگل کو لے جائے اور پانی پلانے کے لیے چشمے پر اتارے اور پھر پانی پلا کر وہاں سے واپس لائے)

بیہقی کی روایت میں حسن سند کے ساتھ ام معبد کے قصہ کے ذیل میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو تلاش کرتے کرتے قریش ام معبد کے پاس پہونچے اور حضور کے متعلق اس سے دریافت کیا اور حلیہ بیان کیا۔ ام معبد نے جواب دیا تم کیا کہتے ہو ایک مہمان ہمارے پاس ٹھہرا تھا اور گابھن بکری کا اس نے دودھ دوہا تھا۔ قریش نے کہا ہمارا مقصد اسی شخص کو دریافت کرنا تھا۔

بیہقی نے کہا ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے خیمہ کے گوشہ میں بکری کو دیکھا ہو پھر اس کا بیٹا بکریاں لیکر واپس آیا ہو پھر اس کا شوہر آیا ہو اور رسول اللہ ﷺ کے اوصاف شوہر سے ام معبد نے بیان کیے ہوں۔ میں کہتا ہوں شاید یہی بات قریش کو رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں یہاں تک لائی ہو۔

## ..... سراقہ کا قصہ .....

شیخین نے صحیحین میں نیز امام احمد نے سراقہ کی روایت سے اور امام احمد و یعقوب بن سفیان نے حضرت ابو بکرؓ کے حوالے سے بیان کیا۔ سراقہ کا بیان ہے کفار قریش کے قاصد ہمارے پاس آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ کے قتل یا گرفتار کرنے والے کے لیے ایک انعام مقرر کیا اور کہا کہ دونوں میں جس کسی کو کوئی قتل یا گرفتار کرے گا اس کو سو اونٹنیاں دی جائیں گی میں اپنی قوم بنی مدلج کے ساتھ ایک جلسہ میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آکر کھڑا ہوا اور اس نے کہا سراقہ میں نے ابھی ساحل پر کچھ اشخاص دیکھے ہیں، دوسری روایت میں ہے تین سوار دیکھے ہیں، میرے خیال میں وہ محمد اور ان کے ساتھی تھے۔ یہ سنتے ہی میں پہچان گیا کہ ہوں نہ ہوں وہی ہوں گے۔ میں نے اس شخص کو اشارہ کیا کہ خاموش رہو وہ خاموش ہو گیا۔ میں اٹھ کر گھر میں گیا اور باندی کو حکم دیا کہ میرا گھوڑا لے کر بطن وادی میں پہنچادے اور خود اپنے خیمہ کے پیچھے سے ہتھیار لے کر نکل چلا

Marfat.com

اور نیزہ کو گھسیٹتا گیا بلم کا بالائی حصہ نیچے کر دیا اس طرح گھوڑے تک پہنچا اور سوار ہو کر تیز دوڑاتا ہوا چلدیا جہاں تک کہ مجھے دونوں شخص نظر پڑ گئے قریب پہنچا ہی تھا کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور نیچے گر پڑا میں پھر اٹھ کھڑا ہوا اور ترکش کی طرف ہاتھ بڑھا کر اس میں سے فال نکالنے کے لئے تیر نکالے کہ میں ان کو نقصان پہنچا سکوں گا یا .....

نہیں، فال لینے پر تیر وہی نکلا جو مجھے پسند نہیں تھا یعنی فال یہ نکلی کہ میں ان کو ضرر نہ پہنچا سکوں گا۔[1] مگر مجھے امید تھی کہ میں اس فال کو الٹ دوں گا اور سو اونٹیاں لے لوں گا چنانچہ میں پھر گھوڑے پر سوار ہو گیا اور تیروں کی فال نہ مانی اور گھوڑے کو تیز دوڑاتا چلا تاکہ وہ مجھے قریب پہنچا دے۔ میں اتنا قریب پہنچ گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے قرآن پڑھنے کی آواز میں نے سن لی۔ آپ کی توجہ میری طرف نہ تھی مگر حضرت ابو بکرؓ میری طرف زیادہ متوجہ تھے۔ اسی حالت میں اچانک میرے گھوڑے کے دونوں پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے اور میں نیچے گر پڑا۔ میں نے گھوڑے کو جھڑکا اور خود اٹھا مگر گھوڑا پاؤں باہر نہ نکال سکا۔ گھوڑے نے کوشش کی کہ قدم باہر نکال لے اس کوشش میں دھویں کی طرح غبار اٹھ کر اوپر چڑھ گیا۔ میں نے پھر تیروں سے فال لی مگر وہی فال نکلی کہ میں ان کو ضرر نہ پہنچا سکوں گا، آخر میں جان گیا کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں اور وہ غالب آئیں گے مجبوراً" میں نے امان کے لیے پکارا اور کہا دیکھو میری کیا حالت ہے میں خدا کی قسم ہرگز تم کو کوئی اذیت نہیں پہنچاؤں گا اور میری طرف سے تمہارے لیے کوئی ناخوشگوار حرکت نہ ہو گی۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر سے فرمایا اس سے پوچھو کیا چاہتا ہے۔ میں نے کہا آپ کی قوم نے آپ کے سلسلے میں انعام مقرر کیا ہے غرض لوگوں کا جو مقصد تھا اس کی اطلاع آپ کو دیدی۔ کچھ زاد راہ اور سامان کی پیش کش کی مگر آپ نے مجھے کوئی تکلیف نہ دی اور نہ کچھ مانگا صرف اتنا ضرور فرما کہ ہماری خبر ظاہر نہ کرنا۔ میں نے اُن سے درخواست کی کہ آئندہ کیلئے) مجھے کوئی پروانہ امن لکھ دیجئے آپ نے حکم فرمایا۔

ابو بکر اس کو لکھ دو دوسری روایت میں ہے کہ عامر بن فہیرہ کو لکھ دینے کا حکم دیا۔ عامر نے چمڑے کے ایک ٹکڑے پر لکھ دیا پھر حضور آگے چلدیئے اور (علاقۂ) مدینہ میں داخل ہونے کے وقت حضرت ابو بکر سے فرمایا نبی کے لیے جھوٹ بولنا سزاوار نہیں اس لیے اگر لوگ مجھ سے پوچھیں گے کہ کیا پیغمبر (یہ تو مجھے صاف کہنا پڑے گا) تم لوگوں کو کسی تدبیر سے ٹال دینا۔ چنانچہ حضرت ابو بکر سے جب دریافت کیا گیا آپ کون ہیں تو آپ نے جواب دیا۔ ایک عرض مند۔ اور جب پوچھا گیا یہ تمہارے ساتھ والے کون ہیں تو حضرت ابو بکر نے فرمایا راہنما جو مجھے راستہ بتاتے ہیں جب رسول اللہ مدینہ کے قریب پہنچے تو ابو بردہ اسلمی نے اپنی قوم بنی اسہم کے ستر آدمیوں کو لے کر آپ کا استقبال کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم کون ہو۔ ابو بردہ نے کہا بریدہ، حضور ﷺ نے فرمایا ابو بکر ہمارا کام درست اور ٹھیک ہو گیا (بریدہ کا معنی ہے ٹھنڈا۔ برودت ٹھنڈک، اردو میں اگرچہ ٹھنڈا ہو جانے یا ٹھنڈک پڑ جانے کا مطلب ہوتا ہے کسی بات کا ختم ہو جانا مگر عربی میں اس کا مفہوم ہے درست ہو جانا کیونکہ جب اختلاف اور جھگڑے کی آگ بجھ جائے گی اور خصومت کی گرمی جاتی رہے گی تو معاملہ میں خنکی یعنی درستگی پیدا ہو جائے گی رسول اللہ نے لفظ بریدہ سن کر اسی مبارک فال کی طرف اشارہ کیا اور استقبال کرنے والے کا نام سنتے ہی اپنے کام کی درستگی پر استدلال کیا) فرمایا کس قبیلہ سے ہو ابو بردہ نے کہا بنی اسلم سے، حضور ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا ہم کو سلامتی حاصل ہو گئی (لفظ اسلم سے سلامتی پر استدلال کیا) پھر فرمایا بنی اسلم کس کی شاخ ہے۔ ابو بردہ نے عرض کیا بنی سہم کی، فرمایا تیرا سہم (حصہ یا تیر) نکل آیا۔ صبح ہوئی تو بریدہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا۔ مدینہ میں داخل ہوتے وقت آپ کا ایک جھنڈا ہونا ضروری ہے، چنانچہ انھوں نے اپنا عمامہ خود کھول کر اس کا پھریرا بنایا اور ایک نیزے میں باندھ کر رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے گذرے۔

حاکم نے لکھا ہے یہ خبر متواتر ہے کہ رسول اللہ ﷺ مکہ سے دوشنبہ کے دن برآمد ہوئے تھے اور دوشنبہ ہی کو مدینے میں داخل ہوئے صرف محمد بن موسیٰ خوارزمی جمعرات کے دن مکہ سے روانگی کے قائل ہیں حافظ (ابن حجر) نے دونوں قولوں کا

[1] عرب کے مشرک تیروں سے فال نکالتے تھے کسی تیر دان میں تین تیر رکھتے تھے، ایک تیر پر لکھا ہوتا تھا یہ کام کرو ایک پر لکھا نہ کرو تیسرا خالی ہوتا تھا پھر تیر دان کو الٹتے تھے، اول تیر نکلتا تو اس کام کے کرتے دوسرا نکلتا تو نہ کرتے اور تیسرا (جس کو غفل کہتے تھے) نکلتا تو دوبارہ فال نکالتے تھے۔

Marfat.com

تعارض اس طرح دور کیا کہ مکہ سے جمعرات کے دن برآمد گی ہوئی اور تین رات غار میں رہے شب جمعہ شب شنبہ شب یک شنبہ پھر پیر کی رات کو غار سے برآمد ہوئے۔ میں کہتا ہوں شاید جمعرات کی رات ہی کو مشورہ کے بعد قریش نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا اور اسی رات کو رسول اللہ ﷺ اپنے مکان سے نکل کر حضرت ابو بکر کے مکان پر گئے تھے اور دونوں ساتھ ہو کر مکان کی پشت کی طرف والے دریچہ سے برآمد ہوئے تھے۔ واللہ اعلم۔

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى ؕ اور کافروں کی بات (یعنی کلمہ شرک یاد عوت کفر) کو اللہ نے نیچا کر دیا۔ مدینہ تک کافروں کے ایذاء سے محفوظ رکھا مختلف مقامات میں فرشتوں کے ذریعہ سے امداد پہنچائی جہاں بھی کافروں نے گھیرا دیں اللہ نے مدد کی اور محفوظ رکھا۔

وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا ؕ اور اللہ کا بول (یعنی کلمہ توحید یاد عوت اسلام) تو بالا ہی ہے وکلمۃ اللہ کو پیش کے ساتھ پڑھنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کا بول تو واقع میں اونچا ہی ہے۔ اس واقعی حصر کو بتانے کے لیے (مبتداء اور خبر یعنی کلمۃ اللہ اور العلیا کے درمیان) لفظ ہی کا اضافہ کیا بعض علماء کے نزدیک کافروں کے کلمہ سے مراد ہے وہ خفیہ فیصلہ جو کافروں نے دار الندوہ میں رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کے لیے کیا تھا اور کلمۃ اللہ سے مراد ہے اللہ کا وعدہ کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی مدد کرے گا اور آپ کو نصرت یاب بنائے گا۔

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ اور اللہ (اپنے تمام امور میں اور تدبیروں میں) غالب اور حکمت والا ہے۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا نکلو جہاد کو ہلکے اور بھاری۔

خفافاً اور ثقالاً کی تفسیر مختلف طور پر کی گئی ہے (۱) جوان ہو یا بوڑھے (حسن ضحاک مجاہد قتادہ عکرمہ (۲) چست ہو یا چست نہ ہو (۳) نادار تنگدست ہو یا مالدار فراخدست (۴) ہتھیار کم ہوں یا زیادہ (حضرت ابن عباس (۵) سوار ہو یا پیدل (عطیہ عوفی (۶) جائداد اور جاگیر والے نہ ہو یا جائداد و جاگیر والے ہو جس کا چھوڑنا تم کو پسند نہ ہو (ابن زید) (۷) کاموں میں مشغول ہو یا خالی ہو (حکیم بن عتبہ) (۸) بیمار ہو یا تندرست (ہمدانی) (۹) مجرد ہو یا بیوی بچوں والے (۱۰) تمہارے متعلقین اور نوکر چاکر نہوں یا ہوں (۔ یمانی) (۱۱) مال سے ہلکے ہو یعنی محتاج ہو یا مال کا بوجھ رکھتے ہو یعنی غنی ہو (ابو صالح) بعض کے نزدیک مراد یہ ہے کہ دعوت جہاد سنتے ہی فوراً "بلا تامل نکل کھڑے ہو یا تامل و غور اور تیاری کے بعد نکلو زہری کی روایت ہے کہ حضرت سعید بن مسیب کی ایک آنکھ جاتی رہی تھی، اسی حالت میں آپ جہاد کو نکلے کسی نے کہا آپ تو بیمار اور دکھی ہیں فرمایا اللہ نے خفیف (تندرست) اور ثقیل (بیمار) سب کو جہاد کی دعوت دی ہے اگر مجھ سے لڑائی نہ ہو سکے گی تو میں مسلمانوں کی جماعت میں اضافہ کا ہی سبب بن جاؤں گا اور سامان کی حفاظت کرتا رہوں گا۔ عطاء خراسانی نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ اس آیت کے حکم کو اللہ نے آیت وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً سے منسوخ فرمادیا۔ سدی نے کہا جب یہ آیت نازل ہوئی تو لوگوں کو بڑی دشواری کا سامنا ہو گیا۔ اس پر اللہ نے اس (عمومی) حکم کو لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى سے منسوخ کر دیا۔

میں کہتا ہوں حضرت ابن عباس ﷺ اور سدی کے اقوال میں منسوخ کر دینے سے مراد ہے خاص کر دینا کیونکہ دونوں آیتوں کا نزول بغیر کسی فاصلہ اور اختلاف زمانہ کے غزوہ تبوک کے سلسلہ میں ہوا تھا (اور ناسخ منسوخ ہونے کے لیے اختلاف زمانہ اور تقدم و تاخر ضروری ہے) پس اس عمومی حکم سے تخصیص کی وجہ سے وہ لوگ نکل گئے جو نکلنے کی طاقت نہ رکھتے ہوں، کمزور اور بیمار ہوں یا خرچ نہ ہو یا سواری فراہم نہ کر سکتے ہوں اور کسی طرح ان میں سکت نہ ہو۔ حکم کے اندر وہی لوگ داخل رہے جو جہاد کو جانے کی طاقت رکھتے ہوں، خواہ دشواری اور مشقت ہی اٹھانی پڑے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آیت لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ کا نزول آیت مذکورہ کے ایک دو روز بعد ہوا ہو خواہ دونوں کا نزول جہاد تبوک سلسلہ میں ہوا ہو۔ اگر ایسا ہوا ہو تو نسخ ہو گا (نسخ کو تخصیص کہنے کی ضرورت نہ ہو گی۔)

Marfat.com

وَجٰهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور اللہ کی راہ میں مال وجان سے کوشش کرو۔ یعنی جس طرح ممکن ہو خواہ جان ومال دونوں سے یا صرف مال یا صرف جان سے۔

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ یہ تم سب کے لیے (دنیوی لذت اندوزیوں سے اور جہاد کو ترک کردینے سے) بہتر ہے اگر تم خیر کو شر سے ممتاز کرسکتے ہو تو جان لوگے کہ یہ کام تمہارے لیے بہتر (خیر) ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم واقف ہو کہ جہاد کو بہر صورت نکلنا تمہارے لیے بہتر ہے اور اللہ کی خبر سچی ہے تو جہاد کی طرف پیش قدمی کرو۔

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ خیرات کرنے یعنی تبوک کے لشکر کو تیار کرنے (اور اس کے لیے چندہ دینے کی) رسول اللہ ﷺ نے ترغیب دی۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر اپنا مال یعنی چار ہزار درہم لے کر آئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم نے گھر والوں کے لئے بھی کچھ چھوڑا ہے۔ حضرت ابوبکر نے عرض کیا میں نے ان کے لیے اللہ اور رسول ﷺ کو چھوڑا ہے حضرت عمر اپنا آدھا مال لے کر آئے حضور نے فرمایا کہ گھر والوں کے لیے بھی تم نے کچھ چھوڑا ہے۔ انہوں نے عرض کیا جی ہاں جتنا لایا ہوں اتنا ہی چھوڑا کر آیا ہوں، حضرت عباسؓ نے حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ حضرت سعد بن عبادہؓ کو سواریاں دیں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے دو سو اوقیہ (سونا) لاکر خدمت گرامی میں پیش کیا اور حضرت عاصم بن عدی نے نوے ۹۰ وسق چھوارے دیئے (ایک وسق ساٹھ صاع ایک صاع تقریباً "چار سیر") حضرت عثمان بن عفان نے ایک تہائی لشکر تیار کیا، یہاں تک کہ لوگ کہتے تھے اس لشکر کی ہر ضرورت حضرت عثمان نے پوری کی۔ محمد بن یوسف صالحی نے کہا تبوک کی فوج تیس ہزار سے زائد تھی، پس حضرت عثمانؓ نے دس ہزار کو پورا سامان دے کر تیار کیا۔

ابوعمر نے الدرر میں لکھا ہے اور اسی کے اتباع میں الاشارہ میں بھی ذکر کیا ہے کہ حضرت عثمان نے نو سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے کا ساز وسامان سمیت سواری کے لیے دیئے تھے۔

ابن اسحاق نے لکھا ہے حضرت عثمانؓ نے اس لشکر کی تیاری میں اتنا خرچ کیا کہ کسی اور نے اتنا خرچ نہیں کیا۔ ابن ہشام نے معتبر روایت سے بیان کیا ہے کہ جیش عسرت (تبوک کی فوج) کے لیے حضرت عثمانؓ نے دس ہزار درہم خرچ کیے۔ محمد بن یوسف صالحی نے کہا یعنی علاوہ سواریاں اور ان کا ساز وسامان دینے کے دس ہزار خرچ کیے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے دعا کی الٰہی تو عثمانؓ سے راضی ہو میں اس سے راضی ہوں۔

امام احمد، ترمذی اور بیہقی نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن سمرہ کی روایت سے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار دینار لاکر رسول اللہ ﷺ کی گود میں ڈال دیئے۔ رسول اللہ ﷺ اشرفیوں کو دست مبارک سے الٹ پلٹ کرتے جاتے اور بار بار فرماتے جاتے تھے۔ آج کے بعد عثمانؓ جو عمل بھی کرے اس کو ضرر نہیں پہنچے گا (یعنی کسی عمل کا گناہ نہ ہوگا یا کوئی عمل گناہ کے قابل ہی نہ ہوگا)

(ابن عقبہ کا بیان ہے کہ منافق تبوک کے جہاد پر نہیں گئے۔ ان کا خیال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کبھی لوٹ کر نہ آسکیں گے (لیکن جب حضور ﷺ بخیریت واپس آگئے تو) انہوں نے عذر پیش کیے (یعنی جھوٹی معذرتیں کیں کہ ہم ان وجوہ کی بناء پر شریک نہ ہوسکے۔)

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ کچھ منافق بغیر کسی وجہ کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس غرض سے حاضر ہوئے کہ تبوک کو نہ جانے کی اجازت حاصل کرلیں۔ حضور ﷺ نے ان کو اجازت دے دی۔ یہ لوگ اسی ۸۰ سے کچھ زائد تھے۔ انہی کے متعلق اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيْبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوْكَ اگر (وہ چیز جس کی آپ نے دعوت دی تھی) دنیوی سامان یا آسانی سے حاصل ہو جانے والا مال غنیمت ہوتا اور سفر معمولی ہوتا تو وہ آپ کے ساتھ ہو جاتے یعنی آپ

Marfat.com

کے ساتھ مال غنیمت حاصل کرنے کے لیے چلے جاتے قاصد کا معنی ہے متوسط (قصد السبیل راہ مستقیم کو کہتے ہیں جو درمیانی راہ ہوتی ہے) یعنی معمولی (جہاں جانے میں کوئی دکھ نہ ہوتا ہو)

وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ؕ لیکن ان کے لیے مسافت دور (یعنی لمبی) تھی۔ لمبی مسافت کو شقہ کہنے کی وجہ یہ ہے کہ طویل مسافت مشقت سے طے ہوتی ہے بعض نے کہا کہ شقہ سے مراد وہ مقصد ہے جو ان کا مقصود تھا (یعنی ان کا مقصد دور تھا آسانی سے ہاتھ آنے والا نہ تھا)

وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ اور وہ اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں یعنی قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہم میں طاقت ہوتی تو ہم ضرور تم لوگوں کے ساتھ جاتے مراد یہ ہے کہ ہم میں بخدا اس وقت تمہارے ساتھ چلنے کی طاقت نہیں ورنہ ہم بھی تمہارے ساتھ نکل چلتے یا یہ مطلب ہے کہ جب آپ تبوک سے واپس آئیں گے تو یہ منافق جو آپ کے ساتھ نہیں گئے قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم میں طاقت نہ تھی ورنہ تمہارے ساتھ ہم بھی چلے جاتے (اول مطلب پر سَيَحْلِفُوْنَ کا سین تحقیق کے لیے ہوگا اور دوسرے مطلب پر استقبال پر دلالت کرنے کے لیے ہوگا اور آئندہ ہونے والے واقعہ کے وقوع سے پہلے اطلاع ہوگی)

استطاعت سے مراد ہے ساز و سامان کی استطاعت یا بدنی طاقت گویا وہ (نادار بن گئے تھے یا بیمار بن گئے تھے۔ حالانکہ نہ نادار تھے نہ بیمار)

يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وہ خود اپنے کو ہلاک کریں گے رسول اللہ ﷺ کے فرمان کی تعمیل نہ کرنے اور جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسمیں کھانے کی وجہ سے خود عذاب میں مبتلا ہوں گے اس مطلب پر يُهْلِكُوْنَ يَحْلِفُوْنَ سے بدل ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ يُهْلِكُوْنَ خَرَجْنَا کی ضمیر سے حال حال ہو (اور منافقوں کے ہی قول کا جزء ہو) مطلب اس طرح ہوگا کہ ہم تمہارے ساتھ ضرور جاتے خواہ ہماری جانیں گرمی میں جانے کی وجہ سے ہلاک ہو جاتیں اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا پڑتا۔

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ اور اللہ جانتا ہے کہ وہ بلاشبہ جھوٹے ہیں یعنی ان میں ساتھ جانے کی طاقت تھی اور نہ گئے۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ سفیان بن عیینہ نے کہا رسول اللہ پر مہربانی فرمانے اور عزت بخشنے کے لیے اظہار قصور سے پہلی اعلان عفو فرما دیا (یعنی قصور کا اظہار لِمَ اَذِنْتَ میں کیا اور لِمَ اَذِنْتَ سے پہلے عفا اللہ عنک فرما دیا) میں کہتا ہوں اگر اظہار عتاب پہلے کیا جاتا تو رسول اللہ ﷺ کے وفات پا جانے کا اندیشہ تھا کیونکہ اللہ کا خوف اور اس سے خشیہ رسول اللہ ﷺ کو انتہائی درجہ کا تھا۔ اس اندیشہ سے بچاؤ کے لیے اظہار عفو پہلے کر دیا۔

بعض نے کہا یہ کلمہ (یعنی عفا اللہ عنک) دعائیہ ہے (خبر نہیں ہے) جیسے کسی کی نظر میں اپنے کسی دوست کی عزت ہو تو وہ اپنے دوست سے کہتا ہے اللہ تجھے معاف کرے تو نے میرے کام کے سلسلہ میں کیا کیا اللہ تجھ سے راضی ہو تو تو ملاقات کو بھی نہیں آیا۔ بعض نے کہا عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ کا مطلب ہے اللہ تیرے لیے ہمیشہ معافی قائم رکھے۔[1]

[1] قاضی عیاض نے شفاء میں لکھا ہے اس جگہ عفو کے معنی مغفرت نہیں ہیں (بلکہ درگذر کرنے اور لازم نہ کرنے کے ہیں) جیسے رسول اللہ نے فرمایا عَفَا اللّٰهُ لکم، عن صدقته الخيل والرقيق اللہ نے گھوڑوں اور باندی غلاموں کی زکوٰۃ ادا کرنے سے تم کو معاف رکھا، یعنی ان کی زکوٰۃ واجب نہیں کی قشیری کا قول بھی اسی طرح منقول ہے قاضی عیاض نے لکھا ہے گناہ معاف کر دینے کا قائل اس آیت میں وہی ہو سکتا ہے جو عربی کلام سے ناواقف ہو۔ آیت میں مراد تو یہ ہے کہ اللہ نے تمہارے لیے اس فعل کو گناہ نہیں قرار دیا اور بات بھی یہی تھی، اللہ کی طرف سے عذر کو قبول کرنے کی کوئی کا ممانعت بھی نہیں آئی تھی کہ اس کے خلاف کرنے کو گناہ قرار دیا جائے۔ نہ اللہ نے اس کو گناہ قرار دیا بلکہ اہل علم نے تو اس کو عتاب بھی نہیں کہا جس شخص نے اس کو گناہ یا عتاب کہا ہے اس نے غلطی کی نفسطویہ نے کہا رسول اللہ کو عذر قبول نہ کرنے میں سے ہر بات کا اللہ کی طرف سے اختیار تھا اللہ نے آپ کو مخالفت اور گناہ سے محفوظ رکھا۔

Marfat.com

لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ سے یہ مراد ہے کہ آپ نے توقف کیوں نہیں کیا جب انہوں نے جہاد پر نہ جانے کی آپ سے اجازت طلب کی تو آپ نے فوراً اجازت کیوں دیدی۔

حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ کہ آپ پر کھل جاتے وہ لوگ جنہوں نے سچ کہا (سچی معذرت پیش کی) اور آپ جھوٹوں کو (بھی) جان لیتے (جنہوں نے سچا عذر پیش نہیں کیا) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس وقت تک رسول اللہ ﷺ منافقوں کو پہچانتے نہ تھے۔

ابن جریر نے عمرو بن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ دو کام رسول اللہ ﷺ نے ایسے کیے جن کا (منفی مثبت) کوئی حکم آپ کو نہیں دیا گیا تھا۔ ایک تو منافقوں کو جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دوسرے بدر کے قیدیوں کا معاوضہ لے لینا اور فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دینا (دونوں پر) اللہ نے آپ کو عتاب کیا جیسا کہ آپ لوگ سن رہے ہیں (یعنی ایک عتاب اس آیت میں اور دوسرا عتاب قبول فدیہ والی آیت میں)

لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۴﴾

جو لوگ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں وہ اپنے مال اور جان سے جہاد کرنے کے بارے میں آپ سے رخصت نہ مانگیں گے اور اللہ ان متقیوں کو خوب جانتا ہے۔ یعنی جہاد سے رہ جانے کی اجازت نہیں مانگیں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ایماندار لوگ جہاد میں شریک ہونے کی بھی اجازت نہیں مانگیں گے حکم سنتے ہی فوراً دوڑ پڑیں گے اجازت ملنے کا انتظار بھی نہیں کریں گے۔ جہاد میں شرکت نہ کرنے کی اجازت طلب کرنے کا توذکر ہی کیا ہے۔ آخری آیت میں ان لوگوں کے متقی ہونے کی شہادت اور (در پردہ) ثواب کا وعدہ ہے۔

اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوْبُهُمْ فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ ﴿۴۵﴾

(جہاد میں شریک نہ ہونے کی) اجازت کے طلب گار تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہیں سو وہ اپنے شکوک میں پڑے ہوئے حیران ہیں۔ کبھی جہاد میں ساتھ جانے کا ارادہ کر لیتے ہیں تاکہ اگر مسلمانوں کو کامیابی ہو جائے تو مسلمانوں کی طرف سے ان کو کوئی دکھ نہ پہنچے اور کبھی شریک نہیں ہونا چاہتے کیوں کہ ان کا خیال ہے کہ رسول کبھی واپس نہیں آسکتے۔

دونوں جگہ اللہ اور روز قیامت پر ایمان رکھنے اور نہ رکھنے کا ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ جہاد کی محبت تو ایمان کا تقاضا ہے تاکہ آخرت میں ثواب مل جائے اس کے لیے اجازت طلب کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور عدم ایمان ترک جہاد کا خواستگار ہے کیونکہ ثواب کی امید ہی معدوم ہے۔

وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً اور اگر وہ (جہاد کو) چلنے کا ارادہ کرتے تو اس کے لیے کچھ سامان تو تیار کرتے۔ عُدّت سے مراد ہے سفر اور جہاد کا سامان ہتھیار گھوڑے اونٹ (وغیرہ)

وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيْلَ اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۴۶﴾

لیکن (خیر ہوئی) اللہ تعالیٰ نے ان کے اٹھنے (یعنی جہاد کے لیے جانے) کو پسند نہیں کیا۔ اسی لیے ان کو توفیق نہ دی اور (بحکم تکوینی) ہدیا گیا کہ اپاہج لوگوں کے ساتھ تم بھی یہاں بیٹھے رہو۔ وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ الخ سے یہ استدراک ہے گویا کلام یوں ہوا کہ انہوں نے جہاد کو نکلنے کا ارادہ نہیں کیا اور رک کے رہے کیونکہ اللہ کو ان کا نکلنا پسند نہ تھا، اللہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ (جہاد کے لئے) انھیں نبتطھم اللہ نے ان کو روکدیا بزدلی اور سستی کے سبب سے۔ اُقْعُدُوْا یعنی اپنے گھروں میں بیٹھے رہو۔ القاعدین سے مراد ہیں بیمار اپاہج بعض کے نزدیک عورتیں اور بچے مراد ہیں۔

اللہ نے ان کے دلوں کے اندر جو جہاد کو جانے سے کراہیت پیدا کر دی یا شیطان نے وسوسہ ڈال دیا اس کو بطور مجاز حکم قعود



Marfat.com

قرار دیا۔ یَا قِیْلُ سے خود ان کے قول کو نقل کیا گیا ہے (یعنی انہوں نے آپس میں کہا تھا کہ گھروں میں بیٹھ رہو) یا رسول اللہ ﷺ نے جو ان بیٹھ رہنے کی اجازت دیدی تھی اس کو بیان کیا گیا ہے (ان سب صورتوں میں قیل سے مراد امر تکوینی نہ ہوگا۔)

## ..... رسول اللہ ﷺ کی جہاد تبوک پر روانگی .....

☆.....اکثر منافقوں کا ساتھ دینے سے انکار.....☆

ماہ رجب ۹ھ میں رسول اللہ ﷺ مدینہ سے برآمد ہوئے اور ثنیۃ الوداع میں فوجی کیمپ لگایا (وہاں) آپ کے ساتھ تیس ہزار سے زائد تعداد تھی۔ محمد بن اسحاق اور محمد بن عمرو بن سعد کا یہی قول ہے۔ حاکم نے الاکلیل میں حضرت معاذ کی روایت سے یہ ہی بیان کیا ہے۔ لیکن حاکم نے الاکلیل میں ابوذرعہ رازی کا قول نقل کیا ہے کہ تبوک (کی روانگی) میں ستر ہزار کی تعداد تھی یعنی تابع اور متبوع دونوں کی مجموعی تعداد اتنی تھی مذکورہ بالا دونوں قولوں کا تعارض دور کرنے کے لیے حاکم نے یہی تاویل کی ہے۔ صرف گھوڑ سوار دس ہزار تھے۔

عبدالرزاق اور ابن سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جمعرات کو روانہ ہوئے تھے جمعرات کو روانہ ہونا ہی آپ کو پسند تھا۔

بقول ابن ہشام مدینہ میں اپنا جانشین حضور نے محمد بن مسلمہ انصاری کو بنایا تھا ذرا وردی کی روایت میں محمد بن مسلمہ کی جگہ سباع بن عرقطہ کا نام آیا ہے اور محمد بن عمرو ابن سعد نے لکھا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں ابن ام مکتوم کو حضور نے اپنا جانشین مقرر کیا تھا لیکن ہمارے نزدیک محمد بن مسلمہ انصاری کا جانشین ہونا زیادہ قوی ہے محمد بن مسلمہ سوائے تبوک کے اور کسی غزوہ میں حضور ﷺ سے الگ نہیں رہے۔

ابو عمر نے حضرت علی بن ابی طالب کو رسول اللہ ﷺ کا جانشین قرار دیا ہے۔ ابن وجیہ نے بھی ذکر کیا ہے اور یہی زیادہ صحیح بھی ہے۔ عبدالرزاق نے مصنف میں صحیح سند سے حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ تبوک کو روانہ ہوئے تو مدینہ میں اپنا جانشین حضرت علی بن ابی طالب کو مقرر فرمادیا۔ محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کو اپنی جگہ اپنے اہل بیت کا نگراں مقرر فرمایا تھا اور حکم دیا تھا کہ اہل بیت کے پاس رہیں منافقوں نے اس واقعہ کو (فتنہ پیدا کرنے کے لیے غلط طور پر) اچھالا اور کہنے لگے رسول اللہ ﷺ علی کا ساتھ رہنا اپنے لئے بار سمجھتے تھے اور ان سے ناراض تھے اس لئے چھوڑ گئے حضرت علی کو یہ بات معلوم ہوئی تو آپ اپنے ہتھیار لے کر فوراً نکل کھڑے ہوئے اور رسول ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے۔ حضور ﷺ اس وقت مقام جرف میں تھے، آپ نے حضور کو منافقوں کی بات کی اطلاع دی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ جھوٹے ہیں میں نے تم کو صرف ان لوگوں کی نگرانی کے لیے اپنے بجائے چھوڑا ہے جو میرے بعد رہ گئے ہیں لہٰذا تم میری جگہ میرے گھر والوں کی اور اپنے گھر والوں کی نگرانی رکھو۔ اے علی کیا تم اس بات پر راضی نہیں ہو کہ تم میرے لیے ایسے ہو جیسے موسیٰ کے لیے ہارون تھے مگر (فرق یہ ہے کہ) میرے بعد کوئی نبی نہیں حسب الحکم حضرت علی لوٹ آئے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے۔

عبداللہ بن ابی رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب روانہ ہوا تھا مگر اس نے اپنی جماعت کا پڑاؤ رسول اللہ ﷺ کی لشکر گاہ سے الگ ذباب کی طرف کچھ نچلے حصہ میں قائم کیا جب تک رسول اللہ ﷺ فروکش رہے عبداللہ بھی مقیم رہا۔ لیکن جب رسول اللہ تبوک کی جانب روانہ ہوئے تو عبداللہ نے ساتھ چھوڑ دیا اور اپنے ساتھی منافقوں کو لے کر مدینہ کو لوٹ آیا اور کہنے لگا محمد باوجود اتنی بدحالی (سختی) اور گرمی کے اتنی لمبی مسافت پر بنی الاصفر سے لڑنے چلے ہیں، جس کی ان میں طاقت نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ بنی الاصفر سے لڑنا کھیل ہے۔ خدا کی قسم مجھے تو دکھائی دے رہا ہے کہ محمد کے ساتھی رسیوں میں بندھے ہوئے ہیں (یعنی گرفتار

Marfat.com

ہو جائینگے بلکہ ان کی گرفتاری اتنی یقینی ہے کہ مجھے وہ بندھے دکھائی دے رہے ہیں) عبداللہ بن ابی نے اس قسم کی خبریں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کے متعلق فتنہ پیدا کرنے کے لیے مشہور کی تھیں۔ اللہ نے ابن ابی اور اس کے ساتھیوں کے متعلق آیات ذیل نازل فرمائیں۔

لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ شامل ہو جاتے تو سوائے اس کے کہ اور دوگنا فساد کرتے اور کیا ہوتا اِلَّا خَبَالًا یعنی تمہارے لیے سوائے شر و فساد کے اور کچھ نہیں بڑھاتے (مطلب یہ ہے کہ استثناء متصل ہے اور خیال سے مراد ہے شر و فساد) جہاد کے وقت مسلمانوں کے دلوں میں خوف ڈال کر بزدلی پیدا کرتے یا کافروں کی مدد کرتے اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے۔

چونکہ مستثنیٰ منہ (بہت زیادہ) عام ہے (یعنی کچھ، کوئی چیز) اس لیے لفظ مَّا زَادُوْكُمْ سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ منافق مسلمانوں کے اندر فساد تو اب بھی کر رہے ہیں اور جہاد پر جاتے تو اس وقت اور زیادہ فساد بپا کرتے۔ بعض لوگوں کو اسی توہم کی بنیاد پر استثناء کے منقطع ہونے کا دھوکہ ہوا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس صورت میں استثناء مفرغ نہ ہوگا۔

وَّلَاْ اَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ اور تمہارے درمیان دوڑے دوڑے پھرتے۔ وَضَعَ الْبَعِيْرُ وَضْعًا "(لازم) اونٹ تیز دوڑا اَوْضَعُوْا (متعدی) اسی سے بنایا گیا ہے یعنی وہ اپنی سواریوں کو تیز دوڑاتے۔ مطلب یہ کہ ادھر ادھر تیزی کے ساتھ چغلیاں کھاتے پھرتے شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوتے مسلمانوں کی مدد نہ کرتے بے مدد چھوڑ جاتے۔ خلال کا معنی ہے وسط، درمیان بعض اہل تفسیر نے اس جملہ کی یہ تشریح کی ہے کہ وہ ایسے امور کی کوشش کرتے جو تمہارے اندر خلل (اور نظام کی ابتری) کرنے والے تھے۔

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ فتنہ پیدا کرنے کی فکر میں۔ یعنی تمہارے درمیان اختلاف پیدا کر کے اور تمہارے دلوں میں دشمنوں کا رعب ڈال کر فتنہ پیدا کرنے کے طلب گار ہوتے۔ یہ جملہ اَوْضَعُوْا کی ضمیر سے حال ہے۔

وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ اور (اب بھی) تمہارے اندر ان کے کچھ جاسوس لگے ہوئے ہیں (جو ان کے لیے تمہاری باتیں سنتے اور ان کو پہنچاتے ہیں) یہ مطلب قتادہؓ نے بیان کیا ہے دوسرا مطلب یہ ہے کہ تمہارے اندر کچھ کمزور لوگ ان کی باتیں سنتے اور ان کا کہا مانتے ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ اور ان ظالموں کو اللہ خوب جانتا ہے، ان کے اندرونی خیالات اور بیرونی حرکات سے واقف ہے وہ ان کو خوب سمجھے گا۔

لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ انہوں نے تو پہلے بھی فتنہ پردازی کی فکر کی تھی اور آپ کے لیے کارروائیوں کی الٹ پھیر کرتے رہے تھے۔ یعنی اس سے پہلے جنگ احد میں بھی ابن ابی اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا تھا، وہ چاہتا تھا کہ آپ کا کام الٹ جائے، آپ کے ساتھی منتشر ہو جائیں اور اہل ایمان کو بے مدد چھوڑ دیا جائے آپ کے کام کو بگاڑنے کی انہوں نے تدبیریں کی تھیں اور دسیسہ کاریوں سے کام لیا تھا۔

حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾ یہاں تک کہ سچا وعدہ آگیا اور اللہ کا حکم غالب رہا اور ان کو ناگوار ہی گذرتا رہا۔ الحق سے مراد ہے اللہ کی مدد اور دین اسلام کی تائید ظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ یعنی اللہ کا دین غالب ہو گیا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ ؕ اور ان (منافقوں) میں بعض شخص وہ ہے جو کہتا ہے کہ مجھے (یہیں رہنے اور ساتھ نہ چلنے کی) اجازت دے دیجئے اور مجھے مصیبت میں نہ ڈالیے۔ اس قول کا قائل جد بن قیس منافق تھا ابن المنذر طبرانی ابن مردویہ اور المعرفۃ میں ابو نعیم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے اور ابن ابی حاتم و ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہ کے حوالہ سے اور محمد بن اسحاق و محمد بن عمرو بن عقبہ نے اپنے مشائخ کی سند سے بیان کیا کہ جد بن

Marfat.com

قیس اپنے ساتھیوں کو (جنکی تعداد دس سے کم تھی) لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں مسجد میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے یہیں رہ جانے کی اجازت دے دیجئے میری کچھ کھیتی باڑی کی زمین ہے (جس کی نگرانی ضروری ہے) میں اس کی وجہ سے معذور ہوں حضور نے فرمایا تیاری کرو تم فراخدست ہو شاید (مال غنیمت میں) تم کو بنی الاصفر (اہل روم) کی کوئی عورت مل جائے جد نے عرض کیا مجھے تو اجازت دے ہی دیجئے اور مصیبت میں نہ ڈالیے میری قوم والے واقف ہیں کہ کوئی بھی مجھ سے زیادہ عورتوں کا دلدادہ نہیں ہے مجھے ڈر ہے کہ اگر میں رومی عورتوں کو دیکھ پاؤں گا تو اپنے کو روک نہ سکوں گا رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف سے رخ موڑ لیا اور فرمایا، ہم نے تم کو اجازت دیدی۔

محمد بن عمر نے اتنا زائد بیان کیا ہے کہ جد کا بیٹا عبداللہ (خالص مومن اور) بدری صحابی تھا اور حضرت معاذ بن جبل کا اخیافی بھائی بھی تھا عبداللہ نے اس واقعہ کے بعد اپنے باپ سے جا کر کہا آپ نے رسول اللہ ﷺ کے فرماں کو کیوں رد کر دیا واللہ بنی مسلمہ میں آپ سے زیادہ مالدار تو کوئی بھی نہیں ہے آپ نہ خود جا رہے ہیں نہ (اپنی طرف سے) کسی کو سواری دے رہے ہیں جد نے کہا بیٹے سخت گرمی (طوفانی) ہوا اور تنگ حالی کے زمانہ میں رومیوں کے مقابلہ پر میں کیسے جا سکتا ہوں۔ اس وقت تو میں اپنے گھر میں ہوں پھر بھی رومیوں کے خوف سے خالی نہیں ہوں ان سے لڑنے کیلئے کیسے جا سکتا ہوں بیٹے خدا کی قسم میں زمانہ کے چکروں سے واقف ہوں (یعنی خوب سوجھ بوجھ اور تجربہ رکھتا ہوں زمانہ کا سرد گرم چکھے ہوئے ہوں) بیٹے نے کلام میں کچھ درشتی کی اور کہا خدا کی قسم اور کوئی بات نہیں ہے یہ تو صرف نفاق ہے خدا کی قسم رسول اللہ ﷺ پر کوئی آیت نازل ہو جائیگی اور آپ اس کو پڑھیں گے (اور تمہارا نفاق ظاہر ہو جائے گا) جد نے یہ کلام سن کر جھنڈا اٹھا کر بیٹے کے منہ پر مارا اور بیٹا چلا گیا باپ سے پھر بات نہ کی اور اللہ نے یہ آیت نازل فرما دی۔

طبرانی ابن مردویہ اور ابو نعیم کا بیان ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے جد بن قیس سے فرمایا رومیوں سے جہاد کرنے کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے جد نے عرض کیا یا رسول اللہ میں عورتوں کا دلدادہ آدمی ہوں رومیوں کی عورتوں کو دیکھ کر میں فتنہ میں پڑ جاؤں گا، مجھے تو آپ یہیں رک جانے کی اجازت دیجئے اور مصیبت میں نہ ڈالیے اس پر یہ آیت اتری۔ بغوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے (جد بن قیس سے) فرمایا ابو وہب رومیوں سے جنگ کرنے کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے (شاید) تم کو باندی غلام قیدی ہاتھ لگ جائیں جد نے عرض کیا یا رسول اللہ میری قوم والے جانتے ہیں کہ میں عورتوں کا شیفتہ ہوں مجھے اندیشہ ہے کہ رومیوں کی عورتوں کو دیکھ کر میں رک نہ سکوں گا آپ مجھے یہیں رکنے کا اجازت دیدیجئے اور عورتوں کی مصیبت میں نہ ڈالیے میں آپ لوگوں کی مالی مدد کر دوں گا۔

طبرانی نے دوسری سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہاد کرو اور مال غنیمت میں رومی عورتیں حاصل کرو، بعض منافق کہنے لگے یہ تم کو عورتوں کے لالچ میں پھانسنا چاہتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مذکورہ بالا روایات کی روشنی میں لَا تَفْتِنِّیْ کا مطلب یہ ہوگا کہ رومی عورتوں کے فتنہ میں مجھے نہ ڈالیے کہ میں ان کی محبت کی وجہ سے گناہ اور مصیبت میں پھنس جاؤں اور صبر نہ کر سکوں گا۔ بعض لوگوں کے نزدیک فتنہ سے مراد ہے مال اور بیوی بچوں کی بربادی یعنی میرے بعد ان کا کوئی نگراں نہ رہیگا اور سب کی تباہی ہو جائے گی۔

بعض علماء نے آیت کا طلب اس طرح بیان کیا ہے اپ مجھے خود ساتھ نہ جانے کی اجازت دیدیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی کر کے میں گناہ میں پڑ جاؤں اور آپ کی اجازت نہ ہونے کے باوجود بیٹھ رہوں۔ یعنی میں تو بہر طور نہیں جاؤں گا، خواہ آپ اجازت قیام دیں یا نہ دیں۔

اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا ؕ خوب سمجھ لو کہ یہ لوگ مصیبت میں تو (خود) پڑ ہی چکے۔ یعنی مصیبت اور خرابی تو وہ ہے جس میں یہ خود پڑے ہوئے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ جہاد کو نہ جانا اور نفاق کا ظاہر ہو جانا ہی ان کی خرابی ہے۔

وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ ۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾ اور یقیناً جہنم ان کافروں کو محیط ہے یعنی قیامت کے دن ان

Marfat.com

سب کو اپنے اندر سمیٹ لے گی یا اب گھیرے ہوئے ہے کیونکہ جہنم میں داخل ہونے کے اسباب ان کو گھیرے ہوئے ہیں (تو گویا جہنم گھیرے ہوئے ہے)

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ ۚ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۝

اگر آپ کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے تو ان کو دکھ ہوتا ہے اور اگر آپ پر کوئی حادثہ آپڑتا ہے تو کہتے ہیں ہم نے تو (اسی لئے) پہلے سے اپنے معاملہ میں احتیاط کر لی تھی اور (یہ کہہ کر) وہ خوش ہوئے چلے جاتے ہیں۔

تُصِبْكَ میں خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ حَسَنَةٌ سے فتح اور مال غنیمت مراد ہے، مُصِيْبَةٌ سے مراد ہے شکست یا مشقت و دشواری جیسے احد کے دن ہوئی تھی۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ پر جنگ میں کسی طرح کی شکست یا مشقت پڑتی ہے تو منافق اپنے شریک نہ ہونے اور ساتھ نہ جانے پر خوش ہوتے ہیں اور اپنی دور بینی کی تعریف کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے تو اس مصیبت کے آنے سے پہلے ہی وہ بات اختیار کر لی تھی جو ہمارے لیے زیادہ مناسب اور مفید تھی ہم شریک ہی نہ ہوئے يَتَوَلَّوْا یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے یا اپنے مجمع کی طرف سے یا اپنے اس بیان کے بعد خوش خوش چلے جاتے ہیں اور مسلمانوں کی مصیبت سے شاد ہوتے ہیں۔

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ (اے محمد) آپ کہہ دیجئے ہم پر کوئی حادثہ نہیں پڑ سکتا (اچھا ہو یا برا) مگر وہی جو اللہ نے ہمارے لیے مقدر فرما دیا ہے۔ یعنی لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے خواہ فتح ہو یا شہادت (عربی زبان میں لام فائدہ کے لیے اور علی ضرر کے لئے آتا ہے۔ اس ضابطہ کی روشنی میں لَنَا کا معنی ہوا ہمارے فائدے کے لیے اللہ نے جو کچھ لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے وہی ہم کو پہنچے گا۔ عَلَيْنَا نہیں فرمایا یعنی لَنَا اَوْ عَلَيْنَا نہیں کہا جس کا معنی اس طرح ہو جاتا کہ ہمارے فائدے کی ہو یا ضرر کی جو بات بھی اللہ نے لکھ دی ہے وہی ہم کو پہونچے گی (بات یہ ہے کہ فتح ہو یا شہادت) دونوں صورتوں میں ہمارا فائدہ ہے اس لیے علینا نہیں ذکر کیا (اللہ کی طرف سے لکھا ہوا ہمارے لیے بہر حال ضرر رساں نہیں ہے) صرف لَنَا فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے راوی حضرت صہیب ہیں کہ مومن کی بھی عجیب حالت ہے اس کے لیے ہر بات خیر ہے اور ہر بات کا خیر ہونا صرف مومن کے لیے مخصوص ہے اگر اس کو سکھ پہنچتا ہے اور وہ شکر کرتا ہے تو یہ سکھ اس کے لیے خیر ہوتا ہے اور اگر اس کو دکھ پہنچتا ہے اور وہ صبر کرتا ہے تو یہ دکھ اس کے لیے خیر ہوتا ہے۔ رواہ احمد و مسلم۔ بیہقی نے یہ حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بیان کی ہے۔

هُوَ مَوْلٰىنَا ۚ وہی ہمارا مددگار اور کارساز ہے اس لیے اس نے جو کچھ ہمارے لیے مقدر فرمایا وہ ہمارے لیے برا نہیں ہو سکتا۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ اور اہل ایمان کو اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔ عَلَى اللّٰهِ کا تعلق محذوف فعل سے ہے اور جو فعل مذکور ہے وہ محذوف فعل کی تاکید ہے۔ فلیتوکل کی فاء سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کے سوا کسی اور پر اہل ایمان کو توکل نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہی ان کا کارساز ہے اور ہر چیز پر وہی قادر ہے۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۚ آپ کہہ دیجئے کہ تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری کے ہی منتظر رہتے ہو۔

یہ خطاب کافروں یا منافقوں کو ہے اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ دو اچھے نتیجوں میں سے ایک نتیجہ ایک شہادت جو دخول جنت اور دوامی زندگی کے حصول کا ذریعہ ہے دوسری فتح اور مال غنیمت اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ سے مراد ہے شہادت یعنی تم ہمارے قتل ہو جانے کی تمنا کر رہے ہو اور قتل ہو جانا تمہاری نظر میں برا ہے مگر ہمارے لیے وہ بھی سراسر بھلائی ہے۔ حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں (جہاد کرنے کے لیے) نکلا ہو اور اس کے خروج کا سبب سوائے

Marfat.com

اللہ پر ایمان رکھنے اور اللہ کے پیغمبروں کو سچا جاننے کے سوا اور کچھ نہ ہو (یعنی کوئی نفسانی لالچ نہ ہو نہ حصول مال نہ ملک گیری اور اقتدار نہ شہرت و عزت دنیوی) تو اللہ نے اس کے لیے وعدہ فرمالیا ہے کہ یا تو حاصل کردہ ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ اس کو (فتح و سالم) واپس کردوں گا یا (بصورت شہادت) جنت میں داخل کردوں گا۔ متفق علیہ یعنی دونوں چیزوں میں سے ایک اس کو ضرور عطا کروں گا۔ (فتح یا جنت) لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا کہ فتح کے ساتھ جنت نہیں مل سکتی۔

وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ بِاَيْدِيْنَا ۚ

اور ہم تمہارے حق میں اس کے منتظر ہیں کہ اللہ تم پر کوئی عذاب واقع کرے گا (خواہ) اپنی طرف سے (دنیا اور آخرت میں) یا ہمارے ہاتھوں سے۔ یعنی ہم تمہارے حق میں دو برے نتیجوں میں سے ایک کے منتظر ہیں یا تو قیامت کے دن اللہ اپنے عذاب میں تم کو مبتلا کرے گا اگر تم فتحیاب ہو گئے یا ہمارے ہاتھوں سے تم کو عذاب دے گا۔ کفر کی حالت میں تم ہمارے ہاتھوں سے مارے جاؤ گے اور دوامی جہنمی بنو گے بشرطیکہ تم نے (نزول عذاب سے پہلے زندگی میں) توبہ نہ کی۔ اس مطلب پر خطاب بر عام کافروں کو ہو گا لیکن اگر مخاطب صرف منافقوں کو قرار دیا جائے تو یہ مطلب ہو گا کہ اگر تم نفاق کی حالت میں مر گئے اور تمہارا کفر ظاہر نہ ہوا تو اللہ تم کو دنیا میں اسی طرح تباہ کر دے گا جیسے گزشتہ اقوام کو اس نے تباہ کر دیا اور تباہ کرنے کے بعد تم کو دوزخ کے عذاب میں مبتلا کرے گا اور اگر تم نے اپنے قلبی کفر کا اظہار کر دیا تو کفر کی وجہ سے مارے جاؤ گے (بہر حال دونوں نتائج برے ہیں اور دونوں میں سے کوئی نتیجہ تم کو بھگتنا ہو گا)۔

فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ۝۵۲ لہٰذا تم (ہمارے نتیجہ کے منتظر رہو اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے انجام کے منتظر ہیں۔ حسن نے کہا آیت کا مطلب یہ ہے کہ شیطان نے جو وعدے تم سے کیے ہیں تم اس کے وعدوں کا انتظار کرو اور ہم سے جو دین کو غالب بنانے کا وعدہ اللہ نے کیا ہے ہم اس کے منتظر ہیں۔

قُلْ اَنْفِقُوْا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ۝۵۳

آپ کہہ دیجئے کہ تم خواہ خوشی سے صدقہ دو یا ناگواری سے تم سے کسی طرح قبول نہیں کیا جائے گا، کیونکہ بلاشبہ تم (مسلمانوں کے گروہ سے) خارج ہو۔

طوعاً او کرہاً حال ہے طوعا" سے مراد وہ صرف ہے جو اللہ اور رسول کی طرف سے لازم نہیں کیا گیا اور کرہا" سے وہ دنیا مراد ہے جس کو ادا کرنا اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ضروری قرار دیا گیا ہے۔ اللہ کی طرف سے جس صرف کو لازم کیا گیا تھا اس کو ادا کرنا منافقوں پر دشوار اور شاق تھا دل کو ناگوار تھا اس لیے اس کو کرہ (دل کی ناگواری) فرمایا اَنْفِقُوْا اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن خبر کے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارا خرچ کرنا بہر طور برابر ہے اپنی طرف سے بغیر وجوب کے دو یا جو بھی رقم دو، دونوں صورتوں میں قبول نہیں کیا جائے گا۔ یہ کلام حقیقت میں جد بن قیس کے قول کا جواب ہے، اس نے کہا تھا میں آپ کی مالی مدد کر دوں گا۔ عدم قبول کی دو شکلیں ہیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ اور آپ کے جانشین اس شخص کی اعانت اور صدقہ قبول نہیں کریں گے جس کے منافق ہونے کا ان کو علم ہو

(۲) اللہ قبول نہیں فرمائے گا، یعنی ثواب نہیں دے گا۔ انکم کنتم قوما" فاسقین سے یہ مراد ہے کہ تم مسلمانوں کے گروہ سے خارج ہو اس لیے تمہاری طرف سے دی ہوئی مالی مدد قبول نہیں کی جائے۔ یہ جملہ عدم قبول کی علت ہے اور آئندہ آیت اسی کی توضیح اور تائید ہے۔

وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ۝۵۴

اور ان کی خیر خیرات قبول ہونے سے کوئی چیز بجز اس کے مانع نہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے

Marfat.com

رسول کا انکار کیا اور نماز نہیں پڑھتے مگر ہارے جی سے اور راہ خیر میں نہیں دیتے مگر ناگواری کے ساتھ کیوں کہ ان کو نہ ثواب کی امید ہے نہ ترک پر عذاب کا اندیشہ ان کی نظر میں زکوٰۃ تاوان ہے اور زکوٰۃ نہ دینا مال غنیمت کا حصول۔

کسالی، یعنی سستی کی حالت میں بے دلی کے ساتھ لوگوں کو دکھانے کے لیے۔ بظاہر دونوں آیات میں تعارض معلوم ہوتا ہے اَنْفِقُوْا طَوْعًا" سے خوشی کے ساتھ خیر خیرات کرنی ثابت ہو رہی ہے اور لَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَہُمْ کٰرِہُوْنَ میں خوشی سے صرف کرنے کی مکمل نفی ہے لیکن ہم بیان کر چکے ہیں کہ طوعا" کا معنی ہے اپنی طرف سے بغیر شرعی وجوب کے نور اس طرح کی خیرات محض دکھاوٹ کے لیے ہوتی ہے، بے دلی کے ساتھ کراہت خاطر کے ساتھ بغیر خوشی اور دلی رغبت کے (لہذا طوعا" خیرات کرنی بھی کٰرِہُوْنَ کے تحت آجاتی ہے) بعض علماء نے یہ جواب دیا ہے کہ اس جگہ تو واقعی قطعی طور پر بیان کر دیا گیا کہ وہ کوئی خیر خیرات بغیر کراہت خاطر کے نہیں کرتے اور آیت انفقوا طوعا" میں فیصلہ بقدیر فرض ہے یعنی بالفرض اگر تم بخوشی بھی خیرات کرو تو قبول نہیں کی جائے گی (اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ خوشی سے دیتے بھی ہیں)

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۵۵

سو ان کے مال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان (دنیوی) چیزوں کی وجہ سے دنیاوی زندگی میں بھی ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کی جانیں بھی کفر کی ہی حالت میں نکل جائیں۔

اعجاب کا معنی ہے کسی پسندیدہ چیز پر خوش ہونا مطلب یہ ہے کہ ہم نے جو دولت اور اولاد عطا کی ہے وہ پسندیدگی کے قابل نہیں یہ تو محض ایک دھوکہ ہے جو حقیقت میں وبال ہے مال و اولاد دے کر تو اللہ ان کو دنیوی زندگی میں ہی گرفتار رکھنا چاہتا ہے دولت جمع کرنے اور اولاد کی دیکھ بھال کرنے میں طرح طرح کی زیادتیاں اور دکھ اٹھاتے ہیں تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ سختیاں جھیلتے ہیں مصائب میں گرفتار ہوتے ہیں اور خرچ کرنا ان کے دلوں کو ناگوار ہوتا ہے اندرونی دکھ ہوتا ہے اور جس کے پاس نہیں ہے اس کو حسرت و افسوس ہوتا ہے (غرض مال و اولاد ہونے یا نہ ہونے دونوں صورتوں میں ان پر عذاب ہی عذاب ہے)

مجاہد اور قتادہ نے کہا کہ آیت میں الفاظ کی کچھ تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل ترتیب اس طرح تھی۔ دنیوی زندگی میں اللہ نے جو مال و اولاد عطا کی ہے اپ کو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے اللہ کو یہ منظور ہے کہ مال کمانے، جمع کرنے، جوڑ جوڑ کر رکھنے اور ناجائز راستوں میں خرچ کرنے کی وجہ سے آخرت میں ان کو مبتلائے عذاب کرے۔

زہوق کا اصل لغوی معنی ہے دشواری کے ساتھ نکلنا یعنی ان کی جانیں ٹوٹ ٹوٹ کر افسوس اور حسرت کے ساتھ نکلیں اور دنیا میں مبداء اور معاد کی طرف سے غفلت کی حالت میں رہیں۔ یہی ان کی ڈھیل ہے (کہ یہ نہیں سمجھتے کہ آئندہ جب رسی کھینچی جائے گی تو پھر پھڑاتے تڑپتے رہ جائیں گے اور کسی طرح رہائی ممکن نہ ہوگی)

آیت میں (معتزلہ کے مسلک کے خلاف) اس امر کی دلیل ہے کہ بندہ کے لیے جو چیز زیادہ مناسب اور مفید ہو وہی عطا کرنا اللہ پر واجب نہیں ہے (بلکہ وہ ضرر رساں غیر اصلح چیز دے کر بندہ کو مبتلائے عذاب بھی کر سکتا ہے) کیونکہ اس آیت میں اللہ نے بتایا کہ کافروں کو مال و اولاد دے کر (ان کو نوازنا اور ان کو فائدہ پہنچانا مقصود نہیں ہے بلکہ) ان کو گرفتار عذاب کرنا اور کفر کی حالت میں ان کی جانیں نکالنا مقصود ہے۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ اور یہ (منافق) اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں کے ہیں حالانکہ (واقع میں کافر ہونے کی وجہ سے) وہ تم میں کے نہیں ہیں تم میں کے ہیں یعنی (مخلص) مسلمانوں میں سے ہیں۔

وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ ۝۵۶ لیکن وہ (تم سے) ڈرنے والے لوگ ہیں، اس بات سے ڈرتے ہیں کہ (اگر ان کا کفر ظاہر ہو جائے گا تو) تم ان کے ساتھ وہی سلوک کرو گے جو مشرکوں سے کرتے ہو۔

Marfat.com

لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ۝۵۷

اگر ان لوگوں کو کوئی پناہ گاہ یا غار یا کوئی گھس بیٹھنے کی جگہ مل جاتی تو یہ ضرور منہ اٹھا کر ادھر تیزی سے چلدیتے۔ ملجاء یعنی کوئی حفاظت کا مقام جس میں پناہ لی جاسکتی یا کوئی قوم جس کے پاس جاکر امن مل جاتا۔ مغارات مغارۃ کی جمع ہے یعنی پہاڑی غار، مغارہ غور سے ماخوذ ہے یعنی چھپنے کا مقام، عطانے کہا اس سے مراد سرنگ یا تہ خانے ہیں مُدَّخَلًا یعنی ایسا سوراخ اور گھسنے کا مقام جس کے اندر دشواری کے ساتھ داخلہ ہو جیسے گھونس کا سوراخ۔

لَوَلَّوْا اِلَيْهِ پشت پھیر کر اس طرف بھاگتے۔ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ سرپٹ تیزی کے ساتھ منہ اٹھائے ہوئے دوڑتے ہوئے جیسے بے لگام سرپٹ بھگتا ہوا گھوڑا۔ آیت کی مراد یہ ہے کہ ان کو تمہارے ساتھ رہنے سے انتہائی نفرت و کراہت ہے اگر کوئی بھی بچاؤ کا مقام ان کو ملجاتا تو وہ تم سے الگ ہو جاتے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ فِي الصَّدَقٰتِ ۚ اور ان (منافقوں) میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو (تقسیم صدقات کے بارے میں آپ پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ عیب لگاتے ہیں۔ ہمزہ اور ھَمَزٌ اس پر طعن کیا۔ نکتہ چینی کی۔ یعنی وہ کہتے ہیں کہ آپ تقسیم صدقات انصاف کے ساتھ نہیں کرتے۔ شیخین اور بیہقی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ فتح حنین کے دن قبیلہ ہوازن سے چھینا ہوا مال جب رسول اللہ ﷺ نے تقسیم کیا تو سر دران عرب (میں سے بعض) کو تقسیم کے وقت ترجیح دی یہ بات دیکھ کر قوم انصار میں سے ایک شخص بولا یہ بے انصافی کی تقسیم ہے یا یہ کہا کہ یہ تقسیم اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے نہیں کی گئی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا میں نے کہا میں جاکر رسول اللہ ﷺ کو ان الفاظ کی اطلاع ضرور دوں گا۔ چنانچہ میں نے جاکر اطلاع دے دی۔ یہ سن کر چہرہ مبارک کا رنگ بدل گیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چمڑا رنگنے والے گوند کی طرح (سرخ) ہو گیا اور فرمایا اگر اللہ اور اس کا رسول انصاف نہیں کرتا تو پھر اور کون انصاف کر سکتا ہے۔ اللہ کی رحمت ہو موسیٰؑ پر ان کو اس سے بھی زیادہ دکھ پہنچایا گیا تھا مگر انہوں نے صبر کیا محمد بن عمر نے اس نکتہ چین کا نام معتب بن قشیر ذکر کیا ہے جو منافق تھا۔

ابن اسحاق نے حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے امام بخاری، مسلم اور امام احمد نے حضرت جابر کی روایت سے لکھا ہے کہ جس وقت قبیلہ ہوازن سے حاصل کیا ہوا مال غنیمت رسول اللہ ﷺ تقسیم کر رہے تھے۔ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی طرف متوجہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ حضرت ابن عمر اور حضرت ابو سعیدؓ خدری کے قول کے موافق یہ شخص بنی تمیم میں سے تھا جس کو ذوالخویصرہ کہا جاتا تھا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے اس نے عرض کی۔ میرے خیال میں آپ نے انصاف سے کام نہیں لیا۔ انصاف (سے تقسیم) کیجئے۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ اس نے کہا یا رسول اللہ ﷺ انصاف سے کام لیجئے۔ یہ سنتے ہی حضور غضبناک ہو گئے اور فرمایا ارے اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔ اگر میں انصاف نہ کروں تو یہ میری نامرادی اور خسران ہو گا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر میرے پاس انصاف نہ ہو گا تو اور کس کے پاس ہو گا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ اجازت دیجئے میں اس منافق کو قتل کر دوں۔ فرمایا اللہ کی پناہ لوگ کہیں گے۔ کہ میں اپنے ساتھیوں کو قتل کرتا ہوں اس کو رہنے دو۔ اس کے کچھ ساتھی ہوں گے جن کی نماز کے مقابلہ میں تم کو اپنی نماز اور جن کی روزوں کے مقابلے میں تم کو اپنے روزے حقیر معلوم ہو گے وہ قرآن کی قرات کریں گے مگر قرآن ان کے حلق سے آگے نہ بڑھے گا۔ وہ دین سے اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر اپنے شکار سے نکل جاتا ہے گوبر اور خون کے پار ہو جاتا ہے (اس کے باوجود) اس پر کوئی نشان نہیں ہوتا پھل کو دیکھا جاتا ہے تو اس پر بھی کچھ (خون یا گوبر کا نشان نہیں ہوتا۔ دونوں پر دکو دیکھا جاتا ہے تو تعان پر کچھ نہیں ہوتا اور شکار پر بھی کچھ نہیں پایا جاتا۔ ان کی علامت یہ ہے کہ ان میں ایک کالا آدمی ہو گا جس کا ایک بازو عورت کی پستان یا گوشت کے لوتھڑے کے طرح ہو گا یہ لوگ پھر جائیں گے اور سب سے افضل گروہ کے خلاف خروج کریں گے، حضرت ابو سعید خدری

Marfat.com

نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے سنی اور شہادت دیتا ہوں کہ حضرت علی بن ابی طالب نے ان لوگوں سے (نہروان پر) جنگ کی میں آپ کے ساتھ موجود تھا۔ آپ نے اس (نشان والے) آدمی کو تلاش کر لیا تو (اس کی مردہ لاش کو) آپکی خدمت میں پیش کیا گیا۔ میں نے اس کو غور سے دیکھا تو رسول اللہ ﷺ کی بیان کے مطابق اس کو پایا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ جس (ذوالخویصرہ تمیمی) کے متعلق اس آیت کا نزول قرار دیا گیا ہے اس کا نام خرقوص بن زہیر تھا، اور یہی خارجیوں کا مورث اعلیٰ تھا۔ بظاہر آیت اس شان نزول کو ماننے سے انکار کر رہی ہے۔ کیونکہ آیت میں صدقات کی تقسیم پر نکتہ چینی کرنے کا بیان ہے اور صحیحین کی حدیث میں جس ذی الخویصرہ تمیمی یا معتب بن قشیر کا ذکر کیا گیا ہے اس کا واقعہ جنگ حنین کے مال غنیمت تقسیم ہونے کے موقع پر ہوا تھا اور (تقسیم غنیمت تقسیم صدقات سے جدا چیز ہے۔ اس کے علاوہ) اس آیت کا نزول تبوک کے غزوہ میں ہوا جو حنین کے بہت بعد کا ہے۔ میرے نزدیک اس آیت کا نزول اس موقع پر ہوا جب لوگ تبوک کے لشکر کی تیاری کے لیے مال صدقات لا رہے تھے اور رسول اللہ ﷺ ان صدقات کی تقسیم کر رہے تھے۔ واللہ اعلم

کلبی کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول ایک منافق کے بارے میں ہوا جس کا نام ابوالخواص تھا اس نے کہا تھا کہ تقسیم عدل کے ساتھ نہیں کی جا رہی ہے۔

فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ ﴿۵۸﴾

اگر صدقات میں سے ان کو (زیادہ اور خوب) دے دیا جاتا ہے تو راضی رہتے (اور خوش ہوتے) ہیں اور اگر ان کو (زیادہ) نہیں دیا جاتا تو یکدم ناراض ہو جاتے ہیں۔ لفظ زیادہ کا بین القوسین اضافہ اس لیے کیا گیا کہ آگے کی آیت کا یہی تقاضا ہے (جس میں کچھ نہ کچھ دینا بہر حال ثابت ہے) فرمایا ہے۔

وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ ۙ وَقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ ۙ اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

اور ان کے لیے بہتر ہوتا اگر وہ اس پر راضی رہتے۔ جو کچھ ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور اس کے رسول ﷺ نے دیا تھا اور یوں کہتے کہ ہمارے لیے اللہ کافی ہے۔ آئندہ اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول ﷺ ہم کو دیدیں گے ہم (تو اول ہی سے) اللہ ہی کی طرف راغب ہیں۔

یعنی اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو صدقات اور مال غنیمت میں سے دے دیا اگر وہ اس پر راضی رہتے (اللہ براہ راست کسی کو نہیں دیتا رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے دلواتا اور تقسیم کراتا ہے) اللہ کا ذکر (دیئے ہوئے مال کی مقدار خواہ وہ کتنی ہی کم ہو) عظمت ظاہر کرنے اور اس امر پر تنبیہ کرنے کے لیے کیا گیا کہ رسول اللہ کا عمل حقیقت میں (از خود نہیں بلکہ) اللہ کے حکم سے ہے اور رسول اللہ ﷺ کے فعل پر اسی طرح راضی رہنا اور سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے جس طرح اللہ کے حکم اور تقدیر پر حَسْبُنَا اللّٰهُ یعنی اپنے فضل سے اللہ ہمارے لیے کافی ہے۔ کسی اور طریقہ سے ہماری حاجت کے مطابق اللہ ہم کو عطا فرمادے گا اور کسی دوسرے مال صدقات و غنیمت سے اللہ کا رسول ہم کو دیدے گا۔

آئندہ آیت میں صدقات کے مصارف بیان کیے ہیں تاکہ غلط طور پر جو لوگ صدقات لینے کی طمع لگائے ہوئے تھے ان کی طمع ختم ہو جائے اور ظاہر کر دیا جائے کہ وہ صدقات کے مستحق نہیں ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے جس طرح تقسیم کی وہ ہی صحیح ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ صدقات تو صرف غریبوں کے لیے ہیں اور مسکینوں کے لیے۔ بیضاوی نے لکھا ہے۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ آیت سابق میں نکتہ چینی کرنے سے مراد ہے تقسیم زکوٰۃ پر نکتہ چینی کرنا، مال غنیمت کی تقسیم پر نکتہ چینی مراد نہیں ہے۔



Marfat.com

میں کہتا ہوں، آیت کی مراد صرف یہ ہے کہ مصرف صدقات فقط غریب لوگ ہیں۔ یعنی غنی لوگ مستحق نہیں ہیں۔ یعنی فقیر اس کو کہتے ہیں جو غنی نہ ہو، خواہ اس کے پاس مال بالکل نہ ہو، نادار ہو یا کچھ مال ہو (مگر اتنا نہ ہو کہ غنی ہو جائے) گویا لفظ فقیر مسکین اور دوسرے اصناف مستحقین سے عام ہے۔ اکثر حنیفیہ قائل ہیں کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب زکوٰۃ نہ ہو۔ نصاب سے کم مال ہو۔ میرا قول امام ابو حنیفہ کے مذہب کے زیادہ موافق ہے کیونکہ امام صاحب کے نزدیک فقراء کا اعتبار قرضدار کیلئے بھی ہے اور مجاہد کیلئے بھی (یعنی فقیر کا لفظ ان دونوں کو بھی شامل ہے) میرے قول کی تائید حضرت معاذ کے واقعہ سے ہوتی ہے امام بخاری امام مسلم اور اصحاب السنن نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن بھیجتے وقت فرمایا، تم ایسے لوگوں کی طرف جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں (اول) لاالہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ ﷺ کی شہادت کی طرف دعوت دینا اگر وہ مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر ہر شبانہ روز میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں اگر وہ (یہ بھی) مان لیں تو ان کو بتانا کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ فرض کی ہے جو ان کے غنی (صاحب نصاب) لوگوں سے لی جائیگی اور انہی کے فقراء (جو مالک نصاب نہ ہوں ان) کو بانٹ دی جائے گی۔ زکوٰۃ میں سب سے بڑھیا جانور نہ لینا مظلوم کی بددعا سے ڈرتے رہنا۔ مظلوم کی بددعا (براہ راست اللہ تک پہنچتی ہے اس کے) اور خدا کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔

اس حدیث کی رو سے زکوٰۃ لینے والے کا مسلم ہونا ضروری ہے ایمان لازم ہے باجماع علماء غیر مسلم کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی خواہ غیر مسلم ذمی ہو یا حربی البتہ زہری اور ابن شبرمہ کے نزدیک ذمی کافر کو زکوٰۃ دینا درست ہے کیوں کہ اِنَّمَا الصدقٰت للفقراء کی تشریح میں حضرت عمر کا قول آیا ہے کہ فقراء سے مراد وہ لوگ ہیں جو اہل کتاب میں سے اپاہج ناکارہ ہوں لیکن چونکہ بعد کو ان دونوں بزرگوں کے قول کے خلاف اجماع علماء ہو چکا ہے اس لیے زہری اور ابن شبرمہ کا قول ناقابل اعتبار ہے۔

## ایک شبہ

امام ابو حنیفہ کے نزدیک حدیث آحاد سے قرآنی نص پر زیادتی نہیں کی جاسکتی اور قرآن میں صراحۃ "لفظ فقراء آیا ہے (مسلم ہوں یا غیر مسلم) پھر ایمان کی شرط لگا کر قرآن کی صراحت پر زیادتی کیوں کی گئی۔

## جواب

آیت یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ کی وجہ سے آیت اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ سے حربی کافروں کی تخصیص تو باجماع علماء پہلے ہی کرلی گئی تھی اور مخصوص البعض آیت کی مزید تخصیص خبر آحاد سے امام صاحب کے نزدیک بھی جائز ہے، اس لیے الفقراء سے مراد وہی فقرا ہیں جو مسلم ہوں غیر مسلم نہ ہوں۔ ہاں جو خیرات فرض نہیں وہ بالاجماع کافروں کو بھی دی جاسکتی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے لَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ لَمْ یُقَاتِلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ۔

رہی حضرت معاذ والی حدیث اس میں صرف فرض زکوٰۃ مراد ہے نفل خیرات مراد نہیں ہے مگر چونکہ آیت اِنَّمَا یَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْكُمْ فِی الدِّیْنِ میں حربیوں سے سلوک کرنے کی ممانعت آگئی ہے۔ اس لیے نفل خیر خیرات بھی غیر مسلم حربیوں کو نہیں دی جاسکتی۔ باقی فرض زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے واجب صدقات جیسے روزہ کا فطرہ ہر طرح کے کفارے اور نذر وغیرہ تو امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ان کا حکم بھی فرض زکوٰۃ کی طرح ہے۔ کیونکہ ان حضرات کے نزدیک فرض اور واجب میں کوئی فرق نہیں ہے صرف امام ابو حنیفہ قائل ہیں کہ یہ صدقات واجبہ ذمی کو دیئے جاسکتے ہیں کیونکہ آپ کے نزدیک واجب کا درجہ فرض سے کم ہے (فرض وہ حکم ہوتا ہے جس کا ثبوت قطعی دلیل سے ہو اور بالکل اس میں شک نہ ہو اور واجب حکم کا ثبوت دلیل قطعی سے تو ہوتا ہے مگر قابل شک ہوتا ہے) اور حدیث معاذ میں صرف

Marfat.com

فرض زکوۃ سمراد ہے۔ صرف زکوۃ وصول کرنے کے لیے ہی آپ کا تقرر ہوا تھا۔

جب لفظ فقراء و مساکین اور دوسرے ان تمام اقسام کو شامل ہے جن کا ذکر اس جگہ کیا گیا ہے اور یہ لفظ سب سے عام ہے تو الفقراء کے بعد والمساکین کو ذکر کرنے کی صورت محض ان اقسام کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے ہوئی جیسے عام پر خاص کا عطف خاص کی اہمیت کے پیش نظر کر دیا جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ہم ذیل میں مساکین اور دوسرے اقسام کی تفصیل کے ساتھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

مسکین سے مراد وہ غریب آدمی ہے جو لپٹ چمٹ کر اصرار کے ساتھ سوال نہ کرے سکون اور سکینہ سے مشتق ہے مسکین سوال کے لیے (اصرار کے ساتھ) چونکہ حرکت نہیں کرتا اس لیے اس کو مسکین کہا جاتا ہے۔ صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسکین وہ نہیں ہے جو مارا مارا پھرے، ایک دو لقموں کی طلب یا ایک دو چھوارے کی خواہش اس کو لیے لیے پھرے بلکہ مسکین وہ ہے جس کو بقدر کفایت نہ ملتا ہو اور کوئی اس کی حالات سے واقف بھی نہ ہو کہ کچھ خیر خیرات دیدے اور خود وہ کھڑا ہو کر کسی سے مانگتا نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسکین بھی ایک طرح کا فقیر ہی ہوتا ہے اور چونکہ اس کو دینا دوسرے غریبوں کو دینے سے اہم ہے۔ اس لیے الفقراء کے بعد المساکین کا ذکر کیا گیا۔ اسی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے اللہ نے (تفصیل کے ساتھ آیت ذیل میں) فرمایا لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا۔ "الحاف کا معنی ہے (لپٹ جانا) اصرار کرنا زاری کرنا۔

## ایک شبہ

بھیک مانگنے والے فقیر پر بھی لفظ مسکین کا اطلاق ہوتا ہے بخاری اور مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے تین اسرائیلیوں کا قصہ نقل کیا ہے جن میں ایک مبروص تھا دوسرا گنجا، تیسرا اندھا، یہ حدیث لمبی ہے، اس میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں کہ ایک مسکین آدمی نے کہا سفر کی حالت میں میرے (کمائی، آمدنی، اور دولت وغیرہ کے تمام) ذرائع منقطع ہو گئے۔ میرے پاس اتنا بھی نہیں کہ وطن تک پہنچ جاؤں بس اول اللہ کی مدد سے اور پھر تیری مدد سے وطن پہنچ سکتا ہوں۔ میں اس اللہ کے نام پر جس نے تجھے حسن اور خوبصورت جلد (واپس) دی ہے درخواست کرتا ہوں کہ مجھے تو ایک اونٹ دیدے جس سے میں سفر طے کر لوں۔

## جواب

(۱) سابق الذکر حدیث میں اس لفظ مساکین کی مراد بیان کی گئی ہے جو آیت میں مذکور ہے۔ غنا کا لغوی مفہوم نہیں بیان کیا گیا ہے (اور موخر الذکر اس حدیث میں لفظ مذکور لغوی معنی کے اعتبار سے استعمال کیا گیا ہے)

(۲) موخر الزکر حدیث میں لفظ مسکین کا استعمال مجازی طور پر کیا گیا ہے (یعنی غریب آدمی خواہ الحاح وزاری کے ساتھ ہی مانگتا ہو)

مسکین کے مفہوم میں کسی قدر صاحب مال ہونا داخل نہیں ہے (یعنی مسکین کا یہ معنی نہیں کہ اس کے پاس مال بھی ہو جو نصاب سے کم ہو) جیسا کہ بعض غیر فقیہ کا قول ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس بالکل مال نہ ہو اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ مال بھی ہو۔ کیونکہ کفارات کے متعلق اللہ پاک ..... نے جو فَاِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ اور اِطْعَامُ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا فرمایا ہے۔ ان سے مراد باجماع علماء فقراء ہیں، خواہ ان کے پاس کچھ مال ہو یا بالکل نادار ہوں۔ اس کے علاوہ آیت اَوْ مِسْكِيْنًا "ذَا مَتْرَبَةٍ" میں وہ فقیر مراد ہے جو خاک نشین یا خاکسار ہو مٹی پر پڑا رہتا ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسکین کے مفہوم میں کسی قدر مالدار ہونا ضروری نہیں۔

نہ لفظ مسکین میں بالکل نادار ہونا داخل ہے جیسا کہ بعض احناف کا قول ہے کیونکہ آیت اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ بتا رہی ہے کیونکہ کشتی والے مسکین اس کشتی کے مالک تھے۔ اس کے باوجود اللہ نے ان کو

Marfat.com

مساکین فرمایا۔ **کہنا کہ کشتی ان** کی ملک نہ تھی۔ وہ اجیر تھے یا مانگ کر کہیں سے لائے تھے۔ ظاہر نص کے خلاف ہے جس کی کوئی دلیل نہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ مسکین کی حالت فقیر سے کچھ اچھی ہوتی ہے انہوں نے استدلال میں احادیث ذیل پیش کی ہیں بخاری اور مسلم نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے اور ابو داؤد نسائی ابن حبانؒ اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے نیز ابن حبان و حاکم نے حضرت ابو بکرہ حضرت ابو سعید خدریؓ اور حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کو ابن حبان نے صحیح بھی قرار دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فقر سے پناہ مانگی۔ اور یہ بھی حضور ﷺ نے دعا کی کہ اے اللہ مجھے مسکینی کی حالت پر زندہ رکھ اور مسکینی کی حالت میں مجھ پر موت بھیج۔ یہ حدیث ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت ابو سعیدؓ کی وساطت سے بیان کی ہے (دونوں حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر فقیر مسکینی سے برا نہ ہوتا تو رسول اللہ ہرگز فقیر سے پناہ کے اور مسکینی کی حالت میں زندگی و موت کے خواستگار نہ ہوتے)

اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جس فقر سے پناہ مانگی ہے اس سے نفس کا فقیر ہونا مراد ہے (یعنی دل کے فقیر ہونے سے پناہ مانگی، ناداری اور مفلسی مراد نہیں ہے) کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، استغنادل کا استغنا ہے (یعنی اگر دل فقیر ہو تو کتنا ہی مالدار ہو وہ فقیر ہی رہے گا اور دل غنی ہو تو کتنا ہی نادار ہو وہ سارے جہان سے بے نیاز رہے گا) یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ فقیر سے پناہ مانگنے سے مراد ہے فقیر کی آزمائش اور ناداری کے فتنہ سے پناہ مانگنا مفلسی سے پناہ مانگنا مراد نہیں ہے، اسی طرح جس مسکینی کی دعا فرمائی اس سے مراد نفس مسکینی نہیں بلکہ مسکینی کے بعض خصوصی صفات صبر، توکل، رضا بالقضا وغیرہ مراد ہیں۔

یا یوں کہا جائے کہ حضرت انسؓ و حضرت ابو سعیدؓ کی حدیث کی سند ضعیف ہے۔ حافظ ابن حجر نے اس کو ضعیف کہا ہے اور ابن جوزی نے تو اس کو موضوعات میں داخل کیا ہے کیونکہ (رسول اللہ ﷺ کی دعا رد نہیں ہو سکتی اور) وفات کے وقت حضورؐ محتاج نہ تھے، خود مستغنی تھے (معلوم ہوا کہ اس حدیث کی سند نا قابل اعتماد ہے)

اس کے علاوہ اللہ نے (بطور منت بنہی رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے) فرمایا ہے وَوَجَدَكَ عَآئِلًا "فَاَغْنٰى" اللہ نے آپ کو محتاج پایا پھر غنی فرما دیا۔

وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا اور ان کارکنوں کے لیے جو صدقات پر مقرر ہوں اللہ نے (تمام مُحَصِّلِيْنِ زکوۃ اور ان کے مددگاروں اور کارندوں کو مجازا" فقراء کے ذیل میں شمار کیا، خواہ مُحَصِّلِيْنِ زکوۃ مالدار ہی ہوں تب بھی فقراء کے ذیل میں ان کا مجازا" شمار کیا جائے گا کیونکہ زکوۃ کو وصول کرنے اور اس کو تقسیم کرنے کے معاملہ میں محصلین زکوۃ فقراء کے وکیل (ایجنٹ) ہوتے ہیں انہی کے کام میں مشغول رہتے ہیں لہٰذا ان کا حق محنت ادا کرنا فقراء پر واجب ہے گویا یہ حکما اور ضمنا" (ذیلی طور پر) فقراء ہوتے ہیں۔

## ..... محصل زکوۃ کو کتنا دیا جائے .....

امام شافعی نے فرمایا محصل زکوۃ کا عمل کم ہو یا زیادہ بہر حال کل صدقات کا آٹھواں حصہ مُحَصِّلِيْنِ زکوۃ اور ان کے مددگاروں کو دیا جائے گا امام شافعی کے اس قول کی بناء اس نظریہ پر ہے کہ زکوۃ کا مال آٹھوں اقسام کو برابر برابر دیا جائے۔ ہماری طرف سے اس قول کی تردید عنقریب آئے گی۔

امام ابو حنیفہ اور اکثر ائمہ نے فرمایا محصل نے جتنی مدت کام میں صرف کی ہو اتنی مدت کی ضروریات پوری کرنے کی بقدر اس کو دیا جائے مثلا" کسی نے تحصیل کے کام میں ایک دن صرف کیا تو اس کو ایک دن کا معاوضہ بقدر کفایت دیا جائے گا اور ایک

Marfat.com

سال صرف کیا تو ایک سال کی معاش بقدر کفایت پانے کا مستحق قرار پائے گا کیونکہ زکوۃ کے مال میں غنی کا کوئی حق نہیں عامل کو اس کے عمل کا صرف اتنا اجر دیا جائے گا جتنا فقیروں کے کام میں وقت صرف کرنے سے اس کا واجبی ہوگا گویا یوں کہو کہ زکوۃ تو فقراء کا حق ہے، عامل کو فقیروں کے حق میں سے بقدر اجر و کفایت دیا جائے گا۔

اگر اس کی اجرت بقدر کفایت اتنی ہو کہ حاصل کی ہوئی زکوۃ کی کل مال کا اس کو استحقاق ہو جاتا ہے تو باتفاق علماء کل مال زکوۃ اس کو نہیں دیا جا سکتا آدھا دیا جائے گا۔ آدھے سے زائد ہرگز نہیں دیا جائے گا نصف سے زائد کل کے حکم میں ہوتا ہے اگر اس سے زیادہ دیا جائیگا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے تحصیل زکوۃ فقراء کے لیے نہیں کی اپنے لیے کی۔ اس طرح اصل مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ اور ان لوگوں کے لیے جن کی دل جوئی منظور ہو۔

بغوی نے لکھا ہے مؤلفۃ القلوب دو طرح کے تھے۔ مسلمان اور کافر۔ مسلمان مؤلفۃ القلوب بھی دو طرح کے تھے ایک وہ مسلمان جو اسلام میں داخل ہوتے وقت ضعیف الایمان تھے۔ جیسے عیینہ بن بدر فزاری اور اقرع بن حابس اور عباس بن مرد اس دوسرے وہ مسلمان جن کا ایمان مسلمان ہونے کے وقت ہی مضبوط تھا مگر وہ اپنی اپنی قوموں کے سردار تھے (اور قوم والے کچھ ضعیف الایمان تھے) رسول اللہ ﷺ دونوں گروہوں کو دیا کرتے تھے اول کو ان کی دلجمعی اور ایمان کو مضبوط کرنے کے لیے اور دوسرے گروہ کو ان کی قوم کی تالیف قلب ایمان کی حفاظت اور ان جیسے دوسرے لوگوں کو ایمان واسلام کی طرف راغب بنانے کے لیئے جیسے حضرت عدی بن حاتم اور حضرت زبرقان بن بدر کو ان کی قوم کی تالیف قلوب اور ان جیسے دوسروں کو اسلام کی طرف راغب بنانے کے لیے دیا کرتے تھے اور زکوۃ کے مال میں سے نہیں دیتے تھے بلکہ مال غنیمت کے پچیسویں حصہ میں سے اور مال فئے میں سے جو رسول اللہ ﷺ کے لیے مخصوص تھا عطا فرماتے تھے۔ مسلمان مؤلفۃ القلوب کی دوسری شاخ میں وہ مسلمان بھی داخل تھے جن کے ہاں کافروں کے مقابلہ کے لیے کوئی مسلمان فوج اتری ہو مگر مسلمانوں کی مقامی امداد کے بغیر وہ لشکر اپنے نشانہ پر نہ پہنچ سکتا ہو اور مقامی مسلمان جہاد میں شرکت کے لیے تیار نہ ہوں خواہ اپنی بدحالی کی وجہ سے یا ایمان کی کمزوری کے سبب سے ایسی صورت میں حاکم کے لئے جائز ہے کہ مجاہدوں کے حصہ کے مال غنیمت میں سے اور بقول بعض مؤلفۃ القلوب زکوۃ کے جائز حصہ میں سے ان مسلمانوں کو دیدے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عدی بن حاتم اپنی قوم کے تین سو کوتاہ اونٹ لے کر حضرت ابوبکر کی خدمت میں پہنچے صدیق اکبر نے ان میں سے تیس اونٹ عدی کو دیدیئے۔

غیر مسلم مؤلفۃ القلوب سے مراد وہ منکرین ہی ہیں جن کی طرف سے شر کا اندیشہ یا مسلمان ہونے کی امید ہو، امام مسلمانوں کو ان کے شر سے بچانے یا انکے مسلمان ہونے کی امید میں کچھ دیدے، رسول اللہ ﷺ ایسے لوگوں کو مال غنیمت کے پچیسویں حصہ میں سے کچھ دیا کرتے تھے جیسے صفوان بن امیہ کی اسلام کی طرف رغبت دیکھ کر رسول اللہ ﷺ نے اس کو عطا فرمایا تھا۔

لیکن اب غیر مسلموں کو اسلام کی طرف راغب بنانے کے لئے صدقات میں سے کچھ دینا جائز نہیں اللہ نے اسلام کو غلبہ مرحمت فرمادیا ہے زکوۃ کا روپیہ دے کر ان کو اسلام کی طرف مائل کرنے کی ضرورت نہیں رہی اسی لیے عکرمہ، شعبی، امام مالک سفیان ثوری، اسحاق بن راہویہ اور اصحاب الرائے اور دوسرے علماء قائل ہیں کہ (غیر مسلم) مؤلفۃ القلوب کا زکوۃ میں حصہ اب ساقط ہو چکا۔ کچھ علماء کے نزدیک ایسے مؤلفۃ القلوب کا اب بھی حصہ باقی ہے۔ حکم ساقط نہیں ہوا۔ یہ قول حسن بصری زہری محمد بن علی، زین العابدین بن امام حسین اور ابو ثور کا ہے امام احمد نے فرمایا اگر مسلمانوں کو اب بھی اسکی ضرورت ہو تو (غیر مسلموں کو) دیا جا سکتا ہے اکثر کتابوں میں مؤلفۃ القلوب کے مسئلہ میں علماء کا اختلاف مذکور ہے۔ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مؤلفۃ القلوب کا حصہ ساقط ہو چکا اسلام کو اب تالیف قلوب کے لئے زکوۃ کا مال دینے کی ضرورت نہیں رہی۔ ایک روایت میں امام مالک اور امام شافعی کے اقوال بھی یہی آئے ہیں امام مالک کا قول دوسری روایت میں آیا ہے کہ اگر کسی بستی یا سرحد میں

Marfat.com

مسلمانوں کو اس کی اب بھی ضرورت ہو تو تالیف قلوب کے لیے زکوٰۃ کا مال دیا جاسکتا ہے جب علت موجود ہو گی تو حکم بھی لوٹ آئے گا۔ ایک روایت میں امام احمد کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ دوسری روایت میں امام احمد کا قول یہ آیا ہے اور امام شافعی نے بھی یہی فرمایا اور اکثر شوافع کا بھی یہی مختار ہے۔ جیسا کہ منہاج میں آیا ہے کہ مؤلفۃ القلوب مصرف زکوٰۃ اب بھی ہیں امام شافعی نے فرمایا جو شخص مسلمان ہو گیا اور اس کا ایمان (اسلام میں داخل ہونے کے وقت) ضعیف ہو یا وہ باوجاہت شخص ہو کہ اس کو دینے سے دوسروں کو اسلام کی طرف رغبت ہو تو ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کا مال دینا درست ہے امام شافعی کی اس تشریح سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ غیر مسلم مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ کا مال دینا آپ کے نزدیک بھی اسی طرح ناجائز ہے جس طرح غیر مسلم فقراء و مساکین وغیرہ کو۔ اور ظاہر ہے کہ امام ابو حنیفہ اور آپ کے ہم خیال علماء مسلم غریب مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ کا مال دینے کو ناجائز نہیں قرار دیتے۔ مالدار مؤلفۃ القلوب کو دینے میں اختلاف آراء ہے امام شافعی کے نزدیک جائز ہے کیونکہ باقی اصناف مستحقین میں فقر کو ضروری نہیں قرار دیتے اور امام ابو حنیفہ ناجائز کہتے ہیں آپ کے نزدیک ہر مصرف زکوٰۃ میں فقر کا موجود ہونا معتبر ہے اس سے معلوم ہوا کہ مؤلفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینے کا جواز منسوخ نہیں اور کوئی نسخ کا قائل نہیں اور نسخ کا امکان بھی کیسے ہے جب کہ کوئی ناسخ موجود نہیں البتہ اگر امام ابو حنیفہ کے قول کا مطلب یہ قرار دیا جائے کہ کافر مؤلفۃ القلوب کو دینے کی اجازت منسوخ ہو گئی تو اس کی صحت ممکن ہے۔

## ایک شبہ

مسلم اور ترمذی نے سعید بن مسیب کی روایت سے صفوان بن امیہ کا قول نقل کیا ہے کہ جس زمانہ میں رسول اللہ ﷺ کی ذات میری نظر میں سب سے زیادہ مبغوض تھی آپ نے مجھے مال دیا اور برابر دیتے رہے یہاں تک کہ آپ میری نظر میں سب سے زیادہ محبوب ہو گئے حدیث صراحت کے ساتھ بتا رہی ہے کہ حضور ﷺ غیر مسلموں کو حالت کفر میں عطا فرماتے تھے ابن اثیر نے الصحابہ میں یقین کے ساتھ لکھا ہے کہ رسول اللہ نے صفوان کو ان کے مسلمان ہونے سے پہلے یا تقاضوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے صفوان بن امیہ کو حنین کے مال غنیمت میں سے دیا تھا اور صفوان اس وقت کافر تھا۔ حافظ ابن حجر نے لکھا ہے۔ واقعی کا یہ دعویٰ کرنا کہ رسول اللہ نے صفوان کو زکوٰۃ کے مال میں سے دیا تھا بے بنیاد ہے صحیح یہ ہے کہ مال غنیمت میں سے دیا تھا۔ یعنی آپ نے اپنے خمس میں سے دیا تھا بیہقی ابن سید الناس اور ابن کثیر نے بھی اسی پر جزم کیا ہے۔

ابن ہمام نے بیان الشیخ میں لکھا ہے کہ طبرانی نے اپنی سند سے بیان کیا کہ جب عیینہ بن حصین حضرت عمر کے پاس آیا تو آپ نے فرمایا اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ حق تمہارے رب کی طرف سے آچکا اب جو چاہے مانے اور جو چاہے نہ مانے۔ آپ کی مراد یہ تھی کہ اب مؤلفۃ القلوب کو دینے کا حکم نہیں رہا۔

ابن ابی شیبہ نے شعبی کا قول نقل کیا ہے کہ مؤلفۃ القلوب رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تھے، حضرت ابو بکر کے دور خلافت میں ختم ہو گئے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ عیینہ اور اقرع حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں کوئی زمین طلب کرنے کے لیے آئے آپ نے ان کو تحریر لکھ دی مگر حضرت عمرؓ نے وہ تحریر (لے کر) پھاڑ ڈالی اور فرمایا یہ تو رسول اللہ تم کو اسلام پر قائم رکھنے کے لیے دیا کرتے تھے۔ اب اللہ نے اسلام کو غلبہ عنایت کر دیا اور تمہاری طرف سے (مسلمانوں کو) بے نیاز کر دیا اب اگر تم اسلام پر قائم رہو گے تو بہتر ہے ورنہ ہمارے تمہارے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی یہ لوگ لوٹ کر حضرت ابو بکر کی پاس گئے اور عرض کیا خلیفہ آپ ہیں یا عمر حضرت ابو بکرؓ نے کہا وہ اگر چاہیں (تو وہ ہی خلیفہ ہیں) چنانچہ آپ نے حضرت عمرؓ کے فیصلہ کی تائید کی اور کسی صحابی نے ان دونوں بزرگوں کی فیصلہ کا انکار نہیں کیا۔ میں (اس کے جواب میں) کہتا ہوں کہ حضرت عمرؓ کا قول تو آیت کو منسوخ کر نہیں سکتا اور آیت فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ میں مؤلفۃ القلوب کے حصہ کے منسوخ ہو جانے پر کوئی دلالت نہیں اور ایسا ہونا ممکن بھی کیسے ہو سکتا ہے سورۂ کہف تو مکی ہے اور آیت فمن شاء فلیکفر کہف کی ہے سورۂ توبہ تمام سورتوں کے بعد نازل ہوئی اور مؤلفۃ القلوب کا حصہ سورت توبہ میں ہی قائم۔

Marfat.com

کیا گیا۔ پھر مقدم النزول موخر النزول کی ناسخ کیسے ہو سکتی ہے اس کے علاوہ عینیہ اور اقرع کا قصہ زمین کی طلب سے تعلق رکھتا ہے، زکوۃ سے اس کا تعلق نہیں اور مؤلفۃ القلوب کو زکوۃ میں حصہ دار قرار دیا گیا ہے۔ ایک حکم دوسرے سے غیر متعلق ہے اس سے ثابت ہوا کہ حکم باقی ہے لیکن آیت میں کافر مؤلفۃ القلوب مراد نہیں ہے صرف مسلمان مؤلفۃ القلوب سے حکم کا تعلق ہے اسی لئے کسی کافر کو زکوۃ کے مالوں میں سے کچھ دینا رسول اللہ سے ثابت نہیں ہم کہتے ہیں کہ جب آیت کے حکم کو مسلمان مؤلفۃ القلوب کے ساتھ خاص قرار دے دیا گیا اور کافر مؤلفۃ القلوب کو حکم عموم سے الگ کر دیا گیا تو بیچنے کو حکم سے الگ کرنا ضروری ہے کیونکہ مالداروں کے لئے زکوۃ کا ..... حلال نہ ہونا مختلف احادیث میں مذکور ہے۔ حضرت معاذ والی حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان آیا ہے کہ ان کے مالداروں سے لیا جائے اور ان ہی کے فقراء کو لوٹا دیا جائے۔ اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ زکوۃ دینے کا حکم صرف غریب مؤلفۃ القلوب کو ہے اور استحقاق زکوۃ کے لیے مؤلفۃ القلوب کا غریب ہونا ضروری ہے اس صورت میں المئولفة قلوبهم بھی فقراء کی ایک شاخ ہو گی اور اس کا الفقراء پر عطف ایسا ہی ہو گا جیسا خاص کا عطف عام پر ہوتا ہے۔

وَفِي الرِّقَابِ اور باندی غلاموں کی گردنیں چھڑانے کے لیے۔

الرقاب نہیں فرمایا فی الرقاب فرمایا فی، ظرفیت کے لیے آتا ہے اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ گذشتہ تینوں اصناف سے یہ چاروں اصناف زیادہ مستحق زکوۃ ہیں گویا زکوۃ کا یہی ظرف ہیں انہی کے اندر زکوۃ ہونی چاہیے۔

الرقاب سے مراد مکاتب باندی غلام ہیں امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام احمد کی یہی رائے ہے ابن وہب کی روایت میں امام مالک کا قول بھی یہی بیان کیا گیا ہے مکاتب قطعاً نادار ہوتے ہیں خواہ ان کے پاس بقدر نصاب مال بھی ہو جائے۔ دوسرے روایت میں آیا ہے: وَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا وَآتُوهُمْ مِنْ مَالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ

امام مالک کا (قوی) قول ہے کہ الرقاب سے مراد حاصل باندی غلام ہیں (مکاتب مراد نہیں ہیں) مراد یہ ہے کہ زکوۃ کے مال سے بردے (باندی غلام) خرید کر آزاد کیے جائیں ایک روایت میں امام احمد کا قول بھی یہی آیا ہے مگر اس قول سے آپ نے رجوع کر لیا تھا۔ ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں ابو الاشرس کی سند سے بحوالہ مجاہد بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کوئی حرج نہ تھا اگر کوئی شخص اپنی مال کی زکوۃ حج کرنے کے لیے دیدے یا بردے خرید کر آزاد کر دے۔ ابو معاویہ نے الاعمش کی وساطت سے مجاہد کی روایت اسی طرح نقل کی ہے ابو بکر ابن عباسؓ نے الاعمش کی وساطت سے ابو نجیح کی روایت اس طرح بیان کی ہے کہ مجاہد نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا اپنے مالی کی زکوۃ سے زیادہ باندی غلام خرید کر آزاد کر دے۔ عبدہ بن سلیمان نے بھی یہی روایت ابو معاویہ کی متابعت میں بیان کی ہے۔ عبدہ از عمش از ابو الاشرس کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کو ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے کہ آپ زکوۃ کا مال نکال کر حج کا سامان مہیا کر دو۔

میمون کا بیان ہے میں نے ابو عبد اللہ سے پوچھا اگر کوئی اپنے مال کی زکوۃ سے بردے خرید کر آزاد کر دے یا مسافروں کے لیے صرف کر دے تو کیا حکم ہے ابو عبد اللہ نے جواب دیا ہاں جائز ہے۔ ابن عباس اس کے قائل تھے اور اس کے خلاف کہنے کی کوئی وجہ بھی نہیں ہے۔ جلالی نے کہا مجھ سے احمد بن ہاشم نے کہا کہ امام احمد نے فرمایا پہلے میرا بھی خیال تھا کہ زکوۃ کے مال سے بردے خرید کر آزاد کئے جا سکتے ہیں لیکن پھر میں نے اس خیال سے رجوع کر لیا۔ امام احمد سے دریافت کیا گیا کہ حضرت ابن عباس کا قول تو اس کے جواز پر دلالت کر رہا ہے فرمایا ابن عباس کا قول مضطرب ہے (یعنی قابل وثوق نہیں اس قول کے الفاظ میں یا معنی میں اضطراب ہے۔)

امام مالک کے نزدیک مال زکوۃ سے خرید کر آزاد کیے ہوئے باندی غلام کا حق ولاء۔ مسلمانوں کی جماعت کو ہو گا۔ یعنی بیت المال میں داخل کیا جائے گا مطلب یہ کہ اگر ایسے آزاد غلام کے مرنے کے بعد اس کے واجب التقدیم وارث موجود نہ ہوں گے تو اس کا متروکہ مال بیت المال میں داخل کیا جائے گا) دوسری روایت میں امام مالک کا قول آیا ہے کہ حق ولاء آزاد کرنے والے کا ہو گا۔ وہ غلام جس سے اس کے آقا نے کہدیا ہو کہ اتنا پیسہ کما کر ہمیں سے لا کر تو مجھے دے دیگا تو تو آزاد ہو جائے گا۔ اور غلام نے اسے تسلیم کر لیا ہو تو ایسا غلام مکاتب کہلاتا ہے اور اس عقد کو عقد مکاتبت یا عقد کتابت کہتے ہیں۔

Marfat.com

والے کو پہنچے گا۔

حافظ نے لکھا ہے کہ الرقاب کی تفسیر میں علماء کا ایک تیسرا قول بھی آیا ہے۔ وہ یہ کہ زکوٰۃ کے مال کے دو حصے کیے جائیں آدھے مال سے تو مسلم مکاتب کے بدل کتابت ادا کرنے میں مدد کی جائے اور آدھے مال سے مسلمان باندی غلام خرید کر آزاد کیے جائیں۔ ابن ابی حاتم نے اور کتاب الاموال میں ابو عبیدہ نے صحیح سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ زہری نے عمر بن عبدالعزیز کو یہی لکھ کر بھیجا تھا۔

میں کہتا ہوں حضرت معاذ کی روایت میں جو رسول اللہ ﷺ کا فرمان آیا ہے کہ ان کے مالداروں سے لیا جائے اور انہی کے غریبوں کو لوٹا کر دے دیا جائے اس سے امام مالک کے قول کی تردید ہوتی ہے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنے کی صورت میں رد علی الفقراء نہ ہوگا رہا حضرت ابن عباسؓ کا قول تو وہ بقول امام احمد بجائے خود مضطرب ہے۔ اس کے باوجود ابن عباسؓ کی ایک رائے ہے۔ روایت نہیں ہے۔ ہم نے جو الرقاب کی تفسیر مکاتبین کے لفظ سے کی ہے (اور الرقاب سے مراد مکاتب غلاموں کو قرار دیا ہے) اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو محمد بن اسحاق نے بیان کی ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ اشعری جمعہ کے دن خطبہ دے رہے تھے تو ایک مکاتب نے عرض کیا امیر لوگوں کو میرے لیے چندہ کرنے کی ترغیب دے دیجئے حضرت ابو موسیٰ نے اس مکاتب کے لیے لوگوں سے اپیل کی فوراً لوگوں نے اس کے لیے (مال) پھینکنا شروع کر دیا کسی نے عمامہ پھینکا کسی نے ہار، کسی نے انگوٹھی ایک ڈھیر ہو گیا حضرت ابو موسیٰ نے سب مال جمع کرنے کا حکم دیا پھر اس کو فروخت کرا کر مکاتب کو بقدر بدل کتابت دے دیا اور باقی مال غلاموں کی آزادی کے لیے دے دیا۔ دینے والوں کو واپس نہیں کیا اور فرمایا یہ تو لوگوں نے گردنیں آزاد کرانے کے لیے دے ہی دیا ہے۔

لیکن اس پر شبہ کیا جا سکتا ہے کہ امام احمد وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ ایک شخص نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے۔ فرمایا جان آزاد کر اور گردن چھڑا اس شخص نے دریافت کیا حضور کیا یہ دونوں باتیں ایک ہی نہیں ہیں (جان کو آزاد کرنا اور گردن چھڑانا دونوں کا ایک ہی مفہوم ہے) فرمایا نہیں جان آزاد کرنے کا تو یہ مطلب ہے کہ تنہا تو کسی جان (یعنی باندی غلام) کو آزاد کر دے اور گردن چھڑانے کا یہ مطلب ہے کہ کسی باندی غلام کی قیمت ادا کرنے میں تو حصہ لے۔

میں اس کے جواب میں کہتا ہوں اس حدیث سے امام مالک کے قول کی تو تائید نہیں ہوتی (کہ الرقاب سے مراد غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا ہے کیونکہ حضور ﷺ نے الرقاب کی تفسیر نہیں فرمائی بلکہ ایک اعلیٰ نیکی کی تعلیم دی ہے۔)

وَالْغٰرِمِيْنَ اور قرضداروں کے لیے۔ الغارمین سے مراد باتفاق علماء قرض دار ہیں مگر امام شافعی اور اکثر علماء نے قرض داروں کی تین قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) وہ قرض دار جنہوں نے قرض لے کر گناہ کی راستہ میں خرچ نہیں کیا ہیں، ایسے قرضداروں کے پاس اگر قرض ادا کرنے کے لیے مال نہ ہو تو بقدر ادائے قرض زکوٰۃ کا مال ان کو دے دیا جائے۔

(۲) وہ قرض دار جنہوں نے قرض لے کر کسی نیکی کے راستہ میں یا مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے میں خرچ کیا ہو یہ لوگ خواہ خود مالدار ہوں مگر ان کا قرض زکوٰۃ کی مال سے ادا کیا جا سکتا ہے۔

(۳) وہ قرض دار جو گناہ کے راستہ میں خرچ کرنے اور فضول خرچیاں کرنے کی وجہ سے قرض دار ہوئے ہوں ان کو قرض ادا کرنے کے لیے زکوٰۃ کا مال نہیں دیا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کا مسلک ہے کہ جس قرض دار کے پاس ادائے قرض کی قابل مال نہ ہو وہ کوئی ہو کسی وجہ سے قرض دار ہوا ہو، اس کا قرض چکانے کے لیے زکوٰۃ کا مال دیا جا سکتا ہے کیونکہ الغارمین کا لفظ عام ہے قرض دار کے پاس اگر بقدر ادائے قرض کے لئے مال نہ ہو تو وہ فقیر ہی ہوگا (خواہ کتنا ہی مال دار ہو) رخصت سفر میں بھی امام اعظم اور دوسرے اماموں کا یہی اختلاف ہے (کہ امام اعظم کی نزدیک سفر طاعت ہو یا سفر اباحت یا سفر معصیت، ہر سفر میں

Marfat.com

رخصت سے فائدہ اٹھایا جائے اور دوسرے اماموں کے نزدیک سفر معصیت میں رخصت سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا نہ قصر صلوت کا نہ ترک صوم کا)

اگر کسی شخص کے پاس ادائے قرض سے زائد مال ہو اور اتنا زائد ہو کہ مقدار نصاب زکوٰۃ کو پہنچ جاتا ہو تو امام اعظم اور امام مالک اور امام احمد کی نزدیک اس کو زکوٰۃ دینی جائز نہیں امام شافعی نے فرمایا۔ اگر ایسا شخص ثواب کے کام کے لیے قرض لینے کی وجہ سے قرض دار ہوا ہو تو وہ بجائے خود مال دار ہو اور ادائے قرض سے زیادہ اس کے پاس مال بھی ہو تب بھی زکوٰۃ کے مال سے اس کا قرض ادا کیا جاسکتا ہے۔ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

اور جہاد کے لیے اس جگہ بھی لفظ فی جو ظرفیت کے لئے موضوع ہے ترجیح صف کے لیے۔ امام ابو یوسف امام شافعی اور جمہور علماء کا قول ہے کہ فی سبیل اللہ سے مراد ہیں مجاہدین جو اپنے گھر بار سے جدا ہو جاتے ہیں اور اللہ کی راہ میں نکلتے ہیں امام احمد اور امام محمد کے نزدیک حاجی مراد ہیں امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت ام معقل کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابو معقل رسول اللہ کے ساتھ حج کرنیوالے تھے جب گھر آئے تو میں نے ان سے کہا آپ واقف ہیں کہ مجھ پر حج لازم ہے (مجھے بھی لے چلیئے) وہ مجھے لیکر رسول اللہ کی خدمت میں پہنچے۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ پر حج لازم ہے اور ابو معقل کے پاس جوان اونٹ موجود ہے (مجھے سواری کیلئے دلوا دیجئے) ابو معقل نے کہا یہ اونٹ تو میں اللہ کی راہ میں دے چکا ہوں تو اب صدقہ (خیرات یا زکوٰۃ) ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اس کو دے دو یہ اس پر سوار ہو کر حج کو چلی جائے۔ حج بھی فی سبیل اللہ ہے (۔ یعنی راہ خدا کے لفظ میں حج بھی داخل ہے یا سبیل اللہ سے حج ہی مراد ہے) اس حدیث کی اس روایت میں ایک راوی ابراہیم بن مہاجر بھی ہے جس کے ثقہ ہونے میں کلام ہے۔ ابوداؤد اور امام احمد نے دوسری سند سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حج وداع کا ارادہ کیا اس زمانہ میں ہمارا ایک اونٹ تھا ابو معقل نے اس کو راہ خدا میں مقرر کر دیا (یعنی کہہ دیا کہ یہ فی سبیل اللہ ہے)

اس کے بعد ابو معقل بیمار ہو کر مر گئے۔ اور رسول اللہ ﷺ حج کو چلے گئے حج کر کے واپس تشریف لائے تو میں خدمت گرامی میں حاضر ہوئی فرمایا معقل کی ماں تو حج کو ہمارے ساتھ کیوں نہیں گئی کیا مانع ہو گیا میں نے عرض کیا ہم نے تیاری تو کی تھی لیکن معقل کے باپ مر گئے۔ معقل کے باپ کے پاس ایک اونٹ بھی تھا جس پر ان کو حج کو جانا تھا مگر انہوں نے اس اونٹ کو راہ خدا میں دینے کی وصیت کر دی فرمایا تو اسی پر سوار ہو کر کیوں نہ چلی حج بھی تو اللہ کی راہ میں ہوتا ہے۔

امام شافعی نے حضرت ابو ہریرہ کی اس روایت سے استدلال کیا ہے جس کو بخاری و مسلم نے بیان کیا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ نے فرمایا) تم خالد پر ظلم کر رہے ہو اس نے تو اپنے اسلحہ اور ہتھیار وقف کر رکھے ہیں، میں کہتا ہوں جب فقر تمام مصارف زکوٰۃ میں ضروری ہے (اور ہر مصرف زکوٰۃ کا غریب ہونا لازم ہے)۔ تو بہتر یہی ہے کہ سبیل اللہ کے لفظ کو نہ صرف جہاد کے لیے مخصوص قرار دیا جائے نہ حج کے لیے مخصوص قرار دیا جائے بلکہ عام چھوڑ دیا جائے خواہ کوئی مصرف خیر ہو سب کو یہ لفظ شامل ہے لہٰذا غریب طالب علموں کو جو زکوٰۃ دیتے ہیں وہ بھی فی سبیل اللہ ہی کے ذیل میں آتا ہے۔

وَابْنِ السَّبِیْلِ ؕ اور مسافروں کے لیے۔ ابن السبیل سے مراد مسافر ہیں اگر کسی مسافر کے پاس اتنا مال نہ ہو جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہو تو اس کو زکوٰۃ دی جائے خواہ وہ سفر کی حالت میں ہو یا سفر کا ارادہ کر رہا ہو اور ناداری کی وجہ سے سفر نہ کر سکتا ہو۔

اگر کسی کے پاس اور اس کے قبضہ میں اتنا مال ہو جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہو اور منزل مقصود پر وہ پہنچ سکتا ہو تو اس کو زکوٰۃ نہ دی جائے خواہ وہ سفر میں ہو یا بر سر سفر۔

اگر کسی کے پاس وطن میں تو بہت مال ہو مگر سفر میں ساتھ اتنا مال نہ ہو کہ منزل مقصود پر پہنچ سکتا ہو اور نہ اتنا مال ہو جو زکوٰۃ لینے سے مانع ہو تو اس کو بالاتفاق زکوٰۃ دی جاسکتی ہے امام اعظم کے نزدیک ابن السبیل سے اسی قسم کا مسافر مراد ہے زکوٰۃ کا مستحق ہونے کے لیے امام اعظم کے نزدیک فقر قبضہ کافی ہے یعنی اس کے قبضہ میں اتنا مال نہ ہو جو زکوٰۃ کے استحقاق سے محروم

Marfat.com

کردے۔ خواہ ملکیت میں کتنا ہی مال ہو (بغیر قبضہ کی) ملکیت استحقاق زکوۃ سے مانع نہیں لہٰذا جو مال دار شخص اپنے وطن میں ہو (مگر اپنے مال پر اس کا قبضہ نہ ہو) یا دوسروں پر اس کا مال قرض ہو (اور قبضہ میں نہ ہو) تو امام صاحب کے نزدیک ایسا شخص (باوجود مالک مال ہونے کے) نادار اور مفلس ہے جیسے مال دار مسافر (نادار۔ حالت) سفر میں مفلس کذا فی المحیط اگر کسی کا مال وطن میں بہت ہو مگر سفر میں اس کے پاس صرف اتنا ہو کہ وطن تک پہنچ سکتا ہو اور جو مال بحالت سفر اس کے پاس ہو وہ نصاب زکوۃ سے کم ہو اس صورت میں اس کے لیے زکوۃ کا مال لینا درست نہیں یہ مسئلہ سب علماء کا مُسَلَّمہ ہے اور اگر اس کے برعکس ہو۔ یعنی وطن میں بہت مال ہو اور سفر میں اس کے پاس نصاب زکوۃ کی بقدر ہو مگر اتنے مال سے وہ منزل مقصود پر نہ پہنچ سکتا ہو۔ ایسے شخص کے لیے بھی امام اعظم کے نزدیک زکوۃ لینا جائز نہیں خواہ سفر کی حالت ہو یا برسر سفر ہو اور مال دور ہو یا قریب امام شافعی جواز کے قائل ہیں۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ زکوۃ کا مال مباح کرنے والی چیز فقر ہے اور یہ شخص فقیر نہیں ہے (نصاب زکوۃ کے بقدر اس کے پاس مال موجود ہے منزل مقصود پر پہنچ سکنے یا نہ پہونچ سکنے کو زکوۃ کا مال لینے نہ لینے میں کوئی دخل نہیں) امام شافعی کے نزدیک زکوۃ لینے کے جواز کی علت ارادہ سفر ہے بشرطیکہ اس کے پاس (ارادہ سفر کے وقت) اتنا مال نہ ہو کہ مسافت سفر طے کر سکتے کیونکہ ابن السبیل مصارف زکوۃ کا ایک مستقل فرد ہے فقر کا اس میں اعتبار نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں مصرف زکوۃ سات ہیں اور یہ سب فقر کے اصناف ہیں (ہر صنف میں فقر کی موجودگی ضروری ہے) حقیقتاً فقراء ہی مصرف زکوۃ ہیں (جہاں فقر پایا جائیگا۔ اور کوئی مانع نہ ہوگا وہاں زکوۃ کا لین دین جائز ہوگا) مزکورہ اصناف کو زکوۃ کا استحقاق محض فقر کی صورت میں ہوتا ہے، ہاں محصلین زکوۃ کے لیے غنی نہ ہونے کی شرط نہیں ہے کیونکہ محصلین زکوۃ کو (ان کے کام کی اجرت اور محنت کے بقدر گذارا حق) دینے والے حقیقت میں فقرا ہیں (اور وصول کنندہ فقراء کے نائب یا وکیل اور ایجنٹ ہیں جو فقراء کی طرف سے وصول کرتے ہیں ان کے خود مال دار یا ناداد ہونے کو کوئی دخل نہیں) دراصل یہ فقراء کے مال میں سے اپنا حق محنت لینے والے ہیں (دولت مندوں کی زکوۃ میں سے کچھ نہیں لیتے) اور فقراء کا حصر انہی سات اقسام میں نہیں ہے صرف ان اصناف کی اہمیت ظاہر کرنے کے لیے ان کا ذکر کیا گیا ہے تو گویا آیت میں زکوۃ کا مستحق صرف فقراء کو قرار دیا گیا ہے (خواہ کوئی صنف ہو اور کسی قسم کا فقیر ہو) البتہ کوئی سبب ترجیحی ہونا چاہیے۔

تاکہ جس صنف کے فقیر کو زکوۃ دی جائے اس کو دوسری اصناف پر رواج حق حاصل ہو جائے لہٰذا وہ مسکین جو کسی سے سوال نہیں کرتا سوال کرنے والوں سے ترجیح رکھتا ہے اور مسافر فقیر مقیم فقیر سے زیادہ حاجت مند اور قابل ترجیح ہوتا ہے۔ اسی طرح مجاہد، حاجی، مکاتب اور مولفۃ القلوب دوسروں سے زکوۃ کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ حاجی کو حج کے لیے دینے میں حج کی اعانت ہوتی ہے اور حج اسلام کا ایک رکن ہے اور مجاہد کو جہاد کے لیے دینے میں جہاد کرنے کی امداد ہوگی اور جہاد اسلام کے کوہان کی چوٹی ہے اور بردوں کی گردن رہا کرانے کے لیے دینے سے بہت سی بھلائیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ لیکن یہ نہ سمجھ لینا چاہیے کہ ترجیحی اسباب یہی ہیں جو ہم نے ذکر کیے ہیں ان اسباب ترجیح کا ذکر تو ہم نے بطور تمثیل کیا ہے اسباب ترجیح اور بھی ہیں جیسے قرابت اور رشتہ داری رسول اللہ ﷺ نے فرمایا افضل صدقہ وہ ہے جس کو دینے کے بعد غنا قائم رہے اور دینا اپنے عیال سے شروع کر۔ رواہ البخاری من حدیث ابی ہریرہؓ و مسلم من حدیث حکیمؓ بن حزام۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک دینار وہ ہے جو تو نے راہ خدا میں خرچ کیا ایک دینار وہ ہے جو تو نے کسی بردہ کی گلو خلاصی کے لیے خرچ کیا ایک دینار وہ ہے جو کسی مسکین کو تو نے بطور خیرات دیا ایک دینار وہ ہے جو تو اپنی گھر والوں کے صرف میں لایا سب سے بڑے اجر والا وہ دینار ہے جو تو اپنے گھر والوں کی صرف میں لایا۔ رواہ مسلم۔

حضرت میمونہ بنت حارث کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں میں نے ایک باندی آزاد کی اور حضور ﷺ کی خدمت میں اسکا تذکرہ کیا۔ فرمایا اگر تو وہ اپنی ماموؤں کو دے دیتی تو تیرے لیے بڑا ثواب ہوتا رواہ البخاری و مسلم فی صحیحما۔

حضرت سلیمان بن عامر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا، مسکین کو خیرات دینی ایک خیرات ہے اور رشتہ دار کو

Marfat.com

دوہری خیرات ہے ایک تو (معمولی) خیرات دوسرے کنبہ پروری۔ رواہ احمد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی۔

حضرت انس کا بیان ہے کہ حضرت ابوطلحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! بیرحاء (کا باغ) مجھے اپنے مال میں سب سے زیادہ پسند ہے اور یہ اللہ کے نام پر میں خیرات کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس کی نیکی اللہ کے پاس میرے لیے جمع رہے گی، اب آپ اس میں جیسے اللہ بتائے تصرف کیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میرے نزدیک تو مناسب یہ ہے کہ تم اس کو اپنے قرابت داروں کو دیدو، حسب ہدایت ابوطلحہ نے وہ (باغ) اپنے قرابت داروں اور چچازادوں کو تقسیم کر دیا۔ متفق علیہ۔

رشتہ ولادت اور تعلق زوجیت رکھنے والوں کو زکوۃ دینی امام ابوحنیفہ کے نزدیک درست نہیں (بیٹا، بیٹی ماں باپ کو والدین اولاد کو بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو زکوۃ نہیں دے سکتے) شرعاً اور عرفاً ان کے منافع کی املاک مشترک ہوتے ہیں (اولاد و والدین اور زوجین کا باہمی فائدہ اور ضرر ایک ہی مانا جاتا ہے) اس لیے تملیک کامل طور پر نہیں ہو سکتی (ایک کی ملک سے مال خارج ہو کر دوسرے کی ملک میں کامل طور پر داخل نہیں ہوتا)۔ اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے فرمایا وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى یعنی خدیجہ کے مال کے ذریعے سے آپ کو اللہ نے غنی بنا دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ رشتہ ولادت کے دوسرے قرابت داروں کو زکوۃ دی جا سکتی ہے بلکہ اہل قرابت کو دینا افضل ہے اس میں کنبہ پروری بھی ہے اور خیرات بھی۔ بھائی بہن چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ سب مستحق زکوۃ ہیں۔

اگر بعض قرابت دار زیر کفالت ہوں ان کے خرچ کی صاحب مال کفالت کرتا ہو اور قاضی نے ان کا خرچ اس کے ذمہ مقرر نہ کیا ہو تو بہ نیت زکوۃ ان کو کچھ دینے اور زکوۃ کے مال سے ان کی پرورش کرنے سے زکوۃ ادا ہو جاتی ہے ہاں اگر قاضی نے ان کا خرچ اس پر مقرر کر دیا ہو اور یہ ان کی پرورش کرتا ہو تو ان کو بہ نیت زکوۃ کچھ دینے سے بھی زکوۃ ادا نہیں ہوتی، کیونکہ اس صورت میں ایک واجب کی ادائیگی دوسری واجب کے ضمن میں ہونی لازم آئے گی یعنی ادائیگی ایک فرض کی کرے اور سقوط دو فرضوں کا ہو اور یہ ناجائز ہے۔ ہاں اگر زکوۃ کی رقم کو مقررہ پرورش کی رقم میں محسوب نہ کرے گا اور پرورش جدا رقم سے کرے گا تو چونکہ تملیک کامل طور پر ہو جائے گی اس لیے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ایسے قرابتداروں کو زکوۃ دینی جائز نہیں جن کے مصارف پرورش زکوۃ دینے والے کے ذمہ ہوں کیوں کہ زکوۃ دینے والے پر تو ان زکوۃ پانے والے کے تمام ضروری مصارف ویسے ہی پہلے سے واجب ہیں۔ ہم نے نفقہ اقارب کے وجوب کا مسئلہ سورہ بقرہ کی آیت وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ تشریح کے ذیل میں بیان کر دیا ہے صاحبین کا قول بھی امام صاحب کے قول کے موافق ہے اتصال املاک ان کے نزدیک بھی ادائے زکوۃ سے مانع ہے مگر قیاس کے خلاف صرف حدیث کے اتباع میں یہ دونوں حضرات اس بات کے قائل ہوں کہ اگر بیوی اپنے شوہر کو زکوۃ دیدے تو جائز ہے۔

حضرت ابن مسعود کی بیوی حضرت زینب کا بیان ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد میں دیکھا۔

آپ فرما رہے تھے! عورتوں صدقہ دو خواہ اپنے زیوروں میں سے۔ میں (اپنے شوہر) عبداللہ کے مصارف اور کچھ یتیموں کے مصارف جو میری گود میں تھے خود برداشت کرتی تھی میں نے عبداللہ سے کہا رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیجئے کہ زینب عبداللہ پر اور اپنی گود کے یتیموں پر جو صدقہ (یعنی اپنے مال کی زکوۃ) خرچ کرتی ہے۔ کیا اس کی طرف سے (ادائیگی زکوۃ کے لیے) یہ عمل کافی ہو جائے گا عبداللہ نے جواب دیا تم خود رسول اللہ ﷺ سے دریافت کر لو چنانچہ میں خود رسول اللہ کے طرف گئی وہاں مجھے ایک انصاری عورت ملی جس کا کام بھی میرے کام ہی کے طرح تھا اتنے میں ہماری طرف سے بلال گذرے میں نے ان سے کہا رسول اللہ ﷺ سے اتنا مسئلہ پوچھ دیجئے کہ میں جو اپنے شوہر اور اپنے یتیموں پر جو میری زیر پرورش ہیں (اپنے مال کا) تصدق کرتی ہوں کیا وہ میرے لیے کافی ہو جائے گا مگر ہمارے نام نہ بتانا بلال خدمت گرامی میں چلے گئے اور مسئلہ دریافت کیا۔ حضور نے فرمایا وہ دونوں کون عورتیں ہیں حضرت بلال نے عرض کیا (ایک تو) زینب ہے فرمایا کونسی زینب بلال

Marfat.com

نے کہا عبداللہ کی عورت فرمایا ہاں اس کے لیے دوہرا ثواب ہے ایک قرابت کا دوسرا صدقہ (خیرات یا زکوٰۃ) کا بخاری کے بیان میں معمولی تبدیلی ہے ابوداؤد طیالسی کی روایت میں اتنا زائد ہے کہ وہ یتیم اس (زینب) کے بھتیجے اور بھانجے ہیں۔ نسائی کے بیان میں علقمہ کی روایت سے یہ الفاظ آئے ہیں کہ دونوں عورتوں میں ایک کے پاس فاضل مال ہے اور اس کے زیر پرورش کچھ یتیم بھتیجے ہیں اور دوسری کے پاس بھی فاضل مال ہے اور اس کا شوہر نادار و بے روزگار ہے۔

اس حدیث میں حضرت زینب کا یہ دریافت کرنا کہ یہ صرف کرنا میری طرف سے کافی ہو جائے گا بتا رہا ہے کہ صدقہ سے مراد اس حدیث میں واجب صدقہ (زکوٰۃ) ہے کیونکہ کافی ہونے نہ ہونے کا سوال زکوٰۃ ہی کے سلسلہ میں کیا جا سکتا ہے۔

حنیفہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ اس حدیث میں لفظ صدقہ سے نفلی صرف خیر مراد ہے جس کے لیے رسول اللہ ﷺ عورتوں کو ترغیب دے رہے اور نصیحت فرما کر ان کی اصلاح کر رہے تھے۔ رہا کافی ہونے کا لفظ تو فقہاء کی جدید اصطلاح میں اگرچہ اس کا اکثر استعمال واجب میں ہی کیا جاتا ہے لیکن (بغوی اعتبار سے) واجب اور غیر واجب دونوں معنی میں اس کا استعمال آتا ہے کیونکہ لغت میں اجزا کا معنی ہے کفایت اور کافی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ صدقہ کی جو اصلی غرض ہے یعنی اللہ کا قرب (اور دوزخ سے دوری) کیا اسی غرض کے حصول کے لیے شوہر اور یتیم بچوں پر خرچ کرنا کافی ہو گا اور یہ مقصد حاصل ہو جائے گا۔ حدیث مذکور میں صدقہ سے مراد جو نفل خیرات حنیفہ کے نزدیک ہے اور اس کی جس طرح توجیہ کی گئی ہے اس کی تائید میں طحاوی نے مندرجہ ذیل روایات کو بھی پیش کیا ہے۔

رابطہ بنت عبداللہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی بیوی دست کار تھی اور حضرت ابن مسعود کے پاس مال نہ تھا اس لیے رابطہ ہی ان کا اور ان کے بچوں کا خرچ چلاتی تھی (ایک روز) حضرت ابن مسعود سے کہنے لگی آپ کے اور آپ کے بچوں کے خرچ نے تو مجھے صدقہ (خیرات کرنے) سے روک دیا تمہارے خرچ کی موجودگی میں تو میں خیرات کر ہی نہیں سکتی حضرت عبداللہ نے فرمایا میں یہ نہیں چاہتا کہ تم ہم پر خرچ کر کے (خیرات کے) ثواب سے محروم رہو چنانچہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور رابطہ نے رسول اللہ سے عرض کیا۔ میں دست کار عورت ہوں دست کاری سے جو کچھ تیار کرتی ہوں اس کو فروخت کر دیتی ہوں (اس طرح میری کمائی ہو جاتی ہے) مگر میرے بچہ اور شوہر کا کوئی مال نہیں ہے (ان سب کا خرچ میں چلاتی ہوں اور) ان کا خرچ مجھے خیر خیرات کرنے سے روک دیتا ہے کیا ان پر صرف کرنے کا مجھے کوئی ثواب ملے گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو کچھ تم ان پر صرف کرو گی اس کا ثواب تم کو ملے گا تم ان پر خرچ کیا کرو۔ طحاوی نے لکھا ہے کہ یہ رابطہ وہی زینب زوجہ ابن مسعود تھی کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں زینب کے علاوہ کسی دوسری عورت کا حضرت عبداللہ کی بیوی ہونا ثابت نہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ ایک روز صبح کی نماز سے فراغت کے بعد رسول اللہ ﷺ عورتوں (کے گروہ) کی طرف تشریف لائے اور فرمایا اے گروہ زناں تم (عورتوں) سے زیادہ ناقص العقل ناقص الدین اور دانشمندوں کی دانش کو زائل کرنے والا میں نے کسی اور (چیز) کو نہیں پایا۔ میں نے دیکھا کہ قیامت کے دن دوزخ والوں میں تمہاری ہی تعداد زیادہ ہو گی اس لیے جس قدر تم سے ہو سکے (خیر خیرات کر کے) اللہ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو عورتوں کے گروہ میں حضرت ابن مسعودؓ کی بیوی بھی موجود تھی وہ یہ فرمان سن کر پلٹ کر حضرت ابن مسعودؓ کے پاس آئی اور جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا بیان کیا پھر اپنی چادر لے کر چلدی ابن مسعودؓ نے پوچھا، اری یہ (زیور یا لباس) لے کر کہاں جا رہی ہے کہنے لگی میں اس کو خیرات کر کے اللہ اور اس کے رسول کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کروں گی شاید اللہ مجھے دوزخ سے بچا لے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا اری ادھر آ۔ اس کو مجھ پر اور میرے بچوں پر بطور خیرات خرچ کر (تجھے اللہ ثواب دے گا) کہنے لگی نہیں خدا کی قسم (ایسا نہیں ہو سکتا پہلے) میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جا کر دریافت کر لوں۔ الحدیث (جب ابن مسعودؓ کی بیوی نے رسول اللہ ﷺ سے جا کر دریافت کیا تو) حضور ﷺ نے فرمایا اس کو اس پر اور اس کی اولاد پر بطور خیرات خرچ کرو وہی لوگ اس کا محل ہیں (یعنی اول ان کا حق ہے وہی محل خیرات ہیں) بخاری نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ

Marfat.com

کے دن رسول اللہ ﷺ عید گاہ کو تشریف لے گئے اور نماز کے بعد لوگوں کو نصیحت کی اور صدقہ (خیر خیرات) دینے کا حکم دیا پھر عورتوں کی طرف سے گذرے اور فرمایا اے گروہ زناں خیر خیرات کرو مجھے دکھایا گیا ہے کہ دوزخیوں میں تمہاری ہی تعداد زیادہ ہے عورتوں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ایسا کیوں ہے فرمایا تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور شوہروں کی ناشکری کرتی ہو۔ الحدیث) اسی حدیث میں ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ کی بیوی نے کہا میرے پاس زیور ہے میں اس کو خیرات کرنا چاہتی ہوں۔ ابن مسعود نے کہا میں اور میرے بچے اس (خیرات) کے زیادہ مستحق ہیں، حضور ﷺ نے فرمایا ابن مسعودؓ نے سچ کہا تیرا شوہر اور تیرے بچے اس خیر خیرات کے دوسروں سے زیادہ حقدار ہیں۔

طحاوی نے یہ احادیث نقل کرنے کے بعد لکھا ہے ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صدقہ سے مراد خیرات ہے پہلی حدیث میں آیا ہے کہ ابن مسعودؓ کی بیوی نے کہا میں دست کار عورت ہوں دستکاری کر کے فروخت کرتی ہوں ان الفاظ سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ نصاب زکوۃ کی مالک نہ تھی کہ اس پر زکوۃ واجب ہوتی (صرف دستکار تھی جس گھر کا خرچ چلاتی تھی) دوسری حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ اپنا کل زیور صدقہ (خیرات) کرنا چاہتی تھی اور کل زیور کی خیرات بطور زکوۃ نہیں ہو سکتی۔ پھر تینوں احادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ اپنی اولاد کو صدقہ دینا جائز ہے حالانکہ باجماع علماء اولاد کو زکوۃ دینی ناجائز ہے اس سے معلوم ہوا کہ حدیث میں صدقہ سے مراد خیرات ہے۔

حافظ ابن حجر نے طحاوی کے استدلال کا یہ جواب دیا ہے کہ کسی عورت کا اپنی اولاد کو زکوۃ دینے کا عدم جواز قابل تسلیم نہیں بلکہ جمہور کی نزدیک زکوۃ سے مانع تو صرف یہ ہے کہ لینے والے کا نان نفقہ اور پرورش دینے والے پر (پہلے سے) واجب ہو ایسے لوگوں کو زکوۃ نہیں دی جا سکتی ورنہ باپ کے ہوتے ہوئے ماں پر اولاد کا خرچ تو واجب نہیں۔ دوسرے استدلال کا ابن حجر نے یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ کل زیور اتنا ہی ہو جتنی زکواۃ عورت پر واجب تھی۔ میں کہتا ہوں کہ حضرت ابن مسعودؓ کی بیوی سے تعلق رکھنے والی تمام احادیث کو ایک ہی قصہ پر محمول کرنا سراسر تکلیف ہے بظاہر یہ دو بلکہ متعدد واقعات مختلف اوقات میں ہوئے تھے کذا قال الحافظ ابن حجر

۔ رسول اللہ ﷺ کا عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے دن عید گاہ کو جانا اور نماز کی بعد وعظ کہنا الگ واقعہ ہے اور مسجد کے اندر فجر کی نماز سے فارغ ہو کر نصیحت کرنا جدا واقعہ ہے اور یتیموں کی پرورش کرنا جو زوجہ ابن مسعود کے بھانجے تھے الگ قصہ ہے۔ پھر بعض روایات میں ابن مسعودؓ کی یہ الفاظ آئے ہیں کہ مجھ پر اور میری اولاد پر تصدق کر اور بعض روایات میں یوں آیا ہے میں نہیں پسند کرتا کہ تو ہم پر تصدق کرے اور تجھے ثواب نہ ملے۔ اب اگر ہم دو قصے تسلیم کر لیں تو (مطلب صاف ہو جائے گا) ایک قصہ میں تو صدقہ واجب (زکوۃ) کے متعلق زوجہ ابن مسعود کا سوال ہوگا کیونکہ صدقہ نفل (خیرات) کا حکم جب زوجہ ابن مسعودؓ کو معلوم ہو چکا تھا تو دوبارہ صدقہ نافلہ کے متعلق دریافت کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔

اس کے علاوہ یہ کہ جب زینب نے سوال کیا کہ میں اگر اپنے شوہر پر تصدق کروں تو کیا میری طرف سے یہ کافی ہو جائے گا اور اس کی جواب میں حضور ﷺ کا یہ فرمانا کہ ہاں دوہرا ثواب ہوگا۔ اس سوال جواب سے ظاہر ہو رہا ہے کہ صدقہ سے مراد عام صدقہ تھا (واجب زکوۃ ہو یا خیر خیرات) ہر ایک کے کافی ہونے کے متعلق سوال وجواب تھا۔

صدقات کے ترجیحی اسباب میں سے ایک مرجح سبب ہمسائیگی بھی ہے حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پڑوسی سے سلوک کے متعلق جبرئیل مجھے اتنی مسلسل نصیحت کرتے رہے کہ میرا خیال ہوا شاید وہ ہمسایہ کو وارث بنا دیں گے رواہ احمد والبخاری ومسلم وابوداؤد والترمذی۔ حضرت عائشہ کی روایت سے بھی یہ حدیث امام احمد اور شیخین اور اصحاب السنن نے بیان کی ہے مسلم نے حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا ہے جب شوربہ پکاؤ تو پانی بڑھا دیا کرو اور پڑوسیوں کا خیال رکھا کرو۔

مجملہ اسباب مرجحہ کے عیال داری کی وجہ سے بھوک کی شدت بھی۔ یعنی سخت بھوکے کو پیٹ بھر کر کھلانا بھی افضل ہے) حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہترین صدقہ (خیرات) یہ ہے کہ تم جو کے جگہ کو سیر کر کے کھلا دو۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

سائل کا سوال بھی ایک مرجح سبب ہے اللہ نے فرمایا ہے وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ سائل کو نہ جھڑکو رسول اللہ ﷺ

Marfat.com

نے فرمایا سائل کا حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے رواہ احمد وابوداؤد بسند صحیح ابوداؤد نے حضرت علی کی روایت سے اور طبرانی نے ہرماس بن زیاد کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ حضرت ام حبید کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سائل کو (کچھ دے کر) لوٹاؤ خواہ جلی ہوئی کھری ہی ہو۔ رواہ مالک والنسائی، ترمذی اور ابوداؤد نے اس کو مرسلا بیان کیا ہے۔

حضرت ابن عباس راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ سب سے برا کون آدمی ہے سب سے برا وہ شخص ہے کہ اس سے اللہ کے واسطے سوال کیا جائے اور وہ نہ دے۔

یتیمی اور قید بھی ترجیحی اسباب میں سے ہے اللہ نے فرمایا ہے وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا" اور اللہ کی محبت میں یا کھانے کی محبت ہوتے ہوئے وہ مسکین اور یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

ان کے علاوہ ترجیحی اسباب کا علم آیات اور احادیث کی تفصیل سے ہوتا ہے۔

(ساتوں) اصناف مذکورہ کو فقراء کے ذیل میں جو ہم نے مندرج کیا ہے یہ امام ابو حنیفہ اور اکثر علماء کے خیال کی موافق ہے کیونکہ ان حضرات نے تمام اصناف میں فقر کو ضروری قرار دیا ہے۔

امام شافعی فقراء کو ایک مستقل صنف قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مصارف زکوۃ کے آٹھ مستقل اصناف ہیں اسی لیے وہ کسی دوسری صنف فقر کو لازم نہیں قرار دیتے بلکہ مولفۃ القلوب مکاتب، قرضدار مجاہد اور مسافر کو باوجود ان کے غنی ہونے کے زکوۃ دینا جائز کہتے ہیں اور استدلال میں اس حدیث کو پیش کرتے ہیں جو عطاء بن یسار سے مرسلا" مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوائے پانچ کے اور کسی غنی کے لیے زکوۃ حلال نہیں۔ (۱) مجاہد فی سبیل اللہ (۲) محصل زکوۃ (۳) قرضدار (۴) وہ شخص جس نے زکوۃ کا مال قیمت دے کر خرید لیا ہو اور وہ شخص جس کا ہمسایہ کوئی غریب آدمی ہو اور اس ہمسایہ کو کسی نے زکوۃ دی ہو اور اس غریب نے کسی غنی (ہمسایہ وغیرہ) کو زکوۃ کے مال میں سے کچھ ہدیہ کے طور دے دیا ہو۔ رواہ مالک وابوداؤد۔ میں کہتا ہوں اس حدیث کی سند اور متن دونوں میں اضطراب ہے زید بن اسلم کے قول میں اختلاف ہے ایک قول میں آیا ہے کہ زید بن اسلم نے عطاء کی روایت سے بیان کیا اور عطاء نے مرسلا" (بغیر ذکر صحابی کے) بیان کیا جیسا کہ امام مالک نے موطاء میں لکھا ہے اور موطاء سے ابوداؤد نے نقل کیا ہے دوسرے قول میں آیا ہے کہ زید نے بروایت لیث بیان کیا ہے۔ تیسری قول میں ہے کہ زید نے بروایت عطاء اور عطاء نے حضرت ابوسعید کی روایت سے بیان کیا یہ تمام روایات ابوداؤد میں مذکور ہیں۔

متن حدیث میں اضطراب کا ثبوت یہ ہے کہ عطاء کی مرسلا" روایت سے جو حدیث بیان کی گئی ہے وہ تو اوپر ذکر کر دی گئی ہے لیکن ابوداؤد نے عمران بارقی کی وساطت سے عطاء کی روایت از ابوسعید خدری ان الفاظ میں بیان کی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زکوۃ کسی غنی کے لیے حلال نہیں سوائے مجاہد فی سبیل اللہ کے یا مسافر کے یا اس غریب ہمسایہ کے ہدیہ کے جس کو زکوۃ کا مال ملا ہو اور وہ بطور ہدیہ تم کو دیدے یا تمہاری دعوت کر دے ابن ہمام نے لکھا ہے بعض علماء کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں اور ثبوت بھی ہے تو حضرت معاذ والی حدیث کے برابر قوی نہیں اور اگر اس کی برابر قوت بھی مان لی جائے تب بھی حدیث معاذ قابل ترجیح ہے کیونکہ وہ ممانعت کی حدیث ہے اور یہ اباحت کی (یعنی معاذ کی حدیث میں غنی کو زکوۃ کا مال دینے کی ممانعت ہے اور اس حدیث میں غنی کے بعض اقسام کو زکوۃ کا مال لینے کی اجازت ہے) اور حکم ممانعت حکم اباحت پر ترجیح رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ اباحت کا حکم بھی تاویل کا محتاج ہے۔ مجاہد کو زکوۃ کا مال لینا اس وقت جائز کیا گیا ہے جب اس کا کچھ حصہ سرکاری رجسٹر یا مال گودام میں نہ ہو اور نہ اس نے فئے میں سے کچھ لیا ہو حالانکہ حدیث میں عموم ہے (مجاہد کے لیے جواز زکوۃ کی یہ شرط نہیں ہے) اور ظاہر ہے کہ جو حدیث محتاج تاویل ہو (اور شروط قیاسیہ کا ساتھ مشروط ہو) وہ اس حدیث کے مقابلہ میں ضعیف ہوتی ہے جو محتاج تاویل نہ ہو۔

امام شافعی کے مسلک کی دلیل میں ایک اور حدیث پیش کی جاتی ہے جس کے راوی زیاد بن حارث صدائی ہیں، صدائی کا بیان ہے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے بیعت کی یہ حدیث لمبی ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ ایک

Marfat.com

شخص آیا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صدقہ کے مال میں سے مجھے کچھ عنایت کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، اللہ نے صدقات (کے مصرف) کا اختیار نہ کسی نبی کو دیا نہ غیر نبی کو بلکہ خود ہی حکم دے دیا اور اس کے آٹھ مصرف کر دیئے۔ اب اگر تم ان میں سے کسی میں داخل ہو تو میں تم کو دے دونگا رواہ ابوداؤد۔

میں کہتا ہوں یہ حدیث ضعیف ہے اس کا ایک راوی عبداللہ بن عمر بن غانم افریقی ہے جس کو ذہبی نے مجہول الحال کہا ہے اور ابن حبان نے مبہم قرار دیا ہے اور اس کے شیخ عبدالرحمٰن بن زیاد کو بھی ابن معین اور نسائی نے ضعیف کہا ہے۔ دار قطنی نے کہا یہ قوی نہیں ہے اور احمد بن حنبل نے اسکی تضعیف کی ہے۔

جب احناف کا مسلک (ثابت ہو گیا اور) معلوم ہو گیا کہ مصرف زکوۃ صرف فقراء ہیں اور باقی ساتوں اصناف فقراء ہی کی اقسام ہیں تو اس صورت میں ایک ہی صنف بلکہ ایک شخص کو زکوۃ کا کل مال دے دیا جائے تو جواز میں کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح اگر ہم فقراء کی ساتوں اقسام کو فقراء سے الگ مستقل اصناف قرار دیں (اور کل مصرف زکوۃ آٹھ کہیں) تب بھی تعین صنف بلکہ تعین شخص جائز ہونا چاہیے مگر امام شافعی دوسرے اصناف کی موجودگی میں صرف ایک ہی صنف کو کل مال زکوۃ دینے کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک مسئلہ یہ ہے کہ اگر محصل زکوۃ سرکار کی طرف سے مقرر ہو اور امام موجود ہو تو آٹھوں اقسام کو دینا ضروری ہے اور سرکاری محصل نہ ہو تو سات اقسام کو تقسیم کرنا لازم ہے عامل کو کچھ نہیں دیا جائے گا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ مولفۃ القلوب کا حصہ چونکہ ساقط ہو چکا ہے اس لیے (مولفۃ القلوب اور محصلین زکوۃ کے علاوہ باقی) چھ اصناف کو زکوۃ کا مال تقسیم کیا جائے گا اگر بعض اقسام نہ ہوں تو جو اصناف موجود ہوں انہی کو تقسیم کر دیا جائے۔ مگر ہر صنف کا حصہ برابر رکھنا واجب ہے۔

اگر حاکم وصول شدہ زکوۃ کا مال تقسیم کرلے تو ہر صنف کے تمام افراد کو تقسیم کرے اور مالک مال خود تقسیم کرے تو شہر کے اندر موجود تمام مستحقوں کو دے بشرطیکہ ان سب کے لیے مال پورا ہو جائے ورنہ (ہر صنف کے) تین آدمیوں کو دیدے اگر وہاں تین یا زائد افراد موجود ہوں اگر کسی صنف کا ایک ہی آدمی شہر میں ہو تو اس صنف کا پورا حصہ اسی کو دیدے

مگر شرط یہ ہے کہ صنف کا پورا مال دیدینے سے وہ حد استحقاق سے خارج نہ ہو جائے (یعنی بقدر حاجت دیا جائے) اگر کچھ مال دینے سے اس کی حاجت پوری ہو جائے اور کچھ مال فاضل بچ رہے تو باقی لوگوں کو (جن کا تعلق مختلف اصناف سے ہو، دوبارہ تقسیم کر دے۔

اصناف کے حصے برابر ہونے چاہئیں افراد کے حصوں میں برابری ضروری نہیں ہاں اگر حاکم تقسیم کرے اور ہر شخص کی ضرورت برابر ہو تو کمی بیشی ناجائز ہے۔

امام شافعی نے الام میں لکھا ہے کہ لِلْفُقَرَاءِ میں لام استحقاق کا ہے اللہ نے آٹھوں اقسام کو زکوۃ کا مستحق قرار دیا ہے لہٰذا ہر صنف کو دینا واجب ہے اور چونکہ ہر صنف پر الف لام استغراقی آیا ہے۔ اس لیے ہر صنف کے تمام افراد کو دینا واجب ہے بشرطیکہ ایسا کرنا ممکن ہو مثلاً ہر صنف کے تمام افراد اس شہر میں موجود ہوں اور مال بھی سب کے لئے کافی ہو اگر سب کو دینا ممکن نہ ہو تو ہر صنف کے تین افراد کو دینا ضروری ہے تاکہ جمع کے صیغہ کا مفہوم قائم رہے۔

ہم کہتے ہیں ہر صنف پر جو الف لام لایا ہے وہ استغراقی نہیں ہو سکتا ہر زکوۃ کو سارے جہان کے فقراء کو دینا ناممکن ہے اور اپنے شہر کے فقراء کے لیے زکوۃ کی تخصیص خود ساختہ ہے (جو وضع لغت کے خلاف ہی اور مجازاً" یہ مفہوم مراد ہو سکتا ہے شہر کی خصوصیت کا کوئی قرینہ بھی نہیں اس لئے نہ استغراق حقیقی ہو سکتا ہی نہ استغراق عرفی عہدی) اس کی علاوہ جب شہر کے ضرورت مندوں کا حصر ممکن نہ ہو تو بالاجماع تین سے زیادہ اشخاص کو دینا واجب نہیں اگر لام استغراقی ہوتا تو سب کو دینا ضروری قرار پاتا یا کم سے کم ان سب کو دینا تو واجب ہوتا جن کو پانا ممکن ہوتا مثلاً" اگر ہر صنف کا حصہ سو روپیہ نکلتا اور شہر کے ضرورت مندوں کا حصر ممکن نہ ہوتا تو ضروری قرار پاتا کہ سو فقیروں کو (جن کو پانا۔ ممکن ہوتا) دیا جاتا تین کی تعداد (جو جمع کا ادنیٰ درجہ

Marfat.com

ہے) کیوں کافی سمجھی جاتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ الف لام جنس کا ہے اور جنسیت جمعیت کے خلاف ہے لہٰذا جماعت فقراء کو دینا ضروری نہیں ایک فرد بھی کافی ہے خواہ کوئی ہو۔ اور بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ جمعیت باقی ہے تو جب جمع کا جمع سے مقابلہ ہوتا ہے تو اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ اکائیوں کا اکائیوں سے مقابلہ ہو پس تقسیم آحاد پر ضروری ہے۔ اس کی علاوہ امام شافعی کا یہ فرمانا کہ لام جر استحقاق کو ظاہر کر رہا ہے نا قابل تسلیم ہے لام جر استحقاق کے لیے نہیں اختصاص کے لیے ہوتا ہے اور اختصاص عام ہے خواہ بطور ملکیت ہو یا بطور استحقاق۔ لام اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ یہ ہے مصرف زکوۃ ہیں دوسرے مصرف زکوۃ نہیں۔ ہمارے اس قول کی تائید احادیث و آثار سے بھی ہوتی ہے۔ بیہقی اور طبرانی نے حضرت بن عباس کا قول اور ابن ابی شیبہ نے حضرت عمر کا قول نقل کیا ہے کہ جس صنف کو تو دیدے تیرے لیے کافی ہے (یعنی ہر صنف کو دینا ضروری نہیں) طبرانی نے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر فرض زکوۃ لے کر ایک ہی صنف کو (کبھی) دے دیا کرتے تھے۔

ابو عبیدہ نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ کے پاس مال لایا اور آپ نے ایک ہی صنف یعنی مولفۃ القلوب کو دے دیا اہل یمن سے زکوۃ وصول کی جاتی تھی حضرت معاذ نے یمن سے جو سونا بھیجا وہ رسول اللہ ﷺ نے اقرع بن حابس عیینہ بن حصن علقمہ بن علاثہ اور زید بن الخیل کو تقسیم کر دیا (یہ سب مؤلفۃ القلوب تھے) پھر مال آیا تو دوسری صنف یعنی قرضداروں کو سب دے دیا قبیصہ بن مخارق خدمت گرامی میں کچھ مانگنے حاضر ہوئے تھے کیونکہ آپ نے اپنے اوپر دوسروں کا کچھ تاوان (دیت یا بدل صلح) برداشت کر لیا تھا حضور نے فرمایا تم ٹھہرے رہو ہمارے پاس زکوۃ کا مال آجائے ہم تم کو دیدیں گے۔ ابن ہمام نے کہا ہمیں کوئی روایت ایسی نہیں ملتی کہ جس میں اس کی قولی یا عملی مخالفت کی گئی ہو۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمر حضرت حذیفہ حضرت ابن عباس اور دوسرے صحابہ و تابعین کے اقوال و روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک صنف کو کل زکوۃ دے دینا جائز ہے۔ تینوں اماموں کا بھی یہی قول ہے ہمارے بعض علماء شافعیہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے میرے والد بھی یہی فتوی دیتے تھے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی ہے کہ آیت میں تو یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ ان اصناف کے علاوہ کسی اور کو زکوۃ نہ دی جائی یہ تو نہیں بیان کیا کہ ان اصناف کو دینا واجب ہے۔

**مسئلہ:** جو غنی اصناف مذکورہ میں سے نہ ہو اس کو زکوۃ دینی باتفاق علماء جائز نہیں۔ اور جو غنی انہی اصناف میں سے کسی صنف کا فرد ہو اس کو زکوۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں یہ مسئلہ اختلافی ہے جس کی تفصیل سطور بالا میں کر دی گئی۔ غنا سے کیا مراد ہے اور جو غنی زکوۃ لینے سے روکتا ہے اس کی کیا حد ہے اس کے متعلق علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا غنی سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس اتنا مال ہو جس پر زکوۃ واجب ہو کسی قسم کا مال ہو۔ بعض علماء نے کہا جس کے پاس صبح شام کا کھانے کو ہے اس کے لیے زکوۃ لینی جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس اتنا ہو جو اس کو غنی (بے نیاز) کر دے اور وہ سوال کرے تو وہ اپنے لیئے جہنم کی آگ بڑھا رہا ہے۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ غنی کر دینے سے کیا مراد ہے فرمایا جو غنا سوال کرنے سے روکتی ہے (اس سے مراد) صبح شام کے کھانے کی مقدار ہے۔ رواہ ابو دؤد من حدیث سہیل بن حنظلۃ۔ ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے بعض علماء نے کہا اگر چالیس درہم (تقریبا" دس روپیہ) کا مالک ہو تو زکوۃ لینی درست نہیں۔ حضرت ابو سعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے ایسی حالت میں سوال کیا کہ اس کے پاس ایک اوقیہ کی مقدار تھی تو اس نے الحاف کیا (یعنی اس کو لپٹ چمٹ کر مانگنے والا قرار دیا جائیگا جس کی ممانعت آگئی ہے) راوی کا بیان ہے میں نے خیال کیا کہ میری اونٹنی یا قوتہ تو ایک اوقیہ سے کہیں بڑھ کر ہے اس لئے لوٹ کر خدمت گرامی میں (مسئلہ پوچھنے) حاضر ہوا مگر دریافت نہیں کیا۔ ہشام کے بیان میں اتنا زائد ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں ایک اوقیہ کے چالیس درہم ہوتے تھے رواہ ابو داؤد والنسائی۔ عمرو بن شعیب کے دادا کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس چالیس درہم ہوں اور وہ سوال کرے تو وہ الحاف کرنے والا ہے (الحاف کا معنی ابھی سطور بالا میں بیان کر دیا گیا ہے) بعض علماء کا قول ہے کہ جس کے پاس پچاس درہم ہوں اس کے لیے زکوۃ حلال نہیں اسحاق اور ابو ثور کا یہی قول ہے ایک روایت میں امام احمد کی طرف بھی اس قول کی

Marfat.com

نسبت کی گئی ہے۔ حضرت ابن مسعود کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے پاس اتنا ہو کہ اس کو غنی کر دے اور وہ سوال کرے تو قیامت کے دن وہ ایسی حالت میں آئے گا کہ اس کے چہرہ پر خراشیں ہوں گی (یعنی اس کے چہرہ پر گوشت نہ ہوگا خالی ہڈیاں ہوں گی) عرض کیا گیا یا رسول اللہ غنا سے کیا مراد ہے فرمایا (چاندی کے) پچاس درہم یا ان کی بقدر سونا۔ رواہ ابوداؤد انسائی وغیرہما۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔

اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ احادیث مذکورہ سے صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ جس کے پاس صبح شام کا کھانا ہو یا چالیس پچاس درہم ہوں اس کے لیے سوال کرنا حرام ہے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ بغیر سوال کے زکوٰۃ لینا حرام ہے۔ اور ہم تو اس کے قائل ہیں کہ ایک وقت کی ضرورت کے لیے بھی اگر کھانا موجود ہو تو سوال ناجائز ہے لیکن اگر بغیر سوال کے کوئی شخص زکوٰۃ کا مال دیدے تو لے لینا جائز ہے صحیحین میں حضرت عمر بن خطاب کا قول مذکور ہے کہ رسول اللہ مجھے کچھ عطا فرماتے تھے تو میں عرض کرتا تھا مجھ سے زیادہ حاجت مند کو دیجئے (میں سب سے زیادہ حاجتمند نہیں ہوں) حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم کو اس مال میں سے کچھ مل جائے اور تم از خود نہ اس کے حریص ہو نہ سائل تو لے لیا کرو ورنہ اس کا پیچھا نہ کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت عمر کے پاس صبح شام کا گذارا تو تھا ورنہ ان کو سب سے زیادہ محتاج کہنا پڑے گا (جو واقع کے بھی خلاف ہے اور حضرت عمر کے اس قول کے بھی اَعْطِہِ اَفْقَرَ مِنِّی اور رسول اللہ ﷺ نے ان کو زکوٰۃ کا مال بغیر سوال کے لے لینے کا حکم دیا۔ امام مالک امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک زکوٰۃ لینے نہ لینے میں قدر کفایت موجود ہونے نہ ہونے کا اعتبار ہے اگر بقدر ضرورت مال نہ ہو خواہ ڈھیروں موجود ہو تب بھی زکوٰۃ لینی جائز ہے اور اگر بقدر ضرورت ہو خواہ کتنا ہی کم ہو تو زکوٰۃ لینی ناجائز ہے اگر کوئی شخص کمائی سے لگا ہوا ہو تو ایک درہم بھی اس کو غنی بنا دیتا ہے اور اگر مزدور کثیر العیال ہو تو ہزار درہم بھی اس کو غنی نہیں بنا سکتے۔ بغوی نے امام مالک اور امام شافعی کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ اگر اپنی اور اہل و عیال کی ضروریات پوری ہونے کے لائق اس کے پاس مال موجود ہو تو ایسا شخص غنی مانا جائے گا حضرت قبیصہ بن حارث کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قبیصہ۔ سوال کرنا صرف تین آدمیوں کے لیے حلال ہے ایک شخص تو وہ جس نے لوگوں کا ضمان تاوان (دیت بدل صلح) اپنے اوپر لے لیا ہو وہ اپنا بار اتارنے کے بقدر سوال کر سکتا ہے (اس سے زیادہ نہ کرے) پھر رک جائے۔

دوسرا وہ شخص جس (کی کھیتی باڑی یا مویشی وغیرہ) پر آفت آگئی ہو اور اس آفت نے اس کے مال کو بالکل تباہ کر دیا ہو۔ یہ شخص بھی اتنا سوال کر سکتا ہے کہ اس کی زندگی درست ہو جائے۔ اس کے بعد سوال سے باز رہے۔

تیسرا وہ شخص جو محتاج ہو گیا ہو (بالکل دیوالیہ ہو گیا ہو) یہاں تک کہ اس کی قوم کے تین دانشمند فیصلہ کر دیں کہ فلاں شخص محتاج ہو گیا ہے ایسے آدمی کو بھی اتنا سوال کرنا حلال ہے کہ اس کی زندگی بن جائے اس کے سوا قبیصہ سوال کرنا حرام ہے اور سوال کرنے والا حرام کھاتا ہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت امام حسین بن حضرت علی علیہ السلام کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سائل کا حق ہے خواہ وہ گھوڑے پر (سوار ہو کر) آیا ہو۔ رواہ احمد و ابوداؤد وغیرہما۔ حدیث میں قوامًا" العیش (زندگی کی درستی) کا لفظ آیا ہے اور قوام عیش سے مراد ہے بقدر ضرورت مال لہٰذا جس کے پاس قدر ضرورت موجود ہو خواہ چالیس درہم نہ ہوں اس کے لیے زکوٰۃ حلال نہیں دوسری حدیث بتا رہی ہے کہ سائل گھوڑے پر سوار ہو کر بھی اگر آئے تو اس کا حق ہے اور گھوڑے پر سوار ہو کر آنے والا (خواہ کتنا ہی مال دار ہو بقدر ضرورت مال دار نہ ہوگا) حاجتمند ہی ہوگا۔ لہٰذا ہر حاجتمند کو زکوٰۃ دینا جائز ہے خواہ اس کے پاس ہزار درہم ہوں۔ اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ دونوں حدیثوں کا اصل مدعی سے کوئی تعلق نہیں۔ اول حدیث میں تو سوال کی جواز و عدم جواز کو بیان کیا گیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بغیر حاجت کے سوال حرام ہے اور حاجت ہو تو جائز ہے لہٰذا جس شخص پر فاقہ (ہو جس کا معیار حسب روایت سہیل بن حنظلہ صبح شام کا کھانا موجود ہوتا ہے تو اس کے لیے سوال حلال نہیں۔ اتنا بھی نہ ہو تو سوال جائز ہے پس جس شخص کو قوام زندگانی حاصل ہو وہ سوال تو نہیں کر سکتا مگر زکوٰۃ بغیر سوال کے لینا اس کیلئے جائز ہے کیونکہ

Marfat.com

آیت انما الصدقات للفقراء میں عموم ہے (اور شخص مذکور اس عموم میں داخل نہیں ہے) رہی دوسری حدیث تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں سائل کا حق بیان کیا گیا ہے اور گھوڑے پر سوار ہو کر آنے کا ذکر کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے کیا گیا ہے۔ مزید برآں یہ بات بھی تو ممکن ہے کہ گھوڑا اس کی اصلی ضرورت کا ہو مثلاً" وہ شخص مجاہد ہو یا قرض دار ہو یا گھوڑے کی قیمت نصاب زکوۃ کے بقدر نہ ہو ان تمام احتمالات کے ہوتے ہوئے جواز زکوۃ پر اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ غنی کو زکوۃ نہ دینے نہ لینے کے نصوص قطعی ہیں (ان کے خلاف ایسی محتمل المعانی حدیث کو نہیں پیش کیا جا سکتا)۔

امام ابو حنیفہ نے فرمایا غنی وہ شخص ہے جس کے پاس اصلی ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد بقدر نصاب زکوۃ مال باقی رہے حضرت معاذ کی روایت کردہ حدیث میں ہے کہ ان کے مال داروں سے لیا جائے اور انہی کے حاجت مندوں کو لوٹا دیا جائے۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ جس کو دیا جائے وہ شخص وہ نہ ہو جس سے لیا جائے لہذا صاحب نصاب کو دینا ناجائز قرار پایا (کیونکہ وہ تو دینے والا ہے لینے والا کیسے ہو سکتا ہے) صاحب نصاب کے پاس مال نامی ہو (بڑھوتری والا) یا غیر نامی دونوں صورتیں زکوۃ لینے کی ممانعت میں برابر ہیں۔ کیونکہ حضرت ابو سعید خدری کی روایت میں آیا ہے کہ لوقیہ ہو یا اوقیہ کی مقدار دونوں کا حکم برابر ہے۔ نامی اور غیر نامی کے فرق کا اثر وجوب زکوۃ پر پڑتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کھیتی باڑی کے جانوروں میں، سواری، بار برداری کے جانوروں میں اور گھریلو پالتو جانوروں میں زکوۃ نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے سہولت آفریں قدرت کے ساتھ وجوب زکوۃ کو مشروط کیا ہے۔

رہا ممانعت زکوۃ کے لیے ہماری طرف سے یہ شرط لگانا کہ ضروریات اصلیہ کو پورا کرنے کے بعد بقدر نصاب بچ جائے تو اس کی وجہ یہ ہے۔ اگر نصاب زکوۃ کی مقدار موجود بھی ہو لیکن فراہمی ضروریات اس سے وابستہ ہو تو اس نصاب کا وجود بھی عدم کی طرح ہے۔ اس کی نظیر میں اس پانی کو پیش کیا جا سکتا ہے جو موجود تو ہو مگر بقدر پیاس ہو ایسے پانی کا ہونا نہ ہونے کی طرح ہے اسی لیے باوجود پانی ہونے کے تیمم جائز ہے۔ لہذا جو قرض دار مالک نصاب ہو لیکن اس کا نصاب قرض سے زائد نہ ہو یا مجاہد ہو (اور مالک نصاب ہو) یا مسافر ہو اور اس کے گھوڑے کی قیمت بقدر نصاب زکوۃ ہو یا کوئی عالم ہو اور مطالعہ مسائل یا درس کی ضرورت کے لیے اس کے پاس کتابیں ہوں یا کسی کے پاس رہنے کا مکان ہو ان سب کو زکوۃ دینی جائز ہے اور ان کو زکوۃ لینی بھی درست ہے حدیث لَا یَحِلُّ الصَّدَقَۃُ لِغَنِیٍّ اِلَّا لِخَمْسَۃٍ الْغَازِیْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالْغَارِمِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (غنی کے لیے زکوۃ حلال نہیں سوائے پانچ شخصوں کے مجاہد قرض دار اور مسافر کا اصل مفہوم یہی ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی شخص کمائی کر کے ضروریات پوری کر سکتا ہو مگر ہو حاجتمند (کم مایہ یا بے مایہ) تو اس کو زکوۃ دینی جائز ہے کیونکہ آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ میں عموم ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ناجائز ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا صدقہ حلال نہیں غنی کے لیے نہ طاقت ور صحت مند کے لیے رواہ احمد والنسائی وابن ماجہ وابن حبان والحاکم ابو داؤد ترمذی اور حاکم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت سے نیز دار قطنی نے العلل میں اور ابو یعلی نے حضرت طلحہ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ زکوۃ کا مال آیا سنتے ہی لوگ چڑھ دوڑے فرمایا لو گو یہ درست نہیں غنی کے لیے نہ صحیح وسالم صحتمند کے لیے نہ طاقت ور برسر کار آدمی کے لیے رواہ احمد والدار قطنی۔

عبید اللہ بن عدی کا بیان ہے کہ مجھے دو آدمیوں نے اطلاع دی کہ ہم دونوں مال زکوۃ میں سے کچھ مانگنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے دونوں کو نظر گھما کر غور سے دیکھا اور دونوں کو طاقت ور پا کر فرمایا اگر تم چاہو تو میں تم کو دے دوں (مگر) اس میں نہ غنی کا حصہ ہے اور نہ طاقت ور کمائی کرنے والے کا۔ رواہ احمد وابو داؤد والنسائی۔ صاحب تنقیح نے کہا یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ حدیث کیسی کھری اور عمدہ سند والی ہے اس مبحث کی احادیث کامل ابن عدی میں حضرت ابن عمر کی روایت سے اور سنن ترمذی میں حضرت حبشی بن جنادہ کی روایت سے آئی ہیں۔ امام احمد نے ابوذمیل کی سند سے بنی ہلال ایک

Marfat.com

شخص کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے اور طبرانی نے حضرت عبدالرحمٰن کی روایت سے بھی۔

ہم کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان کہ اگر تم چاہو تو میں تم کو دیدوں اور غنی کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ صراحۃً بتا رہا ہے کہ طاقتور اہل حاجت کو زکوٰۃ دینا جائز ہے ورنہ حضور ﷺ یہ نہ فرماتے کہ اگر تم چاہو تو دیدوں۔

ہماری دلیل حضرت عمر کی حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ مجھے عطا فرماتے تھے تو میں عرض کرتا تھا کہ مجھ سے زیادہ حاجت مند کو عطا فرمائے۔ (یہ پوری حدیث پہلے بیان کی جا چکی ہے) یہ حدیث بخاری و مسلم کی متفق علیہ ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ (حضور ﷺ نے فرمایا) اس کو لے لو، اس سے تمول حاصل کرو اور اس سے خیرات کرو، سالم نے کہا، اسی حدیث کی وجہ سے حضرت ابن عمرؓ کسی سے کچھ نہیں مانگتے تھے اور بغیر سوال کے اگر ان کو کچھ دیا جاتا تھا تو رد نہیں کرتے تھے۔

## ایک شبہ

رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ حضرت عمرؓ کو عطا فرمایا تھا وہ تو کام کی اجرت تھی۔ فقر کی وجہ سے نہیں عطا فرمایا تھا اسی لیے فرمایا تھا کہ اسی کو لے لو۔ اس سے تمول حاصل کرو اور خیرات کرو۔ عمل کی اجرت کا ثبوت مسلم کی اس روایت سے ہوتا ہے جس میں ابو حمید ساعدی نے بیان کیا کہ حضرت عمرؓ بن خطاب نے مجھے صدقہ (زکوٰۃ) کے کام پر مامور کیا۔ کام تمام کرنے کی بعد جب میں نے رقم زکوٰۃ ادا کر دی تو آپ نے اجرت عمل مجھے دینے کا حکم دیا، میں نے عرض کیا (امیر المومنین) میں نے تو اللہ کے واسطے کام کیا ہے میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے (اس سے لے لوں گا) فرمایا جو کچھ تم کو دیا گیا ہے وہ لے لو کیوں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں میں نے بھی (تحصیل زکوٰۃ کا) کام کیا تھا اور رسول اللہ نے مجھے کام کی اجرت دی تو میں نے بھی تمہاری طرح کہا تھا لیکن حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا جب تم کو بغیر سوال کے دیا جائے تو کھاؤ اور خیرات کرو۔

میں کہتا ہوں، الفاظ عام ہیں اور عموم الفاظ ہی معتبر ہے۔ واقعہ کی خصوصیت نا قابل اعتبار ہے۔ الفاظ کا عموم یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم کو اس مال میں سے کچھ مل جائے اور تم از خود نہ حریص ہو نہ سائل تو اس کو لے لو ان الفاظ میں کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

جو شخص احادیث کی تلاش کرے گا، اس کو احادیث میں صراحت کے ساتھ یا دلالۃً یہ بات ملے گی کہ رسول اللہ ﷺ نے صحیح و تندرست سائل کو زکوٰۃ کا مال عطا فرمایا۔ مسلم نے بیان کیا ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا، میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جا رہا تھا۔ آپ موٹی کنارہ کی نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک دیہاتی نے چادر پکڑ کر اتنی زور سے کھینچی کہ چادر کی کنارہ کا نشان گردن مبارک کے ایک طرف پڑ گیا، پھر کہنے لگا محمد۔ جو مال تمہارے پاس ہے اس میں سے کچھ مجھے بھی دو۔ حضور ﷺ نے اس کی طرف گردن موڑی اور ہنس دیئے، پھر اس کو کچھ دینے کا حکم دیا۔ حافظ ابن حجر نے کہا، اس باب کی اکثر احادیث اس کی شاہد ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ میں نے جو احادیث ذکر کر دیں بالاجمال ان سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ طاقتور محتاج کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ اس نے سوال کیا ہو یا نہ کیا ہو، ہاں سائل قوی کو دینا تو جائز ہے مگر اس کا سوال کرنا اور سوال کر کے لینا مکروہ ہے۔

اس صورت میں وہ حدیث جس میں طاقتور تندرست آدمی کے لیے زکوٰۃ حلال نہ ہونے کی صراحت کی گئی ہے دو ہی معنی کی حامل ہے ایک یہ کہ اس کے لیے سوال کرنا حلال نہیں دوسرا یہ کہ سوال کے بعد زکوٰۃ کا جو مال اس کو دیا جائے وہ اس کے لیے حلال نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ نفی حلت والی احادیث کا سوال ہی کے واقعہ سے تعلق ہے (لہٰذا قوی و تندرست محتاج کے لیے سوال کرنا حرام ہوا لیکن جو مال بغیر سوال کے اس کو مل جائے یا سوال کے بعد ملے اس کی حرمت ثابت نہیں ہوتی)

مسئلہ: اکثر ائمہ کے نزدیک رسول اللہ کے لیے نہ واجب صدقہ (یعنی فرض زکوٰۃ کا مال) لینا حلال تھا نہ نفل صدقہ

Marfat.com

(خیرات) لینا امام شافعی اور امام احمد کے دو مختلف قول خیرات لینے کے جواز و عدم جواز کے متعلق آئے ہیں۔ جمہور کے قول کی دلیل حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک راستہ پر گذرے وہاں چھوارہ پڑا تھا فرمایا اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کا ہوگا تو میں اس کو کھالیتا۔ متفق علیہ ، حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب کوئی کھانا پیش کیا جاتا تو آپ دریافت فرماتے یہ ہدیہ ہے یا صدقہ اگر صدقہ کہا جاتا تو آپ ساتھیوں سے فرماتے تم کھالو خود نہ کھاتے اور اگر ہدیہ کہا جاتا تو آپ ہاتھ بڑھا دیتے اور ساتھیوں کے ساتھ خود بھی کھاتے۔ متفق علیہ۔ طحاوی نے بھی بسند اد حکیم کے دادا کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے۔

آل رسول کے لیے بھی صدقہ حلال نہ تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ حضرت حسن بنؓ حضرت علیؓ نے صدقہ کا ایک چھوارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا۔ حضور نے منہ سے پھینک دینے کے لیے فرمایا اخ اخ پھر فرمایا ہم صدقہ نہیں کھایا کرتے۔ متفق علیہ۔

مسئلہ: رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضور کے قرابت داروں کے لیے ، زکوۃ و خیرات کھانے کی حرمت و حلت میں علماء کا اختلاف ہے اور چار مختلف اقوال ہیں۔

(۱) مطلقاً جائز ہے۔ زکوۃ ہو یا خیرات اب آل رسول کی لیے ہر قسم کا صدقہ کھانا درست ہے۔ ایک روایت میں اس قول کے نسبت امام ابو حنیفہ کی طرف کی گئی ہے اس قول کی کوئی شرعی دلیل موجود نہیں ہے۔ فقط ایک قیاسی استنباط ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے اقارب کو زکوۃ کے مال میں سے حصہ دینے کے بجائے مال غنیمت کے خمس (جو رسول اللہ ﷺ کا حصہ تھا) کا خمس (یعنی کل مال غنیمت کا پچیسواں حصہ) دے دیا کرتے تھے جب حضور ﷺ کی وفات کے بعد آل رسول کا پچیسواں حصہ ساقط ہو گیا تو صدقہ کی حرمت بھی ان کے لیے ساقط ہو گئی۔

(۲) مطلقاً" ناجائز ہے نہ زکوۃ یعنی جائز ہے نہ خیرات۔ یہ قول صاحبین کا ہے طحاوی اور ابن ہمام نے اسی کو اختیار کیا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہم آل محمد صدقہ نہیں کھاتے ، عام ہے دوسری روایت میں لیا ہے ہمارے لیے صدقہ حلال نہیں۔ رواہ مسلم والطبرانی والطحاوی من حدیث عبدالرحمن بن ابی لیلی و من حدیث رشد بن مالک۔ امام احمد اور طحاوی نے حضرت حسنؓ کے قصہ میں بھی یہی الفاظ نقل کیے ہیں۔

(۳) زکوۃ یعنی جائز ہے خیرات یعنی درست نہیں۔ یہ صرف امام مالک کا قوم ہے۔ اس کی دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ فرض تو ایک لازمی حق ہوتا ہے اس کو لینے میں آل رسول ﷺ کی کوئی توہین نہیں ہوتی

اور خیرات لینے میں حقارت و ذلت ہوتی ہے۔ اس قول کی تردید کے لیے مذکورہ بالا احادیث کافی ہیں۔

(۴) خیرات جائز ہے زکوۃ جائز نہیں امام ابو حنیفہ کا مشہور مسلک اور امام شافعی و امام حنبل کا صحیح قول یہی ہے۔ امام مالک کی طرف بھی ایک روایت میں اس قول کی نسبت کی گئی ہے۔ بلکہ امام مالک سے تو چاروں اقوال مروی ہیں۔ اور چاروں روایات مشہور ہیں۔ اس قول کی دلیل یہ ہے کہ مندرجہ بالا احادیث میں آل محمد کے لیے جس صدقہ کی ممانعت آئی ہے اس سے مراد فرض صدقہ (زکوۃ) ہے اور فرض زکوۃ کی حرمت ہی حضرت مطلب بن ربیعہ بن حارث کی حدیث میں مراد ہے حضرت ربیعہ بن حارث اور حضرت عباس بن عبدالمطلب ایک بار جمع ہوئے اور بولے اگر ہم ان دونوں لڑکوں یعنی مجھے اور فضل بن عباس کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس غرض کے لیے بھیج دیں کہ آپ تحصیل زکوۃ کی خدمت پر ان دونوں کو مقرر کر دیں تاکہ دوسرے لوگوں کو جو اجرت ملتی وہ ان کو بھی مل جایا کرے تو مناسب معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی نے فرمایا ان کو نہ بھیجو (مگر حضرت علی کا مشورہ کسی نے نہ مانا) چنانچہ ہم خدمت گرامی میں حاضر ہوئے۔ حضور اس روز حضرت زینب بنت جحش کے گھر تھے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم اب نکاح کے قابل ہو گئے اور آپ (اقارب کے ساتھ) سب سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والے اور بڑے کنبہ پرور ہیں ہم اس لیے خدمت گرامی میں حاضر ہوئے ہیں کہ آپ وصول زکوۃ کی خدمت پر ہم کو بھی مامور فرما

Marfat.com

دیں جس طرح اور لوگ وصول کر کے داخل کرتے ہیں اور اجرت پاتے ہیں ہم بھی وصول کر کے داخل کر دیں گے اور ہم کو بھی دوسروں کی طرح اجرت مل جائے گی (اس طرح ہم نکاح کر سکیں گے اور ہمارا گذارا ہو جائے گا) یہ سن کر حضور ﷺ دیر تک خاموش رہے پھر فرمایا آل محمد کے لیے صدقہ مناسب نہیں یہ لوگوں کا میل کچیل ہے تم محمیہ بن جزء اسدی اور نوفل بن حارث بن عبد المطلب کو بلا لاؤ۔ محمیہ کو حضور نے مال خمس کی نگرانی پر مامور فرما دیا تھا جب دونوں آ گئے تو محمیہ سے فرمایا اس لڑکے فضل بن عباس سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دو۔ محمیہ نے نکاح کر دیا اور نوفل بن حارث سے فرمایا۔ تم اس لڑکے سے اپنی لڑکی کا نکاح کر دو، انہوں نے بھی اپنی لڑکی کا نکاح حسب الحکم کر دیا پھر محمیہ سے فرمایا خمس میں سے ان دونوں کا مہر اتنا اتنا دیدو۔ رواہ مسلم، یہ حدیث بتا رہی ہے کہ وصول زکوۃ پر اگر کوئی ہاشمی مامور ہو تب بھی مال زکوۃ میں سے اجرت لینی اس کے لیے جائز نہیں اور مامور نہ ہو تو جواز کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ لیکن اس حدیث میں صدقہ سے مراد زکوۃ ہے جس کو وصول کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ لوگوں کو مقرر فرماتے تھے۔

خاندان رسول کے صدقہ لینے کا جواز مندرجہ ذیل واقعہ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ اس کے راوی حضرت ابن عباسؓ ہیں واقعہ یہ ہوا کہ مدینہ کا قافلہ (کہیں سے تجارتی سامان لے کر) آیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے کچھ سامان خرید اور چند اوقیہ نقرئی کے نفع سے اس کو بیچ ڈالا پھر وہ روپیہ خاندان عبد المطلب کی بیواؤں کو بطور صدقہ دیدیا پھر فرمایا، آئندہ جس چیز کی قیمت میرے پاس نہ ہوگی، میں اس کو نہیں خریدونگا۔

امام شافعی نے بیان کیا ہے کہ حضرت امام جعفر مکہ اور مدینہ کے درمیان میں پانی کی جو سبیلیں تھیں ان سے پانی پی لیا کرتے تھے، اس پر حضرت ابراہیم بن محمد نے فرمایا، آپ صدقہ کا پانی پی لیتے ہیں۔ فرمایا ہمارے لیے صرف صدقہ مفروضہ حرام کیا گیا ہے (اور یہ سبیل کا پانی خیراتی پانی ہوتا ہے) اگر کوئی یہ کہے کہ اوقاف کا حکم دوسرے صدقات سے الگ ہے (اوقاف سے فائدہ اٹھانا تمام مسلمانوں کے لیے جائز ہے۔ خاندان رسول بھی اس سے مستثنیٰ نہیں) تو یہ بے دلیل دعوی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو امام جعفریوں فرماتے کہ اوقاف کا حکم دوسرے صدقات سے جدا ہے، یہ نہ فرماتے کہ ہمارے لیے صرف فرض صدقہ (زکوۃ) حرام کیا گیا ہے۔

بخاری وغیرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہم کسی کو اپنا وارث نہیں چھوڑتے، ہم جو کچھ چھوڑ جائیں وہ صدقہ ہے، زندگی میں رسول اللہ ﷺ سال بھر کا خرچ گھر والوں کو دے دیا کرتے تھے اور جو کچھ بچ رہتا اس کو اللہ کے مال کے طرح اللہ کے راستہ میں (یعنی جہاد کی تیاری، گھوڑوں کی خریداری اور ہتھیاروں کی فراہمی وغیرہ) صرف کرتے تھے۔ حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ، اور حضرت عباسؓ بھی رسول اللہ ﷺ کے عمل کی طرح کیا کرتے تھے (یعنی ترکہ رسول میں سے جو حقیقت میں ترکہ نہ تھا بلکہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اس کا حکم خیرات یا صدقہ کا حکم تھا اقارب رسول اللہ کو حضور کی تقسیم کے مطابق دیا کرتے تھے) اس سے ظاہر ہو گیا کہ بنی ہاشم کے لیے ہر صدقہ (خواہ خیرات ہی ہو) حرام نہ تھا (بلکہ صرف زکوۃ حرام تھی)

مسئلہ: اکثر آئمہ کے نزدیک ہاشمی ہاشمی کی بھی زکوۃ نہیں لے سکتا۔ امام ابو یوسف اس کو جائز کہتے ہیں کیونکہ صدقہ چونکہ لوگوں کا میل کچیل ہوتا ہے اس لیے بنی ہاشم کے لیے حرام کیا گیا تھا مگر اپنا صدقہ خود کھانے میں کوئی حرج نہیں (کسی طرح کی توہین نہیں) ہم کہتے ہیں بنی ہاشم کے شرف کا تقاضا ہے کہ وہ تمام لوگوں کے (خواہ وہ ہاشمی ہی ہوں) میل کچیل سے اپنے کو محفوظ رکھیں اور اس لیے ہاشمی ہاشمی کی بھی زکوۃ نہیں لے سکتے۔

مسئلہ: بنی ہاشم کے لیے زکوۃ حرام ہے۔ ان میں پانچ بطن شامل ہیں۔ آل علی، آل عباس، آل جعفر آل عقیل، آل حارث بن عبد المطلب، یہ امام اعظم اور امام مالک کا قول ہے، امام شافعی کے نزدیک بنی مطلب بھی ان میں شامل ہیں کیونکہ خمس میں سے رسول اللہ ﷺ جو ذوی القربی کو دیتے تھے تو بنی مطلب کو بھی اس کا حصہ دار بناتے تھے۔ ان کو بھی دیتے تھے

Marfat.com

۔ مسائل خمس میں جبیر بن مطعم کی روایت ہم ذکر کر چکے ہیں۔

**مسئلہ:** امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک بنی ہاشم کے غلاموں کے لیے بھی زکوۃ حرام ہے۔ امام شافعی اور امام مالک کا بھی صحیح ترین قول یہی ہے بعض کے نزدیک بنی ہاشم کے موالی کے لیے زکوۃ حرام نہیں۔ امام ابو یوسف نے فرمایا موالی کی طرف بنی ہاشم کے سوا اور کسی کو نہیں پھیرا جائے گا۔ امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی مخزومی شخص کو تحصیل زکوۃ پر مقرر فرمایا اس شخص نے ابو رافع سے کہا، تم بھی میری ساتھ چلو، تم کو بھی کچھ مل جائے گا۔ ابو رافع نے کہا رسول اللہ ﷺ سے پوچھے بغیر میں نہیں جاسکتا چنانچہ ابو رافع نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا تذکرہ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہمارے آل محمد کے لیے صدقہ حلال نہیں اور کسی قوم کا غلام بھی انہی میں سے ہوتا ہے (یعنی اس کا حکم بھی ویسا ہی ہوتا ہے جیسے اس کے آقا کا) یہ حدیث حضرت ابو رافع کی روایت سے امام احمد ابو داؤد، ترمذی نسائی، ابن حبان اور حاکم نے بیان کی ہے اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے۔ ابو رفع کا نام ارقم بن ابی ارقم تھا۔

**مسئلہ:** مال زکوۃ کو ایک شہر سے دوسرے شہر کو لے جانا مکروہ ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا تھا ان کے مال داروں سے لیا جائے اور ان کے حاجت مندوں کو لوٹا دیا جائے۔ منقول ہے کہ زکوۃ کا جو مال خراسان سے شام کو لایا گیا تھا۔ حضرت عمر بن عبد العزیز نے پھر شام سے خراسان کو لوٹا دیا۔

فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر ہے۔ فریضۃ " یا مصدر (مفعول مطلق) ہے جو تاکید فعل کے لیے ذکر کیا گیا ہے یعنی اللہ کی طرف سے بلاشبہ یہ فرض کیا گیا ہے۔ یا حال ہے۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ اور اللہ بڑے علم والا بڑی حکمت والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ مصلحت سے خوب واقف ہے اور حکمت کے ساتھ تقسیم کرنے والا ہے، کوئی فیصلہ بے محل نہیں کرتا ہر چیز کو اس کے مقام پر قائم کرتا ہے۔

ابن ابی شیبہ ابن المنذر ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے مجاہد کا بیان اور ابن ابی حاتم نے سدی کا قول نقل کیا ہے کہ کچھ منافق جمع ہوئے ان میں خلاس بن سوید بن صامت محتشی بن حمیر اور ودیعہ بن ثابت بھی تھے ان کا ارادہ ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی کچھ ہجو اور آپ پر کچھ نکتہ چینی کریں ان میں سے ایک نے اس فعل سے سب کو روکا اور کہنے لگا ہم کو ڈر ہے کہ یہ خبر محمد ﷺ کو پہنچ جائے گی اور پھر (ان کی فکر میں) یہ تمہارا جرم بن جائیگا ایک شخص نے کہا محمد تو صرف کان ہیں (ہر ایک کا عذر سن لیتے ہیں) ہم قسمیں کھالیں گے تو وہ ہم کو سچا مان لیں گے، خلاس بولا ہم تو جو کچھ چاہیں گے کہیں گے۔ پھر محمد کے پاس جا کر اپنے قول کے منکر ہو جائیں گے اور قسم کھالیں گے وہ ہماری بات سچی مان لیں گے محمد تو صرف کان ہیں اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ ان (منافقوں) میں کچھ ایسے ہیں کہ ایذائیں پہنچاتے ہیں اور آپ تو سراسر کان ہیں (ہر بات کان دے کر سن لیتے ہیں) ایذائیں دیتے ہیں غیبت کرتے ہیں آپ کی باتیں بچلاتے ہیں اور نازیبا الفاظ کہتے ہیں۔ اور اس اندیشہ سے کہ کہیں رسول اللہ ﷺ کو ان کی باتوں کی خبر نہ پہنچ جائے ان کو روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں، وہ تو ہر بات کان دے کر سن لیتے اور سچا جان لیتے ہیں۔ جس طرح (دیدہ بانی کرنے والے) جاسوس کو مبالغۃ " آنکھ کہا جاتا ہے اس طرح ہر بات کو کان رکھ کر سن لینے کی وجہ سے منافقوں نے آپ کو کان کہا مضاف محذوف ہے اصل میں ذُوْ اُذُنٍ " (کان والا) تھا یا اُذُنٌ مشتق ہے اَذِنَ اُذُنًا سے اَذِنَ کا معنی ہے کان رکھ کر سن لیا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ منتبل بن حارث رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھ کر آپ کی باتیں سنتا اور جا کر منافقوں سے نقل کرتا تھا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ محمد بن اسحاق نے لکھا ہے کہ منبل کالا سیاہ آگندہ منہ سرخ چشم چپکے گالوں والا بدرو آدمی تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا جو شیطان کو دیکھنا چاہتا ہو تو اس کو دیکھ لے یہ شخص رسول اللہ کی باتیں جا کر منافقوں سے چپکے چپکے کہتا تھا اس سے کہا گیا ایسا نہ کر کہنے لگا محمد تو سراسر کان ہیں جو ان سے کچھ جا کر کہہ دیتا ہے اس کو مان لیتے ہیں ہم جو کچھ چاہیں گے کہیں گے پھر جا کر جھوٹی قسمیں کھالیں گے (اور کہے ہوئے سے منکر ہو جائیں گے) تو وہ ہم کو سچا

Marfat.com

جان لیں گے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اللہ نے ان کو جواب میں فرمایا۔

قُلْ اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ آپ کہ دیجئے کہ وہ کان دے کر وہی بات سنتے ہیں جو تمہارے حق میں سراسر خیر ہے۔ اذن کی خیر کی طرف اضافت ہے جیسے رَجُلٌ صدقٍ "(بھلائی کے کان سچائی کا آدمی) گویا یوں کہا گیا کہ وہ بیشک کان ہیں مگر ان کا کان ہونا ہم تمہارے لیے بہتر ہے یا یہ معنی ہے کہ وہ تمہاری بھلائی اور بہتری کی بات کان لگا کر سنتے ہیں۔ شر اور بگاڑ کی بات نہیں سنتے غیبت اور چغلی کی بات نہیں سنتے۔ عذر کرنے والے کی معذرت سن لیتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مومن بھولا شریف ہوتا ہے اور کافر خبیث کمینہ، رواہ ابوداؤد والترمذی والحاکم عن ابی ہریرہ۔ حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ وہ خیر حق اور ہر واجب القبول بات کو سنتے ہیں اور ان کے خلاف باتوں کو نہیں سنتے۔

يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وہ اللہ کو مانتے ہیں اور مومنوں کا یقین کرتے ہیں۔ یعنی ہر مومن سے ان کو حسن ظن ہے اس لیے جو شخص بھی ایمان ظاہر کرتا ہے اس کو سچا مان لیتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ مخلص مومنوں کو سچا جانتے ہیں منافقوں کو سچا نہیں جانتے مگر ان کے عذر کو قبول کر لیتے ہیں۔ چونکہ ایمان باللہ سے مراد ہے۔ کفر کی ضد میں اس لئے اول یومن کے بعد باللہ ب کے ساتھ فرمایا (اول کا معنی ہوا اللہ کو مانتے ہیں اور دوسرے یومن کا معنی ہوا مومنوں کی بات کو سچا جانتے ہیں۔

وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ اور ان لوگوں کے لیے رحمت ہیں جو تم میں سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں یعنی جو لوگ ایمان کا زبان سے اظہار کرتے ہیں ان کی بات کو قبول کر لیتا ہیں ان کا اندرونی راز فاش نہیں کرتے (اور ان کے منافق ہونے کا اعلان نہیں فرماتے) اس جملہ میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ نادانی یا تمہارے ہال کو نہ جاننے کی وجہ سے وہ تمہاری قول کو قبول نہیں کرتے بلکہ تم پر چونکہ مہربان ہیں اور تم سے نرمی کرنی چاہتے ہین اس لئے پردہ فاش نہیں کرتے اور عذر کو مان لیتے ہیں یا یہ مطلب ہے۔ کہ تم میں سے جو مخلص مؤمن ہیں ان کے لیے رسول سراسر رحمت ہیں کفر سے نکال کر ایمان کی طرف لانے والے ہیں قیامت کے دن ان کی شفاعت کریں گے اور دوزخ سے رہا کرا کے جنت میں لے جائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾ اور جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کو دکھ دیتے ہیں انہی کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اس بات سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہوگا کہ اللہ کے رسول نے ان کے بات مان لی اور عذر قبول کر لیا۔

مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ اس آیت کا نزول منافقوں کی ایک جماعت کے متعلق ہوا جو غزوہ تبوک کو نہیں گئے تھے اور جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے تو حاضر ہو کر (طرح طرح کے) عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ انہی کے متعلق اللہ نے نازل فرمایا۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ (اے مسلمانو)! وہ تم کو راضی کرنے کے لیے تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں (اور قسمیں کھا کھا کر عذر پیش کرتے ہیں)۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۲﴾ حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اگر یہ لوگ سچے مسلمان ہیں تو اس کو (طاعت اور خلوص قلبی کے ذریعہ سے) راضی کریں۔

يُرْضُوْهُ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے کیونکہ جھوٹی قسمیں کھا کر اللہ کو راضی نہیں کیا جا سکتا بلکہ خلوص قلبی اور طاعت سے ہی اس کے رسول کی رضامندی حاصل ہو سکتی ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک اللہ اور رسول میں سے ہر ایک کی طرف ضمیر راجع ہے چونکہ اللہ کی اور اس کے رسول کے رضامندی ایک ہی ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے اس لیے ضمیر واحد کی استعمال کی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول کی طرف ضمیر راجع ہے کیونکہ رسول کو ایذا دیں اور راضی کرنے ہی کے سلسلے میں کلام کا نزول ہوا۔ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ شرط موخر ہے۔ یعنی اگر وہ مومن ہیں تو طاعت اور اخلاص کی ذریعے سے اللہ اور اس کی

Marfat.com

رسول کو راضی کرنا چاہیے۔ مگر انہوں نے نہ اللہ کو راضی کیا نہ اللہ کے رسول کو نہ خلوص کے ساتھ ایمان لائے۔

اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِیْهَا ؕ

کیا ان کو خبر نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے گا (جیسا کہ یہ لوگ کر رہے ہیں) تو یہ بات ٹھہر چکی ہے کہ ایسے شخص کو دوزخ کی آگ اس طور پر نصیب ہوگی کہ وہ اس میں ہمیشہ رہے گا۔

یُحَادِدْ کا معنی ہے یُخَالِفُ یعنی نافرمانی کرکے اور جہاد کو نہ جاکر جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا۔ یحاد کا باب مفاعلہ ہے حَدٌّ" ہے، حد کا معنی ہے جانب۔ کسی کی مخالفت کرنے والا بھی اپنے مخالف کی جہت سے ہٹکر دوسری جانب چلا جاتا ہے۔[1]

ذٰلِكَ الْخِزْیُ الْعَظِیْمُ ﴿۶۳﴾ (اور) یہ بڑی رسوائی ہے۔

آیت سابقہ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ کی (معنوی) علت کا اظہار اس آیت میں کیا ہے اللہ اگر ناراض ہو اور اس کے حکم کے خلاف عمل کیا جائے تو داخلہ جہنم کے علاوہ کوئی اور نتیجہ نہیں نکل سکتا ہے۔ دوسروں کی ناراضگی ہیچ ہے۔ کسی اور کا ناراض ہونا موجب نار نہیں۔ کسی شاعر کا قول ہے اور کیسا اچھا قول ہے کاش تو (میرے لیے) شیریں ہوتا خواہ (میری) زندگی (ہر طرف سے) تلخ ہوتی اور کاش تو راضی رہتا خواہ سارا جہاں ناراض ہوتا کاش میرے تیرے تعلقات خراب نہ ہوتے خواہ ساری دنیا سے میرے علائق تباہ ہو جاتے۔

بغوی نے قتادہ اور سدی کی حوالہ سے لکھا ہے کہ آیت یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِیُرْضُوْكُمْ منافقوں کی ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی تھی جلاس بن سوید بھی اس گروہ میں شامل تھا ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں کچھ برے الفاظ کہے تھے اور یہ بھی کہا تھا کہ اگر محمد کا قول حق ہے تو (یقیناً)" ہم لوگ گدھوں سے بھی بدتر ہیں حضرت عامر بن قیس نے اس واقعہ کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو پہنچادی، یوں قصہ ہم آگے ذکر کریں گے۔

یَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَیْهِمْ سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ

منافق لوگ (طبعاً) اس سے اندیشہ کرتے ہیں کہ مسلمانوں پر کوئی سورت (مثلاً یہ آیت) نازل نہ ہو جائے جو ان کو ان منافقوں کے مافی الضمیر پر اطلاع دیدے۔

اول دونوں ضمیریں مومنوں کی طرف اور آخری فِیْ قُلُوْبِهِمْ کی ضمیر منافقوں کی طرف راجع ہے۔ مطلب یہ ہے کہ منافقوں کو اس بات کا ڈر ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی عداوت اور حسد جو ہمارے دلوں میں ہے کہیں کسی آیت کے ذریعہ سے اس کا پردہ فاش نہ کر دیا جائے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عَلَیْهِمْ کی ضمیر بھی منافقوں کی طرف راجع ہو کیونکہ منافقوں کے بارے میں کسی آیت کا نزول ان کے خلاف پڑے گا جب اس آیت کی تلاوت کی جائے گی تو مسلمانوں کو منافقوں کے خلاف دلیل مل جائے گی اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ منافقوں کو اندیشہ رہتا ہے کہ کہیں ہمارے خلاف کوئی آیت نازل ہو کر ہمارے قلبی حسد و عداوت کا پردہ فاش نہ کر دے۔

---

[1] یزید بن ہارون کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکر نے ایک دن خطبہ دیا اور خطبہ میں فرمایا ایک بندہ کو لا کر اللہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا۔ اللہ نے دنیا میں اس کو اپنی نعمتوں سے نوازا ہوگا، اس کے رزق میں کشادگی عطا فرمائی ہوگی اور تندرستی بھی مرحمت کی ہوگی۔ اللہ کی پیشی ہوگی۔ تو اس سے پوچھا جائے گا، تو نے اس دن کے لئے کیا عمل کئے تھے اور اپنے لیے پہلے سے کیا بھیجا تھا اس وقت کوئی بھلائی نظر نہ آئے گی کیونکہ اس نے کچھ بھیجا ہی نہ ہوگا، وہ رونے لگے گا کہ آنسو بہنے لگیں گے پھر اس کو عار دلائی جائیگی اور رسوا کیا جائے گا۔ اتنا کہہ کر وہ اٹھے گا۔ اے میرے رب مجھے دوزخ میں بھیج دے اس جگہ سے تو مجھے رہائی دے۔ یہی مفہوم ہے اللہ کے قول مَنْ یُّحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ کا۔

Marfat.com

بغوی نے لکھا ہے منافق آپس میں خفیہ باتیں کرتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کوئی آیت نازل ہو کر ان کو رسوا نہ کر دے اس کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے معاملہ میں ان کو تردد تھا۔ (اگر کامل یقین نہ تھا تو محکم انکار بھی نہ تھا شک میں پڑے ہوئے تھے اسی لیے) ان کو اندیشہ تھا کہ اگر رسول سچے ہیں تو کہیں اللہ کی طرف سے ان کی رسوائی نہ ہو جائے۔ بعض علماء کے نزدیک یَحْذَرُ اگرچہ خبر کی صورت میں ہے مگر امر کے معنی میں ہے یعنی منافقوں کو ڈرتے رہنا چاہیے۔ بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ منافق یہ باتیں آپس میں بطور استہزاء کہتے تھے۔ آئندہ جملہ سے اس قول کی تائید ہوتی ہے فرمایا ہے۔

قُلِ اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ آپ کہہ دیجئے اچھا تم استہزاء کرتے رہو بیشک اللہ اس چیز کو ظاہر کر کے رہے گا جس (کے اظہار) کا تم اندیشہ کرتے ہو۔ یہ امر بطور تہدید ہے یعنی جس سورت کی نزول یا بر ائیوں کا پردہ فاش ہونے کا تم کو اندیشہ ہے وہ تو اللہ ضرور کرے گا۔ تمہاری خفیہ عداوت کو ضرور ظاہر کر دے گا۔

حضرت ابن عباس نے فرمایا اللہ نے ستر منافقوں کے نام مع ولدیت کے ذکر کئے تھے۔ مگر مسلمانوں پر مہربانی فرمائی اور ان کو (ذہنوں سے اور تلاوت سے ہر طرح سے) منسوخ کر دیا کہ آئندہ کوئی ان مخلص مسلمانوں کو عار نہ دلائے اور طعن تشنیع نہ کرے کہ تمہارے باپ تو ایسے منافق تھے۔ بغوی نے لکھا ہے آیت کا نزول ان بارہ منافقوں کے حق میں ہوا تھا جو گھاٹی کے اوپر جا کر اس غرض سے کھڑے ہو گئے تھے جب رسول اللہ ﷺ سے واپسی پر اس گھاٹی پر چڑھیں گے تو اچانک ہم ان کو قتل کر دیں گے حضرت جبرائیل نے رسول اللہ کی خدمت میں یہ بات پیش کر دی۔ قصے کی پوری تفصیل حسب ذیل ہے۔

امام احمد نے حضرت ابو طفیل کی روایت سے بیہقی نے حضرت حذیفہ کی روایت سے اور ابن سعد نے حضرت جبیر بن مطعم کی روایت سے بیان کیا۔ نیز ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے ضحاک (تابعی) کے حوالہ سے بیہقی نے عروہ اور ابن اسحاق کی وساطت سے اور محمد بن عمر نے اپنے مشائخ روایت کے سند سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں تھے اور کسی راستے میں گذر رہے تھے کہ منافقوں میں سے کچھ لوگوں نے باہم مشورہ کر کے یہ طے کر لیا کہ گھاٹی کے اوپر رسول اللہ کو گرا کر قتل کر دیں۔ مشورہ طے کرنے کے بعد موقع کی تلاش میں رہے چنانچہ (سفر مذکور میں) جب رسول اللہ ﷺ نے کسی گھاٹی پر چلنے کا ارادہ کیا تو منافق بھی آپ کو اونٹنی سے اٹھا کر وادی میں پھینک دیں۔ اللہ نے ان کی اس مکاری کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو دیدی چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ گھاٹی پر چڑھنے لگے تو آپ کی طرف سے ایک منادی نے ندا کر دی کہ رسول اللہ ﷺ گھاٹی کے راستہ میں جا رہے ہیں خبردار کوئی بھی گھاٹی کے راستہ سے نہ جائے وادی کے اندر سے جائیں تم لوگوں کے لئے وادی کے اندر سے جانا آسان بھی ہے (اوپر چڑھنے سے بچ جاؤ گے) حسب الحکم سب لوگوں نے بطن وادی کی راہ اختیار کی مگر جن منافقوں نے رسول اللہ ﷺ کو قتل کرنے کی تدبیر کی تھی۔ انہوں نے جب یہ حکم سنا تو (اپنے ارادہ سے باز نہ آئے اور اپنے منصوبہ کی تکمیل کے لیے) تیار ہو گئے اور چہروں پر کپڑا باندھ لیا (اور گھاٹی پر جا چھپے) رسول اللہ ﷺ نے جب گھاٹی پر اس شان سے چلنا شروع کیا کہ حسب الحکم آگے آگے حضرت عمار بن یاسرؓ اونٹنی کی مہار پکڑے جا رہے تھے اور پیچھے پیچھے حضرت حذیفہ بن یمانؓ ہنکا رہے تھے اچانک (چھپے ہوئے لوگوں کی) کچھ آہٹ محسوس ہوئی ساتھیوں نے نیزے تان لیے اور اونٹنی کو زور سے بھگایا اونٹنی اتنی تیزی سے بھاگی کہ کچھ سامان بھی گر پڑا رات اندھیری تھی حضرت حمزہ بن عمرو اسلمی بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گھاٹی میں پہنچ گئے حضرت حمزہؓ کا بیان ہے کہ (گھاٹی میں میری (شعلۂ) یا انگلیاں روشن ہو گئیں جن کی روشنی میں ہم کوڑا رسی اور دوسرا گرا پڑا سامان جمع کر لیا رسول اللہ نے حضرت حذیفہ کو حکم دیا کہ (آنے والے) لوگوں کو واپس لوٹا دیں حضرت حذیفہ کے پاس ایک ٹیڑھی موٹھ کی برچھی دار لاٹھی تھی آپ اس لاٹھی سے آنے والے لوگوں کی سواریوں کے منہ پر مارنے لگے اور فرمانے لگے اللہ کے دشمنو! ادھر ہی جاؤ ادھر ہی جاؤ ان لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ کو ان کے ارادے کی اطلاع مل گئی ہے اس لئے فوراً تیزی کے ساتھ گھاٹی سے اتر کر دوسرے لوگوں میں جا ملے حضرت حذیفہ رسول اللہ کی خدمت میں آ گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا حذیفہ اونٹنی کو مارو اور عمار تم پیدل چلو سب لوگ تیزی سے چلے یہاں تک کہ یہ دونوں بزرگ گھاٹی کے اوپر پہنچ گئے اور رسول اللہ ﷺ گھاٹی سے باہر نکل گئے اور لوگوں کا انتظار کرنے لگے۔ پھر حذیفہ سے فرمایا جن لوگوں کو تم نے لوٹایا تھا کیا ان میں سے کسی کو پہچانا بھی۔ حضرت حذیفہ نے عرض کیا

Marfat.com

حضورؐ رات کی تاریکی تھی اور ان کے چہروں پر کپڑے بندھے تھے میں نے ان کو نہیں پہچانا۔ ہاں ان کی اونٹنیوں کو پہچان لیا فرمایا تم سمجھے بھی ان کا ارادہ کیا تھا حضرت حذیفہ نے عرض کیا خدا کی قسم حضورؐ! مجھے تو کچھ علم نہیں، فرمایا انہوں نے داؤ کیا تھا کہ میرے ساتھ ساتھ چلیں اور میں جب گھاٹی پر چڑھوں تو پتھر مار مار کر مجھے گھاٹی سے نیچے پھینک دیں اللہ نے مجھے ان کے نام اور ان کے باپوں کے نام بتا دیئے ہیں میں انشاء اللہ تم کو ان اطلاع دیدوں گا۔ حضرت حذیفہ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ جب وہ لوگ آجائیں تو آپ حکم دیدیجئے کہ ان بے ایمانوں کی گردنیں ماردی جائیں، فرمایا نہیں۔ لوگ باتیں بنائیں گے اور کہیں گے کہ محمد ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا (بغوی کی روایت کے الفاظ میں کچھ اختلاف ہے مگر مطلب ایک ہی ہے) ہمارے لیے اللہ کافی ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہ اور حضرت عمار کو ان منافقوں کے نام بتا دیئے تھے مگر فرمادیا تھا ان کو پوشیدہ رکھنا۔ غرض صبح ہوئی تو حضرت اسید بن حضیر نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ رات آپ وادی کے اندر کی راہ سے کیوں نہ چلے یہ راستہ تو گھاٹی کے راستے سے آسان تھا۔ فرمایا ابو یحییٰ۔ کیا تم جانتے ہو کہ منافقوں کا میرے متعلق کیا ارادہ تھا اور انہوں نے کیا طے کیا تھا ان کا خیال تھا کہ میرے پیچھے پیچھے آئیں گے اور رات کی تاریکی میں میری اونٹنی کا سینہ بند اور تسمے کاٹ کر اونٹنی کے آر چبھو دیں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا) قریب تھا کہ اونٹنی سے مجھے نیچے پھینک دیں۔ حضرت اسیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ اب سب لوگ جمع ہیں اور اتر پڑے ہیں (یعنی فروکش ہو گئے ہیں اور پڑاؤ ڈال لیا ہے) آپ ہر خاندان کو حکم دے دیں کہ اس خاندان کے جس شخص نے یہ ارادہ کیا ہو خاندان والے ہی اس کو قتل کر دیں اور اگر آپ کی رائے میں مناسب ہو تو مجھے (ان کے نام) بتا دیجئے قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اس جگہ سے ہٹوں گا بھی نہیں کہ ان کے سر آپ کی خدمت میں لا کر حاضر کر دوں گا۔ فرمایا مجھے یہ بات پسند نہیں کہ لوگ باتیں بنائیں اور کہیں جب محمد کی لڑائی مشرکوں سے ختم ہو گئی تو وہ اپنے ساتھیوں پر ہاتھ صاف کرنے لگا۔ حضرت اسیدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ وہ تو آپ کے ساتھی نہیں ہیں۔ فرمایا کیا وہ لا الہ الا اللہ کی شہادت کا اظہار نہیں کرتے ہیں۔ حضرت اسید نے عرض کیا جی کرتے تو ہیں، فرمایا اسی وجہ سے میں ان کے قتل سے باز رہا۔

محمد بن اسحاق کی روایت ہے کہ صبح ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کو حکم دیا کہ عبداللہ بن سعد بن ابی السرح اور ابو حاضر اعرابی اور عام ابو عامر اور حلاس بن سوید بن صامت اور مجمع بن حارثہ اور ملیح تمیمی اور حصیر بن نمیر اور طعمہ بن ابیرق اور عبداللہ بن عینیہ اور عامر بن ربیع کو بلا لاؤ۔ حلاس ہی وہ شخص تھا جس نے کہا تھا جب تک آج رات گھاٹی سے محمد ﷺ کو ہم پھینک نہ دے گے باز نہ رہیں گے اگر محمد ﷺ اور اس کی ساتھی ہم سے بہتر ہیں تو ہم پھر بکریاں ہوں گے اور وہ چرواہے ہم بے عقل ہوں گے اور وہ عقل والے۔ ملیح تمیمی وہ شخص تھا جس نے کعبہ کی خوشبو چرائی تھی اور مرتد ہو کر بھاگ گیا تھا مگر سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں جائے ملک میں مارا مارا پھرتا رہا تھا۔ حصیر بن نمیر وہ ہے جس نے زکوۃ کی چیزیں چرائی ہیں رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا کمبخت یہ حرکت تو نے کیوں کی کہنے لگا مجھے اس حرکت پر اس خیال نے آمادہ کیا کہ اللہ آپ کو اس بات پر مطلع نہیں کرے گا (کیونکہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں) لیکن اب جبکہ اللہ نے آپ کو آگاہ کر دیا تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اب میں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس وقت سے پہلے میں آپ پر ایمان نہیں لایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات سن کر اس سے درگزر فرمالی اور معاف کر دیا۔ عبداللہ بن عینیہ وہی شخص تھا جس نے اپنے ساتھیوں سے کہا تھا۔ آج رات جاگ لو ہمیشہ کے لیے نجات پالو گے خدا کی قسم اس شخص کو قتل کر دینے کی سوا تمہارا کوئی کام نہیں (اس کے بغیر تمہارا کام نہ ہوگا) رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلوا کر فرمایا کم بخت اگر میں مارا جاتا تو تجھے کیا فائدہ پہنچتا۔ دشمن خدا کہنے لگا اے اللہ کے نبی۔ خدا کی قسم جب سے اللہ نے آپ کو فتح عنایت کی ہے ہم برابر خیریت کے ساتھ ہیں ہم تو بس اللہ اور آپ کی ذات کے سبب سے (خیریت اور آسائش میں) ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو چھوڑوا دیا۔ مرہ بن ربیع وہ شخص تھا جس نے عبداللہ بن ابی کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔

تھا۔ اس رکاوٹ کو دور کر دو۔ اس ایک اکیلے شخص کے قتل کے بعد تو ہمارے لئے چین ہی چین ہے۔ عام لوگ اس کے قتل سے مطمئن ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو بلوا کر فرمایا ارے تو نے ایسی باتیں کیوں کہیں اس نے جواب دیا، یا رسول اللہ میں

Marfat.com

نے تو ان سے کوئی بات نہیں کہی اگر کہی ہوتی تو آپ کو معلوم ہی ہوتی۔ غرض ان بارہ منافقوں کو رسول اللہ ﷺ نے جمع کیا جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرنی چاہی تھی اور رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ سب کو ان کی کہی ہوئی باتیں ،ان کی گفتگو اور ان کے ظاہر و باطن کے حالت بتائی اور آپ کو ان چیزوں کا علم وحی سے ہوا تھا۔ آیت وَہَمُّوْا بِمَا لَمْ یَنَالُوْا سے اسی طرف اشارہ ہے۔ یہ بارہ آدمی نفاق اور اللہ اور اللہ کے رسول سے جنگ کے ارادہ ہی کی حالت میں مر گئے۔

بیہقی نے حضرت حذیفہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے بددعا کی تھی اور فرمایا تھا ،الٰہی ان کو دنبل میں مبتلا کر یعنی آگ کی ایک چنگاری میں جو ان کے دلوں کی رگ پر لگے اور وہ ہلاک ہو جائیں۔

مسلم کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے ساتھیوں میں بارہ آدمی منافق ہیں یہ اس وقت تک جنت میں نہیں جائیں گے جب تک اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل نہ ہو جائے (اور سوئی کے ناکہ میں اونٹ کا داخل ہونا محال ہے لہٰذا ان کا جنت میں داخل ہونا بھی محال ہے ) آٹھ کا کام تمام تو دنبل کر دے گی۔ یعنی آگ کا ایک چراغ جو ان کے شانوں کے درمیان پیدا ہو گا اور سینوں سے پار ہو جائے گا۔

---

بیہقی نے کہا ہم کو حضرت حذیفہؓ کی روایت پہنچی ہے کہ یہ لوگ چودہ ۱۴ یا ۱۵ پندرہ تھے۔ یہ واقعہ اس زمانہ کا ہے جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے واپس آرہے تھے۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ۭ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝

اور اگر آپ ان سے پوچھیں تو کہہ دینگے کہ ہم تو محض شغلہ اور خوش طبعی کر رہے تھے آپ ان سے کہ دیجئے کہ کیا اللہ کے ساتھ اور اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کی ساتھ تم ہنسی کر رہے تھے۔

یعنی ان کے استہزاء پر ڈانٹنے اور حجت پوری کرنے کے لیے ان سے یہ بات کہو اور ان کی معذرتوں کا اعتبار نہ کرو۔ جس چیز کو انہوں نے موضوع استہزاء بنایا تھا (یعنی اللہ۔ اللہ کی آیات اللہ کا رسول) اس پر حرف تقریر (یعنی ہمزہ استفہامی تقریری) کا داخل ہونا بتا رہا ہے کہ گویا ان لوگوں کو اپنے استہزاء کرنے کا اعتراف ہے اسی وجہ سے بجائے اس کے کہ ان کے استہزاء کا ذکر کیا جائے ان کے اس قصور پر ان کو توبیخ کی گئی۔ اہل تفسیر نے اس کلام کی یہی تشریح کی ہے۔

(حاصل تشریح یہ ہے کہ ہمزہ تقریری باللہ و آیاتہ ورسولہ پر داخل کرنا بتا رہا ہے کہ ان کو اپنے استہزاء کا اعتراف تھا کیونکہ ہمزہ تقریری اسی چیز پر داخل کی جاتی ہے جو ثابت شدہ ہو اور مخاطب کو اس کا انکار نہ ہو تو گویا اپنے استہزاء کا انکار نہ تھا وہ معترف تھے کہ ہم نے جو کچھ کہا وہ مذاق سے کہا اس پر اللہ نے ان کو توبیخ کی کہ کیا یہ چیزیں استہزاء کی ہیں کیا تم اللہ ،اس کے کلام اور اس کے رسول کو موضوع استہزاء بنا رہے تھے)

میں کہتا ہوں منافقوں کا یہ قول اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَ نَلْعَبُ جو بجائے خود استہزاء کا ان کی طرف سے اعتراف ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم جو کچھ کہہ رہے تھے اس کا مقصد استہزاء کرنا نہ تھا بلکہ تفریحی کلام تھا راستہ طے کرنے کے لیے ہم بطور مذاق ایسی باتیں کر رہے تھے۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک مجلس میں ایک شخص نے کہا ہم نے اپنے ان قرآن پڑھنے والوں کی طرح کسی شخص کو نہیں دیکھا جو ان کی طرح کھانے کا حریص زبان کا جھوٹا اور دشمن سے مقابلہ کے وقت بزدل ہو ایک اور شخص یہ بات سن کر بولا تو نے جھوٹ کہا تو منافق ہے میں تیری اس بات کی اطلاع رسول اللہ ﷺ کو ضرور دوں گا۔ چنانچہ

Marfat.com

یہ خبر رسول اللہ تک پہنچ گئی اور قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہو گئی۔[1]

حضرت ابن عمر نے فرمایا میں نے اس (منافق) شخص کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے کجاوہ سے لٹکا ہوا تھا پتھریاں اس کو زخمی کر رہی تھیں اور وہ کہہ رہا تھا اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ اور حضور فرما رہے تھے اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ۔ بیہقی نے دوسری سند سے حضرت ابن عمر کی یہ روایت نقل کی ہے اس روایت میں اس شخص کا نام عبداللہ بن ابی بتایا ہے۔ بغوی نے بھی حضرت عمر کی روایت سے اس طرح ذکر کیا ہے۔

ابن جریر نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ کچھ منافقوں نے غزوہ تبوک میں کہا یہ شخص امید لگائے ہوئے ہے کہ شام کے محلات اور قلعے فتح کر لے گا۔ ایسا ہونا بہت بعید ہے اللہ نے اس قول کی اطلاع اپنے نبی کو دیدی حضور ان منافقوں کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا تم نے ایسا ایسا کہا تھا وہ کہنے لگے اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ اس پر اس آیت کا نزول ہوا۔

بغوی نے اس آیت کا سبب نزول کلبی مقاتل اور قتادہ کے قول کے بموجب اس طرح لکھا ہے کہ رسول اللہ غزوہ تبوک میں (شام کی طرف) جا رہے تھے آپ سے آگے آگے تین منافقین چل رہے تھے جن میں سے دو قرآن مجید اور رسول اللہ ﷺ کا مذاق اڑا رہے تھے اور تیسرا ہنس رہا تھا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ کہہ رہے تھے محمد خیال کر رہے ہیں کہ وہ رومیوں پر غالب آجائیں گے۔ اور ان کے شہروں کو فتح کر لیں گے ایسا ہونا بہت بعید ہے۔ دوسری روایت میں آیا وہ کہہ رہے تھے کہ مدینہ میں جو ہمارے ساتھی رہتے ہیں ان کے متعلق قرآن (اللہ کی طرف سے) نازل ہوا ہے حالانکہ وہ تو محمد ہی کا قول اور انہی کا کلام ہے اس بات کی اطلاع اللہ نے اپنے نبی کو دے دی آپ نے حکم دیا ان شتر سواروں کو روک کر میرے پاس لاؤ جب وہ آگئے تو فرمایا تم نے ایسا ایسا کہا تھا۔ کہنے لگے اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ یعنی جس طرح قافلہ والے راستہ طے کرنے کے لیے باتیں کرتے اور تفریحی کلام کرتے جاتے ہیں ہم بھی اسی طرح باتیں کر رہے تھے۔ یہ واقعہ مدینہ سے تبوک کو جانے میں ہوا تھا محمد بن اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ کچھ منافقوں کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تبوک کو جا رہی تھی یہ لوگ صرف مال غنیمت کی طمع میں نکلے تھے۔ ان میں بنی عمرو بن عوف ودیعہ بن ثابت اور حلاس بن صامت اور بنی النبیج کا مخشی بن حمیر بھی تھے۔ محمد بن عمر نے ثعلبہ بن حاطب کا نام بھی ذکر کیا ہے۔ ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا۔ کل اسی جگہ یہ لوگ رسیوں میں بندھے ہوئے ہوں گے۔ اس کہنے کا مقصد تھا رسول اللہ ﷺ کے متعلق سنسنی پیدا کر دینا اور مسلمانوں کے دلوں میں خوف و ہراس ڈال دینا۔ حلاس بن عمر نے عمیر کی ماں سے نکاح کر لیا تھا۔ عمیر اس کے زیر پرورش تھے۔ اس نے کہا اگر محمد سچے ہیں تو پھر خدا کی قسم ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ اگر اس بات کی وجہ سے واپسی کے بعد ہم میں سے ہر ایک کے سو کوڑے مارے جائیں تو خدا کی قسم یہ ضرب مجھے پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ہمارے اندر قرآن نازل ہو (یعنی قرآن کا نزول مجھے اتنا ناگوار ہے کہ سو کوڑے کھانا آسان ہے مگر قرآن کا نزول پسند نہیں) رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمار بن یاسر سے فرمایا، یہ لوگ جل گئے جلد ان کے پاس پہنچو اور جو کچھ انہوں نے کہا ہے اس کو دریافت کرو اگر انکار کریں تو ان سے کہنا تم نے ضرور ایسی ایسی باتیں کہی ہیں (یعنی تفصیل بتا دینا) حضرت عمار ان کے پاس گئے اور ان سے ان کی باتیں بیان کیں (جب ان کو معلوم ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کو ہماری باتوں کی خبر ہو گئی ہے تو وہ عذر کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوئے ودیعہ بن صامت نے آکر رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کے کجاوہ کا پچھلا حصہ پکڑ لیا، حضور اونٹنی پر سوار تھے (وہ کجاوہ پکڑے لٹکا ہوا تھا اور) اس کی دونوں ٹانگوں پر کنکریاں

[1] تشریح بن عبید کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضرت ابودرداء سے کہا اے قرآن خوانوں کے گروہ کیا وجہ کہ تم لوگ ہم سے زیادہ ڈرپوک ہو تم سے کچھ مانگا جاتا ہے تو بڑی کنجوسی کرتے ہو اور کھاتے وقت بڑے بڑے لقمے نگلتے ہو حضرت ابودرداء نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا اور کوئی جواب نہیں دیا اور جا کر حضرت عمر کو اطلاع دیدی۔ حضرت عمر اس شخص کے پاس گئے اور اس کا کپڑا پکڑ کر گلے میں ڈال کر کھینچتے ہوئے رسول اللہ کی خدمت میں لائے۔ وہ شخص کہنے لگا اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ اس پر اللہ نے اپنے نبی کے پاس وحی بھیجی اور فرمایا ولئن سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ۔

Marfat.com

لگ رہی تھیں۔ اسی حالت میں کہہ رہا تھا یا رسول اللہ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ انہی لوگوں کے بارے میں اللہ نے نازل فرمایا وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ أَبِاللَّهِ وَآيَاتِهِ وَرَسُولِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُونَ ۔

لَا تَعْتَذِرُوا تم (اب یہ بے ہودہ) عذر نہ کرو یعنی جھوٹی معذرت کو شیاں نہ کرو تمہاری تمام معذرت کو شیوں کا جھوٹ ظاہر ہو چکا۔

قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ تم اپنے کو مؤمن کہنے کے بعد کفر کرنے لگے۔ یعنی (دلوں میں کفر چھپا رکھنے کے باوجود کے کم از کم زبانوں سے تو) تم پہلے ایمان کا اظہار کرتے تھے۔ اب رسول اللہ پر طعن تشنیع کرنے کی وجہ سے تم علی الاعلان کافر ہو گئے اور تمہارا کفر ظاہر ہو گیا۔

إِنْ نَعْفُ عَنْ طَائِفَةٍ مِنْكُمْ نُعَذِّبْ طَائِفَةً بِأَنَّهُمْ كَانُوا مُجْرِمِينَ ﴿٦٦﴾ ع ۸ ۱۴

اگر ہم تم میں سے بعض کو چھوڑ بھی دیں تاہم بعض کو تو ضرور سزا دیں گے، اس وجہ سے کہ وہ (علم ازلی میں) مجرم تھے یعنی اگر توبہ کرنے اور خلوص نیت رکھنے کی وجہ سے ہم تم میں سے بعض لوگوں کا قصور معاف کر بھی دیں گے تب بھی دوسرے منافقوں کو (جنہوں نے سچے دل سے) توبہ نہ کی ہوگی عذاب دیں گے کیونکہ نفاق پر جمے رہنے، رسول کو ایذاء دینے اور قرآن و رسول سے استہزاء کرنے کے وہ مجرم ہیں (اور یہ جرائم ایسے نہیں کہ بغیر خالص توبہ کے معاف کئے جا سکیں۔

محمد بن اسحاق نے بیان کیا ہے کہ صرف ایک شخص مخشی بن حمیر اشجعی کا جرم معاف کیا گیا (ابن اسحاق کی مراد شاید یہ ہے کہ عن طائفۃ سے مراد صرف ایک شخص ہے یا یہ مراد ہے کہ روایتاً صرف ایک شخص کا قصور معاف ہونا ثابت ہے باقی لوگوں کا علم نہیں) مخشی منافقوں کے ساتھ ہنستا تو تھا مگر زبان سے اس نے کچھ نہیں کہا تھا اور سب سے الگ الگ راستہ میں چل رہا تھا بلکہ منافقوں کی بعض باتوں کو پسند بھی نہ کرتا تھا جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے نفاق سے توبہ کی اور دعا کی اے اللہ میں ایسی آیت سن رہا ہوں جس سے میری آنکھوں کو ٹھنڈک مل رہی ہے اس کے سننے سے تو روئیں کھڑے ہو جاتے ہیں اور دل لرز جاتے ہیں، اے اللہ میری موت اپنی راہ میں قتل کی شکل میں مقدر کر دے (اور یہ بھی) کوئی نہ کہے کہ میں نے غسل دیا میں نے دفن کیا (یعنی مجھے کوئی غسل بھی نہ دے نہ دفن کرے) چنانچہ جنگ یمامہ میں یہ شہید ہو گئے اور سوائے ان کے کسی مسلمان کو معلوم بھی نہ ہوا کہ وہ کہاں شہید ہوئے (اور جنازہ کہاں گیا) مخشی نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تھا یا رسول اللہ میرا نام اور ولدیت بدل دیجئے (گویا کفر کے زمانہ کے نام سے بھی ان کو نفرت ہو گئی تھی) حضور ﷺ نے ان کا نام عبدالرحمن یا عبداللہ رکھ دیا۔

الْمُنَافِقُونَ وَالْمُنَافِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِنْ بَعْضٍ منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک طرح کے ہیں یعنی شرک نفاق اور ایمان سے دور ہونے میں ہم جنس ہیں۔ منافقوں نے قسم کھا کر مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہم تم میں سے ہیں ان کی قسم کی تکذیب اور آیت وَمَا هُمْ مِنْكُمْ کی تائید اس آیت سے کر دی گئی اور آئندہ آیت میں تفصیل کے ساتھ ان کی حالت کو بیان کر دیا گیا گویا یہ بتایا کہ ان کے احوال آپس میں ایک جیسے اور مسلمانوں کے احوال کے بالکل برعکس ہیں اس لئے یہ آپس میں ہم جنس ہیں اور مسلمانوں میں سے نہیں ہیں۔

يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ برے کاموں کا حکم دیتے ہیں یعنی شرک اور اللہ کی نافرمانی کا حکم دیتے ہیں۔

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ اور اچھے کاموں سے روکتے ہیں یعنی ایمان اور اللہ کی فرماں برداری سے روکتے ہیں اور کہتے ہیں گرمی میں جہاد کو نہ نکلو۔

وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ اور (اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے) اپنے ہاتھوں کو سمیٹ لیتے ہیں ہاتھوں کو سمیٹنے سے مراد ہے کنجوسی کرنا۔

نَسُوا اللَّهَ وہ اللہ کو بھول گئے گویا وہ جانتے ہی نہیں کہ ان کا کوئی خالق بھی ہے جو ان کے اعمال کی باز پرس کرے

Marfat.com

گا اپنے خالق کے ذکر سے بالکل غافل ہو گئے اور اس کی طاعت کو قطعاً ترک کر دیا۔

فَنَسِيَهُمْ اس لئے اللہ نے بھی ان کو فراموش کر دیا۔ یعنی دنیا میں توفیق ایمان اور ہدایت اسلام سے محروم کر دیا اور آخرت میں اپنی رحمت سے بے بہرہ بنا کر عذاب میں ڈال دے گا اور پھر خبر بھی نہ لے گا (گویا اس فقرہ میں نسیان سے مراد ہے دنیوی اور اخروی رحمت سے محروم کر دینا، دنیا میں توفیق ایمان سے بے بہرہ چھوڑ دینا اور آخرت میں دوزخ میں ڈال کر چھوڑ دینا۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ بلاشبہ منافق ہی فاسق ہیں یعنی ایمان و اسلام کے دائرہ سے بالکل خارج ہیں (مراد یہ ہے کہ فسق کا لغوی معنی ہے خارج ہونا اور اس جگہ ایمان و اسلام کے دائرہ سے خارج ہونا مراد ہے)۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِىَ حَسْبُهُمْ ۚ

اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور (علانیہ) کفر کرنے والوں سے دوزخ کی آگ کا عہد کر رکھا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے جہنم کی آگ ان کے لئے کافی ہے۔ یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہنا ان کے لئے مقدر کر دیا گیا ہے اور ان کے کفر و نفاق کی سزا کے لئے دوزخ کافی ہے دنیا میں عذاب دینے کی ضرورت (تکمیل سزا کے لئے) نہیں ہے۔ لفظ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بتا رہا ہے کہ دوزخ کا عذاب بہت بڑا ہے اتنا بڑا کہ اس پر زیادتی نہیں ہو سکتی۔

وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ اور اللہ نے ان پر پھٹکار کر دی ہے یعنی اپنی رحمت سے ان کو دور کر دیا ہے اور ذلیل کر دیا ہے۔

وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝ اور ان کے لئے لازوال عذاب ہے جو کبھی ختم نہ ہوگا۔ آیت میں وعید عذاب سے مراد صرف عذاب آخرت کی وعید ہے یا عذاب آخرت کے ساتھ عذاب دنیوی کی بھی وعید مراد ہے۔ منافق نفاق کی تکلیف میں مبتلا تھے مسلمانوں کے ڈر سے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر ہمیشہ اس اندیشہ میں مبتلا تھے کہ اگر ان کا اندرونی راز کھل گیا تو سخت رسوائی ہوگی اور عذاب میں پکڑے جائیں گے۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ ان لوگوں کی طرح جو ان سے پہلے گذر گئے۔ یعنی اے منافقو تم گزشتہ اقوام کے کافروں کی طرح ہو یا یہ مطلب ہے کہ تم نے بھی وہی حرکتیں کیں جو تم سے پہلے کافروں نے کی تھیں انہوں نے اللہ کے حکم سے سرتابی کی تھی اس لیئے ان پر اللہ کی لعنت پڑی اور تم نے بھی انہی کی طرح سرکشی کی اس لئے اللہ نے تم پر لعنت کی۔

كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ وہ شدت قوت اور کثرت مال و اولاد میں تم سے بھی زیادہ تھے۔

اقوام گزشتہ کے کافروں کو منافقوں کے ساتھ جن چیزوں میں مشابہت تھی ان کا اظہار اس آیت میں کیا ہے اور دونوں کے حالات کی وجہ مماثلت بیان کی گئی ہے۔

فَاسْتَمْتَعُوْا بِخَلَاقِهِمْ فَاسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ

سو انہوں نے اپنے (دنیوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا اور تم نے بھی اپنے (دنیوی) حصہ سے خوب فائدہ حاصل کیا جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں نے اپنے حصہ سے فائدہ حاصل کیا تھا۔

فَاسْتَمْتَعْتُمْ سے خطاب منافقوں کو ہے۔ سابق کفار آخرت کی پسندیدہ لازوال نعمتوں کے حصول کی خواہش و کوشش سے روگرداں ہو کر دنیا کی حقیر ناپسندیدہ فنا پذیر لذتوں پر ریجھ گئے تھے ان کی اس حالت کا بیان موجودہ منافقوں اور کافروں کے حال و عمل کی مذمت کی تمہید کے طور پر کیا گیا ہے کیونکہ یہ بھی انہی کے نقش قدم پر چل رہے تھے اور دونوں کا حال و مال ایک جیسا تھا۔

وَخُضْتُمْ كَالَّذِيْ خَاضُوْٓا اور تم بھی بری باتوں میں ویسے ہی گھسے جیسے وہ گھسے تھے یعنی تم بھی



Marfat.com

باطل اور لہو ولعب میں ویسے ہی گھس گئے جیسے وہ گھسے تھے۔ (الذی اسم موصول مفرد ہے اور خاضوا جمع کا صیغہ ہے اور دونوں میں مطابقت نہیں ہے اس لیئے) الذی سے مراد یا تو خوض (مصدر ہے یعنی تمہارا باطل میں گھسنا ان کے گھسنے کی طرح، ہے یا الذی سے مراد فوج گروہ ہی (جو لفظ کے عتبار سے اگرچہ مفرد ہے لیکن معنوی حیثیت سے جمع ہے اور اس کا صلہ جمع کا صیغہ ہو سکتا ہے)

اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۶۹﴾

اور ان لوگوں کے (اچھے) کام دنیا و آخرت میں اکارت گئے اور وہ لوگ بڑے نقصان میں ہیں۔ اعمال برباد ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں اعمال کے ثواب کی مستحق نہیں قرار پائے۔ حاصل مراد یہ ہے کہ جس طرح ان کے عمال اکارت گئے اور وہ خسران، آل ہوئے اسی طرح تمہاری اعمال بھی اکارت جائیں گے اور تم بھی دونوں جہاں میں خسران نصیب ہو گے۔

حضرت ابو سعید خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم بھی اپنے سے پہلوں کے پیچھے چلو گے بالشت بہ بالشت اور دست بدست (یعنی قدم بقدم ان کی پیروی کرو گے) یہاں تک کہ اگر وہ گوہ کے بھٹ میں گھسے ہوں گے تو تم بھی ان کے پیچھے گھسو گے (یعنی کامل پیروی کرو گے جو برے سے برے کام انہوں نے کیے تھے ویسے ہی تم کرو گے) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ کے (پہلے لوگوں سے مراد) یہود و نصاری ہیں، فرمایا اور کون۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں پس لوگ نہیں ہوں گے مگر وہی (یہودی و نصاری) رواہ البخاری۔

حاکم نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم اپنے سے اگلوں کی راہ پر بالشت بہ بالشت اور ہاتھ بہ ہاتھ ضرور چلو گے یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی گوہ کے سوراخ میں گھسا تھا تو تم بھی گھسو گے، اگر ان میں سے کسی نے اپنی بیوی سے سر راہ جماع کیا ہو گا (یعنی لوگوں کے سامنے بے حیائی کے ساتھ) تو تم بھی ایسا ہی کرو گے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا تم لوگ علامات و رفتار (زندگی) میں بنی اسرائیل کی ساتھ سب سے زیادہ مشابہت اختیار کرو گے۔ تسمہ تسمہ ان کے اعمال کی پیروی کرو گے یعنی قدم بقدم ان کے پیچھے چلو گے اگر مجھے یہ معلوم نہیں کہ تم بچھڑے کی پوجا کرو گے یا نہیں۔

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ کیا ان کو اگلے کافروں کے حال کی اطلاع نہیں پہنچی جنہوں نے ہمارے پیغمبروں کی نافرمانی اور ہماری احکام کی مخالفت کی تو ہم نے ان پر عذاب بھیجا اور تباہ کر ڈالا۔

ہِمْ کی ضمیر غائب منافقوں کی طرف راجع ہے۔ یہ خطاب سے غیبت کی طرف انتقال ہے (عبارت میں نیرنگی پیدا کرنے اور منافقوں کو ناقابل خطاب قرار دینے کی طرف یہ ایک لطیف اشارہ ہے)

قَوْمِ نُوْحٍ یعنی نوح کی قوم کی جو پانی کے طوفان سے ہلاک کر دی گئی۔

وَّعَادٍ اور قوم عاد کی جو آندھی کے طوفان سے ہلاک کر دی گی۔

وَّثَمُوْدَ ۙ اور قوم ثمود کی جن کو زلزلہ سے تباہ کر دیا۔

وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ اور ابراہیم کی قوم کی جن سے اللہ نے اپنی نعمت چھین لی ایک حقیر چیونٹی (یا مچھر) سے نمرود کو ہلاک کر دیا اور اس کے ساتھیوں کو غارت کر دیا۔

وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ اور مدین والوں یعنی شعیب کی قوم کی جن پر عذاب بصورت گھٹا آیا بادل چھا گیا اور اس سے آگ برسی جس سے سب ہلاک ہو گئے۔

وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ؕ اور الٹی ہوئی بستیوں یعنی قوم لوط کی بستیوں کی جن کو الٹ دیا گیا زمین کو زیر و زبر کر دیا گیا اور پھر اوپر سے نوکیلے کنکر برسائے گئے۔

اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ ان کے پیغمبر بالکل کھلے کھلے معجزے ان کے سامنے لائے مگر انہوں نے پیغمبروں کی تکذیب کی نتیجہ میں سب کو تباہ کر دیا گیا۔

Marfat.com

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ پس اللہ ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا یعنی اللہ کا یہ ضابطہ نہیں کہ بغیر جرم کیئے ان کو ہلاک کر دیتا۔

وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۝۷۰ بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے یعنی تمہاری طرح انہوں نے بھی پیغمبروں کو جھوٹا قرار دیا اور انبیاء کا حکم نہ مانا جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب آگیا تم کو بھی ڈرنا چاہیے کہیں تم پر بھی ان کی طرح عذاب آجائے۔

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اور ایماندار مرد و عورتیں آپس میں بعض بعض کے دوست ہیں اللہ کی اطاعت اور اللہ کے دین کو سربلند کرنے میں ایک دوسرے کی مدد کرتا ہے۔

يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وہ نیکی یعنی ایمان و طاعت کا حکم دیتے ہیں۔

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور بری باتوں سے روکتے ہیں یعنی شرک نفاق رسول اللہ کی نافرمانی اور خواہشات نفس کی اتباع سے منع کرتے ہیں۔

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ

اور نماز پابندی سے پوری شرائط کے ساتھ پڑھتے اور زکوۃ ادا کرتے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہیں یعنی اللہ اور رسول کے تمام احکام پر چلتے ہیں،

اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ یہ ہی ہیں جن پر اللہ ضرور رحمت فرمائے گا سَيَرْحَمُهُمُ میں سین تاکید پر دلالت کر رہی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ یقیناً" اللہ غالب ہے ہر چیز پر کوئی بھی اس سے سرتابی کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

حَكِيْمٌ ۝۷۱ بڑا حکمت والا ہے ہر چیز کو اس نے اس کے مقام پر رکھا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا

اللہ نے ایماندار مردوں اور عورتوں سے ایسی جنتیں دینے کا وعدہ کر لیا ہے جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، ان جنتوں میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ اور عدن کے باغوں میں ستھرے عمدہ مکان دینے کا (وعدہ کیا ہے) مکانوں کے طیب ہونے کا یہ مطلب ہے کہ ان کے اندر زندگی پر لطف اور پاکیزہ ہو گی یا یہ کہ نفس مؤمن اس کو پسند کرے گا اور پاکیزہ سمجھے گا عدن کا معنی ہے قیام اور دوام عَدَنَ بِالْمَكَانِ کا معنی ہے اس جگہ قیام کیا۔ صاحب مدارک نے لکھا ہے کہ عدن ایک جنت کا نام ہے کیونکہ ایک اور آیت آئی ہے جَنّٰتُ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ (الّتی اسم موصول موصوف ہے اور وَعَدَ الرَّحْمٰنُ پورا جملہ اس کی صفت ہے) اور اَلَّتِيْ وَالَّذِيْ کی صفت جب جملہ معرفہ ہو تو اَلَّتِيْ کا موصوف بھی معرفہ ہونا چاہیے لہذا) عدن جنت کے اندر خاص شہر کا (یا مخصوص مقام کا) نام ہے (مصدری معنی مراد نہیں ہے) میں کہتا ہوں اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

ابن مبارک طبرانی اور ابو الشیخ نے حضرت عمران بن حصین اور حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ آیت وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا حضور ﷺ نے فرمایا وہ موتی کا ایک محل ہو گا جس میں یاقوت سرخ کے ستر مکان ہوں گے ہر مکان میں سبز زمرد کی ستر کوٹھریاں ہوں گی۔ ہر کوٹھری میں ایک تخت ہو گا ہر تخت پر رنگا رنگ کے ستر بستر ہوں گے۔ ہر بستر پر ایک فراخ چشم حور ہو گی جو جنتی کی بی بی ہو گی۔ ہر گھر میں ستر خادم اور خادمائیں بھی مامور ہوں گی مومن کے پاس روزانہ ہر صبح کے وقت کھانے پینے کی چیزیں آئینگی جو ہر کوٹھری میں ملیں گی۔

ابو الشیخ نے کتاب العظمۃ میں حضرت ابن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ اللہ نے چار چیزوں کو اپنے دست خاص سے بنایا

Marfat.com

عرش ، قلم ، آدم ، عدن۔ پھر فرمایا ہو جا (ظاہر) وہ چیز ہو گئی (یعنی عالم ظہور میں آگئی) بزار ابن جریر ابن مردویہ اور المؤتلف والمختلف میں دار قطنی نے حضرت ابو درداء کی روایت سے رسول اللہ صلعم کا فرمان نقل کیا ہے کہ عدن اللہ کا (قائم کیا ہوا) ایک ایسا مکان ہے جس کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی انسان کے دل میں اس کا تصور گذار اس میں صرف تین (گروہوں کے) لوگ رہیں گے انبیاء صدیق اور شہید۔ اللہ فرمائے گا خوشی ہو اس کے لیے جو تیرے اندر داخل ہوا۔

صحیحین میں حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے برتن اور تمام چیزیں چاندی کے ہیں اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور تمام چیزیں سونے کی ہیں اور جنت عدن کے اندر اہل جنت اور ان کے رب کے درمیان کوئی حجاب نہ ہوگا۔ صرف (اللہ کی) کبریائی کی چادر ہو گی جو اللہ کے چہرے پر پڑی ہو گی۔

امام احمد ابو داؤد طیالسی اور بیہقی نے یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ فردوس کے جنتیں چار ہوں گی ، دو جنتیں سونے کی ہوں گی الخ بیہقی نے کبریائی کی چادر کی تشریح میں کہا کہ اللہ کی کبریائی اور عظمت کی وجہ سے کوئی بھی اذن کے بغیر اس کو نہ دیکھ سکے گا تو گویا اللہ کی کبریائی اور عظمت اس کو (اہل جنت کی نظروں سے) پوشیدہ رکھنے کا ذریعہ ہو گی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا وہ یعنی عدن کے باغات جنت کے وسط میں ہیں۔

حضرت عبداللہ عمرو بن عاص نے فرمایا جنت کے اندر ایک محل ہے جس کو عدن کہا جاتا ہے ، اس کے گرداگرد برج اور سبزہ زار ہیں اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں جن میں سوائے نبی اور صدیق اور شہید کے کوئی اور داخل نہ ہو گا۔

حسن بصری نے فرمایا وہ سونے کا قصر ہے جس کے اندر سوائے نبی یا صدیق یا شہید یا منصف حاکم کے اور کوئی داخل نہ ہو گا۔

عطاء بن سائب کا قول ہے۔ عدن جنت میں ایک نہر ہے جس کے دونوں کناروں پر باغ ہیں۔

مقاتل اور کلبی نے کہا عدن جنت کے اندر ایک بہت اونچا درجہ ہے اسی میں تسنیم کا چشمہ ہے اس درجہ کے گرداگرد گھنے درخت ہیں جن سے ابتدائے آفرینش سے وہ گھرا ہوا اور ڈھانپا ہوا ہے اور اس وقت تک چھپا رہے گا کہ اس میں انبیاء صدیق شہید اور صالح الاعمال اور وہ لوگ داخل ہوں جن کا داخلہ اللہ کے مشیت میں ہے عدن موتی ، یاقوت اور سونے کے محل ہیں عرش کے نیچے سے ایک پاکیزہ خوشبودار ہوا چلے گی اور اہل عدن کے پاس ڈھیروں سفید مشک لے کر آئے گی (جیسے طوفانی ہوا کے جھکڑ ڈھیروں ریت ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ لا کر ڈال دیتے ہیں)

قرطبی کا بیان ہے لوگ کہتے ہیں جنتیں سات ہیں دار الخلد ، دار الجناں ، دار السلام ، جنت عدن ، جنت الماوی جنت النعیم اور فردوس ، بعض نے حضرت ابو موسیٰ کی روایت کردہ حدیث کی وجہ سے صرف چار جنتیں قرار دی ہیں جنت الماوی خلد ، عدن ، دار اسلام۔ اس حدیث میں صرف چار کا ذکر آیا ہے۔ حکیم (ترمذی) نے اسی قول کو ترجیح دی ہے حکیم نے کہا کہ دو جنتیں مقربین کے لیے ہیں اور دو جنتیں اصحاب الیمین (دائیں سمت والوں) کے لیے اور ہر جنت میں بکثرت درجات ، طباقات اور دروازے ہیں۔ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً" فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ کا عطف جنّاتٍ" تجری پر ہے ہر شخص کا مسکن جدا ہو گا۔ اس لئے مساکن متعدد ہوں گے یا یوں کہا جائے کہ مجموعہ کے مساکن مجموعہ ہوں گے اس طرح ہر فرد کا مسکن ایک ہو گا اور مجموعہ کے مساکن مجموعہ یا یوں کہو کہ جنات کے تین اوصاف بیان فرمائے جو الگ الگ ہیں ، اول تو یہ فرمایا کہ جن (دنیوی) مساکن سے وہ واقف ہیں جنت کے مساکن ان سے اعلیٰ اور شاندار ہوں گے مساکن کا لفظ سنتے ہی سننے والوں کی طبیعتوں کا جھکاؤ اور میلان اس طرف ہو جاتا ہے۔ پھر طیبۃً" فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ جنت کے مساکن ہر طرح کی کدورت سے پاک صاف ہوں گے۔ ہر جاذب نظر صورت اور لذت بخش مرغوب طبع چیز ان میں موجود ہو گی پھر عدن کا لفظ فرما کر یہ بتایا کہ وہاں قیام دوامی ہو گا کبھی کسی تغیر اور فناء کا گذر نہ ہو گا۔ پھر ذیل کے جملہ میں سب سے بڑی نعمت کا ذکر کیا اور فرمایا۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ اور اللہ کی خوشنودی بھی (ان کو ملے گی جو) سب نعمتوں سے بڑی ہو گی۔

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اہل جنت سے فرمائے گا اے

Marfat.com

جنت والو۔ جنتی جواب دیں گے اے ہمارے رب ہم حاضر ہیں اور خدمت کے لیے موجود ہیں۔ اللہ فرمائے گا کیا تم خوش ہو گئے جنتی عرض کریں گے راضی ہونے کی کیا وجہ تو نے تو ہم کو وہ چیزیں عطا فرمائیں جو کسی کو نہیں دیں۔ اللہ فرمائے گا میں نے اس سب سے بڑھ کر ایک چیز اور تم کو دی ہے جنتی عرض کریں گے وہ کیا چیز ہے اللہ فرمائے گا میں اپنی خوشنودی تم پر نازل کر رہا ہوں آئندہ کبھی تم سے ناراض نہ ہونگا۔

طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابر کی روایت سے مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ فرمائے گا کیا تم کو کسی اور چیز کی طلب ہے جو میں عطا کر دوں جنتی عرض کریں گے اے ہمارے مالک جو کچھ تو نے ہم کو عطا فرما دیا اس سے بڑھ کر اور کیا چیز ہے۔ اللہ فرمائے گا اللہ کی (تھوڑی) رضامندی ان سب سے بڑھ کر ہے۔

ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ یہ ہی (یعنی اللہ کی رضامندی یا وہ نعمتیں جن کا ذکر سابق آیت میں کر دیا گیا ہے) بڑی کامیابی ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہر کامیابی حقیر ہے۔ ع ۹ ۱۵

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ اے نبی کافروں سے جہاد کرو یعنی تلوار سے۔

وَالْمُنٰفِقِيْنَ اور منافقوں سے (بھی) جہاد کرو۔ حضرت ابن عباس اور ضحاک نے فرمایا یعنی زبان سے منافقوں سے جہاد کرو۔ ان سے کلام میں نرمی نہ کرو درشتی کرو۔ حسن اور قتادہ نے کہا یعنی ان پر شرعی حدود قائم کرو۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا اگر ہاتھ سے ہو سکے تو ہاتھ سے جہاد کرے۔ ہاتھ سے ممکن نہ ہو تو زبان سے جہاد کرے یہ بھی ممکن نہ ہو تو دل سے جہاد کرے حضرت ابن مسعود نے یہ بھی فرمایا کہ منافق سے ملاقات ترش روئی کے ساتھ کی جائے (یعنی خوش اخلاقی کا سلوک اس سے نہ کیا جائے)

وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۭ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ۝ اور انپر سختی کیجئے (دنیا میں تو یہ اس کے مستحق ہیں اور آخرت میں) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے۔

عطاء نے کہا اس آیت نے عفو اور درگذر کے ہر حکم کو منسوخ کر دیا (گویا عطاء کے نزدیک منافقوں سے سلوک کے متعلق یہ آیت آخری آیت ہے)

ابن جریر نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم ایک درخت کے سایہ میں تشریف فرما تھے، بیٹھے بیٹھے فرمایا ابھی ایک شخص آئے گا جو شیطان کی آنکھوں سے دیکھتا ہے یہ کہتے ہی نیلی آنکھوں والا ایک شخص سامنے سے نمودار ہو گیا حضور ﷺ نے اس کو بلایا اور فرمایا تو اور تیرے ساتھی مجھے کیوں برا کہتے ہیں یہ کلام سن کر وہ شخص چلا گیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر حاضر ہوا اور سب نے اللہ کی قسم کھا کر کہا ہم نے (آپ کے متعلق کوئی بری بات) نہیں کہی اس قول و قسم کے بعد رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے درگذر فرمائی اس پر آیت ذیل کا نزول ہوا۔

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ۭ وہ لوگ قسمیں کھا جاتے ہیں کہ ہم نے فلانی بات نہیں کہی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جلاس بن سوید بن صامت ان لوگوں میں سے تھا جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوہ تبوک کو نہیں گئے تھے۔ جلاس نے کہا تھا کہ اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں (کہ اس کی سچائی بھی نہیں سمجھتے یا یہ مطلب کہ ہم گدھوں سے بھی زیادہ ذلیل ہیں) حضرت عمیر بن سعد نے یہ اطلاع رسول اللہ کو جا کر دیدی جلاس قسم کھا گیا کہ میں نے تو یہ بات نہیں کہی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ آیت کے نزول کے بعد جلاس نے سچے دل سے توبہ کر لی تھی اور اس کی توبہ اچھی ثابت ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے بھی یہی بیان کیا ہے ابن اسحاق نے بھی حضرت کعب کا بیان یونہی نقل کیا ہے اور ابن سعد نے طبقات میں عروہ کی روایت سے اسی

کسی سے مراد ملائکہ ہیں دوزخی مراد نہیں ہیں نہ دوسری بے جان اور بے عقل مخلوق مراد ہے۔ یہی ظاہر مطلب ہے۔ (از مصنف)

Marfat.com

طرح بیان کیا ہے بغوی نے کلبی کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول جلاس بن سوید کے بارے میں ہوا رسول اللہ ﷺ نے ایک روز تبوک میں خطبہ دیا تھا جس میں منافقوں کا ذکر کیا تھا ان کو برا کہا تھا اور گندگی قرار دیا تھا (یعنی فرمایا تھا کہ منافق رجس ہیں) جلاس (کو اس قول کی اطلاع پہونچی تو اس) نے کہا اگر محمد ﷺ سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بدتر ہیں۔ جب رسول اللہ ﷺ تبوک سے مدینے کو واپس تشریف لائے تو حضرت عامر بن قیس نے حاضر ہو کر جلاس کے قول کی اطلاع آپ کو دے دی۔ جلاس نے کہا یا رسول اللہ یہ مجھ پر دروغ بندی کر رہا ہے رسول اللہ ﷺ نے دونوں کو منبر کے پاس جا کر قسم کھانے کا حکم دیا۔ جلاس نے عصر کے بعد منبر کے پاس جا کر قسم کھائی اور کہا قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں نے یہ بات نہیں کہی اور اس نے مجھ پر جھوٹ باندھا ہے پھر عامر کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا قسم ہے اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے یہ بات کہی اور میں نے اس پر دروغ بندی نہیں۔ پھر حضرت عامر نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی اے اللہ اپنے سچے نبی پر سچی بات نازل فرما دے۔ رسول اللہ نے فرمایا مومن۔۔۔۔۔

امین ہوتا ہے اس کے بعد دونوں الگ الگ نہ ہونے پائے تھے کہ جبرئیل یہ آیت حَتّٰی یَتُوْبُوْا خَیْرًا لَّهُمْ تک لے کر نازل ہوئے جلاس آیت سن کر فوراً کھڑا ہو گیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں سن رہا ہوں کہ اللہ نے توبہ کی پیش کش فرمائی ہے عامر بن قیس اپنے قول میں سچے ہیں میں نے یہ بات کہی تھی اب میں اللہ سے معافی چاہتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں رسول اللہ نے جلاس کی توبہ قبول فرمالی جلاس نے توبہ کر لی اور ان کی توبہ صحیح ثابت ہوئی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت انس بن مالک کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ (ایک روز) خطبہ دے رہے تھے، ایک منافق کہنے لگا اگر یہ شخص سچا ہے تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں حضرت زید بن ارقم نے یہ بات سن لی اور رسول اللہ ﷺ تک پہنچا دی مگر وہ شخص منکر ہو گیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ابن جریر نے لکھا ہے کہ قتادہ نے بیان کیا ہم سے ذکر کیا گیا تھا کہ دو آدمیوں کا جھگڑا ہو گیا ایک جہینہ کا تھا اور دوسرا غفار کا قبیلہ عجینہ انصار کا حلیف تھا غفاری شخص جہینی پر غالب آگیا عبداللہ بن اوس بولا اپنے بھائی کی مدد کرو۔ ہماری اور محمد کی حالت تو ایسی ہے جیسے کہاوت ہے کہ اپنے کتے کو (کھلا کھلا کر) موٹا کر وہ تجھے ہی کھائے گا جب ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو عزت والے (ان) ذلیلوں کو نکال باہر کر دیں گے ایک مسلمان نے اس قول کی اطلاع رسول اللہ کو پہنچا دی حضور نے آدمی بھیج کر عبداللہ بن اوس کو بلوایا اور اس سے جواب طلب کیا وہ اللہ کی قسمیں کھانے لگا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ عبداللہ بن اوس کا) یہ واقعہ غزوہ بنی المصطلق کا تھا جس کا ذکر ہم نے سورت منافقوں میں کر دیا ہے۔

وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ حالانکہ یقیناً انہوں نے کفر کی بات کہی تھی بعض نے کہا کہ کلمۂ کفر سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کا گالیاں دینا۔ بعض کا قول ہے کہ جلاس کی بات مراد ہے اس نے کہا تھا کہ محمد اگر سچے ہیں تو ہم گدھوں سے بھی بدتر ہیں۔ بعض کے نزدیک عبداللہ بن اوس کا یہ قول ہے کہ مدینہ پہنچ کر عزت والے ان ذلیلوں کو نکال باہر کر دیں گے۔

وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ یعنی اسلام (کو ظاہر کرنے) کے بعد انہوں نے کفر (ظاہر) کیا۔

وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا اور انہوں نے ایسی بات کا ارادہ کیا تھا جو ان کے ہاتھ نہ لگی روایت میں آیا ہے کہ تبوک کے راستہ میں بارہ منافق آکر گھاٹی میں کھڑے ہو گئے تاکہ اچانک رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دیں جبرئیل نے آکر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے دی اور (اللہ کی طرف سے) حکم دیا کہ کسی آدمی کو بھیج دو تاکہ ان کی اونٹنیوں (کے منہ پر مار کر ان) کے رخ پلٹ دے حضور ﷺ نے حضرت حذیفہ کو بھیج دیا، یہ قصہ پہلے گزر چکا ہے۔ آیت میں یہی واقعہ مراد ہے۔

طبرانی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے جس کو اسود کہا جاتا تھا رسول اللہ ﷺ کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مجاہد نے کہا منافقوں نے اس مسلمان کو قتل کر دینے کا ارادہ کیا تھا جس نے ان کا قول لحن شر من الحمیر سن پایا تھا وہ اس شخص کو قتل کر کے راز کو افشا ہونے سے روکنا چاہتے تھے۔ بعض نے کہا غزوہ بنی المصطلق کے موقع پر رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو مدینہ سے نکال دینے کا ارادہ منافقوں نے کر لیا تھا۔ سدی نے کہا منافقوں نے کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر ہم عبداللہ بن ابی کے سر پر سرداری کا تاج رکھ دیں گے لیکن ان کی یہ مراد پوری نہیں ہوئی۔

Marfat.com

وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اور یہ انہوں نے صرف اس بات کا بدلہ دیا کہ ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے اللہ کے فضل (رزق) سے مال دار کر دیا۔ یعنی ان کو کوئی امر ناگوار نہیں ہوا اور نہ ان کے لیے کوئی بات موجب انتقام ہوئی سوائے اس کے کہ اللہ اور اللہ کے رسول نے ان کے ساتھ بھلائی کی تھی اور کسی کے ساتھ حسن سلوک کرنا دل میں محبت اور کردار میں اطاعت پیدا کرنے کا سبب ہے۔ دشمنی اور جذبہ انتقام کو برانگیختہ کرنے کا باعث نہیں (مگر انہوں نے احسان کا بدلہ عداوت اور انتقام سے دیا) اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ لوگ انتہائی شریر اور خبیث ہیں بھلائی کا بدلہ برائی سے دے رہے ہیں۔ ابن جریر اور ابو الشیخ نے عکرمہ کی روایت سے بیان کیا کہ ابن عدی بن کعب کے غلام نے کسی انصاری کو قتل کر دیا تھا حضور نے اس کے خون بہا میں بارہ ہزار (درہم) ادا کرنے کا فیصلہ کیا بغوی نے لکھا ہے کہ جلاس کا غلام مارا گیا تھا حضور ﷺ نے اس کی دیت میں بارہ ہزار درہم جلاس کو دلوائے جس سے وہ مال دار ہو گیا، اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

کلبی نے کہا رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں رونق افروز ہونے سے پہلے اہل مدینہ بڑے تنگ حال تھے۔ حضور کی تشریف آوری کے بعد اموال غنیمت کی وجہ سے خوش حال ہو گئے۔

فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ اب اگر (کفر و نفاق سے) یہ توبہ کر لیں گے تو ان کے لیے بہتر ہو گا۔ سطور بالا میں ہم لکھ چکے ہیں کہ اسی آیت نے جلاس کو توبہ کرنے پر مجبور کیا۔

وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ اور اگر (اخلاص و توبہ سے) انہوں نے منہ پھیرا تو اللہ ان کو دنیا میں (رسوائی اور قتل کا) اور آخرت میں (دوزخ کا) دردناک عذاب دے گا۔

وَمَا لَهُمْ فِي الْاَرْضِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾ اور ان کا دنیا میں نہ کوئی یار ہے نہ مددگار جو انہیں قتل و رسوائی سے بچا سکے۔

بغوی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور طبرانی نے نیز بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابو امامہ باہلی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ثعلبہ بن حاطب انصاری نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ دعا کر دیجئے کہ اللہ مجھے مال (کثیر) عطا فرما دے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا اللہ کے رسول کا طریقہ تمہارے لیے لائق پیروی نہیں ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کی ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں چاہتا کہ سونے کے پہاڑ میرے ساتھ چلیں (جہاں میں جاؤں میرے ساتھ جائیں) تو وہ ضرور چلتے (ثعلبہ خاموش ہو گیا) پھر کچھ مدت کے بعد حاضر خدمت ہو کر اس نے درخواست کی یا رسول اللہ اللہ سے دعا فرما دیجئے کہ وہ مجھے مال نصیب کر دے۔ قسم ہے اس کی جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے اگر اللہ نے مجھے مال نصیب کر دیا تو میں ہر حقدار کا حق ضرور ادا کروں گا حضور نے دعا فرمائی اے اللہ ثعلبہ کو مال عطا فرما دے۔ راوی کا بیان ہے کہ اس دعا کے بعد ثعلبہ نے کچھ بکریاں پالیں اور ان میں اتنی بڑھوتری ہوئی کہ مدینہ میں ان کے رہنے کی گنجائش نہیں رہی مجبوراً ثعلبہ بکریاں لے کر مدینہ کی کسی وادی میں جا بسا اور بکریوں میں کیڑوں کی طرح بڑھوتری ہوتی رہی (اب یہ نوبت آ گئی کہ) ثعلبہ ظہر اور عصر کی نمازیں تو رسول اللہ کے ساتھ پڑھتا تھا۔ باقی نمازیں اپنی بکریوں کے مسکن میں پڑھتا تھا اس کے بعد بھی بکریوں میں اضافہ اور کثرت ہوتی رہی اور اتنی تعداد بڑھی کہ مدینہ سے دوران کو لے کر رہنا پڑا صرف جمعہ کی نماز کے لئے مدینہ آنے کا موقع ملتا باقی نمازیں بکریوں کی قیام گاہ پر پڑھتا تھا۔ اور ترقی ہوئی تو اس کو مدینہ سے اور دور بکریاں لے کر رہنا پڑا اب جمعہ اور جماعت سے مکمل طور پر غیر حاضری ہو گئی جمعہ کے دن وہ صرف اتنا کرتا کہ راستہ میں کھڑا ہو جاتا اور لوگوں سے ملاقات کر کے خبریں دریافت کر لیتا ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ثعلبہ کا کیا ہوا۔ صحابہ نے عرض کیا اس نے بکریاں پال لی ہیں اور بکریاں اتنی ہیں کہ ایک وادی (ہی) میں سماتی ہیں (اس لیئے جماعت سے غیر حاضر رہتا ہے) حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ ثعلبہ ہلاک ہو گیا یہ لفظ حضور نے تین مرتبہ فرمایا۔ اس کی بعد جب وصولی زکوۃ کا حکم نازل ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے وصول صدقات کی لیے دو آدمی مقرر کیئے ایک بنی سلیم کا اور ایک جہینہ کا دونوں کو ایک تحریر دیدی جس میں (قابل زکوۃ جانوروں کی)

Marfat.com

عمریں لکھوادیں اور یہ بھی ہدایت کردی کہ کس طرح وصول کریں اور زبانی حکم دے دیا کہ ثعلبہ بن حاطب اور بنی سلیم کے فلاں شخص کے پاس جاکر ان سے زکوۃ (کے جانور) وصول کرنا حسب الحکم دونوں (پہلے) ثعلبہ کے پاس گئے رسول اللہ ﷺ کی تحریر پڑھ واکر سنائی اور زکوۃ کے جانور طلب کیے ثعلبہ بولا یہ کیسے ٹیکس ہیں یہ تو (کافروں پر لگائے گئے) ٹیکسوں کی طرح ہیں اب تو تم کو جہاں جانا ہے جاؤ جب اور جگہ سے فارغ ہو جاؤ تو لوٹ کر میرے پاس آنا دونوں حضرات چلے گئے بنی سلیم والے شخص نے جب ان بزرگوں کی آمد کی خبر سنی تو اپنے جانوروں میں سے بہترین عمر والے جانور چھانٹ کر زکوۃ میں پیش کیئے۔ ان محصلوں نے کہا ایسے (بہترین) جانور دینا تو تم پر لازم نہیں ہیں سلمی نے کہا لے لیجئے میں اپنی خوشی سے دے رہا ہوں، ان حضرات نے لے لیئے پھر دوسرے مال دار کے پاس گئے اور ان سے زکوۃ وصول کی آخر میں ثعلبہ کے پاس لوٹ کر آئے ثعلبہ کے پاس لوٹ کر آئے ثعلبہ نے کہا ذرا مجھے اپنی تحریر تو دکھاؤ تحریر پڑھنے کے بعد بولا یہ کیا ٹیکس لگائے ہیں یہ تو (غیر مسلموں کے) ٹیکسوں کے بھائی ہیں تم دونوں (اب تو) چلے جاؤ میں سوچ لوں رائے قائم کرلوں دونوں حضرات چلے گئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ حضور نے تین بار فرمایا ہائے۔ ثعلبہ ہلاک ہو گیا۔ پھر سلمی شخص کی لیے دعا خیر فرمائی۔ ثعلبہ نے جو جواب دیا تھا ان حضرات نے وہ بعد کو بتلایا۔ اس پر آیت ذیل ثعلبہ کے حق میں نازل ہوئی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۷۵﴾

اور ان میں سے بعض آدمی ایسا بھی ہے جس نے اللہ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ ہم کو اپنے فضل سے عطا فرمادے گا تو ہم ضرور صدقہ دیں گے اور یقیناً" صالحین (نیکوکار لوگوں) میں سے ہوں گے۔

ابن جریر اور ابن مردویہ نے عوفی کی سند سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ منافقوں میں سے کچھ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ سے وعدہ کیا کہ اگر اللہ ہم کو دے گا تو ہم زکوۃ دیں گے اور اہل صلاح کے سے کام کریں گے۔ مراد یہ ہے کہ صلۃ الرحم (کنبہ پروری) کریں گے زکوۃ ادا کریں گے اور اللہ کی راہ میں جو خرچ کرنا واجب یا مستحب ہو گا وہ کریں گے۔

فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۶﴾

سو جب اللہ نے ان کو اپنے فضل سے بہت سا مال دے دیا تو وہ اس میں بخل کرنے لگے (کہ زکوۃ نہ دی) اور اطاعت سے روگردانی کرنے لگے اور وہ تو (اطاعت سے) منہ موڑنے کے پہلے سے عادی ہیں۔ یعنی مال خرچ کرنے میں بخل کرتے ہیں۔ حق اللہ ادا نہیں کرتے اللہ اور اس کے رسول کی طاعت سے منہ موڑ لیتے ہیں اور طاعت سے کترا جانا ان کی عادت ہی ہے۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِيْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰى يَوْمِ يَلْقَوْنَهٗ

سو اللہ تعالیٰ نے ان کی سزا میں ان کے دلوں کے اندر نفاق قائم کر دیا جو خدا کے پاس جانے کے دن تک رہے گا۔

یعنی اسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے یا بخل نے ان کے دلوں میں بداعتقادی پیدا کر دی، انہوں نے اللہ کی ادائے زکوۃ کے حکم کی تعمیل واجب نہ سمجھی اور وجوب زکوۃ کا انکار کر دیا اور اس کو جزیہ کی طرح قرار دیا۔ اور یہ بداعتقادی ان کے دلوں میں مرتے دم تک رہے گی یا قیامت کے دن تک رہے گی جبکہ کرتوت کی سزا ان کے سامنے آئے گی یا قبر میں (عذاب سامنے) آنے تک رہے گی مقصد یہ ہے کہ اللہ نے توبہ سے ان کو محروم کر دیا ان کی موت نفاق پر ہو گی۔

بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾

کیونکہ انہوں نے اللہ سے جو (زکوۃ ادا کرنے اور نیک ہونے کا) وعدہ کیا تھا اس کی خلافت ورزی کی اور اس لیے بھی کہ وہ جھوٹ تھے۔ وعدہ خلافی جھوٹ پر مشتمل ہوتی ہے۔ (ایک تو وعدہ کے خلاف کرنا بجائے خود برا ہے دوسرے وعدہ خلافی کی اندر جو جھوٹ ہوتا ہے وہ بھی قبیح ہوتا ہے اس لیے) وعدہ خلافی میں دوہری برائی ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (عملی) منافق کی تین نشانیاں ہیں بات کرے تو جھوٹ بولے وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ متفق علیہ من حدیث ابی ہریرہ۔

Marfat.com

مسلم کی روایت میں حدیث کے الفاظ اتنے زائد ہیں خواہ وہ روزے رکھتا اور نماز پڑھتا ہو اور مسلمان ہونے کا دعوا یدار ہو۔
بغوی اور ابن جریر وغیرہ نے حضرت ابوامامہ کی روایت سے جو مذکورہ بالا حدیث بیان کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جب آیت مذکورہ نازل ہوئی تو اس وقت رسول اللہ کے پاس ثعلبہ کا کوئی رشتہ دار موجود تھا۔ وہ آیت سن کر فوراً" ثعلبہ کے پاس پہنچا اور کہا ارے ثعلبہ تیرے بارے میں اللہ نے ایسا ایسا نازل فرمایا ہے۔ ثعلبہ سنتے ہی خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ میرا مال زکوۃ قبول فرمالیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے مجھے تیری زکوۃ قبول کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ ثعلبہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا حضور نے فرمایا یہ تیرا کرتوت ہے میں نے تجھے حکم دیا تھا مگر تو نے نہیں مانا۔ غرض رسول اللہ ﷺ نے جب ثعلبہ کی زکوۃ قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ اپنے گھر لوٹ گیا۔ پھر حضور ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر مال زکوۃ قبول کرنے کی استدعا کی۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا رسول اللہ نے قبول نہیں فرمائی اور میں قبول کر لوں (ایسا نہیں ہو سکتا) حضرت ابو بکرؓ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ والی بنائے گئے تو ثعلبہ نے آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مال زکوۃ کو قبول کرنے کی درخواست کی، آپ نے فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اور ابو بکر نے تیری زکوۃ قبول نہیں کیا اور میں قبول کر لوں (ایسا نہیں ہو سکتا) چنانچہ آپ نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو ثعلبہ ان کے پاس بھی آیا مگر آپ نے بھی اس کی زکوۃ قبول نہیں کی۔ آپ ہی کے خلافت میں ثعلبہ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابن عباس، سعید بن جبیر اور قتادہ کا بیان ہے کہ ثعلبہ انصار کی ایک مجلس میں آیا اور ان کو گواہ کر کے کہا کہ اگر اللہ مجھے اپنے فضل سے نوازے گا تو میں اس میں سے ہر حقدار کا حق ادا کروں گا خیرات دوں گا اور اقرباء پروری کروں گا (اتفاقاً) اس کے چچا کے بیٹے کا انتقال ہو گیا اور ثعلبہ اس کے مال کا وارث ہوا مگر اس نے اپنا قول پورا نہیں کیا اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

حسن بصری اور مجاہد کا قول ہے کہ اس آیت کا نزول ثعلبہ بن حاطب اور معتب بن قشیر کے حق میں ہوا یہ دونوں بنی عمرو بن عوف کے خاندان میں سے تھے قبیلہ کے سرداروں کی ایک جماعت بیٹھی ہوئی تھی یہ دونوں ادھر سے گذرے اور ان کے سامنے کہا خدا کی قسم اللہ اگر ہم کو اپنے فضل سے (مال) عطا فرمائے گا تو ہم (فرض و مستحب) خیرات کریں گے لیکن جب اللہ نے ان کو عطا فرمایا تو یہ کنجوس ہو گئے (اور زکوۃ بھی نہیں دی)

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

کیا یہ (منافق یا وہ لوگ جنہوں نے زبان سے اللہ سے اپنی پوشیدہ نیتوں کے خلاف وعدہ کیا تھا) نہیں جانتے کہ اللہ ان کے چھپے (ارادوں اور نفاق) سے اور سرگوشیوں سے (جن میں اصول اسلام پر طعن کرتے اور زکوۃ کو ٹیکس قرار دیتے ہیں) کو واقف ہے اور اللہ چھپی باتوں کو خوب جانتا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔

صحیح بخاری و صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا آیت صدقہ نازل ہوئی تو اس زمانہ میں ہم اپنی پشت پر (مزدوری کا) بوجھ اٹھایا کرتے تھے (یعنی بار برداری کی مزدوری کرتے تھے مگر آیت صدقہ نازل ہونے کا یہ اثر پڑا کہ) فوراً بعض آدمیوں نے بہت سا مال لا کر خیرات کیا اور بعض نے صرف ایک صاع دیا اور اس پر منافق زیادہ خیرات کرنے والے کے متعلق کہنے لگے اس نے دکھاوے کے لیے دیا ہے۔ اور ایک صاع دینے والے کے متعلق کہا اس کے دینے کی اللہ کو ضرورت نہیں (اس حقیر مال کا کیا ثواب) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

یہ (منافق) ایسے ہیں کہ نفل صدقہ دینے والے مسلمانوں پر صدقات کے بارے میں طعن کرتے ہیں اور (خصوصاً) ان لوگوں پر (اور زیادہ) جن کو بجز محنت مزدوری کے اور کچھ میسر نہیں ہوتا یعنی ان سے تمسخر کرتے ہیں اللہ انکو اس تمسخر کا خاص بدلہ تو دے گا اور ان کو (آخرت میں) دردناک سزا ملے گی۔



Marfat.com

الْمُطَّوِّعِيْنَ (بخوشی دینے والے) اپنی دلی رغبت سے دینے والے۔ فِی الصَّدَقٰتِ سے مراد خیرات زیادہ دینا یعنی اپنی خوشی سے خیرات میں زیادہ مال دینے والے۔ جہد کا معنی ہے طاقت یعنی اپنے قابو اور استطاعت کے مطابق تھوڑا سا مال دیتے ہیں (زیادہ مال ان کے پاس نہیں ہوتا)

بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب دی حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے چار ہزار درہم لاکر پیش کئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے چار ہزار خدمت گرامی میں لاکر حاضر کر دیئے آپ ان کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیجئے۔ چار ہزار اپنی اہل و عیال کے لئے چھوڑ آیا ہوں، فرمایا جو کچھ تم نے دیا اور جو کچھ روک لیا اللہ (سب میں) تم کو برکت دے اس دعا کا اثر تھا کہ اللہ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ کے مال میں اتنی برکت دی کہ وفات کے وقت آپ کی دو بیبیاں تھیں۔ جن کا میراثی حصہ حضرت عبدالرحمٰنؓ کے کل ترکہ کا آٹھواں حصہ تھا اس آٹھویں حصہ میں دو بیبیوں کو ایک لاکھ ساٹھ ہزار درہم ملے۔ دوسری روایت میں آیا کہ ایک بی بی کا حصہ (تقسیم اور حساب سے پہلے دوسرے وارثوں نے) اسی ۸۰ ہزار درہم میں لے لیا اور واقع میں اس کا میراثی حصہ اسی ہزار سے زائد تھا۔

اس روز حضرت عاصمؓ بن عدی عجلانی نے سو وسق چھوارے دیئے۔ (ایک وسق ساٹھ صاع ایک صاع چار سیر) ابو عقیل انصاریؓ نے جن کا نام حبحاب تھا اس روز ایک صاع چھوارے پیش کیے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ رات بھر پانی کھینچ کر میں نے دو صاع کی مزدوری کی تھی، ایک صاع گھر والوں کے لیے چھوڑ آیا اور ایک صاع حاضر خدمت کر دیئے رسول اللہ ﷺ نے وہ چھوارے تمام مال صدقات (کے ڈھیر) پر بکھیر دینے کا حکم دیا اس پر منافقوں نے طنز کیا کہنے لگے عبدالرحمٰن اور عاصم نے جو کچھ دیا وہ دکھاوٹ کے لیے دیا اور ابو عقیل کا ایک صاع ناقابل قدر ہے اس کی اللہ اور اس کے رسول کو کوئی ضرورت نہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کی مفلسی کا تذکرہ آجائے اور مال خیرات میں سے اس کو کچھ مل جائے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی المطوعین سے مراد حضرت عبدالرحمٰن اور حضرت عاصم ہیں اور الذین لا یجدون الخ سے مراد حضرت ابو عقیل۔ میں کہتا ہوں یہ قصہ حضرت ابن عباس کی روایت سے امام احمد ابن جریر اور ابن مردویہ نے اور حضرت عبدالرحمٰن کی ایک بیوی (جس کا نام تماضر تھا) کا اسی ہزار درہم لے کر اپنے حصہ سے دست بردار ہو جانے کا قصہ حضرت ابو عقیل کی روایت سے طبرانی نے بیان کیا ہے اور بعینہ یہی قصہ حضرت ابو ہریرہ حضرت ابو سعید خدری حضرت ابو عقیل حضرت عمیرہ بنت سہل بن رافع کی روایات سے بھی منقول ہے جس کو مفصل ابن مردویہ نے نقل کیا ہے۔

اللہ کے مذاق کرنے سے مراد ہے مذاق اڑانے کی سزا دینی۔ بیہقی نے حسن کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگوں سے استہزاء کرنے والوں کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا آجاؤ وہ اپنی بے چینی اور غم کے ساتھ آئیں گے اور داخل ہونے والے ہی ہوں گے کہ دروازہ بند کر لیا جائے گا۔ یہ مذاق ان سے اس حد تک ہوتا رہے گا کہ آخر کار جب ان کے لیے جنت کا کوئی دروازہ کھولا جائے گا اور ان سے داخل ہونے کو کہا جائے گا۔ تو ناامید ہو جانے کی وجہ سے کوئی آگے نہیں بڑھے گا۔

بیضاوی نے لکھا کہ عبداللہ بن ابی منافق تھا لیکن اس کا بیٹا عبداللہ مؤمن تھا جب عبداللہ بن ابی مرض موت میں مبتلا تھا تو مومن بیٹے نے اپنے باپ کے لئے دعاء مغفرت کرنے کی رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی حضور ﷺ نے دعا کر دی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ؕ

ان (منافقوں) کی لیے آپ دعاء مغفرت کریں یا نہ کریں، دونوں برابر ہیں اگر ان کے لیے ستر ۷۰ بار آپ دعائے مغفرت کریں گے۔ تب بھی اللہ ان کی مغفرت نہیں کرے گا۔ اِسْتَغْفِرْ امر کا صیغہ ہے لیکن مراد (مفہوم امر نہیں بلکہ) استغناء اور عدم استغفار دونوں صورتوں کی برابری کی خبر دینا ہے یعنی دونوں صورتیں ان کے لیے برابر ہیں کوئی بھی

Marfat.com

ان کے واسطے مفید نہیں۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں ان کے لیے ستر مرتبہ سے زیادہ دعائے مغفرت کروں گا۔ اس کے بعد آیت سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ اِسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ نازل ہوئی بخاری و مسلم نے حضرت ابن عمر کی روایت سے اسی معنی کی حدیث نقل کی ہے اور ابن المنذر نے عروہ مجاہد اور قتادہ کی روایت سے۔ ابن المنذر نے عوفی کی سند سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں سن رہا ہوں کہ میرے رب نے منافقوں کے بارے میں (ستر بار سے زائد استغفار کرنے کی) مجھے اجازت دی ہے۔ خدا کی قسم میں ستر بار سے زیادہ (ان کے لیے) دعاء مغفرت کروں گا شاید اللہ ان کو معاف فرمادے اس پر آیت اِسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ نازل ہوئی۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ لفظ سبعین سے رسول اللہ ﷺ نے ستر کا معین عدد سمجھ لیا اسی لئے خیال کیا کہ ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے کا حکم ستر بار استغفار کرنے سے الگ ہوگا (ستر بار استغفار کرنے سے مغفرت نہ ہوگی ستر بار سے زیادہ دعا کی جائے تو مغفرت ہو سکتی ہے۔ حقیقت میں یہ رسول اللہ ﷺ کی شفقت اور رحمت تھی، آپ دل سے خواستگار تھے کہ کسی صورت سے منافقوں کی مغفرت ہو جائے۔ چونکہ اللہ کے کلام میں لفظی اعتبار سے گنجائش تھی کہ ستر سے محدود عدد مراد لے لیا جائے اس لیے ستر بار سے زیادہ استغفار کرنے کا جواز نکال لیا) لیکن آپ کو بتادیا گیا کہ سبعین سے محدود عدد مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے، سات ستر اور سات سو کا لفظ عربی زبان میں کثیر عدد کے لیے عام طور پر مستعمل ہوتا ہے سات کا لفظ دونوں قسم کے عددوں کو مشتمل ہے، تین سے کم کو قلیل اور کم سے کم تین کو کثیر کہا جاتا ہے، زیادہ کی کوئی حد نہیں۔

اس کے علاوہ عدد دو طرح کا ہوتا ہے۔ طاق اور جفت۔ دو پہلا جفت ہے اور تین پہلا طاق۔ ایک عدد ہی نہیں ہے۔ سات جفت و طاق کا پہلا کثیر مجموعہ، اس کے اندر تین طاق ہیں (۷۔۵۔۳)، اور تین جفت (۲۔۴۔۶) اور دس پر حساب ختم ہو جاتا ہے، دس سے اوپر کی گنتی اسی کے ساتھ اکائیوں یا دہائیوں کو جوڑ کر بنتی ہے۔ ۱۲ یعنی دس اور دو۔ ۱۳ یعنی دس اور تین ۲۰، یعنی دو دس۔ ۳۰ یعنی تین دس۔ سو یعنی دس دہائی۔

ستر کے اندر دو لفظ داخل ہیں سات۔ دس۔ سات تو کثرت او جفت و طاق کا سب سے پہلا مجموعہ ہے اور دس پر حساب ختم ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ستر ہر جہت سے کثیر اعداد کا کم سے کم مجموعہ ہے اور کثرت عدد غیر متناہی ہے۔ پس گویا ستر کہنے سے پوری جفت و طاق اور کثیر اعداد مراد لینا صحیح ہے۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (مغفرت سے مایوسی کا فیصلہ) اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا یعنی مغفرت سے مایوسی کا فیصلہ اس لیے نہیں کہ اللہ نے کچھ بخل۔ کیا یا آپ کے اندر کوئی کوتاہی ہے بلکہ اس کی وجہ صرف منافقوں کی عدم قابلیت ہے کفر نے ان کو مغفرت کی قابل ہی نہیں رکھا۔

وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۸۰﴾ اور اللہ نافرمانوں کو ہدایت نہیں کیا کرتا یعنی جو لوگ کفر پر اڑ جائیں اور کفر میں سرکش بن جائیں اللہ ان کو ہدایت نہیں کرتا۔ یہ کلام گویا گزشتہ کلام کی دلیل ہے۔ کافر کی مغفرت کا صرف ایک راستہ ہے وہ یہ کہ کفر سے اس کو روک دیا جائے اس کے کفر کی جڑ اکھاڑ دی جائے اور حق کا راستہ دکھا دیا جائے۔ لیکن جو شخص کفر میں منہمک ہو جس کی سرشت کفر ہو جائے وہ کفر سے باز نہیں آسکتا اور راہ حق پر نہیں چل سکتا۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (غزوہ تبوک سے) رسول اللہ کے پیچھے بیٹھ رہنے والے اپنے اس بیٹھ رہنے پر خوش ہوئے (یعنی جو لوگ ساتھ لے جانے سے چھوڑ دیئے گئے وہ خوش ہوئے)

ابو عبیدہ نے کہا خلاف کا معنی ہے پیچھے یعنی بعد رسول اللہ ﷺ کے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ خلاف کا معنی (اس جگہ) مخالفت ہے اس صورت میں یہ خوش ہونے کی علت کا اظہار ہوگا یعنی جن لوگوں کو ساتھ لے جانے سے چھوڑ دیا گیا وہ اس لیے خوش ہوئے کہ وہ رسول کے مخالف تھے۔

Marfat.com

وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور انکو مال وجان سے اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ناگوار تھا۔ اس جملہ میں مسلمانوں کی درپردہ تعریف ہے جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے جان ومال کی قربانی دی اور رضائے مولیٰ کو حاصل کیا۔

وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ اور انہوں نے (آپس میں بھی اور مسلمانوں کو جہاد سے روکنے کے لیے بھی) کہا کہ گرمی میں جہاد کے لئے نہ نکلو۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو اپنے ہمراہ اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ یہ زمانہ گرمی کا تھا۔ اس پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ سخت گرمی ہے آپ کے لیے باہر نکلنا ناقابل برداشت ہے۔ اس گرمی میں جہاد کو نہ نکلئے اس پر نازل ہوا۔

قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا ؕ آپ کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ بہت زیادہ گرم ہے۔ اور تم نے حکم جہاد کی مخالف کر کے جہنم کی آگ کو اختیار کر لیا۔ یعنی تم بڑے جاہل ہو جو شخص ایک ساعت کی مشقت کو برداشت نہ کرے اور اس کی وجہ سے سخت ترین دوامی تکلیف میں پڑ جائے وہ بڑا جاہل ہے۔

لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ۝۸۱ کیا خوب ہوتا اگر وہ سمجھتے۔

یعنی اگر ان کو معلوم ہو جاتا جہنم کی آگ کیسی ہے اور ان کا ٹھکانا جہنم ہوگا تو پھر طاعت پر آرام کو ترجیح دے کر جہنم کی آگ کو نہ اختیار کرتے۔ محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ جد نے جبار بن صخر اور اپنے ان ساتھیوں سے جو بنی سلمہ کے تھے کہا اس گرمی میں جہاد کو نہ نکلو۔ جد کو جہاد کی رغبت نہ تھی۔ جہاد کی حقانیت میں اس کو شک تھا اور رسول اللہ ﷺ کے متعلق وہ بدگمانی پھیلانا چاہتا تھا (اس لیئے گرمی کے بہانے سے اس نے لوگوں کو جہاد سے روکا) اس پر اللہ نے آیت قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا نازل فرمائی۔

ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سخت گرمی میں تبوک کی طرف (بغرض جہاد) تشریف لے گئے اس پر بنی سلمہ کے ایک شخص نے کہا گرمی جہاد کو نہ جاؤ۔ اس کے رد میں اللہ نے نازل فرمایا قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا" لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ بیہقی نے دلائل میں دو طریقوں سے لکھا ہے کہ ایک منافق نے کہا تھا گرمی میں نہ نکلو اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا ۚ پس یہ ہنسیں گے کم اور روئیں گے بہت۔ یعنی جب رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہ جانے کی وجہ سے یہ خوش ہوئے تو دنیا میں کچھ یا تھوڑی مدت کے لیے ہنس لیں گے اور آخرت میں بہت روئیں گے۔

فَلْيَضْحَكُوْا اور وَلْيَبْكُوْا اگرچہ امر کے صیغے ہیں لیکن مآل کار ان کو جن حالات سے دنیا اور آخرت میں دوچار ہونا تھا ان کی خبر دی گئی ہے یعنی امر بمعنی خبر ہے۔ خبر کو انشا کا جامہ پہنا کر پیش کرنے سے اس بات کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ایسا واقع ہونا یقینی اور قطعی ہے۔

ہنسنے اور رونے سے مراد یا تو حقیقی معنی ہیں یا بطور خوشی اور غم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہنسنے اور رونے کا تعلق صرف آخرت سے ہو یعنی وہ آخرت میں کم ہنسیں گے زیادہ روئیں گے (لیکن منافقوں کو تو آخرت میں کم ہنسنا بھی نصیب نہ ہوگا اس لیے) کم سے مراد ہو گا بالکل عدم (قلت بمعنی عدم عربی میں آتا ہے)

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝۸۲ وہ دنیا میں جو کچھ کماتے تھے اس کی پاداش میں مذکورہ بالا سزا دی جائے گی۔

ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فلیضحکوا قلیلاً کی تفسیر میں فرمایا دنیا قلیل ہے وہ یہاں جتنا

Marfat.com

چاہیں ہنس لیں ،جب دنیا ختم ہو جائے گی اور اللہ کے پاس پہنچیں گے تو ایسا رونا پڑے گا جو کبھی ختم نہ ہوگا ،دوامی ہوگا۔

ابن ماجہ ،ابو یعلی ، بیہقی اور ہنّاد نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا۔ حضرت انس نے بیان کیا ،میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ دوزخیوں کے لیے رونے کا ایک سیلاب چھوڑ دیا جائے گا۔ اتنا روئیں گے کہ آنسو ختم ہو جائیں گے ،پھر خون کا گریہ ہوگا پھر چہروں پر لمبے شگافوں اور خندقوں کی طرح (زخموں ) کے نشان پڑ جائیں گے (اتنے بڑے کہ )اگر ان میں کشتیاں چھوڑ دی جائیں تو بہنے لگیں۔

حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن قیس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ،دوزخی اتنا روئیں گے کہ اگر ان کے آنسوؤں میں کشتیاں چلائی جائیں تو چل جائیں ،پھر وہ خون کے آنسو بہائیں گے۔

ابن ابی الدنیا اور ضیاء نے حضرت زید بن رفیع کی مرفوع روایت سے دوزخ کی حالت اس طرح بیان کی کہ دوزخی جب دوزخ میں داخل ہو جائیں گے۔ تو مدت تک آنسوؤں سے روتے رہیں گے پھر مدت تک لہو کے آنسوؤں سے روئیں گے۔ دوزخ کے فرشتے ان سے کہیں گے ،اے بدنصیب گروہ تم نے دنیا میں (گناہ سے )روکنا چھوڑ دیا آج تمہارا فریادرس کون ہے۔ دوزخی چیخیں گے ،ہمارے باپ اور ماؤ۔ اور بیٹو اور بیٹو۔ ہم قبروں سے پیاسے نکلے اور جب تک وہاں رہے پیاسے رہے اور اب بھی پیاسے ہیں کچھ پانی ہماری طرف بھی بہادو اور جو نعمت اللہ نے تم کو عنایت فرمائی ہے اس میں سے کچھ ہم کو بھی دیدو چالیس برس یونہی چلاتے رہیں گے اور کوئی جواب دینے والا نہ ہوگا پھر جواب ملے گا تو یہ ملے گا کہ تم کو یہیں رہنا ہے آخر وہ ہر بھلائی سے ناامید ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں آیت کا تفسیری مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سب لوگوں کو دنیا میں کم ہنسنا چاہیئے۔ یہ امر استحبابی ہے۔ زیادہ ہنسنا مکروہ ہے۔ ہنسنے کی زیادتی دل کو مردہ کر دیتی ہے۔ اور دنیا میں ہی اللہ کے خوف سے خوب روئیں تاکہ جو گنا ہو گیا ہو اس کی تلافی کی جائے۔ رونے سے گناہ ساقط ہو جائیں۔ حضرت انس کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو کم ہنستے اور زیادہ روتے۔ رواہ احمد والشیخان فی الصحیحین والترمذی والنسائی وابن ماجہ۔ بخاری نے یہ حدیث حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بھی بیان کی ہے حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوذر کی روایت سے اس کو بیان کیا ہے اس میں اتنا زائد بھی ہے اور تم کو کھانا گوارا ہو تا نہ پیتا۔

طبرانی حاکم اور بیہقی نے حضرت ابودرداء کی روایت سے حسب ذیل الفاظ کے ساتھ حدیث مذکور نقل کی ہے جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو بہت روتے کم ہنستے اور میدانوں میں نکل کر اللہ کے سامنے گڑگڑاتے۔ تم کو واقفیت نہ ہوتی کہ تمہاری نجات ہو گی یا نہ ہو گی ،حاکم نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو زیادہ روتے کم ہنستے۔ نفاق ظاہر ہو جائے گا۔ امانت اٹھ جائی گی۔ رحمت سمیٹ لی جائیگی۔ امانت دار پر (خیانت کی ) تہمت لگائی جائے گی جو امانت دار نہ ہوگا اس کو امین قرار دے لیا جائے گا۔ کالی رات کی طرح بڑے تاریک فتنے تم پر آپڑیں گے۔

بغوی نے اپنی سند سے لکھا ہے کہ حضرت انس نے بیان کیا ،میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے ،لوگوں گریہ کرو۔ اگر رونا نہ آئے تو روتی شکل اختیار کر لو کیونکہ دوزخی دوزخ میں اتارو ئیں گے کہ ان کے چہروں پر آنسو چھوٹی نہروں کی طرح بہیں گے ،آخر آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون بہیگا یعنی خون کے آنسو بہنے لگیں گے )اور چشمے پھوٹ نکلیں گے یہاں تک کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو چل جائیں۔

امام احمد ،اور ترمذی کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو ہنستے کم ،روتے زیادہ اور بستروں پر عورتوں سے لذت اندوز نہ ہوتے اور میدانوں میں نکل کر اللہ سے زاری کرتے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو مومن بندہ اللہ کے خوف سے اپنی

Marfat.com

آنکھوں سے آنسو نکالتا ہے خواہ وہ آنسو مکھی کے سر کے برابر ہوں پھر آنسو نکلنے سے اس کو دکھ پہنچتا ہے تو اللہ اس کو دوزخ پر حرام کر دیتا ہے۔

فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلٰى طَآىِٕفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا

اب جب اللہ آپ کو (مدینہ میں) لوٹا کر ان (منافقوں) کے کسی گروہ تک پہنچا دے اور وہ آپ سے (آئندہ کسی اور جہاد میں نکلنے کی اجازت طلب کریں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ تم لوگ کبھی میرے ساتھ نہیں نکلو گے نہ میرے ساتھ مل کر کسی دشمن سے لڑو گے لَنْ تَخْرُجُوا اور لَنْ تُقَاتِلُوْا خبری جملے ہیں لیکن نہی کے معنی میں ہیں کلام میں زور پیدا کرنے کے لیے نہی کو بصورت خبر ذکر کیا ہے۔

اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾

تم نے پہلی بار (یعنی تبوک کے موقع پر) بیٹھ رہنے کو پسند کیا (اور شریک نہ ہوئے) پس اب بھی پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔ پیچھے رہ جانے والوں سے مراد ہیں بیمار اپاہج بچے عورتیں یہ وہ لوگ ہیں جنہیں جہاد کرنے کی صلاحیت ہی نہیں ہوتی (اس لیے جہاد کو نہیں جاتے) حضرت ابن عباس نے فرمایا الْخَالِفِيْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو بغیر عذر کے اپنے گھروں میں بیٹھے رہے (جہاد کو نہیں نکلے) یا مخالفین مراد ہیں۔ فراء نے خالف معنی مخالف کہا ہے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ عبداللہ بن ابی کا جب انتقال ہو گیا تو اس کی بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ بن ابی نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر باپ کے کفن کے لیے ایک کرتہ عطا فرمانے کی رسول اللہ ﷺ سے درخواست کی حضور ﷺ نے عطا فرما دیا پھر حضور سے نماز جنازہ پڑھا دینے کی خواہش کی آپ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے حضرت عمر نے حضور ﷺ کا کپڑا پکڑ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ نے منافقوں کی نماز پڑھانے سے تو آپ کو منع فرما دیا ہے۔ فرمایا اللہ نے مجھے اختیار دے دیا ہے اور فرمایا ہے۔ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً اور میں ستر بار سے زیادہ اس کے لیے دعائے مغفرت کروں گا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یہ تو منافق تھا مگر حضور ﷺ نے اس کے جنازے کی نماز پڑھا دی اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا

اور ان میں سے کوئی مر جائے تو اس کے لیے کبھی دعا نہ کرو۔ صلوٰت سے مراد اس جگہ میت کے لیے دعا و استغفار ہے۔ نماز جنازہ میں بھی دعا و استغفار ہی ہوتی ہے۔ اس لئے نماز جنازہ بھی اس میں داخل ہے۔ ابدًا" (کبھی) یعنی کبھی ان کے مردہ کے لئے دعا نہ کرو یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ان میں سے جو منافق دوامی موت مر گیا ہو یعنی کفر پر مرا ہو اس کے لیے دعا نہ کرو، کافروں کو دوبارہ زندہ کرنا عذاب دینے کے لیے ہو گا فائدہ اندوزی اور حصول ثواب کے لیے نہ ہو گا گویا وہ زندہ ہی نہ ہو گا اسی لیے کافر کے حق میں فرمایا ہے۔ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔

وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ

اور اس کی قبر پر (بھی) نہ کھڑے ہو۔ نہ دفن کے لیئے نہ زیارت کے لیئے۔ روایت میں آیا ہے کہ میت کو دفن کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ قبر پر دعا کرنے کے لیئے توقف فرماتے تھے اسی لیے قبر پر کھڑا ہونے کی ممانعت فرما دی۔

اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾

کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور کفر ہی کی حالت میں مر گئے یہ کلام ممانعت صلوٰت کی علت ہے یا منافقوں کی دوامی موت کی تائید۔ بخاری نے بوساطت ابن عباس حضرت خطاب کا بیان نقل کیا ہے کہ جب عبداللہ بن ابی کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ کو اس کے جنازہ کی نماز پڑھنے کی دعوت دی گئی۔ حضرت عمر نے کھڑے ہو کر بتایا کہ ابن ابی نے فلاں دن یہ یہ باتیں کہی تھیں اور فلاں دن یہ یہ باتیں (یعنی منافق تھا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے (استغفار کرنے اور نہ کرنے کا) اختیار دیا گیا ہے لہذا میں نے (اس کی لیئے استغفار کرنے کو) اختیار کر لیا اور اگر مجھے معلوم ہو تا کہ ستر بار سے زائد میری دعا کرنے سے اس کی مغفرت ہو جائے گی

Marfat.com

تو میں ستر بار سے زائد دعائے مغفرت کرتا غرض آپ نے عبداللہ کے جنازہ کی نماز پڑھی پھر نماز سے واپسی کے بعد زیادہ توقف نہیں کیا تھا کہ سورت برائت کی دو آیتیں نازل ہو گئیں۔

بخاری نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ عبداللہ کے جنازہ پر اس وقت پہنچے جب کہ اس کو قبر کے گڑھے میں داخل کیا جا چکا تھا آپ نے جنازہ باہر نکلوایا اور اپنے زانو پر اس (کے سر) کو رکھ کر اپنا لعاب دہن اس کی منہ میں ڈالا اور اپنا کرتہ اس کو پہنایا۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے حضرت عبداللہ نیک مخلص لوگوں میں سے تھے انہوں نے اپنے باپ کے مرض موت میں رسول اللہ ﷺ سے باپ کے لیے دعائے مغفرت کرنے کی درخواست کی حضور نے دعا کر دی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حاکم نے صحیح سند سے اور دلائل میں بیہقی نے حضرت اسامہ بن زید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مرض موت کی حالت میں ابن اُبَیّ نے رسول اللہ ﷺ کو بلوا کر درخواست کی کہ آپ میرے لیے دعائے مغفرت کر دیجئے اور اپنے اس کپڑے کا مجھے کفن دلوا دیجئے جو آپ کے بدن سے لگا ہو اور میرے جنازہ کی نماز پڑھ دیجئے چنانچہ اس کے انتقال کے بعد کفن دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنا کرتہ عنایت فرما دیا اور نماز پڑھنے کھڑے ہوئے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔

بخاری نے حضرت جابرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ بدر کے دن (قیدیوں میں) جب حضرت عباس کو لایا گیا تو اس وقت آپ کے بدن پر کرتہ نہ تھا (اور کسی کا کرتہ آپ کے جسم پر آ بھی نہیں سکتا تھا) عبداللہ بن اُبَیّ نے اپنا کرتہ حضرت عباس کو دے دیا وہ آپ کے بدن پر ٹھیک تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے وہی کرتہ آپ کو پہنا دیا پھر اس کے بدلہ میں وہ کرتہ ابن ابی کے مرنے کے بعد عنایت فرمایا تھا جس کا اس کو کفن دیا گیا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن اُبَیّ سے (اس کے مرنے کے بعد) جو سلوک کیا (یعنی قمیص مبارک اس کو پہنایا اور اس کے جنازہ کی نماز پڑھی) اس کے متعلق صحابہ نے آپ سے کچھ کلام کیا (یعنی مؤدبانہ شکایت کی) حضور نے فرمایا میرا کرتہ اور میری نماز اللہ (کے عذاب) سے اس کو نہیں بچائے گی۔ خدا کی قسم میری خواہش تو یہ تھی کہ اس کی وجہ سے اس کی قوم کے ایک ہزار آدمی مسلمان ہو جائیں۔ راوی کا بیان ہے کہ ابن اُبَیّ کی قوم والوں نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے قمیص سے اس نے تبرک حاصل کیا تو ایک ہزار آدمی مسلمان ہو گئے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے کسی منافق کی نماز نہیں پڑھی اور وقت وفات تک کسی منافق کی قبر پر دعا کرنے نہیں کھڑے ہوئے۔

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۵۵

اور ان کی اموال و اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالیں اللہ کو صرف یہ منظور ہے کہ ان چیزوں کی وجہ سے دنیا میں بھی ان کو گرفتار عذاب رکھے اور ان کا دم حالت کفر ہی میں نکل جائے۔

یہ مکرر تاکید ہے (یعنی منافقوں کا وہی فریق مراد ہے جس کا ذکر اوپر کی آیت میں کیا گیا۔ اسی کی مزید حالت اس آیت میں بیان کی گئی ہے جس سے پہلے مضمون کی تاکید ہو رہی ہے) اور مقام کا تقاضا بھی یہی تھا۔ انسان کی نظر مال و اولاد پر لگی رہتی ہے اور کسی کا دل اس کو چھوڑنے کو نہیں چاہتا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا فریق کے علاوہ اس آیت سے کوئی دوسرا فریق مراد ہو۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ

اور جب (قرآن کی) کوئی سورت یا سورت کا کوئی حصہ نازل کیا گیا (جس میں حکم دیا گیا) کہ اللہ پر ایمان لاؤ (یعنی اللہ کے رسول ﷺ کے حکم جہاد کی تعمیل کرو) اور رسول ﷺ کے ساتھ مل کر جہاد کرو تو دولت

Marfat.com

والے منافقوں نے (جن کو جہاد میں شریک نہ ہونے کا کوئی عزر نہیں تھا) آپ سے (اپنے گھروں میں) بیٹھے رہنے کی اجازت طلب کی۔

وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۹۳﴾ اور کہنے لگے آپ ہم کو چھوڑ دیجئے کہ ہم ان لوگوں کے ساتھ رہیں جو (عذر کی وجہ سے اپنے گھروں میں) بیٹھ رہے ہیں۔

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ انہوں نے پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ رہنے کو پسند کیا۔

الْخَوَالِف سے مراد ہیں عورتیں جو مردوں کے جانے کی بعد اپنے گھروں میں رہی تھیں، خوالف خالفۃ کی جمع ہے بعض نے کہا، خالفہ بے کار بے نفع آدمیوں کو کہتے ہیں۔ محاورہ میں کہا جاتا ہے۔ فلانٌ خالفۃ قومہ فلاں شخص اپنی قوم میں نچلے درجہ کا (یعنی بیکار یا ناکارہ) ہے۔ مراد یہ ہے کہ انہوں نے ناکارہ لوگوں کے ساتھ رہنے کو پسند کیا۔

وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں پر مہر کر دی گئی یعنی اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی جس کی وجہ سے ان کو بھلائیوں کی خوبی اور برائیوں کی خرابی سمجھ میں نہیں آتی۔

فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۹۳﴾ پس وہ نہیں سمجھتے کہ جہاد اور رسول اللہ ﷺ کی موافقت میں کیسی خوش نصیبی ہے اور مخالفت میں کیسی بد بختی۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ

لیکن رسول اور رسول کے ساتھی (مخلص) اہل ایمان نے اپنے مال و جان سے جہاد کیا۔ یعنی اگر ان منافقوں نے ساتھ نہیں دیا اور جہاد کو نہیں گئے تو دین اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہوا، ان سے بہتر اور افضل لوگوں نے جہاد کیا۔

وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ اور یہی ہیں وہ جن کے لیے بھلائیاں یعنی دونوں جہان کے منافع ہیں بعض کے نزدیک الخیرات سے مراد ہیں حوریں اللہ نے (حوروں کے متعلق) فرمایا ہے فِيْهِنَّ خَيْرٰتٌ حِسَانٌ خیرات خیرۃ کی جمع ہے، ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ خیر کے (مراد حقیقی) معنی سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا اللہ نے فرمایا ہے فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِيَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْيُنٍ کوئی بھی نہیں جانتا کہ ان کے لیے کیسی آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے۔

میں کہتا ہوں حضرت ابن عباس کی مراد یہ ہے کہ لفظ خیر تمام منافع کو شامل ہے (اور چونکہ تمام نعمتوں سے کوئی بھی واقف نہیں اس لیے لفظ خیر کے حقیقی مرادی معنی کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا)

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ اور وہی ہیں کامیاب ہونے والے۔ اللہ نے ان کے لئے جنتیں تیار کر دی ہیں جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان کی اندر وہ ہمیشہ رہیں گے یہی ہے بڑی کامیابی۔ آخرت میں جو بھلائیاں ان کو ملیں گی اس آیت میں ان کا (مجمل) اظہار ہے۔

وَجَاۗءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ اور دیہاتیوں میں سے کچھ بہانہ باز لوگ آئے تاکہ ان کو گھر رہنے کی اجازت مل جائے۔

یعنی تنگ حالی اور کثرت عیال کا عذر پیش کرنے والے اعرابی آئے۔ المعذرون (باب افتعال سے ہے) اصل میں معتذرون تھا فراء کا یہی قول ہے یا المعذرون باب تفعیل سے ہے یعنی (صحیح) عذر پیش کرنے میں میں کوتاہی کرنے والے اور (جھوٹے) عذر پیش کر کے یقین دلانے والے کہ ہم معذور ہیں حالانکہ وہ معذور نہیں ہیں۔ ان کو اذن دیدی جائے۔ یعنی جہاد کو نہ جانے اور گھروں میں بیٹھ رہنے کی اجازت دیدی جائے۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ کچھ منافق رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں



Marfat.com

جہاد میں نہ چلنے کی اجازت لینے کے لئے حاضر ہوئے حالانکہ ان کو کوئی عذر نہ تھا رسول اللہ ﷺ نے ان کو اجازت دے دی ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے جد بن قیس کو جہاد کے لئے ساتھ نہ چلنے کی اجازت دیدی تو کچھ اور منافق طلب اذن کے لئے حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ہم کو بھی اجازت دیدیجئے ہم اس گرمی میں جہاد کو نہیں نکل سکتے۔ حضور ﷺ نے ان کو اجازت دیدی اور منہ پھیر لیا اور یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے ان کو معذور نہیں قرار دیا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے وہ قبیلہ، بنی غفار کی ایک جماعت تھی (جنگی تعداد دس سے کم تھی۔ نفر دس سے کم تعداد کی جماعت کو کہتے ہیں) محمد بن عمر نے کہا وہ بیاسی آدمی تھے جن میں خفاف بن ایما بھی تھا انہی کے متعلق آیت وَاِذَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ تک نازل ہوئی۔ ضحاک نے کہا عذر پیش کرنے والے عامر بن طفیل کی قوم والے تھے جو اپنے اوپر سے الزام کو دفع کرنے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تھے اور انہوں نے عرض کیا تھا یارسول اللہ اگر ہم آپ کے ساتھ جہاد کو جاتے تو قبائل طے کے جنگلی لوگ ہماری بیویوں بچوں اور جانوروں کو آکر لوٹ لیتے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تمہاری خبریں مجھے پہلے ہی بتادی ہیں آئندہ اللہ ہم کو تمہاری ضرورت سے بے نیاز کردے گا حضرت ابن عباس نے فرمایا جو لوگ جہاد کو نہیں گئے تھے اور انہوں نے عذر پیش کیا تھا ان کو (جہاد پر نہ جانے کی) اجازت رسول اللہ ﷺ نے دیدی تھی۔

وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اور بیٹھ رہے وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو (دل سے) جھٹلایا یعنی منافق لوگ۔

اس تفسیر پر مذکور القدر اول فریق گناہ گار نہ قرار پائے گا لیکن ظاہر یہی ہے کہ ان لوگوں سے مراد بھی وہی لوگ ہیں جن کا ذکر شروع میں آیا ہے اللہ نے منافقوں کو جھوٹا قرار دیا ہے جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کئے تھے یا یوں کہا جائے کہ عذر والوں کا لفظ عام ہے اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو محض سستی کی وجہ سے جہاد کو نہیں گئے (کافر نہ تھے) ابو عمرو بن علاء نے کہا دونوں فریق گناہ گار تھے وہ فریق بھی جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کئے وَجَاءَ الْمُعَذِّرُوْنَ میں یہی فریق مراد ہے اور وہ فریق بھی جنہوں نے جہاد کو نہ جانے کا کوئی (جھوٹا) عذر بھی نہیں پیش کیا بلکہ اللہ کے حکم کے خلاف بیباکی کا اظہار کیا (اور حکم سے بغاوت کی) یہ منافقوں کا فریق تھا ان کو اللہ نے آیت ذیل میں عذاب کی دھمکی دی اور فرمایا۔

سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ اعراب میں سے یا معذرین میں سے جنہوں نے کفر کیا ان کو دردناک عذاب ضرور پہنچے گا۔ (گویا) جو لوگ سستی کی وجہ سے جہاد کو نہیں گئے تھے ان کے لئے یہ وعید نہیں ہے بلکہ کفر کی وجہ سے جو شریک نہیں ہوئے ان کے لئے عذاب کی دھمکی ہے۔ ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت نے فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا اور سورہ برات لکھ رہا تھا اور قلم کو اپنے کان پر رکھے ہوئے تھا اور حضور وحی کے منتظر تھے کہ آگے کیا اترتا ہے اتنے میں ایک نابینا آیا اور عرض کیا یارسول اللہ میں ﷺ اندھا ہوں میرے متعلق کیا حکم ہے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ۚ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

کم طاقت لوگوں اور بیماروں پر کوئی گناہ نہیں اور ان لوگوں پر بھی کوئی گناہ نہیں جن کو خرچ کرنے کو میسر نہیں جب کہ یہ اللہ اور رسول کے ساتھ (اور احکام میں) خلوص رکھیں ان نیکوکاروں پر کسی قسم کا الزام نہیں اور اللہ بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے۔

حضرت ابن عباس نے ضعفاء کی تفسیر میں فرمایا اپاہج بوڑھے، بے طاقت، مجبور لوگ۔ بعض کے نزدیک بچے اور بعض کے نزدیک عورتیں مراد ہیں۔ مرضی یعنی نابینا وغیرہ حرج سے مراد ہے تنگی، گناہ۔ یعنی اگر جہاد کو نہ جائیں تو ان کے لئے کوئی

Marfat.com

تنگی اور گناہ نہیں۔ بشرطیکہ اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کریں یعنی ظاہر و باطن دونوں میں مومن و اطاعت گزار ہوں یا خیر خواہی کرنے سے مراد یہ ہے کہ زبان و عمل سے جتنا ہو سکے اسلام اور مسلمانوں کی خیر خواہی کریں۔

علیہم کی جگہ المحسنین کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ایسے لوگ بھلائی کرنے والوں کی فہرست میں شمار کرنے کے قابل ہیں قابل عتاب نہیں ہیں۔ واللہ غفور رحیم یعنی اللہ ان کو معاف کرنے والا ہے یا یہ مراد ہے کہ اللہ بدکاروں کو معاف کرنے والا مہربان ہے پھر یہ تو بھلائی کرنے والے ہیں ان کو ضرور معاف کر دے گا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ نے کہا اس آیت کا نزول حضرت عابد بن عمرو اور ان کے ساتھیوں کے متعلق ہوا تھا۔ ضحاک نے کہا حضرت عبداللہ بن ام مکتوم کے حق میں یہ آیت اتری تھی آپ نابینا تھے۔

بخاری اور ابن سعد نے حضرت انس کی روایت سے نیز ابن سعد نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک سے لوٹے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو فرمایا کہ مدینہ میں کچھ لوگ ایسے موجود ہیں کہ جب تم کسی راہ پر چلے اور جس وادی کو تم نے طے کیا وہ تمہارے ساتھ رہے (یعنی اس جہادی سفر میں ہر جگہ وہ تمہارے ساتھ تھے اگرچہ تم کو نظر نہ آتے تھے اور وہ مدینہ سے باہر نہیں نکلے تھے) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ تو مدینہ میں رہے فرمایا (ہاں) وہ مدینہ میں رہے ان کو عذر نے روک رکھا تھا۔

وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

اور نہ ان لوگوں پر (کوئی گناہ ہے) کہ جس وقت وہ آپ کے پاس اس غرض سے آتے ہیں کہ آپ ان کو کوئی سواری دے دیں اور آپ کہہ دیتے ہیں کہ میرے پاس تو کوئی چیز نہیں جس پر میں تم کو سوار کر دوں تو وہ (ناکام) اس حالت سے واپس چلے جاتے ہیں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں اس غم میں کہ (افسوس) ان کو خرچ کرنے کو کچھ بھی میسر نہیں۔

اس کلام کا عطف الضعفاء یا المحسنین پر ہے۔ حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے استدعا کی تھی کہ (جہاد کے سفر پر جانے کے لئے) ہم کو کوئی سواری عنایت فرما دیجئے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ (جن لوگوں کے پاس سواریاں نہ تھیں ان) لوگوں نے یہ خواہش کی تھی کہ ہم کو پیوند لگے موزے اور مرمت کی ہوئی جوتیاں عنایت کر دیجئے تاکہ ہم آپ کے ساتھ دوڑ سکیں۔ آنکھیں آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں یعنی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس جملہ میں بلاغت ہے اتنے آنسو بہہ رہے تھے کہ گویا آنکھیں بہتے ہوئے آنسو بن گئی تھیں۔ مَا يُنْفِقُوْنَ یعنی جہاد میں صرف کرنے کے لئے ان کے پاس کچھ نہیں ہے اس کا ان کو رنج تھا۔ اس رنج کی وجہ سے وہ رو رہے تھے۔

ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے نیز ابن جریر نے محمد بن کعب قرظی کی روایت سے اور ابن اسحاق و ابن المنذر و ابو الشیخ نے زہری یزید بن رومان، عبداللہ بن ابی بکر عاصم بن محمد بن عمر اور قتادہ کے حوالہ سے بیان کیا کہ صحابہ کی ایک جماعت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواریاں طلب کرنے کے لئے حاضر ہوئی یہ سب تنگ دست اور محتاج تھے اور رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی سے رہ جانا بھی نہ چاہتے تھے۔ حضور نے فرمایا میرے پاس سواریاں نہیں ہیں کہ سوار ہونے کے لئے تم کو دے سکوں، یہ لوگ روتے ہوئے اس رنج کے ساتھ واپس چلے گئے کہ ان کے پاس خرچ (کر کے سواریاں خریدنے) کے لئے کچھ نہیں ہے (اور رسول اللہ ﷺ کے پاس بھی کوئی زائد سواری نہیں ہے)

محمد بن یوسف صالحی نے کہا کہ ان لوگوں کے ناموں کے بارے میں راویوں کا اختلاف ہے بنی عمرو بن عوف کے سالم بن عمیر اوسی اور علبہ بن زید اور ابو لیلی بن عبدالرحمن بن کعب اور ہرمی بن عبداللہ پر تو سب کا اتفاق ہے۔

عرباض بن ساریہ پر قتادی اور ابن اسحاق اور واقدی کا اتفاق ہے ابن سعد ابن حزم اور ابو عمرو سہیلی نے بھی ان کا اتباع کیا ہے اور ابن حزم و سہیلی نے تو اس پر یقین کا اظہار بھی کیا ہے اور ابو نعیم نے حضرت ابن عباس کی طرف اس قول کی نسبت کی

Marfat.com

ہے۔

قرظی اور ابن اسحاق کا عمرو بن حمام بن جموح پر بھی اتفاق ہے۔ قرظی اور ابن عقبہ اور ابن اسحاق نے عبداللہ بن مغفل کا نام بھی بالاتفاق ذکر کیا ہے۔

ابن سعد اور یعقوب بن سفیان اور ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مغفل نے فرمایا میں (اپنے کو) اس گروہ میں پاتا ہوں جن کا ذکر اللہ نے وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ میں فرمایا ہے۔

ابن ابی حاتم نے عوفی کے طریق سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے لوگوں کو جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہونے کا حکم دیا تو صحابہ کا ایک گروہ جس میں عبداللہ بن مغفل مزنی بھی تھے حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم کو سواری دیجئے حضور نے فرمایا خدا کی قسم میرے پاس تو کوئی (زائد) سواری نہیں کہ تم کو سوار ہونے کے لئے دے سکوں یہ لوگ روتے ہوئے لوٹ گئے ان پر جہاد سے رک جانا اور خرچ و سواری میسر نہ آنا بڑا شاق گزرا اللہ نے ان کو معذور قرار دیا اور انہی کے متعلق فرمایا وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَا اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ۔

قرظی اور ابن عمر کا صحر کے بیٹے سلمہ پر بھی اتفاق ہے مگر قرظی نے سلمہ کی جگہ سلمان کا لفظ ذکر کیا ہے۔

قرظی اور ابن عقبہ نے عمرو بن عمہ بن عدی اور عبداللہ بن عمرو مزنی کے نام بھی ذکر کئے ہیں ابن اسحاق نے عبداللہ مزنی کو عبداللہ بن مغفل کی بجائے بیان کیا ہے صرف قرظی نے عبدالرحمن بن زید حارثی اور حرمی بن عمرو مازنی کے نام ذکر کئے ہیں۔

محمد بن عمرو نے کہا کہا جاتا ہے کہ عمرو بن عوف بھی انہی میں سے تھے۔ ابن سعد نے لکھا ہے بعض روایات میں آیا ہے کہ کچھ لوگ کہتے ہیں معقل بن یسار بھی ان میں شامل تھے۔

حاکم نے حرمی بن مبارک بن بخار کا نام بھی ان میں ذکر کیا ہے، ابن عابد نے مہدی بن عبدالرحمن کو اور محمد بن کعب نے سالم بن عمر واقفی کو ان میں شامل کیا ہے۔

ابن سعد نے کہا بعض لوگ کہتے ہیں روتے ہوئے لوٹنے والے مقرن کے سات بیٹے تھے اور یہ سب مزنی تھے۔ انتہی کلامہ یہ نعمان سوید، مغفل عقیل اور سنان تھے (دوناموں کا ذکر نہیں کیا)

ابن اسحاق نے یونس اور ابن عمر کے حوالہ سے لکھا ہے کہ علبہ بن زید کو جب خود کوئی سواری نہیں ملی اور نہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی (زائد) سواری ایسی تھی کہ علبہ کو سواری کے لئے مل جاتی تو وہ رات سے نکل کھڑے ہوتے انہوں نے جتنی نماز چاہی پڑھی پھر رونے لگے اور دعا کی اے اللہ تو نے جہاد کا حکم دیا اور ترغیب دی (اور میرے پاس جہاد میں جانے کے لئے سواری نہیں ہے اب) میں ہر مسلمان پر (اپنی ہر چیز) تصدق کردوں گا اس حق کے عوض جو مسلمان پر عائد ہوتا ہو خواہ مجھے مال دینا پڑے یا جسم یا آبرو۔ جب صبح ہوئی اور لوگوں کے ساتھ عَلَبَہ بھی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آج رات صدقہ دینے (کا وعدہ کرنے) والا کہاں ہے سب لوگ خاموش رہے۔ کوئی نہیں کھڑا ہوا۔ عَلَبَہ کھڑے ہوگئے اور حضور ﷺ کو اپنے قول کی اطلاع دے دی۔ حضور ﷺ نے فرمایا تجھ کو بشارت ہو قسم اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے (تیرا) صدقہ مقبول زکوۃ میں لکھ لیا گیا۔

ابن اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ جب سواری کے طلب گاروں کو رسول اللہ ﷺ سواریاں نہ دے سکے اور لوگ روتے ہوئے حضور ﷺ کے پاس سے لوٹے تو ان رونے والوں میں ابو یعلی اور عبداللہ بن مغفل بھی تھے (راستہ میں) ان کی ملاقات یامین بن عمر و نضری سے ہوئی۔ یامین نے دونوں کو روتا دیکھ کر رونے کی وجہ دریافت کی دونوں بزرگوں نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں سواریاں مانگنے حاضر ہوئے لیکن حضور ﷺ کے پاس کوئی ایسی سواری ہی نہ تھی جو آپ ہم کو دیدیتے اور ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہیں کہ ہم جہاد کو جاسکیں اور رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب جہاد پر نہ جانا بھی ہم کو گوارا نہیں۔ (رونے کی

Marfat.com

بس یہ وجہ ہے) وجہ گریہ سنگریا میں نے ان کو پانی پینچنے والا ایک اونٹ اور زادراہ کے لئے ہر ایک کو دو صاع (تقریباً آٹھ سیر) چھوارے دیدیئے محمد بن عمرو نے اتنا زائد بھی بیان کیا ہے کہ حضرت عباس بن مطلب نے بھی دو آدمیوں کے لئے سواری کا انتظام کر دیا اور حضرت عثمان بن عفان نے لشکر کی تیاری کے علاوہ مزید تین آدمیوں کو سواریاں دیدیں۔ میں کہتا ہوں سواری سے محروم کل سولہ آدمی تھے (جو جہاد میں شریک ہونے کے لئے بیتاب تھے) جن میں سے سات کا تو اس طرح انتظام ہو گیا اور راوی کے شک کی وجہ سے دو آدمیوں کو ان میں سے اور کم کر دیا جائے تو سات آدمی رہ جاتے ہیں (جو سواری سے محروم رہے اور جانے کے لئے روتے تھے) انہی کے متعلق اللہ نے وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَآ أَتَوْكَ الخ فرمایا۔

بخاری و مسلم نے صحیحین میں لکھا ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا میں اشعر قبیلہ کے چند آدمیوں کے سلسلہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ درخواست کرنے کے لئے کہ ان لوگوں کو سواری کی ضرورت ہے ان کو سواریاں عطا فرمادی جائیں حاضر ہوا دوسری روایت میں آیا ہے میرے ساتھیوں نے مجھے خدمت گرامی میں سواریاں طلب کرنے کے لئے بھیجا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے ساتھیوں نے مجھے خدمت گرامی میں یہ عرض کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ آپ ان کو سواریاں عنایت فرمادیجئے میری اس حاضری اور گزارش کے وقت حضور غصہ میں تھے اور مجھے پتہ نہ تھا فرمایا میں تم کو کوئی سواری نہیں دوں گا اور نہ میرے پاس کوئی (زائد) سواری ہے کہ تم کو دے سکوں۔ انکاری جواب سن کر میں غمگین حالت میں لوٹ آیا اور یہ اندیشہ بھی ہوا کہ میرے خلاف رسول اللہ ﷺ نے کچھ دل میں احساس (نہ) کر لیا ہو واپس آکر اپنے ساتھیوں سے رسول اللہ ﷺ کا جواب نقل کر دیا کچھ وقفہ کے بعد ہی رسول اللہ کے پاس غنیمت کے کچھ اونٹ آئے اور ذرا سی دیر کے بعد ہی میں نے بلال کی ندا سنی جو پکار رہے تھے عبداللہ بن قیس کہاں ہے میں نے فوراً جواب دیا بلال نے کہا رسول اللہ ﷺ تم کو بلا رہے ہیں حکم کی تعمیل کرو۔ میں خدمت گرامی میں حاضر ہو گیا فرمایا یہ ایک جٹ (دو اونٹ ایک رسی سے بندھے ہوئے) اور یہ جٹ میں نے اسی وقت سعد سے چھ اونٹوں کے بدلے میں خریدے ہیں تم ان کو اپنے ساتھیوں کے پاس لے جاؤ اور ان سے کہہ دو کہ اللہ یا فرمایا اللہ کے رسول اللہ ﷺ نے تم کو سواری کے لئے دیئے ہیں ان پر سوار ہو جانا۔ حضرت ابو موسیٰ کا بیان ہے میں اونٹ لے کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا اور ان سے کہا اللہ کے رسول نے یہ اونٹ سوار ہونے کے لئے تم کو دیئے ہیں لیکن تم یہ خیال نہ کرنا کہ میں نے پہلے جو بات تم سے کہی تھی وہ رسول اللہ ﷺ نے نہیں فرمائی تھی۔ جب میں نے حضور ﷺ سے پہلی بار تمہارے لئے درخواست کی تھی اور حضور ﷺ نے منع فرمادیا تھا پھر اس کے بعد اب عنایت فرمادیئے (اس واقعہ کے گواہ موجود ہیں) تم میں سے کوئی میرے ساتھ ان لوگوں کے پاس چلے جنہوں نے میرا اور حضور کا کلام سنا تھا میں اس (تحقیقات) کے بغیر تم کو نہیں چھوڑوں گا ساتھیوں نے کہا خدا کی قسم آپ ہمارے نزدیک سچے ہیں اور جو آپ کی خواہش ہے ہم ایسا بھی کر دیں گے چنانچہ میں اپنے ساتھیوں میں سے چند آدمیوں کو لے کر ان لوگوں کے پاس پہنچا جنہوں نے رسول اللہ کا فرمان اور ابتدائی انکار پھر عطا کا حکم سنا تھا گواہوں نے وہ بات ان لوگوں کے سامنے بیان کر دی جو میں نے اپنے ساتھیوں سے بیان کی تھی۔ پھر ہم نے (یعنی میں نے اور میرے ساتھیوں نے) کہا خدا کی قسم اس میں ہم کو برکت حاصل نہ ہو گی (کیونکہ معلوم ہوتا ہے رسول اللہ ﷺ نے ناراضگی کے ساتھ یہ اونٹ عنایت فرمائے ہیں) حسب مشورہ ہم لوٹ کر خدمت گرامی میں حاضر ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا میں نے (از خود) تم کو یہ سواریاں نہیں دی ہیں بلکہ اللہ نے دی ہیں۔ پھر فرمایا آئندہ اگر میں کسی بات پر قسم کھاؤں گا اور اس سے بہتر (قسم کے خلاف) اگر کوئی معاملہ سامنے آیا تو انشاء اللہ میں قسم کا کفارہ دے دوں گا اور بہتر بات کو اختیار کر لوں گا۔

إِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَأْذِنُوْنَكَ وَهُمْ أَغْنِيَآءُ ۚ (عذاب اور عتاب کی) راہ تو ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے (جہاد میں نہ جانے کی) آپ سے اجازت طلب کر رہے ہیں۔ یعنی سفر کی تیاری کا سامان ان کے پاس موجود ہے (اور پھر جانا نہیں چاہتے)

رَضُوْا بِأَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝٩٣

Marfat.com

وہ لوگ (انتہائی بے حمیتی سے) خانہ نشین عورتوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہوگئے اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی جس سے وہ (گناہ و ثواب کو) جانتے بھی نہیں بلا عذر جہاد کو نہ جانے کی اجازت طلب کرنے کا سبب اس آیت میں بیان کیا گیا ہے مطلب یہ ہے کہ انہوں نے پست درجہ میں رہنے اور عورتوں، بچوں، بیماروں، اپاہجوں کی فہرست میں داخل ہو جانے کو پسند کیا (اسی وجہ سے باوجود مالدار ہونے کے اجازت طلب کی) اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے کہ وہ اپنی بدانجامی سے غافل ہو گئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف کرنے اور جہاد سے بیٹھ رہنے کو اختیار کیا اس کے علاوہ ان کو کچھ علم نہیں (کہ اس کا نتیجہ کتنا برا نکلے گا)

دسواں پارہ بعونہ ختم ہوا، اس سے آگے گیارہواں پارہ شروع ہے

بتوفیقہ

☆☆.....☆.....☆☆.....☆.....☆☆

Marfat.com

# گیارھواں پارہ

## ..... پارہ یعتذرون (توبہ) .....

### بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یَعْتَذِرُوْنَ اِلَیْکُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَیْهِمْ قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَکُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِکُمْ ۚ

الجزء ۱۱

جب تم ان کے پاس لوٹو گے تو وہ تمہارے سامنے عذر کریں گے آپ ان سے کہہ دیجئے عذر نہ پیش کرو ہم تمہاری باتوں کا یقین نہیں کریں گے اللہ نے تمہاری کچھ خبریں ہم کو بتادی ہیں یعنی وہ منافق جو غزوہ تبوک کو نہیں گئے معذرت پیش کریں گے۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ ایسے لوگ کچھ اور ہی اسی تھے۔ خطاب رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کو ہے۔ واپسی ہے سے مراد ہے تبوک سے مدینہ کو واپسی۔ آیت بطور معجزہ پیشن گوئی ہے جو صحیح ثابت ہوئی منافق جھوٹے عذر پیش کرنے کے لئے حاضر ہوئے۔

عذر پیش نہ کرو یعنی جھوٹے عذر نہ بیان کرو ہم تمہاری ان باتوں کا یقین نہیں کریں گے۔ یہ آخری فقرہ عذر پیش کرنے کی ممانعت کی علت ہے عذر پیش کرنے والے کا مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اس کے عذر کو صحیح مانا جائے۔

اللہ نے ہم کو تمہاری خبروں سے آگاہ کر دیا ہے یعنی تمہاری بعض خبروں سے اللہ نے اپنے نبی کو وحی کے ذریعے اطلاع دے دی ہے بعض خبروں سے مراد ہیں۔ شر انگیز فساد آفریں قلبی خیالات اور خود تراشیدہ جھوٹے عذر۔

وَسَیَرَی اللّٰهُ عَمَلَکُمْ وَرَسُوْلُهٗ اور آئندہ اللہ اور اس کا رسول تمہارے عمل کو دیکھے گا۔

کہ آگے تم نفاق سے توبہ کرتے ہو یا اسی پر قائم رہتے ہو۔

آیت میں (لطیف طرز کے ساتھ) توبہ کرنے کی ترغیب اور توبہ کی مہلت دینے کی صراحت ہے۔

ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰی عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ پھر تم لوٹائے جاؤ گے پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والے (اللہ) کی طرف یعنی مرنے کے بعد اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ بجائے ضمیر (ہ) لانے کے عالم الغیب والشہادہ کہنے میں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تمہارے ظاہر و باطن سے واقف ہے، نہ تمہارا کوئی دلی خیال اس سے پوشیدہ ہے نہ عمل۔

فَیُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ پھر وہ تمہارے کرتوت تم کو بتائے گا یعنی تمہارے اعمال کا عذاب دے گا۔

سَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَکُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَیْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ جب تم ان کے پاس پلٹ کر جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے تاکہ تم ان سے اعراض کر لو۔ اور ان کو عتاب نہ کرو۔

فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ ۚ سو تم ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دو اور ان کو سخت ست نہ کہو نہ ان کے ساتھ رہو۔

Marfat.com

اِنَّهُمْ رِجْسٌ وہ لوگ بالکل گندے ہیں۔ یعنی انکے باطن گندے ہیں اس لئے ان سے انسیت بڑھانا اور ان کی صحبت اختیار کرنا جائز نہیں اور چونکہ ان میں پاک ہونے اور پاکیزہ بننے کی صلاحیت و قابلیت ہی باقی نہیں رہی اس لئے ان کو عتاب و سرزنش بھی نہ کرو۔ عتاب کا مقصد تو یہ ہوتا ہے کہ وہ توبہ پر آمادہ ہو جائیں اور پچھلی حرکتوں سے رجوع کر کے آئندہ کے لئے عہد کر لیں اور پاک ہو جائیں مگر توبہ کرنے اور پاک ہونے کی جب ان میں صلاحیت ہی نہیں رہی تو عتاب لاحاصل ہے۔

وَّمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اس لئے تم ان سے میل جول نہ کرو اور انکی صحبت سے بچو۔ یہ بھی ترک مصاحبت کی علت ہے ناپاک ہونا اور جہنمی ہونا دونوں کا تقاضا ہے کہ ان کی صحبت ترک کی جائے۔

جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۵﴾ جو کچھ وہ کماتے تھے اس کے بدلہ میں ان کو یہ سزا دی جائے گی یا جہنم میں ان کا ٹھکانا بداعمالی کے عوض ہوگا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ آیت جد بن قیس معتب بن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی ان کی مجموعی تعداد اسی تھی اور سب کے سب منافق تھے۔ جب رسول اللہ۔ مدینہ میں رونق افروز ہوئے تو آپ نے مسلمانوں کو حکم دے دیا کہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ترک کر دو اور ان سے بات چیت بھی نہ کرو۔

مقاتل نے کہا اس آیت کا نزول عبداللہ بن ابی بن خلف کے بارے میں ہوا جس نے رسول ﷺ سے عرض کیا تھا اب آپ مجھ سے راضی ہو جائیں میں قسم کھاتا ہوں اس اللہ کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں (کسی جہاد میں) آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔ (ہر جہاد میں شریک ہوں گا۔)

يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ وہ تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان سے رضامند ہو جاؤ۔ اور جیسے پہلے ان سے سلوک کرتے تھے وہی سلوک جاری رکھو۔

فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۹۶﴾ تو اگر تم ان سے رضامند بھی ہو جاؤ گے تب بھی اللہ ان بدکار لوگوں سے راضی نہ ہوگا۔ الفٰسِقِیْنَ کا لفظ ذکر کر کے اپنی ناراضگی کی وجہ بھی بیان کر دی مطلب یہ ہے کہ اگر یہ تم کو دھوکہ دے کر رضامندی بھی کر لیں اور تم انکی خفیہ حالتوں سے ناواقف ہونے کی بناء پر ان سے رضامند بھی ہو جاؤ تب بھی یہ اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے اور اللہ سے اپنی حالت نہیں چھپا سکتے اس لئے اللہ ان سے رضامند نہ ہوگا اور اللہ کی ناراضگی کی موجودگی میں تمہاری رضامندی ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکے گی ان پر دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب ضرور آئے گا حاصل یہ ہے کہ تم لوگ ان کے دھوکہ میں نہ آنا اور رضامند نہ ہو جانا۔

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا وَّاَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ

(منافق) دیہاتی لوگ کفر اور نفاق میں بہت ہی سخت ہیں اور اسی لائق ہیں کہ انکو ان احکام کا علم نہ ہو جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل فرمائے ہیں۔

چونکہ ان خانہ بدوشوں صحرا نشینوں کا اہل علم سے اختلاط کم ہے اور قرآن و حدیث سننے کا موقع ان کو کم ملتا ہے اور ان کے دلوں میں سختی اور مزاج میں وحشت و کرختگی بہت ہے اس لئے شہر میں رہنے والوں سے کفر و نفاق میں یہ آگے بڑھے ہوئے ہیں اور اللہ کے نازل کردہ ضوابط و احکام سے ناواقف رہنے کے زیادہ مستحق ہیں مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ سے مراد ہیں تمام فرائض، واجبات، سنن، مباحات، ممنوعات، مکروہات۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ اپنی تمام مخلوق سے بخوبی واقف ہے۔

حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾ حکمت والا ہے دنیا اور آخرت میں جو کچھ مخلوق کے ساتھ کرتا ہے حکمت کے ساتھ کرتا ہے۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا اور بعض صحرا نشین بدو ایسے ہیں کہ جو کچھ

Marfat.com

وہ راہ خدا میں (بظاہر) صرف کرتے اس کو تاوان اور گھاٹا سمجھتے ہیں۔ عطاء نے کہا یعنی صرف خوف اور دکھاوٹ کے زیر اثر دیتے ہیں۔ نہ دینے میں ان کو ثواب کی امید ہوتی ہے نہ نہ دینے میں عذاب کا خوف۔

وَيَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ اور تم پر (زمانہ کی) گردشیں پڑنے کے منتظر رہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ وفات پا جائیں اور مشرک غالب آجائیں تو وہ خوف و دکھاوٹ کے اس خرچ سے چھوٹ جائیں۔

عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ براچکر انہیں (منافقوں) پڑنے والا ہے یہ جملہ معترضہ بددعائیہ ہے یا خبر یہ ہے اور اس میں خبر دی گئی ہے کہ جس گردش میں مسلمانوں کے مبتلا ہونے کے یہ منتظر ہیں وہ چکر انہی پر پڑے گا (مسلمانوں کا کچھ نہیں بگڑے گا) دائرہ اسم فاعل (مونث) ہے دُوْرٌ مصدر اور دَارَ یَدُوْرُ ماضی و مضارع ہیں زمانہ کا وہ چکر جو کبھی خیر کو اور کبھی شر کو لے آتا ہے دائرہ کہلاتا ہے سَوْءٌ دکھ مصیبت۔ سوءٌ مصدر ہے مبالغہ دائرہ کی اس کی طرف اضافت کر دی گئی ہے جیسے رجل صدق (سچائی کا آدمی)۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾ اور اللہ سننے والا ہے ان باتوں کو جو یہ شیطان آپس میں کرتے ہیں (اور) جاننے والا ہے ان خیالات کو جو اپنے دلوں میں یہ چھپائے رکھتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ آیت مندرجہ بالا بنی اسد بنی غطفان اور بنی تمیم کے صحرا نشینوں کے حق میں نازل ہوئی ابو الشیخ نے بھی کلبی کا قول یہی بیان کیا ہے مگر اس میں بنی تمیم کا ذکر نہیں ہے۔

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور صحرا نشینوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں بغوی نے لکھا ہے کہ ابن جریر نے مجاہد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ یہ آیت قبیلہ مزینہ کے مقرن کی اولاد کے حق میں نازل ہوئی انہیں کے متعلق آیت وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ نازل ہوئی تھی۔ عبدالرحمٰن بن مغفل (مزنی) کا خود بیان ہے کہ ہم مقرن کے دس بیٹے تھے کلبی نے کہا قبائل تمیم، اسد بن خزیمہ ہوازن اور غطفان میں سے بنی اسلم بنی غفار اور بنی جہینہ کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی۔

صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (قبیلہ) غفار کو اللہ نے بخش دیا (یا مغفرت کرے) اور قبیلہ اسلم کو اللہ نے محفوظ رکھا (یا محفوظ رکھے) اور عصیہ نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قریش، انصار، جہینہ، مزینہ، اسلم، غفار، اشجع (سب) دوست اور بھائی ہیں اور ان کا دوست سوائے اللہ کے اور اس کے رسول ﷺ کے اور کوئی نہیں۔

حضرت ابو بکرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلم اور غفار اور مزینہ اور جہینہ تمیم سے اور بنی عامر سے اور دو ہم معاہدہ قبائل یعنی اسد و غطفان سے بہتر ہیں بغوی نے حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسلم غفار اور کچھ جہینہ اور مزینہ والے اللہ کے نزدیک قیامت کے دن تمیم اور اسد بن خزیمہ اور ہوازن اور غطفان سے بہتر ہوں گے۔

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ اور جو کچھ وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس کو اللہ کے قرب اور رسول کی دعاؤں کے حصول کا سبب سمجھتے ہیں۔ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ صلوٰۃ رسول سے مراد ہے (کسی کے لئے) رسول اللہ ﷺ کا دعائے مغفرت کرنا۔ ترمذی کے علاوہ باقی اہل صحاح نے خود حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کی روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت عبداللہ نے اپنی زکوٰۃ (یا خیرات) کا مال خدمت گرامی میں پیش کیا تو حضور ﷺ نے دعا کی یا اللہ ابو اوفی کی اولاد پر رحمت نازل فرما۔

اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ آگاہ ہو جاؤ بلاشبہ وہ (یعنی راہ خدا میں ان کا خرچ کرنا) ان (لوگوں) کی قربت کا ذریعہ ہے۔ اللہ نے اس جملہ میں شہادت دی ہے کہ ان کا خیال صحیح ہے اور ان کی امید قربت درست ہے۔

Marfat.com

يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِنَ الَّذِينَ أَنْفَقُوا مِنْ بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ جن لوگوں نے فتح مکہ سے پہلے اپنا مال راہ خدا میں صرف کیا اور جہاد کیا اول گروہ دوسرے گروہ سے اونچا درجہ رکھتا ہے (لیکن) اللہ نے بھلائی یعنی جنت کا وعدہ دونوں گروہوں سے کر لیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ (آپس میں فرق مراتب کے باوجود) تمام صحابہ جنتی ہیں۔ اللہ نے سب سے جنت کا وعدہ کر لیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ کو برا نہ کہو قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم میں سے کوئی (کوہ) احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے گا تو وہ (ثواب میں) صحابہ کے ایک سیر بلکہ آدھے سیر رغلہ کھجور وغیرہ) کے برابر نہ ہوگا۔ متفق علیہ من حدیث ابی سعید الخدری۔

ترمذی نے حضرت جابر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس مسلمان کو آگ نہیں چھوئے گی جس نے مجھے دیکھا یا میرے دیکھنے والے کو (ایمان کی نظر سے) دیکھا۔

ترمذی نے حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ میں سے جب کوئی شخص کسی سرزمین (گاؤں، قصبہ، شہر وغیرہ) میں مر جائے گا تو قیامت کے دن وہ اس زمین کے رہنے والوں کے لئے پیشوا اور نور بنا کر اٹھایا جائے گا۔ رزین نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی پیروی کرو گے ہدایت یاب ہو گے۔

رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ اللہ ان سب سے راضی ہوا یعنی ان کی طاعت کو اللہ نے قبول کر لیا اور ان کے اعمال کو پسند فرمایا۔

وَرَضُوا عَنْهُ اور وہ سب اس سے راضی ہوئے یعنی اللہ کا رب اور مالک ہونا اور اسلام کا ان کے لئے دین ہونا اور محمد کا رسول وہی ہونا انہوں نے اپنے دلوں سے پسند کر لیا اللہ نے ان کے دلوں میں اپنی اور اسلام کی اور محمد رسول اللہ ﷺ کی محبت ڈال دی اور جو دنیوی و اخروی نعمتیں اللہ نے ان کو عطا فرمائیں ان پر وہ راضی ہو گئے۔

وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۚ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١٠٠﴾

اور اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ مہیا کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی جن میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ ۖ ع اور تمہارے آس پاس (اطراف مدینہ میں) رہنے والے بدویوں میں کچھ لوگ منافق ہیں ان سے مراد قبائل مزینہ، جہینہ، اشجع، اسلم اور غفار کے منافق لوگ۔ ابن المنذر نے عکرمہ کے حوالہ سے یہی قول نقل کیا ہے ان قبائل کی قیام گاہیں مدینہ کے گرداگرد تھیں جن میں سے بعض لوگ منافق بھی تھے۔ مِمَّنْ کا مِنْ تبعیضیہ اسی پر دلالت کر رہا ہے احادیث مندرجہ بالا میں قبائل مذکورہ کی جو تعریف و توصیف آئی ہے اس سے اس آیت کا تعارض نہیں ہوتا کیونکہ آیت میں بعض کو منافق کہا گیا ہے (اور احادیث مذکورہ میں ان قبائل کی تعریف اکثریت کے لحاظ سے کی گئی ہے)۔

وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ ۖ اور مدینے والوں میں سے بھی کچھ منافق ہیں یعنی قبائل اوس و خزرج میں بھی کچھ منافق ہیں۔

مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ ۖ کہ نفاق کی حد کمال تک پہنچے ہوئے ہیں۔

یہ منافقوں کی صفت ہے یا منافقوں کی سرشت کا اظہار ہے مَرَدُوا کا معنی ہے خوگر اور عادی ہو گئے جم گئے تَمَرَّدَ زَيْدٌ عَلٰى رَبِّهٖ زید نے اپنے مالک سے سرکشی کی نافرمانی پر جم گیا۔ نافرمانی کا عادی ہو گیا مَرِيد اور مَارِد صفت کے صیغے اسی سے بنے ہیں ابن اسحاق نے ترجمہ کیا ہے اڑ گئے نفاق پر اور نفاق کے علاوہ دوسروں چیزوں سے انکار کر دیا۔

Marfat.com

ابن زید نے ترجمہ کیا نفاق پر قائم ہو گئے اور توبہ نہیں کی قاموس میں ہے مَرَدَ یَمْرُدُ نَصَرَ سے اور مَرُدَ یَمْرُدُ کَرُمَ سے آتا ہے دونوں کا مصدر مُرُود اور مردہ ہے مَرِید مادر اور متمرِّد صفت کے صیغے ہیں (اس کا ترجمہ ہے) آگے بڑھا سرکشی کی یا جس حالت پر ہے اس سے آگے بڑھ کر اس حالت کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ مَرَدَ عَلَی الشَّیْئِ اس چیز کا عادی ہو گیا اس پر قائم ہو گیا۔

بعض اہل لغت نے کہا کہ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ کا معنی یہ ہے کہ وہ نفاق پر جم گئے اور ہر بھلائی سے خالی ہو گئے مارد اس شخص کو کہتے ہیں جو تمام امور خیر سے خالی ہو۔

لَا تَعْلَمُهُمْ آپ ان کو (منافق) نہیں جانتے۔ یعنی باوجودیکہ آپ انتہائی دانشمند، زیرک اور سچی فراست رکھنے والے ہیں لیکن منافق اتنے چالاک اور ہوشیار ہیں کہ تہمت کے ہر مقام سے اپنے آپ کو بچائے رکھتے ہیں اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ آپ بھی ان کے منافق ہونے کو نہیں پہنچانتے۔

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ہم ان (کی منافقت) کو جانتے ہیں ہم ان کے چھپے ہوئے رازوں اور چالوں سے واقف ہیں وہ آپ کو دھوکہ دے سکتے ہیں ہم کو نہیں دے سکتے۔

سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ ہم ان کو دو بار عذاب دیں گے دو بار عذاب دینے سے کیا مراد ہے اس کے تعین میں علماء کے اقوال مختلف ہیں کلبی اور سدی نے کہا (ایک روز) رسول اللہ ﷺ خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور (الگ الگ نام لے لے کر مختلف لوگوں کو خطاب کر کے) فرمایا اے فلاں شخص نکل جا تو قطعاً منافق ہے اے فلاں شخص تو بھی نکل جا تو بھی بلاشبہ منافق ہے اس طرح حضور ﷺ نے مختلف لوگوں کو مسجد سے نکال دیا اور ان کو رسوا کر دیا۔ یہ رسوائی اور مجلس نبوی سے نکالا جانا پہلا عذاب ہوا اور دوسرے عذاب سے مراد ہے عذاب قبر۔

مجاہد نے کہا پہلے عذاب سے مراد ہے قتل و قید اور دوسرے عذاب سے قبر کا عذاب مراد ہے ابن زید نے کہا پہلے عذاب سے مراد ہے دنیا میں مال و اولاد پر پڑنے والے مصائب اور دوسرے عذاب سے مراد ہے عذاب قبر۔ مجاہد کا قول دوسری روایت میں آیا ہے کہ منافقوں پر قحط کا عذاب دو مرتبہ پڑا آیت میں یہی مراد ہے قتادہ نے کہا دنیا میں دنبل (بدن پر پھوڑے) کا عذاب پہلا عذاب تھا اور عذاب قبر دوسرا عذاب، حضرت ابن عباس کا قول مروی ہے کہ (شرعی) تعزیرات کا اجراء پہلا عذاب تھا اور عذاب قبر دوسرے عذاب۔ ابن اسحاق نے کہا بادل ناخواستہ اسلام میں داخل ہونا اور اسلام سے بغض و نفرت رکھنے کے باوجود مجبوراً اس کے دائرہ میں آنا پہلا عذاب تھا اور عذاب قبر دوسرا عذاب بعض نے کہا روحیں قبض کرنے کے وقت ملائکہ ان کے چہروں اور پشت پر ماریں گے یہ پہلا عذاب ہو گا۔ اور عذاب قبر دوسرا عذاب ہو گا۔ بعض نے کہا منافقوں کی بنائی ہوئی مسجد ضرار (جو مسلمانوں کی جاسوسی کرنے اور ان کو ضرر پہنچانے کے لئے بنائی گئی تھی) کو جلا دینا پہلا عذاب ہوا اور جہنم کی آگ میں جلنا یعنی عذاب قبر دوسرا عذاب۔

میں کہتا ہوں ان تمام اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ پہلا عذاب دنیوی مراد ہے جس کی شکل کوئی ہو اور دوسرا عذاب قبر کا مراد ہے۔

ثُمَّ يُرَدُّوْنَ اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾ پھر ان کو بڑے عذاب کی طرف لوٹایا جائے گا یعنی جہنم کے عذاب کی طرف جہاں ہمیشہ رہیں گے (جو کیفیت مقدار مدت ہر اعتبار سے بڑا ہو گا۔)

وَاٰخَرُوْنَ اور (اعراب میں سے یا مدینہ والوں میں سے) کچھ اور لوگ ہیں (جو منافق نہیں ہیں بلکہ ان کی حالت یہ ہے۔)

اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ؕ انہوں نے اپنے قصور کا اقرار کر لیا ہے یعنی غزوہ تبوک میں شریک نہ ہونے اور نہ جانے کا کوئی جھوٹا عذر نہیں پیش کیا بلکہ اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔

Marfat.com

انہوں نے نیک عمل کو برے عمل کے ساتھ مخلوط کر دیا۔ نیک عمل سے مراد ہے ایمان نماز اور رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہ کر متعدد مرتبہ جہاد میں شرکت اور تبوک سے غیر حاضری پر ندامت اور اظہار قصور برے عمل سے مراد ہے تبوک سے غیر حاضری اور اس معاملہ میں منافقوں کے ساتھ عملی موافقت وَاٰخَرَ سَیِّئًا میں واو بمعنی ب ہے برے عمل کے ساتھ۔

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ؕ امید ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمالے گا اِعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ کا لفظ اپنے اندر توبہ کا مفہوم رکھتا ہے اس لئے فرمایا کہ امید ہے اللہ ان کی توبہ قبول فرمالے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۰۲ بلا شبہ اللہ غفور رحیم ہے۔ توبہ کرنے والے سے درگذر فرماتا اور اس پر مہربانی کرتا ہے ابن جریر ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس کی روایت سے نیز بیہقی نے اس آیت کے ذیل میں سعید بن مسیب کے حوالہ سے بیان کیا ہے حضرت ابن عباس نے فرمایا یہ لوگ دس تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب ہو کر غزوہ تبوک پر نہیں گئے تھے انہی میں سے ابو لبابہ بھی تھے جب رسول اللہ ﷺ واپس تشریف لے آئے تو ان میں سے سات آدمیوں نے مسجد کے ستونوں سے خود اپنے کو بندھوا دیا۔ مسجد سے واپسی کے وقت رسول اللہ ﷺ کی گذرگاہ اسی طرف تھی جب حضور ﷺ نے ان کو دیکھا تو فرمایا یہ خود بندھے ہوئے لوگ کون ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یہ ابو لبابہ اور ان کے ساتھی ہیں جو آپ کے ساتھ نہیں گئے تھے۔ اس لئے انہوں نے اللہ سے عہد کر رکھا ہے جب تک حضور ﷺ ان سے راضی نہ ہو جائیں گے اور اپنی دست خاص سے ان کو نہ کھولیں گے یہ خود کھلنے پر تیار نہ ہوں گے انہوں نے اپنے قصور کا اعتراف بھی کر لیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں بھی اللہ کی قسم کھاتا ہوں کہ ان کو خود نہیں کھولوں گا اور ان کا عذر نہیں قبول کروں گا تاوقتیکہ اللہ ہی ان کو نہ کھولے یہ مجھ سے منحرف ہو کر مسلمانوں کے ساتھ مل کر جہاد پر نہیں گئے ان حضرات کو جب رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان پہنچا تو بولے ہم بھی اپنے کو نہیں کھولیں گے تاوقتیکہ اللہ ہی نہ کھولے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اس آیت میں لفظ عسی آیا ہے جس کا معنی ہے امید۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے قطعی حکم ان کی توبہ قبول کرنے کا نہیں دیا تھا صرف امید کا اظہار فرمایا ہے، لیکن) اللہ کی طرف سے امید کا اظہار چونکہ وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لئے اس جگہ عسی کا معنی وجوب کا ہے اسی بناء پر اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے توبہ قبول ہونے کی خبر ان لوگوں کے پاس بھیج دی اور ان کا عذر قبول فرلیا اور ان کو رہا کرا دیا۔ سعید بن مسیب کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے ابو لبابہ کو رہا کرنے کے لئے آدمی بھیجا تو انہوں نے سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی اور کے ہاتھ سے رہا ہونے سے انکار کر دیا۔ آخر رسول اللہ ﷺ نے تشریف لے جا کر دست مبارک سے ان کو کھولا۔ پھر یہ حضرات اپنے اپنے مال لے کر حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ ہمارے مال ہیں ان کو ہماری طرف سے بطور صدقہ قبول فرمایئے اور ہمارے لئے دعائے مغفرت فرما دیجئے حضور ﷺ نے فرمایا مجھے تمہاری مال لینے کی اجازت نہیں دی گئی ہے اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً ان کے مالوں سے صدقہ لے لو۔ یعنی گناہوں کے کفارہ میں (جو مال وہ دے رہے ہیں) لے لو۔ بعض کے نزدیک صدقہ سے مراد زکوٰۃ ہے۔

تُطَهِّرُهُمْ (وہ صدقہ) ان کو گناہوں سے پاک کر دے گا (یا تم ان کو مال صدقہ لے کر گناہوں سے پاک کر دو گے پہلی صورت میں تطہیر کی ضمیر مونث غائب صدقہ کی طرف راجع ہو گی۔ دوسری صورت میں خطاب کا صیغہ ہو گا اور رسول اللہ ﷺ کو خطاب ہو گا۔

وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا اور تم ان کو صدقہ لے کر پاکیزہ و صاف کر دو گے یعنی ان کی نیکیاں بڑھا دو گے اور مخلص اہل ایمان کے درجات پر پہنچا دو گے۔

ابن جریر نے علی بن ابی طلحہ کے طریق سے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے اور سعید بن جبیر ضحاک اور زید بن

Marfat.com

وسلم کے اقوال سے بھی یہی مقدار نقل کی ہے لیکن بغوی نے لکھا ہے کہ عطیہ کی روایت سے حضرت ابن عباس کے قول میں ستونوں سے خود بندھ جانے والے لوگوں کی تعداد صرف پانچ بیان کی گئی ہے جن میں ابو لبابہ بھی تھے۔ اور سعید بن جبیر و زید بن اسلم کے اقوال میں آٹھ اور قتادہ و ضحاک کے اقوال میں سات بیان کی گئی ہے ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے بروایت عوفی حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ (ایک) جہاد پر تشریف لے گئے مگر ابو لبابہ اور ان کے پانچ دوسرے آدمی پیچھے رہ گئے (جہاد پر نہ جاسکے) پھر ابو لبابہ نے اور پانچ میں سے دو آدمیوں نے غور کیا۔ پشیمان ہوئے اور ان لوگوں کو اپنی تباہی (یعنی دین کی بربادی) کا یقین ہو گیا کہنے لگے ہم تو (ٹھنڈے) سایہ میں عورتوں کے ساتھ چین کریں اور رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب (دوسرے) مسلمان جہاد میں شریک ہوں یہ بڑا گناہ ہے خدا کی قسم ہم ستونوں سے خود اپنے کو باندھ دیں گے اور اس وقت تک نہ کھولیں گے جب تک رسول اللہ ﷺ خود نہ کھولیں۔ چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا۔ تین آدمی رہ گئے جنہوں نے اپنے آپ کو نہیں بندھوایا تھا۔ (الحدیث)

عبد نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت سات آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی جن میں سے چار نے یعنی ابو لبابہ مرداس اوس اور جذام نے اپنے آپ کو ستونوں سے باندھ دیا تھا۔

ابن مندہ نے الصحابہ میں اور ابو الشیخ نے بطریق ثوری از اعمش از ابو سفیان حضرت جابر کا بیان نقل کیا ہے کہ جو لوگ رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی سے رہ گئے تھے ان میں سے ابو لبابہ اوس بن جذام ثعلبہ بن ودیعہ کعب بن مالک مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ تھے ابو لبابہ اور ثعلبہ (وغیرہ) نے اپنے آپ کو ستونوں سے بندھوا دیا تھا اور (رہائی کے بعد) اپنے مال لا کر خدمت گرامی میں پیش کئے تھے اور عرض کیا تھا یا رسول اللہ ﷺ اس کو لے لیجئے اسی نے ہم کو آپ کے ہمرکاب جانے سے روکا تھا حضور نے انہی حضرات کے متعلق فرمایا تھا میں ان کو نہیں کھولوں گا جب تک اللہ ان کو نہ کھلوائے گا انہی کے متعلق آیت وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ نازل ہوئی تھی اس حدیث کی سند قوی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے تمام روایات حضرت ابو لبابہ کے نام پر متفق ہیں بعض لوگوں کا تو یہ بھی خیال ہے کہ آیت کا نزول صرف ابو لبابہ کے حق میں ہوا۔

بغوی نے لکھا ہے اس میں اختلاف ہے کہ ابو لبابہ کا جرم کون سا تھا جس کے سلسلہ میں یہ آیت اتری مجاہد نے کہا ابو لبابہ نے بنی قریظہ سے کہا کہ اگر ان (یعنی حضرت معاذ) کے فیصلہ کی شرط پر راضی ہو کر تم اپنی گڑھی سے نیچے اترے تو (حلق پر انگلی پھیرتے ہوئے اشارہ کیا کہ یہ ہو جائے گا یعنی) ذبح کر دیئے جاؤ گے ہم نے یہ قصہ سورۂ انفال کی آیت یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ کی تفسیر کے ذیل میں ذکر کر دیا ہے ابن اسحاق اور بیہقی کا بھی یہی خیال ہے کہ حضرت ابو لبابہ کا ستون سے خود بندھنا بنی قریظہ کے واقعہ ہی سے متعلق تھا۔

زہری کا قول ہے کہ آیت کے نزول کا تعلق تبوک کے واقعہ سے ہے۔ میں کہتا ہوں شاید دونوں قصوروں کی وجہ سے ابو لبابہ نے اپنے آپ کو ستون سے باندھا ہو اس کی تائید حضرت ابن عباس اور سعید بن مسیب کے اقوال مندرجہ بالا سے ہوتی ہے ابن مردویہ نے واقدی کے سلسلہ والی سند سے حضرت ام سلمہ کا بیان نقل کیا ہے کہ ابو لبابہ کی توبہ (قبول ہونے) کی آیت میرے گھر میں اتری تھی سحر کے وقت میں نے رسول اللہ ﷺ کو ہنستے سنا عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہنسی کی کیا وجہ ہے فرمایا ابو لبابہ کی توبہ قبول ہو گئی۔ میں نے عرض کیا کیا میں ان کو اس کی اطلاع دے دوں فرمایا تمہاری مرضی میں نے حجرہ کے دروازہ پر کھڑے ہو کر آواز دی ابو لبابہ تم کو بشارت ہو اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی یہ پردہ کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا واقعہ ہے آواز سنتے ہی لوگ ابو لبابہ کو کھولنے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے ابو لبابہ نے کہا (ابھی نہیں) رسول اللہ ﷺ تشریف لے آئیں وہ ہی مجھے کھولیں گے صبح کو جب حضور ﷺ گھر سے برآمد ہوئے تو آپ نے جا کر کھولا اور آیت وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا الخ نازل ہوئی۔

Marfat.com

حضرت ام سلمہ کی اس حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ جس قصور کی معافی نازل ہوئی تھی وہ وہی قصور تھا جو بنی قریظہ کے متعلق حضرت ابولبابہ سے صادر ہو گیا تھا کیونکہ تبوک کا جہاد پر تو پردہ کی آیت نازل ہونے کے بعد ہوا تھا۔ لہٰذا اولیٰ یہ ہے کہ ستون سے بندش کا واقعہ دونوں قصوروں کے نتیجہ میں قرار دیا جائے کیوں کہ روایتیں دونوں صحیح ہیں۔

وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۔ اور ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔ بغوی نے لکھا ہے کہ صدقہ کا مال لیتے وقت کیا امام پر واجب ہے کہ دینے والے کے لئے دعا کرے۔ بعض علماء کے نزدیک واجب ہے بعض کے نزدیک مستحب۔ بعض کے نزدیک واجب زکوٰۃ وصول کرتے وقت تو دعا دینی واجب ہے اور نفل صدقہ کے وصول کرتے وقت مستحب۔ بعض کا قول ہے کہ امام پر واجب ہے مگر فقیر اگر مالدار سے لے تو دینے والے کو دعا دینی مستحب ہے۔

بخاری کا بیان ہے کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی نے فرمایا (حضرت ابواوفی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر (تجدید) بیعت کی تھی) کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں جب لوگ صدقہ کا مال پیش کرتے تھے تو حضور ﷺ (دعا دیتے اور) فرماتے اے اللہ ان پر رحمت نازل فرما۔ چنانچہ میرے باپ نے اپنے صدقہ کا مال پیش کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اے اللہ آل ابی اوفی پر رحمت نازل فرما۔

صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ لغت میں صلوٰۃ کا معنی ہے، دعا، رحمت، استغفار اور اللہ کی طرف سے رسول ﷺ کی تعریف۔ جب لفظ صلوٰۃ کی نسبت بندوں کی طرف کی جاتی ہے تو دعا اور استغفار ہوتا ہے آیت میں یہی معنی مراد ہے ایک حدیث آتی ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی کھانے کے لئے بلائے تو دعوت قبول کر لینا چاہئے (اور جانا چاہئے) پھر اگر روزہ نہ ہو تو کھا لینا چاہئے اور روزہ دار ہو تو (میزبان کے لئے) صلوٰۃ یعنی دعا کرنا چاہئے رواہ احمد و مسلم و ابوداؤد و الترمذی عن ابی ہریرہ۔

حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے شوہر کے لئے صلوٰۃ کر دیجئے یعنی دعائے مغفرت فرما دیجئے حضور ﷺ نے دعا کر دی۔ اخرجہ احمد۔ اس روایت کی تصحیح ابن حبان نے کی ہے جب لفظ صلوٰۃ کی نسبت اللہ کی طرف کی جاتی ہے تو رحمت اور پسندیدگی کا اظہار ہوتا ہے حضرت ابواوفی کے لئے رسول اللہ ﷺ نے جو دعا کی تھی اس میں صلوٰۃ سے مراد رحمت ہی ہے۔ ابوداؤد اور نسائی نے حضرت قیس بن سعد کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے اللہ اپنی صلوٰۃ اور رحمت سعد بن عبادہ کی آل پر کر دے اس روایت کی سند عمدہ ہے۔

حضرت ابوہریرہ کی مرفوع روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ مومن کی روح سے کہتے ہیں تجھ پر اور تیرے بدن پر اللہ کی رحمت ہو۔

احادیث مذکورہ کے الفاظ کی روشنی میں اور لغوی معنی کے پیش نظر یحییٰ بن یحییٰ نے کہا کہ انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لئے بھی اگر لفظ صلوٰۃ استعمال کر لیا جائے یعنی لفظ صلوٰۃ سے ان کے لئے دعا کی جائے تو کوئی حرج نہیں ہے لیکن محدثین اور فقہاء اسلام کی اصطلاح ہے کہ لفظ صلوٰۃ انبیاء کے لئے مخصوص ہے یا ہمارے نبی ﷺ کے لئے خاص ہے اور دوسروں کے لئے اس کا استعمال ذیلی طور پر کیا جا سکتا ہے اسی اصطلاح کی بناء پر امام مالک نے فرمایا میری رائے میں انبیاء کے سوا دوسروں کے واسطے لفظ صلوٰۃ کا استعمال مکروہ ہے قاضی عیاض نے کہا کہ یہ قول امام مالک اور سفیان کا ہے اور یہی مسلک متکلمین اور فقہاء کا ہے فقہاء اسلام نے کہا انبیاء کے سوا دوسروں کے لئے رضا مغفرت اور رحمت وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے جائیں (صلوٰۃ کا استعمال نہ کیا جائے انبیاء کے سوا دوسروں کے لئے لفظ صلوٰۃ کا استعمال (خلافت راشدہ اور بنی امیہ کے عہد میں) معروف نہ تھا بنی ہاشم یعنی خلفاء عباسیہ کے دور میں اس کی ایجاد ہوئی (لہٰذا یہ بدعت ہے)۔

امام ابو حنیفہ اور ایک جماعت علماء کا قول ہے کہ انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لئے لفظ صلوٰۃ کا استعمال مستقل طور پر (یعنی تنہا۔ غیر انبیاء کے لئے) درست نہیں ذیلی طور پر (یعنی انبیاء کے بعد اگر دوسروں کا ذکر ہو تو بالتبع) درست ہے کیونکہ

Marfat.com

اہل شریعت کی اصطلاح میں انبیاء خصوصاً "رسول اللہ ﷺ کی عظمت کے اظہار کے لئے لفظ صلوۃ خاص کر لیا گیا ہے لہٰذا انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لئے اس کا استعمال جائز نہیں۔ اللہ نے فرمایا لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا اسی بناء پر حضرت ابن عباس نے فرمایا کسی کی طرف سے سوائے رسول اللہ ﷺ کے کسی اور پر صلوۃ بھیجنا (یعنی لفظ صلوۃ سے دعا کرنا) مناسب نہیں۔ رواہ ابن ابی شیبہ من طریق عثمان بن حکیم عن عکرمہ وہذا اسند صحیح۔

بیہقی نے کہا حضرت ابن عباس کے اس کلام کا یہ مطلب ہے کہ تعظیم کے طور پر انبیاء کے علاوہ دوسروں کے لئے لفظ صلوۃ نہ ذکر کیا جائے اگر دعاء کے طور پر ہو تو کوئی حرج نہیں ابن قیم نے کہا پسندیدہ بات یہ ہے کہ انبیاء ملائکہ امہات المومنین، آل رسول، ذریات رسول اور تمام اہل طاعت کے لئے بالاجمال (بغیر کسی شخصی تعین اور نام کے) لفظ صلوۃ کا استعمال صحیح ہے اور انبیاء کے علاوہ کسی معین شخصیت کے لئے اس کا استعمال مکروہ ہے کسی معین شخصیت کے لئے اگر استعمال کیا جائے گا تو یہ شعار بن جائے گا خصوصاً ایسی صورت میں تو کراہت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب اس لفظ کا (خصوصی) استعمال ایسی شخصیتوں کے لئے کیا جائے جن کے ہم پایہ بلکہ ان سے برتر فضائل رکھنے والے دوسرے افراد ہوں اور ان افضل یا مساوی المرتبہ افراد کے لئے تو لفظ صلوۃ استعمال نہ کیا جائے اور دوسروں کے لئے کیا جائے۔ جیسے رافضی کرتے ہیں۔ کذا قال الحافظ ابن حجر۔

اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ بے شک تمہاری دعا ان کے لئے رحمت ہے۔ حضرت ابن عباس نے سکن کا ترجمہ رحمت کیا ہے ابو عبیدہ نے سکون خاطر اور طمانیت قلب ترجمہ کیا ہے یعنی تمہاری دعا ان کے سکون خاطر اور دل کے ٹھیراؤ کا ذریعہ ہے ان کو اطمینان ہو جائے گا کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول کر لی۔

میں کہتا ہوں پاک باطن اور صاف قلب رکھنے والوں سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جاتا ہے تو گناہ کی ظلمت ان کے دل پر چھا جاتی ہے اور اندر کچھ تاریکی محسوس ہونے لگتی ہے لیکن جب اللہ کے رسول ﷺ ان کے لئے دعائے مغفرت کر دیتے ہیں اور اللہ ان کو معاف کر دیتا ہے تو دل کی تاریکی اور گھٹن دور ہو جاتی ہے یا دل کے اندر گناہ کی تاریکی اور گھٹن ایسی ہوتی ہے جیسے معدہ سے بخارات چڑھنے اور اطراف قلب میں جمع ہو کر دل پر دباؤ ڈالنے سے خفقان پیدا ہو جاتا ہے اور جب بخارات کا دباؤ معدہ کی اصلاح سے ختم ہو جاتا ہے تو خفقان جاتا رہتا ہے یہی حالت گناہ سے پیدا ہونے والی تاریکی کی وجہ سے دل کی بے چینی کی ہوتی ہے اور مغفرت کی وجہ سے اس کا زوال ہو کر سکون و اطمینان پیدا ہو جاتا ہے سچ فرمایا ہے کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون ہو جاتا ہے۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ اور اللہ سننے والا ہے ان کے اعتراف قصور اور ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کی دعا و استغفار کو۔

عَلِيْمٌ ﴿۱۰۳﴾ خوف واقف ہے ان کی ندامت (اور توبہ) سے۔

بغوی نے (آیت ذیل کے سبب نزول کے متعلق) لکھا ہے کہ جب ان حضرات کی توبہ قبول ہو گئی تو وہ لوگ جو (سستی یا کسی اور وجہ سے) تبوک کو نہیں گئے تھے اور انہوں نے (گناہ کا علی الاعلان اقرار کر کے) توبہ بھی نہیں کی تھی کہنے لگے کل تک تو یہ لوگ ہمارے ساتھ تھے کوئی ان سے میل جول بھی نہیں رکھتا تھا نہ کوئی ان سے بات کرتا تھا اب یہ نئی بات کیا ہو گئی اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ

کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے اور ان کے صدقات کو (قبول کے ہاتھوں سے) لے لیتا ہے یعنی اس طرح قبول کر لیتا ہے جیسے کوئی کسی چیز کو معاوضہ ادا کرنے کے لئے لے لیتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو بندہ پاک کمائی سے خیرات کرتا ہے اور اللہ صرف پاک (کمائی کی خیرات) کو ہی قبول فرماتا ہے اور آسمان کی طرف پاک (کلام،

Marfat.com

عمل، خیرات) کو ہی عروج نصیب ہوتا ہے تو وہ گویا اس خیرات کو اللہ کے ہاتھ میں رکھتا ہے اللہ اپنے ہاتھ میں اس کو (اس طرح) بڑھاتا ہے جس طرح تم اپنے بچے کو (اس کی پشت پر ہاتھ پھیر پھیر کر) پرورش کرتے ہو یہاں تک کہ ایک لقمہ قیامت کے دن بڑے پہاڑ کے برابر ہو کر سامنے آئے گا۔ یہ فرمانے کے بعد حضور ﷺ نے آیت اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ تلاوت فرمائی۔ رواہ الشافعی۔

صحیحین کی روایت بھی اسی روایت کی ہم معنی ہے اس میں اتنا اور ہے کہ جو شخص پاک کمائی سے ایک چھوارے برابر خیرات کرتا ہے اور اللہ پاک کو ہی قبول کرتا ہے تو اللہ اپنے دائیں ہاتھ سے اس کو قبول فرمالیتا ہے۔

وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۰۴﴾ اور اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے یعنی توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنا اور ان پر مہربانی کرنا اس کی شان ہے۔

وَقُلِ اور آپ کہہ دیجئے یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے یا سب لوگوں کو۔ اِعْمَلُوْا (جو چاہو) کرو

فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ اللہ تمہارے (اچھے برے) عمل کو دیکھ لے گا اس سے کچھ پوشیدہ نہیں ہے۔

وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ اور اللہ کا رسول اور مسلمان بھی (دیکھ لیں گے) جو چیز تم چھپاؤ گے اللہ وحی کے ذریعے سے اپنے رسول پر اس کا اظہار کر دے گا اور پھر مسلمان بھی واقف ہو جائیں گے۔

مجاہد نے کہا، یہ دھمکی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ اپنے نبی کو اطلاع دے دے گا اور مومنوں کی واقفیت اس طرح ہو گی کہ اللہ ان کے دلوں میں اہل صلاح کی محبت پیدا کر دے گا اور جو لوگ مفسد ہوں گے ان کی نفرت اہل ایمان کے دلوں میں ڈال دے گا۔

وَسَتُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

اور ضرور تم کو ایسے کے پاس لے جایا جائے گا جو تمام کھلی اور چھپی چیزوں کا جاننے والا ہے سو وہ تم کو تمہارا سب کیا ہوا بتا دے گا۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ؕ اور کچھ اور لوگ ہیں جن کا معاملہ خدا کے حکم آنے تک ملتوی ہے کہ ان کو سزا دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا۔ یعنی مدینہ کے رہنے والے ان لوگوں میں سے جو تبوک کے جہاد پر نہیں گئے کچھ اور لوگ جن کا فیصلہ خدا کے حکم آنے تک ڈھیل میں پڑا ہوا ہے۔ وہ چاہے تو عذاب دے اس کو صغیرہ گناہ پر بھی عذاب دینے کا اختیار ہے اور چاہے تو بغیر توبہ کے معاف کر دے، وہ کبیرہ گناہوں کو بھی بغیر توبہ کے معاف کر سکتا ہے کوئی چیز اس پر لازم نہیں ہے لہٰذا بندوں کو امید بھی رکھنا چاہئے اور ڈرتے بھی رہنا چاہئے۔ (اللہ کو تو کسی کو عذاب دینے یا بخش دینے میں کوئی تردد ہو نہیں سکتا، اس کا علم تو یقینی ہے کہ کس کو معاف کرے گا اور کس کو سزا دے گا شک تو بندوں کے علم میں ہوتا ہے اور عذاب و مغفرت میں تردد تو بندوں کو ہی ہونا چاہئے اس لئے آیت میں) لفظ اِمَّا کا استعمال بندوں کے لحاظ سے کیا گیا ہے (یعنی امانک و تردد کے موقع پر آتا ہے اور بندوں کو مغفرت و عذاب میں تردد ہو سکتا ہے اس لئے انہی کے علم کی مناسبت سے لفظ اما ذکر کیا گیا)۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ اور اللہ (ان کے احوال کو) خوب جاننے والا ہے اور (جو سلوک ان سے کرے گا اس کی) مصلحت سے بھی وہی واقف ہے شیخین نے حضرت کعب بن مالک کی روایت سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ سے مراد کعب بن مالک، ہلال ابن امیہ اور مرارہ بن ربیع ہیں یہ ان دس آدمیوں میں سے تھے جو تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے اور مسجد کے ستونوں سے بھی انہوں نے اپنے آپ کو بندھوایا نہ تھا (مگر اپنے جرم کا کھل کر اقرار کر لیا تھا کوئی بہانہ نہیں کیا تھا) رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو حکم دے دیا تھا کہ ان تینوں حضرات سے سلام کلام ترک کر دیں ان حضرات نے جب یہ سلوک دیکھا تو خلوص نیت کے ساتھ تائب ہو گئے اور اپنا معاملہ

Marfat.com

اللہ کے سپرد کر دیا آخر اللہ نے ان پر رحم کیا (اور ان کا قصور بھی معاف کر دیا گیا) ہم ان کا قصہ آگے لکھیں گے۔

محمد بن اسحاق نے حضرت ابو رہم کلثوم بن حصین غفاری کی روایت سے بیان کیا ہے حضرت ابو رہم ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے حضور کے دست مبارک پر (تجدید) بیعت کی تھی۔

ابن جریر ابن المنذر ابن ابی حاتم ابن مردویہ اور بیہقی نے دلائل میں حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے۔ نیز ابن المنذر نے سعید بن جبیر کی روایت سے اور محمد بن عمر نے یزید بن رومان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ عمرو بن عوف کے قبیلہ نے ایک مسجد کی تعمیر اور رسول اللہ ﷺ کے پاس آدمی کو بھیجا کہ حضور ﷺ تشریف لا کر اس مسجد میں نماز پڑھیں۔ عثم بن عوف کے قبیلہ نے جب یہ بات دیکھی تو ان کو حسد ہوا اور انہوں نے کہا ہم بھی ایک مسجد بنائیں گے جیسی انہوں نے بنائی ہے (بات یہ ہوئی تھی کہ) شام کو روانہ ہونے سے پہلے ابو عامر فاسق نے ان سے کہا تھا تم لوگ ایک مسجد تعمیر کرو اور جتنے اسلحہ ممکن ہوں اس میں (پوشیدہ طور پر) جمع کر لو میں قیصر روم کے پاس جا رہا ہوں وہاں سے رومیوں کا ایک لشکر لا کر محمد اور ان کے ساتھیوں کو یہاں سے نکال باہر کر دوں گا ابو عامر فاسق اللہ اور رسول کے خلاف بغاوت کر کے رسول اللہ ﷺ سے لڑنے کے ارادہ سے مدینہ سے گیا تھا چنانچہ یہ لوگ ابو عامر کے آنے (اور رومیوں کا لشکر ساتھ لانے) کے انتظار میں تھے۔ مسجد تیار ہو گئی تو انہوں نے چاہا کہ رسول اللہ ﷺ اس میں نماز پڑھیں تاکہ ان کا جو مقصد تھا یعنی فساد کفر اور اسلام سے عناد اس کو کامیاب ہونے کا موقع مل جائے جب رسول اللہ ﷺ تبوک کو روانہ ہونے کی تیار کر رہے تھے کہ ان کی طرف سے کچھ لوگ بخدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم نے ایک مسجد بنائی ہے مقصد تعمیر یہ ہے کہ جو بیمار یا حاجت مند مسجد گرامی میں حاضر نہیں ہو سکتے یا سخت سردی کی رات ہو یا بارش کی رات ہو اور لوگ وہاں سے یہاں حاضر نہ ہو سکیں تو وہ اس مسجد میں نماز پڑھ لیں ہماری خواہش ہے کہ حضور ﷺ تشریف لا کر اس مسجد میں نماز پڑھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اب تو میں بر سر سفر ہوں اور کام میں مشغول ہوں جب ہم انشاء اللہ واپس آئیں گے تو تمہاری مسجد میں نماز پڑھیں گے چنانچہ آپ جب تبوک سے واپس ہو کر مقام ذی اوان میں اترے تو مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی یہ مقام مدینہ سے ایک گھنٹہ کی راہ کے فاصلہ پر تھا۔

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا اور بعض لوگ ایسے ہیں جنہوں نے (اسلام کو) ضرر پہنچانے کے لئے مسجد بنائی ہے یعنی مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ بارہ آدمیوں نے اس مسجد کی تعمیر کی تھی (۱) قبیلہ بنی عبید بن زید کا حذام بن خالد یہ بنی عمرو بن عوف کا ایک فرد تھا۔ (۲) قبیلہ بنی امیہ بن زید کا ثعلبہ بن حاطب۔ (۳) بنی صیعہ بن زید کا معتب بن قشیر اور۔ (۴) حبیبہ بن ازعر اور (۵) نبتل بن حارث اور نجاد بن عثمان اور قبیلہ بنی عمرو بن عوف کا عباد بن حنیف جو سہل بن حنیف کا بھائی تھا اور حارثہ بن عامر اور اس کے دونوں بیٹے مجمع بن حارثہ اور زید بن حارثہ اور ودیعہ بن ثابت اور ایک شخص جس کو بحرج کہا جاتا تھا۔ اس سب نے اس مسجد کی تعمیر مسجد قبا کو ضرر پہنچانے کے لئے کی تھی۔

وَكُفْرًا اور اللہ و رسول کا انکار کرنے کے سبب۔

وَتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈالنے کے لئے۔ مسلمان مسجد قبا میں نماز پڑھتے تھے مجمع بن حارثہ نماز پڑھاتا تھا ان لوگوں نے دوسری مسجد اس غرض سے بنائی کہ (مسجد قبا میں نماز پڑھنے والے) کچھ اس مسجد میں نماز پڑھنے لگیں اور اس طرح (دین کے نام پر) مسلمانوں کے ٹکڑے ہو جائیں اور اختلاف پیدا ہو جائے۔

وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ اور اس شخص کے قیام کا سامان کرنے کے لئے جو پہلے سے ہی اللہ اور اس کے رسول کا مخالف تھا۔

بغوی نے لکھا ہے مَنْ حَارَبَ اللّٰهَ سے مراد ابو عامر راہب ہے جو حضرت حنظلہ غسیل الملائکہ کا باپ تھا اور قبیلہ بنی

Marfat.com

عمرو بن عوف کا ایک فرد تھا اسلام لانے سے پہلے یہ شخص کمبل پوش عیسائی راہب ہو گیا تھا۔ جب رسول اللہ مدینہ تشریف لائے تو ابو عامر نے پوچھا آپ کیا مذہب لائے ہیں۔ رسول اللہ نے فرمایا یہ خالص دین توحید ہے جو ابراہیم کا دین تھا۔ ابو عامر نے کہا کہ دین حنیفیت پر تو میں ہوں رسول اللہ نے فرمایا تم دین حنیفیت (دین ابراہیمی) پر نہیں ہو۔ ابو عامر نے کہا کیوں نہیں (میں یقیناً "دین ابراہیمی پر ہوں) آپ نے حنیفیت کے اندر دوسروں چیزوں کو شامل کر لیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں نے ایسا نہیں کیا میں تو خالص ستھری ہوئی روشن شریعت لے کر آیا ہوں ابو عامر نے کہا تو ہم میں سے جو جھوٹا ہو خدا کرے وہ یکہ و تنہا خانہ بدر مسافرت کی حالت میں مرے حضور ﷺ نے فرمایا اللہ ایسا ہی کرے۔ حضور نے (بجائے راہب کے) اس کا نام ابو عامر فاسق رکھ دیا۔ احد کی لڑائی کے دن ابو عامر نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا جو قوم بھی آپ سے لڑے گی میں اس کے ساتھ مل کر آپ سے لڑوں گا چنانچہ جنگ حنین تک وہ برابر رسول اللہ ﷺ کے خلاف دوسری قوموں سے مل کر لڑتا رہا ہوازن کی شکست کے بعد شام بھاگ گیا اور منافقوں کو یہ پیام بھیج گیا کہ تم لوگ تیار رہنا ایک مسجد بنا کر جس قدر اسلحہ ہو سکے اس میں جمع کر رکھنا میں قیصر روم کے پاس جا رہا ہوں وہاں سے رومیوں کا ایک لشکر لا کر محمد اور ان کے ساتھیوں کو نکال باہر کر دوں گا ابو عامر کے مشورہ کے موافق ان لوگوں نے مسجد قبا کے برابر ایک مسجد بنالی۔ مِنْ قَبْلُ سے مراد یا تو یہ معنی ہیں کہ مسجد بنانے کے پہلے اس شخص نے اللہ اور رسول ﷺ کے خلاف بغاوت اور جنگ کی تھی یا یہ مطلب ہے کہ تبوک کے جہاد سے غیر حاضر ہونے سے پہلے ہی انہوں نے مسجد بنالی تھی اول مطلب پر مِنْ قَبْلُ کا تعلق حَارَبَ سے اور دوسری صورت میں اتَّخَذُوْا سے ہوگا۔

وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى ؕ اور یہ لوگ قسمیں کھائیں گے کہ سوائے بھلائی کے ہماری اور کچھ نیت نہیں۔ الحسنیٰ بھلائی یعنی سخت گرمی اور بارش میں مسلمانوں کا آرام اور جو ضعیف و کمزور رسول اللہ ﷺ کی مسجد تک نہ پہنچ سکتے ہوں ان کے لئے سہولت، ہمارے پیش نظر تھی۔ ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے عوفی کی سند سے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب مسجد قبا تعمیر کرائی تو کچھ انصاری جن میں سے ایک شخص بخرج بھی تھا گئے اور انہوں نے مسجد نفاق بنائی۔ رسول اللہ ﷺ نے بخرج سے فرمایا اس سے تیرا مقصد کیا ہے کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ میرا مقصد تو صرف بھلائی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ اور اللہ شاہد ہے کہ یہ لوگ اپنے قول و قسم میں جھوٹے ہیں۔

لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا ؕ آپ (نماز کے لئے) اس میں کبھی نہ کھڑے ہوں۔ حضرت ابن عباس نے تفسیری مطلب یہی فرمایا۔ ابن النجار نے کہا منافقوں نے یہ مسجد قبا والی مسجد کے مقابلہ میں بنائی تھی۔ سب وہاں جمع ہوتے اور رسول اللہ ﷺ کی برائی کرتے اور آپ کا مذاق بناتے تھے۔ جب (تبوک سے واپسی میں) رسول اللہ ﷺ مقام ذی اوان میں تھے تو یہ آیت نازل ہوئی ابن اسحاق نے بسلسلہ زہری حضرت ابو ہم کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی سالم بن عوف کے مالک بن دخشم کو اور قبیلہ عاصم بن عدی کے معن بن عدی کو طلب فرمایا بغوی نے مالک بن دخشم کے ساتھ عامر بن اسکن اور حضرت حمزہ کے قاتل وحشی کا بھی ذکر کیا ہے عاصم کا ذکر نہیں کیا اور ذہبی نے التجرید میں سوید بن عباس انصاری کا نام بھی بیان کیا ہے اور فرمایا ناشناس لوگوں کی بنائی ہوئی اس مسجد کو جا کر ڈھا دو اور جلا دو حسب الحکم یہ حضرات تیزی کے ساتھ چلے گئے اور سالم بن عوف کے محلہ میں پہنچ کر مالک نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا آپ لوگ میرا انتظار کریں میں آتا ہوں یہ کہہ کر اپنے گھر جا کر کھجور کی کچھ خشک ٹہنیاں لے کر ان میں آگ لگائی پھر سب حضرات دوڑ کر مغرب و عشاء کے درمیان مسجد میں پہنچے، اس وقت مسجد والے مسجد میں موجود تھے ان حضرات نے مسجد کو آگ لگا دی اور ڈھا کر زمین کے برابر کر دیا اہل مسجد ادھر ادھر منتشر ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا اس جگہ کوڑا گھر بنا دیا جائے جہاں مرد اور جانور اور غلاظتیں ڈالی جائیں۔ ابو عامر فاسق ملک شام میں یکہ و تنہا خانہ برباد مسافرت کی حالت میں مر گیا۔

محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو آپ نے عاصم بن عدی کو پیش کش

Marfat.com

کی کہ اس مسجد کے مقام پر وہ اپنا مکان بنالیں۔ حضرت عاصم نے عرض کیا یارسول اللہ اس مسجد کے بارے میں جو حکم نازل فرمایا ہے اس کے بعد تو میں اس میں مکان نہیں بنا سکتا البتہ ثابت بن اقرم کو یہ جگہ عنایت فرمادیجئے ان کے پاس کوئی مکان نہیں ہے رسول اللہ ﷺ نے ثابت کو وہ جگہ عطا فرمادی لیکن اس مکان میں ثابت کا کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا نہ کسی کبوتر نے وہاں بچہ نکالا نہ کسی مرغی نے انڈے سیئے (یعنی انڈوں پر بیٹھ کر بچہ نہیں نکالا)۔

بغوی نے بیان کیا کہ روایت میں آیا ہے کہ بنی عمرو بن عوف جنہوں نے مسجد قبا بنائی تھی حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی کہ مجمع بن حارثہ کو ان کی مسجد میں امام بنادیں۔ حضرت عمر نے انکار کر دیا اور فرمایا (اس کی) آنکھ ٹھنڈی نہ ہو کیا یہ مسجد ضرار میں امام نہ تھا مجمع نے عرض کیا امیر المومنین میرے خلاف فیصلہ کرنے میں جلدی نہ کیجئے میں نے مسجد ضرار میں نماز ضرور پڑھی ہے لیکن مجھے معلوم نہ تھا کہ ان لوگوں کی نیت کیا ہے اگر مجھے ان کا مخفی ارادہ معلوم ہوتا تو میں وہاں نماز نہیں پڑھتا میں لڑکا تھا مگر قرآن پڑھا ہوا اور وہ لوگ بوڑھے تھے مگر ناخواندہ اس لئے میں نے نماز پڑھادی میں یہ ہی خیال کرتا تھا کہ تعمیر مسجد سے ان کی غرض حصول ثواب ہے ان کے دلوں کے خیالات کا مجھے علم نہ تھا حضرت عمر نے حضرت مجمع کے اس عذر کو قبول فرمالیا اور ان کے بیان کی تصدیق کی اور ان کو مسجد قبا میں نماز پڑھانے کا حکم دے دیا۔

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ط پہلے دن سے جس مسجد کی بنیاد پر تقوے پر رکھی گئی اسمیں نماز پڑھنی بلاشبہ۔ تمہارے لئے زیادہ مناسب ہے پہلے دن سے مراد ہے تعمیر تو تاسیس کا پہلا دن یا ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کے مدینہ میں فروکش ہونے کا پہلا دن۔ کذا قال السہیلی۔ حضرت ابن عمر حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا لَمَسْجِدٌ سے مراد مسجد نبوی ہے یعنی مدینہ والی مسجد۔ امام احمد، ابن ابی شیبہ، ترمذی، نسائی، ابو یعلی، ابن جریر ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ، حاکم ابن مردویہ اور بیہقی نے (دلائل میں) ذکر کیا کہ حضرت ابو سعید خدری نے فرمایا میں امہات المومنین میں سے کسی کے گھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون سی مسجد ہے (جس کے متعلق فرمایا گیا ہے) کہ اس کی تاسیس تقویٰ پر کی گئی ہے حضور ﷺ نے ایک مٹھی کنکریاں لے کر زمین پر ماریں اور فرمایا یہ ہی تمہاری مسجد مدینہ کی مسجد۔

طبرانی اور ضیاء مقدسی نے الحق تر میں حضرت زید بن ثابت کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ سے اس مسجد متعلق دریافت کیا گیا جس کی بنیاد تقویٰ پر رکھی گئی تھی تو آپ نے فرمایا مسجد قبا! ابن ابی شیبہ ابن مردویہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عمر سے دریافت کیا گیا جس مسجد کی تاسیس تقوے پر ہوئی وہ کونسی مسجد ہے فرمایا رسول اللہ ﷺ کی مسجد۔

مسجد نبوی کی فضیلت میں وہ حدیث آئی ہے جس کو شیخین نے صحیحین میں حضرت ابو ہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا ممبر میرے حوض پر ہے (یا یوں ترجمہ کیا جائے کہ میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہو گا اور میرا ممبر میرے حوض پر ہو گا) واللہ اعلم بغوی کی روایت میں بجائے گھر کے قبر کا لفظ آیا ہے۔

شیخین اور احمد اور نسائی نے حضرت عبد اللہ بن زید مازنی کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان ایک باغ ہے جنت کے باغوں میں سے ترمذی نے بھی حضرت علی کی روایت سے یہی بیان کیا ہے۔

مسجد حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری اس مسجد میں ایک نماز دوسری مسجدوں میں سوائے حرام (کعبہ) کے ہزار نمازوں سے بہتر ہے۔

بعض علماء کا خیال ہے کہ مسجد اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مسجد قبا ہے عطیہ کی روایت میں حضرت ابن عباس کا یہی قول آیا ہے عروہ بن زبیر، سعید بن جبیر اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے مسجد قبا کی تاسیس کی تھی۔ ہجرت کر کے جب حضور ﷺ مدینہ کو آئے تو جتنے دنوں یعنی پیر سے جمعہ تک قبا میں قیام فرمایا اور اس عرصہ میں یہاں نماز پڑھی۔ ابن جریر اور

Marfat.com

ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور بیہقی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے اور ابو الشیخ نے ضحاک سے یہی بیان کیا ہے۔

بخاری نے عبداللہ بن دینار کی وساطت سے حضرت ابن عمر کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہر شنبہ کو پیدل یا سوار ہو کر مسجد قبا کو تشریف لے جاتے تھے حضرت ابن عمر بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ نافع نے حضرت ابن عمر کا قول اتنا زائد نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس میں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ داؤدی سہیلی اور حافظ ابن حجر نے کہا یہ (تفسیری) اختلاف نہیں ہے کیونکہ دونوں میں سے ہر مسجد کی تاسیس تقوے پر ہوئی تھی۔

میں کہتا ہوں مراد یہ ہے کہ مورد نزول گو خاص ہو مگر اعتبار الفاظ کے عموم کا ہوتا ہے اور مسجد نکرہ موصوفہ ہے اس کی صفت مُسَسَ عَلَى التَّقْوٰى ہے اور یہ بھی صفت عام ہے لیکن آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ آیت کی مسجد قبا مراد ہے اور اسی کے متعلق آیت کا نزول ہوا کیونکہ مسجد ضرار کی تعمیر مسجد قبا کو نقصان پہنچانے کے لئے ہی کی گئی تھی پھر بعد والی آیت سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ فرمایا ہے:

فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ۝۱۰۸ اس میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو خوب پاک ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ خوب پاک ہونے والوں کو پسند فرماتا ہے خوب پاک ہونے سے مراد ہے پاپاکی جنابت نجاست (غلاظت) گناہ اور برے خصائل سے پاک ہونا۔ بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابو ہریرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ آیت فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا اہل قبا کے حق میں نازل ہوئی یہ لوگ پانی سے استنجا کرتے تھے تو ان کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ترمذی کی بھی یہی روایت ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ مہاجرین کو ساتھ لے کر پیدل روانہ ہوئے اور مسجد قبا کے دروازے پر پہنچ کر کھڑے ہو گئے اندر انصار بیٹھے ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم لوگ مومن ہو انصار خاموش رہے، حضور ﷺ نے پھر یہی فرمایا اس پر حضرت عمر نے عرض کیا یہ یقیناً مومن ہیں اور میں بھی ان کے ساتھ ہوں فرمایا کیا تم قضاء (خداوندی) پر راضی ہو انہوں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تم مصیبت پر صبر کرتے ہو انہوں نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تم راحت پر شکر کرتے ہو، انہوں نے کہا جی ہاں، فرمایا قسم ہے مالک کعبہ کی تم مومن ہو، پھر آپ (ان کے پاس) بیٹھ گئے اور فرمایا اے گروہ انصار اللہ نے تمہاری تعریف فرمائی ہے تم وضو اور رفع حاجت کے وقت کیا کرتے ہو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ رفع حاجت کے بعد ہم تین پتھروں کا استعمال کرتے ہیں اور پتھروں کے بعد پانی کا استعمال کرتے ہیں اس پر حضور نے آیت فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا تلاوت فرمائی۔

ابن خزیمہ نے صحیح میں حضرت عویمر بن ساعدہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اہل قبا کے پاس مسجد قبا میں تشریف لے گئے اور فرمایا تمہاری مسجد کے قصہ میں تمہاری پاکی کی اللہ نے بہت اچھی تعریف کی ہے تم لوگ طہارت کیسے کرتے ہو (جس کی اللہ نے تعریف کی ہے) انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم اور کچھ تو ہمیں معلوم نہیں صرف اتنی بات تھی کہ ہمارے پڑوس میں جو یہودی رہتے تھے وہ رفع حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرتے تھے سو ہم نے بھی پانی سے استنجا کرنا شروع کر دیا دوسری روایت میں آیا کہ ہم پتھروں کے استعمال کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں فرمایا وہ یہی ہے تم ایسا ضرور کیا کرو۔

عمر بن شیبہ نے اخبار المدینہ میں ولید بن ابی منذر کی وساطت سے یحیی بن سہل انصاری کا بیان نقل کیا ہے کہ حضرت سہل انصاری نے فرمایا یہ آیت اہل قبا کے حق میں نازل ہوئی جو رفع حاجت کے بعد پانی سے استنجا کرتے تھے۔

ابن جریر نے عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ اہل قبا میں سے کچھ لوگوں نے پانی سے طہارت کرنے کی ایجاد کی انہی کے متعلق آیت فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا نازل ہوئی۔

اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهٖ

Marfat.com

فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ

پھر کیا ایسا شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت (مسجد) کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی خوشنودی پر رکھی یا وہ شخص بہتر ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد کسی کھائی (غار) کے کنارے پر جو کہ گرنے ہی کو ہو رکھی پھر وہ عمارت اپنے بنانے والے کو لے کر دوزخ کی آگ میں گر پڑی۔

اَفَمَنْ میں سوال تقریری ہے اور جواب چونکہ واضح تھا اس لئے اس کو ذکر نہیں کیا بُنْیَانَهٗ سے مراد ہے اپنے دین کی بنیاد یا اپنی عمارت کی بنیاد عَلٰی تقوٰی یعنی اللہ کے خوف اور اللہ کی رضاجوئی کی مضبوط دیواروں اور بنیادوں پر۔ عَلٰی شفا جُرُفٍ یعنی کمزور ترین بنیادوں اور ضعیف ترین دیواروں پر۔ شفا شفیر حرف سب کا معنی ہے کنارہ یعنی کسی وادی اور نالہ کا وہ کنارہ جس کے اندر سیلاب کی وجہ سے خلا پیدا ہو گیا ہو اور کنارے کی نوک باہر کو نکل آئی ہو۔ ہار، پھٹا ہوا جو گرنے کے قریب ہو۔ ہار کی اصل ہَوْرٌ اور یقول بغوی ہائر بھی یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ لفظ ہَارَ یَہَارُ سے مشتق ہے ہار کا معنی ہے گر گیا ڈھ گیا اس جگہ ہار سے مراد ہے وہ کنارہ جو گر پڑنے کے قریب ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جس نے مضبوط بنیادوں کے یعنی اللہ کے خوف اور رضاجوئی پر اپنی عمارت کی تاسیس کی وہ بہتر ہے یا وہ شخص بہتر ہے جس نے کمزور ترین بنیادوں پر یعنی باطل اور نفاق پر اپنی عمارت اٹھائی۔ تقوٰی کی ضد شرک و نفاق ہے اس لئے شفا جُرُفٍ سے بطور کنایہ شرک و نفاق مراد ہے فَانْهَارَ بِهٖ حضرت ابن عباس نے فرمایا یعنی ان کا نفاق ان کو جہنم میں لے گیا۔ بغوی نے کہا مراد یہ ہے کہ اس مسجد کی بناء نقصان رسانی کے لئے ایسی ہے جیسے جہنم کے آخری کنارہ (کڑاڑہ) پر تعمیر کی گئی ہو کہ کنارہ ڈھے کر اوپر عمارت بنانے والوں کو جہنم میں لے گرے گا۔

محمد بن یوسف صالحی نے ابن عطیہ کا قول نقل کیا ہے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا وہ مسجد جس کی بناء و تاسیس تقوٰی پر قرار دی گئی ہے اس سے مراد رسول اللہ ﷺ کی مسجد ہے اور اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی تَقْوٰی مِنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانٍ میں بنیان سے مراد مسجد قبا ہے اور اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْیَانَهٗ عَلٰی شَفَا جُرُفٍ میں بُنیان سے مراد بالاجماع مسجد ضرار ہے۔

وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ اور اللہ ایسے ظالموں (کافروں) کو ہدایت نہیں فرماتا یعنی صلاح و نجات کا راستہ نہیں بتاتا۔

ابن المنذر نے سعید بن جبیر اور قتادہ اور جریج کا قول نقل کیا ہے نیز ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے قتادہ کی روایت سے بیان کی ہے ان تینوں حضرات کا بیان ہے ہم سے ذکر کیا گیا تھا کہ مسجد ضرار میں جب ایک جگہ کھودی گئی تو لوگوں نے وہاں سے دھواں نکلتا دیکھا۔ بغوی نے حضرت جابر بن عبداللہ کا بیان نقل کیا ہے آپ نے فرمایا میں نے مسجد ضرار سے دھواں نکلتے دیکھا۔

لَا یَزَالُ بُنْیَانُهُمُ الَّذِیْ بَنَوْا رِیْبَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ وہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہمیشہ ان کے دلوں میں (کانٹا بن کر) کھٹکتی رہے گی رِیبۃ سے مراد شک و نفاق، یعنی یہ عمارت ان کے دلوں میں شک و نفاق کے ترقی کرنے کا سبب بنی رہے گی اور وہ برابر یہی خیال کرتے رہیں گے کہ ہم نے یہ بھلائی کا کام کیا جیسے حضرت موسیٰ کی قوم کے دلوں میں بچھڑے کی محبت رچ گئی تھی (اس طرح اس مسجد ضرار کی محبت ان منافقوں کے دلوں میں جم گئی ہے) حضرت ابن عباس نے یہی تفسیر فرمائی ہے کلبی نے ریبۃ کا ترجمہ کیا حسرت و پشیمانی کیونکہ ان لوگوں کو اس مسجد کی تعمیر پر پشیمانی ہو گئی تھی سدی نے ریبۃ کا معنی کیا۔ غیظا یعنی اس عمارت کو ڈھا دینا ہمیشہ ان کے دلوں کے اندر غصہ اور غضب کو بھڑکاتا رہے گا۔

اِلَّاۤ اَنْ تَقَطَّعَ قُلُوْبُهُمْ ہاں ان کے دل پارہ پارہ ہو جائیں تو شک و نفاق ان کے دلوں سے ختم ہو جائے گا) یعنی نفاق برابر ہر وقت ان کے دلوں پر جما رہے گا مگر اس وقت ختم ہو گا کہ ان کے دل ہی پھٹ جائیں اور ایسا وقت آجائے گا



Marfat.com

کہ ان کے دلوں میں جاننے کی صلاحیت ہی نہ رہے بعض علماء نے کہا دلوں کے پارہ پارہ ہونے سے مراد ہے منافقوں کا قتل ہونا یا قبر میں چلا جانا یا دوزخ میں پہنچ جانا۔ ضحاک اور قتادہ نے کہا مرتے دم تک یہ شک میں پڑے رہیں گے مر جائیں گے تو شک دور ہو گا اور حقیقت کا یقین ہو گا۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ اور اللہ (ان کی نیتوں کو) جاننے والا ہے (اور مسجد ضرار کو گرا دینے کا جو حکم اس نے دیا اس کی مصلحت سے واقف ہے۔

اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ بعثت کے گیارہویں سال حج کے زمانہ میں رسول اللہ ﷺ باہر نکلتے یعنی مکہ سے برآمد ہوئے اور قبائل عرب پر اپنی نبوت پیش کی ایک روز گھاٹی کے پاس تھے کہ قبیلہ خزرج کی ایک جماعت سے ملاقات ہو گئی۔ حضور ﷺ نے پوچھا آپ لوگ کون ہیں انہوں نے جواب دیا خزرج کے لوگ ہیں فرمایا کیا کچھ دیر بیٹھ سکتے ہو میں تم سے کچھ بات کروں گا خزرجیوں نے جواب دیا بے شک چنانچہ حضور ﷺ کے ساتھ سب بیٹھ گئے۔ آپ نے ان کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دی اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔

اللہ کی قدرت کہ یہودی ان لوگوں کے ساتھ ان کی بستیوں میں رہتے تھے اور وہ اہل کتاب تھے اوس و خزرج تعداد میں یہودیوں سے زائد تھے مگر سب بت پرست تھے یہودیوں سے جب ان لوگوں کا کچھ جھگڑا ہوتا تھا تو یہودی کہتے تھے ایک نبی کی بعثت اب ہونے ہی والی ہے اس کی بعثت کا زمانہ قریب آ پہنچا ہے ہم اس کے ساتھ مل کر تم کو قتل کریں گے۔

جب رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں سے بات کی تو وہ آپ کے اوصاف کو پہچان گئے (کیونکہ یہودیوں کی زبانی آنے والے پیغمبر کے اوصاف کا ان کو علم پہلے ہی سے تھا) اور آپس میں کہنے لگے دیکھو یہودی ان کے پاس تم سے پہلے نہ پہنچنے پائیں چنانچہ سب نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت کو قبول کر لیا اور قبیلہ خزرج کے چھ آدمی مسلمان ہو گئے اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث جن کی والدہ کا نام عفراء تھا۔ رافع بن مالک قطبہ بن عامر بن حدیدہ، عقبہ بن عامر بن نابی۔ جابر بن عبداللہ بن رباب۔ بعض روایات میں جابر کی جگہ عبادہ بن صامت کا نام آیا ہے بعض نے سات آدمیوں کے مسلمان ہونے کی صراحت کی ہے گویا جابر اور عبادہ دونوں کو جمع کیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم میری پشت پناہی کرو گے کہ میں اپنے رب کا پیام پہنچا سکوں ان لوگوں نے عرض کیا (یا رسول اللہ ﷺ) پچھلے سال ہی جنگ بعاث ہمارے آپس میں ہو چکی ہے اس روز ہم نے آپس میں خوب کشت و خون کیا تھا۔ اگر ایسی حالت میں آپ ہمارے ہاں تشریف لائیں گے تو ہماری پوری جماعت آپ کے ساتھ نہ ہو سکے گی۔ اب تو آپ ہم کو آجازت دیجئے کہ ہم لوگ اپنے قبائل میں لوٹ کر چلے جائیں ممکن ہے کہ اللہ ہماری باہم صلح کرا دے اور ہم ان لوگوں کو اسی چیز کی دعوت دیں جس چیز کی طرف آپ نے ہم کو بلایا ہے۔ امید ہے کہ اس وقت اللہ سب کو آپ کی حمایت کرنے پر متفق کر دے گا اور اگر سب آپ کے پیرو ہو گئے تو پھر کوئی آپ کے خلاف نہ جائے گا۔ آئندہ سال حج کے زمانہ میں ہم آپ سے پھر ملیں گے اس گفتگو کے بعد یہ حضرات مدینہ کو لوٹ گئے اور مدینہ کو واپس ہونے کے بعد انصاریوں کے ہر گھر میں رسول اللہ ﷺ کا تذکرہ پھیل گیا کوئی گھر ایسا نہ رہا جس میں آپ ﷺ کا ذکر نہ ہوتا۔ پھر اگلے سال یعنی بعثت کے بارہویں برس بارہ یا گیارہ آدمیوں نے گھاٹی میں رسول اللہ ﷺ سے ملاقات کی یہ گھاٹی دوسری گھاٹی تھی ان بارہ میں پانچ تو جابر کے علاوہ وہی تھے جن کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے اور سات یہ تھے عوف بن حارث کا بھائی معاذ بن حارث، ذکوان، عبادہ بن صامت، یزید بن ثعلبہ، عباس بن عبادہ بن فضلہ یہ پانچوں خزرجی تھے اور دو شخص قبیلہ اوس کے تھے۔ بنی الاشہل کا ابوالہیثم بن تیہان اور عویمر بن ساعدہ۔

سورہ ممتحنہ میں عورتوں کی بیعت کی جو تفصیل مذکور ہے اسی اقرار کے ساتھ ان سب نے بیعت کی یعنی یہ کہا کہ ہم شرک نہیں کریں گے چوری نہیں کریں گے الخ جب سب مسلمان ہو گئے تو مدینہ کو لوٹ گئے مدینہ پہنچ کر اسعد بن زرارہ ان تمام لوگوں کو مدینہ میں جمع کرنے لگے جو مسلمان ہوتے گئے۔ قبائل اوس و خزرج نے رسول اللہ ﷺ کو عرض داشت بھیجی کہ

Marfat.com

اب کوئی ایسا آدمی ہمارے پاس بھیج دیجئے جو ہم کو قرآن پڑھادے، حضور ﷺ کی کوشش سے بہت لوگ مسلمان ہو گئے سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر بھی مسلمان ہو گئے اور ان دونوں بزرگوں کے مسلمان ہونے سے بنی عبدالاشہل کے تمام آدمی کیا مرد کیا عورتیں سب کے سب مسلمان ہو گئے پھر بعثت کے تیرھویں سال تیسری گھاٹی کے موقع پر ایام تشریق میں مدینہ والے حاضر ہوئے اور ستر یا تہتر مردوں اور دو عورتوں نے بیعت کی حاکم نے مستدرک آدمی ہونے کی صراحت کی ہے۔

ابن جریر نے بروایت محمد بن کعب قرظی نیز بغوی نے ذکر کیا ہے کہ عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ جو چاہیں اپنے رب کے اور اپنے لئے ہم سے شرطیں لے لیجئے (ہم سب کچھ ماننے کو تیار ہیں) حضور ﷺ نے فرمایا میں اپنے رب کے متعلق تو یہ شرط پیش کرتا ہوں کہ تم اس کی عبادت کرنا کسی چیز کو اس کا شریک نہ قرار دینا (یعنی کسی چیز کی پوجا نہ کرنا) اور اپنے لئے یہ شرط پیش کرتا ہوں کہ جس چیز سے تم اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرو اس سے میری بھی حفاظت کرنا (یعنی اپنی جان و مال کی طرح میری حفاظت کرنا) انصار نے کہا اگر ہم نے ایسا کر لیا تو ہم کو کیا ملے گا فرمایا جنت انصار نے کہا یہ نفع کا سودا ہے اب ہم اس سودے کو نہ پھیریں گے نہ پھیرنے دیں گے (یا نہ پھیرنے کی خواہش کریں گے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ؕ

بلا شبہ اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور مال (اس وعدہ پر) خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے (اس کے عوض) جنت ہے۔ جان و مال خرچ کرنے کے عوض عطائے جنت کو اللہ نے خرید فروخت قرار دیا۔

اہل سیر نے لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اپنا ہاتھ مارا وہ براء بن معرور یا ابو الہیثم یا اسعد تھے اور یہ شرط کی کہ جس (مصیبت) سے وہ اپنے اہل و عیال کی حفاظت کریں گے اس سے رسول اللہ ﷺ کی بھی حفاظت کریں گے اور ہر گورے کالے (یعنی تمام انسانوں) کے مقابل آپ کی حمایت کریں گے سب سے پہلے قتال و جہاد کے بارے میں یہی آیت نازل ہوئی اس کے بعد اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ

جب گھاٹی کی رات کو ان حضرات کو یہ بیعت ختم ہو گئی اور کفار قریش سے چھپا کر یہ بیعت ہوئی تھی تو اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں کو مکہ چھوڑ کر مدینہ کو چلے جانے کا حکم دے دیا اور خود مکہ میں ٹھہر کر (اللہ کی طرف سے) اجازت ملنے کا انتظار کرتے رہے۔

تیسری گھاٹی کی بیعت سے ایک سال پہلے حضرت ابو سلمہ بن عبدالاسد جو حبشہ سے آئے تھے اور مکہ والوں نے ان کو بڑی تکلیفیں دی تھیں جب ان کو انصار کے مسلمان ہو جانے کی اطلاع ملی تو مدینہ کو ہجرت کر گئے آپ کا نمبر مدنی مہاجرین میں سب سے پہلا تھا پھر عامر بن ربیعہ اور ان کی بیوی لیلیٰ نے ہجرت کی پھر عبداللہ بن جحش نے پھر پے در پے دوسرے مسلمانوں نے پھر عمر بن خطاب اور آپ کے بھائی زید نے اور بیس سواروں کے ساتھ عباس بن ربیعہ نے ان سب نے (مدینہ پہنچ کر) حوالی مدینہ میں پڑاؤ کیا۔ پھر عثمان بن عفان نے ہجرت کی۔ حضرت ابو بکر صدیق نے بارہا حضور سے ہجرت کی درخواست کی مگر حضور ﷺ فرماتے رہے جلدی نہ کرو۔ شاید اللہ کسی کو تمہارا ساتھی کر دے خیال یہ تھا کہ شاید رسول اللہ ﷺ بھی ان کے ساتھ ہی ہجرت کریں گے۔ اس کے بعد چوپال میں قریش کا اجتماع ہوا (اور رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دینے کا انہوں نے خفیہ سازش کی) سورہ انفال میں قریش کی سازش کا اور رسول اللہ ﷺ کے ہجرت کرنے کا بیان آچکا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے۔

يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ ؕ وہ لوگ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں جس میں قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں یہ کلام ابتدائی ہے اس میں خریدنے کی غرض کا اظہار کیا گیا ہے۔ بعض اہل تفسیر نے کہا کہ يُقَاتِلُوْنَ (اگرچہ مضارع کا صیغہ ہے مگر امر کے معنی میں ہے (یعنی لڑو مارو اور مارے جاؤ)

Marfat.com

وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا — اللہ نے (اس) خرید پر (جنت دینے کا) سچا پکا وعدہ کر لیا ہے۔ علیہ کی ضمیر شراء کی طرف لوٹ رہی ہے اور وعدًا فعل محذوف کا مفعول مطلق (برائے تاکید) ہے۔ حقًّا وعدًا کی صفت ہے یا یہ بھی فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔

فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ ؕ — توریت اور انجیل اور قرآن میں۔ توریت و انجیل میں وعدہ کرنے کی صراحت بتا رہی ہے کہ یہودیوں اور عیسائیوں کو بھی جہاد پر مامور کیا گیا تھا اور اس کے بدلہ میں ان سے جنت کا وعدہ کیا گیا تھا۔

وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ — اور اللہ سے بڑھ کر اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا اور کون ہے (استفہام انکاری ہے) یعنی کوئی نہیں۔ وعدہ کی خلاف ورزی بری ہے اور اللہ سے اس کا صدور ناممکن ہے۔ وعدہ کی وفا کرم ہے اور اللہ سے بڑھ کر کوئی کریم نہیں نفی کو بصورت استفہام ذکر کرنے میں پر زور طور پر وفاء عہد کا اظہار ہے اور تاکیدی طرز کلام کے ساتھ وعدہ الٰہی کے حق ہونے کی صراحت ہے۔

فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ ؕ — پس تم لوگ اپنی اس بیع پر جس کا تم نے اللہ سے معاملہ ٹھہرایا ہے خوشی مناؤ۔

پس تم خوب خوش ہو جاؤ۔ خوشیاں مناؤ۔ یہ جہاد کرنے والے مومنوں کو خطاب ہے۔ پہلے ان کا ذکر غائبانہ تھا اب مخاطب بنایا گیا بشارت کی وجہ یہ ہے کہ زوال پذیر حقیر چیز کو دے کر انہوں نے لازوال اعلیٰ نعمت کو لے لیا۔ اس سے بڑھ کر فائدہ کا سودا اور کیا ہو سکتا ہے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ نے تجھ سے خرید و فروخت کی اور دونوں سودوں کا فائدہ تیرے ہی لئے کر دیا۔ قتادہؒ نے کہا اللہ نے ان کی قیمت دی اور بہت زیادہ دی۔ حسن نے کہا سنو فائدہ رساں تجارت کا پیام جس میں اللہ نے ہر مومن کے ساتھ خرید و فروخت کر کے اس کو فائدہ پہنچایا ہے یہ بھی حسن بصری کا قول ہے کہ اللہ نے تجھے دنیا عطا کی تو کچھ دنیا دے کر جنت خرید لے۔

وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۱﴾ — اور یہ (فروخت) ہی بڑی کامیابی ہے جس کا حصول انتہائی مقصد ہے

اَلتَّآئِبُوْنَ — (شرک سے) توبہ کرنے والے یعنی وہ لوگ جنہوں نے شرک سے توبہ کر لی اور نفاق سے پاک ہو گئے التَّآئِبُوْنَ خبر ہے مبتدا محذوف ہے یعنی وہ توبہ کرنے والے ہیں۔ یعنی جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کر لی اور تمام احکام کی تعمیل کا عہد کر لیا اور وہ ان تمام اوصاف کے حامل ہیں جن کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ التَّآئِبُوْنَ مبتدا ہو اور بعد کو ذکر ہونے والے اوصاف خبر ہوں یعنی حقیقت میں کفر سے توبہ کرنے والے ان اوصاف کے حامل ہوتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خبر محذوف ہو یعنی توبہ کرنے والے جنتی ہیں خواہ انہوں نے اس وقت جہاد میں شرکت نہ کی ہو مگر ان کے اندر عداوت و عناد کا جذبہ نہ ہو اور یہ ارادہ نہ ہو کہ جب اللہ جہاد کی طاقت دے گا تب بھی جہاد نہیں کریں گے۔ زجاج نے کہا گویا (اس صورت میں) جنت کا وعدہ تمام مومنوں سے ہو گا جیسے اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى اور سب سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ فرما لیا ہے۔

الْعٰبِدُوْنَ — شرک جلی و خفی کو چھوڑ کر فقط اللہ کی) عبادت کرنے والے۔

الْحٰمِدُوْنَ — (دکھ سکھ میں اللہ کی) تعریف کرنے والے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بہت زیادہ ثنائے خدا کرنے والے کو جو دکھ سکھ میں (یعنی راحت ہو یا تکلیف ہر حال میں) اللہ کی تعریف کرتے ہیں سب سے پہلے جنت کی طرف بلایا جائے گا۔ رواہ الطبرانی والحاکم للبیہقی فی شعب الایمان بسند صحیح عن ابن عباسؓ۔

Marfat.com

السَّآئِحُوْنَ روزے رکھنے والے۔ ابن جریر نے حضرت عبید بن عمر کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے السَّائِحُوْنَ کا معنی دریافت کیا گیا فرمایا روزے رکھنے والے۔ بغوی نے حضرت ابن مسعودؓ کا بھی یہی قول بیان کیا ہے ابن مردویہ نے حضرت عائشہ کا موقوف قول نقل کیا ہے کہ اس آیت میں سیاحت (کا معنی) روزے رکھنا ہے۔

سفیان بن عیینہ نے فرمایا روزے دار کو سائح اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ تمام لذتیں، کھانا، پینا اور قربت صنفی کو ترک کر دیتا ہے (جیسے مسافر ان لذتوں سے محروم ہو جاتا ہے) حضرت ابوہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدم زاد کے ہر نیک عمل کا اجر دس گنے سے سات سو گنے تک بڑھا دیا جاتا ہے۔ سوائے روزہ کے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے کہ روزہ میرے لئے ہے۔ میں ہی اس کی جزا دوں گا بندہ میرے لئے اپنی خواہش صنفی اور کھانا ترک کرتا ہے الحدیث متفق علیہ۔

عطاء نے کہا السائحون سے مراد غازی ہیں جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں جیسا کہ ابن ماجہ حاکم اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوامامہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے مروی ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے سیاحت کی اجازت دے دیجئے فرمایا میری امت کی سیاحت اللہ کی راہ میں جہاد کرنا ہے۔

عکرمہ نے کہا سیاحت کرنے والوں سے مراد طالب علم ہیں جو علم کی طلب میں ملکوں میں پھرتے ہیں حضرت ابودرداءؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے جو طلب علم کی راہ میں چلتا ہے اللہ اس کو جنت کے راستہ پر چلائے جائے گا اور فرشتے طالب علم کے لئے اپنے پر بچھا دیتے ہیں اور عالم کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ وہ (ملائکہ) جو آسمانوں میں ہیں اور وہ ملائکہ اور انس و جن جو زمین میں ہیں اور پانی کے اندر مچھلیاں۔ عالم کی برتری عابد پر ایسی ہے جیسی چودھویں رات کے چاند کی فضیلت دوسرے ستاروں پر علماء انبیاء کے (علم کے) وارث ہیں اور انبیاء نے کوئی درہم و دینار میراث میں نہیں چھوڑا بلکہ علم کی میراث چھوڑی اب جو اس ترکہ کا وارث ہوا وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ وابوداؤد۔

الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ رکوع کرنے والے، سجدہ کرنے والے یعنی نماز پڑھنے والے۔ نماز پڑھنے والوں کا ذکر دو لفظوں سے کیا (الراکعون الساجدون۔ ہر ایک سے نماز پڑھنے والے مراد ہیں (تو گویا نماز پڑھنے والوں کا ذکر دوبار کیا) تکرار کر دلالت کر رہی ہے کہ نماز تمام عبادتوں پر فضیلت رکھتی ہے۔ حضرت ابن مسعود کا بیان ہے میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا کون سا عمل اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہے فرمایا وقت پر نماز۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا فرمایا ماں باپ کی فرماں برداری کرنی۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد کون سا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم۔ ابونعیم نے فضل بن دکین کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، نماز دین کا ستون ہے۔

ابن عساکر نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ حضور نے فرمایا نماز مومن کا نور ہے قضاعی نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہر تقویٰ والے کے لئے نماز (اللہ کے) قرب کا ذریعہ ہے مسلم ابوداؤد اور نسائی نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سجدہ کی حالت میں بندہ اپنے رب سے سب حالتوں سے زیادہ قریب ہوتا ہے پس تم دعا زیادہ کیا کرو۔

الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ بھلائی کا حکم دینے والے یعنی ایمان اور اطاعت کا حکم دینے والے۔

وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور برے کاموں سے یعنی شرک اور گناہ سے روکنے والے بعض علماء نے کہا المعروف سے مراد سنت اور المنکر سے مراد بدعت ہے۔ دونوں کے درمیان حرف عطف (واؤ) کا ذکر کرنا اس امر پر دلالت کر رہا ہے۔

کہ ان دونوں اوصاف کا مجموعہ ایک ہی خصلت ہے۔

وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ اور اللہ کی بندشوں کی پابندی رکھنے والے یعنی اللہ کے وہ ضوابط و قوانین جو

Marfat.com

بندہ اور خدا کے درمیان اللہ نے قائم کئے ہیں ان کی نگہداشت کرنے والے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ الْحَافِظُوْنَ کو مستقل طور پر حرف عطف (واؤ) کے ساتھ ذکر کرنے سے اس امر پر تنبیہ کی گئی ہے کہ پہلے جن اعلیٰ خصائل کا ذکر تفصیل کے ساتھ کیا گیا ہے ان کا اجمالی مجموعہ حفظ حدود اللہ ہے وہ تفصیل تھی یہ اجمال ہے۔

میں کہتا ہوں شاید یہ وجہ بھی ہے کہ گزشتہ کلام میں جن صفات حمیدہ کا ذکر کیا گیا ہے ان کی حد بندی اس فقرہ میں کر دی گئی ہے تاکہ اپنی طرف سے ان میں کچھ زیادتی بھی نہ کی جائے نہ رہبانیت ہو نہ ظاہری شکل اور باطنی معنی میں کوئی کمی کی جائے۔ گویا مذکورہ بالا اوصاف کا مجموعہ ہوا ضوابط و قوانین کی تعمیل۔ اور حفاظت حدود کا معنی ہوا اخلاص اور حضور کامل کیونکہ حدود کی پابندی قلبی حضور کامل کے بغیر ممکن نہیں اور اخلاص و حضور قلب دل والوں کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ اور ایمان والوں کو بشارت دے دو یعنی ان لوگوں کو بشارت دے دو جن کے اندر صفات مندرجہ بالا موجود ہیں۔ اَلْمُؤْمِنِيْنَ کے لفظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ ایمان کا تقاضا صفات مذکورہ ہیں اور مومن کامل وہی ہوتا ہے جو صفات مذکورہ کا حامل ہو۔

کس بات کی بشارت دے دو اس کا ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ نعمت جس کی بشارت دینے کا حکم دیا جا رہا ہے اتنی عظیم الشان ہے جو نہ بیان کی جا سکتی ہے نہ کسی کے دماغ میں اس کا تصور آ سکتا ہے نہ کسی نے اس کو سنا ہے۔ واللہ اعلم۔

شیخین نے صحیحین میں سعید بن مسیب کے باپ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ابو طالب کے مرنے کے وقت رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لائے ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ کو وہاں موجود پایا۔ آپ نے ابو طالب سے فرمایا چچا لا الہ الا اللہ ایک بار کہہ دیجئے تاکہ اللہ کے سامنے میں آپ کی طرف سے اس کو دلیل کے طور پر پیش کر سکوں ابو جہل اور عبداللہ بولے ابو طالب کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے۔ رسول اللہ ﷺ (بار بار) کلمہ توحید پیش کرتے رہے اور ابو جہل عبداللہ اپنی بات برابر کہتے رہے آخر ابو طالب نے کہا عبدالمطلب کے مذہب پر۔ ایک روایت میں اتنا اور بھی آیا ہے کہ ابو طالب نے لا الہ الا اللہ کہنے سے انکار کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا واللہ جب تک مجھے ممانعت نہیں کر دی جائے گی میں آپ کی مغفرت کے لئے دعا کرتا رہوں گا۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۳﴾ پیغمبر اور دوسرے مسلمانوں کو جائز نہیں کہ مشرکوں کے لئے مغفرت کی دعا مانگیں اگرچہ وہ رشتہ دار ہی ہوں اس امر کے ظاہر ہونے کے بعد کہ یہ لوگ دوزخی ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ زندہ مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت جائز ہے کیونکہ ایسی دعاء کا معنی ہے مشرکوں کو توفیق ایمان ملنے کی درخواست (اور اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ مستحسن) ہے مسلم نے حضرت ابوہریرہ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا سے فرمایا لا الہ الا اللہ کہہ دیجئے میں قیامت کے دن آپ کے لئے اس کی شہادت دوں گا چچا نے کہا اگر یہ خیال نہ ہوتا کہ قریش عار دلائیں گے اور کہیں گے کہ ابو طالب نے ڈر کر ایسا اقرار کر لیا تو میں یہ کلمہ کہہ کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا اس پر اللہ نے آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ نازل فرمائی۔

بخاری نے حضرت ابو سعید خدری کا قول نقل کیا ہے حضرت ابو سعید نے فرمایا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا کا تذکرہ آنے کے وقت فرمایا شاید قیامت کے دن ان کو میری شفاعت (کچھ) فائدہ پہنچائے اور ان کو ٹخنوں ٹخنوں تک آگ میں کر دیا جائے گا جس سے انکا دماغ ابلنے لگے۔ ابوہریرہ کی روایت کردہ حدیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ آیت مندرجہ بالا مکہ میں ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی۔

ترمذی اور حاکم نے بیان کیا اور ترمذی نے اس روایت کو حسن بھی کہا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا میں نے ایک شخص کو

Marfat.com

اپنے مشرک ماں باپ کے لئے دعائے مغفرت کرتے سنا تو میں نے کہا کیا تو اپنے ماں باپ کے لئے مغفرت کر رہا ہے باوجودیکہ وہ مشرک تھے اس نے جواب دیا حضرت ابراہیم نے بھی تو اپنے مشرک باپ کے لئے دعائے مغفرت کی تھی میں نے اس بات کا تذکرہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کیا اس پر آیت مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ نازل ہوئی۔

ممکن ہے یہ قصہ بھی ابو طالب کی موت کے واقعہ ہی کے زمانہ میں ہوا ہو (اور دونوں واقعات آیت مذکورہ کے نزول کا سبب ہوں)

بعض روایات میں آیا ہے کہ آیت مذکورہ کا نزول رسول اللہ ﷺ کی والدہ آمنہ بی بی کے متعلق ہوا تھا ان روایات میں سے کوئی روایت صحیح نہیں ہے نہ اس قابل ہے کہ جو قوی روایت ہم نے اوپر ذکر کی ہے (جس آیت کا نزول ابو طالب کے متعلق بیان کیا گیا ہے) اسکے مقابلہ میں پیش کی جاسکے اس لئے ایسی روایات کو قبول نہ کرنا ضروری ہے۔

حاکم نے اور بیہقی نے دلائل میں ایوب بن ہانی کے طریق سے بہ روایت مسروق حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ قبرستان کو تشریف لے گئے ہم بھی ساتھ گئے آپ نے ہم کو بیٹھ جانے کا حکم دیا ہم بیٹھ گئے آپ قبروں کو پھلانگتے ہوئے ایک قبر کے پاس پہنچے اور دیر تک کچھ چپکے چپکے قبر سے فرمایا پھر روتے ہوئے اٹھے۔ آپ کے رونے کی وجہ سے ہم بھی رونے لگے پھر ہماری طرف متوجہ ہوئے حضرت عمر سامنے آگئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حضور کو کس بات سے رونا آگیا ہم بھی آپ کے رونے کی وجہ سے رونے لگے اور گھبرا گئے حضور ﷺ تشریف لے آئے اور ہمارے پاس بیٹھ کر فرمایا، میرے رونے کی وجہ سے تم لوگ گھبرا گئے ہم نے عرض کیا جی ہاں فرمایا، جس قبر سے تم نے مجھے چپکے چپکے کچھ کہتے دیکھا تھا وہ (میری والدہ) آمنہ بنت وہب کی قبر ہے میں نے اس کی زیارت کرنے کی اللہ سے اجازت مانگی تھی۔ اللہ نے اجازت دے دی پھر میں نے اس کے لئے دعائے مغفرت کرنے کی اللہ سے اجازت طلب کی تو مجھے اجازت نہیں ملی اور مجھ پر مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے دو آیات نازل ہوئیں اس کی وجہ سے مجھ پر وہ رقت طاری ہوئی جو ماں کی وجہ سے اولاد پر طاری ہوتی ہے اسی بات نے مجھے رلایا۔

حاکم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے لیکن ذہبی نے شرح مستدرک میں اس پر گرفت کی ہے اور لکھا ہے کہ ایوب بن ہانی کو ابن معین نے ضعیف قرار دیا ہے۔

طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کا بیان نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ غزوہ تبوک سے واپس آگئے اور عمرہ کرنے روانہ ہوئے اور عسفان کی گھاٹی سے نیچے اترے تو اپنی والدہ کی قبر پر جاکر فروکش ہوئے اس سے آگے وہی بیان ہے جو حضرت ابن مسعود کی روایت میں آیا ہے۔ سیوطی نے کہا اس حدیث کی سند ضعیف ہے نا قابل اعتماد۔

بغوی نے حضرت ابوہریرہ اور حضرت بریدہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ (فتح کے بعد) مکہ میں تشریف لائے تو اپنی والدہ آمنہ کی قبر پر پہنچ کر اس انتظار میں کھڑے ہوگئے کہ آپ کو (اللہ کی طرف سے) اجازت مل جائے تو والدہ کے لئے دعائے مغفرت کریں یہاں تک کہ سورج میں گرمی آگئی اس پر آیت مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ الخ نازل ہوئی۔

ابن سعد اور ابن شاہین نے یہ حدیث حضرت بریدہ کے ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مکہ فتح کر لیا تو اپنی والدہ کی قبر پر گئے اور جاکر بیٹھ گئے۔ ابن جریر نے حضرت بریدہ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے جو بغوی نے نقل کئے ہیں۔ ابن سعد نے طبقات میں اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد صراحت کی ہے کہ یہ غلط ہے۔ حضرت آمنہ کی قبر ابواء میں ہے مکہ میں نہیں ہے۔

امام احمد اور ابن مردویہ نے حضرت بریدہ کا بیان اس طرح نقل کیا ہے میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھا۔ مجھے عسفان پر ٹھہرنا پڑا، حضور ﷺ نے (وہاں) اپنی والدہ کی قبر دیکھی فوراً وضو کیا نماز پڑھی اور رونے لگے۔ پھر فرمایا میں نے اپنے رب

Marfat.com

سے ان کیلئے شفاعت کرنیکی اجازت مانگی تھی مگر مجھے ممانعت کردی گئی۔ پھر اللہ نے نازل فرمایا مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ الخ سیوطی نے کہا اس حدیث کے تمام تر (روایت) مجروح ہیں۔

حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے کہ جو شخص حضرت ابن مسعود والی حدیث کو صحیح کہتا ہے وہ اس کو صحیح لِذَاتِہٖ نہیں کہتا بلکہ اس لئے صحیح کہتا ہے کہ ان طریقوں سے اس کی روایت کی گئی ہے مگر میں نے ان طریقوں پر غور کیا تو اس نتیجہ پر پہنچا کہ یہ تمام طرق روایت مجروح ہیں اس کے علاوہ اس حدیث کے معلول ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ صحیحین کی اس روایت کے خلاف ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ اس آیت کا نزول مکہ میں ابو طالب کے انتقال کے موقع پر ہوا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا میں اپنے باپ کے لئے مغفرت کی دعا اسی طرح کروں گا جس طرح ابراہیمؑ نے اپنے باپ کے لئے کی تھی اس پر آیت مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ نازل ہوئی۔ یہ روایت مرسل ہے صحیح نہیں ہے۔ ضعیف ہے صحیحین کی روایت کے خلاف ہے۔

لہٰذا اس آیت کو دلیل بنا کر حضور کے والدین کو مشرک قرار دینا درست نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے والدین کو مومن ثابت کرنے کے لئے سیوطی نے چند رسائل لکھے ہیں بلکہ آدمؑ تک آپ کے تمام آباؤ اجداد و امہات کے ایمان کو ثابت کیا ہے میں نے ان سب کا خلاصہ کر کے اس موضوع پر ایک رسالہ تقدس آباء النبی صلعم تالیف کر دیا ہے اس جگہ اس موضوع پر زیادہ تفصیل سے بحث کرنے کی گنجائش نہیں۔

## ..... ایک شبہ .....

صحیحین کی حدیث میں ابو طالب کے انتقال کے وقت ابو جہل کا ابو طالب سے یہ کہنا کہ کیا آپ عبد المطلب کے دین سے پھر جائیں گے اور ابو طالب کا آخری جواب یہ دینا کے میں عبد المطلب کے دین پر ہوں، بتا رہا ہے کہ عبد المطلب مشرک تھے (پھر حضور ﷺ کے تمام آباؤ اجداد کا موحد ہونا کہاں سے ثابت ہوا)

## ..... جواب .....

اس حدیث سے یہ نہیں نکلتا کہ عبد المطلب مشرک تھے۔ عبد المطلب یقیناً "مومن تھے ابن سعد نے طبقات میں خصوصی سندوں سے بیان کیا ہے کہ عبد المطلب نے رسول اللہ ﷺ کی کھلائی ام ایمان سے کہا اے برکت میرے بیٹے کی طرف سے غفلت نہ کر میں نے بیری کے درخت کے پاس اس کو دیکھا تھا۔ اور اہل کتاب کہتے ہیں کہ میرا یہ بیٹا اس امت کا پیغمبر ہے۔ بات یہ ہے کہ عبد المطلب دور جاہلیت میں تھے۔ آسمانی شریعتوں سے ناواقف تھے وہ زمانہ فترت کا تھا اور فترت کے زمانہ میں صرف توحید کا اقرار کافی ہے (فترت اس مدت کو کہتے ہیں جس میں گزشتہ پیغمبر کی شریعت مٹ چکی ہو کالعدم ہو۔ اصل شریعت گم ہو چکی ہو اور نیا پیغمبر ابھی آیا نہ ہو) تمام شرائع سے عبد المطلب کی ناواقفیت ابو جہل کو معلوم تھی اس کی وجہ سے اس کو اور ابو طالب کو یہ خیال قائم کرنے کا موقع ملا کہ عبد المطلب کے مذہب کے خلاف محمد رسول اللہ ﷺ کوئی نیا مذہب پیش کر رہے ہیں اور ان کا جدید دین عبد المطلب کے دین سے ٹکراتا ہے اس لئے ابو طالب نے کہہ دیا کہ میں عبد المطلب کے دین پر ہوں۔

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَآ اِيَّاهُ ۚ

اور ابراہیمؑ کا اپنے باپ کیلئے دعائے مغفرت کرنا صرف اس وجہ سے تھا کہ انہوں نے باپ سے اس کا وعدہ کر لیا تھا۔

ابراہیمؑ کے باپ سے مراد آزر ہے آزر آپ کا چچا تھا باپ کا نام تارخ تھا اس کی پوری تفصیل سورہ انعام میں گزر چکی ہے۔

بعض اہل تفسیر کا خیال ہے کہ وَعَدَ کی ضمیر باپ کی طرف راجع ہے اور اِیَّاہُ سے مراد حضرت ابراہیم ہیں یعنی باپ نے

Marfat.com

حضرت ابراہیمؑ سے مسلمان ہونے کا وعدہ کر لیا تھا اس پر حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا میں آپ کے لئے اپنے رب سے دعاء مغفرت کروں گا جبکہ آپ مسلمان ہو جائیں گے۔ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک وَعَدَ کا فاعل ابراہیم ہیں اور اَبَاہُ سے مراد حضرت ابراہیمؑ کا باپ (ہم نے ترجمہ اسی قول کے موافق کیا ہے) یعنی حضرت ابراہیمؑ نے باپ کے مسلمان ہو جانے کی امید میں یہ وعدہ کیا تھا کہ میں تمہارے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ اس تفسیر کی تائید اس امر سے ہوتی ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ۔ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ تک اس آیت میں حضرت ابراہیمؑ کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے مگر ابراہیمؑ نے جو باپ کے لئے دعاء مغفرت کی تھی اس کو عمومی حکم اتباع سے مستثنیٰ کر دیا یعنی اس میں ابراہیمؑ کی پیروی نہ کی جائے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ابراہیمؑ کا باپ مشرک تھا اور باوجود اس کے مشرک ہونے کے محض اس کے مسلمان ہو جانے کی امید پر حضرت ابراہیمؑ نے اس سے وعدہ کر لیا تھا کہ میں تیرے لئے اپنے رب سے دعائے مغفرت کروں گا۔ صحیح حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اولاد آدمؑ جتنے قرون (صدیاں) گزرے ان سب سے بہترین دور میں مبعوث ہوا (یعنی میرے آباؤ اجداد بہترین قرون میں قرن در قرن گزرتے گئے آخری قرن ہے جو سب سے بہتر ہے میری بعثت کا قرن ہے) اس حدیث کے صحیح ہوتے ہوئے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سلسلہ آباؤ اجداد میں کوئی کافر گزرا ہے۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ (باپ کے کفر کی حالت پر مرنے سے یا اللہ کی طرف سے اطلاع ملنے کی وجہ سے کہ وہ کافر مرے گا) جب ابراہیمؑ پر کھل گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو انہوں نے باپ سے بیزار ہو جانے کا اظہار کر دیا اور دعائے مغفرت قطع کر دی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اس آیت کا تعلق آخرت سے ہے یعنی آخرت میں جب ابراہیمؑ پر واضح ہو جائے گا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو وہ اس سے بیزار ہو جائیں گے۔ بخاری نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن ابراہیمؑ کی ملاقات ان کے باپ آزر سے ہو گی آزر کا چہرہ اس وقت دھنوا لا پژمردہ خاک آلود ہو گا۔ ابراہیمؑ اس سے کہیں گے کیا میں نے تجھ سے نہیں کہا تھا کہ میری ہدایت کے خلاف نہ کر باپ جواب دے گا آج میں تیری نافرمانی نہیں کروں گا ابراہیمؑ (بارگاہ الٰہی میں) عرض کریں گے اے مالک تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جس روز لوگوں کو (قبروں سے) اٹھایا جائے گا اس روز تو مجھے رسوا نہیں کرے گا۔ اب اس سے بڑھ کر اور کون سی رسوائی ہو گی جو میرے باپ کی حالت ہے اللہ فرمائے گا میں نے کافروں کے لئے جنت حرام کر دی ہے پھر حکم ہو گا۔ ابراہیم اپنے قدموں کے نیچے دیکھو۔ ابراہیمؑ اپنے قدموں کی طرف دیکھیں گے تو ان کو (گندگی یا کیچڑ میں) لتھڑا ہوا ایک پشمی بجو نظر آئے گا پھر اس کو ٹانگوں سے پکڑ کر دوزخ میں پھینک دیا جائے گا۔ ایک روایت میں اتنا اور بھی آیا ہے کہ ابراہیمؑ اس سے بیزاری کا اظہار کریں گے۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ ۝ واقعی ابراہیم رحیم المزاج حلیم الطبع تھے حضرت کعب احبار نے کہا اَوَّاہ وہ شخص ہے جو اللہ کے خوف کی وجہ سے بہت زیادہ آہیں کھینچے (آہ آہ کرے) حضرت ابراہیمؑ اپنی زندگی میں دوزخ کے خوف سے بکثرت آہیں بھرتے تھے۔ بعض نے کہا کہ گناہوں کی وجہ سے آہیں بھرنے والے کو اواہ کہا جاتا ہے۔ قاموس اور صحاح دونوں قولوں کا ایک ہی ہے۔ (کہ بکثرت آہیں کھینچنے والے کو اواہ کہا جاتا ہے خواہ اللہ کے خوف سے اور دوزخ کے ڈر سے ہو یا اپنے گناہوں کے اندیشہ سے علقمہ نے کہا اواہ وہ شخص ہے جو دوزخ سے ڈرتا ہو اور جو امور اللہ کو ناپسند ہیں ان سے تائب ہو حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اواہ سے مراد ہے بکثرت ذکر الٰہی حضرت ابن عباسؓ نے تشریح کی مومن بکثرت توبہ کرنے والا اواہ ہے حسن اور قتادہ نے کہا وہ شخص ہے جو اللہ کے بندوں پر شفقت و مہربانی کرے۔ مجاہد نے کہا صاحب یقین مراد ہے عکرمہ نے کہا یہ لفظ حبشی زبان کا ہے حبشی زبان میں اواہ کے معنی ہے یقین رکھنے والا۔ عقبہ بن عامر نے کہا اواہ سے مراد ہے بہت زیادہ اللہ کا ذکر کرنے والا۔ سعید بن جبیر کے نزدیک بہت زیادہ سیاحت کرنے والا اواہ ہے ایک روایت میں سعید بن جبیر کا قول آیا ہے کہ اواہ سے مراد ہے معلم خیر نخعی نے کہا اواہ کا معنی ہے دانشمند قاموس میں ہے اواہ کا یقین کرنے والا یاد عا کرنے والا یا مہربانی کرنے والا یا دانشمند یا ایمان رکھنے والا۔ یہ آخری معنی حبشی زبان میں ہے۔ ابو عبیدہ نے کہا اواہ

Marfat.com

سے وہ شخص مراد ہے جو خوف سے آہ آہ کرنے والا، یقین کی وجہ سے گڑگڑانے والا۔ اور طاعت کا التزام کرنے والا ہو۔ زجاج نے کہا ابو عبیدہ کا قول ان تمام معانی کو جامع ہے جو اواہ کے بیان کئے جاتے ہیں حلیم کا معنی ہے دوسروں کی ضرر رساں حرکتوں سے درگذر کرنے والا (بردبار) حضرت ابراہیمؑ حلمی تھے باوجود یکہ باپ نے ان سے کہا تھا کہ اگر تو باز نہ آیا تو میں تجھے پتھر مار مار کر ہلاک کردوں گا۔ لیکن حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا آپ کو (دوزخ سے) سلامتی نصیب ہو میں اپنے رب سے آپ کے لئے دعائے مغفرت کروں گا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا حلیم کا معنی ہے سردار قاموس میں ہے حلم کا معنی ہے تحمل اور دانائی حلیم (صفت مشبہ کا صیغہ) حلم سے ہی بنا ہے حضرت ابراہیم کو جس بات نے باپ کے لئے دعائے مغفرت کرنے پر آمادہ کیا اس (علت استغفار) کو یہ جملہ واضح کر رہا ہے (یعنی ابراہیمؑ چونکہ اواہ و حلیم تھے اس لئے انہوں نے باپ کے لئے دعائے مغفرت کی) کلبی اور مقاتل کا بیان ہے کچھ لوگ اپنے اپنے قبائل سے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گئے اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ نہ بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبے کی طرف رخ موڑنے کا حکم نازل ہوا تھا۔ یہ لوگ مسلمان ہو کر اسی حالت میں اپنے گھروں کو چلے گئے ان کے جانے کے بعد حرمت شراب اور تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا۔ مگر ان کو اس کی اطلاع نہیں پہنچی کچھ مدت کے بعد جب پھر مدینہ میں آئے اور شراب کی حرمت اور تحویل قبلہ کا ان کو علم ہوا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ جس دین پر تھے (اس درمیانی مدت میں) ہمارا مسلک اس سے الگ رہا ہم اس مدت میں شرابیں پیتے اور بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے (اس لئے) ہم گمراہ رہے (اب ہمارا کیا ہوگا) اس پر اللہ نے آیت ذیل نازل فرمائی۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ ؕ

اور ہدایت یاب کر دینے کے بعد اللہ کسی قوم کو اس وقت تک گمراہ نہیں قرار دیتا جب تک وہ چیزیں ان کو نہ بتا دے جن سے ان کو پرہیز رکھنا چاہئے۔ یعنی اسلام کی ہدایت دینے کے بعد اللہ کسی قوم کو گمراہ نہیں قرار دیتا اور نہ ان کا کسی فعل پر مواخذہ کرے گا تاوقتیکہ ان کے سامنے کھول کر وہ امور نہ بیان کر دے جن سے ان کو بچنا لازم ہے اور جن کو آئندہ اختیار کرنے کے بعد وہ گمراہ قرار پانے کے مستحق ہو جاتے ہیں۔

بعض علماء نے کہا رسول اللہ ﷺ نے جو اپنے چچا کے متعلق فرمایا تھا کہ جب تک مجھے ممانعت نہ ہو جائے میں آپ کے لئے دعائے مغفرت کرتا رہوں گا اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے لئے قول مذکور کا عذر بیان فرما دیا کہ (یہ قول رسول اور وعدہ استغفار ممانعت دعا سے پہلے تھا۔ اس لئے ناقابل مواخذہ ہے) یہ بھی کہا گیا کہ ممانعت سے پہلے جن لوگوں نے اپنے مشرک آباؤ اجداد کے لئے دعائے مغفرت کی تھی ان کو اس آیت میں معذور، ناقابل مواخذہ قرار دینا مقصود ہے۔ مجاہد نے کہا آیت میں مشرکوں کے لئے دعائے مغفرت کرنے والے مومنوں کا حکم تو خاص طور پر بیان کیا گیا ہے لیکن حکم عام ہے (قبل از نزول حکم) ہر معصیت و طاعت کو شامل ہے (یعنی نزول حکم سے پہلے کا کوئی فعل قابل مواخذہ نہیں یہ ضابطہ عمومی ہے مشرکوں کے لئے قبل از ممانعت دعائے مغفرت کرنے کی ہی اس میں خصوصیت نہیں ہے)

اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے یعنی کسی نے ناواقفیت اور عدم علم کی وجہ سے ایسا کیا اور کس نے سرکشی اور تمرد کے جذبہ کے زیر اثر کیا کون گمراہ قرار دیئے جانے کا مستحق ہے اور کون اس کا مستحق نہیں ہے اللہ ان باتوں کو خوب جانتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

بلا شبہ آسمانوں کی اور زمین کی حکومت اللہ ہی کی ہے وہ زندہ کرتا اور موت دیتا ہے (اے لوگو) اللہ کے سوا نہ کوئی تمہارا حامی ہے کہ اللہ سے تم کو بچا سکے نہ کوئی مددگار کہ اللہ کے بھیجے ہوئے ضرر کو روک سکے اس لئے تمہارے لئے جائز نہیں کہ مشرکوں سے (قلبی) دوستی کرو اور ان کے لئے مغفرت کی دعائیں کرو خواہ وہ تمہارے قرابت

Marfat.com

وارہی ہوں تمہارے لئے اللہ کی دوستی اور مدد کافی ہے۔

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے حال پر اور مہاجرین وانصار کے حال پر توجہ فرمائی منافقوں کو تبوک کے جہاد میں شرکت نہ کرنے کی جو اجازت دے دی گئی تھی اس قصور کو اللہ نے معاف کر دیا۔ یا یہ معنی ہے کہ گناہ گار قرار دینے سے اللہ نے ان کو بچالیا جیسے (رسول اللہ ﷺ کے متعلق) فرمایا ہے لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَمَا تَاَخَّرَ بعض نے کہا یہ توبہ کی ترغیب ہے کوئی شخص ایسا نہیں جو توبہ کا محتاج نہ ہو یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ بھی توبہ کے ضرورت مند ہیں اللہ نے فرمایا تم سب اللہ سے توبہ کرو۔ بات یہ ہے کہ ہر شخص جس درجہ پر بھی ہو اپنے سے اونچے درجہ پر پہنچنے سے قاصر رہتا ہے (اور اونچے درجہ تک پہنچنا چاہتا ہے) لہٰذا جو کمی اس کے اندر ہو اس سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ آیت میں توبہ کی فضیلت کا اظہار کیا گیا ہے کہ توبہ انبیاء وصالحین کا خصوصی مقام ہے۔ بعض نے کہا اس آیت میں رسول کا ذکر بطور تمہید ہے کیونکہ آپ صحابہ کی توبہ قبول ہونے کا ذریعہ تھے اس لئے آپ کا ذکر شروع میں بطور تمہید کر دیا گیا جیسے آیت لله خمسه و للرسول ولذی القربی میں اللہ کا ذکر بطور تمہید ہے۔

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ جنہوں نے ایسی تنگی کے وقت پیغمبر کا ساتھ دیا یعنی جب رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین وانصار کو تبوک کے جہاد کی ترغیب دی تو انہوں نے آپ کا اتباع کیا۔ ساعت سے مراد ہے وقت۔ عسرت سختی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کے لئے سواری زاد راہ اور پانی کی بہت تنگی اور دشواری تھی۔ اس لئے غزوہ تبوک کو غزوہ العسرہ یا غزوہ جیش العسرت کہا جاتا ہے۔ غزوہ الجیش بھی اسی کو کہتے ہیں۔ کذا قال البغوی۔

حسن نے کہا دس دس آدمیوں کے لئے صرف ایک ایک اونٹ تھا۔ باری باری سے دس آدمی ایک ہی اونٹ پر سوار ہو جاتے تھے۔ ایک اترتا تھا تو دوسرا چڑھتا تھا زاد راہ کے لئے گندھے ہوئے چھوارے اور خراب قسم کے جو تھے جو کچھ ساتھ تھا لوگ اس کو باہم تقسیم کر لیا کرتے تھے پھر نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ بعض لوگ انتہائی بھوک کی وجہ سے ایک چھوارہ لے کر منہ میں گھماتے اور جب مزہ لے لیتے تو اپنے ساتھی کو دے دیتے اور وہ اس کو چوستا پھر ایک گھونٹ سے اوپر سے پانی پی لیتا اس طرح ایک ہی چھوارہ سب لوگ باری باری سے چوستے اور چوسنے میں ہی چھوارہ ختم ہو جاتا صرف گٹھلی رہ جاتی لیکن ایمان و یقین کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چلے جاتے تھے۔

امام احمد، ابن خزیمہ، ابن حبان اور حاکم نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے بیان کیا حضرت عمر نے فرمایا ہم سخت گرمی کے دنوں میں (رسول اللہ کے ہمرکاب) تبوک کی طرف نکل کھڑے ہوئے۔ ایک پڑاؤ پر اترے اور اتنی پیاس لگی کہ ہم نے خیال کیا اب ہماری گردنیں ٹوٹ جائیں گی بعض لوگ پانی کی تلاش میں جاتے اور خیال ہوتا کہ یہ زندہ لوٹ کر نہ آئے گا۔ بعض لوگ اپنا اونٹ ذبح کر کے اس کے اوجھ سے پانی نکال کر نچوڑ کر پی لیتے اور جو کچھ پانی رہتا اس کو اپنے کلیجے پر رکھ لیتے۔ حضرت ابو بکر نے عرض کیا یا رسول اللہ اللہ نے دعائے خیر کا آپ کو عادی بنا دیا ہے (یعنی آپ دعائے خیر کرتے ہی ہیں اور اللہ آپ کی دعا قبول فرماتا ہے) اللہ سے ہمارے لئے دعا کر دیجئے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کیا تم اس کو پسند کرتے ہو حضرت ابو بکر نے عرض کیا جی ہاں۔ حضور ﷺ نے دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا دیئے اور لوٹا کر نیچے نہ لانے پائے تھے کہ بادل اٹھ کر (لشکر پر) چھا گیا پھر اتنی بارش ہوئی کہ لوگوں کے پاس جو برتن تھے وہ سب نے بھر لئے اس کے بعد جو ہم دیکھنے چلے (کہ کہاں کہاں بارش ہوئی) تو معلوم ہوا لشکر سے آگے کہیں بارش نہیں ہوئی۔

ابن ابی حاتم نے حضرت ابو حرزہ انصاری کی روایت سے بیان کیا کہ لوگ (تبوک کے راستہ میں) حجر میں اترے رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا یہاں کا پانی کوئی نہ لے پھر (وہاں سے) کوچ کرنے کے بعد دوسرے پڑاؤ پر اترے پانی کسی کے پاس نہ تھا لوگوں نے پانی نہ ہونے کی شکایت کی حضور ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا کی اللہ نے فوراً ایک بادل بھیج دیا جس سے اتنی بارش ہوئی کہ سب سیراب ہو گئے۔ ایک انصاری نے اپنے ساتھی سے جس کو لوگ منافق سمجھتے تھے کہا ارے دیکھ رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ کے دعا کرنے سے اللہ نے ہم پر بارش کر دی وہ کہنے لگا بارش تو فلاں فلاں ستاروں (کے طلوع اور گردش) کی وجہ سے ہوئی ہے۔ اس پر اللہ نے آیت وَتَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ نازل فرمائی۔

مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ بعد اس کے کہ ان میں سے ایک گروہ کے دلوں میں کچھ تزلزل ہو چلا تھا۔ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ یعنی بعض لوگوں کے دل۔ زیغ سے یہ مراد نہیں ہے کہ بعض لوگوں کے دل دین سے پھر جانے کی طرف مائل ہو گئے تھے بلکہ آگے نہ جانے اور انتہائی شدائد کی وجہ سے واپس ہو جانے کی طرف میلان رکھتے تھے زیغ سے یہی مراد ہے۔

کلبی نے کہا بعض لوگوں نے ساتھ نہ جانے کا ارادہ کر لیا تھا لیکن (سوچنے کے بعد) پیچھے سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچ گئے۔ ابن اسحاق اور محمد عمر کا بیان ہے کہ بعض مسلمانوں کی نیت سست پڑ گئی اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جانے سے رہ گئے (اور وقت آج کل آج کل کہتے گذر گیا) مگر ان لوگوں کو (جانے میں) کوئی تردد نہ تھا (جانا ضرور چاہتے تھے اور جانے کا ارادہ تھا مگر ٹال مٹول میں پڑ گئے) ان میں سے کعب بن مالک ہلال بن امیہ مرارہ بن ربیع اور ابوذر غفاری بھی تھے۔ یہ گروہ تھا صادق الایمان، ان کے اسلام میں کسی کو کوئی شبہ نہ تھا۔ ابن اسحاق نے حضرت ابن مسعود کا بیان نقل کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ روانہ ہو گئے تو (راستہ میں) بعض لوگ ساتھ چھوڑ (کر واپس) جانے لگے صحابہ عرض کرتے تھے یا رسول اللہ ﷺ فلاں شخص نے ساتھ چھوڑ دیا۔ حضور ﷺ فرماتے تھے اس کو رہنے دو اگر اس (کے ساتھ آنے) میں کوئی بہتر ہو گی تو اللہ خود اس کو پیچھے سے تم سے لا ملائے گا ورنہ میں اس کے متعلق اللہ کے حکم کا انتظار کروں گا (اللہ جو حکم دے گا ویسا کروں گا) آخر جب ابوذر ساتھ سے رہ گئے تو لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ابوذر پیچھے رہ گئے ان کا اونٹ سست پڑ گیا حضور ﷺ نے حسب معمول وہی پہلا جواب دے دیا۔ ابوذر نے اونٹ کو ڈانٹا مگر اونٹ سست پڑا رہا (چال میں تیزی نہ آئی) یہ دیکھ کر ابوذر اپنا سامان پشت پر اٹھا کر پیدل رسول اللہ ﷺ کے پیچھے قدم بقدم چل پڑے۔ محمد بن عمر کا بیان ہے کہ ابوذر فرماتے تھے میں غزوہ تبوک میں اپنے اونٹ کی وجہ سے پیچھے رہ گیا تھا (ساتھ نہ جا سکا تھا) اونٹ بہت کمزور اور دبلا تھا میں نے خیال کیا کہ اس کو چند روز چارہ گوت (یعنی خوراک) دے دوں پھر پیچھے سے (تیزی کے ساتھ) رسول اللہ ﷺ سے جا ملوں گا چنانچہ میں چند روز تک اس کو چارہ دیتا رہا پھر روانہ ہو کر ذی المودہ میں پہنچا تھا کہ اونٹ اڑ گیا میں نے دن بھر اس پر محنت کی مگر وہ اپنی جگہ سے نہ ہلا آخر میں نے اپنا سامان اپنے اوپر لادا اور چل دیا۔ دوپہر کو ایسے مقام پر پہنچ گیا جہاں سے رسول اللہ ﷺ پر نظر پڑ رہی تھی (جانے والے) مسلمانوں میں سے کسی مسلمان نے مجھے دیکھ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ یہ شخص تنہا پیدل چل رہا ہے حضور ﷺ نے فرمایا ابوذر ہو (تو اچھا ہے) لوگوں نے میری طرف غور سے دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم یہ ابوذر ہی ہے حضور ﷺ نے فرمایا ابوذر پر اللہ کی رحمت ہو تنہا جا رہا ہے اکیلا مرے گا اور اکیلا اٹھایا جائے گا۔ محمد بن یوسف صالحی نے کہا ہوا بھی ایسا ہی۔ جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچ گئے اور اپنی سرگزشت بتائی تو فرمایا ابوذر میرے پاس پہنچنے تک تو نے جو قدم اٹھایا اللہ نے اس کے عوض تیرا ایک گناہ معاف کیا۔

طبرانی نے خود ابو خیثمہؓ کی روایت سے اور ابن اسحاق و محمد بن عمر نے اپنے مشائخ کی سند سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی روانگی کو چند دن گذر گئے تو ابو خیثمہ (ایک روز) اپنے گھر پہنچے دن گرم تھا گھر پہنچ کر دیکھا کہ باغ کے اندر ان کی دونوں بیویوں نے الگ الگ دو اٹاریاں بنائی ہیں اور ہر ایک نے اپنی چھوپنہڑی کو ٹھنڈا کرنے کے چھڑکاؤ کیا ہے ابو خیثمہ کے لئے پانی ٹھنڈا کر کے رکھا ہے اور کھانا تیار کیا ہے۔ چھوپنہڑی کے دروازہ پر پہنچ کر انہوں نے جو یہ کیفیت دیکھی اور بیویوں نے جو کچھ کیا تھا اس کا معائنہ کیا تو کہنے لگے سبحان اللہ رسول اللہ ﷺ کی اگلی پچھلی لغزشیں تو اللہ نے معاف کر دی ہیں اس کے باوجود آپ ٹھیک دوپہر کو (گرم) ہوا اور گرمی میں اپنے اسلحہ کاندھے پر اٹھائے ہوئے (راہ خدا میں نکلے) ہیں اور ابو خیثمہ تیار کھانے پر ٹھنڈے سایہ میں خوب صورت بیوی کے ساتھ اپنے مال میں موجود ہیں۔ یہ انصاف کی بات نہیں ہے خدا کی قسم میں دونوں

Marfat.com

میں سے کسی کی جھونپڑی میں داخل نہیں ہوں گا بلکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیچھے سے پہنچوں گا تم دونوں میرے لئے زادراہ تیار کردو۔ بیویوں نے زادراہ تیار کردیا پھر آپ اپنے اونٹ پر سوار ہو کر رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں چل دیئے۔ یہاں تک کہ حضور ﷺ سے جا ملے راستہ میں ابوخیثمہ سے عمیر بن وہب جمحی کا ساتھ ہو گیا تھا وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں نکلے تھے راستہ میں دونوں ساتھ ہو گئے تبوک کے قریب پہنچ کر ابوخیثمہ نے عمیر سے کہا مجھ سے ایک گناہ ہو گیا اس لئے کوئی حرج نہیں اگر تم میرے ساتھ سے الگ ہو جاؤ۔ غرض جب ابوخیثمہ رسول اللہ ﷺ کے قریب یعنی اتنے فاصلہ پر کہ لوگوں کی نظر ان پر پڑ جائے) پہنچے تو لوگوں نے کہا یہ کوئی سوار آرہا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابوخیثمہ ہوگا۔ صحابہ نے عرض کیا واللہ! ابوخیثمہ ہی ہے حضور ﷺ نے ابوخیثمہ سے فرمایا ابوخیثمہ تیرا برا ہو ابوخیثمہ نے آپ کو واقعہ بتایا تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں کچھ کلمات خیر فرمائے اور دعائے خیر کی۔

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ پھر اللہ نے ان کے حال پر توجہ فرمائی۔ تاب کی تکرار مفید تاکید ہے۔ پہلی آیت میں منافقوں کو جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دینے پر توبہ قبول کرنے کا اظہار کیا گیا تھا اور اس آیت میں منافقوں کی دوستی سے جو قلوب میں کجی پیدا ہونے لگی تھی اس کو معاف کر دینے کا اعلان ہے یا پہلی آیت میں توفیق توبہ عطا کرنے کا اظہار کیا گیا تھا اور اس آیت میں قبول توبہ کا۔ یا اس آیت میں معافی کا اظہار اس شدت و مصیبت کے مقابلہ میں کیا جو اس سفر میں لوگوں نے اٹھائی تھی۔

إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ بے شک اللہ ان پر بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا جن لوگوں پر اللہ نے رحم کر دیا پھر ان کو اس گناہ کی سزا کبھی نہیں دے گا۔

وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا اور ان تین شخصوں کے حال پر بھی توجہ فرمائی جن کا معاملہ ملتوی چھوڑ دیا گیا تھا۔

علی الثلثہ کا عطف علیھم پر ہے۔ خلفوا کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود غزوہ تبوک سے رہ گئے (رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نہیں گئے) یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابولبابہ اور ان کے ساتھیوں کی توبہ قبول ہونے سے پیچھے جن کا معاملہ چھوڑ دیا گیا ملتوی رکھا گیا۔ یہ تینوں حضرات کعب بن مالک، شاعر مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ تھے۔ یہ حضرت انصاری تھے۔

شیخین نے صحیحین میں اور امام احمد و ابن ابی شیبہ ابن اسحاق اور عبدالرزاق نے حضرت کعب بن مالک کا بیان نقل کیا ہے حضرت کعب نے فرمایا جس غزوہ پر بھی رسول اللہ ﷺ تشریف لے گئے میں کسی غزوہ میں حضور ﷺ کے ساتھ سوائے غزوہ تبوک کے پیچھے نہ رہا، ہاں غزوہ بدر میں ساتھ نہیں گیا تھا (اور بدر میں میرا شریک نہ ہونا قابل مواخذہ بھی نہ تھا کیونکہ) جو لوگ بدر کو نہ جا سکے ان میں سے کسی پر اللہ نے عتاب نہیں کیا وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ قریش کے قافلہ کے ارادہ سے نکلے تھے (لڑائی کا ارادہ ہی نہ تھا) لیکن بغیر کسی مقررہ وعدہ کے دشمن سے بلکم خدا مڈبھیڑ ہو گئی۔ میں عقبہ والی رات میں بھی حاضر تھا (یعنی تیسرے عقبہ کے موقع پر جب انصار نے بیعت کی تھی میں بھی موجود تھا) کہ وہاں ہم سب نے اسلام پر مضبوط عہد پیمان کیا تھا اگرچہ لوگوں میں بدر کی شہرت زیادہ ہے لیکن شب عقبہ کی حاضری کے مقابلہ میں بدر کی شرکت میرے خیال میں افضل نہیں ہے۔

میرا واقعہ یہ ہوا کہ غزوہ تبوک کے زمانہ میں میں بڑا طاقت ور اور فراخ حال تھا۔ اس سے پہلے کبھی میں اتنا مرفہ الحال اور طاقت ور نہیں ہوا اس زمانہ میں پہلی ہی مرتبہ میرے پاس سواری کی دو اونٹنیاں ہوئیں اس سے پہلے میرے پاس کبھی دو سواریاں نہیں ہوئیں۔ رسول اللہ ﷺ کا قاعدہ تھا کہ جب کسی جہاد کا ارادہ کرتے تھے تو بطور توریہ کسی دوسرے جہاد کا نام لے دیتے تھے اور فرماتے تھے، لڑائی خفیہ تدبیر (کا نام) ہے۔ جب تبوک کے جہاد کا موقع آیا تو گرمی سخت تھی سفر طویل تھا راستہ میں بیابان

Marfat.com

تھے، دشمنوں کی تعداد بہت تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں سے کھل کر بیان فرمادیا تھا اور اپنے رخ کی صحیح اطلاع دی دے تھی تاکہ اپنے جہاد کی تیاری کرلیں مسلمانوں کی تعداد رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت تھی بقول مسلم دس ہزار مسلمان ساتھ تھے۔ حاکم نے اکلیل میں حضرت معاذ کی روایت سے لکھا ہے کہ غزوہ تبوک کو جانے کے وقت ہماری تعداد تیس ہزار سے بھی زائد تھی ابوزرعہ نے کہا کسی کتاب میں ان کے نام محفوظ نہ تھے زہری نے کہا کتاب سے مراد رجسٹر ہے جو آدمی بھی غیر حاضر ہونا چاہتا تھا وہ یہی سمجھتا تھا کہ جب تک میرے بارے میں اللہ کی طرف سے وحی نہ آئے میرا معاملہ پوشیدہ رہے گا (کسی کو پتہ بھی نہ چلے گا) حضور ﷺ نے غزوہ تبوک کا ارادہ ایسے وقت کیا جب پھل اور (درختوں کے) سائے خوشگوار ہوگئے تھے حضور ﷺ اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے تیاریاں کرلیں اور جمعرات کے دن روانہ ہوگئے آپ سفر پر خواہ جہاد کا ہو یا کسی اور غرض سے جمعرات کو روانہ ہونا ہی پسند فرماتے تھے میں بھی (روزانہ) صبح کو تیار کرنے کے ارادہ سے گھر سے نکلتا تھا مگر بغیر کچھ کئے واپس آجاتا تھا اور دل میں کہتا تھا مجھ میں استطاعت ہے جب چاہوں گا فوراً کرلوں گا یونہی وقت ملتا رہا یہاں تک کہ گرمی سخت ہوگئی اور رسول اللہ ﷺ مسلمانوں کو ساتھ لے کر روانہ ہوگئے اور میں اپنی کچھ بھی تیاری نہ کرسکا اور دل میں خیال کرلیا کہ حضور ﷺ کے بعد ایک دو روز میں تیاری مکمل کرکے پیچھے سے جا پہنچوں گا۔ مسلمانوں کی روانگی کے بعد میں تیاری کرنے کیلئے صبح کو نکلا مگر بغیر کچھ کئے لوٹ آیا پھر دوسرے روز صبح کو نکلا تب بھی کچھ نہیں کیا اسی طرح مدت بڑھتی گئی یہاں تک کہ لوگ دور چلے گئے اور تیزی کے ساتھ جہاد کی طرف بڑھ گئے اور میں ارادہ ہی کرتا رہا کہ (جلد) کوچ کرکے ان کو پیچھے سے جالوں گا۔ کاش میں نے ایسا کرلیا ہوتا مگر میرے مقدر میں ہی نہیں تھا رسول اللہ ﷺ کی روانگی کے بعد جب میں باہر نکل کر لوگوں کو دیکھتا تھا تو گھومنے کے بعد مجھے یا تو صرف وہ لوگ نظر آتے تھے جو منافق کہے جاتے تھے یا وہ کمزور لوگ دکھائی دیتے تھے جن کو اللہ نے معذور بنادیا تھا اور کوئی نظر نہیں آتا تھا تبوک پہنچنے تک رسول اللہ ﷺ نے میرا تذکرہ نہیں کیا تبوک پہنچ کر ایک روز آپ صحابہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دریافت فرمایا کعب بن مالک کو کیا ہوگیا بنی سلمہ کے یا میری قوم کے ایک آدمی نے (جس کا نام حسب روایت محمد بن عمر عبداللہ بن انیس سلمی تھا) کہا یا رسول اللہ اس کو اس کی دو چادروں نے اور (غرور و فخر کے ساتھ) اپنے دونوں پہلوؤں پر دیکھنے نہیں آنے دیا (یعنی آجکل وہ مرفہ الحال ہے ایک چادر باندھتا ہے ایک اوڑھتا ہے اور دونوں طرف گردن موڑ موڑ کر اپنے مونڈھوں کو دیکھتا ہے اسی وجہ سے وہ نہ آسکا) معاذ بن جبل یا ابوقتادہ نے کہا تم نے بری بات کہی (ایسا نہیں ہے) یا رسول اللہ ﷺ خدا کی قسم میں نے اس کے اندر سوائے اچھائی کے اور کچھ نہیں پایا۔ رسول اللہ ﷺ خاموش ہوگئے۔

کعب بن مالک کا بیان ہے جب مجھے اطلاع ملی کہ رسول اللہ ﷺ واپس آنے کے لئے چل پڑے ہیں تو مجھے بڑی فکر ہوئی اور رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کرنے کے لئے عذر بنانے لگا اور ایسی بات کی تیاری کرنے لگا کہ کل کو رسول اللہ ﷺ کی ناراضگی سے میں کس طرح بچ سکوں گا مختلف اہل الرائے اور گھر والوں سے میں نے اس معاملہ میں مدد بھی لی پھر جب مجھ سے کہا گیا کہ رسول اللہ ﷺ قریب ہی آپہنچے ہیں تو میرے دل سے تمام غلط خیالات جاتے رہے اور میں سمجھ گیا کہ جس بات میں جھوٹ کی آمیزش ہوگی اس کے ذریعہ سے میں ناراضگی سے کبھی محفوظ نہیں رہ سکتا، چنانچہ میں نے سچ بولنے کا پختہ ارادہ کرلیا اور یقین کرلیا کہ سچائی ہی مجھے نجات دے سکتی ہے صبح کو حضور ﷺ تشریف لے آئے۔

ابن سعد نے کہا رمضان میں (واپس پہنچے) کعب نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ جب (سفر سے واپس) آتے تھے تو دن چڑھے مدینہ میں پہنچتے تھے اور سب سے پہلے مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے پھر وہیں بیٹھ جاتے تھے پھر وہاں سے حضرت فاطمہؓ کے پاس تشریف لے جاتے تھے اس کے بعد امہات المومنین کے ہاں جاتے تھے۔ حسب دستور آپ ﷺ نے سب سے پہلے مسجد میں پہنچ کر دو رکعت نماز پڑھی پھر وہیں لوگوں کے (معاملات سننے کے) لئے بیٹھ گئے اب تبوک کی شرکت سے رہنے والے لوگ آنے لگے اور (اپنے اپنے) عذر پیش کرنے اور قسمیں کھانے لگے۔ یہ سب لوگ کچھ اوپر اسی تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے ظاہر عذر کو قبول کرلیا۔ ان سے بیعت لے لی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کی اور ان کے باطن کو اللہ کے سپرد کردیا۔ جب

Marfat.com

میں خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور سلام کیا تو آپ مسکرا دیئے مگر مسکراہٹ غصہ آلود تھی اور فرمایا آؤ میں چلتا چلتا سامنے پہنچ کر بیٹھ گیا ابن عابد کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کعب کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ کعب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حضور ﷺ نے میری طرف سے کیوں منہ پھیر لیا واللہ میں منافق نہیں ہوں، نہ مجھے (اسلام کی صداقت میں) کوئی شک ہے نہ میں (عقیدہ اسلام سے) بدل گیا ہوں فرمایا پھر تم (ساتھ جانے سے) کیوں رہ گئے کیا تم نے سواری نہیں خرید لی تھی میں نے عرض کیا بے شک (میں نے سواری بھی خرید لی تھی) یا رسول اللہ اگر میں کسی اور دنیادار کے پاس اس وقت بیٹھا ہوتا تو خدا کی قسم کوئی عذر معذرت کر کے اس کی ناراضگی سے بچ جاتا کیونکہ مجھ میں قوت کلامیہ (اور دلیل کی طاقت) موجود ہے لیکن مجھے معلوم ہے کہ اگر میں آپ کے سامنے جھوٹ بنا بھی دوں گا اور آپ راضی بھی ہو جائیں گے تب بھی عنقریب اللہ آپ کو مجھ سے ناراض کر دے گا اور اگر سچ سچ کہہ دوں گا تو گویا آپ ناراض ہو جائیں گے مگر امید ہے کہ اللہ مجھے معاف فرما دے گا۔ بخدا مجھے کوئی عذر نہ تھا نہ اس سے پہلے میں اتنا طاقت ور اور فراخ حال (کبھی ہوا) تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس نے سچی بات کہہ دی اب تم اٹھ جاؤ اور اللہ جو کچھ چاہے گا تمہارے متعلق فیصلہ کر دے گا۔

میرے سچ بولنے کی وجہ سے بنی سلمہ کے کچھ لوگ برانگیختہ ہو گئے اور کہنے لگے، تو نے اس سے پہلے تو کوئی جرم کیا نہ تھا نہ اتنا کمزور تھا کہ جس طرح دوسرے شرکت نہ کرنے والوں نے اپنی عدم شرکت کے عذر کئے (اور عتاب سے بچ گئے) تو کوئی عذر نہ پیش کر سکا (آئندہ) رسول اللہ ﷺ کی دعائے مغفرت تیرے (اس) گناہ کے معاف ہونے کے لئے کافی تھی غرض وہ برابر مجھے ڈانٹتے اور سرزنش کرتے رہے اور اتنی سرزنش کی کہ میرا ارادہ ہو گیا کہ دوبارہ خدمت گرامی میں حاضر ہو کر اپنے پہلے قول کی تکذیب کر دوں لیکن میں نے کہہ دیا مجھ سے دو جرم یکجا نہیں ہو سکتے جہاد میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بھی نہ گیا اور اب حضور ﷺ سے جھوٹ بھی بولوں۔

پھر میں نے لوگوں سے دریافت کیا کیا میرے ساتھ ایسا کوئی اور بھی ہے جو تبوک کو نہیں گیا ہو (اور اس نے کوئی عذر تراشی بھی نہ کی ہو) لوگوں نے کہا ہاں دو آدمی اور بھی ہیں جنہوں نے اسی طرح کی بات کہی تھی جیسی تو نے کی تھی اور ان کو بھی وہی ہدایت کی گئی جو تجھے کی گئی میں نے پوچھا وہ دونوں کون ہیں لوگوں نے کہا مرارہ بن ربیع عمری اور ہلال بن امیہ واقفی۔

ابن ابی حاتم نے حسن تابعی کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے کہ اول الذکر کے نہ جانے کی وجہ تو یہ ہوئی کہ ان کا ایک باغ تھا جو پھل چکا تھا۔ (یعنی اس میں خوشے لٹک رہے تھے) انہوں نے اپنے دل میں کہا اس سے پہلے میں (بہت) جہاد کر چکا ہوں، اگر اس سال اپنے گھر ٹھیرا رہوں تو کیا حرج ہے لیکن جب ان کو اپنے اس جرم کا احساس ہوا تو کہنے لگے اے اللہ میں تجھے گواہ بناتا ہوں کہ اس کو تیری راہ میں خیرات کرتا ہوں (اسی نے مجھے جانے سے روکا ہے) اور دوسرے صاحب کا واقعہ یہ ہوا کہ ان کے گھر والے کہیں (سفر میں) منتشر تھے لوٹ کر آئے تو کہنے لگے اس سال (جہاد کو) نہ جاؤ ہمارے پاس رہو (تو کوئی حرج نہیں) ان کو بھی اپنے جرم کا احساس ہوا تو انہوں نے (اللہ سے عہد کیا اور) کہا اے اللہ مجھ پر لازم ہے کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس لوٹ کر نہ جاؤں گا (تاوقتیکہ تیرا جدید حکم نہ ہو)

کعب کا بیان ہے لوگوں نے میرے سامنے دو نیک آدمیوں کا نام لیا جو بدر میں شریک ہو چکے تھے اور جن کی پیروی کی جا سکتی تھی ان کا نام سن کر میں اپنی سابق بات پر قائم رہا جو لوگ تبوک نہیں گئے تھے ان میں سے صرف ہم تینوں سے ہی رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو کلام کرنے کی ممانعت فرما دی لوگ اس فرمان کے بعد ہمارے لئے بالکل بدل گئے۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں آیا ہے ہم صبح کو لوگوں میں نکلتے تھے مگر کوئی ہم سے سلام کلام نہیں کرتا تھا نہ ہمارے سلام کا جواب دیتا تھا عبدالرزاق کی روایت ہے۔ لوگ ایسے بدل گئے کہ گویا وہ ہم کو جانتے ہی نہیں ہیں در و دیوار اجنبی ہو گئے وہ در و دیوار ہی نہ رہے جن کو ہم پہچانتے تھے میرے لئے سب سے زیادہ رنج آفریں یہ خیال تھا کہ اگر میں اسی حالت میں مر گیا تو رسول اللہ ﷺ میرے جنازہ کی نماز بھی نہیں پڑھیں گے اور اگر اسی دوران رسول اللہ ﷺ کی وفات ہو گئی تو میری یہی حالت قائم رہے گی نہ

Marfat.com

کوئی مجھ سے کلام کرے گا نہ میرے جنازے کی نماز پڑے گا یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ سرزمین ہی میرے لئے اجنبی ہو گئی وہ بستی وہ نہ رہی جو میری شناسا تھی یہ حالت پچاس رات قائم رہی میرے دونوں ساتھی تو کمزور تھے وہ گھروں میں بیٹھ رہے مگر میں طاقت ور اور جوان تھا گھر سے نکل کر مسلمانوں کے ساتھ نماز میں شریک ہوتا تھا اور بازاروں میں گھومتا تھا مگر کوئی مجھ سے کلام سلام نہیں کرتا تھا۔ نماز کے بعد جب رسول اللہ ﷺ صحابہ کے جلسہ میں بیٹھے ہوتے تو میں حاضر ہو کر سلام کرتا اور دل میں کہتا کہ حضور ﷺ نے سلام کا جواب دینے کے لئے لب مبارک ہلائے یا نہیں پھر حضور ﷺ کے پاس پہنچ کر (دانستہ) نماز پڑھتا اور کن انکھیوں سے دیکھتا رہتا (کہ حضور ﷺ کی توجہ میری طرف ہوئی یا نہیں) جب نماز کی طرف متوجہ ہوتا تو حضور میری طرف منہ کر لیتے لیکن جب میں التفات نظر کرتا تو آپ منہ پھیر لیتے جب مدت تک لوگ مجھ سے یونہی دور دور رہے تو ایکروز دیوار پھلانگ کر میں ابو قتادہ کے پاس ان کے باغ میں پہنچ گیا ابو قتادہ میرے چچازاد تھے، یعنی قبیلہ بنی سلمہ سے تھے میرے باپ کے بھائی کے بیٹے نہ تھے مجھے ان سے بڑی محبت تھی۔ میں نے ان کو سلام کیا مگر خدا کی قسم انہوں نے سلام کا جواب نہیں دیا۔ میں نے کہا ابو قتادہ یہ تو تم کو معلوم ہی ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہوں ابو قتادہ خاموش رہے میں نے پھر اپنی بات دہرائی وہ خاموش رہے کوئی بات نہیں کی تیسری یا چوتھی بار کہنے کے بعد کہا اللہ اور اس کے رسول ہی کو خوب معلوم ہے۔ یہ سن کر میری آنکھوں سے آنسو بہ نکلے اور لوٹ کر دیوار پھلانگ کر میں آگیا ایک روز بازار میں جارہا تھا کہ علاقہ شام کا رہنے والا ایک دیہاتی نظر پڑا یہ شخص غلہ لے کر مدینہ میں بیچنے آیا تھا کسی سے اس نے پوچھا مجھے کعب بن مالک کا پتہ بتادے لوگوں نے میری طرف اشارہ کر دیا وہ میرے پاس آیا اور ایک خط مجھے دیا جو شاہ غسان کی طرف سے تھا۔ (یعنی بادشاہ شام کی طرف سے) ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ میرے قبیلہ کا کوئی آدمی شام میں تھا اس نے بھیجا تھا خط ریشمی کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپٹا ہوا تھا اور اس میں لکھا تھا مجھے اطلاع ملی ہے کہ تمہارے ساتھی نے تم کو دور کر دیا ہے اور پرے پھینک دیا ہے اور اللہ نے تم کو ایسا نہیں بنایا کہ ذلت کے مقام میں رہو اور تمہارا حق ضائع کیا جاتا رہے اس لئے اگر تم سکونت منتقل کرنا چاہتے ہو تو ہم سے آملو ہم تمہاری ہمدردی کریں گے خط پڑھ کر میں نے کہا یہ بھی (اللہ کی طرف سے) آزمائش ہے کہ کافر بھی میرا لالچ کرنے لگے (میری ذات کافروں کے لالچ کی جولان گاہ بن گئی) پھر میں نے تحریر کو تنور میں جھونک دیا ابن عابد کی روایت میں آیا ہے کہ حضرت کعب نے رسول اللہ ﷺ سے اپنی حالت کا شکوہ کیا اور عرض کیا آپ کی مجھ سے روگردانی اب اس حد تک پہنچ گئی کہ مشرک میرا لالچ کرنے لگے۔

جب پچاس راتوں میں سے چالیس راتیں گزر گئیں تو اچانک رسول اللہ ﷺ کا ایک قاصد میرے پاس پہنچا محمد بن عمر نے اس قاصد کا نام خزیمہ بن ثابت بتایا ہے یہی قاصد مرارہ اور ہلال کے پاس بھی گیا۔ قاصد نے کہا رسول اللہ ﷺ نے تم کو حکم دیا ہے کہ اپنی بیوی سے الگ ہو جاؤ میں نے کہا کیا طلاق دے دوں یا کچھ اور۔ اس نے کہا طلاق کا حکم نہیں ہے اس سے الگ رہو قربت نہ کرو میرے دونوں ساتھیوں کے پاس بھی یہی حکم پہنچا حسب الحکم میں نے اپنی بیوی سے کہا اپنے گھر چلی جاؤ اور فیصلہ قطعی ہونے تک وہیں رہ۔ ہلال بن امیہ کی بیوی یعنی خولہ بنت عاصم نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہلال بن امیہ بوڑھا آدمی ہے اپنا کام خود نہیں کر سکتا اور اس کا کوئی خادم بھی نہیں ہے۔ کیا اگر میں اس کا کام کر دیا کروں تو حضور کی ناگواری کا باعث ہوگا۔ ابن ابی شیبہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں وہ بوڑھا ہے نظر بہت کمزور ہے حضور ﷺ نے فرمایا نہیں (کام کر دینے کی ممانعت نہیں ہے) مگر وہ تجھ سے قربت نہ کرے عورت نے کہا خدا کی قسم اس کو تو کسی بات کی حس ہی نہیں ہے جب سے اس کا یہ واقعہ ہوا ہے برابر آج تک رونے میں مشغول ہے۔ کعب کا بیان ہے مجھ سے بھی میرے کسی گھر والے نے کہا اگر ہلال بن امیہ کی بیوی کی طرح تم بھی اپنی بیوی کے لئے رسول اللہ ﷺ سے اجازت لے لو کہ وہ تمہاری خدمت کر دیا کرے تو مناسب ہے میں نے کہا خدا کی قسم میں رسول اللہ ﷺ سے اجازت نہیں مانگوں گا۔ کیا معلوم حضور کیا فرمائیں اور میں تو جوان آدمی ہوں (مجھے دوسرے سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہے) اسی حالت میں دس راتیں اور گذر گئیں

Marfat.com

اور پچاس راتیں پوری ہو گئیں۔

عبدالرزاق کی روایت میں کعب کا قول آیا ہے ایک تہائی رات کے وقت ہماری توبہ قبول ہونے کی آیت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی۔ حضرت ام سلمہ نے عرض کیا یا نبی اللہ کیا کعب بن مالک کو ہم بشارت دے دیں فرمایا (اس وقت قبول توبہ کی اطلاع دو گی) تو لوگ تم پر ٹوٹ پڑیں گے اور باقی رات میں سونے نہ دیں گے (فجر کو اطلاع دے دینا)

کعب کا بیان ہے پچاسویں رات کی صبح کو میں فجر کی نماز پڑھنے کے بعد اپنے گھر کی چھت پر (بیٹھا) تھا اور میری حالت وہ تھی جو اللہ نے بیان فرمائی ہے (ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ) زمین باوجود فراخ ہونے کے میرے لئے تنگ ہو گئی تھی یکدم ایک چیخنے والے کی آواز سنائی دی جو کوہ سلع پر چڑھ کر انتہائی اونچی آواز سے چیخا تھا اے کعب بن مالک تجھے خوش خبری ہو۔ محمد بن عمر کی روایت ہے کہ کوہ سلع پر چڑھنے والے حضرت ابو بکر تھے آپ نے ہی پکار کر کہا تھا اللہ نے کعب پر رحم فرما دیا اے کعب خوش ہو جا۔ عقبہ کی روایت ہے کہ دو آدمی دوڑے ایک کعب کو بشارت دینے کے لئے گئے ایک آگے بڑھ گیا جو پیچھے رہ گیا تھا وہ کوہ سلع پر چڑھ گیا اور وہیں سے اس نے ندا کی اے کعب توبہ قبول ہونے کی تجھے بشارت ہو اللہ نے تم لوگوں کے بارے میں قرآن میں نازل فرما دیا۔

اہل تاریخ کا خیال ہے کہ بشارت دینے کے لئے دوڑنے والے یہ دونوں حضرات حضرت ابو بکر و حضرت عمر تھے۔

کعب کا بیان ہے آواز سنتے ہی میں سجدہ میں گر پڑا اور خوشی سے رونے لگا اور سمجھ گیا کہ کشائش کا وقت آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز فجر ادا کرنے کے بعد ہماری توبہ قبول ہونے کا اعلان فرمایا لوگ ہم کو بشارت دینے کے لئے آگئے کچھ اور لوگ میرے دونوں ساتھیوں کو خوشخبری دینے کے لئے پہنچے ایک شخص گھوڑا دوڑاتا میرے پاس آیا محمد بن عمر نے کہا یہ زبیر بن عوام تھے قبیلہ اسلم کا ایک اور شخص بھی دوڑا مگر گھوڑے کے پہنچنے سے پہلے مجھے آواز پہنچ گئی تھی اس لئے جب وہ شخص آیا جس کی آواز میں نے سنی تھی یعنی حمزہ اسلمی تو میں نے اپنے دونوں کپڑے اتار کر اس کو پہنا دیئے خدا کی قسم میرے پاس ان دو کپڑوں کے سوا اور کپڑے ہی نہ تھے ابو قتادہ (بروایت محمد بن عمر) سے دو کپڑے عاریۃً لے کر میں نے پہنے۔ ہلال بن امیہ کو قبول توبہ کی خوش خبری دینے سعید بن زید گئے تھے ہلال نے کھانا پینا چھوڑ دیا تھا مسلسل روزے رکھ رہے تھے اور برابر رونے میں مشغول تھے میرا خیال تھا کہ وہ سر بھی نہیں اٹھا سکتے ان کی جان نکل جائے گی۔ صرارۃ بن ربیع کو بشارت سلکان بن سلامہ نے دی یہ سلامہ بن وقش کے باپ تھے۔

کعب بن مالک کا بیان ہے میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے روانہ ہوا راستہ میں لوگوں کے گروہ در گروہ مبارک باد دینے کے لئے مجھ سے ملتے رہے آخر میں مسجد میں داخل ہوا رسول اللہ ﷺ بیٹھے ہوئے تھے اردگرد لوگ بھی موجود تھے مجھے دیکھ کر طلحہ بن عبید اللہ اٹھے اور لپک کر میری طرف بڑھے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی مہاجرین میں سے سوائے طلحہ کے اور کوئی نہیں اٹھا۔ میں طلحہ کی یہ بات نہیں بھولوں گا۔ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ مبارک خوشی سے چمک رہا تھا میں نے سلام کیا۔ حضور نے فرمایا جب سے تو ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا ہے اس وقت سے آج تک ہر دن سے بہتر دن کی تجھے بشارت ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ آپ کی طرف سے ہے یا اللہ کی طرف سے فرمایا اللہ کی طرف سے ہے۔ تم لوگوں نے اللہ سے سچا معاملہ کیا اللہ نے تم کو سچا قرار دیا۔ رسول اللہ ﷺ کی عادت تھی کہ خوشی کے وقت آپ کا چہرہ چمکنے لگتا تھا معلوم ہوتا تھا چاند کا ٹکڑا ہے ہم دیکھ کر پہچان لیتے تھے (کہ حضور اس وقت خوش ہیں) جب میں سامنے بیٹھا تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری توبہ کا تتمہ یہ ہے کہ اپنے کل مال سے دست بردار ہو جاؤں اور بطور صدقہ اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دوں فرمایا کچھ مال اپنے لئے بھی روک رکھو تمہارے لئے یہی بہتر ہے میں نے عرض کیا اچھا نصف مال (سے دست بردار ہوتا ہوں) فرمایا نہیں میں نے عرض کیا تو ایک تہائی (قبول فرمائیے) فرمایا اچھا میں نے عرض کیا تو خیبر میں جو میرا حصہ ہے میں اس کو رد کے رکھتا ہوں پھر میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے سچ بولنے کی وجہ

Marfat.com

سے مجھے نجات دی ہے لہٰذا میری توبہ کا تتمہ یہ بھی ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا سچ ہی بولوں گا خدا کی قسم میں نہیں جانتا کہ سچ بولنے کی وجہ سے جو کرم اللہ نے مجھ پر کیا ہے کسی اور پر اس سے بہتر احسان کیا ہوگا چنانچہ اس عہد کے بعد آج تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور امید ہے کہ جب تک زندہ رہوں گا اللہ جھوٹ بولنے سے مجھے محفوظ رکھے گا۔

اللہ نے توبہ قبول فرمانے کے سلسلہ میں لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ سے وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ تک آیات نازل فرمائیں خدا کی قسم جب سے اللہ نے مجھے اسلام کی توفیق عطا فرمائی اس کے بعد سے کوئی اس نعمت سے بڑی نہیں عنایت کی جو رسول اللہ ﷺ کے سامنے سچ کہنے سے مجھے ملی اگر میں جھوٹ بولدیتا تو میں بھی ان لوگوں کی طرح تباہ ہو جاتا جنہوں نے جھوٹ بولا تھا اور اللہ نے بدترین الفاظ میں ان کا ذکر کیا فرمایا سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ ۔۔۔۔ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ

کعب نے فرمایا جن لوگوں نے قسمیں کھائی تھیں اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے عذر کو قبول فرمالیا تھا اور ان سے بیعت لے لی تھی اور ان کے لئے دعائے مغفرت کردی تھی ہم تینوں کا معاملہ ان کے معاملہ سے پیچھے رکھا گیا تھا ہمارے معاملہ کو اللہ کے فیصلہ تک رسول اللہ ﷺ نے ملتوی رکھا تھا آیت وَعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا میں پیچھے چھوڑ دینے سے مراد جہاد سے پیچھے چھوڑ دینا نہیں ہے بلکہ ان معذرت کرنے والوں کے معاملہ سے ہمارے معاملہ کو پیچھے چھوڑ دینا اور ہمارے فیصلہ کو ملتوی رکھنا مراد ہے۔

حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخ اور لمبی چوڑی ہونے کے (ساتھیوں کی بے رخی کرنے کی وجہ سے) ان پر تنگ ہو گئی کسی پر زمین تنگ ہو جانا ایک محاورہ ہے جو شدت حیرت کی تصویر کشی کرتا ہے یعنی وہ لوگ اپنے معاملہ میں اتنے حیران و پریشان تھے کہ ان کو اپنی بے چینی اور پریشانی دور کرنے کا کوئی مقام ہی اتنی لمبی چوڑی زمین میں میسر نہ تھا۔

وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ اور وہ خود اپنی جان سے تنگ آگئے یعنی ان کے دل انتہائی وحشت اور غم کی وجہ سے اتنے تنگ ہو گئے کہ انس و مسرت کی ان میں گنجائش ہی نہیں رہی۔

وَظَنُّوْٓا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّآ اِلَيْهِ اور انہوں نے جان لیا کہ اللہ (کی ناراضگی و غضب) سے بچنے کا کوئی ٹھکانا سوائے اس کے اور کوئی نہیں کہ اسی سے مغفرت کی دعا کی جائے۔

ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔

لِيَتُوْبُوْا تاکہ توبہ پر قائم رہیں۔ اس جگہ توبہ سے مراد ہے توبہ پر قائم رہنا کیونکہ توبہ تو وہ پہلے کر چکے تھے (توبہ کے بعد توبہ کے کوئی معنی نہیں) یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی تاکہ توبہ کرنے والوں کے گروہ میں وہ شامل ہو جائیں۔

ابو بکر وراق نے کہا خالص سچی توبہ یہ ہے کہ اگر گناہ سرزد ہو جائے تو اس پر یہ لمبی چوڑی زمین تنگ ہو جائے اور دل میں سخت بے چینی اور گھبراہٹ پیدا ہو جائے جیسے ان تینوں حضرات کی توبہ تھی۔

اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۱۱۸ بے شک اللہ بہت توجہ فرمانے والا اور بڑا مہربان ہے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ رات میں (توبہ قبول فرمانے کے لئے) اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ دن کو گناہ کرنے والا (رات کو) توبہ کرلے اور دن میں اپنا ہاتھ پھیلاتا ہے تاکہ رات میں گناہ کرنے والا (دن میں) توبہ کرلے یہ سلسلہ اس وقت تک قائم رہے گا جب سورج مغرب سے برآمد ہوگا (یعنی قیامت تک توبہ کا دروازہ کھلا رہے گا جب سورج مغرب سے نکلے گا تو توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ رواہ مسلم۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی بیابان صحرا میں (سفر کی حالت میں) تم میں سے کسی کی



Marfat.com

سواری کی اونٹنی گم ہو جائے اور اونٹنی پر ہی اس مسافر کے کھانے پینے کا سب سامان ہو اور ڈھونڈ کر ناامید ہو کر یہ شخص کسی درخت کے سایہ میں لیٹ کر سو جائے پھر اچانک اس کی آنکھ کھل جائے تو اونٹنی کو اپنے پاس کھڑا پائے اور فوراً اونٹنی کی نکیل پکڑ لے اور انتہائی خوشی کی وجہ سے (زبان بے قابو ہو جائے اور) بول اٹھے اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں۔ اس مسافر کو اونٹنی کے دستیاب ہونے سے جتنی خوشی ہوتی ہے اس سے زیادہ خوشی اللہ کو بندہ کے توبہ کرنے سے ہوتی ہے جب بندہ اللہ کے سامنے توبہ کرتا ہے۔ رواہ مسلم۔ توبہ اور قبول توبہ کی احادیث بہت آئی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ اے ایمان والو اللہ (کی نافرمانی اور عذاب) سے ڈرو اور رہو سچوں کے ساتھ۔ یعنی جو لوگ ایمان اور وعدوں میں سچے ہیں۔ یا وہ لوگ جو اسلام میں سچے ہیں نیت کے خلوص قول کی صداقت اور عمل کے اعتبار سے (گویا پہلے قول پر صدق سے مراد ہے ایمان اور وعدہ کی سچائی اور دوسرے قول پر مراد ہے نیت کا خلوص اور قول و عمل کی سچائی) مطلب یہ ہے کہ ہر چیز میں سچائی کو اختیار کرو اور سچائی کی پابندی کرو۔ حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر نے فرمایا یعنی محمد ﷺ اور آپ کے صحابہ کے ساتھ رہو جن کی نیتیں خالص ہیں دل بے لوث ہیں اور اعمال میں اخلاص ہے اخلاص اور سچے ارادہ سے رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب تبوک کو نکلے ہیں۔ منافقوں کی طرح نہ ہو جاؤ جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دیا۔ سعید بن جبیر نے الصادقین کی تفسیر ابو بکر و عمر سے کی یعنی ابو بکر و عمر کے ساتھ رہو ضحاک نے کہا ابو بکر عمر اور ان حضرات کے ساتھیوں کے ساتھ رہنے کا مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے ایک روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے کہ علی بن ابی طالب کے ساتھ رہو۔ سفیان ثوری نے فرمایا یہ (اپنی طرف سے) تفسیری اختلاف ہے آیت ان سب تفسیروں کو شامل ہے یہ بھی مراد ہے وہ بھی مراد ہے (کسی ایک کی تعیین نہیں)

ابن جریج نے کہا الصادقین سے مہاجرین مراد ہیں اللہ نے فرمایا لِلْفُقَرَاءِ الْمُهٰجِرِيْنَ ۔ ۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ (اس آیت میں مہاجرین کو ہی صادقین فرمایا ہے۔

بعض نے کہا الصادقین سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے اپنے گناہ کا سچے دل سے اعتراف کر لیا جھوٹے عذر نہیں پیش کئے۔ حضرت ابن مسعود نے فرمایا جھوٹ بولنا کسی طرح درست نہیں نہ سنجیدہ کلام میں۔ نہ مذاق میں۔ کوئی شخص اپنے بچہ (کو بہلانے کے لئے اس) سے ایسا وعدہ نہ کرے جس کو پورا نہ کرے اگر تم (اس قول کی) تصدیق چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو پھر آپ نے آیت مندرجہ بالا پڑھی۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ

مدینہ کے رہنے والوں کو اور جو دیہاتی ان کے گرد و پیش رہتے ہیں ان کو یہ زیبا نہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا ساتھ نہ دیں اور نہ یہ زیبا تھا کہ اپنی جانوں کو ان کی جانوں سے زیادہ عزیز سمجھیں۔

بظاہر الفاظ یہ کلام خبری ہے لیکن حقیقت میں نہی اور ممانعت ہے جیسے دوسری آیت آئی ہے وما کان لکم ان تؤذوا رسول اللہ ۔ الاعراب یعنی قبائل مزینہ جہینہ اشجع اسلم غفار جو صحراء میں رہتے تھے (مدینہ کے اندر نہیں رہتے تھے)

عن رسول اللہ۔ کا یہ مطلب ہے کہ جب خود رسول اللہ ﷺ بنفس نفیس جہاد پر تشریف لے جائیں تو آپکا ساتھ چھوڑ دینا اور ہمراہ نہ جانا جائز نہیں۔ ولا یرغبوا کا یہ مطلب ہے کہ جس جہاد سے رسول اللہ ﷺ نے اپنے نفس کو الگ نہیں رکھا اس سے لوگ بھی اپنی جانوں کو الگ نہ رکھیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

یہ (ساتھ جانے کی ضرورت) اس سبب سے ہے کہ اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو ماندگی پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے موجب غیظ ہو اور دشمنوں کی جو کچھ خبر

Marfat.com

لی ان کے نام اس کی وجہ سے ایک ایک نیک کام لکھا گیا، یقیناً "اللہ مخلصوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

ذلک سے اشارہ حکم ممانعت کی طرف ہے جو اوپر کے کلام سے سمجھا جارہا ہے بانھم میں باسببی ہے بسبب اس کے ظلما پیاس کی حقیر مقدار۔ نصیب تھکان، مخمصۃ بھوک، موطئا مصدر ہے۔ (تاکید فعل کے لئے) یا ظرف ہے یعنی وہ نہیں جائیں گے کسی زمین پر نیلا تاکہ کسی قسم کا قابو پائیں خواہ قتل کریں یا قید کرلیں یا لوٹیں یا مال غنیمت حاصل کریں۔ الا کتب یعنی وہ اس کی وجہ سے ثواب کے مستحق ہو جاتے ہیں اور یہ وعدہ چاہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جائیں ہمراہ جانے سے منہ نہ موڑیں۔ ان اللہ لا یضیع اجرا المحسنین یہ جملہ گزشتہ حکم کی علت ہے اور اس بات کو ظاہر کر رہا ہے کہ جہاد ایک بھلائی ہے (سب انسانوں کے حق میں) کافروں کے حق میں جہاد کا بھلائی ہونا تو اس وجہ سے ہے کہ کافروں کو دوزخ سے رہا کرانے اور ان کی انسانیت کو مکمل کرنے کی یہ انتہائی کوشش ہے جیسے پاگل کو مارنا (کبھی اس کے لئے علاج ہوتا ہے) اور بچہ کو ادب سکھانے کے لئے مارنا (اس کے حق میں بھلائی ہوتا ہے) مومنوں کے حق میں جہاد کی بھلائی یہ ہے کہ جہاد ہی کے ذریعے سے اہل ایمان کافروں کی چیرہ دستی اقتدار اور تسلط سے محفوظ رہتے ہیں حضرت ابو عبس کی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ کی راہ میں جس کے قدم گرد آلود ہوں گے اللہ نے اس کے لئے دوزخ حرام کر دی ہے۔ رواہ البخاری فی الصحیح واحمد فی المسند والترمذی والنسائی۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا جب تک جہاد سے واپس نہیں آتا اس کی حالت ایسی ہوتی ہے جیسے (ہر روز) روزہ رکھنے والا (رات کو) نماز پڑھنے والا اللہ کی آیات کی تلاوت کرنے والا جو روزہ نماز سے ست نہیں پڑتا ہو (چستی کے ساتھ برابر مشغول رہتا ہو) بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کے حکم (کے عام یا خاص، ہنگامی یا دوامی ہونے) میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔

قتادہ کا قول ہے یہ حکم رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ جانے کی صورت سے تعلق رکھتا ہے (عمومی نہیں ہے) جب رسول اللہ ﷺ خود جہاد پر تشریف لے جائیں تو کسی کیلئے بغیر شرعی عذر کے ساتھ نہ جانا جائز نہ تھا، دوسرے خلفاء اور حکام کے ساتھ جانے کا وجوبی حکم اس آیت میں نہیں ہے اگر مسلمانوں کو جہاد کرنے کی ضرورت نہ ہو تو خلیفہ یا حاکم کے ساتھ جہاد کو نہ جانا مسلمانوں کیلئے جائز ہے۔

ولید بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے اوزاعی عبداللہ بن مبارک ابن جابر اور سعد بن عبدالعزیز سے سنا کہ اس آیت کا حکم اس امت کے آغاز کے وقت بھی تھا اور آخری دور کیلئے بھی ہے (یعنی حکم دوامی ہے ہر خلیفہ کا ساتھ دینا ہر زمانہ میں لازم ہے)

ابن زید نے کہا یہ حکم اس وقت تھا جب مسلمان کم تھے جب زیادہ ہو گئے تو اللہ نے اس حکم کو منسوخ کر دیا اور جو جہاد پر نہ جانا چاہے اس کیلئے نہ جانا جائز کر دیا اور فرمادیا و ما کان المومنون لینفروا کافۃ میں کہتا ہوں تمام اماموں کا اتفاق ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اگر بقدر ضرورت مسلمانوں کی جماعت جہاد کرے گی تو باقی مسلمانوں کے سروں سے فرض اتر جائے گا۔

سعید بن مسیب کے نزدیک جہاد فرض عین ہے کیونکہ جہاد کے احکام عمومی ہیں اور جو لوگ تبوک کے جہاد کو نہیں گئے تھے ان کے معاملہ میں سخت احکام نازل کئے گئے ہم کہتے ہیں جب جہاد کا اعلان عام ہو تو باتفاق علماء ہر شخص پر جہاد کرنا فرض ہو جاتا ہے جیسے غزوہ تبوک کے موقع پر ہوا ورنہ فرض کفایہ ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے۔ لَا یَسْتَوِی الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ الخ اس آیت کے آخر میں ہے وکلا وعداللہ الحسنی ہر فریق سے اللہ نے بھلائی کا وعدہ کر لیا ہے (لیکن بھلائی کے مراتب میں تفاوت ہے سب برابر نہیں) دوسری آیت ہے وَمَا کَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنْفِرُوْا کَآفَّۃً۔

وَلَا یُنْفِقُوْنَ نَفَقَۃً صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً اور نیز جو کچھ چھوٹا بڑا (راہ خدا میں) انہوں نے صرف کیا جیسے حضرت عثمان بن عفان اور حضرت عبدالرحمن بن عوف نے جیش عسرت کی تیاری کے موقع پر مال صرف کیا۔

وَّلَا یَقْطَعُوْنَ وَادِیًا اِلَّا کُتِبَ لَھُمْ اور جتنے میدان ان کو طے کرنا پڑے یہ سب بھی ان کے نام نیکیوں میں لکھے گئے۔ یعنی

Marfat.com

آتے جاتے جس وادی کو بھی وہ قطع کرتے ہیں ان کو لکھ لیا جاتا ہے۔ وادی نالہ جس میں سیلاب کا پانی (پہاڑ سے آکر) بہتا ہے۔ وادی اسم فاعل کا صیغہ ہے وَدِیَ (ماضی) جاری ہو گیا یہ گیا مجازاً اس سے زمین مراد ہوتی ہے اس معنی میں استعمال عام ہے۔

لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ تاکہ اللہ انکو ان نیک کاموں کا اچھے سے اچھا بدلہ دے۔

یعنی ان کے اچھے اعمال کی جزا اچھے عمل سے مراد ہے جہاد۔ یا ان کے اعمال کی اچھی جزا۔ حضرت ابو مسعود انصاری کی روایت ہے کہ ایک آدمی نکیل پڑی اونٹنی لے کر حاضر ہوا اور عرض کیا یہ اللہ کی راہ میں ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اس کے عوض تجھے سات سو نکیل پڑی اونٹنیاں ملیں گی۔ رواہ مسلم۔

حضرت زید بن خالد روی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کے لئے سامان تیار کر کے دیا، اس نے بھی جہاد کیا اور جس نے مجاہد کے بیوی بچوں کی اس کے بعد خبر گیری کی اس نے بھی جہاد کی۔ رواہ البخاری و مسلم فی صحیحیما۔ واللہ اعلم۔

کلبی نے ذکر کیا ہے کہ قبائل بنی اسد بن خزیمہ قحط سالی میں مبتلا ہو کر (گھروں کو چھوڑ کر) بچوں کو لے کر مدینہ میں آپڑے ان کی وجہ سے مدینہ کے راستے گندے ہو گئے اور چیزوں کے نرخ گراں ہو گئے اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً اور (ہمیشہ کے لئے) مسلمانوں کو یہ بھی نہ چاہئے کہ جہاد کے لئے سب کے سب ہی نکل کھڑے ہوں۔ یہاں یہ نفی بمعنی نہی ہے یعنی طلب علم کے لئے تمام مسلمان اپنے وطنوں سے نہ نکل پڑیں اس سے معاشرہ کا بگاڑ اور معاش کا فساد پیدا ہو جائے گا۔

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے تاکہ یہ (باقی ماندہ) لوگ دین کی سمجھ بوجھ حاصل کرتے رہیں یعنی ہر بڑی جماعت مثلاً ایک قبیلہ یا ایک شہر یا ایک بستی میں سے چھوٹا گروہ کیوں طلب علم کیلئے نہیں نکلا کہ تکلیفیں اور مشقتیں اٹھا کر دینی سمجھ حاصل کرتا اور دین کے مسائل سمجھتا۔ صاحب نہایہ نے لکھا ہے فقہ کا اصلی لغوی معنی ہے سمجھنا اس کا استحقاق شق اور رفع (کے مفہوم سے) سے ہے۔ فرقہ سے مراد بڑی جماعت ہے طائفہ چھوٹی جماعت۔ قاموس میں ہے فقہ بکسر فاء کسی چیز کو جاننا سمجھنا۔ چونکہ (تمام علوم میں) علم دین کو فضیلت حاصل ہے اس لئے فقہ کا لفظ (اصطلاح میں) علم دین کے لئے مخصوص کر لیا گیا۔ بعض نے کہا معلوم کے ذریعے سے نامعلوم کو حاصل کرنا فقہ ہے یعنی علم استدلالی کے لئے یہ لفظ خاص ہے اس صورت میں لفظ علم عام اور لفظ فقہ خاص ہو گا اللہ نے فرمایا ہے۔ فما لھو لاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا ان لوگوں کو کیا ہو گیا کہ بات سمجھ بھی نہیں سکتے یعنی بات کے مضمون کا استنباط نہیں کرتے (بات کے مغز کو نہیں سمجھتے)

امام ابو حنیفہ نے فرمایا نفس کے ضرر رساں اور فائدہ بخش امور کو جاننا فقہ ہے (خواہ فکر و عقیدہ کے لحاظ سے ہو یا قول و عمل کے اعتبار سے۔ اصول کا علم ہو یا فروع کا) فروع دین کے علم کی خصوصیت کے ساتھ فقہ کہنا اصطلاح جدید ہے۔ (قرآن اول میں یہ خصوصیت نہیں تھی)

ظاہر یہ ہے کہ لفظ فقہ کے اندر مقلد کا علم بھی داخل ہے مجتہد سے یا مجتہد کی کتاب سے علم حاصل کرنے سے اس فرض کی ادائیگی ہو جاتی ہے جس کا حکم آیت مندرجہ میں دیا گیا ہے۔

وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ اور (جانے والے) لوگ جب واپس آئیں تو یہ ان کو ڈرائیں تاکہ وہ (ان سے دین کی باتیں سیکھ کر) برے کاموں سے احتیاط رکھیں۔

یعنی جب وہ لوگ اپنے وطن کو لوٹ کر آئیں تو جو لوگ تحصیل علم کے لئے نہیں گئے تھے اور وطن ہی میں مقیم رہے ان کو واپس آکر (اللہ کے دیے ہوئے احکام کی مخالفت سے) ڈرائیں (اور ان کو احکام بتائیں) مجاہد نے کہا کچھ لوگ تبلیغ کرنے اور دعوت ہدایت دینے کے لئے دیہات اور صحراء کی طرف گئے تھے لوگوں نے ان سے کہا تم ہمارے پاس (تو تبلیغ کے لئے) آ

Marfat.com

گئے اور اپنے ساتھی (یعنی رسول اللہ ﷺ) کو چھوڑ کر آ گئے یہ بات سن کر ان حضرات کے دلوں میں کچھ احساس ہوا وہ فوراً دیہات سے لوٹ آئے اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گئے اس پر آیت مذکورہ بالا نازل ہوئی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا سونے اور چاندی کے کانوں کی طرح انسانوں کی بھی تم کانیں پاؤ گے (خیر و شر کے مختلف معاون ہیں اور مختلف انسان مختلف معاون کی پیداوار ہیں) پس جو لوگ (طبعاً) "جاہلیت (کے دور) میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر ہوں گے بشرطیکہ سمجھ پیدا کر لیں۔ رواہ الشافعی وکذا روی الشیخان فی الصحیحین واحمد عن ابی ہریرۃؓ طبرانی نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آدمی (بس) دو ہیں عالم اور متعلم ان کے سوا باقی (آدمیوں) میں کوئی خیر نہیں۔

آیت دلالت کر رہی ہے کہ خبر آحاد (شرعی) حجت ہے (یعنی کسی مسئلہ کو جاننے کے لئے خبر آحاد کو بشرطیکہ وہ قابل وثوق روایت سے پہنچی ہو ماننا ضروری ہے) کیونکہ آیت میں کلّ فرقہ کا لفظ عام ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر کسی بستی میں تین ہی آدمی ہوں تو ان میں سے بھی کسی ایک کو علم حاصل کرنے کے لئے جانا اور سیکھ کر واپس آ کر دوسروں کو بتانا ضروری ہے اگر تواتر کے بغیر کوئی خبر قابل تسلیم نہ ہو تو کل فرقہ کے لفظ کا کوئی معنی نہیں ہوگا۔

فقہ کا کچھ حصہ تو فرض عین ہے کچھ فرض کفایہ۔ صحیح عقائد اور ضروری اعمال جیسے طہارت نماز روزہ زکوٰۃ حج اور تمام فرائض کا علم فرض عین ہے عبادات کے علاوہ وہ معاملات جو سامنے آتے رہتے ہیں اور جن سے واسطہ پڑتا رہتا ہے ان کو جاننا بھی فرض عین ہے مثلاً "تاجروں کے لئے بیع صحیح بیع فاسد۔ سود وغیرہ کے احکام جاننا لازم ہے جو ٹھیکہ یا مزدوری یا نوکری وغیرہ سے تعلق رکھتے ہیں ان کے لئے ان کے احکام کو حاصل کرنا ضروری ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم کی طلب ہر مسلمان مرد پر فرض ہے یہ حدیث حضرت انس کی روایت سے ابن عدی اور بیہقی نے اور حضرت امام حسن بن علی کی روایت سے خطیب نے اور طبرانی نے صغیر میں نیز طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عباس کی روایت اور الکبیر نیز بیہقی نے حضرت ابو سعید کی روایت سے بیان کی ہے۔ حضرت انس کی روایت میں حسب نقل ابن عبدالبر اتنا زائد بھی آیا ہے کہ طالب علم کے لئے ہر چیز دعائے مغفرت کرتی ہے یہاں تک کہ سمندر کے اندر مچھلیاں بھی دعا مغفرت کرتی ہیں ایک روایت میں یہ الفاظ بھی آئے ہیں اور اللہ مصیبت زدوں کی فریادرسی کو پسند کرتا ہے۔

فرض کفایہ یہ ہے کہ ہر موضوع کے مسائل سے واقفیت حاصل کی جائے یہاں تک کہ فتویٰ دینے کے مقام پر پہنچ جائے۔ اگر کسی شہر کا کوئی آدمی ایسا عالم نہ ہوگا اور ایک شخص بھی اس درجہ پر فائز نہ ہوگا اور سب بیٹھ رہیں گے تو سب گناہ گار ہوں گے اور اگر ایک بھی تکمیل علمی کے لئے تیار ہو جائے گا تو سب کے سر سے فرض ساقط ہو جائے گا اور سب پر اس کی تقلید لازم ہوگی جو واقعات پیش آئیں ان کے فیصلے کے لئے اس عالم کی طرف سب بستی والے رجوع کریں۔

تحصیل علم ہر نفلی عبادت سے افضل ہے حضرت ابن عباس کی روایت سے مولف سند الفردوس نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علم کی طلب اللہ کے نزدیک نماز روزہ حج اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے افضل ہے یہ بھی حضرت ابن عباس کی روایت میں آیا ہے کہ ایک گھڑی علم کی تحصیل ایک رات کے قیام (نماز) سے اور ایک دن علم کی طلب تین رات کے روزے رکھنے سے افضل ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر۔ بلاشبہ اللہ (رحمت کرتا ہے) اور اللہ کے فرشتے اور آسمانوں والے اور زمینوں والے یہاں تک کہ سوراخوں کے اندر چیونٹیاں اور پانی کے اندر مچھلیاں اس شخص کیلئے دعائے رحمت کرتی ہیں جو لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دیتا ہے رواہ الترمذی بسند صحیح عن ابی امامۃؓ۔ ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہزاروں عابدوں سے ایک عالم شیطان پر زیادہ بھاری ہوتا ہے۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آدمی مر جاتا ہے تو اسکا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر تین اعمال (کا فائدہ جاری رہتا ہے) صدقہ جاریہ، یا وہ علم جس سے لوگ نفع حاصل کریں۔ یا نیک اولاد جو اس کے لئے دعا کرے۔

علم لدنی جس کے حامل صوفیہ کرام ہوتے ہیں فرض عین ہے کیونکہ اس باطنی سلم کے دو مقصد ہوتے ہیں۔

Marfat.com

(۱) اللہ کے سوا ہر چیز کی رغبت کو دل سے نکال دینا ہر دم اللہ کے سامنے اپنے کو حاضر سمجھنا خود پسندی، غرور، حسد، دنیا کی محبت، عبادات میں سستی، خواہشات، نفس، ریاکاری، شہرت طلبی اور دوسرے اخلاقی باطنی عیوب سے نفس کو پاک رکھنا۔

(۲) گناہوں سے توبہ، رضا بالقضا، مصائب پر صبر، نعمتوں کا شکر اور دوسرے اچھے خصائل و مکارم اخلاق سے اپنے نفس کو آراستہ کرنا۔ اور ظاہر ہے کہ ہر شخص کے لئے ان ممنوعات سے پرہیز اور فرائض کی پابندی سے زیادہ اہم اور ضروری ہے جن کا تعلق اعضاء جسمانی سے ہے اگر اخلاص اور نیت کی صحت نہ ہو تو نماز روزہ اور دوسری عبادتیں ناقابل اعتبار ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ صرف اسی علم کو قبول فرماتا ہے جو خالص ہو اور محض خوشنودی خدا حاصل کرنے کے لئے کیا گیا ہو۔ رواہ النسائی عن ابی امامۃؓ۔ مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تمہاری صورتوں اور مالوں پر نظر نہیں کرتا بلکہ تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے۔

اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس چیز پر فرض عین کا مدار ہو وہ خود فرض عین ہوگی لہٰذا علم لدنی جس کے حامل صوفیہ کرام ہیں فرض عین ہے۔

آیت کے نزول کا ایک اور سبب بھی بیان کیا گیا ہے بغوی نے بروایت کلبی اور ابن ابی حاتم نے بروایت عکرمہ و عبداللہ بن عمیر حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ جب غزوہ تبوک کے سلسلہ میں منافقوں کے عیوب اللہ نے بیان فرمائے اور آیت ان لا تنفروا یعذبکم عذابا الیما نازل ہوگی اور رسول اللہ ﷺ جہاد پر (مختلف اطراف میں) بھیجنے لگے تو سب مسلمان جہاد کو نکلنے لگے اور رسول اللہ ﷺ کو تنہا چھوڑ کر جانے لگے۔ عکرمہ کی روایت میں آیا ہے کہ کچھ دیہاتی صحرا نشین جہاد کو نہیں گئے منافق کہنے لگے یہ بدوی تباہ ہوگئے (انہوں نے حکم جہاد کی پابندی نہیں کی) اس پر آیت ما کان المومنون لینفروا (یعنی الی الغزو) کافۃ فلو لا نفر من کل فرقۃٍ (یعنی عَظِیْمَۃٍ) طَائِفَۃٌ (یعنی الی الغزو و مع بقی طائفۃ النبی ﷺ) لیتفقھو (ای القاعدون) فی الدین (ایالقرآن و السنن والفرائض و الاحکام) نازل ہوئی مطلب یہ کہ تمام مسلمانوں کو جہاد پر نہ چلا جانا چاہئے بلکہ بڑے گروہ میں سے ایک چھوٹی جماعت کو جہاد پر جانا لازم ہے اور ایک جماعت کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں قرآن، سنت، فرائض اور احکام سیکھنے کے لئے رہنا چاہئے تاکہ فوجی دستے جب واپس آئیں تو ان کو یہ لوگ بتا سکیں کہ ان کے جانے کے بعد کیا احکام نازل ہوئے۔ چنانچہ (اس آیت کے نزول کے بعد ایسا ہی ہونے لگا کچھ جماعتیں رسول اللہ ﷺ کے پاس رکی رہتیں اور کچھ دستے چلے جاتے اس طرح دینی تعلیم کا سلسلہ منقطع نہ ہونے پاتا دینی تفقہ جہاد اکبر ہے بعثت کی اصل غرض ہی یہ ہے کہ دلائل کے ساتھ اسلامی احکام کو پیش کیا جائے۔ (تلوار سے جہاد کا درجہ تو دفاعی ہے تبلیغی جہاد کا درجہ اعلیٰ ہے) اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ علماء انبیاء کے جانشین ہیں اس شان نزول اور اس مطلب کی صورت میں لیتفقھو اور لِیُنْذِرُوْا کی ضمیریں ان لوگوں کی طرف راجع ہوں گی جو جہادی دستوں کی روانگی کے بعد تحصیل علم کے لئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے اور رجعوا کی ضمیر جہاد پر جانے والے دستوں کی طرف راجع ہوگی۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا اس آیت کا حکم اس صورت میں مخصوص ہوگا جب (بغیر رسول اللہ ﷺ کے) جہاد پر مسلمانوں کے دستے گئے ہوں اور ترک جہاد کی ممانعت کا حکم اسی صورت میں ہوگا جب رسول اللہ ﷺ خود تشریف لے جائیں۔

حسن کا قول ہے کہ لیتفقھو اور لِیُنْذِرُوْا کی ضمیریں ان مسلمانوں کے دستوں کی طرف راجع ہیں جو جہاد پر گئے ہوں آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ایک فرقہ (ہر گروہ میں سے) جہاد پر چلا جائے اور دین کی نصرت اور مشرکوں پر غالب ہونے کا خود مشاہدہ کرے اور سمجھے اور پھر جہاد سے واپس آنے کے بعد اپنی قوم کے کافروں کو بتائے کہ اللہ نے اپنے رسول کو اور مومنوں کو فتح عنایت فرمائی اور اس اطلاع دینے کا مقصد یہ ہو کہ ان کی قوم کے کافر رسول اللہ ﷺ کا مقابلہ کرنے

Marfat.com

سے باز رہیں اور ڈرتے رہیں کہ جو دوسروں کا فروں کا حال ہوا رسول اللہ ﷺ سے جنگ کر کے ہمارا بھی وہی حال ہوگا۔

اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے اگر ایک جماعت اس فرض کو ادا کر دے گی تو سب کے سروں سے فرض ساقط ہو جائے گا ہاں اگر جہاد کی عام ندا کر دی جائے اور سب کو جہاد کے لئے آجانے کا حکم دے دیا گیا ہو تو پھر ہر شخص پر جہاد عینی فرض ہو جاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ اے ایمان والو ان کفار سے لڑو جو تمہارے آس پاس رہتے ہیں۔

اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ کافروں سے جہاد کرنے کا آغاز الاقرب فالاقرب کے طریقے پر کیا جائے۔ سکونت اور نسبی قرابت کے اعتبار سے جو کافر قریب ترین ہوں ان سے جہاد شروع کیا جائے قریب ترین کافروں کو اصلاح طلبی اور شفقت کا سب سے زیادہ حق ہے۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے اپنے قریب ترین خاندانوں والوں کو تبلیغ کرنے کا حکم دیا گیا اور ہجرت کے بعد بنی قریظہ بنی نضیر اور خیبر کے یہودیوں سے جہاد کرنے کا حکم سب سے پہلے دیا گیا جب عرب سے جہاد ختم ہو گیا اور ضرورت نہ رہی تو رومیوں سے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا اس آیت میں رومیوں سے جہاد کرنے ہی کا حکم دیا گیا۔ رومی شام میں رہتے تھے (اور ایرانی عراق میں) اور عراق کی بہ نسبت شام مدینہ سے قریب تھا اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تبوک کی طرف رومیوں سے جہاد کرنے کے لئے خروج کیا جیسا کہ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے اور ابن ابی شیبہ و ابن المنذر نے مجاہد کے قول سے اور ابن جریر نے سعید بن جبیر کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

اس آیت کے مقتضا کا لحاظ کرتے ہوئے علماء فقہ نے صراحت کی ہے کہ کفار کی سرحد کے قریب جو مسلمان رہتے ہوں ان پر سرحدی کافروں سے جہاد کرنا واجب ہے اگر وہ کافی نہ ہوں اور زیادہ طاقت کی ضرورت ہو یا وہ سستی کریں اور حکم جہاد کی پروانہ کریں تو ان سرحدی مسلمانوں کے متصل جو مسلمان رہتے ہوں ان پر سرحدی کافروں سے جہاد کرنا واجب ہو جاتا ہے اور ان میں بھی اگر بقدر ضرورت طاقت نہ ہو یا سستی کی وجہ سے وہ جہاد ترک کر بیٹھیں تو ان سے پیچھے والے مسلمانوں کا وہی فریضہ ہو جاتا ہے جو سستی کرنے والوں کا تھا اسی ترتیب کے ساتھ مشرق مغرب کے تمام مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت ہو جاتی ہے۔ میت کی تجہیز و تکفین کا سامان مہیا کرنا اور میت کی نماز پڑھنے کا بھی یہی حکم ہے۔

وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ اور ان کو تمہارے اندر سختی پانا چاہئے۔

غِلْظَةً کا معنی ہے شدت اور اسلام کی حمیت۔ حسن کے نزدیک غلظت سے مراد ہے جہاد پر صبر۔ بظاہر لْيَجِدُوْا کا صیغہ امر کا ہے جس کی ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے اور کفار مامور ہیں لیکن حقیقت میں اس امر کا رجوع مسلمانوں کی طرف ہے اور مراد یہ ہے کہ مسلمانو! تم کافروں کے مقابلہ میں سختی اور شدت اختیار کرو (ان کو تمہارے اندر کوئی نرمی اور بزدلی محسوس نہ ہو)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۝۱۲۳ اور جان لو کہ اللہ کی مدد اور نصرت متقیوں کے ساتھ ہے کافروں کے ساتھ نہیں ہے اس لئے تم ان کی جنگ کی پروانہ کرو۔ (خوف زدہ نہ ہو)

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا ۚ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا اور جب کوئی (جدید) سورت نازل کی جاتی ہے تو بعض منافق (غرباء مسلمین سے بطور تمسخر) کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں ترقی دی سو (سنو) جو لوگ ایماندار ہیں اس سورت نے ان کے ایمان میں ترقی دی ہے۔

یعنی جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو منافقوں میں سے کچھ لوگ اپنے بھائی بندوں سے بطور مذاق کہتے ہیں کہ اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان و یقین میں اضافہ کیا اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا ایمانداروں کے ایمان کو نازل شدہ سورت بڑھاتی ہے سورت کے اندر جو اعجاز بیان ہوتا ہے اس سے مومنوں کے علم میں اضافہ ہوتا ہے اور نازل شدہ سورت پر

Marfat.com

ان کو یقین ہو جاتا ہے اس لئے سابق ایمان کی مقدار میں اضافہ ہو جاتا ہے (پہلے اسی حصہ پر ان کا ایمان تھا جو نازل ہو چکا تھا پھر سورت جدیدہ پر بھی ان کا ایمان ہو جاتا ہے اور جو کچھ سورت میں علمی اور اعجازی حصہ ہوتا ہے وہ بھی ان کو حاصل ہو جاتا ہے اس طرح ایمان بڑھ جاتا ہے۔)

وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اور وہ (سورت کے نزول سے) خوش ہو رہے ہیں کیونکہ سورت کی وجہ سے ان کے علم و کمال میں اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کے درجات اونچے ہو جاتے ہیں۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾

اور جن کے دلوں میں (نفاق کا) آزار ہے اس سورت نے ان میں ان کی (پہلی) گندگی کے ساتھ اور نئی گندگی بڑھا دی اور وہ حالت کفر میں مر گئے۔

مرض سے مراد ہے شک و نفاق، رجس گندگی مراد کفر۔ یعنی پہلے وہ سابق میں نازل شدہ آیات و سور کے منکر تھے۔ اب اس جدید سورت کے بھی منکر ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کفر بالائے کفر ہو جاتا ہے۔

کفر کی حالت پر مرنے کی صراحت اس لئے فرمائی کہ ایمان ایک خداداد چیز ہے آیات کا کام ایمان بخشی نہیں۔ اللہ ایمان نہ دے تو آیات غیر مفید ہوتی ہیں۔ مجاہد نے کہا اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایمان میں کمی بیشی ہوتی ہے (یعنی ایمان مرکب ہے اس کے اجزاء میں کمی بیشی ہوتی ہے) حضرت عمر اپنے ساتھیوں میں سے کسی ایک یا دو آدمیوں کا ہاتھ پکڑ کر فرماتے تھے آؤ ہم اپنا ایمان بڑھائیں (یعنی اگر کوئی جدید آیت یا سورت نازل ہوئی ہو تو اس کو چل کر سنیں تاکہ ہمارے ایمان میں اضافہ ہو) حضرت علی نے فرمایا دل کے اندر ایمان ایک سفید نقطہ کی شکل میں نمودار ہوتا ہے جتنا ایمان بڑھتا ہے اتنی ہی سفیدی بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ پورا دل سفید ہو جاتا ہے اور نفاق دل میں سیاہ نقطہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے پھر جتنا نفاق بڑھتا ہے سیاہی بھی بڑھتی ہے یہاں تک کہ پورا دل کالا ہو جاتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم مومن کا دل چیر کر دیکھو گے تو اس کو سفید پاؤ گے اور اگر منافق کا دل چیر کر دیکھو گے تو اس کو سیاہ پاؤ گے۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور کیا ان کو نہیں دکھائی دیتا کہ ہر سال ایک یا دو بار وہ کسی آفت میں پھنستے رہتے ہیں پھر بھی باز نہیں آتے اور نہ وہ کچھ سمجھتے ہیں (کہ آئندہ باز آنے کی امید ہو)

یعنی طرح طرح کے امراض اور مصائب بھیج کر ان کی آزمائش کی جاتی ہے مجاہد نے کہا قحط اور شدت میں مبتلا کر کے آزمائش کی جاتی ہے قتادہ نے کہا رسول اللہ ﷺ کی ہمرکابی میں جہاد کو جاتے ہیں اور جو صداقت کی نشانیاں ظہور پذیر ہوتی ہیں ان کا مشاہدہ کرتے ہیں مقاتل بن حیان نے کہا ان کے نفاق کو ظاہر کیا جاتا ہے جس کی وجہ سے ان کی رسوائی ہوتی ہے عکرمہ نے کہا منافقت کرتے ہیں پھر ایمان لے آتے ہیں پھر منافق ہو جاتے ہیں یمان نے کہا عہد شکنی کرتے ہیں۔

پھر توبہ نہیں کرتے یعنی عہد شکنی سے گناہوں سے اور نفاق سے جو مصائب کے آنے اور رسوائیاں ہونے کا سبب ہے۔

اور نہ وہ نصیحت پکڑتے ہیں اس بات سے کہ اللہ نے اپنے پیغمبر سے نصرت کا اور مسلمانوں سے فتح کا جو وعدہ کیا تھا اس کو کس طرح پورا کیا۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ نَظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ اور جب کوئی سورہ اتاری جاتی ہے تو ایک دوسرے کی طرف دیکھتا ہے یعنی آنکھوں آنکھوں میں انکار یہ یا استہزائیہ اشارہ کرتا ہے یا آنکھوں کے اشارے سے غصہ کا اظہار کرتا ہے کہ اس سورہ میں ان کے عیوب کو بیان کیا گیا ہے اور ان کی رسوائی کی گئی ہے اور مجلس سے اٹھ کر بھاگ جانے کا ارادہ کرتے ہوئے آنکھوں کے اشارہ سے ایک دوسرے سے کہتا ہے۔

هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ کیا تمہیں کوئی (مسلمان) دیکھ رہا ہے اگر اس مجلس سے اٹھ جاؤ گے تو کیا کسی کی نظر

Marfat.com

پڑ جائے گی پھر اگر کوئی مسلمان نہیں دیکھتا ہوتا تو وہ مسجد سے سرک جاتے اگر دیکھنے کا یقین ہوتا تو جمے بیٹھے رہتے۔

ثُمَّ انْصَرَفُوْا پھر (یعنی اس سورت نازلہ پر ایمان لانے سے) پھر گئے بعض اہل تفسیر کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ اس مقام سے جہاں بیٹھے سورت سن رہے تھے یعنی مجلس رسول اللہ ﷺ سے پھر گئے بیٹھے رہنے میں ان کو رسوائی کا اندیشہ تھا۔

صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ اللہ نے ان کے دلوں کو (ایمان سے) پھیر دیا ابو اسحاق نے کہا اللہ نے ان کے کرتوت کو سزا میں ان کو گمراہ کر دیا۔ یہ جملہ (بجائے خبر یہ ہونے کے) بددعائیہ بھی ہو سکتا ہے (مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کے دلوں کو ایمان سے پھیر دے۔ رہا ساشائبہ ایمان بھی ان کے دلوں سے جاتا رہے)

بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ اس سبب سے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو (اپنی بد فہمی اور غلطی تدبر کی وجہ سے حق کو) نہیں سمجھتے۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (اے لوگو)! تمہارے پاس ایک عظیم الشان رسول آیا ہے جو تمہاری جنس (بشر) سے ہے۔

مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری ہی جنس سے ہیں اسمعیلی نسل سے ہیں تم ان کے حسب نسب کو جانتے ہو۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا عرب کے ہر قبیلہ سے رسول اللہ ﷺ کا نسبی تعلق تھا امام جعفر صادق نے فرمایا حضرت آدم سے لے کر آخری دور تک رسول اللہ ﷺ کے (سارے آباؤ اجداد) جاہلیت کے نکاح کے طریقوں سے پاک رہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں جاہلیت کے طریق زناء سے نہیں پیدا ہوا بلکہ اسی نکاح کے ذریعے سے پیدا ہوا جیسا اسلامی نکاح ہوتا ہے۔ [۱]

عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ جس کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے۔

مَا عَنِتُّمْ میں ما زائد ہے (مصدر کے معنی میں ہے) یعنی تمہارا دشواری اور دکھ میں پڑ جانا حضرت ابن عباس نے فرمایا تمہارا گمراہ ہو جانا قتبی نے کہا وہ چیز رسول پر شاق ہے جو تم کو دشواری میں ڈال دے اور تم کو دکھ پہنچائے اس صورت میں موصولہ ہوگا۔

حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ وہ تم پر (یعنی تمہارے مومن ہو جانے اور تمہارے احوال کے ٹھیک ہو جانے کے) بڑے حریص (خواہش مند) ہیں۔

بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾ (بالخصوص) ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔

رافت کا معنی ہے رحمت کی زیادتی۔ اس صورت میں رحیم سے روف کی تقدیم محض مقطع آیت کی رعایت کی وجہ سے ہوگی بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماں بردار کے لئے روف اور گناہ گاروں کے لئے رحیم ہیں۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا پھر اگر روگردانی کریں یعنی ایمان سے منہ موڑ لیں اور آپ سے لڑنے کے لئے تیار ہو جائیں۔

فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ تو آپ کہہ دیجئے کہ میرے لئے اللہ کافی ہے۔ یعنی اللہ کافروں کے خلاف تمہاری مدد کرے گا اور تمہارا کام پورا کرے گا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (کیونکہ) اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ اسی پر میں نے بھروسہ کر لیا مجھے اس کے سوا نہ کسی سے امید ہے نہ خوف۔

---

[۱] جاہلیت کے نکاح کے مختلف طریقے ہوتے تھے طلعت حرب نے دول العرب والاسلام میں دور جاہلیت کے نکاح کے بیان میں ان کو مفصل لکھا ہے ایک طریقہ تو یہی تھا جو اسلام میں رائج تھا دوسرا طریقہ نکاح سفاح کا تھا تیسرا طریقہ نکاح بغایا کا تھا۔ یہ بھی دستور تھا کہ سوتیلا بڑا بیٹا اپنی سوتیلی بیوہ ماں پر چادر ڈال دیتا تھا یا اپنے کسی چھوٹے بھائی کے حق میں دست بردار ہو جاتا تھا اس کو بھی ازدواج کا ایک طریقہ مانا جاتا تھا۔



Marfat.com

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿١٢٩﴾ اور وہ بڑی عظمت والے عرش کا مالک ہے۔ ع ۱۶ ۵

عرش چونکہ مخلوقات میں سب سے بڑی مخلوق ہے اس لئے خصوصیت کے ساتھ اس جگہ عرش عظیم کا ذکر کیا۔

عبداللہ بن احمد نے حضرت ابی بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ سب سے آخر میں یعنی قرآنی آیات میں سب سے آخر میں نازل ہونے والی یہی دو آیات ہیں لقد جاء کم رسول سے ختم سورہ تک اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ کے پاس سے آنے والی آیات میں (ہمارے لئے) قریب ترین زمانہ والی یہی دو آیات ہیں۔[1]

فصل: سورہ توبہ کا زیادہ حصہ جنگ تبوک کے واقعات کے سلسلہ میں نازل ہوا مختلف آیات کی تفسیر کے ذیل میں کچھ واقعات کا تذکرہ کر دیا گیا ہے ذیل میں تبوک سے تعلق رکھنے والے باقی واقعات اور ان معجزات کو بیان کیا جا رہا ہے جو ان واقعات کے درمیان ظہور پذیر ہوئے تھے۔

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن سلام کا بیان نقل کیا ہے حضرت عبداللہ نے فرمایا تبوک کو جاتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ کا گذر خلیجہ کی طرف سے ہوا تو صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ (اونٹوں کے) پڑاؤ کے لئے یہی جگہ (مناسب معلوم ہوتی ہے) یہاں سایہ بھی ہے اور پانی بھی یعنی یہاں گوگل کے بڑے بڑے درختوں کا سایہ بھی ہے اور پانی (کے چشمے) بھی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ یہ کھیتی کی زمین ہے اونٹنی کو جانے دو (یہ خود جہاں ٹھیرنا ہوگا ٹھیر جائے گی) یہ مامور (من اللہ) ہے چنانچہ اونٹنی آگے بڑھی اور دومہ کے پاس جا کر بیٹھ گئی ذی المروہ کی مسجد میں۔

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ وادی قری میں فروکش ہوئے تو بنی عریض کے یہودیوں نے بریس (حلیم یا حلیم نما کوئی کھانا) پیش کیا۔ حضور ﷺ نے اس کو تناول فرمایا اور چالیس یہودیوں کو بھی کھلایا پلایا (یعنی ان کی دعوت کی) چنانچہ یہ سلسلہ قیامت کے دن تک انکے لئے جاری رہے گا (یعنی بنی عریض کے لئے یہ دوامی پٹہ اور وثیقہ ہو گیا۔

امام مالک امام احمد اور بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابن عمر کی روایت سے اور امام احمد نے حضرت جابر حضرت ابو کبشہ انماری اور حضرت ابو حمید ساعدی کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب مقام حجر (قوم ثمود کے مسکن قدیم) کی طرف سے گذرے تو آپ نے چادر مبارک بطور نقاب کے اپنے چہرہ پر ڈال لی آپ اس وقت کجاوہ پر سوار تھے اور اونٹنی کو تیز دوڑایا کہ قوم ثمود کے گھر پیچھے رہ گئے (آپ ان سے آگے بڑھ گئے) اور (آگے بڑھ کر) اترے ساتھ والے حجر کے باشندوں کی طرف لپکے اور انہوں نے ان کنوؤں سے پانی کھینچا جن سے قوم ثمود پانی پیتی تھی اسی پانی سے لوگوں نے آٹا گوندھا اور گوشت کی ہانڈیاں چڑھائیں جب یہ اطلاع حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ نے نماز کے لئے ندا کرائی۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے

---

[1] یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب کا بیان ہے کہ حضرت عمر نے قرآن کو یکجا کرنے کا ارادہ کیا اور لوگوں سے فرمایا جس نے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں قرآن کا کوئی حصہ سیکھا ہو وہ ہمارے پاس لے کر آجائے لوگوں نے قرآن مجید کی آیات کاغذوں پر تختیوں پر اور درختوں کے پوست پر لکھ رکھی تھیں، حسب الحکم لوگ لانے لگے لیکن آپ کسی کی لائی ہوئی کوئی آیت قبول نہیں کرتے تھے جب تک وہ شاہد شہادت نہیں دیتے تھے (کہ یہ قرآن کی آیات ہیں رسول اللہ ﷺ نے ان کی تعلیم دی تھی) آپ جمع ہی کر رہے تھے کہ آپ کو شہید کر دیا گیا اس کے بعد حضرت عثمان بن عفان آپ کی جگہ ہو گئے اور حضرت عثمان نے فرمایا جس کے پاس قرآن کا کوئی حصہ ہو وہ میرے پاس لے آئے آپ بھی کوئی آیت بغیر دو شاہدوں کے شہادت دیئے نہیں قبول کرتے تھے حضرت خزیمہ بن ثابت نے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ لوگوں نے دو آیتیں نہیں لکھیں حضرت عثمان نے فرمایا وہ کون سی ہیں حضرت خزیمہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے دو آیتیں سیکھی تھیں۔ لقد جاء کم رسول من انفسکم آخر تک حضرت عثمان نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ یہ دونوں آیات اللہ کی طرف سے (آئی) ہیں اب بتایئے آپ کی رائے میں ان کو کہاں رکھنا چاہئے۔

حضرت خزیمہ نے جواب دیا قرآن کا جو حصہ آخر میں نازل ہوا تھا اس کے خاتمہ پر ان کو رکھیے چنانچہ سورہ برائت کے خاتمہ پر ان آیات کو لکھ دیا گیا۔

Marfat.com

تو فرمایا ان لوگوں کے مکانوں میں تم لوگ نہ داخل ہو جنہوں نے اپنے اوپر خود ظلم کیا تھا کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آجائے جو ان پر آیا تھا ہاں روتے ہوئے (وہاں جا سکتے ہو) ان کے کنوؤں کا پانی بھی نہ پیو اور نماز کے لئے اس پانی سے وضو بھی نہ کرو ہانڈیوں کو الٹ دو اور گوندھا ہوا آٹا اونٹوں کو کھلا دو۔ اس کے بعد حضور ﷺ یہاں سے روانہ ہو کر اس کنویں پر پہنچے جس کا پانی (حضرت صالح کی) اونٹنی پیا کرتی تھی اور فرمایا معجزات طلب نہ کرو قوم صالح نے معجزات طلب کئے تھے انہوں نے اپنے پیغمبر سے درخواست کی تھی کہ معجزہ پیش کریں چنانچہ اللہ نے (پہاڑ کے اندر سے) اونٹنی بطور معجزہ برآمد کر دی تھی اونٹنی اس گھاٹی سے (پانی پر) آتی تھی اور اس گھاٹی سے نکل کر جاتی تھی اونٹنی ایک دن میں ان کا سارا پانی پی جاتی تھی (اور قوم کے جانوروں کو اور آدمیوں کو اس روز پانی نہیں ملتا تھا) ایک دن لوگ اس اونٹنی کا دودھ پی کر گذارا کرتے تھے آخر انہوں نے اونٹنی کی کونچیں کاٹ دیں (اور اس کو قتل کر دیا) نتیجہ یہ ہوا کہ ایک چیخ سب پر ایسی پڑی جس کی وجہ سے اس آسمان تلے ان میں کا کوئی شخص سوائے ایک آدمی کے زندہ نہ بچا۔ سب کو اللہ نے ٹھنڈا کر دیا یہ شخص کعبہ کے اندر تھا (اس لئے بچ گیا) عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون شخص تھا فرمایا ابو رغال، پھر یہ بھی جب حرم خداوندی سے باہر نکلا تو اس پر بھی ویسا ہی عذاب آ پہنچا جیسا دوسرے قوم والوں پر آیا تھا تم کو ایسے لوگوں کے پاس نہ جانا چاہئے جن پر اللہ نے غضب نازل کیا تھا ایک آدمی نے اس (بیان) پر تعجب کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا میں اس سے بھی زیادہ تعجب آفریں بات کی تم کو خبر دیتا ہوں ایک آدمی جو تم میں سے ہی ہے تم کو گزشتہ لوگوں کے واقعات بتا رہا ہے اور جو آئندہ تمہارے بعد ہونے والے واقعات ہوں گے ان کی بھی اطلاع دے رہا ہے تم استقامت رکھو اور سیدھی چال چلو تم کو عذاب دینے کی اللہ کچھ بھی پروا نہیں کرتا۔ آئندہ اللہ کچھ لوگ ایسے پیدا کرے گا جو اپنے اوپر سے کچھ بھی دفع نہ کر سکیں گے آج رات ایک تیز ہوا چلے گی کوئی کھڑا نہ رہے جس کے پاس اونٹ ہو وہ اونٹ کے دھنگنا مضبوط باندھ دے تم میں سے کوئی بغیر کسی کو ساتھ لئے باہر نہ نکلے۔ حضور ﷺ کی ہدایت کے بموجب لوگوں نے عمل کیا لیکن بنی ساعدہ کے دو آدمی اس ہدایت کی تعمیل نہ کر سکے ایک تو رفع حاجت کے لئے باہر گیا ہوا تھا اور دوسرا اپنا اونٹ ڈھونڈھنے (کہیں) گیا تھا ہوا نے اس کو اڑا کر قبیلہ طے کے پہاڑ پر جا پھینکا۔ رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی اطلاع دی گئی تو فرمایا کیا میں نے تم کو بغیر کسی کو ساتھ لئے باہر نکلنے کی ممانعت نہیں کر دی جو شخص راستہ میں ہی گلو بستہ ہو گیا تھا۔ حضور ﷺ نے اس کے لئے دعا فرمائی اور وہ تندرست ہو گیا اور دوسرے شخص کو قبیلہ طے نے (زندہ حالت میں) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا یہ شخص اس وقت خدمت گرامی میں پہنچا جب آپ مدینہ واپس آ چکے تھے۔ پانی کے لئے دعا کرنے کا قصہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ محمد بن عمر اور محمد بن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کھو گئی لوگ اس کی تلاش میں نکلے زید بن نصیب قبیلہ بنی قینقاع کا ایک یہودی تھا جو مسلمان ہو گیا تھا مگر تھا دل میں منافق اور حضرت عمارہ بن حزم کے پڑاؤ پر رہتا تھا یہ کہنے لگا محمد نبی ہونے کا اور آسمانی خبریں دینے کا تو دعوی کرتے ہیں لیکن خود اتنا نہیں جانتے کہ اونٹنی کہاں گئی۔ حضرت عمارہ اس وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھے (منافق نے یہ بات ان کی غیر موجودگی میں کہی تھی) رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا منافق نے ایسی بات کہی ہے۔ خدا کی قسم میں تو اتنا ہی جانتا ہوں جتنا اللہ نے مجھے بتا دیا ہے۔ اب مجھے اللہ نے اطلاع دی ہے کہ اونٹنی وادی کے اندر فلاں گھاٹی میں ہے حسب فرمان لوگ وہاں گئے اونٹنی مل گئی اس کو لے آئے۔ اب عمارہ زید کے پاس پہنچے اور اس کا گلا دباتے ہوئے کہا اللہ کے دشمن میرے پڑاؤ سے نکل جا، میرے ساتھ نہ رہ۔ ابن اسحاق کا بیان ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ زید نے (اس کے بعد سچے دل سے) توبہ کر لی تھی کچھ کہتے ہیں وہ منافق ہی رہا اور اسی حالت میں مرا۔ اسی غزوہ میں وہ واقعہ بھی ہوا تھا جو مسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فجر سے پہلے رفع حاجت کے لئے گئے (لوگ نماز کا انتظار کرتے رہے) جب اجالا زیادہ ہو گیا اور سورج نکلنے کا اندیشہ ہو گیا تو انہوں نے حضرت عبدالرحمن بن عوف کو آگے بڑھا دیا اور آپ نماز پڑھانے کھڑے ہو گئے رفع حاجت کے بعد رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور وضو کرنا چاہا مگر کرتہ کی آستینیں تنگ تھیں (اوپر نہ چڑھ سکیں) آپ نے اندر سے آستینوں سے ہاتھ نکال کر وضو کیا اور

Marfat.com

موزوں پر مسح کیا پھر ایک رکعت جماعت کے ساتھ پڑھی اور ایک رکعت (فوت شدہ) ادا کی پھر سلام پھیرا اور فرمایا تم نے اچھا کیا نماز کو وقت پر پڑھا کرو۔ کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک اس نے اپنی امت کے کسی نیک آدمی کے پیچھے کوئی نماز نہ پڑھ لی ہو (یعنی میں نے عبدالرحمٰن کے پیچھے جو نماز پڑھی یہ کوئی نئی بات نہیں نہ اس سے میری توہین ہوئی ہر نبی کی یہی سنت ہے ہر نبی نے اپنی وفات سے پہلے اپنی امت کے کسی مرد صالح کے پیچھے نماز ضرور پڑھی ہے)۔

احمد اور طبرانی کا بیان ہے کہ حضرت سہیل بن بیضاء کو رسول اللہ ﷺ نے اپنی اونٹنی پر اپنے پیچھے بٹھالیا اور بلند آواز سے فرمایا سہیل سہیل نے عرض کیا میں حاضر ہوں حضور ﷺ نے یہ لفظ تین مرتبہ فرمایا اور ہر بار سہیل نے جواب میں لبیک کہا اس سے لوگ سمجھے کہ حضور ﷺ کا مقصد ہم کو مخاطب کرنا ہے چنانچہ سب جمع ہو گئے جب سب آ گئے تو ارشاد ہوا جس نے شہادت دی کہ اللہ واحد کے سوا کوئی معبود نہیں اس کا کوئی شریک نہیں تو اللہ نے اس کے لئے دوزخ کو حرام کر دیا۔

محمد بن عمر نے اور دلائل میں ابو نعیم نے بیان کیا ہے کہ ایک بڑا سانپ (ایک بار) لوگوں کے راستہ میں آ پڑا۔ راوی نے سانپ کی لمبائی موٹائی کا ذکر کیا ہے (یعنی بڑا موٹا سانپ تھا) پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف وہ سانپ بڑھا اور آ کر کھڑا ہو گیا آپ اس وقت اونٹنی پر سوار تھے لوگ حضور ﷺ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اونٹنی کھڑی ہو گئی فرمایا یہ سانپ آٹھ جنات کی اس جماعت میں سے ہے جو قرآن سننے میرے پاس آئے ہیں یہ تم کو سلام کہہ رہا ہے سب حاضرین نے جواب دیا وعلیہ السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امام احمد نے صحیح سند سے حضرت حذیفہ کے حوالہ سے حضرت معاذ کا بیان نقل کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا انشاء اللہ کل تم تبوک کے چشمہ پر پہنچ جاؤ گے اور دن چڑھے پہنچو گے جو شخص (پہلے) پہنچ جائے گا وہ میرے پہنچنے تک پانی کو ہاتھ نہ لگائے چنانچہ (حضور ﷺ کے فرمانے کے مطابق) ہم وہاں پہنچ گئے مگر ہم سے پہلے دو آدمی وہاں پہنچ چکے تھے چشمہ سے پانی (پتلی دھار سے) چمڑے کے تسمے کی طرح بہہ رہا تھا حضور نے ان دونوں آدمیوں سے دریافت فرمایا کیا تم نے پانی کو چھوا ہے انہوں نے جواب دیا جی ہاں آپ نے ان کو سخت سست کہا اور جو کچھ اللہ نے چاہا ان کو فرمایا پھر لوگوں نے چلوؤں سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر ایک مشکیزہ میں بھرا اور رسول اللہ ﷺ نے اس میں اپنے ہاتھ دھوئے اور منہ بھی اور کلی بھی (اس میں) کی اس کے بعد لوٹا کر پانی کو چشمہ میں ڈال دیا۔ ڈالتے ہی پانی بکثرت بہنے لگا ابن اسحاق کی روایت میں ہے کہ پانی (زمین پھٹ کر نکلا اور اس) سے ایسا تڑاکا ہوا کہ سننے والے کہنے لگے یہ آواز تو بجلی کڑکنے کی طرح ہے تبوک میں اسی پانی کا فوارہ موجود ہے۔ پھر حضور ﷺ نے فرمایا معاذ اگر تمہاری زندگی کچھ طویل ہوئی تو دیکھ لو گے یہاں آس پاس باغ ہو جائیں گے۔ بیہقی اور ابو نعیم نے عروہ کی روایت سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ تبوک کا چشمہ فوراً چلنے لگا یہاں تک کہ بھر گیا اور اب تک اسی طرح ہے امام احمد اور نسائی نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ تبوک کے سال ایک روز رسول اللہ ﷺ نے خطبہ دیا اس وقت کھجور کے ایک درخت سے آپ پشت کا سہارا لگائے ہوئے تھے حضور ﷺ نے بلند آواز سے فرمایا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے اچھا آدمی کون ہے اور سب سے برا کون ہے سب سے اچھے آدمیوں میں سے تو وہ شخص ہے جو گھوڑے یا اونٹ کی پشت پر سوار ہو کر پیدل سامان اٹھائے ہوئے مرتے دم تک راہ خدا میں جہاد میں مشغول رہتا ہے اور بدترین آدمیوں میں سے وہ شخص ہے جو اللہ کی کتاب (تو) پڑھتا ہے (مگر) اس کے احکام کی طرف متوجہ ہو کر (اپنی کسی خواہش سے) باز نہیں آتا ابو داؤد نے حضرت عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں (بکری یا بھیڑ وغیرہ کا) پہلو (یعنی ایک طرف کا سینہ) پیش کیا گیا آپ نے چھری منگوائی اور بسم اللہ کہہ کر اس کو کاٹا۔

امام احمد اور ابو داؤد کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھ رہے تھے ایک لڑکا آپ کے سامنے سے گذرا آپ نے فرمایا اے اللہ اس کے اثر (نشان قدم یا قدم) کو کاٹ دے چنانچہ وہ لنجا ہو گیا (پاؤں سے معذور ہو گیا) محمد بن عمر نے بنی سعد کے ایک آدمی کی روایت سے بیان کیا کہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے، میں خدمت گرامی میں

Marfat.com

حاضر ہوا حضور ﷺ نے فرمایا بلال ہم کو کھانا کھلاؤ بلال نے کئی بار اپنے ہاتھ سے گھی اور پنیر میں گوندھی ہوئی کھجوریں نکالیں ہم سب نے وہ کھائیں اور سب شکم سیر ہو گئے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پہلے تو میں اکیلا اتنا کھالیا کرتا تھا فرمایا کافر سات آنتوں میں کھاتا ہے اور مومن ایک آنت میں کھاتا ہے پھر دوسرے روز جب میں خدمت گرامی میں پہنچا تو آپ کے آس پاس دس آدمی بیٹھے ہوئے تھے بلال سے فرمایا بلال ہم کو کھانے کو دو۔ بلال تھیلی سے مٹھی بھر بھر کر چھوارے نکالنے لگے فرمایا نکالو اور مالک عرش کے نادار ہونے کا اندیشہ نہ کرو (یعنی اللہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں وہ کل کو پھر دے گا) حضرت بلال نے پوری تھیلی لا کر بکھیر دی میرے اندازہ میں کل چھوارے دو سیر ہوں گے رسول اللہ ﷺ نے دست مبارک چھواروں پر رکھ دیا اور فرمایا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ سب نے کھایا میں نے بھی ان کے ساتھ کھایا کھانے کے بعد بھی چمڑے کے دستر خوان پر اتنے ہی چھوارے معلوم ہوتے تھے جتنے بلال لائے تھے معلوم ہوتا تھا ہم نے ایک چھوارہ بھی نہیں کھایا۔ (تیسرے روز) صبح کو میں پھر گیا اور گزشتہ دن والی جماعت بھی دوبارہ آ گئی وہ دس تھے یا ایک دو زیادہ تھے حضور ﷺ نے بلال سے فرمایا بلال کھانا کھلاؤ بلال وہی تھیلی لے آئے میں اس کو پہچانتا تھا لا کر انہوں نے تھیلی بکھیر دی حضور نے اس پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور فرمایا اللہ کا نام لے کر کھاؤ ہم نے کھایا سب سیر ہو گئے پھر چھوارے اتنے ہی ہو گئے جتنے بکھیرے تھے ایسا تین روز ہوا۔

ایک اور قصہ میں محمد بن عمر ابو نعیم اور ابن عساکر نے حضرت عرباض بن ساریہ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ حضرت عرباض کا کہنا ہے کہ ہم تین آدمی تھے میں اور جعال بن سراقہ اور عبداللہ بن مغفل مزنی ہم سب بھوکے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے دروازے پر پڑے زندگی کے دن گزارتے تھے ایک روز رسول اللہ ﷺ اپنے خیمہ میں داخل ہوئے ساتھ میں آپ کی بی بی حضرت ام سلمہ بھی تھیں اندر جا کر کچھ کھانے کو ڈھونڈا مگر کچھ نہیں ملا باہر نکل کر حضرت بلال کو آواز دی اور فرمایا ان لوگوں کے طعام شب کے لئے کچھ ہے حضرت بلال نے تھیلیاں لے کر ایک ایک تھیلی جھاڑنی شروع کی اور تھیلیوں میں سے ایک ایک دو دو چھوارے گرنے لگے۔ کل سات چھوارے گرے ان کو پلیٹ میں رکھ دیا گیا پھر حضور ﷺ نے ان پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور بسم اللہ کی اور فرمایا بسم اللہ کر کے کھاؤ، ہم نے کھایا، میں نے گن کر ۵۴ چھوارے کھائے۔ میں گنتا جا رہا تھا اور ان کی گٹھلیاں دوسرے ہاتھ میں رکھ رہا تھا میرے دونوں ساتھی بھی وہی کر رہے تھے جو میں کر رہا تھا (اوسطاً) ہم میں سے ہر ایک نے پچاس چھوارے کھائے آخر ہاتھ کھینچ لئے لیکن وہ سات چھوارے ویسے کے ویسے ہی رہے حضور ﷺ نے فرمایا بلال ان کو اٹھا لو سب کا پیٹ بھر گیا اب کوئی نہیں کھاتا، جب صبح ہوئی اور رسول اللہ ﷺ نے فجر کی نماز پڑھ لی تو خیمہ کی طرف جا کر خیمہ کے آگے صحن میں بیٹھ گئے ہم بھی گرد اگرد بیٹھ گئے ہم دس آدمی تھے فرمایا کیا تم لوگوں کے لئے صبح کا کھانا ہے (انکار کرنے کے بعد) چھواروں سمیت بلال کو طلب فرمایا اور دست مبارک چھواروں کی پلیٹ پر رکھ دیا پھر فرمایا بسم اللہ کر کے کھاؤ حسب الحکم ہم نے کھایا قسم ہے اس کی جس نے حضور ﷺ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا تھا ہم دس تھے سب کے پیٹ بھر گئے سیر ہونے کے بعد سب نے ہاتھ اٹھا لئے مگر چھوارے ویسے ہی رہے جیسے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اب مجھے اللہ سے (مزید دعا کرتے) شرم آتی ہے اگر یہ بات نہ ہوتی تو مدینہ پہنچنے تک ہم انہی چھواروں کو کھاتے رہتے۔ اتفاقاً "شہر کا ایک چھوٹا لڑکا سامنے آ گیا رسول اللہ ﷺ نے چھوارے دست مبارک میں لے کر اس کو دے دیئے وہ چھوارے چباتا پشت پھیر کر چلا گیا۔

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ جوش میں ایک تیز ہوا چلی رسول اللہ نے فرمایا ایک بڑے منافق کی موت کے لئے یہ ہوا چلی ہے) چنانچہ لوگ مدینہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک بہت بڑا منافق مر گیا ہے

محمد بن عمر کا بیان ہے کہ بنی سعد کے کچھ شکستہ حال لوگ خدمت گرامی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ہم خدمت گرامی میں حاضر ہوئے ہیں اور یہاں بچوں کو ایک کنوئیں پر چھوڑ کر آئے ہیں جس میں پانی کم ہے اور یہ سخت گرمی ہے اگر ہم وہاں کی سکونت ختم کر دیں تو اندیشہ ہے کہ ہم کاٹ دیئے جائیں گے کیونکہ جائے اقامت میں ہمارا اسلام نہیں پہنچا

آپ ہمارے پانی کے لئے اللہ سے دعا فرمائیں اگر ہم (بقدر ضرورت) سیراب ہو گئے تو ہم سے زیادہ باعزت (وہاں) کوئی قوم نہ ہو گی، ہمارے دین کا کوئی مخالف ہمارے پاس پھٹکنے بھی نہ پائے گا۔ فرمایا چند پتھریاں لا کر مجھے دے دو ایک شخص نے تین پتھریاں لا کر دے دیں۔ حضور ﷺ نے پتھریوں کو ہاتھ میں لے کر ملا اور فرمایا انکو لے جا کر ایک ایک کر کے بسم اللہ کر کے

Marfat.com

کنویں میں ڈال دو۔ لوگ واپس چلے گئے اور حسب ہدایت عمل کیا فوراً کنواں ابل پڑا پھر ان لوگوں نے اپنے مخالف مشرکوں کو وہاں سے نکال دیا اور روند ڈالا۔

رسول اللہ ﷺ جب لوٹ کر مدینہ پہنچے تو بنی سعد والے آس پاس کے سب لوگوں کو اسلام پر متفق کر چکے تھے اور سب مسلمان ہو کر رسول اللہ ﷺ کے مطیع ہو چکے تھے۔

طبرانی نے حضرت ابن عمرو معاویہ بن ابی سفیان کی روایت سے اور بیہقی و ابن سعد نے حضرت انس کی روایت سے بیان کیا راوی کا بیان ہے کہ (ایک روز) طلوع کے وقت سورج میں ایسی چمک، نور اور شعاعیں دکھائی دیں کہ گزشتہ ایام میں میں نے کبھی نہیں دیکھی تھیں حضرت جبرئیل آئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے اس کا سبب دریافت کیا حضرت جبرئیل نے کہا آج مدینہ میں معاویہ بن معاویہ مزنی کا انتقال ہو گیا اس شعاعی تغیر) کی یہی وجہ ہے اللہ نے ستر ہزار فرشتے ان کے جنازہ کی نماز پڑھنے بھیجے ہیں کیا آپ بھی ان کی نماز پڑھیں گے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں، چنانچہ حضور ﷺ نے (غائبانہ) نماز جنازہ پڑھی اور ملائکہ نے آپ کے پیچھے دو صفیں بنالیں نماز سے فارغ ہو کر حضرت جبرئیل سے فرمایا معاویہ اس مرتبہ کا مستحق کس سبب سے قرار پایا حضرت جبرئیل نے جواب دیا وہ قل ہو اللہ احد سے محبت رکھتا تھا اٹھتے بیٹھتے سوار پیدل ہر حالت میں قل ہو اللہ پڑھا کرتا تھا حافظ ابن حجر نے لکھا ہے یہ حدیث دوسری سندوں سے بھی مروی ہے اور ایک سند دوسری سند کی تائید کرتی ہے۔

طبرانی اور ابو نعیم نے عمرو اسلمی کے دادا کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب غزوہ تبوک کے لئے نکلے تو اس سفر میں میں حضور ﷺ کی خدمت پر تھا میں نے دیکھا کہ کپی میں گھی کم رہ گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کے لئے مجھے کھانا تیار کرنا تھا اس لئے کپی کو دھوپ میں رکھ دیا (تاکہ گھی پگھل کر یکجا ہو جائے تو نکالا جا سکے) کپی کو دھوپ میں رکھ کر میں سو گیا کپی میں ابال آیا اور گھی کے جوش مارنے کی آواز سے میں بیدار ہو گیا میں نے فوراً اپنے ہاتھ سے کپی کا منہ بند کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تو اس کو چھوڑ دیتا تو وادی گھی سے بہ نکلتی (یعنی پانی کی طرح وادی میں گھی کا سیلاب آجاتا) حارث بن اسامہ نے حضرت بکر بن عبداللہ مزنی کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص یہ خط قیصر کے پاس لے جائے گا اس کے لئے جنت ہے ایک شخص نے عرض کیا خواہ قیصر خط کو قبول نہ کرے (فرمایا ہاں) وہ شخص خط لے کر قیصر کے پاس پہنچا قیصر نے خط پڑھ کر کہا تم اپنے نبی سے جا کر کہہ دو کہ میں ان کا تابعدار ہوں مگر میں اپنی حکومت نہیں چھوڑنا چاہتا۔ قیصر نے اس شخص کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ اشرفیاں بھی بھیجیں قاصد نے لوٹ کر رسول اللہ ﷺ سے قیصر کا پیام عرض کر دیا حضور نے فرمایا اس نے جھوٹ کہا پھر اشرفیاں آپ نے تقسیم کر دیں۔

امام احمد اور ابو یعلی نے حسن سند کے ساتھ سعید بن ابی راشد کی روایت سے ہرقل کے قاصد تنوخی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تبوک پہنچ کر دحیہ کلبی کو ہرقل کے پاس (خط دے کر) بھیجا ہرقل کے پاس نامہ مبارک پہنچ گیا تو اس نے روم کے عیسائی علماء اور پادریوں کو بلوایا جب سب آگئے تو کمرہ کا بیرونی دروازہ بند کرا دیا پھر حاضرین سے کہا تم دیکھ رہے ہو کہ یہ شخص (یعنی رسول اللہ ﷺ) تبوک میں فروکش ہے اور اس نے تین باتوں کی مجھے اجازت دے دی ہے کہ ان تین میں سے ایک بات کو اختیار کر لوں (۱) یا تو مذہب میں میں اس کا اتباع کر لوں۔ یعنی عیسائیت چھوڑ کر مسلمان ہو جاؤں۔ (۲) یا ہم اپنے ملک پر قابض رہیں اور ملک کی پیداوار کا کچھ حصہ (بطور جزیہ) میں اس کو دے دوں (۳) یا ہم اس سے جنگ کریں تم کتابوں میں کچھ پڑھتے ہو اس سے واقف ہو اس لئے آؤ ہم اس کے دین کا اتباع کر لیں یا اپنی زمین پر قابض رہتے ہوئے اپنا مال بطور جزیہ) اس کو ادا کریں لڑنے میں تو کامیابی ممکن نہیں یہ سن کر سب غضبناک ہو کر ایک آواز ہو گئے اور غصہ کا جواب دیا پھر اٹھ کر نکل چلے اور بولے تم ہم کو نصرانیت چھوڑ دینے یا حجاز کے ایک اعرابی کے غلام بن جانے کا مشورہ دے رہے ہو ہرقل نے خیال کیا کہ اگر یہاں سے یہ یونہی چلے گئے تو رومیوں کو میرے خلاف بگاڑیں گے اس لئے فوراً اوپر چڑھ کر اس نے کہا میں نے تو یہ بات صرف تمہاری دینی حمیت و پختگی کو جانچنے کے لئے کہی تھی (سب لوگ واپس آگئے) ایک شخص نجیب تھا جو عرب تھا اور عرب کے عیسائیوں کا سرگروہ اس کو مقرر کیا گیا تھا ہرقل نے اس کو بلایا اور اس کو حکم دیا کہ کسی ایسے شخص کو لاؤ جو بات یاد رکھ سکے اور جس کی زبان عربی ہو۔ میں اس کو اس (مدعی

Marfat.com

نبوت) کے خط کا جواب دے کر بھیجنا چاہتا ہوں چنانچہ (تجیب کی معرفت) مجھے بلوایا گیا اور ہرقل نے مجھے ایک خط دے کر کہا میرا یہ خط اس شخص کے پاس لے جاؤ اور جو بات تم اس سے سنو اس کو یاد رکھنا تین چیزیں یاد رکھنے کے قابل ہیں (۱) اس نے جو خط بھیجا ہے اسکا کچھ تذکرہ کرتا ہے یا نہیں (۲) یہ بھی غور کرنا کہ میرے اس خط کو پڑھ کر وہ رات کا (لفظ اپنے کلام میں) ذکر کرتا ہے یا نہیں (۳) اس کی پشت کو دیکھنا کہ پشت پر کوئی چیز تمہارے لئے شک آفریں ہے یا نہیں۔ میں ہرقل کا خط لے کر تبوک پہنچا رسول اللہ ﷺ اپنے صحابیوں کے ساتھ پانی (یعنی چشمہ) پر گوٹ مار کر بیٹھے ہوئے تھے میں نے حاضرین سے پوچھا تمہارا سردار کہاں ہے۔ لوگوں نے کہا یہ موجود ہیں میں چل کر ان کی طرف گیا اور سامنے جا کر بیٹھ گیا اور ان کو وہ خط دے دیا انہوں نے خط کو گودی میں رکھ لیا اور فرمایا تم کس قبیلہ سے ہو۔ میں نے کہا تنوخ سے فرمایا کیا تم کو اسلام کی رغبت ہے جو خالص توحید کا مسلک اور تمہارے باپ ابراہیم کا دین ہے میں نے کہا میں ایک قوم کا قاصد ہوں اور ایک قوم کے مذہب پر ہوں اور واپس پہنچنے تک اسی مذہب پر رہوں گا آپ ہنس دیئے اور فرمایا انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء وھو أعلم بالمھتدین اے تنوخی میں نے ایک خط کسری کو بھیجا تھا اس نے خط کو پارہ پارہ کر دیا اللہ اس کو اور اس کے ملک کو پارہ پارہ کر دے گا۔ میں نے نجاشی کو بھی خط بھیجا تھا اس نے بھی خط کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اللہ اس کو اسکے ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا اور میں نے تیرے آقا کو بھی خط لکھا تھا اس نے میرے خط کو (تھام) لیا روک لیا (نہیں پھاڑا) اس لئے جب تک اس کی زندگی میں بہتری ہو گی لوگ اس کا رعب محسوس کرتے رہیں گے (یعنی اس کی حکومت باقی رہے گی) میں نے کہا میرے آقا نے جن تین باتوں کو یاد رکھنے کی ہدایت کی تھی ان میں سے ایک تو یہ ہے چنانچہ تیر دان سے میں نے ایک تیر نکال کر (اسکی نوک سے) تلوار کی نیام پر یہ بات لکھ لی اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے میرا دیا ہوا خط اپنے بائیں ہاتھ پر بیٹھے ہوئے آدمی کو دے دیا میں نے کہا یہ خط پڑھنے والا کون ہے لوگوں نے کہا معاویہ میرے آقا کے خط میں لکھا ہوا تھا۔ آپ مجھے جنت کی طرف بلا رہے ہیں جس کی پہنائی آسمان و زمین (کے برابر) ہے اور وہ مومنوں کے لئے تیار کی گئی ہے تو بتایئے دوزخ کہاں ہے (کیا سارے جہان سے باہر ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ رات (سارے جہان میں یا کسی ملک میں) آجاتی ہے تو دن کہاں چلا جاتا ہے میں نے فوراً ترکش سے تیر نکال کر (اس کی نوک سے) تلوار کی نیام پر یہ بات لکھ لی۔ خط پڑھنے سے فارغ ہو کر فرمایا تمہارا حق ہے تم قاصد ہو اگر ہمارے پاس کچھ انعام دینے کو ہوتا تو ہم تم کو دیتے مگر ہم نادار مسافر ہیں فوراً جماعت میں سے ایک آدمی نے پکار کر کہا میں اس کو انعام دوں گا چنانچہ اس نے اپنا سامان کھولا اور ایک زرد رنگ کا جوڑا کپڑوں کا نکال کر میری گود میں رکھ دیا۔ میں نے پوچھا یہ انعام دینے والا کون ہے لوگوں نے کہا عثمان، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس شخص کو مہمان کون رکھے گا ایک انصاری جوان بولا میں چنانچہ انصاری اٹھ کھڑا ہوا میں بھی اس کے ساتھ کھڑا ہو گیا جب مجلس سے میں نکل گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پکار کر فرمایا تنوخی ادھر آؤ میں تیزی کے ساتھ لپکتا پہنچا اور اسی جگہ بیٹھ گیا جو حضور کے سامنے تھی آپ نے اپنی پشت سے گوٹ کھول دی اور فرمایا ادھر جاؤ (یعنی پشت کی طرف بیٹھو) میں پشت کی طرف جا کر بیٹھ گیا تو مجھے ایک موٹی سینگی کی طرح مہر نبوت دکھائی دی جو شانہ کے موڑ کی جگہ پر تھی۔ محمد بن عمر کا بیان ہے پھر یہ شخص واپس چلا گیا اور جا کر ہرقل سے ساری روئیداد کہہ دی ہرقل نے اپنی قوم کو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی لیکن انہوں نے انکار کیا یہاں تک کہ اس کو اپنی حکومت کے زوال کا اندیشہ ہو گیا اس وقت وہ حمص میں تھا اس نے کوئی حرکت نہیں کی نہ اپنی جگہ سے سرکا جس نے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی تھی کہ ہرقل اپنے ساتھیوں کو تیار کر کے سب کو لے کر وادی شام کے قریب آگیا اس کی یہ اطلاع غلط تھی ہرقل نے تو اس کا ارادہ بھی نہیں کیا نہ اسکا یہ مقصد تھا۔

سہیلی نے ذکر کیا ہے کہ ہرقل نے کچھ تحفے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجے تھے حضور ﷺ نے ان کو قبول فرمالیا اور مسلمانوں کو بانٹ دیا ہرقل نے ایک منادی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں میں یہ ندا کر دے کہ ہرقل محمد پر ایمان لے آیا اور ان کا تابعدار ہو گیا۔ یہ اعلان سنکر مسلح فوجیں گھس آئیں اور ہرقل کو قتل کرنے کے ارادے سے قصر کا محاصرہ کر لیا۔ ہرقل نے ان

Marfat.com

کے پاس پیام بھیجا کہ میں تو تمہاری دینی پختگی کی جانچ کرنا چاہتا تھا تمہارا نیہ جوش دیکھ کر میں خوش ہو گیا (اب جاؤ) فوجی یہ بات سنکر ہرقل سے راضی ہو گئے (اور واپس چلے گئے) اس کے بعد ہرقل نے ایک خط لکھ کر دحیہ کے ہاتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا خط میں لکھا تھا میں بلاشبہ مسلم ہوں مگر بے بس ہوں رسول اللہ ﷺ نے خط پڑھ کر فرمایا اللہ کے دشمن نے جھوٹ کہا اللہ کی قسم وہ مسلمان نہیں ہے عیسائیت پر قائم ہے۔

بیہقی نے بحوالہ ابن اسحاق یزید بن رومان اور عبداللہ بن بکر کا بیان نقل کیا ہے نیز بیہقی نے خود عروہ بن زبیر کا قول بیان کیا ہے کہ جب تبوک سے واپسی میں رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا رخ کیا تو رجب ۹ ہجری میں خالد بن ولید کو ۴۲۰ سواروں کے ساتھ دومۃ الجندل کی طرف اکیدر بن عبدالملک (حاکم دومۃ الجندل) کو گرفتار کرنے کے لئے بھیج دیا۔ اکیدر ایک کندی عیسائی تھا حضرت خالد نے عرض کیا میرے ساتھ تھوڑے آدمی ہیں۔ بنی کلاب کی بستیوں کے اندر پہنچ کر اکیدر کو گرفتار کرنا کیسے ممکن ہوگا۔ فرمایا تم اس کو شکار کھیلتے ہوئے پاؤ گے گرفتار کر لینا پھر اللہ دومۃ الجندل کی فتح عنایت فرما دے گا جب تم اس کو پکڑ لو تو قتل نہ کرنا میرے پاس لے آنا حسب الحکم خالد چلے گئے۔ اور اس کے قلعہ سے اتنی دور رہ گئے جتنی دور صاف چاندنی رات میں نگاہ پہنچ سکتی ہے (یعنی بقدر حد نظر) اکیدر اس وقت مکان کی چھت پر اپنی بی بی رباب بنت انیف بن عامر کندی کے ساتھ موجود تھا (سخت گرمی تھی) گرمی کی وجہ سے ایک مغینیہ باندی کو لے کر وہ قلعہ کے اوپر چڑھ گیا پھر اس نے شراب (یا شربت) منگوا کر (یا اتفاقاً کسی نیل گائے نے قلعہ کے پاس آکر قلعہ کے دروازہ سے سینگ رگڑنا شروع کر دیئے نیل گائے کو دیکھ کر اکیدر نیچے اتر کر (شکار کے ارادہ سے) گھوڑے پر سوار ہو گیا اس کے ساتھ اس کے چند گھر والے بھی سوار ہو گئے ایک تو اس کا بھائی حسان تھا اور دو غلام تھے یہ سب چھوٹے بھالے لے کر قلعہ سے نکل پڑے۔ جب قلعہ سے کچھ فاصلے پر پہنچ گئے تو خالد کے آدمیوں نے اکیدر کو پکڑ لیا اکیدر قیدی ہو گیا حسان نے قیدی ہونا قبول نہیں کیا اور لڑ کر مارا گیا۔ دونوں غلام اور دوسرے ساتھی بھاگ کر قلعہ میں پہنچ گئے۔ حسان کے بدن پر اس وقت زربفت کی قباء تھی اس کی قبا اتار لی گئی۔ پھر خالد نے اکیدر سے کہا میں تم کو قتل سے امن دے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جا سکتا ہوں بشرطیکہ تم دومہ کو فتح کرا دو اکیدر نے کہا اچھا! خالد اکیدر کو لے کر قلعہ کے پاس پہنچے اکیدر نے قلعہ والوں کو آواز دی کہ دروازہ کھول دو۔ اہل قلعہ نے دروازہ کھولنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اکیدر کے بھائی مصاد نے دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا اکیدر نے خالد سے کہا تم کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ قلعہ والوں نے جب مجھے تمہاری قید میں دیکھ لیا ہے تو اب میرے کہنے سے بھی وہ دروازہ نہیں کھولیں گے اس لئے مجھے آزاد کر دو میں خدا کو اور اپنے وعدہ کی پختگی کو ضامن دیتا ہوں کہ اگر میرے اہل و عیال کی امان کی شرط پر تم مجھ سے صلح کر لو گے تو میں قلعہ کھول دوں گا خالد نے کہا میں (ان شرطوں پر) تم سے صلح کرتا ہوں اکیدر نے کہا اگر تم چاہو تو (مقدار مال کی تعیین کا) فیصلہ خود کر دو اور اگر چاہو تو مجھے (مقدار مال کی تعیین) فیصلہ کا اختیار دے دو۔ خالد نے کہا تم جو چاہو دے دینا ہم لے لیں گے چنانچہ دو ہزار اونٹ چار سو خود چار سو زرہیں اور چار سو نیزے بدل صلح قرار پائے اور یہ شرط بھی ضروری قرار پائی کہ حضرت خالد اکیدر اور اس کے بھائی کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے جائیں گے اور حضور ﷺ جو فیصلہ انکا چاہیں گے کر دیں گے اس کے بعد خالد نے اکیدر کو رہا کر دیا اکیدر نے جا کر قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ خالد نے اندر داخل ہو کر اکیدر کے بھائی مصاد کو گرفتار کر لیا اور بدل صلح وصول کرنے کے بعد عمرو بن امیہ ضمری کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بشارت دینے کے لئے بھیج دیا اور ضمری کے ساتھ حسان کی قباء بھی روانہ کر دی حضرت انسؓ اور حضرت جابر کا بیان ہے کہ اکیدر کے بھائی حسان کی قباء جب خدمت گرامی میں پیش ہوئی تو مسلمان ہاتھوں سے چھو کر (اس کی نرمی اور بناوٹ کو) دیکھنے اور تعجب کرنے لگے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کیا تم کو اس (کی صنعت اور خوبصورتی) سے تعجب ہو رہا ہے قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جنت کے اندر سعد بن معاذ کے رومال اس سے زیادہ خوبصورت ہوں گے۔

Marfat.com

خالد نے مال صلح پر قبضہ کرنے کے بعد کچھ انتخابی مال رسول اللہ ﷺ کے لئے نکال لیا پھر مال غنیمت کا پانچواں حصہ نکالا اور باقی اموال غنیمت (یعنی پانچ حصوں میں سے چار حصے) ساتھیوں کو بانٹ دیئے حضرت ابو سعید خدری کا بیان ہے میرے حصہ میں ایک زرہ آئی ایک خود اور دس اونٹ حضرت واثلہ کا قول ہے مجھے دس سہام ملے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عوف کا بیان ہے قبیلہ مزینہ کے ہم سب چالیس آدمی تھے ہم میں سے ہر شخص کو مع اسلحہ زرہ اور نیزوں کے پانچ سہام ملے۔

میں کہتا ہوں پانچ سہام اور چھ سہام کے (روایتی) اختلاف کی وجہ قیمت کا تفاوت تھا (زیادہ قیمت کے لحاظ سے پانچ اور کم قیمت کے لحاظ سے چھ سہام) اس کے بعد حضرت خالد اکیدر اور مصاد کو لے کر مدینہ کی طرف چل پڑے۔

محمد بن عمر نے حضرت جابرؓ کا قول نقل کیا ہے میں نے دیکھا کہ جب خالد اکیدر کو لے کر آئے اس وقت وہ سونے کی صلیب اور ریشمین دریائی کے کپڑے پہنے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کو دیکھتے ہی اس نے سجدہ کیا رسول اللہ ﷺ نے دو مرتبہ ہاتھ کے اشارہ سے نہیں نہیں کہا۔ اکیدر نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں کچھ ہدیہ بھی پیش کیا۔ جس میں کپڑے تھے ابن کثیر نے لکھا ہے ایک خچر بھی تھا اکیدر سے رسول اللہ ﷺ نے ادائے جزیہ کی شرط پر صلح کر لی اکیدر اور اس کے بھائی کی جان محفوظ کر دی۔ (یعنی جان کی معافی دے دی) کل جزیہ مبلغ تین سو دینار قرار پایا۔ رسول اللہ ﷺ نے اکیدر کی قوم کے لئے ایک امان نامہ بھی لکھ دیا رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت خالد بن ولید کو اکیدر کی طرف دومۃ الجندل بھیجا تھا اور یہ خبر سحنہ بن روبہ امیر ایلہ کو پہنچی تھی تو اسی وقت سے اس کو بھی اندیشہ ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ میری طرف بھی کوئی لشکر بھیجیں گے اس خوف کی وجہ سے ہی امیر ایلہ خدمت گرامی میں خود حاضر ہو گیا۔ اس کے ساتھ جربا اور اذرح کے باشندے بھی حاضر ہوئے۔ ابو حمید ساعدی کا بیان ہے کہ حاضری کے وقت شاہ ایلہ نے رسول اللہ ﷺ کو ایک سفید خچر بطور ہدیہ پیش کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس کو ایک چادر عطا فرمائی اور ایک تحریر لکھ دی۔ یہ روایت ابن ابی شیبہ اور بخاری کی ہے محمد بن عمر نے حضرت جابر کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے خود دیکھا جس وقت سحنہ بن روبہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت وہ سونے کی صلیب پہنے ہوئے تھا اور پیشانی کے بال اس نے باندھ رکھے تھے آتے ہی اس نے سر جھکا دیا حضور ﷺ نے اشارہ کر دیا کہ سر اوپر اٹھاؤ۔ حضور ﷺ نے شاہ ایلہ سے اس وقت مصالحت کر لی اور ایک یمنی چادر اس کو مرحمت فرما دی یہ چادر ابو العباس عبداللہ بن عمر نے تین سو دینار میں خرید لی تھی حضور ﷺ نے شاہ ایلہ کو بلال کے پاس ٹھیرانے کا حکم بھی دیا تھا۔

اہل سیر نے لکھا ہے کہ اہل جربا پر جن کی تعداد تین سو تھی تین سو دینار سالانہ بطور جزیہ مقرر فرما دیئے اور ان کو اس کی تحریر بھی دے دی اور اہل اذرح کو بھی ایک تحریر حضور ﷺ نے عطا فرما دی اور اہل مقنا سے چوتھائی پھلوں کی ادائیگی کی شرط پر صلح کر لی۔

ابن ابی شیبہ احمد اور مسلم نے حضرت ابو حمید ساعدی کی روایت سے لکھا ہے کہ حاکم ایلہ کی طرف سے ابن العلماء ایک خط لے کر حاضر خدمت ہوا اور ایک سفید خچر ہدیہ میں پیش کیا۔ حضور ﷺ نے اس کے لئے ایک تحریر لکھ دی اور ایک چادر ہدیہ کے طور پر اس کو بھیج دی۔

امام احمد نے حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت سے اور ابن سعد نے یحیی بن کثیر کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ تبوک میں بیس روز رہے اور نماز میں قصر کرتے رہے۔ محمد بن عمر ابن حزم کی اس روایات بھی اس کی موید ہیں لیکن ابن عقبہ اور ابن اسحاق نے بیان کیا کہ حضور ﷺ نے وہاں کچھ اوپر دس روز قیام فرمایا۔

محمد بن عمرؓ کا بیان ہے کہ آگے بڑھنے یعنی تبوک سے شام کی طرف جانے کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا۔ حضرت عمر بن خطاب نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ کو اللہ کی طرف سے اس کا حکم دیا گیا ہے تو چلئے ورنہ سمجھ لیجئے کہ وہاں رومیوں کی بکثرت تعداد موجود ہے اور مسلمان وہاں کوئی ہے نہیں۔ ہم ان کے قریب تو پہنچ ہی گئے ہیں۔

Marfat.com

آپ کے اتنے قریب جانے نے ان کو خوف زدہ کر دیا ہے لہٰذا اگر ہم اس سال لوٹ جائیں اور مستقبل کے احوال کو دیکھیں یا انتظار کریں کہ اللہ کیا امر ظاہر فرماتا ہے تو مناسب ہے۔ احمد، طبرانی اور طحاوی کی روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر کسی زمین پر طاعون ہو اور تم وہاں ہو تو وہاں سے (ڈر کر) نہ نکلو اور اگر تم کسی دوسری جگہ ہو تو وہاں سے آکر طاعون والی زمین میں نہ گھسو۔

حافظ نے بذل الماعون میں لکھا ہے شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ اطلاع ملی ہو گی کہ جس جگہ آپ کے جانے کا ارادہ تھا وہاں طاعون ہے اسی اطلاع کی وجہ سے آپ لڑے بغیر واپس ہو گئے۔

ابن ابی حاتم نے اور دلائل میں بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ یہودیوں نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا اگر آپ نبی ہیں تو شام پہنچئے شام انبیاء کی سرزمین اور ارض محشر ہے۔ حضور ﷺ نے ان کی تصدیق کی اور تبوک کے جہاد پر تشریف لے گئے جب تبوک میں پہنچ گئے تو اللہ نے بنی اسرائیل کے متعلق یہ آیات نازل فرمائی کہ وہ آپ کو اس جگہ سے نکالنے کے لئے ابھار ادے رہے تھے۔ یہاں پر پہنچنے کے بعد (یہودیوں کی سازش کو ناکام بنانے کے لئے) آپ کو مدینہ واپس جانے کا حکم دیا گیا۔

اسحاق بن راہویہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے۔ ابو یعلی، ابو نعیم اور ابن عساکر نے حضرت عمر کے حوالے سے اور محمد بن عمر نے اپنے بزرگوں کی سند سے بیان کیا کہ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اگر آپ اجازت دیں تو ہم اپنے اونٹ ذبح کر کے (خوراک کا مسئلہ حل کر لیں اور) کھالیں اتنے میں حضرت عمرؓ آگئے اور لوگوں کو اونٹوں کے ذبح کرنے سے روک دیا اور خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! کیا حضور ﷺ نے لوگوں کو سواری کے اونٹ ذبح کرنے اور کھانے کی اجازت دے دی ہے، فرمایا انہوں نے (غذا نہ ملنے اور) بھوکے ہونے کی مجھ سے شکایت کی تھی میں نے ان کو ایک دو اونٹ ذبح کرنیکی اجازت دے دی (کہ اب کچھ کھالیں اور) جو کچھ باقی رہے اس کو باری باری سے کھالیا کریں اور اس طرح گھر واپس پہنچ جائیں۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ایسا کرنے سے تو سواریاں کم ہو جائیں گی آپ ایسا کیجئے کہ جو کچھ کھانے کی چیز ان کے پاس باقی ہو وہ منگوا لیجئے پھر اللہ سے اس میں برکت ہونے کی دعا فرما دیجئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا (ایسا ہی کر لو) چنانچہ چمڑے کا ایک دستر خوان منگوا کر بچھایا گیا اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے ایک منادی نے ندا لگائی جس کے پاس کھانے کی کوئی چیز باقی رہ گئی ہو وہ لے کر حاضر ہو لوگ لانے لگے کوئی ایک مٹھی جوار لایا۔ کوئی روٹی کا ٹکڑا لایا کوئی سیر بھر آٹا یا ستو یا چھوارے لے آیا۔ غرض مجموعی مقدار ۲۷ صاع ہو گئی۔ (یعنی ایک سو آٹھ سیر) پھر رسول اللہ ﷺ نے اٹھکر وضو کیا دو رکعت نماز پڑھی اور نماز کے بعد برکت کے لئے دعا کی۔ حضرت ابوہریرہؓ کا بیان ہے اتنی برکت ہوئی کہ سب نے سیر ہو کر کھالیا اور لشکر میں جو برتن موجود تھے سب بھر لئے کوئی برتن بغیر بھرے نہیں رہا اور اس کے بعد بھی بچ رہا۔ حضرت عمر نے فرمایا انتہا یہ ہوئی کہ جب لوگ (کھا کر اور برتن بھر کر) واپس گئے تو سابق اندازے کے مطابق کھانے کی چیزیں بدستور باقی تھیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس کا رسول ہوں، ایسا نہیں ہو سکتا کہ کوئی بندہ اس شہادت کو بغیر شک کے ادا کرے اور پھر اس کو جنت سے روک دیا جائے۔

ابو نعیم اور محمد بن عمر کے بیان کے بموجب حضرت ابو قتادہ کی روایت میں آیا ہے کہ تبوک سے واپسی میں رسول اللہ ﷺ نے ایک رات آخر شب میں ایک جگہ پڑاؤ کیا۔ وہاں ہم (سب) سو گئے اور اس وقت بیدار ہوئی جب سورج کی گرمی محسوس ہوئی ہم نے کہا (انا للہ وانا الیہ راجعون) ہماری نماز جاتی رہی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس طرح شیطان نے ہم کو رنج پہنچایا ہم بھی اب اس کو اسی طرح رنجیدہ کریں گے میرے پاس پانی نکالو لوٹا تھا آپ نے اس سے وضو کیا کچھ پانی لوٹے میں بچ رہا فرمایا ابو قتادہ لوٹے کے اندر جو پانی ہے اس کو محفوظ رکھنا۔ غرض سورج نکلنے کے بعد فجر کی نماز پڑھی اور نماز میں سورۂ مائدہ کی قرات کی پھر نماز سے فارغ ہو کر فرمایا سنو اگر لوگ ابو بکر اور عمر کا مشورہ مان لیتے تو ہدایت پا لیتے۔ بات یہ ہوئی تھی کہ حضرت ابو

Marfat.com

بکرؓ و حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ (اس جگہ پانی نہیں ہے یہاں لشکر کو اترنا نہ چاہئے) پانی پر پہنچ کر قیام کرنا چاہئے مگر مسلمانوں نے نہیں مانا اور بیابان میں جہاں پانی بھی نہ تھا اترپڑے غرض رسول اللہ ﷺ سوار ہو کر روانہ ہوگئے اور لشکر سے زوال کے وقت آملے ہم بھی حضور ﷺ کے ساتھ تھے سب کو پیاس کی اتنی شدت تھی کہ گھوڑوں اونٹوں اور آدمیوں کی گردنیں پیاس کی وجہ سے اکڑی جارہی تھیں۔ حضور ﷺ نے چمڑے کا پیالہ منگوایا اور لوٹے سے اس میں پانی لوٹایا پھر اپنی انگلیاں اس پر رکھ دیں۔ انگلیاں رکھتے ہی انگلیوں میں سے پانی کا چشمہ پھوٹ نکلا سب لوگ آئے اور پی کے سیراب ہونے لگے۔ پانی برابر ابلتا رہا اور یہاں تک کہ سب سیراب ہوگئے اور گھوڑوں اور اونٹوں کو بھی خوب پلادیا۔ لشکر میں تیس ہزار آدمی، بارہ ہزار اونٹ اور بارہ ہزار گھوڑے تھے۔

ابن اسحاق اور محمد بن عمر کا بیان ہے کہ تبوک سے واپسی میں جب رسول اللہ ﷺ اس مقام پر پہنچے جو تبوک اور وادی ناقہ کے درمیان ہے اور وہاں وادی کے نشیبی حصہ میں ذرا سا پانی تھا کہ دو تین سواروں سے زیادہ کے لئے کافی نہ تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم سے پہلے جو شخص اس پانی پر پہنچ جائے وہ ہمارے پہنچنے تک اس میں سے قطعاً کچھ بھی نہ پئے چار منافق سب سے آگے پانی پر پہنچ گئے معتب بن قشیر، حارث بن یزید، ودیعہ بن ثابت اور زید بن یصیب جب رسول اللہ ﷺ وہاں پہنچے اور پانی پر جا کر کھڑے ہوئے تو پانی بالکل دکھائی نہ دیا فرمایا اس پانی پر ہم سے پہلے کون پہنچا تھا عرض کیا گیا فلاں فلاں شخص فرمایا کیا میں نے تم کو منع نہیں کر دیا تھا۔ پھر آپ نے پانی پینے والوں پر لعنت کی اور بددعا دی اس کے بعد خود چشمہ میں اتر کر دست مبارک چشمہ کے اندر ڈالا اور دو انگلیوں سے اس کو نلا ملنے سے قدرے پانی چلو میں آگیا آپ نے اس کو پھر وہیں لوٹا دیا اور پھر اس پر ہاتھ پھیرا پھر دعا کی۔ ایک دم پانی پھٹ کر نکل آیا۔ حضرت معاذ بن جبل کا بیان ہے قسم ہے اس کی جس کے دست قدرت میں میری جان ہے میں نے پانی کے پھٹ کر نکلنے کی ایسی شدید آواز سنی جیسے بجلی کے کڑکنے کی آواز ہوتی ہے حسب منشاء لوگوں نے پیا اور جانوروں کو پلایا پھر حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم زندہ رہے تو سن لوگے کہ یہ وادی ہر طرف سے اس پانی کی وجہ سے سرسبز ہوگئی، (یہاں باغات اور سبزہ زار ہو جائیں گے)۔

محمد بن عمر اور ابو نعیم نے اہل مغازی کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ ٹیلے سے اتر کر نشیب کی طرف جارہے تھے اور سخت گرمی کا زمانہ تھا لشکر سخت پیاسا ہو گیا اور وادی میں پانی بالکل نہ تھا نہ کم نہ زیادہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس دکھ کا اظہار کیا۔ حضور ﷺ نے حضرت اسید بن حضیر کو بھیجا کہ جا کر (کہیں) پانی تلاش کرو امید ہے کہ کچھ پانی تم کو مل جائے گا حضرت اسید کو کسی عورت کے مشکیزہ میں کچھ پانی مل گیا آپ وہ پانی خدمت گرامی میں لے آئے۔ حضور ﷺ نے اس پانی میں برکت ہو جانے کی دعا کی اور فرمایا (لوگو) آؤ میں تم کو پانی پلاؤں پھر یہ حالت ہوئی کہ جس کے پاس پانی کا جو برتن تھا اس نے بھر لیا پھر اونٹوں کو طلب فرمایا اور اونٹوں کو پانی پلانے کی اجازت دے دی۔ حسب الحکم سب اونٹوں کو بھی پلا دیا گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت اسید جو پانی لے کر آئے تھے۔ حضور ﷺ نے وہ پانی ایک بڑے پیالے میں ڈلوا دیا اور دست مبارک اس پیالہ میں ڈال کر ہاتھ بھی اس کے اندر دھوئے اور منہ بھی اور دونوں پاؤں بھی پھر دو رکعت نماز پڑھی (پھر دعا کے لئے) دونوں ہاتھ اٹھا کر پھیلائے دعا ختم ہوتے ہی پیالے سے پانی اچھلنے لگا۔ حضور ﷺ نے لوگوں سے فرمایا خوب سیر ہو کر پیو پانی پھیل گیا اور اتنا پھیلا کہ سو سو دو سو آدمی آکر قطار لگا کر اس پر آتے پیتے اور چلے جاتے غرض سب سیراب ہوگئے اور پیالے کا پانی اچھلتا ہی رہا۔

طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ بوساطت فضالہ حضرت عبید کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب تبوک کے جہاد پر تشریف لے گئے تو (طول مسافت، شدت گرما، خوراک کی کمی اور پانی کی نایابی کی وجہ سے) اونٹوں کو سخت تکلیف ہوئی اور وہ کمزور ہوگئے۔ لوگوں نے اس دکھ کا اظہار رسول اللہ ﷺ سے کیا حضور ﷺ نے ملاحظہ فرمایا کہ لوگ اونٹوں کو (مار مار کر) ہنکا رہے ہیں (اور اونٹ چلنے نہیں پاتے) یہ دیکھ کر آپ ایک تنگ مقام پر کھڑے ہوگئے لوگ اسی تنگ مقام سے گزرنے لگے جو لوگ گزرتے حضور ﷺ ان پر (اور ان کے اونٹوں پر) کچھ دم کرتے اور فرماتے اے اللہ! ان پر ان کو سوار کر دے تو قوی و کمزور کو ترخشک اور بر و بحر میں سوار کر سکتا ہے۔ راوی کا بیان ہے کہ قافلہ برابر جاتا رہا اور مدینہ پہنچنے سے پہلے اونٹوں کا یہ حال ہو گیا کہ وہ

Marfat.com

پہاڑوں میں کھینچا تانی کرنے لگے (یعنی روکے سے نہ رکتے تھے) جب مدینہ سامنے دکھائی دیا تو فرمایا یہ طابہ ہے، رواہ الشیخان فی الصحیحین عن جابر وابی حمید الساعدی وغیرہما۔

جب حضور ﷺ کی نظر کوہ احد پر پڑی تو فرمایا یہ احد ہے یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔

بیہقی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو عورتیں اور بچے (گا گا کر) کہنے لگے۔

وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند نکل آیا
ہم پر شکر واجب ہے جب تک دعا کرنے والا اللہ سے دعا کرے گا

ابن سعد کا بیان ہے کہ (تبوک کے بعد) لوگ اپنے اسلحہ فروخت کرنے لگے اور کہنے لگے اب جہاد ختم ہو گیا حضور ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچی تو اسلحہ فروخت کرنے سے منع فرمایا اور ارشاد فرمایا دجال کے نکلنے کے وقت تک میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر جہاد کرتا رہے گا۔

مدینہ سے تبوک کو روانگی رجب ۹ ہجری میں ہوئی اور واپس مدینہ میں رمضان میں آ گئے اور مدینہ اور تبوک کے درمیان چودہ منزل کا فاصلہ ہے النور میں لکھا ہے کہ اہل سیر نے یہی بیان کیا ہے ہم حاجیوں کے ساتھ بارہ منزلیں طے کر کے پہنچے تھے (یعنی ۱۴ منزلیں نہیں ہوئی بارہ منزلوں میں راستہ طے ہو گیا) تبوک اور دمشق کے درمیان گیارہ منزلیں ہیں (ایک منزل ایک دن کی راہ کو کہتے ہیں)۔

تفسیر مظہری کی تالیف اس حد تک ۷ ذی الحجہ ۱۲۴۳ ہجری کو شنبہ کے دن عصر کے بعد ختم ہوئی اور اس جگہ تک ترجمہ سے فراغت ۸ ذی الحجہ ۱۳۸۵ھ یوم پنجشنبہ کو ہوئی۔ بحمد اللہ و عونہ

# سورۂ یونس

اس سورۂ میں ۱۰۹ آیات ہیں پوری سورۂ مکی ہے صرف تین آیات فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ الخ مکی نہیں ہے۔

## بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓرٰ — سورۂ بقرہ کے شروع میں (حروف مقطعات) کی بحث گزر چکی ہے (یہ بھی دوسرے حروف مقطعات کی طرح ہے)۔

تِلْكَ — یہ سورت یا قرآن کی آیات کی طرف اس لفظ سے اشارہ ہے بعض نے کہا ان آیات کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر اس سورت سے پہلے کر دیا گیا۔

اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ① — پُر حکمت قرآن کی آیات ہیں اَلْحَكِیْم الْكِتَاب کی صفت ہے پر حکمت یا حکیم کا کلام یا محکم غیر منسوخ موخر الذکر مطلب اس وقت ہو گا جب آیات سے مراد صرف اس سورت کی آیات ہوں (اس سورت میں کوئی آیت منسوخ نہیں لیکن پورا قرآن مراد ہو تو حکیم بمعنی غیر منسوخ نہیں کہا جا سکتا (قرآن میں تو بعض آیات کے احکام

المنزل ۳

Marfat.com

منسوخ بھی ہیں) یا حکیم بمعنی محکم سے یہ مراد ہے کہ اس میں کوئی آیت غلط نہیں اور کلام میں کہیں اختلاف نہیں۔ حسن نے کہا آیات کتاب میں حکم دیا گیا ہے انصاف اور بھلائی کرنے کا قرابتداروں کو دینے کا بے حیائی برے کام اور ظلم وزیادتی سے باز رہنے کا، فرماں برداروں کے لئے جنت اور نافرمانوں کے لئے دوزخ کا۔

ابن جریر نے بطریق ضحاک حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ نے جب محمد ﷺ کو نبی بنا کر بھیجا تو عرب نے اس کو ماننے سے انکار کر دیا اور کہا اللہ کسی انسان کو پیغمبر بنا کر بھیجے اس کی شان اس سے بہت بڑی (وہ انسانوں کا محتاج نہیں) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ — کیا لوگوں کے لئے عجیب ہے یہ بات کہ ہم نے وحی بھیجی۔ یہ استفہام تعجبی انکاری ہے (یعنی تعجب ہے کہ لوگ اس بات پر تعجب کرتے ہیں کہ اللہ نے انسان کے پاس وحی بھیجی اس بات پر تعجب نہ کرنا چاہئے) للناس میں لام بتا رہا ہے کہ انسان کا پیغمبر ہونا انکی نظر میں ایک عجوبہ تھا قابل انکار واستہزاء کسی نادر واقعہ کو دیکھ کر اور معمول وعادت کے خلاف کوئی بات مشاہدہ کرنے سے جو حالت پیدا ہوتی ہے اس کو عجب کہتے ہیں۔

لوگوں کے تعجب کو آیت میں جو تعجب آفریں قرار دیا گیا ہے اور ان کے تعجب کو واجب الانکار بتایا ہے کہ انسان کا پیغمبر بنایا جانا کوئی انوکھا واقعہ نہیں ہے تخلیق آدمؑ کے وقت سے ہی اللہ کا معمول رہا ہے کہ ہمیشہ انسانوں کو ہی پیغمبر بنایا گیا ہے اسی لئے اللہ نے فرمایا وما ارسلنا من قبلک الا رجالا ہم نے آپ سے پہلے بھی ہمیشہ مردوں کو پیغمبر بنایا۔

بادشاہوں کا یہی قاعدہ ہے کہ تحریر و تقریر کی زبان وہی اختیار کرتے ہیں کہ جس کو مخاطب جانتا ہو اور قاصد بھی اسی کو بنا کر بھیجا جاتا ہے جو ان لوگوں کی جنس سے ہو جن کے پاس بھیجا گیا ہو فائدہ اندوزی اور فائدہ رسانی بغیر مناسبت کے ممکن نہیں اللہ نے اسی لئے فرمایا ہے قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا اگر زمین پر ملائکہ چلتے پھرتے اور رہتے ہوتے تو ہم ان پر آسمان سے کسی فرشتہ کو رسول بنا کر بھیجتے۔

اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ — ان میں سے ایک شخص کے پاس۔ یعنی ایک معمولی آدمی کے اس پر جو (دنیوی دولت و حکومت کے اعتبار سے) بڑے آدمیوں میں سے نہیں ہے۔ کافروں نے کہا تھا کہ اگر انسان کو ہی رسول بنانا تھا تو محمد ﷺ کے علاوہ دوسرے بڑے لوگ اس کے مستحق تھے۔ ان کو رسول بنایا جاتا اللہ نے (اسی قول کو ان الفاظ میں نقل کیا ہے اور) فرمایا ہے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ یعنی دونوں بستیوں (مکہ اور طائف) میں کے کسی بڑے عظیم آدمی پر قرآن کیوں نہیں نازل کیا گیا بڑے آدمی سے ان کا مقصد ولید بن مغیرہ مکی اور مسعود بن عمر ثقفی طائفی تھا۔ اس کے رد میں اللہ نے نازل فرمایا۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَةَ رَبِّكَ کیا وہ اللہ کی رحمت یعنی نبوت و رسالت کو خود بانٹ رہے ہیں (کہ جس کو چاہیں اس کو نبوت دے دیں یہ کافروں کی حماقت اور وحی سے ناواقفیت تھی کہ وہ دنیوی دولت کی افزونی اور قومی سیادت پر استحقاق وحی و رسالت کا مدار سمجھتے تھے) رسول اللہ ﷺ کو رجل عظیم نہیں سمجھتے تھے حالانکہ سوائے مال کے باقی تمام انسانی صفات و خصائل کے اعتبار سے رسول اللہ ﷺ سب سے بڑے اور سب سے کامل تھے۔ مال کی کمی کو نبوت میں کوئی دخل نہیں آپ ﷺ سے پہلے اکثر انبیاء بھی ایسے ہی گذرے ہیں۔

اَنْ اَنْذِرِ النَّاسَ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا — کہ لوگوں کو (اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کے برے نتیجے سے) ڈراؤ اور اہل ایمان کو بشارت دو سب لوگوں کو عموماً ڈرانے کا حکم دیا کہ بہت کم لوگ ایسے ہیں جو اپنے اعمال کے لحاظ سے مستحق انذار نہیں ہیں اور کافر چونکہ مستحق بشارت نہیں اس لئے بشارت دینے کا حکم صرف اہل ایمان کیلئے مخصوص کیا۔

اَنَّ لَهُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ — ان کے رب کے پاس (پہنچ کر) ان کو پورا مرتبہ ملے گا۔

عطاء کے نزدیک قدم صدق سے مراد ہے صدق کا مقام جس میں نہ کوئی زوال ہے نہ دشواری اور تکلیف۔

(مولف کے نزدیک) قدم صدق سے مراد ہے اونچا مرتبہ جس کی طرف اہل ایمان بڑھ رہے ہیں اور جہاں ان کا قیام ہو

وقف الدنی

Marfat.com

کا مرتبہ کو قدم سے تعبیر اس لئے کیا کہ آگے بڑھنے اور قیام کرنے کا ذریعہ قدم ہی ہوتا ہے۔ (یعنی سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے) جیسے نعمت کو ہاتھ کہا جاتا ہے کیونکہ نعمت کی عطاء ہاتھ کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔

آیت میں لفظ قدم صدق سے اس امر پر تنبیہ ہے کہ اللہ کے ہاں ان کو اونچا درجہ صرف قول اور نسبت کی سچائی کی وجہ سے حاصل ہوگا اور سب سے زیادہ سچی بات لاالہ الااللہ ہے ہم نے جو قدم صدق کی تفسیر مرتبہ سے کی ہے یہی حاصل حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک کی تفسیر کا ہے حضرت ابن عباسؓ نے لفظ قدم کی تشریح میں فرمایا انہوں نے جو اعمال پہلے سے بھیج دیئے ہوں گے ان کا اچھا بدلہ ان کو ملے گا (اچھا بدلہ اور مرتبہ دونوں کا مطلب ایک ہی ہے) ضحاک نے کہا قدم صدق یعنی سچائی کا ثواب (ضحاک نے مرتبہ کی تعبیر ثواب سے کی اور حضرت ابن عباسؓ نے اجر حسن سے)۔

حسن نے کہا قدم صدق سے مراد وہ نیک اعمال ہیں جو اہل ایمان نے مرنے سے پہلے کئے ہوں گویا حسن کے نزدیک قدم بمعنی تقدم ہے (یعنی پہلے سے کئے ہوئے اچھے اعمال) اللہ نے اس لفظ سے بشارت دے دی کہ اہل ایمان نے جو اچھے اعمال پہلے سے (یعنی مرنے سے پہلے) کئے ہوں گے وہ اللہ کے ہاں ان کو ملیں گے۔ ابو عبیدہ نے کہا عرب کے نزدیک ہر آگے بڑھنے والے کو قدم کہا جاتا ہے خیر کی طرف بڑھے یا شر کی طرف۔ فلاں شخص کو اسلام میں قدم (سبقت) حاصل ہے میرے پاس اس کو قدم حاصل ہے یا برائی کا قدم یعنی میرے نزدیک وہ خیر میں سبقت کر رہا ہے یا بدی میں۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ قدم صدق سے مراد ہے سعادت سابقہ زید بن اسلم نے کہا اس سے رسول اللہ ﷺ کی شفاعت مراد ہے بخاری نے لکھا ہے کہ زید بن اسلم نے کہا ان کیلئے قدم صدق ہے یعنی رسول اللہ ﷺ (کی شفاعت)۔

قَالَ الْكٰفِرُوْنَ کافروں نے کہا یعنی کافروں نے جب رسول اللہ ﷺ کے معجزات دیکھے اور ناقابل مقابلہ کلام سنا تو محض عناد اور ضد سے کہا۔

اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِيْنٌ ۝ بے شک یہ (یعنی مدعی نبوت) کھلا ہوا جادوگر ہے۔

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ. حقیقت ناقابل شک یہ ہے کہ تمہارا مالک وہ اللہ ہے جس نے آسمانوں زمین کو پیدا کیا آسمان وزمین تمام ممکنات (مخلوقات) کے اصول ہیں (تمام چیزیں بقول فلاسفہ یونان انہی کی تائید و تاثر سے بنی ہیں)۔

فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ چھ دن میں یعنی دنیا کے چھ روز کے بقدر مدت میں یوں تو اللہ آن کی آن میں سارے جہان کو پیدا کر سکتا تھا مگر مخلوق کو آہستہ روی اور تدریج کی تعلیم دینے کے لئے اس نے چھ روز میں آسمان وزمین بنائے۔

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ پھر عرش (تخت شاہی) پر وہ قائم ہوا یہ سلف سے خلف تک تمام اہل سنت کا باتفاق عقیدہ ہے کہ اللہ تمام جسمانی صفات اور حدوث کے عوارض سے پاک ہے لیکن آیت مذکورۃ الصدر اور اسی جیسی دوسری آیات (جن میں صفات جسم کے ساتھ اللہ کا اتصاف ظاہر کیا گیا ہے) بظاہر اہل سنت کے مسلک و عقیدے کے خلاف نظر آتی ہیں اس شبہ کو دور کرنے کے لئے دو جواب دیئے گئے ہیں۔

(۱) ..... تاویل کا مسلک اختیار کیا گیا ہے یعنی ظاہر الفاظ کے وہ (مجازی) معنی لئے گئے ہیں جو شان خداوندی کے مناسب ہیں کیونکہ ومایعلم تاویلہ الااللہ والراسخون فی العلم میں الراسخون کا عطف اللہ پر ہے مطلب یہ ہے کہ متشابہات کا صحیح علم اللہ کو اور مضبوط علم رکھنے والوں کو ہی ہے (اس سے معلوم ہوا کہ متشابہات کی حقیقی مراد اور تاویل سے علماء ربانیین بھی واقف ہیں) اس کی تفصیلی بحث سورت آل عمران میں گذر چکی ہے۔ اس توجیہ کی روشنی میں آیت مذکورہ میں استوی کو بمعنی استولیٰ قرار دیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ عرش جو سب سے اعلیٰ اور بالا مخلوق ہے جب اللہ اس پر غلبہ رکھتا ہے تو دوسری مخلوق پر اللہ کا تسلط بدرجہ اولیٰ ظاہر ہے، پس ساری مخلوق اس کے زیر تسلط ہے[1] لیکن بغوی نے کہا استواء کو بمعنی استیلاء و تسلط قرار دینا

[1] حاشیہ الحوصلہ ریاض ۔ ناظم

Marfat.com

معتزلہ کا قول ہے۔

(۲ ..... سلف صالحین کا مسلک، اہل تاویل کے مسلک کے خلاف ہے۔ تمام علماء سلف کا قول ہے کہ اس قسم کی آیات کے ظاہر پر ایمان لانا واجب ہے ان کی تنقیح اور موشگافیوں سے اجتناب لازم ہے۔ ان کی حقیقت کے علم کو اللہ کے سپرد کر دینا ضروری ہے اسی بناء پر امام محمد بن حسن نے فرمایا تھا کہ پورب سے پچھم تک تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ قرآن اور صحیح احادیث میں اللہ کی جو صفات آئی ہیں ان کو بغیر تشریح و تنقیح و توضیح کے ماننا اور ان پر ایمان لانا واجب ہے جو شخص ان کی توضیح کرتا ہے وہ رسول اللہ ﷺ اور اجماع سلف کے خلاف عمل کرتا ہے اس کا رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین اور جماعت مسلمین کے اختیار کردہ مسلک سے تعلق نہیں امام مالک بن انس نے فرمایا استواء (کا حقیقی ترجمہ) مجہول نہیں (استواء کی) کیفیت معلوم نہیں اور کیفیت استواء کو دریافت کرنا بدعت ہے۔

سلف صالحین تنزیہ باری تعالیٰ کے قائل تھے اسی کے ساتھ استواء علی العرش کو (بغیر تاویل کے) مانتے تھے۔ امام ابو حنیفہ نے فرمایا اللہ آسمان میں یقیناً ہے زمین میں نہیں، رواہ البیہقی۔ اس قول کی نسبت بھی امام ابو حنیفہ کی طرف کی گئی ہے کہ جس نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ میرا رب آسمان میں ہے یا زمین میں وہ کافر ہو گیا کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے الرحمن علی العرش استوی اور عرش آسمان کے ادھر ہے۔ امام ابو حنیفہ کا ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ جس نے اللہ کے آسمان میں ہونے کا انکار کیا وہ کافر ہو گیا۔

امام شافعیؒ نے فرمایا اللہ اپنے عرش پر اپنے آسمان میں ہے وہ جیسا چاہتا ہے اپنی مخلوق کے قریب بھی ہوتا ہے اور جس طرح چاہتا ہے اترتا ہے (یعنی اللہ کا عرش پر ہونا مخلوق کے قریب ہونا اور نیچے اترنا تینوں قول صحیح ہیں لیکن عرش پر موجود ہونے مخلوق کے قریب ہونے اور نیچے اترنے کی کیفیت معلوم نہیں) ایسا ہی قول امام احمد حنبل کا بھی مروی ہے۔

اسحاق بن راہویہ کا بیان ہے تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ اللہ عرش کے اوپر مستوی ہے اور ہر چیز کو جانتا ہے، مزنی، ذہبی، بخاری، ابو داؤد ترمذی، ابن ماجہ، ابن ابی شیبہ، ابو یعلی، بیہقی اور دوسرے ائمہ، حدیث کا یہی قول ہے ابو زرعہ رازی کے قول سے پتہ چلتا ہے کہ اسی قول پر اہل سنت کا اجماع ہے۔ حافظ عثمان بن سعید دارمی نے لکھا ہے کہ تمام مسلمان اس قول پر متفق ہیں کہ اللہ اپنے عرش پر آسمانوں کے اوپر ہے۔ سہل بن عبد اللہ تستری نے فرمایا یہ کہنا جائز نہیں کہ جس نے استواء کو پیدا کیا وہ کیسے مستوی ہو سکتا ہے ہمارے لئے (استواء کو) ماننا اور تسلیم کرنا لازم ہے کیوں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے، محمد بن جریر طبری نے لکھا ہے مسلمان کے لئے اتنا جان لینا کافی ہے کہ اس کا رب عرش پر مستوی ہے جو اس سے آگے بڑھے گا وہ نامراد اور خسران ماب ہو گا۔ محمد بن خزیمہ نے کہا جو شخص اللہ کو عرش پر ساتوں آسمانوں کے اوپر مستوی اور سب مخلوق سے جدا نہیں کہتا وہ کافر ہے اس سے توبہ کرائی جائے توبہ کر لے تو خیر، ورنہ اس کی گردن مار دی جائے۔

طحاوی نے لکھا ہے کہ عرش و کرسی ویسے ہی ہیں جیسے اللہ نے اپنی کتاب میں ان کو بیان کیا ہے اللہ عرش سے بے نیاز ہے اور عرش کے نیچے والی چیزوں سے بھی وہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر چیز سے اوپر ہے۔

شیخ ابو الحسن اشعری بصری نے کتاب اختلاف المصلین و مقالات الاسلامیین میں اہل سنت اور اصحاب حدیث کا ایک قول لکھا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کا، اللہ کے فرشتوں، کتابوں اور پیغمبروں کا ماننا اور کلام اللہ کی طرف سے آیا ہے اور جو رسول اللہ ﷺ کی صحیح حدیثوں میں مذکور ہے سب کا اقرار کرنا ضروری ہے ان میں سے کسی چیز کو رد نہیں کیا جا سکتا اور یہ بھی ماننا لازم ہے کہ اللہ اپنے عرش پر ہے جیسا کہ اس نے خود آیت الرحمن علی العرش استوی میں فرمایا ہے اور اللہ کے دو ہاتھ بھی

---

لہ استوی کا معنی استولی اور تساط عربی کلام میں بکثرت آیا ہے کسی شاعر کا ایک شعر ہے۔

قَدِ اسْتَوٰی بِشْرٌ عَلَی الْعِرَاقِ مِنْ غَیْرِ سَیْفٍ وَدَمٍ مُهْرَاقِ

یعنی بشر نے بغیر تلوار چلائے اور خون بہائے عراق پر تساط کر لیا۔ (مترجم)

Marfat.com

ہیں مگر بغیر کیفیت (مخلوقیہ) کے اس نے خود فرمایا ہے۔ خلقت بیدی

ابو نعیم نے حلیہ میں لکھا ہے ہمارا طریقہ سلف کے طریقے کے موافق ہے جو کتاب اللہ احادیث رسول اللہ ﷺ اور اجماع کے پیرو تھے اور اس بات کا اعتقاد رکھتے تھے کہ اللہ ہمیشہ سے اپنی تمام صفات کامل ہے آخر میں ابو نعیم نے کہا جن احادیث میں اللہ کے عرش پر مستوی ہونے کا ذکر ہے سلف ان کو مانتے تھے اور اللہ کو عرش پر بغیر کسی مخلوقی کیفیت اور تشبیہ کے مستوی مانتے تھے اور اس امر کے بھی قائل تھے کہ اللہ اپنی مخلوق سے جدا ہے۔

ابن عبدالبر نے لکھا ہے کہ اللہ آسمان میں عرش پر سات آسمانوں کے اوپر ہے جیسا کہ اہل سنت کا قول ہے۔

خطیب نے کہا سلف کا مسلک یہ ہے کہ ایسی (متشابہ) آیات کا اقرار کیا جائے اور انکے ظاہری معنی پر ہی الفاظ کو محمول کیا جائے اور کیفیت و تشبیہ کی نفی کی جائے (یعنی کوئی کیفیت اور تمثیل و تشبیہ نہ بیان کی جائے کہ معنی معلوم ہے مگر معنی کی کیفیت مجہول ہے اور وجہ اللہ یا ید اللہ یا استواء علی العرش کو ہم مخلوق کے چہرے، ہاتھ اور استواء سے تشبیہ نہیں دے سکتے یہ چیزیں اللہ کی صفات ہیں مگر ویسی ہیں جیسی اس کی شان کے مناسب ہیں امام الحرمین نے کہا عقیدہ سلف کا اتباع ہی پسندیدہ اعتقاد اور دین اللہ ہے ائمہ سلف نے تاویل سے اجتناب کیا ہے الفاظ کے ظاہری معنی کو اختیار کیا ہے اور معانی (کی وضاحت و تفصیل) کو اللہ کے سپرد کیا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے اہل سنت قائل ہیں کہ استواء علی العرش اللہ کی صفت ہے بلا کیف۔ اس پر ایمان واجب ہے بیضاوی نے لکھا اس کا مطلب یہ ہے کہ استواء علی العرش اللہ کے لئے ویسا ہے جیسا اس کے مناسب ہے استقرار اور مکانیت کی آمیزش سے پاک ہے۔

ابو بکر علی بن عیسیٰ شبلی جو اپنے زمانہ کے صوفیا میں سب سے بڑے عالم تھے کہتے ہیں رب آسمان میں ہے حکم دیتا ہے اور فیصلہ نافذ کرتا ہے شیخ الاسلام عبداللہ انصاری نے اخبار ستی میں لکھا ہے کہ اللہ ساتویں آسمان میں عرش پر ہے۔

شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے اور اس موضوع پر بہت تفصیلی بحث کی ہے (جس کا خلاصہ یہ ہے جو علمائے سلف سے منقول ہے کہ معانی معلوم ہیں کیفیت نامعلوم اور ہر تشبیہ سے پاک)۔

یہ تمام اقوال ذہبی نے کتاب العلو میں نقل کئے ہیں۔ صحابہ تابعین، محدثین، فقہا اور صوفیہ کی کثیر جماعت (تقریباً کل) کا یہی مسلک ہے میں نے مختصر اسورۂ اعراف کی آیت ثم استوی علی العرش یغشی اللیل النہار اور سورۂ بقرہ کی آیت یاتیھم اللہ فی ظلل من الغمام کی تفسیر میں بیان کر دیا ہے کہ اصحاب قلوب کے نزدیک ذات باری تعالیٰ کی خصوصی تجلی اور خاص پرتو بعض مخلوق پر پڑتا ہے وہ مخلوق نورانی لہروں سے نور چیں ہوتی ہے اس سے ذات باری محل حوادث نہیں بن جاتی نہ خالص مرتبہ تنزیہ سے اس کا تشبیہ کی طرف تنزل ہوتا ہے بلکہ ممکنات میں ایسا جوہر پیدا ہو جاتا ہے جو پرتو اندوزی کے قابل بن جاتا ہے (امکان و حدوث کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے اس میں جلوہ پذیری کی قابلیت بڑھ جاتی ہے اور برستی رہتی ہے اس جلوہ پاشی سے وجوب و قدم میں کوئی تغیر نہیں آتا وجوب سے امکان اور قدم سے حدوث کی طرف ذات واجب و قدیم کا تنزل نہیں ہو جاتا میں نے سورۂ بقرہ میں آیت ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰھُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ کی تفسیر کے ذیل میں اسی جلوہ پاشی کی تنقیح کر دی ہے جو مومن کے دل پر کعبہ پر اور عرش عظیم پر خصوصیت کے ساتھ ہوتی ہے (یعنی بعض مخلوق تجلی الٰہی کی خصوصی جولانگاہ ہے خصوصیت کے ساتھ وہ جلوہ خداوندی سے نور چیں ہوتی ہے اس پر خاص چمکار اور پرتو پڑتا ہے اس سے جلوہ ریزی اور نور پاشی کرنے والی ذات کا محتاج مکان و زمان اور حامل کیف و کم ہونا لازم نہیں آتا ہے وہ جلوہ قدیم بے کیف ہے، بے مکان ہے، بے زمان ہے اور ہر حادث مقدار و عوارض سے پاک ہے)۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ ہر کام کی (مناسب) تدبیر کرتا ہے یعنی حسب تقاضائے حکمت وہ کائنات کے تمام امور کا فیصلہ کرتا ہے تدبیر کا معنی ہے تمام امور کے ادبار (یعنی انجام) پر نظر رکھ کر کام کرنا تاکہ نتیجہ اچھا نکلے۔

Marfat.com

مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ کوئی (کسی کا) سفارشی نہ ہوگا۔ مگر اس کے اذن کے بعد اللہ کی عظمت کا اظہار اس فقرہ میں کیا گیا ہے اس آیت کا نزول نضر بن حارث کے متعلق ہوا جس نے کہا تھا کہ اگر قیامت کا دن ہوا تو لات و عزی میری سفارش کر دیں گے (لات اور عزی عورت کی شکل کے دو بت تھے جن کی پوجا کی جاتی تھی) آیت میں اشارہ ہے کہ قیامت کے دن شفاعت ضرور ہوگی مگر اللہ کی اجازت کے بعد ہوگی۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ یہ اللہ ہے یعنی وہ ذات جو صفات مذکورہ کا مجموعہ ہے اور صفات مذکورہ کا تقاضا الوہیت ہے وہی ذات اللہ ہے۔

رَبُّكُمْ تمہارا رب ہے یعنی وہی تمہارا رب ہے اسکے سوا کوئی رب نہیں یا اس کی صفات میں کوئی دوسرا شریک نہیں

فَاعْبُدُوْهُ پس تم اس کی پوجا کرو یعنی اس کے سوا کسی کی پوجا نہ کرو جماد تو الگ رہے ان میں تو نفع و نقصان پہنچانے کی صلاحیت ہی نہیں کسی انسان اور فرشتے کی بھی پوجا نہ کرو۔

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ کیا تم بالکل غور نہیں کرتے کہ غور کرنے سے اتنا سمجھ لو کہ اللہ ہی معبودیت کا مستحق ہے جن کی تم پوجا کرتے ہو ان میں سے کوئی بھی معبود بننے کے قابل نہیں ہے۔

اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا (مرنے کے بعد قیامت کے دن زندہ ہو کر) تم سب کو لوٹ کر اسی کے پاس جانا ہے مرجع مصدر ہے یا ظرف مکان۔

وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا اللہ نے اس کا سچا وعدہ کر رکھا ہے وعد اللہ مفعول مطلق ہے الیہ مرجعکم اللہ کی طرف سے وعدہ ہے اس وعدہ کی تاکید وعدہ اللہ کا لفظ کر رہا ہے حقا بھی مفعول مطلق ہے اور اس مضمون کی تاکید کر رہا ہے جس پر وعدہ اللہ کا لفظ دلالت کر رہا ہے گویا اول مفعول مطلق تاکید لفسہ کا اور دوسرا تاکید بغیرہ کا فائدہ دے رہا ہے۔

اِنَّهٗ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ بلاشبہ وہی ابتدائی تخلیق کرتا ہے یعنی دینوی زندگی وہی دیتا ہے۔

ثُمَّ يُعِيْدُهٗ پھر (موت دینے کے بعد آخرت میں) دوبارہ زندگی بھی وہی دے گا۔

لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ تاکہ جن مومنوں نے نیک کام کئے ان کو انصاف کے ساتھ جزا عنایت کرے، (اس صورت میں بالقسط سے مراد ہوگا اللہ کی طرف سے انصاف) یا قسط سے مراد ہے اہل ایمان کا عادل ہونا اور تمام امور میں عدل پر قائم رہنا یا ایمان مراد ہے کیونکہ ایمان ہی سب سے بڑا عدل ہے جس طرح شرک ظلم عظیم ہے۔ موخر الذکر معنی مراد لینا ہی اس جگہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ آئندہ آیت میں کافروں کو کفر کی پاداش دیئے جانے کا ذکر ہے (اس لئے اوپر کی آیت میں اہل ایمان کو انکے ایمان کی جزا ملنے کا ذکر کیا جانا زیادہ مناسب ہے)۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝

اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لئے کفر کی سزا میں انتہائی کھولتا پانی اور دردرساں عذاب ہوگا عبارت کی رفتار سے کافروں کو مستحق عذاب ہونا پر زور طور پر ظاہر ہو رہا ہے اور اس امر پر تنبیہ بھی مستفاد ہو رہی ہے کہ تخلیق اول و دوئم کی اصل غرض تو مومنوں کو ثواب دینا ہے کافروں کا عذاب تو بالواسطہ (ذیلی طور پر) ہو جائے گا گویا عذاب ایک بیماری ہے جو بداعتقادی اور بداعمالی سے پیدا ہوتی ہے۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً اللہ وہی ہے جس نے آفتاب کو روشنی والا بنایا ضیاء سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی ذات ضیاء روشنی والا ضیاء قیام کی طرح مصدر ہے یا سیاط کی طرح جمع ہے اس کا واحد ضوء ہے جیسے سیاط کا واحد سوط ہے۔

وَّالْقَمَرَ نُوْرًا اور چاند کو نور والا نور کا لفظ معنی کے اعتبار سے ضوء سے عام ہے۔ نور کے اعلیٰ مرتبہ کا نام ضوء ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ براہ راست روشنی کو ضوء اور بالواسطہ روشنی کو نور کہتے ہیں (اور چاند کا نور چونکہ آفتاب کا عکس پڑنے سے

Marfat.com

حاصل ہوتا ہے اس لئے شمس کے ساتھ ضیاء اور قمر کے ساتھ نور کا لفظ استعمال کیا)۔

وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ اور اس کی (چال) کیلئے منزلیں مقرر کیں۔ یعنی چاند اور سورج میں سے ہر ایک کی منازل سیر مقرر کر دیں یا ہر ایک کو منزل والا بنا دیا (یعنی منازل سے پہلے مضاف محذوف ہے) یا ہ کی ضمیر چاند کی طرف راجع ہے صرف چاند کی منازل کا تذکرہ اس لئے کیا کہ سیر قمر کی منزلیں نظروں کے سامنے ہیں اس کے علاوہ روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ کے احکام اسی کی رفتار سے وابستہ ہیں۔ آئندہ آیت میں تقرر منازل قمر کی علت یہی فرق فرمائی ہے۔

لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ تاکہ تم جان لو برسوں کی گنتی۔ یعنی چاند کی رفتار سے مہینوں کی گنتی کر کے برسوں کی گنتی جان لو۔

وَالْحِسَابَ ؕ اور (اپنے معاملات میں دنوں اور مہینوں کے اوقات کے) حساب کو جان لو۔

مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ اللہ نے اس مخلوق کو نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ یعنی اپنی حکمت کاملہ کے مطابق اپنی کاریگری اور قدرت کو ظاہر کرنے کے لئے۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝ یہ دلائل ان لوگوں کو صاف صاف بتا رہے ہیں جو دانش رکھتے ہیں۔

اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ بے شک رات دن کے اختلاف میں۔ اختلاف سے مراد ہے ایک کا دوسرے کے پیچھے آنا جانا نہ گنوں کا اختلاف مراد ہے روشن اور تاریک۔

وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور جو کائنات آسمانوں میں اور زمین میں اللہ نے بنائی ہے اس میں

لَاٰيٰتٍ بلاشبہ نشانیاں ہیں۔ صانع کے وجود کی اس کی توحید کی اس کے کمال علم و قدرت کی اور تمام عیوب و نقائص سے اس کے پاک ہونے کی۔

لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ ۝ ان لوگوں کے لئے جو (برے انجام سے) ڈرتے ہیں کیوں کہ یہ ساری کائنات اہل اتقاء کو غور و فکر کی دعوت دے رہی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا بے شک جو لوگ ہم سے ملنے کے امیدوار نہیں، ملنے سے مراد ہے ثواب کیونکہ اللہ کی ملاقات اور اس کا دیدار سب سے بڑا ثواب ہے۔

وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اور دنیوی زندگی پر مگن ہیں یعنی آخرت کی زندگی پر دنیوی زندگی کو انہوں نے ترجیح دے رکھی ہے۔ وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا

اور اسی زندگی پر مطمئن ہو بیٹھے ہیں یعنی اسی زندگی پر وہ ٹھہر گئے ہیں اسی کی لذتیں اور آرائشیں ان کا منتہا قصد ہیں اور آخرت میں کام آنے والے اعمال ترک کر چکے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا غٰفِلُوْنَ ۝ اور وہ لوگ جو ہماری (قدرت و صنعت کی) نشانیوں سے غافل ہیں۔

ترجمہ مذکورہ بالا کی صورت میں لول الذکر الذین سے مراد ہوں گے یہود و نصاریٰ جو اللہ کی ہستی کو تو مانتے ہیں، حشر نشر کا عقیدہ بھی رکھتے ہیں لیکن اس کے ساتھ ہی دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں ثواب آخرت سے مایوس ہیں انکا مقصد صرف دنیوی لذت اندوزی اور راحت خوشی ہے اور موخر الذکر الذین سے مراد ہیں وہ کافر جو اللہ کی توحید کو نہیں مانتے اور حشر و جزا کا عقیدہ نہیں رکھتے۔

بیضاوی نے لکھا ہے لول الذین سے مراد ہیں وہ لوگ جو قیامت کے منکر ہیں جزا آخرت کی ان کو امید ہی نہیں زندگی

Marfat.com

صرف اسی دنیوی زندگی کو جانتے ہیں اور موخر الذین سے مراد ہیں وہ لوگ جن کو محبت دنیا نے تصور آخرت اور تیاری آخرت سے غافل بنا رکھا ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک دونوں الذین سے مراد عام کفار ہی ہیں لیکن تعداد اوصاف کی وجہ سے دونوں کے درمیان حرف عطف ذکر کر دیا گیا ہے۔ (جیسے الی الملک القرم وابن الہمام ولیث الکتیبۃ فی المزدحم۔ میں سب اوصاف یعنی قرم ۔ابن الہمام اور لیث الکتیبۃ کا مصداق الملک ہی ہے لیکن اوصاف کے تغایر کو ذات کے تغایر کے قائم مقام قرار دے کر اوصاف کے درمیان حروف عطف ذکر کئے گئے ہیں اسی طرح آیات میں بھی تعداد اوصاف کو تعدد ذوات کا درجہ دے کر بیچ میں حرف عطف ذکر دیا گیا ہے) اس امر پر بھی تنبیہ ہے کہ چونکہ وہ دونوں اوصاف قبیحہ کے حامل اور جامع ہیں اس لئے مستحق وعید ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے رجا کا معنی خوف بھی ہے اور طمع بھی۔ اس تقدیر پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ انکو نہ ہمارے عذاب کا خوف ہے نہ ثواب کی امید (گویا ہمارے سامنے آنے کا نہ ان کو کوئی اندیشہ ہے نہ کوئی امید) حضرت ابن عباس نے فرمایا عن ایاتنا یعنی محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآن سے غافل ہیں، ان کی طرف سے رخ موڑے ہوئے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ..یہی ہیں کہ ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے ان کے برے کرتوت کی وجہ سے۔ یعنی کفر پر قائم اور معاصی پر جمے رہنے کی وجہ سے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ناقابل شک ہے یہ بات کہ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کئے ان کے ایمان کی وجہ سے ان کا رب ان کو (جنت میں پہنچانے والے راستہ کی) ہدایت کرے گا۔

مجاہدؒ نے کہا پل صراط پر ان کو جنت تک پہنچانے والا راستہ بتا دے گا انکے لئے نور کر دے گا جس کی رہنمائی میں وہ (جنت تک) جائیں گے۔ بعض نے کہا ہدایت سے مراد یہ ہے کہ ایمان کی وجہ سے اللہ انکو حقائق دین سمجھنے کا راستہ بتا دے گا۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے جانی چیز پر عمل کیا اللہ اس کو انجانی چیز کا علم عطا فرما دے گا رواہ ابو نعیم الحلیۃ۔ بعض نے کہا یہدیہم کا یہ معنی ہے کہ اللہ ان کو ثواب اور جزا دے گا یا جنت کے اندر ان کے مقاصد ان کو پہنچا دے گا۔

بیضاویؒ نے لکھا ہے ترتیب کلام کا مفہوم اگرچہ بتا رہا ہے کہ ہدایت کا سبب ایمان اور عمل صالح (کا مجموعہ) ہے لیکن تنہا بایمانہم کا صریحی لفظ بتا رہا ہے کہ ہدایت کا مستقبل سبب ایمان ہے عمل صالح تو اس کا تکملہ اور تتمہ ہے۔

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ ان کے نیچے نہریں رواں ہوں گی۔ نیچے سے مراد ہے سامنے جیسا آیت قد جعل ربک تحتک سریا میں تحت سے مراد سامنے ہے کیونکہ حضرت مریم کا نہر کے اوپر بیٹھنا اس آیت کا مقصود نہیں ہے بلکہ نہر کا سامنے ہونا مراد ہے۔

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۝ چین کے باغوں میں۔

دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ جنتوں میں ان کی دعاء (اس طرح) ہوگی اے اللہ! تو ہر برائی سے پاک ہے ہم تجھے ہر عیب و نقص سے پاک جانتے اور مانتے ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے اہل تفسیر کا بیان ہے کہ اہل جنت اور ان کے خادموں کے درمیان سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ کا لفظ طلب طعام کی علامت ہوگا۔ جب اہل جنت کھانے کے خواہش مند ہوں گے تو کہیں گے سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ فوراً حسب پسند کھانے کے خوان حاضر کر دیئے جائیں گے ہر خوان ایک میل لمبا ایک میل چوڑا ہوگا۔ ہر خوان پر ستر ہزار کاسے ہوں گے ہر کاسہ میں الگ رنگ کا کھانا ہوگا ایک دوسرے کے مشابہ نہ ہوگا کھانے سے فارغ ہو کر سب اللہ کی طرف ثنا کریں گے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کا یہی معنی ہے۔ بعض علماء نے کہا اہل جنت سبحانک اللھم مزے لے لے کر کہیں گے یعنی اس کلام کے کہنے میں ان کو لذت آئے گی۔ مسلم ابو داؤد اور امام احمد نے حضرت جابر کو مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ سانس لینے کی طرح خدا کی طرف سے سبحان اللہ اور الحمد اللہ کہنے کا الہام ہوگا (یعنی بے اختیار انکی زبانوں پر تسبیح و تحمید جاری ہوگی

Marfat.com

وَتَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ اور جنت کے اندر ان کا ملاقاتی ابتدائی کلام (لفظ) سلام ہوگا ایک دوسرے کو سلام کرے گا اور فرشتے بھی ہر دروازے سے داخل ہو کر کہیں گے سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ اور اللہ کی طرف سے بھی سلام لے کر فرشتے آئیں گے اور کہیں گے اللہ تم کو سلام فرماتا ہے (یعنی بشارت سلامتی دیتا ہے) ابن ماجہ، ابن ابی الدنیا، دار قطنی اور اجری نے جابر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اہل جنت اپنی اپنی راحتوں میں مشغول ہوں گے کہ اچانک ان پر اوپر سے ایک نور چمکے گا سر اٹھا کر دیکھیں گے تو (نظر آئے گا کہ) اللہ اوپر سے ان پر جلوہ پاش ہے اللہ فرمائے گا السلام علیکم یا اہل الجنۃ یہی ہے معنی سلم قولا من رب رحیم کا۔

امام احمد، بزار اور ابن حبان نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی مخلوق میں سے جنت کے اندر سب سے پہلے فقراء مہاجرین داخل ہوں گے جن سے (اسلام کی) سرحدوں کا انتظام ہوتا ہے اور انہی کے ذریعے سے ناگوار امور سے حفاظت کی جاتی ہے لیکن (اتنی اہم شخصیت کے حامل ہونے کے باوجود) ان میں سے جب کوئی مرتا ہے تو دل کی خواہش دل ہی میں لے کر جاتا ہے پورا کرنے کی توفیق ہی اس کو نہیں ملتی۔ اللہ اپنے ملائکہ میں سے جس کو چاہے گا حکم دے گا کہ مہاجرین کے پاس جاؤ اور ان کو میرا سلام پہنچاؤ۔ فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے مالک ہم تیرے آسمان کے باشندے ہیں۔ مخلوق میں تیرے برگزیدہ بندے ہیں۔ کیا تو ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ہم ان کے پاس جائیں اور ان کو سلام کریں۔ اللہ فرمائے گا یہ میرے ایسے بندے تھے کہ میرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے تھے۔ کسی کو میرا شریک نہیں قرار دیتے تھے انہی کو سرحدوں پر بھیجا جاتا تھا اور انہی کے ذریعہ سے ناگوار امور سے حفاظت ہوتی تھی اور جب ان میں سے کوئی مرتا تھا تو اپنا ارمان اپنے دل میں ہی لے کر مرتا تھا۔ پورا کرنے کی اس کو توفیق ہی نہ ہوتی تھی۔ حسب الحکم فرشتے ان کے پاس جنت کے ہر دروازہ سے آئیں گے اور کہیں گے سلم علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار

وَآخِرُ دَعْوَاهُمْ أَنِ الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ۝١٠ اور ان کی (اس وقت کی باتوں میں) آخری بات ہوگی الحمد اللہ رب العلمین۔ شاید اس سے مراد یہ ہے کہ جب اہل جنت، جنت میں داخل ہو کر اللہ کی عظمت کا معائنہ کریں گے تو اس کی بزرگی بیان کریں گے اور صفات جلالیہ کا اظہار کریں گے۔ پھر اللہ کی طرف سے فرشتے حاضر ہو کر ان کو تمام آفتوں سے سالم رہنے اور عزت و کرامت پر فائز ہونے کی دعا دیں گے اس وقت وہ اللہ کی حمد و ثناء کریں گے اور اللہ کی صفت اکرام کو بیان کریں گے۔

بغوی نے لکھا ہے وہ کلام کا آغاز تسبیح سے کریں گے اور الحمد اللہ پر کلام کو ختم کریں گے اور ان دونوں کے درمیان جو بات کرنی چاہیں گے کریں گے۔

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللَّهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ اور اگر (لوگوں کی عجلت طلب کے موافق) اللہ فوراً برا نتیجہ دے دیتا ہے جیسا کہ فوری عجلت طلب پر اچھا نتیجہ دے دیتا ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس (آیت) سے مراد وہ قول ہے جو عموماً غصہ کے وقت لوگ اپنے اہل و عیال کے متعلق کہتے ہیں کہ تم پر اللہ کی مار، تم پر خدا کی لعنت وغیرہ۔

قتادہؒ نے کہا آیت کا تشریحی مطلب یہ ہے کہ لوگ جب اللہ سے کوئی بددعا کرتے ہیں اور فوری شر کے طلب گار ہوتے ہیں اگر اللہ ان کی بددعا کو قبول کرنے میں اسی عجلت سے کام لے جس عجلت سے وہ لوگوں کی نیک دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ نیک دعاؤں کے نتیجہ کو جلد طلب کرنے کا تو آیت میں ذکر ہے جلد نتیجہ دینے کا ذکر نہیں۔ اس شر کے ساتھ استعجال کا ذکر نہیں کیا یعنی بددعا کے ساتھ نتیجہ کی فوری طلب کا ذکر نہیں کیا بلکہ فوری نتیجہ دینے کا ذکر کیا اس طرح کلام میں اختصار ہوگا اور غیر مذکور مطلب قرینہ سے معلوم ہو گیا۔ روایت میں آیا ہے کہ نضر بن حارث نے (اپنے لئے بددعا کی تھی اور) کہا تھا کہ یا اللہ اگر یہی حق ہے جو تیری طرف سے آیا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔



Marfat.com

لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ تو ان کا (عذاب کا) وعدہ کبھی کا پورا ہو چکا ہوتا یعنی مار دیئے گئے ہوتے اور ہلاک ہو چکتے۔

فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ⑪ سو اس لئے ان لوگوں کو جنکو ہمارے پاس آنے کا کھٹکا نہیں ہے ہم (یونہی بلا عذاب چند روز) چھوڑ رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

لا یرجون لقاء نا یعنی حشر اور عذاب سے نہیں ڈرتے۔ فنذر کا عطف ایک محذوف جملہ پر ہے اصل کلام یوں تھا لیکن ہم ہلاک کرنے میں جلدی نہیں کرتے اور ڈھیل دینے کے بجائے فوری نہیں مار ڈالتے اور ان کافروں کو گمراہی میں چھوڑے رکھتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں سرگرداں پھرتے رہیں۔

وَإِذَا مَسَّ الْإِنسَانَ الضُّرُّ اور جب انسان کو کوئی تکلیف پہنچتی ہے۔ الضر سے مراد ہے سختی، مصیبت۔

دَعَانَا لِجَنبِهِ أَوْ قَاعِدًا أَوْ قَائِمًا تو وہ (نجات و خلاص کے لئے) ہم کو پکارتا ہے پہلو کے بل (یعنی لیٹ کر) یا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر یعنی مصیبت دور ہونے کی ہر حالت میں فوراً ہم سے دعا کرتا ہے لیٹے لیٹے بیٹھے بیٹھے کھڑے کھڑے۔

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهُ مَرَّ پھر جب ہم اس کی تکلیف ہٹا دیتے ہیں کھول دیتے ہیں تو وہ اپنے سابق طریقے پر قائم رہتا ہے کفر کرتا رہتا ہے ناشکری کرتا ہے۔

كَأَن لَّمْ يَدْعُنَا إِلَىٰ ضُرٍّ مَّسَّهُ معلوم ہوتا ہے کہ (مصیبت اور دکھ کی حالت میں) اس نے ہم سے دعا ہی نہیں کی تھی ہم کو پکارا ہی نہ تھا۔ اس مصیبت کو دور کرنے کے لئے جو اس کو پہنچی تھی۔

كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ⑫ اسی طرح مستحسن معلوم ہوتے ہیں، یعنی خواہشات نفس میں انہماک اور ذکر و عبادت سے اعراض کو ان کی نظر میں محبوب بنا دیا جاتا ہے۔ ان حد سے گذرنے والوں کو ان کے اعمال

وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا الْقُرُونَ مِن قَبْلِكُمْ اور (اے اہل مکہ) تم سے سابق قوموں کو ہم ہلاک کر چکے ہیں۔

لَمَّا ظَلَمُوا جب انہوں نے (کفر و بداعمالی کر کے) خود اپنے اوپر ظلم کیا۔

وَجَاءَتْهُمْ رُسُلُهُم بِالْبَيِّنَاتِ اور ان کے پیغمبر کھلی ہوئی واضح دلیلیں ان کے پاس لا چکے (مگر انہوں نے کسی دلیل کو نہیں مانا) گویا حجت تمام ہو گئی اور ہلاکت کا ان کو استحقاق ہو گیا اسی مضمون کو دوسری آیت میں بیان کیا ہے فرمایا ہے۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا

وَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا اور وہ (ظالم قومیں) ایسی تھیں ہی نہیں کہ ایمان لاتیں۔ یعنی ان میں ایمان لانے کی فطری صلاحیت ہی نہ تھی۔ اللہ کے اسم مضل (گمراہ کرنے والا) کا پرتو ان کا مبدء تعین تھا۔ اس لئے اللہ نے بھی ان کی مدد نہیں کی یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے ازلی علم میں وہ مومن نہ تھے اللہ (تخلیق سے پہلے ہی) جانتا تھا کہ وہ کافر مریں گے۔

كَذَٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِينَ ⑬ ہم مجرم لوگوں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔ یعنی پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں اور کفر پر جمے رہنے والوں کی سزا ان کو ہلاک کر دینا ہے جبکہ یہ امر یقینی ہو جائے کہ انکو مہلت دینے سے کوئی فائدہ نہ ہو گا پس ایسی ہی سزا ہم ہر مجرم کو یا تم کو دیں گے جرم کا تقاضا ہی یہ ہے جرم ہلاکت کا مستحق بنا دیتا ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِن بَعْدِهِمْ پھر ان کے ہلاک شدہ قوموں کے بعد ہم نے (اے اہل مکہ) تم کو ان کا جانشین بنایا۔

Marfat.com

لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾ تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو اچھے یا برے اور گزشتہ اقوام کے احوال سے عبرت اندوز ہو کر پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہو یا نہیں کرتے۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ اعمال و افعال بذات خود نہ اچھے ہوتے ہیں نہ برے افعال کی اچھائی برائی کیفیت وجہت کے اختلاف پر مبنی ہے۔ ایک ہی عمل مختلف وجوہ کے تحت اچھا بھی ہو جاتا ہے اور برا بھی حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دنیا میٹھی اور سرسبز ہے اللہ تم کو یہاں (گزشتہ اقوام کا) جانشین بنائے گا اور دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا اور جب ان کے سامنے ہماری آیات تلاوت کی جاتی ہیں۔ قتادہؒ کے قول پر مشرکین مکہ مراد ہیں مقاتل نے کہا پانچ آدمیوں کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا مکرز بن حفص۔ عمرو بن عبداللہ بن ابو قیس عامری عاص بن عامر بن ہشام۔ عبداللہ بن ابی مخزومی، ولید بن مغیرہ۔

بَيِّنٰتٍ کھلی ہوئی یعنی جو واضح طور پر بتا رہی ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔

قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا کہتے ہیں وہ لوگ جو ہماری پیشی سے نہیں ڈرتے یعنی حشر سے نہیں ڈرتے اور قیامت کا انکار کرتے ہیں۔

ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لاؤ یعنی اس کے سوا کوئی دوسری کتاب لاؤ جس کو ہم پڑھیں اور اس کے اندر ایسے امور نہ ہوں جو ہماری نظر میں بعید از صداقت ہیں جیسے مرنے کے بعد ثواب و عذاب ہونا بتوں کی پوجا کی ممانعت اور ان کے عیوب کا اظہار۔

اَوْ بَدِّلْهُ یا اسی کو بدل دو۔ یعنی ایک کی جگہ دوسری آیت رکھ دو۔ مقاتل کا بیان ہے مندرجہ بالا پانچوں آدمیوں نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا تھا اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو کوئی ایسا قرآن پیش کیجئے جو خدا کی طرف سے نازل شدہ ہو یا نہ ہو لات و منات اور عزیٰ کی برائی اور ان کی پوجا کی ممانعت اس میں نہ ہو اگر خدا کی طرف سے ایسا قرآن نہ آئے تو آپ خود اپنی طرف سے بنا دیجئے یا اسی کو بدل دیجئے آیت عذاب کی جگہ آیت رحمت اور حرام کی جگہ حلال اور حلال کی جگہ حرام ہونے کا حکم دے دیجئے۔

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ اپنی طرف سے اس کو بدل دینا میرے لئے درست نہیں۔ جواب میں صرف تبدیل آیت (یا تبدیل حکم) کا ذکر کیا (دوسرا قرآن پیش کرنے کا ذکر نہیں کیا) کیونکہ جب تبدیل آیت کا امکان نہیں تو دوسرا قرآن پیش کرنا بدرجہ اولیٰ ناممکن ہوگا۔ یا یوں کہا جائے کہ ایک آیت کی جگہ دوسری آیت پڑھ دینا تو انسانی اختیار میں ہے اور اس قرآن کی طرح دوسرا معجز قرآن پیش کرنا انسان قدرت سے ہی خارج ہے پس جب امکانی چیز سے انکار کا حکم دے دیا گیا تو خارج از قدرت کام سے انکار بدرجہ اولیٰ ہو گیا۔ یا یہ کہا جائے کہ ابدلہ میں تبدیل سے مراد عام تبدیل ہے۔ قرآن کی جگہ دوسرا قرآن لانا یا آیت کی جگہ دوسری آیت ذکر کرنا (یعنی کسی قسم کی تبدیلی میرے لئے درست نہیں)

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ میں تو بس اسی کا اتباع کرتا ہوں جو میرے پاس وحی سے آتا ہے یہ جملہ اختیار تبدیل نہ ہونے کی علت ہے جو محض متبع ہوتا ہے اس کو بذات خود کو تصرف اور خرد برد کرنے کا اختیار نہیں ہوتا۔

قرآن میں بعض آیات ناسخ اور بعض منسوخ ہیں (اس طرح تبدیل آیات ہو جاتی ہے) اس سے پیدا ہونے والے وہم کا بھی اس جملہ سے ازالہ ہو گیا۔ (کہ یہ تبدیلی بھی میری خود ساختہ نہیں بلکہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے کفار بعض آیات کی ناسخیت و منسوخیت کو دیکھ کر شبہ کر سکتے تھے کہ شاید یہ رسول اللہ ﷺ کا اپنا کلام ہے جب چاہا حکم دے دیا جب چاہا منسوخ کر دیا بین تلقاء نفسی کے لفظ سے اس کی بھی تردید ہو گئی۔ اپنی طرف سے تبدیل کرنے کو آئندہ آیت میں نافرمانی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔

Marfat.com

اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۵﴾ اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں گا تو مجھے بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے بڑے دن سے مراد ہے قیامت کا دن۔ اس آیت میں اس طرف اشارہ ہے کہ کافر مذکورہ بالا خواہش (یعنی تبدیل حکم و تغیر قرآن کی درخواست) کی وجہ سے مستحق عذاب ہو گئے۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کو کچھ اور منظور ہوتا یا یہ مطلب کہ اگر اللہ کو اس قرآن کی تلاوت کرانی منظور نہ ہوتی تو وہ مجھ پر اس کو نازل نہ فرماتا۔

مَا تَلَوْتُهٗ عَلَیْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ نہ میں تم کو پڑھ کر سناتا نہ اللہ اس سے تم کو میری زبانی واقف بناتا۔

فَقَدْ لَبِثْتُ فِیْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ میں تمہارے اندر ایک مدت یعنی چالیس سال سے نزول قرآن سے پہلے رہتا ہوں اور جب تک میرے پاس وحی نہیں آئی میں نے کچھ نہیں بیان کیا۔ اس جملہ سے قرآن کے معجزہ ہونے کی طرف اشارہ ہے جو شخص چالیس برس کچھ لوگوں کے ساتھ رہا ہو اور نہ تعلیم حاصل کی ہو نہ کسی عالم سے ملا نہ کبھی شعر کہا ہو نہ خطبہ دیا ہو، پھر اچانک وہ ایسی کتاب پیش کر دے جس کی فصاحت ہر کلام کی فصاحت سے اعلیٰ اور ہر نظم و نثر سے بالا ہو اور انکار و اعمال کے تمام ضابطے اس میں مذکور ہوں اور گزشتہ آئندہ کے واقعات صحیح صحیح بیان کئے گئے ہوں تو یقیناً ایسی کتاب کسی مخلوق کی ساختہ پرداختہ نہیں ہو سکتی اللہ کی طرف سے نازل کردہ ہی ہو گی۔

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾ کیا تم اپنی دانش و عقل سے قرآن پر غور نہیں کرتے کہ تم کو معلوم ہو جاتا کہ یہ کتاب میری ساختہ پرداختہ نہیں ہے بلکہ اللہ کی طرف سے ہے۔

## فائدہ

وحی سے پہلے چالیس سال کی عمر تک رسول اللہ ﷺ مکہ میں رہے پھر وحی نازل ہوئی تو نزول وحی کے بعد بھی تیرہ سال تک مکہ میں ہی قیام پذیر رہے، اس کے بعد مکہ کو چھوڑ کر مدینہ کو تشریف لے گئے اور دس سال تک وہاں سکونت پذیر رہے۔ وفات کے وقت حضور ﷺ کی عمر ۶۳ سال تھی۔ رواہ مسلم عن ابن عباس۔

محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ تمام علماء کا اس امر پر تو اتفاق ہے کہ ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ مدینہ میں دس سال قیام پذیر رہے۔ اور وحی سے پہلے چالیس سال مکہ میں رہے لیکن نبوت کے بعد مکہ میں کتنی مدت گذری یہ اختلافی مسئلہ ہے صحیح قول یہ ہے کہ نبوت کے تیرہ سال آپ نے مکہ میں گذارے۔

بغویؒ نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آغاز نبوت کے بعد دس سال حضور ﷺ مکہ میں رہے اور ساٹھ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔

ابن سعدؒ، نے حضرت انسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آغاز نبوت کے بعد دس سال حضور ﷺ مکہ میں رہے اور ساٹھ سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی۔

ابن سعدؒ عمر و بن شیبہؒ اور حاکمؒ نے اکلیل میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ اول روایت (یعنی ۶۳ سال کی عمر میں وفات ہونا اور نبوت کے بعد مکہ میں تیرا سال قیام پذیر رہنا) زیادہ مشہور بھی ہے اور واضح بھی مسلم نے حضرت انس کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی بھی یہی عمر ہوئی۔

ابو داؤد طیالسیؒ اور مسلم نے معاویہ بن ابی سفیان کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی وفات ۶۳ سال کی عمر میں ہوئی۔ شیخین نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات ۶۳ سال کی عمر

Marfat.com

میں ہوئی۔ نووی نے اسی کو صحیح مشہور اور علماء کا متفق علیہ قول قرار دیا ہے۔

احمد اور مسلم نے لکھا ہے کہ عمار بن ابی عمار نے بیان کیا میں نے حضرت ابن عباس سے دریافت کیا وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی کیا عمر تھی فرمایا کیا تم گنتی لگالو گے میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا چالیس جس میں بعثت ہوئی چند سال تک مکہ میں امن و خوف کی حالت میں قیام رکھا اور دس ہجرت کے بعد مدینہ میں گذارے۔

حاکمؒ نے اکلیل میں علی بن ابی زید کی وساطت سے یوسف بن مہران کی روایت بیان کی کہ حضرت ابن عباس نے فرمایا ۶۵ سال کی عمر میں وفات رسول اللہ ﷺ کی ہوئی۔ حاکمؒ نے اکلیل میں اور نووی نے لکھا ہے کہ علماء کے نزدیک بالا تفاق صحیح ترین روایت ۶۳ سال والی ہے باقی روایات کی تاویلیں کی گئی ہیں۔ ساٹھ سال والی روایت میں صرف دہائیاں ذکر کی گئی ہیں، اکائی نظر انداز کر دی گئی ہیں۔ ۶۵ والی روایت بھی قابل تاویل یا متروک ہے۔ عزکوہ نے حضرت ابن عباس کی ۶۵ والی روایت کا انکار کیا ہے اور اس کو غلط قرار دیا ہے۔ آغاز نبوت کا دور حضرت ابن عباس نے نہیں پایا۔ محمد بن یوسف صالحی کا بیان ہے کہ حضرت ابن عباس کا قول اکثر روایتوں میں ۶۳ کا آیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ پہلے حضرت ابن عباس کے قول میں ۶۵ سال کی عمر میں وفات پانے کا ذکر تھا پھر آپ نے اکثر کے قول کی طرف رجوع کر لیا (یعنی ۶۳ سال کی عمر میں وفات پانا تسلیم کر لیا۔)

قاضی عیاض نے حضرت ابن عباس اور سعید بن مسیب کے حوالہ سے ۴۳ سال کی عمر میں بعثت ہونے کا ذکر کیا ہے مگر یہ روایت شاذ ہے صحیح ۴۰ سال کی عمر ہے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا پس اس سے بڑا کون ہے جس نے اللہ پر جھوٹی تہمت تراشی کی اور خیال کیا کہ اللہ کا کوئی ساجھی یا اولاد ہے۔

اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ یا اللہ کی آیتوں کو سچا نہ جانا اور ان (کی صداقت) کا انکار کر دیا۔

اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾ کوئی شبہ نہیں کہ مجرموں یعنی مشرکوں کو فلاح یعنی نجات نہیں ملے گی۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ اور مکہ کے کافر اللہ کے سوا ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں کہ اگر ان کو پوجا نہ کریں تو وہ ان پجاریوں کو نقصان نہیں دے سکتیں اور اگر ان کی پوجا کریں تو پجاریوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔ یعنی بتوں کی پوجا کرتے ہیں جو بالکل بے جان ہیں، نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان اور معبود میں نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت ہونی چاہئے تاکہ پوجا کرنے والے کو پوجا کا ثواب دے سکے فائدہ پہنچا سکے یا ضرر کو دفع کر سکے۔

وَيَقُوْلُوْنَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ اور کہتے ہیں کہ اللہ کے یہاں یہ (معبود) ہمارے سفارشی ہیں۔ دنیوی امور میں بھی ہماری سفارش کرتے ہیں اور اگر قیامت ہوئی تو وہاں بھی یہ شفاعت کریں گے۔

قُلْ اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ کیا تم اللہ کو ایسی بات کی اطلاع دے رہے ہو جس کو وہ نہیں جانتا اور آسمان و زمین میں کہیں اس کا وجود نہیں۔ یعنی اللہ کا شریک قرار دے رہے ہو اور بتا رہے ہو کہ اللہ کے علاوہ بھی دوسرے معبود ہیں اس آیت میں کافروں کو زجر بھی ہے اور استہزاء بھی (کہ آپ بڑے عالم ہیں جو چیز خدا کو بھی معلوم نہیں اس کی اطلاع آپ دے رہے ہیں) فی السموت و الارض کے الفاظ سے اسی طرف اشارہ ہے کہ جس کو یہ لوگ اللہ کا شریک قرار دے رہے ہیں وہ آسمانی موجودات میں سے ہوگا مثلاً "فرشتہ ہوگا یا زمین کی موجودات میں سے مثلاً" پتھر وغیرہ اور کائنات سماوی و ارضی سب کی سب حادث ہے مغلوب ہے اس کو شریک الوہیت قرار دینا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۱۸﴾ وہ پاک ہے اور ان کے شرک کرنے یا شرکوں سے برتر ہے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً اور نہیں تھے لوگ مگر ایک گروہ یعنی سب موحد تھے فطرت پر تھے یا سب اسلام پر تھے مطلب یہ کہ آدمؑ کے زمانہ سے نوحؑ کی بعثت سے کچھ پہلے تک یا طوفان کے بعد یا ابراہیمؑ کے عہد سے

Marfat.com

عمرو لحی کے زمانہ تک سب لوگ توحید پر تھے۔

یا ایک امت سے مراد ہے گمراہی پر سب کا اتفاق مطلب یہ کہ زمانہ فترہ (انقطاع رسالت) میں سب لوگ گمراہ تھے۔

فَاخْتَلَفُوْا ط پس ان میں (نفس پرستی اور خواہشات کی پیروی کی وجہ سے) اختلاف ہو گیا (ان میں فرقے بن گئے) یا پیغمبروں کی بعثت کی وجہ سے گمراہ جماعت میں پھوٹ پڑ گئی ایک گروہ پیغمبروں کا متبع اور دوسرا گروہ پیغمبروں کی تکذیب کرنے والا۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝۱۹

اور اگر ایک بات نہ ہوتی جو آپ کے رب کی طرف سے پہلے ٹھہر چکی ہے تو جس چیز میں یہ اختلاف کر رہے ہیں اس کا قطعی فیصلہ (دنیا میں ہی) ہو چکا تھا۔ کلمہ سابقہ سے مراد ہے اللہ کا وہ ازلی فیصلہ کہ ہر امت کی ایک میعاد زندگی مقرر ہے۔ کلبی نے کہا کلمہ سابق سے یہ مراد ہے کہ اللہ نے اس امت کو ڈھیل دینے اور دنیوی عذاب سے ہلاک نہ کرنے کا وعدہ فرما لیا ہے۔ لقضی بینھم یعنی دنیا میں عذاب نازل کر دیا جاتا اور تکذیب کرنے والوں کو فوراً ہلاک کر دیا جاتا ہے یہی ان کے اختلاف کا فیصلہ ہو جاتا ہے۔ حسن نے کہا اللہ کا ازلی فیصلہ ہو چکا تھا کہ قیامت سے پہلے دنیا میں عذاب و ثواب کی شکل میں ان کے اختلاف کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا کہ دنیا میں ہی جنت یا دوزخ میں داخل کر دیا جائے بلکہ اللہ کی طرف سے جنت و دوزخ میں داخلہ کا وقت روز قیامت کو مقرر کر دیا گیا ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ج اور (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ اس پر (ہماری مطلوبہ آیات میں سے) کوئی آیت کیوں نازل نہیں کی گئی۔

فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ تو آپ کہہ دیجئے کہ غیب کا علم تو بس اللہ ہی کو ہے، وہی جانتا ہے کہ مطلوبہ آیات کا نزول کیوں نہ ہوا۔ مانع کیا ہے۔ یا الغیب سے مراد ہے مَاغَابَ عَنِ النَّاسِ یعنی اللہ کا امر جو لوگوں کو معلوم نہیں اس کا علم اللہ ہی کو ہے۔

فَانْتَظِرُوْٓا پس تم منتظر رہو یعنی مطلوبہ آیات کے نزول کا انتظار کرو یا ہمارے تمہارے درمیان اللہ کے فیصلہ کا انتظار کرو کہ ہم میں سے کون حق پر ہے اور کون باطل پر۔

اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝۲۰ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں اور دیکھ رہا ہوں کہ نازل شدہ آیات کے انکار اور نئی مطلوبہ آیات کی خواہش پر اللہ تمہارے ساتھ کیا کرتا ہے۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ جب لوگوں کو کوئی دکھ پہنچتا ہے اور پھر ہم انکو رحمت کا مزہ چکھا دیتے ہیں۔ رحمت سے مراد ہے سرسبزی، ارزانی، فراخدستی صحت، اور ضراء سے مراد ہے خشک سالی بدحالی افلاس اور بیماری۔

اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ط تو فوراً ہماری آیتوں کے بارے میں شرارت کرنے لگتے ہیں۔ مجاہد نے کہا مکر سے مراد ہے تکذیب و استہزاء۔ میں کہتا ہوں مکر کا معنی ہے پوشیدہ طور پر کسی کو برائی پہنچانے کا ارادہ کرنا۔ آیات کی تکذیب بظاہر رسول اللہ ﷺ کی تکذیب اور آپ کو برائی پہنچانے کے ارادہ کا مظاہرہ تھا۔ اللہ کی تکذیب نہ تھی لیکن آیات اللہ حقیقت میں اللہ کا کلام تھا اس لئے در پردہ تکذیب اور ارادہ شر کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہوتا ہے اور یہی مکر کی حقیقت ہے۔

مقاتل بن حیان نے کہا (اللہ ان کو رزق دیتا تھا بارش برساتا تھا اور) وہ اللہ کے رازق ہونے کے قائل نہ تھے بلکہ کہتے تھے نچھتر کی وجہ سے بارش ہوئی ہے تکذیب آیات کی انکی طرف سے یہ حیلہ سازی تھی اسی کو مکر کہا گیا ہے یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ ایک بار اہل مکہ قحط میں مبتلا ہوئے۔ پھر اللہ نے ان پر رحمت کی اور قحط کو دور کر دیا۔ قحط دور ہوتے ہی وہ ناشکری اور استہزاء آیات اللہ کرنے لگے۔ اللہ کی نعمت کے شکر گذار نہ ہوئے بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ کافروں کی بے رخی اور روگردانی دیکھ کر رسول اللہ نے بددعا کی اور فرمایا اے اللہ! یوسف ؑ کے سات سالوں کی طرح ان کو ہفت سالہ قحط میں مبتلا کر کے میری مدد



Marfat.com

فرمایا بددعا کے نتیجہ میں اہل مکہ پر قحط مسلط ہو گیا کہ ہر چیز (یعنی کھیتی سبزی پھل وغیرہ) تباہ ہو گئی کھالیں اور مردار جانور تک کھانے کی نوبت آ گئی۔ ابوسفیان نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ محمد تمہاری قوم والے ہلاک ہو گئے تم اللہ کی اطاعت اور صلہ الرحم (قرابتداروں سے حسن سلوک) کا ہم کو حکم دیتے ہو اللہ سے ان کے لئے دعا کرو کہ خدا ان کی مصیبت کو دور کر دے رسول اللہ ﷺ نے دعا فرمادی۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ قحط میں مبتلا ہونے کے بعد مشرکوں نے کہا تھا اے ہمارے رب ہم سے اس عذاب کو دور کر دے ہم ایمان لے آئیں گے رسول اللہ ﷺ کو (اللہ کی طرف سے) اطلاع دی گئی کہ اگر یہ مصیبت دور کر دی گئی تو یہ لوگ پھر اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے (کفر کرنے لگیں گے)

غرض رسول اللہ ﷺ نے دعا کر دی اور اللہ نے مصیبت دور کر دی مگر وہ پھر (شرک و تکذیب کی طرف) لوٹ گئے۔ اس کی سزا اللہ نے ان کو بدر کے دن دی (کہ سردار ان شرک کو تباہ کر دیا)

قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ آپ کہہ دیجئے کہ خفیہ تدبیر کرنے میں اللہ تم سے تیز ہے اس کی خفیہ تدبیر یا تو ڈھیل ہے۔ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے اللہ جس کی دنیا فراخ کر دے اور وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ اللہ کی طرف سے ڈھیل ہے تو اس کی عقل فریب خوردہ ہے میں کہتا ہوں حضرت کی مراد یہ ہے کہ وسعت دنیا حاصل ہونے کے بعد جو شخص اللہ کی ڈھیل کو نہ سمجھے اور شکر ادا نہ کرے وہ فریب خوردہ ہے۔

یا مکر سے مراد ہے مکر کی سزا۔ یعنی لوگ تو خفیہ تدبیریں بعد کو کرتے ہیں اللہ انکی سازشوں سے پہلے ہی ان کی سزا کی خفیہ تدبیر یا (خفیہ) ڈھیل دینے کو تجویز کر چکا ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے سرعت مکر کا یہ معنی بیان کیا ہے کہ حق کو دفع کرنے کی جو تدبیریں کافر کرتے ہیں ان سے زیادہ سرعت کے ساتھ اللہ ان کو ہلاک کر دینے کی تدبیر کر دیتا ہے۔ اللہ ان پر بہت جلد عذاب نازل فرما دیتا ہے۔ اللہ چونکہ قدرت رکھتا ہے اس لئے وہ جو کچھ چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے اور کافر دفع حق کی قدرت نہیں رکھتے۔

اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾ جو مکاریاں تم کرتے ہو ہمارے پیامبر (یعنی اعمال کی نگرانی رکھنے والے فرشتے) اس کو لکھ لیتے ہیں مطلب یہ کہ تمہاری خفیہ تدبیریں نگرانی رکھنے والے ملائکہ سے بھی پوشیدہ نہیں رہ سکتیں ہیں اللہ سے کس طرح چھپی رہ سکتی ہیں جو سارے جہان کا خالق ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ؕ اللہ وہی ہے جو خشکی اور سمندر میں تم کو چلاتا ہے یعنی تم کو سفر پر آمادہ کرتا ہے اور چلنے کی طاقت دیتا ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا كُنْتُمْ فِي الْفُلْكِ ۚ یہاں تک کہ جب تم کشتیوں (اور جہازوں) میں ہوتے ہو۔ فلک کا استعمال ایک کے لئے بھی ہوتا ہے اور ایک سے زیادہ کے لئے بھی (گویا یہ لفظ واحد بھی ہے اور جمع بھی) اس آیت میں جمع کا معنی مراد ہے کیونکہ آئندہ فقرہ میں جمع کی ضمیر اس لفظ کی طرف راجع کی گئی ہے۔

وَجَرَيْنَ بِهِمْ اور کشتیاں (یا جہاز) اپنی سواریوں کو لے کر چلتے ہیں کن تم میں خطاب ہے اور بہم میں ضمیر غائب ہے عبارت کی یہ رنگینی کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے اختیار کی گئی ہم کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ تذکرہ مخاطبین کا نہیں۔ دوسرے لوگوں کا ہے جن کی حالت تعجب انگیز ہے۔

بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ نرم رفتار منزل تک پہنچانے والی ہوا کے ساتھ۔

وَّفَرِحُوْا بِهَا اور خوش رفتار ہوا کی وجہ سے وہ خوش ہوتے ہیں۔

جَآءَتْهَا رِيْحٌ عَاصِفٌ تو (کشتیوں پر) آجاتی ہے آندھی یعنی سخت طوفان۔

وَجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ اور ہر جگہ (یا ہر طرف) سے ان پر (طوفانی) موجیں آجاتی ہیں۔

وَّظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ اور ان کا غالب گمان ہو جاتا ہے کہ ہر طرف سے وہ موجوں اور تباہیوں سے گھر گئے، بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں رہا مستقبل میں ہلاک ہو جانے کے قرائن ہوتے ہیں اور قرائن سے غالب گمان ہی ہو سکتا ہے یقین نہیں پیدا ہوتا اس لئے ظنوا فرمایا۔

Marfat.com

دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ اس وقت سب خالص اعتقاد کے ساتھ اللہ ہی کو پکارتے ہیں
یعنی خلوص دل کے ساتھ اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ سوائے اللہ کے اور کسی کو نہیں پکارتے۔ عرب کے مشرک بھی سخت مصیبت پڑنے پر اللہ ہی کو پکارتے تھے۔

لَئِنْ اَنْجَيْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ اگر تو ہم کو اس طوفان سے بچا لے گا تو ہم شکر کرنے والوں میں سے ہوں گے یعنی وہ کہتے ہیں اگر تو ہم کو یہ مطلب ہے کہ وہ پکارتے ہیں کہ اگر تو ہم کو اس

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ پھر جب اللہ ان کو اس مہلکہ سے بچا لیتا ہے تو فوراً ہی وہ اطراف زمین میں ناحق کی سرکشی کرنے لگتے ہیں۔ یعنی اللہ جب ان کی دعا قبول کر لیتا ہے اور طوفان سے رہائی دے دیتا ہے تو یکدم وہ حدود فساد میں داخل ہو جاتے ہیں اذا مفاجات کے لئے ہے اور بغی سے مراد ہے اباحت کی حدود سے نکل کر فساد کی طرف۔ بغیر الحق کے لفظ سے بغون کے مفہوم کی تاکید ہو رہی ہے کیونکہ فساد تو ہوتا ہی ناحق ہے۔

شبہ ہو سکتا تھا کہ مسلمان بھی کافروں کی بستیوں کو تباہ کرتے ان کی کھیتیوں کو اجاڑتے اور باغوں کو ویران کرتے ہیں۔ یہ بھی تو فساد ہے اس شبہ کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ (فساد نما) حرکات جو مسلمانوں سے سرزد ہوتی ہیں تخریب کے لئے نہیں ہیں بلکہ ان کی غرض تعمیر اور اصلاح ہوتی ہے اللہ کے حکم سے کیا جاتا ہے حدود اباحت سے تجاویز نہیں کیا جاتا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ ۙ اے لوگو! (سن لو) یہ تمہاری سرکشی تمہارے لئے
وبال (جان) ہونے والی ہے ظلم کا برا نتیجہ تمہاری طرف لوٹتا ہے۔ ترمذی و ابن ماجہ نے حسن سند کے ساتھ حضرت عائشہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حسن سلوک اور اقرار پروری کا اچھا نتیجہ ہر بھلائی سے جلد مل جاتا ہے اور ظلم و قطع رحم کا برا نتیجہ ہر برائی کے نتیجے سے پہلے آجاتا ہے ابو الشیخ خطیب اور ابن مردویہ نے تفسیر میں حضرت انس کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ تین چیزیں اپنے کرنے والے پر ہی لوٹ پڑتی ہے، ظلم، فریب، دغا۔

ابن لالی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر پہاڑ پہاڑ پر ظلم کرے تو ظلم کرنے والا پہاڑ پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے گا۔

مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ زندگی میں چندے اس سے حظ اٹھا رہے ہو یعنی عارضی اور فنا پذیر ہے متاع الحیوۃ
فعل محذوف کا مفعول ہے یا بغی کا۔

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ پھر (مرنے کے بعد یا قیامت کے دن) تمہاری واپسی ہماری ہی طرف ہوگی۔

فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ پھر تمہارے اعمال کا بدلہ دے کر ہم تم کو آگاہ کر دیں گے (کہ یہ
بدلہ فلاں عمل کا ہے)

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیوی زندگی کی عجیب حالت۔ یعنی دنیوی زندگی بہت جلد زوال پذیر ہے
اس کے باوجود لوگ اس پر شیفتہ ہیں یہ عجیب بات ہے۔

كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ ایسی ہے جیسے ہم آسمان سے پانی برساتے ہیں۔

فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَالْاَنْعَامُ ۗ پھر اس پانی سے زمین کے
نباتات جن کو آدمی اور چوپائے کھاتے ہیں خوب گنجان ہو کر نکلے اختلط گتھ جاتا ہے گھنا ہو جاتا ہے مما یاکل الناس یعنی انسانوں کی خوراک غلہ پھل سبزیاں والانعام اور چوپایوں کی خوراک یعنی گھاس، چارہ۔

حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَازَّيَّنَتْ یہاں تک کہ وہ زمین اپنی رونق کا پورا حصہ
لے چکی اور اس کی خوب زیبائش ہو گئی زخرف حسن رونق رنگارنگ پھولوں اور سبزیوں سے پیدا ہونے والا اجمال ارضی۔

وَظَنَّ اَهْلُهَآ اَنَّهُمْ قٰدِرُوْنَ عَلَيْهَآ ۙ اور اس زمین کے مالکوں نے خیال کر لیا کہ اب ہم اس پر

Marfat.com

بالکل قابض ہو چکے۔ یعنی زمین کے مالک کو یہ خیال ہو جاتا ہے کہ اب زمین کی پیداوار میرے قبضہ میں آگئی۔ میں کھیتی کاٹ کر غلہ حاصل کر سکتا ہوں اور پھل توڑ کر فائدہ اٹھا سکتا ہوں۔

اَتٰهَآ اَمْرُنَا لَيْلًا اَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنٰهَا حَصِيْدًا (اچانک بعض حوادث کی وجہ سے کھیتی کو تباہ کرنے کے لئے) رات کو یا دن کو ہمارا حکم آپہنچتا ہے اور ہم اس کو کٹے ہوئے کھیت کی طرح کر دیتے ہیں یعنی کھڑی کھیتی کو ہم ایسا کر دیتے ہیں جیسے کھیت کو کسی نے جڑ سے کاٹ لیا ہو۔

كَاَنْ لَّمْ تَغْنَ بِالْاَمْسِ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہاں کل کھیتی تھی ہی نہیں لم تغن غنی بالمکان سے ماخوذ ہے غنی بالمکان اس جگہ ٹھیرا۔ قیام کیا رہا بالامس یعنی اسوقت سے تھوڑے پہلے، مراد ہے ماضی قریب۔

یہ تشبیہ مرکب بمرکب ہے اگرچہ عبارت میں مشبہ بہ پانی کو قرار دیا گیا ہے لیکن واقعہ کے پورے مضمون کے ساتھ تشبیہ دینی مقصود ہے پورے کلام کا مضمون یہ ہے کہ کھیتی سرسبز اور باغ کے پھل تر و تازہ ہوتے ہیں زمین شاداب اور پر رونق ہوتی ہے مالکوں کو خیال ہو جاتا ہے کہ اب یہ پیداوار اور کھیتی ہر حادثہ سے نکل گئی۔ اب اس پر کوئی مصیبت نہیں آئے گی کہ یکدم اللہ کا حکم آپہنچتا ہے (مختلف ارضی و سماوی حوادث کی وجہ سے) اللہ بھرے پرے باغوں اور سرسبز لہلہاتی کھیتوں کو تباہ کر کے ریزہ ریزہ اور بھوسہ بنا دیتا ہے یہی حالت دنیوی زندگی کی ہے قادہ نے کہا دنیا پر بھروسہ رکھنے والے اور سامان دنیا میں ڈوبے ہوئے شخص پر یکدم اللہ کا حکم اور اس کا عذاب انتہائی غفلت کی حالت میں آپہنچتا ہے (گویا اس تشبیہ کی وجہ شبہ بے فکری اور غفلت کی حالت میں عذاب خداوندی کا آپہنچنا ہے)

كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۲۴ ہم اسی طرح آیات کو صاف صاف بیان کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے جو سوچتے ہیں۔

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِ ۭ اور اللہ (سب لوگوں کو) ایسے گھر کی طرف بلا رہا ہے جو ہر قسم کی تباہی اور ہلاکت سے سالم ہے یعنی جنت کی طرف قتادہ نے کہا جنت اللہ کا گھر ہے السلام اللہ کا نام ہے (یعنی آیت میں السلام سے مراد سلامتی نہیں ہے بلکہ اللہ کا خاص نام مراد ہے اور یہ صیغہ پر صفت ہے مصدر مراد نہیں ہے) لفظ سلام کا ذکر اسی مفہوم پر تنبیہ کرنے کے لئے کیا گیا حضرت جابر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سو رہے تھے کچھ فرشتے آئے اور آپس میں کہنے لگے تمہارے اس ساتھی کی ایک خاص حالت ہے مثال دے کر اس کی حالت بیان کرو کسی فرشتے نے کہا، یہ سو رہا ہے دوسرے نے کہا اس کی آنکھ سو رہی ہے دل بیدار ہے پھر فرشتوں نے کہا اس کی حالت ایسی ہے جیسے کسی شخص نے کوئی مکان بنایا اور (مہمانوں کو کھلانے کے لئے) دستر خوان بچھایا اور لوگوں کو بلانے کے لئے ایک آدمی کو بھیجا جن لوگوں نے دعوت قبول کر لی وہ اس گھر میں آگئے اور دستر خوان پر کچھ کھا لیا اور جس نے دعوت قبول نہیں کی وہ گھر کے اندر نہیں آیا اور نہ دستر خوان سے کچھ کھایا (دوسرے) فرشتوں نے کہا اس مثال کی تشریح کرو تاکہ یہ شخص سمجھ جائے ایک فرشتے نے کہا یہ تو سو رہا ہے دوسرے نے کہا اس کی آنکھ سو رہی ہے دل تو بیدار ہے فرشتوں نے کہا اس کی تشریح یہ ہے کہ مکان جنت ہے اور لوگوں کو بلانے والا محمد ﷺ ہے جس نے محمد ﷺ کا کہا مانا اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی لوگوں کے مختلف فرقے ہیں۔ رواہ البخاری۔

دارمی نے حضرت ربیعہ جرشی کی روایت سے بھی یہ حدیث نقل کی ہے لیکن اس روایت کے یہ الفاظ ہیں مجھ سے کہا گیا (قوم کے) سردار نے ایک مکان بنایا اور دستر خوان تیار کیا اور ایک آدمی کو (عام لوگوں کو کھانے کے لئے) بلانے کے لئے بھیجا پس جس شخص نے (دعوت قبول کر لی وہ گھر کے اندر آگیا اور دستر خوان پر اس نے (کھانا) کھا لیا اور (میزبان) سردار اس سے خوش ہو گیا اور جس نے دعوت قبول نہیں کی وہ گھر کے اندر نہیں آیا اس نے دستر خوان سے کچھ نہیں کھایا اور سردار اس سے ناخوش ہو گیا فرمایا پس اللہ سردار ہے اور محمد ﷺ بلانے والا ہے اور مکان اسلام ہے اور دستر خوان جنت ہے۔

Marfat.com

بعض علماء کے نزدیک (آیت میں) سلام سے مراد یہی عرفی اسلامی سلام ہے اہل جنت جنت کے اندر باہم سلام علیک کریں گے اسی لئے جنت کو دار السلام کہا گیا اور فرشتے بھی جنت میں سلام کریں گے و الملائکہ یدخلون علیھم من کل باب سلم علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار

وَيَهْدِي مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾ اور وہ جس کو چاہتا ہے سیدھی راہ بتا دیتا ہے

سیدھی راہ سے مراد ہے دین اسلام طریقہ سنت اور اللہ تک پہنچنے کا راستہ دعوت عمومی ہے (جنت کی طرف اللہ سب لوگوں کو بلا رہا ہے) اور ہدایت یابی مشیت خداوندی پر موقوف ہے اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ امر اور ارادہ میں فرق ہے (امر تمام لوگوں کو ہے اور ہدایت یابی کا ارادہ صرف مومن سے تعلق رکھتا ہے اللہ (ازلی) کافر کو ہدایت کرنا نہیں چاہتا (اگرچہ ہدایت قبول کرنے کا حکم کافر کو بھی دیا ہے۔ امر الٰہی سے تخلف تو ممکن بلکہ واقع ہے بیشتر انسان اللہ کے حکم کے خلاف چلتے ہیں مگر اللہ کے ارادے کی خلاف ورزی کوئی نہیں کر سکتا کفر بھی ایمان کی طرح اللہ کے ارادہ سے ہوتا ہے مگر امر کے خلاف ہوتا ہے شاعر کا یہی قول ہے فرقہ معتزلہ امر اور ارادہ میں فرق نہیں کرتا ان لوگوں کے نزدیک کفر اور ہر قسم کا گناہ اللہ کے ارادہ سے نہیں ہوتا۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ جن لوگوں نے (دنیا میں) نیک عمل کئے ان کے لئے

آخرت میں اچھا ثواب ہوگا اور مزید انعام بھی۔ رسول اللہ ﷺ نے احسان کی تشریح میں فرمایا احسان (عبادت کا حسن) یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا (عبادت کے وقت) تم اس کو دیکھ رہے ہو اگر تمہارا معائنہ نہ ہو (اور یہ درجہ میسر نہ ہو تو کم سے کم اتنا یقین رکھو کہ) وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ صحیحین من حدیث عمر بن الخطاب الحسنی سے مراد ہے اچھا ثواب یعنی جنت ابن مردویہ نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا للذین احسنو (یعنی) لا الہ الا اللہ کی شہادت دی الحسنی (یعنی) جنت وزیادہ (یعنی) اللہ کی طرف دیکھنا۔

ابن جریر اور ابن مردویہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد یہی نقل کیا ہے حضور ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ ایک منادی مقرر فرمائے گا جو اتنی آواز سے ندا کرے گا کہ اگلے پچھلے سب سن لیں گے اے اہل جنت اللہ نے تم سے اچھے ثواب کا وعدہ کیا تھا اور زیارت کا بھی اچھا ثواب جنت ہے اور مزید (انعام) رحمٰن کا دیدار حاصل ہونا۔

ابن جریر، ابن مردویہ، لالکائی اور ابن ابی حاتم نے مختلف سندوں سے حضرت ابی بن کعب کی مرفوع حدیث ایسی ہی نقل کی ہے۔ ابن مردویہ، ابو الشیخ اور لالکائی نے حضرت انس کی مرفوع حدیث نیز ابو الشیخ نے حضرت ابو ہریرہ کی مرفوع روایت بھی اسی مضمون کی بیان کی ہے۔

ابن جریر، ابن مردویہ، ابن المنذر اور ابو الشیخ نے اپنی اپنی تفسیروں میں لالکائی نے نیز اجری نے کتاب الرویۃ میں حضرت ابو بکر صدیق کا قول نقل کیا ہے۔ ابن جریر، ابن المنذر، ابو الشیخ، لالکائی اور اجری نے حضرت حذیفہ بن یمان کا قول اس آیت کے ذیل میں یہی بیان کیا ہے۔

ہناد، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ اور لالکائی نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کا قول بھی یہی نقل کیا ہے ابن مردویہ نے عکرمہ کے طریق سے حضرت ابن عباس کا قول بھی اسی طرح بیان کیا ہے کہ ابن ابی حاتم اور لالکائی نے بطریق سدی از ابو مالک از ابو صالح حضرت ابن عباس کا قول اور عکومہ کے حوالہ سے حضرت ابن مسعود کا قول بھی یہی لکھا ہے لالکائی نے یہی تفسیری قول اپنی اسنادوں سے سعید بن مسیب حسن بصری عبد الرحمٰن ابی لیلی عامر بن سعید بجلی، ابن ابی اسحاق سبیعی، عبد الرحمٰن بن سابط، عکرمہ اور قتادہ کی طرف منسوب کیا ہے۔

قرطبی نے کتاب الرویۃ میں لکھا ہے یہ تفسیر صحابہ اور تابعین میں مستفیض اور مشہور تھی اور ایسی اجماعی تفسیر رسول اللہ ﷺ سے سنے بغیر نہیں کی جا سکتی۔

مسلم اور ابن ماجہ نے حضرت صہیب کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اہل جنت جنت میں داخل

Marfat.com

ہو چکیں گے تو اللہ ان سے فرمائے گا کیا تم اس سے زیادہ کچھ اور چاہتے ہو جنتی عرض کریں گے کیا تو نے ہمارے چہرے روشن نہیں کر دیئے کیا تو نے ہم کو جنت میں داخل نہیں کر دیا کیا تو نے ہم کو دوزخ سے نہیں بچا لیا۔ (اس سے زیادہ ہم اور کس چیز کی خواہش کر سکتے ہیں) اللہ فوراً (اپنے چہرہ سے) پردہ اٹھا لے گا اہل جنت اللہ کی طرف دیکھیں گے پس اس وقت تک جو کچھ ان کو دیا گیا ہوگا سب سے زیادہ محبوب ان کو اللہ کی طرف دیکھنا ہوگا (یعنی اللہ کے دیدار کے مقابلہ کی جنت کی ساری نعمتیں ہیچ ہو جائیں گی) قرطبی نے لکھا ہے پردہ کھول دینے سے یہ مراد ہے کہ اللہ کے دیدار سے تمام رکاوٹیں دور کر دی جائیں گی اور جنتی اپنی آنکھوں سے نور عظمت و جلال کو اسی طرح دیکھیں گے جس طرح وہ ہے گویا پردہ مخلوق کیلئے پردہ ہے (مخلوق اس کو اب یہاں نہیں دیکھ سکتی اس کی آنکھوں کیلئے پردہ ہے) خالق کے لئے پردہ نہیں ہے (وہ مخفی نہیں ہے بلکہ مخلوق کی آنکھوں پر حجاب ہے۔)

وَلَا يَرْهَقُ وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ وَلَا ذِلَّةٌ ۚ اور ان کے چہروں پر نہ غم کی کدورت چھائے گی نہ ذلت۔

ابن ابی حاتم وغیرہ نے حضرت ابن عباس و حضرت ابن مسعود کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ قتر اس غبار کو کہتے ہیں جس میں سیاہی ہو ذلت کا معنی ہے حقارت دوزخیوں کی طرح اہل جنت کے چہروں پر نہ غبار کی سیاہی چھائی ہوئی ہوگی نہ ذلت۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٦﴾ یہ ہی اہل جنت ہوں گے جس کے اندر ہمیشہ رہیں گے جنت کی نعمتوں کا زوال نہ ہوگا نہ وہ کبھی فنا ہوں گی۔

وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ۖ اور جن لوگوں نے برے کام کئے ان کو بدی کی سزا بدی کے برابر ملے گی اور ان پر ذلت چھائے گی الذین کسبوا کا عطف الذین احسنو پر ہے یا یہ مبتدا ہے اور جزاء سیئۃ خبر ہے یا کانما اغشیت خبر ہے یا اولئک اصحب النار خبر ہے ترھقھم یعنی ان کو ڈھانک لے گی۔

مَا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ ۖ ان کو اللہ کے غضب سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا من عاصم میں من زائد ہے یا اللہ کی طرف سے کوئی بھی ان کو عذاب سے بچانے والا نہ ہوگا۔

كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطَعًا مِنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا ۚ ایسا معلوم ہوگا کہ گویا ان کے چہروں پر اندھیری رات کے پرت پرت لپیٹ دیئے گئے ہیں۔ قطع جمع ہے اس کا واحد قطعہ ہے من اللیل قطعا کا بیان ہے مظلما الیل سے حال ہے۔

أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٧﴾ یہ ہی لوگ دوزخی ہیں وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

شبہ فرقۂ معتزلہ قائل ہے کہ مرتکب کبائر ہمیشہ دوزخ میں رہے گا (یعنی گناہ کبیرہ کرنے والا مومن نہیں رہتا) اس آیت سے معتزلہ نے استدلال کیا ہے۔

جواب السیات (بدیاں برے اعمال) کا لفظ صغیرہ گناہوں کو بھی ہے اور کبیرہ کو بھی اور کفر کو بھی شامل ہے اب اگر اس لفظ کا عمومی معنی مراد لیا جائے تو صغیرہ گناہ کے مرتکب کو بھی دوامی دوزخی کہنا پڑے گا اور اس کا کوئی قائل نہیں۔ جزا سیئۃ بمثلھا بھی اس قول کے خلاف شہادت دے رہا ہے کیونکہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ سزا کے درجات مختلف ہیں کبیرہ گناہ کی سزا صغیرہ سے زیادہ اور کفر سے کم ہے۔ لا محالہ اولئک کا اشارہ الذین کسبوا السیات کی طرف نہیں ہو سکتا بلکہ مرتکبین سیات کے بعض کی طرف ہوگا یعنی صرف کفار کی طرف ہوگا جیسا والمطلقات یتربصن بانفسھن کے بعد وبعولتھن احق بردھن آیا ہے اور ہن کا مرجع عام مطلقات نہیں ہیں (بلکہ وہ عورتیں ہیں جن کو رجعی طلاق دی گئی ہو)

یہ بھی ممکن ہے کہ الذین کسبوا السیات سے مراد کفار ہوں کیونکہ ان کے مقابل الذین احسنو کو ذکر کیا گیا ہے اور چونکہ ایمان تمام نیکیوں کی چوٹی ہے اس لئے کبیرہ گناہ کرنے والے مومن بھی الذین احسنو میں داخل ہیں اور جب مرتکبین کبائر کو الذین احسنو شامل ہے تو لا محالہ الذین کسبوا السیات سے مراد کفار ہی ہوں گے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الذین کسبو السیات سے وہ بدکار مراد ہوں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے

Marfat.com

کیونکہ مومن جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں تھے وہ سب صحابی تھے اور صحابہ کا عدول (غیر فاسق) ہونا بالاجماع ثابت ہے اگر کسی صحابی سے کسی گناہ کا صدور ہو بھی جاتا تھا تو وہ فوراً توبہ کر لیتا تھا جس کی وجہ سے گناہ معاف ہو جاتا تھا گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ بدکار گناہ گار اس زمانہ میں صرف کافر تھے اور الذین کسبوا سے مراد وہی لوگ ہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا اور وہ دن بھی یاد کرو جب ہم اس سب کو جمع کریں گے یعنی دونوں فریقوں کو۔

ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ پھر ہم مشرکوں سے کہیں گے تم اور جن کو تم شریک بناتے تھے (سب) اپنی جگہ ٹھیرو۔ تاکہ جو عمل ہم تمہارے ساتھ کرتے ہیں اس کو دیکھ شرکاء سے مراد بت ہیں۔

فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ پھر ہم ان (کافروں اور ان کے معبودوں) کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے یعنی انکے دنیوی رشتے اور تعلقات ہم کاٹ دیں گے یہاں تک کہ باطل معبود اپنے پجاریوں سے بیزاری کا اظہار کریں گے یا یہ مطلب ہے کہ ہم مومنوں سے ان کو الگ کر دیں گے دوسری آیت میں یہ بھی مضمون آیا ہے فرمایا ہے واستازوا الیوم ایھا المجرمون۔

وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾ اور ان سے ان کے شرکاء یعنی بت کہیں گے تم ہماری پوجا نہیں کرتے تھے مطلب یہ کہ اپنی پوجا کرنے کا ہم نے ان کو حکم نہیں دیا تھا (انہوں نے خواہ مخواہ از خود (ہم کو معبود بنایا تھا) اللہ بتوں کو گویا بنا دیں گے وہ بجائے شفاعت کرنے کے رودر رو کافروں سے بیزاری کا اظہار کریں گے یہ بھی کہا گیا ہے کہ شرکاء سے مراد ملائکہ اور مسیح ہیں مسیح اور ملائکہ نے مشرکوں کو حکم نہیں دیا تھا کہ تم ہماری پوجا کرو نہ وہ کافروں کے اس فعل کو پسند کرتے تھے۔

معبودان باطل جب مذکورہ بالا کلام کریں گے تو مشرک کہیں گے ہرگز نہیں ہم تو تمہاری ہی پوجا کرتے تھے اس کے جواب میں بت کہیں گے۔

فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾ سو ہمارے تمہارے درمیان خدا کافی گواہ ہے ہم تو تمہاری عبادت سے بے خبر تھے نہ سنتے تھے نہ دیکھتے تھے نہ سمجھتے تھے۔

هُنَالِكَ تَبْلُوا كُلُّ نَفْسٍ مَا أَسْلَفَتْ اس مقام پر ہر شخص اپنے اگلے کئے ہوئے کاموں کو جانچ لے گا اور اپنے گزشتہ اعمال کے نفع و ضرر کو دیکھ لے گا۔

وَرُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ اور یہ لوگ اللہ کی طرف جو ان کا مالک حقیقی ہے لوٹائے جائیں گے یعنی اللہ کے فیصلہ کی طرف یا اللہ کے عذاب کی طرف مولھم الحق کا یہ مطلب ہے کہ اللہ ہی حقیقت میں ان کا مالک اور ان کے امور کا ذمہ دار ہے وہ معبود مالک نہیں جن کو کافروں نے معبود بنا رکھا تھا۔

**ایک شبہ** کافروں کا تو کوئی مولی نہیں ہوگا اللہ نے فرمایا ہے وان الکافرین لامولی لھم۔

**ازالہ:** آیت زیر بحث میں مولی کا معنی ہے رب اور مالک اور لا مولی لھم میں مولی کا معنی ہے مددگار اور حمایتی۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٣٠﴾ اور جو معبود انہوں نے (از خود) تراش رکھے تھے وہ سب غائب ہو جائیں گے کھو جائیں گے (کوئی بھی ان کا ساتھی نہ ہوگا) یفتن کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان کو شفیع سمجھتے ہوئے تھے یا ان کی معبودیت کے مدعی تھے۔

قُلْ مَنْ يَرْزُقُكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ آپ پوچھئے آسمان سے (پانی برسا کر اور زمین سے سبزہ پیدا کر کے) تم کو کون رزق دیتا ہے یا یہ مطلب کہ آسمان اور زمین والوں میں کون تم کو رزق دیتا ہے۔

أَمَّنْ يَمْلِكُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ یا وہ کون ہے جو تمہارے کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے، یعنی کون تم کو سنا اور دکھا سکتا ہے کس کی قدرت ہے کہ جو بات سنانی اور جو چیز دکھانی چاہئے وہ تم کو سنا اور دکھا سکے یا یہ مطلب ہے کہ کس نے تم

الجزء ۱۱ النصف



Marfat.com

کو سننے اور دیکھنے کی طاقت دی اور کس نے شنوائی اور بینائی کی تخلیق کی اور ان کو ٹھیک رکھا یا یہ معنی ہے کہ باوجود کثرت حوادث و امراض کے کون تمہاری شنوائی اور بینائی کو محفوظ رکھتا ہے اور کون ان کو متاثر ہونے سے بچاتا ہے۔

وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ اور کون زندہ جاندار کو مردہ نطفہ اور انڈے سے اور نطفہ اور انڈے کو زندہ جاندار سے پیدا کرتا ہے۔

وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ اور کون تمام امور کا انتظام کرتا ہے اور سب کاموں کے انجام و نتائج کو جانتا ہے۔

فَسَيَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ سو وہ (جواب میں) کہیں گے کہ (ایسا کرنے والا) اللہ ہے یعنی ان امور کی نسبت وہ خود ساختہ شریکوں کی طرف نہیں کر سکیں گے۔

فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ تو ان سے کہیے پھر شرک سے کیوں نہیں پرہیز کرتے یعنی بے طاقت عاجز مخلوق کو اللہ قادر کے ساتھ معبودیت میں شریک کرتے تم کیوں نہیں ڈرتے اللہ کے عذاب کا خوف کیا تم کو نہیں۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ یہ (تمام امور سر انجام دینے والا) ہی تو اللہ ہے جو معبود ہونے کا مستحق ہے۔

رَبُّكُمُ الْحَقُّ جو تمہارا رب حقیقی ہے۔ جس کی ربوبیت وجدان سے بھی ثابت ہے اور دلیل سے بھی۔ جب اسی نے تم کو پیدا کیا رزق دیا اور تمہارے سارے امور کا انتظام کیا تو اس کے سوا اور تمہارا رب کون ہو سکتا ہے وہی حق ہے نہ اس کی ہستی قابل شک ہے نہ اس کی مالکیت لائق شبہ۔

فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ ۚ پھر (امر) حق کے بعد بجز گمراہی کے اور کیا رہ گیا۔ سوال انکاری ہے یعنی حق کے بعد گمراہی کے علاوہ اور کچھ نہیں پس حق کو ترک کرنے والا اور اللہ کی معبودیت میں دوسروں کو شریک کرنے والا گمراہ ہے۔

فَاَنّٰى تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾ پھر (حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف) کہاں پھرے جاتے ہو۔

كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۳﴾ اسی طرح آپ کے رب کی یہ (ازلی) بات کہ یہ ایمان نہیں لائیں گے تمام سرکش لوگوں کے حق میں ثابت ہو چکی ہے۔

یعنی جس طرح اللہ کی ربوبیت ثابت شدہ ہے اور جس طرح حق کے بعد محض گمراہی کا ہونا طے شدہ ہے یا جس طرح اللہ نے ان لوگوں کو ایمان سے پھیر دیا ہے اسی طرح اللہ کا سابق ازلی فیصلہ کہ میں جہنم کو انسانوں سے اور جنات سے بھر دوں گا پورا ہو گیا (حضرت مولف کے نزدیک کلمہ رب سے مراد ہے اللہ کا یہ فیصلہ کہ جہنم کو انس و جن سے بھروں گا اور حضرت مولانا تھانوی کے ترجمہ سے واضح ہو رہا ہے کہ کلمہ رب ہے اللہ کا یہ ازلی فیصلہ کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔

فسق سے مراد ہے حدود صلاح سے خارج ہو جانا اور کفر میں سرکش بن جانا اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کلمۃ ربک سے بدل ہے یعنی کلمہ رب یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے یا کلمہ کی حقیقت کی علت ہے یعنی اتمام کلمہ اور ان کے دوزخی ہونے کے وعدہ کی تکمیل کی علت یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ؕ آپ پوچھئے کہ تمہارے (مفروضہ) شریکوں میں سے کوئی ایسا ہے جو پہلی بار بھی مخلوق کو پیدا کر کے پھر دوبارہ بھی پیدا کرے، یعنی آغاز آفرینش وہی کرتا ہے پھر اس کو معدوم کر کے دوبارہ وہی پیدا کرتا ہے ایسا اس کے سوا کون کر سکتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ کہہ دیجئے کہ خدا ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر وہی اس کو دوبارہ پیدا کرے گا (فنا کرنے کے بعد جیسا کہ پہلے تھا)

فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾ پھر (حق سے باطل کی طرف) کہاں پھرے جا رہے ہو یعنی اللہ کی عبادت سے دوسروں

Marfat.com

کی عبادت کی طرف کس طرح مڑتے ہو۔ دلیل کا تقاضا تو وحدت معبودیت اور نفی شرک ہے۔

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ ؕ آپ پوچھئے کہ کیا تمہارے (مفروضہ) شریکوں میں کوئی ایسا ہے جو دلائل قائم کر کے اور پیغمبروں کو بھیج کر اور صحیح غور و فکر کی توفیق عطا فرما کر اور ہدایت کے طریقے پیدا کر کے حق کا راستہ بتاتا ہے۔

قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ ؕ آپ (خود ہی) کہہ دیجئے کہ اللہ ہی حق کی ہدایت کرتا ہے کسی اور میں اس کی طاقت نہیں۔

اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى ۚ تو پھر کیا وہ زیادہ اتباع کے لائق ہے جو امر حق کا راستہ بتاتا ہو یا وہ جس کو بغیر بتائے ہوئے خود ہی راستہ نہ سوجھے۔ یعنی جس وقت اللہ اس کو ہدایت کر دے تو وہ خود بھی ہدایت پا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی ہدایت کر سکتا ہے اللہ کی ہدایت کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتا۔ مشرکوں کے بڑے بڑے (مفروضہ) شرکاء کا یہی حال ہے مسیح اور عزیر اور ملائکہ (جن کو مشرک اللہ کی عبادت میں شریک قرار دیتے ہیں) خود ہدایت یابی اور ہدایت دہی کے لئے اللہ کے محتاج ہیں۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ہدایت کا معنی ہے ایک جگہ سے دوسری جگہ کی طرف منتقل ہونا۔ اس آیت میں بتوں کی بے بسی ظاہر کی گئی ہے کہ وہ خود منتقل نہیں ہو سکتے دوسرے لوگ اٹھا کر ان کو منتقل کرتے ہیں پھر معبود ہونے کے کیسے مستحق ہو سکتے ہیں۔

فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ۝ پس (اے کافرو)! تم کو کیا ہو گیا تم کس طرح ایسا فیصلہ کر رہے ہو جس کا باطل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ اِلَّا ظَنًّا ؕ اور ان میں سے اکثر لوگ (اپنے عقائد میں) صرف گمان پر چلتے ہیں ان کے گمان کی تائید نہ عقلی دلائل سے ہوتی ہے نہ نقلی براہین سے۔ محض بے ہودہ خیالات اور غلط قیاس انہوں نے قائم کر رکھے ہیں غائب کو حاضر اور خالق کو مخلوق پر ایک موہوم نقطہ اشتراک کی وجہ سے قیاس کرنا ایک بے حقیقت گمان سے زائد نہیں۔

اکثر سے مراد سب ہی کافر ہیں (کیونکہ سب ہی کافر توہم پرست ہیں اور شرک کی کوئی معقول دلیل کسی کے پاس بھی نہیں ہے) یا اکثر سے وہ لوگ مراد ہیں جو تمیز اور غور و نظر کے مدعی ہیں اور کورانہ تقلید کے منکر ہیں (کیونکہ جب اہل دانش و تمیز وہم کو فہم اور گمان کو یقین سمجھے ہوئے ہیں تو عام کافروں کی توہم پرستی تو بدرجہ اولیٰ واضح ہے وہ تو مدعی دانش بھی نہیں ہیں)

اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا ؕ بلاشبہ دماغی تک بندی علم اور اعتقاد حق کے مقابلہ میں بالکل بیکار ہے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی یا حق کا کوئی حصہ اس سے حاصل نہیں ہو سکتا۔

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اعتقادی مسائل میں محض دماغی تک بندی اور دوسروں کی (کورانہ) تقلید جائز نہیں بلکہ عقلی اور نقلی دلائل کی روشنی میں علم یقینی حاصل کرنا ضروری ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ ان کی حرکتوں سے اللہ بخوبی واقف ہے اس میں وعید ہے ان لوگوں کے لئے جو عقلی اور نقلی دلائل سے منہ موڑ کر توہم و تقلید کا اتباع کرتے ہیں۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اور یہ قرآن ایسا نہیں کہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئے بغیر از خود اس کو بنا لیا جائے اور اللہ کی طرف اس کی نسبت کر دی جائے۔

وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں۔ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد یا رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک ہے یا گزشتہ کتب الٰہیہ (ترجمہ میں یہی بیان کیا ہے) یا قیامت یا بعثت نبوی جس کی خبر سابق کتابوں میں دے دی گئی تھی۔

وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اور احکام ضروریہ (الٰہیہ) کی

Marfat.com

تفصیل بیان کرنے والا ہے اس میں کوئی بات شک (وشبہ) کی نہیں یہ رب العلمین کی طرف سے ہے۔
تفصیل الکتاب (احکام ضروریہ کی تفصیل) یعنی لوح محفوظ میں اللہ کے احکام، فرائض اور حلال وحرام کی تشریح ہے اس کا بیان یہ قرآن ہے لا ریب فیہ یعنی اس میں کوئی بات شک کے قابل نہیں کیونکہ گزشتہ آسمانی کتابوں کے بالکل موافق ہے۔
سابق آیت میں دماغی تک بندیوں کے اتباع کی ممانعت کی گئی ہے اس آیت میں واجب الاتباع کتاب کا ذکر ہے اور تنبیہ ہے کہ اس قرآن کا اتباع کیا جائے اس کا اتباع لازم ہے۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ کیا یہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے از خود بنا کر اللہ کی طرف منسوب کر دیا ہے آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ پھر تم بھی اس کی طرح ایک سورت ہی بنالاؤ یعنی اگر میں نے اس کو از خود بنالیا ہے تو تم بھی کوئی ایک سورت ہی ایسی بنالاؤ جو بلاغت، اسلوب عبارت اور قوت معنی میں قرآن کی طرح ہو آخر تم بھی میری طرح عرب اور قادر الکلام اور عبارت واسلوب کے ماہر ہو۔

وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ اور اللہ کے علاوہ (اپنے مددگاروں میں سے) جس کو تم (اپنی مدد کے لئے) بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم سچے ہو محمد ﷺ نے اس کو خود بنالیا ہے اس آیت میں قرآن کی عبارت اور معانی پر غور کرنے اور مناظرہ کے لئے مددگاروں کو بلانے کی دعوت دی گئی ہے اس لئے آگے فرمایا:

بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ وَلَمَّا يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ ۭ بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کے علم کا احاطہ انہوں نے نہیں کیا اور ابھی اس کی حقیقت ان کے سامنے نہیں آئی۔
یعنی ان کا کلام اور قرآن کی حقانیت سے انکار کسی غور و تحقیق پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن کی حقیقت کو جانے بغیر اور بلا غور و فکر کے فقط سنتے ہی انہوں نے قرآن کو اللہ کا کلام ماننے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے ابھی سوچا ہی نہیں کہ یہ کلام انسانی طاقت سے باہر ہے قرآن نے جو غیب کی خبریں بتائی ہیں مبداء اور معاد سے آگاہی اور ثواب وعذاب کی اطلاع دی ہے ابھی تک اس کے ظہور کا موقع ہی نہیں آیا ہے ان پر لازم تھا کہ کتب سابقہ کے عالموں سے پوچھتے کہ یہ باتیں جو قرآن بیان کر رہا ہے ان کی کتابوں میں بھی ہیں یا نہیں اس تحقیق سے یقیناً" قرآن کی سچائی ان پر واضح ہو جاتی۔ قرآن کی عبارت اور تعلیم و معانی کا معجز ہونا ان لوگوں پر ظاہر ہو سکتا ہے جو غور کریں، سوچیں اور قرآنی علوم کی تحقیق کریں۔ انہوں نے تو نہ الفاظ قرآن پر غور کیا نہ معنی کی تفتیش کی اور لگے فوراً" انکار کرنے۔
لما یاتھم ابھی تک اس کی حقیقت سامنے نہیں آئی تھی۔ اس جگہ توقع کا لفظ ہے جو قرآن کے اعجاز کے ظاہر ہونے کی امید دلا رہا ہے چنانچہ جب بار بار ان کو دعوت مقابلہ دی گئی اور پوری طاقتیں انہوں نے قرآن کے مقابلہ میں صرف کر دیں اور تجربہ کر لیا اور مقابلہ کی طاقتوں نے کچھ کام نہ دیا تو قرآن کا معجز ہونا ان پر ظاہر ہو گیا اسی طرح قرآن کی دی ہوئی خبریں بار بار سامنے آگئیں اور سچی ثابت ہو گئیں جیسے غلبت الروم میں ہے کہ رومی مغلوب ہو گئے لیکن عنقریب غالب ہو جائیں گے۔ چنانچہ آئندہ رومیوں، ایرانیوں پر غالب ہو گئے یا جیسے تبت یدا ابی لھب و تب میں ابولہب کی ہلاکت کی پیشگوئی کی گئی اور وہ پوری ہو کر رہی۔ اسی تجربہ کے بعد کچھ لوگ ایمان لے آئے اور کچھ جذبہ عناد کے زیر اثر کافر رہے، حقیقت، معاندین کے سامنے بھی آگئی تھی وہ حقانیت کو پہچان چکے تھے یعرفو نہ کما یعرفون ابناء ھم دلوں سے ان کو بھی قرآن کی صداقت کا یقین ہو چکا تھا مگر عناداً ماننے سے انکار کر دیا وجحد و ابھا واستیقنتھا انفسھم

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اسی طرح (پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں کی) تکذیب کی تھی ان لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یعنی ان لوگوں نے قرآن کی جس طرح تکذیب کی اسی طرح ان سے پہلے کے کافروں نے اپنی اپنی الٰہی کتابوں اور خدائی فرستادوں کی تکذیب کی تھی۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ لیکن دیکھ لو ان ظالموں کا انجام کیسا ہوا۔ یہ تنبیہ ہے

Marfat.com

قرآن کے منکروں کو کہ اگر یہ باز نہ آئے تو انکا بھی وہی نتیجہ ہوگا جو گزشتہ منکرین کا ہوا۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ اور ان تکذیب کرنے والے میں سے کچھ لوگ (غور و فکر کرنے کے بعد قرآن کی صداقت پر دلوں میں) ایمان رکھتے ہیں یا یہ مطلب کہ آئندہ جب قرآن کی حقانیت ان پر واضح ہو جائے گی تو ان میں سے کچھ لوگ ایمان لے آئیں گے اور کفر سے توبہ کریں گے لہٰذا سے آئندہ مومن ہو جانے کی توقع (لائی تھی اس جملہ میں توقع پوری ہونے کی صراحت کر دی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ اور ان میں سے کچھ لوگ کبھی ایمان نہیں لائیں گے ایمان نہ لانے کی وجہ یا تو ان کی انتہائی حماقت ہے یا یہ وجہ ہے کہ انکا کفر پر مرنا پہلے سے تقدیر پر لکھ دیا گیا ہے اس لئے ایمان نہیں لائیں گے۔

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ۝ اور آپ کا رب ان مفسدوں کو خوب جانتا ہے، یعنی ضد پر اڑنے والوں اور عناد کرنے والوں سے وہ خوب واقف ہے۔

وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور (دلیل قائم ہونے اور لاجواب ہونے کے بعد بھی اگر یہ آپ کی تکذیب کرتے رہیں تو آپ انسے بیزاری کا اظہار کر دیجئے اور) کہہ دیجئے میرا عمل میرے لئے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے (میرے عمل کا بدلہ مجھے ملے گا اور تمہارے عمل کا بدلہ تم کو ملے گا) تم میرے اعمال سے الگ ہو (میرے عمل کا مواخذہ تم سے نہ ہوگا میرا فعل تم کو ضرر نہیں پہنچا سکتا لہٰذا مجھے دکھ نہ دو اور مجھ پر تہمت تراشی نہ کرو) اور میں تمہارے عمل سے بیزار ہوں تمہارے اعمال کی گرفت مجھ سے نہ ہوگی۔ میں تو تم سے جو کچھ کہتا ہوں تمہاری بہتری کے لئے کہتا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو چیز مجھے دے کر اللہ نے بھیجا ہے اس کی اور میری حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے قوم والوں سے کہا ہو کہ (اس پہاڑ کے اس طرف) میں نے اپنی آنکھوں سے (دشمن کی) فوج دیکھی ہے (جو تم پر آخر رات میں حملہ کر دے گی اور تم کو قتل و غارت کر دے گی) میں تم کو اس خطرہ سے آگاہ کئے دیتا ہوں بہت جلد (یہاں سے) نکل جاؤ اور بھاگ کر چلے جاؤ۔ اس شخص کے قول کو کچھ لوگوں نے مان لیا اور فرصت کو غنیمت سمجھ کر رات ہی کو چل دیئے۔ اس طرح دشمن کے حملہ سے بچ گئے اور کچھ لوگوں نے اس شخص کو جھوٹا سمجھا اور صبح تک اپنی جگہ پر پڑے رہے۔ صبح کو دشمن کی فوج نے ان پر حملہ کر دیا۔ سب کو تباہ کر دیا اور ان کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکا۔ یہی حالت ان لوگوں کی ہے جنہوں نے میری لائی ہوئی تعلیم کو مانا اور میری تصدیق کی یا تکذیب کی اور میری لائی ہوئی صداقت کو نہ مانا۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم من حدیث ابی موسیٰ۔

کلبی اور مقاتل نے کہا آیت جہاد سے یہ آیت منسوخ ہے جیسے لکم دینکم ولی دین منسوخ ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ۚ اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی طرف (بظاہر) کان لگاتے ہیں جب آپ قرآن پڑھتے ہیں اور حکمت و شریعت کی باتیں کرتے ہیں تو بظاہر کان لگا کر سنتے ہیں لیکن دل کے کانوں سے نہیں سنتے دلوں سے توجہ نہیں کرتے۔ حکمت و شریعت کی حقیقت کو اپنی استعداد کی خرابی کی وجہ نہیں سمجھتے گویا وہ ایسے پیٹ بھرے ہیں جو کان لگاتے ہیں اور شنوائی کی طاقت نہ ہونے کی وجہ سے سن نہیں پاتے۔

اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ۝ تو کیا آپ بہروں کو سنا دیں گے جب کہ وہ بے سمجھ بھی ہوں۔ اگر بہرے کے پاس سمجھ ہو تو قرائن کی وجہ سے وہ کچھ سمجھ بھی لیتا ہے اور بے سمجھ بہرا ہو تو وہ کچھ نہیں سمجھ سکتا پس جس طرح بے عقل بہرے کو آپ سنا نہیں سکتے ایسے ہی ان لوگوں کو نہیں سنا سکتے جو گوش دل سے سننے اور فکر و نظر سے سمجھنے کی صلاحیت کھو چکے ہیں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ۚ اور ان میں سے کچھ لوگ آپ کی طرف اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں سچائی کی نشانیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں علامات نبوت ان کو نظر آتی ہے لیکن انکے دل نابینا ہیں۔ قلبی بینائی نہ ہونے کی وجہ سے تصدیق



Marfat.com

نہیں کرتے (گویا وہ اندھے ہیں اور بے بصیرت بھی)

اَفَاَنْتَ تَهْدِی الْعُمْیَ وَلَوْ كَانُوْا لَا یُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾ تو کیا آپ اندھوں کو راہ دکھا دیں گے خواہ وہ (بے بصر ہونے کے ساتھ) بے بصیرت بھی ہوں مفقود البصر اگر معدوم البصیرت بھی ہو تو اس کو راستہ کیسے نظر آسکتا ہے۔

ایمان نہ لانے والے کافروں سے بیزاری ظاہر کرنے اور رخ پھیر لینے کا سابق آیت میں حکم دیا تھا ان دونوں جملوں میں اس حکم کی علت بھی بیان فرمادی جس سے رسول اللہ ﷺ کو تسلی دینا بھی مقصود ہے کہ وہ بہرے جن میں شنوائی کی طاقت ہی نہ ہو اور وہ اندھے جو معدوم البصیرت ہوں ان کو تم سنا سکتے ہو نہ راہ دکھا سکتے ہو پس جن کو میں نے ایمان سے محروم کر دیا ہے تم ان کو توفیق ایمان نہیں دے سکتے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَظْلِمُ النَّاسَ شَیْـًٔا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۴۴﴾ حقیقت یہ ہے کہ اللہ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا بلکہ لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اپنی فطری صلاحیتوں کی خرابی اور اختیار و پسندیدگی کی غلطی کی وجہ سے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستے کو صحیح نہیں مانتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو ہدایات (اور دینی تعلیم) اللہ نے مجھے دے کر بھیجا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی زمین پر خوب بارش ہو تو زمین کا جو ٹکڑا اچھا ہوتا ہے وہ پانی کو لے لیتا ہے پھر اسمیں سبزہ، گھاس چارہ بکثرت ہو جاتا ہے اور زمین کا کچھ ٹکڑا پتھریلا سخت ہوتا ہے وہ پانی کو اپنے اندر روک لیتا ہے (اس پانی سے اس زمین کے ٹکڑے میں تو روئیدگی نہیں ہوتی مگر) اللہ اس کے ذریعے سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے لوگ پیتے پلاتے ہیں اور کھیتیاں سینچتے ہیں لیکن زمین کا ایک ٹکڑا وہ بھی ہوتا ہے جو چٹیل میدان ہوتا ہے (پانی اس پر برستا ہے اور برس کر بہ جاتا ہے) وہ نہ پانی کو اپنے اندر روکتا ہے نہ سبزہ پیدا کرتا ہے یہی حالت اس دین کی ہے کچھ لوگ دین کو سمجھتے ہیں اللہ نے جو تعلیم مجھے دے کر بھیجا ہے ان کو اس تعلیم سے فائدہ ہوتا ہے۔ وہ خود بھی سیکھتے ہیں دوسروں کو بھی سکھاتے ہیں اور کچھ لوگ دین کی طرف قطعاً "توجہ نہیں کرتے سر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے اور جو ہدایت مجھے دے کر بھیجا گیا ہے اس کو قبول نہیں کرتے۔ (متفق علیہ من حدیث ابن موسیٰؓ)

بعض علماء نے آیت مذکورہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ہوش و حواس اور قوت فہم کو اللہ سلب کر لے اور آلات استدلال سے محروم کر دے (اور پھر ہدایت پر چلنے کا حکم دے) اللہ ایسا ظلم نہیں کرتا گویا اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ انسان کو کسب (یعنی عمل) کا اختیار ہے اس کی اختیاری طاقت اللہ نے سلب نہیں کر لی ہے (برے بھلے کی تمیز کرنے کی طاقت عام لوگوں کو بھی دی گئی ہے خود آدمی اس طاقت سے کام نہ لے یا غلط کام لے تو یہ قصور انسان کا ہے) اس سے فرقہ جبریہ کے قول کی تردید ہوتی ہے (جو انسان کو پتھر کی طرح بے بس اور مجبور جانتے ہیں) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منکرین نبوت و قرآن کو اس آیت میں عذاب کی وعید ہو کہ قیامت کے دن جس عذاب میں یہ لوگ گرفتار ہوں گے وہ ان پر ظلم نہ ہوگا سراسر انصاف ہوگا عذاب کے اسباب کو انہوں نے خود اختیار کیا تھا (جس کے نتیجہ میں ان پر عذاب ہوگا)

وَیَوْمَ یَحْشُرُهُمْ كَاَنْ لَّمْ یَلْبَثُوْۤا اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ اور جس روز ہم ان کو جمع کریں گے تو ایسا معلوم ہوگا کہ (دنیا میں یا قبروں میں) انکا قیام گویا گھڑی بھر رہا تھا منظر کی ہولناکی کی وجہ سے وہ دنیوی زندگی یا قیام قبر کی معیاد کو گھڑی بھر سمجھیں گے۔

یَتَعَارَفُوْنَ بَیْنَهُمْ باہم ایک دوسرے کو پہچان لیں گے جیسے دنیا میں ان کا باہمی تعارف تھا گویا تھوڑی دیر کو جدا ہوئے تھے پھر جمع ہو گئے (اور کوئی کسی کو نہیں بھولا) بغوی نے لکھا ہے، یہ باہم شناخت قبروں سے اٹھنے کے وقت تو ہوگی پھر قیامت کی ہولناکی کی وجہ سے باہم تعارف جاتا رہے گا۔ بعض آثار میں آیا ہے کہ آدمی اپنے برابر والے کو پہچان تو لے گا مگر ہیبت و خوف کی وجہ سے اس سے بات نہیں کرے گا۔

Marfat.com

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ (منکرین حشر باہم تعارف کے دوران کہیں گے کہ آج) گھاٹے میں پڑ گئے جنہوں نے قیامت کا (اللہ کے سامنے جانے کا) انکار کیا تھا یہ اللہ کی طرف سے شہادت ہے (کافروں کا قول نہ ہوگا) ایمان چھوڑ کر کفر کو اختیار کرنا اور جنت کی جگہ جہنم نصیب ہونا بڑا گھاٹا ہے۔

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۴۵﴾ اور نہ تھے وہ ہدایت پانے والے کہ حصول معرفت و سعادت کے جو آلات ان کو دیئے گئے تھے ان کو صحیح طور پر استعمال کرتے۔ اس جملہ میں تعجب کا مضمون ہے۔

وَاِمَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ اور جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں اس میں سے تھوڑا سا (عذاب) اگر آپ کو دکھلا دیں (تو آپ دیکھ ہی لیں گے) یا (اس کے نزول کے قبل) ہم آپ کو وفات دے دیں سو ہمارے پاس ہی تو ان کو لوٹ کر آنا ہے (عذاب سے تو چھوٹ ہی نہیں سکتے ہم آپ کو آخرت میں دکھا دیں گے)

ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ پھر (سب کو معلوم ہے کہ) اللہ ان کے سب افعال کی اطلاع رکھتا ہے۔ اطلاع سے مراد ہے نتیجہ اطلاع (سبب بول کر مسبب مراد ہے) اسی لئے شہادت کو رجوع کا نتیجہ قرار دیا ہے (یعنی شہید کے لفظ سے مطلع ہونا مراد نہیں ہے ورنہ قیامت کے دن واپسی کے بعد اللہ کا ان کے افعال پر مطلع ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اللہ تو دنیا میں بھی ان کے افعال سے واقف ہے قیامت کے دن واپسی کے بعد ہی واقف نہیں ہوگا البتہ شہید کا معنی اگر عذاب دہندہ کہہ جائے تو مطلب درست ہو جائے گا کہ واپسی سب کی اللہ کے پاس ہوگی اور واپسی کے بعد اللہ انکو عذاب دے گا مطلب یہ ہے کہ اللہ ان کے افعال سے واقف ہے قیامت کے دن اسی واقفیت کی بناء پر ان کو سزا دے گا بعض علماء نے کہا لفظ ثُمَّ بمعنی واو ہے (اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اللہ ان کے اعمال سے واقف ہے۔ ان سب کی واپسی اللہ کے پاس ہوگی گویا دونوں مضمون جدا جدا دو جملوں میں مستقل طور پر بیان کر دیئے گئے (کسی مضمون کا دوسرے سے تقدم و تاخر مراد نہیں ہے) مجاہد نے کہا عذاب کا جو حصہ اللہ نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو آنکھوں سے دکھا دیا اس سے بدر کے دن کا عذاب (سرداران کفر کا قتل اور کافروں کو دوای شکست) مراد ہے، باقی انواع عذاب کا مرنے کے بعد وقوع ہوگا۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہوا ہے رسول سے مراد ہے قاصد، حکم پہنچانے والا۔ اسلام کی دعوت دینے والا۔

فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۴۷﴾ سو جب انکا رسول ﷺ ان کے پاس آ چکا اور احکام پہنچا چکا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی تو اس کے بعد انصاف کے ساتھ ان کا فیصلہ کیا گیا اور ان پر ظلم نہیں کیا گیا یعنی جب رسول نے معجزات پیش کر دیئے اور اس کے بعد بھی انہوں نے نہ مانا اور رسول ﷺ کو جھوٹا قرار دیا تو اللہ نے رسول ﷺ کا اور اس کی امت کا فیصلہ انصاف سے کر دیا۔ تکذیب کرنے والوں کو ہلاک کر دیا اور مومنوں کو اور رسول کو محفوظ رکھا اور ہمارا یہ فیصلہ مبنی پر انصاف تھا۔ ہم نے عذاب دینے میں ان پر ظلم نہیں کیا۔ مجاہد اور مقاتل نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ ہر امت کا ایک رسول ہوا ہے جس کو اس امت کی طرف بھیجا گیا تھا۔ جب قیامت کا دن ہوگا اور ہر رسول اپنی امت کے کفر و ایمان کی شہادت دینے آئے گا تو اللہ انصاف کا فیصلہ کرے گا، مومنوں کو نجات دے گا اور کافروں کو سزا۔ دوسری آیت میں بھی یہی آیا ہے فرمایا وجیئنا بالنبیین والشہداء و قضی بینہم دوسری جگہ فرمایا فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ہولاء شہیدا

وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اور (کفار مکہ) کہتے ہیں کہ یہ (عذاب کا) وعدہ کب (پورا) ہوگا جس سے تم ہم کو ڈرا رہے ہو۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۸﴾ اگر تم لوگ (محمد ﷺ اور آپ کے ساتھی) سچے ہو تو عذاب موعود کو لے آؤ۔ کفار مکہ نے یہ بات بطور تکذیب و استہزاء

Marfat.com

کی تھی۔

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ میں اپنی جان کے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں سوائے اتنی مقدار کے جتنی مقدار کا (مالک بنانا) اللہ نے چاہا یعنی ضرر کو دفع کرنے اور نفع کو حاصل کرنے کی مجھے قدرت نہیں صرف اتنی قدرت ہے جتنی اللہ نے دینی چاہی یا الا ماشاء اللہ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے مجھے اپنے نفع و ضرر پر قدرت نہیں۔

لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ (اللہ کے علم میں) ہر امت کی ہلاکت کی ایک میعاد مقرر ہے۔

اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۴۹﴾ سو جب ان کا وہ معین وقت آپہنچتا ہے تو (اس وقت) نہ گھڑی بھر پیچھے ہٹ سکتے ہیں نہ ہی آگے سرک سکتے ہیں۔ اجلھم یعنی عذاب دینے کا مقررہ وقت ساعۃً ذرا سی دیر مراد یہ ہے کہ عذاب آنے کی جلدی نہ مچاؤ عنقریب اس کا وقت آجائے گا اور وعدہ پورا ہو جائے گا۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾

آپ ﷺ پوچھئے یہ تو بتاؤ اگر تم پر اللہ کا عذاب رات میں آپڑے (جب کہ تم نیند میں مشغول ہو) یا دن کو (جب تم کاروبار میں مصروف ہوتے ہو) تو عذاب میں کون سی چیز ایسی ہے کہ مجرم لوگ اس کو جلدی مانگ رہے ہیں۔

ماذا میں استفہام تعجبی ہے یعنی تعجب ہے جیسی ناگوار چیز کو جلد طلب کر رہے ہیں ناگوار چیز کی عاجلانہ طلب تو نامناسب ہے۔

ان انکم کی جزا محذوف ہے یعنی اگر رات کو یا دن کو عذاب آجائے تو اس وقت تم کو عجلت طلبی پر ندامت ہوگی اور اپنی غلطی جان لوگے۔

بغوی نے لکھا ہے کفار عذاب جلد آجانے کے طلب گار تھے ایک شخص نے کہا تھا اے اللہ اگر یہ حق ہے تیری طرف سے ہے تو ہمارے اوپر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ اللہ اس کے جواب میں فرما رہا ہے، یہ کون سے عذاب کے آنے کی جلدی مچا رہے ہیں عذاب تو ہر ایک کے لئے ناگواری کی چیز ہے۔

میں کہتا ہوں ماذا یستعجل شرط کی جزا ہو سکتی ہے مطلب یہ ہوگا کہ اگر اللہ کا عذاب تم پر آگیا تو اس وقت کسی چیز کی طلب میں عجلت کروگے کیا اسی قسم کا دوسرا عذاب مانگو گے اور عذاب میں رہنا پسند کروگے یا رہائی کے طلب گار ہوگئے۔ ظاہر ہے کہ عذاب کے خواستگار نہ ہوگے۔

اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ کیا پھر جب وہ مطلوبہ عذاب آجائے گا تو (پشیمان ہوگے اور) عذاب پر یا عذاب کی خبر دینے والے پر ایمان لاؤ گے یا یہ مطلب ہے کہ جب تم پر عذاب آجائے گا تو کیا اس وقت بھی عذاب کی جلدی مچاؤ گے پھر اس وقت عذاب کو یا عذاب کی خبر دینے والے کو مانو گے جب کہ ایمان سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

آٰلْـٰٔنَ (آخرت کا عذاب دیکھنے کے بعد یا موت کے گھنگھرو بولنے کے وقت جب تم ایمان لاؤ گے تو تم سے اس وقت کہا جائے گا) کیا اب تم ایمان لائے ایسے وقت میں تو ایمان بے سود ہے۔

وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ حالانکہ (تکذیب و استہزاء کے طور پر) تم عذاب کے جلد آجانے کے خواستگار تھے۔

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر ظالموں (مشرکوں) سے کہا جائے گا کہ ہمیشہ کا عذاب چکھو۔ تم کو تو تمہارے ہی کئے کا بدلہ دیا جا رہا ہے۔

وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ اَحَقٌّ هُوَ وہ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا وہ (یعنی توحید، نبوت، قرآن قیامت اور عذاب و ثواب) حق ہے (یا بے حقیقت، محض مذاق)

Marfat.com

قُلْ اِیْ وَرَبِّیْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۵۳﴾ آپ کہہ دیجئے جی ہاں اپنے رب کی قسم بلا شک و شبہ حق ہے اور تم ہرا نہیں سکتے (یعنی اس کے آنے اور اس کی صداقت کو روک نہیں سکتے) مطلب یہ کہ تم اس سے چھوٹ نہیں سکتے عجز عن الشی وہ شخص فلاں چیز سے عاجز ہو گیا یعنی وہ چیز اس سے فوت ہو گئی۔

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَا فِی الْاَرْضِ لَافْتَدَتْ بِهٖ ؕ اور (بالفرض) اگر ہر مشرک شخص کو (قیامت کے دن) وہ تمام (دفینے خزانے) مل جائیں جو زمین میں ہیں تو وہ عذاب سے رہا ہونے اور بچنے کے لئے سب کچھ دے دے گا مافی الارض سے مراد ہیں زمین کے خزانے اور تمام مرغوبات ارضی۔ اقتدار اور فداء کا ایک ہی معنی ہے عذاب سے بچنے کے لئے عوض دے دینا (ہر چیز کو قربان کر دینا) ظلم سے مراد ہے شرک یا دوسرے شخص پر زیادتی۔

وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ۚ اور جب عذاب کو دیکھیں گے تو (دلوں میں) پوشیدہ طور پر پشیمان ہوں گے۔

ابو عبیدہ نے کہا، اسرو الندامۃ سے مراد یہ ہے کہ اس وقت ندامت کو ظاہر کریں گے کیونکہ قیامت کا دن بناوٹ اور مصنوعی اظہار صبر کا نہ ہوگا (تکلیف اتنی سخت ہوگی کہ جھوٹے صبر اور مصنوعی بردت کو کوئی ظاہر نہ کر سکے گا) بعض علماء نے کہا اسرو کا معنی یہی ہے کہ وہ ندامت کو چھپائیں گے یعنی بالادست سرداران اپنے زیر اثر کمزور تابعین سے اپنی ندامت کو چھپائیں گے۔ تاکہ ان کی وجہ سے گمراہ ہونے والے ان کو ملامت نہ کریں۔ بعض علماء نے کہا کہ اخفاء ندامت سے مراد ہے بول نہ سکنا، غیر متوقع اور بے گمان عذاب جب سامنے آئے گا تو انتہائی تحیر میں بول بھی نہ سکیں گے۔

بعض علماء نے کہا، کسی چیز کے خلاصہ کو سر کہا جاتا ہے راز کی طرح خلاصہ شی قابل اخفاء و حفاظت ہوتا ہے۔ پس اسرار کا معنی اس جگہ ہے خالص ندامت کرنا۔

وَقُضِیَ بَیْنَهُمْ بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۵۴﴾ اور ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے گا ظلم نہیں کیا جائے گا کہ بلا قصور عذاب دیا جائے۔ مطلب یہ ہے ظالموں کو مظلوموں پر ظلم کرنے کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا ظالم و مظلوم کا فیصلہ انصاف کے ساتھ کیا جائے گا اول قُضِیَ سے انبیاء اور ان کی امتوں کے درمیان فیصلہ کرنا مراد ہے اور اس جگہ قُضِیَ سے مراد ہے مشرکوں کو شرک کی سزا دینا اور مظلوموں کو ظالموں سے ظلم کا بدلہ دلوانا یعنی ظالموں کو عذاب دینا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ خوب سن لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اس لئے وہ ثواب و عذاب دینے کی قدرت رکھتا ہے (کائنات ارضی و سماوی میں سے کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں)

اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ خوب سمجھ لو کہ (ثواب و عذاب کا) اللہ کی طرف سے کیا ہوا وعدہ برحق ہے اس کی خلاف ورزی نہیں ہو سکتی عذاب و ثواب ضرور ہوگا۔

وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ لیکن (دانش و فہم کی کوتاہی کی وجہ سے) اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔ صرف ظاہر دنیا کو جانتے ہیں۔ هُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ

وہی (دنیا میں) جلاتا اور موت دیتا ہے۔ پس آخرت میں وہ زندہ کر سکتا اور مار سکتا ہے نہ اس کی قدرت میں زوال ہو سکتا ہے نہ موت و حیات کو قبول کرنے والا بدل سکتا ہے۔

وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۵۶﴾ اور (مرنے کے بعد قبروں سے اٹھ کر) تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک عظیم الشان نصیحت آگئی یعنی رسول اللہ ﷺ کی زبانی قرآن مجید تم کو پہنچ گیا۔ قرآن پیام بیداری ہے اور ایک یادداشت ہے جو اچھی باتوں کی دعوت دے رہا ہے اور بری باتوں سے بازداشت کر رہا ہے کیونکہ یہ اوامر و نواہی اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں اور اللہ حکیم ہے جس کام کو کرنے کا حکم دے رہا ہے وہ یقیناً اچھا ہے اور اسکا نتیجہ اچھا ہوگا اور جس کام سے روک رہا

Marfat.com

ہے وہ یقیناً برا ہے اور اسکا نتیجہ برا ہوگا اچھا کام قابل رغبت اور برا کام قابل نفرت ہوتا ہے۔

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِي الصُّدُوْرِ اور دلوں کی بیماریوں کے لئے شفا بخش دوا ہے۔ امراض قلبی سے مراد ہیں غلط عقائد اور اللہ کے سوا دوسری چیزوں سے دلوں کا لگاؤ اور وابستگی۔

ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! مجھے سینہ کا دکھ ہے فرمایا قرآن پڑھا کرو۔ اللہ نے (قرآن کے متعلق) فرمایا ہے وشفاء لما فی الصدور اس حدیث کی شاہد واثلہ بن اسقع کی روایت بھی ہے جس کو بیہقی نے شعب الایمان میں بیان کیا ہے۔

وَهُدًى اور رہنما ہے۔ صحیح عقائد و افکار کا، جنت کا اور اللہ کے قرب کے درجات کا راستہ بتاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، قیامت کے دن) قرآن پڑھنے والے سے کہا جائے گا پڑھ اور چڑھتا چلا جا اور جس طرح دنیا میں ترتیل کرتا تھا اسی طرح ترتیل کر کیونکہ تیرا درجہ وہاں ہے جہاں تک تو آخری آیت پڑھنے پر پہنچے گا۔ رواہ احمد والترمذی وابو داؤد والنسائی عن عبد اللہ بن عمرؓ

وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ اور ایمان والوں کے لئے یہ اللہ کی طرف سے رحمت ہے ایمان والے ہی اس سے فائدہ اٹھانے والے اور اس کو پڑھ کر اور اس کی تعلیم پر چل کر اللہ کی رحمت سے بہرہ اندوز ہونے والے ہیں۔

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ اے محمد ﷺ! آپ (اللہ کا شکر ادا کرنے کے طور پر) کہیں کہ اللہ کے فضل و رحمت سے (یہ نصیحت، شفاء، ہدایت اور رحمت خدا ہم کو ملی ہے، ہمارے استحقاق کو اس میں کوئی دخل نہیں)

فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا پس (اللہ کے اس فضل و کرم اور حصول قرآن سے) ان کو خوش ہونا چاہئے۔ بذلک کی تقدیم اشارہ کر رہی ہے اس بات کی طرف کہ خوشی کی چیز قرآن اور اللہ کا فضل و کرم ہی ہے اس کے علاوہ دنیا کی کوئی راحت و نعمت موجب فرح نہیں ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ اللہ کے فضل و رحمت سے مراد قرآن کا نزول ہی ہے۔ مجاہد اور قتادہ کا قول ہے اللہ کا فضل ایمان ہے اور اللہ کی رحمت قرآن۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے فرمایا اللہ کا فضل ایمان ہے اور اللہ کی رحمت یہ ہے کہ اللہ نے ہم کو اہل قرآن بنایا۔

ابو الشیخ وغیرہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ان کو خوش ہونا چاہئے اللہ کے فضل سے یعنی قرآن سے اور اللہ کی رحمت سے یعنی اس بات سے کہ اللہ نے ان کو اہل قرآن میں سے بنایا۔

حضرت ابن عمر نے فرمایا اللہ کا فضل اسلام ہے اور اللہ کی رحمت یہ ہے کہ اللہ نے اسلام کو ہمارے دلوں میں محبوب بنا دیا۔

حضرت خالد بن معدان نے فرمایا اللہ کا فضل اسلام ہے اور اللہ کی رحمت رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کا فضل ایمان ہے اور اللہ کی رحمت جنت۔

هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾ وہ (یعنی قرآن کا نزول یا اللہ کا فضل و رحمت) اس (دنیوی متاع حقیر) سے بہتر ہے جس کو وہ جمع کرتے ہیں۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا

(اے محمد ﷺ! آپ (مکہ کے کافروں سے) کہہ دیجئے کہ یہ بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدہ کے لئے جو رزق اتارا تھا سو تم نے (از خود) اس کا کچھ حصہ حرام اور کچھ حصہ حلال قرار دیا۔

انزل اتارا یعنی پیدا کیا تخلیق کو اتارنا فرمایا کیونکہ ان چیزوں کی تخلیق بالائی ذریعہ یعنی بارش سے ہوتی ہے اور بارش اوپر ہی سے اترتی ہے یا یوں کہا جائے کہ تخلیق کائنات سے پہلے اللہ نے پیدا کی جانے والی چیزوں کو لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے۔ اب تحریر لوح کے مطابق تخلیق رزق ہوتی ہے گویا رزق لوح محفوظ سے اترتا ہے رزق سے مراد ہے کھیتی یا مویشی دودھ والے۔



Marfat.com

لکم کے لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ نے یہ چیزیں تمہارے لئے حلال بنائی تھیں۔ مگر تم نے (از خود) ان میں سے کسی کو حلال بنالیا اور کسی کو حرام کافروں نے کہا تھا ھذہ انعام و حرث حجر یہ چوپائے ہیں اور کھیتیاں ہیں جو ممنوع ہیں انہوں نے یہ بھی کہا تھا مافی بطون ھذہ الانعام خالصۃ لذکورنا و محرم علی ازواجنا ان جانوروں کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے وہ مردوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ حلال ہے، عورتوں کے لئے حرام ہے انہوں نے بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حام (مختلف اقسام کے سانڈوں) کو بھی حرام قرار دے رکھا تھا۔

قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ۝۵۹ آپ ان سے پوچھئے کہ کیا (اس حرام حلال بنانے کی) اللہ نے تم کو اجازت دی ہے (کہ اس کے حکم سے ایسا کر رہے ہو) یا اللہ پر تم دورغ بندی کر رہے ہو کہ اس خود ساختہ تحلیل و تحریم کی نسبت اللہ کی طرف کر رہے ہو مراد یہ ہے کہ اللہ نے تم کو اس کی اجازت نہیں دی۔ تم خود اللہ پر تہمت تراشی کر رہے ہو اور جھوٹ کہہ رہے ہو کہ اللہ نے ہم کو اس کا حکم دیا ہے۔

وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اور جو لوگ اللہ پر دروغ بندی کرتے ہیں ان کا خیال قیامت کے دن (کے سلسلہ) میں کیا ان کا یہ خیال ہے کہ قیامت کے دن ان کو اس دروغ بندی کی سزا نہیں دی جائے گی نہیں ایسا ضرور ہوگا لفظ ما میں وعید کا ابہام بتا رہا ہے کہ اللہ کی طرف سے کافروں کو یہ تہدید عذاب سخت طور پر دی گئی ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ اس میں شک نہیں کہ اللہ لوگوں پر بڑا مہربان ہے اس نے عقل کی نعمت عطا کی اور ہدایت کے لئے کتابیں اتاریں اور پیغمبر بھیجے۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَشْكُرُوْنَ ۝۶۰ لیکن اکثر لوگ اس نعمت کا شکر نہیں ادا کرتے اگر شکر ادا کرنا ہوتا تو عقل و نقل کے حکم پر چلتے اور اللہ پر دروغ بندی نہ کرتے۔ ع ۱۱

آیت کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ بندوں پر بڑا مہربان ہے۔ بندے نافرمانی کرتے ہیں مگر اللہ دنیا میں فوراً ہی عذاب میں مبتلا نہیں کرتا (ڈھیل دیتا رہتا ہے)

وَمَا تَكُوْنُ فِيْ شَاْنٍ وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ مِنْ قُرْاٰنٍ وَّلَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ اور (اے رسول اللہ ﷺ) آپ (خواہ) کسی حال میں ہوں اور مجملہ ان احوال کے کہیں سے قرآن پڑھتے ہوں اور اسی طرح اے لوگو تم جو کام بھی کرتے ہو ہم کو سب کی خبر رہتی ہے جب تم اس کام کو کرنا شروع کرتے ہو۔

تکون کا خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور لا تعملون کا خطاب سب لوگوں کو شان کا معنی ہے امر۔ حالت۔ ایک محقق کا قول ہے کہ شان کا اطلاق عظیم حالت اور جلیل القدر امر پر ہوتا ہے بیضاوی نے لکھا ہے (شان کا معنی ہے قصد) شانت شانہ میں نے اس کا جیسا قصد کیا منہ کی ضمیر شان کی طرف راجع ہے قرآن کی تلاوت رسول اللہ ﷺ کا ایک بڑا کارنامہ تھی۔ یا من اجلیت کا ہے یعنی رسول اللہ ﷺ کی شان عظیم کی وجہ سے جو تلاوت آپ کرتے ہیں۔ من قرآن میں من بیانیہ ہے یا تبعیضیہ ہے یا زائد ہے جو کچھ آپ پڑھتے ہیں یعنی قرآن۔ یا جو حصہ قرآن کا آپ پڑھتے ہیں ولا تعملون من عمل اول خطاب خصوصیت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو کیا کیونکہ آپ تمام انسانوں کے سرگروہ تھے۔ اسی لئے آپ کے بڑے عظیم الشان عمل کا ذکر کیا پھر سب لوگوں کو خطاب کیا اور ان کے ہر چھوٹے بڑے عمل کا ذکر کیا شہود نگراں، واقف اذ تفیضون جب تم اس عمل کو شروع کرتے ہو اس میں داخل ہوتے ہو بعض نے کہا کہ افاضہ کا معنی ہے بکثرت کسی کام کو کرنا اس لئے تفیضون کا معنی ہو گیا تکثرون۔

Marfat.com

وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾

اور آپ کے رب سے کوئی چیز ذرہ برابر بھی غائب نہیں نہ زمین میں اور نہ آسمان میں اور کوئی چیز ذرہ سے بھی چھوٹی یا بڑی ایسی نہیں کہ واضح کتاب (لوح محفوظ اللہ کی علمی کتاب) میں نہ ہو۔

مایعزب غائب نہیں ہے من مثقال من زائد ہے مثقال مصدر ہے بمعنی وزن۔ ذرہ چھوٹی چیونٹی یا خاک کا ذرہ زمین و آسمان سے مراد ہے سارا جہان امکان اور عالم ہستی۔ کوتاہ نظر عوام کی نظری رسائی انہی دونوں تک ہو سکتی ہے اس لئے ان ہی دونوں کا ذکر کیا۔ اور اہل ارض کی حالت کا ذکر چونکہ پیش نظر تھا اس لئے زمین کا ذکر آسمان سے پہلے کیا۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ کا علم ہمہ گیر ہے سارے جہان کو گھیرے ہوئے ہے۔

لا اصغر و لا اکبر مستقل جملہ ہے کتاب سے مراد ہے لوح محفوظ یا وہ اعمال نامے جو کرام کاتبین کے پاس ہوتے ہیں۔

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾

خوب سن لو کہ (قیامت کے دن جب سب لوگوں کو مصیبت میں مبتلا ہونے کا خوف ہوگا) اللہ کے دوستوں کو (عذاب کا) کوئی اندیشہ نہ ہوگا اور نہ وہ (اپنی کسی امید کی ناکامی کے) غم میں مبتلا ہوں گے (یعنی ان کی ہر امید پوری کی جائے گی)

ولاء اور توالی کا لغوی معنی ہے دو یا زیادہ چیزوں کا برابر اور راست بلا واسطہ تعلق و اتصال مجازاً اس سے مراد ہوتا ہے قرب خواہ مکانی ہو یا نسبی یا دینی یا اعتقادی یا دوستی اور مدد کے لحاظ سے ہو۔ قاموس میں ہے ولی قرب ولیّ ولیّ سے صفت کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے قرب رکھنے والا دوست مددگار۔

## تنقیح

یوں تو ہر شخص بلکہ ہر چیز کا اللہ سے قرب ہے جس کی کیفیت نہیں جانی جا سکتی اللہ نے فرمایا نحن اقرب الیہ من حبل الورید رگ جان سے بھی زیادہ ہم بندہ کے قریب ہیں۔ اسی قرب کی وجہ سے یہ کائنات جامہ ہستی پہنتی اور دائرہ وجود میں آئی ہے اگر یہ قرب نہ ہوتا تو کوئی وجود کی بو بھی نہیں سونگھ سکتا اصل ذات کے اعتبار سے ہر چیز نیست ہے۔ سب کی اصل عدم ہے لیکن خاص بندوں کو ایک بے کیف قرب اور بھی حاصل ہے یہ قرب محبت ہے عالم مثال میں اہل کشف کو یہ بے کیف محبت قرب جسمانی کی شکل میں نظر آتی ہے لفظ قرب کا قرب خلقی اور قرب محبت دونوں پر اطلاق بطور اشتراک لفظی کے ہوتا ہے حقیقت قرب دونوں جگہ جدا جدا ہے موخر الذکر قرب کے ان گنت غیر محدود درجات ہیں ایک حدیث قدسی ہے (اللہ نے فرمایا) میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرا قرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے پیار کرنے لگتا ہوں جب میں اس کو پیار کرتا ہوں تو پھر میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے الی آخر الحدیث (یعنی اس وقت وہ جو کام کرتا ہے وہ گویا میرا عمل ہوتا ہے) رواہ البخاری عن ابی ہریرہؓ۔

اس قرب کا ابتدائی درجہ صرف ایمان سے حاصل ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اللہ ولی الذین امنوا۔ اور آخری انتہائی درجہ انبیاء کا خصوصی حصہ ہے جن کے سردار رسول اللہ ﷺ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے درجات ترقی پذیر ہیں جن کی کوئی انتہا نہیں۔

صوفیہ کی اصطلاح میں کم سے کم وہ درجہ جس پر لفظ ولی کا اطلاق ہو سکتا ہے اس شخص کا ہے جس کا دل اللہ کی یاد میں ہر وقت ڈوبا رہتا ہے وہ صبح شام اللہ کی پاکی بیان کرنے میں مشغول رہتا ہے اللہ کی محبت سے سرشار رہتا ہے کسی اور کی محبت کی اس میں گنجائش نہیں ہوتی خواہ باپ ہو یا بیٹا یا بھائی یا بیوی یا دوسرے کنبہ والے کسی سے اس کو محبت نہیں ہوتی اگر کسی سے محبت ہوتی ہے تو محض اللہ کے لئے اور نفرت ہوتی ہے تب بھی خوشنودی مولیٰ کے لئے دوسرے کو کچھ دیتا ہے تو صرف اللہ کے لئے اور نہیں دیتا تب بھی مرضی اللہ کیلئے اس گروہ کی آپس میں محبت بوجہ اللہ ہوتی ہے صوفیہ کی اصطلاح میں اس صفت کو فنا قلب کہا جاتا ہے۔ ولی کا ظاہر و باطن تقویٰ سے آراستہ ہوتا ہے جو اعمال و اخلاق اللہ کو

Marfat.com

ناپسند ہیں ان سے وہ پرہیز رکھتا ہے۔ شرک خفی و جلی سے پاک رہتا ہے۔ بلکہ وہ شرک جو چیونٹی کی رفتار کی آواز سے بھی زیادہ خفی ہوتا ہے اس سے بچتا ہے۔ غرور، کینہ، حسد، حرص اور ہوس سے منزہ ہوتا ہے۔ اور انہی کے ساتھ عمدہ اخلاق و اعمال سے متصف ہوتا ہے اس مرتبہ کو صوفیہ فناء نفس کا مرتبہ کہتے ہیں صوفیہ کا قول ہے کہ اس درجہ پر جب ولی پہنچ جاتا ہے تو اس کا شیطان اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور فرماں بردار بن جاتا ہے۔ ولایت کے ابتدائی درجہ کی طرف اللہ نے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے اشارہ فرمایا اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان لے آئے یعنی حقیقت ایمان انکے اندر پیدا ہو گئی۔ ایمان کا محل قلب ہے۔ کمال ایمان یہ ہے کہ اللہ کی یاد سے دل میں اطمینان پیدا ہو جائے۔ اللہ کے ذکر سے لمحہ بھر غافل نہ ہو۔ کسی دوسرے کی طرف توجہ ہی نہ ہو۔[1] دوسرے مرتبہ کی طرف اشارہ فرمایا:

وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ اور (شرک و معاصی سے) پرہیز رکھتے ہیں۔[2] یعنی اللہ کے اوامر و نواہی کی ظاہری اور باطنی ہر طرح پابندی کرتے ہیں۔

ابو داؤد نے حضرت عمر بن خطاب کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے بندوں میں۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نہ انبیاء ہیں نہ شہداء لیکن قیامت کے دن ان کے مرتبہ قرب کو دیکھ کر انبیاء اور شہداء ان پر رشک کریں گے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ وہ کون لوگ ہیں فرمایا جو بندگان خدا سے محض اللہ کے لئے محبت رکھتے ہیں۔ آپس میں نہ ان کی باہم رشتہ داریاں ہیں نہ مالی لین دین (کہ قرابت یا مالی لالچ کی وجہ سے ایک کو دوسرے سے محبت ہو) خدا کی قسم ان کے چہرے (قیامت کے دن مجسم) نور ہوں گے بالائے نور۔ جب اور لوگوں کو (عذاب کا) خوف ہوگا ان کو خوف نہ ہوگا جب اور لوگ غم میں مبتلا ہوں گے وہ غمگین نہیں ہوں گے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون بغوی نے ابو مالک اشعری کی روایت سے بھی یہ حدیث اسی طرح نقل کی ہے اور بیہقی نے شعب الایمان میں یہی لکھا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے آیت الا ان اولیاء اللہ کا معنی دریافت کیا گیا فرمایا یہ وہ لوگ ہوں گے جو اللہ کے واسطے آپس میں محبت رکھتے ہیں۔ ابن مردویہ نے حضرت جابر کی روایت سے بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

## فصل

**حصول ولایت کے ذرائع:** مرتبہ ولایت کا حصول رسول اللہ ﷺ کی پیروی سے ہوتا ہے خواہ عکس رسالت براہ راست پڑے یا کسی ایک واسطہ سے یا چند واسطوں سے۔ رسول اللہ ﷺ یا آپ کے نائبوں سے محبت اور ان کی ہم نشینی و اطاعت حصول ولایت کے لئے ضروری ہے رسول اللہ ﷺ کے قلب، نفس اور جسم کا رنگ ولی کے قلب، قالب اور جسم پر ان ہی دونوں اوصاف کی وجہ سے چڑھ جاتا ہے اور یہی صبغۃ اللہ ہے جس کے متعلق فرمایا صِبْغَةَ اللّٰهِ ومن احسن من اللہ

---

حضرت مفسر قدس سرہ نے اس جگہ حاشیہ پر فارسی کے دو شعر نقل کیے ہیں۔

ہر کس کہ ترا شناخت جان راچہ کند — فرزند و عیال و خان و مان راچہ کند
دیوانہ کنی ہر جو جہانش بخشی — دیوانہ، تو ہر دو جہاں راچہ کند

(جس نے تجھے پہچان لیا اس کا جان اہل و عیال اور خاندان سے کیا تعلق وہ ان کو لے کر کیا کرے گا اپنی محبت کا دیوانہ کرنے کے بعد اگر دونوں جہان تو دیوانہ محبت کو دے دے تو اس کے کس کام کے)

[2] حضرت ابن عمر نے فرمایا تقوی یہ ہے کہ تم اپنے کو کسی سے بہتر نہ سمجھو۔ حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا، جو شخص اپنی جان کو فرنگی کافر سے بھی بہتر خیال کرتا ہو اس کے لئے اللہ کی معرفت حرام ہے۔

Marfat.com

صبغۃ طریق منسون کے مطابق ذکر اللہ کی کثرت عکس پذیری کے لئے مددگار ہوتی ہے اس سے دل کا میل دور ہو جاتا ہے اور آئینہ قلب کی صفائی ہو کر عکس پذیری کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر چیز کی منجھائی ہوتی ہے اور دل کو مانجھنے والا اللہ کا ذکر ہے۔ رواہ البیہقی

عن عبداللہ بن عمرو بن العاص، امام مالک، امام احمد، اور بیہقی نے حضرت معاذ بن جبل کی روایت سے بیان کیا حضرت معاذ نے فرمایا میں نے خود حضور ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ نے فرمایا جب دو آدمی میرے لئے باہم محبت کرتے ہیں میرے لئے مل کر بیٹھتے ہیں میرے لئے خرچ کرتے ہیں ان سے میری محبت واجب ہو جاتی ہے۔

امام احمد، طبرانی اور حاکم نے حضرت عبادہ بن صامت کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے صحیحین میں حضرت ابن مسعود کی روایت سے آیا ہے کہ ایک شخص نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! اس شخص کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں جو کسی قوم سے محبت رکھتا ہے مگر اس قوم (کے عمل) تک اس کی رسائی نہیں ہوئی۔ فرمایا آدمی کا شمار انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا جن سے اس کو محبت ہوگی۔ رسائی نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس شخص کے عمل اس قوم کے اعمال کی طرح نہ ہو سکے ہوں۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔

بیہقی نے شعب الایمان میں لکھا ہے کہ حضرت ابوذر زین نے بیان کیا مجھے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں تجھے بتاؤں کہ اس کام کا مدار کس چیز پر ہے جس سے تجھے دنیا اور آخرت کی بھلائی مل جائے۔ (مدار خیر یہ ہے کہ) اہل ذکر کی مجلسوں میں حاضری کی پابندی کر اور تنہائی ہو تو جہاں تک ہو سکے اللہ کے ذکر سے زبان کو ہلا تارہ اور اللہ کے واسطے محبت اور اللہ کے واسطے نفرت کر (یعنی اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے محبت و عداوت رکھ، ذاتی غرض کوئی نہ ہو)

امام احمد اور ابوداؤد نے حضرت ابوذر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے پیارا عمل یہ ہے کہ اللہ کی خوشنودی کے لئے محبت اور بغض کیا جائے۔

## ﴿.....اللہ کا محبوب کون ہے.....﴾

اولیاء میں ایک جماعت اللہ کی محبوبیت کے درجہ پر بھی فائز ہو جاتی ہے مسلم نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ جب کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو جبرئیلؑ کو طلب فرما کر حکم دیتا ہے، میں فلاں بندہ سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ حسب الحکم جبرئیلؑ اس بندے سے پیار کرنے لگتے ہیں پھر جبرئیلؑ آسمان پر (اہل سموات کو) ندا دیتے ہیں کہ اللہ فلاں شخص سے محبت کرتا ہے۔ تم بھی اس سے محبت کرو حسب الارشاد اہل سماء اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔

پھر زمین (والوں) میں اس کو مقبولیت عطا کر دی جاتی ہے اور جب اللہ کسی بندہ سے نفرت کرتا ہے تو جبرئیلؑ کو طلب فرما کر حکم دیتا ہے میں فلاں شخص سے نفرت کرتا ہوں تو بھی اس سے نفرت کر حسب الحکم جبرئیلؑ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان والوں کو جبرئیلؑ ندا کرتے اور کہتے ہیں اللہ فلاں شخص سے نفرت کرتا ہے تم بھی اس سے نفرت کرو لوگ اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں پھر زمین والوں میں اس سے نفرت پیدا کر دی جاتی ہے (اور زمین والے اس سے نفرت کرنے لگتے ہیں)

## ﴿فصل﴾

### اولیاء اللہ کی علامات کیا ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا اولیاء اللہ کون ہوتے ہیں۔ فرمایا جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد ہوتی ہے (بغوی) رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ نے ارشاد فرمایا میرے بندوں میں میرے اولیاء وہ ہیں جن کی یاد میرے ذکر سے اور میری یاد ان کا ذکر کرنے سے ہوتی ہے۔ (بغوی)

حضرت اسماء بنت یزید نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا سنو، کیا میں تم کو نہ بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھے کون لوگ ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ! ضرور فرمایئے، فرمایا جن کو دیکھنے سے اللہ کی یاد ہوتی ہے (راہ ابن ماجہ)

## فائدہ

اس کا گریہ ہے کہ اولیاء اللہ کو اللہ سے قرب اور بے کیف مصاحبت حاصل ہوتی ہے اسی وجہ سے ان کی ہم نشینی گویا اللہ کی ہم نشینی اور ان کا دیدار اللہ کی یاد دلانے والا اور ان کا ذکر اللہ کے ذکر کا موجب ہوتا ہے۔ ان کی مثال ایسی ہے جیسے سورج کے سامنے رکھا ہوا آئینہ جو سورج کی شعاعوں سے جگمگا جاتا ہے اور اس آئینہ کے سامنے جو چیز رکھی جاتی ہے آئینہ کی عکس ریزی سے وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے بلکہ اگر روئی کو اس آئینے کے سامنے زیادہ قریب رکھا جائے تو آئینہ کے قرب کی وجہ سے روئی جل جاتی ہے اور سورج چونکہ دور ہوتا ہے اس لئے دھوپ میں روئی نہیں جلتی۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ اللہ نے اولیاء کے اندر اثر پذیری اور اثر اندازی کی قوی طاقت رکھی ہے۔ اللہ سے قرب اور بے کیف مناسبت رکھنے کی وجہ سے اولیاء میں اثر پذیری کی صلاحیت زیادہ قوی ہوتی ہے اور جنسیت نوعیت اور شخصیت کے اشتراک کی وجہ سے دوسرے ہم جنس ہم نوع اور مناسب، الشخص افراد پر اثر اندازی کی استعداد بھی ان میں قوی ہوتی ہے یہ ہی تاثر و تاثیر کا تعلق اس امر کا باعث ہوتا ہے کہ ان کا حضور اللہ کے سامنے حضور کا ذریعہ اور ان کو دیکھنا اور ان کے ساتھ بیٹھنا اللہ کی یاد کا موجب ہوتا ہے مگر شرط یہ ہے کہ دیکھنے والے اور بیٹھنے والے کے دل میں انکار نہ ہو (منکروں کو کوئی فیض حاصل نہیں ہوتا) واللہ لا یھدی القوم الفاسقین اللہ ایمان و اطاعت کی حدود سے باہر نکل جانے والوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ نے فرمایا جس نے میرے ولی سے دشمنی کی میں نے اس کو (اپنی طرف سے) جنگ کا الٹی میٹم دے دیا ہے۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرہؓ۔

حضرت حنظلہ نے عرض کیا تھا، یارسول اللہ ﷺ جب ہم حضور ﷺ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ دوزخ اور جنت کی ہم کو یاد دلاتے ہیں تو گویا ہم اپنی آنکھوں سے جنت و دوزخ کو دیکھ لیتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے نکل کر ہم باہر جاتے ہیں اور بیویوں، بچوں اور زمینوں کے جھگڑوں میں مشغول ہو جاتے ہیں تو بہت کچھ (جنت و دوزخ کو) بھول جاتے ہیں، فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر ہر وقت تم اسی حالت پر رہو جس حالت پر میرے پاس اور میری نصیحت کرنے کے وقت ہوتے ہو تو فرشتے تمہارے بستروں پر اور تمہارے راستوں میں تم سے مصافحہ کریں مگر حنظلہ وقت وقت ہوتا ہے (ایک حضور ﷺ کا وقت ایک غیبوبت کا وقت) یہ الفاظ حضور ﷺ نے تین مرتبہ فرمائے۔ رواہ مسلم۔

## فائدہ

عام لوگ کشف و کرامت کو ولایت کی خصوصی نشانی سمجھتے ہیں مگر یہ غلط ہے بہت سے اولیاء کشف و کرامت سے خالی ہوتے ہیں اور کبھی بطور استدراج دوسرے لوگوں میں اولیاء کے علاوہ بھی خرق عادات اور انکشاف غیبی پایا جاتا ہے (اس لئے کشف و کرامت معیار ولایت نہیں ہے) اگر بعض اولیاء سے اتفاقاً کشف و کرامت کا ظہور ہو جائے تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ کشف و کرامت معیار ولایت ہے اللہ نے اپنے رسول مکرم کو خطاب کر کے فرمایا: قل انما انا بشر مثلکم یوحی الی آپ کہہ دیجئے کہ اسکے سوا کچھ نہیں کہ میں تم جیسا انسان ہوں (مگر مجھے یہ امتیاز ہے کہ) میرے پاس وحی آتی ہے۔ دوسری جگہ خطاب کر کے فرمایا: قُلْ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ اگر میں غیب داں

Marfat.com

ہوتا تو کثیر بھلائی سمیٹ لیتا اور برائی مجھے چھو بھی نہ جاتی۔ ایک جگہ اور خطاب فرمایا ہے قل انما الایٰت عِنْدَاللہِ آپ کہہ دیجئے کہ معجزات تو اللہ کے قبضہ میں ہیں۔

صوفیاء کرام کا قول ہے کرامت تو مردوں کا حیض ہے اس کو چھپانا ہی ضروری ہے۔ کرامت کی وجہ سے ایک ولی کو دوسرے ولی پر فضیلت نہیں ہوتی اسی لئے جن اولیاء کے ہاتھوں سے کرامات کا ظہور زیادہ ہوا ان کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی۔

لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیوی زندگی میں انہی کے لئے بشارت ہے۔ یہ بشارت وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ کو عموماً اور بعض مخصوص صحابہ کو خصوصاً دی تھی۔

ترمذی نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت سعید بن زید کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ابو بکرؓ جنت میں (یعنی جنتی) ہے، عمرؓ جنتی ہے، عثمانؓ جنتی ہے، علیؓ جنتی ہے، طلحہؓ جنتی ہے، زبیرؓ جنتی ہے، عبدالرحمٰن بن عوفؓ جنتی ہے، سعد بن ابی وقاصؓ جنتی ہے، سعید بن زیدؓ جنتی ہے، ابو عبیدہ بن جراحؓ جنتی ہے۔

ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میری امت میں سب سے پہلے اے ابو بکر تم جنت میں جاؤ گے۔ ترمذی نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سب سے پہلے زمین پھٹکر میں برآمد ہوں گا پھر ابو بکرؓ پھر عمرؓ ترمذی نے حضرت طلحہ بن عبیداللہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ہر نبی کا ایک رفیق ہوگا اور میرا رفیق جنت کے اندر عثمانؓ ہوگا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت سے بخاری و مسلم نے صحیحین میں بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا تم مجھ سے اس جگہ پر ہو جس جگہ پر ہارون موسیٰ تھے (یعنی جو قرب درجہ یا قرب نسب یا قرب محبت موسیٰ کی طرف سے ہارون کو حاصل تھی وہی قرب تم کو مجھ سے حاصل ہے) مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

حضرت زید بن ارقم کی روایت سے امام احمد اور ترمذی نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جس کا مولیٰ (آقا، سردار، دوست) میں ہوں، علیؓ بھی اس کا مولیٰ ہے۔

حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت سے صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا فاطمہ میرا ٹکڑا ہے جس نے اس کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

ترمذی نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے بیان کیا حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ یہ بھی فرمایا جنت کی عورتوں میں سب سے بہتر مریم بنت عمران اور خدیجہ بنت خویلد ہیں اور فرمایا عورتوں پر عائشہ کی برتری ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت (باقی) کھانوں پر۔ اور یہ بھی فرمایا کہ عبداللہ یعنی ابن عمر صالح آدمی ہے (رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین عن ابن عمر) حضرت عبداللہ بن سلام کے متعلق فرمایا کہ وہ اہل جنت میں سے ہے (متفق علیہ عن سعد بن ابی وقاص) اور فرمایا انصار سے محبت نہیں رکھتا مگر مومن اور ان سے بغض نہیں رکھتا مگر منافق (یعنی انصار سے محبت رکھنا ایمان کی علامت اور ان سے بغض رکھنا نفاق کی نشانی ہے) جو ان سے محبت کرے گا اللہ اس سے محبت کرے گا اور جو ان سے بغض رکھے گا اللہ اس سے نفرت کرے گا اور فرمایا اسید بن حضیر کیسا اچھا آدمی ہے ثابت بن قیس کیسا اچھا آدمی ہے۔ معاذ بن جبل کیسا اچھا آدمی ہے معاذ بن عمرو بن جموح کیسا اچھا آدمی ہے۔

اور فرمایا، جنت تین شخصوں کی مشتاق ہے، علیؓ، عمارؓ، سلمانؓ، حضور ﷺ نے اسی طرح بکثرت صحابہ کو تفصیل کے ساتھ بشارتیں دی تھیں۔ اور اللہ نے سب صحابہ کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا ہے وکلا وعد اللہ الحسنیٰ اور اللہ نے ہر ایک (مخلص صحابی) سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے دوسری آیت میں بھی عمومی بشارت دی ہے فرمایا محمد رسول اللہ والذین معہ الخ

Marfat.com

حضور ﷺ نے فرمایا میرے اصحاب کو برا بھلا نہ کہو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی (کوہ) احد کے برابر سونا راہ خدا میں صرف کرے تو انکے ایک سیر بلکہ آدھ سیر (راہ خدا میں صرف کرنے) کو نہیں پہنچے گا۔ رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین عن ابی سعید الخدری۔

زرین نے حضرت عمر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں جس کی (روشنی کی) پیروی کروگے ہدایت پالوگے۔

اور فرمایا میری امت میں سب سے بہتر لوگ میرے زمانہ کے ہیں پھر وہ لوگ جو ان سے متصل آئیں گے اور پھر وہ لوگ جو ان کے متصل آئیں گے۔ (متفق علیہ عن عمران بن حصین)

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد دنیوی بشارت وہ ہوتی ہے جو اللہ اپنے اولیاء کو خواب یا بیداری کی حالت میں عالم مثال کا انکشاف کر کے دیتا ہے رویائے صالحہ (اچھے خواب) سے یہی عالم مثال کا انکشاف مراد ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوائے مبشرات (بشارتوں) کے نبوت کا کوئی جزباقی نہیں رہا (یعنی میرے بعد لوگوں کو سوائے بشارتوں کے اللہ کے کسی قول کی اطلاع براہ راست یا ملائکہ کی معرفت آئندہ نہ ہوگی۔ نبوت کا دروازہ بند ہو گیا) صحابہ نے عرض کیا مبشرات کیا ہیں فرمایا سچے خواب۔ رواہ البخاری عن ابی ہریرہؓ۔

حضرت عبادہ بن صامت راوی ہیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے آیت لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا کی تشریح دریافت کی۔ فرمایا (بشری سے مراد) سچا خواب ہے جو آدمی کو دکھایا جاتا ہے۔ (بغوی)

حضرت ابودرداءؓ سے لھم البشری فی الحیوہ الدنیا کا معنی دریافت کیا گیا فرمایا جب سے میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کی تفسیر دریافت کی اب تک سوائے تیرے کسی نے مجھ سے اس کی تفسیر دریافت نہیں کی۔ میں نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا تو حضور ﷺ نے فرمایا تھا جب سے یہ آیت نازل ہوئی کسی نے تیرے سوا اس کی مراد نہیں دریافت کی۔ (بشری سے مراد) سچا خواب ہے جو مومن کو دکھایا جاتا ہے۔ دنیوی زندگی میں بھی اس کے لئے بشارت ہے اور آخرت میں جنت بشارت ہو گی۔ (امام احمد و سعید بن منصور) یہ حدیث بہت سندوں سے آئی ہے۔

سچے خواب سے مراد عوام کے خواب نہیں بلکہ اولیاء اور صالحین کے خواب مراد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خواب تین ہوتے ہیں (ایک) اللہ کی طرف سے بشارت (دوسرا) حدیث نفس (یعنی دماغی تخیلات یا تحت الشعور تصورات) (تیسرا) شیطان کی طرف سے ڈراوا (یعنی ہیبت ناک بے سروپا خواب) ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے۔

## ایک شبہ

خواب خواہ اولیاء اور صلحاء کا ہو مفید یقین نہیں (اور اللہ کی طرف سے بشارت کو مفید یقین ہونا چاہئے۔)

## ازالہ

خواب سے یقین نہیں تو غالب گمان ضرور حاصل ہو جاتا ہے اور بشارت کے لئے غلبہ ظن ہی کافی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا نبوت کے ۴۶ اجزاء میں سے ایک جز سچا خواب ہے۔ یہ حدیث بخاری نے حضرت ابو سعید کی روایت سے اور مسلم نے حضرت ابن عمر اور حضرت ابوہریرہ کی روایت سے اور احمد و ابن ماجہ نے حضرت ابن مسعود کی روایت سے بیان کی ہے اسی کی مثل ابن ماجہ نے حضرت عوف بن مالک کی روایت سے بھی بیان کیا ہے۔[1]

امام احمد نے حضرت ابن عمرو حضرت ابن عباس کی روایت سے اور ابن ماجہ نے حضرت ابن عمر کی روایت سے بیان کیا

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

Marfat.com

ہے کہ سچا خواب نبوت کے ستر اجزاء میں سے ایک ہے۔ ۲۵

ابن النجار نے حضرت ابن عمر کا قول بیان کیا ہے کہ سچا خواب نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

البشری سے وہ عمومی بشارت مراد ہے جس کا تعلق جنت اور ثواب سے ہے یہ بشارت ضرور تمام مومنوں کو دی گئی ہے مگر اس کا ظہور اس وقت ہوگا جب ایمان پر خاتمہ ہو اور ایمان پر خاتمہ کیا معلوم ہو یا نہ ہو۔

بعض علماء کے نزدیک البشری سے مراد لوگوں کی طرف سے ستائش ہے بغوی نے عبداللہ بن صامت کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوذر نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آدمی (اچھے) کام تو اپنے لئے کرتا ہے مگر لوگ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں فرمایا مومن کے لئے یہ بشارت (دنیوی) ہے۔ مسلم کی روایت میں بجائے محبت کرنے کے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں آیا ہے۔ زہری اور قتادہ نے کہا مرنے کے وقت اللہ کی طرف سے ملائکہ بشارت لے کر نازل ہوتے ہیں۔ البشری سے یہی مراد ہے اللہ نے فرمایا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول ہے۔

وَفِي الْآخِرَةِ اور آخرت میں یعنی جان نکلنے کے وقت مومن کی روح کو قرب الٰہی کی طرف لے جایا جاتا ہے اور اللہ کی خوشنودی کی بشارت دی جاتی ہے اور قیامت کے دن قبر سے نکلنے کے وقت بھی اس کو بشارت دی جائے گی۔

حضرت عبادہ بن صامت کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ سے ملنا پسند کرتا ہے اللہ بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہے اور جو شخص اللہ سے ملنے کو ناپسند کرتا ہے اللہ بھی اس کی ملاقات کو ناپسند کرتا ہے۔ حضرت عائشہؓ یا کسی اور بی بی نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! ہم کو تو موت پسند نہیں۔ فرمایا یہ مطلب نہیں ہے بلکہ مومن کے مرنے کا جب وقت آتا ہے تو اس کو اللہ کی خوشنودی اور رحمت کی بشارت دی جاتی ہے۔ پس وہ اللہ سے ملنے کا خواستگار ہو جاتا ہے اور کافر کی موت سامنے آتی ہے تو اس کو اللہ کے عذاب اور سزا کی اطلاع دی جاتی ہے اس کو اپنے سامنے آنے والے عذاب سے زیادہ ناگوار اور کوئی چیز نہیں ہوتی اس لئے اللہ سے ملنے کو پسند نہیں کرتا اور اللہ بھی اس سے ملنا ناپسند کرتا ہے۔ رواہ البخاری و مسلم فی الصحیحین۔

حضرت ابن عمر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لا الہ الا اللہ والوں کو نہ موت کے وقت وحشت ہوگی نہ قبروں میں نہ قبروں سے اٹھنے کے وقت گویا وہ منظر میرے سامنے ہے کہ چیخ (صور کی آواز) کے وقت وہ (اہل ایمان) سروں سے مٹی جھاڑتے ہوئے کہہ رہے ہیں: الحمدللہ الذی اذھب عنا الحزن سزاوار ستائش ہے وہ اللہ جس نے ہم سے سختی کو دور کر دیا رواہ الطبرانی فی الدیباج میں حضرت ابن عباس کا مرفوع قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔

لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ اللہ کے کلمات میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یعنی اللہ کے وعدوں کے خلاف نہیں ہو سکتا۔

ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ وہ یعنی مومنوں کا دونوں جہان میں بشارت یافتہ ہونا ہی بڑی کامیابی ہے۔ یہ اور اس سے پہلے کا جملہ معترضہ جملے ہیں جن سے اس جزاء کی عظمت و حقانیت کا اظہار مقصود ہے جس کی بشارت دی گئی ہے جملہ معترضہ ہونے کے لئے یہ ضروری نہیں کہ کلام کے اول و آخر کے درمیان آئے اور کلام کا آخری حصہ وہ ہو جو اول سے مربوط ہو۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ان کا قول آپ کو رنجیدہ نہ کرے۔ (آپ ان کی باتوں سے غمگین نہ ہوں) قول سے

---

لہ نبوت کی مدت تقریباً ۲۳ سال رہی۔ کسر قابل سقوط ہے ابتداء میں نبوت سچے خوابوں کی شکل میں چھ ماہ تک قائم رہی حضور جو خواب دیکھتے تھے وہ صبح کی طرح نور بعینہ ظاہر ہو جاتا تھا چھ ماہ تک یہی کیفیت رہی اس کے بعد وحی کا آغاز ہوا ۲۳ سال کا دوگنا ۴۶ ہوتا ہے یعنی ۲۳ سال کی ششماہیاں ۴۶ ہوتی ہیں۔ پس ابتداء ششماہی میں نبوت کو جو شکل ہوئی وہ نبوت کا پہلا جز قرار پائی اس سے معلوم ہوا کہ سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں جز ہے۔

Marfat.com

مراد ہے کلمہ شرک اور رسول اللہ کی تکذیب اور دکھ پہنچانے کی دھمکیاں۔

اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ کیوں کہ غلبہ تو سارا کا سارا اللہ ہی کو حاصل ہے (ساری طاقت اسی کو حاصل ہے) کسی کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں اللہ سب پر غالب ہے وہی آپ کی مدد کرے گا اور کامیاب فرمائے گا۔

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ وہی (ان کے اقوال کو) سننے والا (اور ان کی نیتوں کو) جاننے والا ہے یعنی ان کو خود سزا دے گا۔

اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ؕ خوب سن لو کہ آسمانوں اور زمین میں جو لوگ (ملائکہ، جن، انس) ہیں وہ اللہ کے (پیدا کئے ہوئے مملوک و مقبوض اور بندے) ہیں۔ اور جب وہ ہستیاں جو تمام مخلوق میں اعلیٰ ہیں اللہ کی محکوم و پرستار ہیں ان میں کوئی بھی رب ہونے کے قابل نہیں تو جو مخلوق نادان بے جان بے عقل ہے وہ اللہ کی شریک اور مثل کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لئے

وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ جو لوگ اللہ کے سوا دوسروں کو پکارتے ہیں وہ ایسی مخلوق کا اتباع نہیں کرتے جو اللہ کی شریک ہو۔

اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ صرف اپنے گمان کی پیروی کرتے ہیں اپنے خیال میں جن کو شریک عبادت قرار دے رکھا ہے بس ان کی عبادت کرتے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ما یتبع میں ما استفہامیہ انکار ہو یا موصولہ ہو اور اس کا عطف من فی السموت پر ہو۔

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ اور محض قیاسی باتیں کر رہے ہیں۔

یعنی ان معبودوں کو اللہ کا شریک قرار دینے میں جھوٹ بولتے ہیں یا یہ ان کی محض من گھڑت ہے غلط طور پر یہ اپنے معبودوں کو شریک الوہیت قرار دے رہے ہیں۔

هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ اللہ وہی تو ہے جس نے تمہارے سکون کے لئے رات بنائی یعنی دن کی محنت سے جو تم تھک جاتے ہو رات میں اس تکان سے آرام حاصل کر لو۔

وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اور دن کو روشنی بخش بنایا جس کی روشنی میں دنیا کی چیزیں دکھائی دیتی ہیں۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ اس میں ان لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو سنیں۔ یعنی اللہ نے جو اپنی حکمت کے زیر اثر اتنی بڑی بڑی چیزیں پیدا کیں ان کی تخلیق کے اندر ایسی نشانیاں موجود ہیں جو اللہ کی قدرت نامہ، نعمت عظیمہ اور حکمت شاملہ کو ظاہر کر رہی ہیں اور اللہ کو مستحق معبودیت ثابت کر رہی ہیں مگر یہ تمام نشانیاں انہی لوگوں کے لئے مفید ہیں جو اللہ کا کلام اور ہدایت کرنے والوں کی نصیحت کو تفکر و عبرت کے کانوں سے سنیں۔

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا مشرکوں کا کہنا ہے کہ اللہ اولاد رکھتا ہے۔ یعنی فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔

سُبْحٰنَهٗ ؕ اللہ (اس تہمت سے) پاک ہے۔ یعنی کسی کا باپ بننے سے منزہ ہے۔ یہ فقرہ تنزیہیہ بھی ہے اور احمقوں کے کلام پر تعجب کا اظہار بھی ہے کہ یہ لوگ ایسی بات کہہ رہے ہیں جس کا وقوع بھی ناممکن اور تصور بھی (یعنی سبحان اللہ کیسی سخت بات کہہ رہے ہیں)

هُوَ الْغَنِيُّ ؕ وہی بے نیاز ہے کسی چیز کا حاجت مند نہیں کسی کی اس کو احتیاج نہیں اس کے سوا ہر چیز ممکن ہے، اپنے وجود، بقاء وجود اور تمام حالات و صفات میں اسی کی محتاج ہے۔ بے نیاز اللہ اور محتاج ممکن میں کوئی مناسبت نہیں پھر کس طرح اللہ والد اور کوئی مخلوق اس کی اولاد ہو سکتی ہے اولاد کو تو والد کا ہم جنس ہونا چاہئے یا یوں کہا جائے کہ اولاد کی ضرورت وہاں ہوتی ہے جہاں باپ کمزور ہو اور بیٹے کی وجہ سے طاقت حاصل کرنا چاہتا ہو یا مفلس ہو اور بیٹے سے مالی مدد کا خواستگار ہو یا اس کو عزت حاصل نہ ہو اور قابل بیٹا اس کے لئے باعث عزت ہو جائے یا باپ مر جانے والا ہو اور اپنی نسل قائم رکھنا چاہتا ہو (بہر حال

Marfat.com

باپ کو بیٹے کی ضرورت کسی غرض اور حاجت کے زیر اثر ہوتی ہے) اور مذکورہ بالا کسی قسم کی حاجت مندی سے اللہ بے نیاز ہے وہ غنی اور قدیم ہے۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے یعنی اس کی مخلوق و ملک ہے پھر کس طرح اس میں سے کوئی چیز اللہ کی اولاد ہو سکتی ہے (اولاد نہ والد کی ملک ہوتی ہے نہ مخلوق)

اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ بِهٰذَا ؕ تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے یعنی نفی ولد کی دلیل کے مقابل کوئی دلیل نہیں ہے۔

اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۶۸ کیا تم اللہ پر ایسی تہمت باندھ رہے ہو جس کا علم (کسی دلیل کی روشنی میں) تم کو خود نہیں ہے۔

اس جملہ میں مشرکوں کو ان کی جہالت پر زجر ہے اور اس امر پر تنبیہ ہے کہ بے دلیل کوئی بات کہنی درست نہیں۔ عقائد کے لئے تو نا قابل شک قطعی دلیل کی ضرورت ہے۔ دوسروں کے مفروضات فکریہ کی تقلید کسی طرح جائز نہیں۔

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۝۶۹ (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ جو لوگ اللہ پر دروغ بندی کرتے ہیں وہ یقیناً کامیاب نہیں ہوں گے نہ دوزخ سے بچیں گے نہ جنت میں پہنچیں گے۔

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا یہ دنیا میں (چند روزہ) تھوڑا سا عیش ہے۔ یعنی یہ دروغ بندی دنیا میں کچھ مزا اڑانے کا سبب ہو جائے گی اس طریقے سے وہ کفر کی حالت میں اپنی ریاست کو قائم رکھ سکیں گے یا ان کی زندگی دنیوی متاع حقیر ہے۔

ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷۰ پھر (موت کے بعد) ان کی واپسی ہماری ہی طرف ہوگی پھر ان کے کفر کی پاداش میں ہم ان کو عذاب شدید کا مزہ چکھائیں گے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۘ اور (اے محمد ﷺ) آپ (مکہ والوں کو) نوحؑ کی خبر پڑھ کر سنایئے۔ یعنی قوم کے ساتھ نوح کی سرگزشت ان کے سامنے پڑھیے۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یاد کیجئے کہ جب نوحؑ نے اپنی قوم سے کہا۔ بر قول بغوی قوم نوح قابیل کی نسل سے تھی لیکن ایسا ممکن نہیں کیونکہ حضرت نوحؑ حضرت شیثؑ کی نسل میں سے تھے قابیل کی نسل میں سے نہیں تھے اور چونکہ قوم کی نسبت حضرت نوحؑ کی طرف کی گئی ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قوم نوحؑ حضرت شیثؑ کی نسل میں سے تھی۔

يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ اے میری قوم اگر تم پر میرا قیام شاق ہو گیا ہو یعنی مدت دراز تک تمہارے اندر میرا رہنا یاد عوت پر قائم رہنا اگر تمہارے لئے ناگوار ہو گیا ہو۔

وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اور احکام خداوندی کی نصیحت کرنا (ناگوار اور بھاری معلوم ہو گیا ہو)

فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ پس اللہ ہی پر میرا بھروسہ ہے (میں اللہ ہی پر بھروسہ رکھتا ہوں)

فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ تم مع اپنے مفروضہ شرکاء کے (مجھے ضرر پہنچانے کی) اپنی تدبیر پختہ کر لو۔

اجمع الامر کسی کام کا پختہ ارادہ کر لیا۔ عزم کر لیا۔ یعنی تم اور تمہارے مفروضہ شرکاء مجھ کو قتل کرنے یا دکھ پہنچانے کا پختہ عزم کر لو (کذا قال الزجاج) یا شرکاء سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی اپنے کام کو اور اپنے شرکاء کے کام کو درست کر لو یا یہ مطلب ہے کہ تم اپنے کام کا پختہ ارادہ کر لو اور اپنے (مفروضہ) شریکوں کو بھی بلا لو۔

ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً پھر وہ تدبیر تمہارے دلوں کی گھٹن کا باعث بھی نہ ہونا چاہئے۔

غُمَّةٌ پوشیدہ چھپا ہوا۔ غمہ اس کو چھپایا یعنی تمہاری تدبیر پوشیدہ بھی نہ ہو بالکل واضح طور پر اپنا مقصد حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ یا یہ مطلب ہے کہ جب تم مجھے ہلاک کر چکو اور میری دن رات کی نصیحت و وعظ کے بار سے آزاد ہو جاؤ تو تمہارا حال



Marfat.com

تم پر مستور نہ رہنا چاہئے۔

ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ پھر جو کچھ میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو کر گذرو۔

وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ اور مجھے بالکل مہلت بھی نہ دو۔ حضرت نوحؑ کے اس کلام میں امر بمعنی تعجیز ہے (یعنی تم ایسا کر ہی نہیں سکتے) اگر کر سکتے ہو تو کر گذرو انتظار کس بات کا ہے) اس کلام کو نقل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ نوحؑ کا اعتماد اپنے رب پر نہایت مضبوط تھا ان کو اللہ کی مدد پر بھروسہ تھا وہ قوم کی کسی خفیہ تدبیر سے خائف نہ تھے ان کو یقین تھا کہ ان کی قوم اور قوم کے معبود کچھ نہیں کر سکتے۔ نہ نفع ان کے قبضہ میں ہے نہ ضرر۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ پھر بھی تم اگر اعراض ہی کئے جاؤ تو (اتنا سمجھ لو کہ) میں تم سے کسی معاوضہ کا طالب نہیں۔

جزاء کو حذف کر کے جزاء کی علت کو اس کے قائم مقام ذکر کیا ہے اصل مطلب (تشریحی) اس طرح ہے کہ اگر تم میرے وعظ و نصیحت سے اب بھی روگردانی کرو گے اور میری بات نہیں مانو گے تو ہلاک ہو جائے گے یا اللہ تم کو عذاب دے گا کیونکہ تمہاری روگردانی کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ قبول حق سے کوئی امر مانع نہیں اس وعظ و تذکیر میں میرا کوئی مقصد نہیں میں اس دعوت کا معاوضہ تم سے نہیں چاہتا کہ تم معاوضہ ادا کرنے سے قاصر ہو اور اس لئے روگردانی کر رہے ہو یا مجھے (دنیا طلبی کی تہمت سے) متہم کر سکو یا یہ مطلب ہے کہ روگردانی کرو گے تو خود اپنا نقصان کرو گے میرا کچھ بگاڑ نہ ہو گا میں تم سے معاوضہ کا طلب گار نہیں کہ تمہاری روگردانی سے مجھے معاوضہ نہ ملے تمہارا ہی بگاڑ ہو گا تم ہی ہدایت سے محروم ہو گے۔

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (اس دعوت و وعظ کا) میرا معاوضہ تو بس اللہ کے ذمہ ہے یعنی تم سے معاوضہ کا کوئی تعلق نہیں تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ میرے عمل کا ثواب تو اللہ دے گا۔

اس فقرہ سے اشارہ نکلتا ہے کہ تعلیم قرآن وغیرہ کی اجرت لینی جائز نہیں۔ (تعلیم قرآن و احادیث بھی تبلیغ دین ہے اور تبلیغ دین کی اجرت ان لوگوں سے لینی جن کو تبلیغ کی گئی ہو بظاہر اس آیت سے ناجائز قرار پاتی ہے)

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۷۲﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ (اللہ کے حکم کی) اطاعت کروں ایمان لاؤں اعمال میں بھی اتباع حکم الٰہی کروں اور لوگوں کو بھی دعوت دوں اور اس حکم کی تعمیل میں نے کی ہے اور کر رہا ہوں۔

فَكَذَّبُوْهُ (حق واضح ہونے کے بعد بھی محض عناد اور ضد کی وجہ سے) قوم نوحؑ تکذیب پر جمی رہی۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ پس ہم نے نوحؑ کو اور ان کے ساتھیوں کو کشتی میں (غرق ہونے سے) بچا لیا یہ سب اسی آدمی تھے۔

وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا اور ہم نے ان کو (مرنے والوں کا) جانشین بنایا اور جنہوں نے ہماری نشانیوں کو جھٹلایا تھا ان کو (طوفان میں) ڈبو دیا۔

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾ سو آپ دیکھئے کہ جو لوگ ڈرائے گئے تھے ان کا انجام کیسا ہوا۔ یعنی جن لوگوں کو پیغمبروں نے اللہ کی نافرمانی کے عذاب سے ڈرایا تھا اور وہ ایمان نہیں لائے تھے وہ کس طرح تباہ ہوئے۔

اس جملہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین اور تکذیب کرنے والوں کو عظیم الشان عذاب سے تخویف ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ پھر نوحؑ کے بعد ہم نے (مختلف بکثرت) پیغمبروں کو ان کی قوم کے پاس (ہدایت کے لئے) بھیجا یعنی ہر رسول کو اس کی قوم کی طرف بھیجا۔

فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ پس پیغمبر قوم والوں کے پاس کھلے ہوئے واضح دلائل (صداقت) لے کر پہنچے۔

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ اور بسبب اس کے جس چیز کی تکذیب انہوں نے پہلی

Marfat.com

یا رکی تھی (اس پر اڑے رہے بعد کو بھی) ایمان نہیں لائے۔

كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ اسی طرح ہم کافروں کے دلوں پر بند لگا دیتے ہیں۔

یعنی جس طرح ہم نے قوم نوحؑ اور نوحؑ کے بعد آنے والے پیغمبروں کی امتوں کے دلوں پر مہر لگا دی تھی (بے مدد چھوڑ دیا تھا) اسی طرح آپ کی امت میں سے جو لوگ حکم خداوندی سے تجاوز کرنے والے ہیں ان کے دلوں پر بھی مہر لگا دیتے ہیں اور چونکہ وہ خود گمراہی میں غرق ہیں اور خواہشات نفس کو نہیں چھوڑتے اس لئے ہم بھی ان کو بے مدد چھوڑ دیتے ہیں۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا

پھر ان (پیغمبروں) کے بعد ہم نے موسیٰ (بن عمران) اور (ان کے بھائی) ہارونؑ کو فرعون اور اس کی قوم کے سرداروں کے پاس اپنی نشانیاں دے کر بھیجا۔ چونکہ اگلی آیت میں قوم فرعون کی سرکشی کا بیان کیا گیا ہے اس لئے اس جگہ فرعون کے ساتھ سرداران قوم کا لفظ بھی ذکر کر دیا۔

فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ۝ پس انہوں نے اپنے کو بڑا سمجھا اور وہ تھے مجرم لوگ۔

یعنی موسیٰؑ اور ہارونؑ کی بات ماننے کو حقیر سمجھا اور مغرور ہو گئے (اس لئے اتباع نہیں کیا) اور وہ جرم کے خوگر تھے عادی تھے اسی لئے انہوں نے رسالت کے پیام کو حقیر سمجھا اور تردید رسالت کی جرات کی۔

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ پھر جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق پہنچ گیا تو کہنے لگے بلاشبہ یہ (یعنی موسیٰؑ کے معجزات) کھلا ہوا جادو ہے یعنی جب فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس دین حق پہنچا اور واضح ناقابل شک معجزات سے اس کی حقانیت و صداقت کو وہ سمجھ بھی گئے تب بھی ضد اور سرکشی کی وجہ سے انہوں نے نہ مانا اور موسیٰؑ کے پیش کردہ معجزات کو کھلا ہوا جادو قرار دیا اور موسیٰؑ کو ماہر جادوگر کہا۔

قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ۭ اَسِحْرٌ هٰذَا ۭ موسیٰؑ نے کہا کیا حق جب تمہارے پاس آگیا تو تم اس کو سحر کہتے ہو کیا یہ جادو ہے

یعنی موسیٰؑ نے بطور تعجب و انکار کہا کہ جس امر کی صداقت و حقانیت اللہ کی طرف سے ہے تم اس کو سحر کہتے ہو سحر کی تو کوئی حقیقت نہیں ہوتی وہ تو صرف فریب کاری ہوتا ہے۔ تقولون کا مفعول محذوف ہے۔ اسحر مفعول نہیں ہے یہ الگ جملہ ہے۔

وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ۝ اور جادوگر کامیاب نہیں ہوتے یہ جملہ حضرت موسیٰؑ کے کلام کا تتمہ ہے۔ یعنی یہ جادو نہیں ہے اگر جادو ہوتا تو نابود ہو جاتا اور جادوگروں کے جادو کو تباہ نہ کر سکتا۔ یا یہ فقرہ فرعونیوں کے قول (سحر ہذا) کا تکملہ اور جز ہے۔ گویا فرعونیوں نے کہا تھا کہ موسیٰؑ کیا تم جادو کا مظاہرہ کر کے کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہو جادوگر کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ فِي الْاَرْضِ ۭ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

فرعون نے کہا (موسیٰؑ) کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ جس (مذہب) پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا اس سے ہم کو پھیر دو (موڑ دو قتادہ یعنی بت پرستی یا فرعون کی پوجا سے ہم کو پھیرنے کے لئے آئے ہو) اور تم دونوں کی ملک مصر میں حکومت ہو جائے اور ہم تمہاری بات کو سچا نہیں مانیں گے کبریاء سے مراد ہے حکومت اور اقتدار اعلیٰ۔ بادشاہ میں غرور دنیوی پیدا ہو ہی جاتا ہے اس لئے بادشاہت کا نام ہی غرور ہو گیا۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ۝ اور فرعون نے کہا میرے پاس تمام ماہر جادوگروں کو (بلا کر) لاؤ۔

فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ ۝ پھر (فرعون کے طلب کرنے

Marfat.com

کے بعد) جب جادوگر (موسیٰ کے مقابلہ میں) آگئے تو موسیٰ نے ان سے کہا جو کچھ تم (جادو کی رسیاں وغیرہ) پھینکنے والے ہو پھینکو۔

فَلَمَّآ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰى مَا جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ ۙ اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ ۭ — پھر جب جادوگروں نے پھینکا تو موسیٰ نے فرمایا تم جادو ہی لائے ہو۔ یقیناً اللہ اس کو مٹادے گا اس کا بے حقیقت ہونا ظاہر کر دے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ ۝۸۱ — حقیقت یہ ہے کہ اللہ بگاڑ پیدا کرنے والوں کے عمل کو قائم نہیں رکھتا۔ قوت نہیں دیتا۔ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ جادو کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ محض فریب کاری اور فساد انگیزی ہے۔

وَيُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ — اور اللہ اپنی آیات سے حق کو جما دیتا اور مضبوط کر دیتا ہے۔

وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ۝۸۲ — خواہ مجرموں کو ناگوار ہو۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى — پس موسیٰ کی تصدیق نہیں کی (باوجودیکہ انہوں نے جادوگروں کے جادو کو نابود کر دیا اور صداقت کی نشانیاں پیش کیں)

اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ — مگر موسیٰ کی قوم کے تھوڑے آدمیوں نے من قومہٖ کی ضمیر بعض اہل تفسیر کے نزدیک موسیٰ کی طرف راجع ہے یعنی صرف وہ بنی اسرائیل موسیٰ پر ایمان لائے جو مصر میں رہتے تھے اور مصر سے نکلنے کے وقت حضرت موسیٰ کے ساتھ تھے (قبطی ایمان نہیں لائے)

مجاہدؒ نے کہا ایمان لانے والے ان اسرائیلیوں کی اولاد تھے جن کی ہدایت کے لئے موسیٰ کو بھیجا گیا تھا آباء کے مرنے کے بعد ان کے بیٹے باقی رہے تھے ذریت سے یہ ہی لوگ مراد ہیں۔

بعض علماء نے کہا جب فرعون نے بنی اسرائیل کے نوزائیدہ بچوں کو قتل کر دینے کا آرڈر جاری کر دیا تو بعض اسرائیلی عورتوں نے اپنے نوزائیدہ بچے قبطی عورتوں کو ویسے ہی دے دیئے ان بچوں نے قبطیوں کے پاس پرورش پائی اور جس روز حضرت موسیٰ جادوگروں پر غالب آئے اس روز یہی اسرائیلی ایمان لائے تھے جو نسلاً اسرائیلی تھے اور بظاہر قبطی زادے)

بعض مفسرین کا قول ہے کہ قومہٖ کی ضمیر فرعون کی طرف راجع ہے عطیہ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ قوم فرعون کے کچھ قلیل آدمی حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے تھے فرعون کی بی بی اور فرعون کا خزانچی اور خزانچی کی بی بی اور فرعون کی بی بی کے بالوں میں کنگھا کرنے والی خادمہ اور مؤمن آل فرعون (جس کا تذکرہ سورہ یٰسین کی آیت وَجَآءَ مِنْ اَقْصَى الْمَدِيْنَةِ رَجُلٌ يَّسْعٰى میں آیا ہے) انہی لوگوں میں سے تھے اور یہی چند اہل ایمان آیت میں مراد ہیں (اخرجہ ابن جریر)

دوسری روایت میں حضرت ابن عباس کا قول آیا ہے وہ ستر آدمی مراد ہیں جن کے باپ قبطی تھے اور مائیں اسرائیلی یہ لوگ اپنی ننہال کے پیرو ہو گئے تھے فراء نے کہا ان کو ذریت اس لئے کہا گیا کہ ان کے باپ قبطی تھے اور مائیں اسرائیلی جس طرح بعض اہل فارس یمن میں آبسے تھے ان کی اولاد کو ابناء فارس کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے باپ دوسرے ملک سے تھے اور مائیں دوسرے ملک سے۔

عَلٰي خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ۭ — ڈرتے ڈرتے فرعون اور اپنے حاکموں سے کہ (کہیں ایمان لانے کی اطلاع فرعون کو اگر مل گئی تو) ان کو سخت مصیبت میں ڈال دے گا۔

ملائہم کی ضمیر جمع فرعون کی طرف راجع ہے اور اظہار تعظیم کے لئے ہے یا فرعون سے مراد ہیں اس کے متبعین یعنی فرعونی لوگ۔ جیسے ربیعہ اور مضر سے مراد ہوتے ہیں ربیعہ اور مضر کی نسل کے قبائل یا ذریت کی طرف راجع ہے یعنی ذریت مومنہ کو فرعون اور اپنے قبطی حکام سے ڈر تھا یا قوم کی طرف راجع ہے۔

وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۸۳ — اور اس میں شبہ نہیں کہ

ع ۱۲ ۸

Marfat.com

فرعون ملک (مصر میں لونچا (طاقتور مغرور) تھا اور اپنی حدود سے تجاوز کرنے والوں میں سے تھا۔ کہ باوجود مخلوق اور محتاج ہونے کے ملوکیت سے آگے بڑھ کر ربوبیت کا مدعی بن بیٹھا تھا اور انبیاء زادوں کو باندی غلام بنا رکھا تھا۔

وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

اور موسیٰ نے (جب مومنوں کو خوف زدہ دیکھا تو) کہا اے میری قوم! اگر تم اللہ پر ایمان لے آئے ہو تو اسی پر اعتماد اور بھروسہ کرو (فرعون اور اس کے آدمیوں سے مت ڈرو) اگر اللہ کے فیصلہ کو) مانتے ہو اور مخلص ہو تو اللہ ہی پر توکل کرو اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ کی جزا محذوف ہے اور اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ کی جزا فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا ہے۔ ایمان وجوب توکل کا مقتضی ہے اس لئے تَوَكَّلُوْٓا کا اٰمَنْتُمْ سے تعلق ہے اور جب تک دلوں میں اخلاص نہ ہو اور اپنی ہستی کو فیصلہ خداوندی کے سپرد نہ کر دیا جائے اس وقت تک حصول توکل نہیں ہو سکتا توکل نفسانی خواہشات کو احکام الٰہی کے ساتھ مخلوط کرنے کی صورت میں حاصل نہیں ہوتا توکل صوفیہ کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔

فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا (چوں کہ وہ لوگ مخلص تھے اور اللہ کے پیغمبر کے سچے صحابی تھے، اس لئے) انہوں نے کہا ہمارا بھروسہ تو اللہ ہی پر ہے اس کے بعد انہوں نے دعا کی اور بولے۔

رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۵﴾ اے ہمارے رب ہم کو ان ظالم لوگوں کا تختہ مشق نہ بنا۔

فتنہ سے مراد ہے نشانہ، عذاب۔ نزول عذاب کا مقام، یعنی اے ہمارے رب! ان ظالموں کو ہم پر قابو نہ دینا کہ ہم کو یہ اپنے عذاب کا نشانہ بنا سکیں یا یہ مطلب ہے کہ ان کافروں کے کفر اور سرکشی میں اضافہ کا سبب ہم کو نہ بنانا کہ براہ راست تیرے امتحان میں ہم مبتلا ہو جائیں یا فرعون کے ہاتھوں ہم پر عذاب نازل ہو جائے اور پھر فرعون والے کہیں گے کہ اگر یہ لوگ حق پر ہوتے تو عذاب میں مبتلا نہ ہوتے اور اس کہنے سے ان کا کفر اور ترقی پر ہو جائے۔

وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۶﴾ اور ہم کو ان کافروں کے گروہ سے اپنی رحمت سے نجات عطا کر یعنی ان کی مکاری اور سازش اور نحوست سے نجات دے۔

دعا سے پہلے توکل کا ذکر کرنا بتا رہا ہے کہ دعا کرنے والے پر سب سے پہلے اللہ پر بھروسہ رکھنا لازم ہے تاکہ اس کی دعا قبول ہو سکے۔

میں کہتا ہوں صوفی کے لئے توکل تو ان صفات میں سے ہے جو صوفی کے اندر ہونی لازم ہیں دعا تو لوازم میں سے نہیں بیرونی عوارض میں سے ہے اگر صوفی دعا کرتا ہے تو بہتر ہے صوفیت کا حال اس کا مقتضی ہے لیکن لازم نہیں اور توکل صوفی کی لازمی خصوصیت ہے)

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کے اور اس کے بھائی (ہارون) کے پاس۔

اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا کہ تم دونوں اپنے لوگوں کے مصر میں گھر مقرر کر لو۔

یعنی کچھ مکان مقرر کر لو کہ سکونت اور عبادت کے لئے تمام مکانوں کو چھوڑ کر مقررہ گھروں کی طرف رجوع کرو۔

بغوی نے لکھا ہے اکثر مفسرین کا بیان ہے کہ پہلے بنی اسرائیل صرف گرجوں اور خانقاہوں میں نماز پڑھا کرتے تھے۔ لیکن حضرت موسیٰ کی بعثت کے بعد فرعون کے حکم سے تمام عبادت خانے ڈھا دیئے گئے اور بنی اسرائیل کو وہاں نماز پڑھنے کی ممانعت ہو گئی تو اللہ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ اپنے گھروں کے اندر ہی مسجدیں بنا لو اور وہیں نماز پڑھا کرو۔ ابراہیم نخعی کا یہی قول ہے اور عکرمہ کی روایت میں حضرت ابن عباس کا بھی یہی قول آیا ہے۔

مجاہد کا بیان ہے کہ حضرت موسیٰ اور آپ کے ساتھیوں کو فرعون کی طرف سے ڈر تھا کہ جامع مسجدوں میں نماز پڑھیں گے تو فرعون پکڑوا کر سزا دے گا اس لئے اللہ کی طرف سے حکم دیا گیا کہ بنی اسرائیل اپنے گھروں میں کعبے کے رخ پر مسجدیں بنا لیں اور چھپ کر وہاں نماز پڑھا کریں گے۔



Marfat.com

وَاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً اور تم سب بنالو (مقررہ کردہ) گھروں کی قبلہ رخ نماز کی جگہ قبلہ سے مراد ہے نماز کی جگہ جو قبلہ رخ ہو یعنی کعبہ کی چھت پر ہو ابن جریج نے حضرت ابن عباس کا قول بیان کیا ہے کہ حضرت موسیٰ اور آپ کے ساتھیوں کا قبلہ عبادت کعبہ تھا۔

وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ؕ اور اس میں نماز قائم کرو۔ تاکہ کفار غلبہ حاصل کر کے ان کو ایذا نہ پہنچائیں۔

وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اور (اے موسیٰ) تم ایمانداروں کو بشارت دے دو۔ کہ اللہ تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے گا اور تم کو ملک میں ان کا جانشین بنا دے گا اور آخرت میں تم کو جنت عطا فرمائے گا۔ شروع کلام میں موسیٰ اور ہارون دونوں کو خطاب کیا پھر ان دونوں کو مع قوم کے مخاطب بنایا کیونکہ دونوں حضرات کی کوشش اور سرداران قوم کے مشورہ سے گھروں کے اندر مسجدیں ہو سکتی تھیں اور چونکہ ہر شخص پر گھروں کے اندر نماز کی جگہ مقرر کرنا اور وہاں اداء صلوٰۃ کرنا لازم تھا اس لئے سارے مومنوں کو خطاب فرمایا۔ آخر میں صرف حضرت موسیٰ کو مخاطب کیا کیونکہ آپ ہی صاحب شریعت تھے اور قوم کو بشارت دینا آپ ہی کا فریضہ تھا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ بشر سے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً اور موسیٰ نے کہا اے ہمارے مالک! تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان آرائش عطا فرمایا ہے۔

زینت سے مراد اسباب زینت، لباس، زیور، فرش، فرنیچر، استعمال کا سامان، سواریاں، نوکر چاکر اور خدمت گار وغیرہ۔

وَّاَمْوَالًا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ ۚ اور بہت مال دنیوی زندگی میں اے ہمارے رب (اس کا نتیجہ یہ ہے) کہ وہ تیرے راستے سے بہکا دیں۔

لِيُضِلُّوْا میں لام عاقبت ہے (یعنی وہ لام جو نتیجہ پر داخل ہوتا ہے اور لام سے پہلے کا کلام بعد والے کلام کا سبب ہوتا ہے) مطلب یہ کہ تیرے دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ گمراہ اور گمراہ کن ہو گئے۔ جیسا دوسری آیت میں آیا ہے فَالْتَقَطَهٗٓ اٰلُ فِرْعَوْنَ لِيَكُوْنَ لَهُمْ عَدُوًّا وَّحَزَنًا فرعون کے آدمیوں نے موسیٰ کو پالیا کہ موسیٰ (نتیجہ میں) ان کے دشمن اور ان کے حزن کا سبب ہو جائیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ لام بمعنی کَے ہے (تاکہ) یعنی تو نے یہ سارا مال و متاع دے کر ان کو ڈھیل دی ہے تاکہ وہ گمراہی پر جمے رہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ چونکہ فرعون اور اس کے ساتھیوں نے خدا داد مال و متاع اور جاہ و حشم کو گمراہی کا ذریعہ بنا رکھا تھا تو گویا ان کو دیا ہی گیا اس لئے تھا کہ وہ گمراہ ہو جائیں اور دوسروں کو بہکائیں۔ اظہار عجز اور شدت زاری کے لئے رَبَّنَا کو بطور تاکید دوبارہ ذکر کیا۔

شیخ ابو منصور ماتریدی نے فرمایا کہ اللہ جانتا تھا کہ کافر دوسرے لوگوں کو اللہ کے راستے سے بہکائیں گے اس لئے ان کو دنیا کا مال و متاع عطا فرما دیا۔ تاکہ وہ اس کے راستے سے لوگوں کو بہکائیں (گویا مال دینے کی غرض ہی یہ تھی کہ وہ گمراہ ہوں اور گمراہ کریں) جیسا دوسری آیت میں آیا ہے اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ہم ان کو ڈھیل دیتے ہیں تاکہ گناہوں میں ترقی کریں۔ اس صورت میں یہ آیت معتزلہ کے مسلک کے خلاف ایک واضح شہادت ہو جائے گی۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ بندوں کے لئے جو امر زیادہ نفع بخش ہو اس کا کرنا اللہ پر واجب ہے (غیر مفید اور ضرر رساں کام اللہ نہیں کرتا بندہ خود اس کی تخلیق کرتا ہے)

بیضاوی نے لکھا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِكَ (الگ جملہ انشائیہ ہے اس) میں لِيُضِلُّوْا امر کا صیغہ ہے اور کافروں کے لئے بد دعا ہے۔

رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ اے ہمارے رب! ان کے مالوں کو (تباہ کر کے) مٹا دے۔ (مجاہد) بعض اہل علم

Marfat.com

نے کہا اطمس سے مراد ہے صورت مسخ کر دینا ہیئت بگاڑ دینا۔ قتادہ کا قول ہے کہ ان کا سارا مال کھیتیاں اور جواہر پتھر بنا دیئے گئے نقوش اور شکل وہی تھی جو اصلی چیزوں کی تھی مگر سب چیزیں پتھر کی ہو گئی تھیں اور پھٹ کر کسی کے دو لور کسی کے تین ٹکڑے ہو گئے تھے عمر بن عبدالعزیز نے ایک تھیلا منگوایا اس میں فرعون والوں کی کچھ باقی ماندہ چیزیں تھیں۔ انڈا نکالا تو وہ بھی شگافتہ اور اخروٹ نکالا تو وہ بھی پھٹا ہوا اور سب چیزیں پتھر کی۔

سدی نے کہا اللہ نے ان کے سب مال، درخت، پھل، آٹا کھانا پتھر کا کر دیا تھا۔ یہ معجزہ بھی حضرت موسیٰ کے نو معجزات میں سے ایک تھا۔

وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اور ان کے دلوں پر سخت بند باندھ دے یعنی ان کے دلوں کو سخت کر دے۔ ان پر مہر لگا دے کہ ایمان کے لئے ان میں نرمی ہی پیدا نہ ہو۔ حضرت موسیٰ نے مایوس ہو کر ان کے لئے یہ بد دعا کی تھی ورنہ حضرت موسیٰ کو تو اس لئے بھیجا گیا تھا کہ وہ ایمان کی طرف بلائیں (نہ یہ کہ انکار پر قائم رکھنے کی دعا کریں)

ایک شبہ: جب حضرت موسیٰ کو معلوم تھا کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تو پھر بد دعا کرنا بے سود تھا۔

ازالہ: بد دعا کی وجہ شاید یہ ہو کہ ایمان کی فطرت اللہ کے دشمنوں سے اللہ کے لئے نفرت کرتی ہے (اور بغض و نفرت کا تقاضا ہے کہ بد دعا کی جائے بشرطیکہ نفرت ذاتی نہ ہو بوجہ اللہ ہو) یا موسیٰ کو بد دعا کرنے کا حکم دیا گیا ہو گا اور اسکی تعمیل میں آپ نے بد دعا کی مثلاً تم یہ جانتے ہو کہ ابلیس پر اللہ کی لعنت ہے لیکن اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا شیطان تمہارا دشمن ہے تم اس کو دشمن سمجھو۔ تم اس حکم کی تعمیل میں شیطان پر لعنت کرتے ہو۔

فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝۸۸ پھر وہ ایمان نہ لائیں یہاں تک کہ (مرنے کے بعد) دردناک عذاب کا مشاہدہ کر لیں (سدی)

قَالَ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا اللہ نے (موسیٰ اور ہارون سے) فرمایا تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی۔ موسیٰ دعا کر رہے تھے اور ہارون آمین کہہ رہے تھے اس لئے دعا کی نسبت دونوں کی طرف کی گئی بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ کی دعا چالیس برس کے بعد قبول ہوئی تھی۔

فَاسْتَقِيْمَا پس تم قائم رہنا یعنی رسالت اور دعوت پر قائم رہنا اور میرے حکم پر چلنا یہاں تک کہ ان پر عذاب آجائے گا۔

وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝۸۹ اور نادانوں کے طریق کی پیروی نہ کرنا کہ نادانوں کی طرح نزول عذاب میں جلدی کرنے لگو۔ یا اللہ کے وعدے پر پورا بھروسہ نہ رکھو۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار کرا دیا یعنی عبور کرا کے دوسرے کنارے پر پہنچا دیا۔ پانی پھٹ کر ادھر ادھر ہو گیا حضرت موسیٰ اور آپ کی قوم والے (خشک زمین پر چل کر) پار نکل گئے۔

فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بنی اسرائیل کے پیچھے فرعون اور اس کا لشکر تبھی جا پہنچا تَبِعَ اور اَتْبَعَ جا پہنچا پیچھے سے چلا اور اگلے لوگوں سے جا کر مل گیا اِتَّبَعَ (باب افتعال) پیروی کی بعض نے کہا اَتْبَعَ باب افعال) اور اَتْبَعَ (باب افتعال) دونوں ہم معنی ہیں۔

بَغْيًا وَّعَدْوًا ظلم اور زیادتی کے ارادہ سے۔

بعض نے کہا بغی سے مراد ہے قول میں زیادتی اور عدوا سے مراد ہے فعل میں زیادتی۔ غرض فرعون لشکر کو لے کر جب دریا کے کنارے پہنچا تو اندر گھسنے سے سب کو ڈر لگا مگر (غیب سے انسانی شکل بنا کر) حضرت جبرئیل گھوڑی پر سوار ہو کر آئے اور سب سے آگے پانی میں گھس پڑے، گھوڑی کے پیچھے فوج کے گھوڑے بھی دریا میں داخل ہو گئے جب آخری آدمی تک دریا میں گھس گیا اور اول ترین آدمی نے دوسرے کنارہ سے نکلنے کا ارادہ کر لیا تو یکدم پانی برابر ہو گیا اور سب کے اوپر آگیا۔

Marfat.com

حَتّٰۤى اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾

یہاں تک کہ فرعون جب ڈوبنے لگا تو بولا مجھے یقین ہو گیا کہ سوائے اس کے کوئی معبود نہیں جس کو بنی اسرائیل مانتے ہیں اور میں (اس کے) فرماں برداروں میں سے ہوں۔ حضرت جبرئیلؑ نے فورا اس کے منہ میں کیچڑ بھر دی اور توبہ قبول ہونے سے پہلے وہ مر گیا۔ جب قبول توبہ کا وقت تھا تو بدبخت منہ موڑے رہا اور جب قبول توبہ کا وقت جاتا رہا تو پر زور توبہ کی (جس کا کوئی نتیجہ نہ ہوا)

آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾ (اللہ نے فرمایا) کیا اب (تجھے یقین ہوا اور تو نے مانا) حالانکہ اس سے پہلے (ساری عمر (تو نافرمانی کرتا رہا اور تباہی پیدا کرنے والوں میں رہا خود بھی گمراہ رہا اور دوسروں کو بھی ایمان سے بہکاتا رہا۔ بغویؒ نے حضرت ابن عباس کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ فرعون کو غرق کرنے لگا (یعنی بحکم خدا فرعون ڈوبنے لگا) تو بولا اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ حضرت جبرئیلؑ نے (رسول اللہ ﷺ سے) کہا محمد ﷺ! کاش آپ وہ منظر دیکھتے کہ میں اس کے منہ میں سمندر کی کیچڑ ٹھونس رہا تھا کیونکہ مجھے اندیشہ تھا کہ کہیں اللہ کی رحمت اس کو پہنچ جائے (اور مرنے سے پہلے اس کی توبہ قبول ہو جائے)

## فائدہ

جلال الدین دوانی کا قول ہے کہ فرعون نے چونکہ کلمہ توحید زندگی میں پڑھ لیا تھا اس لئے (اس کی توبہ قبول ہو گئی اور) وہ مسلمان مرا۔ دوانی نے اس قول میں حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کی پیروی کی ہے۔ ابن عربی کا بھی یہی قول ہے کہ فرعون پاک مرا۔

حق یہ ہے کہ شیخ کا قول ظاہر نصوص کے خلاف ہے آپ کے سکر کی حالت کے بکثرت الفاظ شرع کے مطابق نہیں ہیں شیخ کا فرعون کے متعلق یہ قول بھی اجماع علماء کے خلاف ہے۔ اور صحیح احادیث سے بھی مطابقت نہیں رکھتا۔

دوانی نے کہا فرعون کا دوزخی ہونا کسی آیت سے ثابت نہیں جس جس آیت میں عذاب دوزخ کا ڈراوا دیا گیا ہے وہ آل فرعون کو دیا گیا ہے فرعون کو نہیں دیا گیا۔ دیکھو اللہ نے فرمایا ہے اَدْخِلُوْۤا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ آل فرعون کو شدید ترین عذاب میں داخل کر دو۔ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ فرعون نے اپنے متبعین کو دوزخ میں اتار دیا۔ وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اہل فرعون کو برے عذاب نے گھیر لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفر کی وجہ سے فرعون کو عذاب نہ ہو گا بلکہ مخلوق پر چونکہ اس نے مظالم کئے تھے اس لئے اس کو عذاب ہو گا بندوں کے حقوق معاف نہیں کئے جائیں گے۔

میں کہتا ہوں دوانی کی یہ دلیل لغو ہے اللہ نے فرمایا ہے فَحَشَرَ فَنَادٰى فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى فرعون نے سب کو جمع کر کے کہا میں تم سب کا رب اعلیٰ ہوں آخر اللہ نے اس کی پکڑ کی اور اس کو دنیا و آخرت میں (یا اگلوں پچھلوں کے لئے) عبرت بنا دیا اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ کفر کی وجہ سے آخرت میں فرعون پر عذاب ہو گا۔ دوسری آیت میں حضرت موسیٰؑ کی دعا نقل کی ہے۔ اِنَّكَ اٰتَیْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ اس کے آخر میں فرمایا ہے قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ نے فرعون کے لئے بددعا کی تھی اور درخواست کی تھی کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہو اور یہ دعا قبول کر لی گئی پس کفر پر اس کا خاتمہ ہو گیا اس کا انکار آیت کا انکار ہے۔

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰیَةً ؕ پس آج کسی اونچے ٹیلہ پر ہم تیرے بدن کو ڈال دیں گے (کہ جسم کو مچھلیاں نہ کھا سکیں اور بدن اپنی شکل کے ساتھ قائم رہے) تاکہ تو اپنے پیچھے آنے والوں کے لئے عبرت بن جائے نُنَجِّیْ نَجْوَۃٌ سے مشتق ہے نجوہ کا معنی ہے اونچی جگہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ پانی کے جس قعر میں تیری قوم غرق ہو گئی (اور ان کے بدن بھی تہ نشین ہو گئے) ہم ان کی طرح تیرے جسم کو پانی کے اندر نہیں داخل کریں گے بلکہ پانی کے اوپر تیرائیں

Marfat.com

گے۔ بدبدن یعنی بیجان لاشہ۔ یا مکمل جسم۔ یا برہنہ جسم۔ یا بدبدن سے مراد یہ ہے کہ تجھے تیرے کرتہ سمیت ہم اوپر لا پھینکیں گے فرعون کا ایک کرتہ سنہری تاروں کا جواہر سے مرصع مشہور تھا۔

بغوی نے لکھا ہے جب حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو فرعون کے ہلاک ہو جانے کی اطلاع دی تو ان کو یقین نہیں آیا کہنے لگے فرعون مر انہیں ہے اس کا شبہ دور کرنے کے لئے اللہ نے فرعون کی لاش کو ساحل پر لا پھینکا لاش سرخ اور چھوٹی تھی۔ نیل معلوم ہوتی تھی (یعنی پھول گئی تھی) بنی اسرائیل نے دیکھ کر اس کو پہچان لیا اور حضرت موسیٰ کی اطلاع کی تصدیق کی ایئہ سے مراد عبرت نصیحت یا ایسی نشانی جس سے اللہ کی توحید (قدرت) اور بندہ کا عجز ثابت ہو رہا ہے خواہ بندہ بادشاہ ہی ہو۔ بات یہ تھی کہ بنی اسرائیل کے دماغوں میں یہ بات جم چکی تھی کہ فرعون کبھی نہیں مرے گا اسی وجہ سے حضرت موسیٰ کی اطلاع کے بعد بھی ان کو فرعون کے مرنے میں شک رہا۔ آخر ساحل پر پڑی ہوئی لاش کو دیکھ کر ان کو یقین ہو گیا یا مِنْ خَلْفِکَ سے مراد ہیں آئندہ زمانہ میں آنے والے لوگ کہ ان کو اس واقعہ کو سن کر عبرت ہو گی اور وہ سرکشی سے باز رہیں گے۔

وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ اور بہت لوگ (یعنی کفار) ہماری نشانیوں کی طرف سے غافل ہیں غور نہیں کرتے اور عبرت اندوز نہیں ہوتے۔

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ اور ہم نے بنی اسرائیل کی سچائی کی جگہ رہنے کو دی (یعنی اچھے مقام پر ٹھیرنے اور رہنے کا ٹھکانا عطا کیا) مُبَوَّاَ صِدْقٍ سے مراد ہے اچھی جگہ یعنی مصر یا اردن اور فلسطین یہ وہی سرزمین تھی جس کا نام حضرت ابراہیمؑ اور آپ کی نسل کو عطا کرنا اللہ نے لکھ دیا تھا ضحاک کے نزدیک مصر اور شام مراد ہے۔

وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اور ہم نے ان کو لذیذ چیزیں عطا کیں۔

فَمَا اخْتَلَفُوْا پس بنی اسرائیل نے اختلاف نہیں کیا یعنی رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں جو بنی اسرائیل تھے انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے نبی آخر الزماں کے مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں کیا تھا سب متفق تھے کہ جن صفات کا تذکرہ توریت میں ہے ان کا حامل اللہ کا رسول برحق ہو گا لوگوں کو وہ بشارت بھی دیتے تھے کہ اللہ کے رسول برحق کی بعثت کا زمانہ قریب آگیا ہے وہ لڑائی میں کافروں پر فتح یاب ہونے کی دعا بھی نبی آخر الزماں کے طفیل سے مانگتے تھے۔

حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ یہاں تک کہ ان کے پاس علم آگیا یعنی وہ شخص آگیا جس کی صفات کو وہ جانتے تھے اس سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کی شخصیت مبارکہ اس جگہ علم بمعنی معلوم ہو ہے جیسے خلق بمعنی مخلوق اللہ نے فرمایا هٰذَا خَلْقُ اللّٰهِ یہ اللہ کی مخلوق ہے یا یہ معنی ہے کہ جب بنی اسرائیل کو علم ہو گیا کہ محمد ﷺ انہی صفات کے حامل ہیں جن کا ذکر توریت میں آیا ہے اور آپ کے معجزات سے بھی ان کو واقفیت ہو گئی تو اس وقت آپس میں دو فریق بن گئے کچھ ایمان لے آئے اور دوسرے فریق نے محض عناد و حسد کی وجہ سے نبوت کو ماننے سے انکار کر دیا۔

اِنَّ رَبَّكَ يَقْضِيْ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾ جس مسئلہ میں یہ اختلاف کرتے ہیں قیامت کے دن اللہ اس کا فیصلہ کر دے گا اور ان کے باہمی اختلاف کو چکا دے گا اہل حق کو اہل باطل سے الگ کر دے گا اول کو عذاب سے محفوظ رکھے گا اور دوسرے کو ہلاک کر دے گا۔

فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ پس (اے انسان) اگر تجھے شک ہو اس (قرآن و ہدایت) میں جو ہم نے (اپنے رسول محمد صلعم کی زبانی) تیری طرف بھیجا ہے۔[1]

[1] حضرت مفسر نے کنت کا مخاطب ہر انسان کو اس لئے قرار دیا کہ رسول اللہ ﷺ کو تو کوئی شک ہی نہ تھا آپ کے پاس وحی آئی قرآن اترا احکام خداوندی نازل ہوئے آپ کو اپنی جگہ ناقابل شک یقین اور ایسا ایمان تھا جس میں کسی وہم کی گنجائش ہی نہ تھی پھر اہل کتاب سے تصدیق طلب کرنے کا کوئی معنی ہی نہیں ہاں جاہل مشرک کے پاس اگر عقلی اور وجدانی شہادت نہ ہو تو وہ اہل علم سے تصدیق طلب کرنے کا محتاج ہوتا ہے اس لئے عام انسان کو خطاب فرمایا۔

Marfat.com

فَسْئَلِ الَّذِيْنَ يَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے (اللہ کی) کتاب (توریت و انجیل) پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن عباس مجاہد اور ضحاک نے فرمایا کہ اہل کتاب سے مراد ہیں وہ اہل کتاب جو ایمان لے آئے تھے جیسے عبداللہ بن سلام اور آپ کے ساتھی۔ یعنی ایمان دار اہل کتاب سے پوچھ لے وہ شہادت دیں گے کہ جس کتاب (اور رسول) کا وعدہ توریت و انجیل میں کیا گیا تھا وہ یہی ہے بیان قصص اور اصول احکام کی تعلیم میں سابق کتابوں کے موافق ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں سچے ایماندار اور اندرون قلب سے انکار و تکذیب کرنے والے۔ یہ دو گروہ تو موجود ہی تھے ایک تیسرا گروہ بھی تھا جو تصدیق و تکذیب کے درمیان شک میں پڑا ہوا تھا اسی کو آیت میں خطاب ہے۔

آیت میں درپردہ تعلیم ہے اس بات کی کہ اگر کسی کو دین کی صداقت میں کوئی شک و شبہ پیدا ہو جائے تو اس کو علماء حق کی طرف رجوع کر کے پوچھنا چاہئے۔

بعض اہل تفسیر کے نزدیک کُنْتَ سے خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے اور مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر آپ کو شک ہو یا اس کلام سے مقصود ہے رسول اللہ ﷺ کو ایمان پر جمائے رکھنا اس قول کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو عبدالرزاق اور ابن جریر نے بیان کی ہے کہ قتادہ نے کہا ہم کو اطلاع ملی ہے کہ (اس آیت کے نزول کے بعد) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، مجھے نہ کوئی شک ہے نہ میں (شک دور کرنے کے لئے) کسی سے کچھ پوچھوں گا۔

بعض علماء نے کہا خطاب تو رسول اللہ ﷺ کو ہی ہے مگر وہی خطاب دوسرے لوگوں کی طرف ہے عرب کا (بلکہ ہر زبان والوں کا) قاعدہ ہی یہ ہے کہ گفتگو میں مخاطب کسی شخص خاص کو کرتے ہیں مگر مراد اس شخص کی ذات نہیں ہوتی دوسرے لوگ مراد ہوتے ہیں مختلف آیات میں یہ طرز خطاب اختیار کیا گیا ہے ایک آیت ہے یٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ اے نبی اللہ سے ڈر۔ اس آیت میں مخاطب رسول اللہ ﷺ ہیں مگر مراد خطاب دوسرے مومن ہیں کیونکہ اس کے آگے آیا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا تم لوگ جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے اس آیت میں تعملون فرمایا یعنی جماعت کو خطاب کیا۔ دوسری آیت ہے يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ اے نبی جب تم طلاق دو عورتوں کو۔ (خطاب نبی کو ہے اور حکم مومنوں کو دیا گیا ہے اور طلقتم تم جمع کا صیغہ ذکر کیا گیا)

فراء نے کہا اللہ کو معلوم تھا کہ اس کے رسول کو شک نہیں ہے لیکن عرب کے محاورہ کے مطابق طرز کلام اختیار کیا گیا بعض لوگ اپنے غلام سے کہتے ہیں اگر تو میرا غلام ہے تو میرے حکم کی تعمیل کر۔ اگر تو میرا لڑکا ہے تو یہ کام کر (ظاہر ہے کہ حکم دینے والے کو معلوم ہوتا ہے کہ غلام کو اپنے غلام ہونے میں اور بیٹے کو بیٹا ہونے میں کوئی شک نہیں ہوتا پھر بھی اگر کا لفظ بولتا ہے مگر یہ لفظ شکیہ نہیں ہوتا۔

لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ بے شک آپ کے پاس آپ کے رب کی طرف سے سچی کتاب آ پہنچی یعنی جو کچھ ہم نے آپ کی طرف اتارا وہ حق ہے نا قابل شک۔ روشن دلائل اور قطعی آیات سے اس کا اللہ کی طرف سے نازل ہونا ثابت ہے اس میں کسی کی گنجائش نہیں۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۹۴﴾ پس آپ شک میں پڑ جانے والوں میں نہ ہو جائیں کہ جو یقین آپ کو حاصل ہے اس میں تذبذب پیدا کر لیں اور تردد میں پڑ جائیں۔

وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۹۵﴾ اور نہ آپ ان لوگوں میں سے ہو جائیں جنہوں نے اللہ کی آیات کی تکذیب کی ورنہ آپ تباہ ہو جانے والوں (کی جماعت میں) سے ہو جائیں گے۔

اس آیت میں بھی گزشتہ آیت کی طرح یا شک کرنے والوں کو خطاب ہے یا رسول اللہ ﷺ کو مگر مراد دوسرے لوگ

Marfat.com

ہیں یا رسول اللہ ﷺ کو ہی خطاب ہے مگر وجہ خطاب بالفرض ہے یعنی بالفرض اگر تکذیب آیات کریں گے تو خاسرین میں سے ہو جائیں گے یا خطاب کا مقصود ہے رسول اللہ ﷺ کو مزید ثبات کا حکم دینا کہ اپنے یقین پر جمے رہیں جیسے دوسری آیت میں آیا ہے فَلَا تَكُوْنَنَّ ظَهِيْرًا لِّلْكٰفِرِيْنَ (یعنی کافروں کا مددگار نہ بننے پر آپ جمے رہیں)

اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ بے شک جن لوگوں کے لئے آپ کے رب کا حکم (فیصلہ ازلی) طے ہو چکا (کہ وہ ایمان نہیں لائیں گے وہ) ایمان نہیں لائیں گے۔

حَقَّتْ واجب ہو گیا کلمہ رب سے مراد ہے ازلی فیصلہ کہ وہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے مالک، ترمذی اور ابو داؤد نے مسلم بن یسار کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت عمر بن خطاب سے آیت وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ کا معنی دریافت ہو گیا آپ نے جواب دیا میں نے خود سنا کہ جب اس آیت کا (مراد لوی اور تشریحی) معنی رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا اللہ نے آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پشت پر اپنا دایاں ہاتھ پھیرا ان کی کچھ نسل باہر نکالی اور فرمایا ان کو میں نے جنت کے لئے پیدا کیا اور یہ جنت والوں ہی کے کام کریں گے پھر پشت پر ہاتھ پھیر کر کچھ نسل بر آمد کی اور فرمایا ان کو میں نے دوزخ کے لئے پیدا کیا اور یہ دوزخیوں ہی کے کام کریں گے۔ امام احمد بوساطت ابو نضرہ حضرت ابو عبد اللہ صحابی کا بیان نقل کیا ہے ابو عبد اللہ نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ اللہ نے اپنے دائیں ہاتھ کی ایک مٹھی لی اور دوسرے ہاتھ کی دوسری مٹھی (اول کے متعلق فرمایا) یہ اس کے لئے ہیں یعنی جنت کے لئے اور یہ اس کے لئے ہیں یعنی دوزخ کے لئے اور مجھے (کسی کی) پروا نہیں۔

ایمان نہیں لائیں گے کیونکہ اللہ کا فیصلہ ناقابل شکست ہے۔

وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ اگرچہ آجائے ان کے پاس ہر نشانی۔ جو صداقت پر دلالت کر رہی ہو اور ایمان کے مقتضی ہو۔ کیونکہ ایمان کا اصلی سبب تو اللہ کا ارادہ ہے اور مشیت ایمان نہیں تو پھر ایمان کیسے لا سکتے ہیں۔

حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ۝ جب تک کہ دردناک عذاب (آنکھوں سے) نہ دیکھ لیں گے یعنی مرنے کے وقت غرغرہ کی حالت میں یا مرنے کے بعد قبروں میں یا قیامت کے دن دوزخ میں اور یہ لوقات ایسے ہیں کہ ان میں ایمان لانا فرعون کے لئے سود مند نہ ہوا۔

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ قوم یونس کے علاوہ کوئی اور ایسی بستی کیوں نہیں ہوئی۔ کہ (مشاہدہ عذاب کے بعد) وہ ایمان لائی ہو اور ایمان اس کے لئے مفید ہوا ہو۔ قریہ سے مراد ہیں قریہ والے یعنی ان بستیوں والے جن کو اللہ نے (تکذیب رسول کی سزا میں) تباہ کر دیا۔ اٰمَنَتْ یعنی عذاب کا مشاہدہ کرنے سے پہلے ایمان لے آئی ہو اور فرعون کی طرح وقت موت پر ایمان کو نہ ٹالا ہو۔ ایمان کے مفید ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ نے ان کا ایمان قبول کر لیا ہو (اور آیا ہوا عذاب ٹال دیا ہو)

حضرت ابن عمر راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ اپنے بندہ کی توبہ قبول کرتا ہے جب تک غرغرہ نہ لگنے لگے۔ رواہ الترمذی وابن ماجہ ابن حبان والحاکم والبیہقی۔

حضرت ابوذر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ بلا شک اپنے بندہ کی مغفرت کر دیتا ہے جب تک پردہ نہ پڑ جائے۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ پردہ کیا۔ فرمایا شرک کی حالت میں مرنا۔ رواہ احمد والبیہقی فی کتاب البعث والنشور۔

لَوْلَا حرف تخصیص (ابھارنا برانگیختہ کرنا) ہے۔ اسکے اندر نفی کا معنی ہے اس لئے اِلَّا قَوْمَ يُوْنُسَ استثناء متصل ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قوم یونس مستثنیٰ ہے وہ عذاب (دنیوی) کا مشاہدہ کرنے کے وقت ایمان لائی اور اس کو اس ایمان نے فائدہ پہنچایا (اللہ نے اس کی توبہ قبول کر لی) آخرت کے عذاب سے محفوظ ہو گئی (لیکن قوم یونس غرغرہ کی حالت سے پہلے اور عذاب آخرت کے معائنہ سے قبل ایمان لائی تھی)

Marfat.com

لَمَّآ اٰمَنُوْا جب وہ ایمان لے آئے یعنی اختیار کی حالت میں جب وہ ایمان لے آئے تو ہم نے ان کے ایمان کو قبول کر لیا۔ ابن مردویہ نے حضرت عائشہ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اس آیت کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ جب وہ ایمان لے آئے تو انہوں نے دعا کی۔

كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اور ہم نے دنیوی زندگی میں رسوائی کا عذاب ان سے دور کر دیا۔

وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ اور ایک (معین مقرر) وقت تک (دنیا میں) ان کو بہرہ اندوز کر دیا۔ مقررہ وقت سے مراد ہے وقت موت جس کا علم اللہ کو تھا بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کوئی بستی ایسی نہیں ہوئی کہ عذاب کا مشاہدہ کر لینے کے بعد ایمان لائی ہو اور اس حالت میں اس کے ایمان نے اس کو فائدہ پہنچایا ہو سوائے قوم یونسؑ کے۔ ان کو ایسے وقت میں ایمان لانے سے بھی فائدہ ہوا۔

اس جگہ علماء کے دو قول ہیں ایک فریق کا قول ہے کہ قوم یونسؑ نے عذاب کو آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیا تھا اور اس کے بعد ایمان لائے تھے دوسرا فریق قائل ہے کہ عذاب کی علامت دیکھی تھی عذاب نہیں دیکھا تھا۔ اول قول اکثر اہل علم کا ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ اور عذاب کو دور کرنا وقوع کے بعد ہی ہوتا ہے۔

بغوی کے اس کلام کو مفاد یہ ہے کہ دنیوی عذاب آجانے کی حالت (جس کو بغوی نے حالت بأس کہا ہے) میں کسی کا ایمان قابل قبول نہیں۔ حالت بأس میں ایمان صرف قوم یونس کا قبول کیا گیا اس کے علاوہ کسی کا قبول نہیں کیا گیا۔

صحیح یہ ہے کہ آیت میں عذاب الیم سے وہ اخروی عذاب مراد ہے جو مرنے کے وقت ملائکہ موت کی شکل میں مردہ کے سامنے آجاتا ہے اس عذاب کو دیکھنے کے بعد ایمان لانا قابل قبول نہیں (دنیوی عذاب کو دیکھ کر ایمان لانا قابل قبول ہے) دیکھو بدر کے دن کافروں پر قتل و قید کی شکل میں دنیوی عذاب آیا اور اس جنگ سے جو کفار بچ گئے اور بعد کو ایمان لے آئے تو ان کا ایمان قبول بھی کیا گیا۔ قوم یونس کا بھی یہی حال ہوا آخرت کے عذاب کو دیکھنے سے پہلے وہ لوگ ایمان لے آئے باوجودیکہ دنیوی عذاب انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اور دیکھنے کے بعد ایمان لائے تھے پھر بھی ان کا ایمان مقبول ہوا اور دنیوی زندگی میں رسوائی کا عذاب اللہ نے ان سے دور کر دیا۔

رہا فرعون کے ایمان کا قبول نہ ہونا اس کی وجہ یا یہ تھی کہ وہ مرنے کے وقت غرغرہ کی حالت میں ایمان لایا تھا۔ جو ناقابل قبول ہے یا یہ سبب تھا کہ زبان سے اس نے اگرچہ ایمان کا اظہار کیا تھا مگر (اللہ کو معلوم تھا کہ وہ) دل سے ایمان نہیں لایا تھا کیونکہ حضرت موسیٰؑ نے اس کے لئے بد دعا کی تھی اور آپ کی بد دعا قبول ہوئی تھی اس لئے فرعون دل سے ایمان لانے والا ہی نہ تھا فرعون اور اس کی قوم کی عادت ہی ہو گئی تھی کہ جب ان پر کوئی عذاب پڑ جاتا تھا تو کہتے تھے موسیٰؑ! اپنے رب سے اس عذاب کو ٹال دینے کی دعا کر دو۔ اگر عذاب تم نے دور کرا دیا تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے اور تمہارے ساتھ بنی اسرائیل کو جانے کی اجازت دے دیں گے لیکن جب اللہ عذاب کو ایک مدت مقرر کے لئے دور کر دیتا تھا تو وہ عہد توڑ دیتے تھے اور وعدہ کے خلاف کرتے تھے پس ممکن ہے کہ آخری مرتبہ بھی فرعون دل سے ایمان نہ لایا ہو صرف زبان سے اقرار کر لیا ہو۔

غرغرہ کی حالت میں ایمان قبول ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ سورہ نساء کی آیت اِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللّٰهِ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے بیان کر دیا ہے۔

## ..... حضرت یونس علیہ السلام کا قصہ .....

بغوی نے حضرت ابن مسعود اور سعید بن جبیر اور وہب بن منبہ کی روایت سے حسب ذیل بیان کیا ہے۔

قوم یونس نینوا علاقہ موصل کی رہنے والی تھی اللہ نے ان کی ہدایت کے لئے حضرت یونسؑ کو مامور فرمایا حضرت یونسؑ نے



Marfat.com

ان کو ایمان کی دعوت دی انہوں نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اللہ کی طرف سے حضرت یونسؑ کو حکم دیا گیا ان سے کہہ دو کہ تین روز تک صبح کے وقت ان پر عذاب آئے گا۔ حضرت یونسؑ نے اطلاع دے دی قوم والوں نے کہا تجربہ سے ثابت ہے کہ یہ شخص کبھی جھوٹ نہیں بولا اس لئے انتظار کرو اور دیکھو اگر یہ آج رات تمہارے ساتھ رہے تو سمجھ لو صبح کو کچھ نہیں ہوگا اور اگر رات کو تمہارے ساتھ نہ رہے تو سمجھ لو کہ صبح کو عذاب ضرور آئے گا وسط شب میں حضرت یونسؑ قوم کے پاس سے باہر چلے گئے صبح ہوئی تو لوگوں کے سروں سے ایک میل اوپر عذاب آگیا وہب کا بیان ہے عذاب ایک سیاہ گھٹا کی شکل میں سخت دھواں اڑاتا آ گیا پھر نیچے اتر کر شہر پر چھا گیا جس سے گھروں کی چھتیں کالی ہو گئیں یہ دیکھ کر لوگوں کو ہلاک ہو جانے کا یقین ہو گیا۔ حضرت یونسؑ کو تلاش کیا تو ان کا بھی نہیں پتہ نہ چلا آخر اللہ نے ان کے دلوں میں توبہ کرنے کا خیال ڈال دیا اور بڑے، بچے، عورت، مرد اور چوپائے سب شہر کے باہر میدان میں جمع ہو گئے سبھوں نے نمبل کا (فقیرانہ) لباس پہن لیا اور لگے توبہ کرنے اور صحیح نیت کے ساتھ ایمان کا اظہار کرنے ہر ماں کو بچے سے علیحدہ کر دیا گیا تھا یہاں تک کہ چوپایوں کے بچے بھی ماؤں سے جدا کر دیئے گئے تھے اس علیحدگی کی وجہ سے آدمیوں اور جانوروں کے بچوں نے چیخنا شروع کر دیا مائیں بھی (جذبہ محبت کے زیر اثر) چیخنے لگیں (ایک کہرام مچ گیا) بے تابی سے سب چیخ پڑے اور اللہ کے سامنے گڑگڑائے آخر اللہ نے رحم فرمایا دعا قبول فرمائی چھایا ہوا عذاب دور کر دیا۔ یہ واقعہ ۱۰ر محرم کا تھا۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن المنذر اور ابو الشیخ نے قتادہ کا بیان نقل کیا، قتادہ نے کہا ہم سے کہا گیا ہے کہ قوم یونس مقام نینوی اعلاقہ موصل میں رہتی تھی اس بیان میں امتیاز ائد ہے کہ جب اللہ نے انکے دلوں کی سچائی مشاہدہ فرمائی اور توبہ و ندامت جان لی تو عذاب دور کر دیا حالانکہ عذاب ان کے سروں پر لٹک آیا تھا۔ صرف ایک میل کا فاصلہ رہ گیا تھا۔

ابن ابی حاتم نے حضرت علی کا بیان نقل کیا ہے کہ قوم یونس کی توبہ عاشورہ کے دن قبول ہوئی تھی۔ حضرت یونسؑ قوم کی بستی سے باہر چلے گئے اور عذاب نازل ہونے اور قوم کے ہلاک ہونے کا انتظار کرتے رہے لیکن آپ نے عذاب آتا نہ دیکھا (اس زمانہ کا قومی ضابطہ تھا کہ) اگر کوئی شخص بلا ثبوت جھوٹ بولتا تھا تو اس کو قتل کر دیا جاتا تھا حضرت یونسؑ نے کہا میں نے قوم سے جھوٹی بات کہی (یعنی میرا جھوٹ ثابت ہو گیا) اب کیسے ان کے پاس لوٹ کر جا سکتا ہوں۔ یہ خیال کر کے قوم سے ناراض اور اپنے رب سے کشیدہ ہو کر چل دیئے۔ دریا پر پہنچے تو کچھ لوگ کشتی میں سوار ہو رہے تھے لوگوں نے پہچان لیا اور بلا کرایہ سوار کر لیا۔ کشتی جب آپ کو لے کر بیچ سمندر میں پہنچی تو رک گئی نہ آگے بڑھ سکتی تھی نہ پیچھے ہٹتی تھی کشتی والوں نے کہا اس کشتی کے اڑ جانے کی کوئی خاص وجہ ہے، یونسؑ نے کہا مجھے اس کی وجہ معلوم ہے اس میں کوئی بڑا گناہ گار سوار ہے لوگوں نے کہا وہ کون ہے۔ یونسؑ نے کہا میں ہوں مجھے دریا میں پھینک دو۔ لوگوں نے کہا جب تک ہمارے نزدیک کوئی خاص وجہ نہ ہو ہم تو آپ کو پھینکنے والے نہیں۔ آخر قرعہ اندازی کی اور تین بار حضرت یونسؑ ہی کا نام قرعہ میں نکلا حضرت نے فرمایا تو تم مجھے پانی میں پھینک دو ورنہ سب ہلاک ہو جاؤ گے مجبوراً کشتی والوں نے آپ کو پھینک دیا پھینکتے ہی کشتی روانہ ہو گئی کشتی کے نچلے حصہ کے پاس ایک مچھلی منہ کھولے اللہ کے حکم کی منتظر تھی جونہی یونسؑ پانی میں گرے مچھلی نے اپنے منہ میں لے لیا۔

یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ اللہ نے ایک بڑی مچھلی کو حکم دیا اس نے کشتی کی طرف رخ کیا کشتی والوں نے جو اس کو منہ کھولے ہوئے کشتی کی طرف رخ کئے ہوئے دیکھا جو بڑے پہاڑ جیسی تھی تو انہوں نے محسوس کیا کہ وہ کشتی کے اندر کسی کی جستجو کر رہی ہے حضرت یونسؑ نے یہ دیکھتے ہی پانی میں چھلانگ لگا دی (اور مچھلی نے ان کو پکڑ لیا)

حضرت ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت یونسؑ اپنی قوم سے ناراض ہو کر نکل کھڑے ہوئے اور بحر روم پر پہنچے وہاں ایک کشتی مسافروں سے بھری کھڑی تھی آپ اس میں سوار ہو گئے۔ جب کشتی روانہ ہو کر وسط میں پہنچی تو رک کر کھڑی ہو گئی قریب تھا کہ سب لوگ ڈوب جائیں۔ ملاح بولے ہماری کشتی میں کوئی گناہ گار آدمی یا بھاگا ہوا غلام سوار ہو گیا ہے جس کی وجہ سے کشتی رک گئی ہے ہمارا طریقہ ہے کہ ایسے موقع پر ہم قرعہ اندازی کرتے ہیں جس کے نام پر قرعہ نکل آتا ہے اس کو سمندر میں پھینک دیتے

Marfat.com

ہیں (کشتی چل نکلتی ہے) ایک آدمی کو ڈبو دینا تو پوری کشتی کے مع سواریوں کے ڈوب جانے سے بہتر ہوتا ہے چنانچہ لوگوں نے تین بار قرعہ ڈالا ہر بار یونسؑ کا نام پر نکلا یونسؑ فوراً کھڑے ہوئے اور بولے میں ہی گناہ گار آدمی اور بھاگا ہوا غلام ہوں اس کے بعد آپ نے خود اپنے کو پانی میں پھینک دیا فوراً ایک مچھلی نے نگل لیا پھر اس مچھلی سے بڑی مچھلی نے آکر اس مچھلی کو نگل لیا۔ اللہ نے مچھلی کو حکم دیا کہ یونسؑ کو بال برابر تکلیف نہ ہونے پائے۔ میں نے تیرے پیٹ کو اس کے لئے قید خانہ بنایا ہے اس کو تیری غذا نہیں بنایا۔ حضرت ابن عباس کی روایت میں آیا ہے کہ مچھلی کو ندا دی گئی کہ ہم نے یونسؑ کو تیری روزی نہیں بنایا بلکہ تیرے پیٹ کو اس کی حفاظت کا مقام اور عبادتخانہ بنایا ہے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ قرعہ ڈالنے سے پہلے ہی حضرت یونسؑ کھڑے ہو گئے اور فرمایا میں ہی گناہ گار بھاگا ہوا غلام ہوں۔ کشتی والوں نے پوچھا تم کون ہو فرمایا یونسؑ بن متی لوگ پہچان گئے اور بولے ، اے اللہ کے رسول ہم آپ کو نہیں پھینکیں گے بلکہ قرعہ اندازی کریں گے قرعہ اندازی کی گئی اور حضرت کے نام کا قرعہ نکل آیا اور آپ نے خود اپنے آپ کو پانی میں پھینک دیا حضرت ابن مسعود نے فرمایا جس مچھلی نے آپ کو نگلا تھا وہ آپ کو ساتویں زمین کی گہرائی میں لے گئی اور چالیس رات تک آپ مچھلی کے پیٹ میں رہے وہاں آپ نے سنگریزوں کے تسبیح کرنے کی آواز سنی تو تاریکیوں میں ہی پکار اٹھے لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی اور بحکم خداوندی مچھلی نے لاکر آپ کو سمندر کے کنارے پھینک دیا اس وقت آپ کی ہیئت ایسی تھی جیسے پر و بال نوچا ہوا جوزہ۔ اللہ نے فوراً کدو کا درخت پیدا کر دیا جس کے سایہ میں آپ نے آرام کیا اور پہاڑی بکری یا پاڑی کو مامور کر دیا کہ اس کا دودھ پیتے رہے جب درخت سوکھ گیا تو آپ درخت پر رو دیئے اللہ نے وحی بھیجی تو ایک درخت کے خشک ہو جانے پر رو دیا اور ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں پر نہیں رویا اور ان کو ہلاک کروا دینا چاہا۔ یہاں سے حضرت یونسؑ چل دیئے اور ایک غلام سے ملاقات ہوئی جو جانور چرا رہا تھا اس سے پوچھا غلام تو کون ہے۔ اس نے کہا یونسؑ کی قوم کا ہوں۔ حضرت نے فرمایا جب تو اپنی قوم والوں سے جا کر ملے تو ان سے کہہ دینا کہ میری ملاقات یونسؑ سے ہوئی تھی۔ غلام نے کہا آپ واقف ہیں کہ اگر میرے پاس گواہ نہ ہوں گے تو (مجھے جھوٹی اطلاع دینے پر) قتل کر دیا جائے گا حضرت یونسؑ نے فرمایا یہ زمین کا ٹکڑا اور یہ درخت تیری گواہی دے گا غلام نے کہا تو شہادت دینے کا ان کو حکم دے دیجئے۔ حضرت نے فرمایا جب یہ غلام تمہارے پاس آئے تو تم دونوں اس کی گواہی دینا۔ زمین اور درخت نے کہا بہت اچھا اس غلام نے جا کر اپنے بادشاہ کو اطلاع دے دی کہ یونسؑ سے میری ملاقات ہوئی تھی بادشاہ نے غلام کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا غلام نے کہا میرے پاس (اس بات کی سچائی کے) گواہ ہیں میرے ساتھ کسی کو بھیجو غرض غلام لوگوں کو ساتھ لے کر اس جگہ اور درخت کے پاس پہنچا اور کہا میں تم دونوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا یونسؑ نے تم دونوں کو گواہ بنایا تھا دونوں نے کہا ہاں۔ یہ سنتے ہی لوگ خوفزدہ ہو کر لوٹ آئے اور بادشاہ سے آکر کہہ دیا کہ درخت اور زمین نے اس غلام کی گواہی دی۔ بادشاہ نے غلام کا ہاتھ پکڑ کر اس کو اپنی جگہ بٹھا دیا اور کہا تو اس جگہ کا مجھ سے زیادہ حقدار ہے غلام نے ان لوگوں کا انتظام چالیس سال تک کیا۔

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِی الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِیْعًا ؕ اور (اے محمد ﷺ) اگر آپ کے رب کو منظور ہوتا تو زمین پر رہنے والے سب کے سب ایمان لے آتے کوئی بغیر ایمان لائے نہ بچتا اور کوئی ایمان سے اختلاف نہ کرتا۔ سب ایمان پر متفق ہو جاتے۔

فرقہ ، قدریہ قائل ہے کہ اللہ تو سب لوگوں کا مومن ہو جانا چاہتا ہے لیکن لوگ خود اپنے اختیار سے ایمان لانا نہیں چاہتے (اس فرقہ کے نزدیک مشیت اور رضا میں فرق نہیں ہے ، چاہنے کا معنی ہے پسند کرنا اشاعرہ کہتے ہیں کہ اللہ کو ایمان تو سب کا پسند ہے مگر مشیت نہیں کہ سب مومن ہو جائیں۔ رضا الٰہی سے تخلف تو ہو سکتا ہے مگر مشیت سے تخلف نہیں ہو سکتا۔ قدریہ کے نزدیک جو رضا ہے وہی رضا مشیت عام ہے مشیت بھی عام ہے رضا کے خلاف ہونا ممکن ہے اور ہوتا ہے مشیت کے خلاف بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے) آیت بتا رہی ہے کہ اللہ نے سب لوگوں کو مومن بنانا چاہا نہیں۔ اگر اس کی مشیت ہوتی تو سب مومن ہوتے (اور ان سب کا مومن ہو جانا اس کو پسند ہے) قدریہ نے اس کا جواب یہ دیا کہ آیت میں مشیت سے مراد ہے مجبور کن مشیت الٰہی کے خلاف ہونا ممکن نہیں پس اللہ کی مجبور کن مشیت نہیں ہوئی کہ سب مومن ہو جائیں ، مگر یہ زائد شرط خلاف ظاہر ہے۔

Marfat.com

اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ (اے محمد ﷺ) کیا آپ ﷺ لوگوں کو۔ اللہ کی مشیت نہ ہونے کے باوجود مجبور کردیں گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔ استفہام انکاری اور انت ضمیر کا تکرہ فعل سے پہلے لانا دلالت کر رہا ہے اس امر پر کہ اللہ نہ چاہے تو کسی چیز کا وجود ناممکن ہے جبر کر کے بھی اس کو حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ ترغیب دے کر حاصل کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بہت زیادہ خواہش مند تھے کہ سب لوگ مؤمن ہو جائیں (حالانکہ آپ کا کام ترغیب دینا تھا جبر کرنے کا تو اختیار ہی نہ تھا اور جو کام جبر سے بھی پورا نہ ہو سکے وہ محض ترغیب سے کیسے پورا ہو سکتا ہے) پس اللہ نے بتا دیا کہ جس کے نصیب میں سعادت ہوگی وہی ایمان لائے گا اور جو اللہ کے علم میں شقی ہے وہ ایمان نہیں لا سکتا۔ آپ اس کی پروا نہ کیجئے گویا اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے لئے تسکین ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ کسی شخص میں یہ طاقت نہیں کہ اللہ کے ارادہ و توفیق کے بغیر ایمان لا سکے۔

وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ اور اللہ گندگی ان لوگوں پر ڈالتا ہے جو سمجھتے نہیں۔

رجس سے مراد ہے عذاب یا اللہ کی مدد سے محرومی کیونکہ یہ محرومی ہی عذاب کا سبب ہے۔ نہ سمجھنے سے مراد ہے حق و باطل میں تمیز نہ کرنا یعنی کافروں کے دلوں پر چونکہ مہر لگی ہوئی ہے اور اللہ نہیں چاہتا کہ وہ حق و باطل میں امتیاز کر سکیں اس لئے ان کو حق کا باطل سے امتیاز نہیں۔

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ (اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے۔ کہ دیکھو غور کرو سوچو۔ آسمانوں اور زمین میں کیسی عجیب نشانیاں ہیں۔ چاند، سورج، ستارے، ان کی بناوٹ، مربوط، پر قرار، پہاڑ ان کی استقامت، سمندر، دریا، درخت اور کائنات نباتی و حیوانی، ان تمام چیزوں کے اندر ایک صانع و قادر دانا و یگانہ کی قدرت و صنعت جھلک رہی ہے اس کی ذات کی عظمت اور صفات کے کمال کا ان سے ظہور ہو رہا ہے۔

وَمَا تُغْنِى الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ جو قوم (اللہ کے علم میں اور اس کی مشیت میں) ایمان لانے والی نہیں اس کو (علم و یقین پیدا کرنے والی) نشانیوں اور ڈرانے والے (پیغمبروں اور عبرتوں) سے کیا فائدہ۔

مَا نَافِیَہ میں لفظ ما نافیہ ہے (کوئی فائدہ نہیں) یا استفہام انکاری کے لئے (کیا فائدہ)۔

النُّذُرُ جمع۔ نذیر۔ ڈرانے والے اس سے مراد ہیں اللہ کے پیغمبر (جو اللہ کی نافرمانی کی سزا سے ڈراتے ہیں) اور دوسری عبرت آفریں چیزیں جیسے بڑھاپا (جو فنا اور موت کا نشان ہے) اور ساتھیوں کی موت (جو انسان کے لئے اپنی موت کا یقین دلانے اور ڈرانے کے لئے کافی ہے) چونکہ ایمان محض عطیہ خداوندی ہے (اس کی مشیت پر اس کا حصول موقوف ہے) اس لئے فرمایا کہ جو ایمان لانے والے نہیں یعنی اللہ کی مشیت و علم میں ان کا مؤمن ہونا مقدر نہیں وہ کسی نشانی کو دیکھ کر اور ڈراوا سن کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔

فَهَلْ يَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ پس وہ (یعنی مکہ کے مشرک) انتظار نہیں کر رہے ہیں مگر انہی جیسے واقعات و مصائب کا جو ان سے پہلے گذرے ہوئے کافروں کے ہوئے ہیں۔ قتادہ نے کہا یعنی اس جیسے عذاب الٰہی کا جو قوم نوح اور عاد اور ثمود پر آیا تھا۔ عربی محاورہ میں ایام کے لفظ سے عذاب بھی مراد لیا جاتا ہے اور انعامات بھی اللہ نے فرمایا وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ گویا انسانوں پر جو بھلائی یا برائی آتی ہے سب کو ایام کہا جاتا ہے۔

قُلْ فَانْتَظِرُوْا اِنِّىْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ (اے محمد) آپ کہہ دیجئے کہ تم (میری ہلاکت کے) منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ (تمہاری ہلاکت کا) انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

ثُمَّ نُنَجِّىْ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا پھر ہم (کافروں اور منکروں کو ہلاک کر دیتے ہیں اور) اپنے پیغمبروں اور ان کے ماننے والوں کو بچا لیتے ہیں یہ حال گزشتہ کا بیان ہے (یعنی گزشتہ زمانہ میں ہم نے ایسا کیا تھا اور یہی ہمارا دستور تھا)

Marfat.com

كَذٰلِكَ ۚ حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ اسی طرح (یعنی گزشتہ پیغمبروں کی طرح) ہم بچالیں گے مؤمنوں کو ہمارا یہ وجوبی وعدہ ہے مطلب یہ کہ جیسے گزشتہ پیغمبروں اور مؤمنوں کو ہم نے بچایا اسی طرح نزول عذاب کے وقت ہم محمد ﷺ کو اور ان پر ایمان لانے والوں کو بچالیں گے اور یہ بچالینا (حسب وعدہ) ہم پر واجب ہے۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ آپ کہہ دیجئے اے لوگو! (یعنی اے اہل مکہ) اگر تم میرے دین (کی صحت) میں شک کرتے ہو اہل مکہ کی نظر میں نبوت بہت ہی بعید از فہم چیز تھی لیکن آیات کو دیکھ کر ماننے پر مجبور تھے پر پیدائشی بدبختی کی وجہ سے شک و تردد میں پڑے ہوئے تھے (گویا آیات کو دیکھ کر ماننے پر مجبور تھے اور فطری شقاوت ان کے دلوں میں اطمینان پیدا نہیں ہونے دیتی تھی)

فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ پس میں ان (پتھروں کے بتوں) کی پوجا نہیں کرتا جن کی پوجا تم لوگ اللہ کے سوا کرتے ہو۔

وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ بلکہ اس اللہ کی پوجا کرتا ہوں جو تمہاری جانیں قبض کرتا ہے۔

یعنی جو تم کو زندگی عطا کرتا ہے پھر موت دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے اور جسطرح چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ (اگرچہ تخلیق موت و حیات دونوں مراد ہیں لیکن) صرف وفات کا ذکر تہدید پیدا کرنے کے لئے فرمایا۔ فَلَآ اَعْبُدُ اِنْ كُنْتُمْ کی جزا نہیں ہے بلکہ جزا کے قائم مقام ہے سبب کو مسبب کی جگہ قائم کیا ہے کلام کا مغزیہ ہے کہ اگر تم کو میرے دین کی صحت میں شک ہے تو میرے دین پر غور و فکر کر کے اس شک کو دور کر دو دیکھو میں ان پتھروں کو نہیں پوجتا جن کے قبضہ میں نہ نفع ہے نہ ضرر بلکہ اس خدا کو پوجتا ہوں جو خالق قدرت والا اور نفع و ضرر کا مختار ہے۔

وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ایمان والوں میں سے ہوں (ایماندار ہوں) یعنی عقلی دلائل اور آسمانی کتابوں کا حکم ہے کہ میں ایماندار بنوں اور مومن رہوں۔

وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ اور یہ بھی حکم ہوا کہ اس دین (توحید خالص) کی طرف اپنا رخ رکھنا ہر دین سے کٹ کر اور ہرگز مشرکوں میں سے نہ ہو جانا۔ یعنی مجھے ایمان پر رہنے دینی استقامت رکھنے اور تن دہی کے ساتھ فرائض ادا کرنے اور برائیوں سے باز رہنے کا بھی حکم دیا گیا ہے (گویا اقامت للدین سے مراد ہے تمام فرائض کی ادائیگی اور ممنوعات سے پرہیز) یا اقامت وجہ سے مراد ہے نماز کو قبلہ رخ ہو کر ادا کرنا۔

وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ ۚ اور نہ عبادت کرنا اللہ کے علاوہ ایسی چیزوں کی جو تجھے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتیں (اگر تو ان کی پوجا کرے) اور نہ تجھے ضرر پہنچا سکتی ہیں (اگر تو ان کی پوجا چھوڑ دے) لہ یہ جملہ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ پر معطوف ہے اور اس کی تشریح ہے۔

یہ حقیقت ہے اور عقلی و نقلی شہادت سے اس کی تائید ہو رہی ہے کہ انصاف کی نظر سے اگر اس دین اسلام کو دیکھا جائے اور غور و تامل سے کام لیا جائے تو دین کی صحت ثابت ہو جاتی ہے اور دین کے خلاف ہر شک و شبہ خود دور ہو جاتا ہے۔

فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ اور اگر (بالفرض) تو نے ایسا کیا تو بلا شک ایسی حالت میں تو (اللہ کی) حق تلفی کرنے والوں میں سے ہو جائے گا یعنی اگر تو ایسی چیز کی عبادت کرے گا جو فائدہ بخش بھی نہیں اور ضرر رساں بھی نہیں تو یقیناً ایسی حالت میں تو بیجا حرکت کرنے والا (ظالم) ہو گا کہ اپنی عبادت کا محور ایسی ہستی کو بنائے گا جو محل عبادت نہیں۔

---

لہ یعنی اللہ کے سوا کسی مخلوق کی عبادت نہ کر، پکارنے سے مراد ہے عبادت کرنا۔ کیونکہ کوئی مخلوق نفع و نقصان پہنچانے پر قدرت نہیں رکھتی۔

Marfat.com

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ

اور اگر اللہ تجھ کو کوئی دکھ چھوا (بھی) دے تو اس کو دور کرنے والا سوائے اس کے اور کوئی نہیں اور اگر وہ تجھ کو کوئی راحت پہنچانا چاہے تو اس کے فضل کو کوئی لوٹانے والا نہیں۔

مس سے مراد ہے پہنچانا ضرر بیماری یا سختی یا مصیبت فَلَا كَاشِفَ اس کو دفع کرنے والا کوئی نہیں (کشف کھولنا مراد دفع کرنا) خیر دنیا اور آخرت کی بھلائی دکھ ہو یا سکھ سب اللہ کے ارادہ سے ہی ہوتا ہے لیکن اس جگہ مُسّ کے ساتھ لفظ مس اور خیر کے ساتھ ارادہ کا لفظ استعمال کرنے سے غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کا اصل مقصد خیر پہنچانا ہوتا ہے اور دکھ پہنچانا مقصد اول نہیں ہوتا لِفَضْلِهٖ کے لفظ میں بجائے سادہ ضمیر کے لفظ فضل کا اضافہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ جو خیر عطا فرماتا ہے وہ اپنی مہربانی سے عطا فرماتا ہے کسی کا اس پر کوئی حق نہیں ہے۔

يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝۱۰۷

وہ دکھ سکھ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے اور وہ ہی بڑی مغفرت اور بڑی رحمت والا ہے۔ یعنی خیر ہو یا شر سب کچھ اللہ ہی جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے لہٰذا تمہیں لازم ہے کہ طاعت کے ساتھ خیر کے طلب گار بنو مگر طاعت پر اعتماد نہ کر بیٹھو اور مغفرت سے ناامید بھی نہ ہو۔ بلکہ عذاب کا خوف رکھو (اور رحمت کی امید) ابو نعیم نے حضرت علی کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے اسرائیلی انبیاء میں سے ایک نبی کے پاس وحی بھیجی کہ تمہاری امت میں جو طاعت گذار لوگ ہوں ان سے کہہ دو کہ اپنے اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھیں۔ قیامت کے دن حساب کے لئے جب میں بندوں کو کھڑا کروں گا تو جس کو عذاب دینا چاہوں گا (اس کی حساب فہمی خورد گیری کے ساتھ کروں گا اور) اس کو عذاب دوں گا اور اپنی امت کے گناہ گاروں سے کہہ دوں کہ خود اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو (یعنی ناامید نہ ہو) اگر میں چاہوں گا تو بڑے بڑے گناہ معاف کر دوں گا اور مجھے پروا بھی نہ ہوگی۔

مذکورہ بالا آیات نازل فرما کر اللہ نے اپنے سوا دوسروں سے ڈرنے یا امید رکھنے کا راستہ ہی بند کر دیا۔

اللہ غفور و رحیم ہے یعنی اس کی رحمت غضب پر غالب ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ

(اے محمد ﷺ) آپ کہہ دیجئے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے صحیح واقعی علم آگیا۔ الحق سے مراد ہی صحیح علم یعنی اللہ کی توحید و صفات اور مبداء معاد کے احوال قرآن میں اور رسول اللہ ﷺ کی زبانی بتا دیئے اب کسی کے لئے جہالت کا عذر باقی نہیں رہا یا حق سے مراد ہے وہ (قرآن مجید یا رسول اللہ ﷺ کی رسالت) جس کا اثبات اعجاز کے ذریعہ سے کر دیا گیا اور کسی کو کوئی عذر باقی نہیں رہا۔

فَمَنِ اهْتَدٰى اب جو بھی ہدایت یاب ہو یعنی اس علم پر ایمان رکھے اور اس کی بتائی ہوئی راہ پر چلے۔

فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ ۚ وہ خود اپنے فائدہ کے لئے ہدایت یاب ہوگا (یعنی خود اس کا فائدہ ہوگا)

وَمَنْ ضَلَّ اور جو (راہ حق سے) بھٹک جائے گا انکار کرے گا۔

فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ تو گمراہی کا ضرر اسی کے نفس پر پڑے گا۔

وَمَاۤ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ۝۱۰۸ اور میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں۔ تمہارے امر کی ذمہ داری مجھ پر نہیں ہے کہ تمہاری گمراہی کا مواخذہ مجھ سے ہو۔

وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰۤى اِلَيْكَ اور چلو اس پر جو وحی کے ذریعہ تمہارے پاس بھیجا جاتا ہے یعنی اوامر و انواہی کی پابندی کرو۔

وَاصْبِرْ اور صبر کرو یعنی طاعت پر اور دشمنوں کی طرف سے ایذا رسانی پر۔

حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ ۚ یہاں تک کہ اللہ (قتال کا اور کافروں پر جزیہ مقرر کرنے کا) حکم دے دے۔

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۝۱۰۹ اور وہی سب سے اچھا حاکم ہے اس کے حکم میں غلطی نہیں ہو سکی وہ ظاہر و باطن ہر

Marfat.com

چیز کو ہر طور پر جانتا ہے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَصَلَّی اللّٰہُ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ

سورۂ یونس کی تفسیر بحمد اللہ رمضان ۱۲۰۱ھ ہجری میں ختم ہوئی ۶/ شوال ۱۲۰۱ھ (نوٹ) شاید مفسر ماہ رمضان میں تفسیر سے فارغ ہوئے اور شوال میں یہ تاریخ لکھی۔

Marfat.com

# عربی زبان و لغت پر شاہکار تصانیف

## المنجد جامع عربی اردو باتصویر لغت

بیروت سے شائع ہونے والی مشہور زمانہ لغت المنجد الکبیر کا مستند ترجمہ جس میں ساڑھے سات ہزار عربی الفاظ محاورات و ضرب الامثال درج ہیں۔ صفحات ۱۲۰۰ اعلیٰ کاغذ اعلیٰ جلد ۲۰×۳۰/۸ قیمت

## المعجم جامع اردو عربی لغت

چالیس ہزار الفاظ کی اردو سے عربی و کشنری اس کے علاوہ آخر میں بہت سی علمی معلومات کا قابل قدر ذخیرہ۔ صفحات ۷۸۸، اعلیٰ طباعت کاغذ اعلیٰ جلد سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت

## مصباح اللغات عربی اردو لغت

از مولانا عبدالحفیظ بلیاوی استاذ الادب لکھنؤ۔ پچاس ہزار عربی الفاظ کا نہایت جامع و مستند ذخیرہ۔ یہ عربی اردو لغت اپنی اشاعت اول سے اب تک اہل علم سے خراج تحسین حاصل کرتی رہی ہے آخر میں دو ہزار الفاظ کا اضافہ بھی شامل ہے۔ سائز ۲۰×۳۰/۸ صفحات ۱۰۵۶ اعلیٰ کاغذ اعلیٰ جلد

## قاموس القرآن قرآنی و کشنری عربی اردو

از: قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

قرآن کریم کے تمام الفاظ مع اردو تشریح اور ضروری عربی و نحوی ترکیب اور اہم الفاظ پر تفسیری نوٹ لکھے گئے ہیں۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۸۱۶ اعلیٰ کاغذ و طباعت اعلیٰ جلد قیمت

## القاموس الاصطلاحی العربی الجدید عربی اردو

از: مولانا وحید الزماں کیرانوی

بیس ہزار جدید عربی الفاظ و اصطلاحات کا قابل قدر ذخیرہ جو جدید عربی الفاظ، اخبارات و رسائل اور دفاتر وغیرہ میں آج کل مستعمل ہیں، کاغذ و طباعت اور اعلیٰ جلد سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۵۲۸ قیمت

## قاموس المدرسی عربی سے انگریزی انگریزی سے عربی

دو ڈکشنریوں کا مجموعہ

جو عربی انگریزی کے خوب صورت ٹائپ میں چھپی ہیں۔ اعلیٰ کاغذ و طباعت، خوبصورت جلد سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۸۱۶ قیمت

## بیان اللسان عربی اردو ڈکشنری

از: قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی

چالیس ہزار سے زیادہ قدیم و جدید عربی الفاظ کی تشریح مع ضروری لغوی مباحث کے کی گئی ہے۔ عربی ممالک میں مستعمل جدید اور قرآن کریم کے تمام لغات شامل ہیں سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۹۴۴ اعلیٰ کاغذ طباعت قیمت

## لغات القرآن (کلاں) چھ جلد مع فہرست الفاظ

مولانا رشید احمد فریدی — مولانا عبدالاحد جلالی

قرآن پاک کے معانی و مطالب کو سمجھنے کیلئے نہایت مفصل اور جامع لغات القرآن اردو زبان میں سب سے زیادہ مستند اور بڑی لغات القرآن۔ کل صفحات ۲۱۷۶ اعلیٰ کاغذ و طباعت حسین جلدیں۔ قیمت

## لغات کشوری اردو

از: مولوی سید تصدق حسین رضوی

ہندو پاک کی مشہور و معروف اور مستند لغت جو نولکشور پریس لکھنؤ سے چھپتی تھی جس میں چالیس ہزار الفاظ و اصطلاحات شامل ہیں۔ اعلیٰ کاغذ اعلیٰ جلد سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۶۱۲ قیمت

## فرہنگ فارسی فارسی سے اردو جامع لغت

مولانا محمد رفیع فاضل دیوبند

فارسی و عربی کے قدیم و جدید پچاس ہزار الفاظ کے معنی نہایت سلیس عبارت میں دیے ہیں۔ ضرورت کے تمام الفاظ پر حاوی لغت۔ اعلیٰ کاغذ اعلیٰ جلد سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۸۰۰ قیمت

## فرہنگ نامۂ جدید فارسی اردو انگریزی

از: پروفیسر فیروز الدین رازی

بیس ہزار فارسی الفاظ کی اردو اور انگریزی میں بہترین تشریح۔ یہ لغت پہلی مرتبہ چھپی ہے۔

اعلیٰ کاغذ و طباعت اعلیٰ جلد قیمت

## جامع اللغات اردو

از: مولانا محمد رفیع عثمانی فاضل دیوبند

پچاس ہزار الفاظ کی نہایت مستند لغت۔ جو ضرورت کے تمام الفاظ پر حاوی ہے۔

سائز ۲۰×۳۰/۱۶ اعلیٰ کاغذ و طباعت۔ صفحات ۷۸۰ قیمت

## عربی بول چال عربی اردو انگریزی

استاد محمد امین المصری کی مشہور کتاب طریقہ جدیدہ کا اردو اور انگریزی ترجمہ۔ دو حصے کامل قیمت

## عربی کے جدید لغات مع اردو تشریح

جدید عربی زبان کے دو ہزار الفاظ کا مجموعہ مع اردو تشریح۔ رنگین ٹائٹل۔ قیمت

## عربی صفوۃ المصادر

مع لغات جدیدہ

اعلیٰ طباعت، سفید کاغذ، رنگین ٹائٹل قیمت

فہرست کتب مفت ڈاک کے ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں

**دار الاشاعت** اردو بازار کراچی فون ۲۱۳۷۶۸

Marfat.com

# عورتوں اور بچوں کے لئے بہترین اسلامی کتابیں

| | | |
|---|---|---|
| اسوۂ رسول اکرمؐ | حدیث کی مستند کتب سے زندگی کے ہر پہلو کے متعلق جامع ہدایات ۔ | ڈاکٹر عبدالحئی |
| اسوۂ صحابیات اور سیر الصحابیات | صحابی خواتین کے حالات | مولانا عبدالسلام ندوی |
| تاریخ اسلام کامل | سوال و جواب کی صورت میں مکمل سیرت طیبہ | مولانا محمد میاں |
| تعلیم الاسلام | (اردو) سوال و جواب کی صورت میں عقائد اور احکام اسلام | مفتی محمد کفایت اللہ |
| تعلیم الاسلام | (انگریزی) سوال و جواب کی صورت میں عقائد اور احکام اسلام بزبان انگریزی | 〃 〃 |
| رسول عربیؐ | آسان زبان میں سیرت رسول اکرم اور نعتیں | |
| رحمت عالمؐ | آسان زبان میں مستند سیرت طیبہ | مولانا سید سلیمان ندوی |
| بیماریوں کا گھریلو علاج | ہر قسم کی بیماریوں کے گھریلو علاج و نسخے | طبیبہ اُم الفضل |
| اسلام کا نظام عفت و عصمت | اپنے موضوع پر محققانہ کتاب | مولانا ظفیر الدین |
| آداب زندگی | چار چھوٹی کتابوں کا مجموعہ حقوق و معاشرت پر | مولانا اشرف علی |
| بہشتی زیور | (کامل گیارہ حصے) احکام اسلام اور گھریلو امور کی جامع مشہور کتاب | 〃 〃 |
| بہشتی زیور | (انگریزی ترجمہ) احکام اسلام اور گھریلو امور کی جامع کتاب بزبان انگریزی | 〃 |
| تحفۃ العروس | مصنف نازک کے موضوع پر اردو زبان میں پہلی جامع کتاب | محمود مہدی |
| آسان نماز | نماز مکمل ۔ شش کلمے اور چالیس مسنون دعائیں ۔ | مولانا محمد عاشق الٰہی |
| شرعی پردہ | پردہ اور حجاب پر عمدہ کتاب | 〃 〃 |
| مسلم خواتین کیلئے بیس سبق | عورتوں کے لئے تعلیم اسلام | 〃 〃 |
| مسلمان بیوی | مرد کے حقوق عورت پر | مولانا محمد ادریس انصاری |
| مسلمان خاوند | عورت کے حقوق مرد پر | 〃 〃 |
| میاں بیوی کے حقوق | عورتوں کے وہ حقوق جو مرد ادا نہیں کرتے | مفتی عبدالغنی |
| نیک بیبیاں | چار مشہور صحابی خواتین کے حالات | مولانا اصغر حسین |
| خواتین کیلئے شرعی احکام | عورتوں سے متعلق جملہ مسائل اور حقوق | ڈاکٹر عبدالحئی عارفی |
| تنبیہ الغافلین | چھوٹی چھوٹی نصیحتیں حکیمانہ اقوال اور صحابہؓ اور اولیاء اللہ کے حالات نفیس طباعت | |
| آنحضرت کے ۳۰۰ معجزات | آنحضرت ۳۰۰ معجزات کا مستند تذکرہ | |
| قصص الانبیاء | انبیاء علیہ السلام کے قصوں پر مشتمل جامع کتاب | مولانا طاہر سورتی |
| حکایات صحابہ | صحابہ کرامؓ کی حکیمانہ حکایات اور واقعات | مولانا زکریا صاحب |
| گناہ بے لذت | ایسے گناہوں کی تفصیل جس سے ہمیں کوئی فائدہ نہیں اور ہم مبتلا ہیں | |

لسٹ کتب مفت ڈاک کے ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں

**دار الاشاعت** اردو بازار کراچی ۱ فون ۲۱۳۷۶۸

Marfat.com

# تفسیر مظہری

## جلد ششم

سورۂ ہود سے سورۂ نحل تک

پارہ ۱۲ تا پارہ ۱۴


تالیف

حضرت علامہ قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی

تشریحی ترجمہ مع ضروری اضافات

مولانا سید عبدالدائم الجلالی

رفیق ندوۃ المصنفین



ناشر

دارالاشاعت

اردو بازار کراچی ۱ —— فون ۲۶۳۰۶۸


Marfat.com

کاپی رائٹ رجسٹریشن نمبر
اس ترجمہ وکمپوزنگ کے حقوق ملکیت پاکستان میں بحق دارالاشاعت کراچی محفوظ ہیں۔

باہتمام : خلیل اشرف عثمانی دارالاشاعت کراچی
طباعت : ۱۹۹۹ء شکیل پریس کراچی۔
ضخامت : صفحات در ۶ جلد

## ملنے کے پتے

بیت القرآن اردو بازار کراچی
بیت العلوم 26-ناظم روڈ لاہور
کشمیر بک ڈپو۔ چھوٹا بازار فیصل آباد
کتب خانہ رشیدیہ۔ مدینہ مارکیٹ راجہ بازار راولپنڈی
یونیورسٹی بک ایجنسی خیبر بازار پشاور
ادارۃ المعارف جامعہ دارالعلوم کراچی
ادارۂ اسلامیات ۱۹۰۔ انارکلی لاہور
مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
مکتبہ امدادیہ ٹی بی ہسپتال روڈ ملتان
مکتبہ رحمانیہ ۱۸۔ اردو بازار لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

# فہرستِ عنوانات

## تفسیر مظہری (اُردو)

## جلد ششم

## "سُورۂ ھود"


| عنوانات | صفحہ | عنوانات | صفحہ |
|---|---|---|---|
| (۱) ہر شخص کی تقدیر، عمر، عمل، رزق وغیرہ۔ | ۱۲ | (۱۵) اللہ مؤمن کو اپنے قریب کریگا، اپنی پناہ میں لے گا، اسکا پردہ رکھے گا اور فرمائے گا، تجھے اپنا فلاں گناہ معلوم ہے۔ حدیث۔ | ۲۳ |
| (۲) اللہ کا عرش پانی پر تھا۔ | ۱۳ | | |
| (۳) آسمان، زمین اور ان کی درمیانی کائنات کی پیدائش رسول اللہ ﷺ اور مؤمنوں کے لئے ہوئی ہے۔ | 〃 | | |
| (۴) مؤمن کیلئے ہر صورت میں بھلائی ہوتی ہے۔ حدیث | ۱۵ | (۱۶) اعضائے بدن، اوقات اور مقامات وغیرہ شہادت دینگے۔ حدیث۔ | 〃 |
| (۵) کوئی کسی پر فخر اور زیادتی نہ کرے۔ حدیث | 〃 | (۱۷) حضرت نوح ؑ کا قصہ۔ | ۲۴ |
| (۶) آیت فَأْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔ | ۱۶ | (۱۸) کشتی نوح ؑ کا بیان۔ | ۲۸ |
| | | (۱۹) تنور کا تذکرہ۔ | ۳۰ |
| (۷) کافروں کو دنیا میں ہی ان کی نیکیوں کا ثواب دیدیا جاتا ہے۔ | ۱۸ | (۲۰) کشتی میں تمام جانوروں کے جوڑے رکھنے کا حکم | 〃 |
| (۸) دکھاوٹ کا عمل شرک ہے۔ حدیث | 〃 | (۲۱) آیت اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ کا مصداق بیوی اور بیٹا کنعان ہیں۔ | ۳۱ |
| (۹) آخرت کا طلبگار، دنیا کا طلبگار، دونوں کا فرق، حدیث | 〃 | (۲۲) کشتی میں کتنے لوگ سوار تھے۔ | 〃 |
| (۱۰) حدیث اذا جمع اللّٰہ النّاس یوم القیٰمۃ۔ | 〃 | (۲۳) حضرت نوح ؑ پر ایمان لانے والوں کی تعداد کیا تھی؟ | 〃 |
| (۱۱) آیت نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ اور حدیث لایأتیہ منہا الّا ما کتب لہ میں تضاد کا شبہ۔ | ۱۹ | (۲۴) شیطان کا نوح ؑ کی کشتی میں گدھے کی دم پکڑ کر سوار ہونے کی کوشش کرنا۔ | 〃 |
| (۱۲) ازالہ شبہ۔ | 〃 | (۲۵) حضرت نوح علیہ السلام کی درخواست اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ اور اس کا جواب۔ | ۳۴ |
| (۱۳) حضرت علیؓ باب علم تھے اور معرفت کے قطب۔ | ۲۰ | | |
| (۱۴) جو شخص بھی نبی ﷺ (کی رسالت) کا ذکر سن لے اور ایمان نہ لائے وہ کافر ہے۔ | ۲۱ | (۲۶) آیت وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبَاقِيْنَ پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔ | ۳۵ |


Marfat.com

| | |
|---|---|
| (۲۷) حضرت ہود علیہ السلام کا قصہ۔ | ۳۶ |
| (۲۸) اسلام تمام سابق گناہوں کو ڈھا دیتا ہے۔ حدیث | ″ |
| (۲۹) قوم عاد بھی قوم ہود سے ہے۔ | ۳۹ |
| **قوم ثمود کا ذکر** | ″ |
| (۳۰) حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ۔ | ″ |
| (۳۱) قوم لوط کو ہلاک کرنے کیلئے آنے والے فرشتوں کا سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے پاس آنا اور حضرت اسحاقؑ و حضرت یعقوبؑ کے پیدا ہونے کی قبل از وقت بشارت دینا۔ | ۴۱ |
| (۳۲) حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کے تعجب پر ایک شبہ اور اسکا ازالہ۔ | ۴۳ |
| (۳۳) فرشتوں کا حضرت لوطؑ کے پاس پہنچنا۔ | ۴۵ |
| (۳۴) آیۃ قال یقوم ھولاء بناتی الخ کی تفسیر۔ | ۴۶ |
| (۳۵) اللہ رحمت کرے میرے بھائی لوطؑ پر انہوں نے کسی مضبوط سہارے کی طرف رجوع کرنے کا اظہار کیا تھا۔ حدیث | ۴۷ |
| **حضرت شعیبؑ کا قصہ** | ۵۰ |
| (۳۶) مسئلہ: اگر ناپ تول کر کوئی چیز خریدے تو جب تک دوبارہ خود اس کو وزن و کیل نہ کرلے نہ اس کو فروخت کر سکتا ہے نہ کھا سکتا ہے۔ | ″ |
| (۳۷) جب تک دو مرتبہ غلہ کو پیمانہ سے نہ ناپ لیا جائے (ایک بار بائع دینے کے لئے اور ایک بار مشتری لینے کیلئے) اس وقت تک (اس میں تصرف کرنے کی) رسول اللہ ﷺ نے ممانعت فرمائی ہے۔ حدیث | ۵۱ |
| (۳۸) جھکتا ہوا تول کر دو۔ حدیث | ″ |
| **حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ** | ۵۷ |
| (۳۹) اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے جب پکڑتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا۔ | ۵۸ |
| (۴۰) جو روح بھی پیدا ہوئی ہے اسکی جگہ جنت یا دوزخ میں پہلے سے لکھدی گئی ہے۔ | ″ |
| (۴۱) حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ ایک وقت ایسا بھی آئے گا جبکہ دوزخ کے اندر کوئی بھی نہیں رہے گا۔ اس قول کی تشریح۔ | ۵۹ |
| (۴۲) دوزخ کے اندر کافروں کا ہمیشہ رہنا بالاجماع ثابت ہے، اس مسئلہ کی متعدد احادیث۔ | ۳۹ |
| (۴۳) آیت اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّکَ کی تشریح میں اہلِ تفسیر کے اقوال۔ | ″ |
| (۴۴) دوزخ نے (اپنی شدت کی) رب سے شکایت کی اللہ نے اس کو (ہر سال) دو مرتبہ دم لینے کی اجازت دیدی۔ حدیث۔ | ″ |
| (۴۵) گناہ گار اہل ایمان کا دوزخ میں داخل ہونا اور نکلنا۔ | ۶۱ |
| (۴۶) آیت فَمِنْھُمْ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ کی تشریح پر ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔ | ″ |
| (۴۷) اہل جنت کو بعض اوقات ایسی نعمت سے بھی سرفراز کیا جائے گا جو جنت سے بھی اعلیٰ ہوگی، یعنی اللہ کا دیدار۔ | ۶۳ |
| (۴۸) اَلْمُسْتُ بِاللّٰہِ کہو پھر اس پر استقامت رکھو۔ حدیث | ۶۵ |
| (۴۹) دین آسان ہے جو دین میں شدت اختیار کرے گا آخر مغلوب ہوگا شدت پر قائم نہ رہ سکے گا۔ | ۶۶ |
| (۵۰) دین آسان ہے اس میں جو شدت اختیار کرے گا تھک جائے گا۔ | ″ |
| (۵۱) ظالموں کی طرف ادنی جھکاؤ بھی موجب عذاب ہے، کامل جھکاؤ کا تو ذکر ہی کیا ہے، اور خود ظلم کرنا اور ظلم کرنے میں منہمک ہونا تو بدترین چیز ہے، ناقابل بیان۔ ظالم کی صحبت اختیار کرنے اور اس کو مدد پہنچانے کا بیان۔ | ″ |
| (۵۲) ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کی نمازیں ملا کر پڑھنے کا معنی اور اس کے متعلق فقہاء کے اقوال۔ | ۶۷ |
| (۵۳) نیکیوں سے پانچوں نمازوں سے اور رمضان کے روزوں سے گناہوں کا اتار ہو جاتا ہے۔ | ۷۰ |
| (۵۴) مسئلہ: امر ارادہ سے جدا ہے جس چیز کے ہونے کی اللہ کی مشیت ہو اس کا ہونا لازم ہے۔ | ۷۱ |
| (۵۵) رسول اللہ ﷺ نے چند لکیریں کھینچ کر فرمایا۔ حدیث | ۷۲ |
| (۵۶) سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے مجھے بوڑھا کر دیا۔ حدیث | ۷۳ |


Marfat.com

## سورۂ یوسف

| | |
|---|---|
| (۵۷) کریم بن کریم کون تھا؟۔ حدیث | ۷۶ |
| (۵۸) خواب کی حقیقت اور اقسام، اس کے متعلق متعدد احادیث | ۷۷ |
| (۵۹) آیت هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا کی تفسیر۔ | ۹۱ |
| (۶۰) ھمّ (ارادہ) دو طرح کا ہوتا ہے۔ | 〃 |
| (۶۱) اگر نادان، جاہل کسی عالم کا علمی مرتبہ نہ جانتے ہوں تو اپنا علمی درجہ پہنچانے کیلئے عالم اپنا علمی پایہ بیان کر سکتا ہے، یہ اپنی پاکدامنی پر غرور نہ ہوگا اولیاء اللہ نے جو کبھی کبھی اپنے فضائل کا اظہار کیا ہے نادان ان پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔ | ۱۰۱ |
| (۶۲) اللہ میرے بھائی یوسفؑ پر رحمت نازل فرمائے اگر وہ جیل سے رہا ہونے والے ساتھی سے یہ نہ فرماتے کہ اپنے آقا سے میرا ذکر کر دینا تو اتنی مدت تک قید خانہ میں نہ رہتے۔ حدیث | ۱۰۳ |
| (۶۳) مسئلہ: موقع تہمت سے بھی اپنے آپ کو بچانا چاہئے، خصوصاً اگر آدمی قوم کا مقتدا اور پیشوا ہو تب تو احتیاط رکھنی اور بھی ضروری ہے۔ | ۱۰۶ |
| (۶۴) حضرت یوسفؑ کے صبر کی تعریف۔ رسول اللہ ﷺ مرتبۂ نزول میں کامل تھے۔ | 〃 |
| (۶۵) مسئلہ: تقریر قضاء و حکومت کی درخواست اور اپنی اہلیت کا اظہار جائز ہے اور اگر کوئی دوسرا شخص اس درخواست گذار کا ہم پلہ موجود ہی نہ ہو تو اللہ کے احکام جاری کرنے اور محکمۂ قضا کو معطلی سے بچانے کیلئے کبھی طلب قضاء مستحب ہو جاتی ہے اور کبھی واجب۔ | ۱۱۱ |
| (۶۶) بادشاہ اور حاکم اعلیٰ کافر ہو یا فاسق بہر حال اس کی طرف سے اقامت حق کیلئے قاضی اور حاکم بننا اور اس عہدہ کو قبول کرنا جائز ہے، بشرطیکہ اقامت حق کا کوئی دوسرا راستہ نہ ہو۔ | 〃 |
| (۶۷) نظر لگنا حق ہے۔ حدیث | ۱۱۶ |
| (۶۸) احتیاط تقدیر کو نہیں ٹال سکتی۔ حدیث | 〃 |
| (۶۹) ایک شبہ: حضرت یوسفؑ نے اپنی موجودگی سے اپنے باپ کو خبر کیوں نہ دی، شبہ اور اس کا ازالہ۔ | ۱۲۳ |
| (۷۰) حضرت یعقوبؑ کا دل باوجود پیغمبر اور عارف کامل ہونے کے حضرت یوسفؑ کے ساتھ کیوں وابستہ تھا۔ | ۱۲۵ |
| (۷۱) دنیا ملعون ہے۔ حدیث | 〃 |
| (۷۲) کسی بڑے شخص نے ایک مکان تعمیر کرایا اور اس میں کھانا چنوایا اور سب لوگوں کو کھانے کی دعوت دی۔ حدیث | ۱۲۶ |
| (۷۳) جنت کی مٹی خوشبودار اور پاکیزہ ہے۔ وہاں کا پانی شیریں ہے، وہاں میدان بھی ہیں۔ جنت کے درخت سبحان اللہ وغیرہ۔ | 〃 |
| (۷۴) ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔ | ۱۲۷ |
| (۷۵) حضرت مجددؒ کی تحقیق پر دو شبہات۔ | ۱۲۸ |
| (۷۶) شبہ کا ازالہ۔ | 〃 |
| (۷۷) دوسرا شبہ اور اس کا ازالہ۔ | 〃 |
| (۷۸) رسول اللہ ﷺ کے حسن و جمال کا بیان اور حضرت یوسفؑ کے حسن کا تذکرہ۔ | ۱۲۹ |
| (۷۹) اگر کسی کے دل میں باپ اور اولاد کی محبت سے زیادہ میری محبت نہ ہو تو وہ مؤمن نہیں ہو سکتا۔ حدیث | 〃 |
| (۸۰) تین باتیں ہیں۔ جس کے اندر یہ تینوں باتیں ہوں گی اس کو ایمان کا مزہ آئے گا۔ | 〃 |
| (۸۱) مصیبت کے وقت رونا اور افسوس کرنا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ اپنے صاحب زادے حضرت ابراہیم اور اپنے نواسے کی وفات پر رو دیئے تھے۔ | 〃 |
| (۸۲) ہمارا رب ہر رات کو آسمان سے دنیا کی طرف نزول اجلال فرماتا ہے۔ حدیث | ۱۳۷ |
| (۸۳) وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ نے آیت مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ الخ پڑھی تھی۔ | ۱۴۱ |
| (۸۴) دو آدمیوں نے خرید و فروخت کے لئے کپڑا پھیلایا ہوگا، ابھی وہ خرید و فروخت نہ کر پائے ہوں گے اور نہ کپڑے کو تہ کر سکے ہوں گے کہ اچانک قیامت بپا ہو جائے گی۔ حدیث | ۱۴۳ |

## سورۂ رعد

| | |
|---|---|
| (۸۵) ہر شخص کا چچا، اسکے باپ کا ہمزاد (دوشاخہ) ہوتا ہے۔ | ۱۴۷ |
| (۸۶) مسئلہ: حمل کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کا | ۱۴۹ |
| | ۱۵۲ |


Marfat.com

| | |
|---|---|
| بیان۔ | |
| (۸۷) مسئلہ :ایک بطن میں زیادہ سے زیادہ کتنی تعداد ہوتی ہے۔ | ۱۵۳ |
| (۸۸) مسئلہ :ایک جھلی میں زیادہ سے زیادہ کتنے بچے ہو سکتے ہیں۔ | // |
| (۸۹) رات اور دن کے اعمال لکھنے والے فرشتوں کا تبادلہ حدیث۔ | ۱۵۴ |
| (۹۰) رعد اس فرشتے کا نام ہے جو بادلوں پر مأمور ہے۔ | ۱۵۸ |
| (۹۱) گرج سننے کے وقت کیا کہا جائے۔ | // |
| (۹۲) اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر میرے بندے میرے احکام پر چلتے تو میں رات کو ان پر مینہ برساتا، دن کو سورج نکالتا اور گرج کی آواز بھی نہ سناتا۔ حدیث | // |
| (۹۳) لہ دعوۃ الحق سے کیا مراد ہے ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔ | ۱۶۰ |
| (۹۴) صلۂ رحمی کا حکم۔ احادیث | ۱۶۵ |
| (۹۵) گناہ کرو تو اس کے بعد نیکی بھی کر لو۔ نیکی بدی کو مٹا دے گی۔ | ۱۶۷ |
| (۹۶) گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کر لو۔ | ۱۶۸ |
| (۹۷) میرے رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان سے میل جول رکھتا ہوں اور وہ مجھ سے قطع تعلق کرتے ہیں۔ حدیث | ۱۶۸ |
| (۹۸) ایک شبہ۔ | ۱۶۹ |
| (۹۹) شبہ کا حل۔ | // |
| (۱۰۰) جنت کے اندر ملائکہ (اللہ کی طرف سے) مؤمنوں کے پاس تحفے اور سلام کے ساتھ پہنچیں گے۔ | // |
| (۱۰۱) ظلم اور قطع رحم کا بیان۔ | ۱۷۰ |
| (۱۰۲) جس دل میں خوف و امید دونوں ساتھ ساتھ جمع ہوں گے اللہ اس کو وہی عطا فرمائے گا جس کا وہ امیدوار ہوگا اور اس عذاب سے محفوظ رکھے گا جس سے اس کو خوف ہوگا۔ حدیث | ۱۷۲ |
| (۱۰۳) طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے۔ | // |
| (۱۰۴) قضاء مبرم و معلق کی بحث اور اس سلسلہ کی احادیث | ۱۸۰ |
| (۱۰۵) ملا طاہر لاہوری مجدّدی کا قصہ۔ | ۱۸۱ |
| (۱۰۶) بعض لوگوں کے سامنے قیامت کے دن ان کے چھوٹے گناہ لائے جائیں گے اور ان کے کبیرہ گناہ پوشیدہ رکھ لئے جائیں گے، پھر ہر بدی کے عوض اس کو نیکی دی جائے گی۔ | ۱۸۲ |
| (۱۰۷) لوح محفوظ کا بیان اور اس لوح کا ذکر جس کے کچھ مندرجات کو مٹا دیا جاتا ہے اور کچھ تحریروں کو قائم رکھا جاتا ہے۔ | ۱۸۳ |
| **سورۂ ابراہیم** | ۱۸۵ |
| (۱۰۸) لوگ خیر و شر میں قریش کے پیرو ہیں۔ حدیث | ۱۸۶ |
| (۱۰۹) جس نے کوئی نیک طریقہ جاری کیا یا برا طریقہ جاری کیا۔ حدیث | // |
| (۱۱۰) اے اہل مدینہ علم میں لوگ تمہارے پیرو ہیں۔ حدیث | // |
| (۱۱۱) گھر والوں کے لئے سرپرست ایسا ہے جیسا امت کے لئے اس کا نبی۔ حدیث | ۱۸۷ |
| (۱۱۲) علماء انبیاء کے وارث ہیں۔ حدیث | // |
| (۱۱۳) لوگ تمہارے پیرو ہیں۔ حدیث | // |
| (۱۱۴) صابر اور شکر گزار ہونا مؤمن کا عنوان ہے۔ | ۱۸۸ |
| (۱۱۵) صبر و شکر کے متعلق احادیث۔ | // |
| (۱۱۶) تسبیح، تحمید اور تہلیل کی فضیلت کا بیان۔ | // |
| (۱۱۷) کلمہ طیبہ کی تفسیر۔ | ۱۹۸ |
| (۱۱۸) شجرۂ طیبہ (پاکیزہ درخت) کھجور کا درخت ہے۔ حدیث | // |
| (۱۱۹) ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں گرتے یہ مؤمن کی مثال ہے۔ حدیث | ۱۹۹ |
| (۱۲۰) جس نے سبحان اللہ العظیم کہا اس کے لئے جنت کے اندر کھجور کا ایک درخت لگا دیا جاتا ہے۔ | // |
| (۱۲۱) قبر کے اندر منکر نکیر کا سوال، اور قبر کا عذاب و ثواب۔ احادیث | ۲۰۰ |
| (۱۲۲) تقدیر پر ایمان لانے کا حکم۔ حدیث | ۲۰۱ |
| (۱۲۳) بنی مغیرہ اور بنی امیہ کی مذمت حدیث میں اور یزید کا کافر ہونا۔ | ۲۰۲ |
| (۱۲۴) اللہ نے جس روز آسمان و زمین کو پیدا کیا تھا اسی | ۲۰۶ |


Marfat.com

| | |
|---|---|
| روز اس شہر یعنی مکہ کو حرم بنادیا تھا۔ حدیث | ۲۰۶ |
| (۱۲۵) حضرت اسماعیلؑ کی والدہ حضرت ہاجرہ کا قصہ کہ کو شہر بنانا اور دونوں حضرات کی اس جگہ سکونت۔ | |
| (۱۲۶) دعا ہی عبادت ہے۔ دعا عبادت کا مغز ہے۔ | ۲۰۹ |
| (۱۲۷) نمرود کا صندوق میں بیٹھ کر گدھوں کے بازوؤں پر سوار ہو کر اڑنا۔ | ۲۱۲ |
| (۱۲۸) زمین و آسمان کا بدل جانا۔ حدیث | ۲۱۳ |
| (۱۲۹) میرے مکان اور میرے ممبر کے درمیان جنت کا ایک باغ ہے۔ حدیث | ۲۱۶ |
| (۱۳۰) آدھے دن کی مدت میں تمام لوگوں کا حساب ہو جائے گا۔ حدیث | ۲۱۷ |
| **سورۃ الحجر** | ۲۱۸ |
| (۱۳۱) مؤمن گناہ گار جب دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے تو وہاں کافران کو عار دلائیں گے (کہ تم تو حق پرست تھے، پھر کیوں دوزخ میں داخل ہوئے) اس پر اللہ کو غصہ آئے گا اور جس نے لا الٰہ الّا اللّٰہ کہا ہوگا اس کو دوزخ سے نکالنے کا حکم دیدے گا۔ حدیث | 〃 |
| (۱۳۲) شیطان چوری چھپے (فرشتوں کی کچھ گفتگو) سن پاتے ہیں اور کاہنوں کے دل میں وہ بات لا کر ڈال دیتے ہیں۔ حدیث | ۲۲۲ |
| (۱۳۳) اعیانِ ثابتہ اور عالم مثال کا قول کہاں سے اخذ کیا گیا، جب کبھی تیز ہوا چلتی تھی رسول اللہ ﷺ دوزانو بیٹھ کر دعا کرتے تھے، اے اللہ اس کو رحمت بنادے۔ حدیث | ۲۲۴ |
| (۱۳۴) جو جس حالت پر مرے گا اللہ اسی حالت پر اس کو اٹھائے گا۔ حدیث | ۲۲۵ |
| (۱۳۵) روح علوی و روح سفلی کا بیان ارواح علوی پانچ ہیں، حدیث روح پھونکنے اور بدن میں سرایت کرنے کی تحقیق۔ | ۲۲۶ |
| (۱۳۶) جہنم کے دروازوں کی تفصیل۔ حدیث | ۲۳۰ |
| (۱۳۷) جس نے مسلمانوں پر تلوار کھینچی، اس کا حکم۔ وغیرہ رسول اللہ ﷺ جب تک تبارک الذی اور حم السجدہ نہ پڑھ لیتے تھے نہیں سوتے تھے۔ | 〃 ۲۳۱ |
| (۱۳۸) خوف و امید کے متعلق احادیث۔ | ۲۳۲ |
| (۱۳۹) اللہ نے سو رحمتیں پیدا کی ہیں۔ حدیث | ۲۳۳ |
| (۱۴۰) سبع مثانی سے کیا مراد ہے کسی کے نزدیک سورۂ فاتحہ مراد ہے اور کسی کے نزدیک سات سورتیں۔ | ۲۳۸ |
| (۱۴۱) اللہ نے مجھے توریت کی جگہ سبع طوال اور انجیل کی جگہ الٓرٰ والی سورتیں طٰسٓ والی سورتوں تک اور طٰسٓ والی سورتوں سے حٰمٓ والی سورتوں تک زبور کی جگہ عنایت کیں اور حٰمٓ والی سورتیں اور مفصل سورتیں مزید مرحمت فرمائیں۔ | 〃 |
| (۱۴۲) حدیث لیس مِنّا مَن لَم یتغنّ بالقرآن۔ | ۲۳۹ |
| (۱۴۳) کسی فاجر کے عیش و آرام پر رشک نہ کرو۔ حدیث | 〃 |
| (۱۴۴) اپنے سے نیچے والوں کو دیکھو اوپر والوں کو نہ دیکھو۔ حدیث | 〃 |
| (۱۴۵) قیامت کے دن کن اُمور کی باز پرس ہوگی۔ احادیث | ۲۴۱ |
| (۱۴۶) رسول اللہ ﷺ پر اگر کوئی اچانک اُفتاد آجاتی تھی تو فوراً گھبرا کر نماز کی طرف رجوع فرماتے تھے۔ حدیث | ۲۴۵ |
| (۱۴۷) میرے پاس یہ وحی نہیں آئی کہ مال جمع کرو اور تاجر بن جاؤ بلکہ یہ حکم آیا ہے کہ اللہ کی پاکی بیان کرو۔ حمد و ثناء کرو اور نماز پڑھنے والوں میں شامل ہو جاؤ۔ حدیث | 〃 |
| **سورۃ النحل** | ۲۴۶ |
| (۱۴۸) اگر کوئی پیشاب کرنے بیٹھے تو ہوا کی طرف پشت کر کے بیٹھے۔ حدیث | ۲۵۲ |
| (۱۴۹) اللہ نے مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا، پھر مخلوق پر اپنے نور کا کچھ حصہ ڈال دیا۔ جس پر نور کا کچھ پرتو پڑ گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا۔ حدیث | ۲۵۴ |
| (۱۵۰) جس میں ذرہ برابر غرور ہوگا وہ جنت میں نہیں جائے گا اور جس میں ذرہ برابر ایمان ہوگا وہ دوزخ کے اندر داخل نہ ہوگا۔ حدیث | ۲۵۵ |
| (۱۵۱) غرور و ایمان میں مقابلہ کی وجہ۔ | 〃 |
| (۱۵۲) صوفیاء کے اصطلاحی لفظ فنا کی تشریح۔ | 〃 |
| (۱۵۳) جو ہدایت کی طرف بلائے گا اس کو ان سب لوگوں کے عمل کے برابر ثواب ملے گا جو اس ہدایت پر چلیں گے۔ حدیث | ۲۵۶ |


Marfat.com

(۱۵۴) اللہ نے فرمایا میرے بندوں نے مجھے جھوٹا قرار دیا اور میری تکذیب اسکے لئے جائز نہ تھی اور میرے بندے نے مجھے گالی دی۔ حدیث ۲۶۱
(۱۵۵) میں وہ چیز دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے اور وہ بات سنتا ہوں جو تم نہیں سنتے۔ حدیث ۲۶۵
(۱۵۶) آسمان چرچرایا۔ حدیث ۲۶۶
(۱۵۷) خالق کی نافرمانی ہوتی ہو تو مخلوق کی اطاعت ناجائز ہے۔ حدیث ۲۶۷
(۱۵۸) امر بالمعروف ترک کر دیا جاتا ہے تو عذاب نازل ہو جاتا ہے۔ ۲۶۸
(۱۵۹) شہد کے شفاء ہونے کا تذکرہ۔ اور ایک شبہ اور اس کا ازالہ۔ ۲۷۲
(۱۶۰) اللہ نے فرمایا جن وانس کا یہ بہت بڑا حادثہ ہے میں پیدا کرتا ہوں اور دوسروں کی پوجا کی جاتی ہے۔ حدیث ۲۷۵
(۱۶۱) ایک شبہ جس کا وہم کیا جا سکتا تھا ازالۂ شبہ۔ ۲۸۰
(۱۶۲) جو دنیا سے محبت کرتا ہے وہ اپنی آخرت کا نقصان کرتا ہے اور جو آخرت کو چاہتا ہے وہ اپنی دنیا کا ضرر کرتا ہے۔ حدیث۔ ۲۸۵
(۱۶۳) دنیا میں مؤمن کی زندگی پاکیزہ زندگی ہے۔ پاکیزہ زندگی ہونے کی تشریح۔ ۲۸۶
(۱۶۴) اللہ جنت والوں سے فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے؟ اللہ کی خوشنودی جنت کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ حدیث۔ ایک شبہ۔ ازالۂ شبہ۔ ۲۸۷
(۱۶۵) تم سب سے اللہ کو زیادہ جاننے والا اور سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا میں ہوں۔ حدیث
(۱۶۶) مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کا ہر معاملہ سراسر خیر ہے۔ حدیث
(۱۶۷) مسائل: قرأت سے پہلے أعوذ باللہ پڑھنا۔ بعض کے نزدیک قرأت کے بعد پڑھنا۔ نماز کے اندر اعوذ باللہ پڑھنے کے متعلق علماء کا اختلاف۔ تعوذ کی کیفیت اور حقیقت..... فائدہ ..... ۲۸۸
(۱۶۸) مؤمن جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ ۲۹۲
(۱۶۹) حضرت عمارؓ اور آپ کے والدین کو جب کفر پر مجبور کیا گیا۔ ۲۹۳
(۱۷۰) مسائل: اکراہ (جبر) کی تعریف، اقسام اور احکام وغیرہ۔ ۲۹۴
(۱۷۱) حضرت خبیبؓ کو کفر پر مجبور کیا گیا اور انکار کرنے پر آپ کو شہید کر دیا گیا۔
(۱۷۲) مسیلمہ کذاب نے دو مسلمانوں سے اپنی نبوت کا اقرار کرانا چاہا، ایک نے بطور تقیہ اقرار کر لیا اور دوسرے نے انکار کر دیا انکار کرنے والے کو مسیلمہ نے شہید کر دیا۔
(۱۷۳) کرّہ کے تصرّفات صحیح ہیں یا غلط، علماء کا اختلاف
(۱۷۴) ایک شبہ اور ازالۂ شبہ۔ ۲۹۶
(۱۷۵) حضرت ابراہیمؑ کو دنیا میں خلّت عطا فرمائی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے خلّت کی طلب کی تو ایک ہزار سال کے بعد یہ دعا قبول ہوئی۔ ۳۰۳
(۱۷۶) فائدہ۔ ۳۰۴
(۱۷۷) اللہ نے یہودیوں اور عیسائیوں کو جمعہ (عبادت کے لئے) عطا فرمایا لیکن انہوں نے انکار کر دیا، ایک نے ہفتہ کا دن اختیار کیا اور دوسرے نے اتوار کا۔ اس امت کو جب جمعہ کا حکم دیا گیا تو اس نے قبول کر لیا۔
(۱۷۸) حضرت حمزہؓ کو شہید اور مُثلہ کرنے کا بیان۔ ۳۰۵
(۱۷۹) رسول اللہ ﷺ کا غم اور ارادۂ انتقام اور کافروں کو مُثلہ کرنے کا اظہار۔ ۳۰۶
(۱۸۰) فائدہ۔ ۳۰۸
(۱۸۱) مُثلہ کرنے کی ممانعت۔

Marfat.com

# اے اللہ!

تیرے سوا کوئی سچا معبود نہیں، ہم تیری ثنا کرتے ہیں ہر عیب سے تیرے پاک ہونے کا اقرار کرتے ہیں، تیری مدد کے خواستگار ہیں، تجھ سے گناہوں کی معافی کے طلبگار ہیں، تیرے شکر گذار ہیں، تجھ سے دنیا اور آخرت کی بھلائی کی درخواست کرتے ہیں ہم کو اپنے ان نیک بندوں میں شامل کر دے جن کو (قیامت کے دن) نہ کوئی خوف ہوگا نہ غم، ہم شہادت دیتے ہیں کہ تو ہی ہمارا مالک ہے، آسمان و زمین کا مالک ہے اور زمین و آسمان کے اندر اور اوپر جو مخلوق ہے اس کا مالک ہے بلاشبہ ہر چیز تیرے قابو میں ہے، ہم دعاء رحمت کو سلامتی کرتے ہیں اپنے آقا اور مولےٰ محمد ﷺ کے لیے جو تیرے رسول ﷺ اور حبیب تھے اور ساری مخلوق کے سردار تھے اور آپ ﷺ کی آل واصحاب کے لیے بھی اور ان لوگوں کے لیے بھی جو آل واصحاب کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہوں روز قیامت تک۔ اے ارحم الراحمین اپنی رحمت سے ہماری دعا قبول فرما۔

## سورۂ ھود

اس سورت کی ۱۲۳ آیات ہیں سوائے آیت اقم الصلوٰۃ طرفی النھار الخ کے باقی پوری سورت مکی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱

الٓرٰ یہ (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں دلائل سے محکم کی گئی ہیں پھر (اس کے ساتھ ساتھ) صاف صاف بیان بھی کی گئی ہیں، یہ ایک حکیم باخبر کی طرف سے ہے۔

اُحْكِمَتْ یعنی اس کی آیات موتیوں کی طرح پروئی ہوئی ہیں ان کی ساخت پرداخت مضبوط ہے نہ اس کے الفاظ میں کوئی نقص ہے نہ معنی میں کوئی عیب۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس کی آیات غیر منسوخ ہیں یہ مطلب اس وقت صحیح ہوگا جب آیات کتاب سے صرف اس سورت کی آیات مراد ہوں کیونکہ اس سورت کی کوئی آیت منسوخ نہیں (باقی قرآن میں بعض آیات منسوخ ہیں) یا مضبوط کرنے سے مراد ہے دلائل اور براہین سے پختہ کی ہوئی یا اُحْكِمَتْ کا مطلب ہے پُر حکمت بنائی ہوئی یعنی علمی اور عملی حکمتیں اس کے اندر بھری ہوئی ہیں حکم ضمہ کے ساتھ حکیم ہو گیا فُصِّلَتْ یعنی جس طرح ہار کے درمیان جگہ جگہ دُر یکدانہ پروئے جاتے ہیں اسی طرح اس کی آیات الگ کر دی گئی ہیں، کہیں اعتقادیات، کہیں عملی احکام، کہیں مواعظ، کہیں واقعات کی اطلاع یا فصل کر دینے سے مراد ہے الگ الگ سورتیں مقرر کر دینا یا تھوڑا تھوڑا (حسبِ ضرورت دنیا میں) بھیجنا مراد ہے یا یہ مطلب ہے کہ جن امور کی (اصلاحِ بشری کے لیے) ضرورت تھی ان کو بطور خلاصہ بیان کر دیا گیا ہے۔

مِنْ لَّدُنْ اس کا تعلق وصفی یا کتاب سے ہے یا دوسری خبر ہے یا اُحْكِمَتْ سے تعلق ہے یا فُصِّلَتْ سے مطلب یہ ہے کہ اللہ ظاہر اور باطن سے واقف اور باخبر ہے اسی کی طرف سے ان آیات کا یا کتاب کا نزول ہے اور اسی نے اس کی آیات کو محکم بنایا ہے۔

Marfat.com

اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝ کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو میں اس کی طرف سے (ایمان نہ لانے والوں کو عذاب سے) ڈرانے والا اور (ایمان دار نیکوکاروں کو نجات و ثواب کی) خوش خبری دینے والا ہوں۔

یعنی شرک کے عذاب سے ڈرانے والا اور توحید کے ثواب کی بشارت دینے والا ہوں۔

وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اور یہ بھی کہ تم (کفر و معصیت کی) اپنے رب سے معافی مانگو اور اس کی طرف (ایمان و اطاعت کے ساتھ) لوٹو،

یعنی پچھلے گناہوں کی اپنے رب سے معافی چاہو اور آئندہ طاعت کے ساتھ اس کے طرف رجوع کرو۔ فراء نے کہا شہ اس جگہ (ترتیب اور تراخی کے لئے نہیں ہے بلکہ) واؤ کے معنی میں ہے (یعنی مطلق عطف کے لیے ہے) اور استغفار کے معنی ہیں توبہ کرنا (معطوف اور معطوف علیہ میں اس جگہ مغایرت نہیں ہے) یعنی ایک کا معنی دوسرے کے معنی کو لازم ہے (مطلب یہ کہ دونوں میں اتحاد التزامی ہے اگرچہ ذاتی افتراق ہے)۔

يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وہ تم کو اچھی (خوشگوار پُرامن، فراخ حال) زندگی عطا فرمائے گا، مرتے دم تک۔

گناہوں سے مصائب اور بلائیں آتی ہیں، اللہ نے فرمایا ہے مَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ جو مصیبت تم پر آتی ہے اپنے کرتوت کی وجہ سے آتی ہے اور اللہ بہت سے جرائم سے تو درگذر فرما دیتا ہے (پھر بھی بعض گناہوں کی پاداش میں تم پر مصائب آ ہی جاتے ہیں) بعض علماء کا قول ہے متاع حسن سے مراد ہی قسمت خداوندی پر راضی رہنا اور تقدیر الٰہی پر صبر کرنا۔ چونکہ ہر شخص کی مدت زندگی مقرر ہے اور وقت موت معین ہے اس لئے اجل مسمی سے مراد ہے وقت موت۔

وَيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ۭ اور وہ ہر فضیلت والے کو اس کی فضیلت کے مطابق جزا عطا فرمائے گا۔

یعنی دینی فضیلت کے مطابق جزا عطا فرمائے گا، دنیا میں توفیق، اطمینان قلب، چین اور اللہ کی یاد کی لذت اور سعادت آخرت کی خوشخبری اور آخرت میں ثواب کی کثرت اور مراتب قرب کی بلندی عطا فرمائے گا۔

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ ۝ اور اگر (اللہ کی عبادت اور توحید سے) روگرداں ہو گے تو مجھے تمہارے متعلق ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے۔

بڑے دن سے مراد ہے قیامت کا دن جس کی مقدار پچاس ہزار برس ہو گی بلکہ وہ (عذاب کا دن) غیر محدود ہو گا (یعنی کافروں کے لیے عذاب غیر مختتم ہو گا اور مؤمنوں کیلئے ثواب لامتناہی)

اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ۚ تمہارے تمام امور کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ (دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی)

وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ اور وہ ہی ہر شے پر قدرت رکھتا ہے۔

یعنی دنیا اور آخرت میں ہر جگہ سزا جزا دینا اس کے اختیار میں ہے۔ یہ آیت سابق آیات کی تاکید اور تقریر ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ ۭ یاد رکھو وہ لوگ دوہرا کر دیتے ہیں اپنے سینوں کو (اور اوپر سے کپڑا لپیٹ لیتے ہیں) تاکہ اپنی باتیں خدا سے چھپا سکیں۔

بخاری نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ لوگ یعنی کچھ مسلمان خلوت میں بھی برہنہ ہونے اور کھلی جگہ میں عورتوں سے صحبت قربت کرنے سے شرماتے تھے ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ابن جریر ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے بھی بواسطہ محمد بن عباد بن جعفر حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

ابن ابی شیبہ، ابن جریر اور ابن المنذر نے باسناد ابن ابی ملیکہ لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ



Marfat.com

صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ پڑھ کر فرمایا کہ لوگ کپڑوں میں لپٹے لپٹائے دفع ضرورت اور عورتوں سے قربت کرتے تھے کھلی فضا میں برہنہ ہونا ان کو پسند نہ تھا۔

بغوی نے عبداللہ بن شداد کی روایت سے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول بعض منافقوں کے حق میں ہوا تھا رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جب ان کا گذر ہوتا تھا تو وہ سینہ اور پشت کو حضور ﷺ کی طرف سے موڑ کر سر جھکا کر منہ چھپا کر نکل جاتے تھے۔ تاکہ رسول اللہ ﷺ کی نظر ان پر نہ پڑ جائے، ابن جریر وغیرہ نے بھی، عبداللہ بن شداد بن ہاد کی روایت سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ مگر یہ روایت قابل پذیرائی نہیں کیونکہ آیت تو مکی ہے اور منافق مدینہ میں (ہجرت کے بعد) پیدا ہوئے (مکہ میں کوئی منافق نہیں تھا) بہر حال اس روایت کے بموجب مِنْهُ کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہوگی (اللہ کی طرف راجع نہیں ہوگی)۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے متعلق نازل ہوئی یہ شخص بڑا شیریں کلام اور خوش رو تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے سامنے آتا تھا تو وہی بات کہتا تھا جو حضور ﷺ کو پسند ہوتی تھی مگر دل میں اس کے خلاف پوشیدہ رکھتا تھا، اس وقت يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ سے مراد یہ ہوگی کہ وہ سینوں کے خلاف کے اندر کفر، کینہ اور رسول اللہ ﷺ کی دشمنی چھپائے رکھتے ہیں۔

قتادہ نے کہا وہ سینوں کو ٹیڑھا کرتے اور جھکا لیتے تھے تاکہ اللہ کی کتاب اور اللہ کا ذکر نہ سن پائیں۔

سدی نے کہا يَثْنُوْنَ کا لفظ ثُنَيَّتُ عِنَانِيْ کے محاورے سے بنایا گیا ہے (میں نے لگام موڑ لی) یعنی وہ اپنے دلوں سے اعراض کرتے ہیں (دلوں کا رخ موڑ لیتے ہیں) بعض روایات میں (ضعیف قول یہ بھی) آیا ہے کہ بعض لوگ اپنی کوٹھڑی میں گھس کر دروازہ کا پردہ چھوڑ کر سینہ کو جھکا کر اور چادر اپنے بدن پر لپیٹ کر کہتے تھے کہ کیا اللہ اب بھی میرے دل کی بات جان سکتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۚ خوب سن لو وہ لوگ جب اپنے کپڑے اوڑھ لیتے ہیں یعنی سروں کو کپڑوں سے چھپا لیتے ہیں، تب بھی اللہ ان امور سے واقف ہوتا ہے جن کو وہ (دلوں کے اندر یا کسی اور طریقہ سے) چھپاتے ہیں اور ان باتوں کو بھی جانتا ہے جن کو وہ زبانوں سے) ظاہر کرتے ہیں۔

اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝ یقیناً اللہ سینوں یا دلوں کے اندرونی رازوں کو خوب جانتا ہے۔ اور جب اللہ سے کوئی بات پوشیدہ نہیں تو اپنے رسول اور مؤمنوں کو جن باتوں سے واقف کرنا چاہتا ہے کر دیتا ہے اور آئندہ جس بات سے آگاہ کرنا ہوگا کر دے گا۔

☆☆.....☆.....☆☆

Marfat.com

# بارھواں پارہ شروع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

# پارہ وما من دابۃ (ھود)

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا — اور نہیں ہے زمین پر کوئی رینگنے والا جانور مگر اللہ ہی کے ذمہ ہے اس کی روزی، کیونکہ اللہ نے اپنی رحمت اور مہربانی سے ہر جاندار کی پرورش کرنا اپنے ذمہ لے رکھا ہے۔ (۱)

عَلَى اللّٰهِ (بذمۂ خدا) کا لفظ اشارہ کر رہا ہے اس امر کی طرف کہ رزق ضرور پہنچے گا، اللہ پر بھروسہ رکھنا چاہئے اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ علی اللہ میں علی بمعنی من یعنی وہ مقررہ رزق جو علم میں ہے اللہ کی طرف سے بندہ کو ملے گا اللہ اس کا ذمہ دار ہے کسی دوسرے کی طرف سے نہیں مل سکتا۔ مجاہد نے کہا رزق سے مراد وہ رزق ہے جو اللہ کی طرف سے مقرر ہے بعض اوقات اللہ رزق نہیں دیتا اور آدمی بھوکا مر جاتا ہے۔

وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ط — اور وہ ہر ایک کی (مستقل) قیام گاہ اور (عارضی) قرارگاہ کو جانتا ہے۔

بغوی نے ابن مقسم کا قول نقل کیا ہے اور یہی قول ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی آیا ہے کہ مستقر سے مراد ہے وہ جگہ جہاں رات دن جاندار رہتا اور ادھر ادھر گھوم پھر کر پھر اسی جگہ آکر قرار پکڑتا ہے اور مستودع سے مراد ہے دفن ہونے کی جگہ۔ حضرت ابن مسعودؓ کے نزدیک مستقر سے مراد ماں کا پیٹ اور مستودع سے مراد باپ کی پشت ہے۔ سعید بن جبیر، علی بن طلحہ اور عکرمہؓ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک مستقر سے مراد جنت یا دوزخ اور مستودع سے مراد قبر ہے کیونکہ حسنت مستقرا جنت کے لیے اور ساءت مستقرا دوزخ کے لیے فرمایا ہے۔

كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ — ہر ایک یعنی ہر جاندار اور ہر جاندار کا حال اور رزق لکھا ہوا ہے۔ کھلی کتاب یعنی لوح محفوظ یا اعمال لکھنے والے فرشتوں کے کتابچوں میں۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے اللہ نے مخلوقات کی قسمتیں لکھ دی تھیں، حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ (اس وقت) اللہ کا تخت پانی پر تھا (رواہ مسلم)

حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ اللہ کی سچے رسول ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ تم میں سے (ہر) ایک کا مادۂ تخلیق ماں کے پیٹ میں چالیس روز بصورت نطفہ جمع رہتا ہے، پھر اتنی ہی مدت میں بصورت علقہ (بستہ خون یا جونک) ہوتا ہے، پھر اتنی ہی مدت

(۱) دابۃ۔ رینگنے والا جانور دبیب رینگنا۔ عموماً عرف عام میں دابۃ چوپایہ کو کہتے ہیں لیکن اس جگہ لغوی معنی مراد ہے یعنی ہر جاندار جو زمین پر چل سکتا ہے خواہ کوئی کیڑا ہو یا چوپایہ یا پرندیا آدمی۔

اہل سنت کا مسلمہ عقیدہ ہے کہ اللہ پر کوئی عمل واجب نہیں، لیکن اللہ اگر اپنی رحمت سے خود کسی بات کا وعدہ فرمالے تو تکمیل وعدہ واجب ہے جیسے نیکوں کا جنت میں داخلہ، مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے رحمت و مہربانی کا لفظ بڑھا کر اسی طرف اشارہ کیا ہے۔

Marfat.com

میں بوند (بے جان لوتھڑا) پھر اللہ ایک فرشتہ کو چار باتیں لکھنے کے لیے مامور فرماتا ہے وہ فرشتہ اس کا عمل، اس کی مدت زندگی (یا وقت موت) اور اس کا رزق اور اس کا سعید یا شقی (نیک بخت مؤمن یا بد نصیب کافر) ہونا لکھ دیتا ہے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

حضرت ابودرداءؓ کی روایت کے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ ہر بندے کی پانچ باتیں لکھنے سے فارغ ہو چکا ہے۔ مدت زندگی، اعمال، مقام موت، آثار، رزق، رواہ احمد۔

گویا اس آیت میں اللہ کا عالم کل ہونا اور آئندہ آیت میں اللہ کا قادر مطلق ہونا توحید ثابت کرنے اور مندرجہ بالا وعدہ وعید کو پختہ کرنے کے لیے بیان کیا گیا ہے (اس آیت سے اللہ کے علم کا ہمہ گیر ہونا اور اگلی آیت وھوالذی سے اللہ کی قدرت کا محیط کل ہونا ظاہر کیا جارہا ہے تاکہ گذشتہ آیت میں جس توحید اور وعدہ وعید کا ذکر کیا گیا تھا اس کا اثبات اور تقریر ہو جائے)۔

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ اور وہ اللہ وہی تو ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو مع ان کی تمام موجودات کے چھ روز میں اندازہ کے مطابق پیدا کیا۔ آسمانوں سے مراد ہیں بالائی چیزیں اور زمین سے مراد نشیبی چیزیں، یعنی کائنات بالا و پست۔ آسمانوں کو بصیغۂ جمع اور زمین کو بصیغۂ واحد ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ کائنات علویہ میں سے ہر ایک کی ذات دوسرے کی ذات سے جدا ہے اور ہر ایک دوسرے سے اصل کے اعتبار سے مختلف ہے اور کائنات سفلیہ کی اصل وذات ایک ہے۔[1]

وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ اور (آسمان وزمین کی پیدائش سے پہلے) اس کا تخت پانی پر تھا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ پانی ہوا کی پشت پر تھا، کعب احبار کا قول ہے کہ اللہ نے ایک یاقوت سبز پیدا کیا اور اس پر نظر جلال ڈالی تو وہ آب لرزاں بن گیا، پھر اللہ نے ہوا کو پیدا کیا اور اس کی پشت پر پانی کو قائم کیا) پھر عرش کو پانی پر قائم کیا۔ ضمرہ نے کہا اللہ کا تخت پانی پر تھا، پھر اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور قلم کو پیدا کیا پھر اس سے وہ تمام چیزیں لکھدیں جو ہونے والی تھیں اور جن کو وہ آئندہ پیدا کرنے والا تھا اور ہر مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے ہزار برس تک قلم نے اللہ کی تسبیح و تحمید کی تھی۔

حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت سے بخاری نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی اور اس کا تخت پانی پر تھا۔ پھر اس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور یاد داشت (غالباً لوح محفوظ) میں ہر چیز لکھ دی (الحدیث)

عرش کے متعلق جو اخبار و احادیث آئی ہیں ان کا کچھ حصہ سورۂ بقرہ کی آیت الکرسی کی تفسیر کی ذیل میں ہم لکھ چکے ہیں۔

لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تاکہ تم کو آزمائے کہ تم میں سے اچھے عمل کرنے والا کون ہے۔

یعنی باوجود عالم کل ہونے کے پھر بھی جانچ کرنے والے ممتحن کی طرح تمہارے ساتھ معاملہ کرے تاکہ تمہارا استحقاق ثواب وعذاب ظاہر ہو جائے کیونکہ آسمان وزمین اور ان کی موجودات تمہاری ہستی اور معاش کے اسباب وذرائع اور اصول ہیں ان سے تمہارے تمام احوال واعمال وابستہ ہیں انکا تقاضا ہے کہ تم اپنے رب کا شکر ادا کرو پھر یہ ساری کائنات وجود صانع کی دلیل اور (توحید صانع کی) خصوصی نشانی ہے اس سے تم معرفت الٰہیہ حاصل کر سکتے ہو۔

لِيَبْلُوَكُمْ کا تعلق خَلَقَ سے ہے گویا اس لفظ سے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ سارے جہان اور موجودات جہان کی تخلیق بجائے خود مقصود نہیں بلکہ تخلیق انسان اور انسانوں میں بھی اہل ایمان کی تخلیق کی تمہید ہے اور مؤمنوں میں سے بھی ان لوگوں کی پیدائش کا تمہیدی مقدمہ ہے جن کے اعمال اچھے ہوں۔ یعنی رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ سے مشابہت رکھنے والے

---

[1] (۱) حضرت مفسر کی یہ تشریح فلسفہ مشائیہ کے طبعزاد مسلمہ پر مبنی ہے کہ ہر آسمان کا مادہ دوسرے آسمان کے مادہ سے جدا ہے رہی صورت جسمیہ اور نوعیہ وہ تو بہر حال الگ الگ ہی ہے اور تمام عناصر کا مادہ ایک ہے اور صورت جسمیہ بھی طبعیت نوعیہ ہے جس کا تحقق تمام عناصر میں برابر ہے۔ البتہ ہر عنصر کی صورت نوعیہ جدا جدا ہے، مگر یہ فلاسفہ کی خرافات ہے اسلامی تصریحات میں کسی جگہ اس کی تائید نہیں ملتی۔ واللہ اعلم۔ (مترجم)

Marfat.com

صالحین۔

اَحْسَنُ عَمَلاً میں عمل کا لفظ عقیدہ اور افعال اعضاء جسمانی دونوں کو شامل ہے۔ ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم اور ابن مردویہ نے کمزور سند سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ اَحْسَنُ عَمَلاً (سے مراد ہے) سب سے اچھی سمجھ والا ممنوعات الٰہیہ سے سب سے زیادہ پرہیز رکھنے والا اور اوامر کی تعمیل میں تیزی کرنے والا۔ بلاشبہ سب سے اچھے اعمال دلوں کے اعمال (عقائد و میلانات) ہیں اور قلبی اعمال میں سے بھی سب سے اچھا عمل اللہ کی محبت اور اس کی یاد میں ڈوب جانا ہے۔

خلاصہ یہ کہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے کا مقصدی نقطہ اہل اللہ کا وجود ہے۔ لفظ احسن تعلیم دے رہا ہے اس بات کی کہ علم و عمل کے درجات پر زیادہ سے زیادہ چڑھنا چاہیئے۔

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

اور اگر آپ ان (مشرکوں) سے کہیں کہ مرنے کے بعد تم کو یقیناً اٹھنا ہوگا تو منکر کہتے ہیں کہ یہ تو کھلے ہوئے جادو کے سوا اور کچھ نہیں۔

هٰذَا یعنی مرنے کی بعد جی اٹھنا یا قیامت کا قول، یا یہ قرآن جس کے اندر قیامت کے آنے کا ذکر ہے، کھلا ہوا جادو ہے۔ ابن ابی حاتم نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب آیت اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ نازل ہوئی تو کچھ لوگوں نے کہا قیامت تو قریب آچکی (اس ڈر کی وجہ سے) کچھ لوگوں نے برے کام چھوڑ دیئے مگر کچھ ہی مدت بعد پھر بدکرداری میں مبتلا ہوگئے، اس پر آیت اَتٰٓى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ نازل ہوئی یہ سن کر کچھ لوگ کہنے لگے لو حکم خدا آہی پہنچا۔ یہ خیال کر کے ڈر کر گناہ چھوڑ دیئے مگر کچھ مدت کی بعد پھر اسی بداعمالی کی طرف لوٹ گئے، تو مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔ ابن جریر نے بحوالہ ابن جریج بھی ایسا ہی بیان کیا ہے۔

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اور

اگر کچھ مدت ہم ان سے عذاب کو ملتوی رکھتے ہیں تو وہ کہنے لگتے ہیں کہ عذاب کو کون چیز روک رہی ہے۔ صاحب قاموس نے لفظ اُمَّةٍ کی معانی میں سے ایک معنی وقت بھی لکھا ہے بغوی نے اس کا ترجمہ اجل کیا ہے (یعنی میعاد) اصل میں امۃ جماعت کو کہتے ہیں یعنی ایک جماعت کے ختم ہونے اور دوسری جماعت کے پیدا ہونے تک، بیضاوی نے امۃ کا ترجمہ اوقات کا مجموعہ کیا ہے اور معدودۃ کا ترجمہ قلیل۔

اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ ع ۱

یاد رکھو جس روز (مقررہ وقت پر) عذاب ان پر آپڑے گا تو پھر کسی کے ٹالے نہ ٹلے گا اور جس (عذاب) کا مذاق بناتے تھے وہ ان کو آگھیرے گا۔

یعنی وہ عذاب جو اللہ کے علم میں مقرر ہے جیسے جنگ بدر کا عذاب ان پر جس دن آجائے تو پھر اس کو نہیں لوٹایا جائے گا اور جس عذاب کا یہ مذاق بنایا کرتے تھے اور بطور استہزاء کہتے تھے کہ آیا کیوں نہیں، آنے سے کون مانع ہے فوراً آجائے وہ عذاب ان کو ہر طرف سے گھیرے گا (پھر بچاؤ کا ہر راستہ بند ہو جائے گا) چونکہ آئندہ عذاب کا آنا یقینی تھا اس لیے ماضی کا صیغہ استعمال کیا گویا وہ آچکا اس میں تحقق وقوع کے لیے قوت کے ساتھ تہدید بھی ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۝

اور اگر ہم انسانوں کو (بلا استحقاق) اپنی طرف سے رحمت یعنی کسی نعمت (امن، صحت، دولت وغیرہ) کا مزہ چکھا دیتے ہیں پھر کچھ مدت کے بعد اس سے اپنی نعمت چھین لیتے ہیں تو وہ بالکل نراس اور ناشکرا ہو جاتا ہے۔

الانسان (میں الف لام جنسی ہے) یعنی عام انسان۔ یئوس بالکل نراس، ناامید، نعمت کے زوال کی بعد چونکہ اس کو صبر

Marfat.com

نہیں رہتا اور اللہ پر اس کا اعتماد نہیں ہوتا اور حکم خداوندی پر وہ رضامند نہیں ہوتا، اس لیے قطعاً حصول نعمت سے ناامید ہو جاتا ہے اور سابق اور موجود نعمتوں کو بھی بھول جاتا ہے، پچھلی نعمتوں کی بھی ناشکری کرنے لگتا ہے اور جو نعمتیں بالفعل اس کو حاصل ہوتی ہیں ہستی بقاء ہستی زندگی اور اس کے باقی رکھنے کے اسباب سب کو بھول جاتا ہے بالکل ناسپاس ہو جاتا ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ۭ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۝

اور اگر تکلیف پہنچنے کے بعد ہم اس کو راحت کا مزہ چکھا دیتے ہیں (دکھ کے بعد کچھ سکھ دیتے ہیں) تو انسان کہتا ہے اب تو تمام مصیبتیں مجھ سے چلی گئیں (اللہ کی طرف مصائب دور کرنے کی نسبت نہیں کرتا بلکہ تقاضاء نیچر کے زیر اثر مصائب کا خاتمہ سمجھتا ہے) یہ حقیقت ہے کہ وہ بڑا اترانے والا شیخیاں مارنے والا ہو جاتا ہے۔

حصول مقصد سے دل میں جو لذت پیدا ہوتی ہے اس کو فرح (یا فرحت) کہتے ہیں فَرِحٌ سے مراد ہے نعمت پر مغرور اترانے والا فَخُوْرٌ بڑائی باز جو اپنے کو نعمت کا حقدار قرار دیتے ہوئے لوگوں پر اپنی فوقیت جتاتا ہے اور یہی اکڑ اور غرور اس کو ادائے شکر سے روکتے ہیں۔

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۭ

مگر وہ لوگ مستثنیٰ ہیں جنہوں نے (مصائب پر) صبر رکھا اور نیک کام کیے۔

یعنی اہل ایمان اس ضابطہ سے مستثنیٰ ہیں وہ نہ اس اور ناشکرے نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے فضل کے امیدوار رہتے ہیں اور اس کی سابقہ و موجودہ نعمتوں کے شکر گذار ہوتے ہیں نہ اتراتے اور اکڑتے ہیں نہ نعمت پاکر دوسروں پر اپنی بڑائی جتاتے ہیں۔ یہ خصوصیت اہل ایمان کی ہی ہے کہ دکھ میں صبر کرتے اور سکھ میں شکر ادا کرتے ہیں۔

حضرت صہیبؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مؤمن کا بھی عجیب معاملہ ہے اس کی ہر بات اچھی ہے اور یہ خصوصیت صرف مؤمن ہی کی ہے اگر اس کو سکھ ملتا ہے تو شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہو جاتا ہے اور دکھ پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لیے خیر ہو جاتا ہے۔ (رواہ مسلم)

فراء کے نزدیک استثناء منقطع ہے اور اِلَّا کا معنی ہے "لیکن، اس صورت میں اَلْاِنْسَانَ (میں الف لام عہدی ہوگا اور اس) سے مراد ہوگا کافر انسان۔

اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ۝

یہ ہی لوگ ہیں جن کے لئے (اللہ کی طرف سے گناہوں کی) مغفرت اور بڑا اجر ہے یعنی اللہ کی خوشنودی اور جنت۔

حضرت عیاض بن حمار المجاشعیؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے میرے پاس وحی بھیجی ہے کہ تواضع کرو کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور کوئی کسی پر زیادتی نہ کرے (رواہ مسلم)

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ

سو شاید آپ (تنگ ہو کر) ان احکام میں سے چند جو وحی کے ذریعہ سے آپ کے پاس بھیجے جاتے ہیں چھوڑ دینے والے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مشرکوں نے کہا تھا کوئی ایسا قرآن پیش کرو جس میں ہمارے معبودوں کو برا نہ کہا گیا ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اس قول پر بعض مایوحیٰ سے مراد ہوگی وہ وحی جس میں کافروں کے معبودوں کو برا کہا گیا ہو۔

(چونکہ آیت میں لفظ لعلّ آیا ہے جس کا معنی ہے شاید، توقع ہے اور رسول اللہ ﷺ کی شان کے خلاف تھا کہ وہ کافروں کی رعایت سے وہ آیات بیان کرنا ترک کر دیتے جن کے اندر مشرکوں کے بتوں کو برا کہا گیا ہے پھر شاید اور توقع ہے کہنے کا کیا مکان تھا اس لیے) بیضاوی نے (اس شبہ کو دور کرنے کے لیے) لکھا ہے کہ کسی چیز کا سبب، داعی اگر موجود ہو تب بھی اس چیز کا وقوع ضروری نہیں۔ ممکن ہے کہ داعی ہونے کے باوجود کوئی مانع بھی موجود ہو جس کی وجہ سے اس شئی کا وقوع نہ ہو سکے۔ اس جگہ بھی یہی صورت ہے کہ گو ترک تبلیغ کی توقع کا سبب موجود ہے، لیکن رسول خیانت سے پاک ہوتا ہے وہ وحی میں خیانت

Marfat.com

نہیں کر سکتا اور تبلیغ میں تقیہ رسول کی ذات سے ناممکن ہے، اسی لیے ترکِ تبلیغ کی توقع کا وقوع نہیں ہو سکتا۔ میں کہتا ہوں بیضاوی کی اس تقریر سے یہ شبہ دفع ہو گیا کہ اللہ کی طرف سے کسی چیز کی توقع کا اظہار ہو تو اس چیز کا وقوع لازم ہے (کیونکہ اللہ کے لیے کسی حالت کا انتظار ناممکن اور دلیل عجز ہے اس کے لیے ہر منشاء کا وقوع بالفعل ضروری ہے۔)

وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اور آپ کا دل اس بات سے تنگ ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ (اگر یہ نبی ہیں تو ان پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا، یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ (جو ہم سے بھی کلام کرتا) کیوں نہیں آیا۔

یعنی آپ کو ان کے اس قول سے دلی تنگی ہوتی ہے کہ محمد ﷺ پر کوئی خزانہ کیوں نازل نہیں ہوا کہ بادشاہوں کی طرح لوگوں کو اپنا تابع اور اور فرماں بردار بنانے میں خرچ کرتا یا اس کے ساتھ کوئی (محسوس) فرشتہ کیوں نہیں آیا جو اس کے تصدیق کرتا۔ حاصل یہ کہ ان کے اس قول سے آپ کبیدہ خاطر اور ملول ہوتے ہیں۔ عبداللہ بن امیہ مخزومی نے یہ بات کہی تھی، آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ چونکہ مشرک اللہ کی وحی کی کوئی قدر نہیں کرتے اس لیے آپ شاید وحی کے بعض حصوں کی تبلیغ ترک کر دیں مگر اللہ کے حکم کو ترک کرنے سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے، ترکِ امرِ الٰہی موجبِ دل تنگی ہے اور تعمیل حکم سببِ انشراحِ صدر اور ترکِ تبلیغ کا باعث یہ ہو کہ یہ لوگ آپ کے قول کی ہنسی اڑاتے ہیں آپ کو یہ اندیشہ ہے کہ یہ استہزاء کریں گے اور اللہ کی بھیجی ہوئی وحی کو رد کر دیں گے اور ان کی اس بات سے آپ کو کبیدگی خاطر ہوتی ہے کہ وہ کہتے ہیں اس پر کوئی خزانہ کیوں نہیں اتارا جاتا اور تصدیق کرنے والا کوئی فرشتہ اس کے ساتھ کیوں نہیں ہوتا۔ اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ؕ

آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں، آیاتِ عذاب پیش کرنے والے ہیں وہ رد کر دیں نہ مانیں یا سوائے اس قرآن کے کسی دوسرے قرآن کے طلبگار ہوں آپ پر اس کا کوئی جرم عائد نہیں ہوتا پھر کوئی وجہ نہیں کہ آپ ان کے استہزائیہ قول اور رد کر دینے کے خوف سے تبلیغِ وحی ترک کر دیں یا ان کے اس قول سے کبیدہ خاطر ہوں۔

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۲﴾ اور اللہ ہر چیز کا نگراں (اور ذمہ دار) ہے۔ اور ان کو ان کے قول کی سزا ضرور دے گا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ کیا کفار کہتے ہیں کہ محمد ﷺ نے قرآن خود اپنی طرف سے بنایا ہے آپ کہہ دیجئے (اگر یہ بات ہے) تو پھر تم بھی اس جیسی ہی دس سورتیں بنا کر پیش کرو۔

## .....ایک شبہ.....

سورۂ یونس میں آیا ہے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ ۔ ایک سورت اس جیسی پیش کرو۔ مگر غیر مسلم ایک سورت بھی قرآن جیسی نہیں پیش کر سکے اب یہاں دس سورتیں پیش کرنے کی دعوت دی گئی اس کے کیا معنی۔ جو شخص سائل کو ایک روپیہ دینے سے قاصر رہا ہو اس سے کیا دس روپیہ طلب کیے جا سکتے ہیں کیا اس قسم کا کلام نامناسب بلکہ مہمل نہیں سمجھا جائے گا۔

## .....ازالہ.....

سورۂ ہود کی یہ آیت جس میں دس سورتیں پیش کرنے کی دعوت دی گئی ہے پہلے نازل ہوئی پھر جب دس سورتیں نہیں پیش کی جا سکیں تو سورۂ یونس میں صرف ایک ہی سورت پیش کرنے کا مطالبہ کیا گیا سورۂ یونس کا نزول اس سورت کے بعد ہوا۔

مبرد نے اس جواب کو خلاف واقعہ قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ سورۂ یونس ہی پہلے نازل ہوئی پھر شبہ کا جواب کیا ہو گا۔ مبرد نے کہا دونوں سورتوں میں مثلیت کا مفہوم جدا جدا ہے۔ سورۂ یونس میں قرآن جیسی ایک سورت پیش کرنے کی دعوت دی، یعنی غیبی اطلاعات، احکام، وعدۂ ثواب اور وعید عذاب میں گزشتہ آسمانی کتابوں کے طرز پر کوئی ایک سورت بنا لاؤ۔

Marfat.com

مگر وہ ایسا نہ کر سکے تو اب اس سورت میں دس سورتیں بنا کر پیش کرنے کی دعوت دی جو صرف بلاغت اور حسن طرز میں قرآن جیسی ہوں ــــــ میں کہتا ہوں جب وہ لوگ ایسا بھی نہ کر سکے تو پھر سورۂ بقرہ میں فرمایا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (یعنی ندرتِ اسلوب اور بلاغتِ کلام میں دس سورتیں قرآن جیسی پیش نہیں کر سکتے تو) صرف ایک ہی سورت صرف عبارت کی ساخت کے لحاظ سے اس کی طرح بنا لاؤ۔

مُفْتَرَيٰتٍ (دس سورتیں) خود ساختہ۔ اپنی طرف سے بنائی ہوئی۔

آخر تم لوگ بھی میری طرح خالص عرب اور قادر الکلام ہو بلکہ بڑے مشاق ہو باہم سیکھتے سکھاتے اور کہتے بتاتے ہو۔

وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۳﴾ اور اللہ کو چھوڑ کر (اور جن کو چاہو) اور جن کو بلا سکتے ہو اپنی مدد کے لیے بلا لو اگر سچے ہو (تو ایسی کوشش کر دیکھو)

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ پھر اگر کفار تم لوگوں کا چیلنج پورا نہ کر سکیں۔

لکم کی ضمیرِ خطاب یا تو رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے، تعظیم رسول کے لیے جمع کی ضمیر استعمال کی گئی ہے۔ یا مسلمان مخاطب ہیں کیونکہ مسلمان بھی مشرکوں کو مقابلہ کی دعوت دیتے تھے اور جو حکم رسول اللہ ﷺ کو دیا گیا تھا کہ کافروں کو دعوتِ مقابلہ دو، وہ حکم ضمناً تمام مسلمانوں کو بھی تھا۔ کیونکہ سوائے بعض خاص خاص احکام کے باقی احکام کے مکلف رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تمام مسلمان بھی ہیں۔ یا مسلمانوں کو خصوصیت کے ساتھ مخاطب کرنے سے اس بات پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ دعوتِ مقابلہ سے مسلمانوں کے ایمان میں ثبات اور یقین میں مزید استحکام پیدا ہوگا اس لیے اس سے غفلت مسلمانوں کو نہ کرنی چاہیے۔ اسی وجہ سے آگے فرمایا۔

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ پس جان لو کہ قرآن اللہ کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے اللہ کے سوا نہ کوئی اس (کی حقیقت) کو جانتا ہے نہ اس کو بنا سکتا ہے۔

وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اور یہ بھی جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ــــ کیونکہ اللہ ہی ایسے امور سے واقف اور ان چیزوں پر قادر ہے جن کا علم و قدرت اس کے سوا کوئی نہیں رکھتا۔ ان کے (باطل) معبود بالکل عاجز ہیں اور اس کلام کی سچائی اس بات ہی سے ثابت ہوتی ہے کہ کوئی ایسا کلام نہیں بنا سکتا۔ اس کلام میں تہدید بھی ہے اور اس امر کی طرف اشارہ بھی کہ اللہ کے عذاب سے مشرکوں کے معبود نہیں بچا سکتے۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ پس کیا تم اب بھی مسلمان ہوتے ہو (یا نہیں) یعنی کیا تم اسلام پر ثابت قدم، مستحکم اور مخلص الارادہ رہو گے جب کہ قرآن کا اعجاز تمہارے نزدیک محقق ہو گیا تو کیا اسلام پر جمے رہو گے (یعنی جمے رہو)

یہ بھی ممکن ہے کہ مذکورہ بالا تمام خطابات کے مخاطب مشرک ہوں اور لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا کی ضمیر فاعلی مَنِ اسْتَطَعْتُمْ کی طرف راجع ہو، مطلب اس طرح ہوگا کہ جب اے مشرکو! تمہارے مددگاروں نے دعوتِ مقابلہ قبول نہیں کی اور تم جان گئے کہ وہ سب اس جیسا کلام پیش کرنے سے عاجز ہیں تو اب تم کو جان لینا چاہیے کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اللہ ہی نے اپنی طرف سے اتارا ہے اور تم کو جو توحید کی دعوت دی جا رہی ہے وہ سچی ہے پس کیا ایسی قطعی، لیل اور روشن حجت کو دیکھ کر تم اسلام میں داخل ہو جاؤ گے (یا اب بھی اپنی سرکشی پر قائم رہو گے)۔

کلام کا سوالیہ طرز ایک بلیغ اسلوب ہے، طلب فعل اور امر کا، اور تنبیہ ہے اس بات پر کہ اب ہر قسم کا عذر ختم ہو گیا اور تعمیلِ حکم کا موجب ناقابلِ انکار ہے۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ جو شخص (اپنے نیک اعمال سے) محض دنیوی زندگی (کی منفعت) اور اس کی رونق حاصل کرنا چاہتا ہے تو ہم ان کو ان کے اعمال کا دنیا میں ہی پورا پورا بدلہ دیتے ہیں اور ان



Marfat.com

کے لیے دنیوی زندگی میں ثواب کی کمی نہیں کی جاتی یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لیے آخرت میں بجز دوزخ کے اور کچھ نہیں۔

یعنی جو لوگ اپنے عمل اور نیکی کے عوض محض (دنیوی زندگی کی دراز ی، صحت، مال واولاد کی کثرت، حسین بیویاں اور نوکر چاکر، خدمت گار حاصل کرنا چاہتے ہیں، ہم دنیا میں ان کو یہ چیزیں ان کے اچھے اعمال کے بدلہ میں پوری پوری دیدیتے ہیں کسی قسم کی حق تلفی اور ادائے عوض میں کمی نہیں کرتے مگر آخرت میں ان کے اچھے عمل کا کوئی اچھا بدلہ نہیں دیا جائے گا۔ وہاں سوائے دوزخ کے ان کو اور کچھ نہیں ملے گا کیونکہ اچھے کاموں کا اچھا بدلہ تو ان کو دنیا میں دے دیا جاتا ہے اور برے کام رہ جاتے ہیں سو ان کا برا بدلہ آخرت میں ملے گا۔

وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ اچھا کام کیا تھا وہ آخرت میں سب کا سب ناکارہ ثابت ہوگا۔

یعنی دنیا میں جو انہوں نے نیکیاں کی ہوں گی ان کا ثواب آخرت میں باقی نہیں رہے گا یا یہ مطلب ہے کہ آخرت میں ان کے لیے کوئی ثواب نہ ہوگا، کیونکہ انہوں نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے تو نیکیاں کی نہیں تھیں کہ ان کو آخرت میں اجر دینا اللہ کے ذمے ضروری قرار پاجاتا۔

فیہا کی ضمیر اگر آخرت کی طرف لوٹائی جائے تو اس کا تعلق حبط سے ہوگا۔ اور اگر دنیا کی طرف راجع کی جائے تو صنعوا سے تعلق ہوگا۔

وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اور جو (نیکیاں دنیا میں) وہ کرتے ہیں وہ حقیقت میں بے کار جائیں گی، کیونکہ جس جذبے کے تحت ان کو ہونا چاہیے تھا وہ جذبہ اور وہ رُخ مفقود تھا۔ بظاہر معلوم ہو رہا ہے کہ یہ آیت کافروں کے حق میں ہے۔ بخاری نے ایک طویل حدیث حضرت عمرؓ کی روایت کردہ بیان کی ہے اس میں حضرت عمرؓ کا یہ بیان مذکور ہے میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو خدا کی قسم مجھے رسول اللہ ﷺ کے گھر میں سوائے تین کچے چمڑوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ دعا فرمایئے کہ اللہ آپ کی امت کو فراخی عنایت فرمادے۔ اہل فارس اور اہل روم کو تو اللہ نے وسعت مالی عطا فرمائی ہے اور باوجود کہ وہ اللہ کی عبادت نہیں کرتے مگر ان کو دنیا دیدی گئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے یہ سن کر بیٹھ گئے اور فرمایا ابن خطاب کیا تم اس خیال میں ہو (یہ لوگ تو دنیا کے طالب ہیں پس) ان کو دنیوی زندگی میں ان کی لذتیں دے دی گئی ہیں اور مؤمن کا مقصد دنیا اور آخرت دونوں ہیں اور ارادۃً آخرت غالب ہے اس لیے اس کو نیکیوں کا بدلہ دنیا میں بھی دے دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ مؤمن پر ظلم نہیں کرتا (اس کی) نیکی کا اجر دنیا میں (بھی) اس کو دیا جاتا ہے اور آخرت میں اس کا ثواب دیا جائے گا رہا کافر کہ اس کی نیکیوں کے عوض دنیا میں اس کو کھانے کو دیا جاتا ہے پھر جب آخرت میں پہنچے گا تو اس کی کوئی نیکی ہی نہ ہوگی جس کی وجہ سے اس کو کوئی بھلائی دی جائے۔ رواہ مسلم واحمد۔

میں کہتا ہوں آیت لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ میں خود قرینہ ہے کہ اس کا نزول کافروں کے حق میں ہوا کیونکہ باجماع علماء اہل ایمان کا آخر کار جنت میں جانا ثابت ہے۔ بعض علماء کا کہنا ہے کہ آیت کا نزول ریاکاروں (دکھانے کے لیے نیکی کرنیوالوں) کے حق میں ہوا حضرت ابو سعید بن فضالہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب قیامت کے دن (یعنی ایسے دن) جس کے آنے میں کوئی شک نہیں، اللہ سب لوگوں کو جمع کرے گا تو ایک منادی ندا دے گا جس نے کوئی عمل اللہ کے لیے کیا ہو مگر اس میں اللہ کے ساتھ کسی اور کو بھی شریک کر لیا ہو تو وہ اپنے عمل کا اجر اسی شریک سے طلب کرے اللہ تو ہر شرک سے بے نیاز ہے۔ رواہ احمد۔

حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے نیت آخرت کی طلب کی ہوتی ہے اللہ اس کے دل میں (دنیا کی ہر چیز سے) بے نیازی پیدا کر دیتا ہے اور اس کی پریشان حالی کو ٹھیک کر دیتا ہے اور دنیا ذلیل ہو کر اس کے پاس (دوڑتی) آتی ہے

Marfat.com

اور دنیا کی طلب کی نیت ہوتی ہے تو فقر (احتیاج) کو اللہ اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان پیدا کر دیتا ہے (یعنی اس کی سامنے احتیاجات وضروریات غیر محدود طور پر آجاتی ہیں) اور اللہ اس کو پریشان حال کر دیتا ہے اور دنیا اتنی ہی اس کو ملتی ہے جتنی اللہ نے اس کے لیے لکھ دی ہے۔ رواہ الترمذی، یہ حدیث امام احمد اور دارمی نے بوساطت ابان حضرت زید بن ثابتؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔

## ایک شبہ

آیت نُوَفِّ اِلَیْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِیْهَا وَهُمْ فِیْهَا لَا یُبْخَسُوْنَ اور حدیث لَا یَاْتِیْهِ مِنْهَا اِلَّا مَا کُتِبَ لَهٗ۔ میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں اعمال کا بدلہ پورا پورا دے دیا جاتا ہے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے جو کچھ لکھ دیا ہے وہی ملتا ہے اس سے زائد نہیں ملتا۔

ازالہ :- دونوں میں کوئی تضاد نہیں، تمام اعمال کا پورا پورا بدلہ ملنا بھی اللہ نے لکھ دیا ہے پس اعمال کا پورا بدلہ ملے گا یعنی وہی ملے گا جو لکھا ہوا ہے اس سے زائد نہیں ملے گا خواہ دنیا طلب آدمی آن گنت چیزوں کا طلب گار ہو (ایک حدیث کا مفہوم ہے) اگر آدمی کے پاس دو وادی بھر سونا ہو تب بھی وہ تیسری وادی (زرّیں) کا طالب ہوتا ہے۔

میں کہتا ہوں اگر آیت کا حکم ریاکاروں کے متعلق ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جو اعمال انہوں نے دکھاوٹ کے لیے کئے ہوں گے ان کا بدلہ سوائے دوزخ کے اور کچھ نہ ہوگا۔

اَفَمَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ کیا منکرِ قرآن ایسے شخص کی برابری کر سکتا ہے جو اس قرآن پر قائم ہو جو اس کے رب کی طرف سے بھیجا گیا ہے۔

بینہ دلیل جو حق اور امرِ صحیح کی راہنمائی کرتی ہے جس کی روشنی میں وہ بت پرستی چھوڑ کر خدا پرستی اختیار کرتا ہے اور دنیا کی (ناجائز) فانی لذتوں کو ترک کر کے آخرت کی دوامی راحت کو پسند کرتا ہے۔

اس جملے کی خبر محذوف ہے اور مَنْ کَانَ مبتدا ہے اور فَمَنْ میں فاء تعقیب کے لیے ہے اور استفہام انکاری ہے۔ صحیح علم کے..... بعد بھی جو لوگ کافروں اور ریاکاروں کا طریقہ اختیار کرتے ہیں ان کی سزا بھی دوزخ ہے۔ دونوں باہم مشابہ ہیں۔

اصل کلام اس طرح تھا کہ جو شخص خدا کی نازل کردہ دلیل پر قائم ہو، کیا وہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو محض دنیا کا طلب گار رہے۔ مَنْ کَانَ سے مخلص مؤمن مراد ہیں۔ بعض علماء کے نزدیک رسول اللہ ﷺ مراد ہیں یعنی حضور ﷺ کی ذات مع متبعین کے۔ کیونکہ لفظ مَنْ عام ہے (خاص ذات مراد لینے کی کوئی وجہ نہیں) پھر آگے آیت اُولٰٓئِکَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ میں مَنْ کی طرف جمع کی ضمیر بھی لوٹائی گئی ہے۔

بقول ابوالشیخ ابوالعالیہ اور ابراہیم نخعی کے نزدیک مَنْ کَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ سے رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی مراد ہے۔ ابن مردویہ اور ابن ابی حاتم نے حضرت علیؓ کی طرف بھی اس تفسیر کی نسبت کی ہے ابوالنعیم نے لمعرفۃ میں بھی اس قول کو نقل کیا ہے۔ بیّنۃ سے مراد "قرآن مجید" ہے۔

وَیَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ اور اس بیّنہ (قرآن) کی اللہ کی طرف سے ایک شاہد (یعنی جبرئیل یا اللہ کا رسول) تلاوت کرتا ہے۔

وَمِنْ قَبْلِهٖ کِتٰبُ مُوْسٰٓی اور اس کے (نزول سے) پہلے موسیٰؑ کی کتاب (یعنی توریت اللہ کی طرف سے شاہد ہے جو قرآن کی تصدیق کر رہی ہے) اِمَامًا وَّرَحْمَةً

وہ (موسیٰؑ کی کتاب) ہے جو تعلیم احکام کے لحاظ سے) امام اور رحمت ہے شاہد سے مراد جبرئیلؑ ہیں، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، اور ابن مردویہ نے مختلف سندوں سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں

Marfat.com

"شاہد" سے جبرئیلؑ مراد ہیں جو رسول اللہ ﷺ پر نازل کردہ کتاب کی تلاوت کرتے تھے اور جس طرح قرآن رسول اللہ ﷺ پر انہوں نے تلاوت کیا اسی طرح اس سے پہلے توریت کی تلاوت حضرت موسیٰؑ پر انہوں نے کی تھی۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ اس تفصیل کی نسبت علقمہ، ابراہیم، مجاہد، عکرمہ، ضحاکؒ اور اکثر اہل تفسیر کی طرف بھی کی ہے۔

حسن اور قتادہ کے قول پر "شاہد" سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک، یعنی قرآن کی تلاوت کرے گا اللہ کی طرف سے ایک شہادت دینے والا جو محمد رسول اللہ ﷺ تھے اور قرآن کی صداقت کی شہادت حضرت موسیٰؑ کی کتاب بھی دے رہی ہے جو قرآن سے پہلے نازل ہو چکی ہے۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، طبرانی اور ابو الشیخ نے حضرت محمد بن علی بن ابی طالب (یعنی محمد بن حنیفہؒ) کا بیان نقل کیا ہے۔ محمد نے فرمایا میں نے اپنے والد (حضرت علیؓ) سے عرض کیا، لوگوں کا خیال ہے کہ آیت وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ میں شاہد سے مراد آپ ہیں، فرمایا کاش وہ میں ہوتا مگر (ایسا نہیں ہے) وہ "شاہد" محمد ﷺ کی زبان مبارک تھی، ابو الشیخ نے ابو نجیح کی سند سے مجاہد کا بھی یہی قول نقل کیا ہے (کہ "شاہد" سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں) بعض علماء کا قول ہے تیلو (تلاوت سے مشتق نہیں ہے بلکہ) تِلُوٌّ سے مشتق ہے اور تلو کا معنی ہے پیروی کرنا پیچھے چلنا اور شاہد سے مراد ہے۔ حافظ فرشتہ۔ اور يَتْلُوْهُ کی مفعولی ضمیر مَنْ كَانَ کی طرف راجع ہے یا بینۃ کی طرف جس کا معنی ہے۔ برہان، دلیل، واضح۔ اور مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰى ایک الگ جملہ ہے اس سے نئے کلام کا آغاز کیا گیا ہے۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ مَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ رسول اللہ تھے اور شاہد ایک فرشتہ تھا جو آپ ﷺ کی حفاظت پر مامور تھا۔ بعض لوگوں کا یہ بھی قول ہے کہ شاہد سے مراد حضرت علیؓ ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا قریش کے ہر آدمی کے متعلق کوئی نہ کوئی آیت ضرور نازل ہوئی ہے کسی نے عرض کیا آپ کے متعلق کیا نازل ہوا؟ فرمایا (آیت) وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ (میرے متعلق نازل ہوئی)

حضرت علیؓ کو شاہد کیوں کہا گیا۔ اس کی توجیہ شاید یہ ہو کہ سب سے پہلے آپ ہی ایمان لائے رسول اللہ ﷺ کی صداقت کی اول ترین شہادت دینے والے آپ ہی ہوئے۔

میرے نزدیک سب سے زیادہ قوی وجہ آپ کو شاہد کہنے کی یہ ہے کہ آپ تمام کمالات ولایت کے مرکزی نکتہ تھے، قطب ولایت تھے، تمام اولیاء بلکہ تمام صحابہ بھی مقام ولایت میں آپ کے پیچھے اور تابع ہیں خلفاء ثلاثہ (حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمانؓ) ضرور آپ سے افضل تھے مگر ان کی فضیلت کی وجہ دوسری ہے جس کی تشریح حضرت مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوبات کے آخر میں کی ہے۔

اس صورت میں آیت کا تشریحی مطلب اس طرح ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ اللہ کی طرف سے ایک قطعی دلیل اور روشن حجت لے کر آئے ہیں جو آپ کی رسالت کو یقینی طور پر ثابت کر رہی ہے یہ روشن دلیل کیا ہے۔ آپ کے معجزات کثیرہ جن میں سے سب سے بڑا معجزہ قرآن مجید اور وہ علوم ہیں جو وحی کے ذریعے سے آپ کو حاصل ہوئے پھر آپ کے پیچھے اور آپ کے تابع حضرت علیؓ اور دوسرے اولیاء جو حضرت علیؓ سے مشابہت رکھنے والے ہیں آئے جو رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے شاہد ہیں، اولیاء کی کرامتیں حقیقت میں رسول اللہ کے معجزات ہیں اور اولیاء کے الہامی اور کشفی علوم بھی وہی علوم ہیں جو رسول اللہ ﷺ کو وحی کے ذریعہ سے حاصل ہوئے تھے، پس اولیاء کی کرامات اور الہامی علوم سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی صداقت ثابت ہوتی ہے۔

---

ترمذی نے صحیح سند سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَنَا دَارُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا میں علوم کا گھر ہوں اور علی اس گھر کا دروازہ ہیں۔ وَاَنَا مَدِيْنَةُ الْعُلُوْمِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا اور میں علم کا شہر ہوں اور علی اس شہر کا دروازہ ہیں۔ فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْيَاْتِ الْبَابَ پس جو علم کا خواستگار ہو اس کو دروازہ پر آنا چاہیے (تاکہ علم کے شہر میں داخل ہو سکے) اس حدیث کو

Marfat.com

ابن عدی نے الکامل میں اور عقیلی نے الضعفاء میں اور طبرانی و حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے، نیز ابن عدی اور حاکم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بھی بیان کیا ہے۔ اس حدیث میں حکمت و علم سے علوم اولیاء کی طرف اشارہ ہے فقہاء کے علوم کی طرف اشارہ نہیں ہے علوم فقہیہ کا مدار تو صرف علیؓ پر نہیں ہے۔ علم فقہ کے متعلق تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے میرے صحابی ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت یاب ہو جاؤ گے۔

بعض کے نزدیک "شاہد" سے مراد انجیل ہے اور مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰى سے مراد توریت ہے بعض نے کہا بینۃ عقلی برہان ہے اور شاہد قرآن ہے۔ حسین بن فضل نے کہا قرآن کا اسلوب بیان اور اعجاز شاہد ہے مطلب یہ ہے کہ جس کے پاس اپنے مذہب کی کوئی دلیل عقلی اور برہان نقلی نہو اس کی طرح کیا وہ شخص ہو سکتا ہے جس کا قول و عمل دلائل کی بنیاد پر قائم ہے اور اس کی تائید اللہ کی طرف سے نازل شدہ کتاب یعنی قرآن سے بھی ہو رہی ہے اور قرآن سے پہلے حضرت موسیٰؑ کی کتاب بھی برہان نقلی پر (اور قرآن کی تائید میں) شہادت دے رہی ہے۔ اس صورت میں مَنْ كَانَ سے مراد ہوگا سچا مؤمن مخلص۔

اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ یہ ہی جماعت اس پر پکا ایمان رکھتی ہے۔

اُولٰٓئِكَ سے اشارہ مَنْ كَانَ کی طرف ہے کیونکہ بینہ پر قائم رہنے والی مسلمانوں کی جماعت ہے پس مسلمانوں کی جماعت ہی اُولٰٓئِكَ سے مراد ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شاہد کی جانب اشارہ ہو بشرطیکہ شاہد سے مراد حضرت علیؓ اور آپ کے پیرو ہوں۔

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ اور جو شخص دوسرے فرقوں میں سے اس کا انکار کرے گا تو دوزخ اس کے وعدے کی جگہ ہے۔

الاحزاب (گروہ) سے مراد (مسلمانوں کے علاوہ) تمام مذاہب والے ہیں، حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے اس امت (دعوت) میں سے جو کوئی کافر و مشرک اور یہودی اور عیسائی ایسی حالت میں مرے گا کہ جس (ہدایت) کو مجھے دیکر بھیجا گیا ہے وہ اس پر ایمان نہ لایا ہوگا تو وہ ضرور دوزخیوں میں سے ہوگا۔ (رواہ مسلم)

فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑰

سو (اے مخاطب!) تو قرآن کی طرف سے شک میں نہ پڑنا بلاشک و شبہ وہ سچی کتاب ہے تیرے رب کے پاس سے آئی ہے لیکن (باوجود ان دلائل کے) اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔ یعنی فکر کی خرابی اور قوت غور کی کمزوری کی وجہ سے اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اور ان لوگوں سے زیادہ ظالم (حق ناشناس) کون ہے جو اللہ پر اپنی طرف سے دروغ بندی کرتے ہیں۔ یعنی کسی کو اس کی اولاد یا شریک قرار دیتے ہیں یا اس کی طرف ان احکام و تعلیم کی نسبت کرتے ہیں جو اس نے نازل نہیں کیے یا ان احکام کا انکار کرتے ہیں جو اس نے نازل کیے ہیں اور کہتے ہیں یہ ہدایات اللہ کی طرف سے نہیں ہیں یا کسی چیز کی تحریم کو اس کی طرف منسوب کرتے ہیں حالانکہ اس چیز کی تحریم اس کی طرف سے نہیں کی گئی یا کسی چیز کی تحلیل کو اس کی جانب منسوب کرتے ہیں حالانکہ اس چیز کو اس نے حرام کر دیا ہے۔

اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ (قیامت کے دن) ان کو ان کے رب کے سامنے پیش کیا جائے گا..... اور وہ ان سے اعمال کی باز پرس کرے گا۔

وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ اور گواہ کہیں گے یعنی اعمال لکھنے والے فرشتے کہیں گے۔

ابو الشیخ نے مجاہد کا یہی تفسیری قول نقل کیا ہے۔ لیکن حضرت ابن عباسؓ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ اشہاد سے مراد انبیاء اور پیغمبر ہیں ضحاک کا بھی یہی قول ہے اس تفسیر کی تائید آیت فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا

Marfat.com

بِکَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا سے ہو رہی ہے (شہید سے مراد بالاتفاق پیغمبر)۔

ابن مبارک نے سعید بن مسیّب کا قول نقل کیا ہے کہ کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ ہر پیغمبر کی امت صبح اور شام پیغمبر کے سامنے نہ لائی جاتی ہو پس ان کی خصوصی علامات اور اعمال کو دیکھ کر پیغمبر ان کو پہچان لیں گے اور (قیامت کے دن) شہادت دیں گے۔

قتادہ کے نزدیک ساری مخلوق مراد ہے۔ صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (قیامت کے دن) اللہ مؤمن کو (اپنے) قریب کر کے اپنا ہاتھ اس کے شانہ پر رکھدے گا اور پوشیدہ طور پر فرمائے گا کیا تو اپنا (فلاں) گناہ جانتا ہے مؤمن عرض کرے گا جی ہاں اے میرے رب، یہاں تک کہ مؤمن کے (سب) گناہوں کا اس سے اقرار کرالے گا اور مؤمن اپنے دل میں خیال کرے گا کہ میں تباہ ہو گیا (اس کے بعد) اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں گناہوں پر پردہ ڈالے رکھا آج میں تیرے وہ گناہ معاف کرتا ہوں پھر نیکیوں کی تحریر اس کو دیدی جائے گی۔ رہے کافر اور منافق ان کو سب مخلوق کے سامنے پکارا جائے گا اور کہا جائے گا۔

هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۸ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر دروغ بندی کی، آگاہ ہو جاؤ اللہ کی لعنت ہے ظالموں پر۔

اللہ پر دروغ بندی ظلم ہے اس ظلم کی پاداش میں جو خوفناک عذاب کافروں اور منافقوں کو گھیرے ہوگا آیت میں اس کی ہیبت ناک تصویر کشی ہے۔

میں کہتا ہوں اشہاد (شہادت دینے والے) صرف وہی نہیں ہوں گے جن کا ذکر (مختلف علماء کے اقوال میں) کیا گیا ہے۔ بلکہ انسان کے جسمانی اعضاء بھی شہادت دیں گے، اللہ نے فرمایا ہے اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَیْدِیْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ دوسری آیت میں آیا ہے قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا ایک اور آیت ہے یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ الخ

مسلم نے حضرت انسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اللہ نے فرمایا کَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا وَّبِالْكِرَامِ الْكَاتِبِیْنَ شَهِیْدًا یعنی منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور اعضاء سے کہا جائے گا تم بولو۔

مجملہ دوسرے شاہدوں کے زمانہ اور مقام بھی شہادت دے گا۔ ہم نے سورۂ اِذَا زُلْزِلَتْ کی آیت یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا کی تفصیل کے ذیل میں لکھ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمین شہادت دے گی کہ کس بندے اور کس بندی نے اس کی پشت پر کیا کیا، کیا۔

بخاری نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ مؤذن کی آواز جتنی مسافت پر پہنچے گی اور جہاں تک جن وانس اس کو سنیں گے، قیامت کے دن اس کی شہادت دیں گے۔

ابن خزیمہ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ مؤذن کی آواز جو پتھر، ڈھیلا، جن وانس سنے گا مؤذن کیلئے شہادت دے گا۔ ابو داؤد اور ابن خزیمہ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ مؤذن کی آواز جہاں تک پہنچے گی (اسی کے مطابق) اس کی مغفرت کی جائے گی اور ہر تر و خشک اس کی شہادت دے گا۔

ابن المبارکؒ نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جو شخص جس مقام کے قریب سجدہ کرے گا وہاں درخت ہو یا پتھر، قیامت کے دن وہ شہادت دے گا، عطاء خراسانی کی روایت سے بھی یہ اثر منقول ہے۔

ابو نعیم نے حضرت معقل بن یسارؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو دن ابن آدم پر آتا ہے اس میں آواز دی جاتی ہے (یعنی دن خود آواز دیتا ہے) اے آدم زاد میں نیا ہوں تو جو کچھ کرے گا کل میں تیرے لئے شہادت دوں گا اس لیے میرے اندر تو نیکی کرنا تاکہ کل کو میں تیرے لیے (اچھی) شہادت دوں۔ میں اگر گذر گیا تو پھر تو مجھے کبھی نہیں دیکھے

Marfat.com

گا۔ رات بھی اسی طرح کہتی ہے۔ مسلم نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ مال بڑا سبز اور شیریں ہے اور مسلمان کا اچھا ساتھی ہے اور جو مال قیدی اور یتیم اور (ضرور تمند) مسافر کو دیا جائے گا خود (وہ مال) اس کی گواہی دے گا۔ اور جو شخص بغیر حق کے مال لیتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو کھاتا تو ہو اور سیر نہ ہوتا ہو قیامت کے دن یہ مال اس شخص کے خلاف شہادت دے گا۔ ابو نعیم نے طاؤس کی روایت سے بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن مال اور صاحب مال دونوں کو لایا جائے گا اور دونوں باہم جھگڑا کریں گے (الحدیث)۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ جو (لوگوں کو) راہ خدا سے روکتے تھے۔ راہ خدا سے مراد ہے اللہ کا دین۔

وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اور اس میں کجی نکالنے کی تلاش میں رہا کرتے تھے۔

یعنی دین الٰہی کو حق سے پھرا ہوا قرار دیتے تھے، یا یہ مطلب ہے کہ مؤمنوں کو مرتد بنا کر ٹیڑھے راستے پر لے جانے کے خواہشمند تھے۔

وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝۱۹ اور وہی آخرت کے بھی منکر تھے۔ یہ جملہ حالیہ ہے ھم کا مکرر ذکر کرنا کافر ہونے کی تاکید کے لیے ہے اور یہ بتانے کے لیے ہے کہ روز آخرت سے انکار ان کی خصوصیت ہے۔

اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ یہ لوگ (تمام) زمین پر اللہ کو (کہیں بھی) عاجز نہیں کر سکتے تھے۔

حضرت ابن عباسؓ نے معجزین کا ترجمہ کیا ہے "آگے نکل جانے والے" اور قتادہ نے کیا ہے "بھاگ جانے والے" اور مقاتل نے کیا ہے "چھوٹ جانے والے"۔ مطلب سب کا ایک ہی ہے یعنی یہ لوگ اللہ کو دنیا میں سزا دینے سے روک نہیں سکتے۔

وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ اور (دنیا میں) اللہ کے عذاب سے ان کو بچانے والا کوئی ان کا حمایتی نہیں، مگر اللہ نے ہی خود ان کے عذاب کو آخرت پر ٹال رکھا ہے تاکہ ان کو عذاب سخت اور لافانی میں مبتلا کر دے۔ (دنیا کا عذاب کتنا ہی بڑا ہو آخرت کے عذاب کے مقابلے میں کم ہے اور ختم ہو جانیوالا بھی ہے۔ آخرت کا عذاب اس سے بدرجہا شدید اور غیر منقطع ہے)

يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ ایسے لوگوں کو (اوروں سے) دوگنی سزا ہوگی، بعض علماء نے کہا ہے کہ عذاب کی یہ وجہ ہے کہ یہ دوسروں کو بہکاتے ہیں اور ان کے چیلے ان کی پیروی کرتے ہیں۔

مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۝۲۰ یہ لوگ (گوشِ حق نیوش سے) نہ سن سکتے نہ (چشم بصیرت سے تصویر حق کو) دیکھ سکتے تھے یعنی اللہ نے حق کو سننے کی ان میں استعداد ہی نہیں پیدا کی۔ اس لیے حق کو نہیں سنتے۔ ان کے پاس گوشِ حق نیوش ہی نہیں اور سیدھا راستہ ان کو نہیں دکھائی دیتا، اللہ نے ان کے دلوں میں بصیرت پیدا ہی نہیں کی، اس لیے آیاتِ خداوندی کو دیکھنے سے بے بہرہ ہیں۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے خود اپنا نقصان کیا کہ اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر پتھروں کی پوجا کو اختیار کیا اور جنت دے کر دوزخ مول لی۔

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝۲۱ اور ان کے خود تراشیدہ معبود ان سے غائب اور گم ہو گئے ــــ یعنی بتوں کی سفارش کرنے کا جو ان کا خیال تھا اور یقین رکھتے تھے کہ بت شفاعت کر کے ان کو بچا لیں گے، ایسا نہ ہو سکے گا۔

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۝۲۲ لامحالہ وہی آخرت میں سب سے بڑھ کر نامراد ہوں گے۔

لَا جَرَمَ (کی لفظی ساخت اور معنوی (دلالت) میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کے نزدیک لا زائد ہے، یعنی مشرکوں کے گمان کے موافق ہوگا۔ اس کے بعد جَرَمَ فعل ماضی متعدی ہے اس کے اندر ضمیر فاعل ہے اور اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ مفعول ہے اس وقت جَرَمَ کا معنی ہوگا کَسَبَ یعنی ان کا گمان آخرت میں یہ نتیجہ پیدا کرے گا کہ وہی سب سے خسارے میں رہیں گے یا

Marfat.com

جَرَمَ فعل ماضی ہے لازم بمعنی وَجَبَ اور بعد والا جملہ اس کا فاعل ہے یعنی آخرت میں سب سے بڑھ کر نامراد ہونا واجب ہو گیا ہے۔

بعض کے نزدیک لَا جَرَمَ دو لفظوں سے مرکب ہے اور مرکب کا معنی ہے خفا اور بعد والا جملہ فاعل ہے، یعنی ان کا سب سے زیادہ نامراد رہنا حق اور ثابت شدہ ہے یا لَا جَرَمَ کا معنی ہے لا محالہ۔ قاموس میں ہے لَا جَرَمَ اور لَا دَاجَرَمَ اور لَا اَنَّ جَرَمَ اور لَا اَنَّ ذَا جَرَمَ اور لَا جَرَمُ سب کا معنی ہے کوئی چارہ نہیں کہ یہ یقیناً یا لا محالہ۔ یہ تو لفظ جَرَمَ کی لغوی وضعی تنقیح ہے لیکن استعمال میں کبھی اس کو بجائے قسم کے لے آتے ہیں اور اس وقت جواب میں لَ تاکیدی استعمال کرتے ہیں، جیسے کہتے ہیں لَا جَرَمَ لَاٰتِیَنَّکَ

اَلْاَخْسَرُوْنَ اسم تفضیل کا صیغہ ہے یعنی سب سے زیادہ نامُراد اور خسارہ یاب بات یہ ہے کہ دوسروں کی نامرادی تو کفر اور معاصی کی وجہ سے ہو گی، اور یہ خود کافر ہونے کے علاوہ دوسروں کو بھی ایمان سے روکنے والے ہیں اس لیے ان کی نامرادی سب سے زیادہ ہو گی۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾

جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور (دل سے) اپنے رب کی طرف جھکے وہی جنتی ہوں گے، وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

حضرت ابن عباسؓ نے اَخْبَتُوْا کا ترجمہ کیا ہے خَافُوْا (ڈرے، اللہ سے خوف کیا) قتادہ نے کہا رجوع کیا، اللہ کی طرف لوٹے، مجاہد نے کہا اطمینان حاصل کر لیا (یعنی ایمان کے بعد مرتبۂ اطمینان پر فائز ہو گئے) قاموس میں ہے اَخْبَتَ فروتنی کی، خشوع کیا خَبِیْتٌ حقیر چیز۔

مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ دونوں فریقوں کی مثال (ایسی ہے) دونوں فریقوں سے مراد ہے مؤمنوں کا فریق اور کافروں کا فریق۔

كَالْاَعْمٰی وَالْاَصَمِّ وَالْبَصِیْرِ وَالسَّمِیْعِ ؕ جیسے (ایک) اندھا بہرا ہو اور (دوسرا) بینا شنوا۔ کافروں کے پاس گوشِ حق نیوش نہیں، وہ حق کی بات نہیں سنتے اور راہِ حق نہیں دیکھتے، حق کا راستہ ان کو سجھائی نہیں دیتا، اس لیے وہ اندھے بہرے کی طرح ہیں اور مؤمن پیامِ حق سنتے اور اس کو قبول کرتے ہیں اور راہِ حق اپنی قلبی خداداد روشنی سے دیکھتے ہیں اور اس پر چلتے ہیں اس لیے ان کے حالت بینا اور شنوا کی طرح ہے۔

هَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ کیا یہ دونوں فریق تمثیل میں یا صفت میں یا حالت میں برابر ہیں۔[1]

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ کیا اب بھی تم نصیحت اندوز نہیں ہو گے یعنی ان تمثیلات کے بیان اور ان پر غور کرنے کے بعد بھی نصیحت قبول نہیں کرو گے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖٓ ۫ اِنِّیْ لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۲۵﴾ اور یقیناً ہم نے نوح

کو پیغمبر بنا کر ان کی قوم کی طرف بھیجا تھا (اور) نوحؑ نے کہا تھا کہ میں تم کو (اللہ) کے عذاب سے) واضح طور پر ڈرانے والا ہوں۔

مُّبِیْنٌ کا یہ مطلب ہے کہ میں تم کو عذاب اور ثواب کے اسباب سے کھول کر اطلاع دے رہا ہوں۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ اَلِیْمٍ ﴿۲۶﴾ کھول کر بیان کر رہا ہوں کہ اللہ کی سوا کسی کی پوجا نہ کرو۔ (اگر ایسا نہ کرو گے تو) مجھے دُکھ والے دن کے عذاب کا تمہارے متعلق ڈر ہے اَلِیْمٌ بمعنی المؤلم رساں

[1] مَثَل، مِثال اور مِثل کے معنی ہم شکل اور نظیر کے بھی ہیں اور صفت کے بھی اور عظیم الشان حالت کے بھی اور نفس کیفیت و حالت کے بھی اس جگہ یا تمثیل مراد ہے یا صفت یا حالت۔ حضرت مفسرؒ کی تشریح میں اسی طرف اشارہ ہے۔

Marfat.com

(دکھ دینے والا) نہ حقیقت میں عذاب کی صفت ہے نہ وقت عذاب کی بلکہ عذاب دینے والا حقیقت میں الم رساں ہوتا ہے عذاب اور زمانِ عذاب کی صفت اس کو مجازاً قرار دیدیا جاتا ہے۔ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا نوحؑ کی قوم کے کافر سردار بولے ہم تو تم کو اپنی طرح کا آدمی دیکھ رہے ہیں۔ یعنی تم کو ہم پر کوئی ایسی فضیلت نہیں کہ تم واجب الاطاعت نبی ہو جاؤ، گویا ان کی مراد یہ تھی کہ نبی کو بادشاہ یا فرشتہ ہونا چاہئے اور تم نہ فرشتہ ہو اور نہ بادشاہ ہماری طرح معمولی آدمی ہو۔

مَلَاٌ (اس کا لغوی ترجمہ ہے بھرنے والے) مراد سردارانِ قوم کیونکہ) سرداروں ہی کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں بھر جاتی ہے اور جلسوں میں انہی کی وجہ سے رونق اور شان پیدا ہو جاتی ہے۔

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّاْيِ اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ جن لوگوں نے تمہارا اتباع کیا ہے وہ ہم میں نچلے طبقے کے لوگ ہیں اور اتباع بھی کیا ہے تو بغیر سوچ سمجھے کیا ہے۔ رَذْلٌ کی جمع اَرْذُلٌ ہے اور اَرْذُلٌ کی جمع اَرَاذِل جیسے کَلْبٌ کی جمع اَکْلُب اور اَکْلُب کی جمع اَکَالِب۔ ہر نچلے درجے کی چیز کو رذل کہا جاتا ہے۔ عکرمہ نے کہا نچلے طبقے سے مراد تھے جولاہے، موچی، رَاعی آنکھوں سے دیکھنا یا دل سے دیکھنا۔ نیز اعتقاد (پختہ خیال) کو رای کہا جاتا ہے۔ (قاموس)

بادی یا بُدُو (بمعنی ظہور) سے مشتق ہے۔ یعنی بغیر سوچے سطحی ظاہری نظر کے ساتھ۔ یا بَدْء (بمعنی ابتداء) سے ماخوذ ہے یعنی ابتدائی رای، رذیل سمجھنے کی وجہ یا تو یہی تھی کہ انہوں نے بغیر تأمل کے حضرت نوحؑ کا اتباع کر لیا تھا یا یہ وجہ تھی کہ وہ غریب تھے، دنیوی مال و جاہ ان کے پاس نہ تھا اور ان کے نزدیک وہی رذیل تھا جو مالدار نہ ہو اور دنیوی عزت و جاہ سے خالی ہو۔

وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ اور ہم تمہاری اور تمہارے ساتھیوں کی اپنے اوپر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے نہ مال میں نہ اور کسی بات میں جس کی وجہ سے تم مستحقِ نبوت قرار پا سکو۔

بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ بلکہ ہم تم سب کو جھوٹا خیال کرتے ہیں تم کو نبوت کے دعویٰ میں جھوٹا سمجھتے ہیں اور تمہارے ساتھیوں کو اس دعوے میں کاذب جانتے ہیں کہ ان کو تمہاری سچائی معلوم ہو گئی۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ نوحؑ نے کہا اے میری قوم یہ تو بتلاؤ کہ اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر ہوں (جس سے میری نبوت ثابت ہو رہی ہے) اور اس نے مجھ کو اپنے پاس سے رحمت (نبوت) عطا فرمائی، ہو پھر وہ (دلیل) تم کو۔ سو جھتی ہو تو (میں کیا کروں) کیا ہم اس کو تم پر چمٹا دیں اور تم اس سے نفرت کیے جاؤ۔

بَيِّنَةٌ سے مراد ہے روشن دلیل جو میرے دعوے کی صحت کو ثابت کر رہی ہو۔ رَحْمَةٌ سے مراد ہے بینہ یا ہدایت یا نبوت۔ عُمِّيَتْ تم سے پوشیدہ رکھی جائے تم کو اس کی طرف راہ نہ ملے۔ بَصِيْرَةٌ اور مُبْصِرَةٌ دیکھی جانے والی سامنے کی چیز۔ عمیاء اندھی پوشیدہ جہاں تک پہنچنے کا راستہ نہ ملے۔ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا یعنی تم تو ہدایت چاہتے ہی نہیں بُرا سمجھتے ہو تو ہم خدا داد بینہ اور رحمت کو تم پر چمٹا دیں گے اور بجز تم سے قبول کرائیں گے ایسا نہیں ہو سکتا قتادہ نے کہا اگر انبیاءؑ میں یہ قدرت ہوتی کہ بجز لوگوں کو مؤمن بنا سکتے تو وہ ایسا بھی کر لیتے مگر ان میں یہ قدرت ہی نہیں تھی۔

وَيٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اور اے قوم والو! میں تم سے تبلیغ کے عوض کسی مال کا تو طالب ہوں نہیں جس کا دینا تم پر بار گزرے اور نہ دو تو مجھ پر بار گزرے۔

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (چونکہ اللہ نے اپنی مہربانی سے تبلیغ و ہدایت کا معاوضہ دینے کا وعدہ فرمالیا ہے اس لئے) میرا اجر تو بس اللہ کے ذمے ہے۔

اونچے طبقہ کو نچلے طبقے کے ساتھ بیٹھنا گوارا نہ تھا اس لئے انہوں نے کہا ہم ایمان اس وقت لائیں گے جب تم ان رذیلوں



Marfat.com

کو اپنے پاس سے نکال دو گے اس درخواست کے جواب میں حضرت نوحؑ نے فرمایا۔

وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ اور جو لوگ ایمان لے آئے ہیں میں ان کو نکالنے والا نہیں (کیونکہ) یہ لوگ یقیناً اپنے رب سے ملیں گے اور وہاں نکالنے والے سے جھگڑا کریں گے، یا یہ مطلب کہ یہ لوگ رب کے قُرب کو پہنچیں گے اور ضرور کامیاب ہو جائیں گے ایسے مقربانِ خداوندی کو میں اپنے پاس سے کیسے نکال سکتا ہوں۔

وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ لیکن واقعی میں تم لوگوں کو دیکھ رہا ہوں کہ جہالت کر رہے ہو۔ یعنی اپنے رب کی پیشی سے ناواقف ہو یا اپنے انجام سے ناواقف ہو یا ان مؤمنوں کے مرتبۂ قُرب کو نہیں جانتے یا اس بات سے ناواقف ہو کہ تمہارا ان کو رذیل قرار دینا حماقت ہے یا ان کو نکال دینے کی درخواست نادانی سے کر رہے ہو۔

وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اور اے میری قوم (ایسے مرتبہ والوں کو) جب میں نکال دوں گا تو اللہ سے مجھے کون بچائے گا اور میرے اوپر سے اس کے عذاب کو کون دفع کرے گا۔

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ تو کیا اب بھی تم نصیحت پذیر نہ ہو گے۔ اور اتنی بات بھی نہیں سمجھو گے کہ ان کو نکال دینا صحیح نہیں ہے۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ اور میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ اللہ کے دیئے ہوئے رزق کے ذخیرے میرے پاس جمع ہیں یعنی مجھے اس کا دعویٰ نہیں کہ میں تم پر مالی فضیلت رکھتا ہوں اور میرے پاس خداداد مال کے خزانے ہیں۔

وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب سے واقف ہوں کہ تم کو میری اس بات پر تعجب ہو اور تم مجھے جھوٹا سمجھو یا یہ مطلب ہے کہ میں غیب دان نہیں کہ ان لوگوں کا بغیر غور و تأمل کے محض سطحی طور پر ایمان لانا مجھے معلوم ہو جائے۔

وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّيْ مَلَكٌ اور نہ میں کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں کہ تم انکار کر سکو اور تم کو یہ کہنے کا موقع مل جائے کہ تو تو ہماری طرح آدمی ہے فرشتہ نہیں ہے۔

وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا اور جن لوگوں کو تمہاری آنکھیں حقیر جانتی ہیں میں نہیں کہتا کہ اللہ ان کو بھلائی عطا نہیں فرمائے گا۔

یعنی جن لوگوں کو ان کی مفلسی کی وجہ سے تم حقیر سمجھتے ہو اور ان کو رذیل کہتے ہو چونکہ ظاہری ناداری اور مفلسی کو آنکھوں سے دیکھ کر وہ حقیر جانتے تھے ان کے کمالات اور خصائل فاضلہ پر غور نہیں کرتے تھے۔ اس لئے حقیر جاننے کی نسبت آنکھوں کی طرف کلام کو پُرزور بنانے کے لئے کر دی (ورنہ آنکھوں کا کام حقیر جاننا نہیں تحقیر ہو یا اعزاز اس کو جاننا انسان کے دماغ کا کام ہے) بلکہ دنیا میں اللہ نے ان کو ایمان و ہدایت کی جو توفیق عطا فرمادی اور آخرت میں جو بلندیٔ مرتبہ اور جنت عطا فرمائے گا وہ تمہارے اس دنیوی مال و جاہ سے بہتر ہے (پھر میں کیسے کہہ دوں کہ اللہ ان کو بھلائی نہیں عطا فرمائے گا)

اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۚ ان کے دلوں میں (کیسی اللہ کی محبت ہے اور ان کے عقائد و خصائل کتنے صحیح اور اعلیٰ ہیں) جو کچھ بھی ہے اللہ اس سے بخوبی واقف ہے۔

اِنِّيْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ ایسی حالت میں (اگر میں ان کو اپنے پاس سے نکال دوں اور کہہ دوں کہ اللہ ان کو کوئی بھلائی عطا نہیں فرمائے گا تو) میں ظالموں میں سے ہو جاؤں گا۔

قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جَادَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾

قوم والوں نے کہا نوحؑ جھگڑا تو تم ہم سے بہت کر چکے (یہ باتیں سب بیکار ہیں ان کا ہم پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا) اب تو وہ عذاب ہم پر لے آؤ جس کی دھمکیاں تم ہم کو دیتے ہو اگر (نبوت کے دعوے میں اور عذاب کی (وعید میں) تم سچے ہو۔

قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ نوحؑ نے کہا (میرے اختیار میں نہ

Marfat.com

عذاب لانا ہے نہ تمہاری درخواست فوراً پوری کرنا) اگر اللہ ہی چاہے گا تو تم پر عذاب لے آئے گا اور تم اس کو بے بس بنا دینے والے نہیں (کہ آئے عذاب کو ٹال سکو یا اس سے بھاگ سکو)

وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ

اور اگر اللہ تم کو گمراہ کرنا چاہے اور میں تم کو نصیحت کرنا چاہوں تو میری نصیحت تمہارے لئے کچھ سود مند نہ ہوگی۔

اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ گمراہ کرنے کا تعلق بھی اللہ کی مشیت سے ہے اور مشیت الٰہیہ کے خلاف واقع ہونا ناممکن ہے (اگرچہ حکم خدا کے خلاف واقع ہونا ممکن ہے بلکہ بکثرت نافرمانیاں کی جاتی ہیں) یُغْوِیَکُمْ کے معنی ہیں یُھْلِکُکُمْ یعنی اللہ اگر تم کو ہلاک کرنا ہی چاہتا ہے تو میری نصیحت تمہارے لئے مفید نہ ہوگی (اور تم ہلاکت سے نہ بچ سکو گے) اس وقت یہ لفظ غَوَی الْفَصِیْلُ سے ماخوذ ہوگا (غَوَی الْفَصِیْلُ اونٹ کا بچہ ہلاک ہو گیا)

هُوَ رَبُّكُمْ ۚ وہی تمہارا رب ہے یعنی خالق ہے اور جس طرح چاہے تصرّف کرنے والا ہے۔

وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ اور اسی کی طرف تم کو لوٹا کر لے جایا جائے گا، وہی تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔

اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ کیا یہ لوگ کہتے ہیں کہ محمدؐ نے یہ قرآن خود بنا کر اللہ پر دروغ بندی کی ہے (مقاتل)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (اس جملہ کا اور اس کے بعد والے خطابی جملہ کا تعلق بھی حضرت نوحؑ کے قصے سے ہے) کیا نوحؑ کی قوم والے کہتے تھے کہ نوحؑ نے اللہ پر دروغ بندی کی ہے۔

قُلْ (اے محمدؐ یا اے نوحؑ) آپ کہہ دیجئے۔

اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ اگر میں نے اللہ پر دروغ بندی کی ہے تو میرے جرم کا وبال مجھ پر پڑے گا۔

اِجْرَامٌ جرم کرنا، گناہ کرنا۔

وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ اور میں تمہارے جرم سے پاک ہوں۔ یعنی تم جو کہہ رہے ہو کہ تو نے اللہ پر دروغ بندی کی ہے یہ تم لوگوں کا جرم ہے میں اس سے بیزار ہوں۔

بغوی نے بروایت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ نوحؑ کی قوم والے آپؑ کو اتنا مارتے تھے کہ آپ گر پڑتے تھے اور مردہ سمجھ کر لوگ لبادہ میں لپیٹ کر گھر ڈال جاتے تھے اور خیال کرتے تھے کہ نوحؑ مر گئے، لیکن دوسرے روز آپ پھر باہر آکر لوگوں کو اللہ کی طرف آنے کی دعوت دیتے تھے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ ایک بوڑھا آدمی لاٹھی کے سہارے سے جا رہا تھا اس کا بیٹا ساتھ تھا بیٹے سے اس نے کہا میرے بیٹے اس دیوانے بوڑھے کے دھوکے میں نہ آجانا، بیٹے نے کہا باپ مجھے لاٹھی دیدیجئے، باپ نے لاٹھی دے دی، بیٹے نے لاٹھی لے کر حضرت نوحؑ کے سر پر ماری اور آپ کو سخت زخمی کر دیا اس پر حضرت نوحؑ کے پاس مندرجہ ذیل وحی آئی۔

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ اور نوحؑ کے پاس وحی بھیجی گئی کہ تمہاری قوم کے جو لوگ ایمان لا چکے (لا چکے) اور کوئی ایمان نہیں لائے گا۔

فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۳۶﴾ اب جو کچھ (تکذیب اور ایذا کا سلوک) یہ تیرے ساتھ کرتے رہے ہیں اس سے رنجیدہ نہ ہو (عنقریب ان کو ہلاک کر دیا جائے گا)

اللہ نے نوحؑ کو آئندہ کسی کے مؤمن ہونے سے ناامید کر دیا تاکہ آپ لاحاصل تبلیغ کی تکلیف سے محفوظ رہیں اور آئندہ کسی کو سرکشی سے نہ روکیں اور کوئی فکر نہ کریں جب آپؑ کو معلوم ہو گیا کہ اللہ ان کو ہلاک کرنے والا ہے تو دعا کی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔

محمد بن اسحاق نے عبید بن عمیر لیثی کی روایت سے لکھا ہے کہ قوم نوحؑ والے حضرت نوحؑ کو پکڑ کر پچھاڑ کر اتنا گلا گھونٹتے تھے کہ آپؑ بیہوش ہو جاتے تھے۔ جب آپؑ کو ہوش آتا تو دعا کرتے الٰہی میری قوم کو معاف کر دے وہ نادان ہیں، جب قوم کی

Marfat.com

نافرمانی بڑھتی چلی گئی اور قوم کے ہاتھوں سے دُکھ اور اذیت میں اضافہ مسلسل ہوتا رہا تو آپؑ ناامید ہوگئے اور آئندہ نسل کا انتظار کرنے لگے کہ شاید ان کی اگلی نسل ہدایت یاب ہو جائے یونہی نسل در نسل چلتی گئی اور ہر پچھلا اگلے سے زیادہ خبیث ہوتا رہا اور پچھلے لوگ کہنے لگے یہ دیوانہ تو ہمارے باپ دادا کے زمانے سے چلا آتا ہے پاگل ہے وہ اس کو منہ نہیں لگاتے تھے آخر حضرت نوحؑ نے اللہ سے اپنا دکھ عرض کیا اور دعا کی رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّنَهَارًا آسی کلام کے آخر میں عرض کیا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اس وقت وحی آئی۔

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا اور بنا کشتی ہماری نگرانی میں اور ہماری وحی کے مطابق یعنی ہم نے جیسا بنانا تجھے بتلایا ہے ویسی بنایا ہمارے حکم کے موافق بنا (اس صورت میں وحی کا معنی ہوگا حکم)

حضرت ابن عباسؓ نے اَعْيُن کا ترجمہ کیا ہے "نظر" اور مقاتل نے اعین سے مراد لی ہے "علم" بعض نے ترجمہ کیا ہے نگرانی، حفاظت۔ آنکھ کو نگرانی اور حفاظت میں دوسرے تمام حواس سے زیادہ دخل ہے اس لئے نگرانی کو اعین (چشم) کے لفظ سے تعبیر کیا۔

وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ﴿۳۷﴾ اور ان ظالموں کو بچانے) کے سلسلہ میں مجھ سے کوئی خطاب (دعا) نہ کرنا کیونکہ بلاشبہ یہ غرق کئے جانے والے ہیں (ان کو ضرور غرق کیا جائے گا) مطلب یہ کہ ان کو ڈبونے کا ازل میں فیصلہ ہو چکا ہے۔ بغوی نے اس قصہ کے ذیل میں لکھا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت نوحؑ سے آکر کہا آپ کا رب آپ کو کشتی بنانے کا حکم دے رہا ہے۔ نوحؑ نے کہا میں تو نجار (بڑھئی) نہیں ہوں کیسے بناؤں۔ جبرئیلؑ نے کہا آپ کا رب فرماتا ہے تو میری آنکھوں کے سامنے ہے کشتی بنا (غلطی نہ ہوگی) نوحؑ بنانے لگے اور ٹھیک بنانے لگے یہ بھی کہا گیا ہے کہ آپؑ نے کشتی پرندہ کے سینہ کی شکل کی (یعنی سینہ ابھری ہوئی) بنائی۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ ۖ اور نوحؑ کشتی بنا رہے تھے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت نوحؑ قوم کی طرف سے غافل ہو کر کشتی بنانے میں مشغول ہوگئے ادھر قوم نوحؑ کی ساری عورتیں بانجھ ہو گئیں اس کے بعد ان کے ہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا۔ نوحؑ تختے چیرنے اور لوہا لگانے اور کشتی کے لئے ضروری سامان کی تیاری کرنے لگے مثلاً تارکول یا روغن قیر (ملنے لگے) لوگ ادھر سے گزرتے اور آپ کو مشغول دیکھ کر کہتے تھے۔

وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ اور جب سردارانِ قوم ادھر سے گزرتے تھے تو نوحؑ سے ٹھٹھا کرتے تھے۔

حضرت نوحؑ خشکی میں کشتی بنا رہے تھے قریب کہیں پانی بھی نہیں تھا اس لئے لوگ ٹھٹول کرتے اور کہتے تھے نوحؑ پہلے تم نبی تھے اب درُودگر ہو گئے یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ لوگ پوچھتے نوحؑ کیا بنا رہے ہو حضرت نوحؑ جواب دیتے میں ایسا گھر بنا رہا ہوں جو پانی پر چلے گا لوگ آپؑ کی ہنسی بنانے لگتے۔

قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ نوحؑ نے کہا اگر (آج) تم ہم سے ٹھٹھا کر رہے ہو تو (آئندہ) ہم بھی تم سے ایسا ہی ٹھٹھا کریں گے جیسا تم کر رہے ہو۔ یعنی جس طرح کشتی بنتے دیکھ کر تم ہم سے ٹھٹھا کر رہے ہو آئندہ ہم بھی تم کو طوفان میں ڈوبتے اور دوزخ میں جلتے دیکھ کر ٹھٹھا کریں گے اس کا معنی یا تو یہ ہے کہ جس طرح تم اب ہم کو نادان اور جاہل قرار دیتے ہو، آئندہ ہم بھی تم کو جاہل قرار دیں گے یا یہ مطلب ہے کہ اس وقت تم ہماری ہنسی بنا رہے ہو آئندہ تم کو اپنی اس ٹھٹول بازی کا انجام دیکھنا ہوگا۔

فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ﴿۳۹﴾ اور آئندہ تم کو معلوم ہو جائے گا کس پر رُسوا کن عذاب آئے گا اور دائمی عذاب نازل ہوگا۔ چنانچہ طوفان میں غرق ہونے کا عذاب ان پر آگیا اور سب ڈوب کر عالمِ برزخ میں پہنچ گئے جہاں قیامت تک ان پر عذاب ہوتا رہے گا پھر قیامت میں ان پر عذاب ہوگا اور دوزخ میں

Marfat.com

ڈال دیا جائے گا۔

بغوی نے لکھا ہے اہل تورات کا خیال ہے کہ اللہ نے نوحؑ کو حکم دیا تھا کہ ساگوان یا سار کی لکڑی کی کشتی بنائیں جس کا سینہ آگے کو نکلا ہوا ہو اور کشتی کے اندر باہر ہر طرف روغن قار کا پالش کر دیں، کشتی کی لمبائی اسّی ہاتھ، چوڑائی پچاس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ ہو۔ ہاتھ سے مراد ہے انگلیوں کے پوروں سے مونڈھے تک پورا ہاتھ (یعنی آدھا گز مراد نہیں ہے) اور تین منزلیں بنائیں، نچلی، درمیانی اور بالائی اور بالائی منزل میں دریچے رکھیں۔ حضرت نوحؑ نے حکم کے مطابق کشتی بنائی۔ اسحاق بن بشر اور ابن عساکرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اللہ نے جب نوحؑ کو کشتی بنانے کا حکم دیا تو نوحؑ نے عرض کیا میرے مالک تختے کہاں ہیں اللہ نے فرمایا ساگوان یا سار کا درخت لگاؤ، نوحؑ نے سار کا درخت بویا بیس برس تک وہ درخت پرورش پاتا رہا اس مدت میں نہ حضرت نوحؑ نے تبلیغ کی نہ قوم والوں نے کوئی استہزاء کیا، جب درخت بھرپور ہو گیا تو اللہ کے حکم سے نوحؑ نے اس کو کاٹ کر خشک کیا اور عرض کیا اے میرے رب میں گھر (یعنی کشتی کی شکل) کیسے بناؤں۔ حکم ہوا اس کی تین شکلیں رکھو اگلا سرا تو مرغ کے سر کی طرح ہو اور پچھلا حصہ بھی مرغ کی دم کی طرح اور سینہ پرندے کے سینہ کی طرح (آگے کو نکلا ہو) اور دونوں پہلوؤں پر دریچے ہوں اور لوہے کی کیلوں سے اس کو مضبوط کر دیا گیا ہو۔ اللہ نے جبرئیلؑ کے ذریعہ نوحؑ کو کشتی بنانا سکھا دی۔

ابن عساکر نے سعید بن مسیب کی وساطت سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ اور حضرت کعبؓ کا بیان بھی یہی نقل کیا ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے لکھا ہے کہ نوحؑ نے دو سال میں کشتی تیار کی، کشتی کا طول تین سو ہاتھ اور عرض پچاس ہاتھ اور اوپر کو بلندی تیس ہاتھ تھی۔ کشتی کی ساخت سار کے تختوں کی تھی اور تین درجے تھے، نچلے درجہ میں جنگلی جانور اور درندے اور چوپائے تھے، درمیانی منزل میں گھوڑے اونٹ (اور پالتو چوپائے) تھے اور بالائی منزل میں حضرت نوحؑ اور آپؑ کے ساتھی اور کھانے پینے کا ضروری سامان تھا۔

ابن مردویہ نے حضرت سمرہ بن جندبؓ کی روایت سے بیان کیا کہ کشتی کا طول تین سو ہاتھ، عرض پچاس ہاتھ اور اونچائی تیس ہاتھ تھی۔

ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے جو روایت کی ہے اس میں عرض کا ذکر نہیں ہے عبد بن حمید اور ابن المنذر اور ابوالشیخ نے قتادہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ اور چوڑائی پچاس ہاتھ اور اونچائی میں لمبائی تیس ہاتھ تھی۔ اس روایت میں امتیاز ائد ہے کہ عرض میں اس کا دروازہ تھا۔

ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ کشتی کے تین طبقے تھے، ایک طبقے میں جنگلی جانور، چوپایہ اور درندے تھے دوسرے طبقے میں پرندے تھے۔ شرح خلاصۃ البسرین میں آیا ہے کہ نچلے طبقے میں پرندے، چوپائے اور جنگلی جانور وغیرہ تھے اور درمیانی طبقے میں کھانے پینے کی چیزیں اور کپڑے تھے اور بالائی طبقہ آدمیوں کے لئے تھا۔

شامی نے لکھا ہے کہ کشتی کا طول اسّی ہاتھ تھا اور عرض پچاس ہاتھ اور بلندی اوپر کو تیس ہاتھ اور ہاتھ سے مراد ہے (پنجہ سے مونڈھے تک)

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ کشتی کی لمبائی چھ سو ہاتھ تھی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ ایک روایت میں حسن کا قول آیا ہے کہ کشتی کا طول بارہ سو ہاتھ اور عرض چھ سو ہاتھ تھا۔ مشہور اول روایت ہے کہ طول تین سو ہاتھ تھا۔

زید بن اسلم کا قول ہے کہ حضرت نوحؑ ستر برس تک درخت بوتے اور (لکڑی) کاٹتے رہے اور سو برس تک کشتی بناتے رہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ چالیس برس تک درخت بوئے اور چالیس برس تک (ان کی لکڑی کو) خشک کرتے رہے۔ کعب احبار کا قول آیا ہے کہ نوحؑ نے تیس برس میں کشتی بنائی۔ یہ بھی منقول ہے کہ کشتی کی تین منزلیں تھیں، نچلا درجہ چوپایوں اور جنگلی جانوروں کے لئے تھا، درمیانی منزل میں آدمی تھے اور بالائی طبقے میں پرندے، جب جانوروں کا گوبر زیادہ ہو گیا تو نوحؑ کے پاس

Marfat.com

وحی آئی ہاتھی کی دُم، باؤدُم دباتے ہی ہاتھی کے اندر سے ایک سُور اور سُوریا نکل پڑی اور دونوں نے گوبر (کھاکر) صاف کر دیا۔ چوہوں نے جب کشتی کو نقصان پہنچایا اور رسیاں کاٹنے لگے تو اللہ کی طرف سے نوحؑ کو حکم ہوا شیر کی دونوں آنکھوں کے درمیان ضرب لگاؤ، ضرب لگاتے ہی شیر کی ناک کے سوراخوں سے ایک بلی اور ایک بلا نکل پڑے دونوں چوہوں پر دوڑ پڑے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ یہاں تک کہ جب ہمارا حکم (یعنی عذاب کا حکم آپہنچا اور تنور اُبل پڑا۔

ابوالشیخ نے عکرمہ اور زہری کا قول نقل کیا ہے کہ تنور کا معنی ہے روئے زمین۔ بغوی نے بھی یہی نقل کیا ہے۔ سعید بن منصور، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے اس قول کی نسبت حضرت ابن عباسؓ کی طرف بھی کی ہے۔ صورت اس طرح ہوئی کہ حضرت نوحؑ سے کہا گیا جب تم رُوئے زمین پر پانی اُبلتا دیکھو تو کشتی میں سوار ہو جانا۔ عبد بن حمید، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے قتادہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت میں تنور سے مراد ہے زمین کا اونچا بلند حصہ۔ ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ آیت میں عینُ الوردہ مراد۔ جو جزیرہ میں ایک چشمہ تھا۔

ایک روایت میں حضرت علیؓ کا قول آیا ہے کہ فارالتنور کا مطلب یہ ہے کہ فجر نکل گئی اور صبح کی روشنی ہو گئی۔ حسن، مجاہد اور شعبی نے تنور سے مراد یہی تنور بتائی ہے جس میں روٹی پکائی جاتی ہے۔ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ بروایت عطیہ حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی قول آیا ہے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے آیت کا مطلب اس طرح فرمایا جب تم اپنے گھر کے تنور سے پانی نکلتا دیکھو تو سمجھ لو یہ تمہاری قوم کا پیام ہلاکت ہے۔ حسن نے کہا پتھروں سے بنا ہوا ایک تنور تھا جس میں حضرت حوا روٹی پکایا کرتی تھیں (وراثتہً) وہ حضرت نوحؑ کے پاس پہنچ گیا اور آپؑ کو حکم ہوا کہ جب تنور سے پانی اُبلتا دیکھو تو تم اپنے ساتھیوں کو لے کر سوار ہو جانا۔

یہ تنور کہاں تھا مجاہد اور شعبی نے کہا کوفہ کے ایک کنارہ پر تھا۔ شعبی نے اللہ کی قسم کھا کر کہا تنور کوفہ کے کنارہ سے ہی جوش زن ہوا تھا۔ نوحؑ نے کوفہ کی مسجد کے اندر ہی کشتی تیار کی تھی اور بابِ کندہ کی جانب سے مسجد میں داخل ہونے والے کے دائیں جانب وہ تنور تھا اور تنور سے پانی کا اُبلنا حضرت نوحؑ کے لئے (طوفانِ آب کی) علامت تھی۔

ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے حضرت علی بن ابی طالبؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مسجد کوفہ کے اندر بابِ کندہ کی جانب سے تنور اُبلا تھا۔ ابوالشیخ نے باسنادِ شعبی، نقل کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا قسم ہے اس کی جس نے دانہ کو چیرا اور جاندار کو پیدا کیا کہ یہ مسجد مسلمانوں کی چار مسجدوں میں چوتھی مسجد ہے اور سوائے مسجدِ حرام (کعبہ) اور مسجدِ رسول اللہ ﷺ کے دوسری کسی مسجد میں دس رکعت نماز پڑھنے سے اس مسجد میں دو رکعت پڑھنا مجھے زیادہ عزیز ہے۔ اسی کے دائیں جانب قبلہ کی طرف تنور اُبلا تھا۔

مقاتل نے کہا یہ حضرت آدمؑ والا تنور تھا اور شام میں اس جگہ واقع تھا جس کو عین وردہ کہا جاتا ہے۔ ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ یہ تنور ہند میں تھا (معلوم نہیں ہند سے مراد ہندوستان ہے یا وہ مقام جو عراق میں ہے) یہ قول ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ اور حاکم نے نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی قرار دیا ہے۔

(فَارَ ماضی کا صیغہ ہے اس کا مصدر فَوْرَانٌ ہے) فوران کا معنی ہے جوش زن ہونا (اُچھلنا اُبلنا)

قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ہم نے کہا ہر ایک (قسم کے جانوروں) میں سے ایک ایک نر اور ایک مادہ یعنی دو عدد کشتی میں چڑھا لو۔

---

زوجین زوج نر مادہ کا جوڑ ہوتا ہے اور مادہ نر کا جوڑ، نر یا مادہ کوئی بھی دوسرے سے بے نیاز نہیں ہوتا اس لئے ہر ایک کو جوڑ کہا جاتا ہے ہر ایک موزہ کو دوسرے موزہ کا اور ہر جوتہ کو دوسرے جوتہ کا زوج (جوڑ) کہا جاتا ہے۔ یعنی ہر حیوان کا ایک جوڑا، نر و مادہ، کشتی میں سوار کر لو، لفظ اثنین، زوجین کی تاکید ہے اور زوجین مفعول ہے۔



Marfat.com

بغوی نے اسی قصے کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ حضرت نوحؑ نے عرض کیا پروردگار میں ہر ایک کا جوڑا کس طرح لوں، اللہ نے آپ کے سامنے درندوں اور پرندوں کو جمع کر دیا اور آپ نے اپنے دونوں ہاتھ ان پر مارے، دایاں ہاتھ نر پر پڑا اور بایاں ہاتھ مادہ پر اس طرح ایک نر اور ایک مادہ آپ کے ہاتھ میں آگیا اور آپ نے ان کو کشتی میں سوار کر لیا۔

وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ اور اپنے گھر والوں کو بھی بالاستثنا اس کے جس (کے ڈوبنے) کا حکم پہلے ہی نافذ ہو چکا ہے اور (گھر والوں کے علاوہ دوسرے) مؤمنوں کو بھی یعنی ازل میں اللہ نے جن کو غرق کرنے کا فیصلہ کر دیا ہے ان کو چھوڑ کر دوسرے گھر والوں کو سوار کر لو۔ حضرت نوحؑ کی بیوی واہلہ اور دابلہ کے پیٹ سے حضرت نوحؑ کا بیٹا کنعان یہ دونوں کافر تھے۔ مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ سے یہ ہی دونوں مراد ہیں۔

وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۴۰﴾ اور نوحؑ کے ساتھ ایمان لانے والے بس تھوڑے ہی تھے۔

## ﴿.....نوحؑ پر ایمان لانے والوں کی تعداد کیا تھی؟.....﴾

اس کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ قتادہ، ابن جُرَیج اور محمد بن کعب قرظی کے قول پر کشتی میں سوار ہونے والے صرف آٹھ آدمی تھے، حضرت نوحؑ، آپ کی بیوی، آپ کے تین لڑکے سام، حام، یافث اور تینوں کی بیویاں۔

ابن جریر، ابوالشیخ نے ابن جریج کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت نوحؑ نے اپنے ساتھ اپنے تینوں بیٹوں اور ان کی بیویوں کو سوار کر لیا تھا۔ حام نے کشتی میں اپنی بیوی سے قربت کر لی، حضرت نوحؑ نے بددعا کی کہ اس کے نطفہ کا رنگ بدل جائے، چنانچہ اس عورت سے حبشی پیدا ہوئے۔

اعمش کا قول ہے کہ کشتی میں کل سات آدمی تھے، نوحؑ ان کے تین بیٹے اور بیٹوں کی تین بیویاں۔

یہ دونوں قول صراحت قرآنی کے خلاف ہیں۔ آیت میں مَنْ اٰمَنَ کا عطف اَهْلَكَ پر ہے اور مذکورہ بالا تمام لوگ نوح کے گھر والوں میں داخل تھے۔ (لہٰذا گھر والوں کے علاوہ کچھ دوسرے مؤمنوں کا بھی کشتی میں ہونا لازم ہے)۔

ابن اسحاق نے کہا دس شخص تھے حضرت نوحؑ، آپ کے تینوں بیٹے سام، حام، یافث اور چھ دوسرے مؤمن اور سب کی بیویاں یعنی دس مرد اور دس عورتیں۔ مقاتل نے کہا کل اٹھتر آدمی تھے آدھے مرد اور آدھی عورتیں، تین بیٹے اور ان کی بیویاں اور بہتر دوسرے مؤمن۔

ایک روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ کشتی میں کل اسّی مرد تھے جن میں سے ایک جُرہم بھی تھا ابن جریر، ابن المنذر و ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ نوحؑ نے اپنے ساتھ اسّی آدمیوں کو سوار کر لیا تھا اور آپ کی زبان عربی تھی یہ بھی حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ سب سے پہلے حضرت نوحؑ نے کشتی میں چھوٹی چیونٹی کو لیا اور سب سے آخر میں گدھے کو، گدھا داخل ہونے لگا اور اس کا سینہ اندر آگیا تو ابلیس اس کی دم سے لٹک گیا جس کی وجہ سے اس کی ٹانگیں اٹھ نہ سکیں۔ حضرت نوحؑ نے فرمایا ارے اندر آجا گدھا اٹھا مگر اٹھ نہ سکا حضرت نے فرمایا ارے اندر آجا خواہ شیطان ہی تیرے ساتھ ہو یہ لفظ بیساختگی میں آپ کی زبان سے نکل گیا ان الفاظ کو سنتے ہی شیطان نے گدھے کا راستہ چھوڑ دیا، گدھا اندر آگیا اور شیطان بھی اس کے ساتھ داخل ہو گیا حضرت نوحؑ نے فرمایا دشمن خدا تجھے کس نے داخل کیا۔ شیطان نے کہا آپ نے (گدھے سے) نہیں فرمایا تھا کہ اندر آجا خواہ شیطان ہی تیرے ساتھ ہو۔ آپ نے فرمایا دشمن خدا نکل جا۔ شیطان نے کہا اب تو مجھے اپنے ساتھ سوار کرنے کے بغیر آپ کے لئے کوئی چارہ نہیں۔ لوگوں کا خیال ہے شیطان کشتی کی پشت پر تھا۔

بعض اہل روایت کا خیال ہے کہ سانپ اور بچھو حضرت نوحؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا ہمیں بھی چڑھا لیجئے حضرت نے فرمایا تم ضرر رساں اور سبب مصیبت ہو میں تم کو نہیں چڑھاؤں گا، کہنے لگے آپ ہمیں چڑھا لیجئے، ہم ذمہ دار ہیں کہ جو بھی آپ کا ذکر کرے گا ہم اس کو ضرر نہیں پہنچائیں گے، چنانچہ جس نے سانپ بچھو کے ضرر کے خوف سے سلام

Marfat.com

عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ پڑھا اس کو سانپ اور بچھو نے کوئی ضرر نہیں پہنچایا۔

حسن کا قول ہے کہ حضرت نوحؑ نے کشتی میں صرف ان جانوروں کو چڑھایا جو بچہ یا انڈا دیتے ہیں جو کیچڑ سے پیدا ہیں جیسے مچھر، پسو وغیرہ ان کو کشتی میں سوار نہیں کیا تھا۔

وَقَالَ ارْكَبُوْا فِيْهَا اور نوحؑ نے کہا کشتی میں سوار ہو جاؤ پڑھتے ہوئے۔

بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا اللہ ہی کے نام کے ساتھ (یا سبب و مدد سے) ہے کشتی کا چلنا اور لنگر انداز ہونا (یعنی ٹھہرنا) مجرٰی اور مُرْسٰی یا ظرف زمان ہے یعنی چلنے اور ٹھہرنے کا وقت یا ظرف مکان ہے یعنی چلنے اور ٹھہرنے کا مقام یا مصدر ہے یعنی چلنا اور ٹھہرنا۔

اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۴۱﴾ حقیقت یہ ہے کہ میرا رب بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے یعنی اگر وہ تمہارے قصور معاف نہ کرتا اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم کو نجات نہ ملتی۔

بغوی نے ضحاک کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت نوحؑ نے جب ارادہ کیا کہ کشتی روانہ ہو جائے تو بسم اللہ کہا کشتی چل دی اور جب کشتی کو ٹھہرانا چاہا تو بسم اللہ کہا کشتی ٹھہر گئی۔

وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ اور کشتی ان کو لے کر پہاڑوں جیسی موجوں میں چلنے لگی۔ مَوْجٌ مَوْجَۃٌ کی جمع ہے لہریں۔

وَنَادٰی نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ اور نوحؑ نے پکارا اپنے بیٹے کو اور بیٹا نوح سے یا دینِ نوحؑ سے الگ تھا۔

یٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۴۲﴾ اے میرے پیارے بیٹے! (ایمان لے آ اور) ہمارے ساتھ سوار ہو جا۔ اور کافروں کے ساتھ نہ رہ۔ (یعنی کافروں کے مذہب یا ہم سے الگ رہنے میں کافروں کے ساتھ شامل نہ ہو) اس بیٹے کا نام کنعان یا عبید بن عمیر یام تھا۔

قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ بیٹے نے کہا میں (آپ کے ساتھ سوار نہیں ہوں گا بلکہ) پہاڑ کی پناہ پکڑوں گا وہ مجھے پانی سے بچالے گا، (یعنی پہاڑ پر چڑھ کر ڈوبنے سے محفوظ رہوں گا)۔

قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ نوحؑ نے کہا، آج اللہ کے عذاب سے (جس کا حکم ہو چکا ہے) بچانے والا کوئی نہیں، سوائے اس کے جس پر وہ رحم کرے۔

استثناء یا متصل ہے اور مَنْ محلِ رفع میں ہے۔ یعنی رحم کرنے والا اللہ ہی بچا سکتا ہے یا لفظ "مکان" محذوف ہے یعنی اسی شخص کا مقام بچا سکتا ہے جس پر اللہ رحم کر دے یعنی اہل ایمان کا مقام، مطلب یہ کہ پہاڑ وغیرہ کوئی چیز بچا نہیں سکتی، ہاں کشتی جو اہلِ ایمان کا مقام ہے ڈوبنے سے بچا سکتی ہے۔

یا مَنْ محلِ نصب میں ہے، یعنی آج کوئی بھی محفوظ نہ رہے گا سوائے اس کے جس پر اللہ رحم کرے۔ یا استثناء منقطع ہے یعنی سوائے اس کے جس پر اللہ رحم کرے اللہ اس کو بچالے گا۔

وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ﴿۴۳﴾ اور دونوں کے درمیان یعنی نوحؑ اور ان کے بیٹے کے درمیان یا پسرِ نوح اور پہاڑ کے درمیان لہریں حائل ہو گئیں اور وہ غرق کردہ لوگوں میں سے ہو گیا۔ یعنی ڈوبنے والوں کے ساتھ وہ بھی ڈوب گیا۔ یا علمِ الٰہی میں پہلے ہی یہ بات تھی، روایت میں آیا ہے کہ پانی پہاڑوں کی چوٹیوں سے چالیس ہاتھ یا پندرہ ہاتھ اوپر چڑھ گیا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے، بعض روایات میں آیا ہے جب گلی کوچوں میں پانی بہت بڑھ گیا تو ایک بچے کی ماں کو اپنے بچے کے ڈوب جانے کا اندیشہ ہوا وہ بچے کو لے کر پہاڑ کی طرف بھاگی۔ پہاڑ کے ایک تہائی حصہ پر ہی چڑھی تھی کہ کچھ دیر میں وہاں تک پانی پہنچ گیا عورت اور اوپر چڑھی اور دو تہائی پہاڑ تک پہنچ گئی، پانی وہاں بھی پہنچ گیا تو عورت اور اوپر چڑھی اور چوٹی پر پہنچ گئی، مگر

Marfat.com

پانی وہاں بھی پہنچ گیا اور عورت کے گلے تک آگیا اس نے بچے کو دونوں ہاتھوں سے اوپر اٹھالیا، آخر پانی عورت کو بہالے گیا۔ اگر (اس روز) اللہ کسی پر رحم کرنے والا ہوتا تو اس بچے کی ماں پر ضرور کرتا۔

میں کہتا ہوں یہ قصہ اس روایت کے خلاف ہے جس میں آیا ہے کہ طوفان آنے سے برسوں پہلے سے قوم نوح کی عورتیں بانجھ ہو گئی تھیں، طوفان آنے کے وقت کوئی بچہ ہی نہ تھا۔

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ اور حکم دیا گیا (یعنی امر طوفان پورا ہونے کے بعد زمین کو حکم دیا گیا) اے زمین اپنا پانی پی لے (نگل لے، جذب کرلے) یعنی وہ پانی جو تیرے اندر سے پھوٹ کر نکلا ہے وہ جذب کرلے۔ زمین نے اپنے اندر سے نکلا ہوا پانی جذب کرلیا۔ آسمان سے برسا ہوا پانی باقی رہا اور دریاؤں اور نہروں کی شکل میں (سمٹ کر) بہنے لگا۔

وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ اور اے آسمان تھم جا، پانی برسانا ختم کردے۔ آسمان سے بارش ہونی بند ہو گئی۔

وَغِيْضَ الْمَآءُ اور پانی کم کر دیا گیا۔ یعنی اللہ نے پانی کو کم کر دیا۔ غِيْضَ فعل لازم بھی ہے اور متعدی بھی۔ اس جگہ متعدی ہے۔

وَقُضِيَ الْاَمْرُ اور کام تمام کر دیا گیا (کام پورا ہو گیا) یعنی اللہ نے کافروں کو ہلاک کرنے اور مؤمنوں کو بچانے کا جو وعدہ کیا تھا وہ پورا ہو گیا۔

وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ اور کشتی جُودی پر ٹھہر گئی۔ جُودی جزیرہ میں موصل کے قریب ایک پہاڑ کا نام ہے یا ملک شام میں ایک پہاڑ ہے۔

وَقِيْلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ اور کہا گیا (یعنی اللہ نے فرمایا) دوری ہو ظالم قوم کو یا ظالم قوم اللہ کی رحمت سے دور ہو گئی، اور سب ہلاک ہو گئی۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت نوحؑ نے زمین کی خبر لانے کے لئے کوے کو بھیجا وہ کسی مردار پر جا پڑا اور لوٹ کر نہیں آیا تو آپ نے کبوتر کو بھیجا، کبوتر واپس آیا تو اس کو چونچ میں زیتون کا ایک پتہ تھا اور پاؤں کیچڑ میں آلودہ تھے۔ یہ حالت دیکھ کر حضرت نوحؑ سمجھ گئے کہ پانی خشک ہو گیا۔ کہا گیا ہے کہ آپ نے کوے کو بددعا دی کہ ہمیشہ ڈرتا رہے۔ اسی بددعا کا اثر ہے کہ کوا گھروں میں نہیں رہتا۔ اور کبوتر کی گردن میں ایک سبز کنٹھا ڈال دیا اور اس کو امن کی دعا دی، اس لئے وہ گھروں میں رہنے کا عادی ہے۔

عبد بن حمید، ابن المنذر اور ابو الشیخ نے بیان کیا قتادہ نے کہا ہم سے ذکر کیا گیا تھا کہ دس رجب کو کشتی سب کو لے کر اٹھی اور ایک سو پچاس روز پانی میں رہی پھر دس محرم کو جُودی پر ٹھیری اور لوگ زمین پر اترے۔ ابن عساکر نے خالد زیات کی روایت سے اتنا زائد نقل کیا ہے کہ عاشورہ کے دن کشتی ٹھیری۔ حضرت نوحؑ نے اپنے ساتھ والے جن وانس سے فرمایا آج روزہ رکھو۔ بغوی نے بھی لکھا ہے کہ نوح ۱۰ رجب کو کشتی میں سوار ہوئے اور چھ مہینہ تک کشتی چلتی رہی اور بیت اللہ (کعبہ) کی طرف سے گزری تو اس کے گرداگرد سات چکر لگائے کعبے کو اللہ نے اوپر اٹھا دیا تھا اس کی جگہ ڈوبنے سے باقی رہ گئی تھی۔ ۱۰ محرم کو کشتی سے اترے حضرت نوحؑ نے شکر لئے کا روزہ خود بھی رکھا اور ساتھ والوں کو بھی حکم دیا۔

بعض اقوال میں آیا ہے کہ صرف ایک کافر یعنی عوج بن عنق ڈوبنے سے بچ گیا تھا طوفان کا پانی اس کی کمر تک آیا تھا، محفوظ رہنے کی وجہ یہ تھی کہ کشتی کے لئے سار کی لکڑیوں کی ضرورت تھی اور ان کو ڈھونا ممکن نہ تھا تو اس نے ملک شام سے خود لا کر حضرت نوحؑ کو لکڑیاں دی تھیں۔

میں کہتا ہوں عوج کی یہ داستان قرآن مجید کی ظاہری عبارت کے خلاف ہے اللہ نے تو فرمایا ہے قَالَ نُوْحٌ رَّبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا دوسری آیت میں ہے فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اس سے پہلے آیا ہے لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ (ان تمام آیات سے معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی کافر زندہ نہیں بچا تھا) عموم آیات سے کسی کی

Marfat.com

تخصیص بغیر قطعی نص کے ممکن نہیں اور قصۂ مذکورہ کی تائید نہ عقل سے ہوتی ہے نہ نقل سے۔ (عوج کا قصہ محض افسانہ اور داستان ہے)

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ اور نوحؑ نے پکارا اپنے رب کو اور کہا اے میرے رب یہ واقعہ ہے کہ میرا بیٹا (کنعان) میرے اہل میں سے ہے اور تیرا وعدہ بلاشبہ سچا ہے۔ جس کی خلاف ورزی ممکن نہیں اور تو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کر لیا ہے (اس لئے میرے بیٹے کو ڈوبنے سے بچالے) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ڈوبنے کے بعد حضرت نوحؑ نے یہ عرض کیا ہو کہ میرا بیٹا میرے اہل میں سے تھا اور تو نے میرے اہل کو بچانے کا وعدہ کر لیا تھا پھر میرے لڑکے کو کیوں نہیں بچایا۔

وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ ۝ اور تو سب سے بڑا حاکم ہے۔

کیونکہ تو سب سے زیادہ علم والا اور سب سے بڑھ کر منصف ہے، تیرے حکم کے خلاف نہیں ہو سکتا اور تو قوم کی ہلاکت اور میرے اہل کی نجات کا فیصلہ کر چکا ہے۔ یا احکم الحاکمین کا یہ مطلب ہے کہ تو ہر حکم و حکمت والے سے زیادہ حکمت والا ہے (اس مطلب پر احکم کا ترجمہ ہوگا سب سے بڑی حکمت والا اور الحاکمین سے مراد ہوں گے حکم والے یا حکمت والے)

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ اللہ نے فرمایا نوحؑ حقیقت یہ ہے کہ وہ تیرے اہل میں سے ہی نہیں (مؤمن کا کافر سے کوئی رشتہ ولایت نہیں) کیونکہ اس کے عمل درست نہیں۔ عَمَلٌ سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی عمل والا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اس کو بچانے کا سوال کرنا درست عمل نہیں ہے۔

فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ پس تو ایسی بات کا مجھ سے سوال نہ کر جس (کے صحیح یا غلط ہونے) کا تجھے علم نہیں۔

چونکہ نوحؑ کی نداء کے اندر نجات اہل کا وعدہ تھا اور وعدہ کو پورا کرنے کی درخواست اس نداء کے اندر مضمر تھی اس لئے نداء کو سوال قرار دیا اور سوال کی ممانعت فرمادی یا یوں کہا جائے کہ وعدہ پورا نہ کرنے کی وجہ نوحؑ نے دریافت کی تھی، اس کو اللہ نے سوال قرار دیا اور ایسے سوال کی ممانعت فرمادی، اور اس سوال کو نادانی قرار دے کر اس سے روک دیا اور بطور زجر فرمایا۔

اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝ میں تجھے قطعی نصیحت کرتا ہوں کہ نادانوں میں سے نہ ہو جائے۔

کیوں کہ جب مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ کا نجات سے استثناء کر دیا تو خود ڈوبنے والوں کی کیفیت معلوم ہو گئی، مزید سوال کی ضرورت ہی نہیں رہی (بیان کردہ چیز پر غور نہ کرنا اور نہ سمجھنا اور سوال کرنا نادانوں کا کام ہے)۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد و حسن نے کہا یہ لڑکا حضرت نوحؑ کا نہ تھا حرامی تھا۔ امام ابو جعفر باقرؒ نے فرمایا وہ حضرت نوحؑ کی بیوی کا بیٹا تھا حضرت نوحؑ کا بیٹا نہ تھا، اسی لئے آپ نے مِنْ اَهْلِيْ (میری بیوی کا) کہا تھا۔ مِنِّيْ میرا نہیں کہا۔

حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ، ضحاک اور اکثر علماء کا قول ہے وہ حضرت نوحؑ کا ہی حقیقی بیٹا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کسی پیغمبر کی بیوی نے زنا کا ارتکاب کبھی نہیں کیا۔ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ کا مطلب یہ ہے کہ وہ آپ کا ہم مذہب نہیں، آپ کے دین والوں میں سے نہیں یعنی کافر ہے۔ اور اِنِّيْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ کا یہ مطلب ہے کہ خود ہی کافروں کے ہلاک ہو جانے کی دعا کرتے رہے اور خود ہی ایک کافر کو بچا دینے کی درخواست کر رہے ہو یہ نادانی ہے۔

شیخ ابو منصور نے کہا حضرت نوحؑ کا یہ بیٹا منافق تھا ظاہر میں مؤمنین باطن میں کافر اور حضرت نوحؑ کو اس کا باطنی کفر معلوم نہ تھا ورنہ آپ کبھی بھی اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ نہ کہتے نہ درخواست نجات کرتے جبکہ کافروں کے سلسلے میں بولنے کی آپ کو ممانعت کر دی گئی تھی اور فرمایا گیا تھا کہ لَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (کافروں کے بچانے کے سلسلے میں مجھ سے کچھ نہ کہنا) پھر اللہ نے حضرت نوحؑ کو بتادیا کہ تیرا یہ بیٹا (باطنی طور پر) کافر ہے۔

Marfat.com

شیخ کا یہ قول قابلِ تسلیم نہیں۔ کیونکہ یَا بُنَیَّ ارْکَبْ مَّعَنَا وَلَا تَکُنْ مَّعَ الْکٰفِرِیْنَ قَالَ سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ۔ صراحۃً دلالت کر رہی ہے کہ وہ کافر تھا۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِہٖ عِلْمٌ وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ۝

نوح نے کہا اے میرے رب جس چیز (کی صحت) کا مجھے علم نہ ہو اس کے متعلق (آئندہ) سوال کرنے سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں اور ممانعت کے بعد اپنی اجتہادی غلطی کی وجہ سے جو میں نے کافر کی نجات کی درخواست کی تھی اگر تو میری اس خطا کو معاف نہ کر دے گا اور (بصورتِ توبہ وعصمت مجھ پر رحم نہ فرمائے گا تو میں خاسر الاعمال ہو جاؤں گا عملی خسارے میں رہوں گا۔

قِیْلَ یٰنُوْحُ اھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَکٰتٍ عَلَیْکَ وَعَلٰٓی اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَکَ

کہا گیا اے نوح کشتی سے اُترو ہماری طرف سے سلامتی اور برکتیں لے کر جو تم پر نازل ہوں گی اور ان جماعتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں (حضرت مولانا تھانوی نے جُودی سے زمین پر اترنا مراد لیا ہے) برکت کا معنی ہے نمو پذیر خیر۔ برکات سے مراد ہیں اللہ کے قرب کے درجات اس کی رحمت وفضل، نسل کی کثرت اور قیامت تک ان کی بقاء اور انبیاء واولیاء کا انہی میں سے پیدا ہونا۔

اُمَمٌ سے جماعتیں، یعنی وہ لوگ جو حضرت نوحؑ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے۔ وہ خود بھی جماعتوں کی شکل میں تھے اور تمام اقوام انہیں کی نسل سے پیدا ہونے والی تھیں اس لئے ان کو اُمم فرمایا۔ یا مِمَّنْ میں مِنْ ابتدائیہ ہے، یعنی وہ اقوام جو تمہارے ساتھیوں کی نسل سے پیدا ہوں گی ان پر بھی اللہ کی طرف سے سلامتی اور برکات کا نزول ہے۔ محمد بن کعب قرظی نے کہا قیامت تک جتنے مؤمن ہوں گے سب اس لفظ میں داخل ہیں۔

## ایک شبہ

آیت وَجَعَلْنَا ذُرِّیَّتَہٗ ھُمُ الْبٰقِیْنَ کو ہم نے نوحؑ کی نسل کو ہی باقی رکھا بتا رہی ہے کہ صرف حضرت نوحؑ کی نسل باقی رہی ... ے ساتھیوں کی نسل باقی نہ رہی۔

## ازالہ

بے شک نوحؑ کی نسل ہی باقی رہی لیکن آپ کے ساتھ کشتی میں آپ کے تینوں بیٹے بھی تھے انہی کی نسل چلی اور باقی رہی۔ دوسرے ساتھیوں کی نسل نہیں رہی (مِمَّنْ مَّعَکَ سے تینوں بیٹے ہی مراد ہیں)۔

وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُھُمْ ثُمَّ یَمَسُّھُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۝

اور (تمہارے ساتھیوں کی نسل سے) کچھ ایسی قومیں ہوں گی جن کو (تحریر ازلی کے مطابق دنیا میں) ہم بہرہ اندوز کریں گے پھر ہماری طرف سے (آخرت میں ان کے کفر کی وجہ سے) دردناک عذاب ان کو پہنچے گا۔

بعض علماء کے نزدیک اُمم سے مراد حضرت ہودؑ، حضرت صالحؑ، حضرت لوطؑ اور حضرت شعیبؑ کی قومیں ہیں۔ اور عذابِ الیم سے مراد ہے دنیوی عذاب۔

تِلْکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیْبِ

یہ (نوحؑ کا قصہ) جملہ غیبی خبروں کے ہے۔

یعنی جو خبریں تم کو معلوم نہیں تھیں (ان میں سے ایک نوحؑ کا قصہ بھی ہے)۔

نُوْحِیْھَآ اِلَیْکَ مَا کُنْتَ تَعْلَمُھَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُکَ مِنْ قَبْلِ ھٰذَا

جس کو ہم تمہارے پاس وحی کے ذریعے پہنچا رہے ہیں، نہ تم اس سے پہلے اس کو جانتے تھے اور نہ تمہاری قوم۔ اس کلام میں تنبیہ ہے اس بات پر قصۂ نوحؑ کا علم ایک معجزہ ہے منجانب اللہ کیونکہ آپ کی پوری قوم اس سے واقف نہیں تھی، ہم نے آپ کو اطلاع دی اور اس سے

Marfat.com

مطابق اطلاع دی جیسی گزشتہ آسمانی کتابوں میں تھی۔ گزشتہ آسمانی کتابوں کے بیان سے اس اطلاع کی مطابقت یقیناً معجزہ ہے۔

فَاصْبِرْ ۚ پس (نوح کی طرح تبلیغِ رسالت پر اور تبلیغ کے راستہ میں کافروں کی طرف سے پہنچنے والے دکھوں پر) صبر کیجئے ___ کیونکہ

اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ بلاشبہ (دنیا و آخرت میں) اچھا نتیجہ اور انجام انہیں لوگوں کے لئے ہے جو لوگ شرک و معاصی سے بچنے والے ہیں۔ اس جملہ میں صبر کرنے اور نہ گھبرانے کی علت کا اظہار ہے۔

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ اور عاد کے پاس (ہدایت کے لئے) ان کے نسبی بھائی ہود کو ہم نے بھیجا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

ہودؑ نے کہا اے میری قوم (برادرانِ نسب) تنہا اللہ کی پوجا کرو (عبادت میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو) اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں (تم جو اس کی عبادت میں بتوں کو بھی حصہ دار بنا لیتے ہو اور ان کو دربارِ الٰہی میں اپنا سفارشی قرار دیتے ہو یہ محض اختراع ہے تم محض دروغ بندی کرنے والے ہو (کہ خود ایک عقیدہ تم نے تراش رکھا ہے اور خدا کی طرف اس کی نسبت کر دی ہے (مترجم)

يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ؕ اے قوم والو! میں اس نصیحت کا تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا کہ تم پر مالی بوجھ پڑے، اور بار پڑنے کی وجہ سے تم میری نصیحت کو نہ مانو۔ یا مال کا لالچ مجھے دروغ تراشی پر آمادہ کرے۔

اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ ؕ میرا ثواب تو بس اسی کے ذمے ہے جس نے مجھے پیدا کیا (یعنی ثواب کا ذمہ تو اسی نے لے رکھا ہے اس لئے مجھے تم سے کوئی لالچ نہیں۔ مترجم

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ کیا تم نہیں سمجھتے۔ یعنی کیا اپنی عقل سے کام لے کر تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ ایسے بے لالچ مخلص کا قول جھوٹ کے احتمال سے بھی پاک ہوتا ہے اور اس کی تصدیق کرنی تم پر لازم ہے۔

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اور اے قوم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو۔ یعنی سابق شرک اور گناہ کرنے کی معافی مانگو۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان لے آؤ، مسلم ہو جاؤ۔ حضرت عمرو بن عاصؓ کی مرفوع روایت صحیح مسلم میں آئی ہے کہ اسلام گزشتہ (گناہوں) کو ڈھا دیتا ہے۔

ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ پھر (شرک کو چھوڑ کر اور خالص توحید کے ساتھ مطیع بن کر) اس کی طرف لوٹو۔

يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وہ خوب بارشیں تم پر برسائے گا اور تمہاری موجودہ قوت میں مزید ترقی دے گا۔

سورۂ اعراف میں ہم نے بیان کر دیا ہے کہ قوم عاد سہ سالہ کال میں مبتلا ہو گئی تھی، تین سال سے بارش نہیں ہوئی تھی اور عورتیں بھی بانجھ ہو گئی تھیں، کسی کے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ حضرت ہودؑ نے فرمایا اللہ سے استغفار اور توبہ کرو، وہی پانی برسائے گا جس سے تمہاری مالی ترقی ہو گی اور وہی عورتوں کا بانجھ پن دور کرے گا اور بچے پیدا ہونے لگیں گے۔ اس طرح تم کو مال و اولاد کی مزید طاقت حاصل ہو جائے گی۔ بعض نے قوت سے مراد ولی ہے بدنی طاقت یعنی اللہ تمہاری جسمانی طاقت بڑھا دے گا۔

وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ اور مجرم رہ کر رُخ گردانی مت کرو۔ یعنی اپنے جرائم پر قائم رہتے ہوئے میری دعوت سے منہ نہ پھیرو اور جس چیز کی طرف آنے کی میں تم کو دعوت دے رہا ہوں۔ اس سے اعراض نہ کرو۔

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ قوم نے کہا ہود تم نے کوئی قطعی دلیل پیش نہیں کی۔ یعنی ایسی دلیل پیش نہیں کی جس سے تمہارے دعوے کی صحت ثابت ہو سکے۔ حضرت ہودؑ نے معجزات تو پیش کئے تھے (جو ثبوتِ رسالت کے لئے کافی تھے) مگر قوم والوں کے دلوں میں عناد تھا اس لئے انہوں نے مذکورہ جملہ کہا۔



Marfat.com

وَمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾ اور ہم تمہارے کہنے سے اپنے معبودوں کی عبادت چھوڑنے والے نہیں۔ اور نہ ہم تم پر ایمان لانے والے ہیں، یعنی تمہاری تصدیق نہیں کریں گی۔ مطلب یہ کہ نہ تمہارے قول کا عملی اتباع کریں گے کہ اپنے معبودوں کی عبادت ترک کر دیں۔ نہ اعتقادی تصدیق کریں گے۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ہم تو یہی کہتے ہیں کہ تم کو ہمارے کسی معبود کا جھپٹا لگ گیا ہے۔

اِعْتَرٰی (باب افتعال) عَرٰی یَعْرُوْ سے ماخوذ ہے، عَرٰی کا معنی ہے پہنچ گیا۔ سوء سے مراد ہے جنون بد حواسی یعنی تم جو ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو اور ان کی عبادت سے ہم کو روکتے ہو تو ہمارے کسی معبود نے اس کا انتقام تم سے لیا ہے اور تمہارا دماغ خراب کر دیا ہے کہ ایسی خرافات بک رہے ہو۔

یا ماضی بمعنی مضارع ہے کہ تم جو معبودوں کو برا کہتے ہو ہمارا یقینی خیال ہے کہ کوئی معبود تم کو پٹ کر دے گا ہلاک کر دے گا، چونکہ ایسا ہو جانا قوم کے نزدیک ضروری اور یقینی تھا۔ اس لئے قطعی دھمکی دینے کے لئے مضارع کی جگہ ماضی کا صیغہ بولا۔ ہودؑ کا جواب آگے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ توجیہ اس کے مناسب ہے۔

قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ مِنْ دُوْنِهٖ ہودؑ نے کہا میں اللہ کو شاہد بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ تم جو اللہ کے سوا دوسرے (بتوں وغیرہ) کو اس کا شریک قرار دیتے ہو میں اس سے بیزار ہوں۔ میں نہ اللہ کے سوا بتوں کی پوجا کرتا ہوں نہ کسی بت سے ڈرتا ہوں۔

فَكِيْدُوْنِيْ جَمِيْعًا پس اب تم سب (باہم امداد و تعاون کے ساتھ) مجھے دکھ پہنچانے اور ہلاک کرنے کی تدبیریں کر دیکھو۔

ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۵۵﴾ پھر مجھے مہلت بھی نہ دو۔ حضرت ہودؑ کے اس کلام میں اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ تمہاری تدبیریں میری نظر میں حقیر ہیں۔ مجھے اللہ پر پورا بھروسہ ہے۔ تمہارے معبود عاجز ہیں پتھر ہیں نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ آپ کا یہ قول ایک معجزہ تھا جو پورا ہوا، قوم والے شہ زور تھے بڑے طاقتور اور جابر ظالم تھے۔ آپ کے خون کے پیاسے بھی تھے مگر کچھ نہ بگاڑ سکے۔

اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ ۭ مَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا ۭ مجھے بلاشک و شبہ اللہ پر اعتماد ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی۔ ہر جاندار کو اللہ پیشانی کے بالوں سے پکڑے ہوئے ہے، یعنی ہر جاندار اس کے پورے قابو میں ہے اس کی قدرت و قابو کے آگے عاجز و ذلیل ہے وہی جیسا چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ناصیہ کا لفظ خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا گیا کہ اگر کسی چیز کی ذلت و بے بسی کا اظہار کرنا ہوتا ہے تو عرب کہتے ہیں فلاں شخص کے پیشانی کے بال فلاں شخص کے ہاتھ میں ہیں (جس طرف کو چاہے موڑ دی اردو میں پیشانی کے بالوں کی جگہ گردن کا لفظ بولا جاتا ہے۔ فلاں شخص کی گردن فلاں شخص کے ہاتھ میں ہے مطلب دونوں محاروں کا ایک ہی ہے۔ مترجم)

ضحاک نے کہا ناصیہ ہاتھ میں ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ ہی زندگی دیتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ فراء نے کہا وہی مالک اور قادر ہے۔ قتبی نے کہا وہی ہر جاندار کو مقہور (بے بس) کر دیتا ہے جس کی پیشانی کے بال تم پکڑ لو وہ بے بس (و مقہور) ہو جاتا ہے۔

اِنَّ رَبِّيْ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۶﴾ یقیناً میرا رب سیدھے راستے پر ہے یعنی حق اور عدل پر قائم ہے نیک کو نیکی کی جزا اور بد کو بدی کی سزا دے گا جو اس کا دامن پکڑ لے کبھی نامراد نہیں رہے گا۔

Marfat.com

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِهٖٓ اِلَيْكُمْ ؕ اب اگر (میری دعوت سے) تم اعراض کر رہے ہو تو (میرا کوئی نقصان نہیں) میں تم کو وہ پیام پہنچا چکا جس کو پہنچانے کے لئے مجھے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے۔

وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۚ (اگر تم اعراض کرو گے تو اللہ تم کو ہلاک کر دے گا) اور تمہاری جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئے گا۔ جو موحّد ہوں گے اللہ ہی کے عبادت گزار اور اس کے فرماں بردار ہوں گے۔

وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا ؕ اور (روگرداں ہو کر) تم اس کو کچھ ضرر نہ پہنچا سکو گے (بلکہ اپنا ہی نقصان کرو گے) بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہارا وجود و عدم اس کے لئے برابر ہے۔ اس لئے اگر وہ تم کو ہلاک کر دے گا تو اس کا کچھ بگاڑ نہ ہو گا۔

اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۵۷﴾ میرا رب یقیناً ہر چیز کا نگراں ہے تم جو کچھ کر رہے ہو اس سے پوشیدہ نہیں ہے نہ وہ تم کو سزا دینے سے غافل ہے۔ یا یہ مطلب کہ اللہ ہر چیز پر غالب ہے ہر چیز اس کی نگہداشت میں ہے کوئی چیز اس کو ضرر نہیں پہنچا سکتی۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾

اور جب ہمارا حکم (یعنی عذاب کا حکم یا عذاب) ان کو پہنچا تو ہم نے ہودؑ کو اور اس کے ساتھ ایمان لانے والے مؤمنوں کو اپنی مہربانی کے ساتھ بچا لیا اور سخت عذاب سے بچا لیا۔ یعنی ان کے اعمال کی وجہ سے نہیں بلکہ محض اپنی رحمت سے ان کو محفوظ رکھا یا رحمت سے مراد ہے ایمان، یعنی ہم نے جو ایمان ان کو عطا کیا تھا اس کی وجہ سے ان کو محفوظ رکھا۔ مؤمنوں کی کل تعداد چار ہزار تھی۔ عذابِ غلیظ سے مراد ہے طوفان جس سے قوم عاد کو ہلاک کیا گیا تھا۔

وَتِلْكَ عَادٌ ۫ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ اور یہ ہیں عاد کے قبائل یا عاد کی بستیوں کے نشانات جنہوں نے اپنے رب کی آیات کا انکار کیا اور اس کے پیغمبروں کی نافرمانی کی یعنی ہودؑ اور دوسرے پیغمبروں کو نہیں مانا۔ ہر پیغمبر توحید کی دعوت دیتا ہے اور ہر پیغمبر کی تصدیق کرتا ہے اس لئے ایک کا انکار سب کا انکار ہے اور ایک کی نافرمانی سب کی نافرمانی۔ قوم عاد نے ہودؑ کی رسالت کا انکار کیا۔ تو گویا پیغمبروں کا انکار کیا۔

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ اور تمام تر ایسے لوگوں کے کہنے پر چلتے رہے جو ظالم اور ضدی تھے۔

عَنِيْدٌ کسی چیز کو قبول کرنے سے انکار کرنے والے کو کہتے ہیں یہاں مراد ہے حق کو قبول کرنے سے انکار کرنے والا یہ لفظ عَنَدَ يَعْنِدُ عُنُوْدًا ؏ سے مشتق ہے۔ عُنُوْدًا انکار کرنا۔

ابو عبیدہ نے کہا عَنید عنود اور مُعاند مخالفت کرنے والے مقابل کو کہتے ہیں۔ جبارِ عنید سے مراد ہیں قوم عاد کے سرکش سردار یعنی دعوت ایمان دینے والے ہادیانِ برحق کی تو انہوں نے نافرمانی کی اور جو تعلیم ان کے لئے ذریعۂ نجات تھی اس کو ترک کر دیا اور ایسے لوگوں کے پیرو بنے جو کفر کی طرف لے کر جا رہے تھے اور ان کی تعلیم تباہ کن تھی۔

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اور اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے (انسانوں اور فرشتوں کی) لعنت ڈالی گئی اور قیامت کے دن بھی (لعنت پڑے گی)۔

لعنت کا معنی اس جگہ ہے اللہ کی رحمت سے دور کر دینا مردود بنا دینا۔ یعنی انسانوں اور فرشتوں کی طرف سے ان پر لعنت ہونے کی دعا پڑے گی۔

اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ گوشِ ہوش سے سن لو کہ عاد والوں نے اپنے رب کا انکار کیا تھا یا رب کی نعمتوں کی ناشکری کی تھی۔

اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾ ع خوب سن لو دوری ہے (اللہ کی رحمت سے یا ہلاکت ہے) عاد کے لئے جو ہودؑ کی قوم تھی۔

ع ۵ ۱۱ ۵

؏ باب ن، ص، س، کرم تینوں سے اس کا مصدر عُنُوْدًا آتا ہے۔ (مصحح)

Marfat.com

بعدی نے لکھا بُعد کے دو معنی ہیں (۱) دُوری یعنی قُرب کی ضد (۲) ہلاکت۔ وکذا فی القاموس۔ جملہ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ بددعائیہ ہے مراد یہ ہے کہ قوم عاد اپنے مذکورہ جرائم کی وجہ سے اس عذاب کی مستحق تھی جو ان پر آیا (مقصد یہ کہ جملہ اگرچہ دعائیہ انشائیہ ہے مگر خبریہ کے معنی میں ہے دعا دہ شخص کرتا ہے جس کو کسی چیز کی خواہش ہو اور وقتِ دعا تک وہ حاصل نہ ہوئی ہو اللہ تو محتاج نہیں پھر وہ کس طرح اور کس سے دعا کر سکتا ہے اس کے دعائیہ کلام کا مطلب محض خبر ہے اور اس جگہ تو خبر کے ساتھ ساتھ یہ ظاہر کرنا بھی مقصود ہے کہ قومِ عاد عذاب کی مستحق ہی تھی جو عذاب ان پر آیا غلط نہیں آیا۔ (مترجم)

قومِ عاد کی مزید تشنیع ظاہر کرنے اور ان کی حالت کو سبقِ عبرت بنانے کے لئے حرفِ تنبیہ (اَلَا) کو مکرر ذکر کیا۔ قوم ہودؑ کا لفظ اشارہ کر رہا ہے اس بات کی طرف کہ قوم کو استحقاق عذاب و لعنت صرف اس وجہ سے ہوا کہ ہودؑ کی انہوں نے مخالفت کی۔ ہودؑ سے اور قوم کے درمیان جو واقعات ہوئے انہوں نے قوم کو مستحقِ لعنت و عذاب بنا دیا۔ (یہ بھی ممکن ہے کہ قومِ ہودؑ کہنے کی یہ وجہ ہو کہ عاد نام کی دو قومیں گزری ہیں، عادِ اُولیٰ اور عادِ ثانیہ، یعنی قومِ ثمود اور آیت میں عادِ اولیٰ یعنی قوم ہودؑ مراد ہے قومِ ثمود کا ذکر کرنا اس جگہ مطلوب نہیں ہے)

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اور ہم نے ثمود کی طرف ان کے بھائی صالحؑ کو بھیجا، صالحؑ نے کہا اے میری قوم اللہ کی پوجا کرو اس کے سوا تمہارا اور کوئی معبود نہیں ہے کیونکہ

هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ اسی نے تم کو زمین کے مادہ سے پیدا کیا یعنی تم کو آدمؑ (کی نسل) سے پیدا کیا اور آدمؑ کو مٹی سے۔

وَ اسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا اور تم کو زمین میں آباد کیا۔

اِسْتَعْمَرَ کا مادہ عمر ہے اور عمر سے یہ لفظ بنا ہے۔ ضحاک نے ترجمہ کیا ہے تمہاری عمریں دراز کیں، ۳۰۰ سے ۱۰۰۰ برس تک قومِ ثمود والوں کی عمریں ہوتی تھیں۔ قومِ عاد کی بھی یہی عمریں تھیں۔

اِسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا کا یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے تم کو زمین میں آباد ہونے کی قدرت دی تم کو زمین کا آباد کرنے والا اور زمین کا باشندہ بنایا۔

مجاہد نے کہا اِسْتَعْمَرَ کا لفظ عُمْرٰی سے مشتق ہے (عُمْرٰی ہبہ کی ایک قسم ہے عمر بھر کے لئے اگر کوئی چیز کسی کو دے دی جائے اور موہوب لہ کے مرنے کے بعد وہ چیز واہب کی طرف لوٹ آئے تو ایسے ہبہ کو عُمْرٰی کہا جاتا ہے) یعنی اللہ نے یہ زمین تمہارے لئے بنا دی ہے جب تک تم زندہ رہو پھر تمہارے مرنے کے بعد اللہ اپنی ملک میں لے لیتا ہے (یعنی تمہارا عارضی قبضہ بھی ختم ہو جاتا ہے) یا یہ مطلب کہ زمین پر مکانوں میں تم کو عمر بھر رکھا جاتا ہے پھر تمہارے مرنے کے بعد تمہارے مکان دوسروں کو دیئے جاتے ہیں۔

فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ پس تم اللہ سے استغفار کرو نادم و شرمسار ہوتے ہوئے اللہ کی طرف رجوع کرو۔

اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ ۝ بلاشبہ میرا رب اپنے بندوں کے قریب ہے اور ان کی دعاؤں کو قبول کرنے والا ہے۔ یعنی اللہ کا بندوں سے قُرب ذاتی ہے، مگر کیفیت معلوم نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ بندوں سے قریب ہے کہ اس نے وجود عطا کیا یا یہ مراد ہے کہ اللہ کی رحمت اپنے دوستوں سے قریب ہے۔

قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قومِ ثمود نے کہا صالحؑ تم تو ہم میں ہونہار معلوم ہوتے تھے، یعنی ہمیں امید تھی کہ تم ہمارے سردار ہو گے یا یہ مطلب ہے کہ ہم امید کرتے تھے کہ تم ہمارے مذہب پر ہو گے یا یہ مطلب ہے کہ ہم امید کرتے تھے کہ تم ہمارے مذہب پر ہو گے اور ہمارے دین کی طرف رجوع کرو گے۔

قَبْلَ هٰذَآ اس سے پہلے یعنی نبوت کے دعوے اور ترکِ بت پرستی کی دعوت سے پہلے لیکن اب چونکہ ہم نے

Marfat.com

تمہاری یہ باتیں سن لیں تو ہماری امید تم سے ٹوٹ گئی۔

اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا کیا تم ہمیں ان معبودوں کی پوجا سے منع کیا کرتے تھے (حکایتِ حال ماضی یا منع کرتے ہو) جن کی پوجا ہمارے باپ دادا کرتے تھے۔

وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ﴿۶۲﴾ اور جس (توحید کو ماننے اور بت پرستی کو ترک کرنے) کی تم ہم کو دعوت دے رہے ہو ہم قطعی طور پر اس کی طرف سے تردد آفریں شک میں ہیں مُرِیْبٌ (اسم فاعل) اَرَابَ فِی الْاُمُوْرِ سے ماخوذ ہے۔ تردد پیدا کر دینے والا۔ یا اَرَابَهٗ سے ماخوذ ہے بے چینی، اضطراب طبع اور بے اطمینانی پیدا کر دینے والا۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَ

آپ نے فرمایا اے قوم اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلائل پر قائم ہوں اور خدا نے مجھ کو نبوّت سے نوازا ہے تب اگر میں خدا کی نافرمانی کرنے لگوں تو خدا کے عذاب سے مجھے کون بچائے گا۔ چونکہ کافروں کو حضرت صالحؑ کا صاحبِ بصیرت ہونا تسلیم نہ تھا، اس لئے آپ نے بھی لفظ اِنْ شکیّہ بولا ورنہ آپ کو اپنی جگہ یقین تھا کہ میں صداقت و بصیرت پر ہوں) یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِنْ (شرطیہ فکیہ نہ ہو بلکہ) مخففہ ہو۔ یعنی بلاشبہ میں اپنے رب کی طرف سے بینہ پر ہوں۔ رحمت سے مراد ہے نبوّت اور حکمت۔ مِنَ اللّٰہِ سے مراد ہے مِنْ عذابِ اللّٰہ نافرمانی سے مراد ہے تبلیغِ احکام اور ممانعتِ شرک میں کوتاہی کرنا۔

فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ (یعنی اللہ نے جو نبوّت و ہدایت مجھے عطا فرمائی ہے تم اس کی تکذیب کرتے ہو۔ اور اللہ کے عذاب کے مستحق بنتے ہو اور اس میں میرا سراسر نقصان ہے) پس تم لوگ میرے خسارے کو ہی بڑھا رہے ہو۔ حسین بن فضل نے کہا حضرت صالحؑ تو کبھی بھی خسارے میں نہیں رہے۔ آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم میرے لئے خسارہ بڑھا رہے ہو بلکہ تخسیر کا معنی ہے کسی کی طرف خسارے کی نسبت کر دینا۔ خسارہ یاب قرار دینا۔ جیسے تکفیر و تفسیق کا معنی ہے کسی کو کافر اور فاسق قرار دینا۔ کفر و فسق کی طرف منسوب کرنا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری تکذیب سے میرے لئے اس بات کا اضافہ ہو جاتا ہے کہ میں تم کو خاسر قرار دوں اور خسارہ یاب کہوں۔ حضرت ابن عباسؓ نے تخسیر کا ترجمہ کیا ہے خسارے کو دیکھنا یعنی تمہاری تکذیب سے مجھے یوں نظر آتا ہے کہ تم بہت نقصان اٹھاؤ گے، بڑے خسارے میں رہو گے، یا بڑے خسارے اور نقصان میں ہو۔

قوم ثمود نے کہا اپنی نبوّت کو ثابت کرنے کے لئے پتھر کی چٹان سے ایک اونٹنی جو دس ماہہ گابھن ہو برآمد کر دو۔ حضرت نے دعا کر دی، فوراً چٹان سے ایک اونٹنی برآمد ہو گئی، جس کا بچہ بھی فوراً ہو گیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا۔

وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً اور اے قوم والو! یہ (براہ راست بغیر ماں باپ کے پیدا کی گئی) اللہ کی اونٹنی ہے جو تمہارے لئے ایک معجزہ ہے۔

فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ اَرْضِ اللّٰهِ پس اس کو اللہ کی زمین میں گھومتی پھرتی رہنے دو تاکہ زمین کا سبزہ چرتی پھرے اور زمین کا پانی پیتی رہے۔ تم پر اس کی خوراک اور پانی کا کوئی بار نہیں۔

وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ﴿۶۴﴾ اور اس کو بُری نیت سے ہاتھ مت لگانا ورنہ تم کو عذابِ الٰہی سے دوچار ہونا پڑ جائے گا۔

یعنی تین دن میں تم پر عذاب آ جائے گا۔

فَعَقَرُوْهَا پس ثمود نے اس کی کونچیں کاٹ دیں۔ یعنی قوم ثمود کے مشورے اور حکم سے قدار بن سالف نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔

فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿۶۵﴾ صالحؑ نے کہا تم



Marfat.com

اپنے گھر (یعنی دنیا بستی) میں تین روز مزے اُڑاؤ (تین روز کے بعد ہلاک کر دیئے جاؤ گے) یہ جھوٹا وعدہ نہیں ہے۔ یعنی چہار شنبہ، پنجشنبہ اور جمعہ، تین روز زندہ رہو گے، پہلے روز صبح کو تمہارے چہرے زرد ہو جائیں گے، دوسرے روز سرخ اور تیسرے روز سیاہ، پھر سب مر جاؤ گے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ

پھر جب ہمارا (عذاب کا) حکم آپہنچا تو ہم نے صالحؑ کو اور ان کے ساتھ والے مؤمنوں کو اپنی رحمت کے سبب بچالیا اور اس روز کی رُسوائی (یعنی ہلاکت) سے محفوظ رکھا۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿۶۶﴾ بلاشبہ تمہارا رب ہر شے پر قادر اور غالب ہے۔

وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ اور جن لوگوں نے ظلم یعنی کفر کیا تھا ان کو ایک چیخ نے پکڑ لیا۔

یعنی جبرئیلؑ نے ایک چیخ ماری یا آسمان سے ایک کڑک دار چیخ آئی اور زمین سے بھی ایک گرجدار چیخ نکلی جس کی وجہ سے ان کے دل پھٹ گئے۔

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۶۷﴾ اور سب اپنے گھروں میں مردہ ہو گئے (یعنی صبح کو مرے کے مرے رہ گئے۔ مترجم)

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ گویا گھروں میں رہتے ہی نہ تھے۔

اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿۶۸﴾ خوب سن لو (قوم) ثمود نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا۔ خوب سن لو قوم ثمود کو رحمت سے دوری ہوئی۔

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى اور یقیناً پہنچے ہمارے قاصد (ملائکہ) ابراہیمؑ کے پاس (اسحٰقؑ اور یعقوب بن اسحاقؑ کی پیدائش یا قوم لوطؑ کی) ہلاکت کی خوشخبری لے کر۔ بقول حضرت ابن عباسؓ و عطاءؒ یہ ملائکہ تین تھے۔ جبرئیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ۔ محمد بن کعب نے کہا جبرئیلؑ اور ان کے ساتھ سات دوسرے ملائکہ تھے، ضحاک نے کہا نو تھے، مقاتل نے کہا ۱۲ تھے۔ سعدی نے کہا گیارہ تھے، سب ملائکہ خوبصورت لڑکوں کی شکل میں پہنچے تھے۔

قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فرشتوں نے کہا (ہم آپ کو) سلام کرتے ہیں ابراہیمؑ نے کہا تم پر بھی سلام ہو۔ فرشتوں نے جملہ فعلیہ استعمال کیا جو حدوثِ فعلی اور زمانے کو بتا رہا ہے اور حضرت ابراہیمؑ نے سلام کہہ کے جملہ اسمیہ کہا جو استمرار و دوام پر دلالت کر رہا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا جواب فرشتوں کے سلام سے بہتر تھا۔

بعض علماء کے نزدیک سَلٰمٌ سے مراد ہے صلح و سلامتی، یعنی ہماری تم سے دشمنی اور جنگ نہیں ہے دوستی اور صلح ہے۔

فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾ حَنِيْذٌ گرم پتھر پر بھنا ہوا، قاموس میں ہے، حَنَذَ النَّاقَةَ (ماضی) يَحْنِذُ (مضارع) حَنْذًا یا تَحْنَاذًا دونوں مصدر) بکری کا گوشت بھوننا، گوشت پر گرم پتھر بھوننے کے لئے رکھ دے حَنِيْذٌ (صفت مشبہ بمعنی اسم مفعول) بھونا ہوا۔

بعض نے کہا حَنِيْذٌ کا ترجمہ ہے چربی ٹپکتا ہوا، حَنَذْتُ الْفَرَسَ میں نے گھوڑے پر جھول ڈال کر اس کے بدن سے پسینہ نکال دیا۔ قاموس میں ہے حَنَذْتُ الْفَرَسَ گھوڑے کو ایڑ لگائی اور اس کو ایک مخصوص حد تک دوڑا لیا۔ پھر اس پر تہ بہ تہ جھول ڈال کر دھوپ میں کھڑا کر دیا تاکہ خوب پسینہ آجائے۔

مؤخر الذکر ترجمہ پر بطور مجاز فربہ بچھڑا مراد ہو گا اور دوسری آیت میں جو بِعِجْلٍ سَمِيْنٍ آیا ہے اس سے معنیً مطابقت ہو جائے گی۔ قتادہ نے کہا حضرت ابراہیمؑ کا کثیر مال گائیں تھیں (یعنی آپ بطور ذخیرہ گائے پالتے تھے)

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ نَكِرَهُمْ جب ابراہیمؑ نے دیکھا کہ یہ کھانے کی طرف راغب نہیں

Marfat.com

ہیں تو ان سے اجنبیت محسوس کی۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ نَکِرَ (ثلاثی، مجرّد باب سمع) اور اَنْکَرَ (ثلاثی مزید باب افعال) اور اِسْتَنْکَرَ (باب استفعال) ہم معنی ہے۔ قاموس میں ہے تَنَکَّرَ (باب تفعّل) خوش گوار حالت سے بدل کر کسی کا ناگوار حالت پر پہنچ جانا۔

وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً ؕ اور محسوس کیا اپنے دل میں ان کی طرف سے خوف۔ قاموس میں ہے۔ اَوْجَسَ محسوس کیا اور دل میں چھپایا۔ مقاتل نے کہا اَوْجَسَ یعنی حضرت ابراہیمؑ کے دل میں پیدا ہو گیا۔ بغوی نے لکھا ہے وُجُوْسٌ کا اصل (لغوی) معنی ہے داخل ہونا۔ یعنی خوف ابراہیمؑ کے دل میں داخل ہو گیا۔

مِنْهُمْ مہمانوں کی طرف سے دل میں خوف محسوس کیا۔ قتادہ نے کہا اس زمانہ میں ان لوگوں کا دستور تھا کہ اگر مہمان میزبان کا کھانا نہیں کھاتے تھے تو میزبان خیال کرتا تھا کہ یہ لوگ بُرے ارادے سے آئے ہیں ان کی نیت بخیر نہیں ہے رات کو آنے والے مہمان کو کھانا پیش کیا جاتا، اگر وہ کھالیتا تو گھر والے اس کی طرف سے بے خوف ہو جاتے اور نہ کھاتا تو ڈرنے لگتے کہیں یہ چور تو نہیں کہ لوٹنے آیا ہو۔ حضرت ابراہیمؑ کو بھی مہمانوں کی طرف سے برے ارادے کا اندیشہ ہوا۔ صحیح ظاہر مطلب یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ وہ ملائکہ ہیں کیونکہ انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھائے (مگر آپ کو یہ خوف ہوا کہ کہیں اللہ کو میری کوئی حرکت پسند نہ آئی ہو اور فرشتے کوئی مصیبت ڈالنے کے لئے بھیجے گئے ہوں یا ان کی قوم پر عذاب نازل کرنے کے لئے مقرّر کئے گئے ہوں۔

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّاۤ اُرْسِلْنَاۤ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ؕ ملائکہ نے کہا آپ (اپنے یا اپنی قوم کے متعلق مترجم) کوئی خوف نہ کریں ہم کو تو قوم لوط کی طرف ان پر عذاب نازل کرنے کے لئے) بھیجا گیا ہے۔

وَامْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ اور ابراہیمؑ کی بیوی (سارہ بنت ہاران بن ناخور جو حضرت ابراہیمؑ کے چچا کی بیٹی تھی) کھڑی ہوئی تھی۔ پردہ کے پیچھے سے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ بیٹھے ہوئے تھے اور بیوی کھڑی مہمانوں کی خدمت کر رہی تھی۔

فَضَحِكَتْ پس حضرت سارہ بشارت سن کر ہنس پڑیں۔ مجاہد اور عکرمہ نے ترجمہ کیا ہے اس کو اسی وقت حیض ہو گیا۔ عرب بولتے ہیں ضَحِكَتِ الْاَرْنَبُ خرگوش کو حیض ہو گیا۔ قاموس میں بھی یہی ہے ضَحِكَتِ السَّمُرَةُ کیکر کے درخت سے گوند بہنے لگا۔ اکثر اہل تفسیر کے نزدیک اس جگہ ضَحِكَتْ سے مراد ہنس دینا ہی ہے۔ ہنسنے کا سبب کیا تھا علماء نے اس کے مختلف اسباب بیان کئے ہیں۔

(۱) خوشی کی وجہ سے ہنس پڑی تھیں۔ فرشتوں نے جب لَا تَخَفْ کہا تو حضرت ابراہیمؑ کا خوف بھی جاتا رہا اور بیوی کا بھی۔ اس سے خوشی ہوئی اور خوشی سے ہنسی۔

(۲) سدی نے کہا ہنسی کا سبب تعجب تھا، حضرت ابراہیمؑ نے کھانا پیش کیا، مہمانوں نے نہیں کھایا۔ ابراہیمؑ کو ان کی طرف سے خوف ہوا، خیال کیا کہیں یہ چور نہ ہوں، پوچھا کیوں نہیں کھاتے۔ مہمانوں نے کہا ہم بغیر قیمت (ادا کئے) نہیں کھاتے۔ ابراہیم نے کہا تو اس کی قیمت دے دو۔ مہمانوں نے پوچھا قیمت کیا ہے۔ ابراہیم نے کہا کھانے سے پہلے بسم اللہ کہنا اور کھانے کے بعد الحمد للّٰہ کہنا۔ یہ جواب سن کر جبرئیلؑ نے میکائیلؑ کی طرف دیکھا اور کہا اس شخص کو حق ہے کہ اللہ اس کو اپنا خلیل بنالے اس کے بعد بھی حضرت ابراہیمؑ اور سارہ نے مہمانوں کے ہاتھ کھانے کی طرف بڑھتے نہ دیکھے تو سارہ تعجب سے ہنس دیں۔ اور بطور تعجب کہا ہم ان مہمانوں کی خدمت کر رہے ہیں ان کے اعزاز میں کھانا پیش کر رہے ہیں، تعجب ہے کہ یہ نہیں کھاتے۔

(۳) قتادہ نے کہا اس بات پر ہنسیں کہ قوم لوط پر عذاب قریب آگیا اور وہ غفلت میں پڑی ہے۔

(۴) بیوی کو اس بات پر ہنسی آئی کہ میں نے ابراہیمؑ سے جو بات پہلے کہی تھی وہ ہی آخر صحیح نکلی، بیوی نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا تھا لوطؑ کو اپنے پاس بلا لیجئے، مجھے نظر آرہا ہے کہ اس کی قوم پر عذاب آئے گا۔

Marfat.com

(۵) مقاتل اور کلبی نے کہا بیوی کو اس بات پر ہنسی آئی کہ یہ تو تین شخص ہیں جن سے ابراہیمؑ ڈر رہے ہیں اور ابراہیمؑ کے ساتھ تمام نوکر چاکر خدمت گار موجود ہیں پھر ڈرنے کے کیا معنی۔

(۶) بیٹے اور پوتے کی بشارت اور قوم لوطؑ کے ہلاک ہونے کی خبر سن کر خوشی سے ہنس پڑیں۔

(۷) حضرت ابن عباسؓ اور وہب کا قول ہے کہ اس بات پر ان کو تعجب ہوا کہ میرا شوہر بوڑھا اور میں بوڑھی ایسی حالت میں اولاد ہونا عجیب بات ہے۔ اور عبارت میں کچھ تقدیم تاخیر ہے۔ وَامْرَأَتُهُ قَائِمَةٌ کے بعد ہے۔

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ ۙ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ ﴿۷۱﴾ پس ہم نے عورت کو اسحٰقؑ کے پیدا ہونے کی اور اسحٰقؑ کے پیچھے (اسحٰق کے بیٹے) یعقوبؑ کے پیدا ہونے کی بشارت دی۔ اس کے بعد ہے فَضَحِكَتْ یعنی یہ بشارت سن کر وہ ہنس پڑیں۔

عورت کو خصوصیت کے ساتھ بشارت دینے کی تین وجوہ تھیں۔

(۱) یہ بتانا مقصود تھا کہ اسحٰقؑ و یعقوبؑ تیری نسل سے ہوں گے کسی دوسری صورت سے ابراہیمؑ کی یہ نسل نہ ہوگی۔

(۲) اولاد ہونے کی خوشی مردوں سے زیادہ عورتوں کو ہوتی ہے۔

(۳) بیوی بانجھ تھی اور اولاد سے ناامید۔ اس لئے اس کو بشارت دی گئی کہ تیرے لڑکا ہوگا اور پوتا بھی تیرے سامنے ہی ہو جائے گا۔ تو پوتے کو بھی دیکھ لے گی۔ جب بیوی کو اولاد کی بشارت دی گئی تو اس نے منہ پیٹ لیا اور کہا۔

قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِىْ شَيْخًا ۭ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ ﴿۷۲﴾

کہنے لگیں کیا خوب بھلا اس بڑھاپے میں ہمارے بچے ہوں گے یہ بڑے اچنبھے کی بات ہے۔

يٰوَيْلَتٰى کلمۂ تعجب ہے، اصل لغت میں یہ کلمۂ نوحہ ہے (جو کسی کے مرنے پر کہا جاتا ہے) پھر ہر مصیبت اور قابلِ تعجب چیز میں اس کا استعمال کیا جانے لگا۔ حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کی عمر اس وقت بقولِ ابن اسحاق ۹۰ سال اور بقولِ مجاہد ۹۹ سال تھی۔

بَعْلٌ شوہر اصل میں کسی کام کے منتظم کو بَعْلٌ کہا جاتا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ کی عمر اس وقت بقول ابن اسحاق ۱۲۰ برس اور بقول مجاہد ۱۰۰ سال تھی، اور بشارت سے ایک سال بعد بچہ پیدا ہو گیا تھا۔

قَالُوْٓا اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ فرشتوں نے کہا کیا اللہ کے حکم پر تجھے تعجب ہو رہا ہے۔ حکم سے مراد ہے اللہ کی قدرت اور قضاء یعنی اللہ کی قدرت پر تجھے تعجب نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اللہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا، پس وہ چیز ہو جاتی ہے۔

## ایک شبہ

تعجب نام ہے اس حالت کا جو کسی انوکھے اور غیر معمولی امر کو دیکھنے کی وجہ سے انسان کے اندر پیدا ہوتی ہے۔ اور اولاد کی بشارت تھی بھی انوکھی، غیر معمولی چیز، لیکن کسی امر کے غیر معمولی اور انوکھے ہونے سے یہ بات تو نہیں کہی جا سکتی کہ وہ اللہ کی قدرت سے باہر ہے۔ ہر نادر امر اللہ کی قدرت میں داخل ہے اور اس پر تعجب کرنا نامناسب (اور خلافِ فطرت۔ مترجم) بھی نہیں ہے۔ پھر فرشتوں نے حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کے تعجب کا انکار کیوں کیا (اور اس کو نازیبا کیوں قرار دیا۔ مترجم)۔

## ازالہ

کاشانۂ نبوت اور مہبطِ وحی و معجزات میں رہنے والوں کے خصوصی مرتبہ کا تقاضا تھا کہ (روزمرہ) ہونے والے غیر معمولی واقعات اور خارقِ عادت حوادث ان کے لئے غیر معمولی اور کوئی اچنبھے کی چیز نہ ہوں۔ نہ ان کو ان پر کوئی تعجب کرنا چاہئے کوئی

Marfat.com

ہوش مند (مؤمن) ایسے نادر واقعات پر (روز مرّہ دیکھنے کے وجہ سے) تعجب نہیں کر سکتا، حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کی تو ساری عمر ایسے نشانہائے قدرت دیکھنے ہی میں بیتی تھی ان کا تعجب کرنا تو بہت ہی زیادہ تعجب آفریں تھا۔

رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ ؕ اے اہل خانہ تم پر اللہ کی رحمت اور اس کی نازل کردہ برکتیں ہیں یا ہوں۔

بعض علماء نے کہا یہ جملہ دعائیہ ہے بعض نے کہا خبریہ ہے (ہم نے دونوں ترجمے کر دیئے ہیں۔ مترجم) رحمت سے مراد ہے نعمت یا محبت اور برکت سے مراد ہے ہر خیر کی ترقی اور بڑھوتری، بعض علماء کے نزدیک رحمت سے مراد ہے نبوّت اور برکات سے مراد ہیں بنی اسرائیل کے (بارہ) خاندان۔ کیونکہ تمام انبیاء بنی اسرائیل حضرت سارہ کی نسل سے ہوئے ہیں۔

رحمت اللہ مستقل جملہ ہے اور رفع تعجّب کی علّت ہے۔ مطلب یہ کہ اے اہلِ خانہ تم کو بشارتِ اولاد پر تعجب نہ کرنا چاہئے۔ اللہ کی ایسی رحمتیں اور برکتیں تو تمہارے لئے بکثرت موجود ہیں۔ اَهْلَ الْبَيْتِ میں لام کا زیر فعلِ مدح کے محذوف ہونے کی وجہ سے ہے یا نداء کی وجہ سے یا فعلِ تخصیص مقدّر ہونے کی وجہ سے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی ازواجِ مطہّرات اہلِ بیت میں شامل نہ تھیں، آیت میں شیعہ کے اس قول کی تردید ہے (حضرت سارہ کو اہلبیت کے لفظ سے سے مخاطب کیا گیا ہے) لغت کے لحاظ سے اہل خانہ تو بیویاں ہی حقیقت میں ہوتی ہیں، دوسرے لوگوں کو توجیعاً اہلِ بیت کہا جاتا ہے۔

اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ ۝ وہ نہایت قابلِ ستائش بڑی ہی شان والا ہے۔

حَمِيْدٌ یعنی مستحق ستائش کام کرنے والا۔ مجد کے معنی جوہری نے صحاح میں لکھے ہیں (ذاتی) بزرگی اور (افادی) کرم کی وسعت۔ کریم اللہ کی صفت بھی ہے اور انسان کی بھی۔ اللہ کے کرم کا معنی ہے احسان اور پیہم عطائے نعمت، اور انسان کے کریم ہونے کا معنی ہے اس کے اخلاق و افعال کا قابلِ ستائش ہونا جب تک اخلاقِ حمیدہ کا ظہور انسان سے نہ ہو گا اس کو کریم نہیں کہا جا سکتا۔

بغوی نے لکھا ہے (لغت میں) مجد کا اصل معنی ہے بلندیٔ شان۔ بیضاوی نے مجید کا ترجمہ کیا ہے کثیرُ الخَیْرِ وَالاِحْسَان۔ قاموس میں ہے مجید بلند شان والا۔ کریم، شرف والا، فعّال۔

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ پھر جب ابراہیمؑ (کے دل) سے خوف جاتا رہا اور گھبراہٹ دور ہو گئی۔

وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى اور اس کے پاس (اسحٰق و یعقوب کی) بشارت آ گئی۔ یعنی خوف کی جگہ بشارت نے لے لی۔

يُجَادِلُنَا تو ہم سے جھگڑنے لگا۔ یعنی ہم سے کلام کرنے لگا۔ حضرت ابراہیمؑ کا اپنے رب سے جھگڑا کرنا تو ممکن ہی نہ تھا اس لئے جھگڑنے سے مراد ہے سوال اور دعا کرنا۔

عام اہل تفسیر نے (مضاف کو محذوف مانا ہے اور) مطلب بیان کیا ہے ہمارے قاصدوں سے جھگڑنے لگا۔

فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ۝ قوم لوطؑ کے بارے میں۔ حضرت ابراہیمؑ نے ملائکہ سے فرمایا اگر لوط کی بستیوں میں پچاس مؤمن ہوں گے تو کیا تم ان کو ہلاک کر دو گے۔ فرشتوں نے جواب دیا۔ نہیں فرمایا اگر چالیس ہوں۔ فرشتوں نے کہا نہیں۔ (ہلاک کریں گے) فرمایا اگر تیس ہوں۔ فرشتوں نے کہا نہیں۔ اسی طرح آپ پانچ تک پہنچے۔ اور فرشتے نہیں کہتے رہے۔ آخر آپ نے فرمایا اگر وہاں ایک مسلمان ہو گا تو کیا تم اس کو ہلاک کر دو گے۔ فرشتوں نے کہا نہیں، حضرت نے فرمایا تو وہاں لوطؑ موجود ہے (اس لئے تم ان بستیوں کو ہلاک نہ کرو) فرشتوں نے کہا ہم خوب جانتے ہیں کہ وہاں کون (کون مؤمن) ہے۔ ہم لوطؑ کو اور ان کی بیوی کے علاوہ دوسرے گھر والوں کو بچا لیں گے۔ ان کی بیوی پیچھے رہ جانے اور ہلاک ہو جانے والے لوگوں میں شامل ہو گی۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۝ واقعی ابراہیمؑ بڑے حلیم الطبع، رحیم المزاج اور رقیق القلب تھے۔

Marfat.com

لَحَلِیْمٌ سے مراد ہے مجرم سے انتقام لینے میں جلدی نہ کرنے والا (بردبار، محمل مزاج) اَوَّاہٌ گناہوں پر بہت زیادہ آہ آہ کرنے والا، اور لوگوں کی حالت پر بڑا افسوس کرنے والا۔ مُنِیْبٌ اللہ کی طرف رجوع کرنے والا۔ قاموس میں ہے اَوَّاہٌ یقین کرنے والا۔ یا بہت دعا کرنے والا، یا مہربان، نرم دل، یا دانش مند۔ حبشی زبان میں اَوَّاہٌ کا معنی ہے مؤمن۔

حضرت ابراہیمؑ نے قوم لوط کو ہلاک نہ کرنے کے متعلق جو ملائکہ سے جھگڑا کیا اس کی وجہ آپ کے یہ تین اوصاف تھے، آپ کا دل نرم تھا، آپ کے دل میں بڑا جذبۂ رحم تھا، آپ مجرم سے انتقام لینے میں عجلت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ آخر ابراہیمؑ کے جواب میں فرشتوں نے کہا۔

یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۚ ابراہیم! یہ جھگڑا چھوڑو (قضاء ازلی کے موافق قوم لوط پر عذاب نازل ہونے کا) تمہارے رب کا حکم ہو چکا۔

وَاِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ۝۷۶ اور ان پر عذاب ضرور آئے گا جو لوٹایا نہیں جاسکتا نہ جھگڑے سے نہ دعا سے، نہ کسی اور طرح سے۔

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا اور جب ہمارے قاصد (یعنی وہی ملائکہ) لوطؑ کے پاس پہنچے۔ نوخیز خوبصورت بے ڈاڑھی مونچھ کے لڑکوں کی شکل میں۔

سِیْٓءَ بِهِمْ تو لوط کو ان کا آنا ناگوار ہوا۔ حضرت لوطؑ ان کو آدمی سمجھے اس لئے (قوم کی طرف سے خطرے کے زیر اثر) آپ کو فکر ہو گئی کہ کہیں قوم والے کچھ ناشائستہ ارادہ نہ کریں اور میں ان کو دفع کرنے پر قادر نہ ہوں۔

وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا ان قاصدوں کی وجہ سے لوطؑ دل تنگ ہوئے۔

بغوی نے ذَرْعٌ کا ترجمہ کیا ہے دل، بیضاوی نے لکھا ہے ان کی موجودگی سے لوط کا سینہ تنگ ہو گیا یعنی آنے والی مصیبت کو دفع کرنے کی قوت نہ تھی اور کوئی تدبیر نظر نہ آتی تھی۔ اس لئے آپ کے دل میں کوفت پیدا ہو گئی کہ اب کیا کروں، میں کہتا ہوں ذَرْعٌ کا لغت میں معنی ہے بانہہ یا کلائی مجازاً قوت مراد ہوتی ہے۔ یَدٌ سے بھی بطور مجاز قوت مراد ہوتی ہے، یہاں مراد یہ ہے کہ ان کی قوت مدافعت سے عاجز ہو گئی کذا فی القاموس۔

وَّقَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ۝۷۷ اور کہا یہ بڑا سخت دن ہے۔

قتادہ اور سدی کا بیان ہے کہ ابراہیمؑ کے پاس سے نکل کر فرشتے لوطؑ کے پاس ان کی بستی میں دوپہر کے وقت پہنچے، لوطؑ اپنی زمین میں کچھ کام کر رہے تھے یا لکڑیاں جمع کرنے جنگل کو گئے تھے اور اللہ نے حکم دے دیا تھا کہ جب تک چار مرتبہ لوطؑ اپنی قوم کے خلاف شہادت نہ دے دے تم ان کو ہلاک نہ کرنا۔ فرشتوں نے لوطؑ کے پاس بطور مہمان رُکنا چاہا لوطؑ ان کو لے کر چل دیئے، تھوڑی دیر چلے تھے کہ آپ نے مہمانوں سے پوچھا تم کو اس بستی کی حالت بھی معلوم ہے۔ فرشتوں نے پوچھا ان کی کیا حالت ہے۔ آپ نے فرمایا اس زمین پر سب سے زیادہ بد عمل بستی ہے۔ حضرت نے یہ الفاظ چار مرتبہ کہے غرض ملائکہ آپ کے ساتھ آپ کے گھر آگئے۔ یہ بھی منقول ہے کہ آپ لکڑیاں اٹھائے آرہے تھے اور فرشتے پیچھے پیچھے تھے، قوم کی ایک جماعت کی طرف سے گزر ہوا ان لوگوں نے آپس میں آنکھ ماری، حضرت لوطؑ نے فرمایا اللہ کی مخلوق میں میری قوم سب سے زیادہ بُری ہے، اسی طرح دوسری جماعت کی طرف سے گزر ہوا تو انہوں نے بھی ایسا ہی کیا اور حضرت نے یہی فرمایا، میری جماعت کا قصہ بھی یونہی ہوا۔ حضرت لوطؑ جب بھی مذکورہ الفاظ زبان سے ادا کرتے تھے حضرت جبرئیلؑ فرشتوں سے کہتے تھے گواہو ہو، آخر حضرت لوطؑ اپنے گھر پہنچ گئے۔ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ فرشتے حضرت لوطؑ کے گھر پوشیدہ طور سے آئے تھے اور گھر والوں کے سوا کسی کو ان کا آنا معلوم نہ تھا لوطؑ کی بیوی نے جا کر اپنی قوم کو اطلاع دی کہ لوطؑ کے گھر ایسے لوگ آئے ہیں کہ ان سے زیادہ خوبصورت میں نے کوئی آدمی نہیں دیکھا۔

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ؕ اور لوطؑ کے پاس اس کی قوم والے لپکتے ہوئے آئے۔ حضرت ابن عباسؓ اور

Marfat.com

قتادہ نے ترجمہ کیا ہے تیز تیز آئے۔ مجاہد نے کہا لپکتے آئے۔ شمر بن عطیہ نے کہا تیز چال اور لپکنے کے درمیان چال سے آئے۔ حسن نے کہا دونوں چالوں کے درمیانی رفتار سے آئے۔ صاحب قاموس نے ہَرْع کا ترجمہ کیا ہے، ایسی چال جس میں جھپک اور تیزی ہو۔

يُهْرَعُوْنَ (فعل مجہول) انتہائی سرعت و اضطراب پر دلالت کر رہا ہے، گویا کوئی (اندرونی یا بیرونی قوت) ان کو تیز تیز لئے جا رہی تھی۔

وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ اور اس سے پہلے بھی وہ بُری حرکتیں کرتے رہے تھے۔ مردوں سے لواطت کرتے تھے اور طرح طرح کی فحش حرکتوں کے عادی تھے بے حیا ہو گئے تھے اسی لئے ایسے برے ارادے سے علی الاعلان لپکتے جھپکتے آئے تھے۔

قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ لوط نے کہا اے میری قوم یہ میری لڑکیاں ہیں۔ یعنی تم ان سے نکاح کر لو۔ پہلے حضرت کی لڑکیوں سے نکاح کرنے کی درخواست قوم والوں نے کی تھی مگر ان کی بدکاریوں کو دیکھ کر آپ نے انکار کر دیا تھا۔ درخواست کو رد کر دینے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ کافر تھے۔ کافروں سے نکاح کی حرمت تو شریعت اسلامیہ میں بعد کو ہوئی ہے، پہلے ازدواجی رشتہ کا فرو مؤمن کا جائز تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی دونوں صاحبزادیوں کا رشتہ عتبہ بن ابی لہب اور ابو العاص بن ربیع سے نزول ممانعت سے پہلے کیا تھا۔ حسین بن فضل نے کہا حضرت لوط نے اپنی لڑکیوں سے نکاح کی پیش کش ان کے مسلمان ہو جانے کی شرط پر کی تھی، مجاہد اور سعید بن جبیر نے کہا بَنَاتِيْ سے قوم کی ساری عورتیں مراد ہیں، ہر نبی اپنی امت کا باپ ہوتا ہے حضرت ابی بن کعب کی قرأت میں آیت اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ کے آخر میں وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ بھی آیا ہے اس قول مذکور کی تائید ہوتی ہے۔ اس قول کی تائید اس امر سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت لوط کی لڑکیاں دو تھیں اور لڑکوں کی طلب گار پوری جماعت تھی، دو لڑکیوں کا ایک جماعت سے نکاح کیسے ممکن تھا جو لوگ بنات سے مراد حضرت لوط کی لڑکیاں لیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ قوم لوط کے دو سردار تھے، سب لوگ ان کا حکم مانتے تھے، انہی دونوں سے آپ نے اپنی لڑکیوں کا نکاح کرنا چاہا تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت لوط نے جو هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ فرمایا اس سے نکاح کی حقیقتاً پیشکش مقصود نہ تھی بلکہ) مقصد تھا قوم والوں کی بدترین خباثت کا اظہار اور دفاع۔

هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ وہ زیادہ پاک ہیں تمہارے لئے (اس کا یہ مطلب نہیں کہ لواطت پاک ہے اور امرد پرستی سے لڑکیوں سے نکاح زیادہ پاک ہے) مطلب یہ کہ تمہارے لئے اس فعل میں زیادہ نظافت ہے یا اسی میں بے حیائی کم ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی کہے چھینے ہوئے مال سے تو مردار زیادہ پاک اور زیادہ حلال ہے (ظاہر ہے کہ حلال نہ مردار ہے نہ مال مغصوب مگر مالِ مغصوب کی زیادہ برائی ظاہر کرنے کے لئے ایسا جملہ بولا جاتا ہے)

فَاتَّقُوا اللّٰهَ پس اللہ سے ڈرو۔ یعنی ان بے حیائی کے کاموں کو ترک کرو۔

وَلَا تُخْزُوْنِ اور مجھے رُسوا نہ کرو۔ یہ لفظ یا خِزْیٌ سے بنا ہے خِزْیٌ کا معنی ہے رُسوائی (اسی کی مطابق ترجمہ کیا گیا ہے) یا خزایۃ سے بنا ہے خزایۃ کا معنی ہے حیا۔ یعنی مجھے شرمندہ نہ کرو۔

فِيْ ضَيْفِيْ ؕ میرے مہمان کے معاملہ میں۔ مہمان کو ذلیل کرنے کا معنی ہے میزبان کو ذلیل کرنا۔

اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝ کیا تم میں کوئی بھی ہدایت یافتہ نہیں جو حق پر چلے اور بُری حرکتوں سے پرہیز کرے۔

ابن اسحٰق نے رَشِيْدٌ کا ترجمہ کیا ہے بھلائی کا حکم دینے والا، برائی سے روکنے والا۔

قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ قوم والوں نے کہا (لوط) تم جانتے ہو کہ تمہاری لڑکیوں پر ہمارا کوئی حق نہیں۔ یعنی وہ ہماری بیویاں نہیں، ان سے ہمارا نکاح نہیں ہوا کہ ہم ان کے حقدار بن جائیں۔

Marfat.com

بعض علماء نے اس جملہ کا یہ مطلب بیان کیا کہ تمہاری لڑکیوں کی ہم کو کوئی ضرورت نہیں۔

وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ﴿٧٩﴾ اور ہمارا جو کچھ ارادہ ہے اس کو تم یقیناً جانتے ہو، یعنی ہم لڑکوں کو چاہتے ہیں۔

قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً لوط نے (ان سے) کہا اگر میرے بدن کے اندر تم کو دفع کرنے کی طاقت ہوتی۔

تو میں بچاؤ کر لیتا تم کو دفع کر دیتا۔

اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ﴿٨٠﴾ یا میں کسی مضبوط پایہ کی پناہ پکڑ سکتا۔ یعنی یا میرا خاندان طاقتور ہوتا اور مجھے برادری کی طاقت حاصل ہوتی تو میں برادری کی قوت پر تم سے اپنی حفاظت کر لیتا۔ رُكْنٌ شَدِيْدٌ (مضبوط ستھم) سے قوت و استحکام میں اپنے خاندان کو تشبیہ دی۔ اس سے مراد ہے قوی پہلو۔ صاحب قاموس نے رُکن کے معنی لکھے ہیں قوی ترین پہلو قوت کے تمام اسباب جیسے حکومت، فوج، عزت، غلبہ، اقتدار۔ بخاری و مسلم نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ میرے بھائی لوطؑ پر رحم فرمائے وہ رکنِ شدید کی پناہ لینے کے خواستگار ہوئے تھے۔ دوسری روایت میں رحم فرمائے کی جگہ معاف فرمائے کا لفظ آیا ہے۔

ابن عساکر اور اسحٰق نے بسند جریر و مقاتل بروایت ضحاک حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے اور بغوی نے بھی یہی بیان کیا ہے کہ حضرت لوطؑ نے دروازہ بند کر لیا ملائکہ اندر گھر میں تھے اور دروازہ کے اندر سے ہی آپ قوم والوں سے جھگڑا کر رہے تھے اور ان کو نصیحت دے رہے تھے وہ لوگ سب دروازہ کے باہر تھے آخر وہ لوگ دیوار پھاند کر اندر جانے کی تدبیر کرنے لگے، جب ملائکہ نے لوطؑ کی یہ حالت دیکھی تو۔

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ انہوں نے کہا لوطؑ ہم آپ کے رب کے فرستادہ ہیں ان لوگوں کی دسترس آپ تک ہرگز نہیں ہو سکے گی دروازہ کھول دیجئے اور ہم کو ان سے نبٹنے دیجئے حضرت لوطؑ نے دروازہ کھول دیا، وہ لوگ اندر گھس آئے جبرئیلؑ نے اپنے رب سے عذاب نازل کرنے کی اجازت طلب کی، اجازت مل گئی تو انہوں نے اپنی وہی صورت اختیار کر لی۔ جوان کی عموماً اور معمولاً ہوتی ہے پر پھیلا دیئے، موتیوں کا ہار پہنے، چمکدار دانت، جھلکتی پیشانی، سر کے بال گھنگریالے برف کی طرح سفید اور دونوں پاؤں مائل بہ سبزی (یہ شکل تھی حضرت جبرئیلؑ کی) پھر جبرئیلؑ نے اپنا ایک پر اُن لوگوں کے منہ پر مارا جس کی وجہ سے ان کی آنکھیں پٹ نابینا ہو گئیں، گھروں کا راستہ بھی سُجھائی نہیں دیتا تھا فوراً یہ کہتے ہوئے پلٹ پڑے بھاگو بھاگو لوطؑ کے گھر میں روئے زمین کے سب سے بڑے جادوگر آئے ہیں جنہوں نے ہم پر جادو کر دیا پھر حضرت لوطؑ سے کہنے لگے ذرا ٹھہرو صبح ہونے دو کل صبح ہم تم سے سمجھیں گے صبح کو تم کو پتہ چل جائے گا۔ لوطؑ نے فرشتوں سے قوم والوں کے ہلاک ہونے کی میعاد دریافت کی، فرشتوں نے کہا صبح کو ــــــ لوطؑ نے کہا میں اس سے بھی جلد چاہتا ہوں۔ ابھی ان کو ہلاک کر دو تو بہتر ہے۔ فرشتوں نے کہا کیا صبح قریب نہیں ہے۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ آپ اپنے گھر والوں کو لے کر کچھ رات سے ہی چل دیجئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے قطع کا ترجمہ کیا ہے ایک ٹکڑا۔ ضحاک نے کہا بقیہ شب، قتادہ نے کہا اول رات گزرنے کے بعد۔ بعض نے فجرِ اول (صبح کاذب)

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اور تم میں سے کوئی پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھے۔ یعنی کوئی تمہارے ساتھ سے مڑ کر پیچھے نہ رہ جائے۔

قاموس میں ہے لَفَتَهٗ اس کو موڑ دیا، رائے سے پھیر دیا۔ التفات (افتعال) اور تلفّت (تفعّل) اسی سے بنا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ثلاثی مجرد (لفت، متعدی سے اور ثلاثی مزید (افتعال اور تفعّل) لازم۔ بعض نے لایلتفت کا ترجمہ کیا ہے کوئی پیچھے کو نہ دیکھے۔ رات سے سب کو لے کر نکلنے کا حکم تو لوطؑ کو دیا گیا اور منہ پھیر کر پیچھے کو نہ دیکھنے یا مڑ کر پیچھے نہ رہ جانے کا حکم لوطؑ کے ساتھ والوں کو دیا گیا۔



Marfat.com

اِلَّا امۡرَاَتَکَ مگر اپنی عورت کو ساتھ لے کر نہ نکلو یا سوائے تمہاری عورت کے اور کوئی مڑ کر پیچھے کو نہ دیکھے۔

بغوی وغیرہ نے لکھا ہے کہ اِلَّا امۡرَاَتَکَ کا استثناء فَاَسۡرِ بِاَھۡلِکَ سے ہے۔ یعنی بیوی کو ساتھ نہ لو۔ قوم کے ساتھ چھوڑ دو۔ اس کا میلان قوم کی طرف ہے اس مطلب کی تائید حضرت مسعودؓ کی قرأت سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کی روایت میں آیت اس طرح ہے فَاَسۡرِ بِاَھۡلِکَ اِلَّا امۡرَاءَ تَکَ وَلَا یَلۡتَفِتۡ مِنۡکُمۡ اَحَدٌ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ زوجۂ لوطؑ کو ساتھ لے کر نکلنے کے متعلق دو روایتیں ہیں ایک روایت میں ساتھ لے کر نکلنا مذکور ہے اس وقت ساتھ والوں کو حکم دیا گیا تھا کہ کوئی مڑ کر پیچھے نہ دیکھے یا پیچھے رہ نہ جائے، مگر عورت نے منہ پھیر کر اپنی قوم کی طرف دیکھا اور ان کو ہلاک ہوتے دیکھ کر کہا ہائے میری قوم والے تباہ ہو گئے۔ دوسری روایت میں ہے کہ عورت کو کافروں کے ساتھ چھوڑ کر جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ کیونکہ عورت کا قلبی جھکاؤ قوم کی طرف تھا۔ اسی اختلاف روایت کی وجہ سے اِلَّا امۡرَاَتَکَ کے اعراب میں اختلاف منقول ہے ایک میں اِلَّا امۡرَاَتَکَ آیا ہے اور دوسری روایت میں اِلَّا امۡرَاَتُکَ کذا قال صاحب المدارک۔

اور چونکہ دونوں روایتوں کی بناء پر مفہوم حکم میں تضاد ہو جاتا ہے اور اس تضاد کو دور نہیں کیا جا سکتا اس لئے ایک روایت یقیناً غلط ہے یہی وجہ ہے کہ بیضاوی نے صراحت کی ہے کہ کوئی قرأت بھی مانی جائے بہر حال اِلَّا امۡرَاَتَکَ استثناء لَا یَلۡتَفِتۡ مِنۡکُمۡ اَحَدٌ سے قرار دینا اولیٰ ہے یعنی التفات کی ممانعت سے عورت مستثنیٰ تھی یعنی اس کو ممانعت نہ تھی، لیکن کیا اس کو التفات کی اجازت تھی یہ بات آیت میں مذکور نہیں ہے۔

اِنَّہٗ مُصِیۡبُھَا مَاۤ اَصَابَھُمۡ جو عذاب قوم والوں پر آئے گا وہ اس عورت پر بھی یقیناً آئے گا۔ بیضاوی کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن مسعودؓ کی قرأت کی بنا جو دان کی تفسیر پر ہے۔ جب کہ اکثر اہل تفسیر کا خیال ہے کہ استثناء اہل سے ہے یعنی قرأت ابن مسعودؓ روایت پر مبنی نہیں بلکہ ابن مسعودؓ نے چونکہ استثناء اہل سے قرار دیا ہے اور آیت کی تفسیر اسی طرح کی ہے اس لئے آپ نے اس جگہ اعراب بھی وہی پڑھا جو تفسیر کے مناسب تھا۔ میں کہتا ہوں اِمۡرَاَتَکَ کی تاء پر اگر زبر پڑھا جائے تو استثناء منقطع بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حضرت لوطؑ کی بیوی مؤمنہ صالحہ نہ تھیں اس لئے حضرت لوطؑ کے اہل میں داخل ہی نہیں تھیں۔ حضرت نوحؑ کے بیٹے کو عدم صلاح کی بناء پر اہل نوحؑ میں شمار نہیں کیا گیا اور جب وہ اہل لوطؑ میں داخل نہ تھیں تو لَا یَلۡتَفِتۡ مِنۡکُمۡ اَحَدٌ سے جن لوگوں کو خطاب کیا گیا وہ ان سے خارج تھی۔ ہاں اگر اِمۡرَاَتُکَ کی تاء پیش پڑھا جائے تو ضرور اہل لوط میں داخل رہے گی مگر اس داخلے کی وجہ صلاحیت اعمال و ایمان نہیں بلکہ محض رشتۂ زوجیت تھا زوجیت کی وجہ سے عورت لوطؑ کی اہل تھی اور صلاح اعمال نہ ہونے کی وجہ سے آپ کی اہل نہیں بھی تھی دونوں اعتبارات مختلف ہیں۔

میں کہتا ہوں دونوں قرأتوں کا اختلاف اس وجہ سے نہیں ہے کہ ایک روایت میں عورت کا نکلنا مذکور ہے اور دوسری روایت میں نہ نکلنا۔ بلکہ زبر کی قرأت اس بناء پر ہو سکتی ہے کہ اِمۡرَاَتَکَ کا اہل سے استثناء ہے اور پیش کی قرأت پر اَحَدٌ سے استثناء ہے اول صورت میں یہ مطلب ہو گا کہ اپنے اہل کے ساتھ نکل جاؤ۔ بیوی کو ساتھ نہ لو۔ ان الفاظ کا یہ مطلب نہیں کہ جن کو ساتھ لے کر جانے کا حکم دیا گیا وہ ساتھ گئے بھی تھے یا نہیں گئے تھے ایسی صورت میں نافرمان بیوی کا ساتھ جانا ضروری نہیں۔ جبکہ ساتھ لے جانے کا لوطؑ کو حکم بھی نہیں دیا گیا نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ ساتھ نہیں گئی۔ اور اگر اَحَدٌ سے استثناء مانا جائے تو حضرت لوطؑ کے ساتھ والوں کو منہ پھیر کر دیکھنے کی ممانعت ہو جائے گی۔ بیوی کو ممانعت نہیں ہو گی اس صورت میں بھی بیوی کا ساتھ جانا نہ جانا معلوم نہیں ہوتا۔ دونوں باتوں کی طرف سے آیت میں سکوت ہے، ممکن ہے وہ گئی ہو اور منہ پھیر کر دیکھا ہو اور ممکن ہے ساتھ ہی نہ گئی ہو خواہ لوطؑ نے اس کو بھی حکم دیا ہو۔ کیونکہ بہر حال وہ سرکش اور نافرمان تھی ماننے والی نہ تھی۔

شاید بیضاوی نے جو لفظ اَولیٰ استعمال کیا ہے اور واجب کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ اس کی مصلحت یہی ہو۔

Marfat.com

اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ ان پر عذاب آنے کا وقتِ وعدہ یقیناً صبح ہے۔ یہ سابق حکم کی گویا علّت ہے۔ یعنی تم اپنے ساتھیوں کو لے کر رات ہی سے نکل جاؤ، اس لئے کہ ان لوگوں کی ہلاکت کا وقت صبح مقرّر کر دیا گیا ہے۔ لیکن جب حضرت لوطؑ نے درخواست کی کہ جلد عذاب آجائے تو فرمایا۔

اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ کیا صبح قریب نہیں ہے۔

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا پر جب ہمارا حکم (یعنی عذاب کا حکم یا عذاب) آگیا۔ اول مفہوم کی تائید اگلی آیت سے ہو رہی ہے۔

جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا تو ہم نے ان بستیوں کو الٹ کر زیر و زبر کر دیا۔ یعنی الٹ دیا اوپر کا تختہ نیچے اور نیچے کا اوپر کر دیا اگرچہ یہ فعل ملائکہ کا تھا ملائکہ نے اُلٹا تھا لیکن چونکہ بحکمِ الٰہی تھا اس لئے الٹنے کی نسبت اللہ نے اپنی طرف کی۔ اس سے اپنے امر کی عظمت کا اظہار مقصود ہے۔ بغوی نے لکھا ہے قوم لوط کی پانچ بستیاں تھیں حضرت جبرئیلؑ نے بستیوں کے نیچے اپنا ایک بازو ڈال کر اتنا اٹھا لیا کہ اوپر والوں نے مرغ کی بانگ کی اور کُتوں کے بھونکنے کی آواز سنی اور کسی کا کوئی برتن بھی نہ اُلٹا نہ کوئی سویا ہوا شخص بیدار ہوا پھر بالکل اُلٹ دیا۔ سب زیر و زبر ہو گئے۔ ان پانچوں شہروں کی آبادی چار لاکھ یا چار کروڑ تھی۔ ان بستیوں کو مُؤتَفِکَات الٹی ہوئی بستیاں کہا جاتا ہے۔

ابن جریرؒ ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے سعید بن جبیرؓ کی روایت سے بھی یہی نقل کیا ہے۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ اور ہم نے ان پر کنکریلے پتھر برسائے یعنی ان کو الٹنے کے بعد اوپر سے سنگ باری کی۔ یا یہ مطلب کہ جو اِدھر اُدھر بچے کھچے مقامات میں راہ گیر رہ گئے تھے۔ ان پر کنکروں کی بارش کی اور اس طرح ان کو ہلاک کر دیا۔

حضرت ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ کا قول ہے کہ سجیل سنگِ گِل کا معرب ہے قتادہ اور عکرمہ کا قول ہے کہ سجیل سے مراد ہے کیچڑ، کیونکہ دوسری آیت میں آیا ہے۔ لِنُرْسِلَ عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ طِيْنٍ۔ مجاہد نے کہا شروع میں پتھر اور آخر میں خشک کیچڑ کی بارش کی۔ حسن نے کہا وہ پتھر اصل میں کیچڑ ہی کے تھے کیچڑ خشک ہو کر پتھر ہو گئی تھی۔ ضحاک نے کہا سجیل سے مراد ہیں پختہ اینٹیں۔

بعض علماء نے کہا کہ سجیل کا لفظ سجل سے بنا ہے اسجال کا معنی ہے رواں کر دینا، دے دینا گویا ہر پتھر بھیجا ہوا اور دیا ہوا تھا یا سجل سے ماخوذ ہے سجل لکھا ہوا۔ یعنی اللہ نے پتھروں پر لکھ دیا تھا کہ قوم لوط کو ان سے عذاب دیا جائے گا۔ بعض نے کہا سجیل اصل میں سجین دوزخ کا ایک طبقہ تھا نون کو ل سے بدل دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دنیوی آسمان کا نام سجیل ہے۔ بعض نے کہا کہ سجیل آسمان میں پہاڑ ہیں، اللہ نے فرمایا ہے وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ

مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ حضرت ابن عباسؓ نے اس کا ترجمہ کیا ہے پیہم نَضْدٌ کا معنی ہے ایک چیز پر دوسری چیز چننا۔

مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ جو نشان زدہ تھے تمہارے ربّ کے پاس۔ ابن جریج نے کہا ان پتھروں پر ایک خاص علامت تھی وہ زمین کے پتھروں کے ہم شکل نہ تھے۔

قتادہ اور عکرمہ نے ان پر سُرخ دھاریاں بتائی ہیں۔ حسن اور سدی نے کہا وہ مُہر زدہ تھے، مہر کی طرح ان پر نشان تھا۔ ہر پتھر پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس پر وہ گرنے والا تھا۔

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ اور وہ (اجاڑ بستیاں) ان ظالموں سے کچھ دور نہیں۔ الظّٰلِمِيْنَ سے مراد ہے مشرکینِ مکہ۔ بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ اور عکرمہ کے نزدیک الظّٰلِمِيْنَ سے مراد ہیں اس امّت کے ظالم، ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے بھی قتادہ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے۔ یعنی اس امّت کے ظالم بھی اس امر کے مستحق ہیں کہ ان پر سنگباری کی جائے۔ قتادہ اور عکرمہ نے کہا اللہ نے کسی ظالم کو ان پتھروں سے محفوظ نہیں رکھا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ بعض آثار میں آیا ہے کوئی ظالم ایسا نہیں کہ وہ پتھر کے نشانے پر نہ ہو۔ ہر ظالم پر ہر وقت پتھر گر سکتا ہے۔ بیضاوی میں ہے کہ

ع ۱۵ النصف

Marfat.com

رسول اللہ ﷺ کے دریافت کرنے کے بعد حضرت جبرئیلؑ نے کہا کہ آپ کی امت کے ظالم مرد ہیں کوئی ظالم ایسا نہیں کہ وہ پتھر کے نشانے پر نہ ہو ہر وقت پتھر اس پر گر سکتا ہے۔ سیوطی نے لکھا ہے ثعلبی نے اس کو بغیر سند کے نقل کیا ہے اور مجھے اس کی سند معلوم نہیں۔ دُرِّ منثور میں ہے کہ ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے آیت مذکورہ کے ذیل میں ربیع کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ہم نے جو کچھ سنا ہے وہ یہ ہے کہ ہر ظالم کی سیدھ میں ایک پتھر موجود ہے جو اس بات کا منتظر ہے کہ کب اس کو ظالم پر گرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ ھِیَ ضمیر ان بستیوں کی طرف راجع ہے جو شام کو جاتے ہوئے کفارِ مکہ کے راستہ میں اِدھر اُدھر پڑتی تھیں۔

بَعِیْدٌ کو بصیغۂ مذکر لانا (باوجود یہ کہ ضمیر ھی مؤنث ہے) اس وجہ سے ہے کہ ھی سے مراد پتھر یا مقام ہے (یعنی لفظ مؤنث کا اعتبار نہیں کیا گیا بلکہ معنی کے لحاظ سے مذکر کا صیغہ استعمال کیا گیا)۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ۔ اور ہم نے قومِ مدین کے نسبی بھائی شعیبؑ کو اہلِ مدین کی طرف (ہدایت کے لئے) بھیجا۔

حضرت ابراہیمؑ کے ایک بیٹے کا نام مدین تھا اسی کے نام پر حضرت شعیبؑ کی بستی کا نام بھی مدین رکھ دیا گیا تھا۔ آیت میں مراد اہلِ مدین (مدین کے باشندے) یا مدین کی نسل ہے۔

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ

شعیبؑ نے کہا اے میری قوم! صرف اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود واقع میں نہیں ہے اور ناپ تول میں (خریداروں کے ساتھ یا آپس میں) کمی نہ کرو۔ توحید پر ہی تمام احکام کا مدار ہے اس لئے اول توحید کی تبلیغ کی، پھر ناپ تول کی کمی سے روکا۔ قوم شعیب والے ناپ تول میں بے ایمانی کے خوگر تھے اور بے ایمانی عدل کے خلاف ہے اور تبادلہ اشیاء کی حکمت کے بھی منافی ہے۔

اِنِّیْ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ ۔ میں تم کو فراغت کی حالت میں دیکھتا ہوں۔ یعنی میں تم کو مالدار پاتا ہوں، آرام اور چین سے ہو۔ لوگوں کے حق مارنے اور ناپ تول میں کمی کرنے کی تم کو ضرورت نہیں ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ نعمتیں اور آسائشیں تم کو حاصل ہیں جن کا تقاضا ہے کہ تم اللہ کا شکر کرو اور لوگوں پر مہربانی کرو۔ کسی کا حق مارنے کا تو کوئی مقام ہی نہیں ہے۔ مجاہد نے کہا حضرت شعیبؑ نے ان کو ڈرایا کہ اگر توبہ نہ کرو گے تو یہ نعمت تم سے چھین لی جائے گی ہر چیز کا نرخ گراں ہو جائے گا اور اللہ کا عذاب آجائے گا۔

وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ مُّحِیْطٍ ﴿۸۴﴾ ۔ اور مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے اس دن کے عذاب کا جو طرح طرح کی تکلیفوں کو اپنے گھیرے میں لینے والا ہوگا۔ یعنی مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر اس روز کا عذاب آجائے گا جو تم کو گھیر لے گا اور سب کو ہلاک کر دے گا۔ کوئی بھی نہیں بچے گا۔ بعض لوگوں نے مُحِیْط کا ترجمہ کیا ہے ہلاک کرنے والا۔ اَحَاطَ بِثَمَرِهٖ اور اس کے پھل تباہ کر دیئے گئے۔ عذابِ یوم محیط سے مراد ہے روزِ قیامت کا عذاب یا سب کی جڑ بنیاد اکھاڑ پھینکنے اور سب کو تباہ کر دینے کا عذاب۔

---

وَ یٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْیَالَ وَالْمِیْزَانَ ۔ اور اے میری قوم! ناپ تول پوری پوری کیا کرو۔ پہلے ناپ تول میں کمی کرنے کی ممانعت تھی (جس سے ضمناً پورا ناپنے تولنے کا حکم معلوم ہو گیا) پھر زور دینے کے لئے اس جملہ میں صراحۃً پورا ناپنے تولنے کا حکم دیا اس صریح حکم سے اس امر پر بھی تنبیہ ہو گئی کہ قصداً ناپ تول میں کمی سے اجتناب کرنا ہی کافی نہیں ہے بلکہ پورا پورا دینے کی کوشش کرنا بھی ضروری ہے۔ اگرچہ کچھ زیادہ ہی دینا پڑے، جس کے بغیر پورا پورا ادا کرنا مقصود نہ ہو۔ اسی لئے امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ اگر کوئی پیمانہ یا وزنی چیز کسی نے ناپ تول کر خریدی ہو اور بائع نے ناپ تول کر دی ہو تو

Marfat.com

جب تک خریدار خود دوبارہ اس کی ناپ تول نہ کرلے نہ خود اس کو استعمال کر سکتا ہے۔ نہ فروخت کر سکتا ہے رسول اللہ ﷺ نے (خریدے ہوئے) غلہ کو فروخت کرنے سے اس وقت تک روکا ہے جب تک دوبارہ ایک بار بائع نے اور ایک بار مشتری نے اپنے اپنے پیمانوں سے اس کی ناپ تول نہ کرلی ہو رسول اللہ کے زمانہ میں غلہ پیمانوں سے ناپ کر فروخت کیا جاتا تھا صاع یا فرق یا وسق وغیرہ غلہ ناپنے کے پیمانے تھے تول کر نہیں بیچا جاتا تھا یہ حدیث حضرت جابرؓ کی روایت سے ابن ماجہ اور اسحٰق بن ابی شیبہ نے نقل کی ہے لیکن اس کی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ ہے جس کی وجہ سے محدثین نے اس روایت کو معلل قرار دیا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے حضرت انسؓ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث منقول ہے لیکن

یہ روایت بھی ضعیف ہے ابن ہمام نے لکھا ہے کہ یہ حدیث بہت سندوں سے آئی ہے اور ائمہ نے اس کو قبول کیا ہے اس لئے قابل استدلال ہے۔ امام مالک، امام شافعی اور امام احمدؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔

یہ بھی رسول اللہ نے فرمایا تھا وزن کر کے ذرا جھکتا ہوا دو۔ کیونکہ ہم گروہ انبیاء اسی طرح تولتے ہیں۔ رواہ احمد و ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ والحاکم وابن حبان من حدیث سوید بن قیس، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

بِالْقِسْطِ انصاف کے ساتھ۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ اور لوگوں کو ان کی چیزیں کم نہ دو۔ پہلے صرف ناپ تول میں کمی نہ کرنے کی ہدایت تھی اس آیت میں عمومی حکم ممانعت ہے کہ ناپ سے یا تولنے والی چیز ہو یا تول سے مقداری ہو یا زرعی کیسی ہی چیز ہو اور جس کسی کے حق کی ہو اس میں کمی نہ کرو۔

وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۝ اور زمین میں فساد کرتے ہوئے حد توحید و عدل سے مت نکلو۔

عَثو (مصدر) ہر طرح کے فساد کو شامل ہے خواہ ادائے حقوق کی کمی کی شکل میں ہو یا کسی اور شکل میں۔ بعض علماء نے کہا کہ تجسس جس کی پہلے ممانعت کی گئی) سے مراد ہے ٹیکس اور معاملات میں دوسری حق تلفیاں اور عثہ (جس کی ممانعت اس آیت میں کی گئی ہے) سے مراد ہے چوری، ڈاکہ رہزنی۔

لَا تَعْثَوْا کا معنی جب لَا تُفْسِدُوْا ہے تو پھر مفسدین کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ ایک سوال کیا جاسکتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مفسدین کہنے سے وہ صورتیں نکل گئیں جو واقعی صحیح ہوتی ہیں لیکن بظاہر فساد نظر آتی ہیں جیسے حضرت خضر کا فعل (بچے کو قتل کرنا، کشتی کا تختہ اکھاڑ دینا) یہ بھی کہا گیا ہے کہ مفسدین (کا مفعول محذوف ہے اس لفظ کو بڑھانے) سے مراد یہ ہے کہ اپنے دینی امور اور دنیوی مصالح کو بگاڑ کر فساد کرتے نہ پھرو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حال مؤکدہ ہے کیونکہ عثی کا معنی خود ہی اَفْسَدَ ہے (یعنی عثو جب افساد کا ہم معنی ہے تو مفسدین سے تاکید ہو گئی کوئی نیا معنی مراد نہیں ہے۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اللہ کا دیا ہوا جو کچھ (حلال مال) بچ جائے وہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے اس جملہ کا یہ مطلب بیان کیا کہ صحیح صحیح ناپ تول کر دینے کے بعد جو حلال چیز باقی رہ جاتی ہے وہ بہتر ہے اس حرام مقدار سے جو ناپ تول میں کمی کر کے تم حاصل کرتے ہو۔

مجاہد نے کہا بَقِيَّتُ اللّٰهِ سے مراد ہے اللہ کی اطاعت جیسے دوسری آیت میں فرمایا ہے۔ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ۔

اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اگر تم مؤمن ہو۔ یعنی بَقِيَّتُ اللّٰهِ کا تمہارے لئے بہتر ہونا ایمان کے ساتھ مشروط ہے مؤمن کو ہی نیکی کا اجر ملے گا۔ کافر کی بھلائیاں تو اکارت جائیں گی۔

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا کہ اگر تم میرے قول کو سچ مانتے ہو تو میں نے جو صحیح ناپنے تولنے کا تم کو حکم دیا ہے اس پر عمل کرو۔

Marfat.com

وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ اور میں تمہارا پہرہ دینے والا نہیں ہوں کہ برائیوں سے تم کو بچالوں یا تمہارے اعمال کی نگہداشت کروں۔ اور پھر ان کا بدلہ دوں۔ میں تو صرف ناصح اور مبلغ ہوں ہیر افرض تو حکم پہنچانے کے بعد پورا ہو جاتا ہے (مانو یا نہ مانو) یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم اپنی بداعمالی نہ چھوڑو تب بھی میں اللہ کی نعمت تم پر قائم رکھوں، میں ایسا نہیں کر سکتا۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ؕ

انہوں نے کہا شعیبؑ کیا تمہاری نماز تم کو حکم دیتی ہے کہ جن بتوں کی پوجا ہمارے بڑے کرتے چلے آئے ہیں ہم ان کو چھوڑ دیں یا اپنے مال میں اپنی منشاء کے مطابق جو ہم تصرف کرتے ہیں اس کو ترک کر دیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا حضرت شعیبؑ نماز بہت پڑھتے تھے اسی لئے کافروں نے آپ کی نماز کا تذکرہ کیا۔ اعمش کے نزدیک نماز سے مراد ہے نماز پڑھنا۔ حضرت شعیبؑ نے قوم کو توحید کی دعوت دی اس کے جواب میں انہوں نے آپ سے استہزاء میں اس امر کی طرف اشارہ کیا کہ اس قسم کی دعوت تم سے یہ نماز کی پابندی اور مداومت کرا رہی ہے اس نے تمہارے دماغ میں خلل پیدا کر دیا ہے ورنہ صحیح ہوش و خرد کا تو یہ تقاضا نہیں۔

اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾ واقعی آپ ہیں بڑے عقلمند و دین دار۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا انہوں نے حضرت شعیبؑ کو حلیم و رشید بطور طنز کہا تھا حقیقت میں ان کا مقصد تھا یہ کہنا کہ تم سادہ لوح گمراہ ہو۔ عرب لوگ ایک مفہوم کی تعبیر اس کی ضد سے کر لیتے ہیں نیک شگون یا دعا کے طور پر اس شخص کو جس کو بچھو ڈس لے سلیم کہتے ہیں اور خطرناک بیابان کو مفازۃ کامیابی کی جگہ۔ بعض علماء نے کہا انہوں نے حلیم و رشید بطور استہزاء کہا تھا، مقصد تھا حضرت شعیبؑ کے اندر سفاہت و ضلالت ثابت کرنا۔ حضرت ابن عباسؓ کے قول پر استعمال مجازی ہوگا اور مؤخر الذکر قول پر حقیقی کنائی (یعنی بطور کنایہ مذمت مراد ہوگی) بعض نے کہا کلام مبنی بر حقیقت ہے اور کنایۃً مذمت کرنا بھی غرض نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہمارے خیال میں تو تم بڑے سنجیدہ اور صاحب رُشد ہو۔ ہم تو گمان بھی نہیں کرتے تھے کہ ایسی بات کہو گے حضرت صالحؑ کی قوم نے بھی حضرت صالحؑ سے ایسا ہی کلام کیا تھا اور کہا تھا قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا

بعض علماء نے کہا (بِزَعْمِكَ کا لفظ محذوف ہے اور کلام حقیقی ہے یعنی) تم تو اپنے خیال میں حلیم و رشید ہو پھر ایسی بات تم نے کیوں کی۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ

شعیبؑ نے کہا اے میری قوم! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی جانب سے دلیل پر قائم ہوں اور اس نے مجھے اپنی طرف سے اچھا رزق عطا فرما دیا ہے (تو کیسے اس کا حکم نہ مانوں)۔

بَيِّنَةٍ بصیرت اور واضح بیان۔ مِنْ رَّبِّيْ اپنے رب کی طرف سے یعنی وحی اور نبوّت کے ذریعے سے۔ رَزَقَنِيْ مِنْهُ یعنی محنت مشقت اٹھائے بغیر اللہ نے حلال رزق عطا فرما دیا۔ رِزْقًا حَسَنًا سے مراد ہے حلال رزق۔ کہا گیا ہے کہ حضرت شعیبؑ بڑے مالدار تھے۔[1]

[1] اس فقیر کی نظر میں حضرت شعیبؑ کے مالدار ہونے نہ ہونے کو آیت کے مفہوم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ آپ نے قوم کو ایسے بلیغ طرز سے ہدایت کی کہ کسی کو بُرا ماننے کا موقع نہ ملے۔ آپ کا مقصد تو یہ تھا کہ جب اللہ نے اپنی رحمت سے تم کو وحی کے ذریعے سے بصیرت عطا فرما دی اور واضح طور پر بیان کر دیا اور کثیر حلال رزق عطا فرما دیا تو پھر شرک کرنا اور حرام رزق حاصل کرنے کی تدبیریں اور طریقے اختیار کرنا حماقت ہے۔ اس مضمون کو ادا کرنے کے لئے عبارت کو متکلم کے سانچے میں ڈھال لیا اور فرمایا کہ اگر مجھ پر اللہ کا اتنا کرم ہو گیا تو پھر اس کے احکام کی مخالفت کیسے جائز ہو سکتی ہے، اسلوب کلام بدلنے اور خطاب سے متکلم کی طرف کلام کا رخ موڑنے سے ہدایت بحسن اسلوب ہو گئی اور مخاطب کی ناگواری کا احتمال بھی نہیں رہا۔ مترجم۔

Marfat.com

اِنْ كُنْتُ میں اِنْ حرفِ شرط ہے جزاء محذوف ہے مطلب یہ کہ جب اللہ نے نبوت و وحی کے ذریعے سے مجھے بصیرت عطا فرمادی اور مجھے بغیر محنت و مشقت کے حلال رزق عطا فرمادیا تو کیا اب یہ جائز ہے کہ میں اس کے احکام کی مخالفت کروں اور وحی میں خیانت کروں اور اس کا پیام نہ پہنچاؤں۔

قوم نے حضرت شعیبؑ پر طنز کیا تھا کہ تم ساری قوم کے مذہب کی مخالفت کر رہے ہو، حضرت نے مذکورہ بالا الفاظ میں ان کو جواب دیا اور قوم کے افکار و اعمال کی مخالفت کرنے کی وجہ بیان کر دی۔

وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ۭ اور میں نہیں چاہتا ہوں کہ تمہارے برخلاف ان کاموں کو کروں جن سے تم کو روکتا ہوں۔ یعنی جس بات سے تم کو روک رہا ہوں خود اس کا ارتکاب کروں اور اپنے عمل کو قول کے خلاف ظاہر کروں۔ میں ایسا کرنا نہیں چاہتا اگر یہ بات بہتر ہوتی تو میں اس کو کیوں چھوڑتا۔ میں تمہارے لئے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنے لئے پسند کرتا ہوں اور تمہارے لئے وہی بات ناپسند کرتا ہوں جو اپنے لئے ناپسند کرتا ہوں۔ اگر زید کوئی کام نہ کر رہا ہو اور تم نے اس کام کو کرنے کا ارادہ کر لیا ہو تو کہہ سکتے ہو۔ خَالَفْتُ زَيْدًا اِلٰى كَذَا اور اگر زید ایک کام کر رہا ہو اور تم اس کو کرنا پسند نہیں کرتے تو کہہ سکتے ہو خَالَفْتُ زَيْدًا عَنْ كَذَا۔

اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ۭ (یعنی شرک اور ناپ تول میں کمی کرنے کی ممانعت اور توحید وایفاء کا حکم دینے سے) میرا مقصد تو محض (تم کو اور سارے عالم کو) بگاڑ سے روکنا اور فساد کی درستی کرنا ہے۔ جہاں تک یا جب تک مجھ سے ہو سکے (یعنی بقدرِ امکان و طاقت میں اصلاح کی کوشش کا ارادہ رکھتا ہوں۔ کوشش میں کمی نہیں کروں گا)

وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ اور (عملِ صالح کی) مجھے جو کچھ توفیق ہے وہ اللہ ہی کی مدد سے ہے یعنی اللہ کی ہدایت و مدد کے بغیر میرے لئے صداقت و حقانیت کا حصول ناممکن ہے۔ توفیق کا معنی ہے، مقصدِ خیر کے حصول کے اسباب و ذرائع فراہم کر دینا اور اسباب کو مقصد کے موافق بنا دینا۔

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۝ میں نے اسی پر بھروسہ کر لیا ہے اور اسی کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔ یعنی اللہ ہی ہر چیز پر قادر ہے، اسی کے قابو میں سب کچھ ہے اس کے سوا ہر چیز عاجز بلکہ حقیقتاً معدوم ہے ناقابلِ اعتماد ہے اس لئے میرا بھروسہ اسی پر ہے اور تمام مصائب و حوادث میں میں اسی کی طرف رُجوع کرتا ہوں، اس آیت میں خالص توحید کی طرف اشارہ ہے۔

اِلَيْهِ اُنِيْبُ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا کہ مرنے کے بعد لوٹ کر میں اسی کی طرف جاؤں گا۔ اِنابت کا معنی ہے تمام امور میں اللہ ہی سے توفیقِ صداقت و حقانیت کی درخواست کرنا ہر کام میں اللہ ہی سے مدد کا طلب گار ہونا اور کامل طور پر سر اسر اسی کی طرف متوجہ ہو جانا۔

پورے کلام میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ میں تمہاری مخالفتوں کی پرواہ نہیں کرتا میرا رجوع اپنے رب کی طرف ہے تم کو مجھ سے کوئی امید موافقت نہ رکھنی چاہئے۔ اس میں کافروں کو تہدید ہے کہ اللہ ہی کے پاس لوٹ کر جانا ہے وہی سزا جزا دے گا۔

وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ۭ

اور اے میری قوم مجھ سے عداوت و مخالفت کا تمہارے لئے کہیں یہ نتیجہ نہ نکلے کہ جو عذاب قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح پر آیا تھا ویسا ہی عذاب تم پر آجائے۔ یعنی غرق ہو جانے کا یا طوفان کا یا زلزلہ اور کڑک کا عذاب تم پر کہیں نہ آجائے شِقاق کا معنی ہے عداوت اور مخالفت۔

وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ ۝ اور قوم لوط کا زمانہ تم سے دور نہیں ہے یعنی عذاب سے ہلاک ہونے والی قوموں میں سب سے قریب ترین زمانہ لوط کی قوم کا ہے تم سمجھ لو کہ پیغمبر کی مخالفت کی وجہ سے کیسے عذاب نے ان کو ہلاک کر

Marfat.com

دیا، یا یہ مراد ہے کہ قوم لوط کی اُجڑی ہوئی۔ بستیاں تم سے دور نہیں ہیں تمہارے ملک کے متصل ہیں یا یہ مراد ہے کہ شرک و معاصی کی وجہ سے مستحقِ عذاب ہونے میں قوم لوط تم سے بعید نہیں تھی (تم دونوں میں زیادہ تفاوت نہیں) لفظ قریب و بعید اور قلیل و کثیر میں مذکر و مؤنث برابر ہیں دونوں کے لئے ان کا استعمال ہوتا ہے اس لئے بعید کو بصیغہ مفرد لانے میں کوئی خرابی نہیں۔

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اور اپنے رب سے گزشتہ شرک و معاصی کی معافی طلب کرو۔ یعنی ایمان لے آؤ۔ اور گزشتہ گناہوں پر پشیمانی کا اظہار کرو۔ اور معافی مانگو۔

ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ پھر اس کی طرف رجوع کرو۔ آئندہ اس کے احکام کی تعمیل کرو اور ممنوعات سے باز رہو۔

اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ بلاشبہ میرا رب توبہ کرنے والے مومنوں پر بڑا مہربان اور ان سے بڑی محبت کرنیوالا ہے۔ وَدُوْدٌ بروزن فعول اسم فاعل کے معنی میں بھی آتا ہے اور اسم مفعول کے معنی میں بھی۔ اللہ مؤمنوں سے محبت کرنے والا ہے اور مؤمن اللہ سے محبت کرتے ہیں، پس وہ محبّ بھی ہے اور محبوب بھی۔

اول آیات میں حضرت شعیبؑ نے کفر و معصیت پر جمے رہنے کی صورت میں عذابِ الٰہی سے ڈرایا پھر توبہ کر لینے کی صورت میں مغفرت کا امیدوار بنایا۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ کہنے لگے شعیب ہماری سمجھ میں تو تیری بہت سی باتیں آتی نہیں۔ نہ توحید سمجھ میں آتی ہے نہ ناپ تول میں کمی کرنے کی ممانعت نہ تیری بیان کی ہوئی دلیلیں۔ چونکہ ان کی قوتِ فہم کمزور تھی اور سوچنے سمجھنے سے وہ عاری اس لئے ایسی بات کہی یا یہ وجہ تھی کہ حضرت شعیبؑ کے کلام کو وہ حقیر ناقابلِ التفات سمجھتے تھے یا یہ وجہ تھی کہ ان کو حضرت کے پیام سے انتہائی نفرت تھی اس لئے اس کو سمجھنے کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے تھے۔ میرے نزدیک حقیقت یہ تھی کہ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی تھی انسانوں کے دل اللہ کی چٹکی میں ہیں وہ جس طرف کو چاہتا ہے دلوں کو موڑ دیتا ہے۔

وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا اور حقیقت یہ ہے کہ ہم تم کو اپنے گروہ کے اندر کمزور پاتے ہیں اگر ہم تم کو کچھ دکھ پہنچائیں تو تمہارے اندر دفاع کی طاقت نہیں۔ یا ضَعِیْفًا سے مراد ہے ذلیل یعنی ہم اپنے گروہ میں تم کو ذلیل پاتے ہیں ہم میں تمہاری کوئی عزت نہیں۔

بغوی نے لکھا ہے ضعیف سے مراد ہے ضعیف البصر۔ حضرت شعیبؑ نابینا تھے یہ بھی کہا گیا ہے کہ حمیری محاورہ میں ضعیف اندھے کو ہی کہا جاتا ہے۔ مگر فِیْنَا کا لفظ بتا رہا ہے کہ ضعیف سے نابینا مراد نہیں ہے (اس فقیر کے نزدیک یہ بات ممکن ہے کہ بے بصر کہہ کر قوم کی مراد بے بصیرت ہو یعنی ہمارے گروہ میں تم بے بصیرت ہو بے وقوف ہو جو ایسی باتیں کہتے ہو۔ مترجم)

## فائدہ

بعض علماء معتزلہ نے نبوت کو قضا اور شہادت پر قیاس کیا ہے ان حضرات کے نزدیک جس طرح نابینا شاہد اور قاضی نہیں ہو سکتا اسی طرح نبی بھی نہیں ہو سکتا۔ مگر یہ قیاس غلط ہے (قضا و شہادت کا تعلق معاینہ سے ہے اور نبوت کا مدار مشاہدے پر نہیں۔ واقعات کا اظہار اور فیصلہ الگ چیز ہے اور ہدایت و رسالت جُدا حیثیت رکھتی ہے۔ مترجم)

حضرت یعقوبؑ کا نابینا اور پھر بینا ہو جانا عبارتِ قرآنی سے ثابت ہے اللہ نے فرمایا ہے وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ۔ پھر فرمایا فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۔

وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ اور اگر تمہارے قبیلے کی پاسداری نہ ہوتی تو ہم پتھراؤ کر کے تم کو ہلاک کر

Marfat.com

دیتے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت شعیبؑ کی قوم طاقت ور تھی اور آپ ان کی حفاظت میں تھے۔ بیضاوی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ تمہاری قوم چونکہ ہماری ہم مذہب ہے اس لئے ان کی عزت ہماری نظر میں ہے اگر تمہاری قوم کی عزت ہماری نظر میں نہ ہوتی تو ہم تم کو سنگسار کر دیتے۔ حضرت شعیبؑ کے قبیلے کی طاقت کا خوف مراد نہیں ہے کیونکہ تین سے دس تک یا سات تک جس جماعت کے افراد ہوں اس کو رہط کہا جاتا ہے (اور ظاہر ہے کہ دس پانچ آدمیوں کی طاقت پوری بستی کے مقابل کیا ہو سکتی ہے)۔

میں کہتا ہوں کہ اول قول کی تائید اٰیت تِسْعَةُ رَهْطٍ سے ہوتی ہے جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ دس سے کم کی جماعت کو رہط کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا چالیس تک رہط کا اطلاق ہوتا ہے جزری نے نہایہ میں لکھا ہے کہ رہط دس سے کم مردوں کی جماعت کو کہتے ہیں جن میں کوئی عورت نہ ہو۔ بعض نے چالیس سے کم کو رہط کہا ہے۔ قاموس میں ہے رہط کسی شخص کی قوم اور اس کا قبیلہ یا تین سے سات تک یا دس تک یا دس سے نیچے۔ (یعنی نو) تک کی جماعت جبکہ ان میں کوئی عورت نہ ہو۔ لفظ رہط کا کوئی مفرد اس لفظ سے نہیں (یعنی کوئی ایسا مفرد لفظ نہیں ہے جس کی جمع رہط ہو) بغوی کے کلام میں بھی صاحب قاموس کے بیان کئے ہوئے اول معنی کی طرف اشارہ ہے۔

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ اور تم ہمارے لئے کوئی عزت والے نہیں ہو کہ تمہاری عزت تم کو سنگباری سے محفوظ رکھے۔ جو احمق، جاہل دلائل براہین کا جواب دلیل سے نہیں دے سکتے وہ گالیاں اور دھمکیاں دینے پر اتر آتے ہیں۔ مَا (حرف نفی) کے بعد اَنْتَ کا لفظ ذکر کرنا اس امر پر دلالت کر رہا ہے کہ کافروں کا کلام حضرت شعیبؑ کی ذات سے متعلق تھا۔ آپ کی عزت سے متعلق نہ تھا۔ عزت تو خاندانِ شعیب کی حضرت شعیبؑ کو ایذا دینے سے روک رہی تھی۔

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَاۗءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۭ

شعیبؑ نے کہا اے میری قوم کیا میرا خاندان تمہارے نزدیک اللہ سے بھی زیادہ عزت والا ہے اور تم نے اس کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ یعنی میرے خاندان کی رعایت سے تم نے مجھے قتل نہیں کیا اور اللہ کی طرف سے جو مجھے پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے اس خدا اور رسالت کا تم نے کوئی لحاظ نہیں کیا اور اللہ کو بالکل فراموش کر دیا اس کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے ہوئے تم کو کوئی اندیشہ ہوا نہ اس کے رسول کی توہین کرنے سے کوئی باک۔

اَرَهْطِيْٓ میں ہمزہ استفہام انکاری کا بھی ہو سکتا ہے اور زجر و تہدید کے لئے بھی۔ ظِهْرِيًّا ظَهر (پشت) سے بنایا گیا ہے۔ یائے نسبت کی وجہ سے دوسرے تغیرات لفظی کے ساتھ ظا کو زیر بھی دے دیا گیا۔

اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾ جو کچھ تم کر رہے ہو بلاشک و شبہ اللہ اس کو اپنے عملی دائرے میں گھیرے ہوئے ہے یعنی تمہارا کوئی عمل اس سے چھپا ہوا نہیں ہے وہ یقیناً تمام اعمال کا بدلہ دے گا۔

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰي مَكَانَتِكُمْ اِنِّىْ عَامِلٌ ۭ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ ۭ

اور اے میری قوم تم اپنی حالت میں عمل کرتے رہو۔ میں بھی اپنے طور پر عمل کر رہا ہوں اب جلد ہی تم کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کون شخص ہے جس پر ایسا عذاب آیا چاہتا ہے جو اس کو رسوا کر دے گا اور وہ کون شخص ہے جو جھوٹا ہے مَكَانَة سے مراد ہے عداوت پر قائم رہنا۔ مَنْ يَّاْتِيْهِ میں مَنْ استفہامیہ ہے (کس پر عذاب آئے گا تم پر یا مجھ پر) یا موصولہ ہے (جس پر عذاب آئے گا) سورۂ انعام میں بھی ایسی آیت گزر چکی ہے۔ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ کا عطف مَنْ يَّاْتِيْهِ پر ہے یعنی عنقریب تم جانو گے کہ کس پر عذاب آتا ہے تم پر یا مجھ پر اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ کون جھوٹا ہے تم یا میں۔

وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّىْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ﴿۹۳﴾ اور تم انجام کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔ رَقِيْبٌ



Marfat.com

بروزنِ فعیل بمعنی رَاقِبٌ جیسے صَرِیْمٌ بمعنی صَارِمٌ یا بمعنی مُرَاقِبٌ (باہم ایک دوسرے کا نگراں) جیسے عَشِیْرٌ بمعنی مُعَاشِرٌ باہم ساتھ رہنے والے یا بمعنی منتظر جیسے رفیع بمعنی مرتفع (اونچا)

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا اور جب ہمارا عذاب یا عذاب کا حکم آ پہنچا۔ اس جگہ اور عاد کے قصے میں عذاب کا وعدہ پہلے مذکور نہیں ہے اس لئے جملہ کو واؤ سے شروع کیا اور صالحؑ و لوطؑ کے قصوں میں نزولِ عذاب سے پہلے وعدۂ عذاب مذکور ہے، فرمایا ہے وَعْدٌ غَیْرُ مَکْذُوْبٍ ۔ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ اس لئے ان دونوں مقاموں میں فَاسے جملہ شروع کیا ہے اور فَلَمَّا فرمایا ہے گویا فَا نتیجہ پر آئی جس کا سبب پہلے ذکر کر دیا گیا ہے۔

نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۴﴾

ہم نے بچالیا شعیبؑ کو اور ان کے ساتھ والے مؤمنوں کو اپنی رحمت سے اور کافروں کو پکڑ لیا ایک چیخ نے اور وہ اپنے گھروں میں صبح کو مرے کے مرے رہ گئے۔

کہا گیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے ایک چیخ ماری تھی جس سے سب کی جانیں نکل گئیں یا آسمان کی طرف سے ایک چیخ آئی تھی جس سے سب مر گئے۔

جُثُوْمٌ کا لغوی معنی ہے زمین سے چمٹ جانا۔

كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ گھروں میں زندگی کی حالت میں رہتے ہی نہ تھے (یعنی گھر اُجاڑ ہو گئے)۔

اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ﴿۹۵﴾ خوب سن لو (اور عبرت حاصل کرو) کہ مدین کو رحمت سے دُوری ہوئی جیسے ثمود رحمت سے دور ہوئے تھے۔ قومِ ثمود کی ہلاکت بھی ایک چیخ سے ہوئی تھی، اس لئے اہلِ مدین کی ہلاکت کو قومِ ثمود کی ہلاکت سے تشبیہ دی، فرق اتنا تھا کہ ثمود کی ہلاکت زمین کی اندرونی چیخ سے ہوئی تھی اور قوم شعیبؑ کی ہلاکت آسمانی چیخ سے۔

بُعْدًا (باب کَرُمَ) اصل ہے اور بَعِدَ (باب سَمِعَ سے) بھی آیا ہے دونوں کا مصدر بُعْدًا آتا ہے۔ (بُعد باب کرم) دور ہو گیا۔ بعد (باب سمع) ہلاک ہونے کی وجہ سے دور ہو گیا۔ صرف باب سمع سے مصدر بَعَدًا بھی آتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۹۶﴾ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ

اور ہم نے موسیٰؑ کو اپنی نشانیاں اور کھلا ہوا غلبہ عطا کر کے فرعون کے اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا۔ آیات سے مراد ہیں معجزات۔ توریت کی آیات مراد نہیں ہیں کیونکہ توریت کا نزول تو فرعون کے ڈوبنے کے بعد ہوا تھا۔

سُلْطَانٌ مُّبِیْنٌ کھلا ہوا غلبہ۔ ایک طرف تنہا حضرت موسیٰؑ تھے دوسری طرف فرعون اور اس کا لاؤ لشکر تھا جو سب کے سب حضرت موسیٰؑ کے قتل کے درپے تھے مگر کامیاب نہ ہو سکے۔ حضرت موسیٰؑ کو اللہ نے کھلا ہوا غلبہ عنایت فرمایا۔

یا سُلْطَانٌ مُّبِیْنٌ سے مراد صرف عصا کا معجزہ ہے یہ معجزہ سب سے زیادہ واضح اور غالب تھا یا آیات اور سلطان سے مراد ایک ہی ہے۔ آیات و معجزات حضرت موسیٰؑ کی نبوّت کی کھلی نشانیاں بھی تھے اور سببِ غلبہ بھی۔

مُّبِیْنٌ لازم بھی ہے اور متعدی بھی اس لئے اس کا ترجمہ روشن و واضح بھی ہے اور روشنی پیدا کرنے والا واضح کرنے والا بھی ہے۔ آیت کا مفہوم سلطان کے مفہوم سے عام ہے آیت نشانی علامت کو بھی کہتے ہیں اور دلیلِ قطعی کو بھی اور سلطان صرف دلیلِ قطعی کو۔

فَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ فِرْعَوْنَ ۚ وَمَاۤ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِیْدٍ ﴿۹۷﴾ سو وہ لوگ بھی فرعون ہی کی رائے پر چلتے رہے اور فرعون کی رائے کچھ صحیح نہیں تھی، یعنی کفر، سرکشی اور حد سے بڑھی ہوئی گمراہی میں فرعونیوں نے فرعون کی

ع ۸ ۱۲ ۸

Marfat.com

پیروی کی اور فرعون کا فکریہ وعملیہ محض گمراہی و کجروی تھا۔ نام کو بھی اس میں صلاح و رُشد نہیں تھا۔ ہر پسند قابلِ ستائش امر کو رُشد اور ہر بُرے امر کو غَیٌّ کہا جاتا ہے۔

آیت میں فرعون کے گروہ کی جہالت و حماقت کا اظہار ہے کہ فرعون اُلوہیت کا مدّعی تھا باوجود یہ کہ اپنے مصاحبین کی طرح معمولی انسان تھا علی الاعلان کفر و شرک اور ظلم کرتا تھا اور موسیٰؑ ہادیٔ برحق تھے۔ آپ کا قول مبنی برحق تھا، عقل و نقل کی شہادت اور معجزات کی تائید آپ کے قول کو ثابت کر رہی تھی پھر بھی فرعون کے ساتھی ایسے کورن تھے کہ موسیٰؑ جیسے ہادیٔ برحق کے اتباع سے روگرداں اور فرعون جیسے باطل پرست کے پیرو تھے۔

يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ؕ قیامت کے دن دوزخ کی جانب وہ اپنی قوم کا پیشوا ہوگا اور دوزخ میں سب کو اُتار دے گا۔ جس طرح دنیا میں گمراہی کی جانب بڑھنے میں سب کا امام تھا۔ قیامت کے دن چونکہ ایسا ہونا اتنا یقینی ہے کہ گویا ایسا ہو گیا اس لئے بجائے مستقبل کے ماضی کا صیغہ استعمال کیا اور اَوْرَدَهُمْ فرمایا۔ وِرْدٌ کا معنی ہے چشمہ وغیرہ میں اُترنا، دوزخ کو پانی فرض کر کے اس میں داخل ہونے کو وُرُوْدٌ قرار دیا (گویا دوزخ ایک چشمہ یا تالاب ہوگا جس میں فرعون آگے آگے اس کے اتباع جو جانوروں کی طرح جاہل نا سمجھ تھے پیچھے پیچھے اس میں اتریں گے)۔

وَ بِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ اور وہ دوزخ بہت ہی بُری جگہ ہے اترنے کی جس میں یہ لوگ اتارے جائیں گے۔ پانی میں اترنا، پیاس بجھانے اور خنکی حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے اور دوزخ میں اترنے سے پیاس اور سوزش میں مزید اضافہ ہوگا، اس لئے فرمایا کہ بُرا چشمہ ہوگا۔

آیت وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ایک دعویٰ تھا اور يَقْدُمُ قَوْمَهٗ الخ اس کی دلیل ہے کیونکہ جس کی رہنمائی دوزخ میں لے جائے وہ یقیناً غلط رو ہوگا اور اس کی رہبری تباہ کن ہوگی یا یوں کہا جائے کہ رشید وہ ہے جس کا انجام اچھا ہو اور فرعون کی پیشوائی کا انجام تباہ کن ہوگا۔ گویا دوسری آیت پہلی آیت کی تشریح ہے۔

وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کے ساتھ رہی اور قیامت کے دن بھی وہ ملعون ہوں گے یعنی اس دنیا میں بھی ان کے پیچھے انبیاء اور مؤمنوں کی زبانی ان پر لعنت کی گئی اور قیامت کے دن بھی ان پر لعنت کی جائے گی۔

بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ بُرا انعام ہے جو ان کو دیا گیا۔

رِفْدٌ کا معنی ہے مدد مَرْفُوْدٌ اسی سے اسم مفعول کا صیغہ ہے یا رِفْدٌ کا معنی ہے عطیہ اور مَرْفُوْدٌ کا معنی ہے عطا کیا ہوا۔ قاموس میں ہے اِرْفَادٌ مدد کرنا اور عطا کرنا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى یہ (جو ہم نے بیان کیا ہلاک شدہ) بستیوں کی کچھ اطلاعات ہیں۔

نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ ہم آپ کو ان کی خبریں بتا رہے ہیں، یعنی ان کی خبریں آپ کو بتائی گئی ہیں۔

مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ ان بستیوں میں سے کچھ تو کھڑی ہیں۔ یعنی ان کے نشانات باقی ہیں اور کچھ کٹی ہوئی کھیتی کی طرح بے نشان ہو گئی ہیں۔ مقاتل نے کہا قَائِمٌ سے مراد ہیں جن کے نشان دکھائی دے رہے ہیں اور حَصِيْدٌ سے مراد وہ ہیں جن کی نمود بھی نہیں دکھائی دیتی۔

بعض علماء نے قَائِمٌ کا ترجمہ آباد اور حَصِيْدٌ کا ترجمہ ویران کیا ہے۔

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور ہم نے ان کو ہلاک کر کے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا۔ کفر و معصیت کر کے اپنی جانوں کو تباہی کا مستحق بنا دیا جمع مذکر غائب کی ضمیریں بستیوں والوں کی طرف راجع ہیں۔

فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾

Marfat.com

اور جب آپ کے رب کی طرف سے ہلاکت کا حکم آگیا تو ان کے معبود جن کو وہ پوجتے تھے اور اللہ کے سوا پکارا کرتے تھے کچھ بھی کام نہ آئے (اور عذاب کو دفع نہ کر سکے) اور ہلاکت آفرینی و بربادی کے سوا اور کچھ ان کے لئے نہ بڑھا سکے۔ اَمْرُ رَبّ سے مراد ہے عذاب تخریب بربادی، ہلاکت اور نقصان۔

وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ ؕ اور مذکورہ اقوام کی گرفت کی طرح آپ کے رب کی طرف سے پکڑ دوسری بستیوں والوں کی بھی ہوئی ہے جبکہ وہ ظالم تھے۔ یعنی وہ ظالم ہونے کی وجہ سے مستحق عذاب تھے۔ اس لئے اللہ نے ان کی بھی گرفت کی۔

اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۝۱۰۲ بے شک اللہ کی پکڑ سخت دکھ پہنچانے والی ہے جس سے رہائی ناممکن ہے

حضرت ابو موسیٰؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے آخر اس کی گرفت کرتا ہے تو ایسی کرتا ہے کہ پھر وہ چھوٹ نہیں سکتا۔ یہ فرمانے کے بعد حضورؐ نے آیت كَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ تلاوت فرمائی رواہ الشیخان فی الصحیحین والترمذی (فی السنن) وابن ماجۃ۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ بے شک اس میں (یعنی کافر و ظالم بستیوں کو ہلاک کرنے اور ان کے مذکورہ واقعات میں) بڑی عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں اللہ سے ڈرنے والے عذاب آخرت کی عظمت کا اندازہ اس سے کر سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں کہ مجرموں پر دنیا میں جو عذاب آیا وہ عذاب آخرت کا ایک نمونہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان واقعات کے بیان کو سن کر وہ اللہ کی نافرمانیوں کو ترک کر دیتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ عذاب اس اِلٰہ مختار کی طرف سے آیا ہے جو اپنی مرضی کے مطابق جس کو چاہے عذاب دے اور جس پر رحم کرنا چاہے رحم کرے رہے منکرین آخرت تو وہ جانوروں کی طرح ہیں نہ ان میں فہم ہے نہ بصیرت بلکہ وہ اس قسم کے عذاب کو محض اتفاق اور سلسلۂ اسباب و مسببات کی پوشیدہ کڑی قرار دیتے ہیں۔

ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ یہ (یوم قیامت جس میں عذاب ہوگا) ایسا دن ہوگا کہ سب لوگ اس روز جمع کئے جائیں گے۔ یعنی اس روز سب کی حساب فہمی ہوگی۔ جزا و سزا ہوگی اس کے لئے سب کو جمع کیا جائے گا۔

وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ۝۱۰۳ اور یہ ہی ایسا دن ہوگا کہ جس میں شہادت دینے والے لوگوں پر شہادت دیں گے یا یہ مطلب ہے کہ سب کو حاضر کیا جائے گا کوئی غائب نہیں ہوگا۔

وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ۝۱۰۴ اور ہم اس دن کو صرف اس لئے پیچھے رکھ رہے ہیں کہ وہ مدت (زندگی) جو اللہ کے نزدیک مقرر ہے پوری ہو جائے۔ اَجَل سے پہلے لفظ اِنتہا محذوف ہے اَجَل سے پوری مدت زندگی مراد ہے، ختم زندگی کا وقت مراد نہیں ہے۔ کیونکہ ساعت اختتام میں تعدد نہیں اس کو معدود نہیں کہا جا سکتا۔

يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ جب وہ دن آجائے گا تو کوئی شخص اللہ کی اجازت کے بغیر بات نہیں کر سکے گا۔ یعنی شفاعت نہ کر سکے گا۔ یا ایسی کوئی بات نہ کہہ سکے گا جو اس کو فائدہ پہنچا سکے۔ دوسری آیت میں آیا لَا يَتَكَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ

يَوْمَ يَاْتِ میں يَاْتِ کا فاعل یا مجرا ہے یعنی جس روز سزا و جزا آجائے گی یا يَوْم سے مراد ہے وقت اور يَاْتِ کا فاعل ہے يَوْم یعنی جب اور جس وقت وہ دن آجائے گا یا اللہ فاعل ہے یعنی جس روز اللہ آجائے گا اللہ کے ظہور کو دوسری آیات میں بھی بیان کیا گیا ہے فرمایا ہے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ وَجَآءَ رَبُّكَ ۔

فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ۝۱۰۵ پس کچھ ان اہل حشر میں بدبخت ہوں گے اور کچھ خوش نصیب۔ جس کے لئے بدبختی لکھ دی گئی ہے وہ بدبخت ہوگا اور جس کے لئے خوش نصیبی لکھ دی گئی وہ سعید ہوگا۔

حضرت علی بن ابی طالبؓ نے فرمایا ہم ایک جنازہ کے ساتھ نکلے بقیع میں پہنچے تو رسول اللہ ﷺ بھی (چھڑی ہاتھ میں

Marfat.com

لئے سامنے سے آتے) نظر آئے آپ تشریف لا کر بیٹھ گئے تھوڑی دیر چھڑی سے زمین کریدتے رہے، پھر فرمایا کوئی جان کسی بدن میں پھونکی ہوئی ایسی نہیں کہ جنت یا دوزخ میں اس کی جگہ پہلے سے لکھ نہ دی گئی ہو یا اس کا شقی و سعید ہونا نہ لکھ دیا گیا ہو یہ سن کر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ تو پھر اپنے مقدر میں لکھے پر بھروسہ کیوں نہ کروں اور عمل کو ترک کیوں نہ کر دوں۔ فرمایا نہیں عمل کئے جاؤ ہر ایک کو تقدیر میں لکھے ہوئے عمل کی توفیق دی جاتی ہے۔ شقاوت والوں کو اہل شقاوت کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے اور اہل سعادت کو سعادت مندوں کے عمل کی توفیق دی جاتی ہے۔ اس کے بعد آپ نے آیت فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَ اتَّقٰی وَ صَدَّقَ بِالْحُسْنٰی الخ تلاوت فرمائی۔ رواہ البغوی، بخاری و مسلم میں بھی اسی طرح کی حدیث آئی ہے۔

فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ﴿۱۰۶﴾ سو جو لوگ شقی ہیں وہ دوزخ میں ہوں گے۔ دوزخ میں ان کی چیخ و پکار ہو گی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا زَفِیْرٌ سخت آواز اور شَهِیْقٌ پست آواز۔ ضحاک اور مقاتل نے کہا گدھے کی آواز کی ابتدائی حالت کو زفیر کہتے ہیں اور آواز کی آخری حالت جب آواز لوٹ کر گدھے کے پیٹ میں گھومتی ہے شہیق کہلاتی ہے۔ قاموس میں بھی یہی ہے۔ ابو العالیہ نے کہا حلق میں ہونے کی حالت میں آواز کو زفیر اور سینے میں اترنے کی حالت میں آواز کو شہیق کہا جاتا ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے سانس کا باہر نکلنا زفیر ہے اور سانس کا لوٹا کر اندر لے جانا شہیق ہے۔ لیکن زفیر کا استعمال گدھے کی ابتدائی آواز کے لئے اور شہیق کا استعمال گدھے کی آخری آواز کے لئے ہوتا ہے۔ قاموس میں آیا ہے زَفَرَ یَزْفِرُ زَفْرًا اَوْ زَفِیْرًا کھینچ کر سانس کو باہر نکالا (یعنی زفیر آہ بھرنے کو کہتے ہیں)۔

خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ہمیشہ اس میں رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم ہیں۔

ضحاک نے کہا آسمان و زمین سے جنت و دوزخ کے آسمان و زمین مراد ہیں، جو چیز سر کے اوپر کی جانب ہو وہ سماء ہے اور جس پر قدم ٹکے ہوئے ہوں وہ ارض ہے۔ یہ بات ناقابل انکار ہے کہ حشر میں سب لوگوں کا اجتماع ہو گا تو وہ کسی جگہ ہو گا قدموں کے نیچے بھی کوئی چیز ہو گی اور سر کے اوپر کی جانب بھی کچھ ہو گا۔ اہل معنی کہتے ہیں کہ عرب لوگ جب کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کو آسمان و زمین کے وجود کے ساتھ مشروط کرتے ہیں تو ان کی مراد اس سے فعل یا عدم فعل کا دوام ہوتا ہے۔ اس قول کی روشنی میں مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ کی مراد ہو گی۔ دوامی ہمیشہ۔

اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ہاں اگر آپ کے رب ہی کو نکالنا منظور ہو تو دوسری بات ہے یہ جملہ بظاہر دلالت کر رہا ہے کہ دوزخ کے اندر دوزخی ایک خاص وقت تک رہیں گے پھر مدت سکونت دوزخ ختم ہو جائے گی۔

ایک روایت میں حضرت ابن مسعودؓ و حضرت ابو ہریرہؓ کے جو اقوال آئے ہیں ان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کا بیان ہے کہ جہنم پر ایک وقت ایسا ضرور آئے گا کہ اس میں کوئی نہ ہو گا اور یہ حالت اس وقت ہو گی جب لوگ اس میں آحقاب (صدیوں) تک رہ چکے ہوں گے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا ایک بیان بھی اسی طرح آیا ہے صوفیاء میں سے شیخ محی الدین ابن عربی کا قول بھی یہی ہے۔ لیکن یہ قول اجماع کے اور صریحی آیات و احادیث کے خلاف ہے اللہ نے فرمایا فِی الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ عذاب میں ہی وہ ہمیشہ رہیں گے۔ طبرانی، ابو نعیم اور ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر دوزخیوں سے کہہ دیا جائے کہ تم کو دوزخ میں اتنے (برس) رہنا ہے جتنی سنگریزوں کی تعداد ہے تو وہ اس کو سن کر خوش ہو جائیں گے اور اگر اہل جنت سے کہہ دیا جائے کہ تم جنت میں اس قدر (مدت) رہنا ہے جتنی سنگریزوں کی گنتی ہے تو ان کو یہ سن کر غم پیدا ہو جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہو گا بلکہ ان سب دوزخیوں اور جنتیوں کے لئے وہاں دوام

Marfat.com

سکونت مقرر کر دیا گیا ہے۔ طبرانی نے الکبیر میں اور حاکم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ کو یمن (کا حاکم بنا کر) بھیجا، حضرت معاذ وہاں پہنچے تو ایک تقریر میں فرمایا لوگو! میں اللہ کے رسول ﷺ کا قاصد ہوں مجھے تمہارے پاس یہ اطلاع دینے کے لئے بھیجا گیا ہے کہ لوٹ کر اللہ کی طرف جانا ہے جنت کی طرف یا دوزخ کی طرف، وہاں دوامی قیام ہوگا (دوامی زندگی ہوگی) بغیر موت کے اور قیام ہوگا بغیر کوچ کے (یعنی کبھی وہاں سے کوچ نہیں کیا جائے گا) اور ایسے جسموں کے اندر ہوگا جو کبھی نہیں مریں گے۔ شیخین نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں چلے جائیں گے پھر ایک منادی (دونوں فریق کے درمیان) ندا کرے گا، اے دوزخ والوں (آئندہ) موت نہیں اور اے جنت والو (آئندہ) موت نہیں۔ ہر شخص جس حالت میں ہے ہمیشہ اسی میں رہے گا۔ بخاریؒ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہا جائے گا اے اہل جنت (جنت میں تمہارے لئے) دوام ہے موت نہیں ہے اور اے اہل نار (دوزخ میں تمہارے لئے) دوام ہے موت نہیں ہے۔

ایک اور حدیث جس میں موت کو ذبح کر دینے کا ذکر ہے اس میں یہ بھی آیا ہے کہ ندا دیجائے گی، اے اہل جنت موت نہیں ہے اور اے دوزخ والو آئندہ موت نہیں ہے۔ یہ حدیث شیخینؒ نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے اور حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کا اول الذکر قول اگر صحیح روایت سے ثابت ہو جائے تو اس قول کا یہ مطلب ہے کہ جہنم پر ایک ایسا وقت آئے گا جب اس کے اندر کوئی اہل ایمان میں سے نہیں رہے گا (سب کافر ہی رہ جائیں گے) اور کافر تو اس میں ہمیشہ بھرے رہیں گے۔

میں نے آیت لٰبِثِیْنَ فِیْهَا اَحْقَابًا کی تفسیر میں لکھ دیا ہے کہ یہ آیت بدعتی مسلمانوں کے حق میں نازل ہوئی۔ لیکن اکثر اہل تفسیر کے نزدیک احقاب سے مراد غیر متناہی صدیاں ہیں۔ جب علماء کا یہ اجماع ہو گیا کہ کفار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے تو اب اس آیت کا اور آیۃ کے اندر جو دو استثناء کئے گئے ہیں ان کا مطلب کیا ہوگا۔ اس کی توضیح علماء نے مختلف طور پر کی ہے۔ میرے نزدیک سب سے اچھا مطلب یہ ہے کہ کفار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے مگر جب ان کو بھڑکتی آگ سے نکال کر کھولتے اُبلتے پانی میں لے جا کر ڈالنا ہوگا تو جحیم سے کھینچ کر حمیم میں ڈال دیا جائے گا اور اس طرح ہمیشہ ہوتا رہے گا۔

بغوی نے آیت یَطُوْفُوْنَ بَیْنَهَا وَبَیْنَ حَمِیْمٍ اٰنٍ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ وہ حمیم و جحیم کے درمیان چکر لگاتے رہیں گے۔ آگ کی شدّت کی وجہ سے جب وہ فریاد کریں گے تو گرم ابلتا پانی جو پگھلے ہوئے تانبے یا تیل کی طرح ہوگا ان کو پلایا جائے گا۔

اللہ نے فرمایا وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ کَالْمُهْلِ یا آگ اور زمہریر (سخت ترین سردی) کے عذاب میں چکر لگاتے رہیں گے۔ شیخین نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ دوزخ نے اپنے رب سے شکایت کی اور عرض کیا اے میرے رب میرے ایک حصے کو شدّت گرمی کی وجہ سے دوسرا حصہ کھائے جاتا ہے۔ اللہ نے اس کو سال میں دو سانسیں لینے کی اجازت دے دی ایک سردی کے موسم میں اور ایک گرمی کے موسم میں (موسم گرما میں) جو لوگ سخت ترین گرمی محسوس کرتے ہیں وہ دوزخ کی سانس کی وجہ سے ہوتا ہے اور سخت ترین سردی جو محسوس کرتے ہیں وہ بھی دوزخ کے سانس کے سبب سے ہوتا ہے۔ بزار نے حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے اور حضرت ابو سعیدؓ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔ بعض محققین کا خیال ہے کہ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ میں استثناء کا رجوع (گناہ گار) مؤمنوں کی طرف ہے۔ بدبخت مؤمنوں کو گناہوں کی سزا میں اللہ دوزخ میں ڈال دے گا پھر ایک مدت کے بعد وہاں سے رہا کر دے گا۔ حضرت انسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کچھ لوگوں کو گناہوں کی سزا میں دوزخ کی لپٹ لگے گی، پھر اللہ اپنی رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرما

Marfat.com

دے گا اور ان کو اہل جنت کی طرف سے جہنمی کہا جائے گا رواہ البخاری۔

حضرت عمران بن حصینؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کچھ لوگ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے دوزخ سے نکال لئے جائیں گے پھر ان کو جنت میں داخل کر لیا جائے گا لوگ ان کو جہنم والے کہیں گے۔ رواہ البخاری۔ طبرانی نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ کی روایت سے بھی ایسی حدیث نقل کی ہے۔ اس روایت میں امتناز ائد ہے۔ کہ وہ لوگ اللہ سے دعا کریں گے کہ جہنمی کا نام اللہ ان سے مٹا دے ان کی دعا پر اللہ یہ نام ان سے مٹا دے گا۔

حضرت جابر بن عبداللہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگوں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا اور جتنی مدت اللہ چاہے گا وہ دوزخ میں رہیں گے۔ دوزخ میں مشرک ان کو عار دلائیں گے کہ تم کو تمہارے ایمان نے کوئی فائدہ نہیں پہنچایا (ہماری طرح تم بھی دوزخ میں ہو) اس پر اللہ ہر موحد کو دوزخ سے نکال لے گا کوئی موحد وہاں باقی نہیں رہے گا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ اسی مفہوم کو دوسرے الفاظ میں ایک طویل حدیث کے ذیل میں طبرانی اور بیہقی اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور طبرانی نے حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ گناہگار مؤمنوں کا دوزخ میں جانا پھر وہاں سے نکلنا اتنی احادیث میں آیا ہے جو حد تواتر تک پہنچ چکی ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے بدکار مؤمن دوزخ سے نکالے جائیں گے اور صحت استثناء کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔ مجموعے سے کسی حکم کے منتفی ہونے کے لئے بعض افراد سے حکم کا زوال کافی ہے۔ اور استثناء دوئم سے یہی (گناہگار مؤمن) مراد ہیں عذاب کے زمانے میں باوجود مؤمن ہونے کے یہ لوگ جنت سے دور ہوں گے۔ دوامی، ابدی حکم کی نفی دونوں طور پر ہوتی ہے انتہا کی جانب منقطع ہونا اور ابتداء کی جانب نقطۂ آغاز ہونا۔ پس یہ لوگ نہ دوامی سعید ہوں گے نہ ابدی شقی بلکہ گناہوں کی وجہ سے شقی اور ایمان و یقین کی وجہ سے سعید۔

## ایک شبہ

اس صورت میں تو فَمِنْهُمْ شَقِیٌّ وَّسَعِیْدٌ کہنا صحیح نہ ہوگا کیونکہ جب تیسری قسم نکل آئی جو سعید بھی ہے اور شقی بھی عقیدہ کے اعتبار سے سعید اور اعمال کی وجہ سے شقی تو شقی اور سعید کو دو قسمیں قرار دینا اور دونوں کو باہم مقابل اور حریف سمجھنا غلط ہوگا۔

## ازالہ

تقابل اور دو چیزوں کے انفصال کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱) دونوں چیزیں ایک وقت میں ایک جگہ جمع نہ ہو سکیں اور نہ یہ ممکن ہو کہ دونوں نہ ہوں بلکہ ایک کا ہونا اور دوسری کا نہ ہونا ضروری ہے جیسے وجود و عدم، اثبات و نفی۔

(۲) دونوں چیزوں کا ایک وقت میں ایک جگہ جمع ہونا ممکن نہ ہو لیکن یہ ممکن ہو کہ دونوں چیزیں نہ ہوں تیسری کوئی چیز ہو۔ جیسے سیاہی اور سفیدی۔ ایک چیز سیاہ بھی ہو اور سفید بھی ایسا نہیں ہو سکتا۔ لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ سیاہ بھی نہ ہو اور سفید بھی نہ ہو، سرخ یا زرد ہو۔

(۳) یہ ممکن نہ ہو کہ دونوں چیزیں نہ ہوں لیکن دونوں کا جمع ہونا ممکن ہو۔ جیسے یہ ممکن نہیں کہ قیامت کے دن حشر کے بعد کوئی شخص سعید بھی نہ ہو اور شقی بھی نہ ہو۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ سعید بھی ہو اور شقی بھی۔ عارضی مدت کے لئے دوزخ

Marfat.com

میں چلا جائے یہ اس کی شقاوت ہو پھر رہائی پا کر جنت میں داخل ہو جائے یہ اس کی سعادت ہو (مترجم)

آیت میں یہی تیسری قسم مراد ہے یعنی کچھ لوگ خالص سعید ہوں گے کچھ خالص شقی اور کچھ سعید و شقی کا مجموعہ ایسا کوئی نہ ہوگا کہ سعید بھی نہ ہو اور شقی بھی نہ ہو۔

بعض علماء نے کہا مَا شَآءَ سے مراد ہے مَنْ شَآءَ اور مَنْ شَآءَ سے مراد ہیں گناہ گار مؤمن۔

بعض اہل تفسیر نے کہا کہ حساب کے لئے میدانِ حشر میں کھڑے ہونے کا وقت یا دنیا میں عالم برزخ میں رہنے کا وقت مستثنیٰ ہے۔ اہلِ سعادت کا دوامی جنتی ہونا اور اہلِ شقاوت کا دوامی دوزخی ہونا حساب و کتاب کے بعد ہوگا۔ اللہ نے حساب کا پورا وقت یا دنیا میں رہنے کا وقت یا برزخ میں رہنے کا وقت، سکونتِ جنت و دوزخ کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا۔ ان اوقات میں آدمی نہ جنت میں ہوگا نہ دوزخ میں اس تفسیر پر ممکن ہے بلکہ احتمال ہے کہ حسبِ قول بیضاوی خلود سے استثناء ہو یعنی ان اوقات کے علاوہ جنتی کا جنت میں اور دوزخی کا دوزخ میں خلود و دوام ہوگا۔

بعض علماء نے کہا استثناء کا رجوع لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَّ شَهِيقٌ کی طرف ہے یعنی جتنی مدت اور جن اوقات میں اللہ کو منظور ہوگا ان کا زفیر و شہیق نہ ہوگا۔

سیوطی نے البدور السافرہ میں لکھا ہے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ لفظ اِلَّا کو لَيْسَ کے معنی میں قرار دیا جائے۔ استثناء کے لئے نہ قرار دیا جائے یعنی اِلَّا کے معنی اس جگہ علاوہ اور سوا کے ہیں جیسے عربی میں بولا جاتا ہے لَكَ عَلَيَّ اَلْفٌ دِرْهَمٌ اِلَّا الْاَلْفَانِ الْقَدِيْمَانِ تیرے مجھ پر ہزار درہم ہیں علاوہ سابق کے دو ہزار کے یعنی کل تین ہزار ہیں۔ آیت کا مطلب اس صورت میں یہ ہوگا کہ وہ وہاں اتنی مدت رہیں گے جتنی مدت دنیا کے آسمان و زمین باقی تھے علاوہ اس زیادہ غیر متناہی مدت کے جتنا اللہ ان کو وہاں رکھنا چاہے گا مراد یہ ہے کہ ہمیشہ وہاں رہیں گے لیکن اس پیچ دار اسلوب عبارت کا فائدہ کیا ہے اور بیچ میں مَادَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ ذکر کرنے کا نتیجہ کیا ہے اس نکتہ کو سمجھنے کے لئے دقتِ نظر کی ضرورت ہے پہلے طویل مدت کو ذہن نشین کرنے کے لئے مدتِ بقائے سماء و ارض کو ذکر کیا جس سے لوگ واقف تھے پھر اس کے بعد غیر متناہی اور آن گنت مدت کی طرف اشارہ کیا ہے تاکہ غیر متناہی مدت کا طول سمجھ میں آجائے۔

بعض علماء نے کہا اِلَّا بمعنی واو (اور) ہے جیسے دوسری آیت میں آیا ہے لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا تاکہ تمہارے خلاف لوگوں کو کوئی دلیل نہ ملے اور نہ ظالموں کو تم پر کوئی حجت حاصل ہو۔ مطلب یہ ہے کہ وہ وہاں رہیں گے جب تک آسمان اور زمین قائم رہیں گے اور جب تک اللہ چاہے گا یعنی ہمیشہ رہیں گے۔ فراء نے کہا یہ استثناء تو ہے مگر ایسا استثناء ہے کہ اس کا فعلی ظہور کبھی نہیں ہوگا، اگر تمہارا ارادہ پختہ طور پر کسی کو مارنے کا ہو مگر تم اس طرح کہو خدا کی قسم میں تجھے ضرور ماروں گا مگر اس وقت جب کہ نہ مارنا میری نظر میں بہتر ہو (تو نہیں ماروں گا) اس صورت میں مطلب اس طرح ہوگا کہ وہ وہاں اس وقت تک رہیں گے جب تک اللہ چاہے گا جب اللہ اس کے خلاف چاہے گا تو وہ نکال لے جائیں گے یعنی اگر اللہ چاہے گا تو ان کو رہائی دے دے گا، لیکن وہ ایسا کبھی نہیں چاہے گا۔

قتادہ نے کہا (ہمیں نہیں معلوم) اللہ ہی اس استثناء کے مطلب سے واقف ہے۔[1]

---

[1] اس فقیر کی نظر میں آیت کے مطلب میں کوئی ابہام نہیں بلکہ اس طرزِ بیان میں خاص قدرت ہے اور کوتاہ نظر لوگوں کے دماغوں میں پیدا ہونے والے شبہ کا جواب بھی ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ آیت میں بعض احوالِ آخرت کا اظہار بھی کیا گیا ہے۔ مؤمنوں کے لئے دوامی جنت اور کافروں کے لئے دوامی دوزخ کی صراحت کی ہے اور یہی قرینہ ہے اس بات کا کہ سماوات و ارض سے مراد جنت و دوزخ کے آسمان و زمین ہیں اور چونکہ یہ اُخروی آسمان و زمین لازوال ہیں اور جنت و دوزخ کے اندر سکونت کو بقائے سماوارض کے ساتھ مقید کیا ہے۔ اس لئے جنت و دوزخ کی سکونت بھی دوامی (بقیہ اگلے صفحے پر)

Marfat.com

اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ۝ بے شک آپ کا رب جو کچھ چاہے پورے طور پر اس کو کر سکتا ہے۔ (یعنی اس کا اختیار کلی اور ہمہ گیر ارادہ اور محیط کل مشیت آزاد ہے وہ مجبور نہیں ہے کہ اہل جنت کو جنت اور اہل نار کو دوزخ کی سکونت دوامی دینے کے بعد بے اختیار ہو گیا ہو کہ کسی کو اس کے مسکن سے باہر نہ نکال سکے لیکن نکالے گا نہیں۔ بقول فراء یہ استثناء صحیح ہے لیکن اس کا فعلی ظہور کبھی نہیں ہو گا۔

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ

اور لیکن جو خوش نصیب ہوں گے وہ جنت میں ہوں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک آسمان و زمین قائم رہیں گے مگر جب آپ کے رب کی مشیت ہو گی (تو نکل سکیں گے اگرچہ کبھی نہیں نکلیں گے) استثناء کے متعلق علماء کے مختلف اقوال اس آیت میں بھی وہی ہیں جو گزشتہ آیت کی تفسیر میں بیان کر دیئے گئے۔

میرے نزدیک اس جگہ پسندیدہ قول یہ ہے کہ بعض اوقات میں اہل جنت کو اس درجہ پر فائز کر دیا جائے گا۔ جو جنت سے بھی اعلیٰ ہو گا یعنی اللہ کے دیدار میں استغراق اور بارگاہ قدس سے ناقابل بیان اتصال۔ اہل تفسیر نے آیت وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ کی تشریح میں لکھا ہے کہ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ میں اِلٰى رَبِّهَا کو نَاظِرَةٌ سے پہلے ذکر کرنا مفید حصر ہے (اپنے رب ہی کی طرف دیکھ رہے ہوں گے) یعنی اللہ کے دیدار میں اتنا غرق ہوں گے کہ کسی دوسری چیز کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھائیں گے۔ حضرت جابرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اہل جنت اپنے عیش میں ہوں گے کہ اچانک اوپر سے ایک نور ان پر نمودار ہو گا وہ سر اٹھا کر دیکھیں گے تو اللہ تبارک و تعالیٰ اوپر ان کو جھانکتا دکھائی دے گا اور خطاب فرمائے گا اے اہل جنت تم پر سلام ہو۔ آیت سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ کا یہی مطلب ہے غرض اللہ ان کی طرف دیکھے گا اور وہ اللہ کی طرف۔ اللہ کی جانب دیکھنے کے وقت وہ کسی اور نعمت کی طرف التفات بھی نہیں کریں گے۔ یہاں تک کہ اللہ حجاب کر لے گا اور اس کی چمک و برکت اہل جنت کی گردن میں رہ جائے گی رواہ ابن ماجہ و ابن ابی الدنیا و دار قطنی۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مکتوب ۱۰۰ جلد سوئم میں یعقوبؑ کی یوسفؑ کے ساتھ دلآویزی کی حقیقت کی تشریح کے ذیل میں لکھا ہے کہ اللہ کے اسماء میں سے جو اسم جس شخص کا مبدء تعین (مرکز ظہور) ہوتا ہے اس اسم کا ظہور (کسی جسم کے اندر) اس شخص کی جنت ہوتا ہے اور اس اسم کا ظہور تجلی درختوں، نہروں، شاندار محلات اور حور و غلمان کی شکل میں ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جنت کی مٹی پاکیزہ ہے اور پانی شیریں ہے اور وہاں میدان ہیں اور اس کے پودے یہی ہیں یعنی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ جنت کے پودے ہیں۔ حضرت مجددؒ نے فرمایا کبھی یہ درخت اور نہریں چمکدار روشن زجاجی اجسام (جیسے عینک کے آئینے) کی شکل اختیار کر لیں گے اور اللہ کے بے کیف دیدار کے حصول کا ذریعہ ہو جائیں گے انہیں کے ذریعے سے اللہ کا دیدار حاصل ہو جائے گا مگر یہ رؤیت ہر کیفیت سے پاک ہو گی پھر اپنی اصلی (شجری یا نہری) شکل کی طرف لوٹ آئیں گے اور مؤمن پھر انہیں سے (اسی شجری یا نہری شکل میں) تفریح کرے گا۔ اور اس طرح ہمیشہ ہمیشہ ہوتا رہے گا ہم نے اس مقام کی مزید توضیح سورۂ قیامۃ کی آیت رؤیت کی تفسیر کے ذیل میں کی ہے۔

عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ۝ وہ غیر منقطع عطیہ ہو گا۔ یعنی اللہ کا وصال اور دیدار ایک ایسا عطیہ خداوندی ہو گا

(بقیہ پچھلے صفحہ کا) ہو گی۔ لیکن اس صراحت کے بعد کیا خدا مجبور ہو گیا کیا وہ مشیت سے معطل ہو گیا۔ کیا اس کا کوئی اختیار نہیں رہا یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا اس کو زائل کرنے کے لئے مشیت کا استثناء کر لیا جس کا مطلب یہ نکلا کہ اللہ نے جنتیوں کے جنت اور دوزخیوں کے لئے دوزخ کو دوامی کر دی لیکن وہ مجبور نہیں ہو گیا اس کی مشیت اس کے خلاف بھی کار فرما ہو سکتی ہے یعنی یہ دوامی حکم اس نے اپنی مشیت سے جاری کیا ہے اور اس حکم کے اجراء کے بعد اس کی مشیت و اختیار کی صفت سلب نہیں ہو گئی وہ جب چاہے مذکورہ صراحت کے خلاف بھی اپنے اختیار کو استعمال کر سکتا ہے مگر چونکہ اس نے وعدہ کر لیا ہے اور سزا و جزا دوامی ہونے کی صراحت کر دی ہے اس لئے باوجود اختیار کامل اور مشیت تامہ کے اس حکم کو منسوخ نہیں کرے گا۔ واللہ اعلم (مترجم)

Marfat.com

جس کا سلسلہ کبھی منقطع نہ ہوگا۔ یوں تو جنت کی ہر نعمت غیر منقطع اور لازوال ہوگی لیکن اللہ کا وجود اصل اور حقیقی ہے اور دوسری چیزوں کا وجود ظلی ہے اللہ کے وجود سے وابستہ (بلکہ اس کا پرتو۔ مترجم) پس بذاتہ اور خود بخود موجود صرف اللہ ہے باقی ہر چیز مالک اور معدومُ الاصل ہے جیسے مانگے کپڑے اپنے نہیں ہوتے مالک کے ہوتے ہیں۔ پس اللہ جو اہلِ جنت کو اپنا بے کیف وصل عنایت کرے گا اور بے حجاب دیدار دکھائے گا وہی اصل، حقیقی اور غیر منقطع عطا ہوگی، باقی دوسری نعمتیں واصلِ ذات کے مقابلے میں ذیلی، ظلی اور اصلاً معدوم ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

ابن زید نے کہا اہلِ جنت کے لئے تو اللہ نے اپنی غیر منقطع عطا کا ذکر کر دیا لیکن یہ نہیں بتایا کہ وہ دوزخیوں کے لئے کیا چاہے گا کیا کبھی ان کا عذاب منقطع کرنا چاہے گا یا ان کا عذاب بھی لازوال ہوگا بلکہ دوزخیوں کے حق میں فرمایا اِنَّ رَبَّکَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ۔

فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّمَّا یَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ غَیْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع ۹ ۱۴ ۹

سو (اے مخاطب) جس چیز کی یہ پرستش کرتے ہیں اس کے بارے میں ذرا شبہ نہ کرنا یہ لوگ بھی اسی طرح بلا دلیل کے غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں جس طرح ان کے بزرگ ان سے پہلے عبادت کرتے تھے۔ یعنی تمام لوگوں کی سزا و جزا کی جو تفصیل ہم نے بیان کر دی اس کے بعد آپ شک میں نہ رہیں کہ مشرک جو غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں وہ سراسر گمراہی ہے اور اسی عذاب کا مستحق بنانے دینے والی ہے جس عذاب کے مستحق ان کے اسلاف اپنی مشرکانہ عبادت کی وجہ سے ہوئے یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے بیان کے بعد آپ کو شک نہ کرنا چاہئے کہ ان مشرکوں کے معبود نہ نفع پہنچا سکتے ہیں نہ ضرر، ان کے معبود بھی ویسے ہی ہیں جیسے ان کے مشرک اسلاف کے۔ (اول مطلب پر مِمَّا یَعْبُدُ میں مَا مصدریہ ہوگا اور دوسرے مطلب پر موصولہ مترجم)۔

اِلَّا كَمَا یَعْبُدُ الخ یہ ممانعت شک کی علت ہے یعنی ان کی عبادت بھی ویسی ہی مشرکانہ ہے جیسی ان کے اسلاف کی تھی (ما مصدریہ) یا یہ بھی انہیں کی پوجا کرتے ہیں جن کی ان کے اسلاف کرتے تھے (ما موصولہ) اور یہ آپ کو پہلے معلوم ہی ہو چکا کہ ان کے اسلاف کا نتیجہ کیا ہوا۔ پس جو نتیجہ اُن کا ہوا وہی اِن کا ہوگا اسباب ایک جیسے ہیں تو نتائج بھی ایک ہی طرح کے ہوں گے۔

نَصِیْبَهُمْ نصیب سے مراد ہے حصۂ عذاب یعنی ان کا عذاب کا حصہ بھی اپنے اسلاف کی طرح پورا پورا ہوگا یا حصۂ رزق مراد ہے اس مطلب پر تأخیرِ عذاب کی وجہ کا اظہار ہو جائے گا کہ ہم نے جو اُن کے عذاب کو مؤخر کر دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم ان کے رزق کا حصہ پورا کر رہے ہیں۔ لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِیْبَهُمْ کا مصدر تَوْفِیَه (باب تفعیل) ہے جس کا معنی ہے ادا کرنا، خواہ پورا پورا ہو یا کمی کے ساتھ۔

وَفَّیْتُهٗ حَقَّهٗ میں نے اس کا حق دے دیا اگر کچھ حصۂ حق بھی دے دیا ہو تب بھی یہ جملہ بولا جاتا ہے اور یہاں مراد ہے پورا پورا حق دینا اس لئے تاکید کے لئے غیر منقوص فرمایا کہ ان کے حصے کی ادائیگی میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔)

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ اور یقیناً ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی (یعنی توریت) پھر اس میں اختلاف کیا گیا کسی نے اس کو مانا تصدیق کی کسی نے نہ مانا تکذیب کی۔ اس میں رسول اللہ ﷺ کے لئے تسلی کا پیام ہے کہ قرآن کی تصدیق و تکذیب کوئی نئی بات نہیں، موسیٰؑ کو جو توریت دی گئی تھی اس کو ماننے نہ ماننے میں ایسے ہی اختلاف ہو گیا تھا۔

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ اور اگر ایک بات آپ کے رب کی طرف سے نہ ہو چکی ہو تو ان کا قطعی فیصلہ دنیا میں ہی ہو چکا ہوتا یعنی اگر قیامت تک مُہلت دینے کا اللہ کا (ازلی) حکم نہ ہو گیا ہوتا تو حق



Marfat.com

پرست اور باطل پرست کا فیصلہ یہیں ہو چکتا حق پرست کو بچالیا جاتا اور باطل پرست پر عذاب آجاتا۔

وَ اِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ﴿۱۱۰﴾ اور وہ (یعنی کفارِ مکہ) قرآن (یا عذاب) کی طرف سے شک میں مبتلا ہیں جو ان کو متردد بنائے ہوئے ہے۔

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ اور بالیقین یہ سب کے سب ایسے ہیں کہ آپ کا رب ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا حصہ دے گا۔

اِنَّ حرفِ تحقیق ہے نافع ابن کثیر اور ابو بکر کے نزدیک اِنْ، مخففہ ہے (اصل میں اِنَّ تھا) کُلًّا میں تنوین مضاف الیہ کے بجائے آئی ہے یعنی اختلاف کرنے والوں میں سے ہر ایک خواہ مؤمن ہو یا کافر۔ لَمَّا اصل میں لَمَنْ مَا تھا نون کو میم سے بدل دیا۔ تین میم جمع ہو گئے اول میم کو حذف کر دیا پھر ایک میم کا دوسرے میم میں ادغام کر دیا مَا زیادہ ہے۔ بعض نے کہا اصل میں دَمَّا تھا لَمَمْتُ کا مصدر لَمًّا ہے جس کا معنی ہے جمع کرنا۔

صاحب ایجاز نے لکھا ہے کہ یہ لَمَّا ظرفیہ ہے اور کلام میں کچھ اختصار ہے اصل کلام اس طرح تھا وَاِنْ كُلًّا لَّمَّا بُعِثُوْا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ جب ہر شخص کو قیامت کے دن اٹھایا جائے گا تو اللہ اس کے اعمال کا ضرور بدلہ دے گا۔

اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱۱﴾ جو کچھ وہ کرتے ہیں یا کرتے تھے اللہ اس سے پورا واقف ہے کوئی پوشیدہ عمل بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔ خبیر ہو یا شر (ہر چیز سے وہ باخبر ہے)۔

فَاسْتَقِمْ كَمَاۤ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ پس جو حکم آپ کو دیا گیا ہے آپ بھی اس پر قائم رہیں اور وہ لوگ بھی جو آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں۔

جب اللہ نے مؤمنوں اور کافروں یعنی توحید و نبوت کو ماننے اور نہ ماننے والوں کا ذکر پہلے کر دیا اور سزا و جزا کے وعدے اور وعید کی بھی وضاحت کر دی تو اب استقامت کا حکم دیا رسول اللہ ﷺ کو بھی اور دوسرے اہل ایمان کو بھی۔ استقامت کا لفظ اپنے اندر عموم رکھتا ہے ہر طرح کی استقامت کو شامل ہے۔

(۱) عقائد کی استقامت، یعنی اللہ کی ذات کو تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع سمجھنا (صفاتِ خداوندی کا انکار نہ کرنا) مگر اس کی صفات کو مخلوق کی صفات کے مشابہ بھی نہ قرار دینا (یعنی یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ کی کوئی صفت مخلوق کی صفت ..... کی طرح نہیں ہے۔ اس کی صفات کامل ہیں) اور نہ بندوں کو بالکل مجبور سمجھ لینا نہ کامل مختار (یعنی انسان کو درو دیوار اور چرند و پرند کی طرح بے اختیار بھی نہ سمجھنا اور نہ قادر مطلق بے لگام مختار کہ جیسا چاہے کر سکے اور جب چاہے جا سکے بلکہ درمیانی سیدھی راہ پر ہی چلنا)۔

(۲) اعمال کی استقامت یعنی وحی اور شریعت کو پورا پورا بیان کر دینا نہ اس میں زیادتی کرنا نہ کمی۔

(۳) عبادات اور معاملات کو ان کے حقوق کے موافق ادا کرنا نہ ان میں (جذبۂ خیر کے زیر اثر) زیادتی کرنا کہ پانچ وقت کی جگہ چھ وقت کی نماز فرض قرار دے دی جائے نہ کمی کرنا کہ چار رکعت فرض کی جگہ تین رکعتیں مقرر کر لی جائیں)

حضرت سفیان بن عبد اللہ ثقفیؓ کا بیان ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ کے بعد میں کسی سے پوچھنے کا محتاج نہ رہوں فرمایا اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ کہو اور استقامت رکھو، رواہ مسلم۔ (یعنی سیدھی چال چلو اور اس پر قائم رہو) لفظ استقامت تمام اُمور کو حاوی ہے۔

حضرت عمر بن خطابؓ نے فرمایا، استقامت سے مراد یہ ہے کہ اوامر و نواہی پر قائم ہو جائے اور لومڑی کی طرح (راہِ مستقیم سے ادھر ادھر) نہ مڑے۔

استقامت بہت ہی سخت حکم ہے (یعنی اس پر عمل کرنا انتہائی دشوار ہے) اس لئے صوفیاء کا قول ہے کہ استقامت کا مرتبہ کرامت سے اونچا ہے۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی پوری نبوت کی مدت میں اس آیت

Marfat.com

سے زیادہ سخت آپ ﷺ پر کوئی اور آیت نازل نہ ہوئی اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا مجھے سورۂ ہود نے بوڑھا کر دیا، میں کہتا ہوں حضرت ابن عباسؓ کے اس قول سے معلوم ہو رہا ہے کہ سورۂ ہود نے جو رسول اللہ ﷺ کو بوڑھا کر دیا اس سے مراد پوری سورت نہیں بلکہ اس سورت کی یہی آیت ہے جس میں استقامت کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ حضور ﷺ کو فطرتاً اور تخلیقاً استقامت کے حامل تھے مگر آپ پر ایمان لانے والے اور آپ کا اتباع کرنے والی ساری امت تو ایسی نہ تھی اور امت پر آپ بڑے مہربان تھے اسی فکر نے آپ کو بوڑھا کر دیا کہ امت کے لئے استقامت سخت دشوار ہے اس کا کیا ہوگا۔

بظاہر فرمانِ نبوی شَیَّبَتْنِیْ سُوْرَتُ هُوْدٍ کا یہ مطلب معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ ہود میں گزشتہ امتوں کی نافرمانی اور ان کی ہلاکتوں کا بیان کیا گیا ہے جس سے اشارہ اس امر کی طرف بھی مستفاد ہوتا ہے کہ اس امت کے ظالموں کو بھی دنیا اور آخرت میں ایسے ہی عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس اندیشے نے حضور ﷺ کو بوڑھا کر دیا۔

وَلَا تَطْغَوْا ۚ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۲﴾ اور حدودِ شرع سے تجاوز نہ کرو۔ کہ اللہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

بعض علماء نے کہا طُغیان نہ کرنے سے مراد ہے غلو کرنا یعنی اوامر و نواہی کو ان کی مقررہ حدود سے آگے بڑھانا۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دین آسان ہے اس میں جو شدت اختیار کرے گا (آخر تھک جائے گا، قوت جسمانی جواب دے دے گی اور) دینی شدت اس کو مغلوب کر دے گی۔ لہٰذا تم سیدھی اور درمیانی چال چلو اور کامیابی کی لوگوں کو بشارت دو سختی کر کے مایوس نہ بناؤ) اور رفتار صبح و شام اور کچھ سیرِ شب سے مدد حاصل کرو۔ رواہ البخاری والنسائی۔

میں کہتا ہوں اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو بوڑھا کر دینے والا یہ استقامت تھا (کہ لوگ احکام میں استقامت نہیں رکھ سکیں گے)

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ ۙ اور ظالموں کی طرف نہ جھکو کہ اس میلان کی وجہ سے تم کو بھی آگ لگ جائے گی۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا رُکون سے مراد ہے محبت اور دل کا جھکاؤ یعنی دل سے مائل نہ ہو۔ ابو العالیہ نے کہا ظالموں کے اعمال کو پسند نہ کرو۔ سدی نے کہا ظالموں کے معاملہ میں چشم پوشی اور مُداہنت نہ کرو۔ عکرمہ نے کہا ظالموں کا کہنا مانو۔ بیضاوی نے لکھا ہے ادنیٰ جھکاؤ بھی ظالموں کی طرف نہ کرو۔ رُکون کا معنی ہے ادنیٰ میلان۔ مثلاً ظالموں کا کلچر اور طور طریقہ اختیار کرنا ان کا ذکر تعظیم کے ساتھ کرنا۔ یہ ادنیٰ میلان ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے جب ظالموں کی طرف ادنیٰ جھکاؤ کا نتیجہ دوزخ ہے تو سمجھو کہ خود ظلم کرنے اور ظلم میں منہمک رہنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ یہ ظلم سے باز داشت کرنے کا بلیغ ترین اُسلوب بیان ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ ایک شخص کسی امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا۔ امام نے یہ آیت پڑھی، یہ شخص سن کر بے ہوش ہو گیا۔ کچھ دیر کے بعد ہوش میں آیا اور بے ہوشی کی وجہ دریافت کی گئی تو بولا یہ سزا تو ظالم کی طرف مائل ہونے والے کی ہے ظالم کا کیا ہوگا۔ (اس تصوّر نے مجھے بے ہوش کر دیا)

حسن بصریؒ کا قول منقول ہے کہ اللہ نے دین کو دو لَا کے درمیان کر دیا ہے ایک تَطْغَوْا اور دوسرا لَا تَرْكَنُوْٓا (خود بھی حد سے تجاوز نہ کرو، اور ظالم کی طرف مائل بھی نہ ہو)۔

امام اوزاعیؒ نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ عالم ہے جو ظالم کی ملاقات کو جاتا ہے۔

حضرت ادریسؑ کا بیان ہے کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو شخص ظالم کو ظالم جانتے ہوئے قوت پہنچانے کے لئے اس کے ساتھ جاتا ہے وہ اسلام سے نکل جاتا ہے۔ ایک شخص کہدیتا ہے کہ ظالم اپنا ہی نقصان کرتا ہے دوسرے کا نہیں کرتا حضرت ابوہریرہؓ نے یہ سن کر فرمایا کیوں نہیں ظالم کے ظلم سے تو چڑیاں بھی اپنے آشیانے میں بھوکی مرجاتی ہیں۔ یہ دونوں حدیثیں شعب الایمان میں مذکور ہیں۔ بیضاویؒ نے لکھا ہے رسول اللہ ﷺ کو اور آپ کے ساتھ مؤمنوں کو اس آیت میں خطاب کی غرض یہ ہے کہ استقامت یعنی عدل پر ثابت قدم رہیں (افراط و تفریط کی طرف مائل نہ ہوں) افراط یا تفریط کی طرف جھکاؤ سے اپنے اوپر ظلم ہو یا دوسرے پر وہ تو فی نفسہ ظلم ہے (خواہ اس کی زد کسی پر پڑے یا نہ پڑے)

Marfat.com

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اور اللہ کے مقابلہ میں تمہارا کوئی مدد گار نہ ہوگا۔ پھر تمہاری مدد (کہیں سے بھی) نہیں کی جائے گی۔

اولیاء یعنی مددگار۔ جو عذاب کو دفع کر سکیں۔ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ یعنی پھر اللہ تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ تم کو عذاب دینے کا حکم ازلی فیصلہ ہو چکا ہے۔ ثُمَّ استبعاد کے لئے ہے یعنی اللہ کی طرف سے تمہاری مدد ہونی بہت بعید نا ممکن ہے یا کسی طرف سے بھی تمہاری مدد ممکن نہیں جس کو اللہ عذاب دینا طے کر لے اس کی مدد کون کر سکتا ہے ترمذی اور نسائی نے بیان کیا کہ حضرت ابوالیسر (بقول بغوی ان کا نام عمرو بن عزیہ انصاری تھا) نے فرمایا ایک عورت کچھ چھوارے خریدنے میرے پاس آئی۔ میں نے کہا گھر کے اندر اس سے اچھے چھوارے ہیں (تم میرے ساتھ چل کر دیکھ لو) وہ میرے ساتھ اندر چلی گئی اندر پہنچ کر میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کا بوسہ لے لیا (کرنے کو تو ایسا کر گزرا) پھر مجھے اپنے کئے پر پچھتاوا ہوا اور حضرت ابو بکرؓ کی خدمت میں آکر واقعہ عرض کر دیا، آپ نے فرمایا توبہ کرو اور اس کو ظاہر نہ کرو میں حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا اور ان سے تذکرہ کیا انہوں نے بھی یہی فرمایا کہ توبہ کرو اور ظاہر نہ کرو آخر مجھ سے ضبط نہ ہو سکا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا جو شخص اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے گیا ہوا ہے تو نے اس کی غیبت میں اس کی بیوی کے ساتھ ایسی حرکت کی، اندازہ ہوتا تھا کہ حضورؐ نے میرے دوزخی ہونے کا خیال کر لیا پھر آپ نے تھوڑی دیر سر جھکایا اور آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ ؕ آپ نماز کی پابندی رکھئے دن کے دونوں سروں پر۔ اور رات کے کچھ حصوں میں۔ جو دن کے قریب ہوں۔

صحابہؓ نے عرض کیا کہ یہ آیت کیا آپ کے لئے مخصوص ہے یا سب لوگوں کے لئے ہے فرمایا سب لوگوں کے لئے ہے۔ صاحب لباب النقول نے لکھا ہے حضرت ابوالیسرؓ کی روایت کی طرح حضرت ابوامامہؓ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت بریدہؓ وغیرہم کی روایت سے بھی یہ حدیث آئی ہے۔

دن کے دونوں کناروں سے مراد ہے صبح اور شام۔ زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ رات کا ایک ٹکڑا یا چند ساعات جو دن سے متصل ہوں (یعنی پچھلی رات یا شروع رات) زُلَفٌ زُلْفَةٌ کی جمع ہے۔ اَزْلَفَهٗ اس کو قریب کر دیا۔

حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک دن کے دونوں کناروں سے فجر اور مغرب کی نمازیں اور زُلَفًا سے عشاء کی نماز مراد ہے۔ حسنؒ نے کہا دن کے دونوں کناروں سے مراد فجر اور عصر کی نمازیں ہیں اور زُلَفٌ سے مراد مغرب و عشاء ہیں۔ حسن بصری کی اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر و عصر کی اور مغرب و عشاء کی نمازیں بوقت ضرورت ایک ہی شمار کی جاتی ہیں، اسی بنا پر امام مالک و امام شافعی و امام احمدؒ کا قول ہے کہ اگر عصر کے آخر وقت میں کوئی کافر مسلمان ہو جائے یا حائضہ پاک ہو جائے یا لڑکا بالغ ہو جائے تو اس پر ظہر و عصر دونوں نمازیں واجب ہو جائیں گی اور عشاء کے آخر وقت میں صورت مذکورہ اگر پیدا ہو جائے تو مغرب اور عشاء دونوں کا وجوب ہوگا امام ابو حنیفہؒ کا قول جمہور ائمہ کے قول کے خلاف ہے ہمارے نزدیک صرف عصر اور عشاء کی نماز واجب ہوگی آیت اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا کی تشریح میں سورۂ نساء میں ہم نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کی تائید میں مختلف احادیث نقل کی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نماز کا وقت دوسری نماز کے وقت سے جدا ہے اس لئے امام صاحبؒ کے نزدیک سفر، یا بیماری یا بارش کے عذر کی وجہ سے بھی ظہر و عصر اور مغرب و عشاء کو ملا کر ایک وقت میں پڑھنا درست نہیں اور بغیر عذر کے تو دو نمازوں کو ایک وقت میں ادا کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

امام مالکؒ و امام احمدؒ کے نزدیک سفر کی حالت میں دو نمازوں کو جمع کرنا درست ہے، امام مالک اور امام احمد بارش کی وجہ سے صرف مغرب و عشاء کو ایک وقت میں ادا کرنا جائز کہتے ہیں اور امام شافعی بارش کی وجہ سے صرف ظہر و عصر کو ملا کر پڑھنا درست

Marfat.com

قرار دیتے ہیں اور امام احمد کے نزدیک بیماری کی وجہ سے بھی دو نمازوں کو جمع کرنا جائز ہے۔

جمہورؒ نے اپنے مسلک کے ثبوت میں حضرت حمنہ بنت جحشؓ کا واقعہ پیش کیا ہے، حمنہ استحاضہ کی مریض تھیں (استحاضہ یعنی پیرا کا مرض جس ہر وقت خون جاری رہتا ہے) رسول اللہ ﷺ نے ان کو دو نمازوں کو جمع کرنے کا حکم دے دیا تھا اور فرمایا تھا ظہر میں تاخیر اور عصر میں عجلت (یعنی اول وقت ادا کر لیا کرو۔ پھر غسل کر کے دونوں نمازیں (ترتیب کے ساتھ) جمع کر لیا کرو۔ رواہ احمد والترمذی۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن صحیح کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سفر کی حالت میں ظہر کو عصر سے اور مغرب کو عشاء سے ملا کر پڑھا تھا۔ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سفر میں مغرب اور عشاء کی دونوں نمازیں ملا کر پڑھا کرتے۔ صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب زوال سے پہلے سفر کرتے تھے تو ظہر (آغاز) عصر تک مؤخر کر دیا کرتے تھے پھر اتر کر دونوں کو ملا کر ادا کرتے تھے اور زوال کے بعد سفر کرتے تھے تو ظہر پڑھ کر سوار ہوتے تھے

مسلم میں حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ تبوک میں ظہر کو عصر سے اور مغرب کو عشاء سے ملا کر پڑھا تھا۔ میں نے عرض کیا حضور ﷺ نے ایسا کیوں کیا فرمایا تاکہ امت کو دشوار نہ رہے امام ابو حنیفہؒ نے ان تمام احادیث کے جواب میں فرمایا کہ ان احادیث میں ملا کر پڑھنے سے مراد ہے جمع صوری یعنی ظہر کو آخر وقت میں پڑھنا اور عصر کو شروع وقت میں پڑھنا مغرب کو دیر کر کے آخر وقت میں پڑھنا اور عشاء کو جلدی کر کے آغاز وقت میں ادا کرنا اس طرح حضور ﷺ نے ہر نماز اسی کے وقت میں ادا کی لیکن ایک میں تاخیر اور دوسری میں عجلت کرنے کی وجہ سے دونوں نمازیں ملی ہوئی بیک وقت نظر آنے لگیں اور حقیقت میں ہر نماز اپنے وقت میں ہوئی۔ حضرت حمنہؓ والی حدیث میں اس کی صراحت موجود ہے۔ اور اسی معنی پر وہ حدیث محمول ہے جو صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے آئی ہے کہ مدینہ میں بغیر خوف اور بغیر سفر کے رسول اللہ ﷺ نے دو نمازیں جمع کر کے پڑھیں (یعنی ایک میں تاخیر کی اور دوسری میں عجلت) مسلم کی دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ بغیر خوف اور بغیر بارش کے ظہر کو عصر سے اور مغرب کو عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھا۔ حضرت ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا اس سے حضور ﷺ کی غرض کیا تھی فرمایا امت کو دشواری میں نہ رکھنا۔ طبرانی کی روایت ہے بغیر کسی وجہ کے مدینے میں دو نمازوں کو جمع کیا تھا۔ دریافت کیا گیا اس سے حضور ﷺ کا مقصد کیا تھا فرمایا امت کے لئے سہولت پیدا کرنا۔ ظاہر ہے کہ اس حدیث میں جمع صوری (یعنی اول نماز کو آخر وقت میں اور دوسری کو اول وقت میں پڑھنا) ہی مراد ہے بلا وجہ دونوں نمازوں کو ایک نماز کے وقت میں پڑھنا تو بالاجماع درست نہیں۔ صحیح بخاری میں عمرو بن دینار کی روایت سے تو صراحۃً یہی مضمون آیا ہے، الفاظ اس طرح ہیں میں نے کہا ابو الشعثاء میرا خیال ہے کہ حضور ﷺ نے ظہر کے وقت میں تاخیر اور عصر کی نماز میں عجلت کی ہوگی اور مغرب کو آخر وقت میں اور عشاء کو شروع وقت میں ادا کیا ہوگا۔ ابو الشعثاء نے جواب دیا میرا بھی یہی خیال ہے۔

## ایک سوال.....

جمع تاخیر کو تو جمع صوری قرار دیا جا سکتا ہے (یعنی ظہر کو اتنا مؤخر کرنا کہ عصر سے مل جائے اور مغرب کو اتنا مؤخر کرنا کہ عشاء سے متصل ہو جائے) لیکن بعض روایات میں تو جمع تقدیم کی شکل آئی ہے جس کو جمع صوری قرار ہی نہیں دیا جا سکتا (یعنی عصر کو وقت سے پہلے ظہر کے وقت میں ادا کیا اور عشاء کو اس کا وقت آنے سے پہلے مغرب کے وقت میں پڑھا) چنانچہ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے جس کو امام احمد اور بیہقی و دار قطنی نے حسین بن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عباس اور عکرمہ و کریب از ابن عباسؓ کے سلسلہ سے نقل کیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا فرودگاہ پر زوال آفتاب ہو جاتا تو سوار ہونے سے پہلے حضور ﷺ ظہر و عصر کو جمع کر لیا کرتے اور فرودگاہ پر (قیام کی حالت میں) زوال نہ ہوتا تھا تو (بغیر ظہر پڑھے) روانہ

Marfat.com

ہو جاتے تھے پھر جب عصر کا وقت آجاتا تھا تو اُتر کر ظہر اور عصر کو ملا کر پڑھتے تھے (اسی طرح) فرودگاہ پر مغرب کے وقت ہوتے تھے تو مغرب و عشاء (کو مغرب کے وقت) پڑھ لیتے تھے اور (مغرب کے وقت) فرودگاہ پر نہیں پہنچتے تھے تو سوار رہ کر چلتے رہتے تھے یہاں تک کہ جب عشاء کا وقت آجاتا تھا تو اُتر کر دونوں نمازوں کو جمع کر کے پڑھتے تھے رہی حضرت انسؓ والی روایت تو اسماعیلی و بیہقی نے اسحاق بن راہویہ کے حوالے سے اس کے الفاظ اس طرح نقل کئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر میں ہوتے تھے اور آفتاب ڈھل جاتا تھا تو ظہر و عصر کو ملا کر پڑھ لیتے تھے پھر کوچ کرتے تھے۔ نووی نے اس کی اسناد کو صحیح کہا ہے۔ اور حضرت معاذؓ والی حدیث کو امام احمد، ابوداؤد، ترمذی، ابن حبان، حاکم، دار قطنی اور بیہقی نے بحوالۂ قتیبہ از لیث از یزید بن حبیب از ابوالطفیل از معاذ بن جبلؓ ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ غزوۂ تبوک میں اگر روانگی سے پہلے زوال ہو جاتا تو حضور ﷺ ظہر اور عصر کو ظہر کے وقت میں جمع کر کے پڑھتے اور اگر زوال سے پہلے روانہ ہو جاتے تو ظہر کو مؤخر کر دیتے یہاں تک کہ عصر کے لئے اُترتے تھے (تو ظہر بھی شروع میں پڑھتے تھے پھر عصر پڑھتے تھے) مغرب کے متعلق بھی ایسی ہی روایت آئی ہے۔

ہم کہتے حسین بن عبداللہ کی روایت سے جو حدیث آپ نے بیان کی ہے وہ روایت ضعیف ہے۔ حسین ضعیف ہے ابن معین کا یہی تبصرہ ہے اور نسائی نے اس کو متروک کہا ہے۔ رہی حضرت انسؓ والی حدیث تو اس کی اسناد کو نووی نے صحیح کہا ہے۔ لیکن ذہبی نے بیان کیا ہے کہ ابوداؤد نے اسحٰق بن راہویہ کی تردید کی ہے مگر اس روایت کی متابع وہ روایت بھی ہے جس کو حاکم نے الاربعین میں بیان کیا ہے اس کے الفاظ اس طرح ہیں جب رولنہ ہونے سے پہلے زوال ہو جاتا تو ظہر و عصر پڑھ کر سوار ہوتے۔ یہ زیادتی اگرچہ غریب ہے مگر صحیح ہے۔ طبرانی نے الاوسط میں لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب سفر میں ہوتے اور روانگی سے پہلے زوالِ آفتاب ہو جاتا تو ظہر و عصر کو یکجا (ظہر کے وقت میں) پڑھ لیتے تھے اور اگر زوال سے پہلے روانہ ہو جاتے تو شروع عصر میں دونوں کو جمع کر کے پڑھ لیتے اور مغرب اور عشاء میں بھی ایسا ہی کرتے تھے مگر طبرانی نے کہا یعقوب بن محمد زہری اس روایت میں منفرد ہیں۔

حضرت معاذؓ والی مذکورہ بالا حدیث کے متعلق ترمذی نے کہا اس کی روایت میں قتیبہ منفرد ہے اور معروف وہ ہے جو مسلم نے نقل کیا ہے۔ ابوداؤد نے کہا یہ حدیث منکر ہے جمع تقدیم کے متعلق کوئی صحیح حدیث نہیں ہے۔ ابوسعید بن یونس نے کہا یہ حدیث سوائے قتیبہ کے کسی نے نہیں بیان کی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کے بیان میں غلطی ہے ابوحاتم نے اس کو معلل کہا ہے حاکم نے بھی اس پر لمبی جرح کی ہے بخاری اور ابن حزم کے نزدیک بھی قتیبہ مجروح ہے سفر کی حالت میں دو نمازوں کو اول نماز کے وقت میں جمع کرنے کے سلسلے میں ایک اور حدیث بھی آئی ہے جس کو دار قطنی نے اپنی سند سے بواسطۂ اہل بیت بیان کیا ہے مگر اس سند میں بھی غیر معروف راوی ہیں۔ اس میں ایک راوی منظر قابوسی بھی ہے جو ضعیف ہے امام ابوحنیفہؒ نے اپنے استدلال میں حضرت ابن مسعودؓ کی وہ روایت پیش کی ہے کہ جو صحیحین میں مذکور ہے حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں نے نہیں دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کوئی نماز غیر وقت میں پڑھی ہو سوائے مزدلفہ کے۔ مزدلفہ میں تو حضور ﷺ نے مغرب و عشاء کو جمع کر کے پڑھا تھا اور دوسرے دن فجر کی نماز تڑکے سے وقت سے پہلے پڑھی تھی۔ شاید حضرت ابن مسعودؓ کی مراد یہ ہے کہ معمولاً فجر کی نماز جس وقت پڑھتے تھے اس سے پہلے مزدلفہ میں پڑھ لی تھی۔ عرفہ میں دو نمازوں کو جمع کرنے کا مسئلہ چونکہ مشہور ہے اسی لئے شاید حضرت ابن مسعودؓ نے عرفہ کا ذکر نہیں کیا (صرف مزدلفہ کا ذکر کیا)۔

لَیْلَۃُ التَّعْرِیْس والی (جب کہ پچھلی رات کو ایک جگہ سفر میں حضور ﷺ نے پڑاؤ کیا تھا اور بلالؓ کو جاگتے رہنے اور فجر کے لئے بیدار کرنے کا حکم دے کر خود سو گئے تھے اور صحابہؓ بھی سو گئے اور اتفاقاً بلالؓ بھی سو گئے اور سب کی نماز قضا ہو گئی تو حضور ﷺ نے یہ حدیث فرمائی۔ اس (حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ سونے کی حالت میں (نماز قضا ہونے میں) کوئی قصور نہیں قصور تو اس بات میں ہے کہ بیداری کی حالت میں نماز میں اتنی تاخیر کر دی جائے کہ دوسری نماز کا وقت آجائے۔ امام ابوحنیفہؒ

Marfat.com

نے اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے۔

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ ؕ نیکیاں لے جاتی ہیں برائیوں کو بے شک

یعنی نیکیوں کی وجہ سے برائیاں ساقط کر دی جاتی ہیں۔ طبرانی نے ضعیف سند سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نئی نیکی پرانی بدی کا جس طرح خوبی کے ساتھ پیچھا کرتی اور تیزی کے ساتھ اس کو پہنچ جاتی ہے اتنی پہنچ والی اور کوئی خبر میں نے نہیں دیکھی۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ۔

امام احمد ناقل ہیں کہ حضرت ابوذرؓ نے فرمایا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے، فرمایا جب تو کوئی گناہ کرے تو اس کے پیچھے نیکی بھی ضرور کرنا۔ نیکی بدی کو مٹا دے گی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا نیکیوں میں سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (کا اقرار) بھی ہے۔ فرمایا وہ سب نیکیوں سے افضل ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ کسی شخص نے کسی اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا پھر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کر دیا، اس پر اللہ نے آیت وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ نازل فرمائی۔ اس شخص نے عرض کیا، کیا یہ تنہا میرے لئے ہے، فرمایا میری تمام امت کے لئے۔ دوسری روایت میں ہے میری امت میں سے جو بھی اس پر عمل کرے اس کے لئے (یہی حکم) ہے، رواہ البخاری و مسلم۔

مسلم کی روایت میں اس کے بعد اتنا اور بھی ہے کہ حضرت عمرؓ نے اس شخص سے فرمایا اللہ تیری پردہ پوشی کرتا اگر تو اپنا جرم چھپا لیتا۔ حاکم و بیہقی نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔

---

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا پانچوں نمازیں اور جمعہ کی نماز جمعہ تک اور رمضان کے روزے رمضان تک درمیانی گناہوں کو ساقط کر دینے والے ہیں۔ جبکہ آدمی کبیرہ گناہوں سے بچا رہے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر دریا ہو اور وہ اس میں روز پانچ بار غسل کرتا ہو تو کیا اس کے بدن پر کچھ بھی میل رہ جائے گا صحابہؓ نے عرض کیا کچھ نہیں رہے گا پس یہی حالت پانچ نمازوں کی ہے اللہ ان سے گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور دل گناہوں کی کثافت سے پاک ہو جاتا ہے رواہ البخاری و مسلم فی صحیحیهما۔

ذٰلِكَ یہ۔ یعنی استقیم اور اس سے بعد والا حکم یا قرآن

ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِیْنَ ﴿۱۱۴﴾ نصیحت ہے نصیحت قبول کرنے والوں کے لئے۔

وَاصْبِرْ اور اے محمدؐ آپ طاعت پر قائم رہیں یا جو دکھ آپ کو پہنچتا ہے اس پر آپ صبر کریں۔ بعض نے کہا نماز پر پابند رہیں، جیسا دوسری آیت میں آیا ہے۔ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَیْهَا۔

فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۱۵﴾ بلاشبہ نیکی کرنے والوں کا ثواب اللہ ضائع نہیں کرے گا۔ ضمیر (یعنی اجرھم) کی جگہ اسم ظاہر (یعنی المحسنین) سے کلام حامل دلیل ہو گیا کہ چونکہ وہ نیکوکار ہیں اس لئے اللہ ان کے ثواب کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس آیت میں اشارہ ہے اس امر کی جانب کہ صلوٰۃ اور صبر تم زاد ہیں اور اخلاص نیت نہ ہو تو دونوں ناقابل اعتبار ہیں۔

فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِیَّةٍ یَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ

جو امتیں تم سے پہلے ہو گزری ہیں ان میں ایسے سمجھ دار لوگ نہ ہوئے جو دوسروں کو ملک میں بگاڑ پیدا کرنے (یعنی شرک و کفر) سے منع کرتے بقیۃ (وہ شے جس کو باقی رکھا جائے یا وہ شے جو باقی رہے) سے مراد ہے عقل و خرد اور فضیلت۔ جو چیزیں آدمی باقی رکھتا ہے۔ یا جو باقی رہنا چاہئے ان میں عقل و دانش ہی سب سے اعلیٰ چیز ہے (جسمانی طاقت و صحت اور مال وغیرہ کا درجہ دانش و عقل سے کم ہے) اگر کسی میں کوئی اچھی بات اور بھلائی ہو تو اس کو ذو بقیۃ کہا جاتا ہے اور اگر کوئی برگزیدہ اور اعلیٰ طبقے میں سے ہو تو کہا جاتا ہے هُوَ مِنْ بَقِیَّةِ الْقَوْمِ ایک اور کہاوت ہے فِی الزَّوَایَا خَفَایَا وَفِی الرِّجَالِ بَقَایَا یعنی گوشوں میں کچھ چھپی چیزیں ہوتی ہیں اور آدمیوں میں کچھ اعلیٰ اشخاص ہوتے ہیں۔ بعض کے نزدیک بقیۃ سے طاعت مراد ہے۔ آیت بقیۃ

---

ا ا ا

اللّٰہ خَیۡرٌ لَّکُمۡ اور الباقیات الصالحات خیر میں ہم نے اس کی تشریح کر دی ہے۔ بعض نے کہا بقیۃ سے مراد ہے خیر باقی یعنی اچھی خصلت، یہ بھی ممکن ہے کہ بقیۃ مصدر ہو جیسے تقیۃ۔ قاموس میں ہے۔ بقی یبقی (ضرب یضرب) اور بقاء اً اور بقیا اور بقیا اس صورت میں اُولو بقیۃ کا معنی ہوا اپنے اوپر رحم کرنے والے اور اپنی جانوں کو عذاب سے محفوظ رکھنے والے۔

اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّنۡ اَنۡجَیۡنَا مِنۡہُمۡ سوائے تھوڑے آدمیوں کے جن کو ہم نے بچالیا یعنی سوائے ان لوگوں کے جو انبیاء کے متبع تھے اور لوگوں کو زمین میں تباہی پھیلانے سے روکتے تھے۔

وَ اتَّبَعَ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا مَاۤ اُتۡرِفُوۡا فِیۡہِ وَ کَانُوۡا مُجۡرِمِیۡنَ ﴿۱۱۶﴾ اور جو لوگ نافرمان تھے اور جس ناز و نعمت میں تھے اس کے پیچھے پڑے رہے اور جرائم کے خوگر ہو گئے۔

اَلَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡا سے مراد ہیں وہ لوگ جنہوں نے بُرائی سے باز داشت نہیں کی۔ یعنی خواہشاتِ عیش میں پڑے رہے آرام و عیش کی تلاش میں سرگرم رہے اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے روگرداں ہو گئے۔ مقاتل بن حبان نے مَاۤ اُتۡرِفُوۡا کا ترجمہ کیا ہے وہ چیزیں جن کی گردش میں ان کو مشغول کیا جاتا رہا تھا۔ فراء نے کہا جن چیزوں کے وہ خوگر ہو گئے تھے مجرمین سے مراد ہیں کافر۔

وَ مَا کَانَ رَبُّکَ لِیُہۡلِکَ الۡقُرٰی بِظُلۡمٍ وَّ اَہۡلُہَا مُصۡلِحُوۡنَ ﴿۱۱۷﴾ اور آپ کا رب ہرگز ایسا نہیں کہ ظلم کے ساتھ بستیوں کو تباہ کر دے جب کہ بستیوں والے مسلم ہوں۔

لِیُہۡلِکَ میں لام تاکید نفی کے لئے ہے اور اَنۡ مصدریہ محذوف ہے یعنی ظلم کے ساتھ بستیوں کو تباہ کر دینا اللہ کی عادت نہیں۔ اَہۡلُہَا یعنی ان بستیوں کے باشندے۔ مُصۡلِحُوۡنَ سے مراد ہیں مسلمان مراد یہ ہے کہ اللہ ظالم نہیں۔ بعض کے نزدیک ظلم سے مراد ہے شرک یعنی بستی والوں کے شرک کی وجہ سے اللہ ان کو تباہ اور ہلاک نہیں کرتا بشرطیکہ ان کے آپس کے تعلقات میں بے انصافی نہ ہو اور وہ باہم حق تلفیاں نہ کرتے ہوں (حاصلِ مقصد یہ ہے کہ شرک سے تباہی نہیں آتی بکثرت مشرک آباد اور دنیوی لحاظ سے مرفہ الحال اور کثیر النسل ہوتے ہیں تباہی کی جڑ یہ ہے کہ لوگ باہم حق تلفیاں کرنے لگیں کسی کی آبرو اور جان و مال محفوظ نہ ہو، خیانت، بے ایمانی، ڈاکہ، چوری، زنا، امرد پرستی، ناپ تول میں کمی بیشی اور معاملات میں کھوٹ، اور باہم بغض و عناد پیدا ہو جائے ایسی بستیوں کو اللہ تباہ کر دیتا ہے، مترجم)۔

طبرانی اور ابو الشیخ نے حضرت جریر بن عبد اللہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے (مصلحون کی تشریح میں) فرمایا باہم انصاف کرتے ہوں (تو اللہ ان کو ہلاک نہیں کرتا) شرک کی وجہ سے ہلاک نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ بڑی رحمت والا ہے اپنے حقوق سے درگزر فرما دیتا ہے۔ اگر اللہ کے اور بندوں کے حقوق میں کہیں ٹکراؤ ہوتا (کہ بندوں کے حقوق ادا کرنے سے اللہ کا حق فوت ہوتا ہو اور حق اللہ کی ادائیگی سے بندوں کی حق تلفی ہوتی ہو) تو فقہاء نے حقوق العباد کی ادائیگی کو قابلِ ترجیح قرار دیا ہے، ایک مشہور مقولہ ہے کہ حکومت شرک کے ساتھ تو باقی رہ جاتی ہے ظلم کے ساتھ باقی نہیں رہتی۔

وَ لَوۡ شَآءَ رَبُّکَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً اور اگر اللہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک گروہ بنا دیتا، یعنی سب کو نیکوکار مسلمان بنا دیتا (اگرچہ اس نے سب کو نیک مسلمان ہو جانے کا حکم دیا ہے) آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ کی مشیت الگ چیز ہے اور حکم جُدا حیثیت رکھتا ہے اور دونوں ایک نہیں ہیں اللہ نے ہر شخص کو مؤمن بنانے کا وعدہ نہیں کیا ہے اگر وہ چاہتا تو اس کی مشیت کے مطابق ضرور ہو جاتا۔

وَ لَا یَزَالُوۡنَ مُخۡتَلِفِیۡنَ ﴿۱۱۸﴾ اور لوگ ہمیشہ حق سے اختلاف کرتے رہیں گے اور طرح طرح سے باطل کی طرف مائل ہوتے رہیں گے۔ کوئی یہودی رہے گا کوئی عیسائی، کوئی آتش پرست، کوئی بت پرست، کوئی جبری، کوئی قدری، کوئی رافضی، کوئی خارجی وغیرہ (جبریہ فرقہ انسان کو بالکل بے اختیار قرار دیتا ہے اس کے نزدیک پتھر اور انسان میں کوئی فرق نہیں غیر

Marfat.com

اختیاری تکوین کی طرح عملاً بھی آدمی پتھر کی طرح غیر مختار ہے۔ قدریہ انسان کو اپنے افعال کا خالق و مختار جانتا ہے اور اختیارِ کامل کا حامل قرار دیتا ہے۔

اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ سوائے ان کے جن پر آپ کا رب رحم کرے یعنی سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ اپنی مہربانی سے راہِ مستقیم کی ہدایت کر دے یہ لوگ تو صحیح عقائد اور اوامرِ الٰہیہ کی تعمیل پر متفق رہیں گے باقی گمراہ گروہ اور اشخاص اختلاف کرتے ہی رہیں گے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہمارے سامنے رسول اللہ ﷺ نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کا راستہ ہے پھر دائیں بائیں کچھ خطوط ترچھے اور کھینچے اور فرمایا یہ مختلف راستے ہیں۔ ان میں سے ہر راستہ پر شیطان بیٹھا اپنی طرف بُلا رہا ہے پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ۔ رواہ احمد والنسائی والدارمی۔

وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ اور اسی کے لئے اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے۔ یعنی رحمت کے لئے ہی ان کی پیدائش کی ہے۔ اس مطلب پر ذٰلِكَ سے اشارہ رحمت کی طرف ہوگا اور هُمْ ضمیر مَنْ رَّحِمَ کی طرف راجع ہوگی۔ حسن اور عطاء نے کہا ذٰلِكَ سے اشارہ اختلاف کی طرف ہے اور هُمْ ضمیر اختلاف کرنے والوں کی طرف راجع ہے۔ یعنی اختلاف ہی کے لئے اللہ نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اشہب نے کہا میں نے مالک سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا، مالک نے فرمایا، اللہ نے ان کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ ایک فریق جنت میں اور دوسرا فریق جہنم میں چلا جائے۔ ابو عبیدہ نے کہا میرے نزدیک بھی یہی صحیح ہے کہ اللہ نے ایک فریق کو رحمت کے لئے اور دوسرے فریق کو عذاب کے لئے پیدا کیا ہے۔ فراء نے کہا اللہ نے اہلِ رحمت کو رحمت کے لئے اور اہلِ اختلاف کو اختلاف کے لئے پیدا کیا۔ فراء کے نزدیک ذٰلِكَ سے اشارہ رحمت اور اختلاف دونوں کی طرف ہے اور ضمیر کا مرجع اہلِ رحمت و اہلِ اختلاف دونوں ہیں۔ گویا اَلنَّاس ضمیر کا مرجع ہے اس کی تائید آئندہ آیت سے ہو رہی ہے۔

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ اور آپ کے رب کی بات پوری ہو گئی۔ کلمہ سے مراد ہے حکم یا وہ قول جو فرشتوں سے فرمایا تھا۔

لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۱۹﴾ کہ میں جہنم کو (نافرمان) اور جنات اور انسانوں سے سب سے ضرور بھر دوں گا۔

وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ اور ہم پیغمبروں کے قصے میں سے یہ سارے مذکورہ قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں۔

وَكُلًّا اور ہر خبر۔ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ پیغمبروں کی اور ان کی امتوں کی خبریں مَا نُثَبِّتُ، كُلًّا کا بیان ہے یا بدل ہے۔ یعنی انبیاء اور اقوام پارینہ کے احوال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے یقین میں استحکام اور ادائے رسالت کے لئے دل میں قوت اور ایذائے کفار کو برداشت کرنے کی طاقت پیدا ہو۔

وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ اور اس دنیا میں آپ کے پاس حق آ گیا (حسن و قتادہ)۔ دوسرے اہل تفسیر نے کہا هٰذِهِ سے مراد ہے سورت۔ ظاہر ہے کہ اَنْبَآءُ الرُّسُل کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی بیان کردہ قصص و اخبار میں جو بات حق تھی وہ آپ کے پاس آ گئی۔

وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۰﴾ اور وہ چیز آ گئی جو اہلِ ایمان کے لئے نصیحت اور یاد داشت ہے، رُسل و اقوام کے احوال کے بیان کے فوائد کا اظہار ہے۔

وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اور جو لوگ نہیں مانتے ان سے آپ کہہ دیجئے کہ آپ لوگ اپنی جگہ جو چاہو کئے جاؤ ہم اپنی جگہ اپنی قدرت کے موافق کر رہے

Marfat.com

ہیں۔

مکانت سے مراد ہے حالتِ قدرت اور وہ رخ جس پر وہ چل رہے ہیں اس کلام میں تہدید اور نتیجۂ بد کی کافروں کے لئے دھمکی ہے۔

وَانْتَظِرُوْٓا اور (ہم پر مصائب آنے کا) تم انتظار کرتے رہو۔

اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ ہم بھی (تم پر اس عذاب کے آنے کے) منتظر ہیں۔ (جو تم جیسے لوگوں پر گزشتہ زمانوں میں آچکا ہے)۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں کا اور زمین کا وہ علم جو بندوں کے علم میں نہیں ہے۔ اس سے کوئی مخفی چیز بھی پوشیدہ نہیں ہے اس لئے وہی تمہارے اعمال سے بھی واقف ہے۔

وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ اور (بندوں کے) تمام اُمور کار جوع اسی کی طرف ہے آپ کے امور کا بھی اور ان کے امور کا بھی، وہی آپ کا ان سے انتقام لے گا، وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور جیسی اس کی مرضی ہوتی ہے حکم دیتا ہے۔

فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ پس تم اس کی عبادت کرو اور اس پر بھروسہ رکھو۔ عبادت کا حکم توکل کے حکم سے پہلے دینے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ توکل کی افادیت اس وقت ہے جب عبادت کے ساتھ ہو (تنہا عبادت بغیر توکل کے مغرور بنا سکتی ہے۔ اور تنہا توکل بغیر عبادت کے اندھا توکل ہے جو اعمال کو غیر مکلف قرار دے دیتا ہے۔ مترجم)

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ اور تم لوگ جو کچھ کرتے ہو آپ کا رب اس سے غافل نہیں ہے۔

بغوی نے کعب کا قول نقل کیا ہے کہ توریت کا خاتمہ جس آیت پر ہوا ہے اُسی پر سورۂ ہود کا خاتمہ ہوا۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر بڑھاپا آگیا فرمایا مجھے سورۂ ہود اور الواقعہ اور المرسلات اور عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ اور اِذَا الشَّمْسُ کُوِّرَتْ نے بوڑھا کر دیا۔ رواہ الترمذی والحاکم، حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ بغوی نے بھی اس کی تصحیح کی ہے۔ اس حدیث کو حاکم نے حضرت ابو بکرؓ کی روایت سے اور ابن مردویہ نے حضرت سعیدؓ کی روایت سے بھی بیان کیا ہے۔

ابن مردویہ نے حضرت ابو بکرؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا مجھے سورۃ ہود اور اس کی ساتھ والیوں نے بڑھاپے سے پہلے بوڑھا کر دیا۔

ابو یعلیٰ نے ضعیف سند سے حضرت انسؓ کی روایت سے اور ابن مردویہ نے حضرت عمرانؓ کی روایت سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں، مجھے سورۂ ہود اور اس کی ساتھ والی مفصلات نے بوڑھا کر دیا۔[1]

ابن مردویہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے مجھے سورۃ ہود نے اور اس کی ساتھ والیوں نے یعنی الواقعہ اور القارعہ اور الحاقہ اور اذا الشمس کورت اور سأل سائل نے بوڑھا کر دیا۔

طبرانی نے الکبیر میں حضرت عقبہ بن عامرؓ اور حضرت ابو جحیفہؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث نقل کی ہے۔ مجھے سورۃ ہود اور اس کی ساتھ والیوں نے بوڑھا کر دیا۔ طبرانی میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت سہیل بن سعد کی روایت سے اتنا زائد کیا ہے الواقعہ، الحاقہ اور اذا الشمس کورت نے، ابن عساکر نے بروایت محمد بن علی مرسلاً نقل کیا ہے مجھے سورۂ ہود اور اس کی ساتھ والیوں نے اور ان واقعات نے جو مجھ سے پہلے دوسری امتوں کو پیش آئے بوڑھا کر دیا۔

[1] حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ پر بڑھاپا جلد آگیا۔ فرمایا مجھے سورۂ ہود اور اس کی ساتھ والی الواقعہ اور عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ اور اذا الشمس کورت نے بوڑھا کر دیا۔ (ازالۃ الخفاء)۔

Marfat.com

عبداللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں اور ابوالشیخ نے اپنی تفسیر میں، ابوعمران جونی کے حوالہ سے مرسلاً بیان کیا کہ مجھے سورۂ ہود نے اور اس کی ساتھ والیوں نے اور روزِ قیامت کے ذکر نے اور گزشتہ امتوں کے قصوں نے بوڑھا کر دیا۔

احادیثِ مذکورہ سے صراحۃً معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر بڑھاپا روزِ قیامت کے تذکرے اور گزشتہ امتوں پر ہونے والے عذاب کے ذکر سے آیا۔ اَمر بالاستقامۃ کو بڑھاپا آنے میں دخل نہیں ورنہ صرف سورۂ ہود کا ذکر کیا جاتا۔ (کیونکہ استقامت کا حکم صرف اسی سورت میں ہے) دوسری ساتھ والی سورتوں کا ذکر نہ کیا جاتا۔

واللہ اعلم

سورۂ ہود کی تفسیر بحمداللہ ختم ہوئی اس کے بعد سورۂ یوسف کی تفسیر آرہی ہے۔

(۱۶ ذیقعدہ ۱۲۰۱ھ) الحمدللہ سورۂ ہود کی تفسیر کا ترجمہ مع تشریحی اضافات کے ۷ دسمبر ۱۹۶۶ء کو ختم ہوا۔

# سورۂ یوسف

یہ سورت مکّی ہے اس میں ۱۱۱ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱ الٓرٰ۔ یہ آیتیں ہیں ایک کتاب واضح کی۔ تِلْکَ سے آیاتِ قرآن کی طرف اشارہ ہے اور اَلْکِتَابِ کی طرف اٰیَاتُ کی اضافت تقریرِ مبین ہے۔ (کتاب سے یعنی کتاب کی آیات) اور الْکِتَابْ سے مراد قرآن مجید ہے۔ یعنی یہ آیات اس قرآن کی جس کا اعجاز ظاہر ہے یا جس کے مضامین حلال و حرام حدود اور احکام واضح ہیں۔ قتادہ نے کہا واللہ اس کی برکت، ہدایت اور رُشد آگہی ہے۔ زجاج نے کہا یہ حق کو باطل سے اور حرام کو حلال سے واضح کرنے والا ہے (اس قول پر مُبین متعدی ہوگا اور قتادہ کے قول پر لازم ہوگا)۔

بعض علماء کے نزدیک تِلْکَ سے آیاتِ سورۃ کی طرف اشارہ ہے۔ اور الْکِتَابْ سے مرادِ سورۃ ہے یعنی یہ سورۃ کی آیات ہیں جو اس پر غور کرے گا اس پر واضح ہو جائے گا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے (مخلوق کا کلام نہیں ہے)۔



Marfat.com

یا یہ مراد ہے کہ یہودیوں پر (ان کے سوال کا جواب) واضح کر دینے والا ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ علماء یہود نے مشرکوں سے کہا تھا کہ محمد ﷺ سے دریافت کرو اولاد یعقوب شام چھوڑ کر مصر کیوں آگئی ہے اور یوسفؑ کا کیا واقعہ ہوا تھا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ صاحب باب النقول الباب نزول نے اس شان نزول کا ذکر نہیں کیا۔

اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا ہم نے اس کو اتارا ہے قرآن عربی زبان کا۔ قرآن اس میں جنس ہے اس کا اطلاق پوری کتاب پر بھی ہوتا ہے اور ہر جز پر بھی اگرچہ غلبۂ استعمال کی وجہ سے پورے قرآن کا نام اس کو قرار دے دیا گیا ہے لہٰذا قرآن کا حمل الکتاب پر ہو سکتا ہے خواہ الکتاب سے مراد سورت ہی لی جائے (کیونکہ اجزاء کتاب کو بھی قرآن کہا جا سکتا ہے)۔

عَرَبِيًّا کا لفظ حال ہے اور قُرْاٰنًا اس کی تمہید۔ یا قرآن موصوف ہے (جب کہ قرآن کو بمعنی اسم مفعول کے لیا جائے) اور عَرَبِيًّا صفت ہے۔

عَرَبِيًّا کہنے سے مراد یہ ہے کہ قرآن تمہاری زبان میں نازل کیا گیا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ تاکہ تم سمجھو یعنی قرآن کے معانی کو سمجھو اور فہم و دانش سے کام لے کر اس کے لطائف اور لفظی و معنوی خوبیاں جان لو۔ ؎

حاکم وغیرہ نے بیان کیا کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ پر قرآن نازل ہوا اور آپ ﷺ نے ایک زمانہ تک لوگوں کو پڑھ کر سنایا تو صحابہؓ نے (ایک روز) عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر آپ ہم کو کوئی قصہ سناتے تو بہتر ہوتا اس پر آیت اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ الخ نازل ہوئی ابن ابی حاتم نے اس روایت میں اتنا اور زائد نقل کیا ہے کہ اس کے بعد صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اگر حضور ﷺ ہم کو نصیحت فرماتے اور یاد دہانی کرتے (تو ہمارے لئے مفید ہوتا) اس پر آیت اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ الخ نازل ہوئی۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے اور ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بھی اسی طرح نقل کیا ہے حضرت ابن عباسؓ (یا حضرت ابن مسعودؓ) نے فرمایا کہ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کوئی قصہ بیان فرمائیے تو نازل ہوا۔)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ ہم تم سے بہترین قصہ بیان کرتے ہیں۔ اَلْقَصَصَ یا مصدر ہے اس وقت مفعول مطلق ہوگا بہترین بیان نادر ترین اسلوب کے ساتھ۔ یعنی ہم گزشتہ امم اور پارینہ اقوام کے قصے بہترین اسلوب کے ساتھ بیان کرتے ہیں یا اَلْقَصَصَ سے مراد ہے قصہ اس وقت مفعول بہ ہوگا یعنی قصۂ یوسفؑ بیان کرتے ہیں جو بہترین قصہ ہے اس قصہ میں عجائبات قدرت ہیں عبرتیں اور حکمتیں ہیں، دقائق اور فوائد ہیں جو دین و دنیا کے حالات کو درست کرنے والے ہیں۔ بادشاہوں اور رعایا کی مسرتیں اور علماء کے خصائل ہیں، عورتوں کی مکاری کا اظہار ہے، دشمنوں کی ایذا پر صبر کرنے کا بیان ہے، قابو پانے کے بعد بھی دشمنوں سے درگزر کرنے کی تعلیم ہے اس صورت میں قصص بروزن فعل بمعنی اسم مفعول کے ہوگا جیسے نقض بمعنی منقوض اور سلب بمعنی مسلوب کے آتا ہے۔ قصّ اثرہٗ اس کے نقش قدم پر چلا اس کی پیروی کی قصہ بیان کرنے والا واقعات کو صحیح صحیح بیان کرتا ہے جیسی خبر ہوتی ہے اسی کے موافق اظہار کرتا ہے (گویا اپنے بیان میں گزرے ہوئے واقعہ کا اتباع کرتا ہے)

خالد بن معدان نے کہا سورۂ یوسفؑ اور سورۂ مریم مزے لے لے کر اہل جنت جنت میں پڑھیں گے۔ ابن عطاء نے کہا ہر غم رسیدہ سورۂ یوسف سن کر کچھ چین پاتا ہے۔

؎ خالد بن عرفطہ کا بیان ہے میں حضرت عمرؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ خاندان عبد القیس کے ایک آدمی کو پیش کیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تو فلاں شخص ہے خاندان عبد القیس کا، اس شخص نے جواب دیا جی ہاں، آپ نے اس کو اپنی چھڑی سے مارا اس شخص نے کہا امیر المؤمنین میں نے کیا کیا ہے۔ فرمایا بیٹھ جا۔ وہ بیٹھ گیا، آپ نے اس کو تین بار یہ آیات سنائیں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ (بقیہ اگلے صفحہ پر)

Marfat.com

بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۚ اس قرآن کو وحی کے ذریعے سے آپ کے پاس بھیجنے کے سبب سے ما اوحینا سے مراد ہے وحی کرنا یعنی ما مصدری ہے اور قرآن سے مراد سورت یوسف ہے

وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۝ اگرچہ آپ اس سے پہلے ناواقف تھے، یعنی وحی کرنے سے پہلے آپ اس قصہ سے یا ان تمام قصص یا احکام و شرائع سے ناواقف تھے جن کی اطلاع آپ کو وحی کے ذریعے سے دی گئی ہے۔

اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ جبکہ یوسفؑ نے اپنے باپ سے کہا تھا اگر اَحْسَنَ الْقَصَص کو مفعول بہ قرار دیا جائے تو اِذْ قَالَ یُوْسُفُ اس سے بدل اشتمال ہوگا۔ یا یوں کہا جائے۔ اُذْکُرْ فعل محذوف ہے اور اِذْ قَالَ اس کا مفعول فیہ ہے۔ (اس وقت کو یاد کرو جب یوسفؑ نے کہا تھا) یوسفؑ عبرانی لفظ ہے اسی لئے یہ لفظ غیر منصرف ہے آپ کے باپ یعقوبؑ بن اسحاق بن ابراہیمؑ تھے اور یہ سب بزرگ پیغمبر تھے) امام احمد اور بخاری نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کریم بن کریم بن کریم بن کریم، یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ تھے۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ابا میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور چاند سورج دیکھے۔

رَاَيْتُ (اس جگہ) رؤیا (خواب سے مشتق ہے۔ رؤیت (دیکھنا) سے ماخوذ نہیں ہیں کیونکہ آگے آیت میں لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ اور هٰذَا تَاْوِيْلُ رُؤْيَايَ آیا ہے۔

سعید بن منصور نے سنن میں اور بزّار و ابو یعلی نے اپنی اپنی مسندوں میں اور ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابو الشیخ و ابن مردویہ نے اپنی تفسیروں میں اور عقیلی و ابن حبان نے ضعفاء میں، اور حاکم نے مستدرک میں اور ابو نعیم و بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو بشرطِ مسلم صحیح بھی قرار دیا ہے کہ ایک یہودی نے خدمتِ گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا (بیہقی نے اس یہودی کا نام بستان لکھا ہے) محمد ﷺ ان ستاروں کے متعلق وضاحت کرو۔ جو یوسفؑ نے خواب میں دیکھے تھے۔ حضور ﷺ خاموش رہے اور جبرائیلؑ نے نازل ہو کر آپ کو اطلاع دی، تو حضور ﷺ نے فرمایا اگر میں تجھے بتادوں گا تو کیا تو مان لے گا، یہودی نے جواب دیا جی ہاں فرمایا (گیارہ ستارے) جریان الطارق، الذیال، قابس، عمودان، الفلیق، المصبح، الفروح، الفرغ، وثاب اور ذوالکتفین تھے۔ ان کو اور سورج و چاند کو یوسفؑ نے دیکھا تھا کہ اوپر سے اُتر کر ان

(گزشتہ سے پیوستہ) الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ اور ہر مرتبہ تجلی سے مارا، اس شخص نے عرض کیا امیر المؤمنین میرا قصور کیا ہے۔ فرمایا تجھے دانیال (پیغمبر) کی کتاب پسند ہے۔ اس شخص نے کہا پھر آپ مجھے کچھ حکم دیں، میں اس کی تعمیل کروں گا، فرمایا جا کر کوئلے اور اونی کپڑے کے ٹکڑے سے رگڑ کر اس کو مٹا دے آئندہ پھر اس کو نہ خود پڑھنا نہ کسی کو پڑھانا حضرت عمرؓ نے فرمایا میں اہل کتاب سے ان کی کتاب کی ایک نقل چمڑے میں رکھ کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ تیرے ہاتھ میں کیا ہے میں نے عرض کیا یہ کتاب کی نقل ہے ہم نے اپنے علم میں اضافہ کرنے کے لئے اس کو حاصل کیا ہے یہ سنتے ہی حضور ﷺ کے دونوں رخسار (غصہ سے) سرخ ہو گئے پھر نداء دی گئی الصلوٰۃ جامعۃ انصار کہنے لگے، رسول اللہ ﷺ کو غصہ آگیا (کوئی خاص بات ہے) مسلح ہو جاؤ یہ کہہ کر انصار نے رسول اللہ ﷺ کے منبر کو (حفاظت کے لئے) چاروں طرف سے گھیر لیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگو مجھے کلماتِ جامعہ و خاتمہ عطا کر دیئے گئے ہیں میرے لئے سب کا خلاصہ کر دیا گیا (یعنی تمام گزشتہ آسمانی کتابوں کا یہ مختصر خلاصہ جامعہ ہے) میں تمہارے پاس ان کلمات کو روشن صاف ستھری شکل میں لے آیا تم تردّد نہ کرو اور حیرانی میں پڑے ہوئے لوگوں کے تردّد سے فریب نہ کھاؤ میں نے یہ سن کر کھڑے ہو کر عرض کیا میں دل سے پسند کرتا ہوں اللہ کے رب ہونے کو اور اسلام کے دین ہونے کو اور آپ کے رسول ہونے کو پھر حضور ﷺ منبر سے اتر آئے۔ ابراہیم نخعی نے اسی طرح روایت کی ہے (ازالۃ الخفاء)

Marfat.com

سب نے یوسفؑ کو سجدہ کیا۔ یہودی بولا، بے شک خدا کی قسم ان کے یہی نام تھے۔

رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ۝۴ میں نے ان کو دیکھا کہ مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔ سجدہ کرنا ذوی العقول کی خصوصیت ہے اس لئے ستاروں کے بے عقل ہونے کے باوجود ان کو صاحب عقل قرار دے کر بصیغۂ ذوی العقول ان کی تعبیر کی اور ذوی العقول ہی کی ضمیر ان کی طرف راجع ہے۔ تعبیر کے لحاظ سے گیارہ ستاروں سے گیارہ بھائی مراد تھے ستاروں کی طرح وہ بھی سر چشمۂ انوار تھے اور سورج سے اشارہ باپ کی طرف اور چاند سے اشارہ ماں کی طرف تھا۔

سدی نے کہا حضرت یوسفؑ کی ماں راحیل کا تو انتقال ہو چکا تھا اس لئے چاند سے اشارہ آپ کی خالہ کی طرف تھا۔ ابن جریج نے کہا شمس مؤنث (مستعمل) ہے اور قمر مذکر ہے اس لئے شمس سے ماں کی طرف اور قمر سے باپ کی طرف اشارہ تھا۔ مگر یہ قول غلط ہے شمس کی تانیث اور قمر کی تذکیر تو عربی لغت میں ہے (واقعہ میں نہ سورج مؤنث ہے اور نہ چاند مذکر) سورج چاند سے زیادہ روشن ہے اس لئے سورج سے باپ اور چاند سے اشارہ ماں کی طرف تھا۔ حضرت یوسفؑ نے یہ خواب جمعہ کی رات میں جو شب قدر بھی دیکھا تھا یہ قول بعض علماء کا ہے (جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ مترجم)

قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤی اِخْوَتِكَ باپ نے کہا بیٹا اپنا یہ خواب اپنے بھائیوں سے نہ بیان کرنا۔

بُنَیَّ تصغیر کا صیغہ ہے کم عمر ہونے کی وجہ سے یا بوجہ انتہائی پیار کے تصغیر کا صیغہ استعمال کیا۔ بغوی نے لکھا ہے۔ یوسفؑ اس وقت بارہ سال کے تھے۔

رؤیا نیند میں یا نیند جیسی کسی استغراق کی حالت میں کچھ دیکھنا، معمولی دیکھنے کو رؤیت تا کے ساتھ کہتے ہیں اور نیند (وغیرہ) میں دیکھنے کو رؤیا بالف مقصورہ کہا جاتا ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے قوت خیالیہ سے اتر کر اگر کوئی صورت حس مشترک میں چھپ جاتی ہے تو اس کو رؤیا کہا جاتا ہے۔ نفس ناطقہ اور عالم ملکوت میں (تجرد ذاتی کی) مناسبت ہے اس لئے نفس کو جب انتظام بدن سے (نیند وغیرہ میں) کسی قدر فرصت ملتی ہے تو اس کا رخ عالم ملکوت کی طرف ہو جاتا ہے (اور چونکہ عالم ملکوت میں تمام غیر مادی حقائق و معانی کی غیر مادی صورتیں موجود ہیں اس لئے نفس) وہاں سے کچھ غیر مادی معانی کو غیر مادی صورتوں میں حاصل کرتا ہے (اور واپس لوٹ کر قوت خیالیہ کے سامنے رکھتا ہے) پھر قوت خیالیہ ان کو مناسب مادی شکلیں پہنا کر حس مشترک کے سامنے لاتی ہے اس طرح غیر محسوس حقائق محسوس ہو جاتے ہیں اور یہ سچا خواب ہوتا ہے۔ اب اگر غیر مادی اور مادی صورتوں میں گہری مناسبت ہوتی ہے کہ دونوں میں سوائے کلی اور جزئی ہونے کے اور کوئی فرق نہیں ہوتا (غیر مادی صورت کلی اور مادی شکل جزئی) تو تعبیر کی بھی ضرورت نہیں ہوتی اور گہری مناسبت نہیں ہوتی تو تعبیر کی حاجت ہوتی ہے۔

میں کہتا ہوں قوت متخیلہ سے جو صورتیں اتر کر حس مشترک میں چھپتی ہیں نفس ان کا مطالعہ اسی وقت کرتا ہے جب نیند یا استغراق کی حالت میں اس کو مطالعۂ محسوسات (اور بیرونی انتظامات) سے فرصت ملتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں دو غلط اور ایک صحیح اور صحیح بھی کبھی مختلف عوارض کی وجہ سے مخلوط ہو جاتی ہے۔ غلطی بھی اس میں شامل ہو جاتی ہے اور کبھی تعبیر میں غلطی ہو جاتی ہے۔

(۱) بیداری میں دیکھی ہوئی صورتیں خواب میں دکھائی دیتی ہیں یا قوت خیالیہ از خود ان کو اختراع کر لیتی ہے واقع میں ان کی کوئی اصل نہیں ہوتی اس خواب کو حدیث نفس کہتے ہیں۔

(۲) انسان کے بدن کے اندر شیطان ان تمام مقامات میں تیر جاتا ہے جہاں جہاں خون دوڑتا ہے اس لئے بعض وقت قوت خیالیہ میں کوئی ہیبت آفریں ڈراؤنی شکل یا تفریح آگیں صورت ڈال دیتا ہے ایسے خواب کو بد خواب یا حلم یا تخویف الشیطان کہا جاتا ہے۔

Marfat.com

(۳) اللہ کی طرف سے خزائن غیب میں سے کسی امر کا یا اپنی پوشیدہ صفات میں سے کسی خاص صفت کا یا مدارج قرب ذات میں سے کسی درجۂ خاص کا الہام اور القاء ہونا ہے (یعنی قلبی فیضان یا روحانی تنویر) یہی الہام بندے کے لئے بشارت (غیبی) بن جاتا ہے۔ حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مؤمن کا خواب ایک کلام ہوتا ہے کہ بندے سے اس کا رب کلام کرتا ہے رواہ الطبرانی بسند صحیح۔ یہ خواب صحیح ہوتا ہے۔

صوفیاء کے نزدیک خواب کی تحقیق یہ ہے کہ عالم کبیر تو یہ سارا عالم ہے اور عالم صغیر انسان ہے عالم کبیر ایک شخص معین کا نام ہے جس کا نفس بھی ہے روح بھی ہے اور مختلف قوتیں بھی ہیں اس کی شکل انسانی شکل کی طرح ہے اسی لئے اس کو انسان کبیر کہا جاتا ہے۔ گویا جس طرح انسان عالم صغیر ہے اسی طرح یہ سارا جہان انسان کبیر ہے دونوں میں گہری اور کامل مشابہت ہے جس طرح انسان میں قوت متخیلہ (اور اس کی کار فرمائی) ہے اسی طرح عالم کبیر کی بھی قوت متخیلہ ہے جس کے اندر تمام محسوسات اور غیر محسوسات، اعراض، جواہر، مجردات اور معانی (حقائق غیر مادیہ) موجود ہیں تمام ممکنات خواہ مادی ہوں یا مادے سے خالی۔ یہاں تک کہ وہ چیزیں بھی جن کی خارج میں کوئی صورت نہیں مثلاً موت، زندگی، دن، سال، بیماری بلکہ اللہ کی ذات و صفات کی صورتیں بھی اللہ نے عالم کبیر کی قوت متخیلہ میں پیدا کر دی ہیں اور ہر چیز مصور ہو کر اس میں موجود ہے اسی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے بخار کو سیاہ فام عورت کی شکل میں دیکھا تھا اور حضرت یوسفؑ نے گائے اور گیہوں کی بالیوں کی تعبیر میں کہا تھا کہ یہ ارزانی اور قحط کے سال ہیں اب یہ ضروری نہیں کہ جو شکل عالم کبیر کی متخیلہ میں کسی چیز کی ہو وہ اسی طرح ہو جس طرح ہمارے دماغوں میں اس کی آتی ہے یعنی خواب کی شکل کا مبنی عنہ (عالم کبیر کی متخیلہ والی شکل) سے مطابق اور اس کی جنس سے ہونا ضروری نہیں بلکہ دونوں میں قدرے مناسبت کافی ہے یہ مناسبت ظاہر ہو یا مخفی بہر حال اس مناسبت کی وجہ سے عالم کبیر کی متخیلہ میں اس چیز کی صورت آجاتی ہے اسی مناسبت کی وجہ سے حضرت یوسفؑ نے اپنے ماں باپ اور بھائیوں کو چاند سورج اور ستاروں کی صورت میں دیکھا تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خواب چھ ہیں عورت کو خواب میں دیکھا جائے تو اس سے مراد بھلائی ہے۔ اور اونٹ سے مراد لڑائی ہے اور دودھ سے مراد فطرت ہے اور سبزی سے مراد جنت ہے اور کشتی سے مراد نجات ہے اور چھوارے سے مراد رزق ہے یہ روایت ابو یعلی نے معجم میں ضعیف سند سے بیان کی ہے۔

عالم کبیر کی اسی متخیلہ کو صوفیاء کی اصطلاح میں عالم مثال کہتے ہیں (امام غزالیؒ اور امام الہند شاہ ولی اللہؒ نے اسی کو عالم اشباح کہا ہے۔ مترجم) جب نفس انسانی محسوسات کے مطالعہ سے کسی قدر فرصت پاتا ہے تو عالم کبیر متخیلہ میں آجاتی ہیں یہی سچا خواب ہوتا ہے انبیاء علیہ السلام چونکہ منجانب اللہ شیطان کی چیرہ دستیوں سے محفوظ ہیں ان کی قوت خیالیہ وہم کی دخل اندازیوں سے مأمون ہوتی ہے، نیند کی رسائی محض ان کی آنکھوں تک ہوتی ہے دل بیدار رہتے ہیں اس لئے خیال کی خود تراشیدہ تصویروں اور الہامی حقائق میں ان کو کامل امتیاز ہوتا ہے ان کے خوابوں میں غلطی پیدا کرنے والے مُفسد عوارض مفقود ہوتے ہیں اسی وجہ سے ان کے خواب ہمیشہ حقیقت پر مبنی ہوتے ہیں اور قطعی وحی کا حکم رکھتے ہیں جب حضرت ابراہیمؑ نے خواب میں دیکھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں اور بیٹے سے فرمایا اِنِّیْ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْ اَذْبَحُکَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی تو بیٹے نے جواب دیا یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ (دیکھو حضرت اسماعیلؑ نے نبوت کے خواب کو اغواء شیطانی اور وہم کی کار فرمائی نہیں قرار دیا بلکہ امر خداوندی سمجھا۔ مترجم۔

سخت ریاضت کی وجہ سے اولیاء کے نفوس قدسیہ پاک صاف ہوتے ہیں، خلقی کدورتیں دُھل جاتی ہیں، گناہوں کی تاریکیاں چھٹ جاتی ہیں اور ذنوب و معاصی کی سیاہی سے ان کا آئینہ دل صاف ہو جاتا ہے اور انوار نبوت کی پرتو اندازی سے ان کے باطن روشن ہوتے ہیں، اس لئے ان کے خواب بھی اکثر سچے اور مبنی بر حقیقت ہوتے ہیں، ہاں اگر کبھی وہ کوئی مشتبہ یا مشکوک چیز کھالیں یا ضرورت بقائی سے زیادہ کھالیں تو کچھ باطنی کدورت پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے خواب کی سچائی میں بھی فرق

Marfat.com

آجاتا ہے۔ کبھی عوامی صحبت کا پرتو ان کے اندرونی احوال پر پڑ جاتا ہے جس کی وجہ سے کچھ اندرونی کثافت پیدا ہو جاتی ہے کبھی کسی گناہ کا کوئی کچوکا لگ جاتا ہے، کیونکہ فطر تاوہ انبیاء کی طرح معصوم نہیں ہوتے ان وجوہ سے بھی ان کے خوابوں میں اتفاقی طور پر فساد پیدا ہو جاتا ہے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے مؤمن کے خواب کو نبوت کا چھیالیسواں جز قرار دیا اور فرمایا مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جز ہے۔ یہ حدیث بخاری و مسلم نے حضرت انسؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے اور امام احمد، ترمذی اور ابوداؤدؒ نے صرف حضرت عبادہؓ کی روایت سے اور صرف بخاری نے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے اور مسلم نے حضرت ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اور امام احمد و ابن ماجہ نے حضرت ابورزینؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ صحیحین کی اول الذکر روایت کے علاوہ باقی روایات میں مؤمن کے خواب کی بجائے رویائے صالحہ کا لفظ آیا ہے ابن ماجہ اور امام احمد نے صحیح سند سے حضرت ابوسعیدؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ نیک مسلمان کا خواب نبوت کے ستر اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ ترمذی نے حضرت ابورزینؓ کی روایت سے بیان کیا کہ مؤمن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے طبرانی نے حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ کی روایت سے حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں نیک مؤمن کا خواب اللہ کی طرف سے بشارت اور نبوت کے پچاس اجزاء میں سے ایک جزء ہوتا ہے۔ ابن النجار کی روایت میں حضرت ابن عمرؓ کی بیان کردہ حدیث میں نبوت کے پچیس اجزاء میں سے ایک جزء فرمایا ہے۔

## ایک سوال

خواب کا جزء نبوت ہونا کیا حقیقت رکھتا ہے اور تعداد اجزاء کے اختلاف کو دور کرنے کی کیا صورت ہے۔

## جواب

کل مدت وحی (و نبوت) ۲۳ سال ہوئی جس میں سے ابتدائی چھ ماہ تک سچے خواب دکھائی دیتے تھے جو خواب بھی نظر آتا تھا فجر کے تڑکے کی طرح بعینہٖ سامنے آجاتا تھا اس لئے نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے خواب ایک جزء ہو گیا (کیونکہ ۲۳ سال کی شش ماہیاں چھیالیس ہوتی ہیں اور ابتدائی شش ماہی نبوت بصورت خواب کی تھی اس طرح سچا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہو گیا) باقی چالیس اور پچاس والی روایتیں تخمینی ہیں تحقیقی نہیں کسر کو اس میں بالکل ساقط کر دیا گیا ہے یا پورا جوڑ لیا گیا ہے۔ رہی وہ روایت جس میں ستر کی تعداد آئی ہے تو وہاں ستر سے عدد مخصوص مراد نہیں ہے بلکہ عدد کثیر مراد ہے جیسے آیت اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً میں عدد کثیر مراد ہے عرب ستر کا لفظ بول کر عدد کثیر مراد لے لیتے ہیں۔ اس روایت پر حدیث کا یہ مطلب ہوگا کہ خواب نبوت کے کثیر اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔ باقی پچیس والی روایت شاذ ہے۔

عوام کے خواب بھی اگرچہ عالم مثال سے ہی مستفاد اور حاصل ہوتے ہیں لیکن اکثر غلط اور جھوٹے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے خیالات میں نفسانی اور فطری کثافتوں اور کدورتوں کی آمیزش ہوتی ہے اور کدورتوں کی پیدائش کا سرچشمہ گناہ ہوتے ہیں۔

اگر تصویر خیالی اور عالم مثال کی صورت میں مشابہت اور تعلق واضح نہ ہو تو کبھی تعبیر میں غلطی ہو جاتی ہے، صحت تعبیر یا تو اللہ کی طرف سے الہامی ہوتی ہے جیسے وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ میں مراد ہے کہ اللہ خواب کی تعبیریں تم کو الہام کرتا ہے۔ الہامی تعبیر تو اکثر انہی لوگوں کو میسّر آتی ہے جو صالح اور اہل الہام ہوں یا صحت تعبیر عقل سلیم کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے۔ ترمذی نے صحیح سند سے حضرت ابورزینؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مؤمن کا خواب نبوت کے چالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے اور خواب جب تک بیان نہ کیا جائے، پرندے کی ٹانگ پر معلق رہتا ہے جب بیان کر دیا جاتا ہے تو گر پڑتا ہے تم سوائے دانش مند یا حبیب کے کسی سے اپنا خواب نہ بیان کرو، بعض روایات میں حبیب کی جگہ ناصح

Marfat.com

تُحِبُّ کا لفظ آیا ہے (یعنی جس سے تم محبت کرتے ہو جو تمہارا دوست ہو) ابوداؤد اور ابن ماجہ نے صحیح سند سے حدیث کے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ خواب پرندہ کی ٹانگ پر رہتا ہے جب تک اس کی تعبیر نہ دے دی جائے جب تم اس کی تعبیر دے وہ تو وہ گر پڑتا ہے اور خواب دوست یا صاحب رائے (و عقل و فہم) کے سوا اور کسی سے نہ بیان کرو۔

میرے نزدیک اس حدیث میں طائر سے مراد ہے قضاء و قدر یعنی جو آدمی کے لئے مقدر کیا جا چکا ہے آیت مبارکہ ہے وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنَاهُ طَآئِرَهٗ فِیْ عُنُقِهٖ یعنی ہر انسان کے گلے سے اس کا مقدر (عمل وغیرہ) ہم نے باندھ دیا ہے۔ اس صورت میں حدیث کا مطلب یہ ہوگا کہ موٴمن کا خواب اللہ کی طرف سے مقرر کیے ہوئے فیصلے اور تقدیر پر مبنی ہوتا ہے جب تک اس کو بیان کر کے تعبیر نہ لے لی جائے معلوم نہیں ہوتا کہ کیا مقدر کیا گیا ہے۔ جب تعبیر دینے والا الہام کے زیر اثر یا عقل، قوت، فہم اور وہبی ملکۂ استنباط کی وجہ سے تعبیر دے دیتا ہے تو خواب گر پڑتا ہے یعنی ظاہر ہو جاتا ہے اور خواب کا مقتضیٰ واضح ہو جاتا ہے اور خواب سوائے دانشمند یا حبیب اور صاحب مودّت کے اور کسی سے نہ بیان کرو۔ حبیب اور صاحب مودّت سے مراد ہے مرد صالح جو اللہ سے اور موٴمنوں سے محبت رکھتا ہے اور اس کے صالح ہونے کی وجہ سے اللہ کو اور موٴمنوں کو بھی اس سے محبت و مودّت ہوتی ہے۔ مَنْ تُحِبُّ کے لفظ کا بھی یہی مطلب ہے کہ جس سے تم کو محبت ہو یعنی وہ مرد صالح ہو کیونکہ موٴمن کو مرد صالح سے ہی محبت ہوتی ہے حاصل یہ کہ دانش مند تو دانش و عقل کی روشنی میں صحیح تعبیر دے گا اور حبیب (یعنی اللہ اور موٴمنوں کا محبّ و محبوب) الہام کے زیر اثر درست تعبیر دے گا ان دونوں کی تعبیر میں غلطی واقع نہیں ہوگی۔

خواب کے اقسام مذکورہ احادیث سے مستفاد ہیں ابن ماجہ نے صحیح سند سے حضرت عوف بن مالکؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خواب تین (قسم کے) ہوتے ہیں۔

(۱) آدمی کو رنجیدہ کرنے کے لئے شیطان کی طرف سے تخویف۔

(۲) بیداری میں آدمی بعض باتیں کرتا یا ان کا ارادہ کرتا ہے پھر خواب میں انہی کو دیکھ لیتا ہے (یعنی حدیث نفس)۔

(۳) نبوّت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء۔

ترمذی اور ابن ماجہ نے صحیح سند سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا خواب تین ہیں، اللہ کی طرف سے ڈراوا۔ اگر کوئی خوش کُن خواب دیکھے اور بیان کرنے کو دل چاہے تو بیان کر دے اور اگر ناپسندیدہ خواب دیکھے تو کسی سے بیان نہ کرے بلکہ اٹھ کر نماز پڑھنے لگے۔ میں (خواب میں) طوق دیکھنے کو بُرا سمجھتا ہوں (یہ مصائب اور دنیوی مشاغل میں پھنسا ؤ ہے (مترجم) اور بیڑی کو (خواب میں دیکھنا) پسند کرتا ہوں بیڑی (کی تعبیر) دین کی پابندی ہے)

مسلم نے حضرت ابوقتادہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور بُرا خواب شیطان کی طرف سے جو شخص بُرا، ناگوار خواب دیکھے وہ بائیں جانب تھوک دے اور شیطان سے اللہ کی پناہ کا خواستگار ہو اور کسی سے بیان نہ کرے خواب سے اس کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا اور اگر اچھا خواب دیکھے تو خوش ہو اور سوائے اس کی جس سے اس کو محبت ہو اور کسی سے بیان نہ کرے۔ بخاری و مسلم نے صحیحین میں اور ابوداؤد نے سنن میں اور ترمذی نے جامع میں حدیث ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے اچھا خواب اللہ کی طرف سے ہے اور برا خواب شیطان کی طرف سے اگر کوئی شخص کوئی برا خواب دیکھے تو بیدار ہونے کے بعد بائیں طرف تین بار تھتکار دے اور اللہ کی پناہ مانگے خواب سے اس کو ضرر نہ ہوگا۔

بات یہ ہے کہ خواب اگر شیطان کی طرف سے تخویف اور وسوسہ ہو تو اللہ کی پناہ مانگنے سے اس کا اثر زائل ہو جائے اور اگر عالم مثال کی عکاسی اور صورت کشی ہو تو یہ صورت کشی کبھی قضاء معلق کی ہوتی ہے (کہ اگر اس کا شرعی تدارک و تلافی نہ ہو تو اس کا وقوع ہو جائے گا اور تدارک ہو جائے تو وقوع نہ ہوگا) اللہ کی پناہ گیری قضاء معلق کو بھی رد کر دیتی ہے (کیونکہ دعا اور تعوّذ سے اس کا تدارک ہو جاتا ہے) اور رسول اللہ ﷺ نے جو برے خواب بیان کرنے کی ممانعت اور اٹھ کر نماز پڑھنے کی ہدایت فرمائی

Marfat.com

ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی تعبیر سے خواہ مخواہ رنج ہوگا اس لئے مناسب یہ ہے کہ نماز کی طرف رجوع کرے اور اللہ سے اس کو دفع کرنے کی دعا کرے۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت سلمان کی روایت سے اور ابن حبان و حاکم نے حضرت ثوبانؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قضاء (معلق) کو سوائے دعا کے اور کوئی چیز رد نہیں کرتی بُرے خواب کو بیان کرنے کی ممانعت نہ تحریمی ہے نہ تنزیہی (بلکہ رنجیدگی اور غم سے بچانے کے لئے ہے) رسول اللہ ﷺ نے خود اُحد کی جنگ سے پہلے اس کے متعلق فرمایا تھا میں نے خواب میں اپنی شمشیر ذوالفقار کی دھار ٹوٹی ہوئی دیکھی اور یہ مصیبت ہے اور میں نے گائے کو ذبح ہوتے دیکھا یہ بھی مصیبت ہے۔ آیت وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ سورۂ آل عمران کی تفسیر میں یہ حدیث ذکر کر دی گئی ہے۔ حضور ﷺ نے خواب میں اپنے منبر پر بنی امیہ کو چڑھے دیکھا اور حضور کو یہ امر ناگوار گزرا، مگر آپ نے یہ خواب بیان کر دیا سورۂ قدر کی تفسیر میں ہم نے یہ حدیث ذکر کر دی ہے۔

جس روز امام حسینؓ کو شہید کیا گیا اسی روز حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو شہید ہوتے خواب میں دیکھ لیا اور آپ نے اس خواب کو بیان بھی کر دیا۔ اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں۔

میں کہتا ہوں بُرے خواب کو بیان کرنے کی ممانعت ممکن ہے اس وجہ سے بھی ہو کہ دشمن اس کو سن کر خوش نہ ہوں اور اچھے خواب کو سوئے دانشمند یا حبیب کے اور کسی سے بیان کرنے کی ممانعت کی یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ کہیں اس کو سن کر دشمن حسد نہ کرنے لگیں اسی لئے حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کو بھائیوں کے سامنے خواب بیان کرنے سے منع فرما دیا تھا۔

فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ؕ پس وہ تیرے خلاف بڑی سازش کریں گے۔ یعنی حسد کی وجہ سے وہ تجھے ہلاک کرنے کی کوئی سازش کریں گے۔

اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ کوئی شک نہیں کہ شیطان انسان کا کھلا ہوا دشمن ہے سازش کو انسان کی نظر میں پسندیدہ بنا کر فریب پر آمادہ کر دیتا ہے۔

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ اور تیرا رب (جس نے یہ خواب دکھایا جس سے تیری بزرگی اور برتری ظاہر ہو رہی ہے اسی طرح وہ) تجھے (نبوت، حکومت اور دوسرے بڑے کاموں کے لئے) منتخب کر لے گا۔

اجتباء (باب افتعال) جَبَيْتُ الشَّيْءَ (میں نے اس چیز کو اپنے لئے منتخب کر لیا (چھانٹ لیا) سے ماخوذ ہے جَبَيْتُ الْمَاءَ فِي الْحَوْضِ میں نے حوض میں پانی جمع کر لیا۔

وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ اور تجھے خوابوں کی تعبیر سکھا دے گا۔ خواب اگر سچا ہو تو حدیث ملک (الہام ملکوتی) ہوتا ہے اور جھوٹا ہو تو حدیث شیطان (تخویف شیطانی) ہوتا ہے تعبیر نتیجۂ خواب ہوتی ہے اور تعبیر کا رجوع خواب کی طرف ہوتا ہے اس لئے اس کو تاویل کہتے ہیں (اول ہونا، تاویل ہو جانا) یا یہ محاورہ (یعنی تعبیر کو تاویل کہنا) تاویل کلام اللہ اور تاویل اقوال انبیاء سے ماخوذ ہے یعنی اللہ اور انبیاء کے کلام کی باریکیاں اور اسرار بیان کرنا اور ان کی تفسیر کرنا۔

وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ اور تجھ پر اور آل یعقوب پر پورا پورا احسان کرے گا۔

نعمت سے مراد ہے نبوت اور آل یعقوب سے مراد ہے اسرائیلی انبیاء بعض کے نزدیک حضرت یعقوبؑ کے صلبی بیٹے مراد ہیں کیونکہ آپ کے سب بیٹے پیغمبر ہوئے تھے (یہ قول ضعیف ہے) حضرت یعقوبؑ یہ بات ستاروں کے لفظ سے سمجھ گئے۔ ستارے بھی روشن ہوتے ہیں۔ ستاروں کی روشنی سے آپ نے نبوت کی روشنی پر استدلال کیا۔

كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ جیسے اس سے پہلے اس نے تیرے دونوں دادا اوں ابراہیمؑ و اسحٰقؑ کو اپنی بھرپور نعمت عطا کی تھی (یعنی نبوت عطا کی تھی) اَبَوَيْنِ (دو باپ) سے مراد ہے دادا اور پردادا۔

Marfat.com

اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝۶ یقیناً تیرا رب خوب واقف ہے کہ کون انتخاب اور فضیلت کا مستحق ہے۔ بڑی حکمت والا ہے جیسا ہونا چاہئے ویسا ہی کرتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝۷ پوچھنے والوں کے لئے یوسف اور ان کے (بھلائی) بھائیوں کے قصے میں (توحید کی) بکثرت نشانیاں (اللہ کی قدرت و حکمت کی دلیلیں) ہیں۔

حضرت یعقوبؑ کے ماموں کی بیٹی لیّا بنت لیان کے بطن سے آپ کے چھ بیٹے اور دینہ نام کی ایک بیٹی تھی سب سے بڑا روبیل تھا، دوسرا شمعون، تیسرا لاوی، چوتھا یہودا، پانچواں ریان، چھٹا شخر اور چار بیٹے زلفہ اور بلہمہ دو باندیوں کے بطن سے تھے دان، نفتالی، جاد، آشر، کذاء قال البغوی۔ بغوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ لیّا کے مرنے کے بعد حضرت یعقوبؑ نے اس کی بہن راحیل سے نکاح کر لیا تھا جس کے بطن سے دو بیٹے یوسف اور بنیامین پیدا ہوئے۔ اس طرح کل بارہ بیٹے ہو گئے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ شریعت اسرائیل میں ایک وقت میں دو بہنوں سے نکاح درست تھا۔ حضرت یعقوبؑ کے نکاح میں ایک ہی زمانے میں دو بہنیں (لیّا اور راحیل) تھیں۔

اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ کی تشریح میں بغوی نے لکھا ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت یوسفؑ کا قصہ دریافت کیا تھا۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ کنعان سے مصر کو اولادِ یعقوب کے منتقل ہونے کی وجہ دریافت کی تھی حضور ﷺ نے یہ قصہ بیان فرما دیا، تو یہودیوں نے اس بیان کو توریت کے بیان کے موافق پایا، بعض کے نزدیک سائلین سے مراد (صرف) یہودی ہی نہیں بلکہ جو بھی سوال کرے اس کے لئے اس قصہ میں توحید و نبوّت کی نشانیاں ہیں۔ بعض کے نزدیک آیات سے مراد ہیں نصیحتیں اور عبرتیں اور سائلین سے مراد ہیں عبرت حاصل کرنے والے اس قصہ میں برادرانِ یوسف کے حسد اور حسد کے مآلِ بد اور ان کی ذلّت کا بیان ہے۔ حضرت یوسفؑ کے خواب اور اس کی تعبیر کے ظہور کی تفصیل ہے، حضرت یوسفؑ کی عفّت اور صبر عن الشّہوت کا اظہار ہے، غلامی پر اور قید خانہ کے مصائب پر صبر رکھنے اور مآلِ کار حکومت و اقتدار حاصل ہونے کی توضیح ہے۔ حضرت یعقوبؑ کے غم و اندوہ اور بالآخر حصولِ مسرّت اور شادمانی کی تصریح ہے (یہ سب اللہ کی قدرت و حکمت کی نشانیاں اور رسول اللہ ﷺ کی نبوّت کے دلائل ہیں)

اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا جب یوسفؑ کے بھائیوں نے (یعنی ایک دوسرے سے کہا کہ اس میں شک نہیں یوسفؑ اور اس کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں۔ اَخُوْهُ سے مراد ہے حضرت یوسفؑ کا حقیقی بھائی۔

وَنَحْنُ عُصْبَةٌ باوجود یہ کہ ہماری دس کی جماعت ہے۔ فراء نے کہا عصبہ دس اور دس سے اوپر کی جماعت کو کہتے ہیں۔ بعض نے کہا ایک سے دس تک عصبہ ہے۔ بعض نے تین سے دس تک کی جماعت کو عصبہ کہا ہے، بعض نے دس سے چالیس تک اور مجاہد نے دس سے پندرہ تک کی جماعت کو عصبہ قرار دیا ہے۔ قاموس میں ہے عصبہ مردوں اور گھوڑوں اور پرندوں کی دس سے چالیس تک کی جماعت۔ عصابہ بھی اسی طرح ہے جزری نے نہایہ میں لکھا ہے کہ عصابہ دس سے چالیس تک کی انسانوں کی جماعت کو کہتے ہیں۔ عصابۃ کی طرح عصبۃ کی جمع عُصُب ہے (گویا عصابۃ اور عصبۃ اسم جمع ہے) اس کا واحد اس لفظ سے نہیں آتا جیسے نفر اور رہط (اسم جمع ہے اور اس کا مفرد نہیں آتا) بعض نے کہا عصبۃ اس جماعت کو کہتے ہیں جو باہم متفق اور آپس میں تعاون کرنے والی ہو۔ اس صورت میں نَحْنُ عُصْبَةٌ کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری جماعت متفق الرّائے اور آپس میں تعاون کرنے والی ہے۔ (پھر بھی باپ کو محبت یوسفؑ اور اس کے بھائی سے زیادہ ہے)۔

اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝۸ واقعی ہمارے باپ کھلی ہوئی غلطی میں پڑے ہیں ضَلٰل سے مراد دینی گمراہی نہیں ہے ورنہ ایسا لفظ کہنے سے سب کافر ہو جاتے بلکہ مراد یہ ہے کہ باپ کا یہ عمل عقل کے خلاف ہے ان کی یہ رائے غلط

Marfat.com

ہے ہم ان کے جانوروں کو چرانے امورِ معاش کا انتظار کرنے اور دُنیوی کاروبار کی درستی میں کام آسکتے ہیں یوسف اور اس کا بھائی اس سے قاصر ہیں اس لئے ہم سے محبت زیادہ ہونی چاہئے یوسف اور اس کے بھائی کو ہم سے زیادہ چاہنا کھلی ہوئی غلطی ہے جس میں باپ مبتلا ہے۔

اِقْتُلُوْا یُوْسُفَ یوسف کو مار ڈالو.....وہب نے کہا یہ بات شمعون نے کہی تھی، کعب نے کہا دانی نے کہی تھی، مقاتل نے کہا روبیل نے کہی تھی، بہر حال قائل ایک ہی تھا، دوسرے اس رائے سے متفق تھے اس لئے کہنے کی نسبت سب کی طرف کر دی گئی۔ ہاں جو لوگ اس قول سے متفق نہیں ہیں تو وہ قائل نہیں قرار دیئے جائیں گے مگر اکثر افراد جماعت کیونکہ اس سے متفق تھے اس لئے پوری جماعت کی طرف نسبت مجاز اً کر دی گئی۔

اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا یا اس کو کہیں دور گمنام جگہ ڈال اَرْضاً کی تنوین بتا رہی ہے کہ اس سے مراد کوئی دور گمنام آبادی سے الگ زمین تھی۔

یَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِیْكُمْ تاکہ تمہارے باپ کی خالص توجہ تمہاری طرف ہو جائے۔ یوسفؑ کی طرف سے توجہ ہٹ جائے۔ محض تمہاری طرف رُخ ہو جائے۔

وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِیْنَ ۝۹ اور اس کے بعد (یعنی یوسف کے بعد یا یوسف کے قتل سے فراغت کے بعد یا کنویں میں پھینک دینے کے بعد) تم صالح لوگ ہو جانا، یعنی اللہ سے اپنے گناہ کی معافی مانگ لینا وہ معاف کر دے گا۔ یا یہ مطلب اپنے باپ کے ساتھ ٹھیک ٹھاک ہو کر رہنا کوئی عذر پیش کر دینا۔ باپ مان جائیں گے اور تمہارے معاملات باپ سے درست ہو جائیں گے مؤخر الذکر مطلب مقاتل نے بیان کیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے دنیوی امور ٹھیک ٹھاک ہو جائیں گے۔ تمہارا کام بن جائے گا باپ کی توجہ تمہاری طرف کامل طور پر ہو جائے گی۔

قَالَ قَآىِٕلٌ مِّنْهُمْ ان میں سے کہنے والے نے کہا۔ قتادہ نے کہا یہ کہنے والا روبیل تھا بغوی نے کہا یہ یہودا تھا اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

لَا تَقْتُلُوْا یُوْسُفَ یوسف کو قتل نہ کرو۔ قتل گناہ کبیرہ ہے۔

وَاَلْقُوْهُ فِیْ غَیٰبٰتِ الْجُبِّ اور گہرے کنویں کے گڑھے میں ڈال دو۔

غَیَابَۃ گڑھا۔ اصلِ لغت میں غَیاب اس جگہ کو کہتے ہیں جس میں داخل ہونے والی چیز بالکل چھپ جائے، غائب ہو جائے۔ گہرے گڑھے میں بھی جو چیز داخل ہو جاتی ہے وہ نظر سے چھپ جاتی ہے اسی لئے گہرے گڑھے کو غَیابت کہا جاتا ہے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جس کنویں کی مَن نہ ہو وہ جُب ہے۔ جبّ قطع کرنا۔ بے مَن کا کنواں بھی گویا کٹا ہوا ہوتا ہے۔ قاموس میں ہے جُب کنواں یا گہرا کنواں جس میں پانی بہت ہو۔ اور دور اندر کی طرف ہو۔ یا وہ کنواں جو کسی اچھے یا سر سبز مقام میں ہو، یا بے مَن کا کنواں جو قدرتی ہو آدمیوں کا کھودا ہوا نہ ہو۔

یَّلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّیَّارَةِ کہ کوئی راہ گیر اس کو پالے (اور لے جائے) اِلتقاط پالینا کسی چیز کا اس جگہ مل جانا کہ ملنے کا خیال بھی نہ ہو۔

اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ۝۱۰ اگر تم (میرے مشورے پر) عمل کرنے والے ہو تو کر دو یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم صرف اتنی بات پر اکتفا کر سکتے ہو کہ باپ کو یوسف سے علیحدہ کر دو تو اسی پر اکتفا کرو۔ (قتل نہ کرو)

محمد بن اسحٰق نے لکھا ہے کہ برادرانِ یوسف کی یہ حرکت مختلف جرائم کی حامل تھی۔ قطع رحم، باپ کی نافرمانی، بے گناہ بچے پر ظلم اور بے رحمی، امانت میں خیانت، وعدہ شکنی اور دروغ بافی۔ اللہ نے ان کے تمام جرائم کو معاف فرما دیا تاکہ کوئی اس کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ میں کہتا ہوں اللہ نے ان کے تمام جرائم معاف فرما دیئے، شاید اس کا سبب یہ ہو کہ ان کو باپ سے بہت زیادہ محبت تھی اور اسی شدتِ محبت نے ان کو رشک و حسد تک پہنچا دیا۔ اور انہوں نے کوشش کی کہ باپ کی توجہ ان کی طرف خالص ہو جائے۔

Marfat.com

بعض اہلِ علم نے کہا بردرانِ یوسف نے قتل کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے اپنی رحمت سے ان کو جرمِ قتل سے محفوظ رکھا اگر وہ ایسا کر گزرتے تو سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔

یہ تمام واقعات اس زمانے کے ہیں جب ان حضرات میں سے کوئی نبوت سے سرفراز نہیں ہوا تھا ابو عمرو بن علاء کا یہی قول ہے جو لوگ ابناءِ یعقوب (یعنی بردرانِ یوسف) کے پیغمبر ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک نبوت سے پہلے انبیاء سے صدورِ معصیت ناممکن نہیں ہے۔ اکثر علماء کا قول ہے کہ بردرانِ یوسف پیغمبر نہیں تھے اور قرآن مجید میں انبیاء کے ذیل میں اسباطِ یعقوب کا ذکر آیا ہے ان سے مراد اسرائیلی انبیاء ہیں۔ جو حضرت یعقوبؑ کی نسل سے پیدا ہوئے (بیٹے مراد نہیں) غرض سازش کر کے جب انہوں نے یوسفؑ کو باپ سے جدا کر دینے کا پختہ ارادہ کر لیا تو۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ — کہا ابا آپ یوسف پر ہمارا اعتماد کیوں نہیں کرتے، یعنی یوسفؑ کے معاملے میں آپ کو ہم سے اندیشہ کیوں ہے۔

وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ⑪ — اور بلاشک و شبہ ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں، حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو یوسفؑ سے حسد کرتے پایا تو بدگمان ہو گئے اس بدگمانی کو دور کرنے کے لئے بیٹوں نے یہ بات کہی اور یوسفؑ کی خیر خواہی کا اظہار کیا۔ مقاتل نے کہا کلام کی ترتیب میں کچھ تقدیم و تاخیر ہے۔ اصل ترتیب اس طرح ہے۔ اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ الخ باپ نے اس کے جواب میں کہا اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ الخ اس پر بیٹوں نے کہا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا الخ۔

نُصح کا معنی ہے خیر خواہی یا بھلائی کرنا اور شفقت کرنا، یعنی ہم تو اس کے بھی خواہ ہیں اس کی حفاظت کریں گے اور حفاظت کے ساتھ واپس لے آئیں گے۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ — کل اس کو ہمارے ساتھ (جنگل کو) بھیج دیجئے کہ وہ تفریح کرے رَتع (باب فتح) سربلندی (یعنی کثرتِ فواکہ) مراد یہ ہے کہ جنگل میں جا کر وہ خوب پھل کھائے، تفریح کرے، کھیلے، دوڑ لگائے، شکار کرے، تیر اندازی کرے۔

وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ⑫ — اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے اس کو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔

قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ — یعقوبؑ نے کہا تم اس کو لے کر چلے جاؤ گے مجھے اس سے رنج ہو گا (یعنی اس کی جدائی سے میرے دل کو دکھ ہو گا اور مجھے صبر نہ آئے گا) حُزن سے اس جگہ مراد ہے وہ قلبی دکھ جو محبت کو محبوب کے فراق سے پیدا ہوتا ہے۔

وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬ — اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم تو اس کی طرف سے غافل ہو جاؤ گے اور بھیڑیا اس کو کھا جائے گا..... اس جنگل میں بھیڑیے بہت ہوتے تھے، اس لئے حضرت یعقوبؑ نے یہ اندیشہ ظاہر فرمایا اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ فرمانے کا منشاء یہ تھا کہ مجھے تمہاری کسی سازش کا اندیشہ نہیں ہے بلکہ اندیشہ یہ ہے کہ تم تو کھانے کھیلنے اور سیر و تفریح میں مشغول ہو گے، یوسفؑ کی حفاظت نہ کر سکو گے کوئی بھیڑیا آ کر اس کو کھا جائے گا۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت یعقوبؑ نے خواب میں دیکھا تھا کہ کسی بھیڑیے نے یوسفؑ پر حملہ کیا ہے۔ یہ خواب دیکھنے کے بعد آپ کو یوسفؑ کے معاملہ میں اندیشہ رہتا تھا۔ میرے نزدیک یہ روایت غلط ہے، انبیاء کے خواب کا متحقق ہونا لازم ہے اگر حضرت یعقوبؑ نے ایسا خواب دیکھا ہوتا تو ایسا واقع ہو جانا ضروری تھا کوئی احتیاط اس کو نہیں روک سکتی تھی (اس فقیر کی نظر میں حضرت مفسّر کا دلیل مذکورہ سے خواب دیکھنے کی روایت کو غلط قرار دینا صحیح نہیں۔ ممکن ہے خواب دیکھا ہو لیکن تعبیر میں غلطی کی ہو۔ بھیڑیے کے حملے کی تعبیر یہ ہے کہ کوئی دشمن یوسفؑ پر حملہ کرے گا چنانچہ ایسا ہو گیا بھائیوں نے بھیڑیے کا کام کیا۔ مترجم)

الذئب میں الف لام جنسی ہے کوئی بھیڑیا۔

قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ⑭

Marfat.com

بیٹوں نے کہا (ہماری دس کی جماعت ہے سب یوسفؑ سے غافل ہو جائیں یہ ممکن نہیں) ہماری دس کی جماعت ہوتے ہوئے کوئی بھیڑیا یوسفؑ کو کھا جائے تو ہم بالکل ہی گئے گزرے ہوئے۔

ان کی مراد یہ تھی کہ اگر ہم دس ہونے کے باوجود اپنے آدمی کی حفاظت نہ کر سکیں تو پھر ہمارے جانوروں کی جس کو ہم جنگل میں چراتے ہیں کیسے حفاظت ہو سکتی ہے۔ ہم بدنصیب ہوں گے اگر حفاظت نہ کر سکیں یا لَخَاسِرُوْنَ کہنے کا یہ مطلب ہے کہ اگر ہماری جماعت بھی نگرانی نہ کر سکی تو ہم مستحق ہیں کہ نامراد رہنے کی ہم کو بددعا دی جائے۔

حضرت یوسفؑ کو بھائیوں کے ساتھ نہ چھوڑنے کی دو وجہیں حضرت یعقوبؑ نے بیان فرمائی تھیں جدائی کا غم اور اندیشۂ ہلاکت۔ بیٹوں نے دوسری وجہ کو دور کرنے کے لئے تو حفاظت کی یقین دہانی کر دی اور غم دور کرنا ان کے اختیار میں نہ تھا بلکہ یوسفؑ سے یعقوبؑ کی اتنی محبت کہ ایک دن کی جدائی بھی گوارا نہ ہو۔ بیٹوں کے حسد کا سبب تھی اس لئے اول بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ پھر جب وہ یوسفؑ کو لے گئے اور کنویں کے گہرے گڑھے میں ڈالنے کا انہوں نے پختہ ارادہ کر لیا (تو پھر جو چاہا کیا کنویں میں ڈال دیا) شرط کا جواب محذوف ہے، جس کی تشریح مترجم نے بین القوسین کر دی ہے۔ بغوی نے لکھا ہے اس شرط کی جزا اگلی آیت وَاَوْحَيْنَآ الخ ہے وَاَوْحَيْنَا میں واؤ زائد ہے، جیسے آیت فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ وَنَادَيْنَاهُ میں وَنَادَيْنَاهُ جزا ہے اور اس میں واؤ زائد ہے۔

بغوی نے وہب وغیرہ کے بیان سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ باپ کے سامنے بھائیوں نے یوسفؑ کو نہایت عزت کے ساتھ اپنے ہاتھوں پر لیا اپنے اوپر سوار کر لیا لیکن آبادی سے باہر نکل کر ان کو پھینک دیا اور مار پیٹ کرنے لگے۔ ایک مارتا تھا تو یوسفؑ دوسرے سے فریاد کرتے تھے مگر وہ بھی مارتا تھا تو تیسرے کی پناہ ڈھونڈتے تھے، پر کوئی پناہ نہ دیتا تھا۔ سبھوں نے مارتے مارتے ادھ موا کر دیا۔ حضرت یوسفؑ چیخ رہے تھے اور باپ کو پکار رہے تھے اور فرما رہے تھے ابا دیکھئے ان باندی بچوں نے میرے ساتھ کیا سلوک کیا۔ آخر یہودا نے دیکھا کہ یہ لوگ یوسفؑ کو قتل ہی کر ڈالیں گے تو بولا قتل نہ کرنے کا تم نے مجھ سے وعدہ کیا ہے اس لئے قتل نہیں کر سکتے غرض اس طرح ایک کنویں پر غیر معروف راستے سے لے گئے کنویں کا منہ تنگ تھا مگر اندر بہت وسیع تھا حضرت یعقوبؑ کے مکان سے بر قول مقاتل یہ کنواں تین فرسخ دور تھا۔ کعب نے کہا مدین اور مصر کے درمیان تھا۔ قتادہ نے کہا بیت المقدس کا کنواں تھا۔ حضرت یوسفؑ کی عمر اس وقت بارہ یا اٹھارہ برس تھی جب کنویں میں آپ کو لٹکانے لگے تو آپ نے کنویں کا کنارہ پکڑ لیا مگر انہوں نے آپ کے ہاتھ باندھ دیئے اور کرتہ اتار لیا حضرت یوسفؑ نے کہا بھائیو کرتہ تو دے دو میں کنویں کے اندر اس کو پہن کر سردی وغیرہ سے بچاؤ کر لوں گا۔ بھائیوں نے کہا سورج اور چاند ستاروں کو پکارو وہی تیرا دل بہلائیں گے، آپ نے فرمایا میں نے کچھ نہیں دیکھا تھا۔ آخر آپ کو کنویں میں ڈال ہی دیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک ڈول میں بٹھا کر ڈول کو کنویں میں لٹکا دیا جب ڈول آدھے کنویں تک پہنچا تو رسی چھوڑ دی تاکہ یوسفؑ گر کر مر جائیں لیکن کنویں میں پانی تھا، آپ پانی میں گر پڑے وہاں ایک پتھر نظر آیا آپ اس پر کھڑے ہو گئے۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ یوسفؑ کو روتا ہوا کنویں میں ڈال دیا گیا پھر اوپر سے آواز دی، یوسفؑ سمجھے کہ بھائیوں کے دل میں کچھ رحم آ گیا۔ اس لئے آپ نے آواز دی، بھائیوں نے اوپر سے پتھر برسانا چاہا تاکہ پتھر مار کر ہلاک کر دیں۔ مگر یہودا نے روک دیا۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے سدی کی روایت سے ایک طویل بیان کے ذیل میں لکھا ہے کہ خاندان یعقوبؑ کی سکونت شام میں تھی، حضرت یعقوبؑ کی نظر میں ہر وقت یوسفؑ اور بنیامین سمائے ہوئے تھے اس پر دوسرے بھائیوں کو جلن پیدا ہوئی وہ یوسفؑ کو آبادی کے باہر صحرا میں لے گئے۔ اس روایت میں ہے کہ یوسفؑ کو ڈول میں بٹھا کر ڈول کو کنویں میں لٹکا دیا نصف

Marfat.com

کنویں تک ڈول پہنچا تو رسی ہاتھ سے چھوڑ دی، تاکہ یوسفؑ گر کر مر جائیں، کنویں میں پانی تھا یوسفؑ پانی میں گر گئے پھر ایک پتھر پر کھڑے ہو گئے اور روتے رہے فوراً جبرئیلؑ وحی لے کر آپہنچے جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے۔

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اور ہم نے یوسفؑ کے پاس وحی بھیجی (تاکہ اس کو اطمینان ہو جائے) بظاہر یہ وحی وحیِ نبوت نہ تھی۔ بلکہ اس کی صورت اس وحی کی سی تھی جیسی حضرت موسیٰؑ کی والدہ کے پاس بھیجی گئی تھی (یعنی الہام) کو وحیِ رسالت و تبلیغ تو بعد کو آئی بھی جس کا بیان آیت، وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا میں کیا گیا ہے، لیکن ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے مجاہد کا قول بیان کیا کہ اَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ میں وحیِ نبوت مراد ہے، جب آپ کنویں میں تھے تو وحیِ نبوت آتی تھی۔

لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا کہ تو ان کو ان کی اس حرکت پر (آئندہ) آگاہ کرے گا (اور وہ پشیمان اور ذلیل ہوں گے۔ مترجم)

وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ⑮ اور وہ جانتے بھی نہ تھے کہ ہم نے یوسفؑ کے پاس وحی بھیجی ہے اور اس کو اطلاع دے دی ہے۔ اور اس کے دل کو اطمینان دے دیا ہے۔

بعض علماء کے نزدیک (یہ جملہ وحی کا جزء ہے) مطلب یہ ہے کہ جس روز تم ان کو ان کی اس حرکت پر آگاہ کرو گے تو اس وقت ان کے خیال میں بھی یہ بات نہ ہو گی کہ تو ہی یوسفؑ ہے۔ یوسفؑ کے مرتبے کی رفعت، زمانہ کا طول اور جسمانی تغیرات ان کو پہچاننے بھی نہ دیں گے، چنانچہ آیت میں آیا ہے حِيْنَ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ جب برادرانِ یوسفؑ، یوسفؑ کے پاس پہنچے تو یوسفؑ نے ان کو پہچان لیا مگر وہ یوسفؑ کو نہ پہچان سکے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ یہودا یوسفؑ کو کھانا پہنچا دیتا تھا۔ آپ تین روز وہاں رہے اور یہ پیام (جو آیت میں مذکور ہے) وحی کے ذریعے سے ان کے پاس پہنچا۔ اللہ نے ان کا دل بہلانے اور کنویں سے نکلنے کی بشارت دینے کے لئے جبرئیلؑ کو ان کے پاس بھیج دیا۔

امام احمد نے الزہد میں اور ابن عبد الحکم نے فتوح مصر میں اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ اور ابن مردویہ نے حسن بصریؒ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر سترہ برس کی تھی بعض نے کہا جوان ہونے کے قریب تھے آپ کے پاس جوانی سے پہلے وحی آ گئی تھی جیسے حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے پاس آئی تھی۔

قصۂ یوسفؑ کی بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جب آگ میں ڈالا گیا تھا تو آپ کے کپڑے اُتار لئے گئے تھے۔ حضرت جبرئیلؑ نے جنت سے لا کر ایک ریشمی کُرتہ آپ کو پہنا دیا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ سے وہ کُرتہ حضرت اسحٰقؑ کو پہنچا تھا اور حضرت اسحٰقؑ سے حضرت یعقوبؑ کو حضرت یعقوبؑ نے اس کا تعویذ بنا کر حضرت یوسفؑ کے گلے میں ڈال دیا تھا۔ حضرت جبرئیلؑ نے وہی کُرتہ کھول کر حضرت یوسفؑ کو پہنا دیا۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس کے بعد برادرانِ یوسفؑ نے ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے یوسف کے کُرتہ کو اس کے خون سے رنگین کر لیا۔

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ ⑯ اور شام کو اندھیرا پڑے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے۔ اہلِ معانی نے لکھا ہے کہ اندھیرے میں عشاء کے وقت آنے کی مصلحت یہ تھی کہ جھوٹ بولنے کا جرأت آفریں موقع ہاتھ آ جائے، چنانچہ روایت میں آیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے ان کی چیخ پکار سنی تو باہر نکل آئے اور فرمایا لڑکو! کیا ہو گیا۔ کیا بکریوں پر کوئی اُفتاد پڑ گئی۔ کہنے لگے نہیں! حضرت یعقوبؑ نے پوچھا یوسفؑ کہاں ہے۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ⑰



Marfat.com

بولے ابا! ہم آپس میں دوڑ لگانے گئے تھے اور یوسفؑ کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے تھے (ہمارے پیچھے) بھیڑیئے نے اس کو کھالیا، آپ کو ہماری بات کا یقین نہیں آئے گا، خواہ ہم سچ کہہ رہے ہوں (کیونکہ آپ کو یوسفؑ سے انتہائی محبت ہے اور ہم لوگوں سے بدگمانی ہے، یوسفؑ کی محبت ہی آپ کو ہماری بات کا یقین نہیں ہونے دے گی۔ مزید یہ کہ آپ کو ہماری طرف سے بدگمانی ہے اس لئے ہم اس بیان میں سچے بھی ہوں تب بھی آپ یقین کرنے والے نہیں)۔

بعض نے کہا وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا کا مطلب یہ ہے کہ چونکہ آپ کو ہماری طرف سے بدگمانی ہے اس لئے آپ یقین کرنے والے نہیں، یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے پاس اپنی سچائی کی کوئی دلیل نہیں اس لئے آپ کو ہماری بات کا یقین نہیں آئے گا۔ اگرچہ ہم عند اللہ سچے ہیں۔

نَسْتَبِقُ (جمع متکلم باب افتعال) باب تفاعل کے معنی میں ہے یعنی باہم دوڑ میں ہم مقابلہ کرنے گئے تھے۔ بعض نے کہا تیر اندازی میں مقابلہ کرنا مراد ہے۔ باب افتعال اور تفاعل مشارکت کے لئے آتا ہے جیسے اتصال و تناصل تیر اندازی میں مقابلہ کرنا۔ مَتَاع سے مراد ہیں کپڑے۔

وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ ؕ اور یوسفؑ کے کرتے پر جھوٹ موٹ کا خون لگا کر لائے۔

كَذِبٍ کا معنی ہے جھوٹ موٹ کا یا جھوٹا، کذب مصدر بھی ہو سکتا، جھوٹ، خون کو جھوٹ مبالغۃً قرار دیا۔

ابن جریر، ابن المنذر اور ابو الشیخ نے حسن بصریؒ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت یعقوبؑ، یوسفؑ کی خبر سن کر چیخ پڑے اور یوسفؑ کا قمیص جب پیش کیا گیا تو الٹ پلٹ کر اس کو دیکھنے لگے مگر قمیص میں شگاف کہیں نظر نہ آیا، یہ دیکھ کر فرمایا اللہ کو! واللہ بھیڑیا بھی کیسا ہوشیار تھا، میرے بیٹے کو تو کھا گیا اور کرتے کو سالم چھوڑ دیا۔ حضرت یعقوبؑ جب بیٹوں کا جھوٹ سمجھ گئے تھے تو

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ کہا (بھیڑیے نے یوسفؑ کو نہیں کھایا) بلکہ تم نے اپنے لئے اپنے دل میں ایک بات بنالی ہے۔ سَوَّلَتْ لَكُمْ یعنی تمہارے نفسوں نے ایک بہت بڑے امر کو تمہاری نظر میں آسان اور حقیر بنا کر دکھایا ہے (مطلب یہ کہ یوسفؑ کی گمشدگی یا قتل کو تم نے اتنا آسان قرار دے لیا کہ اس کے لئے اتنی غلط عذر تراشی کرلی)

سَوَّلَتْ: التسول سے ماخوذ ہے سول کا معنی ہے لٹک جانا ڈھیلا ہو جانا۔ قاموس میں ہے اسول وہ شخص جس کے زیریں جسم میں ڈھیلا پن ہو اور سولۃ پیٹ وغیرہ کے لٹک آنے کو کہتے ہیں۔ بعض کا قول ہے اس جگہ سَوَّلَتْ کا معنی ہے سجا کر دکھایا (یعنی برے کام کو اچھا کام بنا کر پیش کیا) کذافی القاموس۔ سوّل لہ الشیطان شیطان نے اس کو بہکا دیا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ سوّل کا معنی ہے حاجت اور غرض جس کو حاصل کرنے کی نفس کو حرص ہوتی ہے اور تسویل کا معنی برے کو اچھے کی شکل میں پیش کرنا۔

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ سو اب میں صبر ہی کروں گا، جس میں کسی شکایت کی آمیزش نہ ہوگی، بغوی نے لکھا ہے صبرِ جمیل (اچھا صبر) یعنی ایسا صبر جس میں مخلوق سے کوئی شکوہ نہ ہوگا اور جزع فزع نہ ہوگی۔ ابن جریر نے حسان بن حمیہ کی روایت سے مرسلاً بیان کیا ہے کہ صبرِ جمیل وہ ہے جس میں کوئی شکوہ نہ ہو۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۝

یعنی یوسفؑ کے مرنے کی جو خبر تم بیان کر رہے ہو میں اس مصیبت پر صبر کرنے اور اس دکھ کو اٹھانے میں اللہ ہی سے مدد کا خواستگار ہوں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ قصۂ یوسفؑ کے ذیل میں یہ بات بھی بیان کی گئی ہے کہ برادرانِ یوسفؑ ایک بھیڑیے کو پکڑ لائے اور کہنے لگے اس نے یوسفؑ کو کھایا ہے۔ حضرت یعقوبؑ نے اس سے پوچھا کہ تو نے میرے جگر پارے کو کھایا ہے۔ بھیڑیے کو اللہ نے گویائی عطا فرما دی، اس نے جواب دیا خدا کی قسم میں نے تو آپ کے بیٹے کو دیکھا بھی نہیں! حضرت یعقوبؑ نے پوچھا پھر کنعان کی اس سرزمین میں تو کیسے آیا۔ بھیڑیے نے کہا بھائی بندوں سے ملنے آیا تھا۔ کہ یہ پکڑ لائے۔ الحاصل یوسفؑ

Marfat.com

تین روز کنویں میں رہے کہ

وَجَآءَتْ سَيَّارَةٌ ایک قافلہ ادھر آگزرا یہ لوگ مَدین سے مصر کو جارہے تھے غلط راستے پر پڑگئے تھے، تو کنویں کے قریب اُتر پڑے، کنواں چرواہوں اور راہ گیروں کے لئے آبادی سے دور تھا اس کا پانی شور تھا جب حضرت یوسفؑ کو اس میں ڈالا گیا تو اس کا پانی میٹھا ہو گیا۔

فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ (جب کنویں کے پاس اترے) تو ایک ہر لول کو (کنویں سے پانی لینے کے لئے) بھیجا۔ یہ شخص مَدین کا باشندہ تھا جس کا نام مالک بن دعر تھا۔ وَارِدٌ اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلہ کے آگے پانی کی تلاش میں بطورِ ہر اول جاتا ہے۔

فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ اس نے جاکر اپنا ڈول کنویں میں لٹکایا۔

ادلیٰ الدلو کنویں میں ڈول ڈالنا۔ اَدلیتُ الدَّلْو میں نے کنویں میں ڈول ڈالا۔ دلوتُ الدَّلْو میں نے کنویں سے ڈول نکالا۔ حضرت یوسفؑ رسی پکڑ کر لٹک گئے اور اوپر آگئے۔ لوگوں نے دیکھا کہ ایک حسین ترین لڑکا برآمد ہوا، تعجب میں پڑ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یوسفؑ کو سارے انسانوں کے حسن کا آدھا حصہ دیا گیا تھا۔ رواہ ابن ابی شیبۃ واحمد وابو یعلی والحاکم عن انسؓ۔

بغوی نے لکھا ہے یوسفؑ میں یہ حسن ان کی دادی حضرت سارہ کا منتقل ہو کر آیا تھا، حضرت سارہ کو کل حسن کا چھٹا حصہ اللہ کی طرف سے ملا تھا۔ ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ یوسفؑ اور ان کی والدہ کے حصے میں دو تہائی حسن آگیا تھا۔ مالک بن دعر نے جب یوسفؑ کو دیکھا تو

قَالَ يٰبُشْرٰى بولا اے لوگو تم کو بشارت ہو یا فرطِ مسرت میں اس نے بشارت کو پکارا۔ بعض علماء نے کہا بُشریٰ اس کے ساتھی کا نام تھا مدد کرنے کے لئے مالک نے بُشریٰ کو پکارا تھا۔

هٰذَا غُلٰمٌ یہ تو لڑکا ہے۔ مجاہد نے اپنے باپ کا قول بیان کیا کہ جب یوسفؑ کنویں سے نکال لئے گئے تو کنواں رونے لگا۔

وَاَسَرُّوْهُ اور انہوں نے یوسفؑ کو چھپائے رکھا۔ یعنی مالک اور اس کے ساتھیوں نے دوسرے قافلے والوں سے یوسفؑ کو چھپالیا۔ تاکہ وہ شرکت کے دعویدار نہ بن جائیں۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ یوسفؑ کے معاملے کو ان لوگوں نے چھپالیا اور دوسرے لوگوں سے کہا کنویں پر رہنے والوں نے ہم کو یہ لڑکا دیا ہے تاکہ ان کی طرف سے مصر میں لے جاکر اس کو فروخت کر دیں۔ بعض علماء نے کہا کہ برادرانِ یوسف نے یوسف کی بات قافلہ والوں سے پوشیدہ رکھی (اور یوسف کو بھائی نہیں بتایا) بات یہ ہوئی کہ یہود اروز یوسف کا کھانا لاتا تھا ایک روز جو کھانا لایا اور یوسف کو کنویں میں نہ پایا تو بھائیوں کو جاکر اطلاع دی بھائی ڈھونڈنے نکلے تلاش کرتے کرتے مالک کے پاس یوسف دستیاب ہوئے، انہوں نے قافلے والوں سے اصل بات چھپالی اور یوسف کو اپنا بھائی ظاہر کرنے کے بجائے کہنے لگے یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے کہا جاتا ہے بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کو بھی ڈرا دھمکا دیا تھا۔ بھائیوں کے ڈر سے یوسف بھی کچھ نہ بولے خاموش رہے۔

بِضَاعَةً یعنی یوسف کو بطورِ مال تجارت چھپائے رکھا۔ بضاعت بضع سے مشتق ہے۔ بضع تجارتی مال کو کہتے ہیں۔

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ⑲ اور وہ جو کچھ کر رہے تھے اللہ اس سے بخوبی واقف تھا۔ اس سے ان کی کوئی پوشیدہ بات بھی مخفی نہیں تھی یا برادرانِ یوسف اپنے باپ اور بھائی سے جو سلوک کر رہے تھے اللہ اس سے واقف تھا۔

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ انہوں نے یعنی برادرانِ یوسفؑ نے یوسفؑ کو حقیر قیمت یعنی گنتی کے چند درہموں میں بیچ ڈالا۔ بعض اہلِ علم نے شَرَوہ کا ترجمہ اِشترَوہ کیا ہے، یعنی قافلے والوں نے یوسفؑ کو

Marfat.com

بہت کم قیمت یعنی چند درہموں میں خرید لیا۔ ضحاک، مقاتل اور سدی نے بَخْسٍ کا ترجمہ کیا ہے حرام کیونکہ آزاد انسان کی قیمت حرام ہے بَخْسٍ کا لغوی معنی ہے کم کرنا، گھٹانا۔ مالِ حرام کی برکت گھٹ جاتی ہے اس لئے حرام کو بَخْسٍ کہا۔ حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ نے بَخْسٍ کا ترجمہ کیا کھوٹے۔ عکرمہ اور شعبی نے ترجمہ کیا قلیل تھوڑے۔ کیونکہ اگر اوقیہ کے برابر درہم ہوتے تو وزن سے بکتے اور خریدے جاتے تھے اور اوقیہ سے کم کا تبادلہ گنتی سے ہوتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ حضرت ابن مسعودؓ اور قتادہؒ نے فرمایا بیس درہم کو فروخت کر دیا۔ ہر بھائی کے حصے میں دو دو درہم آئے۔ عکرمہ نے کہا چالیس درہم کو بیچا۔ اور مجاہد نے بائیس درہم کی صراحت کی۔

وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزّٰهِدِيْنَ ۝ اور وہ (برادرانِ یوسفؑ یا خریدار) یوسفؑ کی طرف سے بے رغبت تھے۔ ان کو معلوم ہی نہ تھا کہ یوسفؑ کا مرتبہ اللہ کے نزدیک کتنا بڑا ہے۔ بعض اہلِ تفسیر نے فِیْہِ کی ضمیر کو ثمن کی طرف لوٹایا ہے، یعنی یوسفؑ کی قیمت کی ان کو رغبت نہ تھی۔ ان کا مقصد حصولِ قیمت نہ تھا بلکہ یوسفؑ کو دور پھینک دینا تھا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ کَانُوا کی ضمیر اگر قافلے والوں کی طرف راجع کی جائے تو دو صورتیں ہیں قافلہ والوں نے بے رغبتی سے خریدا تھا یوسفؑ کی طرف راغب نہ تھے کیونکہ ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ بھاگا ہوا غلام ہے اور اگر قافلہ والوں کو بائع قرار دیا جائے (کیونکہ مصر میں لے جا کر انہوں نے حضرت کو فروخت کر دیا تھا) تو یہ مطلب ہو گا کہ چونکہ انہوں نے مفت میں یوسفؑ کو پالیا تھا ان کو آپ کی قدر نہ تھی اور اندیشہ تھا کہ کوئی دعویدار نہ پیدا ہو جائے اس لئے جلدی فروخت کرنا چاہتے تھے۔ اس کے بعد مالک اور اس کے ساتھی حضرت یوسفؑ کو لے کر روانہ ہو گئے۔ بھائیوں نے پھر بھی پیچھا نہ چھوڑا پیچھے ہو لئے اور خریداروں سے کہنے لگے مضبوطی کے ساتھ اس کی حفاظت کرنا کہیں بھاگ نہ جائے۔ مالک آپ کو لے کر مصر پہنچا اور فروخت کے لئے پیش کیا قطفیر نے آپ کو خرید لیا، یہ قول حضرت ابن عباسؓ کا ہے بعض لوگوں نے اس کا نام اطفیر بتایا ہے یہ بادشاہ کا نائب اور شاہی خزانہ کا سب سے بڑا آفیسر تھا اس کا خطاب عزیز تھا اس زمانہ میں مصر اور اطرافِ مصر کا بادشاہ ریّان بن ولید بن ثروان عملیقی تھا بعض روایات میں آیا ہے یہ بادشاہ اپنی موت سے پہلے حضرت یوسفؑ کے ہاتھ پر مسلمان ہو گیا تھا اور مذہب یوسفی کا پابند بن گیا تھا اور آپ کی زندگی میں اس کا انتقال ہو گیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب یوسفؑ مصر میں داخل ہوئے تو قطفیر نے مالک بن دعر سے مل کر حضرت یوسفؑ کو بیس دینار یا ایک جوڑے جوتے اور دو سفید کپڑوں کے عوض خرید لیا۔ وہب بن منبہ کا بیان ہے کہ قافلہ یوسفؑ کو لے کر مصر کے بازار میں پہنچا اور فروخت کے لئے آپ کو پیش کیا تو لوگوں نے بڑھ چڑھ کر قیمت لگائی یہاں تک کہ آپ کے وزن کے برابر سونا اور اتنی ہی چاندی اور اتنے وزن کا ریشمی کپڑا اور اتنا ہی مشک آپ کی قیمت قرار پائی آپ کی عمر ۱۳ سال تھی اور وزن چار سو رطل تھا آخر اس قیمت پر قطفیر نے آپ کو مالک سے خرید لیا۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖٓ اور مصر کے جس شخص نے یوسفؑ کو خریدا تھا اس نے اپنی بیوی راعیل یا زلیخا سے کہا۔

اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ اس کو خاطر سے رکھنا۔ مَثْوٰی ٹھہرنے کی جگہ اس جگہ مراد مرتبہ ہے۔ قتادہؓ کا یہی قول ہے۔ ابن جریج نے بھی اس کی تائید کی ہے بعض نے کہا مَثْوٰی سے مراد غذا، لباس اور مکان۔

عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ امید ہے یہ ہم کو فائدہ پہنچائے یعنی اگر ہم اس کو فروخت کریں تو نفع مل جائے اگر نہ فروخت کریں تو ہمارے مال جائیداد اور دوسرے کاموں کا انتظام کرے۔

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا یا (بیٹا بنانا ہو تو) ہم اس کو بیٹا بنا لیں گے (کیونکہ اس کے اندر ہم کو ہوشیاری کی علامات دکھائی دے رہی ہیں) عزیزِ مصر لاولد اور نا قابلِ تولید تھا۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ اور (جس طرح ہم نے یوسفؑ کو قتل سے بچایا کنویں سے نکلوایا اور عزیز کو اس پر مہربان بنایا) اسی طرح ہم نے اس کو ملکِ مصر میں جماؤ عطا کیا (اور مصر کی ساری پیداوار کا اس کو حاکم اعلیٰ بنا دیا۔

Marfat.com

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ (تاکہ وہ وہاں انصاف کے ساتھ حکومت کرے) اور تاکہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر سکھادیں، یعنی یوسفؑ کو بچانے اور حکومت عطا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ انصاف کے ساتھ حکومت کرے اور عدل کے ساتھ انتظامِ خلق کرے اور اللہ کی کتابوں کی صحیح تعلیم دے اور اللہ کے احکام جاری کرے (اس مطلب پر تاویلِ احادیث سے مراد ہوگی، کتبِ الٰہیہ کی تعلیم اور اللہ کے احکام کا اجراء) یا اس سے خوابوں کی تعبیر مراد ہے اس صورت میں یہ مطلب ہوگا کہ یوسفؑ کو ان خوابوں کی تعبیر سکھادیں جو آئندہ ہونے والے واقعات کی طرف اشارہ کرتے ہیں تاکہ ان کے ظہور پذیر ہونے سے پہلے یوسفؑ ان کے لئے تیار ہو جائیں اور پہلے سے انتظام کرلیں (جیسے قحط کے سات سال بادشاہ نے خواب میں سات دبلی گایوں کی شکل میں دیکھے تھے اور حضرت یوسفؑ کو اللہ نے ان کی تعبیر بتادی تھی پھر آپ نے کال پڑنے سے برسوں پہلے غذا کا اسٹاک کرنا شروع کردیا تھا اور جب کال پڑا تو اندوختہ غلہ ملک میں تقسیم کیا اور اس طرح قحط پر قابو پایا)

بعض علماء کے نزدیک وَلِنُعَلِّمَهٗ کا عطف فعل محذوف پر نہیں ہے بلکہ واؤ زائد ہے۔

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ اور اللہ اپنے کام پر غالب ہے۔ اَمْرِہٖ کی ضمیر لفظِ اللہ کی طرف راجع ہے۔ یعنی اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کے حکم کو کوئی رَد نہیں کر سکتا، یا یوسفؑ کی طرف ضمیر لوٹ رہی ہے یعنی یوسفؑ کے بھائی یوسفؑ کے متعلق کچھ اور چاہتے تھے اور اللہ کچھ اور چاہتا تھا اور ہُوا وہی جو اللہ چاہتا تھا۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ لیکن اکثر لوگ اللہ کی حکمت کی باریکیوں کو نہیں جانتے اور اس کی مخفی مہربانیوں سے ناواقف ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اللہ جو کچھ چاہتا ہے اور جو کچھ کرتا ہے اس سے اکثر لوگ ناواقف ہیں۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ اور جب یوسف اپنی بھرپور جوانی اور قوت کو پہنچ گئے تو ہم نے ان کو حکم اور علم عطا کیا۔

اَشُدّ انتہائی جوانی اور قوت۔ مجاہد نے کہا ۳۳ سال کی عمر، سدی نے کہا ۳۰ سال کی عمر یہی سنِ وقوف ہے۔ ضحاک نے کہا ۲۰ سال، کلبی نے کہا اَشُدّ کی عمر ۱۸ سے ۲۰ سال کے درمیان ہوتی ہے۔ امام مالک سے اَشُدّ کا ترجمہ پوچھا گیا تو فرمایا سمجھ اور دانش۔

حکم سے مراد ہے نبوّت۔ بعض نے کہا درست قول۔ علم سے مراد ہے دینی سمجھ یا خواب کی تعبیر کا علم۔ بعض اہل علم نے کہا حکیم اور عالم کے درمیان فرق یہ ہے کہ عالم تو جاننے والے کو کہتے ہیں اور حکیم وہ ہوتا ہے جو علم کے تقاضے کے مطابق عمل بھی کرے۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ اور اسی طرح نیکوکاروں کو ہم بدلہ دیتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کے ایک قول میں مُحْسِنِیْن کا ترجمہ مؤمنین آیا ہے، دوسرے قول میں آیا ہے کہ محسنین سے مراد ہیں ہدایت یافتہ لوگ، ضحاک نے کہا مصائب پر صبر کرنے والے، بیضاوی نے لکھا ہے آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ اللہ نے یوسفؑ کو یہ جزا ان کے حسن عمل اور عنفوانِ جوانی میں متقی رہنے کی دی تھی۔

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ

اور یوسفؑ جس عورت کے گھر میں تھے اس عورت نے اپنا مطلب ان سے حاصل کرنے کے لئے ان کو پھسلایا اور دروازے بند کر دیئے۔

رَاوَدَتْ کا مصدر مُرَاوَدَتْ ہے اور اسکا مجرّد رَادَ یَرُوْدُ آتا ہے رَوْد مادہ ہے رَود کا معنی ہے کسی چیز کی طلب میں آنا جانا اسی سے رائد بنا ہے۔ (قافلہ یا لشکر سے پہلے پانی اور گھاس کی تلاش میں جانے والا ہراول) بعض نے کہا آہستگی کے ساتھ کسی چیز کے طلب کرنے کو رَود کہتے ہیں، رُوَید (کچھ ڈھیل دو) اسی سے بنا ہے یہاں مراد یہ ہے کہ زلیخا نے تدبیر اور بہانے سے یوسف سے اپنے مطلب کی درخواست کی۔ زلیخا عزیز کی بیوی تھی۔ دروازے سات تھے تغلیق خوب مضبوط یا بکثرت دروازے بند کر دیئے باب تفعیل تکثیر یا مبالغہ کے لئے آیا ہے۔

وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ اور کہا آجاؤ تمہیں سے کہتی ہوں۔

Marfat.com

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا مجھے رسول اللہ ﷺ نے هَيْتَ لَكَ ہی پڑھایا تھا۔ کسائی نے کہا یہ اہل حوران کا محاورہ تھا جو حجاز میں مستعمل ہو گیا تھا۔ کسائی کا یہ قول ابو عبیدہ نے نقل کیا ہے اس کا معنی ہے۔ "آ"۔ عکرمہؓ نے بھی کہا کہ حورانی محاورہ میں اس کا معنی "آ" ہے۔ مجاہد نے کہا یہ عربی لفظ ہے کسی چیز کی ترغیب دینے کے لئے بولا جاتا ہے گویا یہ اسم بمعنی فعل ہے اور اَیْنَ کی طرح مبنی بر فتح ہے اس کا نہ تثنیہ آتا ہے نہ جمع۔ کذا قال ابو عبیدہ۔

قاموس میں ہے هَيْتَ، هَيْتِ، هَيْتُ تینوں حرکات کے ساتھ آتا ہے اس کا معنی ہے "آ" کبھی ہا کو مکسور بھی بولا جاتا ہے۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ یوسفؑ نے (اس وقت زلیخا سے) کہا میں اللہ کی پناہ چاہتا ہوں (، اس بُری حرکت سے)۔

اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ بلاشبہ وہ میرا آقا ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا۔ اِنَّهٗ میں ضمیر شان ہے۔

یعنی بات یہ ہے کہ میرے آقا قطفیر نے میری خاطر مدارات اور پرداخت اچھی طرح کی اس نے تجھ سے بھی کہا تھا کہ اس کی خاطر اچھی طرح کرنا ایسے محسن کا بدلہ یہ تو نہیں کہ میں اس کی خیانت کروں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اِنہ کی ضمیر قطفیر کی طرف راجع ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ کی طرف ضمیر راجع ہے، یعنی اللہ بلاشبہ میرا خالق ہے اس نے میرا ٹھکانا اچھا بنا دیا، قطفیر کے دل کو مجھ پر مہربان کر دیا۔ میں اللہ کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔

اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ حقیقت یہ ہے کہ ظالم فلاح یاب نہیں ہوتے۔ بھلائی کا بدلہ برائی سے دینے والے ظالم ہیں۔ بعض نے کہا الظّٰلِمُوْن سے مراد ہیں زنا کرنے والے۔ زنا کرنے والے اپنے اوپر بھی ظلم کرتے ہیں اور اس شخص پر بھی ظلم کرتے ہیں جس کی بیوی سے زنا کرتے ہیں۔

سدی اور ابن اسحاق نے بیان کیا کہ عزیز کی بیوی نے یوسفؑ کو جب پھسلانا چاہا تو اس کی تدبیر یہ کی کہ یوسفؑ کے حسن کی تعریف کرنی شروع کر دی، کہنے لگی یوسفؑ تمہارے بال کیسے حسین ہیں، آپ نے جواب دیا (مرنے کے بعد) سب سے پہلے یہی میرے بدن سے منتشر ہوں گے۔ زلیخا نے آپ کی آنکھوں کی تعریف کی تو فرمایا چہرے پر بہہ کر یہ سب سے پہلے آئیں گی۔ چہرے کی تعریف سن کر فرمایا اس کو مٹی کھالے گی۔

بعض روایات میں آیا ہے کہ زلیخا نے کمار یشمین بستر بچھا ہوا ہے اٹھو اور میرا مقصد پورا کرو، آپ نے فرمایا اگر میں ایسا کروں گا تو جنت کے اندر میرا کوئی حصہ نہیں رہے گا۔ غرض اسی طرح زلیخا آپ کو راغب کرتی رہی آپ بھی جوان تھے۔ دوسرے لوگوں کی طرح جوانی کے تقاضے رکھتے تھے، خوب صورت عورت کو دیکھ کر آپ کو بھی طبعی میلان ہو گیا، اسی طبعی میلان کو اگلی آیت میں بیان فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا عورت نے تو بلاشبہ یوسفؑ کو مقصد بنا لیا تھا یوسفؑ بھی اس کا ارادہ کر ہی چکے تھے، یعنی زلیخا کی جانب یوسفؑ کے دل میں فطری اور طبعی میلان پیدا ہو گیا مگر آپ نے اس کو اپنے عزم سے روکا اور باز داشت کی عزم اور ارادے کے ساتھ طبعی میلان کو روکنے پر۔ لفظ مَعَاذَ اللّٰہ دلالت کر رہا ہے، مراد یہ ہے کہ آپ کا ارادہ اختیاری نہ تھا میلانِ طبعی تھا جس کا پیدا نہ ہونے دینا انسان کے اختیار سے خارج ہے اور اس پر آدمی مکلّف بھی نہیں ہے بلکہ میلانِ طبعی کو عزم کے ساتھ روکنے والا مستحق ستائش ہے فرشتوں پر انسان کی برتری صرف اسی وجہ سے ہے کہ فرشتے فطری میلانِ گناہ سے خالی ہیں اور آدمی طبعی میلانِ نفس کو عزم سے روکتا ہے۔

شیخ ابو المنصور ماتریدیؒ نے فرمایا ارادۂ یوسفؑ در حقیقت ایک خود آمدہ خیال تھا جو بے اختیار دل میں آ گیا تھا اور یہ قابلِ گرفت نہیں خود رو خیال اور غیر ارادی خطورِ قلبی ناقابلِ مؤاخذہ ہیں اگر آپ کا ارادہ ہمارے ارادے کی طرح ہوتا تو اللہ آپ کی تعریف نہ کرتا۔ اور آپ کی متعلق اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ نہ فرماتا۔

بعض اہل حقائق نے کہا ارادہ دو قسم کا ہوتا ہے (۱) ارادۂ محکم، یعنی عزم راسخ اور غیر متزلزل دل پسندی۔ عزیز کی بیوی کا

Marfat.com

ارادہ اسی طرح کا تھا یہ ارادہ قابل مؤاخذہ ہے (۲) عارضی ارادہ اور دل میں خیال کا گزر جانا اور غیر ارادی تصور۔ اس قسم کا ارادہ حضرت یوسفؑ کا تھا اور یہ ناقابل مؤاخذہ ہے اور ظہور قولی و فعلی سے پہلے اس کی پکڑ نہ ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اللہ نے فرمایا ہے کہ جب میرا بندہ کوئی نیکی کرنے کی بات اپنے دل میں کر لیتا ہے تو کئے بغیر میں اس کی نیکی لکھ لیتا ہوں اور جب وہ نیکی کر بھی لیتا ہے تو اس جیسی دس نیکیاں اس کے لئے لکھ دیتا ہوں اگر میرا بندہ کوئی بدی کرنے کی بات دل میں کرتا ہے تو جب تک اس کا عملی اظہار نہ کرے میں معاف کر دیتا ہوں اور جب عملاً وہ کر ہی لیتا ہے تو میں اتنی ہی بدی (اس کے نامۂ اعمال میں) لکھ دیتا ہوں۔ رواہ البغوی من حدیث ابوہریرہ۔ صحیحین اور جامع ترمذی میں حدیث مذکور کے یہ الفاظ ہیں، جب میرا بندہ کسی نیکی کا ارادہ کر لیتا ہے اور کرتا نہیں تو میں اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہوں پھر اگر وہ عملاً نیکی کر بھی لیتا ہے تو میں اسکے لئے دس سے سات سو تک نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور اگر کسی بدی کا ارادہ کرتا ہے اور بدی عملاً نہیں کرتا تو میں اس کے لئے کچھ نہیں لکھتا اور اگر وہ بدی کر گزرتا ہے تو اس کا ایک گناہ لکھ دیتا ہوں۔ بعض لوگوں نے کہا (اور اس قول کی نسبت سعید بن جبیرؓ جیسے متقدمین کی طرف کی) کہ حضرت یوسفؑ نے اپنا کمربند کھول لیا تھا اور بیٹھ گئے تھے جیسے مرد (وقت حاجت) بیٹھتے ہیں یا اپنا پائجامہ کھول لیا تھا اور کپڑے سمیٹ رہے تھے، ھَمَّ بِھَا کا یہی معنی ہے۔ اس قسم کی غلط توجیہات کلام الٰہی کی رفتار کے خلاف ہیں، اللہ نے فرمایا ہے۔ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ۔ ظاہر ہے کہ سُوء سے مراد صغیرہ گناہ ہے جس سے دور رکھنے کی اللہ نے صراحت فرمائی ہے اور قائل مذکور نے جو تفصیل کی اس سے گناہ صغیرہ کا مرتکب ہو جانا ثابت ہوتا ہے اگر حضرت یوسفؑ سے صغیرہ گناہ کا صدور ہوگا تو اللہ ان کی توبہ و استغفار کا تذکرہ فرماتا، جیسے حضرت آدمؑ، حضرت نوحؑ، حضرت داؤدؑ اور حضرت یونسؑ کی توبہ و استغفار کا ذکر فرمایا ہے، حالانکہ ان بزرگوں سے غیر ارادی خطا ہوئی ہے (گناہ کا قصد و ارادہ نہ تھا اجتہادی غلطی تھی) اور یوسفؑ کی توبہ و استغفار کا تذکرہ نہیں فرمایا بلکہ حضرت یوسفؑ نے اپنی بے گناہی کی صراحت فرمائی اور فرمایا هِيَ رَاوَدْتُّنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ اور فرمایا ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ اور فرمایا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ اور اللہ نے بھی آپ کے متعلق فرمایا اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ۔

لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ؕ اگر نہ دیکھ لیتے وہ اپنے رب کی دلیل کو۔ شرط کا جواب محذوف ہے یعنی اگر نہ دیکھ لیتے برہانِ رب کو تو جماع کر لیتے۔ بعض کے نزدیک لَوْلَا کا جواب مقدم ہے اور شرط مؤخر ہے۔ اس وقت مطلب اس طرح ہوگا کہ یوسفؑ زلیخا کا ارادہ کر ہی چکے تھے اگر برہانِ رب کو نہ دیکھ لیتے یعنی ارادہ نہ کیا تھا قریب تھا کہ ارادہ کر لیتے۔ مگر لَوْلَا کا جواب پہلے آجانا قانونِ نحو کے خلاف ہے لَوْلَا حروفِ شرط میں سے ہے اس لئے حرفِ شرط پر جواب کا تقدیم ناجائز ہے ہاں یہ ممکن ہے کہ لَوْلَا کا جواب شرط کے بعد محذوف ہو۔ اور جواب اسی مضمون کا جو پہلے ذکر کر دیا گیا چونکہ هَمَّ بِهَا فرما دیا تھا اس لئے لَوْلَا کا دوبارہ جواب ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ اسی طرح کا محاورہ عرب استعمال کرتے ہیں کہا جاتا ہے قَتَلْتُهٗ لَوْلَمْ اَخَفِ اللّٰهَ میں اس کو قتل ہی کر چکا تھا اگر مجھے خدا کا خوف نہ ہوتا۔

بُرہان کیا تھی اور یوسفؑ نے کیا دیکھ پایا تھا اس سلسلے میں علماء کے اقوال مختلف ہیں، حضرت جعفر صادق نے فرمایا برہان وہ نبوّت تھی جو اللہ نے یوسفؑ کے سینہ میں ودیعت کر دی تھی، یہ نورِ نبوّت اس عمل سے مانع ہو گیا جو اللہ کی ناراضگی کا موجب تھا۔ میرے نزدیک سب سے زیادہ صحیح قول یہی ہے۔ قتادہ اور اکثر اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی صورت دیکھ لی تھی، حضرت یعقوبؑ فرما رہے تھے۔ یوسفؑ نادانوں کا جیسا عمل کر رہا ہے۔ تیرا نام توبۂ زمرہ انبیاء لکھا ہوا ہے۔ حسن اور سعید بن جبیرؒ اور مجاہد اور عکرمہ اور ضحاک نے کہا آپ نے چھت میں ایک شگاف دیکھا جس کے اندر حضرت یعقوبؑ (افسوس کے ساتھ) اپنی انگلی دانت سے کاٹتے نظر آئے۔

سعید بن جبیرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ مجسّم ہو کر سامنے آگئے اور اپنا ہاتھ یوسفؑ کے سینہ پر مارا جس سے یوسفؑ کا جوش ہیجان جاتا رہا۔ ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابوالشیخ نے محمد بن سیرین کا قول نقل کیا ہے کہ

Marfat.com

حضرت یعقوبؑ تو دانت سے انگلی کاٹتے کھڑے نظر آئے جو فرما رہے تھے یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ خلیل اللہ تیرا نام تو انبیاءؑ میں شامل ہے اور تو نادانوں جیسا کام کر رہا ہے۔

سدی نے کہا یوسفؑ کو (غیبی) نداء آئی، یوسفؑ! تو جب تک اس پر نہیں پڑا ہے تیری حالت اس پرندے کی سی ہے جو ہوا میں اُڑ رہا ہو اور اس کو کوئی پکڑ نہ سکتا ہو اور جب تو اس پر پڑ جائے گا تو تیری حالت اس پرندے کی طرح ہو جائے گی جو مر کر زمین پر گر گیا ہو کہ کسی چیز کو دفع نہ کر سکتا ہو، قبل از وقوع تیری حالت اس سرکش بیل کی طرح ہے جو کسی کے قابو میں نہ آسکتا ہو اور وقوع کے بعد تیری حالت اس بیل کی طرح ہو جائے گی جو مردہ پڑا ہو اور اس کے سینگوں کی جڑوں میں چیونٹیاں گھس رہی ہوں اور وہ کسی کو دفع نہ کر سکتا ہے۔

ابن جریر نے قاسم بن ابی بزہ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت یوسفؑ کو نداء آئی اے یعقوبؑ کے بیٹے اس پرندے کی طرح نہ ہو جا جس کے پَر اچھے خاصے موجود ہیں لیکن زنا کے بعد سب پَر گر جائیں گے۔

حضرت یوسفؑ نے ندا کی کوئی پروا نہیں کی پھر اوپر کو سر اٹھایا تو حضرت یعقوبؑ کی شکل نظر آئی جو دانت سے انگلی کاٹ رہے تھے یہ دیکھ کر آپ پر خوف طاری ہو گیا اور باپ سے شرما کر اُٹھ کھڑے ہوئے، مجاہد کا ایک قول بحوالہ ابن عباسؓ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نیچے اترے اور دانت سے اپنی انگلی کاٹتے نظر آئے جو کہہ رہے تھے یوسفؑ نادانوں جیسا کام کر رہے ہو، تمہارا نام تو اللہ کے نزدیک انبیاء میں لکھا ہوا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے اپنا پَر حضرت یوسفؑ کے بدن سے لگا دیا جس کی وجہ سے سارا جوش انگلیوں کے پوروں سے نکل گیا۔

محمد بن کعب قرظی نے کہا یوسفؑ نے جب ارادہ کیا اور چھت کی طرف سر اٹھایا تو کسی دیوار پر لکھا ہوا دیکھا لَا تَقْرَبُوا الزِّنَا اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّسَآءَ سَبِيْلًا زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، یہ بے حیائی کا کام ہے اور بُرا راستہ ہے۔

عطیہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول برہانِ رب کے متعلق نقل کیا ہے کہ حضرت یوسفؑ نے فرشتے کی صورت دیکھ لی تھی۔

حضرت علی (زین العابدین) بن امام حسینؓ کا قول منقول ہے کہ وہاں گھر کے اندر ایک بُت تھا عورت اس پر پردہ ڈالنے کے لئے گئی، حضرت یوسفؑ نے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا اس نے جواب دیا مجھے شرم آئی کہ یہ مجھے اس گناہ میں مبتلا دیکھے گا حضرت نے فرمایا تم کو تو ایسی چیز سے شرم آئی جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے نہ سمجھتی ہے پھر مجھے تو بدرجۂ اولیٰ اپنے رب سے شرمانا چاہیئے۔ (جو دانا بینا ہے) یہ کہہ کر آپ بھاگ نکلے۔

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ایسا ہی ہم نے کیا اور اس لئے کیا کہ یوسفؑ سے چھوٹے بڑے گناہ کو پھیر دیں (گناہ کا رُخ ان کی طرف سے موڑ دیں) اَلسُّوْء چھوٹا گناہ الفَحْشَاء بڑا گناہ یعنی زنا۔

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ بلاشبہ وہ ہمارے منتخب بندوں میں سے تھا یعنی ان بندوں میں سے تھا جن کو نبوت کے لئے چُن لیا گیا تھا اور اللہ نے اپنے لئے ان کو خالص کر لیا تھا اور ایک قرأت میں اَلْمُخْلِصِيْنَ بکسر لام بصیغہ اسم فاعل آیا ہے۔ یعنی یوسفؑ ان بندوں میں شامل تھا جو اللہ کے لئے خالص طور پر عبادت اور طاعت کرتے ہیں۔

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ اور دونوں (یوسفؑ و زلیخا) دروازے کو دوڑے یوسفؑ آگے اور زلیخا پکڑنے کے لئے ان کے پیچھے جب یوسفؑ باہر نکلنے کے لئے بھاگے تو زلیخا ان کو روکنے کے لئے پیچھے سے دوڑی اور پیچھے سے کرتہ پکڑ کر کھینچا۔ اَلْبَاب سے مراد ہے آخری دروازہ جہاں سے بالکل گھر سے باہر آسکتے تھے۔ یوسفؑ جب بھاگے تھے تو دروازوں کے قفل ٹوٹ ٹوٹ کر خود گر رہے تھے آخری دروازہ پر پہنچے تو زلیخا نے کرتہ پکڑ کر کھینچا۔

وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ اور عورت نے یوسفؑ کا کرتہ پیچھے سے چیر دیا۔ قَدَّ لمبائی میں پھاڑنا قَطَّ چوڑائی میں کاٹنا یا پھاڑنا۔

Marfat.com

وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ اور دروازہ کے بعد دونوں نے عورت کے شوہر کو پایا (جو آرہا تھا) بغوی نے لکھا ہے کہ زلیخا کے چچا کے بیٹے کے ساتھ قطفیر کو بیٹھا پایا۔ بعض نے کہا آتا پایا جو اپنے گھر میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ زلیخا یہ دیکھ کر ڈر گئی۔

قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝۲۵

شوہر کی نظر میں اپنے کو پاک دامن ظاہر کرنے اور جذبۂ انتقام کے زیر اثر یوسفؑ کے خلاف اس کو بھڑکانے کے لئے عورت نے کہا جس شخص نے آپ کی بیوی سے بُرے کام کا ارادہ کیا ہو آپ کی بیوی پر بُری نیت کی ہو اس کی سزا اس کے سوا نہیں کہ اس کو قید میں ڈال دیا جائے یا دکھ کا عذاب دیا جائے یعنی کوڑے مارے جائیں۔

قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ یوسفؑ نے کہا اسی نے مجھے پھسلایا تھا۔ یعنی یہی مجھ سے بدکاری کی طلب گار تھی۔ چونکہ عورت نے جھوٹ باندھا تھا اور شوہر کو ترغیب دی تھی کہ یوسفؑ کو سزائے تازیانہ دی جائے یا قید میں ڈال دیا جائے۔ اس لئے بطور مدافعت حضرت نے یہ راز فاش کیا۔ اگر زلیخا ایسا نہ کرتی تو آپ بھی پردہ دری نہ کرتے۔

وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَآ اور عورت کے گھر والوں میں سے ایک گواہ نے شہادت دی۔ بعض نے کہا یہ زلیخا کا چچا کا بیٹا تھا۔ بعض نے کہا ماموں کا بیٹا تھا۔ سعید بن جبیرؒ اور ضحاک نے کہا شیر خوار بچہ تھا جس کو اللہ نے گویا کر دیا تھا۔

بغوی نے لکھا ہے عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان بھی آیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا چار بچے بچپن میں بولے (۱) بنت فرعون کے بال بنانے والی خادمہ کا بچہ (۲) شاہد یوسفؑ (۳) جریج والا بچہ (۴) عیسیٰ بن مریمؑ۔ محمد بن محمد سعاف نے تخریج بیضاوی میں لکھا ہے کہ یہ حدیث امام احمد نے مسند میں اور ابن حبان نے صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں بیان کی ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے حاکم نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بھی اس کو بیان کیا ہے اور شرط شیخین کے موافق قرار دیا ہے لیکن طیبی کو اس حدیث کی صحت کی اطلاع نہیں ملی۔ انہوں نے اس کی تردید میں وہ حدیث پیش کی ہے جو حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے صحیحین میں مذکور ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا پالنے کے اندر تین بچوں کے علاوہ کسی نے بات نہیں کی عیسیٰ بن مریمؑ اور جُریج والا بچہ اور ایک بچہ جس کو اس کی ماں دودھ پلا رہی تھی ایک خوبصورت سوار ادھر سے گزرا عورت نے کہا اے اللہ! میرے بیٹے کو اس کی طرح کر دے۔ بچہ بولا مجھے اس کی طرح نہ کرنا اگر اس مؤخر الذکر بچے کو بھی مذکورۃ الصدر چار بچوں کے ساتھ ملا دیا جائے تو پالنے میں بولنے والے پانچ بچے ہو جائیں گے۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ شیر خوار گی کی حالت میں بولنے والے اس سے زیادہ بچے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ اصحاب الاخدود (یوسف ذونواس شاہِ یمن اور اس کے ساتھی جنہوں نے ایک بڑا گڑھا کھدوا کر آگ سے بھروا کر اہلِ ایمان کو اس میں ڈلوایا تھا اور شیر خوار بچے کو جب اس کی مؤمنہ ماں کی گود سے چھین کر آگ میں ڈالا تو ماں بے تاب ہو گئی اور قریب تھا کہ کلمۂ کفر زبان پر لے آئے کہ بچے نے ماں کو آگ کے اندر سے آواز دی، ماں یہ پھولوں کا چمن ہے تو بھی چلی آ۔ مترجم) کے قصے میں بھی آتا ہے کہ ایک شیر خوار بچہ بولا تھا۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ شیر خوار گی میں بولنے والے گیارہ بچے ہوئے جن کو میں نے ان اشعار میں جمع کر دیا ہے۔

تکلّم فی المهد النبیُّ محمّدٌ ... ویحییٰ وعیسیٰ و الخلیل و مریم
ومبری جریج ثُمّ شاهد یوسف ... وطفل لذی الاخدودیرویه مسلم
و طفل علیه مبریا لِأُمّه ... التی یقال لها تزنی ولا تتکلّم
وماشطة فی عهد فرعون طفلها ... وفی زمن الهادی المبارک یختم

اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝۲۶

اگر یوسفؑ کا کرتہ آگے سے پھٹا ہے تو زلیخا سچی ہے اور یوسف جھوٹا ہے۔ کرتہ کا آگے سے پھٹنا اس بات کی دلیل ہے کہ یوسفؑ



Marfat.com

نے دست درازی کی تھی اور زلیخا نے آگے سے اس کا کرتہ اس کو دفع کرنے کے لئے پکڑا جس سے کرتہ چر گیا۔ یا یہ کہ زلیخا کے پیچھے یوسفؑ دوڑا اور تیز دوڑنے کی وجہ سے کرتے کے دامن میں اُلجھ کر گرا، اور کرتا گریباں پھٹ گیا۔

وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۶﴾

اور اگر کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت نے جھوٹ کہا اور یوسفؑ سچا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت یوسفؑ کے پیچھے اس کو پکڑنے دوڑی اور کرتہ پکڑ کر کھینچ لیا جس کی وجہ سے کرتہ پھٹ گیا۔

حقیقت میں یہ شہادت نہ تھی (بلکہ سچ جھوٹ معلوم کرنے کی ایک تدبیر تھی) مگر مفہوم شہادت کو چونکہ یہ قول ادا کر رہا تھا اس لئے اس کو شہادت قرار دیا۔

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ ؕ پس جب اس نے یوسفؑ کا کرتہ پیچھے سے پھٹا دیکھا (تو سمجھ گیا کہ یوسفؑ پاک دامن اور سچا ہے اور بیوی مکار قصور وار ہے) بولا بلاشبہ (بدی یا یہ کام یا تیرا یہ قول مَاجَزَاءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ الخ) تم عورتوں کی مکاری کی وجہ سے ہے۔ خطاب بصیغہ جمع زلیخا اور اس جیسی عورتوں کو ہے یا تمام عورتوں کو۔

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ یقیناً تم عورتوں کا مکر بڑا ہے۔ عورتوں کا ظاہر تو کمزور نظر آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سچی ہیں (بھولی بھالی صورت پر کون جھوٹا ہونے کا احتمال کر سکتا ہے) لیکن ان کا باطن ٹیڑھا اور گندا ہے ان کی تخلیق آدم کی (ٹیڑھی) پسلی سے ہوئی ہے ان کی عقلوں میں کمزوری اور دینداری میں نقصان ہے ان کے ساتھ شیطان ہوتا ہے جو مکر کا جال لے کر مردوں کے سامنے سے آتا ہے اور شیطان تو پھر چھپ کر چوری سے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا عورتیں شیطان کا جال ہیں یہ بھی حضور ﷺ نے فرمایا تم عورتوں میں سے کسی ایک سے بھی زیادہ کوئی ناقص العقل والدین شخص دانشمند مرد کی عقل و دانش کو زائل کرنے والا میں نے نہیں دیکھا۔ بعض علماء کا قول ہے شیطان سے زیادہ مجھے عورتوں سے ڈر لگتا ہے۔ اللہ نے شیطان کے مکر کو توضیف فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا اور عورتوں کے متعلق فرمایا ہے اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ تمہارا مکر بڑا ہے۔

يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا ۚ اے یوسفؑ اس قصہ سے درگزر کرو۔ کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا۔ کہیں یہ واقعہ پھیل نہ جائے۔

وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۖ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ اور (اے زلیخا) تو اپنے گناہ کی معافی طلب کر یقیناً تو ہی قصور وار ہے۔ یعنی قصور وار لوگوں میں سے ہے۔ الخاطئین: خطأ سے اسم فاعل جمع مذکر ہے خطأ کا معنی ہے قصداً گناہ کیا۔ الخاطئین مذکر کا صیغہ ہے بظاہر مؤنث کا صیغہ ہونا چاہئے تھا کیونکہ زلیخا عورتوں میں سے تھی مگر یہاں صرف خطاوار عورتوں کی جماعت مراد نہیں ہے بلکہ مرد خطاوار ہو یا عورت سب کی جماعت مراد ہے اور مذکر کو مؤنث پر تغلیب دے کر مذکر کا صیغہ استعمال کیا ہے، جیسے دوسری آیت ہے وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ وَاِنَّهَا كَانَتْ مِنْ قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ۔ عزیز بُردبار آدمی تھا غیرت کم تھی اسی لئے زبانی سرزنش پر اکتفا کی۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ اور شہر میں عورتوں نے کہا نِسْوَةٌ اسم جمع ہے۔ یعنی جب زلیخا کی سازش اور مکاری کا قصہ شہر میں پھیلا اور یوسفؑ کے واقعہ کی عورتوں کو اطلاع ہوئی تو عورتوں نے کہا، مقاتل نے کہا کہ کہنے والی پانچ عورتیں تھیں۔ کنیڈ ان کی بیوی، منصرم آبدار خانہ کی بیوی، مہتمم باورچیخانہ کی بیوی، جیلر کی بیوی اور منصرم اصطبل کی بیوی۔

اِمْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عزیز کی بیوی اپنے (کنعانی) غلام کو پھسلانے اور بہکانے لگی۔

عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ اس کے نفس کی طرف سے۔ یعنی اس سے وصال کی طلب گار ہوگئی۔

قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اس غلام کا عشق اس کے دل میں گھر کر گیا ہے۔ یعنی یوسفؑ عزیز کی بیوی کے دل کے

Marfat.com

غلاف کو پھاڑ کر اس کے دل کے اندر گھس گیا۔ مطلب یہ کہ یوسفؑ کی محبت زلیخا کے دل میں رچ گئی۔ سدی نے کہا شغاف دل کے اوپر کی باریک جھلی۔

کلبی نے شَغَفَ کا ترجمہ کیا حَجَبَ یعنی زلیخا کے دل پر یوسفؑ کی محبت چھا گئی، محبت نے عقل پر پردہ ڈال دیا کہ سوائے یوسفؑ کے اور کسی بات کو سمجھنے کا اس کو ہوش نہیں رہا۔

اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ ہم اس کو کھلی ہوئی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ سیدھے اور صحیح راستے سے بھٹک گئی ہے، پاک دامنی کو چھوڑ دیا۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ جب زلیخا نے ان کے غیبت کرنے کی خبر سنی تو ان کے پاس (دعوت کا پیام دے کر) کسی کو بھیجا۔ مکر سے مراد ہے خفیہ بات مکر بھی مکار چھپاتا ہے اور غیبت بھی پس پشت چھپا کر کی جاتی ہے۔

ابن اسحاق نے کہا مکر سے مکر ہی مراد ہے عورتوں نے زلیخا کے متعلق یہ بات اس لئے کہی تھی کہ زلیخا ان کو بُلوا کر یوسفؑ کا نظارہ کرادے کیونکہ یوسفؑ کے حسن و جمال کا تذکرہ زلیخا ان سے کرتی تھی، یہ بھی کہا گیا ہے کہ زلیخا نے اپنا راز ان سے کہہ دیا تھا اور ان سے چھپانے کی تاکید کر دی تھی مگر وعدۂ اخفاء کرنے کے بعد انہوں نے راز فاش کر دیا اسی لئے اس کو مکر کہا۔ اَرْسَلَتْ کا مفعول محذوف ہے یعنی اَرْسَلَتْ رَسُوْلًا ایک قاصد بھیجا۔

وہب نے کہا زلیخا نے کھانے پر چالیس عورتوں کو بُلایا تھا جن میں یہ غیبت کرنے والی عورتیں بھی تھیں، جنہوں نے زلیخا کو غلام سے محبت کرنے کی عار دلائی تھی۔

وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً اور ان کے واسطے مسند (تکیہ) لگا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ، حسن بصریؒ، قتادہ اور مجاہد نے مُتَّكَاً کا ترجمہ طعام کیا ہے کھانے والے کھانے بیٹھتے ہیں تو تکیہ مسند لگاتے ہیں اس لئے مجازاً مُتَّكَاً کا ترجمہ ہو گیا طعام۔ اِتَّكَاْنَا عِنْدَ فُلَانٍ ہم نے فلاں شخص کے پاس کھانا کھایا تکیہ لگا کر۔ کھانے کی عادت چونکہ عیش پسندوں کی تھی اس لئے رسول اللہ ﷺ نے اُلٹے ہاتھ سے کھانے اور تکیہ لگا کر کھانے کی ممانعت فرما دی۔ رواہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن جابر بعض لوگوں نے کہ مُتَّكَاً وہ کھانا ہے جو کاٹ کر کھایا جائے گویا کاٹنے والا چھری سے اُس پر دباؤ ڈالتا ہے حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد کا قول ہے کہ وہ ترنج تھا۔ بعض علماء نے کہا حبشی زبان میں مُتَّكَاً ترنج کو کہتے ہیں۔ عکرمہ اور ابو زید انصاری نے کہا جو چیز چھری سے کاٹی جائے عرب اس کو متک کہتے ہیں متک اور بتک کا لغوی معنی ہے کاٹنا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ عزیز کی بیوی نے ایک کمرہ میں طرح طرح کے پھل اور کھانے سجا کر رکھوائے اور تکیے بھی لگا دیئے اور عورتوں کو بُلوا لیا۔

وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا اور ان میں سے ہر عورت کو ایک چھری (کاٹنے کے لئے دے دی ان عورتوں کا قاعدہ تھا کہ گوشت چھری سے کاٹ کر کھاتی تھیں۔

وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ اور (یوسفؑ سے) کہا ان عورتوں کے سامنے سے نکلو۔

زلیخا نے یوسفؑ کو ایک اور جگہ بٹھا دیا تھا وہاں سے آپ عورتوں کے سامنے برآمد ہوئے۔ عکرمہ کا قول ہے کہ حُسن میں یوسفؑ کی دوسرے لوگوں پر برتری ایسی تھی جیسی ستاروں پر چودھویں رات کے چاند کی ابن جریر حاکم اور ابن مردویہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس رات مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا (یعنی شب معراج میں) میں نے دیکھا کہ یوسفؑ چودھویں کے چاند کی طرح تھے۔

ابو الشیخ نے اپنی تفسیر میں اسحاق بن عبد اللہ ابی فروہ کا قول بیان کیا ہے یوسفؑ مصر کے گلی کوچوں سے گزرتے تو دیواریں آپ کے چہرے کی چمک سے جگمگا جاتیں جیسے سورج کی دھوپ جب دیواروں پڑ رہی ہو تو اس کے عکس سے پانی جگمگا جاتا ہے۔

فَلَمَّا رَاَيْنَهٗٓ اَكْبَرْنَهٗ ابو العالیہ نے کہا عورتیں آپ کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گئیں، مبہوت ہو گئیں۔ بعض

Marfat.com

علماء نے اَکْبَرْنَ کا ترجمہ کیا ان کو (ہیجانی کیفیت کی وجہ سے) حیض چھوٹ گیا، عرب کہتے ہیں اکبرتِ المرأۃ عورت بڑی ہو گئی، یعنی حاملہ ہو گئی۔ اس صورت میں ضمیر مصدری ہو گی یعنی یوسفؑ کی وجہ سے۔

وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ اور (چھریوں سے) اپنے ہاتھ کاٹ لئے کاٹنا چاہتی تھیں پھل، اور یوسف کو دیکھتے ہی ہوش اڑ گئے تو کاٹ لئے ہاتھ اور تکلیف کا بھی احساس نہیں ہوا مجاہد نے کہا ان کو خون بہنے کا بھی احساس نہ ہوا۔ قتادہ نے کہا ہاتھ کاٹ کر الگ کر دیئے، صحیح یہ ہے کہ ہاتھ تو کاٹ لئے مگر الگ کر کے نہیں پھینکے۔ وہب نے کہا ان میں سے کچھ عورتیں مر گئیں۔

وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ یعنی اللہ ضعفِ قدرت سے پاک ہے اللہ کی قدرت پر انہوں نے تعجب کیا حَاشَ اصل میں حاشَا تھا حَاشَا کلمۂ استثناء ہے تخفیفِ الف کے بعد تنزیہ کے مقام میں اس کا استعمال کیا جاتا ہے۔

مَا هٰذَا بَشَرًا یہ آدمی نہیں ہے۔ مَا اور لَیْسَ دونوں نفیِ حال کے لئے مستعمل ہیں اس لئے اہلِ حجاز کے استعمال میں مَا کی خبر بھی لَیْسَ کی خبر کی طرح منصوب ہوتی ہے، بغوی نے لکھا ہے اصل میں یہ خبر مجرور تھی یعنی مَا هٰذَا بِبَشَرٍ تھا حرف جر کو حذف کرنے کے بعد خبر کو منصوب کر دیا۔

اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ﴿۳۱﴾ یہ تو بس معزز فرشتہ ہے یعنی اللہ کی نظر میں بڑی عزت والا فرشتہ ہے۔ انسانوں میں تو ایسا حسن ہوتا نہیں اور انسانوں سے اونچا حسن فرشتوں ہی میں ہو سکتا ہے۔ یا اس وجہ سے انہوں نے یوسفؑ کو فرشتہ کہا کہ ایسا جمال ایسا کمال اور ایسی پاکدامنی تو فرشتوں میں ہی ہو سکتی ہے انسان تو ان سب کا مجموعہ ہو نہیں سکتا۔

قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ زلیخا نے کہا یہی وہ (کنعانی غلام) ہے (جس کی صورت تم نے اپنے ذہنوں میں بنا رکھی تھی اور) جس کی محبت کے بارے میں تم نے مجھے بُرا کہا تھا یعنی تم نے اس کے جمال کی صحیح تصویر کشی اپنے خیال میں کی ہی نہ تھی اس کے حسن کا اندازہ کیا ہی نہ تھا ورنہ مجھے اس کے عشق میں معذور سمجھتیں۔

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ اور میں نے ہی اس کو (اپنی طرف مائل کرنے کے لئے) پھسلایا تھا مگر یہ بچا رہا اس نے اپنی عصمت کو بچانے کے لئے میری درخواست قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

زلیخا نے ان عورتوں کے سامنے اس وقت اپنی حرکت کا اقرار کیا جب اس کو معلوم ہو گیا کہ میری مجبوری ان کی نظر میں ثابت ہو گئی اور آئندہ یوسفؑ کے دل کو نرم کرنے میں یہ میری مدد کریں گی چنانچہ عورتوں نے یوسفؑ سے سفارش کی کہ جیسا تمہاری مالکہ چاہتی ہے ویسا کرو اس کا کہا مانو۔

وَلَىِٕنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ ﴿۳۲﴾ اور اگر اس نے میرے کہنے کے مطابق نہیں کیا تو اس کو یقیناً قید کر دیا جائے گا اور یہ ضرور ذلیل و خوار ہو گا۔

لَیَكُوْنًا اصل میں لَیَكُوْنَنْ بنونِ خفیفہ تھا حالتِ وقف میں نون کو تنوین سے مشابہت رکھنے کی وجہ سے بشکلِ الف لکھ دیا گیا جیسے لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِیَةِ۔ الصّٰغِرِیْنَ ذلیل لوگ یہ باب سمع سے ہے اس کا مصدر صَغَر اور صِغار ہے۔

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ یوسفؑ نے کہا اے میرے رب جس چیز کی طرف وہ مجھے بلا رہی ہیں اس سے تو مجھے جیل خانہ زیادہ پسند ہے۔ یعنی زنا سے تو جیل اچھی۔ وقوعِ گناہ صراحۃً اگرچہ صرف زلیخا نے ہی کہا تھا لیکن اشارہ دوسری عورتوں کی طرف سے بھی تھا کہ یوسفؑ مان لیں اس لئے دعوت کی نسبت سب عورتوں کی طرف کر دی یا اس وجہ سے دعوت کی نسبت سب عورتوں کی طرف کی کہ نافرمانی کے نتیجۂ بد سے ان عورتوں نے یوسفؑ کو ڈرایا تھا اور فرمان پذیری ہی کو یوسفؑ کے حق میں بہتر قرار دیا تھا۔ بعض علماء کا قول ہے کہ ہر عورت نے یوسفؑ کو اپنی طرف کھینچنا چاہا تھا۔

بعض علماء نے کہا اگر یوسفؑ قید خانہ کو پسند نہ کرتے اور اَلسِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ نہ کہتے تو قید خانہ کی مصیبت میں مبتلا نہ

Marfat.com

ہوتے، آدمی کو چاہئے کہ عافیت کا طلبگار ہو اور اللہ سے عافیت ہی کی دعا کرے۔ ترمذی نے حضرت معاذؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو یہ دعا کرتے سنا الٰہی میں تجھ سے صبر کی درخواست کرتا ہوں (کہ مجھے مصائب پر صبر عطا کر) فرمایا تو مصیبت کا طلبگار ہوا عافیت کی دعا کر۔ طبرانی نے حضرت عباسؓ کا قول نقل کیا ہے حضرت عباسؓ کا بیان ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی بات بتایئے جس کی دعا میں اللہ سے کروں فرمایا اپنے رب سے عافیت کی دعا کرو۔ کچھ مدت کے بعد میں پھر خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی ایسی دعا بتایئے جو میں اللہ سے مانگوں، فرمایا چچا اللہ سے دنیا اور آخرت میں عافیت کی طلب کرو۔

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ اور اگر تو ان کی مکاری کا رخ میری طرف سے نہیں پھیر دے گا (اور مجھے عصمت پر ثابت قدم نہیں رکھے گا) تو میں ان کی (خواہش کو قبول کرنے کی) طرف جھک جاؤں گا اور (ارتکاب گناہ کی وجہ سے) نادانوں میں سے ہو جاؤں گا۔ یعنی طبعی میلان مجھ پر غالب آجائے گا، صَبْوَۃٌ خواہش نفس کی طرف جھکاؤ۔ بے حیائی کا کام کرنا نادانوں کا کام ہے، دانش مند برا کام نہیں کرتا یا جاہلوں سے مراد ہیں وہ جاننے والے جو جاننے کے باوجود علم کے مطابق عمل نہیں کرتے، ایسے لوگ جاہلوں کے حکم میں ہیں بغوی نے کہا اس فقرہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ مؤمن اگر کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو محض جہالت اور نادانی کی وجہ سے کرتا ہے۔

فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ پس اللہ نے یوسفؑ کی دعا قبول کرلی۔ یوسفؑ نے کہا تھا وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ یہ لفظ در پردہ دعا کو متضمن تھا۔

فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ پس اس کی طرف سے ان عورتوں کے مکر کو پلٹ دیا (عصمت پر یوسفؑ کو ثابت قدم رکھا کہ انہوں نے لذت آگیں گناہ پر قید خانہ کو ترجیح دی) بلاشبہ وہ اہل التجا کی دعاؤں کو) سننے والا اور (ان کے احوال و مصالح کو) بخوبی جاننے والا ہے۔

ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۳۵﴾ پھر مختلف نشانیاں دیکھنے کے بعد ان لوگوں کی یہی رائے ہوئی کہ یوسفؑ کو ایک مدت کے لئے قید میں رکھیں۔ ع ۴

لَهُمْ یعنی عزیز اور اس کے ساتھیوں کی پھر یہ رائے ہوئی۔ مِنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ یعنی یوسفؑ کی پاک دامنی اور برأت کی نشانیاں دیکھنے کے بعد۔ بچہ کا کلام اور قمیص کا پیچھے سے پھٹنا اور عورتوں کا ہاتھ کو کاٹنا اور یوسفؑ کا ان سے باعصمت رہنا، جب انہوں نے دیکھ لیا تو یہ رائے قرار پائی کہ کچھ مدت کے لئے یوسفؑ کو قید کر دیا جائے، زلیخا کا شوہر زن پرست تھا، شوہر کی لگام زلیخا کے ہاتھ میں تھی وہ جس طرف چاہتی موڑ دیتی، اس نے شوہر کو باز بچہ بنا رکھا تھا اس کو خیال تھا کہ یوسفؑ قید کی سختی سے تنگ ہو کر میرا ہو جائے گا۔ پھر راز فاش ہو جانے کی وجہ سے وہ لوگوں سے شرمندہ بھی ہو گی اور بدنامی کا دھبہ دھونا چاہتی ہو گی اس لئے اس نے یوسفؑ کو قید کر دینا ہی مناسب سمجھا جب دیدار اور وصال سے وہ محروم ہو گئی تو سماع احوال پر ہی اس کو قناعت کرنی پڑی مجبوراً اس نے شوہر سے کہا کہ اس عبرانی غلام نے مجھے لوگوں میں رُسوا کر دیا دنیا سے کہتا پھرتا ہے کہ میں نے اس کو ورغلا کر اپنی طرف کھینچنا چاہا تھا اب یا تو آپ مجھے اجازت دیں کہ میں گھر سے نکلوں اور لوگوں سے جا کر اپنی بے گناہی ظاہر کروں یا اس کو آپ قید کر دیں کہ لوگوں میں یہ چرچے ختم ہو جائیں اور لوگ اسی کو مجرم قرار دے دیں۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ یوسفؑ سے تین لغزشیں ہوئیں جن کی پاداش ان کو اٹھانی پڑی۔

(۱) انہوں نے اس عورت (کی طرف بڑھنے) کا ارادہ کیا تو قید بھگتنی پڑی۔

(۲) انہوں نے اللہ کے سوا اپنے ساتھی سے کہا کہ اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا تو چند سال (مزید) قید میں رہنا پڑا۔

(۳) انہوں نے بھائیوں سے کہا کہ تم بلاشبہ چور ہو تو بھائیوں نے کہا اگر اس نے (بنیامین نے) چوری کی تو تعجب نہیں کیونکہ اس کے بھائی یوسفؑ نے بھی اس سے پہلے چوری کی تھی۔

Marfat.com

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ اور یوسفؑ کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان اور بھی داخل ہوئے تھے ان کو بھی قید کر دیا گیا تھا یہ دونوں ریان بن ولید بن ثروان شاہِ مصر کے غلام تھے ایک باورچی یعنی منصرم باورچی خانہ تھا اور دوسرا ساقی یعنی منصرم آبدار خانہ۔ بادشاہ نے ناراض ہو کر ان کو بھی قید کر دیا تھا۔ اور اتفاقاً ان کی قید بھی یوسفؑ ہی کے ساتھ ہوئی تھی "مع" کے لفظ سے بھی معلوم ہو رہا ہے

بغوی نے لکھا ہے کہ کچھ لوگوں نے بادشاہ کو ہلاک کرنے کی سازش کی اور بادشاہ کو زہر دینے کے لئے شاہی باورچی کو مالی لالچ دے کر اپنے ساتھ ملا لیا اقرار کے بعد ساقی نے تو سازش میں شریک ہونے سے انکار کر دیا اور باورچی نے رشوت لے کر کھانے میں زہر ملا دیا کھانا بادشاہ کے سامنے آیا تو ساقی نے بادشاہ سے کہہ دیا کہ یہ کھانا زہر آمیز ہے اس کو نہ کھایئے باورچی نے (ضد میں آکر) کہا حضور پانی میں زہر ملا ہوا ہے اس کو نہ پیجئے۔ بادشاہ نے ساقی کو حکم دیا، یہ پانی تجھے پینا ہوگا ساقی نے پی لیا اس کو کوئی ضرر نہ پہنچا اور باورچی کو حکم دیا یہ کھانا تجھے کھانا پڑے گا۔ اس کو کھایا تو اس نے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے کھانا کسی جانور کے سامنے ڈلوا دیا۔ جانور نے کھایا تو وہ مر گیا۔ بادشاہ نے دونوں کو جیل خانہ بھیج دینے کا حکم دے دیا (باورچی کو زہر دینے کی کوشش کی وجہ سے اور ساقی کو راز دار ہونے کی وجہ سے) یوسفؑ جیل خانے میں پہنچے تو ان کے علم کی شہرت ہو گئی۔ آپ نے خود بھی اعلان کر دیا کہ میں خواب کی تعبیر دینا جانتا ہوں۔ غرض ساتھ داخل ہونے والے دونوں قیدیوں نے مشورہ کیا ہم اس عبرانی غلام کے دعوے کی جانچ کرنا چاہتے ہیں چلو تجربہ کریں خواب تو انہوں نے کوئی دیکھا نہ تھا جھوٹ موٹ خواب بنا کر تجربہ کرنا چاہا۔ حضرت ابن مسعودؓ نے یہی فرمایا۔ بعض علماء نے کہا انہوں نے واقعی خواب دیکھے تھے، حضرت یوسفؑ نے ان کو غمگین پا کر وحی دریافت کی تو انہوں نے کہا ہم دونوں بادشاہ کے مُصاحب تھے۔ ہم نے خواب دیکھے ہیں جن کی وجہ سے پریشان ہیں۔ یوسفؑ نے کہا جو کچھ دیکھا ہے بیان کرو تو

قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ ایک نے یعنی ساقی نے کہا میں نے دیکھا کہ میں (انگور نچوڑ رہا ہوں اور ان کو (نچوڑ کر شراب بنا رہا ہوں، انگور سے شراب بنتی ہے انگور مآل کار شراب ہو جاتے ہیں اس لئے انگور کی جگہ لفظ خمر ذکر کیا، خمر سے مراد انگور ہیں۔ فلاں شخص کھانا پکاتا ہے یعنی وہ چیز پکاتا ہے جو پک کر کھانا بن جاتی ہے۔ بعض نے کہا اہلِ عمان کے محاورہ میں خمر انگوروں کو کہتے ہیں۔ تفصیلی خواب اس نے اس طرح بیان کیا۔ میں نے دیکھا کہ میں ایک باغ میں درختِ انگور کی جڑ کے پاس ہوں درخت میں تین خوشے لگے ہیں، میرے ہاتھ میں بادشاہ کا پیالہ ہے میں نے وہ انگور نچوڑ کر پیالے میں عرق بھرا اور بادشاہ کو پلایا۔ بادشاہ نے اس کو پی لیا۔

وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَّاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ ؕ

اور دوسرے نے یعنی باورچی نے کہا میں نے دیکھا کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اور پرندے (اوپر سے جھپٹ کر) ان میں سے کھا رہے ہیں۔ اس نے خواب کی تفصیل اس طرح بیان کی تھی کہ میں نے دیکھا میرے سر پر تین ٹوکریاں ہیں جن میں روٹیاں اور طرح طرح کے کھانے ہیں اور شکاری پرندے ان کو نوچ کر لے جا رہے ہیں۔

نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ آپ ہم کو ہر ایک کے خواب کی تعبیر بتا دیجئے۔ ہمارے خیال میں آپ صحیح تعبیر دینے والوں میں سے ہیں یا آپ اہلِ علم میں سے ہیں، اس صورت میں احسان سے مراد ہوگا علم اور اول ترجمہ پر محسن سے مراد ہوگا اچھی تعبیر دینے والا۔ یا یہ مطلب ہے کہ آپ قیدیوں سے اچھا سلوک کرتے ہیں۔ ہم پر بھی احسان کیجئے اور صحیح تعبیر بتا دیجئے۔

ضحاک بن مزاحم سے پوچھا گیا کہ آیت "اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ" میں کس احسان کا اظہار ہے یوسفؑ کیا بھلائی کرتے تھے۔ ضحاک نے جواب دیا کوئی قیدی بیمار ہو جاتا تو آپ اس کی عیادت اور نگہداشت کرتے تھے۔ اگر کسی قیدی کی جگہ تنگ ہوتی تو آپ اس کو کشادہ جگہ دے دیتے اگر کسی کو کسی چیز کی ضرورت ہوتی تو وہ چیز فراہم کر دیتے اور ان تمام باتوں کے باوجود

Marfat.com

عبادت کی بہت زیادہ کوشش کرتے اور راتوں کو نماز میں کھڑے رہتے۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ جب آپ قید خانہ میں داخل ہوئے تو لوگوں کو دیکھا کہ مصیبت میں مبتلا ہیں، غمگین ہیں، ہر قسم کا سہارا ٹوٹ چکا ہے۔ آپ ان کو تسلی دینے لگے، فرمایا لوگو پریشان نہ ہو، صبر کرو اللہ اجر دے گا۔ قیدیوں نے کہا نوجوان اللہ تجھے برکت عطا فرمائے تیرا چہرہ کیسا حسین ہے، اخلاق کتنے اعلیٰ ہیں اور باتیں کتنی پیاری ہیں، تیرے ساتھ رہنے سے ہم کو برکت حاصل ہوگی۔ تیرا کیا نام ہے تو کون ہے۔ آپ نے کہا میں یوسف بن یعقوب صفی اللہ بن اسحٰق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ ہوں (اس روایت میں اسحٰق کا خطاب ذبیح اللہ قرار دیا گیا ہے، مگر جمہور علماء کے نزدیک ذبیح اللہ حضرت اسمٰعیلؑ کا لقب تھا۔ احادیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے اور قرآنی آیات بھی شہادت دے رہی ہیں کہ حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبح کرنے کا حکم حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں دیا گیا تھا۔ مترجم)

جیلر نے کہا نوجوان اگر میرے اختیار میں ہوتا تو میں تجھے آزاد کر دیتا (مگر میرا اختیار نہیں ہے) پھر بھی میں تیرا حق مصاحبت اچھی طرح ادا کروں گا تیرے ساتھ اچھا سلوک کروں گا جیل خانہ کی کوٹھڑیوں میں سے تو جہاں رہنا پسند کرے رہ سکتا ہے۔

روایت میں آیا ہے کہ دونوں (خواب دیکھنے والے) جوانوں نے یوسفؑ کو دیکھ کر کہا، یوسفؑ ہم کو تو اسی وقت سے تم سے محبت ہو گئی تھی جب ہم نے تم کو دیکھا تھا آپ نے فرمایا، میں تم کو خدا کی قسم دے کر کہتا ہوں کہ مجھ سے محبت نہ کرنا، خدا کی قسم جس نے بھی مجھ سے محبت کی اس کی محبت سے مجھ پر مصیبت ہی آئی۔ میری پھوپھی نے مجھ سے محبت کی تو مجھ پر مصیبت آئی، پھر میرے باپ نے مجھ سے محبت کی تو مجھے کنویں میں ڈالا گیا پھر عزیز کی بیوی نے مجھ سے محبت کی تو مجھے قید ہونا پڑا۔

غرض جب دونوں قیدیوں نے اپنا اپنا خواب یوسفؑ سے بیان کیا تو حضرت کو تعبیر دینا مناسب معلوم نہیں ہوا کیونکہ ایک کی تعبیر تکلیف دہ تھی اس پر مصیبت آنے والی تھی اس لئے آپ نے تعبیر کی طرف کوئی توجہ نہیں کی اور بعض دوسرے معجزے ظاہر کرنے اور توحید کی دعوت دینے لگے اور

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ

یوسفؑ نے کہا جو کھانا تمہارے کھانے کے لئے (تمہارے گھروں سے یا جیل خانہ کے مطبخ سے) آتا ہے وہ آنے نہیں پاتا اس کے آنے سے پہلے ہی میں اس کی حقیقت اور کیفیت تم کو بتا دیا کرتا ہوں۔

بعض کا قول ہے کہ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهٖ سے مراد ہے خواب میں کھانے کا آنا اور تَاْوِيْلُهٗ سے مراد ہے بیداری میں اس کی تعبیر دینا اور قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا سے مراد ہے خواب میں نظر آنے والے واقعہ کا بیداری میں ظہور پذیر ہونا۔ یعنی خواب میں تمہارے کھانے کے لئے آتا ہوا جو کھانا تم کو نظر آتا ہے خارج میں ایسا واقعہ ہونے سے پہلے میں اس کی تعبیر اور تشریح تم کو بتا دیتا ہوں۔

(اکثر علماء کے نزدیک آیت کا مطلب اس طرح) بیان کیا گیا ہے کہ تمہارے گھروں سے جو کھانا کھانے کے لئے تمہارے پاس آتا ہے میں اس کے آنے سے پہلے اس کی مقدار، رنگ، قسم، وقت اور دوسری کیفیت بتا دیتا ہوں گویا آپ کا یہ معجزہ حضرت عیسیٰؑ کے معجزے کی طرح تھا، حضرت عیسیٰؑ نے بھی فرمایا تھا۔ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ کہنے لگے یہ کام تو غیبی خبریں بتانے والوں اور کاہنوں کا ہے تم کو یہ علم کہاں سے حاصل ہوا۔ حضرت نے فرمایا، میں کاہن نہیں ہوں بلکہ

ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ

یہ بتا دینا اس علم کی وجہ سے ہے جو میرے رب نے مجھے عطا فرمایا ہے یعنی میرے رب نے قطعی، یقینی وحی کے ذریعے سے مجھے یہ باتیں بتا دی ہیں یہ علم عطا فرما دیا ہے۔

بعض علماء نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا کہ جو خواب تم دونوں نے مجھ سے بیان کئے ان کی تعبیر میں تمہارے

Marfat.com

گھروں سے مقررہ کھانا آنے سے پہلے بتادوں گا اور یہ تعبیر الہام اور وحی کے ذریعے سے اللہ نے مجھے بتادی ہے نہ اس کا تعلق نجوم سے ہے اور نہ کہانت سے۔

بیضاوی نے لکھا ہے دونوں قیدیوں کے سوال کا جواب دینے سے پہلے حضرت یوسفؑ نے ان کو توحید کی صراطِ مستقیم اختیار کرنے کی دعوت دینی چاہی۔ انبیاء اور انبیاء کے جانشینوں کی ہدایت و دعوت کا طریقہ ہی یہ ہے، آپ نے پہلے کچھ غیبی اطلاع بطورِ معجزہ دی تاکہ دعوتِ توحید اور تعبیرِ خواب کی سچائی ان کے دلوں میں جم جائے۔

اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾

جو لوگ اللہ کو واحد نہیں مانتے اور آخرت کا انکار خصوصیت کے ساتھ کرتے ہیں ان کا دین تو میں نے قطعاً اختیار ہی نہیں کیا ہے۔ یہ مذکورہ جملہ کی علّت ہے یعنی میرے رب نے مجھے یہ علم عطا فرمایا ہے کیونکہ میں نے کافروں کا دین اختیار ہی نہیں کیا ہے۔

وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ ؕ اور اپنے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسحٰقؑ اور یعقوبؑ کے دین کی پیروی اختیار کی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِنِّیْ تَرَكْتُ سے الگ مستقل کلام ہو۔ جو دعوت کی تمہید اور خانوادۂ نبوّت سے اپنے کو ظاہر کرنے کے لئے آپ نے فرمایا ہو تاکہ وہ دونوں قیدی رغبت سے سنیں اور آپ کے بیان کا اعتبار کریں۔ اسی جگہ سے یہ بات نکلتی ہے کہ اگر کسی جگہ کسی عالم کے مرتبے سے لوگ واقف نہ ہوں اور وہ اپنی دعوت پھیلانی چاہے تو اگر وہ اپنے اوصاف کسی قدر بیان کردے تاکہ اس کی بات کی وقعت پیدا ہو جائے تو ناجائز نہیں اس تدبیر سے لوگوں کو اس کے علم سے فائدہ اندوز ہونے کا موقع مل جائے گا۔ یہ بات خودستائی کے ذیل میں نہیں آتی۔ اعمال کا مدار نیت پر ہے انبیاء کو تو تحدیثِ نعمت کا حکم دیا گیا ہے، فرمایا ہے وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ۔

جن اولیاء نے اپنے مراتبِ قرب اور مدارجِ فوز کا کسی قدر ذکر کیا ہے مثلاً حضرت مجدّد الف ثانی شیخ احمد سرہندی یا حضرت شیخ عالم سیّد الاولیاء محی الدین عبد القادر جیلانی۔ افسوس بعض لوگ نادانی یا حسد کی وجہ سے ان پر طعن کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ یہ بات خودستائی میں داخل نہیں (بلکہ تحدیثِ نعمت ہے)۔

مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ہمارے (گروہ انبیاء) کے لئے جائز اور ممکن نہیں کہ اللہ کے ساتھ (اس کی ذات و صفات میں) کسی چیز کو شریک کریں۔ کیونکہ توحید ہماری فطرت ہے اور اللہ نے شرک سے ہماری حفاظت کی ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

یہ (نعمت توحید و علم) ہم پر اور دوسرے لوگوں پر اللہ کے فضل کی وجہ سے ہے۔ (ہم پر براہِ راست وحی کے ذریعے سے اور دوسرے لوگوں پر ہماری بعثت و رسالت کے ذریعے سے اور توفیقِ ثبات ادا کرنے کے سبب سے) لیکن اکثر لوگ (یعنی امّتِ دعوت) اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے اور متنبّہ نہیں ہوتے کتراتے ہیں۔

یا یہ مطلب ہے کہ یہ (توحید و علم) اللہ کے فضل کی وجہ سے ہے جو ہم پر بھی ہے اور دوسرے لوگوں پر بھی۔ کہ اس نے روشن دلائل اور کھلی نشانیاں قائم کردیں مگر اکثر لوگ ان آیاتِ قدرت کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے اور اللہ کی قائم کردہ نشانیوں سے استدلال نہیں کرتے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اس نعمت کی کوئی قدر ہی نہیں اور وہ کافر نعمت ہیں شکر گزار نہیں ہیں۔ آئندہ آیت میں حضرت نے جیل خانہ والوں کو اسلام کی دعوت دی اور فرمایا۔

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ ﴿۳۹﴾

اے جیل کے ساتھیو! کیا متعدّد و متفرّق رب بہتر ہیں یا ایک اللہ جو سب پر غالب ہے۔ مُتَفَرِّقُوْن مختلف، متعدّد جو عاجز اور ممکن ہونے میں ایک جیسے ہیں (سب عاجز اور سب ممکن، معدوم الاصل، فناپذیر ہیں) خواہ سونے چاندی لوہے پتھر وغیرہ کی مورتیاں



Marfat.com

ہوں یا ملائکہ جن انسان وغیرہ ہوں۔ الواحد اپنی ذات وصفات میں اکیلا، بے ہمتا، بے مثال، نہ اس کی ذات وصفات میں کوئی اس جیسا ہے نہ افعال میں۔ القہار سب پر غالب جس کا کوئی مقابل اور مقادم نہیں۔

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

تم لوگ خدا کو چھوڑ کر چند بے حقیقت ناموں کی ہی پوجا کرتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ چھوڑے ہیں۔

اَسماء سے مراد ہے وہ چیز جو الوہیت کے معنی سے خالی ہیں۔ سَمَّيْتُمْ کا دوسرا مفعول محذوف ہے یعنی جن کا نام تم نے اور تمہارے باپ دادا نے الٰہ اور رب رکھ چھوڑا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم ایسے اسماء کی پوجا کرتے ہو جن کا کوئی واقعی وجود نہیں۔ تم خیال کرتے ہو کہ وہ بتوں میں حلول کئے ہوئے ہیں یا مجرد اور (مادی دنیا سے) الگ ہیں۔

مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اللہ نے ان کی کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی یعنی ان کے وجود یا ان کے مستحق الوہیت ہونے کی کوئی دلیل کہیں موجود نہیں۔ جب کہ اللہ کی ہستی اور اس کے استحقاق الوہیت کے بکثرت دلائل و براہین موجود ہیں اور اللہ نے اپنے انبیاء اور پیغمبروں پر آیات توحید و معبودیت نازل کر دی ہیں۔

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۭ اور حکم دینے کا اختیار صرف اللہ ہی کو ہے اور اس نے حکم دیا ہے کہ سوائے اس کے کسی کی عبادت نہ کرو، یعنی عبادت کرنے کا حکم تو صرف اللہ کے لئے ہے وہ واجب الوجود بالذات ہے ہر چیز کا خالق اور مُوجِد (عدم سے وجود میں لانے والا) ہے وہی منعم، مالک، ہر چیز پر غالب اور نفع وضرر پہنچانے والا ہے اس کے سوا نہ کوئی مالک اور قاہر ہے نہ کسی کے ہاتھ میں حقیقۃً کسی کا نفع وضرر ہے لہٰذا وہی بالذات مستحق عبادت ہے اگر کسی دوسرے کی پوجا جائز ہوتی تو اسی کے حکم سے اس کا جواز ہو سکتا تھا مگر اس نے پیغمبروں کی زبانی حکم دے دیا ہے کہ اس کی ذات کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ یہی (توحید کا) سیدھا (ثابت شدہ) طریقہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ یعنی یہی ثابت شدہ دین ہے دلائل اور براہین اسی کو ثابت کر رہے ہیں۔ لیکن اکثر لوگ حق و باطل میں امتیاز نہیں کرتے اور جہالت میں بھٹکے پھرتے ہیں۔

بیضاوی نے لکھا ہے حضرت یوسفؑ کا یہ بیان ترتیبی دعوت توحید اور تدریجی اظہار ثبوت ہے اول آپ نے قیدیوں کو مخاطب کر کے توحید الٰہ کی تعدد آلہہ پر برتری ظاہر فرمائی پھر دلیل کے ساتھ بیان کیا کہ جن کو تم الٰہ کہتے ہو اور جن کی تم پوجا کرتے ہو وہ معبود ہونے کے مستحق نہیں کیونکہ استحقاق عبادت یا ذاتی ہوگا یا بالغیر اور اللہ کے سوا کسی اور کو نہ معبودیت کا استحقاق بالذات ہے نہ خدا کا عطا کردہ اس کی آپ نے پُرزور صراحت کر دی کہ دین مستقیم اور واقعی حق بات یہی ہے، یہی تقاضۂ عقل و علم ہے اس کے سوا ہر بات فہم و دانش کے خلاف ہے۔ اس سے آگے آپ نے خواب کی تعبیر دی اور فرمایا

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۭ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ۭ

اے جیل خانہ کے دونوں ساتھیو! تم میں سے ایک (یعنی ساقی) تو اپنے آقا (یعنی بادشاہ) کو شراب پلائے گا اور دوسرے (یعنی باورچی) کو صلیب دی جائے گی اور پرندے اس کے سر کو (نوچ نوچ کر) کھائیں گے۔ انگور کے تین خوشوں سے تین روز کی طرف اشارہ ہے یعنی جیل خانہ کے اندر تین روز رہے گا، تین روز کے بعد بادشاہ اس کو طلب کرے گا اور سابق عہد پر دوبارہ مقرر کر دے گا اور تین ٹوکریوں سے بھی تین دن کی طرف اشارہ ہے یعنی باورچی جیل خانہ میں تین روز رہے گا۔ تین روز کے بعد جیل خانہ سے نکلوا کر اس کو صلیب پر چڑھا دیا جائے گا۔

میں کہتا ہوں اس تعبیر کا قرینہ شاید یہ ہو کہ باورچی نے کھانے میں واقعی زہر ملا دیا تھا اور ساقی بے قصور تھا (اس لئے بادشاہ کا صحیح فیصلہ یہی ہو سکتا تھا کہ باورچی کو صلیب دے دے اور ساقی کو بلا کر سابق عہدے پر فائز کر دے)۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا حضرت یوسفؑ کا بیان سن کر دونوں قیدی کہنے لگے ہم نے تو کوئی خواب نہیں دیکھا

Marfat.com

تھا، محض دل لگی کر رہے تھے اس پر حضرت یوسفؑ نے فرمایا۔

قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ ﴿٤١﴾ جس بارے میں تم پوچھتے تھے وہ اسی طرح مقرر ہو چکا۔

یعنی جس بات کو تم دریافت کرنا چاہتے تھے اس کے متعلق اللہ کا فیصلہ ہو چکا۔ تم نے خواب دیکھا ہو یا نہ دیکھا ہو۔ قضائے خداوندی ویسی ہی ہو چکی ہے جیسا میں نے بیان کر دیا تم دونوں کا انجام یہی ہونا ہے۔

وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ ۖ اور جس شخص کے رہا ہو جانے کا یوسفؑ کو یقین تھا اس سے یوسفؑ نے کہا کہ اپنے آقا کے سامنے میرا تذکرہ کر دینا۔ اور کہہ دینا کہ جیل خانہ کے اندر ایک غلام قیدی ہے جس کو بلا قصور ظلم سے قید کر دیا گیا ہے اور اس کے احوال اس طرح ہیں۔

ظنّ کا فاعل اگر یوسفؑ کو قرار دیا جائے تو ظن کا معنی یقین ہوگا کیونکہ ساقی کے رہا ہونے کا آپ کو یقین تھا آپ کا قول قُضِيَ الْأَمْرُ الَّذِي فِيهِ تَسْتَفْتِيَانِ اس پر دلالت کر رہا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ظنّ کی ضمیر ساقی کی طرف لوٹ رہی ہے اس وقت ظنّ کا معنی ہوگا غالب گمان یعنی یوسفؑ نے اس شخص سے جس کو اپنی رہائی کا غالب گمان ہو گیا تھا کہا

فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ پھر اس کو شیطان نے اپنے آقا کا ذکر یعنی آقا کے سامنے یوسفؑ کا تذکرہ کرنا بھلا دیا۔ رَبّ سے مراد ہے بادشاہ، حضرت ابن عباسؓ اور اکثر اہل تفسیر نے لکھا ہے (اِنْسَاہ میں ہٗ ضمیر اور رَبّہ میں ہٖ ضمیر یوسفؑ کی طرف راجع ہے یعنی) یوسفؑ کو شیطان نے اللہ کی یاد بھلا دی کہ انہوں نے مخلوق سے مدد کی خواہش کی، اللہ کو چھوڑ کر دوسروں سے مصیبت دور کرنے کی درخواست کی اور یوسفؑ کی یہ غفلت شیطان کی اثر اندازی سے پیدا ہوئی (ان کے مقام کا تقاضہ تھا کہ وہ کسی شخص سے سفارش کی بھی تمنا نہ کرتے مقام نبوت و معرفت غیر اللہ سے ظاہری اور مجازی مدد لینے سے بھی انکار کرتا ہے۔ مترجم)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ میرے بھائی یوسفؑ پر رحم کرے اگر وہ ایک انسان سے اُذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ نہ کہتے تو جیل کے اندر اتنی طویل مدت نہ رہنا پڑتا، رواہ ابن المنذر و ابن ابی حاتم و ابن مردویہ

فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِينَ ﴿٤٢﴾ پس وہ جیل خانہ میں چند سال رہے۔ قتادہ نے کہا بِضْعَ کا اطلاق تین سے نو تک ہوتا ہے۔ بِضْعَ کا معنی ہے کاٹنا۔ مجاہد نے تین سے سات تک کی مدت بیان کیا ہے۔ اکثر مفسرین کا قول ہے یوسفؑ قید خانہ میں سات سال رہے۔ کلبی نے کہا پانچ برس پہلے رہ چکے تھے اور مزید سات برس اُذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ کہنے کے بعد رہے، کل بارہ سال رہے۔

میں کہتا ہوں آیت "دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيَانِ" بتا رہی ہے کہ ساقی اور باورچی آپ کے ساتھ ہی قید ہوئے تھے اور جب وہ دونوں قید خانہ میں تین روز رہے تو یوسفؑ کا ان سے پہلے قید خانہ میں پانچ سال رہنا کیسے ہو سکتا ہے (شاید حضرت مفسر قدّس سرّہٗ نے غور نہیں فرمایا کہ باورچی اور ساقی کی کل مدّتِ قید تین روز نہیں ہوئی بلکہ عرضِ خواب اور تعبیر کے بعد تین روز رہے ممکن ہے کہ عرضِ خواب سے پہلے پانچ سال قید میں گزر گئے ہوں فوراً جیل خانہ میں داخل ہوتے ہی تو دعوتی تقریریں اور تبلیغ ایمانی اور عام قیدیوں سے موانست اور ہر ایک کی خدمت اور اخلاقِ کریمہ کا اظہار ممکن نہیں جیسا کہ حضرت مفسرؒ نے سابق روایات کی روشنی میں بیان کیا ہے نہ داخل ہوتے ہی عرضِ خواب کا امکان ہے اس لئے کلبی کا قول ضعفِ روایت کی بنا پر خواہ ضعیف ہو مگر درایت کے خلاف نہیں۔ مترجم)

مالک بن دینار نے کہا جب یوسفؑ نے ساقی سے فرمایا کہ اپنے آقا سے میرا تذکرہ کر دینا تو (اللہ کی طرف سے) کہا گیا یوسفؑ مجھے چھوڑ کر تو نے دوسرے کو اپنا وکیل (ذمہ دار) بنا لیا اب میں ضرور تیری قید طویل کر دوں گا، حضرت یوسفؑ رونے لگے اور عرض کیا میرے رب! مصائب کی کثرت نے میرے دل پر فراموشی طاری کر دی اور میں نے بے سمجھے ایک بات کہہ دی آئندہ ایسا نہیں کروں گا۔

حسن بصریؒ نے کہا حضرت جبرئیلؑ قید خانہ کے اندر حضرت یوسفؑ کے پاس آئے آپ نے ان کو پہچان لیا اور فرمایا کیا

Marfat.com

اَخَا الْمُنْذِرِیْن (اللہ کے عذاب سے ہلاک ہو جانے سے ڈرانے والوں کے سردار) میں آپ کو آج ان گناہ گاروں میں کیسے دیکھ رہا ہوں، حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا اے پاک باپ دادا کے پاک بیٹے اللہ رب العالمین نے تم کو سلام فرمایا ہے اور فرمایا ہے کیا تم کو شرم نہیں آئی کہ (میرے ہوتے) تم نے آدمیوں سے سفارش کی خواستگاری کی۔ قسم ہے اپنی عزت کی میں تم کو مزید چند سال جیل خانہ میں رکھوں گا۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کیا اللہ اس حالت میں مجھ سے راضی بھی ہوگا حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا ہاں، حضرت یوسفؑ نے فرمایا تو پھر مجھے قید میں رہنے کی پرواہ نہیں۔

کعب کا بیان ہے کہ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت یوسفؑ سے کہا اللہ فرماتا ہے کہ تجھے کس نے پیدا کیا؟ حضرت نے جواب دیا اللہ نے، جبرئیلؑ نے کہا اللہ فرماتا ہے تجھے کنویں کی تکلیف سے کس نے نجات دی یوسفؑ نے کہا اللہ نے۔ جبرئیلؑ نے کہا اللہ فرماتا ہے تجھے خواب کی تعبیر کس نے سکھائی۔ یوسفؑ نے کہا اللہ نے، جبرئیلؑ نے کہا اللہ فرماتا ہے چھوٹے بڑے گناہ کا رُخ کس نے تیری طرف سے پھیر دیا، یوسفؑ نے کہا اللہ نے جبرئیلؑ نے کہا اللہ فرماتا ہے پھر تو نے اپنے جیسے آدمی سے کیسے سفارش کی درخواست کی۔

آئندہ وہ حدیث آئے گی جو طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر ایک بات یوسفؑ سے نہ ہو جاتی کہ اللہ کے سوا دوسرے سے انہوں نے ازالۂ مصیبت کی درخواست کی تو قید خانہ میں مزید رہنا نہ پڑتا۔

غرض جب سات سال گزرے اور حضرت یوسفؑ کی کشائش کا وقت قریب آگیا تو مصر کے شاہِ اعظم یعنی ریان بن ولید نے ایک عجیب خواب دیکھا جس سے وہ دہشت زدہ ہو گیا اس نے دیکھا کہ سات موٹی گائیں دریا سے برآمد ہوئیں اور ان کے پیچھے سات گائیں اور دریا سے نکلیں جو نہایت دُبلی تھیں، پھر دُبلی گائیں موٹی گایوں کو نگل گئیں اور موٹی گائیں دبلی گایوں کے پیٹ میں گھس گئیں ان کا کوئی نشان بھی نہیں رہا۔ پھر (غلہ کی) سات سبز بالیاں دیکھیں جن میں دانہ پڑ چکا تھا اور سات خشک بالیاں دیکھیں جو کاٹنے کے قابل ہو گئی تھیں خشک بالیاں سبز بالیوں سے لپٹیں اور ان پر غالب آگئیں یہاں تک کہ ان کی سبزی بالکل جاتی رہی۔ بادشاہ نے جادوگروں کو، کاہنوں کو، اہلِ دانش و فہم کو اور خواب کی تعبیر دینے والوں کو جمع کیا اور ان سے اپنا خواب بیان کیا، یہی تذکرہ آیاتِ ذیل میں اللہ نے فرمایا ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنْبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ ۖ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِنْ كُنْتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ﴿٤٣﴾

اور بادشاہ نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں جن کو سات دُبلی گائیں کھا گئیں اور سات بالیں سبز ہیں اور ان کے علاوہ سات اور خشک بالیں ہیں اے درباری سردار! اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے ہو تو میرے اس خواب کے بارے میں کچھ دقیق جواب دو۔

عِجَافٌ: عَجفاء کی جمع نہیں ہے عَجفاء کی جمع عُجف آتی ہے لیکن سِمَان کی لفظی اور وزنی مناسبت کی وجہ سے لفظ عِجَاف ذکر کیا۔

تعبیر کا معنی ہے مثالی صورتوں سے ان معانی کی طرف انتقال جن کی عالمِ مثال (عالمِ اشباح) میں یہی شکلیں ہیں۔ تعبیر عبور سے بنا ہے جس کا معنی ہے گزر جانا، عبرت الرؤیا عبارۃً عبرتِ الرؤیا یا تعبیراً سے زیادہ ثابت ہے۔

قَالُوا أَضْغَاثُ أَحْلَامٍ ۖ وَمَا نَحْنُ بِتَأْوِيلِ الْأَحْلَامِ بِعَالِمِينَ ﴿٤٤﴾ وہ کہنے لگے کہ یہ تو پریشان خیالات ہیں اور ایسے خوابوں کی تعبیر سے واقف نہیں، اضغاث احلام گڑبڑ جھوٹے خواب۔ اضغاث: ضِغث کی جمع ہے۔ ضغث کا معنی ہے گھاس وغیرہ کا گٹھا۔ مجازاً جھوٹا خواب مراد لیا گیا ہے۔ حلم خواب۔ اس کا فعل باب نصر سے آتا ہے۔ چونکہ خواب میں مختلف چیزیں جمع تھیں اس لئے اضغاث کو بصیغہ جمع ذکر کیا، بتأویل الاحلام میں اَحْلَام سے

Marfat.com

مراد ہیں جھوٹے خواب۔ یعنی ان خوابوں کی ہمارے پاس کوئی تعبیر نہیں، تعبیر تو سچے خوابوں کی ہوتی ہے۔ تعبیر نہ جاننے کا دوسرا عذر انہوں نے پیش کیا (اول عذر اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ کا لفظ کہہ کر انہوں نے پیش کیا)

وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾

دونوں قیدیوں میں سے جس شخص نے (قید اور الزام قتل سے) رہائی پائی تھی اور ایک مدت کے بعد یوسفؑ کی یاد اس کو ہوئی اس نے کہا میں اس کی تعبیر تم کو بتاؤں گا مجھے جیل خانہ میں یوسفؑ کے پاس بھیج دو۔ یعنی ساقی نے کہا جس کو یوسفؑ کی اور آپ کے قول اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ کی یاد مدت کے بعد ہوئی۔ امۃ یعنی جماعت اس جگہ مراد مجموعہ ایام یعنی ایک طویل مدت سات برس کا زمانہ۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ساقی نے بادشاہ کے سامنے دوزانوں ہو کر کہا جیل خانہ میں ایک آدمی ہے جو خواب کی تعبیر دیا کرتا ہے۔ مجھے اس کے پاس جانے کی اجازت دے دیجئے۔ بادشاہ نے اس کو یوسفؑ کے پاس بھیج دیا، حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قید خانہ شہر کے اندر نہیں تھا۔ جب ساقی یوسفؑ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا۔

یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اے یوسفؑ! اے بڑے سچے (آدمی) ساقی نے یوسفؑ اس لئے کہا کہ وہ اپنے اور اپنے ساتھی کے بارے میں آپ کی سچی تعبیر کا تجربہ کر چکا تھا اور آپ کی صداقت کو جان چکا تھا۔

اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ

آپ ہم لوگوں کو اس خواب کا (جواب) یعنی تعبیر دیجئے کہ سات گائیں موٹی ہیں ان کو سات دبلی گائیں کھا گئیں اور سات بالیں ہری ہیں اور دوسری سات بالیں خشک ہیں اور خشک بالوں نے لپٹ کر ہری بالوں کو بھی خشک کر دیا مطلب یہ کہ یہ خواب بادشاہ نے دیکھا ہے اور آپ کے پاس بھیجا ہے اس کی تعبیر دیجئے۔

لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ تاکہ میں ان لوگوں کے (یعنی بادشاہ اور اہل دربار) کے پاس لوٹ کر جاؤں (اور خواب کی تعبیر بتادوں) تاکہ ان کو علم ہو جائے۔

اس شخص نے لَعَلِّیْ شاید کلمہ شک کا استعمال کیا اور قطعی یقین کا لفظ نہیں کہا کیوں کہ خواب ہی ایسا تھا کہ لوگ اس کی تعبیر سے عاجز ہو گئے تھے اور بادشاہ دہشت زدہ ہو گیا تھا گویا بڑا خوفناک خواب تھا نتیجہ پر پہنچنے کا یقین نہ تھا۔ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ خواب کی تعبیر سن کر شاید لوگوں کو آپ کا مرتبہ معلوم ہو جائے اور وہ آپ کے کمال علمی کے متعارف ہو جائیں۔ اس جگہ بھی لَعَلَّ کا لفظ اس لئے استعمال کیا کہ اس کو اس بات میں تردد تھا کہ لوگ مانیں گے بھی یا نہیں۔ اہل فضل کے فضائل کو دیکھ کر بھی متنبہ ہوتے ہیں یا نہیں حضرت یوسفؑ کے کمالات اور طہارت و عفت کو دیکھ کر بھی عزیز مصر نے آپ کی فضیلت کا اعتراف نہیں کیا اور جیل میں ڈال دیا۔

قَالَ یوسفؑ نے کہا سات موٹی گائیں اور سبز بالیں تو آور زانی اور کثرت پیداوار کے سات سال ہیں اور سات دبلی گائیں اور خشک بالیں قحط کے سات برس ہیں۔

تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا تم سات سال متواتر غلہ بونا۔ دَاَبٌ معمول، عادت بعض علماء کے نزدیک دَاَبٌ سے مراد ہے انتہائی محنت اور کوشش۔ بعض اہل تفسیر نے لکھا یہ جملہ اگرچہ خبر یہ ہے مگر مقصد حکم دینا ہے (امر بصورت خبر بھی آتا ہے)۔

فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ پھر جو (فصل) کاٹو اس کو بالیوں میں ہی رہنے دینا تاکہ گھن نہ لگ جائے۔

اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ مگر تھوڑا سا جو تمہارے کھانے میں آئے (اس کو بالیوں سے نکال لینا) یعنی پیداوار کے سات سالوں میں جتنا غلہ کھانے میں صرف ہو وہ نکال لینا۔

Marfat.com

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ يَّأْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ
پھر اس کے بعد سات برس بہت سخت آئیں گے کہ جو تم نے ان کے لئے پہلے سے جمع کر رکھا ہوگا اس کو کھا جائیں گے یعنی ان سالوں میں لوگ پچھلا اندوختہ کھا جائیں گے خواب کے ساتھ تعبیر کو مطابق بنانے کے لئے کھانے کی نسبت قحط کے سالوں کی طرف کی، ورنہ کھانے والے لوگ ہوتے ہیں سال نہیں کھایا کرتے۔

اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ مگر تھوڑا سا حصہ (کھانے سے محفوظ رکھا) جو بیج کے لئے تو بچا رکھو گے۔

ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ پھر اس کال کے بعد ایک برس ایسا آئے گا جس میں لوگوں کے لئے خوب بارش ہوگی اس میں لوگ پھلوں کے عرق نچوڑیں گے اور شرابیں بنائیں گے۔

یُغاث، غَیث سے مشتق ہے غَیث کا معنی بارش ہوگیا غَوث سے مشتق ہے غَوث فریادرسی یعنی لوگوں کی داد و فریاد قبول کی جائے گی) اور اللہ ان پر رحم فرمائے گا۔ مترجم (یَعْصِرُوْنَ وہ نچوڑیں گے یعنی انگور زیتون طرح طرح کے پھل اور تل (سرسوں اور دوسرے روغن دانہ سے) نچوڑیں گے مطلب یہ کہ سرسبزی پیداوار اور آسائش کا سال ہوگا۔

ابو عبیدہ نے تَعصُرون بصیغۂ خطاب بضم صاد پڑھا ہے اس کا مصدر عصر ہے جس کا معنی ہے نجات پانا یعنی تم تکلیف اور کال سے نجات پالو گے۔

حضرت یوسفؑ نے اول سات موٹی اور دبلی گایوں اور سات سبز اور سات خشک بالیوں کی مراد بیان کی اور دبلی گایوں کے موٹی گایوں کو کھا جانے اور خشک بالیوں کے سبز بالوں سے لپٹ کر ان کو بھی خشک کر دینے کا تعبیری مطلب بیان کیا پھر کال کے ختم ہونے اور ارزانی کا سال آنے کی بشارت دی (بشارت کا تعلق اگرچہ خواب کی تعبیر سے نہ تھا مگر آپ نے بشارت اس لئے دی) کہ قحط کے سالوں کی تعداد پیداوار کے سالوں سے نہ بڑھ جائے۔ (اور اس طرح تعبیر میں غلطی ہو جائے کیونکہ دبلی گایوں اور خشک بالوں کی تعداد بھی سات ہی تھی اگر پندرھواں سال بھی قحط کا ہوتا تو سات سے ایک عدد بڑھ جاتا) بیضاوی نے لکھا ہے شاید آپ کو پیداوار اور ارزانی کا سال آنے کی اطلاع وحی سے ہو گئی ہو یا اپنی فراستِ ایمانی سے سمجھ لیا ہو کہ اللہ کی دستور اور ضابطہ یہی ہے کہ تنگی کے بعد فراخی عطا فرماتا ہے اور اس لئے کال کے بعد پیداوار کا سال ضرور آئے گا۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ اور بادشاہ نے کہا میرے پاس اس کو لاؤ یعنی ساقی خواب کی تعبیر لے کر جب بادشاہ کے پاس پہنچا اور وہ سمجھ گیا کہ تعبیر یقیناً صحیح ہے اور ایسا ضرور ہوگا اور اس بات سے اس نے یوسفؑ کی بزرگی کا اندازہ کر لیا تو آپ کو بلوایا۔

فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ پس جب بادشاہ کا قاصد یوسفؑ کے پاس پہنچا اور اس نے کہا بادشاہ نے آپ کو طلب کیا ہے تو حضرت نے اس وقت تک اس کے ساتھ جانے سے انکار کر دیا جب تک آپ پر سے بدچلنی کی تہمت دور نہ ہو جائے اور سب لوگ آپ کی پاک دامنی کا اقرار نہ کر لیں۔

قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ کہا اپنے آقا کے پاس لوٹ کر جاؤ اور اس سے پوچھو کہ جن عورتوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے ان کا کیا حال ہے کچھ تم کو بھی پتہ ہے کیا واقعہ ہوا تھا۔

اس آیت سے یہ مسئلہ استنباط کیا جا سکتا ہے کہ جہاں تک ممکن ہو آدمی کو اپنے اوپر سے تہمت کو دفع کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ خصوصاً اگر پیشوا اور مقتدا ہو (تو اس کے لئے تو بہت ہی ضروری ہے کہ لگائی گئی تہمت سے اپنی برأت ثابت کرے۔ آپ نے عزیز کی بیوی کا نام لے کر ذکر نہیں کیا ایسا محض ادب اور احترام کے پیش نظر کیا ورنہ اصل مجرم تو وہی تھی۔

اسحاق بن راہویہ نے مسند میں اور طبرانی نے معجم میں نیز ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے



Marfat.com

کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنے بھائی یوسفؑ کے صبر اور کرم پر تعجب ہے اللہ ان کی مغفرت کرے کہ ان کے پاس خواب کی تعبیر لینے آدمی پہنچا (اور انہوں نے تعبیر دے دی) اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو جب تک جیل خانے سے باہر نہ آجاتا ایسا نہ کرتا۔ اور ان کے صبر اور کرم پر مجھے (اس لئے بھی) تعجب ہے اللہ ان کی مغفرت کرے کہ ان کے پاس رہائی کا حکم لے کر آدمی پہنچا اور انہوں نے باہر نکلنے سے انکار کر دیا اور اپنا عذر بیان کر دیا اگر (میں ان کی جگہ) ہوتا تو فوراً دروازے کی طرف دوڑ پڑتا۔ اگر ایک بات یوسفؑ کے منہ سے نہ نکل جاتی تو وہ قید خانہ میں مزید سالوں کے لئے نہ رہتے انہوں نے اللہ کے علاوہ دوسروں سے مصیبت دور کرنے کی خواہش کی۔

عبدالرزاق اور ابن جریر نے اپنی تفسیروں میں عکرمہ کی روایت سے مرسلاً نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے یوسف اور ان کے کرم و صبر پر تعجب ہے اللہ ان کو بخشے، جب ان سے موٹی اور دبلی گایوں کی تعبیر پوچھی گئی (تو انہوں نے بغیر شرط پیش کئے تعبیر دے دی) اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو جب تک قید سے باہر نکلنے کی شرط نہ کر لیتا تعبیر نہ بتاتا اور مجھے تعجب ہے کہ جب قاصد بادشاہ کا پیام طلب لے کر ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے کہا اپنے آقا کے پاس لوٹ کر جاؤ اگر میں ان کی جگہ ہوتا اور اتنی مدت مجھے جیل خانہ کے اندر رہنا پڑتا جتنی مدت وہ رہے تو میں فوراً طلب کو قبول کر لیتا اور آگے آگے دروازے پر پہنچ جاتا اور عذر معذرت کا طلب گار نہ ہوتا۔ بلاشبہ وہ صاحب حلم اور بڑے بُردبار تھے۔ اصل حدیث صحیحین میں مختصر آئی ہے۔

فائدہ :- رسول اللہ ﷺ نے حضرت یوسفؑ کے حال پر تعجب کیا اور فرمایا میں فوراً طلب کو قبول کر لیتا۔ حقیقت میں یہ قول آپ کے کمال نزول پر دلالت کر رہا ہے۔ (بہت پیغمبروں کو بلکہ سبھی کو کمال عروج تو حاصل تھا مگر کمال نزول کے مرتبے پر فائز کم ہی پیغمبر ہوئے ہیں جن میں سے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ اور حضرت رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کو شمار کیا جا سکتا ہے۔ مترجم) کمال نزول پر ہی دین کی عمومی اشاعت و قبول اور تاثیر و تکمیل (اور متبعین کی کثرت) موقوف ہے، حضرت مجدد قدس سرہ نے اس بحث کی پوری تنقیح اپنے مکتوبات میں کی ہے یہ اتنا باریک نکتہ ہے کہ اکثر کاملین کی رسائی فہم سے بھی خارج ہے نہ ناقصوں کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ﴿۵۰﴾ بلاشبہ میرا رب ان کے مکر سے خوب واقف ہے جب کہ انہوں نے مجھ سے کہا تھا کہ اپنی مالکہ کا کہاں مان لو یا مجھے اپنی طرف بہکا کر مائل کرنا چاہا تھا۔ اس جملہ میں ان عورتوں کے مکر کی بڑائی کا اظہار کیا ہے اور علم الٰہی کو بطور شہادت پیش کیا ہے اور عورتوں کی تہمت سے اپنی پاک دامنی کا اظہار کیا ہے اور عورتوں کو ان کی مکاری پر انجام بد کی دھمکی بھی دی ہے یہ سارا مضمون اس ایک فقرہ سے مترشح ہو رہا ہے یوسفؑ کے پاس سے جواب لے کر قاصد بادشاہ کے پاس پہنچا اور بادشاہ نے ان عورتوں کو اور عزیز کی بیوی کو بلوایا اور

قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ کہا تمہارا کیا واقعہ ہے جواب دو۔ خَطب اس امر کو کہتے ہیں جس کا خطاب کیا جا سکے۔ یعنی صاحب واقعہ سے پوچھا جا سکے۔ بادشاہ نے سب عورتوں سے خطاب کیا، اس سے مراد یا تو صرف عزیز کی بیوی سے خطاب کرنا تھا یا سب عورتیں مخاطب تھیں کیونکہ سب نے یوسفؑ کو مکر کے ساتھ اپنی طرف مائل کرنا چاہا سب نے زلیخا کا کہا ماننے کا مشورہ دیا تھا۔

اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ جب کہ یوسفؑ کو تم نے پھسلایا تھا یعنی تم میں سے کسی نے یوسفؑ کو اپنی طرف مائل ہوتے پایا جب کہ تم نے ان کو بہکانے کی سازش کی تھی۔

قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ انہوں نے کہا پاکی ہے اللہ کے لئے اور تعجب ہے کہ اللہ نے یوسفؑ کو کیسا پاک دامن پیدا کیا ہے۔

مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ہم کو ان میں ذرا بھی تو بُرائی کی بات نہیں معلوم ہوئی۔ سُوء سے مراد ہے گناہ اور خیانت۔ کہا گیا ہے کہ ان عورتوں نے عزیز کی بیوی کو سخت سُست کہا یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ عزیز کی بیوی کو جب اندیشہ ہوا کہ یہ عورتیں میرے خلاف شہادت دیں گی تو اس نے خود اپنے جرم کا اقرار کر لیا اور

Marfat.com

قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ ۫ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۵۱

عزیز کی بیوی نے کہا اب تو حق بات سب پر ظاہر ہو ہی گئی میں نے ہی اپنے مطلب کے لئے ان کو پھسلایا تھا اور بلا شبہ وہ ہی سچے ہیں۔ حَصْحَصَ ظاہر ہو گیا، حصحص الشعر بال گر گئے اور جلد ظاہر ہو گئی۔ یا حصحص کا معنی ہے ثابت ہو گیا، ٹھہر گیا، حصحص البعیر اونٹ اپنی جگہ جم کر بیٹھ گیا۔ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ یعنی وہ اس بات میں سچے ہیں کہ میں نے ان کو پھسلایا تھا۔

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ۝۵۲

یہ باتیں یعنی قاصد کو جواب دے دینا اس کے ساتھ نہ جانا میں نے اس لئے کیں کہ اس کو (یعنی عزیز کو) یقین کے ساتھ معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کے پس پشت اس کی غیر موجودگی میں (اس کی آبرو میں) کوئی خیانت نہیں کی اور یہ بھی (معلوم ہو جائے) کہ اللہ خیانت کرنے والوں کے فریب کو چلنے نہیں دیتا۔

بالغیب پس پشت جب کہ میں اس کے اور وہ میرے سامنے موجود نہ تھا۔ یا غیب سے مراد ہے پوشیدہ مقام، بند کمروں کے اندر۔ لَا يَهْدِيْ نافذ نہیں کرتا، درست نہیں ہونے دیتا بلکہ حق کو ظاہر کرتا ہے خواہ کچھ مدت کے بعد ہی ہو۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ خیانت کرنے والوں کو ان کے مکر کے سبب ہدایت نہیں کرتا۔ اَلْخَآئِنِيْنَ اصل میں لَا يَهْدِيْ کا مفعول تھا مگر اس کی جگہ كَيْدَ کو مفعول قرار دینے سے کلام میں زور آ گیا۔ اس میں زلیخا کی خیانت کاری پر طنز اور اپنی امانت کا قوت کے ساتھ اظہار ہے۔ اسی لئے آگے فرمایا۔



Marfat.com

# تیرھواں پارہ شروع

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ اور میں (بذاتِ خود) اپنے نفس کو پاک نہیں قرار دیتا۔ اس کلام میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ اس سے میری مراد اپنی پاکیزگی کا اظہار اور بر خود غرور نہیں بلکہ اللہ کے انعام کو ظاہر کرنا مقصود ہے کہ اس نے مجھے محفوظ رکھا اور عصمت کی توفیق دی اور بادشاہ کو میرا پیرو بنایا۔ ابن مردویہ نے حضرت انسؓ کی مرفوع روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب یوسفؑ نے کہا میرے اس جواب کی وجہ یہ ہے کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی آبرو میں اس کی غیر موجودگی میں کوئی دست درازی نہیں کی تو جبرئیلؑ نے کہا (کیا اس وقت بھی آپ نے خیانت نہ کی تھی) جب گناہ کا ارادہ کیا تھا اس پر یوسفؑ نے کہا وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ بیہقی نے حدیث حضرت ابن عباسؓ سے موقوفاً نقل کی ہے۔

اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ کیونکہ نفس تو (از خود) بُری ہی بات بتاتا ہے۔ نفس سے مراد ہے نفسِ حیوانی جو عناصر اربعہ (مادیہ) سے پیدا ہوتا ہے عالم امر کے لطائف میں سے قلب اور روح ہے قلب اور روح کا حامل یہی نفس ہے۔ چونکہ اس نفس کا تولیدی مرکز عناصر اربعہ مادیہ ہیں اس لئے اس کا بالطبع میلان (حیوانی) خواہشات اور اخلاقِ رذیلہ کی جانب ہے غضب اور غرور عنصر نار کا مقتضی ہے۔ کمینگی اور دنائت کا اقتضاء زمین کا ہے نیرنگی اور صبر کا فقدان پانی کی خصوصیت ہے دل لگی اور لہو لعب ہوا کا خاص کرشمہ ہے۔

اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ط سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم کرے۔

مَا رَحِمَ میں مَا بمعنی مَن ہے جیسے آیت مَا طَابَ لَکُمْ مِّنَ النِّسَآء میں مَا بمعنی مَن ہے۔ یعنی جس پر میرا رب رحم کرے اور اس کو بچالے تو وہ نفس کی اطاعت نہیں کرتا بلکہ اس کا مقابلہ کرتا ہے اسی جہاد نفس کی وجہ سے اس کو ملائکہ پر برتری حاصل ہو جاتی ہے۔

یا وقتَ رَحْمَةِ ربّی مراد ہے اس وقت ما مصدریہ ہوگا یعنی جس وقت انسان اللہ کی رحمت کو پالیتا ہے خواہ اللہ کی طرف سے براہ راست انتخاب کی وجہ سے یا انبیاء کی پیروی کے ذریعے سے تو اللہ کی طرف سے پاکیزگی عطا ہونے کی وجہ سے اس کا نفس پاک ہو جاتا ہے اللہ نے فرمایا ہے فَلَا تُزَکُّوْٓا اَنْفُسَکُمْ تم اپنے نفوس کو پاک نہ قرار دو۔ دوسری آیت ہے بَلِ اللّٰہُ یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے ایسا نفس اللہ کی رضامندی پر راضی ہو جاتا ہے۔ اللہ کی طرف سے اس کو خطاب ہوتا ہے یٰٓاَیَّتُھَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّکِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ اے نفسِ مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ تو اللہ سے خوش اللہ تجھ سے خوش اور میرے نیک بندوں میں شامل ہو جا۔ اس حالت میں اللہ نفس کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور نیکیوں اور بھلائیوں میں تمام لطائف امر کا امام بنا دیتا ہے اور جن صفات کی تجلی کو عالم امر کے خالص لطائف برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے ان صفات کی تجلی کا حامل یہ نفس ہو جاتا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اِلَّا مَا رَحِمَ میں استثناء منقطع ہے اِلَّا کا معنی ہے لٰکن یعنی نفس بدی کا راستہ بتاتا ہے لیکن میرے رب کی رحمت بدی کو اس کی طرف سے پھیر دیتی ہے اور بدی کو نیکی سے بدل دیتی ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ دونوں آیتیں زلیخا کا مقولہ ہیں اور مَنْ رَّحِمَ سے مراد ہیں حضرت یوسفؑ اور ان جیسے دوسرے لوگ اس قول پر آیات کا مطلب اس طرح ہوگا زلیخا نے کہا میں نے یوسفؑ کی بے گناہی کے متعلق جو کچھ کہا ہے وہ اس لئے کہا کہ یوسفؑ کو معلوم ہو جائے کہ میں نے اس کی خیانت نہیں کی، یعنی اس کے غیر حاضر ہونے کی حالت میں بھی اس پر دروغ تراشی نہیں کی اور جب مجھ سے اس کے

Marfat.com

متعلق پوچھا گیا میں نے سچی بات ہی کہہ دی اور میں خیانت سے اپنے نفس کو بالکل پاک نہیں کہتی کیونکہ اتنی خیانت میں نے ضرور کی کہ اس کو متہم کیا اور عزیز سے کہا مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ۔ پھر میں نے ہی اس کو قید بھی کرایا۔ گویا اس قول سے اس نے اپنی پچھلی حرکت کا عذر پیش کرنا چاہا اور کہا نفس تو برائی کا راستہ بتانے والا ہے سوائے ان لوگوں کے جن پر میرا رب رحم کرے جیسے یوسفؑ اور اس کی طرح دوسرے لوگ کہ اللہ نے اپنی رحمت سے اس کو گناہ سے بچالیا۔

اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ بے شک میرا رب بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ نفس کے ارادے اور تصورات کے بخشنے والا ہے اور جس پر چاہتا ہے رحم فرماتا ہے گناہ سے محفوظ رکھتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ جو گناہگار اس سے معافی طلب کرے اس کو معاف کر دیتا ہے اور طالب رحم و مغفرت پر رحم کرتا ہے۔

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ اور بادشاہ نے اہل دربار سے کہا ان کو میرے پاس لے آؤ میں ان کو خاص اپنے کام کے لئے رکھوں گا۔

جب یوسفؑ کی بے گناہی بادشاہ پر ظاہر ہو گئی اور آپ کے علم و امانت کا مرتبہ بھی اس کو معلوم ہو گیا تو اس نے یوسفؑ کو طلب کیا اور کہا میں براہ راست اپنے لئے ان کو رکھنا چاہتا ہوں (یعنی عزیز مصر یا کسی اور کی ماتحتی میں رکھنا نہیں چاہتا۔ مترجم) حسب الحکم قاصد آپ کے پاس پہنچا اور کہا چلئے بادشاہ نے طلب کیا۔ عبدالحکم نے فتوح مصر میں بطریق کلبی بوساطت ابوصالح حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ قاصد نے یوسفؑ کے پاس پہنچ کر گزارش کی اب قید خانہ کے کپڑے اتار کر نئے کپڑے پہن لیجئے اور بادشاہ کے پاس چلئے۔ ابن ابی شیبہ اور ابن المنذر نے فرید عمی کی روایت سے بیان کیا کہ یوسفؑ نے جب عزیز مصر کو دیکھا تو دعا کی الٰہی میں تجھ سے اس کی خیر کے بجائے تیری خیر کا طلب گار ہوں۔ اور اس کے شر سے تیرے غلبہ کی پناہ پکڑتا ہوں۔ بغوی کا بیان ہے آپ کھڑے ہو گئے اور قیدیوں کے لئے دعا کی اے اللہ انکیوں کے دلوں کو ان پر مہربان کر دے اور (شہر و ملک کی) خبریں ان پر پوشیدہ نہ کر یہی وجہ ہے کہ ہر شہر کی خبروں سے وہاں کے قیدی بہت زیادہ باخبر ہوتے ہیں۔ قید خانہ سے نکلے تو قید خانہ کے دروازہ پر یہ بات لکھ دی یہ زندوں کا قبرستان ہے، غموں کا گھر ہے، دوستوں کی آزمائش اور دشمنوں کی خوشی کا مقام ہے، پھر آپ نے قید خانہ کا میل کچیل دھویا، بدن صاف پاک کیا اور خوبصورت کپڑے پہن کر بادشاہ کے پاس جانے کے ارادے سے چل دیئے۔

وہب نے بیان کیا جب شاہی دروازے پر پہنچے تو فرمایا میرا رب میرے لئے کافی ہے دنیا سے بے نیاز کرنے والا ہے میرا رب میرے لئے کافی ہے، اپنی مخلوق سے بے احتیاج کر دینے والا ہے اس کی پناہ لینے والا غالب رہتا ہے اس کی ثنا بڑی ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اس کے بعد گھر کے اندر داخل ہوئے اور بادشاہ کے سامنے پہنچے تو دعا کی اے اللہ میں اس کی خیر کی بجائے تیری خیر کا تجھ سے طالب ہوں اور اس کے اور دوسروں کے شر سے تیری پناہ پکڑتا ہوں۔ بادشاہ نے جب آپ کی طرف دیکھا تو آپ نے اس کو عربی میں سلام کیا بادشاہ نے کہا یہ کیا زبان ہے، فرمایا میرے چچا اسماعیلؑ کی زبان ہے، پھر آپ نے بادشاہ کو عبرانی زبان میں دعا دی، بادشاہ نے پوچھا یہ کونسی زبان ہے فرمایا یہ میرے باپ دادا کی زبان ہے۔ بادشاہ ان دونوں زبانوں سے ناواقف تھا اگرچہ ستر زبانوں میں گفتگو کر سکتا تھا جس زبان میں بات کرتا تھا آپ اسی زبان میں جواب دیتے تھے، مگر عبرانی اور عربی مزید جانتے تھے جن سے بادشاہ واقف نہ تھا۔ حضرت یوسفؑ کی اس وقت عمر تیس سال کی تھی اس نوجوانی میں آپ کے یہ کمالات دیکھ کر متحیر ہو گیا اور اپنے قریب بٹھایا۔

فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ جب بادشاہ نے ان سے باتیں کیں تو ان سے کہا کہ آپ ہمارے نزدیک آج (سے) بڑے معزز اور معتبر ہیں بغوی نے لکھا ہے بادشاہ نے حضرت یوسفؑ سے کہا میں اپنا خواب آپ کے منہ سے اپنے سامنے سننا چاہتا ہوں فرمایا بہت اچھا سنئے۔ اے بادشاہ! آپ نے خواب میں دیکھا سات سفید رنگ کی خوبصورت گائیں نیل میں سے برآمد ہوئیں اور ساحل نیل سے نکل کر آپ کے سامنے آئیں ان کے تھن دودھ سے بھرے

Marfat.com

ہوئے تھے اس کے بعد نیل کی کیچڑ سے سات دبلی گائیں بر آمد ہوئیں جو بھوکی تھیں ان کے پیٹ لگے ہوئے تھے ان کے پاس نہ دودھ تھا نہ تھن ان کی داڑھیں تھیں اور کیلے (جیسے نوکیلے دانت) تھے، اور کتوں کے پنجوں کی طرح پنجے تھے اور درندوں کی ناک کی طرح ان کی ناکیں تھیں، درندوں کی طرح انہوں نے موٹی گایوں کو چیڑ پھاڑ ڈالا، کھال کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا، گوشت کھالیا، ہڈیوں کو ریزہ ریزہ کر دیا اور مینگنی کو چوس لیا۔ آپ یہ منظر دیکھ کر تعجب ہی کر رہے تھے کہ ایک ہی جڑ سے اناج کی سات سبز بالیں اور سات سیاہ (خشک) بالیں نمودار ہوئیں جڑ کے سوتے سب کے کیچڑ اور پانی کے اندر تھے آپ یہ تماشا دیکھ ہی رہے تھے اور تعجب کر رہے تھے کہ جب جڑ ایک ہے اور سوتے سب کے پانی میں ہیں تو یہ سبز خوشہ دار اور وہ سوکھی سیاہ بالیں کہاں سے پیدا ہو گئیں یکایک ایک ہوا چلی جس کی وجہ سے خشک بالیوں کے پتے جھڑ کر سبز خوشہ دار بالیوں پر گرے اور سبز بالیوں میں آگ لگ گئی اور وہ جل کر سیاہ ہو گئیں یہ خواب دیکھ کر آپ بیدار ہو گئے اور دہشت زدہ ہو گئے۔ بادشاہ نے کہا خدا کی قسم یہ خواب اگرچہ عجیب تھا مگر اس کی تعجب آفرینی اس بیان سے زیادہ نہیں جو میں نے آپ سے سنا۔ اے سچے انسان اب اس خواب کے متعلق آپ کیا مشورہ دیتے ہیں، آپ نے فرمایا میری رائے یہ ہے کہ ان پیداوار کے سالوں میں آپ کاشت بہت زیادہ کرائیں اور پیدا شدہ غلہ کو مع ان کے درختوں اور بالیوں کے ذخیرہ کر لیں تاکہ (قحط کے سالوں میں) درخت اور بالیں (یعنی سب کا بھوسہ) جانوروں کی خوراک بن جائے اور لوگوں کو آپ یہ بھی حکم دے دیں کہ وہ اپنے غلہ کا پانچواں حصہ اٹھا کر الگ رکھ دیا کریں (اور اس طرح ہر سال کی پیداوار کا پانچواں حصہ ان کے پاس جمع ہو جائے) جو غلہ آپ اسٹاک کر لیں گے وہ تو مصر اور اطراف مصر کے لئے کافی ہو جائے گا اور جب دور کے اطراف سے لوگ آپ کے پاس غلہ کی طلب میں آئیں گے تو آپ کے پاس ان سے وصول کیا ہوا روپیہ اتنا جمع ہو جائے گا کہ آپ سے پہلے مصر کے بادشاہوں میں سے کسی کے پاس جمع نہ ہوا ہو گا۔ بادشاہ نے کہا اس کام کی سرانجام دہی کون کرے گا کون غلہ جمع کرے گا کون فروخت کرے گا یہ دھندا میری طرف سے کون کرے گا۔

قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝ یوسفؑ نے کہا مجھے ملک (مصر) کی پیداوار اور مال پر مقرر کر دو میں اس کام کی بخوبی نگہداشت کرنے والا اور جاننے والا ہوں۔ حضرت یوسفؑ نے اپنی امانت داری اور کار گزاری کا خود اظہار کیا اور خود عہدہ طلب کیا تاکہ اس کے ذریعے سے اللہ کے احکام مخلوق میں جاری کر سکیں، حق کو قائم کریں اور عدل کو دنیا میں پھیلائیں اسی کام کے لئے انبیاء آتے ہیں اور ان کی بعثت کی غرض یہی ہوتی ہے آپ کو معلوم تھا کہ میرے سوا اور کوئی اس کام کو کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا پس آپ نے عہدۂ حکومت کی طلب اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کی تھی جاہ و اقتدار کی طلب نہ تھی، خلفاء راشدین کی خلافت کا مقصد بھی یہی تھا اور حضرت علیؓ کا حضرت معاویہؓ سے جھگڑا بھی اسی بنیاد پر تھا کیوں کہ آپ اس کام کے زیادہ اہل تھے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں آپ کو اپنے نفس پر زیادہ قابو تھا اور احکام الٰہی کو جاری کرنے کی صلاحیت آپ میں حضرت معاویہؓ سے زیادہ تھی۔

بیضاوی نے کہا طلب عہدہ کی شاید یہ وجہ ہو کہ آپ نے یہ تو محسوس کر لیا تھا کہ بادشاہ مجھے کوئی کام سپرد کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے آپ نے عہدہ کی تعیین کر دی اور ایسے کام کی ذمہ داری طلب کی جس کا فائدہ عمومی تھا اور سب لوگ اس سے مستفید ہو سکتے تھے۔

---

اس آیت سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ اگر انسان کو اپنی ذات پر اطمینان اور بھروسہ ہو تو حکومت کا کوئی عہدہ اور قضاء کی طلب جائز ہے اور اپنی اہلیت کار کے اظہار میں کوئی حرج نہیں ہے ایک بات یہ بھی نکلتی ہے کہ بادشاہ کافر ہو یا ظالم اس کی طرف سے کسی کام پر مامور ہونا (بشرطیکہ وہ کام افادیت عامّہ رکھتا ہو اور جاہ طلبی کا داعیہ نہ ہو) جائز ہے، ظالموں اور فاسقوں کی طرف سے ہمارے محترم اسلاف محکمۂ قضاء کی خدمت اسی غرض سے قبول کرتے رہے ہیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ (حاکم یوسفؑ نہ تھے صرف مشیر تھے) بادشاہ آپ سے مشورہ لے کر خود حکم جاری کرتا تھا اور آپ کی رائے میں دخل نہ دیتا تھا، گویا اجراء احکام میں آپ کا تابع تھا۔ بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ میرے بھائی یوسفؑ پر رحم فرمائے اگر وہ اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ نہ کہتے تو بادشاہ ان کو فوراً حاکم بنا دیتا مگر (اس لفظ کو کہنے کی وجہ سے) بادشاہ نے وہ سال ٹال دیا اس مدت میں یوسفؑ بادشاہ کے پاس اس کے گھر میں رہتے رہے۔

بغوی نے دوسری سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جس روز حضرت یوسفؑ نے درخواستِ حکومت کی تھی اس دن سے جب ایک سال کی مدت گزر گئی تو بادشاہ نے آپ کو بلا کر تاج پہنایا اور شاہی تلوار باندھی اور جواہر سے جڑا ہوا تخت آپ کے لئے بچھوایا اور تخت کے گرد ریشمی پردہ لٹکا دیا تخت میں ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا تھا اس پر دس بستر بچھے ہوئے تھے اور ساٹھ باریک پردے تھے پھر تاج پہن کر آپ کو برآمد ہونے کا حکم دیا، آپ سر پر تاج رکھے برآمد ہوئے برف کی طرح آپ کا رنگ گورا اور چاند کی طرح روشن تھا، بدن کی صفائی کی وجہ سے چہرے کا رنگ (یعنی عکس) بدن پر نظر آتا تھا آپ اس شان کے ساتھ جا کر تخت پر بیٹھ گئے۔ تمام حکام آپ کے فرماں بردار ہو گئے بادشاہ مصر کی پوری حکومت آپ کو سپرد کر کے اپنے گھر میں چلا گیا۔ بادشاہ نے قطفیر کو اس کے عہدے سے معزول کر دیا اور یوسفؑ کو اس کی جگہ مقرر کر دیا۔ یہ قول ابن اسحاق کا ہے۔

ابن زید کا بیان ہے کہ ریّان شاہِ مصر کے پاس خزانے بہت تھے تمام خزانے اس نے یوسفؑ کے تصرف میں دے دیئے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابن اسحاق کی روایت سے بیان کیا ہے اہلِ روایت نے ذکر کیا ہے کہ اسی زمانہ میں قطفیر کا انتقال ہو گیا اور بادشاہ نے اس کی بیوی زلیخا سے یوسفؑ کا نکاح کرا دیا۔ نکاح کے بعد یوسفؑ زلیخا کے پاس پہنچے تو ان سے فرمایا کیا یہ اس سے بہتر نہیں ہے جو تم چاہتی تھیں زلیخا نے جواب دیا۔ اے صدیق! مجھے آپ ملامت نہ کریں آپ کو معلوم ہے کہ میں خوبصورتی میں ایک ہی عورت تھی اور یہ بھی جانتے ہی ہیں کہ حکومت اور دنیا کے لحاظ سے میں کتنے عیش میں تھی اور میرا شوہر عورتوں کے قابل نہ تھا اور آپ کے حسن و صورت کی جو حالت تھی وہ بھی خداداد تھی اس لئے آپ کو دیکھ کر مجھ سے صبر نہ ہو سکا۔ اہلِ روایت کا خیال ہے کہ یوسفؑ نے زلیخا کو دوشیزہ پایا اور زلیخا کے بطن سے آپ کے دو لڑکے پیدا ہوئے افرائیم اور میشا۔

غرض مصر کی حکومت یوسفؑ کے لئے مستقل ہو گئی آپ وہیں مقیم ہو گئے، مرد اور عورت سب آپ کو پسند کرتے تھے آیتِ ذیل اس کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ؕ اور ہم نے ایسے

عجیب طور سے یوسفؑ کو اس سرزمین میں جماؤ عطا کر دیا کہ وہاں جس جگہ چاہیں رہیں۔ یعنی بادشاہ کی مجلس میں جس طرح ہم نے یوسفؑ کو جگہ دی اسی طرح سرزمینِ مصر میں ہر جگہ اس کو رہنے کا اختیار دیا وہ جہاں چاہتا رہ سکتا تھا۔

نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۶ ہم اپنی رحمت سے جس

کو چاہتے ہیں نعمت عطا کرتے ہیں اور نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔

"رحمت" سے مراد ہے نعمت اور "اجر" سے مراد ہے فوراً یا کچھ مدت کے بعد نکلنے والا اچھا نتیجہ۔ اَلْمُحْسِنِیْنَ سے حضرت ابن عباسؓ اور وہب کے نزدیک صبر کرنے والے مراد ہیں۔ مجاہد وغیرہ نے کہا، حضرت یوسفؑ برابر بادشاہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے، آخر بادشاہ مسلمان ہو ہی گیا اور بہت سے لوگ بھی مشرف باسلام ہو گئے اس طرح حضرت یوسفؑ کو دُنیوی اجر مل گیا۔

وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝۵۷ اور بلاشبہ ثواب آخرت

دنیوی اجر سے ان لوگوں کے لئے بہتر ہے جو ایمان لائے اور نافرمانی سے بچتے رہے۔

جب حضرت یوسفؑ اطمینان کے ساتھ حکومت پر جم گئے تو انہوں نے غلہ جمع کرنے کی تدبیر کی بڑی بڑی حفاظت گاہیں اور غلہ رکھنے کے گھر بنوائے اور قحط سالی کے لئے وہاں غلہ جمع کیا اور معمول کے مطابق بقدرِ ضرورت خرچ بھی کیا یہاں تک کہ پیداوار کی کثرت کے سال گزر گئے اور قحط سالی کا دور آ گیا اور ایسا ہولناک قحط پڑا جس کی نظیر کبھی سننے میں آئی تھی نہ دیکھنے میں۔

روایت میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے بادشاہ اور بادشاہ کے مُصاحبین کے لئے ہر روز صرف ایک بار دوپہر کے وقت کھانا مقرر کیا تھا قحط سالی کے دور میں سب سے پہلے آدھی رات کے وقت بادشاہ ہی کو بھوک نے ستایا اور وہ بھوک بھوک کہہ کر چلا

Marfat.com

اٹھا، حضرت یوسفؑ نے فرمایا یہ کال کا زمانہ ہے۔ کال کے اول سال پبلک کا سارا اندوختہ ختم ہو گیا اور لوگ یوسفؑ سے غلہ خریدنے لگے، حضرت نے نقد روپیہ لے کر غلہ دے دیا اور اس طرح مصر کا ہر سکہ اور در و ہم و دینار آپ کے پاس آگیا، دوسرے سال زیور اور جواہر لے کر اجناس فروخت کیا، تیسرے سال چوپائے اور مویشی دے کر لوگوں نے غلہ لیا، چوتھے سال غلام اور باندیاں دے کر غلہ حاصل کیا پانچویں سال جائیدادیں، زمینیں اور گھر بھی غلے کے عوض بیچ ڈالے، چھٹے سال بچے فروخت کر دیئے اور ساتویں سال خود اپنی جانوں کا بیعنامہ کر دیا، یہاں تک کہ نقد جنس، زیور، جانور، باندی غلام سب کچھ یوسفؑ کا ہو گیا، اہل مصر کی کوئی چیز نہیں رہی اور آخر میں اولاد بھی اپنی نہیں رہی، بلکہ ہر شخص یوسفؑ کا غلام ہو گیا۔

میں کہتا ہوں اگر یہ روایت صحیح ہو تو شاید شریعت یوسفی میں جائز ہو کہ کوئی شخص اپنی جان و اولاد کو فروخت کر دے، چور کو غلام بنا لیتا تو آپ کی شریعت میں جائز ہی تھا۔ بعض علماء نے فتویٰ بھی دیا ہے کہ کال کی وجہ سے روٹی کے لئے آدمی اپنی جان اور اپنی اولاد کو بھی فروخت کر سکتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ ہماری شریعت میں اس کی کوئی اصل نہیں۔

غرض یہ حالت دیکھ کر رعایا بول اٹھی کہ ایسا عالی قدر مالک کل بادشاہ اور کوئی نہیں ہوا جو ساری رعایا کے جان مال اور اولاد کا مالک ہو گیا ہو۔ یوسفؑ نے بادشاہ سے کہا اب آپ کی کیا رائے ہے؟ بادشاہ نے کہا جو آپ کی رائے وہی میری رائے۔ ہم تو آپ کے تابع ہیں۔ حضرت نے فرمایا تو میں اللہ کو اور آپ کو گواہ کر کے کہتا ہوں کہ تمام اہل مصر کو میں نے آزاد کر دیا، ان کی ساری املاک (زر و جواہر، مویشی، اجانور) ان کو واپس کرتا ہوں۔

روایت میں آیا ہے کہ حضرت کال کے زمانے میں خود بھی بھوکے رہتے تھے، لوگوں نے کہا سارا غلہ ملک مصر کا تو آپ کے قبضے میں ہے اور آپ بھوکے رہتے ہیں، فرمایا میرا پیٹ بھرا ہو گا تو اندیشہ ہے کہ میں بھوکے کو بھول جاؤں گا، بادشاہ کے باورچیوں کو بھی آپ نے حکم دے دیا تھا کہ بادشاہ کے لئے صرف دوپہر کو ہی کھانا تیار کریں، کہیں پیٹ بھرنے کے بعد بادشاہ بھوکوں کو بھول نہ جائے۔ اسی بنا پر بادشاہ ناشتہ دوپہر کو کرتے ہیں (کہ صبح سے دوپہر تک بھوکے رہیں اور بھوکوں کو بھولنے نہ پائیں)۔

اہل مصر کے علاوہ چاروں طرف سے لوگ حضرت یوسفؑ کے پاس غلہ لینے آتے تھے مگر آپ کسی کو خواہ وہ کتنا بڑا آدمی ہو بار شتر سے زیادہ اناج نہیں دیتے تاکہ تھوڑا تھوڑا سب لوگوں کو پہنچ جائے لوگوں کے آپ کے پاس ٹھٹ لگے رہتے تھے اور آپ سب کو دیتے تھے۔ کنعان اور شام کے باشندے بھی قحط میں مبتلا ہو گئے، عمومی کال سے وہ بھی محفوظ نہیں رہے۔ حضرت یعقوبؑ اور آپ کے اہل و عیال مقام غمرات علاقہ فلسطین سرحد شام میں رہتے تھے ان لوگوں کی زندگی صحرائی زندگی تھی اونٹ اور بکریاں پالتے تھے، حضرت یعقوبؑ نے اپنے بیٹوں کو غلہ لینے کے لئے مصر بھیجا اور فرمایا مجھے اطلاع ملی ہے کہ وہاں کا بادشاہ مرد صالح ہے لوگوں کے ہاتھ غلہ فروخت کرتا ہے۔ تم بھی تیار ہو جاؤ اور مصر جا کر غلہ لاؤ آپ نے یوسفؑ کے بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لیا اور دوسرے بیٹوں کو روانہ ہو جانے کا حکم دے دیا۔

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اور یوسفؑ کے بھائی آئے اور یوسفؑ کے پاس پہنچے تو یوسفؑ نے ان کو پہچان لیا اور وہ یوسفؑ نہ پہچان سکے۔ یعنی دس بھائی یوسف کے پاس پہنچے۔ حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد نے فرمایا حضرت یوسفؑ نے پہلی ہی نظر میں بھائیوں کو پہچان لیا، حسن نے کہا اول نظر میں نہیں پہچانا جب انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو پہچانا۔

حضرت ابن عباسؓ سے بھائیوں کے یوسفؑ کو نہ پہچاننے کی یہ وجہ بیان کی کہ کنویں میں ڈالنے اور اب سامنے آنے کے درمیان چالیس برس کی مدت گزر گئی تھی۔ طول زمانہ شناخت سے مانع ہوا۔ عطاء نے کہا حضرت یوسفؑ اس وقت شاہانہ تاج پہنے شاہی تخت پر رونق افروز تھے اس لئے بھائی نہ پہچان سکے۔ بعض نے کہا اس وقت آپ شاہی ریشمی لباس پہنے تھے اور گردن میں سونے کا ہار تھا۔

میں کہتا ہوں اس قول کی بنیاد اس مسلّمہ پر ہو سکتی ہے کہ شریعت یوسفی میں مرد کے لئے سونا اور ریشمی لباس کا پہننا

Marfat.com

درست تھا۔

حضرت یوسفؑ نے بھائیوں کو دیکھا تو انہوں نے عبرانی زبان میں کلام کیا آپ نے فرمایا مجھے بتاؤ تم کون لوگ ہو اور تمہارا کیا کام ہے میں تم کو نہیں جانتا، بھائیوں نے کہا ہم ملک شام کے رہنے والے ہیں، قحط کی تکلیف میں مبتلا ہو کر آپ کے پاس غلہ لینے آئے ہیں۔ حضرت نے فرمایا شاید آپ لوگ ہمارے ملک میں یہاں کے احوال کی جستجو میں آئے ہیں، کہنے لگے خدا کی قسم ہم جاسوس نہیں ہیں سب ایک باپ کی اولاد ہیں ہمارا باپ پیر صادق ہے اس کو اللہ کے پیغمبروں میں شمار کیا جاتا ہے حضرت یوسفؑ نے کہا آپ لوگ کتنے ہیں بولے ہم بارہ بھائی تھے، ہمارا ایک بھائی جاتا رہا وہ ہم سب میں چھوٹا تھا، جنگل کو گیا تھا وہاں مر گیا۔ باپ کی نظر میں وہ سب سے پیارا تھا، آپ نے پوچھا یہاں تم کتنے ہو، بولے دس ہیں فرمایا ایک اور کہاں ہے بولے باپ کے پاس رہ گیا ہے جب سے اس کا ماں جایا بھائی مرا ہے باپ کو اسی سے تسکین خاطر ہوتی ہے، فرمایا کون جانے کہ جو کچھ تم کہہ رہے ہو وہ سچ بھی ہے یا نہیں، کہنے لگے بادشاہ سلامت ہم تو اجنبی ملک میں ہیں یہاں تو ہم کو جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ آخر حضرت یوسفؑ نے ہر ایک کو ان کی تعداد کے مطابق ایک ایک اونٹ غلے کا دے دیا اور سب کا سامانِ سفر درست کرا دیا۔ جہازؔ سامانِ سفر کو کہتے ہیں۔

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ ۚ اور جب ان کا سامانِ سفر درست کرا دیا تو یوسفؑ نے ان سے کہا (اب کی مرتبہ) اپنے علاتی بھائی کو میرے پاس لے کر آنا، اگر تم سچے ہو۔ اگر تم اپنے بھائی کو لے آؤ گے تو ایک بارِ شتر میں تم کو اور دوں گا اور تمہاری عزت بڑھاؤں گا۔

أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ﴿٥٩﴾ کیا تم نہیں دیکھتے کہ میں غلہ کا ناپ پورا دیتا ہوں (کسی کو کم نہیں دیتا) اور میں بہترین میزبان ہوں، مجاہد نے کہا یعنی تمہاری مہمانی اچھی طرح کرتا ہوں۔

فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ ﴿٦٠﴾ اور تم اس کو میرے پاس لے کر نہ آئے تو میرے پاس نہ آنا تم کو ایک ناپ غلہ بھی میرے پاس سے نہیں ملے گا اور میرے ملک میں بھی داخل نہ ہونا۔ لا تقربون یا نہی کا صیغہ ہے یا نفی ہے جس کا عطف جزا پر ہے (میرے پاس نہ آنا یا قریب بھی نہ آؤ گے)۔

قَالُوا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ أَبَاهُ وَإِنَّا لَفَاعِلُونَ ﴿٦١﴾ بولے اس کی طرف سے باپ کو پھسلانے کی ہم کوئی تدبیر ضرور کریں گے اور (جو کچھ آپ نے حکم دیا اس کی) بلاشبہ تعمیل کریں گے۔ یعنی اس کی جدائی کا غم باپ کو ضرور ہوگا مگر ہم کوئی چال چلیں گے اور باپ کے پاس سے لانے کی کوئی تدبیر کریں گے اور اس کی طرف سے باپ کو پھسلائیں گے، حضرت یوسفؑ نے فرمایا تو اپنے میں سے کسی بھائی کو میرے پاس بطور ضمانت چھوڑ جاؤ تاکہ اس کو لا سکو یہ سن کر بھائیوں نے آپس میں قرعہ اندازی کی قرعہ میں شمعون کا نام نکل آیا، شمعون وہی شخص تھا جس کی یوسفؑ کے متعلق سب بھائیوں سے زیادہ اچھی رائے تھی (اور اسی نے مشورہ دیا تھا کہ یوسفؑ کو قتل نہ کرو) چنانچہ شمعون کو یوسفؑ کے پاس چھوڑ دیا، باقی سب چلے گئے۔

وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿٦٢﴾ اور یوسفؑ نے اپنے (غلہ ناپنے والے) خادموں سے کہا ان کا سرمایہ (یعنی غلہ کی قیمت جو انہوں نے دی ہے) انہیں کے سامان میں رکھ دو تاکہ گھر لوٹ کر جب وہ (لوٹایا ہوا) سرمایہ دیکھیں گے تو واپسی کا حق پہچان کر امید ہے لوٹ آئیں گے۔ ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے بیان کیا کہ ان کا سرمایہ جو انہوں نے غلہ کی قیمت میں دیا تھا جوتے اور کھالیں تھیں بعض نے کہا کہ آٹھ بورے کسی قسم کے ستو تھے۔ اول قول حسب رائے بغوی زیادہ صحیح ہے۔

بعض علماء نے کہا کہ حضرت یوسفؑ نے تکمیل احسان اور اتمام نوازش کے جذبہ کے زیر اثر بھائیوں کا سامان واپس رکھوا دیا تھا کہ وہ جانیں کہ بادشاہ کی ہم پر بڑی عنایت ہے کہ اس نے سامان بھی واپس کر دیا اور اسی خیال کے تحت دوبارہ مصر کو لوٹ آئیں۔ بعض نے کہا حضرت یوسفؑ نے باپ اور بھائیوں سے غلہ کی قیمت وصول کرنا اچھا نہ سمجھا اور ایسی حالت میں کہ باپ

Marfat.com

بھائی محتاج تھے، قیمت لینے کو کمینہ پن خیال کیا۔ کلبی نے کہا یوسفؑ کو اندیشہ ہوا کہ کہیں باپ کے پاس اور روپیہ نہ ہو اور روپیہ نہ ہونے کی وجہ سے یہ لوگ لوٹ کر نہ آئیں۔ بعض نے کہا حضرت یوسفؑ کو معلوم تھا کہ یہ امانت دار لوگ ہیں ان کی دیانت ان کو آمادہ کرے گی کہ یہ سرمایہ لوٹا کر لائیں یہ اس پونجی کو اپنے لئے حلال نہ سمجھیں گے۔

فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا جب لوٹ کر باپ کے پاس پہنچے تو بولے ابّا! ہم ایک ایسے شخص کے پاس پہنچے کہ اس نے ہماری بڑی مہمانی کی اور ایسی عزت کی کہ اگر نسل یعقوبؑ کا بھی کوئی آدمی ہوتا تو ہماری اتنی عزت نہ کرتا، حضرت یعقوبؑ نے یہ بات سن کر فرمایا جب تم شاہِ مصر کے پاس لوٹ کر جاؤ تو اس سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ آپ نے جو ہمارے ساتھ احسان کیا ہے اس کے عوض ہم آپ کے لئے دعا کرتے ہیں اللہ آپ پر رحمت نازل فرمائے۔ پھر فرمایا شمعون کہاں ہے۔ بیٹوں نے جواب دیا اس کو شاہِ مصر نے بطورِ ضمانت اپنے پاس روک لیا ہے اس کے بعد پورا قصہ بیان کر دیا، حضرت یعقوبؑ نے فرمایا اس کو یہ بات بتانی ہی کیوں۔ بیٹوں نے جواب دیا اس نے ہم سے عبرانی زبان میں گفتگو کی اور کہا تم جاسوس ہو اور پورا قصہ بیان کر کے کہا۔

يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ ہم کو غلہ دینے کی ممانعت کر دی گئی ہے یعنی اگر ہم بنیامین کو لے کر نہ جائیں گے تو آئندہ ہم کو غلہ نہیں ملے گا۔ کَیل (ناپ۔ پیمانہ) سے مراد ہے غلہ۔ کذا قال الحسن۔ بعض اہل تفسیر نے اس جملہ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ شاہِ مصر نے ہم میں سے ہر ایک کے نام بنام تو غلہ دے دیا اور بنیامین کے نام کا غلہ نہیں دیا۔

فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ﴿۶۳﴾ لہٰذا آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیں تاکہ ہم کو غلہ مل جائے (اور کوئی مانع نہ رہے) یہ مطلب ہے کہ اس کے حصہ کا غلہ بھی مل جائے) اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے۔ کوئی تکلیف اور دکھ نہ ہونے دیں گے۔

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۶۴﴾

(یعقوبؑ نے) کہا کیا میں اس کے بارے میں تمہارا ویسا ہی اعتبار کروں جیسا اس کے بھائی کے بارے میں اس سے پہلے کیا تھا تم کیا حفاظت کرو گے) اللہ ہی سب سے بڑھ کر محافظ ہے اور وہی سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے امید ہے کہ اللہ اس کی حفاظت کرے گا اور مجھ پر رحم فرمائے گا۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ اور جب انہوں نے اپنا سامان کھولا تو اپنا سرمایہ (یعنی وہ سرمایہ جو غلہ کی قیمت میں انہوں نے شاہِ مصر کو دیا تھا) اس کے اندر پایا جو ان کو واپس کر دیا گیا تھا۔

قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ کہنے لگے ابّا (لیجئے) اور ہم کو کیا چاہئے..... یعنی اس سے بڑھ کر اور کیا احسان و کرم ہوگا کہ شاہِ مصر نے ہماری مہمان نوازی کی، خاطر و مدارات کی اچھی طرح سے رکھا پھر غلہ ہمارے ہاتھ فروخت کیا اور پھر ہماری دی ہوئی قیمت بھی ہم کو لوٹا دی۔

یا یہ مطلب ہے کہ اس سے بڑھ کر ہم بھلائی کے طالب نہیں، یا یہ مطلب ہے کہ بادشاہ کے احسان کے متعلق کلام کرنے میں ہم اور کیا چیز طلب کریں یا یہ مطلب ہے کہ ہم اپنے بیان میں اضافہ کرنا نہیں چاہتے ہماری سچائی کی دلیل آپ کے سامنے آگئی، یا یہ مطلب ہے کہ ہم مزید سرمایہ آپ سے طلب نہیں کرتے۔

هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا ۚ یہ ہمارا سرمایہ موجود ہے جو ہم کو لوٹا دیا گیا ہے۔

وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ؕ اور اپنے گھر والوں کے واسطے رَسد لائیں گے اور اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک بار شتر غلہ زیادہ لائیں گے..... نَمِیر کا عطف فعل محذوف پر ہے، یعنی ہمارا یہ سامان واپس کر دیا گیا تاکہ ہم اس سے قوت حاصل کریں اور گھر والوں کے لئے رَسد خریدنے کے واسطے بادشاہ کے پاس لوٹ کر جائیں اور وہاں سے غلہ لائیں۔ اس صورت میں مَا نَبْغِی میں مَا استفہامیہ ہوگا۔

مار، یمیر مَیراً (مجرد) اِمْتِیار، یَمْتَار، اِمْتِیَاراً (ثلاثی مزید باب افتعال) دوسرے شہر سے غلہ لے کر آیا۔ یہ بھی



Marfat.com

ممکن ہے کہ اس کا عطف مَا نَبْغِی پر ہو اور مَا نافیہ ہو یعنی ہم اور کسی چیز کے طلبگار نہیں اور گھر والوں کے لئے غلہ لائیں گے۔
نَحْفَظُ اَخَانَا یعنی آمد و رفت میں ہر خطرہ سے اس کی حفاظت کریں گے۔ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ یعنی اس کے حصہ کا ایک بار شتر غلہ ہم مزید حاصل کریں گے فی کس ایک اونٹ غلہ ملتا تھا۔
ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ ﴿۶۵﴾ یہ غلہ (جو ہم لائے ہیں) تھوڑا ہے گھر والوں کے لئے کافی نہیں۔ یا یہ (مزید) غلہ آسان ہے بادشاہ سخی ہے اس کو کوئی دشواری نہیں نہ اس سے ملنے میں دشواری ہے۔
قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ ۚ
(یعقوبؑ نے) کہا اس کو اُس وقت تک ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک اللہ کی قسم کھا کر مجھے پکا وعدہ نہ دو گے کہ تم اس کو ضرور میرے پاس لے ہی آؤ گے ہاں اگر کہیں گھر ہی جاؤ تو مجبوری ہے۔
مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ یعنی ایسا عہد جس کو اللہ کی قسم کھا کر پختہ کیا گیا ہو یا اس پر اللہ کو گواہ بنایا گیا ہو۔
اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ کا مطلب مجاہد نے بیان کیا مگر یہ کہ تم سب ہلاک ہو جاؤ۔ قتادہ نے کہا مگر یہ کہ تم بے بس اور مغلوب ہو جاؤ اور تم میں حفاظت کی طاقت ہی نہ رہے۔
یہ استثناء مفرغ ہے یعنی ہر حال میں تم اس کی حفاظت کرو گے ہاں اگر ایسی حالت ہو جائے کہ تم بے بس ہو جاؤ یا یہ مطلب ہے کہ اس کو واپس لانے سے کسی وجہ سے تم باز نہ رہو گے مگر یہ کہ تم مغلوب ہو جاؤ۔
فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ پس جب انہوں نے باپ کو مضبوط عہد دے دیا، کہا گیا ہے کہ انہوں نے کہا اللہ، ربّ محمد کی قسم۔ غرض یہ کہ انہوں نے جب انتہائی کوشش کی اور قسمیں کھالیں اور بنیامین کو بھیجے بغیر حضرت یعقوبؑ کو کوئی چارہ نہ رہا تو
قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ ﴿۶۶﴾ (یعقوبؑ نے) کہا جو کچھ ہم کہہ رہے ہیں اس پر اللہ گواہ (یا نگراں) ہے۔ کعب نے کہا جب حضرت یعقوبؑ نے فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا کہا تو اللہ نے فرمایا اپنی عزت کی قسم تو نے مجھ پر بھروسہ کیا ہے تو میں دونوں کو لوٹا کر تیرے پاس پہنچا دوں گا۔
وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ
(بیٹے جب حضرت یعقوبؑ کے پاس سے جانے لگے تو) یعقوب نے کہا میرے بیٹو! شہر کے ایک دروازے سے یعنی ساتھ ساتھ داخل نہ ہونا بلکہ الگ الگ دروازہ سے گھسنا۔ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے بڑے حسین و جمیل، سرو قامت، گل رخسار، صحت مند اور طاقت ور جوان تھا اور شاہِ مصر کے نزدیک ان کی عزت زباں زد خلائق تھی اس وجہ سے حضرت یعقوب کو خیال ہوا کہ کہیں (اجتماعی ہیئت میں داخل ہوتے دیکھ کر) کسی کی نظر نہ لگ جائے۔ حدیث میں آیا ہے نظر حق ہے۔ نظر لگنے کے متعلق جو احادیث آئی ہیں۔ سورۂ نون کی وَاِنْ يَّكَادُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَيُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ لَمَّا سَمِعُوا الذِّكْرَ الخ کی تفسیر میں ہم نے ذکر کر دی ہیں۔
پہلی مرتبہ روانگی کے وقت حضرت یعقوبؑ نے بیٹوں کو یہ نصیحت نہیں کی تھی شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس وقت ان سے کوئی مصر میں واقف نہ تھا پھر بنیامین بھی ان کے ساتھ نہ تھا اور اس مرتبہ (کوئی بیٹا پاس نہیں رہا تھا) بنیامین بھی روانہ ہو رہا تھا۔ ابراہیم نخعی نے کہا کہ یوسفؑ کے سامنے جُدا جُدا جانا مقصود تھا۔ اول تشریح زیادہ صحیح ہے۔
وَمَاۤ اُغْنِيْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ اور میں اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کسی بات کو بھی اس کے مقابلہ میں دفع نہیں کر سکتا۔ یعنی جو ہونے والی چیز ہے وہ ہو کر رہے گی اللہ کا جو حکم ہو چکا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا احتیاط تقدیر سے نہیں بچاتی۔ رواہ الحاکم امام احمد نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے اور بزاز نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی ہے۔
اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ حکم تو بس اللہ ہی کا چلتا ہے۔ اللہ کے سوا اور کسی کا حکم نہیں چلتا۔ جو حکم خدا ہو چکا ہے وہ برابر تم

Marfat.com

کو پہنچے گا اس کے مقابلہ میں کوئی چیز تم کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی اس سے آگے حضرت یعقوبؑ نے اللہ ہی پر اپنے اعتماد و توکل کا اظہار کیا اور فرمایا

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ ﴿٦٧﴾ اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی پر بھروسہ کرنے والوں کو توکل کرنا چاہئے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُمْ ۖ مَا كَانَ يُغْنِي عَنْهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۚ اور جب وہ (مصر پہنچ کر شہر کے اندر) اس طور پر داخل ہوئے جس طرح باپ نے ان کو حکم دیا تھا تو یہ (داخلہ) اس چیز کو بالکل دفع نہ کر سکتا تھا جو اللہ کی طرف سے آنے والی تھی مگر یعقوبؑ کے دل میں خواہش تھی جس کو انہوں نے پورا کر لیا (اور ہمارے سمجھا دینے کی وجہ سے وہ تھے بلاشبہ جاننے والے، اسی لئے انہوں نے وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ کہہ دیا تھا لیکن اکثر لوگ اس کا علم نہیں رکھتے) روایت میں آیا ہے کہ شہر کے چار دروازے تھے چاروں دروازوں سے یہ لوگ داخل ہوئے تھے۔ مَا كَانَ يُغْنِي یعنی دفع نہیں کر سکتا۔ مِنَ اللَّهِ اللہ کے طے شدہ فیصلے سے کچھ بھی۔ چنانچہ بنیامین پکڑے گئے اور حضرت یعقوبؑ پر دوہری مصیبت پڑ گئی إِلَّا حَاجَةً یعنی یہ فقط یعقوبؑ کا ارمان تھا فقط شفقت پدرانہ تھی کہ کہیں ان کو نظر نہ لگ جائے۔ قضاها یعنی اپنی خواہش کو یعقوبؑ نے ظاہر کر دیا اور بیٹوں کو نصیحت کر دی۔

وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِمَا عَلَّمْنَاهُ اور وہ بلاشبہ جاننے والے تھے ہمارے سمجھا دینے کی وجہ سے۔ تعلیم دینے سے مراد ہے وحی کے ذریعہ سے واقف بنانا یا عقلی دلائل بتانا۔

مَا عَلَّمْنَا (میں اگر مَا موصولہ ہو تو اس) سے مراد ہوگا مَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ کہنا یا مَا مصدریہ ہوگا اور مَا عَلَّمْنَا کا معنی ہوگا ہمارا سکھانا، تعلیم دینا۔ بعض نے کہا ذُوْ علم سے مراد ہے باعمل یعنی جو علم ہم نے یعقوبؑ کو عطا کیا تھا اس پر وہ عامل بھی تھے۔ سفیان کا قول ہے جو عالم علم کے مطابق عمل نہیں کرتا وہ عالم ہی نہیں ہے۔ بعض نے کہا ذُوْ علم سے مراد ہے نگہداشت رکھنے والا۔

وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦٨﴾ لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ یعنی یعقوبؑ کی بات کو یا تقدیر کو نہیں جانتے اور اس سے واقف نہیں کہ تدبیر تقدیر کو دفع نہیں کر سکتی۔ یا اس بات سے ناواقف ہیں کہ اللہ اپنے دوستوں کو الہام کر دیتا ہے۔

وَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ اور جب برادران یوسف۔ یوسفؑ کے پاس پہنچے۔ تو کہا آپ نے جو بھائی کو لانے کا حکم دیا تھا ہم اس کو لے آئے حضرت یوسفؑ نے کہا تم نے بہت اچھا کیا ٹھیک کیا اور تم کو عنقریب اس کا اچھا بدلہ ملے گا پھر آپ نے ان کو عزت اور آرام کے ساتھ ٹھہرایا اور ان کی مہمانی کی اور دستر خوان بچھوایا اور حکم دیا کہ آمنے سامنے دو دو بیٹھیں (یعنی دو دو شریک ہو جائیں حکم کی تعمیل کی گئی اور دو دو بیٹھ گئے) بنیامین تنہا رہ گئے اور رو پڑے اور کہنے لگے اگر میرا بھائی یوسفؑ زندہ ہوتا تو مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیتا حضرت یوسفؑ نے فرمایا تمہارا یہ بھائی اکیلا رہ گیا ہے میں اس کو اپنے ساتھ بٹھا لیتا ہوں، چنانچہ آپ نے بنیامین کو اپنے ساتھ دستر خوان پر بٹھا کر کھلایا۔ پھر رات ہوئی تو آپ نے بستر کرانے کا حکم دے دیا اور فرمایا دو دو بھائی ایک بستر پر ساتھ سو جائیں۔ بنیامین اس وقت بھی تنہا رہ گئے تو حضرت نے فرمایا یہ میرے ساتھ میرے بستر پر سو جائے گا۔ سوتے میں بنیامین کو یوسفؑ چمٹا لیتے تھے اور ان کی خوشبو سونگھتے تھے صبح تک یوں ہی کرتے رہے۔ روبیل کہنے لگا (بھائیو) ہم نے تو کبھی ایسا واقعہ دیکھا نہیں (کہاں بادشاہ مصر اور کہاں ہم اور ہم پر بادشاہ کی یہ مہربانی اور بنیامین پر یہ خصوصی عنایت) صبح کو حضرت یوسفؑ نے بھائیوں سے فرمایا میں دیکھ رہا ہوں کہ (یہ شخص اکیلا ہے) اس کا کوئی دوسرا رفیق نہیں ہے اس لئے اس کو میں اپنے ساتھ اپنے گھر میں رکھوں گا۔ اس کے بعد آپ نے ایک مکان میں قیام کرنے کا حکم دیا اور کھانا جاری کر دیا۔

أَوَىٰ إِلَيْهِ أَخَاهُ اور اپنے ساتھ اپنے بھائی بنیامین کو جمع کر لیا۔ اور اپنے ہی ساتھ اس کو ٹھہرا لیا۔ جب محفل

ع ۸ ۱۱ ۲

Marfat.com

چھٹ گئی اور تنہائی کا وقت آیا تو بنیامین سے پوچھا تمہارا کیا نام ہے بنیامین نے کہا، بنیامین، یوسف نے پوچھا بنیامین کا کیا معنی بنیامین نے کہا مردہ کا بیٹا (وضع حمل کی حالت میں بنیامین کی والدہ کا انتقال ہو گیا تھا) حضرت یوسفؑ نے کہا کیا تم پسند کرو گے کہ تمہارے مرحوم بھائی کی جگہ میں تمہارا بھائی بن جاؤں، بنیامین نے کہا بادشاہ کی طرح بھائی کس کو نصیب ہے، لیکن آپ یعقوبؑ اور راحیل کے بیٹے نہیں ہیں یوسف یہ سن کر رو دیئے اور کھڑے ہو کر ان کو گلے لگا لیا اور

قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ کہا میں حقیقت میں تمہارا بھائی ہوں یعنی یوسفؑ ہوں۔

فَلَا تَبْتَىِٕسْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ اب تم ان کی ان حرکات سے رنجیدہ نہ ہو جو ہمارے ساتھ یہ لوگ کرتے رہے ہیں۔ اللہ نے ہم پر انعام کرم کر دیا جو اطلاع میں نے تم کو دی ہے اس کی خبر ان کو نہ دینا۔ اس کے بعد آپ نے ہر بھائی کو ایک ایک بار شتر غلہ دے دیا اور بنیامین کو بھی اس کے نام کا ایک اونٹ بھر اناج دے دیا۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَایَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِیْهِ پھر جب ان کو سامانِ سفر دے کر تیار کر دیا تو پانی پینے کا کٹورا اپنے بھائی بنیامین کے سامان میں رکھ دیا۔ یعنی خادموں کو حکم دے دیا کہ کٹورا بنیامین کے سامان میں چھپا دو۔ خادموں نے چھپا دیا۔

سِقَایَة اور صُوَاع دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہے۔ سقایہ پانی پینے کا برتن جس میں بادشاہ پانی پیتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ برتن زبرجد کا تھا ابن اسحاق نے کہا چاندی کا تھا۔ کسی نے کہا سونے کا تھا۔ عکرمہ نے کہا چاندی کا تھا مگر مُرَصَّع تھا غلے کے احترام میں حضرت یوسفؑ نے اس کو غلہ ناپنے کا پیمانہ مقرر کر دیا تھا اور اس میں آپ پانی بھی پیتے تھے۔ سدی نے کہا بھائی کے سامان میں وہ پیمانہ پوشیدہ کرا دیا اور بھائی کو بتایا بھی نہیں۔ اس کو معلوم ہی نہ ہوا۔ کعب نے کہا جب حضرت یوسفؑ نے بنیامین سے کہا میں تمہارا بھائی ہوں تو بنیامین نے کہا اب تو میں تم کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا، آپ نے فرمایا تم واقف ہو کہ میری وجہ سے باپ پر کیسا غم پڑا تھا اب اگر میں تم کو روک لوں گا تو ان کا غم اور بڑھ جائے گا اور جب تک میں تم کو بدنام کر کے مشہور نہ کر دوں اور کسی نازیبا فعل کی تمہاری طرف نسبت نہ کر دوں اور ناروا حرکت کا مرتکب نہ قرار دے دوں اس وقت تک میں تم کو روک بھی نہیں سکتا (روکنے کا کوئی قانون نہیں اور جھوٹی وجہ جس قائم کرنے میں تمہاری بدنامی ہو گی) بنیامین نے کہا کچھ بھی ہو مجھے پروا نہیں جو بات آپ چاہیں کریں، میں آپ کو نہیں چھوڑوں گا۔ حضرت یوسفؑ نے کہا تو میں اپنا باپ تمہارے سامان میں پوشیدہ کرائے دیتا ہوں پھر تمہارے اوپر چوری کا الزام قائم کروں گا، تاکہ تم کو چھوڑ دینے (اور روانہ کر دینے) کے بعد پھر تم کو لوٹا لینا میرے لئے ممکن ہو سکے۔ بنیامین نے کہا آپ جو چاہے کریں۔

ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَیَّتُهَا الْعِیْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ پھر ایک اعلانچی نے پکارا اے قافلے والو تم یقیناً چور ہو۔

مؤذن منادی۔ لفظ ثُمَّ بتا رہا ہے کہ قافلے والوں کی روانگی سے کچھ وقت کے بعد اعلانچی نے اعلان کیا تھا (کیونکہ ثُمَّ فعل دوئم کی تاخیر اور کچھ مدت پہلے فعل سے پیچھے آنے کو ظاہر کرتا ہے جَاءَ زَیْدٌ ثُمَّ بَکْرٌ زید آیا کچھ مدت کے بعد بکر آیا۔ مترجم) اور واقعہ بھی اسی طرح ہوا تھا، قافلہ روانہ ہو گیا اور حضرت یوسفؑ نے اتنی تاخیر کی کہ قافلہ ایک منزل پہنچ گیا یا گھروں کی آبادی سے نکل گیا پھر ان کے پیچھے آدمی دوڑا یا جس نے پیچھے سے پہنچ کر ندا دی۔ اَلْعِیْر لدے ہوئے اونٹ، مجاز اُمراد اونٹوں والے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا یا خیلَ اللّٰہ ارکبوا اے اللہ کے سوار سوار ہو جاؤ۔ رواہ ابوداؤد عن حدیث سمرۃ بن جندبؓ (گھوڑوں کو خَیل کہتے ہیں مگر حدیث میں گھوڑوں کے سوار مراد ہیں) آمد و رفت رکھنے کی وجہ سے اونٹوں کو عِیْر کہا جاتا ہے۔ بعض نے کہا عِیر جمع ہے عَیَر کی۔ سَقَفٌ کی طرح۔ عین پر ضمہ تھا پھر یاء کی مناسبت کی وجہ کسرہ دے دیا گیا اور عِیر کا معنی ہے گدھا مجاز اُمراد ہوتا ہے گدھوں والا قافلہ پھر اس لفظ کے استعمال میں مزید توسیع کر لی گئی اور پھر قافلہ پر اس کا اطلاق ہونے لگا۔ مجاہد نے کہا وہ قافلہ گدھے سواروں ہی کا تھا۔ فراء نے کہا وہ اونٹ والے تھے (برادرانِ یوسفؑ چور نہ تھے پھر ان کو چور کیوں کہا اور

Marfat.com

چوری کی تہمت ان پر کیوں لگائی۔ اس سوال کے جواب میں) کہا جاسکتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کے حکم کے بغیر منادی نے یہ لفظ از خود کہہ دیا تھا یا یہ کہ حضرت یوسفؑ نے حکم دیا تھا اور بے ساختہ یہ لفظ ان کی زبان سے نکل گیا تھا یا یوں کہا جائے کہ واقعی وہ چور تھے حضرت یوسفؑ کو انہوں نے چرا لیا تھا۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اللہ ہی نے ایسا کہنے کا حکم دیا تھا اور اس سے کسی بات کی وجہ نہیں دریافت کی جاسکتی لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ اس میں حکمت حضرت یعقوبؑ کا امتحان تھا آئندہ ہم اس کا ذکر کریں گے۔

قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْھِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قافلے والے تلاش کرنے والوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے تمہاری کیا چیز گم ہو گئی (تم کس چیز کو ڈھونڈ رہے ہو) فَقَدٌ کسی چیز کا کھو جانا کہ یہ بھی معلوم نہ ہو وہ کہاں گئی اور کہاں ہے۔

قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ ۔ تلاش کرنے والوں نے کہا بادشاہ کا پانی پینے کا کٹورا ہم کو نہیں ملتا ہم اس کو تلاش کر رہے ہیں اور تمہارے سوا ہمارا خیال کسی اور پر نہیں ہے۔

وَ لِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِیْمٌ ﴿۷۲﴾ اور جو شخص اس کو لا کر حاضر کرے گا اس کو ایک بارِ شتر غلہ ملے گا اور میں اس کے دلوانے کا ذمہ دار ہوں..... یعنی بطورِ مزدوری اس کو ایک بارِ شتر غلہ ملے گا اور میں ذمہ دار ہوں اس کو مزدوری دوں گا (مزدوری سے مراد ہے اُجرت، معاوضہ، انعام۔ مترجم) اس آیت سے مزدوری اور کفالت اور کام سے پہلے مزدوری مقرر کر دینے کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ ﴿۷۳﴾

بولے خدا کی قسم تم یہ یقیناً جانتے ہو کہ ہم اس سرزمین میں فساد کرنے نہیں آئے اور ہم چور نہیں ہیں۔ یہ لوگ دو مرتبہ مصر آئے تھے اس لئے اہلِ مصر ان کی امانت داری سے واقف ہو چکے تھے جو سرمایہ ان کے سامان میں بندھ کر ان کے ساتھ چلا گیا تھا وہ بھی انہوں نے واپس لا کر دے دیا تھا اور اپنے جانوروں کے منہ پر انہوں نے جالیاں بھی چڑھا دی تھیں کہ کسی کی کھیتی باڑی پر منہ نہ ڈال دیں یہ تمام باتیں ان کی امانت داری پر دلالت کرتی تھیں اور لوگ ان باتوں سے واقف تھے، اسی لئے اہلِ مصر کے علم کو ان لوگوں نے اپنی شہادت میں پیش کیا۔

قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿۷۴﴾ (منادی اور اس کے ساتھیوں نے) کہا اگر تم لوگ بے گناہی کے دعویٰ میں جھوٹے ہو تو چور یا چوری کی سزا تمہارے نزدیک کیا ہونی چاہئے۔

قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۷۵﴾

انہوں نے جواب دیا اس چور کی سزا یہ ہے کہ جس کے سامان میں پیمانہ نکلے تو سامان والا ہی اس کا عوض ہے (یعنی اسی کو غلام بنا لیا جائے) اور ہم ظالموں یعنی چوروں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

حضرت یعقوبؑ کی شریعت میں چور کی یہی سزا تھی کہ جب چوری ثابت ہو جائے تو چور کو صاحبِ مال کے سپرد کر دیا جائے اور وہ چور کو اپنا غلام بنا لے۔ اس پر منادی نے کہا اچھا تو تمہارے سامان کی تلاشی لی جائے گی۔

روایت میں آیا ہے کہ سرکاری آدمی ان سب کو لوٹا کر لے گئے اور حضرت یوسفؑ نے سامان کی تفتیش کا حکم دیا۔

فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ پس اپنے بھائی کے تھیلے سے پہلے (دوسرے) بھائیوں کے تھیلوں کی تلاشی شروع کی، یعنی بنیامین کے سامان کی تلاشی سے پہلے ایک ایک کر کے بھائیوں کے سامان کی تلاشی لی اور انہیں کی تلاشی سے آغاز کیا تاکہ کسی کو شبہ نہ ہو۔ قتادہ نے کہا ہم سے بیان کیا گیا ہے کہ جب بھی کسی کے سامان کو کھولتے اور اس کے تھیلے کے اندر دیکھتے تھے تو تہمت لگانے کے گناہ کے خوف سے استغفر اللہ کہتے تھے (کیونکہ جانتے تھے کہ میں تلاشی غلط لے رہا ہوں یہ شخص چور نہیں ہے) جب سب کی تلاشی ہو چکی اور صرف بنیامین رہ گیا تو خود ہی بولے میرے خیال میں اس نے نہیں لیا ہے (اس کی تلاشی لینے کی ضرورت نہیں) بھائیوں نے کہا خدا کی قسم جب تک اس کی بھی تلاشی نہ لی جائے گی ہم نہیں چھوڑیں

Marfat.com

گے، اس سے آپ کے دل کو بھی پورا اطمینان ہو جائے گا اور ہمارے دلوں کو بھی۔

ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ ؕ آخر (بنیامین کا سامان کھولا اور) اپنے بھائی بنیامین کے تھیلے سے پیمانہ برآمد کر لیا۔ یہ دیکھ کر بھائیوں نے شرم کے مارے سر جھکا لئے اور بنیامین کی طرف رُخ کر کے کہنے لگے تو نے یہ کیا حرکت کی ہمارے منہ کالے کر دیئے ہم کو رُسوا کر دیا تو نے یہ کیا کب؟ اے لولادِ راحیل! تمہارے ہاتھوں ہمیشہ ہم پر مصیبت ہی آئی ہے، بنیامین نے کہا، اولادِ راحیل کو ہمیشہ تمہارے ہاتھوں مصائب اٹھانے پڑے ہیں تم نے ہی میرے بھائی کو لے جا کر جنگل میں ہلاک کیا (رہا یہ معاملہ تو) یہ پیمانہ اسی نے میرے سامان میں رکھا جس نے تمہارے سامانوں میں تمہارا سرمایہ رکھا تھا۔ غرض (بنیامین) غلامی میں پکڑ لیا۔ گیا اسی آدمی (یعنی تلاشی لینے والے) نے بنیامین کی گردن پکڑ کر یوسفؑ کے روبرو پیش کر دیا جیسے چوروں کو لے جایا جاتا تھا۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ؕ ایسی تدبیر ہم نے یوسفؑ کی خاطر کی تھی۔ کہ ہم نے یہ تدبیر اس کو سکھائی اور وحی بھیجی اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ منادی نے جو اِنکم لَسَارِقُوْن کہا تھا وہ کلام از خود نہ تھا بلکہ حضرت یوسفؑ کے حکم سے تھا اور آپ کا حکم بھی وحی پر مبنی تھا اس لئے گناہ نہیں تھا۔

بغوی نے لکھا ہے اس جگہ کَیْد سے مراد ہے کَیْد کا بدلہ یعنی جس طرح برادرانِ یوسف نے یوسفؑ کے ساتھ پہلے فریب کیا تھا اسی طرح اس وقت ہم نے ان کے ساتھ کیا۔ حضرت یعقوبؑ نے تو حضرت یوسفؑ سے پہلے ہی فرما دیا تھا فیکِیْدُوْا لَکَ کَیْدًا کہ وہ تم سے فریب کریں گے۔ پس جب انہوں نے فریب کیا تو ان کے معاملہ میں یوسفؑ کے لئے ہم نے بھی ویسا ہی کیا۔ بغوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ مخلوق کی طرف سے کَیْد کا معنی ہے سازش، فریب اور اللہ کی طرف سے کَیْد کا معنی ہے صحیح (مخفی) تدبیر۔

مَا كَانَ لِيَاْخُذَ اَخَاهُ فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ (ہم نے یہ تدبیر اس لئے کی) کہ یوسف بادشاہِ (مصر) کے مذہب (اور قانون) کے اعتبار سے اپنے بھائی کو لے نہیں سکتے تھے (اور اپنے پاس روک نہیں سکتے تھے) بادشاہ کے قانون و مذہب میں تو چور کو مارا جاتا تھا اور چوری کے مال سے دوگنا جرمانہ کیا جاتا تھا۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس جگہ دین کا ترجمہ کیا سلطان، عملداری اور قتادہ نے کہا حکم اور قانون۔

اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؕ ہاں اللہ کو منظور ہوتا تو وہ اس حکم کو بادشاہ کا حکم کر سکتا تھا (استثناء منقطع ہے) چنانچہ ایسا ہی ہوا حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے دریافت کیا کہ تمہارے نزدیک چور کی سزا کیا ہونی چاہئے تو اللہ نے ان سے کہلوا دیا کہ چوری کی سزا یہ ہے کہ چور کو مالک مال کا غلام بن جانا ہوگا اس طرح بمشیتِ الٰہی حضرت یوسفؑ کا مقصد حاصل ہو گیا۔

نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ (علم عطا فرما کر) ہم جس کو چاہتے اونچے درجے عنایت کرتے ہیں۔

وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ ۝ اور ہر جاننے والے سے اوپر دوسرا جاننے والا ہے یعنی ہر ذی علم مخلوق سے زیادہ اللہ علیم ہے۔ علیم کا معنی ہے بہت زیادہ علم رکھنے والا (مراد اللہ) یا ہر ذی علم مخلوق سے اوپر دوسری ذی علم مخلوق ہے۔ خواہ یہ فوقیتِ علمی بعض لحاظ سے ہو جیسے حضرت خضر کو بعض اعتبار سے حضرت موسیٰؑ پر علمی فوقیت حاصل تھی (اگرچہ حضرت موسیٰؑ نبیٔ مرسل ہونے کی وجہ سے صاحبِ شریعت تھے اور حضرت خضرؑ پر علمی برتری رکھتے تھے مگر بعض کائناتی واقعات کا انکشاف حضرت خضرؑ کو تھا حضرت موسیٰؑ کو نہ تھا) اسی بناء پر حضرت خضرؑ نے حضرت موسیٰؑ سے کہا تھا موسیٰؑ جو علم مجھے اللہ نے عطا فرمایا ہے اس سے تم ناواقف ہو اور جو علم تم کو اللہ نے عطا فرمایا ہے اس کو میں نہیں جانتا۔ یہ حدیث بخاری نے حضرت خضرؑ و موسیٰؑ کے طویل قصہ کے ذیل میں نقل کی ہے۔ یہ بھی رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا تم اپنی دنیا کے کاموں کو خود ہی مجھ سے زیادہ جانتے ہو۔ آیت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی شخص ہر اعتبار اور ہر حیثیت سے دوسرے سے برتر ہے ورنہ تسلسلِ علمی لازم آئے گا (اگر علم کی انتہا اللہ کی ذات پر نہ مانی جائے اور یونہی مخلوق میں باہم علمی برتری اور کامل برتری کا سلسلہ قائم کیا



Marfat.com

جائے تو یہ برتری کہیں جا کر نہیں ٹھیرے گی۔ علمی تسلسل کا یہی معنی ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ہر عالم کے اوپر دوسرا عالم ہے اور یہ سلسلہ اللہ کی ذات پر جا کر ختم ہوتا ہے پس اللہ ہر عالم سے بڑھ کر علم رکھنے والا ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ　　برادرانِ یوسفؑ نے کہا اگر یہ بنیامین چوری کرتا ہے تو کوئی تعجب نہیں اس سے پہلے اس کے ایک بھائی نے بھی چوری کی تھی۔ یعنی یوسفؑ نے بھی چوری کی تھی جو اس کا مال جایا تھا۔ سعید بن جبیرؒ اور قتادہ نے کہا حضرت یوسفؑ کے نانا کا ایک بت تھا وہ اس کی پوجا کرتا تھا حضرت یوسفؑ نے خفیہ طور پر اس کو لے لیا اور توڑ کر راستہ میں پھینک دیا تاکہ نانا اس کی پوجا نہ کر سکے۔ کذا اخرج ابن مردویہ عن ابن عباسؓ مرفوعاً۔ ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے سعید جبیرؓ کی روایت سے بھی اسی طرح یہ حدیث نقل کی ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد نے بیان کیا ایک روز ایک سائل آیا حضرت یوسفؑ دستر خوان سے (چھپا کر) کچھ کھانا اٹھا لیتے تھے اور فقیروں کو دے دیتے تھے اس روز بھی ایسا ہی کیا۔

میں کہتا ہوں حضرت یوسفؑ سخی گھرانے کے ایک فرد تھے اور فقیروں کو دینے پر حضرت یعقوبؑ راضی تھے اس لئے یہ چوری نہ تھی بھائیوں نے یوسفؑ کی جلن کی وجہ سے اس کو چوری کہا۔

محمد بن اسحاق نے مجاہد کے حوالہ سے بیان کیا کہ حضرت یوسفؑ کی والدہ راحیل کا انتقال ہو گیا تو آپ اپنی پھوپھی بنت اسحاق کے پاس رہنے لگے پھوپھی کو آپ سے بڑی محبت تھی اور پھوپھی نے ہی آپ کو پرورش کیا جب آپ بڑے ہو گئے تو حضرت یعقوبؑ کو آپ سے حد سے زیادہ محبت ہو گئی اور آپ نے اپنی بہن سے کہا بہن اب تم یوسفؑ کو مجھے دے دو۔ خدا کی قسم یوسفؑ کا ایک ساعت بھی میری نظر سے غائب ہونا میرے لئے ناقابلِ برداشت ہو گیا ہے، بہن نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا حضرت یعقوبؑ نے فرمایا میں اس کو چھوڑنے والا نہیں۔ بہن نے کہا اچھا تو چند روز کے لئے میرے پاس رہنے دو شاید چند روز کے بعد اللہ مجھے اس کی طرف سے صبر عطا کر دے حضرت یعقوبؑ نے یہ بات مان لی حضرت اسحاق کی کمر کا ایک پٹکا تھا اور بطورِ وراثت بڑی اولاد کو ملتا تھا حضرت یعقوبؑ کی بہن آپ سے بڑی تھیں اس لئے وہ پٹکا بہن کو ملا تھا اور اس کے پاس تھا۔ بہن نے یہی پٹکا حضرت یوسفؑ کی کمر سے کپڑوں کے اندر لپیٹ دیا، پھر خود ہی کہا حضرت اسحاق کا پٹکا گم ہو گیا ہے، گھر والوں کی تلاشی لی جائے گی، چنانچہ سب کی تلاشی لی گئی تو حضرت یوسفؑ کے پاس برآمد ہو گیا، حضرت یعقوبؑ کی بہن نے کہا کہ اب تو یہ میری سپردگی میں رہے گا، حضرت یعقوبؑ نے فرمایا اس نے اگر ایسا کیا ہے تو تمہاری ہی سپردگی میں رہے گا (حضرت اسحاقؑ کی شریعت میں چور کا مالک مال والا ہو جاتا تھا) غرض اس تدبیر سے حضرت یعقوبؑ کی بہن نے حضرت یوسفؑ کو مرتے دم تک اپنے پاس روکے رکھا۔ یہی بات آپ کے بھائیوں نے آپ کے متعلق کہی اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ط

فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ　　بھائیوں کی یہ بات یوسفؑ نے اپنے دل میں چھپالی گویا سنی ان سنی کر دی اور ان پر ظاہر بھی نہیں کیا کہ میں نے تمہاری یہ بات سن لی ہے یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت یوسفؑ نے جو بات دل میں چھپالی تھی اور بھائیوں سے نہیں کہی تھی وہ بات وہی تھی جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے یعنی

قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ　　یوسفؑ نے کہا یعنی دل میں کہا کہ اس چوری کے درجہ میں تو تم اور بھی برے ہو۔ یعنی یوسفؑ نے اپنے دل میں کہا کہ تم نے تو اپنے بھائی کو چرا لیا تو تم یوسفؑ سے زیادہ برے ہو یا یہ مطلب ہے کہ تم نے چوری کی نسبت یوسفؑ کی طرف کی اس سے زیادہ بری تو تمہاری حرکت ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ۝　　اور جو کچھ تم بیان کر رہے ہو اس سے بخوبی اللہ واقف ہے۔ یعنی اللہ خوب جانتا ہے کہ جو کچھ تم بیان کر رہے ہو وہ غلط ہے۔

جب حضرت یوسفؑ نے بنیامین پر قبضہ کر لیا تو بھائی غضب ناک ہو گئے۔ اولادِ یعقوب کو غصہ آتا تھا تو ان کے غصہ کو برداشت کرنے کی تاب کسی میں نہیں رہتی تھی۔ روبیل کی تو یہ حالت تھی کہ اس کے غصہ کے سامنے کوئی چیز ٹھہری نہیں

Marfat.com

رہتی تھی جب وہ غصہ سے چیختا تھا تو حاملہ عورتوں کے حمل وحشت کی وجہ سے گر جاتے تھے لیکن یہ بھی ان کی خصوصیت تھی کہ غصہ کی حالت میں اگر نسلِ یعقوبؑ میں سے کوئی شخص ان کو ہاتھ سے چھو دیتا تھا تو غصہ فرو ہو جاتا تھا۔ بعض روایت میں آیا ہے کہ یہ خصوصیت اور حالت شمعون کی تھی۔

غرض سب بھائی یوسفؑ کے پاس پہنچے روبیل نے کہا یا تو ہمارے بھائی کو واپس دو ورنہ میں ایسی چیخ ماروں گا کہ مصر کی ہر حاملہ عورت کا حمل گر جائے گا غصہ سے روبیل کے بدن کے بال کھڑے ہو گئے اور کپڑوں سے باہر نکل آئے حضرت یوسفؑ کا ایک چھوٹا بچہ تھا آپ نے بچہ سے فرمایا روبیل کے برابر جا کر اس کو ہاتھ سے چھو دو، دوسری روایت میں آیا ہے آپ نے بچے سے فرمایا اس کا ہاتھ پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ بچے نے جا کر روبیل کو ہاتھ لگا دیا۔ بچے کا ہاتھ لگانا تھا کہ روبیل کا غصہ جاتا رہا، کہنے لگا یہاں یعقوبؑ کے تخم کا کوئی تخم ضرور موجود ہے۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا (یعقوبؑ کے تخم کا تخم کیا) یعقوب کا بیٹا موجود ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ روبیل کو دو بار غصہ آیا تو حضرت یوسفؑ نے اس کے ایک ٹھوکر ماری اور گریبان سے پکڑ کر زمین پر گرا دیا اور فرمایا عبرانیو! تم گمان کرتے ہو کہ تم سے زیادہ طاقتور دنیا میں کوئی اور نہیں ہے۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچ گیا اور بھائی سمجھ گئے کہ بنیامین کو کسی طرح چھڑا نہیں سکتے تو عاجزی کرنے لگے اور نرم پڑ گئے اور

قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۷۸﴾

کہنے لگے اے عزیز اس کا بوڑھا باپ ہے (جو اس سے بڑی محبت کرتا ہے اس کا بھائی تو مر چکا ہے یہی باپ کے دل کا بہلاوا ہے مہربانی کیجئے) اور ہم میں سے کسی ایک کو اس کی جگہ پکڑ لیجئے ہم جانتے ہیں کہ آپ بھلائی کرنے والوں میں سے ہیں (بھلائی اور مہربانی کرنے کی آپ کی عادت ہی ہے آپ اپنے اخلاق کو نہ بدلیں آپ نے ہم پر کرم کیا ہے ہم کو پورا پورا غلہ دیا اچھی طرح مہمان رکھا، ہمارا سرمایہ بھی ہم کو لوٹا دیا پس یہ بھی کرم کیجئے کہ اس کی جگہ ہم میں سے کسی اور کو پکڑ لیجئے۔

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ ۙ یوسفؑ نے کہا جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہے اس کی جگہ دوسرے کو پکڑ لیں اس ناانصافی سے اللہ کی پناہ (ایسا نہیں کر سکتے مجرم کی جگہ دوسرے کو پکڑنا تو تمہارے فتوے کے لحاظ سے بھی ظلم ہے)

حضرت نے مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗ فرمایا مَنْ سَرَقَ نہیں فرمایا کیونکہ بنیامین نے چوری نہیں کی تھی، اس کے سامان میں شاہی پیمانہ ملا تھا۔

اِنَّآ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع اگر ہم ایسا کریں گے تو (تمہارے ہی قانون اور فتوے کی رو سے اس وقت) ہم ظالم ہوں گے۔ حضرت یوسفؑ کے کلام کا مفہوم اور مقصد یہ تھا کہ اللہ نے حکم دیا ہے کہ جس کے سامان میں پیمانہ برآمد ہو اس کو پکڑ لیا جائے ہم اللہ کی رضامندی کے لئے ایسا کریں گے اس کے خلاف کریں گے تو ظلم ہوگا اور ہم ظالم قرار پائیں گے۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ جب بھائی کی طرف سے ناامید ہو گئے تو الگ جا کر باہم مشورہ کیا۔ ابو عبیدہ نے ترجمہ کیا جب انہوں نے یقین کر لیا کہ بنیامین کی واپسی نہیں ہو سکتی۔

نجیا بمعنی جمع ہے اگرچہ لفظ مفرد ہے یعنی الگ جا کر ایک نے دوسرے سے مشورہ کیا اور سب مشورہ کرنے لگے۔

قَالَ كَبِيْرُهُمْ بڑے نے کہا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا عمر میں بڑا ہونا مراد نہیں، بلکہ علم و فضل میں بڑا ہونا مراد ہے، اور یہ یہودا تھا، کلبی کا بھی یہی قول ہے۔ قتادہ، سدی اور ضحاک کے نزدیک عمر میں بڑا مراد ہے یہ روبیل تھا، اسی نے حضرت یوسفؑ کو قتل کرنے سے بھائیوں کو روکا تھا، مجاہد نے کہا وہ شمعون تھا بھائیوں کا سفر میں وہی سردار تھا۔

اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ کیا تم ناواقف ہو کہ تمہارے باپ نے تم سے اللہ کی قسم کے ساتھ مضبوط عہد لے لیا تھا۔

وَمِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ ۚ اور یوسفؑ کے معاملہ میں بھی جو تم قصور کر چکے ہو کیا تم اس سے

Marfat.com

ناواقف ہو۔ مَا فَرَّطْتُّمْ میں مَا زیادہ ہے یا مصدری یا صولہ۔ بیضاوی کے نزدیک مَا محلِّ رفع میں نہیں ہو سکتا۔ یعنی اس کو مبتدا نہیں قرار دیا جاسکتا۔ کیونکہ مِنْ قَبْلُ اس وقت خبر ہوگا تو قَبْلُ کا مضاف الیہ مذکور ہونا ضروری ہے۔

فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْۤ اَبِيْۤ اس لئے میں اس سرزمین کو ہرگز نہیں چھوڑوں گا تاوقتیکہ میرا باپ مجھے اجازت نہ دے۔

اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ یا اللہ حکم دے دے یعنی یعقوبؑ کی معرفت اللہ مجھے یہاں سے جانے اور بھائی کو چھوڑ جانے کا حکم بھیج دے یا میری موت کا حکم بھیج دے یا میرے بھائی کو رہا کرنے کا حکم دے دے یا بھائی کو چھڑانے کے لئے اہلِ مصر سے لڑنے کا حکم دے دے۔

وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اور وہ سب حاکموں سے اعلیٰ اور بالا ہے اس کا حکم غلط نہیں ہوتا۔

اِرْجِعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ ۚ تم لوگ اپنے والد کے پاس لوٹ جاؤ اور جاکر کہہ دو ابا آپ کے بیٹے بنیامین نے چوری کی۔ یعنی بظاہر امر ہم نے اس کے سامان سے چوری کا مال برآمد ہوتے دیکھا (جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی نے چوری کی)

وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا اور ہم تو وہی بیان کرتے ہیں جو مشاہدہ سے ہم کو معلوم ہوا۔ یعنی ہم جو کہہ رہے ہیں کہ اس نے چوری کی اس وجہ سے کہہ رہے ہیں کہ ہم کو یقین ہو چکا اور ہم نے خود دیکھ لیا کہ بادشاہ کا پیمانہ اس کے تھیلے سے برآمد ہوا۔ بعض اہلِ تفسیر نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہم نے کوئی شہادت کبھی بغیر ذاتی علم کے نہیں دی اس لئے ہماری طرف سے شہادت نہیں ہے (ہم کو حقیقت کا کیا علم ہمارے سامنے تو اس نے چرایا نہیں۔ مترجم) بلکہ آپ کے بیٹے کی حرکت کی اطلاع ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ حضرت یعقوبؑ نے ان سے فرمایا عزیز مصر کو تو معلوم نہ تھا کہ چور کو چوری کی سزا میں غلام بنالیا جاتا ہے یہ بات اس کو تمہارے قول سے معلوم ہوئی اس کے جواب میں بیٹوں نے کہا ہم نے تو عزیز مصر سے وہی بات کہی جو ہم کو (اپنے مذہب سے) معلوم تھی۔ حضرت یعقوبؑ اور آپ کی اولاد کا چور کے متعلق شرعی فیصلہ یہی ہوتا تھا۔

وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ ﴿۸۱﴾ اور غیب کی باتوں کے تو ہم حافظ تھے نہیں (یا یہ ترجمہ ہے کہ باطنی احوال کے تو ہم نگراں تھے نہیں) حضرت ابن عباسؓ نے ترجمہ کیا ہم رات دن اس کے اٹھنے بیٹھنے اور آنے جانے کے تو نگراں تھے نہیں، ممکن ہے رات کو اس کے سامان میں پیمانہ چھپا دیا گیا ہو (اور واقع میں اس نے نہ چرایا ہو) مجاہد اور قتادہ نے یوں مطلب بیان کیا کہ جب قسم کھا کر ہم نے عہد کیا تھا تو ہم کو معلوم نہ تھا کہ آپ کا بیٹا آئندہ چوری کرے گا (اور پکڑا جائے گا) اور آپ پر ویسی ہی بپتا پڑے گی، جیسی یوسفؑ کی پڑی تھی ہم نے جو اس کی حفاظت کا وعدہ کیا تھا تو انہی چیزوں سے کیا تھا جن سے حفاظت ممکن تھی۔

وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا اور اس بستی سے جہاں ہم تھے آپ دریافت کرلیں۔ قریہ سے مراد ہے مصر۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مصر کا وہ گاؤں مراد ہے جہاں منادی نے آکر روکا تھا اور اسی جگہ سے ان کو مصر واپس لوٹنا پڑا تھا۔

وَالْعِيْرَ الَّتِيْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا اور جس قافلے میں ہم آئے ہیں اس سے بھی آپ دریافت کرلیں۔ حضرت یعقوبؑ کے ہم وطن کچھ کنعانی باشندے بھی اسی قافلے میں آئے تھے ابن اسحاق نے کہا جو بھائی مصر میں رُک گیا تھا وہ جانتا تھا کہ یوسف کے سابق واقعہ کی وجہ سے میں اور میرے بھائی باپ کی نظر میں متہم ہیں اس لئے اس نے بھائیوں سے کہا کہ باپ سے یہ بات کہنا۔

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اور ہم بلاشک و شبہ یقیناً سچے ہیں۔

بقولِ بغوی ایک شبہ

حضرت یوسفؑ نے باپ کو اپنی موجودگی کی اطلاع نہیں دی بلکہ اپنے بھائی بنیامین کو بھی ہمیشہ کے لئے روک لیا اور باپ

Marfat.com

سے جدا کر دیا حالانکہ آپ کو معلوم تھا کہ میری جدائی میں باپ کا کیا حال ہوا اور بنیامین کے چھوٹنے سے کیا حال ہوگا، آپ کے اس کردار سے تو قطع رحم، عقوق اور سنگ دلی کا مظاہرہ ہو رہا ہے آپ نے ایسا کیوں کیا۔

## حضرت مفسرؒ کی صراحت کے موافق شبہ کا ازالہ

لوگوں نے اس کردار اور سلوک پر بہت لے دے کی ہے، صحیح بات یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ نے اپنے قلبی تقاضوں کے خلاف یہ سب کچھ اللہ کے حکم کی تعمیل میں کیا۔ اللہ کو یعقوبؑ کا پے در پے کڑا امتحان لینا تھا تاکہ ان کے درجات میں ترقی کی جائے اور اسلاف کی صف میں ان کو شامل کر دیا جائے (حضرت ابراہیمؑ کا بھی تو بار بار بہت سخت امتحان لیا گیا ہے یہاں تک کہ بیٹے کو خود ذبح کر دینے کا حکم دیا گیا ہے اور اس سے پہلے بے آب و گیاہ، ویران ریگستان میں شیر خوار بچہ اور اس کی ماں کو ڈال دینے کا حکم ہو چکا تھا مگر یہ تمام امتحان درجات نبوّت تھے جس میں حضرت ابراہیم پورے اترے اس سے کم درجے کا امتحان حضرت یعقوبؑ کا لیا گیا اور فقط بیٹوں کو باپ سے جدا کر دیا گیا۔ مترجم)

بعض نے کہا حضرت یوسفؑ نے بھائیوں سے اپنا یوسفؑ ہونا ظاہر نہیں کیا کیونکہ آپ کو اندیشہ تھا کہ بھائی کوئی اور سازش نہ کریں اور باپ کو جا کر اطلاع نہ دیں، باپ سے چھپالیں (آپ چاہتے تھے کہ اس تدبیر سے باپ مصر میں آجائیں اور آکر اپنی آنکھوں سے یوسفؑ کی حالت دیکھیں۔ مترجم) اول جواب ہی صحیح ہے دوسرا جواب کچھ نہیں ہے۔

یہ فقیر مترجم کہتا ہے کہ حضرت یوسفؑ کو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا کہ گیارہ ستارے اور چاند سورج ان کو سجدہ کر رہے ہیں اور ظاہر ہے کہ اس خواب کی تعبیر پوری ہونی تھی جس کی ظہوری صورت اللہ نے یہ پیدا کر دی گویا جو کچھ ہوا اس سب کا اہتمام اللہ نے ظہور واقعہ سے پہلے کر دیا تھا ترتیب ظہوری تو بعد کو ہوئی اس لئے شبہ کی کوئی گنجائش نہیں اور حضرت مفسر قدس سرہ کا جواب ہی صحیح جواب ہے۔

غرض بڑے بھائی کو مصر میں چھوڑ کر دوسرے نو بھائی کنعان کو لوٹ آئے اور بڑے بھائی نے جو کچھ کہا تھا وہ باپ سے عرض کر دیا۔

قَالَ یعقوبؑ نے کہا۔ بات یوں نہیں جیسی تم نے بیان کی۔

بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ بلکہ تم نے خود اپنے دل سے اپنے لئے ایک بات بنالی ہے بادشاہ کو کب معلوم تھا کہ (شریعت اسرائیلی میں) چور کو پکڑ کر غلام بنا لینے کا حکم ہے تم خود اس غرض کے لئے بھائی کو مصر لے گئے تاکہ تم کو کچھ فوری فائدہ مل جائے۔

فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ سو صبر ہی کروں گا جس میں شکایت کا نام نہ ہوگا (یعنی لوگوں سے شکایت نہ ہوگی)

عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا ؕ اللہ سے امید ہے کہ ان سب کو مجھ تک پہنچا دے گا یعنی یوسفؑ کو بنیامین کو اور جو بھائی مصر میں رہ گیا ہے ان کو سب کو۔

اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ﴿۸۳﴾ (میرے اور ان کے احوال سے) وہی خوب واقف ہے (اور اپنے انتظام اور تدبیر میں) حکمت والا ہے۔ اس نے مجھے اس دکھ میں بھی کسی مصلحت ہی سے ڈالا ہے۔ بنیامین کے قید اور غلام ہو جانے کی اطلاع جب حضرت یعقوبؑ کو پہنچی تو اس وقت آپ کا غم واندوہ آخری حد پر پہنچ گیا اور خیال کر لیا کہ ان بیٹوں کی سازش سے مجھے یہ پیہم دکھ پہنچے ہیں۔

وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ اور سب کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

وَقَالَ یٰۤاَسَفٰى عَلٰى یُوْسُفَ اور افسوس و حسرت سے کہنے لگے ہائے یوسفؑ۔ اَسَف کا معنی ہے انتہائی حزن و اندوہ۔ اَسَف اصل میں اَسْفِی بیاء متکلم تھا۔ عبدالرزاق اور ابن جریر نے موقوفاً سعید بن جبیر کا قول نقل کیا ہے کہ سوائے امت محمدیہ کے کسی اور امت کو مصیبت کے وقت اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ کہنے کی تعلیم نہیں دی گئی۔ حضرت یعقوبؑ پر

Marfat.com

بھی پتا پڑی تو انہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ نہیں کہا بلکہ حسرت و افسوس کا اظہار کیا۔ بیہقی نے بھی یہ روایت شعب الایمان میں نقل کی ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ ضعیف سند میں بوساطتِ حضرت ابن عباسؓ اس کو مرفوعاً بیان کیا گیا ہے۔ ثعلبی نے سعید بن جبیرؓ کے طریق سے اس کو مرفوعاً بیان کیا ہے۔

وَابْیَضَّتْ عَیْنٰہُ مِنَ الْحُزْنِ فَھُوَ کَظِیْمٌ ﴿۸۴﴾ اور روتے روتے ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ غم سے جی ہی جی میں گھٹا کرتے۔

یعنی روتے روتے آنکھوں کی سیاہی جاتی رہی اور نابینا ہو گئے۔ مقاتل نے کہا چھ برس نابینا رہے۔ بعض اہلِ تفسیر نے تشریح کی کہ نگاہ کمزور ہو گئی (یعنی آنکھوں کے سفید ہونے سے مراد ہے نگاہ کا ضعف)

کَظْم سانس کا مخرج اَخَذَ بِکَظْمِہٖ اس نے فلاں شخص کے سانس باہر آنے کے راستے کو پکڑ لیا۔ کظوم سانس رک جانا، سانس بند ہو جانا، مجازی معنی خاموش ہو جانا۔ کظیم بمعنی کاظم جس کا سانس رک گیا ہو بند ہو گیا ہو۔ مطلب یہ کہ یعقوبؑ اپنے غم و غصے کو ضبط کرنے والے تھے لوگوں سے کہتے نہ تھے۔ اسی سے ہے کظم البعیر اونٹ نے جگالی کرنی چھوڑ دی اور کھائی ہوئی غذا پیٹ میں روک لی۔

کظم السقاء بھرنے کے بعد مشک کا منہ باندھ دیا۔ کظیم کا معنی کبھی پُر (بھرا ہوا) بھی آتا ہے۔ بھری ہوئی مشک کا منہ باندھ دیا جاتا ہے اور جو کچھ اس کے اندر ہوتا ہے بند کر دیا جاتا ہے۔ مؤخر الذکر معنی کے لحاظ سے کظیم بمعنی کظوم ہو سکتا ہے یعنی غم و غصہ سے بھرا ہوا۔

قتادہ نے کہا حضرت یعقوبؑ کے سینے میں غم گھومتا تھا مگر زبان سے کلمۂ خیر کے سوا کچھ نہیں کہتے تھے۔ حسن نے کہا جس روز سے یوسفؑ باپ کی گود سے جدا ہوئے اس روز سے یوم ملاقات تک اسّی ۸۰ سال گزر گئے اور اس مدت میں یعقوبؑ کا آنسو خشک نہیں ہوا باوجود یہ کہ آپ کے زمانے میں روئے زمین پر آپ سے زیادہ اللہ کے نزدیک کسی کی عزت نہ تھی اور اللہ کو آپ سے زیادہ پیارا کوئی نہ تھا۔

## تنقیح مبحث

علماء تصوّف اور اصحابِ معرفت کہتے ہیں کہ فناء قلب کے بعد صوفی کے دل کا لگاؤ اللہ کے سوا کسی سے نہیں رہتا اور سوائے محبوبِ حقیقی کے کسی مخلوق کی محبت کی گنجائش ہی نہیں رہتی، حضرت یعقوبؑ تو جلیل القدر پیغمبر اور صاحبِ بصیرت مقرّبِ ولی اللہ تھے، یوسفؑ کی محبت آپ کے دل میں کیسے سما گئی اور فراقِ یوسف میں اتنے کیوں روئے کہ نورِ نظر جاتا رہا۔ اگر اس کی یہ توجیہ کی جائے کہ سارا عالم جلوہ گاہِ الوہیت اور آئینۂ حقیقت ہے یوسفؑ سے حضرت یعقوبؑ کے دل کی وابستگی حقیقت سے دوسروں سے دل کا لگاؤ نہ ہونے کی کیا وجہ۔ اس کے علاوہ یہ کہ عالم کو جلوہ گاہ حقیقت سمجھ کر غیر اللہ سے دل کی وابستگی تو علمِ تصوّف کی ابتداء یا توسّط کا درجہ ہے، حضرت یعقوبؑ تو کاملین میں سے تھے معرفت کی آخری چوٹی پر پہنچے ہوئے تھے ان کے دل کا یوسفؑ سے لگاؤ اور وابستگی کس طرح ممکن تھی۔ اس شبہ کو دور کرنے کے لئے مندرجہ ذیل تنقیح پر غور کرو۔

تنقیح:۔

فناء کے بعد صوفی کے دل کا لگاؤ کسی دنیوی چیز سے نہیں رہتا آخرت سے تعلق رکھنے والی چیزوں کی حالت اس سے جدا ہے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے دنیا ملعون ہے اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ ملعون ہے، مگر اللہ کی یاد اور اللہ کی یاد پیدا کرنے والی چیزیں اور عالم اور طالب علم (ملعون نہیں ہے) یہ حدیث ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اور طبرانی نے صحیح سند سے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کی ہے بزار نے بھی حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ایسا ہی نقل کیا ہے اور طبرانی نے صحیح سند سے حضرت ابودرداءؓ کی روایت سے بھی اس کو بیان کیا ہے۔

آخرت اللہ کو پسند ہے اور اس سے دل کا تعلق بھی پسند ہے ارشاد خداوندی ہے وَاذْکُرْ عِبَادَنَا اِبْرٰھِیْمَ وَ اِسْحٰقَ وَ

Marfat.com

یَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ میرے خاص بندوں ابراہیمؑ، اسحاقؑ، اور یعقوبؑ کا ذکر کرو جو طاقت والے اور صاحبانِ بصیرت تھے۔ یعنی اللہ کی اطاعت میں قوی اور اللہ کی معرفت و بصیرت رکھنے والے تھے۔

اِنَّآ اَخْلَصْنٰهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدَّارِ ہم نے ان کو ایک خصلت خالص طور پر عطا کی تھی جس میں کوئی کدورت اور آمیزش نہ تھی یعنی دارِ آخرت کی یاد کیلئے مخصوص کر دیا تھا۔ مالک بن دینار نے فرمایا مراد یہ ہے کہ ہم نے دنیا کی محبت اور یاد اُن کے دلوں سے نکال لی تھی اور آخرت کی محبت اور یاد کیلئے ان کو مخصوص کر دیا تھا ہر عمل و ترک عمل میں آخرت ہی ان کے پیشِ نظر رہتی تھی۔ آخرت ہی کو دارِ مکان کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ دنیا مکان نہیں گزرگاہ ہے اور مکان صرف آخرت ہے۔ یہ آیت واضح طور پر بتا رہی ہے کہ آخرت اور آخرت کی یاد ہی اللہ کو پسند ہے اور آخرت کی ہر چیز قابل پسندیدگی اور مستحق ستائش ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے خواب میں کہا گیا کہ ایک سردار نے ایک مکان بنوایا (مکان کے اندر) دستر خوان لگوایا اور کھانے والوں کو بلانے کے لئے ایک بلانے والے کو بھیجا بلانے والے نے جا کر لوگوں کو کھانے کی دعوت دی داعی کی دعوت کو جس نے قبول کر لیا اس نے گھر کے اندر آ کر دستر خوان سے کھانا کھالیا۔ اور سردار اس سے خوش ہو گیا اور جس نے داعی کی دعوت کو قبول نہیں کیا وہ گھر میں داخل نہ ہوا اور نہ کھانا کھایا اور سردار اس سے ناراض ہو گیا۔ پس اللہ سردار ہے محمدؐ داعی ہے اور گھر اسلام ہے اور دستر خوان جنت ہے رواہ الدارمی عن ربیعۃ الجرشی۔

یہ معرفت کی وہ چوٹی ہے جس پر کاملین ہی کی رسائی ہے، عوام اور ابتدائی زینے پر قدم رکھنے والوں کا تو ذکر ہی کیا ہے درمیانی درجہ والوں کی بھی وہاں تک پہنچ نہیں ہے۔ رابعہ بصری کو اگر معرفت کی یہ رفعت حاصل ہوتی تو وہ نہ کہتیں کہ میں جنت کو جلا دینا چاہتی ہوں تاکہ جنت کے لالچ میں لوگ اللہ کی عبادت نہ کریں۔ خالص اللہ کے لئے اس کی عبادت کریں، کیا ان کو یہ آیت معلوم نہ تھی، اللہ تو فرماتا ہے۔ مَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ اللّٰهِ فَاِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ لَاٰتٍ یعنی جو شخص اللہ سے ملنے کا امیدوار ہے تو اللہ کی ملاقات کا وقت آخرت میں ضرور آنے والا ہے اور جنت اس کی ملاقات کا نام ہے۔

ایک اور حدیث میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا جنت کی مٹی پاکیزہ (خوشبودار) اور اس کا پانی شیریں ہے اور وہاں بڑے میدان ہیں (جہاں سرسبز درخت ہیں) اور اس کے درخت یہ (تسبیحی کلمات) ہیں سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ۔ رواہ الترمذی عن ابن مسعودؓ۔ شیخین نے صحیحین میں اور حاکم و طبرانی نے یہ الفاظ نقل کئے ہیں تمہارے لئے ہر ایک لفظ کے بدلہ میں جنت کے اندر ایک درخت لگایا جائے گا۔

حضرت مجدد قدس سرہ نے فرمایا تسبیحی معنی کا دنیوی لباس تو یہی (سبحان اللہ وغیرہ) حروف والفاظ ہیں آخرت میں ان کا پیرایۂ ظہور جنت کے پھل و درخت ہیں (دنیا میں ان کلمات کے ساتھ اور آخرت میں جنت کے ساتھ) محبت کا تعلق گویا تسبیحی معنی سے وابستگی (کی شکل) ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں کہتا ہوں کہ ہر شخص کی جنت یہ ہے کہ اللہ کے اسماء و صفات میں سے جو اسم بھی اس شخص کے تعین اور تشخص کا مبداء ہے اس کا ظہور ہو جائے اور یہ ظہور اس شخص کے لئے درختوں، نہروں، شاندار مکانوں اور حور و غلمان کی شکل میں ہو گا اور چونکہ اللہ کے اسماء و صفات میں تفاوت ہے کوئی صفت جامع ہے کوئی غیر جامع۔ کسی کا قرب ذات سے زیادہ ہے کسی کا کم پس جیسی صفت کسی کا مبدء تعین ہو گی ویسی جنت اس کے لئے ہو گی، جنتوں کے تفاوت اور اونچ نیچ کا فرق اسماء و صفات کے تفاوت کی وجہ سے ہو گا۔[1] جنت کے بعض درخت بلوری اور آبگینی اجسام کی شکل و کیفیت کے بھی ہو جائیں گے۔

---

[1] اللہ کی صفات متعدد ہیں رحمانیت میں بھی اس کی صفت ہے اور رحمٰن و رحیم اس کا وصفی نام ہے اسی طرح قدرت، علم، ارادہ، مشیت وغیرہ اس کی صفات ہیں اور قدیر، علیم، مرید وغیرہ اس کے نام ہیں اب جس شخص کی تعیین ذات جس اسم کی پرتو اندازی سے ہوئی ہے ویسی ہی جنت اس کے لئے ہو گی کیونکہ جنت ایک شکل ہے صفت خداوندی کی۔ ان صفات میں بعض جامع ہیں اور بعض کا درجہ ذات کے قریب ہے جیسے صفت الوہیت یا قدرت یا علم پس جس شخص کا مبدء تعین یہ صفات ہوں گی اس کو ایسی جنت ملے گی جو جامع نعم اور ذات کی جلوہ پاشی کے قریب ہو گی۔ (مترجم)

Marfat.com

پس ایسے ہی درخت اس حالت میں ذاتِ بے کیف کے دیدار کے ذرائع بن جائیں گے اور رؤیتِ ذاتِ بے کیف ہو جائے گی۔ پھر ان درختوں کی بلّوریت ختم ہو جائے گی تو وہ آئینۂ ذات بھی نہیں رہیں گے اور اس حالت میں رؤیت نہ ہو گی۔ چکا چوند کی یہ حالت اور درختوں کی بلّوریت وعدمِ بلّوریت ہمیشہ ہمیشہ ہوتی رہے گی۔

## ایک شبہ

تمام ممکنات (خواہ ان کا ظہور دنیا میں ہو یا آخرت میں۔ مترجم) اپنی ذات کے لحاظ سے معدوم ہیں ناقص ہیں شر ہی شر ہیں، حسنِ ذاتی سے محروم ہیں ان میں جو حسن و جمال آیا ہے اور جس خیر و کمال کا ظہور ہو رہا ہے وہ واجب تعالیٰ کا عطیہ ہے اسی کا فیض ہے پھر دنیوی و اخروی چیزوں میں کیا فرق ہے اور کیوں دنیوی چیزوں سے دل کی وابستگی جرم ہے اور اخروی چیزوں سے دل کا لگاؤ قابلِ ستائش ہے۔

## اِزالہ

ہم کہتے ہیں تمام ممکنات اللہ کے اسماء و صفات کا مظہر ہیں اور اللہ کی صفات بھی بجائے خود اور بذات خود ممکن ہیں کیونکہ ذات کی محتاج ہیں (اور ہر محتاج کا ممکن ہونا ظاہر ہے) لیکن ذاتِ خداوندی کے لئے ان کا ثبوت لازم ہے (کیونکہ ذات صفات سے خالی نہیں ہو سکتی اور بغیر صفات کے ذات کا نہ تحقق ہو سکتا ہے نہ تعقل) پس یہ واجب بالغیر ہو گئیں یعنی ذات کی وجہ سے یہ بھی واجب ہو گئیں لیکن صفاتِ الٰہی پر امکان اور وجود بالغیر کا اطلاق اس لئے نہیں کیا جاتا کہ ان کے حدوث کا وہم نہ ہو جائے اور ذات سے منفک ہو سکنے کا خیال نہ پیدا ہو جائے ورنہ واقعہ میں صفاتِ خداوندی ممکن ہیں اور چونکہ ذات سے ان کا انفکاک محال ہے اس لئے واجب بالغیر بھی ہیں، اہلِ معرفت کیلئے ان صفات کا انکشاف ہوتا ہے تو ان کے دو رخ نظر آتے ہیں ایک رخ ان کے امکانِ ذاتی کا ہوتا ہے جسکی وجہ سے ان میں عدم کا احتمال ہوتا ہے اور دوسرا رخ وجوب بالغیر کا ہے جو سراسر وجود ہی وجود ہے۔ وجود کا رخ تو سرتاپا حسن و جمال اور خیر و کمال ہے اور عدم کا رخ بھی اگرچہ امکانِ ذاتی کی وجہ سے قبیح، شر، ناقص اور ہر کمال سے بے بہرہ ہے مگر وجود کے ساتھ ہر وقت ہم آغوش رہنے اور غیر منفک ہونے کی وجہ سے فی الجملہ حسن سے خالی نہیں ہے خواہ یہ حسن و جمال وہمی ہی ہو۔ پس صوفی کی نظر میں صفاتِ الٰہیہ کی جلوہ پاشی اور پرَ تو اندازی دو شکلوں میں دکھائی دیتی ہے دنیوی چیزوں میں تو اس کو صفات کا عدمی رخ (یعنی ذاتی امکان) پرَ تو انداز نظر آتا ہے اور آخرت کی چیزوں میں ان کا وجودی رخ (یعنی وجوب بالغیر کا رخ) عکس ریز دکھائی دیتا ہے اسی وجہ سے دنیوی اشیاء سے وابستگی اللہ کے نزدیک بری ہے اور اخروی چیزوں سے دل کی آویختگی اللہ کو پسند ہے ان سے محبت اللہ سے محبت ہے جو لوگ اللہ کی محبت میں کامل ہیں وہی دار آخرت سے بھی کامل محبت رکھتے ہیں۔

دنیوی اور اخروی اشیاء میں یہی فرق ہے اور ایک سے محبت کے عدم جواز اور دوسری سے محبت کے وجوب کی یہی علت ہے۔[1]

تمہید مذکور کے بعد ہم کہتے ہیں کہ حضرت مجدد قدس سرہ نے مکتوب ۱۰۰ جلد سوئم میں بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف کا

---

[1] فقیر مترجم کی ناقص سمجھ میں حضرت محقق کی تشریح صفات نہیں آئی۔ خلاصۂ تنقیح اور تشریح کا سنگِ بنیاد یہ ہے۔ کہ صفاتِ الٰہیہ بالکل ذات کے علاوہ ہیں اور ممکن الذات ہیں۔ البتہ ان کا ثبوت ذات کے لئے واجب ہے اس لئے واجب بالغیر ہیں پس ان کا عدم ذاتی ہے اور وجوب و وجود عارضی یا لحوقی۔ اگر یہ بات صحیح مان لی جائے تو پھر ان غلط گو مشائیہ فلاسفہ کے قول کو کیوں تسلیم نہ کیا جائے جو اس سارے عالم کو ممکن الذات محتاج الی الواجب اور قدیم بالغیر یعنی ازلی ابدی کہتے ہیں اور قائل ہیں کہ یہ علم اپنی ذات کے اعتبار سے واجب کا محتاج ہے اس کا عدم ذاتی ہے لیکن معلول کا تخلف علت تامہ سے نہیں ہوتا۔ اس لئے قدیم بالواجب ہے یعنی اس میں قدامت واجب کی وجہ سے آئی ہے پس یہ ساری کائنات قدیم بالنوع ہے اگرچہ ظہور شخصی اور تعیناتِ شخصیہ کے اعتبار سے اس میں تغیرات ہر وقت رونما ہوتے رہتے ہیں۔ رئیس الفلاسفہ شیخ ابن سینا نے بھی تو اس عالم کے متعلق وہی بات کہی ہے جو حضرت مفتر نے صفات کے متعلق فرمائی۔ شیخ بھی ہر مادہ کو قدیم بالغیر اور ممکن الذات کہتا ہے۔ خواہ مادہ عنصری ہو یا فلکی اور صورتِ جسمیہ کو طبیعت نوعیہ کہتا ہے جو قدیم ہے اگرچہ اس کے افراد حادث ہیں۔ افراد کا حدوث نوع کے حدوث کو مستلزم نہیں۔ اثبات ہیولیٰ کے خاتمہ پر شیخ نے اشارات میں ایک مجمل جملہ لکھ دیا اور یہ کہہ دیا کہ ومن ههنا ظهر ثلث نكات۔ محقق طوسی اور امام رازی نے اس جملہ کی تشریح میں ایک نکتہ یہ بیان کیا کہ اس سے قدم عالم ثابت ہو جاتا ہے (لیکن یاد رکھو کہ یہ قدم ذاتی نہیں قدم بالغیر ہے۔ قدم ذاتی کا تو کوئی فلسفی قائل نہیں)۔

Marfat.com

وجود اور آپ کا حسن و جمال اگرچہ اسی دارِ دنیا میں پیدا ہوا لیکن دوسری مخلوق کی طرح نہ تھا بلکہ در حقیقت وہ موجوداتِ آخرت کی جنس میں سے تھا دُنیوی اشیاء کا مربّی تو صفات کا عدمی (ذاتی) رخ ہوتا ہے اور جنت اور اس کی موجودات کی تربیت صفات کا وجودی رخ کرتا ہے پس جس طرح اہلِ کمال کی قلبی وابستگی آخرت کی چیزوں سے درست ہے اسی طرح حضرت یوسفؑ سے حضرت یعقوبؑ کی شیفتگی بھی نامناسب نہیں۔

حضرت مجدّد کا یہ صحیح انکشاف اور واضح بصیرت ہے نظر اور کشف نے ہی آپ کو حسنِ یوسفؑ کی اس تنقیح تک پہنچایا ہے۔ اگر اس تحقیق کو مان لیا جائے تو دو شبہات پیدا ہوتے ہیں۔

## پہلا شبہ

حضرت مجدّد قدس سرہ نے ایک اور جگہ صراحت کی ہے کہ انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ باقی ممکنات ظلالِ اسماء و صفات (اسماء و صفات کے عکس اور پرتو) کے جولان گاہ اور مقاماتِ ظہور ہیں۔ نفسِ اسماء و صفات کے مظہر و جلوہ گاہ نہیں ہیں (یعنی انبیاء و ملائکہ کے علاوہ دوسری مخلوق پر براہِ راست صفات و اسماء کا پرتو نہیں پڑتا بلکہ ظلالِ صفات کا عکس پڑتا ہے) اور (جس طرح انبیاء و ملائکہ کا مبدءِ تعیّنات اسماء و صفات ہیں اسی طرح ظلالِ صفات دوسری مخلوق کے تعیّن کا مبدء ہیں نفسِ صفات اس کے لئے مبدءِ تعیّن نہیں۔ لیکن اس جگہ فرمایا کہ تمام ممکنات (مجرّدہ ہوں یا نادّیہ انبیاء ہوں یا اولیا خواص ہوں یا عوام) کے مبادیِ تعیّن اصلِ اسماء اور نفسِ صفات ہیں۔ یہ بیان میں تضاد اور اختلاف کیوں ہے۔ اور کیسے ممکن ہے کہ دنیوی اشیاء بھی جلوہ گاہِ صفات ہوں اور اخروی اشیاء بھی پرتو گاہِ اسماء لیکن اول الذکر کی طرف سے صفات کا عدمی اور امکانی رخ ہو اور مؤخر الذکر کی مظہریتِ صفات کے وجودی رخ کی ممنون کرم۔

## ازالہ

انبیاء اور ملائکہ کے علاوہ باقی ممکنات اگر ظلالِ صفات کی جولان گاہ اور مظاہر ہوں تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ نفسِ صفات کے مظاہر اور جلوہ گاہ نہ ہوں کیونکہ ظل کا ظلِ اصل کا ظل ہوتا ہے، پس یہ ممکنات ظلالِ صفات کے ظل ہیں تو نفسِ صفات کے بھی ظل ہوں گے (اول ظلیت براہِ راست ہوگی اور دوسری ظلیت بالواسطہ) پس اسماء و صفات انبیاء اور ملائکہ پر جلوہ انداز ہوں گے بالواسطہ اور باقی ممکنات پر ان کی جلوہ پاشی ظلال کی وساطت سے ہوگی۔ اس کے بعد دنیوی اشیاء پر صفات کی جو جلوہ پاشی بواسطہ ظلال ہو رہی ہے اس جلوہ پاشی میں صفات کا عدمی رخ (یعنی ذاتی امکان) ملحوظ ہے۔ اور اخروی اشیاء پر جلوہ ریزی میں ان کا وجودی اور اضافی یعنی ذات خداوندی کے لئے ثبوت وجودی کا رخ معتبر ہے۔

## دوسرا شبہ

کلامِ سابق سے ظاہر ہو رہا ہے کہ تمام مخلوق خواہ انبیاء ہوں یا عوام علاوہ حضرت یوسفؑ کے جلوہ گاہِ صفات اور جولان گاہِ اسماء ہیں لیکن صفات کا عدمی رخ ملحوظ ہے (یعنی صفات کے ذاتی امکانی عدمی رخ کی جلوہ گاہ تمام مخلوق ہے) اور حضرت یوسفؑ بھی صفاتِ خداوندی کا مظہر ہیں مگر اس میں صفات کا اضافی وجودی رخ ملحوظ ہے (یعنی صفات کے وجودی اور نسبت الی الذات کا پرتو حضرت یوسفؑ پر پڑا تھا اسی لئے آپ آخرت کی چیزوں کے ہم جنس ہو گئے تھے) اس سے حضرت یوسفؑ کی تمام انبیاء بلکہ سید الانبیاء پر فضیلت لازم آتی ہے۔

## ازالہ

آخرت کی جنس سے تو تمام ہی انبیاء تھے حسنِ آخرت تو سب ہی کے اندر پوشیدہ تھا کہیں یوسفی لقب پاکر ظاہر ہو گیا کہیں ظاہر نہیں ہوا لقب کا منہوم کوئی اہمیت نہیں رکھتا حق بات یہی ہے کہ تمام انبیاء صفات کے وجودی رخ کے اعتبار سے مظہرِ صفات ہیں۔ ان پر صفات کی نور پاشی ذاتی اعتبار سے نہیں بلکہ نسبت الی الالٰہی کے اعتبار سے ہے۔ رہا حسنِ آخرت کا علاوہ یوسفؑ کے اوروں سے عدمِ ظہور تو اس کی وجہ اللہ ہی کے علم میں ہے ہم واقف نہیں بہر حال یہ طے شدہ حقیقت ہے کہ انبیاءؑ کا مظہرِ

Marfat.com

صفات ہونا دوسرے انسانوں کے مظہرِ صفات ہونے سے الگ نوعیت کا ہے عدمی رخ کے اعتبار سے نہیں بلکہ صفات کے وجودی رُخ کے لحاظ سے ہے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ نے حضور ختم المرسلین ﷺ کے حسن کے متعلق لکھا ہے کہ محمد ﷺ کی تربیت کرنے والا اور آپ ﷺ کا مبدء تعین اللہ کا علمِ اجمالی ہے صفت علمِ اجمالی تمام صفات سے زیادہ ذات سے قرب رکھتی ہے علم حضوری اور عالم و معلوم تو متحد الذات ہی ہوتے ہیں باقی صفات قدرت، ارادہ، کلام، سمع و بصر کا درجہ علم کے برابر نہیں ان صفات کی تفصیلات سے بھی علمِ اجمالی کا مرتبہ بلند اور ذات سے قریب ترین ہے۔ علم کا وہ حسن ذاتی ہے جو دوسری صفات کو حاصل نہیں۔ علم بہ نسبت دوسری صفات کے ذاتِ خداوندی کو زیادہ پسند ہے علم کا حسن و جمال بے کیف ہے۔ علم کا حسن و جمال اتنا لطیف ہے کہ ختم المرسلین میں جب یہ جلوہ پاش ہوا تو بصارت کے ضعف اور نارسائی کی وجہ سے حسنِ محمد ﷺ کو بھی اسی طرح آنکھیں نہیں پا سکتیں اور نہیں دیکھ سکتیں جیسے ذاتِ خداوندی کو دیکھنے اور پانے سے اس دنیا میں عاجز ہیں۔ آخرت میں آپ کا جمال باکمال نمودار ہوگا اور آنکھوں کو نظر آئے گا۔

یہ تسلیم ہے کہ یوسفؑ کو ۱/۳ حسن عطا کیا گیا تھا لیکن وہ اس دنیا میں تھا اور آخرت میں تو حسنِ محمدی ﷺ ہوگا (کسی پیغمبر کو وہ حسن حاصل نہ ہوگا) کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا ہے میرے بھائی یوسفؑ زیادہ شگفتہ رنگ کے تھے اور میں زیادہ ملیح ہوں اہلِ نظر کو صباحت و ملاحت کے درمیان ایسا فرق نظر آتا ہے جو چاند اور سورج یا چاندی اور سونے کے درمیان ہے، حسنِ یوسفؑ پر فریفتہ حضرت یعقوبؑ اور دوسرے انسان تھے اور حسنِ محمدی ﷺ سے محبت رکھنے والا یعقوبؑ کا رب ہے۔ مٹی کس طرح خالقِ کائنات کی ہمسری کر سکتی ہے اس ساری تقریر سے واضح ہو گیا کہ فناء قلب کے بعد صوفی کو اللہ کے سوا کسی مخلوق سے دل بستگی نہیں رہتی اس کے دل میں ماسوا اللہ کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ انبیاء کی محبت سے بھی صوفی کا دل خالی ہو جاتا ہے انبیاء کی محبت تو بعینہٖ اللہ کی محبت ہے۔ متفق علیہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی ایماندار نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ مجھ سے اس کو محبت اپنے باپ، اولاد اور تمام لوگوں کی محبت سے زیادہ نہ ہو۔ یہ حدیث حضرت انسؓ کی روایت سے آئی ہے، حضرت انسؓ کی دوسری روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس میں تین باتیں ہوں گی وہ ایمان کی شیرینی ان خصائل کی وجہ سے پالے گا تین میں سے ایک یہ ہے کہ جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ان کے ماسوا سے زیادہ محبت ہو وہ حلاوتِ ایمان پالے گا۔[1]

حضرت رابعہ بصری نے فرمایا تھا میرے دل کے اندر اللہ کی محبت اتنی بھر گئی ہے کہ محمد ﷺ کی محبت کی اس میں گنجائش ہی نہیں ہے۔ آپ کا یہ کلام حالتِ سُکر کا ہے۔

حضرت مجددؒ نے بھی اپنی ابتدائی حالت میں غلبۂ سکر ہی کے زیر اثر فرمایا تھا میں اللہ سے محبت اس لئے کرتا ہوں کہ اس نے محمدؐ کو پیدا کیا ہے۔ یہ کلام بھی حالتِ جذب کا ہے اگرچہ اس میں کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہے۔

## مسئلہ

یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ مصیبت پر رونا اور اظہارِ افسوس کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں نوحہ اور اس جیسی کوئی دوسری چیز شامل نہ ہو۔ منہ پیٹنا، گریبان پھاڑنا وغیرہ بھی نوحہ کی صف میں آتا ہے جو ناجائز ہے، ہاں غم و اندوہ اور افسوس و حسرت کا اظہار غیر اختیاری چیز ہے اور غیر اختیاری چیز سے بچنے کا آدمی مکلف نہیں۔

صحیحین میں حضرت انسؓ کا بیان آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم سکرات کی حالت میں تھے

---

[1] از مفرد قدس سرہ

یوسف از شمۂ جمال او — خوشہ چیں شد قسم بحال او
دل از عشق محمد ریش دارم — رقابت باخدائے خویش دارم

Marfat.com

حضور ﷺ نے یہ حالت دیکھی تو دونوں آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ اور آپ (رو رہے ہیں) فرمایا اے ابن عوف یہ دل کی رقت ہے۔ اس کے بعد ایک اور حالت ہوئی تو فرمایا آنکھ روتی ہے دل غمزدہ ہے اور ہم زبان سے کوئی ایسی بات نہیں کہتے جس سے ہمارا رب ناراض ہو اے ابراہیم ہم تیری جدائی سے غمگین ہیں۔

صحیحین میں حضرت اُسامہ بن زیدؓ کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے ایک نواسے کی نزع کی حالت تھی خراٹا شروع ہو گیا تھا اسی حالت میں حضور ﷺ پہنچ گئے اور یہ حالت دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، حضرت سعدؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ یہ کیا تو آپ نے فرمایا یہ دل کی رقت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھ دی ہے اللہ اپنے رحم دل بندوں پر بھی رحم فرماتا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اللہ آنکھ سے رونے اور دل سے غمگین ہونے پر عذاب نہیں دیتا بلکہ اس کی وجہ سے عذاب دیتا ہے گویا رحم فرما دیتا ہے (یعنی معاف کر دیتا ہے) "اس کی" کے لفظ سے حضور ﷺ نے زبان کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اور میت کو عذاب دیا جاتا ہے اس پر اس کے گھر والوں کے رونے کی وجہ سے اس حدیث کا یہ ترجمہ مشہور ہے لیکن اس فقیر کے نزدیک اگر ببکاء اھلہ علیہ کا ترجمہ اس طرح کیا جائے تو بہتر ہے کہ میت پر عذاب ہوتا ہے باوجود یہ کہ اس کے گھر والے (اس کی اچھائیوں کا ذکر کر کے) اس پر روتے ہیں واللہ اعلم۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے رخسار پیٹے، گریبان پھاڑے اور جاہلیت کی ایسی پکار مچائے وہ ہم سے متعلق نہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے صحیحین میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں بیزار ہوں اس شخص سے جو مونڈن کرائے، منہ پیٹے اور کپڑے پھاڑے۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ۝۸۵

بیٹے کہنے لگے آپ تو ہمیشہ یوسفؑ ہی کو یاد کرتے رہیں گے یہاں تک کہ گھل گھل کر جاں بلب ہو جائیں یا مر ہی جائیں۔

حَرَضًا بیماری یا پیرانہ سالی کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچا ہوا شخص۔ حَرَض اصل میں مصدر ہے اس لئے نہ اس کی جمع آتی ہے نہ مؤنث کا صیغہ اس جگہ مصدر بمعنی صفت ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے حرض کا معنی ہے غم یا عشق یا پیرانہ سالی کی وجہ سے بدن کا یا مذہب کا یا عقل کا بگاڑ اور خرابی اور جس کے بدن یا مذہب یا عقل میں خرابی پیدا ہو گئی ہو یا جان بلب ہو اس کو بھی حرض کہا جاتا ہے۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ

یعقوبؑ نے کہا میں تو بس اللہ ہی سے اپنے رنج و غم کا شکوہ کرتا ہوں۔ بثّ سخت ترین غم جس کو ضبط کرنے کی تاب نہ رہے اور آدمی اس کو ظاہر کرنے اور پھیلانے پر مجبور ہو جائے (لغت میں بثّ کا معنی ہے پھیلانا) حسن بصریؒ نے بثّ کا ترجمہ کیا ہے حال۔ مقصد یہ ہے کہ میں تم سے کسی سے شکایت نہیں کرتا اللہ ہی سے شکوہ کرتا ہوں تم مجھے چھوڑ دو مجھے شکایت سے نہ روکو۔

بغوی کا بیان ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے پاس ان کا ایک ہمسایہ آیا اور اس نے کہا یعقوبؑ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی صحت بدن تباہ ہو گئی اور آپ فنا ہو چکے حالانکہ اپنے باپ کی عمر کو نہیں پہنچے ہیں، فرمایا یوسفؑ کے غم میں جو اللہ نے مجھے مبتلا کر دیا اس سے میری قوت ٹوٹ گئی اور اسی نے مجھے فنا کر دیا۔

اللہ نے یعقوبؑ کے پاس وحی بھیجی یعقوبؑ تو میرا شکوہ میری مخلوق سے کرتا ہے۔ یعقوبؑ نے کہا اے میرے رب مجھ سے خطا ہو گئی تو میری خطا معاف فرما دے، اللہ نے فرمایا میں نے تجھے معاف کر دیا اس کے بعد حضرت یعقوبؑ سے جب کیفیت اور حالت پوچھی جاتی تو فرماتے اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ سے دریافت کیا گیا آپ کی نظر کیوں جاتی رہی اور کمر کیوں کمان ہو گئی۔ فرمایا یوسفؑ پر روتے روتے میری نظر جاتی رہی اور یوسفؑ کے

Marfat.com

بھائی کے غم میں میری کمر کمان ہو گئی اس پر اللہ نے یعقوبؑ کے پاس وحی بھیجی، تو میری شکایت کرتا ہے قسم ہے اپنی عزت کی جب تک تو مجھ سے دعا نہیں کرے گا میں تیرا یہ دکھ دور نہیں کروں گا اس وقت حضرت یعقوبؑ نے کہا اِنَّمَا اَشْکُوْا بَثِّیْ وَ حُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ اللہ نے وحی بھیجی قسم ہے اپنی عزت کی اب اگر وہ دونوں مردہ بھی ہوئے ہوتے تو تیرے لئے میں ان کو زندہ کر دیتا تجھ سے میری ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ ایک بار تم لوگوں نے ایک بکری ذبح کی تھی اور تمہارے دروازہ پر ایک مسکین آکر کھڑا ہو گیا مگر تم نے اس کو اس میں سے کچھ کھانے کو نہیں دیا۔ تمام مخلوق میں مجھے سب سے زیادہ پیارے انبیاء ہیں اور ان کے بعد مساکین۔ اب تم کھانا تیار کرو اور مسکینوں کی دعوت کرو۔ حسب ہدایت حضرت نے کھانا بنوایا پھر فرمایا جو روزہ دار ہو وہ آج رات کو یعقوبؑ کے گھر والوں کے پاس کھانا کھائے۔

روایت ہے کہ اس کے بعد حضرت یعقوبؑ جب دن کا کھانا کھاتے تو ندا کرا دیتے کہ جو شخص دن کا کھانا کھانا چاہے وہ یعقوبؑ کے پاس آجائے اور جب شام کو افطار کرتے (یعنی رات کا کھانا کھاتے) تو ندا کرا دیتے جو شخص شام کا کھانا کھانا چاہے وہ یعقوبؑ کے پاس آجائے اس طرح صبح شام آپ مسکینوں کے ساتھ کھانا کھاتے تھے۔

وہب بن منبہ نے بیان کیا اللہ نے حضرت یعقوبؑ کے پاس وحی بھیجی (اور فرمایا) کیا تجھے معلوم ہے کہ میں نے کس وجہ سے تجھے سزا دی اور اسّی برس یوسفؑ کو تجھ سے الگ رکھا، حضرت یعقوبؑ نے کہا میرے اللہ مجھے نہیں معلوم فرمایا وجہ یہ تھی کہ تو نے ایک مرتبہ ایک بکری کا بچہ بھونا اور پڑوسی سے کنجوسی کی خود کھا لیا اور اس کو کچھ نہیں دیا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کی مبتلاء مصیبت ہونے کا سبب یہ ہوا کہ آپ نے ایک مرتبہ ایک بچھڑے کو اس کی ماں کے سامنے ذبح کیا اور وہ بیچاری چیختی رہی۔

وہب اور سدی وغیرہ کا بیان ہے کہ حضرت جبرئیلؑ جیل خانہ کے اندر حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے اور پوچھا صدیق کیا آپ نے مجھے پہچانا۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا میں ایک پاک صورت دیکھ رہا ہوں اور پاکیزہ خوشبو محسوس کر رہا ہوں۔ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا میں روح الامین ہوں رب العالمین کا قاصد ہو حضرت یوسفؑ نے فرمایا آپ تو سب سے بڑھ کر پاکیزہ، مقربین کے سردار اور رب العالمین کے امین ہیں اور یہ گناہگاروں کے داخل ہونے کی جگہ ہے یہاں آپ کے آنے کا کیا سبب ہے حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا یوسفؑ کیا آپ واقف نہیں کہ انبیاء کی پاکی کی وجہ سے اللہ ناپاک گھروں کو پاک کر دیتا ہے اور جس زمین میں پیغمبر داخل ہوتے ہیں وہ ہر زمین سے زیادہ پاک ہو جاتی ہے۔ اے اطہر الطاہرین اور اے منتخب نیک بندوں کی اولاد آپ کی وجہ سے اللہ نے قید خانہ کو اور اس کے ماحول کو پاک کر دیا۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا آپ نے مجھے صدیق کے نام سے کیوں پکارا اور منتخب پاک لوگوں میں میرا شمار کیوں کیا، مجھے تو گناہگاروں کے مقام میں داخل کیا گیا ہے اور بدچلن لوگوں کے ناموں میں میرا نام بھی شامل کر دیا گیا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا اللہ نے آپ کا نام صدیقوں میں شامل کیا، مخلص منتخب بندوں میں آپ کا شمار کیا اور آپ کے صالح اسلاف کی فہرست میں آپ کو بھی داخل کر دیا اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے اپنے دل کو فتنہ میں نہ پڑنے دیا اور اپنی مالکہ کے کہے کو نہیں مانا حضرت یوسفؑ نے پوچھا روح الامین کیا آپ کو یعقوبؑ کی بھی کوئی اطلاع ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا جی ہاں اللہ نے ان کو صبر جمیل عطا فرمایا وہ آپ کے غم میں مبتلا ہوئے اور غم سے جی ہی جی میں گھٹتے رہے۔ حضرت یوسفؑ نے پوچھا ان کے غم کا کچھ اندازہ بھی ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا ان ستر عورتوں کے غم کے برابر جن کے بچے مر گئے ہوں۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کیا آپ کو کچھ معلوم ہے کہ میری ان سے ملاقات بھی کبھی ہو گی۔ حضرت جبرئیلؑ نے جواب دیا جی ہاں یہ سن کر حضرت یوسفؑ کا دل خوش ہو گیا اور فرمایا جو کچھ مجھے پیش آیا اس کی مجھے کوئی پروا نہیں اگر میں یعقوبؑ کو دیکھ لوں۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور اللہ کی باتوں کو جتنا میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے یعنی اللہ کی عظمت و رحمت کو جتنا میں جانتا ہوں کہ وہ پکارنے والے کو نامراد نہیں چھوڑتا اور جو بے قراری کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے اس کو رد نہیں کرتا یا یہ مطلب ہے کہ از روئے الہام یوسفؑ کے زندہ ہونے سے جو میں واقف ہوں تم واقف نہیں۔

Marfat.com

روایت میں آیا ہے کہ حضرت عزرائیلؑ حضرت یعقوبؑ کی ملاقات کو گئے حضرت یعقوبؑ نے پوچھا اے پاکیزہ خوشبو اور حسین صورت والے فرشتے کیا آپ نے میرے بچہ کی روح قبض کی ہے حضرت عزرائیلؑ نے جواب دیا نہیں۔ یہ سُن کر حضرت یعقوبؑ کو کچھ سکون ہو گیا اور آپ کو یوسفؑ کے دیکھنے کی تمنا ہوئی۔

بعض علماء نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے میں جانتا ہوں کہ یوسفؑ کا خواب سچا ہے میں اور تم سب آئندہ اس کو ضرور سجدہ کریں گے۔ سدی نے بیان کیا جب بیٹوں نے باپ کو بادشاہ کے حسنِ سلوک کی اطلاع دی تو آپ کو یوسفؑ کے زندہ ہونے کا خیال پیدا ہو گیا اور ملنے کی خواہش بھی اور فرمایا شاید وہ یوسفؑ ہو۔ ابن ابی حاتم نے نصر بن عربی کا بیان نقل کیا ہے نصر نے کہا مجھے اطلاع ملی ہے کہ حضرت یعقوبؑ کو ۲۴ سال حضرت یوسفؑ کے زندہ یا مردہ ہونے کی کوئی خبر نہیں ہوئی آخر ایک روز موت کا فرشتہ انسانی شکل میں آپ کے سامنے آکھڑا ہوا، حضرت نے دریافت کیا آپ کون ہیں ملک الموت نے کہا میں موت کا فرشتہ ہوں حضرت یعقوبؑ نے فرمایا میں تم کو یعقوبؑ کے معبود کی قسم دیتا ہوں مجھے بتاؤ کیا تم نے یوسفؑ کی جان قبض کر لی ملک الموت نے جواب دیا نہیں۔ یہ جواب سُن کر حضرت نے فرمایا

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ ۝۸۷

میرے بیٹو! جاؤ یوسفؑ کی اور اس کے بھائی کی تلاش کرو اور اللہ کی رحمت سے ناامید مت ہو اللہ کی رحمت سے آس کافر لوگ توڑا کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے تَحَسَّسُوْا کا ترجمہ کیا تلاش کرو، ڈھونڈو۔ لغت میں تَحَسَّسَ کا معنی ہے کسی کی سن گن، تلاش کرنا۔ رَوح "سے مراد ہے رحمت بعض کے نزدیک مراد ہے مصیبت سے نجات اور خدا کی عطا کردہ خوشی۔

الکافرون یعنی وہ لوگ جو اللہ کی ذات و صفات کو نہیں جانتے اور انکار کرتے ہیں۔ اللہ کو پہچاننے والا اس کی رحمت سے کبھی بے آس نہیں ہوتا۔

غرض سب بھائی لوٹ کر مصر کو گئے اور حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ ۝۸۸

پھر جب یوسفؑ کے پاس پہنچے تو کہنے لگے اے عزیز ہم کو اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے بڑی تکلیف پہنچی ہے اور ہم کچھ نکمی چیز لائے ہیں سو آپ پورا غلہ دے دیجئے اور ہم کو خیرات سمجھ کر دے دیجئے بے شک اللہ خیرات دینے والوں کو جزاء خیر دیتا ہے۔

الضُّرّ بھوک کی شدت مُزجاۃ: کامرادی ترجمہ حضرت ابن عباسؓ نے کیا کھوٹے، ردی، نہ چلنے والے درہم۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ابو عبید اور ابن ابی شیبہ اور ابن جریر اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ کی روایت میں آیا ہے۔ ابن ابی حاتم نے عکرمہ کا بھی یہی قول نقل کیا ہے لیکن سعید بن منصور اور ابن المنذر اور ابو الشیخ نے کہا کہ عکرمہ نے اس کا ترجمہ کیا تھوڑے درہم۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ کی روایت ہے کہ عبداللہ بن حارث نے کہا (بضاعت مزجاۃ سے مراد ہے) صحرائی لوگوں کا مال یعنی اون اور گھی روایت میں گھی کی جگہ پنیر آیا ہے۔

ابن جریر ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے ابو صالح کے حوالہ سے لکھا ہے حبۃ الخضراء اور صنوبر کی لکڑی۔

ابن التجار نے کہا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مقل کے ستو تھے۔ بعض علماء نے کہا کچے چمڑے اور جوتے تھے۔ از جاء (مصدر باب افعال۔ مُزجاۃ اسم مفعول مؤنث) کا اصل لغوی معنی ہے دھکا دینا اور ہنکانا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا کہ اللہ بادل کو ہنکاتا ہے چلاتا ہے۔ ردی درہموں کو بھی مزجاۃ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ کوئی ان کو لیتا نہیں ان کو پھینکا جاتا ہے اسی طرح اگر بیش قیمت سامان کے عوض تھوڑے درہم دیئے جائیں تو ان کو بھی نہیں لیا جاتا رد کر دیئے جاتے ہیں یہی



Marfat.com

حالت دوسری ردّی چیزوں کی ہے کہ ان کو بطورِ قیمت کوئی شخص نہیں لیتا اگر بائع خود چشم پوشی کرے اور قبول کرلے تو دوسری بات ہے۔

فاوفِ لَنا یعنی ان قلیل یا کھوٹے درہموں میں غلہ ہم کو اتنا ہی پورا پورا دے دیجئے جتنا اس سے پہلے آپ نے کھرے درہموں میں دیا تھا۔ اور جو قیمت کم رہ جائے وہ بطورِ خیرات آپ چھوڑ دیجئے۔ اکثر مفسّروں نے تصدّق علینا کا تفسیری مطلب یہی بیان کیا ہے لیکن ابن جریج اور ضحاک نے کہا کہ درخواستِ تصدق کا مطلب یہ ہے کہ آپ اپنی خیرات میں ہمارے بھائی کو واپس کر دیجئے۔ جزا دینے سے مراد ہے دنیا اور آخرت میں اچھا بدلہ دینا۔ اجزاء اور تصدّق دونوں کا معنی ہے مہربانی کرنا حالتِ سفر میں صلوٰۃ کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ اللہ کی طرف سے صدقہ (مہربانی) ہے جو اللہ نے تم پر کیا ہے تم اللہ کی مہربانی کو قبول کرو۔ رواہ البخاری لیکن عرفِ شرع میں تصدّق ایسی مہربانی کرنے کو کہتے ہیں جس کا مقصد ثواب کی طلب اور اللہ کی خوشنودی کا حصول ہو اور یہ تصدّق اسی شرعی عُرف پر مبنی ہے۔

حسن بصریؒ کا یہ قول کہ جب آپ نے ایک آدمی کو ان الفاظ میں دعا کرتے سنا اے اللہ مجھ پر صدقہ کر تو فرمایا اللہ تصدّق نہیں کرتا تصدّق تو وہ کرتا ہے جو ثواب کا طلب گار ہو تم یوں دعا کرو اے اللہ! مجھے عطا فرما مجھ پر مہربانی کر۔ حسن بصری نے جو اللہ کی طرف صدقہ دینے کی نسبت سے انکار کیا اور ممانعت فرمائی تو آپ کی مراد اس سے شرعی صدقہ و خیرات تھی جو طلبِ ثواب کے لئے ہوتی ہے (لغوی اعتبار سے اس کا معنی صحیح ہے لغت میں تصدّق کا معنی ہے مہربانی کرنا پس اللہ سے مہربانی کی درخواست کرنا صحیح ہے)

ضحاک نے کہا بادشاہ سے برادرانِ یوسفؑ نے یہ نہیں کہا اللہ آپ کو جزا دے گا کیونکہ ان کو معلوم نہیں تھا کہ شاہ مصر مؤمن ہے یا نہیں (اور اللہ کی طرف سے آخرت میں جزاء خیر صرف مؤمن کے لئے مخصوص ہے) اصل میں ان کو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ شاہِ مصر خیرات بھی دے گا یا نہیں۔

## فائدہ

سفیان بن عیینہ سے کسی نے پوچھا کیا رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی اور پیغمبر کے لئے بھی صدقہ حرام تھا فرمایا نہیں کیا تم نے آیت وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا إِنَّ اللَّهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ نہیں سنی۔ کذا اخرج ابن جریر۔ میں کہتا ہوں سفیان نے اس آیت سے استدلال کیا کہ دوسرے پیغمبروں کے لئے صدقہ لینا جائز تھا۔ مگر یہ استدلال اس وقت صحیح ہوگا جب حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا نبی ہونا ثابت ہو جائے۔

(یہ فقیر کہتا ہے کہ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا کا مطلب یہ ہے کہ ہم پر اور ہمارے گھر والوں پر جن میں حضرت یعقوبؑ بھی شامل تھے کچھ صدقہ کیجئے حضرت یعقوبؑ عَلَيْنَا کی ضمیر سے مستثنیٰ نہیں۔ اس صورت میں سب بھائیوں کی نبوّت ثابت ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ حضرت یعقوبؑ تو مسلّم النبوت نبی تھے۔ مترجم)

بھائیوں کا یہ دردناک کلام سن کر حضرت یوسفؑ کے دل میں رقّت آگئی آنسو ٹپک پڑے اور پوشیدہ راز ظاہر ہو گیا اس لئے

قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ ﴿٨٩﴾ بولے کیا وہ بھی تم کو یاد ہے جو تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا تھا جبکہ تمہاری جہالت کا زمانہ تھا، یعنی جو ظلم تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کہ یوسفؑ کو لے جا کر اس کے بھائی کو اکیلا کر دیا اور طرح طرح سے اس کو ذلیل کیا کہ وہ بے چارا اب اپنی ذلّت کو زبان پر بھی نہیں لا سکتا تھا یا یہ مطلب ہے کہ جو بُرا سلوک اور بے جا حرکت تم نے کی وہ بھی تم کو یاد ہے اس سے توبہ کرو۔

إِذْ أَنْتُمْ جَاهِلُونَ کا یہ مطلب ہے کہ اس وقت اپنے فعل کی بُرائی سے تم ناواقف تھے یا اس کے نتیجے سے ناواقف تھے۔ حضرت یوسفؑ کا مقصد تھا توبہ کی ترغیب دینا اور بھائیوں پر مہربانی کا اظہار کرنا، ڈانٹنا اور ملامت کرنا مقصود نہیں تھا۔ آیت لَا تَثْرِيبَ

Marfat.com

عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ میں صراحت ہے کہ ملامت کرنا مقصود نہ تھا۔ کلبی نے حضرت یوسفؑ کے اس قول کی یہ وجہ بیان کی کہ آپ کے بھائیوں سے جب مالک بن وعر کا یہ قول نقل کیا گیا کہ میں نے کنویں کے اندر ایک ایسا غلام پایا تھا جس کو اتنے درہم میں میں نے خرید لیا تو بھائیوں نے حضرت یوسفؑ سے کہا اے بادشاہ ہم نے ہی وہ غلام بیچا تھا، حضرت یوسفؑ کو یہ بات سن کر غصہ آیا اور آپ نے سب بھائیوں کو قتل کرنے کا حکم صادر کر دیا، شاہی آدمی ان کو قتل کرنے لے چلے یہودا نے منہ پھیر کر دیکھا اور کہا یعقوب پر ہم میں سے ایک کے نہ ہونے کا اتنا غم پڑا اور اتنا روئے کہ نظر جاتی رہی جب سب بیٹوں کے مارے جانے کی ان کو اطلاع ملے تو ان کا کیا حال ہوگا، پھر سب بھائیوں نے کہا اگر آپ ایسا ہی کر رہے ہیں تو ہمارے والد کو ہمارا یہ سامان بھیج دیا وہ فلاں مقام پر رہتے ہیں اس وقت حضرت یوسفؑ کو رحم آگیا اور آپ رونے لگے اور قولِ مذکور کہا۔

عبداللہ بن یزید بن ابی فروہ کا قول روایت میں آیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے جب سنا کہ بنیامین کو روک لیا گیا تو ایک خط لکھ کر بیٹوں کے ہاتھ حضرت یوسفؑ کو بھجوایا یہ بیٹوں کے تیسرے پھیرے کا ذکر ہے۔ یعقوب اسرائیل اللہ (عبداللہ) بن اسحاق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ کی طرف سے شاہِ مصر کے نام۔

حمد و ستائش کے بعد واضح ہو کہ ہم ایسے گھرانے والے ہیں جو ہمیشہ سپردِ مصائب رہے ہیں میرے دادا ابراہیمؑ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کو آگ میں ڈالا گیا پھر اللہ نے اس آگ کو ان کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی بنا دیا، میرے باپ کے ہاتھ پاؤں باندھ کر ان کی گردن پر چھری رکھ دی گئی تاکہ ان کو ذبح کر دیا جائے مگر اللہ نے ان کا فدیہ (جنت سے مینڈھے کی شکل میں) بھیج دیا (اور ان کو محفوظ رکھا) اب رہا میں تو میرا ایک بیٹا تھا جو سب اولاد سے مجھے پیارا تھا اس کے بھائی اس کو جنگل کو لے گئے پھر شام کو اس کا خون آلودہ کُرتہ لا کر مجھے دے دیا اور کہا اس کو بھیڑیے نے کھا لیا۔ اس پر روتے روتے میری آنکھیں جاتی رہیں پھر میرا ایک بیٹا اور تھا جو مرحوم کا ماں جایا بھائی تھا میں اس کو دیکھ کر تسلی حاصل کر لیتا تھا اب آپ نے اس کو روک لیا اور یہ خیال کیا کہ اس نے چوری کی ہے ہم ایسے خاندان والے ہیں جو چوری نہیں کرتے نہ چور ہمارے ہاں پیدا ہوتا ہے اگر آپ میرے بیٹے کو مجھے واپس کر دیں تو بہتر ہے ورنہ آپ کو ایسی بددعا دوں گا کہ اس کا اثر آپ کی ساتویں نسل تک پڑے گا۔ حضرت یوسفؑ نے خط پڑھا تو آنسوؤں کو روک نہ سکے اور سامنے آکر فرمایا هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ یعنی جب کہ تم کو معلوم نہ تھا کہ یوسفؑ آخر میں کس مرتبہ تک پہنچے گا اس وقت تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا سلوک کیا تھا کچھ معلوم بھی ہے۔ بعض لوگوں نے جٰهِلُوْنَ کا ترجمہ کیا ہے قصور وار و گنہگار۔ حسن بصریؒ نے ترجمہ کیا جب کہ تم جوان تھے اور جوانی کی جہالت میں مبتلا تھے۔ اس وقت تم نے کیا کیا تھا۔

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ کہنے لگے کیا سچ مچ آپ ہی یوسفؑ ہیں۔ یہ استفہام تقریری ہے (کیا واقعی آپ ہی یوسفؑ ہیں) ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ پہلے حضرت یوسفؑ پردے کے پیچھے سے کلام کرتے تھے پھر جب هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ فرمایا تو پردہ ہٹا دیا اور نقاب اٹھا دیا اس وقت بھائیوں نے پہچان لیا۔

میں کہتا ہوں قصۂ مذکورہ کا تفصیلی بیان ابن اسحاق کے اس قول سے انکار کر رہا ہے اور بہ بھی بعید از فہم۔ ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس بات کو کہتے وقت آپ مسکرا دیئے مسکرانے سے موتیوں کے ہار کی طرح اگلے دانت سامنے آگئے اور بھائیوں نے دیکھ کر ان کو یوسفؑ کے دانتوں کی طرح قرار دیا۔

عطاء کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ بھائی یوسفؑ کو اس وقت تک نہ پہچان سکے جب تک آپ نے سر سے تاج نہ اتار دیا، آپ کے سر کے اوپر ایک جانب لہسن تھا جو موروثی تھا۔ حضرت یعقوبؑ کے بھی تھا حضرت اسحٰقؑ کے بھی تھا اور (حضرت اسحٰق کی والدہ) حضرت سارہ کے بھی تھا، علامت کو پہچان کر بھائی بول اٹھے بلاشبہ آپ یوسفؑ ہیں۔ بعض اہلِ تفسیر نے کہا کہ بھائیوں نے (یقین کے ساتھ نہیں بلکہ) یونہی گمان سے کہا تھا۔

قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ ز یوسفؑ نے کہا میں یوسفؑ ہوں اور یہ میرا ماں جایا بھائی ہے۔ بھائیوں نے تو

Marfat.com

صرف آپ کو دریافت کیا تھا۔ مگر آپ نے اپنے مزید تعارف اور بھائی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے بھائی کا بھی ذکر کر دیا اور واضح کر دیا کہ اللہ نے جو احسان کیا وہ ہم دونوں پر کیا۔

قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ بلاشبہ اللہ نے ہم دونوں پر کرم فرمایا کہ سلامتی اور عزم کے ساتھ دونوں کو یکجا کر دیا اور ملا دیا۔

اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ واقعی جو شخص گناہوں سے بچتا اور مصائب و طاعات پر صبر کرتا ہے تو اللہ ایسے نیک کام کرنے والوں کا اجر نہیں کھوتا۔

یعنی جو اللہ سے ڈرتا ہے ادائے فرائض کرتا ہے اور معاصی سے اجتناب کرتا ہے اور مصائب پر صبر کرتا ہے اور ادائے طاعات پر پابند کرتا ہے اور گناہوں سے اپنے آپ کو روکے رکھتا ہے تو ایسے لوگوں کا اجر اللہ ضائع نہیں کرتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں، وہ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے۔ بجائے اَجْرَهُمْ کے اَلْمُحْسِنِيْنَ کا لفظ ذکر کرتا بتا رہا ہے کہ نیکوکار وہی ہے جو متقی بھی ہو اور صابر بھی۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ بولے بخدا بلاشبہ اللہ نے آپ کو ہم پر برتری عطا فرمائی اور ہم یقیناً خطاوار تھے۔ یعنی معذرت پیش کرتے ہوئے انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جمالِ صورت اور کمالِ سیرت اور تمام دُنیوی و اخروی فضائل کے لحاظ سے اللہ نے آپ کو ہم پر برتری عطا فرمائی اور ہم نے جو کچھ آپ کے ساتھ کیا اس کے ہم خطاوار ہیں۔ خٰطِئِيْنَ قصداً خطا کرنے والے) خَطَأً قصداً خطا کی اور اَخْطَأَ (باب افعال) نادانستہ خطا کی۔

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ یوسف نے کہا آج تم پر کوئی الزام نہیں (یعنی میں نے معاف کیا) اللہ تمہارا قصور معاف کرے وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہے۔ (امید ہے معاف کر دے گا)

تَثْرِيْبَ: آنکھوں کی چربی چھیل دینا ثرب آنکھوں پر چھائی ہوئی چربی، مجازاً کسی کو لعنت ملامت کرنا جس سے مجرم کی آبروریزی اور توہین ہو رہی ہو، مطلب یہ ہے کہ آج جبکہ میں تم لوگوں کو لعنت ملامت کر سکتا ہوں لیکن کچھ نہیں کہتا تو پھر آئندہ کچھ برا بھلا کہنے کا تو احتمال ہی نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے اقرار کے بعد میں نے تم کو معاف کر دیا اللہ تم کو معاف کرے وہ ارحم الراحمین ہے اور میں نادار محتاج ہوں جب میں نے معاف کر دیا تو اللہ تو بے نیاز اور غفور ہے وہ ضرور معاف کر دے گا اور توبہ کرنے والے پر مہربانی فرمائے گا۔

بیضاوی نے لکھا ہے جب بھائیوں نے یوسفؑ کو پہچان لیا تو کہا آپ صبح شام ہم کو کھانے پر بلواتے ہیں اور ہم سے جو آپ کے معاملے میں قصور ہو گیا تھا اس کی وجہ سے ہم کو آپ سے شرم آتی ہے، حضرت یوسفؑ نے کیسا کریمانہ جواب دیا، فرمایا، مصر والے مجھے گزشتہ نظر ہی سے دیکھتے تھے لوگ کہتے تھے سبحان اللہ ایک غلام جو بیس درہم میں بیچا گیا تھا، اللہ نے اس کو کہاں پہنچایا اب جو لوگوں کو معلوم ہوا کہ میں غلام نہیں تھا تمہارا بھائی ہوں اور حضرت ابراہیمؑ کا پوتا ہوں تو تمہاری وجہ سے مجھے عزت مل گئی اور مصر والوں کی آنکھوں میں میری عظمت پیدا ہو گئی۔

بغوی نے لکھا ہے جب حضرت یوسفؑ نے اپنا تعارف کرا دیا تو پھر باپ کا حال پوچھا اور فرمایا میرے بعد میرے باپ کی کیا حالت ہوئی، بھائیوں نے بتایا کہ باپ کی آنکھیں روتے روتے جاتی رہیں۔ حضرت یوسفؑ نے اپنا کرتہ ان کو دیا اور باپ کو بلوایا اور فرمایا

اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا ۚ میرا یہ کرتہ لے جا کر میرے باپ کے منہ پر ڈال دو (اس سے) وہ بینا ہو جائیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ میرے پاس بینا ہو کر آ جائیں گے حسن نے کہا حضرت یوسفؑ کو اللہ نے اطلاع دے دی ہو گی جب ہی تو آپ نے فرمایا کہ وہ بینا ہو جائیں گے اللہ کی طرف سے اطلاع پانے کے بغیر وہ ایسی بات نہیں کہہ سکتے تھے۔ مجاہد نے کہا حضرت جبرئیلؑ نے حضرت یوسفؑ کو اللہ کی طرف سے حکم دیا تھا کہ

Marfat.com

حضرت یعقوبؑ کو اپنا کرتہ بھیج دیجئے۔ یہ قمیص حضرت ابراہیمؑ کا تھا جب آپ کو آگ میں ڈالا گیا تو کپڑے اتار لئے گئے تھے اس وجہ سے جبرئیلؑ نے جنت سے ایک ریشمی قمیص لاکر آپ کو پہنا دیا تھا یہ کرتہ حضرت ابراہیمؑ کے پاس رہا پھر آپ کی وفات کے بعد حضرت اسحٰقؑ کو میراث میں ملا اور حضرت اسحٰقؑ کے بعد حضرت یعقوبؑ کو پہنچا۔ یوسفؑ جب جوان ہو گئے تو حضرت یعقوبؑ نے وہ کرتہ ایک نلکی میں سر بند کر کے بطور تعویذ حضرت یوسفؑ کے گلے میں ڈال دیا تاکہ آپ کو نظر نہ لگے ہر وقت وہ یوسفؑ کے گلے میں رہتا تھا، جب آپ کو کرتہ اتار کر کنویں میں ڈالا گیا تو حضرت جبرئیلؑ نے آکر تعویذ کھول کر اس میں سے کرتہ نکال کر حضرت یوسفؑ کو پہنا دیا پھر حضرت یوسفؑ جب بھائیوں سے مذکورہ بالا گفتگو کر رہے تھے تو حضرت جبرئیلؑ نے آکر کہا وہ قمیص بھیج دیجئے اس کے اندر جنت کی خوشبو ہے جس دکھی اور بیمار پر اس کو ڈالا جائے گا وہ تندرست ہو جائے گا اس اطلاع کے بعد آپ نے وہ کرتہ اپنے بھائیوں کے سپرد کر دیا اور فرمایا اس کو میرے باپ کے چہرے پر ڈال دینا وہ بینا ہو جائیں گے۔

میں کہتا ہوں حضرت مجدد قدس سرہٗ کے کشف سے یہ امر ثابت ہو گیا کہ حسن یوسفؑ دنیوی چیزوں سے نہ تھا بلکہ آپ کا حسن اور وجود جنت کی چیزوں کی جنس سے تھا تو اب کوئی ضرورت نہیں کہ ہم اس کرتے کو جنت سے آیا ہوا مانیں بلکہ اتنا ہی کہہ دینا کافی ہے کہ وہ حضرت یوسفؑ کا پہنا ہوا تھا وجود یوسفؑ تو خود جنت کی چیزوں کی جنس میں سے تھا (آپ کی ہستی اس عدمی دنیا کی چیز ہی نہ تھی)۔

وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾ اور آپ (سب بھائی اور باپ) اپنے سب گھر والوں کو (عورتوں کو، بچوں کو، خادموں کو) میرے پاس لے آئیں۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ أَبُوهُمْ إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ ﴿٩٤﴾

اور جب قافلہ چلا تو ان کے باپ نے کہنا شروع کیا کہ اگر تم مجھ کو بوڑھاپے کی وجہ سے بہکی باتیں کرنے والا نہ سمجھو تو ایک بات کہوں کہ مجھ کو تو یوسفؑ کی خوشبو آرہی ہے۔

یعنی جب وہ قافلہ جس میں حضرت یوسفؑ کا قمیص تھا اور مصر سے کنعان جانے کے لئے چلا تھا شہر کی آبادی سے نکلا تو حضرت یعقوبؑ نے حاضرین سے کہا مجھے یوسفؑ کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے اگر تم سٹھیایا ہوا نہ قرار دو تو میں کہتا ہوں کہ یوسفؑ کی ملاقات ہونے والی ہے۔ رِيحَ يُوسُفَ فرمایا رِيحَ قمیص یوسفؑ نہیں فرمایا، اس سے مترشح ہو رہا ہے کہ جنت کی خوشبو یوسفؑ کی ہی خوشبو تھی، قمیص یوسفؑ کی نہ تھی۔

بغوی نے لکھا ہے بادِ صبا نے اپنے رب سے اجازت طلب کی کہ بشارت دینے والے کے پہنچنے سے پہلے یوسفؑ کی خوشبو کو پہنچا دے۔

مجاہد نے کہا تین روز کی مسافت سے یوسفؑ کی خوشبو یعقوبؑ کو پہنچ گئی تھی۔ حضرت ابن عباسؓ کے ایک قول میں آٹھ رات کی مسافت کا ذکر آیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ہوا قمیص یوسفؑ کی خوشبو لے کر یعقوبؑ تک پہنچی جس سے آپ کو جنت کی خوشبو محسوس ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ زمین پر سوائے قمیص کی خوشبو کے جنت کی اور کوئی خوشبو نہیں تھی اسی لئے آپ نے إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ فرمایا۔ أَفْنَدَ کا معنی ہے بڑھاپے کی وجہ سے عقل میں نقصان آجانا اور تفنید (باب تفعیل) کا معنی ہے کسی کو سٹھیایا ہوا قرار دینا۔ اس لئے عجوز مفندہ نہیں کہا جاتا کیونکہ عورت کا نقصان عقل ذاتی ہوتا ہے صرف بڑھاپے کی وجہ سے نہیں ہوتا عورت ناقص العقل فطرتاً ہوتی ہے۔

لَوْلَا کا جواب محذوف ہے یعنی اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا نہ سمجھو تو مجھے سچا جانو یا میں کہتا ہوں کہ یوسفؑ کی ملاقات عنقریب ہو گی۔

قَالُوا تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ ﴿٩٥﴾ وہ کہنے لگے آپ تو اپنے اسی پرانے غلط خیال میں مبتلا ہیں۔

ضَلَال سے مراد یہ ہے کہ یوسفؑ کی محبت اس کی یاد کی کثرت اور امید وصال رکھنے کی وجہ سے آپ کی عقل صحیح راستہ سے ہٹ

Marfat.com

گئی ہے اور آپ پر انی غلطی میں مبتلا ہیں۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا ۚ پھر جب بشارت دینے والا (یوسفؑ کے پاس سے) یعقوبؑ کے پاس پہنچا تو کرتہ یعقوبؑ کے چہرے پر ڈال دیا جس سے فوراً یعقوبؑ لوٹ کر بینا ہو گئے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا قافلے کے پہنچنے سے پہلے بشارت دہندہ پہنچا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا وہ یہودا تھا۔ سدی کا بیان ہے یہودا نے کہا جب میں خونآلودہ کرتہ لے کر باپ کے پاس گیا تھا اور ان کو اطلاع دی تھی کہ یوسفؑ کو بھیڑیا کھا گیا تو اب میں ہی یہ کرتہ لے کر جاؤں گا اور اطلاع دوں گا کہ یوسفؑ زندہ ہیں جیسے ان کو غم دیا تھا ویسے ہی ان کو خوش بھی کروں گا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کرتہ لے کر یہودا ننگے سر دوڑتا ہوا نکل چلا صرف سات روٹیاں ساتھ لی تھیں وہ بھی پوری نہ کھا سکا کنعان اور آسی فرسخ کی مسافت طے کر کے باپ کے پاس پہنچا۔ بعض نے کہا خوش خبری دینے والا مالک بن دعر تھا فَارْتَدَّ بَصِیْرًا کا معنی یہ ہے کہ یعقوبؑ دوبارہ بینا ہو گئے، کمزور سے طاقتور اور بڑھاپے کے بعد جوان ہو گئے۔

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۹۶ یعقوب نے کہا کیا میں نے تم لوگوں سے نہیں کہہ دیا تھا کہ اللہ کی جو باتیں میں جانتا ہوں تو نہیں جانتے۔ یعنی یوسفؑ کے زندہ ہونے اور اس سے ملاقات ہونے کی اطلاع میں نے تم کو پہلے ہی دے دی تھی یا میں نے تم سے کہہ دیا تھا کہ اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اور مجھے یوسفؑ کی خوشبو محسوس ہو رہی ہے۔

بغوی کا بیان ہے، روایت میں آیا ہے حضرت یعقوبؑ نے پوچھا یوسفؑ کس حال میں ہے بشارت دینے والے نے جواب دیا وہ مصر کے بادشاہ ہیں حضرت نے فرمایا بادشاہ ہے تو میں کیا کروں میں پوچھتا ہوں تم نے کس مذہب پر ان کو چھوڑا بشیر نے کہا اسلام پر، فرمایا اب نعمت کامل ہو گئی۔

قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ ۝۹۷ بیٹوں نے کہا ابا ہمارے گناہوں کو معاف کر دینے کی اللہ سے دعا کر دیجئے کوئی شک نہیں کہ ہم خطاوار تھے یعنی ہم اپنی خطا کا اقرار کرتے ہیں آپ کے اور یوسفؑ کے حق میں ہم نے جو قصور کیا اس کی معافی کی دعا اللہ سے کر دیجئے۔

قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۝۹۸ یعقوبؑ نے کہا میں اپنے رب سے تمہارے قصور کے معاف کر دینے کی ضرور درخواست کروں گا وہی بلاشبہ بڑا غفور و رحیم ہے (معاف فرما دے گا)۔

اکثر اہل تفسیر کا قول ہے حضرت یعقوبؑ نے سحر پر دعا کو موقوف رکھا کیونکہ ہر رات کو تہائی رات رہے ہمارا رب دنیوی آسمان پر خصوصی نزول تجلی فرماتا ہے اور ارشاد فرماتا ہے کون ہے جو مجھے پکارے اور میں اس کی دعا قبول کروں کون ہے جو مجھ سے سوال کرے اور میں اس کو عطا کروں اور کون ہے جو مجھ سے عفو گناہ کی درخواست کرے اور میں اسے معاف کروں۔ رواہ البخاری و مسلم عن ابی ہریرہؓ فی صحیحیما۔ غرض جب مقررہ وقت آیا تو حضرت یعقوبؑ سحر کو نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے اور نماز سے فارغ ہو کر دونوں ہاتھ اٹھا کر اللہ سے دعا کی، اے اللہ! مجھے جو بے صبری یوسفؑ کے معاملے میں ہوئی تھی اس کو معاف فرما دے اور میرے بیٹوں نے جو برا سلوک میرے اور یوسفؑ کے ساتھ کیا اس کو بھی بخش دے۔ اللہ نے وحی بھیجی تمہارا اور تمہارے لڑکوں کا قصور میں نے معاف کر دیا۔

عکرمہؓ کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ سے یہ مراد ہے کہ شب جمعہ میں، میں تمہارے لئے دعا کروں گا۔ وہب نے کہا کچھ اوپر بیس برس تک ہر شب جمعہ میں حضرت یعقوبؑ لڑکوں کے لئے استغفار کرتے رہے۔ طاؤس نے کہا شب جمعہ کی سحر پر حضرت یعقوبؑ نے دعا کو موقوف رکھا تھا اور اتفاق سے وہ رات ۱۰ محرم کی بھی پڑ گئی تھی۔ شعبی نے کہا سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ کا یہ مطلب ہے کہ میں یوسفؑ سے معاف کر دینے کو کہوں گا وہ معاف کر دیں گے تو پھر اللہ سے تمہارے لئے استغفار کروں گا۔ اللہ اسی وقت معاف کرتا ہے جب مظلوم بھی اپنا حق معاف کر دے۔

Marfat.com

بعض علماء نے کہا حضرت یعقوبؑ جاننا چاہتے تھے کہ بیٹوں نے سچے دل سے توبہ کی ہے یا نہیں یا بات معلوم ہونے تک آپ نے دعا کو مؤخر کر دیا۔

نودی نے لکھا ہے روایت میں آیا کہ بشارت دینے والے قاصد کے ساتھ حضرت یوسفؑ نے دو سو اونٹنیاں اور بکثرت سامان بھی بھیجا تھا۔ تاکہ حضرت تمام اہل و عیال و متعلقین کو لے کر مصر آجائیں چنانچہ آپ مصر جانے کو تیار ہو گئے اور زن و مرد بہتر اور مسروق کے بقول ۳۹۰ شخص روانہ ہو گئے جب یہ قافلہ مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسفؑ اور بادشاہ چار ہزار فوج کے ساتھ استقبال کے لئے روانہ ہو گئے۔ مصر کے اور لوگ بھی حضرت یوسفؑ کی معیت میں استقبال میں شریک تھے، حضرت یعقوبؑ یہودا پر سہارا دیئے پیدل آرہے تھے، سواروں اور دوسرے لوگوں کو ملاحظہ فرمایا تو دریافت کیا یہودا کیا یہ فرعونِ مصر ہے، یہودا نے جواب دیا نہیں ابا یہ تو آپ کے صاحبزادے ہیں۔

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ جب یعقوبؑ اور ان کے گھر والے یوسفؑ کے پاس پہنچ گئے تو انہوں نے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔

میں کہتا ہوں شاید حضرت یوسفؑ مصر سے روانہ ہو کر کسی خاص مقام تک پہنچ گئے اور وہاں کسی خیمہ یا محل میں اتر کر رک گئے تاکہ قافلہ وہاں پہنچ جائے تو اس کا استقبال کریں اور حضرت یعقوبؑ اپنے متعلقین کے ساتھ اسی مقام پر پہنچ کر حضرت یوسفؑ کے پاس (قصر یا خیمہ کے اندر) داخل ہوئے ہوں۔

بغوی نے لکھا ہے جب یوسفؑ اور یعقوبؑ ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے تو حضرت یوسفؑ نے سلام کرنا چاہا لیکن حضرت جبرئیلؑ نے روک دیا اور فرمایا پہلے وہ سلام کریں پھر آپ کرنا۔

میں کہتا ہوں شاید یہ اس محبوبیت الٰہیہ کا اثر تھا جو حضرت یوسفؑ میں نمودار ہو گئی تھی آخر حضرت یعقوبؑ نے ہی ابتدائی سلام کیا اور کہا اے غموں کے دُور کرنے والے تجھے سلامتی ہو۔

اکثر اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ ماں باپ سے مراد ہیں حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کی خالہ لیا جس طرح دوسری آیت میں چچا کو اللہ نے باپ فرمایا ہے اور ارشاد فرمایا اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ اسی طرح اس آیت میں خالہ کو ماں قرار دیا ہے یا یہ وجہ ہے کہ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کی والدہ کے بعد لیا سے نکاح کر لیا تھا اور لیا ہی نے آپ کی پرورش کی تھی اور پرورش کرنے والی کو اماں کہا ہی جاتا ہے حضرت یوسفؑ کی ماں بنیامین کی ولادت کے وقت مر چکی تھیں۔

حسن بصریؒ کا قول ہے کہ ماں زندہ تھیں اور ابوین سے ماں باپ ہی مراد ہیں۔ بعض اہلِ تفسیر نے لکھا ہے کہ اللہ نے حضرت یوسفؑ کی والدہ کو زندہ کر دیا تھا اور وہ حضرت یعقوبؑ کے ساتھ مصر آئی تھیں۔

بغوی نے لکھا ہے روایت ہے کہ حضرت یوسفؑ اور حضرت یعقوبؑ دونوں نے اتر کر معانقہ کیا، ثوریؒ نے کہا ہر ایک دوسرے کے گلے سے ملا اور دونوں رونے لگے یوسفؑ نے کہا ابا میری وجہ سے آپ اتنا روئے کہ آپ کی نظر جاتی رہی کیا آپ کو یقین نہ تھا کہ قیامت کے دن ہم دونوں ضرور ملیں گے حضرت یعقوبؑ نے فرمایا بیٹے یقین کیوں نہ تھا مجھے تو اس بات کا اندیشہ تھا کہ کہیں تیرا مذہب نہ بدل گیا ہو اور پھر قیامت کے دن میرے اور تیرے درمیان رکاوٹ حائل ہو جائے۔

وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۝ اور کہا چلو مصر کے اندر امن کے ساتھ اللہ نے چاہا تو رہو۔

یعنی تم کو شہر کے اندر داخل ہونے کے اجازت نامے کی ضرورت نہیں۔ شاہی اجازت نامہ کے بغیر اس زمانہ میں کوئی مصر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا یا یہ مطلب ہے کہ اب کال اور دوسری مصائب کا آپ لوگوں کو کوئی اندیشہ نہیں۔

Marfat.com

## ایک شبہ

(انشاء اللہ کا تعلق اُدْخُلُوا سے ہے اور اُدْخُلُوْا امر کا صیغہ ہے اور امر کے ساتھ مشیت کا تعلق بے معنی ہے۔ حکم مفید وجوب ہے اور اِنْ شک کے لئے آتا ہے اور شک وجوب کے منافی ہے۔ مترجم)

## شبہ مذکورہ کا ازالہ

اِنْشَاءَ اللّٰہُ کا تعلق باامن دخول سے ہے (مطلق دخول سے نہیں گویا امن کو مشروط بہ مشیت کیا گیا ہے۔ امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ انشاء اللہ۔ یعنی انشاء اللہ باامن رہو گے داخل ہو جاؤ۔ مترجم) جیسے دوسری آیت میں آیا ہے۔ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ۔ بعض نے کہا اس جگہ اِنْ (بمعنی شک نہیں بلکہ اِذْ (ظرفیہ) کے معنی میں ہے جیسے آیت وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ میں اِنْ بمعنی اِذْ ہے۔ بعض نے کہا آیت میں کچھ تقدیم تاخیر ہے انشاء اللہ کا تعلق سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَکُمْ رَبِّیْ سے ہے یعنی میں انشاء اللہ تمہارے لئے اپنے رب سے استغفار کروں گا۔

وَرَفَعَ اَبَوَیْہِ عَلَی الْعَرْشِ اور یوسفؑ نے اپنے ماں باپ کو اٹھا کر تخت پر بٹھالیا۔ رَفَعَ کا معنی ہے نیچے سے اوپر کو اٹھالینا۔

وَخَرُّوْا لَہٗ سُجَّدًا ۚ اور سب (ماں باپ اور بھائی) یوسفؑ کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے گر پڑے۔ سجدہ سے مراد زمین پر پیشانی رکھنا نہیں بلکہ تواضع سے جھک جانا مراد ہے (لیکن خَرُّوْا کا لفظ تو زمین پر گر پڑنے کا مفہوم ظاہر کر رہا ہے۔ خَرُّوْا کا معنی تو جھکنا نہیں ہے۔ مترجم)

بعض نے کہا زمین پر پیشانی رکھنا ہی مراد ہے مگر یہ سجدۂ عبادت نہ تھا سجدۂ احترام و تعظیم تھا اور اس زمانہ میں احترام و تعظیم کا یہی طریقہ رائج تھا اور گزشتہ امتوں کے لئے بھی غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کرنا جائز تھا۔ ہماری شریعت نے منسوخ کر دیا (اب کسی قسم کا سجدہ اللہ کے سوا کسی کو نہیں کیا جاسکتا) حضرت ابن عباسؓ کا قول اس آیت کی تفسیر میں اس طرح آیا ہے وہ اللہ کے لئے سجدہ میں گر پڑے یوسفؑ کے سامنے ادائے شکر کے طور پر۔ لَہٗ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے (یوسفؑ کی طرف راجع نہیں ہے) میں کہتا ہوں گویا حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر پر یوسفؑ مسجود لہ نہ تھے قبلۂ سجود اور جہت سجدہ تھے اور یوسفؑ کا قبلۂ سجود ہونا اللہ کے حکم سے تھا جیسے ہمارے لئے کعبے کو بحکم الٰہی قبلۂ سجود بنا دیا گیا ہے۔ اور جیسے آدم کو فرشتوں کے لئے قبلۂ سجود بنا دیا گیا تھا۔

بعض نے کہا لَہٗ (میں لام لجلیہ ہے اور ضمیر یوسفؑ کی طرف ہی راجع ہے) یعنی یوسفؑ کے مل جانے کی وجہ سے بطور شکریہ وہ اللہ کے سامنے سجدہ میں گر پڑے اور یہی زیادہ صحیح ہے۔

رَفَع کا لفظ اگرچہ خَرُّوْا سے پہلے ذکر کیا گیا ہے لیکن مطلب یہ ہے کہ وہ سجدے میں گر پڑے اور پھر یوسفؑ نے ماں باپ کو اٹھا کر تخت پر بٹھالیا۔

وَقَالَ یٰۤاَبَتِ ہٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَہَا رَبِّیْ حَقًّا ؕ

اور یوسفؑ نے کہا ابا یہ میرے گزشتہ خواب کی تعبیر ہے میرے رب نے اس کو سچ کر دکھایا۔ یعنی بچپن میں جو میں نے خواب میں گیارہ ستاروں اور چاند سورج کو اپنے لئے سجدہ کرتے دیکھا اس کی تعبیر یہ نکلی۔

وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِکُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ

اور خدا نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور تم سب کو

Marfat.com

جنگل سے یہاں لے آیا یہ سب کچھ اس کے بعد ہوا کہ شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان فساد ڈلوادیا تھا باوجود یہ کہ کنواں شدید ترین قید خانہ تھا لیکن حضرت یوسفؑ نے کرم ذاتی سے کام لے کر اس کا ذکر نہیں کیا تاکہ بھائیوں کو شرمندگی نہ ہو اس کے علاوہ جیل خانہ سے رہائی کا ذکر خصوصیت کے ساتھ اس لئے بھی کیا کہ کنویں سے نکل کر تو غلام ہونا پڑا اور عورتوں کے پھندے میں گرفتار ہونے سے سابقہ پڑا اور قید خانہ سے نکل کر بادشاہ بنائے گئے (تو جیل خانہ سے نکالنا اللہ کا عظیم الشان احسان ہوا) البَدْو: صحرائی میدان جہاں چرواہے اور صحرائی لوگ اپنے جانوروں کو لے کر رہتے ہیں۔ نَزغ: یعنی ہمارے درمیان فساد ڈلوادیا۔ یہ لفظ نَزَغ الرَّائِضُ الدابۃَ سے ماخوذ ہے ایڑ مار کر سوار نے گھوڑا اٹھایا اور چلایا۔

اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ﴿۱۰۰﴾ بلاشبہ میرا رب جو چاہتا ہے اس کی عمدہ تدبیر کرتا ہے یقیناً وہی بڑے علم اور حکمت والا ہے۔ یعنی اس کی تدبیر لطیف ہے دشوار ترین امور میں بھی کارفرمائی اور نفوذ اسی کی مشیت کا ہے۔

بغوی نے لطیف کا ترجمہ کیا ہے صاحب لطف یعنی مہربانی۔ حقیقت میں لطیف اس محسن کو کہتے ہیں جو دوسروں تک نہایت آہستگی کے ساتھ اپنا احسان پہنچادے۔ ھُوَ العَلیم یعنی اپنی مصلحتوں اور تدبیروں کی حقیقت سے وہی واقف ہے اور وہی حکیم ہے۔ یعنی اس کا ہر کام اسی وقت اور اسی طرح پر ہوتا ہے جیسا حکمت کا تقاضہ ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے حضرت یوسفؑ نے اپنے ہر چیز کے ذخیرے اور خزانہ کی ماں باپ کو سیر کرائی کاغذ کا ذخیرہ دیکھ کر حضرت یعقوبؑ نے فرمایا اتنا کثیر انبار کاغذ کا تیرے پاس پڑا ہے اور تو نے ایک خط صرف آٹھ منزل کے فاصلے پر مجھے نہیں بھیجا۔ حضرت یوسفؑ نے جواب دیا جبرئیلؑ نے مجھے یہی ہدایت کی تھی حضرت یعقوبؑ نے فرمایا تو نے جبرئیلؑ سے اس کی وجہ کیوں دریافت نہیں کی۔ حضرت یوسفؑ نے کہا آپ حضرت جبرئیلؑ سے زیادہ بے تکلف ہیں آپ ہی دریافت فرمالیں حضرت یعقوبؑ نے جبرئیلؑ سے (اطلاعی خط بھیجنے کی ممانعت کی) وجہ دریافت کی حضرت جبرئیلؑ نے کہا مجھے اللہ نے ایسا ہی حکم دیا تھا کیونکہ آپ نے وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَہُ الذِّئْبُ کہا تھا اس پر اللہ نے فرمایا تم کو بھیڑیے کا تو اندیشہ ہوا اور میرا خوف نہیں ہوا۔ بغوی نے لکھا ہے اہل تاریخ کہتے ہیں کہ حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کے پاس مصر میں ۲۴ سال انتہائی امن چین اور قابل رشک خوشگواری کے ساتھ گزارے پھر مصر ہی میں آپ کی وفات ہوگئی وفات کے وقت حضرت یوسفؑ کو وصیت کی کہ مجھے لے جاکر میرے باپ اسحٰقؑ کے پاس دفن کرنا۔ یوسفؑ نے وصیت کی تعمیل کی اور لے جاکر شام میں دفن کر دیا پھر مصر لوٹ آئے۔

امام احمد نے الزہد میں مالک کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت یعقوبؑ جب بہت کمزور اور اٹھنے بیٹھنے سے بھی معذور ہوگئے تو اپنے بیٹے یوسفؑ سے فرمایا کپڑوں کے اندر ہاتھ ڈال کر میری پشت پر ہاتھ رکھ کر رب یعقوبؑ کی قسم کھا کر اقرار کرو کہ مجھے میرے باپ دادا کے ساتھ دفن کرو گے میں زندگی کے کام میں ان کا شریک رہا تو مرنے کے بعد مجھے انہی کے قبرستان کے ساتھ دفن کرنا۔ جب آپ کی وفات ہوگئی تو حضرت یوسفؑ نے ایسا ہی کیا کنعان میں لے جاکر آباؤ اجداد کے ساتھ دفن کر دیا۔ سعید بن جبیرؒ نے فرمایا سارہ کے تابوت میں حضرت یعقوبؑ کی میت کو بیت المقدس لے گئے اتفاق ایسا ہوا کہ اسی روز عیص کا بھی انتقال ہوگیا دونوں کو ایک ہی مقبرے میں (یا ایک ہی قبر میں) دفن کیا گیا دونوں کی عمر ۱۴۷ برس ہوئی عیص اور یعقوبؑ ساتھ ہی ایک بطن سے پیدا ہوئے تھے۔ (اگرچہ توائم نہ تھے) جب حضرت یوسفؑ کے تمام دنیوی امور کامل طور پر درست ہوگئے تو آپ نے خیال کیا یہ راحت اور نعمت باقی رہنے والی تو ہے نہیں۔ دنیا کی کسی نعمت کو بقا نہیں اس لئے حسن خاتمہ کی دعا کی اور کہا۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْکِ وَعَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ ۚ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۫ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۚ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۰۱﴾

اے میرے رب تو نے مجھے سلطنت کا ایک بڑا حصہ عطا فرمایا اور خوابوں کی تعبیر دینا سکھائی اے آسمانوں اور زمین



Marfat.com

کے پیدا کرنے والے تو میرا کارساز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، مجھ کو پوری فرماں برداری کی حالت میں دنیا سے اٹھالے اور نیک بندوں کے ساتھ شامل کر دے۔

مِنَ الْمُلْكِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی سلطنت کا حصہ ہمراد مصر کی حکومت۔ جس شخص کے ہاتھ میں نظم و نسق ہو اس کے اقتدار کی ہمہ گیری کو ملک کہتے ہیں۔ مِنْ تَاْوِيْلِ (میں) بھی مِنْ تبعیضہ ہے) یعنی کچھ کسی قدر تعبیر دینی، مکمل تعبیری علم تو حضرت یوسفؑ کو دیا نہیں گیا تھا (اللہ کا علم کامل ہے) وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ۔ فَاطِرِ: پیدا کرنے والا ایجاد کرنے والا۔ وَلِیُّ: ذمّہ دار، کارساز مددگار، یا وہ ذات جو دونوں جہان میں نعمت عطا فرماتی اور کارسازی کرتی ہے۔ اور ملک فانی کو ملک باقی سے ملاتی ہے۔ الصّٰلِحِيْنَ سے مراد ہے انبیاء کیونکہ صلاح کامل اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب انسان ہر خطا سے معصوم ہو اور معصوم انبیاء کے سوا کوئی نہیں (یعنی الصالحین سے مراد ہیں کامل صالحین اور کامل صالحین صف انبیاء ہیں)۔

قتادہ نے کہا سوائے یوسفؑ کے اور کسی نبی نے اپنی موت کی دعا نہیں کی۔ میرے نزدیک یہ قول محلّ تأمّل ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے دعا کی تھی۔ اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا میں سنا کرتی تھی کہ کسی نبی کی وفات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اس کو دنیا و آخرت (میں سے ایک کو انتخاب کر لینے) کا اختیار نہیں دے دیا جاتا (اور وہ آخرت کو پسند نہیں کر لیتا) چنانچہ حضور ﷺ کی بیماری میں جب سخت گرانی کیفیت پیدا ہو گئی تو میں نے خود سنا، حضور ﷺ فرما رہے تھے۔ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَالصَّالِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا یہ سن کر میں نے یقین کر لیا کہ حضور ﷺ کو دنیا اور آخرت میں سے ایک کو پسند کر لینے کا اختیار دے دیا گیا۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین وابن سعد۔

## قصہ کا تکملہ

حضرت یوسفؑ کے تمام دنیوی احوال جب درست ہو گئے اور ماں باپ اور دوسرے متعلقین بھی مل گئے تو اس وقت اپنے رب سے ملنے کا شوق غالب آیا اور مذکورہ دعا کی۔ حسن بصریؒ نے فرمایا اس کے بعد آپ چند سال زندہ رہے۔ دوسرے علماء کا خیال ہے ایک ہفتہ بھی گزرنے نہ پایا کہ آپؑ کی وفات ہو گئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت یوسفؑ، حضرت یعقوبؑ سے کتنی مدت جدا رہے علماء کے اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں۔ کلبی نے کہا ۲۲ سال جدا رہے۔ بعض نے ۴۰ سال مدت جدائی بیان کی۔ حسن بصریؒ نے کہا ۷ سال کی عمر میں کنویں میں ڈالے گئے اور باپ سے اسّی برس غائب رہے اور حضرت یعقوبؑ کی ملاقات کے بعد ۲۳ سال جئے اور ۱۲۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔ توریت میں آپ کی عمر ۱۱۰ سال ذکر کی گئی ہے۔

عزیز کی بیوی کے بطن سے حضرت یوسفؑ کے تین بچے ہوئے افرائیم بیٹا اور (تیسری لڑکی) رحمت۔ افرائیم کی نسل میں سے یوشع بن نون، خادم موسیٰؑ ہوئے۔ رحمتؓ حضرت ایوبؑ صابر کی بیوی تھیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے بعد حضرت یوسفؑ ساٹھ سال یا اس سے بھی زیادہ زندہ رہے بہر حال وفات کے وقت (بر قول صحیح) آپ کی عمر ۱۲۰ برس تھی۔ اہل مصر نے سنگ مرمر کے ایک تابوت میں بند کر کے نیل میں آپ کو دفن کر دیا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ آپ کی وفات کے بعد ہر محلے والوں نے اپنے محلہ میں آپ کو دفن کرنا چاہا تاکہ اس محلے والوں کو برکت حاصل ہو اختلاف اتنا بڑھا کہ باہم جنگ ہونے اور لڑنے مرنے کا اندیشہ ہو گیا آخر سب نے یہی مناسب سمجھا کہ آپ کو نیل کے اندر دفن کر دیا جائے۔ نیل کا پانی پورے شہر میں پھیلتا تھا اس طرح آپ کی برکت سے پورا شہر بہرہ اندوز ہو گا۔

عکرمہؓ نے کہا نیل کے دائیں جانب آپ کو دفن کیا گیا تھا جس کی وجہ سے وہ جانب بہت سرسبز اور غلہ آفریں ہو گیا اور دوسرا جانب خشک ہو گیا پھر آپ کو دائیں جانب سے نیل کے بائیں جانب منتقل کیا گیا تو دایاں جانب سوکھ گیا اور بایاں جانب سر

Marfat.com

سبز ہو گیا آخر نیل کے وسط میں دفن کر دیا۔ اس طرح نیل کے دونوں رُخ سر سبز ہو گئے۔ حضرت موسیٰؑ کے زمانہ تک آپ کی قبر نیل ہی میں رہی پھر حضرت موسیٰؑ نے آپ کا تابوت نیل سے نکلوا کر ملکِ شام کو منتقل کیا اور باپ دادا کے قبرستان میں دفن کر دیا۔ ابن اسحاق اور ابن ابی حاتم نے بحوالۂ عروہ بن زبیرؓ بیان کیا کہ اللہ نے جب حضرت موسیٰؑ کو حکم دیا بنی اسرائیل کو مصر سے نکال کر شام کو لے جاؤ تو اس کے ساتھ یہ بھی حکم دیا تھا کہ یوسفؑ کی ہڈیاں بھی ساتھ لے جانا مصر کی زمین میں نہ چھوڑنا بلکہ ارضِ مقدسہ میں لے جا کر دفن کر دینا۔ حضرت موسیٰؑ نے تلاش کی کہ کوئی یوسفؑ کی قبر کا نشان جاننے والا مل جائے تلاش کے بعد صرف ایک بڑھیا اسرائیلی ملی جس نے کہا کہ اے اللہ کے نبی میں یوسفؑ کی قبر کا مقام جانتی ہوں اگر آپ مجھے اپنے ساتھ یہاں سے نکال کر لے جائیں اور سرزمین مصر میں چھوڑ کر نہ جائیں تو میں آپ کو قبر بتا دوں گی۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا، میں تیری خواہش کے مطابق کر دوں گا حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل سے وعدہ کیا تھا کہ جس وقت چاند نکلے گا اس وقت یہاں سے روانہ ہوں گے، چاند نکلنے کا وقت آگیا اور حضرت یوسفؑ کا تابوت اس وقت تک آپ برآمد نہ کر سکے اس لئے آپ نے اللہ سے دعا کی کہ چاند کے طلوع میں کچھ تاخیر ہو جائے تاکہ وعدہ خلافی نہ ہو دعا قبول ہو گئی اور چاند کے طلوع میں کچھ تاخیر ہو گئی پھر بڑھیا آپ کو اپنے ساتھ لے گئی اور نیل کے پانی کے اندر ایک طرف کو حضرت یوسفؑ کی قبر دکھا دی۔ جس کے اندر سے ایک مرمر کا صندوق حضرت موسیٰؑ نے نکلوا لیا اور اس کو اٹھا کر لے گئے۔

حضرت یوسفؑ کے بعد عمالقہ کے خاندان میں پے در پے مصر کے فرعون ہوتے رہے اور بنی اسرائیل ان کے زیرِ حکم رہے مگر حضرت یوسفؑ کے مذہب پر قائم رہے یہاں تک کہ حضرت موسیٰؑ پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اور آپ کے ہاتھ سے اللہ نے فرعون کو ہلاک کر لیا۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

یہ (قصۂ یوسفؑ) غیب کی خبروں میں سے ہے جو وحی کے ذریعہ سے ہم آپ کو بتا رہے ہیں اور آپ ان (برادرانِ یوسفؑ) کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جبکہ انہوں نے اپنا ارادہ پختہ کر لیا تھا اور وہ تدبیریں کر رہے تھے۔

یعنی کنویں کے گڑھے میں یوسفؑ کو ڈالنے کا پختہ ارادہ کر لیا تھا مقصد یہ ہے کہ قصۂ یوسفؑ کا وحی کے ذریعے سے آپ کے پاس آنا اور آپ کا بذریعۂ وحی اس پر مطلع ہونا ثابت ہو رہا ہے کیونکہ اولادِ یعقوبؑ میں سے کسی سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی کہ آپ نے ان کی زبانی سن لیا ہو اور خود وہاں موجود نہ تھے اور نہ آپ کی قوم والوں کو یہ قصہ معلوم تھا کہ کسی سے پوچھ کر آپ نے بیان کر دیا ہو۔ یہ مؤخر الذکر آیت مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ میں ذکر دی گئی ہے اس لئے یہاں ذکر نہیں کی گئی۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ یہود و قریش دونوں نے رسول اللہ ﷺ سے حضرت یوسفؑ کا قصہ دریافت کیا تھا۔ جب آپ نے توریت کے موافق ذکر کر دیا تب بھی وہ اسلام نہیں لائے اس پر رسول اللہ ﷺ کو سخت رنج ہوا اس پر آیت نازل ہوئی۔

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۱ ۱۵

اور اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے گو آپ کی کتنی ہی زیادہ خواہش ہو اور آپ ان سے اس کا کچھ معاوضہ تو طلب نہیں کرتے، یہ تو صرف تمام جہاں والوں کے لئے ایک نصیحت ہے۔ یعنی آپ کتنی ہی یعنی آپ کتنی ہی ان کے مؤمن ہو جانے کی خواہش کریں اور کتنے ہی معجزات کا اظہار کریں، لیکن اللہ نے چونکہ ان کے کافر رہنے کا فیصلہ کر دیا ہے اس لئے وہ ایمان نہیں لائیں گے اور آپ ان سے اس قرآن کو پیش کرنے یا خبریں بیان کرنے کی کوئی اُجرت بھی تو نہیں مانگتے (کہ ان پر کچھ مالی بوجھ پڑتا ہو) یہ قرآن تو محض ایک عمومی نصیحت نامہ ہے (جس کو ماننے میں پیسے صرف کرنا نہیں پڑتے) جو اس کو نہ مانے گا تو اتمامِ حجت ہو جائے گا اور جو ایمان لانے والے ہیں ان کے لئے رحمت و بصیرت ہے۔

Marfat.com

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾

اور بہت سی نشانیاں آسمانوں اور زمین میں ہیں جن پر ان کا گزر ہوتا رہتا ہے اور وہ ان کی طرف توجہ نہیں کرتے اور جو لوگ خدا کو مانتے بھی ہیں تو اس طرح کہ ان میں سے اکثر شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ كَاَيِّنْ کے معنی ہیں کثیر یعنی اللہ کی صنعت، حکمت اور کمالِ قدرت و توحید کی کتنی ہی دلیلیں ہیں جو ان کی نظر کے سامنے آتی ہیں اور یہ ان کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ مگر ان کی طرف توجہ نہیں کرتے، منہ پھیر لیتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ بہت سی آیاتِ عبرت ان کے سامنے آتی ہیں اور اقوامِ پارینہ کے آثار کا مشاہدہ کرتے ہیں مگر غور و فکر نہیں کرتے اور عبرت اندوز نہیں ہوتے۔ اور اگر اللہ کے وجود و خالقیت کا اقرار کرتے بھی ہیں تو اس کی عبادت میں دوسروں کو شریک بنالیتے ہیں اللہ کی عبادت کے ساتھ دوسروں کی بھی پوجا کرتے ہیں جب ان سے پوچھا جاتا تھا کہ آسمان و زمین کو کس نے پیدا کیا تو جواب دیتے تھے اللہ نے اور جب دریافت کیا جاتا تھا کہ اوپر سے پانی کون برساتا ہے تو کہتے تھے اللہ۔ مگر اس کے باوجود وہ پتھروں کی پوجا کرتے تھے اور کہتے تھے پتھر کی وجہ سے ہم پر بارش ہوئی (یعنی بعض ستاروں کو بارش ہونے میں دخیل سمجھتے تھے فقط مادی اسباب کی حیثیت سے نہیں بلکہ علّتِ تامّہ کی حیثیت سے۔ مترجم)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، اس آیت کا نزول عرب کے مشرکوں کے لبّیک کہنے کے سلسلے میں ہوا۔ عرب کے مشرک (احرام یا طوافِ کعبہ کے وقت) ان الفاظ میں لبّیک کہتے تھے، اے اللہ! ہم حاضر ہیں ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ شریک ہے جس کو تو نے شریک بنالیا ہے اور تو اس کا مالک ہے وہ مالک نہیں۔

عطا نے کہا مشرکوں کی یہ دعا (یعنی شرک آمیز دعا) آسائش و فراغت کے زمانے میں ہوتی تھی، کہ اپنے رب (کے ساتھ دوسروں کو شریک بناتے، شریکوں کو پکارتے اور رب) کو بھول جاتے تھے۔ لیکن جب مصیبت میں گرفتار ہوتے اور پیٹ پڑتی تو اس وقت صرف اللہ کو پکارتے تھے۔ اِذَا رَكِبُوْا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ جب جہازوں اور کشتیوں میں سوار ہوتے ہیں تو خالص طور پر اللہ کو پکارتے ہیں اور جب اللہ سمندر سے بچا کر خشکی میں پہنچا دیتا ہے تو پھر شرک کرنے لگتے ہیں۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے حکم کے خلاف علماء و مشائخ کے احکام پر چلتے اور ان کو رب قرار دیتے ہیں یا اللہ کی طرف والد ہونے کی نسبت کرتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ کی اولاد ہیں یا (مجوسی ہیں) نور و ظلمت کی الوہیت کے قائل ہیں مجملہ شرک کے قدریہ فرقہ کا یہ قول بھی ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خالق ہے توحید خالص تو اہلِ سنت کا قول ہے کہ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں۔ بلکہ مسبّب کی طرف سے غافل ہو کر اسباب پر نظر رکھنا (اور عملی طور پر اسباب کو ہی کارساز قرار دینا) بھی شرک کی قسم ہے اہلِ توحید صرف صوفیا ہیں (جن کی نظر اسباب پر نہیں بلکہ ہر وقت مسبّب پر ہوتی ہے۔ مترجم)۔

اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

سو کیا پھر بھی ان کو اس بات کا خوف نہیں کہ اللہ کے عذاب کی کوئی آفت ان پر آپڑے جو ان کو گھیر لے یا اچانک ان پر قیامت آجائے اور ان کو خبر بھی نہ ہو۔ یعنی کیا یہ اپنے رب کو بھول گئے اور مطمئن ہو گئے کہ کوئی چھا جانے والا عذابِ خدا و ندی ان پر آجائے۔ قتادہ نے غَاشِيَةٌ کا ترجمہ کیا ڈھانپنے والی آفت اور ضحاک نے کہا اس سے مراد ہے آسمانی بجلیاں اور غیبی حوادث۔ بغتۃ اچانک جس کی پہلے سے نہ کوئی علامت ہو نہ علم نہ وقتِ معیّن ہو۔ وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ اور وہ بے خبر ہوں اس کے لئے تیار بھی نہ ہو۔ اَفَاَمِنُوْا میں استفہام انکاری ہے یعنی ان کے لئے یہ خدا فراموشی اور عذاب فراموشی اور عذاب سے بے خوفی مناسب نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لوگ بازاروں میں مشغول ہوں گے کہ ایک سخت چیخ لوگوں کو ہیجان میں ڈال دے گی۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو آدمی (بائع اور مشتری) کپڑا پھیلائے ہوئے (سودا کرنے میں مشغول) ہوں گے کہ قیامت آجائے گی نہ خرید و فروخت کر سکیں گے نہ کپڑے کو لپیٹ سکیں گے۔ یہ حدیث اور

Marfat.com

قیامت کی تشریح سورۂ اعراف کی آیت یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا الخ کی تفسیر کے ذیل میں کر دی گئی ہے۔

قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ ۟ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ ۭ وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۱۰۸

(اے محمدؐ) آپ کہہ دیجئے کہ یہ توحید اور آخرت کی تیاری کی دعوت میرا راستہ ہے میں لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں میں بھی دلیل پر قائم ہوں اور وہ لوگ بھی جو میرے پیرو ہیں اور اللہ ہر طرح کے نقص اور شرک سے پاک ہے اور میں شرکوں میں سے نہیں ہوں۔

سَبِیْلِیْ میرا طریقہ، میرا راستہ۔ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ یہ سَبِیْلِیْ کی تشریح ہے یعنی میں اللہ کی ہستی اور اس کی توحید پر ایمان لانے اور ہر نامناسب وصف سے اس کو پاک سمجھنے اور اسی کے قرب کی طلب کرنے کی طرف لوگوں کو بلاتا ہوں عَلٰی بَصِیْرَۃٍ بصیرت سے مراد ہے یقین اور معرفت یعنی میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جو خود تراشیدہ خیالات کو مانتے ہیں جن کا ان کو خود کوئی علم نہیں ہوتا۔ یا بصیرت سے مراد ہے بیان اور واضح روشن دلیل۔ وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ یعنی جو لوگ مجھ پر ایمان رکھتے ہیں اور میری تصدیق کرتے ہیں وہ بھی اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ کلبی اور ابن زید نے کہا رسول اللہ ﷺ کا اتباع کرنے والوں پر لازم ہے کہ جس راستے کی طرف رسول اللہ ﷺ نے دعوت دی ہے اس کی طرف وہ بھی لوگوں کو بلائیں اور قرآن کا ذکر کرتے رہیں یا یہ مطلب ہے کہ میں اور میری اتباع کرنے والے بصیرت پر ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مَنِ اتَّبَعَنِیْ سے صحابہ کرامؓ مراد ہیں، صحابہؓ راہِ ہدایت پر تھے، معدنِ علم تھے، کنزِ ایمان تھے اور اللہ کا لشکر تھے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا جو سنّت پر چلنا چاہے وہ مُردوں کے طریقے پر چلے، صحابۂ رسول ﷺ کے راستہ پر چلے صحابہؓ کا گروہ اس امت میں سب سے زیادہ پاک باطن گروہ تھا جن کا علم بہت گہرا تھا اور بناوٹ بالکل نہ تھی، اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی رفاقت اور اپنی دین کی اشاعت کے لئے ان کا انتخاب کیا تھا وہ راہِ مستقیم پر گامزن تھے تم لوگ انہیں کے اخلاق اور زندگی کے طریقوں کو اختیار کرو اور انہی سے مشابہت پیدا کرو۔ وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ یعنی میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور شرک سے اس کے پاک ہونے کا اعتراف و اقرار کرتا ہوں۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ مِّنْ اَھْلِ الْقُرٰی ۭ اور آپ سے پہلے ہم نے مختلف بستیوں والوں میں جتنے رسول بھیجے اور جن کو وحی بھیجتے رہے وہ سب آدمی ہی تھے (فرشتے نہیں تھے) یہ تردید ہے کافروں کے اس قول کی کہ ہمارا رب چاہتا تو ملائکہ کو ہدایت کے لئے اتار دیتا۔

نُّوْحِیْٓ اِلَیْھِمْ یعنی جس طرح آپ کے پاس وحی بھیجی اسی طرح ان پیغمبروں کے پاس بھی وحی بھیجتے رہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں سے ممتاز ہو گئے۔ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی یعنی وہ قصبوں اور بستیوں کے رہنے والے تھے صحرائی خانہ بدوش نہ تھے۔ صحرائی لوگ بد خُلق اکھڑ اور دُرشت خو ہوتے ہیں اور بستیوں، شہروں والے دانش مند، ذی علم اور حلیم الطبع ہوتے ہیں۔

حسن بصریؒ نے کہا اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ نے نہ کسی جن کو پیغمبر بنایا نہ کسی عورت کو نہ کسی غانہ بدوش صحرائی کو میں کہتا ہوں اس آیت سے نبوتِ جن کی نفی نہیں ہوتی (رجال جنات میں سے بھی ہوتے ہیں) اللہ نے فرمایا کَانَ رِجَالٌ مِّنَ الْاِنْسِ یَعُوْذُوْنَ بِرِجَالٍ مِّنَ الْجِنِّ اس کے علاوہ اس جگہ انسانوں کی پاس پیغمبر بھیجنے کا ذکر ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جنات کے پاس جن کو پیغمبر بنا کر نہیں بھیجا گیا اللہ نے خود فرمایا ہے لَوْ کَانَ فِی الْاَرْضِ مَلٰٓئِکَۃٌ یَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْھِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَکًا رَّسُوْلًا۔

اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ ۭ وَلَدَارُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۱۰۹

تو کیا یہ لوگ ملک میں کہیں چلے پھرے نہیں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے کہ ان لوگوں کا کیسا بُرا انجام ہوا جو اُن سے پہلے کافر ہو گزرے ہیں اور آخرت کا گھر ان لوگوں کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو گناہوں سے بچتے ہیں سو کیا تم اتنا نہیں سمجھتے۔ یعنی آپ کی تکذیب کرنے والے مشرک ملک میں چل پھر کر اتنا نہیں دیکھتے کہ پہلے پیغمبروں کو اور ان کے معجزات کو جھوٹا قرار دینے والوں کا کیسا برا نتیجہ ہوا ان کے برے انجام کو دیکھ

Marfat.com

کر ان کو عبرت حاصل کرنا اور آپ کی تکذیب نہ کرنا چاہئے تھا مَا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ سے مراد وہ لوگ ہیں جو دنیا میں ڈوبے ہوئے ہیں اور آخرت کی طرف سے غافل ہو کر دنیا پر ٹوٹے پڑتے ہیں ان کا انجام کیا ہوا اس کو دیکھنے کے لئے دیدۂ عبرت نگاہ کی ضرورت ہے ان لوگوں کو سمجھنا چاہئے کہ پچھلے دنیا پرستوں کا کیا انجام ہوا اور اللہ نے اپنے دوستوں اور اطاعت شعار بندوں کے لئے کیا سلوک کیا دنیا میں نازل شدہ عذاب سے ان کو بچا لیا اور آخرت میں جو کچھ ان کو دیا جائے گا وہ اس دنیا سے کہیں بہتر ہوگا۔ عقل سے کام لینے کی اور یہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آخرت ہی بہتر ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّىَ مَنْ نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾ یہاں تک کہ جب پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہو گئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہو گیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی تو ان کو ہماری مدد پہنچی پھر اس عذاب سے ہم نے جس کو چاہا وہ بچا لیا گیا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں لوٹایا جاتا۔

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْـَٔسَ الرُّسُلُ کا تعلق سابق آیت وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا سے ہے یعنی ہم نے آپ سے پہلے آدمیوں کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا اور ان کی امتوں نے ان کی تکذیب کی یہاں تک کہ جب وہ ناامید ہو گئے الخ۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس کا تعلق محذوف کلام سے ہے اصل کلام یوں تھا کہ ان کافروں کو اس بات سے فریب خوردہ نہ ہونا چاہئے کہ اتنے زمانے تک ان پر عذاب نہیں آیا اور اب تک تباہی سے بچے ہوئے ہیں کیونکہ ان سے پہلے لوگوں (مثلاً امتِ نوح وغیرہ) کو بڑی طویل مہلتیں دی جا چکی ہیں یہاں تک کہ پیغمبر بھی ان کے ایمان کی طرف سے مایوس ہو گئے تھے کیونکہ وہ دیکھ رہے تھے کہ باوجود کفر میں ڈوب جانے کے یہ لوگ عیش و آرام میں ہیں مدتِ دراز سے چین و راحت میں پڑے ہوئے ہیں اور ان کا کچھ نہیں بگڑا۔ قَدْ كُذِبُوْا کا معنی بظاہر یہی ہے کہ پیغمبروں کو گمان ہو گیا کہ اللہ نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا اس کے خلاف کیا وعدہ پورا نہیں کیا چونکہ یہ معنی غلط ہے اسی لئے حضرت عائشہؓ نے كُذِبُوْا کی قرأت کا انکار کر دیا اور كُذِّبُوْا کی جگہ كُذِبُوْا پڑھا۔ مگر كُذِّبُوْا کی قرأت متواتر ہے خواہ حضرت عائشہؓ کو اس کا علم نہ ہو البتہ ظاہری معنی نہیں ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ پیغمبر قوم کے ایمان کی طرف سے مایوس ہو گئے اور انہوں نے خیال کر لیا کہ قوم نے جو ہم سے ایمان کا وعدہ کیا وہ غلط کیا یہ ایمان نہیں لائیں گے یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبروں نے گمان کر لیا کہ ہمارے فہم نے غلطی کی ہم سمجھتے تھے کہ ہماری مدد بہت جلد کی جائے گی مگر ہمارا یہ فہم غلط تھا۔ ظَنُّوْا کی ضمیر کافروں کی طرف راجع ہے یعنی یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ کافر خیال کرنے لگے کہ پیغمبروں نے جو ہم کو توحید کی دعوت دی تھی اور بصورتِ خلاف ورزی عذاب کی دھمکی دی تھی وہ غلط تھی ہم سے جھوٹ کہا گیا تھا یا یہ مطلب ہے کہ پیغمبروں پر ایمان لانے والوں کو خیال ہو گیا کہ پیغمبروں نے جو ہم سے فتح و نصرت کا اور کافروں کی ہلاکت کا وعدہ کیا تھا وہ غلط نکلا کچھ معاملہ گڑبڑ ہو گیا بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک آیت کا ظاہری مطلب ہی مراد ہے۔ پیغمبر بھی بشر تھے اور بہ تقاضائے بشریت ان کو گمان ہونے لگا کہ ہم سے جو فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا تھا وہ غلط نکلا یہ گمان پیغمبروں کے ضعفِ قلب اور تقاضائے بشریت کا نتیجہ تھا پھر حضرت ابن عباسؓ نے یہ آیت پڑھی حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ۔ یہاں تک کہ پیغمبر اور اس پر ایمان لانے والے لوگ کہنے لگے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی یہ مطلب وہی ہے جس کا حضرت عائشہؓ نے انکار کر دیا اور اسی وجہ سے كُذِبُوْا کی قرأت کا بھی انکار کر دیا۔

بیضاوی نے لکھا ہے اگر صحیح روایت سے حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول ثابت ہو جائے تو اس وقت ظَنّ سے مراد ہوگا وسوسہ اور بے اختیار دل میں پیدا ہونے والا خیال۔ طیبی نے لکھا ہے روایت صحیح ہے بخاری نے بھی اس کو ذکر کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ آیت کا (حقیقی معنی مراد نہیں ہے بلکہ) تمثیلی معنی مراد ہے طولِ مہلت اور نزولِ عذاب میں انتہائی تاخیر کو بطور تمثیل بیان کیا گیا ہے كُذِبُوْا بغیر تشدید ذال کے کوفیوں کی قرأت ہے دوسرے لوگوں کی قرأت كُذِّبُوْا تشدید ذال ہے یعنی پیغمبروں کو یقین ہو گیا کہ کافروں نے ان کی ایسی تکذیب کی ہے کہ اس کے بعد ایمان لانے کی امید نہیں رہی، قتادہ نے یہی معنی بیان کیا ہے۔ بعض لوگوں نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ پیغمبر جب تکذیب کرنے والوں کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور انہوں نے

Marfat.com

گمان کر لیا کہ جو لوگ ایمان لے آئے ہیں ان کو بھی جھوٹا کر دیا گیا اور سخت شدائد میں مبتلا ہونے اور امداد میں تاخیر کی وجہ سے ان میں بھی تزلزل پیدا ہو گیا اور وہ بھی ایمان سے پھر جائیں گے مَنْ نَشَآءُ سے مراد ہیں انبیاء اور ان کے ساتھی اہل ایمان چونکہ انبیاء اور ان کے ساتھی مستحق نجات تھے اور کسی دوسرے کے نجات پانے کا گمان بھی نہیں ہو سکتا اس لئے صراحۃً ان کا ذکر نہیں کیا گیا ہے اور مبہم طور پر مَنْ نَشَآءُ فرما دیا وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا۔ بَاْسٌ: عذاب۔ یعنی آیا ہوا اللہ کا عذاب لوٹایا نہیں جاتا۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے مَنْ نَشَآءُ سے بعض مؤمن مراد ہوں اور کافروں کے ساتھ رہنے کی وجہ سے بعض مؤمن عذاب سے ہلاک کر دیئے گئے ہوں، کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً اور اس عذاب سے ڈرو جو صرف انہیں لوگوں پر نہیں آئے گا جنہوں نے ظلم کیا ہوگا۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ؕ ان (انبیاء اور ان کی امتوں کے یا یوسفؑ اور ان کے بھائیوں) کے قصے میں عقل والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔ یعنی ان دانش مندوں کے لئے عبرت ہے جن کی عقلیں سلیم اور محسوس پرستی کی طرف میلان سے پاک ہیں سعید چاہ سے مرتبۂ شاہ پر فائز کرنا اور بوریہ سے اٹھا کر تخت شاہی پر پہنچانا بڑا عبرت آفریں ہے صبر کا انجام سلامتی اور عزت ہے اور فریب کا نتیجہ رسوائی اور ندامت ہے۔

مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ (یہ قرآن) نہیں ہے تراشی ہوئی بات (کہ اس سے عبرت و نصیحت نہ ہو) بلکہ اس سے پہلے کی (آسمانی) کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور ہر (ضروری) بات کی تفصیل کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ذریعۂ ہدایت و رحمت ہے۔

يُفْتَرٰى، از خود گڑھی ہوئی تراشی ہوئی۔ اَلَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ سے مراد ہے توریت و انجیل كُلِّ شَيْءٍ سے مراد ہے ہر ضروری دینی بات جس کی بندوں کو حاجت ہوتی ہے ہر دینی امر کا ثبوت قرآن سے ملتا ہے خواہ براہ راست یا حدیث یا اجماع اور اجتہاد کے واسطہ سے۔ جو مسئلہ حدیث سے ثابت ہے وہی قرآن سے بھی ثابت ہے اللہ نے فرمایا ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ہم نے ہر پیغمبر کو اس لئے بھیجا کہ بحکم خدا اس کی اطاعت کی جائے۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اللہ ﷺ جو کچھ تم کو حکم دے دیں لے لو اور جس چیز سے روک دیں رک جاؤ جو مسئلہ اجماع سے ثابت ہے وہی قرآن سے بھی ثابت ہے اللہ نے فرمایا ہے وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى ہدایت ظاہر ہونے کے بعد جو شخص رسول ﷺ سے کٹ جائے گا اور اہل ایمان کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چلے گا تو ہم اس کو اسی کے اختیار کردہ راستہ پر چلنے دیں گے۔ اور جو مسئلہ قیاس سے ثابت ہے وہ بھی قرآن سے ہی ثابت ہے۔

اللہ نے فرمایا ہے فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ اے عقل والو نصیحت حاصل کرو عبرت پکڑو۔

چونکہ اہل ایمان ہی قرآن سے نفع اندوز ہوتے ہیں اس لئے انہی کا خاص طور پر ذکر کیا (اگرچہ قرآن کی راہنمائی ہر شخص کے لئے عام ہے)

شیخ ابو منصور ماتریدیؒ نے فرمایا حضرت یوسفؑ اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں رسول اللہ ﷺ کے لئے صبر کی تلقین ہے۔ یوسفؑ کے بھائی تو یوسفؑ کے ساتھ دین میں موافق تھے اور سب ایک باپ کے بیٹے تھے یوسفؑ کے ساتھ انہوں نے بدسلوکی کی اور یوسفؑ نے صبر کیا اور دانستہ ان کی خطاؤں سے درگزر کی اور معاف کر دیا، پس آپ کو تو اپنی قوم کی ایذاء رسانیوں پر زیادہ صبر کرنا چاہئے آپ کی قوم تو کافر اور جاہل ہے۔

وہب کا قول ہے کہ اللہ نے جو کتاب نازل کی اس میں قرآن کی طرح پوری سورت یوسفؑ نازل فرمائی۔

الحمد للہ یکم صفر ۱۲۰۲ھ کو سورۂ یوسف کی تفسیر ختم ہوئی۔ بحمد اللہ ۱۵ رمضان ۱۳۸۶ھ کو تفسیر سورۂ یوسف کا ترجمہ ختم ہوا۔ مرتب

Marfat.com

# سُورَۃُ الرَّعد

سورۂ رعد مکی ہے اس میں تینتالیس آیتیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ یہ قرآن کی (یا کامل سورت کی) آیات ہیں، الکتاب سے مراد ہے قرآن مجید یا پوری سورت اور تلک سے آیات کی طرف اشارہ ہے اور آیاتِ الکتاب میں اضافت تقدیر مِنْ ہے یعنی یہ آیات قرآن یا سورت کا ایک حصہ ہیں۔

وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ ①

اور جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا جاتا ہے وہ بالکل سچ ہے لیکن بہت سے آدمی ایمان نہیں لاتے۔ (یہ ترجمہ اس صورت میں ہوگا کہ واؤ کو استینافیہ قرار دے کر اَلَّذِیْ کو مبتدا اور اَلْحَق کو خبر مان کر جملہ کو بالکل علیحدہ مستقل تسلیم کیا جائے لیکن حضرت مفسرؒ نے لکھا ہے کہ) اگر الکتاب سے مراد سورت ہو تو اَلَّذِیْ سے مراد قرآن ہوگا اور اس کا الکتاب پر عطف بحالت جر ایسا ہی ہوگا جیسا عام کا عطف خاص پر ہوتا ہے۔ یعنی یہ آیات سورت کی اور قرآن کی آیات ہیں اور اگر الکتاب سے مراد قرآن ہو اور اَلَّذِیْ سے مراد بھی قرآن ہی ہے تو ایک صفت کا دوسری صفت پر عطف ہوگا اور اَلْحَق خبر ہے جس کا مبتدا محذوف ہے یعنی وہی حق ہے۔

## ایک شبہ

اَلْحَق پر الف لام لانا بتا رہا ہے کہ قرآن ہی حق ہے تو کیا حدیثِ رسول اللہ ﷺ اور اجماع اور قیاس حق نہیں ہے۔

## جواب

مَا اُنْزِلَ سے مراد عام ہے جو کچھ نازل کیا گیا خواہ صریحاً یا ضمناً قیاس، اجماع اور حدیث کے اتباع کرنے کا حکم چونکہ قرآن میں صریحاً ہے اس لئے ارکانِ ثلاثہ بھی ضمناً حق ہیں۔

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ الخ یعنی اکثر لوگ چونکہ غور و نظر کی غلطی اور فکر و نظر کے اختلال میں مبتلا ہیں۔ اس لئے وہ قرآن کی حقانیت سے واقف نہیں۔ مقاتل نے کہا اس آیت کا نزول مشرکین مکہ کے حق میں ہوا تھا مشرکوں نے کہا کہ محمد ﷺ نے قرآن خود بنا لیا ہے اللہ نے اس قول کی تردید فرما دی اور اگلی آیات میں اپنی توحید کے دلائل بیان فرمائیں۔

اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ②



Marfat.com

اللہ ایسا قادر ہے جس نے بغیر ستونوں کے آسمانوں کو اونچا کھڑا کر دیا جو تم کو نظر آ رہے ہیں پھر وہ عرش پر قائم ہو گیا اور سورج و چاند کو کام پر لگا دیا ہر ایک ایک وقتِ معیّن میں چلتا رہتا ہے وہی ہر کام کی تدبیر کرتا ہے وہی صاف صاف طریقے سے دلائل بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب کی پیشی کا یقین کر لو۔

عَمَدٍ ستون، یہ عِمَاد کی یا عُمُود کی جمع ہے جیسے اَھَبَ اِھَابٌ کی اور اُدُمٌ اَدِیْمٌ کی جمع ہے۔ تَرَوْنَهَا جملہ علیحدہ ہے (اسی کے مطابق ہم نے ترجمہ کیا ہے یا عَمَد کی صفت ہے یعنی اللہ نے بغیر محسوس اور مرئی ستونوں کے اونچا آسمان قائم کیا ہے۔ اس میں صانع حکیم کی ہستی کی دلیل ہے تمام اجسام جسمانیت میں برابر ہیں (صورتِ جسمیہ طبیعتِ نوعیہ ہے جس کا تحقق تمام اجسامِ علویہ و سفلیہ میں برابر ہے شیخ بوعلی ابن سینا کا بھی یہی قول ہے۔ مترجم) پھر خصوصیات میں اختلاف (کہ کسی کو پست رکھا کسی کو بلند کیا اور دوسرے نوعی خواص کا تفاوت) چاہتا ہے کہ مختلف خواص عطا کرنے والا کوئی پس پردہ ہے جو نہ جسم ہے نہ جسمانی اسی نے بعض خواص میں دوسرے ممکنات پر اپنے ارادہ و اختیار سے ترجیح دی ہے۔ دوسری دلائلِ توحید وجود جو ذیل میں بیان کی گئی ہیں ان سے بھی اللہ کی ہستی اور اس کی توحید پر اسی طرح استدلال کیا جا سکتا ہے۔

اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کی پوری تحقیق سورۂ یونس میں ذکر کر دی گئی ہے۔ تسخیرِ شمس و قمر سے مراد ہے ان کو کام پر لگا دینا کہ ایک مخصوص مقدار و اندازہ کے مطابق یہ رواں دواں ہیں جس سے حوادثِ یومیہ پیدا ہوتے ہیں۔

كُلٌّ يَّجْرِيْ یعنی ان میں سے ہر ایک دنیوی آسمان میں چلتا ہے۔

لِاَجَلٍ مُّسَمًّى یعنی معیّن وقت میں جس میں وہ اپنا دورہ پورا کر لیتے ہیں یا ایک وقتِ معیّن تک چلتے رہیں گے یعنی دنیا کے فنا ہونے تک۔

يُدَبِّرُ الْاَمْرَ یعنی ہست و نیست کرنا اور زندگی و موت دینا اور پورے اُمورِ حکومت کا انتظام کرنا اس کا کام ہے۔

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وہی دلائل اُتار تا یا کھول کھول کر علیحدہ علیحدہ بیان کرتا ہے، یا ایک کے بعد ایک دلیل پیدا کرتا رہتا ہے۔

لَعَلَّكُمْ تاکہ تم ان پر غور کرو اور اللہ کے کمالِ قدرت کو جان لو اور سمجھ لو کہ جو خدا ان چیزوں کو پیدا کر سکتا اور ان کا انتظام رکھ سکتا ہے وہ ان کو فنا کر کے دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے اور تم کو سزا و جزا بھی دے سکتا ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ اور وہی تو ہے جس نے زمین کو بچھایا تاکہ اس پر قدم جم سکیں اور جاندار چل پھر سکیں۔

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ اور زمین میں پہاڑ بنائے رواسی سے مراد پہاڑ ہیں۔ رَسَى الشَّيْءُ وہ چیز جم گئی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کوہِ ابو قبیس زمین پر سب سے پہلے قائم کیا گیا۔

وَاَنْهٰرًا اور دریا بنائے پہاڑوں سے دریا نکلتے ہیں اس لئے ایک ہی فعل (جَعَلَ) کے تحت دونوں کو ذکر کیا۔

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ اور زمین میں ہر طرح کے پھولوں کی دو دو قسمیں پیدا کیں عمدہ اور ردّی (اچھے بُرے) یا یہ مراد ہے کہ طرح طرح کے پھل پیدا کئے جن کی مختلف قسمیں ہیں اور کم سے کم دو قسمیں تو ضرور ہی ہیں (ممکن ہے کہ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ سے زوماده مراد ہوں۔ واللہ اعلم بمرادہ۔ مترجم)

يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ چھپا دیتا ہے رات کو دن پر یعنی رات کی تاریکی سے دن کی روشنی کو چھپا دیتا ہے جس کی وجہ سے روشن فضا تاریک ہو جاتی ہے اور جو چیز تاریک تھی وہ روشن ہو جاتی ہے۔ (شاید حضرت مفسرؒ کی اس سے مراد یہ ہے کہ طرفین سے چھا جانا مراد ہے رات دن پر چھا جاتی اور اور دن کی روشنی رات کی تاریکی کو چھپا لیتی ہے۔ مترجم)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝ بیشک ان اُمور میں سوچنے والوں کے لئے (توحید اور قدرت و حکمت کے) دلائل موجود ہیں ان کی رنگینی اور خواص کا تنوع بتا رہا ہے کہ اس کا صانع کوئی یکتا مدبر حکیم ہے جو ان کا انتظام کر رہا

Marfat.com

ہے اور تمام اسباب کو فراہم کر رہا ہے۔

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ اور زمین میں پاس پاس ملے ہوئے مختلف قطعات ہیں کوئی عمدہ اور پیداواری ہے اور کوئی شوریلا نمکین کوئی نرم کوئی سخت، کوئی کھیتی کرنے کے قابل ہے درخت بونے کے قابل نہیں کوئی درختوں کی سرزمین ہے کھیتی کے ناقابل کسی میں سبزہ کم ہے (یا بجز ہے) اور کوئی سبزہ زار ہے اگر یہ فعل قادرِ مختار اور صانع حکیم کا نہیں تو پھر یہ اختلاف کیوں ہے اور کیوں خواص میں تفاوت ہے زمین کی طبیعت ایک ہی ہے لوازم طبیعت بھی یکساں ہیں مساوی اسباب کی تاثیر بھی ایک ہی جیسی ہے وضع اور نسبت میں بھی کوئی فرق نہیں پھر سوائے اس کے کہ ایک قادرِ مختار کی مشیت کی کارفرمائی قرار دی جائے اور کیا سبب اختلاف بتلایا جا سکتا ہے۔

وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُّسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ اور انگوروں کے باغ ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجوروں کے درخت ہیں کچھ تو ایک تنہ سے اوپر دو شاخہ ہو گئے ہیں اور کچھ دو تنے نہیں ہوئے ان میں سے ہر ایک کو ایک ہی طرح کے پانی سے سینچا جاتا ہے اور ہم ایک کو دوسرے پر پھلوں میں فوقیت دیتے ہیں۔

زَرع اصل میں مصدر ہے اس لئے اس کو جمع لانے کی ضرورت نہیں۔

صِنْوَانٌ: صِنْوٌ کی جمع ہے جیسے قِنْوَانٌ (خوشے) قِنْوٌ کی جمع ہے اس کے تثنیہ کا نون مکسور ہوتا ہے اور بغیر تنوین کے ہوتا ہے اور جمع کے نون پر ہر حرکت مع تنوین کے آتی ہے ایک جڑ سے دو تنے برآمد ہوں تو ان کو صِنْوٌ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباسؓ کے متعلق فرمایا آدمی کا چچا اس کے باپ کا صِنْوٌ ہوتا ہے۔

غَيْرُ صِنْوَانٍ یعنی الگ الگ ہوئے ہیں جڑیں جُدا جُدا ہوتی ہیں۔

اَلْاُكُلِ پھل یعنی مقدار میں، مزہ..... میں رنگ میں، خوشبو میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر فوقیت دی ہے۔ ترمذی نے بروایت حسن اور حاکم نے بسند صحیح حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وقل اور فارسی اور میٹھا اور کھٹا۔

ان سب میں بھی صانع حکیم کی قدرت کی جھلک ہے اصول کے ایک اسباب ایک جیسے پھر ان کا باہمی اختلاف کسی قادرِ مختار کی خصوصی عطا ہے۔ مجاہد نے کہا اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک باپ سے سب آدمی پیدا ہوئے لیکن کوئی اچھا ہے کوئی بُرا، حسن نے اس کی تشبیہ انسانوں کے دلوں سے دی ہے۔ زمین کا ایک خمیر تھا اللہ نے اپنے دستِ قدرت سے اس کو پھیلایا بچھایا اور پاس پاس اس کے جُدا جُدا ٹکڑے کر دیئے پھر اس پر آسمان سے پانی برسایا جس کی وجہ سے ایک ٹکڑے سے پھل پھول اور کھیتیاں درخت پیدا کئے اور دوسرے کو شوریلا نمکین کلر اور بنجر کر دیا، باوجود یہ کہ سب پر ایک طرح کا پانی برسایا، آدمیوں کی حالت بھی اسی طرح ہے سب کو آدمؑ سے پیدا کیا اور سب کے لئے ہدایت نامہ کا پانی آسمان سے اُتارا کچھ دل تو اس کی وجہ سے نرم پڑ گئے اور ان کے اندر خشوع پیدا ہو گیا اور کچھ سخت ہو گئے اور غافل بن گئے۔

حسن نے کہا خدا کی قسم جو شخص بھی قرآن کا جلیس (ہم نشین) ہوا تو اٹھنے کے وقت کچھ زیادتی لے کر اٹھا یا کمی لے کر (فائدہ لے کر یا نقصان لے کر) اللہ نے فرمایا ہے وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ ان امور میں بھی سمجھ داروں کے لئے توحید کے دلائل موجود ہیں جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں اور غور کرتے ہیں ان کو ان امور کے اندر اللہ کی توحید نظر آتی ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اور (اے محمدؐ اگر آپ کو تعجب ہو تو واقعی ان کا یہ قول تعجب کے لائق ہے کہ جب ہم خاک ہو گئے تو کیا از سرِ نو پھر (قیامت کے دن) پیدا ہوں گے۔

Marfat.com

جملۂ استفہامیہ قَوْلُهُمْ کا بدل ہے یا مقولہ یعنی مفعول ہے یعنی ان کا یہ قول حشر کا انکار کر رہا ہے وہ اس بات کا تو اقرار کرتے ہیں کہ اول تخلیق اللہ نے کی لیکن دوبارہ پیدا کئے جانے کے منکر ہیں حالانکہ یہ بات ہر شخص مانتا ہے کہ کسی کام کی ابتدا سے دوبارہ اس کو کرنا آسان ہوتا ہے بشرطیکہ ابتداءً ارادہ و اختیار کے ساتھ علم اور اندازہ کے تحت کی گئی ہو بے اختیار بلا ارادہ بغیر جانے بوجھے نہ ہو گئی ہو اور مشرکوں کو اللہ کی بااختیار خلاقیت اور علم و ارادہ کے ساتھ موجد ہونے کا تو اقرار تھا۔ وہ فلاسفہ کی طرح خدا کو غیر مختار نہیں جانتے تھے پھر تخلیقِ جدید کا انکار بے عقلی کی بات تھی۔ مترجم)

یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ مشرک جو آپ کے دعوئ رسالت کی تکذیب کر رہے ہیں باوجود یہ کہ کھلے ہوئے معجزات دیکھ رہے ہیں اور واضح دلائل بھی ان کے سامنے ہیں پھر بھی ایسی چیزوں کی پوجا کرتے ہیں جن میں نفع نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں اور آپ کو ان کی اس حرکت پر تعجب ہو رہا ہے تو ان کا یہ قول بھی تعجب کے لائق ہے کہ ہم خاک ہو جانے کے بعد کیا دوبارہ از سرِ نو پیدا کئے جائیں گے۔ حالانکہ اللہ ہی نے تمام وہ چیزیں جن کی تفصیل ذکر کر دی گئی نیست سے ہست کی ہیں پھر ان کے مرنے کے بعد دوبارہ ان کو پیدا کرنا تو آسان ہے۔

آیاتِ مذکورہ اور دلائلِ واضحہ چاہتے ہیں کہ ان کا ایک (بااختیار) فاعل ہو اسی طرح دوبارہ پیدا ہونے کے امکان پر بھی ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے ان سے اللہ کا قادرِ مطلق ہونا اور مختلف قابلیت کی چیزوں میں مختلف تصرفات کرنا ثابت ہو رہا ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا انکار کیا ہے یعنی قیامت کا انکار کرنے والے اپنے رب کے منکر ہیں کیونکہ اس کی قدرت کا انکار کرتے ہیں اور جو قادر نہ ہو عاجز ہو وہ رب ہونے کے قابل نہیں ہو سکتا۔

وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ اور یہی لوگ ہیں جن کی گردنوں میں گمراہی کے طوق ہیں (جن سے خلاصی کی کوئی امید نہیں یا) دوزخ کے اندر ان کے گلے میں آگ کے طوق ہوں گے۔ قیامت کے دن ان کو طوق پہنائے جائیں گے۔

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ اور یہی (قیامت کے دن) دوزخی ہوں گے۔

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ جس کے اندر وہ ہمیشہ رہیں گے کبھی نہیں نکالے جائیں گے۔ ضمیرِ فصل (یعنی ہم) کا درمیان میں لانا بتا رہا ہے کہ کفار ہی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ خُلُودٌ فی النار کافروں کے لئے مخصوص ہے اہلِ سنّت کا یہی قول ہے۔ معتزلہ کا قول اس کے خلاف ہے (وہ مؤمن فاسق کو دوامی دوزخی کہتے ہیں کیونکہ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کو وہ ایمان سے خارج جانتے ہیں اگرچہ کافر نہیں کہتے۔ مترجم)

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ

اور یہ لوگ بھلائی (عافیت کی میعاد ختم ہونے) سے پہلے آپ سے بُرائی (یعنی مصیبت کے نزول) کا تقاضا کرتے ہیں حالانکہ ان سے پہلے (اور کفار پر) واقعات عقوبت گزر چکے ہیں۔

اِسْتِعْجَال وقتِ مقررہ سے پہلے کسی چیز کی طلب کرنا (عجلت طلبی) سیئہ سے مراد ہے عذاب اور سزا اور حسنہ سے مراد ہے نعمت و عافیت۔ مشرکینِ مکّہ عافیت کی جگہ عذاب (خداوندی) کے طالب تھے اور استہزاء کے طور پر کہتے تھے اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے یا ہم پر کوئی اور دردناک عذاب بھیج دے۔

اَلْمَثُلٰتُ ان جیسے دوسرے کافروں پر نازل ہونے والی سزائیں، یعنی سابق کافروں پر نازل ہونے والی عقوبتوں سے کیوں عبرت حاصل نہیں کرتے اور کیوں ان کو اپنے اوپر ویسے ہی عذاب نازل ہونے سے ڈر نہیں لگتا۔ مَثُلَةٌ مَثَلَةٌ جیسے صَدُقَةٌ اور صَدَقَةٌ ہر سزا کو کہتے ہیں کیونکہ سزا جرم کی مثل ہوتی ہے قصاص کو بھی مثل اسی وجہ سے کہا جاتا ہے اَمْثَلْتُ الرَّجُلَ میں نے اس کا قصاص لے لیا۔

Marfat.com

وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ کا رب لوگوں کی خطائیں باوجود ان کی بے جا حرکتوں کے معاف کر دیتا ہے۔

عَلٰى ظُلْمِهِمْ یعنی باوجود یہ کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ آیت منکرین قیامت کے متعلق ہے اور منکرین قیامت کی مغفرت اللہ کبھی نہیں کرے گا تو مغفرت سے مراد ہے ڈھیل دینا فوراً پکڑ نہ کرنا یعنی اللہ حلیم ہے کافروں کو بھی باوجود ان کی بے جا حرکتوں کے ڈھیل دیتا رہتا ہے اور ان کو فی الفور عذاب نہیں دیتا۔ حالانکہ وہ عذاب آنے میں عجلت کے طلب گار ہوتے ہیں۔

وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ آپ کا رب سخت عذاب دیتا ہے جب اللہ کی طرف سے عذاب آجاتا ہے تو کوئی اس کو دفع نہیں کر سکتا۔ سدی نے کہا کہ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ۔ مؤمنوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ نازل ہوئی۔ قرآن مجید میں جتنی آیات گناہگار مؤمنوں کو امید مغفرت دلا رہی ہیں اور ان سب سے بڑھ کر امید گاہ مغفرت یہ آیت ہے اس آیت میں "عَلٰى ظُلْمِهِمْ" کا لفظ امید دلا رہا ہے کہ بغیر توبہ کے بھی مغفرت ہو سکتی ہے کیونکہ توبہ کرنے والا ظلم پر نہیں رہتا۔ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے یہ حدیث حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے ابن ماجہ نے مرفوعاً نقل کی ہے۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ آیت وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ اور آیت وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ دونوں کا تعلق مؤمنوں سے ہے مگر دونوں مشروط بہ مشیت ہیں، مطلب یہ ہے کہ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ جس کو چاہے گا معاف کر دے گا اور جس کو چاہے گا عذاب دے گا۔

ابن ابی حاتم اور بیہقی اور واحدی نے سعید بن مسیبؒ کی روایت سے مرسلاً بیان کیا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کی طرف سے معافی اور درگزر نہ ہوتی تو یہاں کوئی زندہ نہ رہتا اور اگر اس کی طرف سے عذاب کی دھمکی نہ ہوتی تو ہر ایک اس کی رحمت پر بھروسہ کر بیٹھتا۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اور یہ کفار کہتے ہیں ان پر کوئی (خاص) معجزہ (جو ہم چاہتے ہیں) کیوں ان کے رب کی طرف سے نہیں نازل کیا گیا۔ آیۃ یعنی کوئی خاص نشانی اور معجزہ جو ان کی نبوت کو ثابت کر رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر جو معجزات نازل کئے گئے کافروں کے نزدیک درخور اعتناء نہیں تھے اور عناد و ضد کی وجہ سے خود پسند معجزات کے طلب گار تھے اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا۔

اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۝ آپ صرف (مخالفت کرنے والوں کو اللہ کے عذاب سے) ڈرانے والے نبی ہیں اور ہر قوم کے لئے راہنما ہوتے چلے آئے ہیں۔ یعنی آپ کے ذمے صرف احکام الٰہی پہنچا دینا اور نہ ماننے والوں کو عذاب کا خوف دلانا ہے۔ مطلوبہ معجزات کو پیش کرنا اور جبراً ہدایت یافتہ بنا دینا آپ کا کام نہیں۔ راہ حق کی طرف بلانا آپ کا کام ہے اور ہر قوم کی ہدایت کے لئے کوئی نہ کوئی پیغمبر آتا رہا ہے جو خداداد معجزات پیش کرتا رہا ہے۔ مطلوبہ فرمائشی معجزات کسی نے پیش نہیں کئے۔

سعید بن جبیرؓ کے نزدیک ہادی سے مراد اللہ ہے۔ یعنی ہر قوم کو ہدایت یاب بنانا اور ہدایت پر قدرت دینا تو اللہ کا کام ہے وہی ہدایت پر قادر ہے يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ عکرمہ نے کہا ہادی سے مراد ہیں رسول اللہ ﷺ۔ یعنی آپ تو صرف ڈرانے والے اور ہر قوم کو راستہ دکھانے والے ہیں۔

رافضی کہتے ہیں اصل آیت میں وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ عَلِيٌّ ہر قوم کے ہادی علی ہیں تھا عثمان نے حسد کی وجہ سے عَلِيٌّ کا لفظ ساقط کر دیا۔ ان کو اللہ سزا دے، ان کو نہیں معلوم کہ اللہ نے قرآن کے متعلق وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ فرمایا ہے ہم ہی قرآن کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اگر بفرض محال ان کے قول کو مان بھی لیا جائے تو پھر اصل آیت کی رو سے رسول اللہ ﷺ پر بھی

Marfat.com

حضرت علیؓ کی فضیلت لازم آتی ہے کیونکہ آیت کا مفہوم اس وقت یہ ہوگا کہ آپ تو صرف ڈرانے والے ہیں اور ہر قوم کے ہادی تو علیؓ ہیں (یعنی آپ ہدایت کے درجہ پر فائز نہیں یہ کام تو علیؓ کا ہے)

اللہ کا علم کامل ہے قدرت تام ہے، قضاء وقدر کے دائرہ سے کوئی چیز باہر نہیں وہ ہر فرمائشی معجزہ کو پیدا کر سکتا ہے اور قادرِ مطلق ہے ان کافروں کو ہدایت بھی کر سکتا ہے مگر مطلوبہ معجزات کی درخواست سے طلبِ ہدایت مقصود نہیں بلکہ محض عناد کے زیر اثر ایسی فرمائشیں کی جاتی ہیں اس لئے ان فرمائشوں کو پورا نہیں کرتا اور چونکہ ان کے کافر رہنے کا ازلی فیصلہ پہلے ہی ہو چکا ہے اس لئے ہدایت یاب ہونے کی ان کو توفیق بھی نہیں دیتا۔ ان تمام مضامین پر آیاتِ ذیل دلالت کر رہی ہیں۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ اللہ ہی جانتا ہے جو کچھ کسی مادہ کو حمل رہتا ہے اور جو کچھ رحم میں کمی بیشی ہوتی ہے۔

مَا تَحْمِلُ (میں مَا مصدری ہے یعنی) حاملہ ہونے کو اللہ جانتا ہے یا (مَا موصولہ ہے یعنی) جس چیز کو مادہ اپنے پیٹ میں اٹھائے ہوتی ہے۔ نر یا مادہ ایک یا متعدد، پورے سالم اعضاء والا بچہ یا ناقص اور اس کی ہر موجودہ اور آئندہ حالت کو اللہ جانتا ہے۔

تَغِيْضُ، غَاضَ کا مضارع ہے اور غَاضَ لازم بھی ہے بمعنی اِنْغَاضَ (باب انفعال) کے اور متعدی بھی ہے بمعنی اَغَاضَ (باب افعال) کے۔ قاموس میں ہے غَاضَ الْمَاءُ پانی کم ہو گیا گھٹ گیا۔ غَاضَ ثَمَنُ السِّلْعَةِ سامان کی قیمت گھٹ گئی۔ غَاضَ الْمَاءَ وَ ثَمَنَ السِّلْعَةِ اس نے پانی تھوڑا کر دیا اور سامان کی قیمت گھٹا دی۔

تَزْدَادُ، اِزْدَادَ سے مضارع ہے اِزْدِيَادٌ (افتعال) لازم بھی آتا ہے۔ جیسے اِزْدَادَ الْقَوْمُ عَلٰى عَشَرَةٍ قوم دس افراد سے زیادہ ہو گئی اور متعدی بھی آتا ہے جیسے وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ہم ایک بار شتر بڑھا دیں گے۔ اگر دونوں فعلوں کو لازم کہا جائے تو مَا مصدری ہوگا یعنی ارحام کے گھٹنے اور بڑھنے کو اللہ جانتا ہے، رحم کے گھٹنے بڑھنے سے مراد ہے رحم کے اندر والی چیز کے جثہ، مدت اور تعداد کا گھٹنا بڑھنا اور اگر دونوں فعل متعدی مانے جائیں تو مَا موصولہ بھی ہو سکتا ہے اور مصدریہ بھی۔

## مسئلہ

باتفاق علماء حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا چھ مہینے میں عورت کا بچہ پیدا ہو گیا، حضرت عثمانؓ نے عورت کو سنگسار کر دینے کا حکم دے دیا حضرت ابن عباسؓ (مانع ہوئے اور) فرمایا کتاب اللہ کی روشنی میں اگر میں تم سے اس مسئلہ میں مناظرہ کروں تو تمہارے پاس جواب نہ ہوگا اللہ نے فرمایا وَحَمْلُهٗ وَفِصَالُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا اس کا حالتِ حمل میں رہنا اور دودھ پینا تیس ماہ ہے۔ دوسری آیت میں آیا ہے وَفِصَالُهٗ فِيْ عَامَيْنِ اور اس کا دودھ چھڑانا دو سال میں ہوتا ہے دونوں آیتوں کے ملانے سے مدتِ حمل کم سے کم چھ ماہ رہتی ہے۔ حضرت عثمانؓ نے یہ سن کر تعزیری سزا منسوخ کر دی۔ ابن ہمام نے لکھا ہے کہ حضرت عثمانؓ نے سزا ساقط کر دی اور کسی نے مخالفت نہیں کی تو یہ اجماع سکوتی ہو گیا (کہ حمل کی مدت کم سے کم چھ ماہ ہے) کبھی چھ ماہ بچہ پیدا ہوتا اور زندہ بھی رہتا ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل دو سال ہے۔

دار قطنی اور بیہقی نے سنن میں ابن المبارک کے طریق سے از داؤد بن عبد الرحمٰن از ابن جریج از جمیلہ بنت سعد ایک حدیث بیان کی ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تکلے کے سایہ کی بقدر بھی کوئی عورت حمل میں دو سال سے آگے نہیں بڑھتی دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے حمل دو سال سے زیادہ نہیں ہوتا خواہ زیادتی تکلے کے سایہ کے برابر ہو۔

ایک قول میں امام شافعیؒ و امام مالکؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل چار سال ہے دوسری روایت میں امام مالکؒ کا قول آیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مدتِ حمل پانچ برس ہے حماد بن سلمہ نے کہا ہرم بن سنان کو ہرم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ ماں کے پیٹ میں چار برس رہا تھا (ہرم بہت زیادہ بوڑھے آدمی کو کہتے ہیں)

Marfat.com

بیہقی کا بیان ہے کہ ولید بن مسلم نے امام مالک بن انس سے کہا مجھ سے بیان کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا عورت کے حمل کی مدّت میں دو سال سے تکلے کے سایہ کے بقدر بھی اضافہ نہیں ہوتا امام مالک نے فرمایا۔ سبحان اللہ یہ کون کہتا ہے میری یہ ہمسائی محمد بن عجلان کی بیوی بہت سچی عورت ہے اور اس کا شوہر بھی بڑا سچا آدمی ہے اس عورت کے تین بطن بارہ سال میں پیدا ہوئے ہر بطن چار سال میں۔

ابن ہمام نے کہا ظاہر ہے کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں جو مدّت آئی ہے وہ (حضرت عائشہؓ کا قیاس نہیں ہے ایسے مسائل میں قیاس کو دخل نہیں) صرف سماعی ہے (رسول اللہ ﷺ سے آپ نے ایسا ہی سنا ہوگا) لہٰذا مرفوع کے حکم میں ہے (یعنی حضرت عائشہؓ کا قول نہیں بلکہ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے) اور حدیثِ مرفوع بہر حال محمد بن عجلان کی بیوی کے قول سے زیادہ قابلِ اعتماد ہے اگر حدیث کی نسبت شارع کی طرف صحیح ثابت ہو جائے تو پھر حدیث میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں ہو سکتا اور ولید بن مسلم کی روایت اگر صحیح بھی ہو اور امام مالکؒ نے ایسا ہی فرمایا ہو اور عورت نے بھی ایسا ہی بیان کیا ہو تب بھی اس میں غلطی کا احتمال ہے اگر یہ مان لیا جائے کہ چار برس تک (حیض کا) خون نہیں آتا اور چار سال کے بعد بچہ پیدا ہوا تو اس سے یہ یقین کیسے کیا جا سکتا ہے کہ وہ عورت پورے چار برس حاملہ رہی ہو سکتا ہے کہ اس کی پاکی کی مدّت دو سال یا اس سے زیادہ رہی ہو پھر دو سال یا اس سے کم مدّت حمل والی ہوئی ہو۔ اگر یہ کہا جائے کہ پیٹ کے اندر حرکت ہوتی ہوئی چار سال تک محسوس ہوتی رہی (لا محالہ بچہ ہی حرکت کرتا ہوگا) تو حرکت سے بچہ کے وجود پر بھی استدلال قطعی نہیں بغیر بچہ کے (صرف ریاح منجمد کی) حرکت بھی ممکن ہے ہم سے بیان کیا گیا تھا کہ ایک عورت نے نو ماہ تک پیٹ میں کسی چیز کی حرکت محسوس کی اس عرصہ میں خون بھی بند رہا اور پیٹ بھی بڑا ہو گیا جب وضع حمل کا وقت آیا اور دایہ جا کر بیٹھی اور درد ہوئے تو پانی چھوٹ گیا اور رفتہ رفتہ پیٹ لگ گیا اور کوئی بچہ پیدا نہ ہوا آخر دایہ اُٹھ گئی..... شبہ کیا جا سکتا ہے کہ ایک عورت کا شوہر چند سال گھر سے غائب رہا جب واپس آیا تو بیوی کو حاملہ پایا حضرت عمرؓ نے اس کو سنگسار کرا دینے کا ارادہ کیا حضرت معاذؓ نے فرمایا امیر المؤمنین اگر اس عورت پر آپ کو (شرعی) دست رس ہو بھی تب بھی اس کے پیٹ کے بچہ پر آپ کو کوئی دست رس نہیں ہو سکتی یعنی اس کو آپ قتل نہیں کر سکتے جب بچہ پیدا ہو جائے تو عورت کو سنگسار کرا سکتے ہیں غرض بچہ پیدا ہوا اور ایسا ہوا کہ اس کے دو اگلے دانت بھی نکل آئے تو اس شخص نے بچہ کو دیکھا تو بولا قسم ہے رب کعبہ کی یہ میرا بچہ ہے۔ (حضرت عمرؓ نے عورت کی سزا منسوخ کر دی جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دو سال سے زائد مدّتِ حمل حضرت عمرؓ نے تسلیم کر لی)۔

## جواب

یہ سزا کی منسوخی تو اس وجہ سے ہوئی کہ مرد نے اس بچہ کو اپنا بیٹا ہونا تسلیم کر لیا اور دعویٰ کیا کہ وہ اسی کا بیٹا ہے اور جس کا فراش ہوتا ہے بچہ اسی کا شرعاً مانا جاتا ہے (خواہ وہ بچہ زنا کا ہی ہو مگر مانا جائے گا شوہر ہی کا) اسی لئے حضرت عمرؓ نے سزا موقوف کر دی۔

## مسئلہ

ایک بطن میں ایک جھلی کے اندر زیادہ سے زیادہ کتنے بچے ہوتے ہیں اس کی کوئی حد نہیں۔ بعض نے کہا کہ چار بچوں کا ہونا تو معلوم ہوا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا یمن میں مجھ سے ایک شیخ نے بیان کیا تھا کہ اس کی بیوی کے پانچ بطن ہوئے اور ہر بطن میں پانچ پانچ بچے ہوئے۔ میں کہتا ہوں ہندوستان میں ایک خبر مشہور ہوئی تھی کہ پورب کی طرف قاضی قدوہ کی بیوی کے ایک بطن میں ایک جھلی میں سو بچے ہوئے اور سب زندہ رہے۔

بغوی نے لکھا ہے اہلِ تفسیر کہتے ہیں کہ غِیْضَ الْاَرْحَامُ حیض ہے جو بچہ پر اثر انداز ہوتا ہے اگر حاملہ کو حیض آنے لگے

Marfat.com

تو بچہ میں نقصان آجاتا ہے۔ رحم کے اندر حیض کا خون بچہ کی غذا ہے جب خون آجاتا ہے تو بچہ کی غذا گھٹ جاتی ہے اور بچے میں نقصان آجاتا ہے اور حمل کی حالت میں حیض بند رہے تو بچہ بڑھتا رہتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے۔ پس نقصان سے مراد ہے بچے کی جسمانی بناوٹ کا نقصان جو خون کے نکلنے سے ہو جاتا ہے اور زیادتی سے مراد ہے بچہ کی تخلیقی بناوٹ کا پورا ہو جانا جو خون بند رہنے سے ہوتا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ حاملہ کو حیض ہو جائے تو بچہ کی غذا کم ہو جاتی ہے اور مدتِ حمل بڑھ جاتی ہے یہاں تک کہ پاکی کے نو ماہ پورے ہو جائیں (تب بچہ پورا پیدا ہوتا ہے) اگر حمل کی حالت میں پانچ دن خون آگیا تو نو ماہ پانچ روز میں بچہ پیدا ہو گا پس غذا کی کمی بیشی سے مدتِ حمل میں کمی بیشی ہو جاتی ہے۔ حسن بصریؒ نے فرمایا غِیْضَ الْاَرْحَامُ سے مراد ہے (حمل کی مدت) نو ماہ سے کم ہونا اور زیادہ سے مراد ہے نو ماہ سے مدتِ حمل کا زیادہ ہو جانا۔

بعض نے کہا نقصان سے مراد ہے، بچہ کا ساقط ہونا اور زیادت کا معنی ہے بناوٹ کا پورا ہونا۔

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ اور ہر چیز اللہ کے نزدیک ایک خاص انداز سے مقرر ہے۔ یعنی ہر چیز کی اللہ کے علم میں ایک حد معین ہے حد مقرر سے کوئی چیز نہ بڑھ سکتی ہے نہ گھٹ سکتی ہے۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹ وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کو جاننے والا ہے سب سے بڑا اور عالیشان ہے۔

غیب اور شہادت کی تفسیر سورۂ جن میں ذکر کر دی گئی ہے۔ اَلْكَبِيْرُ سے مراد یہ ہے کہ ہر چیز اس سے پست اور کم درجہ ہے اور اَلْمُتَعَال کا یہ مطلب ہے کہ وہ اپنی قدرت سے ہر چیز پر غالب ہے یا یہ مراد ہے کہ مخلوق کی تعریف و توصیف سے بالاتر ہے۔

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ ۝۱۰

جو شخص تم سے کوئی بات چپکے سے کہے اور جو پکار کر کہے اور جو شخص رات میں کہیں چھپ جائے اور جو دن میں چلے پھرے یہ سب خدا کے علم میں برابر ہیں۔

مَنْ اَسَرَّ جو دل میں بات چھپائے رکھے۔ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ اور جو دوسروں سے اپنی بات کہہ دے۔ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ جو اپنے کو دوسروں سے چھپائے رکھنا چاہے۔ سَارِبٌ بِالنَّهَارِ جو دن میں باہر نکلے کہ اس کو ہر شخص دیکھے۔ سَارِبٌ، سَرَبَ، سُرُوْبًا سے مشتق ہے۔ سروب کا معنی ہے برآمد ہونا باہر نکلنا۔ بعض نے کہا سرب کا معنی ہے راستہ۔ پس سارب کا معنی ہوا، راستہ میں چلتے پھرتے رہنے والا۔ قتیبی نے کہا سَارِبٌ بِالنَّهَارِ یعنی دن میں اپنے کاروبار میں مشغول ہونے والا۔

حضرت ابن عباسؓ نے اس آیت میں فرمایا کہ مُسْتَخْفٍ سے مراد ہے رات کو چھپ کر زنا کرنے والا اور سَارِبٌ بِالنَّهَارِ کا یہ مطلب ہے کہ دن میں باہر نکل کر وہ لوگوں کو دکھاتا ہے کہ میں جرم سے پاک ہوں۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ؕ ہر شخص (کی حفاظت یا اعمال کے لکھنے) کے لئے کچھ فرشتے مقرر ہیں جن کی بدلی ہوتی رہتی ہے کچھ اس کے آگے اور کچھ اس کے پیچھے کہ وہ بحکم خدا اس کی حفاظت یا نگرانی رکھتے ہیں۔

مُعَقِّبَاتٌ، مُعَقِّبَةٌ کی جمع ہے یہ لفظ عَقَّبَ سے بنا ہے (اور متعدی نہیں ہے بلکہ) مبالغہ کے لئے عَقَّبَهٗ اس کے پیچھے آگیا۔ یا اعتقب سے بنا ہے۔ اس صورت میں معقبۃ کی اصل معتقبۃ ہو گی۔ تا کو قاف میں ادغام کر دیا گیا۔ باب افتعال کی تا مبالغہ کے لئے ہے۔

بغوی نے لکھا معقب واحد کا صیغہ ہے اس کی جمع معقبۃ ہے اور معقبۃ کی جمع معقبات ہے جیسے اناثات سعد سعد کی عورتیں اور رجالات بکر (قبیلہ بکر کے مرد) کہا جاتا ہے اناثات، اناث کی اور رجالات، رجال کی جمع ہے اور اناث کا واحد انثیٰ ہے اور رجال کا مفرد رجل بہر حال اس سے مراد فرشتے ہیں جو رات دن باری باری سے آتے جاتے رہتے

Marfat.com

ہیں، رات کے فرشتے چڑھ جاتے ہیں تو ان کے پیچھے دن کے فرشتے آجاتے ہیں اور دن کے فرشتے چڑھ جاتے ہیں تو ان کے بعد رات کے فرشتے آجاتے ہیں اور بندوں کے اعمال لکھتے ہیں اور آفات سے ان کی حفاظت کرتے ہیں۔[1]

بغوی نے صحیح سند سے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تم میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے آگے پیچھے آتے جاتے رہتے ہیں فجر اور عصر کی نماز میں دونوں کا اجتماع ہوتا ہے رات بھی جو فرشتے تم میں رہتے ہیں فجر کو جب وہ چڑھ جاتے ہیں تو ان کا رب باوجود یہ کہ خود بخوبی واقف ہوتا ہے پھر بھی فرشتوں سے پوچھتا ہے تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا۔ فرشتے عرض کرتے ہیں ان کو ہم نے نماز پڑھتے چھوڑا اور جب ہم پہنچے تھے تب بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے۔

مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ یعنی چھپنے والے اور ظاہر ہونے والوں میں سے ہر ایک کے آگے۔

وَمِنْ خَلْفِهٖ یعنی اس کے باقی اطراف میں۔ (حضرت مفسرؒ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ خَلْف سے مراد صرف پیچھے کا رخ کا نہیں بلکہ دایاں بایاں رُخ بھی اس میں شامل ہے کیونکہ دائیں بائیں رخ سے حفاظت کرنے پر بھی تو فرشتے مقرر ہیں)

يَحْفَظُوْنَهٗ یعنی اگر تقدیری وقت اور حکم نہیں آیا ہے تو حفاظت کرتے ہیں اور تقدیر کا لکھا آچکا ہے تو بندے کو چھوڑ کر الگ ہو جاتے ہیں۔

مجاہد نے کہا ہر بندے پر ایک فرشتہ موکل (مقرر) ہے جو سوتے جاگتے اس کی حفاظت کرتا ہے اور ہر جن وانس اور کیڑے مکوڑے سے اس کی نگہداشت کرتا ہے جو (ضرر رساں) چیز بھی بندے پر آنا چاہتی ہے فرشتہ اس سے کہتا ہے ہٹ پرے جا۔ ہاں اللہ ہی کا حکم کسی چیز کے آپہنچنے کا ہوتا ہے تو وہ چیز پہنچ جاتی ہے کعب احبار نے کہا اگر اللہ فرشتوں کو تم پر مامور نہ کر دیتا جو کھانے پینے اور برہنگی کے وقت تمہارے قریب رہتے ہیں تو جنات تم کو جھپٹ لیتے یا يَحْفَظُوْنَهٗ سے مراد ہے کہ آدمی کے اعمال کی نگرانی کرتے ہیں اس مطلب پر معقبات سے مراد ہوں گے وہ دو فرشتے جو دائیں بائیں ہاتھ پر بیٹھے نیکیاں اور بدیاں لکھتے رہتے ہیں (اور چونکہ یہ فرشتے چار ہیں دو دن کے اور دو رات کے اس لئے معقبات بصیغۂ جمع فرمایا۔ مترجم)

اللہ نے فرمایا ہے اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ۔ ابن جریج نے کہا یعنی آدمی پر اس کے اعمال کی حفاظت کرتے ہیں۔

---

[1] ازالۃ الخفاء میں کنانہ عدوی کی روایت سے آیا ہے کہ حضرت عثمان بن عفانؓ نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے بتائیے کہ بندے کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں۔ فرمایا ایک فرشتہ تیرے دائیں ہاتھ کی طرف ہے جو تیری نیکیوں پر مامور ہے اور وہ بائیں ہاتھ والے فرشتے کا سردار ہے جب تو کوئی ایک نیکی کرتا ہے تو وہ دس نیکیاں لکھتا ہے اور جب تو کوئی ایک بدی کرتا ہے تو بائیں ہاتھ والا فرشتہ کہتا ہے میں اس کو لکھ لوں تو دائیں ہاتھ والا کہتا ہے (ابھی ٹھہرو) شاید یہ توبہ واستغفار کر لے جب تین بار ایسا کہہ چکتا ہے تو دائیں ہاتھ والا فرشتہ کہتا ہے اچھا اب لکھ لو اللہ اس سے ہم کو بچائے یہ بُرا ساتھی ہے نہ اس کو اللہ کا پاس و لحاظ ہے نہ اللہ سے شرم اللہ فرماتا ہے مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ بندہ کوئی لفظ زبان سے نہیں نکالتا مگر ایک محافظ تیار اس کے پاس لکھنے کیلئے موجود رہتا ہے جو لکھ لیتا ہے اور دو فرشتے تیرے آگے پیچھے ہیں، اللہ فرماتا ہے لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اور ایک فرشتہ تیری پیشانی پر مسلط ہے جب تو اللہ کے لئے اس کو نیچے رکھتا ہے تو وہ تجھے سر بلند کرتا ہے اور اگر تو غرور کرتا ہے تو وہ تجھے شکستہ کر دیتا ہے (ذلیل کر دیتا ہے) اور دو فرشتے تیرے لبوں پر مامور ہیں ان کا کام صرف یہ ہے کہ تو نبیؐ پر جو درود پڑھے اس کی نگہداشت کریں اور ایک فرشتہ تیرے منہ کا محافظ ہے کہ سانپ (وغیرہ) کو منہ میں داخل ہونے نہیں دیتا اور دو فرشتے تیری دونوں آنکھوں پر مامور ہیں یہ ہر آدمی کے دس فرشتے ہوئے۔ رات کے فرشتے دن کے فرشتوں پر اترتے ہیں کیونکہ رات کے فرشتے دن کے فرشتوں سے الگ ہیں۔ پس ہر آدمی کے لئے بیس فرشتے ہیں اور ابلیس دن میں ہے اور اس کی اولاد رات کو آتی ہے۔ (از مفسر قدس سرہٗ)

Marfat.com

مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ کے دونوں ترجمے ہو سکتے ہیں وہ فرشتے آگے پیچھے آتے جاتے رہتے ہیں اللہ کے حکم سے یا بندہ کی حفاظت کرتے ہیں اللہ کے حکم کی وجہ سے۔ اول مطلب پر معقبات کی صفت ہوگی اور دوسرے مطلب پر یَحْفَظُوْنَ سے اس کا تعلق ہوگا۔ یا اَمْرِ اللّٰهِ سے مراد ہے اللہ کا عذاب یعنی اللہ کے عذاب سے بندے کو بچاتے ہیں۔ اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں، مہلت طلب کرتے ہیں۔ بعض علماء نے کہا مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ میں مِنْ بمعنی بِاء ہے۔ یعنی اللہ کے حکم کے سبب اس کی حفاظت کرتے ہیں۔

بعض کے نزدیک مُعَقِّبات سے مراد وہ آدمی ہیں جو بادشاہ کے گرداگرد اس کی حفاظت کے لئے مقرر ہوتے ہیں اور بادشاہ اپنی خام خیالی کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ اللہ کے جاری کردہ فیصلہ سے وہ مجھے بچالیں گے۔

بغوی نے لکھا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ لَہٗ مُعَقِّبات میں لَہٗ کی ضمیر محمد ﷺ کی طرف راجع ہے۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی حفاظت کے لئے اللہ کی طرف سے کچھ فرشتے مقرر ہیں جو آپ کے آگے پیچھے رہتے ہیں اور شیاطین جن وانس کے شر اور حوادثِ لیل و نہار سے آپ کی حفاظت کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن زید نے کہا اس آیت کا نزول عامر بن طفیل اور اربد بن ربیعہ کے سلسلہ میں ہوا۔ کلبی نے بروایتِ ابو صالح حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ عامر بن طفیل عامری اور اربد بن ربیعہ عامری رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونے کے ارادے سے چلے۔ آپ مسجد کے اندر صحابہؓ کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے دونوں مسجد میں داخل ہوئے۔ عامر بن طفیل کانا تھا مگر تھا بہت ہی حسین خوبصورتی کی وجہ سے لوگ نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔ ایک شخص نے عرض کیا یہ عامر بن طفیل آپ کی طرف آرہا ہے فرمایا آنے دو اگر اللہ کو اس کی بھلائی منظور ہوگی تو اس کو ہدایت کر دے گا۔ عامر آکر کھڑا ہو گیا اور بولا محمد ﷺ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو مجھے کیا ملے گا۔ فرمایا جو دوسرے مسلمانوں کے حقوق و فرائض ہوں گے وہی تمہارے ہوں گے (یعنی نفع و نقصان میں تم مسلمانوں کے برابر کے شریک ہو جاؤ گے) کہنے لگا اپنے بعد یہ حکومت میرے سپرد (کرنے کا وعدہ) کرو تو میں مسلمان ہو جاؤں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کا اختیار مجھے نہیں یہ تو اللہ کے ہاتھ میں ہے جس طرح چاہے کرے، کہنے لگا تو آپ صحرائیوں بدویوں اور خانہ بدوشوں پر مجھے حاکم بنا دیں اور شہریوں (گھروں میں رہنے والوں) پر آپ حاکم رہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ بھی نہیں ہو سکتا بولا پھر آپ مجھے کیا دیں گے۔ فرمایا میں گھوڑوں کی لگامیں تم کو سپرد کر دوں گا جن پر سوار ہو کر تم جہاد کرو گے۔ بولا کیا آج تک میرے پاس یہ نہیں ہیں (یعنی گھوڑے تو میرے پاس موجود ہیں جن پر سوار ہو کر میں جنگ کرتا ہوں) اچھا آپ میرے ساتھ اُٹھ کر آئیں میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں، حضور ﷺ اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لئے۔ عامر نے اربد سے کہہ دیا تھا کہ جب تو مجھے محمد ﷺ کے ساتھ باتوں میں مشغول دیکھے تو ان کے پیچھے سے آکر تلوار سے حملہ کر دینا چنانچہ عامر جب رسول اللہ ﷺ سے کچھ جھگڑا اور گفتگو میں لوٹ پلٹ کرنے لگا تو اربد حملہ کرنے کے ارادے سے گھوم کر حضور ﷺ کے پیچھے آگیا اور ایک بالشت تلوار نیام سے کھینچ بھی لی لیکن اللہ نے اس کو روک دیا اور وہ پوری تلوار نہ کھینچ سکا عامر اس کی طرف اشارے بھی کرتا رہا۔ رسول اللہ ﷺ نے جو منہ پھیر کر اربد کو دیکھا اور تلوار نکالنے کی کوشش میں مشغول پایا تو دعا کی اے اللہ جس طرح تو چاہے میری طرف سے ان کا کام تمام کر دے (یعنی مجھے ان کا تدارک نہ کرنا پڑے تو غیب سے ان کو ختم کر دے) اس روز اُربد نام کو نہ تھا دن سخت گرمی کا تھا اور فضا صاف تھی لیکن یکدم اربد پر بجلی ٹوٹ پڑی اور اس کو سوختہ کر دیا۔ عامر پیٹھ پھیر کر بھاگا اور کہنے لگا محمد ﷺ تو نے اپنے رب سے دعا کی اس نے اربد کو مار ڈالا خدا کی قسم میں تیرے اوپر اتنے کم مو گھوڑے اور نوجوان (سوار) چڑھا کر لاؤں گا کہ اس سارے میدان کو فوج سے بھر دوں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تجھے ایسا کرنے ہی نہ دے گا اور قبیلہ کی دونوں شاخیں یعنی قبائل اوس و خزرج بھی تجھے ایسا نہ کرنے دیں گے (ان کی موجودگی میں تو کچھ نہیں کر سکتا) غرض عامر ایک سلولیہ عورت کے گھر جا کر اترا اور صبح کو اٹھ کر ہتھیار باندھے چہرہ کا رنگ بدلا ہوا تھا گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑے کو ایڑھ لگائی اور دوڑاتا ہوا صحرا میں پہنچا اور غرور سے کہنے لگا اے موت کے فرشتے میرے سامنے

Marfat.com

نکل کر آپھر کچھ شعر پڑھنے لگا، اور بولا قسم ہے لات و عزیٰ کی اگر دوپہر تک میں محمد ﷺ اور اس کے ساتھی یعنی ملک الموت تک پہنچ گیا تو اپنا پیارا برچھا دونوں کے آرپار کر دوں گا۔ اللہ نے ایک فرشتہ بھیجا جس نے اپنے پر کی ایک جھپٹ اس کے منہ پر رسید کی اور عامر چکرا کر زمین پر گر پڑا، اور اسی وقت اس کی زانوں پر ایک بڑی گلٹی نکل آئی مجبوراً سلولیہ عورت کے گھر لوٹ آیا اور کہنے لگا اونٹ کی گلٹی کی طرح گلٹی اور سلولیہ کے گھر میں موت۔ پھر گھوڑا منگوا کر سوار ہوا اور دوڑاتا ہوا چل دیا آخر گھوڑے کی پشت پر ہی مر گیا۔ اور اس طرح اللہ نے رسول ﷺ کی دعا قبول فرمائی۔

عامر طاعون سے مرا اور اربد بجلی سے ہلاک ہوا اور اسی واقعہ کے سلسلہ میں اللہ نے نازل فرمایا سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ یعنی اللہ کے حکم سے رسول اللہ ﷺ کی حفاظت وہ فرشتے کرتے ہیں جو رسول ﷺ کے آگے پیچھے ہیں۔ جیسا کہ ثعلبی نے روایت کیا۔

طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ اربد بن قیس اور عامر بن طفیل مدینہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، عامر نے کہا محمد ﷺ اگر میں مسلمان ہو جاؤں تو آپ مجھے کیا دیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو مسلمانوں کا فائدہ ہو گا وہ تمہارا بھی ہو گا اور جو مسلمانوں پر فرض ہو گا وہ تم پر بھی ہو گا۔ عامر نے کہا کیا اپنے بعد آپ میرے لئے یہ حکومت مقرر کر دیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ نہ تم کو ملے گی نہ تمہاری قوم کو یہ سن کر عامر نے اربد سے چپکے سے کہا میں محمد ﷺ کو باتوں میں لگالوں گا تم تلوار سے ان پر حملہ کر دینا غرض اس کے بعد دونوں لوٹ گئے (چلتے وقت) عامر نے کہا محمد ﷺ ذرا میرے ساتھ اٹھ کر چلو حضور ﷺ اٹھ کھڑے ہوئے اور کھڑے اس سے باتیں کرنے لگے اربد نے تلوار سونت لی اور قبضہ پر ہاتھ رکھا ہی تھا کہ ہاتھ سوکھ گیا رسول اللہ ﷺ نے گردن پھیر کر اس کو دیکھ لیا پھر دونوں کو چھوڑ کر آپ واپس چلے گئے۔ دونوں چلے گئے جب مقام رقم میں پہنچے تو بحکم خدا اربد پر بجلی ٹوٹ پڑی اور بجلی نے اس کو ہلاک کر دیا اس پر اللہ نے آیات اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى ..... شَدِيْدُ الْمِحَالِ تک نازل فرمائیں۔ (ثعلبی اور طبرانی کی روایت میں فرق یہ ہے کہ ثعلبی کی روایت میں اربد بن ربیعہ آیا ہے اور طبرانی کی روایت میں اربد بن قیس۔ ثعلبی کی روایت میں عامر کا طاعون سے ہلاک ہونا مذکور ہے اور طبرانی کی روایت میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ ثعلبی کی روایت میں بہت زیادہ تفصیل ہے اور طبرانی کی روایت مختصر ہے وغیرہ۔ مترجم)۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ ۝

حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کی اچھی حالت کو بری حالت سے نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی اچھی حالت کو نہیں بدلتے اور جب اللہ کسی قوم پر مصیبت ڈالنا چاہتا ہے تو پھر اس کے ہٹنے کی کوئی صورت نہیں اور کوئی اللہ کے سوا ان کا مددگار نہیں رہتا۔

مَا بِقَوْمٍ یعنی کسی قوم کی عافیت اور نعمت کو نہیں بدلتا۔ مَا بِاَنْفُسِهِمْ یہاں تک کہ وہ اپنے اچھے احوال کی جگہ برے احوال اختیار نہ کر لیں۔

وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ یعنی اپنے اچھے احوال کو خود اپنے ہاتھوں بگاڑ دینے کے بعد جب اللہ ان پر مصیبت ڈالنا چاہتا ہے، عذاب دینا اور تباہ کرنا چاہتا ہے۔ فَلَا مَرَدَّ لَهٗ تو اس کو کوئی لوٹانے والا نہیں۔ مَرَدٌّ مصدر ہے بمعنی اسم فاعل۔ مِنْ وَّالٍ کارساز مددگار کہ مصیبت کو دفع کر سکے۔ یہ آیت دلالت کر رہی ہے کہ ارادۂ خداوندی کے خلاف ہونا محال ہے (یہی مسلک اہلسنت کا ہے معتزلہ قائل ہیں کہ جس طرح حکم خداوندی کی خلاف ورزی ممکن بلکہ واقع ہے اسی طرح اللہ کے ارادہ و مشیت کی خلاف ورزی بھی ہو سکتی ہے۔ مترجم)

هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ۝



Marfat.com

وہ ہی تو تم کو ڈرانے اور امید دلانے کے لئے بجلی دکھاتا ہے اور بھاری بھاری پانی سے بھرے ہوئے بادل اٹھاتا ہے۔ یعنی کڑک کا خوف، سفر میں بارش کے ضرر کا خوف، بعض وقت کھیتی تباہ ہونے کا خوف اور بعض مکانوں کے گر جانے کا خوف اور گرمی کو دور کرنے اور کھیتی اور پھلوں اور درختوں کو فائدہ پہنچنے کی امید۔ سحاب سحابۃ کی جمع ہے بادل (سَحَبَ کھینچنا السّحاب کھچنا) ہوا کے ساتھ فضا میں بادل کھچ کر آتے ہیں اسی لئے ان کو سحاب کہا جاتا ہے کذا فی القاموس۔ بیضاوی نے سحاب کو اسم جمع کہا ہے۔

ثِقَالٌ، ثَقِیْلَۃٌ کی جمع بھاری یعنی بارش سے بھرے ہوئے۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت علیؓ نے فرمایا بادل پانی کی چھلنی ہے۔

وَیُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ اور اس کے خوف سے رعد اور دوسرے فرشتے اس کی پاکی اس کی تعریف کے ساتھ ساتھ بیان کرتے ہیں۔ یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہتے ہیں۔ ترمذی اور نسائی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا اور ترمذی نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے رعد کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا وہ ایک فرشتہ ہے جو بادل پر مامور ہے اسکے پاس آگ کے کوڑے ہوتے ہیں جن سے بادلوں کو ہنکاتا ہے۔[1]

مِنْ خِیْفَتِہٖ اللہ کے خوف سے خِیْفَتِہٖ کی ضمیر اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ بعض نے کہا اَلْمَلٰٓئِکَۃ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو رعد کے مددگار اور اس کے زیر حکم ہیں اس صورت میں مِنْ خِیْفَۃٖ کی ضمیر رعد کی طرف لوٹائی جاسکتی ہے یعنی رعد کے خوف سے اس کے مددگار تسبیح کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جو شخص رعد کی آواز سن کر سُبْحَانَ الَّذِیْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ پڑھے اور بالفرض اس پر بجلی گر پڑے تو وہ اپنے دین اسلام پر مرے گا۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ رعد کی آواز سن کر باتیں کرنا چھوڑ دیتے تھے اور کہتے تھے سُبْحَانَ مَنْ یُّسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِہٖ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ مِنْ خِیْفَتِہٖ اور فرماتے تھے یہ زمین والوں کے لئے سخت دھمکی ہے۔

جوبیر نے ضحاک کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا رعد (فرشتہ) بادلوں پر مامور ہے جہاں حکم ہوتا ہے بادلوں کو چلاتا ہے اور پانی کے سمندر اس کے انگوٹھے کے گڑھے میں (بھرے ہوئے) ہیں اور وہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے اور جب وہ پاکی بیان کرتا ہے تو آسمان کا کوئی فرشتہ ایسا باقی نہیں رہتا جو اس کی تسبیح کے ساتھ خود بھی بلند آواز سے تسبیح نہ کرے اس وقت بارش اترتی ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے رب نے فرمایا اگر میرے بندے میرے حکم پر چلتے تو میں رات میں ان کو بارش سے سیراب کرتا اور دن میں ان پر دھوپ نکال دیتا (تاکہ ان کے کاروبار کا نقصان نہ ہو۔ مترجم) اور ان کو رعد کی آواز بھی نہ سناتا (کہ وہ خوف زدہ ہو جائیں) رواہ احمد بسند صحیح والحاکم، بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا کہ اس کو سننے والے تسبیح اور تحمید کرتے ہیں اور پکار کر کہتے ہیں سُبْحَانَ اللّٰہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔ یا یہ مطلب ہے کہ رعد تسبیح کرتا ہے یعنی بادل کی گرج اللہ کی وحدانیت اور کمال قدرت پر دلالت کرتی ہے اور اس کے فضل و نزول رحمت کا بھی اظہار کرتی ہے۔ میں کہتا ہوں یہ مطلب اس وقت ہوگا جب رعد کا فرشتہ ہونا ثابت نہ ہو۔

وَیُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَیُصِیْبُ بِھَا مَنْ یَّشَآءُ اور وہ بجلیاں بھیجتا اور جس پر چاہتا ہے ان کو گراتا ہے۔ صَوَاعِق صَاعِقَۃ کی جمع ہے، صاعقہ ہلاک کرنے والی بجلی۔ یہاں مراد ہے ٹوٹ کر گرنے والی بجلی کہ جس پر گرتی ہے

[1] ترمذی، احمد اور نسائی نے بیان کیا اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہودیوں نے حاضر ہو کر رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا بتائیے رعد کیا ہے۔ فرمایا بادل کے فرشتوں میں سے ایک فرشتہ ہے جس طرف اللہ حکم دیتا ہے وہ بادل کو ہنکاتا ہے بولے یہ آواز کیسی ہوتی ہے جو ہم کو سنائی دیتی ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک فرشتہ ابر پر مامور ہے جو نافرمان بادلوں کو جمع کرتا ہے اس کے ہاتھ میں کوڑا ہے جب وہ کوڑا اٹھاتا ہے تو چمک پیدا ہو جاتی ہے جب ڈانٹتا ہے تو گرج پیدا ہوتی ہے اور جب مارتا ہے تو بجلی گرتی ہے۔ (از مفسر قدس سرہ)

Marfat.com

اس کو سوختہ کر دیتی ہے۔

وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللّٰهِ ۚ اور وہ اللہ کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ سے جھگڑتے ہیں یعنی اللہ کی توحید اللہ کی قدرتِ کاملہ اللہ کے علم محیط اور لوگوں کے دوبارہ پیدا ہونے اور سزا و جزا دیئے جانے کے متعلق اللہ کے رسول سے جھگڑتے ہیں۔ جِدَال جھگڑے میں سختی کرنا۔ یہ لفظ جَدْلٌ سے بنا ہے۔ جدل کا معنی ہے قتل کر دینا۔ یعنی اللہ کی صفاتِ کمالیہ کی تو یہ نشانیاں ہیں جو اوپر ذکر کر دی گئیں اور اس حالت میں بھی یہ لوگ جھگڑتے ہیں اور اس کے وجود و کمالِ قدرت کا انکار کرتے ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت محمد بن علی باقر نے فرمایا بجلی مسلم و غیر مسلم سب پر گرتی ہے مگر ذکر کرنے والے مسلم پر نہیں گرتی۔

نسائی اور بزار نے حضرت انسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی کو دورِ جاہلیت کے کسی بڑے آدمی کے پاس دعوتِ ایمان دینے کے لئے بھیجا، اس شخص نے کہا جس رب کی طرف تو مجھے بُلا رہا ہے وہ کس چیز کا ہے لوہے کا ہے، تانبے کا ہے، چاندی کا ہے، سونے کا ہے۔ صحابیؓ نے واپس آکر رسول اللہ ﷺ کو جواب سنا دیا آپ ﷺ نے دوسری بار اور تیسری بار بھیجا (اور اس شخص نے وہی جواب دیا) اس کے بعد اللہ نے اس پر ایک بجلی گرا دی جس سے وہ سوختہ ہو کر رہ گیا۔ اور یہ آیت نازل ہوئی وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ الخ۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول اربد بن ربیعہ کے حق میں ہوا تھا۔ اربد نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا تمہارا رب کس چیز کا ہے، موتی کا ہے، یاقوت کا ہے یا سونے کا ہے اس پر آسمان سے ایک بجلی گری جس نے اربد کو جلا دیا۔

حسن بصریؒ سے جب آیت وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ الخ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا عرب کے شیطان (بڑے مشرکوں) میں سے ایک شخص تھا رسول اللہ ﷺ نے اس کو اللہ اور رسول ﷺ کی طرف بُلانے کے لئے چند آدمیوں کو بھیجا وہ بولا محمد ﷺ کا رب جس کی طرف تم مجھے بُلا رہے ہو بتاؤ کس چیز کا بنا ہوا ہے، سونے کا ہے، چاندی کا ہے، لوہے کا ہے، تانبے کا ہے۔ ان لوگوں نے اس کے قول کو بڑی گستاخی سمجھا اور واپس آکر خدمتِ گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حضور ﷺ نے ہم کو ایسے آدمی کے پاس بھیجا کہ اس سے بڑھ کر کافر دل اور اللہ کا سرکش اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کے پاس پھر جاؤ۔ حسبِ الحکم صحابہؓ وہ دوبارہ گئے اس شخص نے پہلی مرتبہ سے بھی زیادہ گستاخانہ کلام کیا اور بولا کیا محمد ﷺ کے کہنے سے میں ایسے رب کو مان لوں جو نہ مجھے دکھائی دیتا ہے نہ میں اس کو پہچانتا ہوں۔ صحابہؓ لوٹ آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اس نے تو پہلی بات سے بھی زیادہ بری بات کہی، فرمایا پھر لوٹ کر جاؤ۔ صحابہؓ پھر لوٹ کر گئے اس سے گفتگو کر ہی رہے تھے اور وہ اپنی سابقہ بات کہہ ہی رہا تھا کہ اچانک ایک بدلی اٹھی اور سب کے سروں پر آگئی اور اس میں گرج اور چمک پیدا ہوئی اور ایک کڑک اس شخص پر گر پڑی اور سب کے سامنے وہ سوختہ ہو گیا۔ صحابہؓ دوڑتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دینے آئے راستے میں صحابہؓ کی ایک جماعت اور مل گئی اور انہوں نے کہا وہ آدمی جل گیا۔ لوٹ کر آنے والوں نے دریافت کیا تم کو کیسے معلوم ہوا۔ جماعتِ صحابہؓ نے کہا اللہ نے اپنے رسول کے پاس وحی بھیجی اور یہ آیت نازل فرمائی وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَهُمْ يُجَادِلُونَ فِي اللّٰهِ۔

وَهُوَ شَدِيدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ حالانکہ وہ بڑی سخت قوت والا ہے۔

بغوی نے لکھا ہے حسن بصریؒ نے اس کا ترجمہ کیا سخت کینہ والا اور مجاہد نے کہا سخت قوت والا اور ابو عبیدہ نے کہا سخت سزا دینے والا۔ بعض نے کہا سخت تدبیر اور مقابلہ والا۔ صاحبِ قاموس نے لکھا ہے مِحَال بروزن کتاب۔ مکر، خفیہ تدبیر سے کسی کام کو کرنے کا ارادہ۔ تدبیر، قدرت، جھگڑا، عذاب، سزا، دشمنی، قوت، شدت، ہلاک ہونا، ہلاک کرنا، ان معانی میں سے اکثر اس جگہ مراد لئے جا سکتے ہیں۔ مِحال کا وزن فِعال ہے (میم اصلی ہے) مَحْلٌ سے مشتق ہے بعض نے کہا مِحال کا وزن مِفعل ہے (میم اصلی نہیں) اس وقت حَوْل یا حیلہ یا حیلولۃ سے بر خلافِ قیاس مشتق ہوگا، اسی بناء پر حضرت ابن عباسؓ

Marfat.com

نے اس کا ترجمہ کیا شدید الحول اور حضرت علیؓ نے فرمایا سخت پکڑ والا۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ط سچا پکارنا اسی کے لئے خاص ہے، یعنی اسی کی دعوت واجب القبول ہے اور دوسرے کی دعوت قابلِ قبول نہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ اسی کی سچی پکار ہے وہی اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی عبادت کی جائے اور اس کی عبادت کی طرف بلایا جائے اور اسی سے حاجتیں پوری کرنے کی دعا کی جائے۔ یا دعوۃ الحق سے مراد ہے اخلاص کے ساتھ دعا کرنا۔ یعنی اخلاص کے ساتھ دعا اسی سے کی جاسکتی ہے۔ ان تمام توجیہات پر حق سے مراد ہوگا وہ مفہوم جو باطل کی ضد ہے۔

دَعْوَةُ موصوف ہے الحق صفت۔ موصوف کو صفت کی طرف مضاف کر دیا گیا ہے جیسے مسجدُ الجامع اور جانبُ الغربی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الحق کا موصوف المدعو محذوف ہو۔ یعنی دعوۃ الحق المدعو۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ حق سے مراد اللہ ہے۔ اللہ کی ہر پکار حق کی طرف بلاوا ہے۔

## ایک شبہ

اگر حق سے مراد اللہ ہو تو کلام غیر مفید ہوگا۔ اللہ کی پکار تو اللہ کے ساتھ مخصوص ہی ہے جیسے دوسروں کی پکار دوسروں کے ساتھ مخصوص ہے۔

## ازالہ

(بے شک اللہ حق ہے لیکن) لفظ حق ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ کی پکار، حق کی پکار ہے۔ دعوتِ حق، حق ہوتی ہے، جیسے باطل کو پکارنا باطل ہوتا ہے۔ گویا یہ جملہ اپنے اندر دعوے کے ساتھ دلیل بھی رکھتا ہے۔ بغوی نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا دعوتِ حق توحید ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا دعوتِ حق لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی شہادت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ ہی کے لئے خاص ہے توحید اور شہادت کی دعوت۔

اگر آیت کا نزول عامر اور اربد کے متعلق مانا جائے تو دونوں جملوں کا مقصد یہ ہوگا کہ ان دونوں شخصوں کو اس طور سے ہلاک کرنا کہ ان کو پتہ بھی نہ ہو اللہ کی خفیہ تدبیر کے زیر اثر تھا اور رسول اللہ ﷺ کی دعا کی وجہ سے تھا یعنی آپ کی دعا قبول ہو گئی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ رسولِ برحق ہیں جب ہی تو آپ کی دعا اللہ نے قبول فرمالی۔ اور اگر آیت کو کسی شانِ نزول سے متعلق قرار نہ دیا جائے بلکہ عام مانا جائے تو کافروں کو تہدید کرنی مقصود ہوگی کہ تم اللہ کے رسول سے جھگڑتے ہو، اللہ بڑا طاقت اور خفیہ تدبیر کرنے والا ہے اور رسول کی دعا قبول کرنے والا ہے۔

یا صرف کافروں کی بدعقیدگی اور گمراہی ظاہر کرنا مقصود ہے۔ (تہدید مقصود نہیں)۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ط اور خدا کے سوا جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ ان کی درخواست کو اس سے زیادہ منظور نہیں کر سکتے جتنا پانی اس شخص کی درخواست کو منظور کرتا ہے جو اپنے دونوں ہاتھ پانی کی طرف پھیلائے ہوئے ہو کہ پانی خود بخود اس کے منہ تک آجائے حالانکہ وہ پانی از خود آگے بڑھ کر اس کے منہ تک آنے والا نہیں۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ۔ اَلَّذِيْنَ سے مراد یا تو کفار ہیں اور یدعُون کا مفعول محذوف ہے، یعنی بت وغیرہ ترجمہ اس طرح ہوگا اور وہ کافر جو اللہ کے علاوہ دوسری چیزوں کو پکارتے ان کی عبادت اور یاد کرتے ہیں اور ان سے مرادیں مانگتے ہیں یا اَلَّذِيْنَ سے مراد وہ چیزیں ہیں۔ جن کی کافر پوجا کرتے ہیں۔ ترجمہ اس طرح ہوگا اور جن بتوں کو یہ کافر پوجتے ہیں۔

لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ وہ بت ان کافروں کی کوئی درخواست حصولِ نفع کی ہو یا دفعِ ضرر کی قبول نہیں کرتے۔ لا یستجیبون کا معنی ہے لا یجیبون منظور نہیں کرتے۔ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ مستثنیٰ محذوف ہے اور باسط سے پہلے مضاف بھی

Marfat.com

محذوف ہے مگر اتنی ہی منظوری جتنی منظوری اس شخص کے لئے ہوتی ہے جو پانی کی طرف اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے کہ پانی خود اس کے منہ تک پہنچ جائے۔ یعنی ایک پیاسا جو کنویں کی منڈیر پر بیٹھا پانی کی طرف ہاتھ بڑھا رہا ہو اور پانی کو اپنی طرف بلا رہا ہو خود تو اندر اتر نہیں سکتا پانی کو بلاتا ہے۔

وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ (ظاہر ہے کہ) پانی اس کے منہ تک اڑ کر پہنچنے والا نہیں وہ تو بے جان اور بے شعور چیز ہے اس کو معلوم بھی نہیں کہ کون اس کو پکار رہا ہے نہ وہ کسی کے بلاوے کو قبول کر سکتا اور نہ دعوت پر آسکتا ہے۔ کافروں کے معبودوں کی بھی یہی حالت ہے کافر بتوں کو پکارتے ہیں بتوں کو ان کی پکار کا پتہ بھی نہیں ہوتا وہ بے شعور و بے جان ہیں وہ ان کی دعا قبول نہیں کر سکتے۔ مطلب کی یہ تشریح مجاہد اور عطاء کی ہے اور حضرت علیؓ سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ لیکن بعض اہل تفسیر کا قول ہے کہ بتوں کی عبادت اور دعا کی عدم افادیت کو اس شخص کی حالت سے تشبیہ دی گئی ہے جو پینے کے لئے چلو بھر کر پانی لینا چاہتا ہو اور دونوں ہتھیلیاں پانی کی طرف پھیلائے اور پانی کو ہتھیلی میں اٹھانا چاہے ظاہر ہے کہ پانی کو پکڑنے والا پکڑ نہیں سکتا اور اس کے منہ تک پانی پہنچ نہیں سکتا۔ بتوں کے پجاریوں کی بھی یہی حالت ہے۔ بت تو ان کو فائدہ پہنچا سکتے نہ ضرر (ان کی عبادت ایسی ہے جیسے پانی کو پکڑنے کی کوشش) یہ تشریح حضرت ابن عباسؓ کے قول میں بھی آئی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا غیر اللہ کی پوجا کرنے والے ایسے ہیں جیسے کوئی پیاسا اپنی دونوں ہتھیلیاں پانی کے اندر پھیلا دے جب تک ہتھیلیاں پھیلائے رکھے گا چلو نہ بنائے گا پانی نہ آئے گا اور منہ تک نہیں پہنچے گا۔ اس صورت میں بت پرستوں کی ناکامی کی ہتھیلیاں پھیلائے رکھنے والے پیاسے کی ناکامی سے تشبیہ ہوگی۔

وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ اور (ان باطل معبودوں سے) کافروں کا درخواست کرنا محض بے اثر ہے۔ ضلال بے کار، ضائع، سراسر خسارہ۔

ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ کا یہ تشریحی قول نقل کیا ہے کہ کافروں کا اپنے رب کو پکارنا بالکل بے سود ہے، بے کار ہے کفر و معاصی کے پردے خدا تک پہنچنے میں آڑے آتے ہیں ان کی دعائیں رب تک پہنچتی ہی نہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾

اور اللہ ہی کے سامنے سب سر خم کئے ہوئے ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور ان کے سائے بھی صبح اور شام کے اوقات میں۔

مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا یعنی ملائکہ اور اہل ایمان بندے خوشی سے اللہ کے سامنے سر جھکاتے ہیں۔

وَكَرْهًا اور وہ منافق و کافر جو تلوار کے خوف سے سر خمیدہ ہوتے ہیں، کراہت کے ساتھ سر جھکاتے ہیں یا مصائب کی شدت اور ضرورت ان کو سر جھکانے پر مجبور کرتی ہے اگرچہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے۔

وَظِلٰلُهُمْ اور بالتبع ان کے سائے بھی سر خمیدہ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ سجدہ کرنے سے مراد ہو تابع مشیت ہونا اور ارادۂ خداوندی کے دائرہ میں محصور رہنا خواہ ان کا خود ارادہ ہو یا نہ ہو مشیت کے تابع سب ہیں اور سایوں کے تابع مشیت ہونے کا یہ مطلب ہے کہ اللہ جس طرح چاہتا ہے سایوں کو پھیلاتا اور سمیٹتا بڑھاتا اور گھٹاتا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے مراد ہوں حقائق اور ملائکہ و مؤمنین کی ارواح اور ظلال سے مراد ہوں اشخاص و اجسام۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے ظاہر کو سیاہی اور باطن کو خیال سے تشبیہ دی تھی اور دعا کی تھی اور سجدہ میں عرض کیا تھا میری سیاہی (ظاہری جسم) اور میرا خیال (باطنی نور) تجھے سجدہ کرتا ہے (ظلال کی یہ تشریح اول تشریح سے بہتر ہے کیونکہ سایہ اسی سیاہی کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کی آڑ کی وجہ سے دھوپ وہاں نہیں پہنچتی اور سایہ کا یہ مفہوم عدمی ہے۔ سجدہ کرنے کی نسبت اس کی طرف کیسے ہو سکتی ہے۔ وہاں اگر سایہ سے مراد ظاہر اور جسم ہو تو سجدہ کی نسبت اس کی طرف کرنا صحیح ہے۔ مترجم)

Marfat.com

غدوّ اور اٰصال سے عمر مراد ہے ہمہ اوقات ہمیشہ اٰصال جمع ہے اَصیل اس کا واحد ہے عصر سے مغرب تک درمیانی وقت کو اَصیل کہتے ہیں۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط آپ دریافت کیجئے کہ آسمان وزمین کا رب کون ہے یعنی ان کو پیدا کرنے والا ان کا انتظام رکھنے والا اور ان کے تمام امور کا ذمہ دار کون ہے۔ یہ استفہام تقریری ہے (یعنی کیا ایسا ہے کہ اللہ ہی خالق و مدبّر ہے) کیونکہ مشرک بھی قائل تھے اور ان کو بھی یہ امر تسلیم تھا کہ ان کا اور آسمان وزمین کا خالق اللہ ہی ہے۔

قُلِ اللّٰهُ ط آپ خود ہی کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ان کا خالق ہے۔ یعنی اگر وہ کوئی جواب نہ دیں تو ان کی طرف سے آپ جواب دے دیں کہ اللہ ہی آسمان وزمین کا رب ہے کیونکہ وہ بھی اسی کے قائل ہیں اور ان کا بھی یہی جواب ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کا خالق ورب ہونا اتنا ظاہر ہے کہ اس کا کوئی منکر ہو ہی نہیں سکتا لہٰذا آپ ہی ان کی طرف سے جواب دے دیجئے۔ یا قُلِ اللّٰهُ کہنے سے مشرکوں کو جواب کی درپردہ تعلیم دینی مقصود ہے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکوں سے پوچھا کہ آسمان وزمین کا خالق کون ہے تو انہوں نے جواب دیا آپ ہی بتائیے اس پر اللہ نے فرمایا قُلِ اللّٰهُ آپ جواب دے دیجئے کہ اللہ ہی ان کا رب ہے اس طرز کلام سے یہ جواب ان پر لازم کر دیا۔

قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ آپ کہہ دیجئے تو پھر بھی کیا تم اس کے سوا دوسروں کو کارساز و مددگار قرار دیتے ہو۔ اس کلام کا عطف محذوف جملہ پر ہے یعنی کیا تم اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرتے ہو اور پھر دوسروں کو اپنا کارساز بناتے ہو یہ بات تقاضائے عقل کے خلاف ہے کیونکہ جن کو تم کارساز بناتے ہو ان کی حالت تو یہ ہے کہ

لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ط ان کا اپنا نفع وضرر بھی ان کے بس میں نہیں۔ اپنے لئے وہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں نہ آئے ہوئے ضرر کو اپنے اوپر سے دفع کر سکتے ہیں جب ان کی خود اپنے لئے یہ حالت ہے تو تمہاری کارسازی کیا کر سکتے ہیں اور کس طرح تم کو فائدہ پہنچا سکتے اور تم پر آنے والے ضرر کو دفع کر سکتے ہیں۔ مشرکوں کے گمراہ ہونے اور بتوں کو اپنا کارساز بنانے کی یہ دوسری تردید ہے کہ تم جو ان کی شفاعت کے امیدوار ہو وہ تمہاری شفاعت تو کیا اپنے لئے بھی کچھ نہیں کر سکتے۔

قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ آپ پوچھئے کہ کیا نابینا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں نابینا سے مراد ہے بے عقل، بے بصیرت یا وہ شخص جو اپنی بصیرت سے کام نہ لے۔ اور بصیر سے مراد وہ بصیرت مند آدمی جو اپنی بصیرت سے عبادت کی حقیقت اور تقاضوں کو سمجھتا ہو اور جانتا ہو کہ عبادت وکارسازی کا مستحق کون ہے کس کی عبادت کی جائے اور کس کو کارساز سمجھا جائے۔ بعض علماء نے کہ اعمٰی سے مراد وہ معبود ہے جو تمہاری طرف سے لاعلم ہے اور بصیر سے مراد وہ معبود ہے جو تمہارے احوال سے واقف ہو۔

اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ یا تاریکیاں اور روشنی برابر ہیں۔ یعنی کیا کفر اور ایمان برابر ہو سکتے ہیں۔

اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ ط قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ۝

یا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک قرار دے رکھے ہیں کہ انہوں نے بھی کسی چیز کو پیدا کیا ہو جیسا خدا نے پیدا کیا ہے، پھر ان کو (دونوں کا) پیدا کرنا ایک سا معلوم ہوا ہو آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور وہی واحد اور غالب ہے۔

اَمْ بمعنی بَلْ ہے۔ استفہام انکاری ہے۔ خَلَقُوْا شرکاء کی صفت ہے۔ ایسے شرکاء جنہوں نے پیدا کیا ہو۔ فَتَشَابَهَ کہ دونوں کی مخلوق میں باہم اشتباہ ہو گیا ہو۔ مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جن معبودوں کو شریک بنا رکھا ہے وہ کسی چیز کے خالق

Marfat.com

نہیں کہ ان کو خدا کی تخلیق اور معبودوں کی تخلیق میں اشتباہ ہو جاتا اور یہ کہتے کہ خدا خالق ہے اس لئے معبود ہے اور ہمارے معبود بھی خالق ہے اس لئے وہ بھی مستحق عبادت ہیں۔ بلکہ جن کو یہ اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہیں وہ تو بالکل عاجز ہیں ان میں تو بالکل ہی قدرت نہیں۔ دوسری مخلوق میں بھی کچھ نہ کچھ قدرت ہے۔ ان معبودوں میں تو اتنی بھی سکت نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی خالق نہیں اجسام ہوں یا اعراض یا غیر مادی ارواح جس کو وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اگر وہ کسی چیز کو پیدا کرنا نہ چاہے تو اس کا پیدا ہونا ممکن ہی نہیں لہٰذا اس کے سوا کسی کی عبادت جائز نہیں جو لوگ (یعنی معتزلہ فرقہ والے) کہتے ہیں کہ بندے اپنے افعال کے خود خالق ہیں اللہ ان کے افعال کا خالق نہیں۔ وہ اسی گروہ میں سے ہیں جن کو دونوں انسان اور خدا کی تخلیق ایک جیسی معلوم ہوتی ہے (حضرت مفسر کے کلام سے اس طرف اشارہ معلوم ہو رہا ہے کہ حضرت کے نزدیک معتزلہ کا گروہ بھی مشرک ہے یا مشرکوں جیسے عقائد رکھتا ہے اس فرقۂ معتزلہ کو بدعتی گروہ بھی قرار دیا ہے۔ لیکن کافر کسی نے نہیں کہا۔ مترجم)

وَهُوَ الْوَاحِدُ یعنی اللہ ربوبیت اور معبودیت میں اکیلا ہے بلکہ اصل وجود میں بھی واحد ہے اصل وجود میں اس کا کوئی شریک نہیں سارے عالم کا وجود تو خلقی ہے اور اللہ کے وجود کا پرتو ہے۔

اَلْقَهَّارُ وہی ہر چیز پر غالب ہے اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا کیونکہ ہر چیز فی ذاتہٖ معدوم ہے بغیرہ موجود ہے خود اس کا اپنا وجود نہیں پھر کس طرح اس موجود کا مقابلہ کر سکتی ہے جس کا وجود ذاتی ہے، اور اسی کی ہستی اصل ہستی ہے۔ لہ

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ

اللہ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا پھر نالے (بھر کر) اپنی مقدار کے موافق چلنے لگے پھر وہ سیلاب خس و خاشاک کو بہا لایا جو (پانی کے) اوپر آ رہا ہے۔

اَوْدِيَةٌ وادی کی جمع ہے وہ ندی نالے جہاں پانی بکثرت بہتا ہے وادی کہلاتے ہیں مجازاً وادی میں بہنے والے پانی کو بھی وادی کہہ لیا۔ (یعنی بہنے کی نسبت پانی کی بجائے وادی کی طرف کر دیتے ہیں جیسا کہ آیت مذکورہ میں آیا ہے) بارش ہونے سے تمام وادیاں تو نہیں بہتی ہیں بعض بہتی ہیں اسی لئے اس کو بصورت نکرہ ذکر کیا (غیر معین وادیاں)

بِقَدَرِهَا۔ یعنی وادیوں کے اندازے کے موافق چھوٹی بڑی جیسی بھی ہوں۔

اَلسَّيْلُ وادیوں میں بہنے والا پانی سیلاب زَبَدًا، کف، جھاگ، میل کچیل جو سیلاب کے اوپر آتا ہے۔ رَابِيًا صاف پانی کے اوپر۔

وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ اور

جن چیزوں کو آگ کے اندر زیور یا اور سامان بنانے کے لئے تپاتے ہیں اس میں بھی ایسا ہی میل کچیل اوپر آ جاتا ہے۔

يُوْقِدُوْنَ کا فاعل ضمیر مستتر ہے مراد لوگ۔ فاعل معلوم معروف تھا اس لئے ذکر نہیں کیا۔ اِیقاد (مصدر باب افعال) پگھلانے کے لئے کسی چیز کو آگ میں تپانا۔

مِمَّا میں مِن ابتدا کے لئے ہے یعنی جو چیزیں لوگ پگھلانے کے لئے آگ میں تپاتے ہیں ان سے بھی پانی کے جھاگوں کی طرح جھاگ اور میل کچیل پیدا ہوگا ہے۔ یا مِن تبعیض کے لئے ہے یعنی بعض چیزوں سے جھاگ پیدا ہوتے ہیں۔

---

لہ آیت اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ کی تفسیر کے ذیل میں ابن جریج کی روایت آئی ہے جو چند وسائط سے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت معقل بن یسارؓ تک پہنچتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمہارے اندر شرک چیونٹی کی چال سے بھی زیادہ پوشیدہ (طور پر داخل ہو جاتا) ہے میں تم کو ایسی بات بتاتا ہوں جس کی وجہ سے لاقسام شرک چھوٹے ہوں یا بڑے سب دور ہو جائیں گے، صحابہؓ نے عرض کیا فرمائیے فرمایا (ہر شخص) ہر روز تین بار کہے اے اللہ میں دانستہ طور پر تیرے ساتھ شریک بنانے سے تیری پناہ لیتا ہوں اور نادانستہ شرک کی تجھ سے معافی چاہتا ہوں۔ اور (شرک) یہ (بھی) ہے کہ مجھے اللہ نے اور فلاں شخص نے دیا اور (یہ بھی شرک ہے کہ) کوئی یوں کہے کہ اگر فلاں شخص نہ ہوتا تو فلاں شخص مثلاً زید مجھے مار ڈالتا۔

Marfat.com

مَا یُوْقِدُوْنَ جس کو تپاتے ہیں سونا چاندی، لوہا تانبا، پیتل بہر حال لفظ عام ہے ہر پگھلائی جانے والی دھات اس میں داخل ہے۔

اِبْتِغَآءَ حِلْیَةٍ زیور بنانے کے لئے جیسے سونا چاندی پگھلایا جاتا ہے۔

اَوْ مَتَاعٍ یا کچھ سامان ظروف بنانے کے لئے جیسے برتن بنانے کے لئے تانبا پیتل پگھلایا، تپایا جاتا ہے یا اسلحہ بنانے کے لئے یا کھیتی کے اوزار کے لئے لوہا پگھلایا تپایا جاتا ہے۔ اِبْتِغَآءَ حِلْیَةٍ اَوْ مَتَاعٍ کہنے سے دھاتوں کو پگھلانے کی غرض کا اظہار مقصود ہے۔

زَبَدٌ مِّثْلُهٗ پانی کے کف کی طرح اس سے بھی میل اوپر آجاتا ہے۔ یعنی بھٹی میں پڑ کر اس سے بھی میل نکل کر اوپر آجاتا ہے۔

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ ؕ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ﴿۱۷﴾

یعنی اللہ کے نازل کردہ علم (قرآن اور دوسری کتب سماویہ) سے لوگ طرح طرح کے دُنیوی اور اُخروی فائدے حاصل کرتے ہیں اور اپنے دلوں کی وسعت کے مطابق اس سے بہرہ مند ہوتے ہیں اور یہ علم خدا لوندی قیامت تک بلکہ ہمیشہ ہمیشہ قائم رہنے والا ہے اس کو کبھی زوال نہیں ہے اس کی تمثیل بارش کے پانی سے دی جاسکتی ہے اوپر سے بارش ہوتی ہے ندی نالے بھر جاتے ہیں وادی میں بہہ نکلتے ہیں وادی کی جتنی وسعت ہوتی ہے اور جیسی ضرورت ہوتی ہے اتنا ہی پانی وادی میں سماتا ہے۔ چھوٹی ندی میں تھوڑا پانی اور گہری بڑی ندی میں زیادہ پانی رواں ہو جاتا ہے لوگ اس پانی سے فائدہ اندوز ہوتے ہیں اس پانی کا کچھ حصہ زمین کے اندر نجھی سما جاتا ہے اور اندر گھسنے کے بعد باؤلی، چشموں اور کنوؤں کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور کچھ حصہ زمین کے اوپر گڑھوں اور تالابوں میں رُک جاتا ہے اور مدت تک باقی رہتا ہے۔

یا اللہ کے نازل کردہ علم کو دھات سے تشبیہ دی جاسکتی ہے لوگ زیور، برتن، ہتھیار اور اوزار وغیرہ بنانے میں اس سے فائدہ اندوز ہوتے ہیں اور اس سے بنا ہوا سامان مدتِ دراز تک باقی رہتا ہے، رہا باطل یعنی منکرین و مشرکین (کی خود ساختہ خرافات اور نفس) کی اختراعات اور شیطانی توہمات تو ظاہر ہے کہ وہ سب بے اصل ہیں پراگندہ اور منتشر ہیں نہ ان کو پائیداری حاصل ہے نہ استقرار و ثبات نہ وہ فائدہ رساں اور نہ دنیا و دین میں منفعت بخش ہیں ان کو ہم ان جھاگوں اور میل کچیل سے تشبیہ دے سکتے ہیں، جو سیلاب اور پگھلائی ہوئی دھات کے اوپر آجاتا ہے، جو کوڑا کرکٹ سیلاب کے اوپر آجاتا ہے سیلاب اس کو اِدھر اُدھر پھینک دیتا ہے، اسی طرح حق بھی باطل کو تجمنے نہیں دیتا اِدھر اُدھر پراگندہ کر دیتا ہے۔

جُفَآءً وہ میل کچیل جو سیلان یا پگھلائی ہوئی دھات کے اوپر آکر اِدھر اُدھر منتشر ہو جاتا ہے۔ جَفَا الْوَادِی (ثلاثی مجرّد) اور اَجْفَا الْوَادِی (ثلاثی مزید) دونوں ہم معنی ہیں۔ یعنی وادی اور سیلابی نالے نے کوڑا کرکٹ اِدھر اُدھر پھینک دیا۔ بعض اہل لغت نے کہا کہ جُفَآءً کا معنی ہے، منتشر، پراگندہ، جَفَّتِ الرِّیْحُ ہوا نے پراگندہ کر دیا۔

وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ۔ یعنی اصل پانی اور دھات تو زمین میں قائم رہتا ہے اور لوگ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ علم نافع کی بھی یہی حالت ہے یہ بھی پائیدار اور قائم رہنے والا اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے والا ہے۔

كَذٰلِكَ یعنی جس طرح اللہ نے حق و باطل کی مذکورہ تمثیل بیان کی اسی طرح غیر واضح اُمور کو کھول کر سمجھانے کے لئے اللہ تمثیلات سے کام لیتا ہے۔ بعض علماء نے کہا اس میں اہل ایمان کے لئے در پردہ پیام تسکین ہے کہ کفر اگرچہ بظاہر بلند و بالا نظر آتا ہے لیکن اس کی تاریکی چھٹ جائے گی اور نورِ اسلام چمکے گا۔ اور اس کی روشنی ہمیشہ قائم رہے گی۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى ؕ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ

جن لوگوں نے اپنے رب کا کہنا مان لیا ان کے واسطے اچھا بدلہ ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کا کہنا نہ مانا ان کے پاس اگر دنیا بھر کی چیزیں موجود ہوں اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ

Marfat.com

سب اپنی رہائی کے لئے دے ڈالیں گے (مگر ان کی رہائی نہ ہوگی)

اَلْحُسْنٰی مفعول مطلق کی صفت ہے یا مفعول بہ محذوف کی صفت ہے یعنی جن لوگوں نے اپنے رب کی دعوت اسلام کو اچھی طرح قبول کر لیا اور اس کے احکام کی تعمیل کی یا اپنے رب کی اچھی دعوت کو قبول کر لیا۔

اَلَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ سے مراد کفار ہیں۔ اس صورت میں لِلَّذِیْنَ کے لام کا تعلق یَضْرِبُ سے ہوگا یعنی اللہ دونوں گروہوں کے حال بطور تمثیل بیان کرتا ہے دعوت الٰہیہ کو قبول کرنے والوں کے احوال کو بھی اور نہ قبول کرنے والوں کے احوال کو بھی۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک اَلْحُسْنٰی مبتدا مؤخر ہے اور لِلَّذِیْنَ خبر مقدم یعنی اچھا ثواب یا جنت ان لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے اپنے رب کی دعوت قبول کر لی اس تقدیر پر اَلَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ بجائے خود مبتدا ہوگا اور لَوْ اَنَّ لَهُمْ الخ اس کی خبر۔

لَافْتَدَوْا بِهٖ یعنی قیامت کے دن اگر کل زمین کی دولت ان کو مل جائے تو دوزخ سے اپنی رہائی کے لئے وہ دے دس گے۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ ان لوگوں کا سخت حساب ہوگا۔ ابراہیم نخعی نے کہا سُوء حساب یہ ہے کہ ان سے سختی کے ساتھ حساب فہمی کی جائے گی اور کوئی گناہ معاف نہیں کیا جائے گا۔

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ۱۸ اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور جہنم بُری قرار گاہ ہے۔ اللہ نے ایک اور آیت میں فرمایا ہے لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ۔ ان کا بچھونا اوڑھنا جہنم کا ہوگا۔

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ۭ جو شخص یقین رکھتا ہو کہ جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے وہ سراسر حق ہے کیا ایسا شخص اس کی طرح ہو سکتا ہے جو اندھا ہے۔ اندھے سے مراد ہے بے بصیرت کور دانش، حق کو باطل سے تمیز نہ کرنے والا۔ روایت میں آیا ہے کہ اوّل الذکر شخص سے مراد ہیں حضرت حمزہؓ یا حضرت عمارؓ اور نابینا سے مراد ہے ابو جہل۔

اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۱۹ پس نصیحت تو سمجھ دار ہی لوگ قبول کرتے ہیں یعنی سلیم دانش والے جو عقل کو جذبات حمیت و تعصب سے اور فہم کو وہم سے پاک رکھتے ہیں۔

الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ جو اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں۔ یعنی یوم میثاق میں جو اللہ کی ربوبیت کا انہوں نے اقرار کیا تھا اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں بَلٰی کہا تھا اس کو پورا کرتے ہیں اور اللہ نے جو اپنی کتابوں میں احکام کی پابندی کا وعدہ لیا تھا اس کو بھی پورا کرتے ہیں۔

وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۲۰ اور پیمان کو نہیں توڑتے یعنی اللہ سے اور آپس میں بندوں سے کئے ہوئے وعدوں کو نہیں توڑتے۔ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ میں صرف عہد خداوندی کی صراحت تھی اور اَلْمِيْثَاقَ کا لفظ عام ہے اللہ سے کیا ہوا عہد ہو یا بندوں سے کئے ہوئے وعدے۔

وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ اور وہ لوگ جوڑے رکھتے ہیں، ان تمام چیزوں کو جن کو جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے۔

مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ کے ذیل میں تمام انبیاء اور ساری آسمانی کتابوں پر بغیر تفریق کے ایمان لانا اور تمام مؤمنوں کے ساتھ تعاون و تنظیم اور اقارب سے حسن سلوک کرنا داخل ہے (ان تمام چیزوں کو جوڑے رکھنے کا اللہ نے حکم دیا ہے) بغوی نے لکھا ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک اس جگہ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ سے مراد صرف صلۂ رحم ہے۔

حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے اللہ نے فرمایا ہے میں ہی اللہ ہوں میں ہی رحمٰن ہوں میں نے رحم کو پیدا کیا ہے اور اپنے نام رحمٰن سے لفظ رحم کو مشتق کیا جو اس کو جوڑے رکھے گا میں اس کو

Marfat.com

اپنے ساتھ جوڑے رکھوں گا جو اس کو کاٹے گا اس سے میں قطع تعلق کرلوں گا۔ رواہ ابوداؤد۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا، پیدا کر چکا تو رحم نے کھڑے ہو کر رحمٰن کی کمر پکڑلی۔ اللہ نے فرمایا کیا ہے۔ رحم نے عرض کیا یہ اس کی جگہ ہے جو قطع تعلق سے تیری پناہ چاہتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کیا تو اس بات سے خوش نہیں کہ جو تجھے جوڑے رکھے گا میں اسے اپنے ساتھ جوڑے رکھوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اس سے قطع تعلق کرلوں گا۔ رحم نے عرض کیا بے شک میں اس پر راضی ہوں اے میرے ربّ! اللہ نے فرمایا پس یہ فیصلہ تیرے لئے ہے۔ متفق علیہ۔

بغویؒ اور حکیم اور محمد بن نصر نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن تین چیزیں عرش کے نیچے ہوں گی۔ قرآن مجید، امانت، رحم۔ قرآن (بندوں سے یا بندوں کی طرف سے) حجت کرے گا اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن[1] اور رحم ندا کرے گا خوب سن لو جس نے مجھے جوڑے رکھا اللہ اس سے تعلق رکھے گا اور جس نے مجھے توڑا اللہ اس سے قطع تعلق کرلے گا۔ رواہ البغوی والحکیم و محمد بن نصر۔

حضرت انس بن مالکؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص چاہتا ہو کہ اللہ اس کے رزق میں وسعت اور عمر میں درازی عطا کرے تو وہ قرابت داروں کو جوڑے رکھے۔ متفق علیہ۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ روای ہیں کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی فرودگاہ پر سامنے سے آیا اور عرض کیا مجھے کوئی ایسی چیز بتا دیجئے جو مجھے جنت سے قریب اور دوزخ سے دور کر دے فرمایا اللہ کی بندگی کر کسی چیز کو اس کا شریک نہ قرار دے، نماز قائم کر، زکوٰۃ ادا کر اور رشتہ داری کو جوڑے رکھ (یعنی قرابتداروں سے اچھا سلوک کر) رواہ البغوی۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، رشتہ قرابت کو جوڑنے والا وہ نہیں جو برابر کا بدلہ دے۔ بلکہ قرابت کو جوڑنے والا وہ ہے کہ اگر رشتہ قرابت (کسی عزیز کی طرف سے) ٹوٹ گیا ہو تو وہ اس کو جوڑ دے۔ (یعنی جو شخص تجھ سے عزیز داری اور قرابت ختم کرنے کی کوشش کر رہا ہو یا ختم کر چکا ہو تو اس سے قرابت پیدا کر اور رشتہ کو جوڑ) رواہ البخاری۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میری طرف سے حسن سلوک کا کون سب سے زیادہ مستحق ہے۔ فرمایا تیری ماں۔ اس نے عرض کیا اس کے بعد فرمایا تیری ماں۔ اس نے عرض کیا اس کے بعد، فرمایا تیری ماں۔ اس نے عرض کیا اس کے بعد کون فرمایا تیرا باپ۔ دوسری روایت میں اتنا زائد ہے کہ تیرا باپ کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا پھر تیرے قرابت دار حسب درجۂ قرابت۔ متفق علیہ۔

حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (باپ کے ساتھ یہ بھی) بہت اچھا سلوک اور برہے کہ باپ کے منہ پھیرنے (یعنی مرنے) کے بعد اس کے دوستوں سے اچھا سلوک کیا جائے۔ رواہ مسلم۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے اپنے نسب کو جانو تاکہ رشتہ داروں کو جوڑے رکھو صلۂ رحم سے رشتہ داروں میں محبت، مال میں وسعت اور عمر میں برکت ہوتی ہے۔ رواہ الترمذی و قال حدیث غریب۔

وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اور اپنے رب سے یعنی اس کی وعید سے (بالعموم) ڈرتے ہیں۔

---

[1] ظاہر و باطن ہونے سے مراد یہ نہیں ہے کہ باطن قرآن ظاہر کے مخالف ہے اور کوئی ایسا معنی مراد ہے جو اہل لغت اور علماء امت کی سمجھ میں نہیں آسکتا صرف ائمہ اور اہل عرفان ہی کی عقل کی رسائی وہاں تک ہو سکتی ہے۔ مثلاً موسیٰؑ سے مراد باطنی طور پر قلب یا روح ہے اور بنی اسرائیل سے مراد روحانی اور علمی طاقتیں اور فرعون سے مراد نفس امارہ ہے اور قبطیوں سے نفس امارہ کی شیطانی اور غضبی قوتیں۔ یہ حقیقت میں قرآن کی معنوی تحریف ہے بلکہ باطن سے مراد قرآن کا مغز اور روح ہے اور ظاہر سے مراد پوست اور ہیئت مثلاً نماز سے مراد یہی خاص ہیئت کی نماز ہے اور حضور قلب، استغراق، خلوص اس کا باطن ہے زکوٰۃ یہی مقررہ خیرات ہے مگر اس کا باطن غریب پروری اور اہل ضرورت کی معاشی کفالت حب مال کو دل سے دور کرنا ہے۔

Marfat.com

وَيَخَافُونَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ اور (بالخصوص) حساب آخرت کی خرابی سے خوف کھاتے ہیں اس لئے آخرت کی حساب فہمی سے پہلے وہ خود اپنے نفسوں سے اسی زندگی میں حساب فہمی کرتے ہیں (اور سوچتے ہیں کہ ہم نے کیا کیا گناہ کئے ہیں پھر اپنے آپ کو سرزنش کرتے ہیں)

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا اور جن لوگوں نے صبر کیا یعنی جو احکام ان کو دیئے گئے ہیں ان پر ثابت قدم رہے (حضرت ابن عباسؓ) یا مصائب اور شدائد پر صابر رہے (عطاء) بعض علماء کے نزدیک صبر سے مراد ہے نفسانی خواہشات سے اجتناب کرنا۔ زیادہ مناسب یہ ہے کہ صبر سے مراد ہو خواہشات کی مخالفت پر جما رہنا۔ یہ تفسیر تمام اقوال کو جامع ہے۔[1]

ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ اپنے رب کی خوشنودی طلب کرنے کے لئے۔ کسی دوسری دنیوی غرض کے لئے نہیں نہ دکھاوٹ اور شہرت کے لئے۔ (نہ مال وجاہ و حکومت کے حصول کے لئے۔ مترجم)

وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ اور نماز قائم کی یعنی فرض نماز اور سُنن و نوافل میں سے اپنی مرضی کے مطابق جس قدر چاہا نماز پڑھی۔

وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ اور جو کچھ مال ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ بطور زکوٰۃ فرض اور بطور نفقۂ واجب اور بطور صدقۂ نفل راہِ خدا میں خرچ کیا۔ (خداداد مال میں سے شرائطِ مقررہ کے مطابق کچھ مال زکوٰۃ میں ادا کرنا ضروری ہے اور زکوٰۃ کے علاوہ بھی اگر مسلمانوں کو یا اسلام کو ضرورت ہو تو مزید کچھ مال امدادی طور پر دینا لازم ہے اِنَّ فِي الْاَمْوَالِ حَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ اور کچھ مال بطورِ خیرات دینا مستحب ہے۔ اَنْفَقُوْا کا لفظ ان تینوں صورتوں کو حاوی ہے حضرت مفسرؒ کی یہی مراد ہے۔ مترجم)

سِرًّا وَّعَلَانِيَةً چھپا کر اور کھلم کھلا۔ نفل خیرات چھپا کر دینا افضل ہے (تاکہ شہرت طلبی کا شائبہ بھی نہ ہو) اور (لوگوں کی بدگمانی کو دور کرنے اور دوسروں کو ترغیب دینے) کے لئے زکوٰۃ کھلم کھلا دینا بہتر ہے۔ مسلمانوں پر زکوٰۃ کا وجوب بہت کم ہوتا ہے (اول تو اتنا مال ہی نہیں ہوپاتا کہ زکوٰۃ واجب ہو اور مال ہوتا بھی ہے تو اس کے اسلام کا تقاضا ہے کہ پہلے ہی سے ادا کردے) عموماً مسلمان نفل خیر، خیرات کرتا ہی رہتا ہے (اتنی کہ اس پر زکوٰۃ بہت کم ہی واجب ہوتی ہے) اس لئے سِرًّا کو علانیۃً سے پہلے ذکر کیا۔ (ورنہ زکوٰۃ کی ادائیگی دوسرے خیرات پر مقدم ہے اس لئے علانیۃً کا لفظ سِرًّا سے پہلے آنا چاہئے تھا۔)

وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اور نیکی سے بدی کو دفع کرتے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا نیک کام کر کے کئے ہوئے بُرے کاموں کی تلافی کر دیتے ہیں اللہ نے فرمایا اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ بلاشبہ نیکیاں گناہوں کو دور کر دیتی ہیں۔ حضرت ابوذرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تجھ سے کوئی گناہ ہو جائے تو اس کے پیچھے نیکی بھی کر یہ اُس کو مٹا دے گی۔ رواہ احمد بسند صحیح۔

ابن عساکر نے عمر بن الاسود کی مُرسَل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دس گناہ تو نے کئے ہوں تو ایک نیکی بھی ایسی کر جس سے تو گناہوں کو اُتار دے۔

---

حضرت عقبہ بن عامرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص گناہوں کے بعد نیکیاں کر لیتا ہے، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے کوئی اتنی تنگ زرہ پہن رکھی ہو جس سے اس کا دم گھٹ رہا ہو (یعنی اتنے گناہ کئے کہ ہلاکت کے قریب پہنچ گیا) پھر اس نے ایک نیکی کر لی تو زرہ کی ایک کڑی ٹوٹ گئی پھر دوسری کڑی ٹوٹ گئی (اس طرح نیکیاں کرتے کرتے سب کڑیاں ایک کے بعد ایک ٹوٹ گئیں) یہاں تک کہ زرہ زمین پر گر پڑی۔ رواہ الطبرانی۔

---

[1] حاصلِ اختلاف یہ ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور عطاء کے نزدیک صَبَرُوْا کے بعد عَلٰی محذوف ہے احکام پر ثابت قدم رہنا یا مصائب پر دونوں صورتوں میں عَلٰی (جو صبر کا صلہ ہے) محذوف ہوگا لیکن بعض علماء کے نزدیک عَنْ (حرف صلہ) محذوف یعنی نفسانی خواہشات کا گناہوں سے اجتناب کرنا۔ حضرت مفسرؒ کی تفسیر زیادہ عام ہے مگر عَلٰی اس صورت میں بھی محذوف ماننا پڑے گا۔ مترجم)

Marfat.com

ابن کیسان نے کہا آیت کا معنی یہ ہے کہ گناہ توبہ کے ذریعہ سے دفع کر دیتے ہیں (یعنی حسنہ سے مراد توبہ ہے) امام احمد نے عطاء کی مُرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تو نے گناہ کیا ہو تو فوراً اس کے بعد توبہ کر لے۔ چھپے گناہ کی توبہ مخفی طور پر اور علانیہ گناہ کی توبہ علانیہ (الزہد)

بعض علماء کے نزدیک آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ برائی کے عوض برائی نہیں کرتے بلکہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں۔ سدی نے کہا مطلب یہ ہے کہ جب ان کے خلاف کوئی جہالت کرتا ہے تو (جہالت کا جواب وہ جہالت سے نہیں دیتے) وہ تحمل کرتے ہیں۔ سَیِّئَۃ سے مراد ہے جہالت اور حَسَنہ سے مراد ہے تحمل۔ قتادہ نے کہا جب کوئی ان سے برائی کرتا ہے اور تو وہ لوٹا کر اس سے بھلائی کرتے ہیں جیسا دوسری آیت میں آیا ہے۔ وَاِذَا خَاطَبَھُمُ الْجَاھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔

حسن نے کہا جب ان کو محروم رکھا جائے تب بھی محروم رکھنے والوں کو وہ محروم نہیں رکھتے بلکہ وہ دیتے ہیں ان پر ظلم کیا جاتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اگر ان سے قطع قرابت کیا جائے تو وہ پھر بھی قرابت کو جوڑتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میرے کچھ رشتہ دار ایسے ہیں کہ میں ان کو جوڑے رکھنے کی کوشش کرتا ہوں اور وہ مجھ سے قرابت توڑتے ہیں، میں ان سے بھلائی کرتا ہوں وہ مجھ سے برائی کرتے ہیں۔ ان کی زیادتیوں کو برداشت کرتا ہوں اور وہ مجھ پر زیادتیاں کرتے ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تم ایسے ہی ہو جیسا کہ رہے ہو تو تم ان پر خاک جھونک رہے ہو (یعنی ان کو ناکام بنا رہے ہو وہ خسارے میں رہیں گے اور تم کامیاب ہو گے) جب تک تم اس سلوک پر قائم رہو گے اللہ کی طرف سے ان کے مقابلہ میں تمہاری حمایت ہوتی رہے گی۔ رواہ مسلم۔

عبداللہ ابن مبارکؒ نے فرمایا یہ مذکورہ بالا آٹھ خصائل ہیں جو جنت کے آٹھ دروازوں کی طرف اشارہ کر رہے ہیں (ہر خصلت جنت کے ایک دروازے کی طرف رہنمائی کر رہی ہے)

اُولٰٓئِكَ لَھُمْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۲﴾ اس جہان میں نیک انجام ان لوگوں کے واسطے ہے۔ عُقْبٰی کسی کام کا بدلہ۔

اَعْقَبَہٗ اس کو بدلہ دیا (قاموس) کام کے پیچھے اس کا بدلہ (نتیجہ) آتا ہے اس کو عُقْبٰی کہا جاتا ہے (خواہ اچھا بدلہ ہو یا برا) لیکن (عرفِ عام میں) عُقْبَۃٌ عُقْبٰی اور عَاقِبَتٌ اچھی جزا یعنی ثواب کے لئے خاص کر لیا گیا ہے اور عُقُوْبَتٌ معاقبۃ اور عِقَابٌ کا اطلاق عذاب اور بُرے بدلہ پر ہی ہوتا ہے۔ ثواب کے متعلق اللہ نے فرمایا خَیْرٌ ثَوَابًا وَّ خَیْرٌ عُقْبًا۔ اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عُقْبَی الدَّارِ۔ نِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ۔ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ اور عذاب کے بارے میں فرمایا ہے۔ فَحَقَّ عِقَابِ۔ شَدِیْدُ الْعِقَابِ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِہٖ۔ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِہٖ۔ لیکن لفظ عَاقِبَتٌ اگر مضاف ہو تو عقوبت کے معنی بھی مراد ہو سکتے ہیں جیسے ثُمَّ کَانَ عَاقِبَۃُ الَّذِیْنَ اَسَآءُوا السُّوْٓاٰی یا فَکَانَ عَاقِبَتَھُمَآ اَنَّھُمَا فِی النَّارِ۔ عَاقِبَتٌ بمعنی عُقُوْبَتٌ یا تو بطورِ استعارہ مستعمل ہے یا بطورِ اشتراک (یعنی لفظ عَاقِبَتٌ دونوں معنی میں مشترک ہے اچھا انجام اور بُرا انجام)

حقیقت میں آخرت ہی قرارگاہ ہے اس لئے الدّار سے مراد آخرت ہے، دنیا تو گزرگاہ ہے قرارگاہ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مذکورہ بالا اشخاص کے لئے دارِ آخرت میں اچھا نتیجہ اور ثواب ہوگا۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ یعنی قیام اور رہنے کے باغ۔ عدن کا معنی ہے قیام کرنا۔[1]

یَدْخُلُوْنَھَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِھِمْ وَاَزْوَاجِھِمْ وَذُرِّیّٰتِھِمْ جن میں وہ لوگ بھی داخل ہوں گے اور ان کے ماں باپ اور بیبیوں اور اولادوں میں سے جو جنت کے لائق ہوں گے وہ بھی داخل ہوں گے۔

[1] مجاہد کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے ممبر پر آیت جنّٰتِ عدن تلاوت فرمائی پھر فرمایا لوگو! تم کو معلوم ہے کہ جنّاتِ عدن کیا ہیں عدن جنت میں قصر ہے جس کے دس ہزار دروازے ہیں اور ہر دروازے پر پچیس ہزار فراخ چشم حوریں متعین ہیں اس قصر میں سوائے نبی، صدّیق اور شہید کے اور کوئی داخل نہ ہوگا۔ (از مفسّر رحمہ اللہ)

Marfat.com

"صلاح" سے صرف ایمان مراد ہے کامل (عملی) درستی مراد نہیں۔ معطوف اور معطوف علیہ میں مغائرت ہونی چاہئے۔ ہاں اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ میں کامل صلاح والے مراد ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کاملوں کی عزت افزائی کرے گا اور ان کے دلوں کو خوش کرنے کے لئے ایسے لوگوں کو بھی ان کے مرتبے پر فائز کردے گا جو اپنے اعمال کے لحاظ سے اس درجہ کے مستحق نہ ہوں گے اور کاملین کے اعمال کی طرح ان کے اعمال نہ ہوں گے آباؤ اجداد، اولاد اور بیویاں خواہ اہل جنت کے درجات پر فائز ہونے کے اہل نہ ہوں مگر جنتیوں کی خوشی کی خاطر ان کو بھی اہل جنت کا ساتھی کر دیا جائے گا۔ بشرطیکہ وہ مؤمن ہوں۔ صالح (یعنی مؤمن) ہونے کی شرط بتا رہی ہے کہ بغیر ایمان کے قرابت نسب مفید نہ ہوگی۔ آباء کے اندر بدالات نص مائیں بھی داخل ہیں۔

## ایک شبہ

طبرانی حاکم اور بیہقی نے حضرت عمرؓ کی روایت سے صحیح سند کے ساتھ اور طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ و حضرت مسور بن مخرمہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن میرے نسب اور رشتۂ زوجیت کے علاوہ ہر نسب اور رشتۂ زوجیت ٹوٹ جائے گا۔ ابن عساکر نے صحیح سند سے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ حدیث مذکورہ نقل کی ہے۔ ہر نسب اور رشتۂ زوجیت علاوہ میرے نسب اور رشتۂ زوجیت کے منقطع ہو جائے گا۔ اس حدیث سے معلوم ہو رہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی قرابت (نسبی و سببی) کے علاوہ اور کسی کی قرابت کام نہ آئے گی (اور آیت میں مؤمنوں کے لئے ان کی قرابت و زوجیت کا سود مند ہونا مذکور ہے)۔

## حل

تمام مؤمن رسول اللہ کی اولاد ہیں۔ اللہ نے فرمایا اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔ حضرت اُبی کی قرأت میں اتنا لفظ اس کے بعد زیادہ ہے۔ وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ (رسول اللہ ﷺ مؤمنوں کے باپ ہیں)۔

ایک اور آیت میں آیا ہے۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ سورۂ کوثر کی تفسیر میں ہم نے ذکر دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق عاص بن وائل نے لوگوں سے کہا اس کو چھوڑو یہ تو دُم بریدہ ہے اس کے پیچھے اس کی نسل نہیں ہے۔ اس پر اللہ نے نازل فرمایا اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ آپ کا دشمن ہی حقیقت میں دُم بریدہ ہے اسی کی نسل نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ عاص بن وائل کے بیٹے عمر اور ہشام تھے مگر عمر و ہشام مسلمان ہو گئے اس سے عاص کا ان سے کوئی رشتۂ والدیت قائم نہیں رہا اور عاص کو لاولد کہہ دیا گیا۔ عمرو ہشام عاص کے وارث بھی منقطع رشتہ کی وجہ سے نہ قرار پائے۔ بلکہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی اولاد ہو گئے۔ اس توضیح کی روشنی میں حدیث مذکور کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت کے دن میرا رشتہ اور نسب سود مند ہوگا اور سب رشتے منقطع ہو جائیں گے۔ میرا نسب و رشتہ براہ راست ہو یا بالواسطہ حاصل مطلب یہ کہ کافروں کا کافروں سے یا کافروں کا مؤمنوں سے رشتہ قرابت و زوجیت منقطع ہو جائے گا اور مؤمنوں کا باہمی رشتہ سود مند ہوگا۔ اسی مضمون کو اللہ نے آیت اَلْاَخِلَّآءُ یَوْمَئِذٍۢ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِیْنَ الخ میں بیان فرمایا ہے۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ اور (جنت یا محلات جنت کے ہر دروازے سے یا تحائف و ہدایا کی پیش کش کے) ہر دروازے سے ملائکہ ان کے پاس داخل ہوں گے۔ مقاتل نے کہا روزانہ یعنی ہر رات دن میں تین بار فرشتے ان کو تحفے اور ہدیے پیش کریں گے اور رات دن کی یہ مقدار دُنیوی شب و روز کے برابر ہوگی۔

سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ (اور کہیں گے) تم پر سلامتی ہو۔ یعنی جن تکالیف کا تم کو ڈر رہتا تھا۔ اب اللہ نے ان سے تم کو بچا لیا اور لازوال نعمتیں عطا فرما دیں۔

بِمَا صَبَرْتُمْ تمہارے صبر کرنے کی وجہ سے یعنی گناہوں سے بچ کر نفسانی خواہشات کو روک کر طاعت پر

Marfat.com

قائم رہنے اور مصائب کو برداشت کرنے کی وجہ سے تم کو یہ ثواب ملا ہے۔

فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ سو اس جہان میں تمہارا انجام بہت اچھا ہے۔

حضرت ابو امامہؓ کا بیان ہے کہ جنت کے اندر اپنی مسند (مسہری) پر مؤمن راحت اندوز ہوگا خادموں کی دو قطاریں اس کے سامنے ہوں گی۔ دونوں قطاروں کے سرے پر ایک بند دروازہ ہوگا دروازے پر فرشتہ اندر آنے کا طلب گار ہوگا۔ مؤمن اپنے قریبی خادم سے اور وہ خادم اپنے برابر والے خادم سے اور یونہی سلسلہ وار ہر خادم اپنے متصل خادم سے کہے گا کہ فرشتہ دروازہ پر خواستگار اجازت ہے۔ یہاں تک کہ آخری خادم جو دروازہ سے متصل ہوگا وہ دروازہ کھول دے گا فرشتہ اندر آکر سلام کرے گا اور واپس چلا جائے گا۔ رواہ البغوی۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جنت کے اندر سب سے پہلے وہ فقراء و مہاجرین داخل ہوں گے جن کے ذریعہ سے سرحدوں کی بندش ہوتی ہے اور مصائب سے بچاؤ ہوتا ہے۔ غریب دل کی خواہش دل ہی میں لے کر مر جاتے ہیں ان کی حاجت پوری نہیں ہوتی اللہ اپنی مشیت کے مطابق فرشتوں سے فرمائے گا ان کے پاس جاؤ اور ان کو سلام کرو۔ فرشتے عرض کریں گے اے ہمارے مالک ہم تیرے آسمان کے رہنے والے اور تیری مخلوق میں سب سے برگزیدہ ہیں کیا تو ہم کو حکم دے رہا ہے کہ ان کو جا کر سلام کریں، اللہ فرمائے گا یہ میرے بندے میری عبادت کرتے تھے کسی چیز کو میرا شریک نہیں قرار دیتے تھے انہی کے ذریعہ سے اسلامی سرحدوں کی بندش ہوتی تھی اور انہی کے سبب مصائب سے بچاؤ ہوتا تھا یہ ایسی حالت میں مرے کہ ان کی تمنا ان کے دلوں میں ہی رہی۔ دنیا میں ان کی حاجت پوری نہیں ہوئی، حسب الحکم ملائکہ ان کے پاس آئیں گے اللہ نے فرمایا يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ

وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ اور جو لوگ اللہ کے عہد کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں، یعنی پختہ اقرار اور قبول کرنے کے بعد پھر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔

وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ اور جس چیز کو جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اس کو توڑ دیتے ہیں۔ یعنی بعض کتابوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے، ماننے سے انکار کرتے ہیں، اور اللہ اور اس کے رسول کے درمیان تفرقہ کرتے ہیں اللہ کو مانتے ہیں اور رسول کو نہیں مانتے اور رشتہ داریاں منقطع کرتے ہیں۔

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اور زمین میں بگاڑ پیدا کرتے ہیں یعنی اللہ کی نافرمانیاں کرتے ہیں کھیتیاں تباہ کرتے اور نسل (یعنی انسانوں اور مویشیوں) کو ہلاک کرتے ہیں راستے لوٹتے ہیں اور ناحق بغاوت و ظلم کرتے ہیں۔ حضرت ابو بکرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آخرت میں جو سزا رکھی گئی ہے اس کے باوجود دنیا میں جس گناہ کی سزا اللہ کی طرف سے جلد ملنے کا استحقاق ہو جاتا ہے وہ بغاوت اور قطع رحم ہے (اس سے زیادہ جلد عذاب دنیا کو لانے والا اور کوئی گناہ نہیں) رواہ احمد والبخاری فی الادب وابو داؤد والترمذی وابن ماجۃ والحاکم وابن حبان۔ حضرت جبیر بن مطعمؓ راوی ہیں میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے ہیں رحم کو کاٹنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔ متفق علیہ۔

---

حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیؓ راوی ہیں، میں نے حضورؐ کو فرماتے سنا، ان لوگوں پر اللہ کی رحمت نازل نہیں ہوتی جن میں قرابت رحم کو کاٹنے والا موجود ہو۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (احسان کر کے) احسان جتلانے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا، نہ ماں باپ کا نافرمان نہ ہمیشہ مخمور رہنے والا (نشہ کا خوگر) رواہ النسائی والدارمی۔

اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ ایسے لوگوں پر لعنت ہوگی، لعنت سے مراد ہے اللہ کی رحمت سے دور رہنا۔

وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اور ان کے لئے اس جہان میں خرابی ہوگی یعنی دار آخرت میں ان کے لئے بری سزا ہے۔ بری سزا سے مراد ہے جہنم کی آگ۔

Marfat.com

اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ط اللہ ہی جس کا چاہتا ہے رزق فراخ کرتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کرتا ہے۔

وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ط اور اہل مکہ دنیوی زندگی پر پھولے ہوئے ہیں۔ فَرِحُوْا مغرور ہیں اِتراتے ہیں۔ یعنی دنیا میں اللہ نے جو اُن کو رزق کی کشائش عطا فرمادی ہے اس پر مغرور ہیں اللہ کا شکر ادا نہیں کرتے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ ع ۲۶ اور آخرت (کے مقابلہ) میں دُنیوی زندگی صرف ایک حقیر متاع ہے جو ہمیشہ رہنے والی نہیں، جیسے مسافر کا زادِ راہ اور چرواہے کی وقتی غذا۔ دنیوی عیش و راحت قابل بھروسہ نہیں، آخرت کی فلاح و آسائش کے مقابلہ میں اس کی کوئی وقعت نہیں۔ دنیوی سرمایہ کی وسعت ناقابلِ افتخار ہے اگر اس کو نعیم آخرت کے حصول کے لئے صَرف کیا جائے تو بہتر ہے ورنہ مستحقِ نفرت۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ط (کھلے معجزات اور واضح نشانات نبوّت دیکھنے کے باوجود محض عناد اور سرتابی کے زیر اثر (ممن مانے) معجزات اور نشانات کے یہ کافر طلبگار ہوتے ہیں) اور کہتے ہیں محمد ﷺ پر کوئی ایسی نشانی کیوں نازل نہیں ہوئی (جو ان کی صداقت کی شہادت دیتی)۔

قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ آپ کہہ دیجئے کہ اللہ جس کو چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے یعنی نزولِ آیات اور قیامِ معجزات میں کوئی کمی نہیں مگر (گمراہی اور ہدایت اللہ کے قبضہ میں ہے) آیات و معجزات کا کام (راہنمائی ہے) ہدایت بخشی نہیں (ہدایت بخش تو اللہ ہے) ہدایت و گمراہی تو اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت یابی کی توفیق نہیں دیتا اور تم جیسے لوگوں کا شمار مؤخر الذکر گروہ میں ہے اس لئے ہر معجزے کے ظہور کے بعد بھی تم ہدایت یاب نہیں ہو سکتے۔

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۲۷ اور جو شخص اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کی ہدایت کر دیتا ہے یعنی اپنی اطاعتِ ایمان اور مراتبِ قرب کے حصول اور جنّت کی طرف ان لوگوں کو ہدایت کرتا ہے جن کے دل کا رخ اپنی طرف موڑنا چاہتا ہے پس جس کی توجہ کو وہ اپنی طرف پھیر دیتا ہے وہ عناد چھوڑ کر اللہ کی طرف پھر جاتا ہے۔ ایسا آدمی نازل شدہ معجزات بلکہ ان سے بھی ادنیٰ معجزہ اور ضعیف ترین نشان دیکھ کر ہی ایمان لے آتا ہے (مزید فرمائشی معجزات کے ظہور کا طلبگار ہی نہیں ہوتا)

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (اللہ کی طرف رجوع کرنے والے) وہ لوگ ہیں جو ایمان لے آئے۔

وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ط اور ان کے دل اللہ کی یاد سے مطمئن ہو جاتے ہیں، یعنی ان کے دلوں میں ایمان و یقین جم جاتا ہے۔ ہر طرح کا شک زائل ہو جاتا ہے۔ "ذکر" سے مراد ہے قرآن اور "اطمینان" سے مراد ہے ایمان کیونکہ ایمان دلوں کا سکون ہے اور نفاق دلوں کی بے چینی یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کی یاد سے شیطانی وسوسے زائل ہو جاتے ہیں (اس مطلب پر ذکر سے مراد ہوگی اللہ کی یاد۔ صرف قرآن مراد نہ ہوگا) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہر آدمی کے دل کے دو خانے ہوتے ہیں ایک خانہ میں فرشتہ کا ظہور ہوتا ہے اور دوسرے خانہ میں شیطان کا ظہور جب آدمی اللہ کی یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے کو سمٹ جاتا ہے اور اللہ کی یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل کے اندر رکھ دیتا ہے اس طرح وسوسہ پیدا ہو جاتا ہے (رواہ ابن ابی شیبۃ فی المصنف عن عبداللہ بن شقیق ورواہ البخاری تعلیقاً عن ابن عباسؓ مرفوعاً) حضرت ابن عباسؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ ہے آدمی کے دل پر شیطان مالش کرتا ہے جب آدمی اللہ کی یاد کرتا ہے تو شیطان پیچھے کو سکڑ جاتا ہے اور جب اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈال دیتا ہے یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ اہل ایمان کے پاک و صاف دلوں کی روزی اللہ کی یاد ہے اللہ کی یاد سے ان کو چین اور سکھ ملتا ہے جیسے مچھلیوں کو پانی میں پرندوں کو ہوا میں اور وحشی جانوروں کو جنگل میں لیکن اگر غفلت آفریں کوئی اندرونی خیال دل میں آجاتا ہے یا اہلِ غفلت کی صحبت اثر انداز ہو جاتی ہے تو دلوں کا چین جاتا رہتا ہے بے چینی

Marfat.com

اور عدم سکون پیدا ہو جاتا ہے جیسے پانی سے باہر مچھلی کو اور خشکی کے جانور کو پانی کے اندر اور وحشی جانوروں کو پنجرے میں اضطراب ہوتا ہے۔

صوفیہ صافیہ کے خادموں کے لئے ان حالات کا مشاہدہ بالکل بدیہی ہے ہر مُرشدِ برحق کا خدمت گزار ان حالات کو دیکھا کرتا ہے اس مطلب پر اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد ہوں گے پاک باطن روشن دل صوفیہ۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىِٕنُّ الْقُلُوْبُ ﴿۲۸﴾ خوب سن لو اللہ کی یاد سے ہی (پاک صاف) دلوں کو چین ملتا ہے۔

بغوی نے اس جگہ ایک شبہ اور اس کا جواب لکھا ہے۔ شبہ کیا جاسکتا ہے کہ اللہ نے دوسری آیت میں فرمایا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ بس مؤمن وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور اس جگہ ذکرِ الٰہی مؤمن کے قلب کا اطمینان فرمایا گیا ہے۔ ایک حالت میں خوف اور اطمینان ایک دل میں کیسے جمع ہو سکتے ہیں اس شبہ کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ عذاب کے ذکر کے وقت مؤمن کا دل ڈر جاتا ہے اور ثواب کے وعدہ کے ذکر کے وقت اس کے اندر اطمینان پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ ڈرتا ہے اللہ کے انصاف اور عذاب سے اور چین پاتا ہے اللہ کے فضل و کرم کے ذکر سے۔ اس جواب کا حاصل یہ ہے کہ اطمینان و خوف میں باہم تضاد ہے (لیکن ایک حالت میں دونوں کا اجتماع نہیں ہوتا اطمینان کی حالت جدا ہوتی ہے اور خوف کی جدا)

میرے نزدیک طمانیت اور خوف میں کوئی تضاد نہیں طمانیت اُنس سے پیدا ہوتی ہے اور اُنس خوف کی حالت میں بھی ہوتا ہے بلکہ خوف و امید بھی ایک حالت میں جمع ہو سکتے ہیں حضرت انسؓ راوی ہیں کہ ایک جوان کے مرنے کے وقت رسول اللہ ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے اور پوچھا تجھے (اپنے دل کی) کیفیت کیا محسوس ہوتی ہے۔ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں اللہ سے امید رکھتا ہوں اور اپنے گناہوں کا مجھے خوف بھی ہے۔ فرمایا ایسے موقع پر جس بندہ کے دل میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں اللہ ضرور اس کو اس کی امید کے مطابق عطا فرماتا ہے اور جس چیز سے اس کو خوف ہوتا ہے اس چیز سے محفوظ رکھتا ہے رواہ الترمذی وابن ماجۃ۔ ترمذی نے اس روایت کو غریب کہا ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کئے ان کے لئے خوشی ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے طُوْبٰی کا ترجمہ کیا ہے خوشی اور خنکیٔ چشم۔ عکرمہ نے کہا ان کا مآل اچھا ہوگا۔ قتادہ نے کہا ان کے لئے بھلائی ہوگی (ان تمام مطالب پر) طُوْبٰی بروزن بُشْرٰی مصدر ہوگا۔ طاب (ماضی) یَطِیْبُ (مضارع)۔

معمر نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے اگر تم کو کوئی بھلائی اور فائدہ حاصل ہو جائے تو دوسرا آدمی کوئی دوست تم سے کہتا ہے۔ طُوْبٰی لَکَ گویا طوبیٰ کلمہ تبریک ہے ابراہیمؑ نے کہا نیکو کار مؤمنوں کے لئے بھلائی اور عزت ہوگی۔ سعید بن جبیرؓ نے کہا حبشی زبان میں طوبیٰ باغ (جنت) کو کہتے ہیں۔ بغوی کا بیان ہے کہ حضرت ابو امامہ حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جو تمام جنتوں پر سایہ فگن ہے۔

عبید بن عمیر نے کہا طوبیٰ جنتِ عدن کے اندر رسول اللہ ﷺ کے جنتی مکان میں ایک درخت ہے جس کی شاخیں (مؤمن کے ہر جنتی) مکان اور بالاخانہ پر سایہ فگن ہیں۔ سوائے سیاہ رنگ کے ہر رنگ اور ہر پھول اور ہر پھل اور ہر میوہ اللہ نے اس درخت میں پیدا کیا ہے اس کی جڑ سے دو چشمے نکلتے ہیں کافور اور سلسبیل۔

مقاتل نے کہا اس کا ہر پتہ ایک گروہ پر سایہ فگن ہے اور ہر پتہ پر ایک فرشتہ اللہ کی طرح طرح کی تسبیح بیان کرنے میں

---

لہ حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ حضور ﷺ کے سامنے طوبیٰ کا ذکر آیا تو فرمایا ابو بکرؓ کیا تم کو معلوم ہے کہ طوبیٰ کیا ہے حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ ہی خوب جانتے ہیں۔ فرمایا طوبیٰ جنت میں ایک درخت ہے جس کی لمبائی سے اللہ ہی واقف ہے اس کی ایک شاخ کے نیچے ستر برس تک گھوڑا سوار چلتا رہے (تو اس کو طے نہ کر پائے) الخ (ازالۃ الخفاء)

Marfat.com

مشغول ہے۔

احمد، ابن حبان، طبرانی، ابن مردویہ، اور بیہقی نے حضرت عتبہ بن عبداللہ سلمیؓ کا بیان نقل کیا کہ ایک شخص نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ کیا جنت کے اندر پھل ہوں گے فرمایا ہاں وہاں ایک درخت ہوگا طوبیٰ جو فردوس کے مطابق ہوگا (شاید مطابق ہونے سے یہ مراد ہے کہ پوری جنت فردوس پر چھایا ہوا ہوگا) سائل نے عرض کیا ہماری زمین کے کس درخت سے اس کی مشابہت ہو سکتی ہے فرمایا تیری اس زمین کے کسی درخت سے اس کی مشابہت نہیں، کیا تو شام کو گیا ہے سائل نے جواب دیا نہیں، فرمایا شام میں ایک درخت ہوتا ہے جو طوبیٰ سے کچھ مشابہت رکھتا ہے اس درخت کو اخروٹ کا درخت کہتے ہیں اس کا ایک تنہ ہوتا ہے اور اوپر جا کر اس کی شاخیں پھیل جاتی ہیں۔ سائل نے کہا وہ کتنا بڑا ہوگا فرمایا اگر تو اپنے گھر والوں کے اونٹوں کا گلہ لے کر اس کی جڑ کے گرد اگرد گھومے تو اگر تو بوڑھا ہو جائے اور بوڑھا ہو کر گر پڑے تب بھی اس کی جڑ کا دورہ پورا نہ ہوگا۔ سائل نے عرض کیا کیا اس میں انگور بھی ہوں گے فرمایا ہاں عرض کیا ان کا خوشہ کتنا بڑا ہوگا فرمایا چت کبرے کوّے کی ایک ماہ کی رفتار اُڑان کے برابر، عرض کیا اس کا ایک دانہ کتنا بڑا ہوگا فرمایا کیا تیرے باپ نے کوئی بڑا بکرا کبھی ذبح کیا ہے۔ عرض کیا جی ہاں، فرمایا کیا اس کی کھال اتار کر تیری ماں کو دے کر یہ کہا تھا کہ اس کی دباغت کر کے ایک بڑا ڈول اس کا بنا لینا جس میں پانی بھر کر ہم اپنے جانوروں کو پلایا کریں گے۔ سائل نے عرض کیا تو (اس سے اندازہ یہ ہوا کہ) اس کا ایک دانہ میرے اور میرے گھر والوں کا پیٹ بھر دے گا فرمایا ہاں اور تیرے سارے کنبہ کا بھی۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا طوبیٰ کیا ہے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے جس کا پھیلاؤ سو سال کی رفتار کے برابر ہے اہل جنت کے کپڑے اس کے شگوفوں سے برآمد ہوں گے رواہ ابن حبان۔

معاویہ بن قرہ نے اپنے باپ کی مرفوع روایت سے بیان کیا ہے کہ طوبیٰ ایک درخت ہے جس کو اللہ نے اپنے ہاتھ سے بویا ہے اور اس کے اندر اپنی روح سے پھونکا اس درخت سے زیور اور کپڑے پیدا ہوں گے اور اس کی شاخیں حصار جنت کے باہر سے دکھائی دیں گی۔

بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابوہریرہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت کے اندر ایک درخت ہے جس کے سایہ میں گھوڑا سوار سو برس تک چلتا رہے تب بھی قطع نہ کر سکے اگر تم اس کا ثبوت چاہتے ہو تو پڑھو وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ (متفق علیہ) امام احمد نے یہ روایت نقل کرنے کے بعد اتنا زائد بیان کیا کہ اس کے پتے جنت کو ڈھانک لیں گے۔

نہاد بن سری نے الزہد میں بغوی نے تفسیر میں آخر میں اتنا اور بھی بیان کیا کہ اس بیان کی اطلاع کعب کو پہنچی تو انہوں نے کہا یہ سچ ہے قسم ہے اس خدا کی جس نے موسیٰ پر تورات اور محمد ﷺ پر قرآن نازل کیا اگر کوئی شخص سہ سالہ یا چہار سالہ اونٹ پر سوار ہو کر اس درخت کے تنہ کے گرد اگرد چکر لگائے تو دورہ پورا نہ کر سکے یہاں تک کہ عمر ختم ہو جائے اور پیر فرتوت ہو کر گر پڑے اللہ نے اس کو اپنے ہاتھ سے بویا ہے اور اپنی روح اس میں پھونکی ہے اس کی شاخیں جنت کے باہر سے نظر آئیں گی (یعنی پوری جنت پر وہ سایہ فگن ہوگا) جنت کے ہر نہر اسی درخت کی جڑ سے نکلتی ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کو طوبیٰ کہا جاتا ہے اللہ اس سے فرمائے گا میرا بندہ جو کچھ چاہتا ہے تو شگافتہ ہو اپنے اندر سے اس چیز کو برآمد کر دے۔ حسب الحکم درخت پھٹے گا اور اس کے اندر سے بندہ کی خواہش کے مطابق گھوڑا زین اور لگام پورے ساز سمیت برآمد ہو جائے گا اور بندہ کی خواہش کے مطابق اونٹنی اپنے کجاوے، نکیل اور سامان سمیت برآمد ہو جائے گی اور کپڑے بھی پھٹکر اس درخت سے نکلیں گے۔ رواہ البغوی و ابن ابی الدنیا، ابن مبارک اور ابن جریر نے شہر بن حوشب کا قول نقل کیا ہے کہ طوبیٰ جنت کے اندر ایک درخت ہے۔ جنت کا ہر درخت اسی سے پیدا ہے اس کی شاخیں حصار جنت سے باہر دکھائی دیں گی۔

Marfat.com

وَحُسْنَ مَاٰبٍ ﴿۲۹﴾ اور اچھا انجام ہے، ماب پلٹنے کی جگہ۔

كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَيْهِمُ الَّذِيْۤ اَوْحَيْنَاۤ اِلَيْكَ

اسی طرح (یعنی دوسرے پیغمبروں کی طرح) ہم نے آپ کو بھی ایک امت میں بھیجا ہے جس سے پہلے دوسری امتیں گزر چکی ہیں (جن کی طرف دوسرے پیغمبروں کو بھیجا تھا مطلب یہ کہ آپ کی پیغمبری کوئی انوکھی چیز نہیں ہے) تاکہ جو قرآن ہم نے آپ کو وحی کے ذریعہ دے دیا ہے اس کو پڑھ کر آپ ان کو سنائیں۔

وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ مگر ان کی حالت یہ ہے کہ یہ رحمٰن کی ناشکری کرتے ہیں۔ رحمٰن بہت زیادہ رحمت والا جس کی نعمت سب کو گھیرے ہوئے ہے اور ہر چیز کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اللہ کا ان پر بہت بڑا انعام یہ ہے کہ اس نے آپ کو ان کے اندر رسول بنا کر بھیجا، قرآن نازل فرمایا جو تمام دنیوی و اخروی منافع کا خزانہ ہے۔ مگر یہ لوگ ناشکرے ہیں اتنی بڑی نعمت کا بھی شکر ادا نہیں کرتے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ قتادہ، مقاتل اور ابن جریج نے بیان کیا کہ اس آیت کا نزول صلح حدیبیہ کے سلسلے میں ہوا (یعنی یہ آیت مدنی ہے) ابن جریر، ابن ابی حاتم اور ابو الشیخ نے بھی قتادہ کا یہ بیان نقل کیا ہے۔ اس کی توضیح اس طرح ہے کہ جب قریش اور صحابہ کا صلح نامہ لکھنے پر اتفاق ہو گیا اور سہل بن عمرو قریش کی طرف سے آ گیا۔ سورۃ الفتح میں تفصیل کے ساتھ ہم نے لکھ دیا ہے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا، لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، قریش بولے ہم تو الرحمٰن کو نہیں جانتے ہم تو صرف یمامہ والے رحمٰن (یعنی مسیلمہ کذاب) کو جانتے ہیں (ہم اللہ کو رحمٰن نہیں کہتے) تم وہی لکھو جو پہلے لکھتے تھے۔ یعنی باسمک اللھم (سے تحریر شروع کرو) هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ کا یہی مطلب ہے (یعنی یہ لوگ اللہ کے رحمٰن ہونے کا انکار کرتے ہیں)

بغویؒ نے لکھا ہے (عام اہل تفسیر میں) مشہور ہے کہ یہ آیت مکی ہے ابو جہل وغیرہ کے حق میں نازل ہوئی حجر اسود کے پاس رسول اللہ ﷺ دعا میں یا اللہ یا رحمٰن فرما رہے تھے ابو جہل نے یہ لفظ سن پایا فوراً مشرکوں سے جا کر کہا محمدؐ دو معبودوں کو پکار رہے تھے اللہ کو اور رحمٰن کو اور ہم تو یمامہ والے رحمٰن کے علاوہ کسی اور رحمٰن سے واقف نہیں (پھر وہ رحمٰن کونسا ہے جس کو محمدؐ پکار رہے تھے) اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى

ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ آیت کفار قریش کے حق میں نازل ہوئی جب کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو، کافروں نے جواب میں کہا رحمٰن کیا چیز ہے۔

قُلْ هُوَ رَبِّيْ آپ کہہ دیجئے وہ ہی میرا رب ہے یعنی جس رحمٰن کو جاننے کے تم منکر ہو وہی میرا خالق اور کارساز ہے۔

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾ سوائے اس کے اور کوئی مستحق عبادت نہیں، اسی پر میرا بھروسہ ہے (وہی تمہارے مقابلے میں میری مدد کرے گا) اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے وہی مجھے ثواب دے گا۔

طبرانی وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا تم جو کچھ کہہ رہے ہو اگر وہ صحیح ہے تو ہمارے مُردہ اسلاف کو ہم سے ملا دو تاکہ ہم ان کو دیکھیں اور ان سے باتیں کریں (اور وہ تمہاری تصدیق کریں، مترجم) اور مکہ کے پہاڑوں کو (ان کی جگہ سے ہٹا کر) پھیلا دو اس زمین کو کشادہ کر دو۔ اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اگر قرآن کے ذریعہ سے پہاڑوں کو چلا دیا جائے (جگہ سے ہٹا کر پھیلا دیا جائے)

ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے عطیہ عوفی کا بیان نقل کیا ہے کہ قریش نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا اگر مکہ کے پہاڑوں کو یہاں سے چلا دیں کہ میدان نکل آئے اور ہم اس میں کھیتی کریں یا جس طرح ہوا کے ذریعہ سے سلیمان قطع مسافت کرتے تھے اور قوم کو ہوا کے دوش پر قطع مسافت کراتے تھے آپ بھی ہمارے لئے ایسا ہی کر دیتے یا جس طرح عیسیٰؑ مُردوں کو

Marfat.com

زندہ کر دیتے تھے آپ بھی ہمارے مُردوں کو زندہ کر دیتے (تو ہم ایمان لے آتے) اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ بغوی نے تفصیل کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ آیت مذکورہ چند مشرکوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جن میں ابو جہل بن ہشام اور عبداللہ بن امیہ بھی شامل تھے، وہاں سے عبداللہ بن امیہ نے ایک شخص کی زبانی یہ کہلوایا کہ اگر آپ ہم کو اپنا پیرو بنانا چاہتے ہیں تو قرآن کے ذریعے سے مکّہ کے پہاڑوں کو یہاں سے ہٹا دیجئے تاکہ کشائش پیدا ہو جائے ہماری کھیتی کے لئے اس وقت زمین تنگ ہے اور یہاں چشمے اور نہریں بھی نکال دیجئے تاکہ ہم درخت لگائیں کھیتیاں بوئیں اور باغ تیار کریں۔ آپ اپنے دعوے کے اعتبار سے اللہ کے نزدیک داؤدؑ سے کم مرتبہ تو نہیں ہیں آپ کہتے ہیں کہ داؤدؑ کے لئے پہاڑ رواں کر دیئے گئے تھے جو اُن کے ساتھ مل کر اللہ کی پاکی بیان کرتے تھے آپ ہوا کو بھی ہمارا تابع بنا دیجئے کہ ہم غلّہ کو حاصل کرنے اور دوسری ضروریات کو فراہم کرنے کے لئے جو شام کو جاتے ہیں ہوا پر چلے جایا کریں اور ہم روز لوٹ آیا کریں۔ آخر آپ کا قول ہے کہ ہوا کو سلیمانؑ کے زیر حکم کر دیا گیا تھا اور آپ کا یہ بھی خیال ہے کہ عیسیٰؑ مُردوں کو زندہ کر دیا کرتے تھے اور خدا کے نزدیک آپ کا مرتبہ (بقول آپ کے) عیسیٰؑ سے کم نہیں ہے لہٰذا آپ اپنے دادا قصیّ یا ہمارے مُردوں میں سے کسی کو زندہ کر دیجئے تاکہ ہم اس سے آپ کے معاملہ میں دریافت کریں کہ آپ کا دعویٰ نبوّت صحیح ہے یا غلط۔ اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

ابو یعلیٰ نے مسند میں حضرت زبیر بن عوامؓ کے حوالہ سے بھی حدیث مذکورہ کے ہم معنیٰ حدیث نقل کی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قرآن یعنی کسی آسمانی کتاب کے ذریعے سے اگر پہاڑ رواں کئے جا سکتے ہیں ان کی جگہ سے ان کو ہٹایا جا سکتا ہے۔

اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ یا کسی آسمانی کتاب کے ذریعہ سے زمین طے کی جا سکتی ہے یعنی اللہ ہوا کو تابع حکم بنا سکتا ہے اور لوگ دوش ہوا پر سوار ہو کر قطع مسافت کر سکتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اگر کسی آسمانی کتاب کے ذریعے سے زمین پھاڑی جا سکتی ہے اور اس سے چشمے اور نہریں نکالی جا سکتی ہیں۔

اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ یا اس کے ذریعہ سے مردوں سے کلام کیا جا سکتا ہے یعنی مردے زندہ ہو کر کلام کر سکتے ہیں۔ اَلْمَوْتٰی سے مراد قصیّ وغیرہ ہیں شرط کا جواب محذوف ہے یعنی امور مذکورہ میں سے کوئی امر کسی آسمانی کتاب سے سر انجام پانا ممکن ہو سکتا تو اللہ قرآن کے ذریعہ سے بدرجۂ اولیٰ ایسا کر دیتا مگر اللہ نے ایسا نہیں کیا۔

یا یہ مطلب ہے کہ اگر امور مذکورہ قرآن کی ذریعہ سے کر بھی دیئے جاتے تب بھی یہ لوگ ایمان نہ لاتے۔ اسی مؤخر الذکر مضمون کو آیت ذیل میں ادا کیا ہے۔ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى الخ اگر ہم فرشتوں کو اتار کر اُن کے پاس بھیج دیتے اور مُردے ان سے کلام کرتے اور ہر چیز کو جمع کر کے ان کی سامنے لے آتے (اور سب توحید و رسالت کی شہادت دیتے) تب بھی یہ ماننے والے نہ تھے۔ بعض نے کہا کہ جواب شرط مقدّم ہے وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ جواب شرط ہے اور درمیانی کلام جملہ معترضہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے گویا مطلب یہ ہے کہ اگر قرآن کے ذریعہ سے پہاڑ بھی رواں کر دیتے تب بھی یہ کفر ہی کرتے ایمان نہ لاتے کیونکہ ان کے لئے بدبختی لکھ دی گئی ہے ان کافروں کا مبدء تعیّن اللہ کے اسم مُضِل کا پَرتو ہے ان کو ہدایت کیسے مل سکتی ہے۔

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ بلکہ سارا اختیار خاص اللہ ہی کو ہے۔

اس جملہ سے پہلے کچھ کلام محذوف ہے جو عبارت کی رفتار سے سمجھ میں آ رہا ہے پورا کلام اس طرح تھا کہ کافروں کی فرمائشوں کا پورا نہ کیا جانا اس وجہ سے نہیں ہے کہ اللہ ایسا کرنے پر قدرت نہیں رکھتا بلکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے ان کی فرمائشیں بلکہ ہر امر کر سکتا ہے مگر اللہ ایسا چاہتا نہیں کیونکہ اس کو علم ہے کہ یہ لوگ اس کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے خواہ کوئی سی بھی نشانی ان کو نظر آ جائے یا اس لئے یہ فرمائشی معجزات اللہ ظاہر نہیں کرتا کہ ان کو ہدایت یاب کرنا نہیں چاہتا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ بعض صحابہؓ نے جب مذکورہ بالا معجزات کی درخواست سی تو ان کی بھی خواہش ہوئی کہ اللہ یہ فرمائشیں پوری کر دے تو

Marfat.com

بہتر ہے یہ کافر لوگ اسی طرح سے ایمان لے آئیں (تو مناسب ہے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اَفَلَمْ یَایْئَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا کیا (ان کافروں کے ایمان لانے سے) اہلِ ایمان ابھی ناامید نہیں ہوئے باوجود یہ کہ ان معجزات سے بڑھ چڑھ کر یہ کافر معجزات دیکھ چکے پھر بھی ایمان نہ لائے چاند پھٹنے کا معجزہ انہوں نے دیکھا پھر بھی تصدیق نہیں کی، کنکریوں کا کلام کرنا انہوں نے دیکھ لیا اور ایمان نہ لائے، پہاڑوں کے رواں کرنے اور دوشِ ہوا پر قطع مسافت کرنے سے تو چاند کے پھٹنے کا معجزہ زیادہ مؤثر ہونا چاہئے اور مُردوں کے کلام کرنے سے کنکریوں کا بولنا زیادہ مشکل ہے، جب یہ معجزات ان کو قبولِ ایمان پر آمادہ نہ کر سکے تو فرمائشی معجزات کی تکمیل کیا ایمان بخش ہو سکتی ہے۔

اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰہُ لَھَدَی النَّاسَ جَمِیْعًا کہ اگر اللہ چاہتا تو تمام دنیا کے آدمیوں کو ہدایت کر دیتا۔

اس کلام کا تعلق ایک محذوف لفظ سے ہے۔ یعنی یہ جانتے ہوئے بھی اہلِ ایمان کافروں کے ایمان لانے سے ناامید نہیں ہوئے کہ اگر اللہ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت کر دے یا یہ مطلب ہے کہ مؤمنوں کا ایمان ہے کہ اگر اللہ چاہے تو سب لوگوں کو مؤمن بنا دے اس ایمان کے باوجود کیا مؤمن ان کافروں کے ایمان دار بن جانے کی امید رکھتے ہیں ابھی ناامید نہیں ہوئے۔

اکثر اہلِ تفسیر نے لکھا کہ لَمْ یَایْئَسْ کا معنی ہے لَمْ یَعْلَمْ یعنی کیا اہلِ ایمان نہیں جانتے کہ اگر اللہ چاہے تو سب لوگوں کو ہدایت یاب کر دے۔

کلبی نے کہا قبیلۂ نخع کے محاورے میں یَاْسٌ بمعنی عِلم آتا ہے بعض لوگوں نے ان کو بنی ہوازن کا محاورہ قرار دیا ہے یعنی ہوازن والے یَاْسٌ کو عِلم کے معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ فراء نے اس کا انکار کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ کسی عرب سے یَاْسٌ کا معنی عِلم نہیں سنا گیا یَئِسْتُ بمعنی عَلِمْتُ نہیں آتا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لِیَاْسٌ کو مجازاً بمعنی عِلم قرار دیا جائے۔ علم کا نتیجہ کبھی ناامیدی ہوتا ہے۔ مسبّب بول کر سبب مراد لیا جا سکتا ہے جس چیز سے مایوسی ہو وہ مجہول نہیں ہوتی یقیناً معلوم ہوتی ہے لَمْ یَئِسْ کو لَمْ یَعْلَمْ کے معنی میں لینے کی ضرورت اس وجہ سے پڑی کہ اسی آیت میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے بموجب لَمْ یَئِسْ کی جگہ لَمْ یَتَبَیَّنْ آیا ہے اور لَمْ یَتَبَیَّنْ کا معنی ہے لَمْ یَعْلَمْ گویا لَمْ یَتَبَیَّنْ، لَمْ یَایْئَسْ کی تفسیر ہے۔

وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تُصِیْبُھُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَۃٌ اور یہ مکہ کے کافر تو ہمیشہ آئے دن اس حالت میں رہتے ہیں کہ ان کے (بد) کردار کے سبب ان پر کوئی نہ کوئی حادثہ پڑتا رہتا ہے۔

قارعۃ سے مراد ہے کوئی مصیبت، بلاء، آفت خواہ بصورتِ قحط ہو یا بصورتِ قید و قتل یا مال کی تباہی اور غارت گری ہو یعنی کفر و بداعمالی کی وجہ سے ان کافروں پر کوئی نہ کوئی آفت آتی رہے گی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قَارِعَۃ سے مراد ہیں وہ فوجی دستے جو رسول اللہ ﷺ کافروں پر بھیجتے رہتے تھے۔

اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِھِمْ حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰہِ یا ان کی بستی کے قریب نازل ہوتا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آجائے گا۔ یعنی فوجی دستے یا کوئی دوسری آفت اگر براہ راست ان پر نہیں آئے گی تو ان کی بستیوں کے قریب کسی جگہ آتی رہے گی اور اس کی چنگاریاں اڑ کر ان پر بھی پڑتی رہیں گی۔ بعض نے کہا تَحُلُّ مخاطب کا صیغہ ہے اور خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے۔ یعنی آپ خود ان کی بستیوں کے قریب جا کر اتریں گے۔ چنانچہ حضور ﷺ حدیبیہ میں جا کر اترے تھے۔ مؤخر الذکر قول اور ابن عباسؓ کی تشریح پر آیت کا نزول کفارِ مکہ کے متعلق مانا جائے گا۔ اگر آیت میں کفارِ مکہ مراد ہوں تو وَعْدُ اللّٰہِ سے مراد فتح ہو گی اور اگر آیت عموم پر رکھی جائے تو وعدُ اللہ سے مراد موت یا قیامت ہو گی۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾ یہ حقیقت ناقابلِ شک ہے کہ اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔ اللہ کے کلام میں کذب اور وعدہ کی خلاف ورزی ناممکن ہے۔

وَلَقَدِ اسْتُھْزِیَٔ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِکَ (یعنی جس طرح یہ کافر آپ سے استہزاء کرتے ہیں اسی طرح) آپ سے پہلے پیغمبروں سے کافروں کی طرف سے استہزاء کیا جا چکا ہے۔



Marfat.com

فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا پھر میں نے کافروں کو ڈھیل دی۔

اَلْمَلْوٰة کا معنی ہے لمبی مدت، طویل زمانہ۔ مَلَوَانِ رات دن کو امتداد کی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں رات دن مَلَوَان نہیں ہیں مِلوہ کا حقیقی معنی تو مدت ہے ایک شاعر کا قول ہے۔

نهار وليل دائم ملوهما على كل حال المرء يختلفان

رات اور دن کی مدت بہر حال آتی جاتی ہے۔ آدمی کا کوئی حال ہو اچھا یا بُرا مِلوہ کی ہُما کی طرف اضافہ بتا رہی ہے کہ مکلو (یعنی مدت ہے) بعینہ رات دن وہی کا معنی نہیں ہے۔ اس تشفیع کی بنا پر اَمْلَيْتُ کا ترجمہ ہوا، میں نے بغیر عذاب دیئے ان کو چھوڑے رکھا ڈھیل دی۔

ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ آخر میں نے (عذاب میں) ان کو دھر پکڑا پس (دیکھو) میرا عذاب کیسا (بر محل) واقع ہوا اسی طرح جو لوگ آپ سے استہزاء کرتے ہیں ان کے ساتھ بھی میں یہی سلوک کروں گا۔

اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ بھلا وہ اللہ جو ہر شخص کے اچھے برے تمام اعمال کا نگراں ہے اس مخلوق کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ کی طرح علم نہیں رکھتی یعنی اللہ ہر عمل سے واقف ہے اس لئے کسی عمل کا بدلہ اس کی طرح سے فوت نہیں ہوگا۔ ہمزہ سوالیہ ہے اور فَاَعاطفہ اور معطوف علیہ محذوف ہے پورا کلام اس طرح تھا کیا تم اللہ کے ساتھ بتوں کو شریک قرار دیتے ہو اور جو ذات ہر شخص کے ہر عمل کی نگراں ہے اس کو بے خبر، جماد، عاجز کی طرح سمجھتے ہو۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ اور بنا رکھے ہیں انہوں نے اپنے گمان میں اللہ کے ساجھی۔ اس جملہ کا عطف كَسَبَتْ پر ہے اگر مَا کو مصدری کہا جائے یا کلام محذوف پر ہے یعنی وہ اللہ کو ایک نہیں کہتے اور استحقاقِ معبودیت میں دوسروں کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے۔

قُلْ سَمُّوْهُمْ آپ ان سے کہیے کہ ان شریکوں کے اوصاف تو بیان کرو اور پھر غور کرو کہ کیا وہ مستحقِ معبودیت اور قابلِ شرکت ہو سکتے ہیں۔

اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي الْاَرْضِ یا اللہ کو تم ایسی بات بتا رہے ہو جس سے وہ ساری زمین میں واقف نہیں۔ یعنی جو چیز ہے یا ہونے والی ہے، اللہ تو سب سے واقف ہے مگر اس کو ایسی کوئی ہستی معلوم نہیں جو استحقاقِ عبادت میں اس کی شریک ہو۔ پس کیا تم بتوں کے وہ اوصاف بتا سکتے ہو جن کی وجہ سے وہ مستحقِ عبادت ہو سکیں۔ اور ایسے شریکوں کی صفات بیان کر سکتے ہو جو مستحقِ عبادت قرار پا سکیں۔

اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ یا (بتوں کو تم اللہ کا شریک) صرف ظاہری طور پر کہتے ہو۔ سطحی طور پر یونہی سُن سنا کر زبان سے کہہ دیتے ہو جس کی واقع میں کوئی حقیقت نہیں۔ جیسے حبشی کا نام کافور رکھ دیا جاتا۔ بعض اہلِ تفسیر نے بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ کا ترجمہ کیا ہے باطل قول، غلط بات۔

بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ بلکہ کافروں کو اپنے مغالطہ کی باتیں مرغوب معلوم ہوتی ہیں۔ یعنی شیطان نے ان کی فریب کاری اور مکر سازی کو ان کی نظر میں آراستہ کر دیا ہے (دلکش اور فائدہ آگیں بنا رکھا ہے) اس لئے وہ اپنی غلط جھوٹی باتوں اور فریب کاریوں کے تخیل میں مست ہیں۔

وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ اور صحیح راستہ سے ان کو روک دیا گیا ہے یعنی دین کی راہ سے اللہ نے ان کو پھیر دیا ہے اور شیطان نے ان کو بہکا دیا ہے۔

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾ اور جس کو بے مدد چھوڑ کر اللہ گمراہ کر دے اس کو صحیح راستے پر ڈالنے والا ہدایت کی توفیق دینے والا کوئی نہیں۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا دنیوی زندگی میں ان پر عذاب مسلط ہے یعنی قتل ہونا قید ہونا اور جزیہ ادا

Marfat.com

کرنا۔

وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ اور آخرت کا عذاب تو دنیوی عذاب سے زیادہ سخت اور دوامی اور بلاشبہ موجود ہی ہے (جس میں یہ گرفتار ہوں گا)

وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۝۳۴ اور ان کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں۔

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ جس جنت کا پرہیزگاروں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ اس کی حالت یہ ہے یعنی جنت کی خوبی اور ندرت کی حالت وہ ہے جو آئندہ بیان کی جارہی ہے۔ سیبویہ نے کہا مَثَلُ الْجَنَّةِ مبتدا ہے اور خبر محذوف ہے یعنی جنت کی حالت وہ ہے جو آگے بیان کی گئی ہے۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وہ ایسی جنت ہے جس کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔

اُكُلُهَا دَآئِمٌ اس کے پھل ہمیشہ ہوں گے کبھی منقطع نہ ہوں گے۔

بزار اور طبرانی کا بیان ہے کہ حضرت ثوبانؓ نے فرمایا، میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرمارہے تھے جنت والوں میں سے جو شخص بھی جنت کا کوئی پھل لے گا فوراً اس کی جگہ ویسا ہی دوسرا پھل دوبارہ آجائے گا۔

فرقۂ جہمیہ قائل ہے کہ جنت کی راحت فنا پذیر ہے آیت مذکورہ اور حدیث سے اس فرقہ کے قول کی تردید ہورہی ہے۔

وَظِلُّهَا ؕ اور اس کا سایہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ یعنی ہمیشہ رہے گا دنیا میں سایہ دھوپ کی وجہ سے معدوم ہو جاتا ہے۔ جنت میں سایہ اس طرح نہ ہوگا۔

بیہقی نے شعیب بن جبحان کا قول نقل کیا ہے۔ شعیب نے کہا میں اور ابوالعالیہ ریاتی سورج نکلنے سے پہلے نکلے (سُہانا وقت دیکھ کر) ابوالعالیہ نے کہا مجھے بتایا گیا ہے کہ جنت کا وقت ایسا ہی ہوگا پھر انہوں نے آیت وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ تلاوت کی۔

تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۪ یہ جنت پرہیزگاروں کے لئے جزا ہوگی یا ان کا انجام اور آخری نتیجہ بصورتِ جنت ہوگا۔

وَّعُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ۝۳۵ اور کافروں کا بُرا انجام دوزخ ہے۔ عُقْبٰی کا معنی اس جگہ اگر جزا اچھا انجام قرار دیا جائے تو اس لفظ کا استعمال بطور استعارہ ہوگا جیسے آیت هَلْ ثُوِّبَ الْكُفَّارُ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ میں لفظ ثواب اور آیت وَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ میں لفظ بشارت آیا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے۔ اس سے مراد یا تمام صحابہؓ ہیں یا یہودیوں اور عیسائیوں میں سے وہ لوگ مراد ہیں جو مسلمان ہوگئے تھے۔ جیسے حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور آپ کے ساتھی اور حبش کے عیسائی مسلمان۔

یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وہ اس قرآن سے خوش ہوتے ہیں جو آپ پر اُتارا گیا ہے کیونکہ قرآن ان کی سابق کتابوں کے موافق ہے۔

وَمِنَ الْاَحْزَابِ اور ان گروہوں میں سے یعنی کافروں میں سے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف جتھا بندی کرلی تھی یا ان یہودی اور عیسائیوں میں سے جو مسلمان نہیں ہوئے تھے جیسے کعب بن اشرف اور اسید اور عاقب وغیرہ۔

مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ وہ لوگ ہیں جو قرآن کے کچھ حصہ کا انکار کرتے ہیں۔ یعنی اس حصہ کا انکار کرتے ہیں جو ان کی خواہشات یا ان کی شریعتوں کے موافق نہیں ہوتا۔

بغوی نے لکھا ہے بعض لوگوں کا قول ہے کہ الرَّحْمٰن کا لفظ قرآن مجید میں کم آیا تھا جب حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور آپ کے ساتھی مسلمان ہوگئے اور قرآن میں الرَّحْمٰن کا ذکر انہوں نے کم پایا تو یہ چیز ان کو کچھ اچھی نہیں معلوم ہوئی۔ کیونکہ توریت میں تو یہ لفظ بکثرت آیا ہے اس کے بعد جب بار بار یہ لفظ قرآن میں آیا تو ان کو اس سے خوشی ہوئی۔ اس پر یہ آیت نازل

Marfat.com

ہوئی۔

بعض علماء تفسیر کے نزدیک وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ میں منکرین سے مکہ کے مشرک مراد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ میں جب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھوائی تو مشرکین کہنے لگے ہم تو رحمٰنِ یمامہ (مسیلمۂ کذّاب) کے علاوہ کسی اور رحمٰن سے واقف نہیں۔ اس پر آیت وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ اور آیت هُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ نازل ہوئی۔ بَعْضَهٗ کا لفظ بتا رہا ہے کہ مشرکین لفظ اللہ کے ذکر کا انکار نہیں کرتے تھے، بلکہ الرحمٰن کا لفظ ذکر کرنا ان کو گوارا نہ تھا۔

قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے مجھے تو بس یہ حکم دیا گیا ہے کہ میں اللہ کی بندگی کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ قرار دوں۔ اگر یہ قول پیش کرنے کا حکم منکرینِ اہلِ کتاب عیسائی اور یہودی کے مقابلہ میں ہے تو آیت کا مطلب اس طرح ہوگا کہ آپ کہہ دیجئے جو قرآن مجھ پر نازل ہوا اور جو وحی مجھ پر بھیجی گئی ہے اس میں مجھے اللہ کی عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ دین کا مرکزی ستون یہی ہے تم لوگ بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ باقی تمہاری شریعتوں سے میرے شرعی احکام کا مختلف ہونا سو یہ کوئی انوکھی بات نہیں تمام آسمانی کتابیں اور شریعتیں، جزئی احکام میں باہم اختلاف رکھتی ہیں ایک دوسری کا نسخ کرتی چلی آئی ہیں۔

اگر آیت کو عام کافروں کے حق میں قرار دیا جائے گا تو مطلب اس طرح ہوگا۔ آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ کی عبادت کرنے اور شرک نہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اللہ کو اللہ، رحمٰن، رحیم کے مختلف ناموں سے پکارنا توحید کے خلاف نہیں۔ لفظ رحمٰن کا انکار بے حقیقت ہے (شاید مشرکوں کو لفظ رحمٰن سے اس لئے چڑ تھی کہ ان کی صلاحیت و استعداد میں رحمتِ الٰہی کی قابلیت ہی نہیں تھی)

اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۝ اسی کی طرف میں لوگوں کو بلاتا ہوں اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے نہ کسی دوسرے کی طرف میں دعوت دے رہا ہوں نہ کسی اور کی طرف میرا رجوع ہے۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ اور ..... جس طرح ہم نے گزشتہ قوموں کے انہیں کی زبانوں میں کتابیں نازل کیں..... اسی طرح ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں (تمام معاملات، عبادات، حلت و حرمت وغیرہ کا) فیصلہ بنا کر اتارا ہے۔ تاکہ تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے اس کو سمجھنا سمجھانا آسان ہو۔

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۝ ع ۵ ۱۱

اور آپ کے پاس علم پہنچ جانے (یعنی قرآن نازل ہونے) کے بعد اگر آپ ان کی خواہشات پر چلیں گے تو اللہ کے عذاب و گرفت سے آپ کو بچانے والا اور مدد کرنے والا کوئی نہیں۔ یعنی کوئی ایسا مددگار اور حامی نہ ملے گا جو اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔

روایت میں آیا ہے کہ یہودیوں نے کہا تھا اس شخص کا مطمحِ نظر تو صرف عورتیں ہیں (یعنی یہ شخص نفس پرست اور عورتوں کا شیفتہ و فریفتہ ہے) اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ؕ اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے بہت پیغمبر بھیجے (جو فرشتے نہ تھے آپ کی طرح آدمی تھے) اور ہم نے ان کے لئے بیویاں اور اولاد (نر و مادہ) مقرر کیں (جیسے آپ کو عطا کی گئیں)۔

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اور کسی رسول کے اختیار میں نہیں (نہ کسی رسول کے لئے جائز ہے) کہ کوئی آیت (معجزہ اور حکم جو اس سے طلب کیا جائے وہ خود) لے آئے (کیونکہ سب پیغمبر بندے ہیں کوئی رب نہیں)۔

اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ ہاں اللہ کے حکم (اور اجازت) سے۔ (وہ معجزات اور احکام پیش کرتے تھے)۔

Marfat.com

لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ ہر مدت (اور ہر چیز کے وقت) کے لئے (اس کی طرف سے ازل میں) ایک مقرر تحریر ہے (اس تحریر میں ہر چیز کی ابتدا اور انتہا لکھی ہوئی ہے)۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے ازل میں لکھ دیا ہے کہ زید فلاں وقت پیدا ہوگا اور اتنی مدت تک زندہ رہے گا۔ کافر ہوگا یا مؤمن وغیرہ وغیرہ۔

اسی طرح قرآن کی ہر آیت کے نزول اور ہر معجزے کے ظہور کو بھی اللہ نے لکھ دیا ہے کہ فلاں وقت نزول یا ظہور ہوگا۔ لوگ خواہ کتنی بھی طلب میں عجلت کریں مگر وقتِ مقرر سے پہلے کوئی بات نہیں ہو سکتی۔

قرآن کے وہ احکام جو توریت کے خلاف تھے اہل کتاب ان کو نہیں مانتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس خیال اور انکار کو دور کرنے کے لئے اللہ نے لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ فرمایا ہو۔ یعنی ہر مدت اور وقت کے لئے اللہ نے حکم نازل فرمایا ہے اور صرف مقررہ مدت کے لئے بندوں کو کوئی معین حکم دیا ہے۔ بندوں کی مصلحت کے مطابق اللہ نے وقتی احکام بھیجے ہیں (جب مقررہ مدت ختم ہو گئی تو دوسرے زمانے کے لئے دوسرے احکام بھیج دیئے اور پہلے احکام بدل دیئے)۔

يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ ۚ اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹاتا اور جو کچھ چاہتا ہے ثابت برقرار رکھتا ہے۔ [1]

اس آیت کے مطلب میں اختلاف ہے سعید بن جبیرؓ اور قتادہ نے فرمایا، جن فرائض و احکام کو خدا چاہتا ہے منسوخ کر دیتا اور بدل دیتا ہے اور جن کو چاہتا ہے منسوخ نہیں کرتا ہے آیت لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ کا یہی مطلب مناسب ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لوحِ محفوظ میں سے جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے اس میں ثبت کر دیتا ہے۔ لوحِ محفوظ کی جو تحریر مٹانے کے قابل ہوتی ہے جس کو تقدیرِ معلق کہا جاتا ہے اس کو مٹا دیتا ہے اور اس کی جگہ دوسری چیز پیدا کر دیتا ہے کہ خواہ اس قضاء کا معلق ہونا لوحِ محفوظ میں درج ہو یا نہ ہو صرف اللہ کے علم میں پوشیدہ ہو اور تحریرِ لوح مٹانے کے قابل نہیں ہوتی جس کو تقدیرِ مُبرم کہتے ہیں اس کو نہیں مٹاتا قضاءِ مبرم رد نہیں ہوتی۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ جو چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے سوائے رزق اور عمر اور سعادت و شقاوت کے یعنی یہ اُمور نہیں بدلے جاتے۔

بغوی نے لکھا ہے ہم کو حضرت حذیفہ بن اُسیدؓ کی روایت سے یہ فرمانِ رسول پہنچا ہے کہ استقرارِ نُطفہ کے چالیس یا پینتالیس دن کے بعد ایک فرشتہ داخل ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے اے میرے رب یہ شقی ہے یا سعید یہ دونوں باتیں لکھ دی جاتی ہیں پھر فرشتہ کہتا ہے اے رب یہ نر ہے یا مادہ یہ دونوں امور بھی لکھ دیئے جاتے ہیں پھر اس کا عمل، اثرِ عمر اور رزق لکھ دیا جاتا ہے پھر یہ تحریریں لپیٹ دی جاتی ہیں جن کے اندر اس کے بعد نہ زیادتی ہوتی ہے نہ کمی۔

صحیحین میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے آیا ہے کہ ہم سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور آپ سچے تھے اور اللہ کی طرف سے آپ کو سچا بنایا گیا تھا کہ آدمی کی بناوٹ ماں کے پیٹ میں چالیس روز تک بصورتِ نطفہ پھر اتنے ہی روز بصورتِ علقہ (لوتھڑا، خون جما ہوا) پھر اتنی ہی مدت بصورتِ مُضغہ (گوشت کی بوٹی) رہتی ہے پھر اللہ اس کی طرف ایک فرشتہ چار باتوں

---

[1] طبرانی نے ضعیف سند سے بیان کیا کہ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے قائم رکھتا ہے سوائے بدبختی اور خوش بختی اور زندگی اور موت کے (یعنی ان چاروں چیزوں کو نہیں بدلتا) ابن مردویہ نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت سے حضرت ربابؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ رزق کی وسعت و کثرت کو مٹا بھی دیتا ہے اور رزق میں زیادتی بھی کر دیتا ہے اور عمر (کی میعاد) کو مٹا بھی دیتا ہے اور اس میں زیادتی بھی کر دیتا ہے۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے آیت يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ الخ کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا یہ ہر شبِ قدر میں ہوتا ہے اللہ (ہر مرتبہ) اٹھاتا ہے اور پناہ (یعنی دوزخ سے پناہ) دیتا ہے اور رزق دیتا ہے سوائے زندگی اور موت اور شقاوت و سعادت کے کہ ان میں تبدیلی نہیں کرتا۔ (از مؤلف رحمہ اللہ)

Marfat.com

کے لئے بھیجتا ہے فرشتہ اس کا عمل اس کی زندگی اس کا رزق اور اس کا شقی (دوزخی) یا سعید (جنتی) ہونا لکھ دیتا ہے اس کے بعد اس میں روح پھونکی جاتی ہے۔

بغوی نے حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے دونوں حضرات نے فرمایا اللہ سعادت و شقاوت کو بھی مٹا دیتا ہے اور رزق و مدتِ حیات کو بھی اور کچھ ثابت رکھتا ہے یہ بھی روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ کعبہ شریف کا طواف کرنے میں رو رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے اللہ اگر تو نے مجھے اہلِ سعادت میں لکھا ہے تو ان میں قائم رکھ (میرا نام ان کی فہرست سے نہ مٹا) اور اگر تو نے میرے لئے شقاوت لکھ دی ہے تو میرا نام اہلِ شقاوت کی فہرست سے مٹا دے اور اہلِ سعادت و مغفرت میں لکھ دے بلاشبہ تو جو کچھ چاہے مٹا دیتا ہے اور جو کچھ چاہے قائم رکھتا ہے تیرے ہی پاس اُمّ الکتاب (اصل کتاب، ہر چیز کا تحریر نامہ) ہے۔ ایسی ہی روایت حضرت ابن مسعودؓ سے بھی آئی ہے۔

بعض آثار میں آیا ہے کبھی ایسا ہوتا ہے کہ بعض آدمیوں کی عمر کے تیس سال باقی ہوتے ہیں لیکن جب وہ قرابت کو قطع کرتا ہے (قطع رحم کرتا ہے) تو لوٹا کر تیس سال کے تین دن کر دیئے جاتے ہیں اور بعض آدمیوں کی عمر کے تین دن باقی رہتے ہیں اور وہ کنبہ کی پرداخت (صلۂ رحمی) کرتا ہے تو تین دن کھینچ کر تیس سال کر دیئے جاتے ہیں۔ یہ اثر نقل کرنے کے بعد بغوی نے حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آدمی کی عمر کے جب صرف تین گھنٹے رہ جاتے ہیں تو) اللہ رات کے آخری تین گھنٹوں میں نزولِ اجلال فرماتا ہے اور کتاب مندرج شدہ کو پہلے گھنٹہ میں ملاحظہ فرماتا ہے کہ اس کے سوا کوئی بھی اس کتاب کو نہیں دیکھ سکتا پس جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے ثبت فرما دیتا (یا برقرار رکھتا ہے) ہے۔

میں کہتا ہوں حضرت عمرؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کی روایت کے مطابق مقاماتِ مجددیہ میں ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے ایک شخص مُلّا طاہر لاہوری تھے حضرت مجدد صاحبؒ کے دونوں صاحبزادگان حضرت محمد سعید اور حضرت محمد معصوم کے معلم تھے حضرت مجدد قدس سرہ نے بنظرِ کشف ملاحظہ فرمایا کہ مُلّا طاہر کی پیشانی پر لکھا ہے "مُلّا طاہر لاہوری شقی" حضرت نے اس کا ذکر اپنے لڑکوں سے کر دیا صاحبزادگان تو مُلّا طاہر کے شاگرد تھے ہی اس لئے انہوں نے حضرت سے درخواست کی کہ اللہ سے دعا کر دیجئے اللہ اس شقاوت کو مٹا کر سعادت سے بدل دے حضرت نے فرمایا، میں نے لوحِ محفوظ میں لکھا دیکھا ہے کہ یہ قضاء مُبرم ہے جس کو بدلا نہیں جا سکتا لڑکوں نے دعا کرنے کے لئے اصرار کیا حضرت مجدد نے فرمایا مجھے یاد آیا کہ حضرت غوث الثقلین شیخ محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ نے فرمایا تھا میری دعا سے قضاء مبرم بھی بدل دی جاتی ہے اس لئے میں دعا کرتا ہوں اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا ہوں اے اللہ تیری رحمت وسیع ہے تیرا فضل کسی ایک پر ختم نہیں ہو جاتا میں تجھ سے امید کرتا ہوں اور تیرے ہمہ گیر فضل سے درخواست کرتا ہوں کہ میری دعا قبول فرمالے اور مُلّا طاہر کی پیشانی سے شقاوت کی تحریر مٹا کر اس کی جگہ سعادت کے نقوش ثبت کر دے جیسے تو نے میرے آقا حضرت غوث اعظم کی دعا قبول فرمائی تھی حضرت مجدد قدس سرہ کا بیان ہے اس دعا کے بعد وہ منظر میری آنکھوں کے سامنے آ گیا کہ گویا میری نظر کے سامنے لفظ شقی مُلّا طاہر کی پیشانی سے مٹا کر اس کی جگہ لفظ سعید لکھ دیا گیا اور اللہ کے لئے یہ بات دشوار نہیں۔

حضرت مفسر کا بیان ہے اس تقریر کے بعد میرے دل میں ایک اشکال پیدا ہو گیا کہ کسی کی دعا سے قضاء مبرم کے ٹل جانے کا معنی ہی کیا ہو سکتا ہے اگر قضاء مبرم بھی ٹل جاتی ہے تو وہ مبرم ہی کب ہوئی ایسی قضاء کو مبرم کہنا ہی غلط ہے اس اشکال کا جواب اللہ نے میرے دل میں اس طرح القاء کیا کہ قضاء معلق دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ جس کا معلق ہونا لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے دوسری وہ قضاء جس کا مبرم ہونا لوحِ محفوظ میں درج نہیں اس کا معلق یا مبرم ہونا صرف اللہ کے علم میں ہے لوحِ محفوظ میں چونکہ اس کی تعلیق مکتوب نہیں اس لئے تحریرِ لوح کے اعتبار سے اس کو قضاء مبرم کہا جاتا ہے حضرت غوث الثقلین نے جس قضاء مبرم کا اپنی دعا سے بدل جانا ذکر کیا ہے اس سے مراد یہی قضاء ہے جو لوحِ محفوظ میں مبرم یعنی غیر معلق ہے اور علمِ الٰہی میں

Marfat.com

معلق غیر مبرم ہے۔ مُلّا طاہر کی بدبختی بھی اسی قسم کی تھی۔ لوح میں غیر معلق یعنی مبرم تھی، لیکن اللہ کے علم میں معلق غیر مبرم تھی اس لئے بدل دی گئی۔ واللہ اعلم۔

ضحاک اور کلبی نے آیت یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَآءُ وَ یُثْبِتُ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ کراماً کاتبین آدمی کے تمام افعال و اقوال اپنے رجسٹروں میں لکھ لیتے ہیں ان میں کچھ ایسے اعمال و اقوال بھی ہوتے ہیں جن کا نہ کوئی ثواب ہوتا ہے نہ عذاب مثلاً کوئی کہتا ہے میں نے کھالیا، میں نے پی لیا، میں وہاں گیا، میں گھر سے نکلا۔ یہ کلام اگر سچا ہوتا ہے تو اس پر نہ ثواب مرتب ہوتا ہے نہ عذاب اور کچھ اعمال ایسے ہوتے ہیں جو موجبِ ثواب و عذاب ہوتے ہیں۔ اول قسم کے اندراجات کو اللہ کراماً کاتبین کے رجسٹروں سے مٹا دیتا ہے اور دوسری قسم کی تحریروں کو قائم رکھتا ہے۔ کلبی نے اتنا مزید بیان کیا کہ جمعرات کے دن ایسے لاحاصل اعمال و اقوال مٹائے جاتے ہیں۔

عطیہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول تشریح آیت کے ذیل میں اس طرح بیان کیا کہ جو شخص اللہ کی اطاعت کرتا ہے، لیکن آخر میں نافرمانی کرنے لگتا ہے اور اسی گمراہی پر مر جاتا ہے تو اللہ اس کے سابق نیک اعمال مٹا دیتا ہے اور جو شخص مرتے دم تک اطاعت پر قائم رہتا ہے اللہ اس کی نیکیاں قائم رکھتا ہے۔

مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام آدمیوں کے سارے دل ایک آدمی کے دل کی طرح رحمٰن کی ایک چٹکی میں ہیں جس طرح چاہتا ہے پھیر دیتا ہے پھر حضورؐ نے یہ دعا کی اے اللہ اے دلوں کو پھیر دینے والے ہمارے دلوں کو اپنی اطاعت پر پھیر دے۔ (یعنی اپنی طاعت پر قائم رکھ)

حسن نے آیت کی تفسیر اس طرح کی جس کی موت کا وقت آجاتا ہے اللہ اس کو لے جاتا ہے یعنی (اس کی زندگی کا نقش) مٹا دیتا ہے اور جس کی موت کا وقت نہیں آیا ہوتا اس کو قائم رکھتا ہے۔

سعید بن جبیرؒ نے کہا اللہ اپنے بندوں کے جو گناہ چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے، مٹا دیتا ہے اور جو گناہ چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے معاف نہیں کرتا۔

عکرمہؒ نے کہا اللہ اپنے بندوں کے جو گناہ توبہ سے معاف کرنا چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور گناہوں کے بدلے نیکیاں ثبت کر دیتا ہے، اس نے خود دوسری آیت میں فرمایا اُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللّٰہُ سَیِّئَاتِہِمْ حَسَنَاتٍ۔

مسلم نے حضرت ابوذرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن بعض آدمیوں کی پیشی ہوگی تو حکم ہوگا اس کے سامنے اس کے صغیرہ گناہ رکھو، حسب الحکم صغیرہ گناہ اس کے سامنے لائے جائیں گے اور کبیرہ گناہ مخفی رکھے جائیں گے اور کہا جائے گا فلاں دن تو نے یہ کام کئے تھے وہ شخص اقرار کرتا جائے گا۔ انکار نہیں کرے گا مگر کبائر سے خوفزدہ رہے گا۔ کبائر اس سے پوشیدہ رکھے جائیں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہر گناہ کی جگہ اس کو ایک نیکی دے گا۔ بندہ عرض کرے گا میرے گناہ تو اور بھی تھے جو میں یہاں نہیں دیکھتا۔ راوی کا بیان ہے یہ فرمانے کے وقت میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ ہنس دیئے کہ آپ کی کچلیاں بھی نمودار ہو گئیں۔ مؤلف نے کہا میں کہتا ہوں شاید یہ عمل ان لوگوں کے لئے ہوگا جو محبوبیت کے سمندر میں غرق ہیں صاف بدن عالی قدر صوفی ہیں۔

سدی نے کہا مطلب یہ ہے کہ اللہ جو کچھ چاہتا ہے مٹا دیتا ہے، یعنی چاندنی کو مٹا دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے ثابت کرتا ہے یعنی سورج یا دھوپ کو لے آتا ہے، اللہ تعالیٰ نے اسی کا اس آیت میں اظہار کیا ہے فرمایا ہے فَمَحَوْنَآ اٰیَۃَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَآ اٰیَۃَ النَّہَارِ مُبْصِرَۃً ہم نے رات کی نشانی یعنی چاندنی مٹا دی اور ہم دن کی نشانی نظروں کے سامنے لے آئے۔

ربیع نے کہا اس آیت کے مطلب کا تعلق ارواح سے ہے، اللہ سونے کی حالت میں ارواح کو قبض کر لیتا ہے، اس کے بعد جس کو موت دینا چاہتا ہے اس کی روح کو روک لیتا ہے اور جس کو زندہ رکھنا چاہتا ہے اس کی روح واپس لوٹا دیتا ہے اللہ نے خود فرمایا ہے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا الخ بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے جو اعمال ریاکاری اور شہرت کے حصول کے لئے کئے جاتے ہیں اللہ ان کو کراماً کاتبین کے رجسٹر سے مٹا دیتا ہے اور جو اعمال خالص اللہ کے لئے کئے

Marfat.com

جاتے ہیں ان کو قائم رکھتا ہے۔

بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ ایک قوم کو مٹاتا ہے اور دوسری قوم کو قائم رکھتا ہے۔

وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ اور اسی کے پاس اُمّ الکتاب ہے۔ اُمّ الکتاب، کتاب کی اصل جڑ اُمّ الکتاب سے مراد ہے "اللہ کا علم"۔ حضرت ابن عباسؓ نے جب حضرت کعبؓ سے اُمّ الکتاب کا معنی دریافت کیا تو حضرت کعبؓ نے فرمایا علمُ الکتاب۔ (یعنی اللہ کا علم) عکرمہؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ کے پاس دو کتابیں ہیں ایک کتاب تو وہ ہے جس میں محو و اثبات ہوتا ہے (کچھ برقرار رکھا جاتا ہے کچھ مٹا دیا جاتا ہے) دوسری اُمّ الکتاب ہے اس کے مندرجات میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا۔

بغوی نے کہا اُمّ الکتاب لوح محفوظ ہے جس کے مندرجات میں کوئی تغیّر و تبدّل نہیں ہوتا۔ عطا نے کہا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ کی ایک لوح محفوظ ہے لمبائی بڑی کم بقدر پانسو برس کی راہ کے (اس کی لمبائی ہے) سفید موتی کی بنی ہوئی ہے اس کے دونوں پٹھے یاقوت کے ہیں اللہ روزانہ تین سو ساٹھ بار اس کو ملاحظہ فرماتا ہے جو کچھ چاہتا ہے اس میں سے مٹا دیتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے برقرار رکھتا ہے۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اگر (آپ کی وفات سے پہلے) ہم آپ کو اس بات کا کچھ حصہ دکھا دیں جس کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں، بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ سے مراد ہے دنیا میں مسلمانوں کو مشرکوں پر غالب کر کے اہلِ اسلام کے ہاتھوں ان کو سزا دینا اور مغلوب کرنا۔ اللہ نے یہ وعید آیت سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ میں دی تھی (ان کا جتھا شکست پائے گا اور سب پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے) یہ شکست جنگِ بدر کے دن کفار پر پڑی کچھ قتل ہوئے کچھ قید۔

اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ یا ہم وعدہ پورا کرنے سے پہلے آپ کو وفات دے دیں اور آپ کی زندگی میں ان کو کامل شکست نہ ہو تو آپ اس کی فکر نہ کریں ان کی روگردانی کی پروا نہ کریں اور ان کے جلدی عذاب پانے کی خواہش نہ کریں۔

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ کیونکہ آپ کے ذمّہ تو فقط پہنچا دینا ہے۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں اور یہ آپ کر چکے۔

وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ﴿۴۰﴾ اور ہمارے ذمّہ حساب تنہی ہے اور قیامت کے دن سزا دینا ہے جب ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کو سزا دے دیں گے۔ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ کیا (مکّہ کے کافروں نے) نہیں دیکھا کہ ہم زمین کو ہر چہار طرف سے کم کرتے چلے آ رہے ہیں۔

بغوی نے اکثر اہلِ تفسیر کا قول بیان کیا ہے کہ "زمین" سے مراد ہے کافروں کی زمین اور "کم کرنے" سے مراد ہے مسلمانوں کا کافروں کی زمین کو فتح کرنا۔ کیونکہ مسلمانوں کے مقبوضات بڑھنے کا معنی ہی یہ ہے کہ کافروں کے مقبوضات میں کمی آئے۔ پورا مطلب اس طرح ہے کہ ہم نے جو اُن کو وعید دی ہے کہ یہ بہت کچھ کفر کی حمایت میں صرف کریں گے لیکن وہ تمام مصارف ان کے لئے باعثِ حسرت بن جائیں گے آخر ان کو مغلوب ہونا پڑے گا کیا ان کو اس قول کی سچائی کا انکار ہے کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم سرزمین کفر گھٹا رہے ہیں مسلمانوں کے مفتوحات بڑھا رہے ہیں کیا ان کی عبرت اندوزی کے لئے یہ مشاہدہ کافی نہیں ہے۔ آیت کی یہ تفسیر حضرت ابن عباسؓ، قتادہؒ اور اکثر علماء نے کی ہے۔ آیت میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیام تسکین ہے تاکہ آپ فکر نہ کریں رنجیدہ نہ ہوں اور یقین رکھیں کہ اللہ کا وعدہ فتح پورا ہو کر رہے گا۔

بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک "زمین کی کمی" سے مراد ہے ویرانی اور تباہی اس توجیہ پر مطلب کا خلاصہ اس طرح ہوگا کیا ان لوگوں کو اپنی بربادی اور اپنی بستیوں کی ویرانی کا اندیشہ نہیں، کیا ان کو نہیں نظر آتا کہ ہم ان کی آبادیوں کو اُجاڑ رہے ہیں اور آبادیوں کے رہنے والوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ یہ تفسیر مجاہد اور شعبی کی طرف منسوب ہے۔

وَاللّٰهُ يَحْكُمُ اور اللہ (اپنی مخلوق کے معاملات میں) جیسا چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔

لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ اس کے حکم کو پلٹنے والا کوئی نہیں۔ یعنی اس کی قضاء کو رد کرنے والا اور اس کے حکم کو توڑنے والا کوئی نہیں مُعَقِّبَ کا معنی ہے کسی چیز کو پیچھے کی طرف پلٹ دینے والا اور موڑ کر بے کار کر دینے والا۔ مطلب یہ ہے



Marfat.com

کہ اللہ نے اسلام کی ترقی اور کفر کی بربادی کا حکم دے دیا ہے ایسا ضرور ہو کر رہے گا اس کو پلٹنے والا کوئی نہیں۔

وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ اور وہ جلد محاسبہ کرنے والا ہے، یعنی دنیا میں قتل و قید اور جلاوطنی کی سزا دینے کے بعد قیامت کے دن ان سے حساب فہمی کرے گا۔

وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور ان سے پہلے گزشتہ اقوام میں جو کافر گزرے ہیں انہوں نے بھی اپنے اپنے انبیاء اور مؤمنوں سے جعل فریب کئے تھے جیسے ان لوگوں نے آپ سے فریب کیا ہے۔ "مکر" کا معنی ہے نامعلوم طریقوں سے کسی کو دکھ پہنچانا۔

فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ پس اللہ ہی کے پاس ہے ان کا مکر یعنی ان کے مکر کی سزا۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ ہی ان کے فریب کا خالق ہے، خیر و شر اسی کے قبضہ میں ہے نفع اور ضرر اسی کے ہاتھ میں ہے اس کی اجازت اور حکم کے بغیر کسی کا فریب کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا لہٰذا ان کی فریب کاری بے سود ہے۔

يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ؕ جو شخص بھی جو کچھ کرتا ہے اللہ اس کو جانتا ہے اور عمل کے مطابق بدلہ بھی دے گا، یہی اللہ کی مخفی تدبیر ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ نامعلوم طریقے سے دیتا ہے۔

وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۴۲﴾ اور کافروں کو یقیناً معلوم ہو جائے گا کہ دونوں گروہوں میں سے کس کے لئے آخرت میں اچھی جزا ہو گی جب کہ غفلت کی حالت میں کافر مبتلائے عذاب ہوں گے اور مؤمن جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ کلام گویا "مکر اللہ" کی تفسیر ہے۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا ؕ وہ (کفار مکہ یا سردارانِ یہود) کہتے ہیں کہ آپ پیغمبر نہیں ہیں۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۙ آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری نبوت پر اللہ کی شہادت کافی ہے۔

یعنی میری سچائی نبوت کے لئے اللہ کی شہادت کافی ہے۔ اس نے میری رسالت کی صداقت ایسے دلائل سے واضح کر دی ہے کہ ان کے بعد کسی اور شاہد کی ضرورت نہیں۔ اور وہی قیامت کے دن فیصلہ کرے گا۔ اس روز ان منکروں کے پاس کوئی عذر نہ ہو گا۔

وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿۴۳﴾ اور ان لوگوں کی شہادت کافی ہے جن کے پاس اللہ کی کتابوں کا علم ہے۔ یعنی ایمان رکھنے والے اہل کتاب کی شہادت کافی ہے، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ۔ رہا کافروں کا انکار تو اس کی بناء محض حسد، عناد اور مال و جاہ کی طلب پر ہے۔ حرص و ہوا اور حسد ان کو اقرار کرنے سے روک رہے ہیں۔ اس تفسیر کی بناء پر بعض علماء نے کہا کہ پوری سورت اگرچہ مکی ہے مگر یہ آیت مدنی ہے۔

شعبی اور ابوبشر نے آیت کی مندرجہ بالا تفسیر کا انکار کیا ہے اور صراحت کی ہے کہ یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی اور حضرت عبداللہ بن سلام تو مدنی تھے ہجرت کے بعد مسلمان ہوئے تھے ان کے حق میں آیت کا نزول نہیں ہو سکتا۔

میں کہتا ہوں آیت کو اگر ہم مکی ہی قرار دیں تب بھی آیت میں اہل کتاب مراد ہونا ناممکن نہیں ہے گویا اللہ نے کفار مکہ سے فرمایا کہ اگر تم کو محمدؐ کی رسالت کا یقین نہیں ہے تو اہل کتاب سے دریافت کر لو معتبر اہل کتاب تصدیق کریں گے اور محمدؐ کی نبوت کی شہادت دیں گے۔

حسن اور مجاہد نے کہا الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اور مَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ سے مراد اللہ ہے دونوں جملوں کا ملا جلا یہ مطلب ہو گا کہ اس کی شہادت کافی ہے جو مستحق الوہیت ہے اور لوح محفوظ کی تحریر کا حکم اس کے سوا کسی کو نہیں، پس وہی جھوٹے کو سزا دے گا تم ہو یا میں ہم دونوں میں سے کوئی ہو۔ حسن اور سعید بن جبیرؓ کی قرأت میں مَنْ عِنْدِهٖ بکسر میم آیا ہے اس قرأت سے بھی حسن و مجاہد کے قول کی تائید ہوتی ہے۔ الحمدللہ سورۂ الرعد کی تفسیر اور اس کے ترجمے کی تصحیح ختم ہوئی (از مصحح)

Marfat.com

# سورۂ ابراہیم

یہ سورت مکی ہے اس میں باون ۵۲ آیات ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٓرٰ ۟ کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ الٓرٰ (یہ سورۃ یا قرآن) ایک ایسی کتاب ہے جو ہم نے آپ کی طرف اُتاری ہے۔

لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ تاکہ آپ لوگوں کو ان کے رب کے حکم سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آئیں۔ یعنی آپ ہماری کتاب کی ہدایت کی طرف لے آئیں۔ یعنی آپ ہماری کتاب کی ہدایات کی طرف لوگوں کو بلائیں اور نفع و نقصان میں امتیاز پیدا کرنے والے امور کی تعلیم دیں۔

"تاریکیوں" سے مراد ہیں طرح طرح کی گمراہیاں اور "نور" سے مراد ہے ہدایت۔ اِذْن سے مراد ہے توفیق اور اسبابِ سہولت فراہم کر دینا۔ درمیان داخلہ کی اجازت دیتا ہے یعنی اندر داخل ہونے میں سہولت دے دیتا ہے (رکاوٹ دور کر دیتا ہے)

اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ ۙ﴿۱﴾ (نور کی طرف نکال کر لائیں یعنی) اس خدا کے راستہ کی طرف لائیں جو غالب اور مستحقِ ستائش ہے اس کے سوا کوئی بھی قابلِ تعریف نہیں۔

اللہ کے یہ دونوں اوصاف ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ غالب و محمود اللہ کی راہ پر چلنے والا گمراہ نہیں ہوتا اور نامراد نہیں رہتا۔

اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ اس اللہ کا راستہ جس کی (مخلوق اور مملوک) ہر وہ چیز ہے جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔

وَوَیْلٌ لِّلْكٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ ۙ﴿۲﴾ اور بڑی خرابی یعنی بڑا سخت عذاب ہے ان کافروں کے لئے۔

وَیْلٌ کا معنی ہے نزولِ شر (اس سے مراد ہے پوری خرابی) بیضاوی نے لکھا ہے وَیْلٌ کا معنی وال کے معنی کی ضد ہے وَال کا معنی ہے نجات (پس ویل کا معنی ہوا ہلاکت) ہلاک کی طرح وَیل مصدر ہے مگر اس سے کوئی صیغہ مشتق نہیں ہوتا بیضاوی کے تحقیقی ترجمہ کی بنا پر یہ کلمۂ وعید قرار پائے گا کافروں سے مراد ہیں وہ منکرینِ کتاب جو تاریکیوں سے نکل کر روشنی میں نہیں آئے۔

الَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَیَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ جو دنیوی زندگی کو آخرت پر ترجیح دیتے ہیں اور اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ انتخاب پسند کرنا، اختیار کرنا، کسی چیز کو اپنا محبوب

Marfat.com

قرار دے لینا۔ دنیوی زندگی سے مراد ہے دنیا کی لذتیں۔ اللہ کے راستہ پر چلنے سے روکنے کا مطلب ہے اللہ کے پیغمبر کے اتباع سے روکنا۔

وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اور اللہ کے راستہ میں کجی ڈھونڈتے ہیں یعنی عیب چینی اور۔۔۔ خوردہ گیری کے لئے دین میں کجی ڈھونڈتے ہیں، یا یہ مطلب ہے کہ حق سے مُڑ کر اپنا رخ موڑ کر اللہ کی راہ کے طلب گار ہوتے ہیں حالانکہ ایسا ممکن نہیں (کہ حق سے منہ موڑ کر اللہ کا راستہ مل جائے) ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ راہِ خدا سے منہ موڑ کر دنیا کے طلب گار ہوتے ہیں مراد یہ ہے کہ حرام مال چاہتے ہیں۔

اُولٰٓئِكَ فِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ ایسے لوگ بڑی دور کی گمراہی میں ہیں یعنی ایسی گمراہی میں ہیں جو حق سے دور ہے۔ حق سے دور ہونا حقیقت میں گمراہ کا وصف ہے لیکن بطورِ مبالغہ کے گمراہی کی صفت قرار دے دیا گیا۔

وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ اور ہم نے ہر پیغمبر کو اسی قوم کی زبان میں پیغمبر بنا کر بھیجا۔

قَوْمِهٖ سے مراد ہے وہ قوم جس میں پیغمبر پیدا ہوا اور مبعوث ہوا۔ عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن المنذر نے حضرت قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ "لسانِ قوم" سے مراد ہے قوم کی بولی اگر قوم عربی ہوئی تو پیغمبر کی زبان بھی عربی ہوئی اور عربی میں ہی اس کو پیام دے کر بھیجا گیا اور اگر قوم کی زبان عجمی ہوئی تو پیغمبر کو بھی عجمی زبان میں پیام دے کر بھیجا گیا۔ اسی طرح سریانی کو سریانی زبان میں (اور ہندی کو ہندی زبان میں، مترجم) پیام دیا گیا۔

لِیُبَیِّنَ لَهُمْ تاکہ (پیغمبر کی امت کو جو احکام دیئے گئے تھے) وہ قوم کے سامنے کھول کر بیان کر دے اور قوم والے آسانی کے ساتھ ان کو سمجھ لیں اور پیغمبر کو قوم کے خلاف تبلیغ کی ایک مضبوط دلیل مل جائے۔ رسول اللہ ﷺ سے پہلے ہر پیغمبر کو اس کی قوم کی اصلاح کے لئے (خصوصیت کے ساتھ) بھیجا گیا تھا لیکن رسول اللہ ﷺ کو تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا مگر اول اپنی قوم کو تبلیغ کرنے کے لئے آپ کو مبعوث فرمایا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَكَ الْاَقْرَبِیْنَ دوسری آیت ہے لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَ مَنْ حَوْلَهَا تیسری آیت ہے لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّاۤ اُنْذِرَ اٰبَآؤُهُمْ (اول آیت میں صرف اقربا کو تبلیغ کرنے کا حکم ہے۔ دوسری آیت میں اہلِ مکہ اور دوسرے آفاقیوں کو اور تیسری آیت میں تمام عرب کو۔ مترجم) اس لئے اہلِ حجاز کے لئے (اول اور بلا واسطہ) اور پھر بالواسطہ تمام انسانوں کے لئے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور واضح عربی زبان میں پیام نازل فرمایا گیا پس اہلِ حجاز نے اللہ کا کلام اور پیام رسول اللہ ﷺ سے سیکھا پھر اس کو منتقل کیا اور دوسرے لوگوں نے (اپنی زبانوں میں) اس کے ترجمے کئے اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ خیر و شر میں قریش کے تابع ہیں۔ رواہ احمد و مسلم فی الصحیح عن جابرؓ۔ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کفارِ قریش چونکہ سب سے پہلے منکرِ نبوت ہوئے۔ اس لئے دوسرے کافر نبوت کفارِ قریش کے تابع ہوئے اور کفارِ قریش سب کے امام۔ اسی طرح جو قریش ایمان لے آئے اور دوسروں سے پہلے ایمان لائے اور دوسرے لوگ ان کے بعد مؤمن ہوئے اس لئے ایمان لانے والے قریشی امام اور دوسرے مؤمن ان کے تابع ہوئے پس خیر و شر دونوں میں قریش امام اور باقی لوگ ان کے پیرو قرار پائے۔

---

حضرت جریر کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ قائم کیا اس کو اس طریقے (پر چلنے کا اور قائم کرنے کا ثواب بھی ملے گا اور اس طریقے پر جتنے لوگ چلیں گے ان کے ثواب کے برابر بھی اجر ملے گا (بعد کو) اس طریقہ پر عمل کرنے والوں کے ثواب میں کمی نہیں کی جائے گی (ایسا نہ ہوگا کہ ان کا ثواب گھٹا کر طریقۂ حسنہ قائم کرنے والے کا ثواب بڑھا دیا جائے) اور جس نے اسلام میں کوئی طریقہ بُرا جاری کیا اس پر اس طریقے کو (اختیار کرنے) کا گناہ بھی ہوگا اور (آئندہ) جو لوگ اس طریقے پر عمل کریں گے ان کا گناہ بھی ہوگا مگر اس سے برے طریقہ پر چلنے والوں کے گناہ (اور سزا) میں کوئی کمی نہیں ہو جائے گی۔ رواہ مسلم۔

---

ابن عساکر نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابو سعیدؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اے مدینے

Marfat.com

والو، لوگ علم میں تمہارے تابع ہیں۔ مدینے والوں سے مراد ہیں انصار اور مہاجر، دوسرے لوگ مہاجرین وانصار کے تابع ہیں مگر انصار، دین (خلافت) میں مہاجرین کے تابع ہیں۔ دونوں حدیثوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

حضرت ابورافع کی روایت سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے گھر والوں کے لئے شیخ (سب کا بزرگ) ایسا ہے جیسے امت کے لئے پیغمبر۔ رواہ ابن النجار والخلیلی فی مشیخۃ، حضرت ابن عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اپنے گھر میں شیخ ایسا ہے جیسے اپنی قوم (امت) میں پیغمبر۔ رواہ ابن حبان فی الضعفاء۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا علماء انبیاء کے وارث ہیں رواہ احمد والترمذی وابو داؤد وابن ماجۃ والدارمی عن کثیر بن قیس۔ ترمذی نے راوی کا نام قیس بن کثیر بتلایا ہے۔

حضرت ابو سعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اور لوگ تمہارے متبع ہیں لوگ تمہارے پاس اطراف سے دین سیکھنے آتے ہیں تم ان سے اچھا سلوک کرو بھلائی کی ان کو نصیحت کرو، رواہ الترمذی۔ بعض علماء نے لکھا ہے کہ حدیث الشیخ فی بیتہ کالنبی فی قومہ میں قومہ کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے (اور النبی سے مراد رسول اللہ ﷺ ہیں) اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمام کتابیں عربی میں اتاری گئی تھیں پھر حضرت جبرئیلؑ نے ان کا ترجمہ مختلف (انبیاء کی) زبانوں میں کیا۔ ابن مردویہ نے بوساطت کلبی حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جبرئیلؑ کو عربی زبان میں وحی کی جاتی تھی پھر جبرئیلؑ ہر نبی کے پاس ان کی قوم کی زبان میں وحی لے کر آتے تھے۔

ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے حضرت سفیان ثوریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ (پیغمبروں پر) وحی تو صرف عربی میں نازل کی گئی پھر ہر نبی نے وحی کا ترجمہ اپنی قوم کی زبان میں کر دیا۔ سفیان ثوریؒ نے یہ بھی کہا قیامت کے دن سریانی زبان ہوگی اور جنت میں جو لوگ جائیں گے وہ عربی میں کلام کریں گے۔

(حضرت مفسرؒ نے کہا) میں کہتا ہوں قومہ کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع کرنا بعید از فہم ہے آیت لِيُبَيِّنَ لَهُمْ بِلِسَانِ قَوْمِهٖ کی صراحت اس کے خلاف ہے۔

فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ — پس اللہ گمراہ کر دیتا ہے جس کو چاہتا ہے یعنی ایمان کی توفیق نہیں دیتا۔

وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ — اور جس کو چاہتا ہے ہدایت یاب کرتا ہے یعنی ایمان کی توفیق دے دیتا ہے اور حق کا یقین اسکے دل میں پیدا کر دیتا ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ — اور وہی غالب ہے اس کی مشیت پر کوئی غالب نہیں جس کو وہ ہدایت کر دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں اور جس کو وہ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت یاب نہیں کر سکتا۔

الْحَكِيْمُ ۝ — وہی حکمت والا ہے۔ اپنی مصلحت کے تحت ہدایت یاب یا گمراہ کرتا ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ — اور ہم نے اپنی (نو) نشانیاں دے کر موسیٰؑ کو بھیجا۔

اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ؕ — (ہم نے یہ پیام دے کر بھیجا) کہ اپنی قوم کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاؤ اور اللہ کی نعمتوں کی یاد دہانی کرو۔

ایام اللہ سے حضرت ابن عباسؓ حضرت ابی بن کعبؓ مجاہد اور قتادہ کے نزدیک اللہ کی نعمتیں مراد ہیں اور مقاتل کے نزدیک وہ واقعات مراد ہیں جو گزشتہ امتوں (عاد، ثمود، قوم نوح) کو پیش آئے۔ محاورہ میں بولا جاتا ہے کہ فلاں شخص ایام العرب کا عالم ہے یعنی عرب کی لڑائیوں سے واقف ہے اس تقریر پر کلام کا مطلب اس طرح ہوگا کہ اپنی قوم کو وہ واقعات بتاؤ جو اللہ نے گزشتہ ایام میں ظاہر کئے خواہ وہ بصورت نعمت ہوئے ہوں یا بشکل مصیبت۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ — بلاشبہ ان واقعات میں (اللہ کی ہستی اس کی قدرت و حکمت اور توحید کی) بڑی نشانیاں ہیں

لِّكُلِّ صَبَّارٍ — ہر ایسے آدمی کے لئے جو (مصیبت اور طاعت اور گناہ سے اجتناب پر) بہت صبر کرنے والا۔

Marfat.com

شَكُوْرٍ ۝۵ (اور نعمتوں پر) بڑا شکر ادا کرنے والا ہو۔ مراد یہ ہے کہ ہر مؤمن کے لئے اس میں بڑی نشانیاں ہیں صبّار اور شکور کے الفاظ سے اس طرف اشارہ ہے کہ ہر مؤمن کے اندر صبر و شکر کی صفت ہونی لازم ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن ابی حاتم نے باسنادِ ابوظبیان حسب روایتِ علقمہ حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ صبر آدھا ایمان ہے اور یقین پورا ایمان۔ یہ قول علاء بن بدر کے سامنے ذکر کیا گیا تو علاء نے کہا یہ قرآن میں نہیں ہے کیا اللہ نے نہیں فرمایا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ۝ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ (یعنی ایک آیت میں اللہ نے صبّار اور شکور کے لئے اور دوسری آیت میں مؤمنین کے لئے اس کو آیاتِ توحید ذاتی و صفاتی قرار دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صابر و شاکر سے مراد مؤمن ہی ہے۔)

بیہقی نے حضرت انسؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ ایمان دو حصوں کا مجموعہ ہے ان کا آدھا حصہ صبر میں اور آدھا حصہ شکر میں ہے۔ طبرانی نے مکارم الاخلاق میں اور ابو یعلیٰ نے نقل کیا ہے کہ ایمان صبر و سماحت (ایثار) کا نام ہے۔

مسلم اور امام احمد نے حضرت صہیبؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مؤمن کا بھی عجیب معاملہ ہے اس کا ہر کام خیر ہی خیر ہے، مؤمن کے علاوہ کسی اور کو یہ بات نصیب نہیں، اگر اس کو سکھ پہنچتا ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہو جاتا ہے اور دکھ پہنچتا ہے تو صبر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر ہو جاتا ہے۔

بیہقی نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث نقل کی ہے کہ مؤمن کی عجیب حالت ہے اگر اس پر مصیبت آتی ہے تو وہ امیدِ ثواب رکھتا اور صبر کرتا ہے اور اس کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی حمد اور شکر کرتا ہے مؤمن کو ہر بات میں ثواب دیا جاتا ہے یہاں تک کہ جو لقمہ اٹھا کر وہ اپنے منہ میں رکھتا ہے (اس کا بھی اس کو ثواب ملتا ہے) حضرت ابو درداءؓ کا بیان ہے میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے کہ اللہ نے فرمایا عیسیٰؑ میں تیرے بعد ایک ایسی امت پیدا کروں گا کہ جب ان کو کوئی مرغوب خاطر چیز حاصل ہوگی تو وہ اللہ کی حمد کریں گے اور اگر کوئی ناگوار بات ان کو پیش آئے گی تو وہ ثواب کی امید رکھیں گے اور صبر کریں گے حالانکہ (ان میں) نہ برداشت ہوگی نہ سمجھ۔ حضرت عیسیٰؑ نے عرض کیا اے میرے رب یہ بات ان کو کیسے حاصل ہوگی جب کہ ان کو نہ برداشت حاصل ہوگی نہ عقل فرمایا میں ان کو اپنی دانش اور علم سے عطا کروں گا۔ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ

اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی جب کہ اللہ نے تم کو فرعون والوں سے نجات دی وہ تم کو بُری تکلیفیں دیتے تھے اور تمہارے لڑکوں کو قتل کرتے تھے اور لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے۔ "نعمت" سے مراد انعام (بمعنی مصدری) نہیں ہے بلکہ عطیۂ الٰہی مراد ہے "عذاب" سے مراد قتلِ اولاد نہیں بلکہ بنی اسرائیل کو غلام بنانا اور سخت ترین کام لینا مراد ہے کیونکہ وَيُذَبِّحُوْنَ کا عطف يَسُوْمُوْنَ پر ہے اور عطف مغایرت کو چاہتا ہے (معطوف، معطوف علیہ سے غیر ہوتا ہے) ہاں سورۂ بقرہ اور سورۂ اعراف میں عذاب سے مراد ذبح کرنا ہی ہے۔

وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۶ اور تمہاری ان تمام باتوں میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش ہے۔ ع ۱

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝۷

اور جب تمہارے رب نے اطلاع دے دی تھی کہ اگر شکر کرو گے تو میں تم کو اور زیادہ دوں گا اور ناشکری کرو گے تو (سمجھ لو) میرا عذاب یقیناً سخت ہے یہ بھی حضرت موسیٰؑ کے کلام کا ایک حصہ ہے تَاَذَّنَ کا معنی ہے اطلاع دے دی، بتا دیا

Marfat.com

اور شکر تم وفکر تم کا خطاب بنی اسرائیل کو ہے۔ شکر نعمت سے مراد ہے ایمان لانا اور اپنے پیغمبر کے حکم پر چلنا۔ شکر زیادتی نعمت کا موجب ہے موجود نعمت کو برقرار رکھتا ہے اور غیر موجود کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو جاتا ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو شکر دیا گیا (شکر کرنے کی توفیق دی گئی) وہ زیادتی سے محروم نہ رہے گا۔ رواہ ابن مردویہ عن ابن عباسؓ

بعض اہل تفسیر نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اگر تم اطاعت (کی شکل میں شکر ادا) کرو گے تو میں تمہارے ثواب میں زیادتی کروں گا۔

اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ سے مراد یہ ہے کہ میں تم کو سخت عذاب دوں گا دنیا میں اپنی نعمت تم سے چھین لوں گا اور آخرت میں عذاب دوں گا کیونکہ میرا عذاب سخت ہے۔

آیت میں وعدۂ زیادت کی تو صراحت ہے اور وعید عذاب کی طرف اشارہ ہے اس سے تنبیہ مقصود ہے اس امر پر کہ زیادتی نعمت تو شکر کی حالت میں لازم ہے اس کی خلاف ورزی ممکن نہیں اور ناشکری پر عذاب کی وعید کو پورا کرنا اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ چاہے تو عذاب دے اور چاہے معاف فرما دے۔

وَقَالَ مُوْسٰٓی اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ ۝۸

اور موسیٰؑ نے کہا (اے بنی اسرائیل) اگر تم اور تمام زمین کے باشندے اللہ کی ناشکری کریں تو اللہ (تم سب کے شکریہ سے) بے نیاز ہے فی نفسہ وہ مستحق حمد اور محمود ہے اس کی حمد ابدی ازلی ہے خود اس کی ذات سے پیدا ہو رہی ہے فرشتے بھی اس کی حمد کرتے ہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حمد میں مشغول ہے پورا کلام اس طرح تھا اگر تم ناشکری کرو گے تو اپنے آپ کو خود نقصان پہنچاؤ گے اپنی ذات کو مستحق عذاب اور ثواب سے محروم بناؤ گے اللہ بے نیاز اور مستحق حمد ہے۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ

کیا تمہارے پاس ان لوگوں کی (تباہی) کی خبر نہیں پہنچی جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں۔ نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے، جیسے ابراہیمؑ اور لوطؑ کی قومیں اور اصحاب الرس اور مدین والے اور ایکہ والے اور تبع کی قوم۔ یہ بھی حضرت موسیٰؑ کے کلام کا جزء ہے اس صورت میں بنی اسرائیل کو خطاب ہے یا اللہ کا کلام ہے اس صورت میں امت محمدیہ کو خطاب ہوگا۔

لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جن (کی گنتی شمار) کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے یہ آیت تلاوت کی پھر فرمایا نسب بیان کرنے والے جھوٹے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا۔ حضرت ابراہیمؑ اور عدنان کے درمیان تیس قرن ہوئے ہیں۔ جن سے سوائے اللہ کے کوئی واقف نہیں۔ امام مالک بن انسؒ کو یہ امر پسندیدہ نہ تھا (یعنی جائز نہ سمجھتے تھے) کہ کوئی شخص مسلسل اپنے اسلاف کا سلسلہ پشت در پشت حضرت آدمؑ سے جوڑتا چلا جائے اور رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کے متعلق بھی امام موصوف کی یہی رائے تھی۔

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ان کے پیغمبر (اللہ کی طرف سے) کھلے واضح معجزات لے کر پہنچے (تو غصہ یا تعجب یا استہزاء سے)

فَرَدُّوْٓا اَیْدِیَهُمْ فِیْٓ اَفْوَاهِهِمْ تو انہوں نے اپنے ہاتھ اپنے منہ میں دے لئے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا انہوں نے غصہ سے اپنے ہاتھ اپنے دانتوں سے کاٹے۔ اسی طرح دوسری روایت میں آیا ہے عَضُّوْا عَلَیْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب انہوں نے اللہ کی کتاب سنی تو تعجب کیا اور تعجب یا استہزاء سے اپنے ہاتھ منہ میں دے لئے جیسے ہنسی سے مغلوب ہو کر کبھی آدمی منہ پر ہاتھ رکھ لیتا ہے کلبی نے کہا انہوں نے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر پیغمبروں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور اشارہ کر کے بتایا کہ منہ بند رکھو ایسی باتیں نہ کرو۔ مقاتل نے کہا انہوں نے اپنے ہاتھ پیغمبروں کے منہ پر ان کو خاموش کرنے کے لئے رکھ دیئے۔ (اس صورت میں

Marfat.com

افواہم کی ضمیر پیغمبروں کی طرف راجع ہو گی) بعض علماء کے نزدیک اَیْدِی "نعمتیں" یعنی پیغمبروں کی نصیحتیں اور احکامِ شریعت و وحی۔ یعنی انہوں نے پیغمبروں کے احکام اور شریعت کو پیغمبروں کے منہ پر لوٹا کر دے مارا اور انکار کیا مجاہد و قتادہ نے یہی مطلب بیان کیا محاورہ میں بولا جاتا ہے میں نے اس کی بات اس کے منہ میں لوٹا دی (یعنی اس کے منہ پر) اس کی تکذیب کر دی۔ بعض نے کہا فی افواہم کا معنی ہے بافواہہم یعنی اپنی زبانوں سے انہوں نے احکامِ انبیاء کا انکار کیا اور پیغمبروں کی نصیحتوں کو لوٹا دیا۔

وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ اور کہنے لگے (تمہارے دعوے کے بموجب) جو احکام تم کو دے کر اللہ کی طرف سے بھیجا گیا ہے ہم (تمہارے دعوے کی صحت و حقانیت کے) منکر ہیں۔

وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ

اور جس امر کی طرف تم ہم کو بلاتے ہو ہم تو اس کی جانب سے بہت بڑے شبہ میں ہیں جو ہم کو تردد میں ڈالے ہوئے ہے ان کے پیغمبروں نے کہا کیا تم کو اللہ کے بارے میں شک ہے۔ استفہام انکاری ہے یعنی ہم تو تم کو اللہ کی توحید کی طرف بلا رہے ہیں اور اللہ کی توحید قابلِ شک نہیں ہے تمام محسوسات اور ذہنی موجودات اللہ کی توحید کو پکار پکار کر ظاہر کر رہی ہے۔

فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ جو آسمانوں کو اور زمین کو عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ یہ فقرہ اللہ کی صفت یا لفظ "اللہ" سے بدل ہے۔

يَدْعُوْكُمْ وہ تم کو (اپنی طرف ہم کو بھیج کر) بلا رہا ہے تم کو دعوت دے رہا ہے کہ تم اس پر ایمان لاؤ۔

لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ تاکہ تمہارے گناہ معاف کر دے یا یہ مطلب ہے کہ تم کو مغفرت کی طرف بلا رہا ہے۔ بعض علماء کے نزدیک مِنْ ذُنُوْبِكُمْ میں مِنْ زائد ہے مطلب یہ کہ تمہارے سب گناہ معاف کرنے کی طرف تم کو بلا رہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ اسلام ڈھا دیتا ہے اس (گناہ) کو جو مسلمان ہونے سے پہلے کا ہو۔ رواہ مسلم فی حدیث عمرو بن العاص۔ بعض کے نزدیک مِنْ ذُنُوْبِكُمْ میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ اسلام سے وہ گناہ معاف ہوتے ہیں جو براہ راست اللہ کے حقوق سے متعلق ہوں انسانوں کے حقوق معاف نہیں ہوتے۔ ایک عالم کا قول ہے کہ قرآن میں جہاں جہاں کافروں کو خطاب ہے وہاں مِنْ ضرور آیا ہے اور جہاں مؤمنوں کو خطاب ہے وہاں مِنْ نہیں ہے اس تفریق کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ کافروں کے خطاب میں جو مغفرت کا اظہار کیا گیا ہے وہ شرطِ ایمان پر مبنی ہے اور مسلمانوں کے خطاب میں جو مغفرت کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا جوڑ طاعت اور اجتناب عن المعصیۃ کے ساتھ ہے پس ادائے طاعت اور گناہ سے اجتناب کے ذیل میں حقوقِ انسانی کی ادائیگی اور معاملاتِ باہمی میں حق تلفی سے اجتناب بھی داخل ہے اس لئے خطاب حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کو شامل ہے۔

وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ؕ اور تم کو ایک معیّن وقت تک چھوڑے رکھے اجل مسمّٰی یعنی وہ وقت جو اللہ نے زندگی کا مقرر کر دیا ہے۔ اس معیّن وقت تک اللہ تم کو چھوڑے رکھے گا عذاب دینے میں جلدی نہیں کرتا۔

اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ جن سابق قوموں کو کفر پر قائم رہنے کی وجہ سے ہلاک کیا گیا ان کی ہلاکت کفر پر اصرار رکھنے کے ساتھ مشروط تھی اور یہ قضاءِ ہلاکت معلق تھی اگر وہ ایمان لے آتے تو ان کی عمریں طویل ہو جاتیں (اور انتہائے عمر سے پہلے ہلاک نہ ہوتے)

قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ کافروں نے (پیغمبروں سے) کہا تم تو بس ہماری طرح آدمی ہو۔ یعنی تمہاری حقیقت اور صورت انسانوں جیسی ہے تم کو ہم پر کوئی (خلقی) برتری حاصل نہیں ہے پھر خصوصیت کے ساتھ تمہارے پیغمبر ہونے کی کوئی وجہ نہیں اگر انسانوں کی ہدایت کے لئے اللہ کو کوئی نبی اور رسول بھیجنا ہی تھا تو اس نوع میں سے بھیجتا جو نوع انسان سے افضل ہوتی۔ دوسری آیت میں کافروں کا اسی مضمون کا قول نقل کیا ہے فرمایا ہے لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً۔

Marfat.com

تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝۱۰

(اس دعوت سے) تمہارا مقصد یہ ہے کہ جن معبودوں کی ہمارے اسلاف پرستش کرتے تھے ان کی پرستش سے ہم کو روک دو (اگر یہی بات ہے) تو کوئی کھلی ہوئی دلیل پیش کرو۔ جس سے تمہاری فضیلت اور عزت نبوت کا استحقاق ثابت ہو یا مرادیہ ہے کہ ایسی واضح حجت پیش کرو جس سے تمہارا دعوائے نبوت ثابت ہو سکے۔ کافروں نے واضح معجزات کو نہیں مانا اور محض عناد اور ضد کے زیر اثر مزید واضح دلائل کی طلب کی۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ

کافروں سے ان کے پیغمبروں نے کہا بے شک ہم تمہاری ہی طرح آدمی ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے فضل کرتا ہے۔ یعنی نبوت اور دوسری نعمتیں عنایت کرتا ہے انبیاءؑ نے عام نوع بشری سے اپنا اشتراک تسلیم کرتے ہوئے اختصاص نبوت کو اللہ کا فضل وانعام بیان کیا۔

وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ اور ہمارے لئے ممکن نہیں کہ اللہ کی مشیت کے بغیر ہم تمہارے سامنے کوئی دلیل لاسکیں۔ یعنی اپنے اختیار اور قابو سے معجزات پیش کرنا ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ہم تمہاری درخواست پوری کریں اس کا مدار تو اللہ کی مشیت پر ہے وہی ہر نبی کو ایسے اور اتنے معجزات عطا فرماتا ہے جن سے نبوت کا ثبوت ہو جائے۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۱ اور اللہ ہی پر اہل ایمان کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ اس کلام سے انبیاء نے دوسرے ساتھی ایمانداروں کو ہدایت کر دی کہ کافروں کے مقابلے میں تم کو اللہ پر اعتماد کرنا چاہئے اور اپنے توکل علی اللہ کا بھی اظہار کر دیا۔ آیت سے در پردہ وہ بات بھی معلوم ہو گئی کہ اللہ پر ہی بھروسہ رکھنا تقاضاء ایمان ہے کیونکہ مؤمن کا جب یہ پختہ عقیدہ ہو جاتا ہے کہ خیر وشر کو پیدا کرنے والا اور نفع وضرر پہنچانے والا اللہ کے سوا اور کوئی نہیں تو لازمی طور پر وہ اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیتا ہے۔

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۭ اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ رکھیں جب کہ اسی نے ہم کو ہماری راہیں دکھادی ہیں جن کی وجہ سے ہم جانتے اور پہنچانتے ہیں کہ تمام امور اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں کسی دوسرے کے اختیار میں نہیں ہیں۔

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰي مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۭ اور ہم (اور ہمارے مؤمن ساتھی) ضرور تمہاری طرف سے ایذا رسانیوں پر صبر کریں گے یہ محذوف قسم کا جواب ہے پہلے انبیاء نے اللہ پر توکل کرنے اور کافروں کی طرف سے بے نیازی کا اظہار کیا اور اس کلام سے اس کو پختہ کر دیا۔

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝۱۲ اور اہل توکل کو اللہ ہی پر توکل کرنا لازم ہے یعنی ایمان کا تقاضا ہے کہ وہ اللہ ہی پر توکل کریں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ اور کافروں نے اپنے پیغمبروں سے کہا ہم تم کو اپنی زمین (بستی، شہر وغیرہ) سے ضرور نکال باہر کر دیں گے یا تم کو ہمارے مذہب میں ضرور لوٹ کر آنا ہوگا۔ یعنی اپنا مذہب چھوڑ کر ہمارے مذہب میں آنا ہوگا۔ لوٹ کر آنے سے مراد ہے اپنا مذہب چھوڑ کر کافروں کے دین میں آنا کیونکہ پیغمبر کبھی کافروں کے مذہب پر پہلے بھی نہ تھے اس لئے لوٹنے سے مراد دوبارہ کفر اختیار کرنا نہیں یہ بھی ممکن ہے کہ مخاطب تمام مؤمن ہوں پیغمبر بھی اور ان پر ایمان لانے والے رُفقاء بھی۔ جماعت کو بطور تغلیب خطاب کیا گیا (پیغمبروں پر ایمان لانے والے پہلے کفر پر تھے، کر چھوڑ کر ایمان لائے تھے اور پیغمبر کبھی کافر نہ تھے اس لئے خطاب تو پیغمبروں کو کیا مگر روئے خطاب دوسرے مؤمنوں کی طرف ہے کہ تم کو دوبارہ اپنے اصلی مذہب کی طرف لوٹنا لازم ہے ورنہ ہم

Marfat.com

تم کو نکال دیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لفظ اَوْ کا معنی اِلَّآ اَنْ (ورنہ) یا اِلٰی اَنْ (یہاں تک) ہو اس وقت دھمکی کا تعلق صرف اخراج سے ہو گا مطلب اس طرح ہو گا کہ ہم تم کو اپنی بستی سے نکال دیں گے ورنہ ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ، یا یہاں تک کہ تم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ۔

فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ پس پیغمبروں کے رب نے ان کے پاس وحی بھیجی کہ ہم ظالموں کو ضرور ہلاک کر دیں گے۔ یعنی ہم نے وحی بھیجی اور کہہ دیا۔

وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ اور (کافروں کے گھروں اور) ان کی زمین میں ان کے بعد تم کو (یعنی پیغمبروں کو اور مؤمنوں کو) ضرور بسائیں گے۔ ان کے بعد سے مراد ان کو ہلاک کرنے کے بعد۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ ﴿۱۴﴾ (میری) یہ (رحمت وعنایت) اس شخص کے لئے ہو گی جو (قیامت کے دن) میرے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر رکھتا ہو اور میرے عذاب کی وعید سے (یا میرے موعود عذاب سے جو کافروں کے لئے مقرر ہے) خوف کرتا ہے۔

مَقَامِیْ سے مراد ہے اللہ کے سامنے قیامت کے دن کھڑا ہونا لفظ "مقام" کا اسی معنی میں استعمال آیت وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ میں بھی ہوا ہے۔ یا "مقام" سے مراد ہے قیام یعنی اعمال کی نگہداشت۔ مطلب یہ ہے کہ میں جو اعمال کو محفوظ رکھتا ہوں اور ہر عمل میری نگہداشت میں ہے مؤمن اس سے ڈرتا ہے (اور حفظِ اعمال پر یقین رکھتا ہے) بعض علماء نے کہا "مقام" کا لفظ زائد ہے یعنی جو شخص مجھ سے ڈرتا ہے۔

وَاسْتَفْتَحُوْا اور انہوں نے (یعنی انبیاء نے اللہ سے دشمنوں پر) فتح پانے کی دعا کی یہی مضمون آیت رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ میں بھی آیا ہے اِسْتَفْتَحُوْا کا عطف اَوْحٰی پر ہے اور ضمیر انبیاء کی طرف لوٹ رہی ہے (اسی کے موافق ہم نے ترجمہ کیا ہے) ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے یہی قول نقل کیا ہے اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے یعنی جب انبیاء قوم کے ایمان لانے سے مایوس ہو گئے تو انہوں نے فتح پانے اور کافروں پر عذاب نازل ہونے کی دعا کی۔ حضرت نوحؑ نے کہا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا اور حضرت موسیٰؑ نے کہا رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ حضرت ابن عباسؓ اور مقاتل کا قول ہے کہ اِسْتَفْتَحُوْا کی ضمیر کافروں کی طرف لوٹ رہی ہے کافروں کا اسی مضمون کا قول دوسری آیت میں بھی آیا ہے کافروں نے کہا تھا اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اے اللہ اگر یہ ہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے۔ بعض اہل تفسیر نے کہا اِسْتَفْتَحُوْا کی ضمیر دونوں فریقوں کی طرف راجع ہے "اہل حق اور اہل باطل" دونوں نے دعا کی کہ سچے کو فتح دی جائے اور باطل پرست کو تباہ کر دیا جائے كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ہر فریق اپنے مسلک پر مگن تھا۔

وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۱۵﴾ اور ہر ظالم سرکش ناکام ہو گیا۔ اس کا عطف محذوف کلام پر ہے یعنی مؤمن کامیاب ہوئے اور نامراد و تباہ ہو گیا ہر سرکش مغرور۔ صاحب قاموس نے جَبَّار کا ترجمہ سرکش اور عَنِیْد کا ترجمہ مغرور سے کیا ہے۔ تجبّر کا معنی ہے تکبّر یعنی بڑا ہونا (خواہ برحق ہو یا ناحق) اللہ جَبَّار ہے یعنی برحق اس کے اندر کبریائی ہے اور ہر سرکش بھی جبّار ہے۔ یعنی اس کی بزرگی کا دعویٰ تو ہے مگر غلط اور ناحق یا جبّار ایسے شخص کو کہتے ہیں جس کے دل میں رحم کا گزر بھی نہ ہو اور ناحق خون ریزی کرتا رہے یا جبّار ایسے شخص کو کہتے ہیں جو انتہائی غرور کی وجہ سے کسی کا اپنے اوپر کوئی حق نہ سمجھے (اور ہر ذمہ داری سے اپنی ذات کو بالا قرار دے) بغوی نے لکھا ہے کہ جبّار اس کو کہتے ہیں جو اپنی ذات سے اعلیٰ اور بالا کسی کو نہ سمجھے جبریۃ (مصدر ہے) انتہائی بزرگی کی طلب کہ اس سے اونچی کوئی چیز نہ ہو اسی معنی کی وجہ سے اس صفت کا استحقاق صرف حق تعالیٰ کو ہے اس کے سوا جو بھی اس صفت کا دعویٰ کرے گا وہ مستحقِ لعنت و ہلاکت اور نامراد ہو گا۔ بعض علماء نے کہا جبّار اس کو کہتے ہیں جو مخلوق کو اپنے حکم پر چلنے کے لئے مجبور کرے۔ اور عَنِیْد کا معنی ہے حق سے عناد رکھنے والا اور سچائی سے بیزار ہونے والا۔

Marfat.com

قاموس میں ہے عَنَدَ دانستہ حق کی مخالفت کی۔ عَنید و عانِد حق کی دانستہ مخالفت کرنے والا۔ حضرت ابن عباسؓ نے عنید کا ترجمہ کیا حق سے روگردانی کرنے والا مقاتل نے کہا عنید متکبر کو کہتے ہیں قتادہ نے کہا عنید وہ شخص ہے جو لا الٰہ الا اللہ کا انکار کرے۔

مِنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ اس کے پیچھے یعنی اس کے مرنے کے بعد اس کے لئے جہنم ہے۔ مقاتل نے یہی ترجمہ کیا ہے یا یہ مراد ہے کہ اس کے سامنے جہنم ہے دنیا میں گویا وہ جہنم کے کنارے پر کھڑا ہوا ہے۔ جہنم، اس کی گھات میں ہے آخرت میں اس کو جہنم کی طرف بھیج دیا جائے گا ابو عبیدہ نے کہا وَرَآءَ کا ترجمہ ہے آگے۔ یہ لفظ اَضداد میں سے ہے آگے اور پیچھے دونوں اس کے معنی ہیں۔

وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ﴿۱۶﴾ اور اس کو پانی یعنی کچ لہو پلایا جائے گا صَدِید وہ پانی جو دوزخیوں کے جَوف اور کھالوں سے بہے گا اور پیپ و خون اس میں آمیختہ ہوگا۔ محمد بن کعب نے کہا جو پانی زناکاروں کے اعضاء نہانی سے بہے گا وہ کافروں کو پلایا جائے گا۔ بر قولِ بیہقی مجاہد نے صَدِید کا ترجمہ کیا پیپ و خون (کچ لہو)۔

امام احمد، ترمذی، نسائی، ابن جریر ابن ابی حاتم، ابن المنذر، بیہقی، بغوی نے اور ابن ابی الدنیا نے صفۃ النار میں اور حاکم نے اپنی صحیح اسناد سے حضرت ابو امامہ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے سلسلہ میں فرمایا، صدید کو دوزخی کے قریب لایا جائے گا تو اس کو برداشت نہ ہوگی اور زیادہ قریب لایا جائے گا تو اس کے چہرہ کو بھون ڈالے گا اس کے سر کی کھال گر پڑے گی جب اس کو پیئے گا تو انتڑیوں کاٹ کر دُبر سے نکل جائے گا پس اللہ فرمائے گا وَسُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ۔

يَّتَجَرَّعُهٗ وہ گھونٹ گھونٹ کر کے اس کو پیئے گا یعنی تکلف کے ساتھ تھوڑا تھوڑا پیئے گا (بدبو، بدمزگی اور ناگواری کی وجہ سے پینے کے طریقے سے نہ پی سکے گا)

وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ اور آسانی کے ساتھ ان کو نگل نہ سکے گا۔ بلکہ وہ صدید اس کے حلق کا پھندا بن جائے گا آسانی سے اندر نہ اترے گا اور یونہی کافر طول عذاب میں مبتلا رہے گا۔ سَوغ (مصدر) کا معنی ہے آسانی کے ساتھ کسی پینے کی چیز کا حلق سے اتر جانا اور طبیعت کا اس کو (خوش گواری کے ساتھ) قبول کر لینا۔ قاموس میں ہے سَاغَ الشَّرابُ سَوْغًا آسانی کے ساتھ پینے کی چیز کو حلق میں اتار لیا۔

وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ اور موت (یعنی تکلیفیں اور قسم قسم کے عذاب) ہر طرف سے اس پر آئیں گے یعنی ہر طرف سے اس کو طرح طرح کا عذاب گھیر لے گا۔ یا اَلْمَوْت سے مراد موت کی سختیاں اور شدائد ہیں اور کل مکان سے مراد ہے جسم کا ہر حصہ یعنی ہر حصۂ جسم سے اس پر موت کی سختیاں آئیں گی۔ ابن ابی شیبہ، ابن جریر، ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے ابراہیم تیمی کا قول نقل کیا ہے کہ ہر (بن) مو سے اس پر موت (کی شدت) آئے گی۔

وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ اور وہ مردہ نہ ہوگا کہ تکلیف سے چھوٹ جائے۔ ابن جریج نے کہا سانس گلے میں اٹکی رہے گی نہ منہ سے باہر نکلے گی نہ اندر ہی اترے گی۔ ابن المنذر نے فضیل بن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ اس سے مراد سانس کا (گلے میں) بند ہو جانا ہے۔

وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ﴿۱۷﴾ اور اس (عذاب) کے بعد اس سے بھی سخت عذاب ہوگا بعض علماء نے کہا کہ عذاب غلیظ سے مراد ہے دوزخ میں ہمیشہ رہنا کبھی نہ نکلنا۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ آیت اِسْتَفْتَحُوْا کا انبیاء کے قصہ سے کوئی تعلق نہیں یہ بالکل الگ آیت ہے اور اس کا نزول مکہ والوں کے متعلق ہوا اہل مکہ رسول اللہ ﷺ کی بددعا سے قحط میں مبتلا ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے فتح یعنی بارش کے لئے اللہ سے دعا کی مگر اللہ نے انکی مراد پوری نہیں کی اور بجائے پانی کے دوزخیوں کے جوف کا گندہ پانی پلائے جانے کی وعید سنا

Marfat.com

دی۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ کفر کیا ان کی تعجب آفریں حالت ایسی ہے۔ "مثل" سے مراد ہے ایسی صفت جس میں ندرت ہو۔

اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِۨ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ؕ (یعنی) ان کے اعمال ایسے ہیں جیسے کچھ راکھ جس کو تیز آندھی کے دن ہوا تیزی کے ساتھ اُڑالے جائے۔ عَصُوف ہوا کا تیز چلنا (عَاصِف تیز چلنے والی ہوا) دن کو عاصف بطور مبالغہ قرار دیا گیا جیسے نہارہ صائم اور لیلہ نائم کہا جاتا ہے (آدمی دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات کو سوتا ہے دن کو روزہ دار اور رات کو سونے والا بطور مجاز کہا جاتا ہے) اعمال سے مراد ہیں کافروں کی وہ خود تراشیدہ نیکیاں جن کے ثواب کے وہ امید وار تھے، جیسے (ان کی مفروضہ) خیرات، کنبہ پروری، اعانتِ فقراء، آزادی غلاماں وغیرہ۔ ان تمام کارہائے خیر کی بنیاد چونکہ خدا شناسی پر نہ تھی اور ان سے اللہ کی خوشنودی مطلوب نہیں تھی یا بتوں کے نام پر یہ نیکیاں کی جاتی تھیں جو ان کے کسی عمل اور عبادت سے واقف نہ تھے اور نہ بدلہ دینے کی ان میں طاقت تھی اس لئے اللہ نے ایسی خوش اعمالیوں کو آندھی کی خاک سے تشبیہ دی جس کو آندھی اڑا کر لے جاتی ہے۔

لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ؕ انہوں نے (دنیا میں) جو کچھ کیا ہو گیا (قیامت کے دن) اسکے کسی حصہ پر قادر نہ ہوں گے۔ یعنی کسی عمل کا کوئی ثواب نہ پائیں گے نام و نشان بھی کسی نیکی کا انکو نظر نہ آئے گا۔ اس تشبیہ کا خلاصہ یہی ہے۔

ذٰلِكَ یہ یعنی نیکی سمجھ کر کسی کام کو کرنا اور پھر اس نیکی کا برباد ہو جانا اور نیکی کا گمراہی پر مبنی ہونا۔

هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ۝۱۸ (پرلے درجہ کی) حق سے بہت دور کی گمراہی ہے۔ بدکاریوں کا گمراہی ہونا تو درکنار ان کی تو نیکیاں بھی گمراہی ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ کیا آپ نہیں جانتے کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے "حق" سے مراد ہے حکمتِ کاملہ اور وہ طریقہ جو کائنات کی تخلیق کے لئے مناسب تھا اس جہان بالا و پست کی یہی پُر حکمت تخلیق حق و باطل میں امتیاز کا راستہ بتاتی اور صانع حکیم کی واحد ہستی کو ثابت کرتی ہے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۙ۝۱۹ اگر وہ چاہے تو تم کو (دنیا سے) لے جائے (تم کو معدوم کر دے) اور نئی مخلوق پیدا کر دے جو تم سے زیادہ فرماں بردار ہو جس نے یہ آسمان و زمین حکمت سے پیدا کئے ایسا بڑا قادر اس بات پر بھی قدرت رکھتا ہے کہ تم کو دنیا سے معدوم کر دے اور تمہاری جگہ کوئی نئی مخلوق پیدا کر دے۔

وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝۲۰ اور یہ بات اللہ کے لئے کچھ بھی دشوار نہیں ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے ایسا نہیں ہے کہ ایک چیز پر وہ قادر ہو اور دوسری چیز اسکی قدرت سے خارج ہو۔ اور جو ایسا قادر مطلق ہو وہی مستحق ہے اس امر کا کہ اسی کی پرستش اور اطاعت کی جائے اور اسی سے ثواب کی امید رکھی جائے اور اسی کی ناراضگی سے خوف کیا جائے۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا اور اللہ کے حکم سے (اور حساب فہمی کے لئے) سب کے سب (اپنی قبروں سے) باہر نکل آئے (یعنی قیامت کے دن یقیناً قبروں سے نکل آئیں گے گویا نکل ہی آئے)

فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا پس کہیں گے کمزور (نچلے طبقہ کے) لوگ کمزور سے مراد ہیں مال و دولت میں کمزور یا عقل و دانش میں کمزور۔

لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا ان لوگوں سے جو (دنیا میں) بڑے بن بیٹھے تھے۔ یعنی ان سرداروں اور لیڈروں سے کہیں گے جو پیغمبروں کے اتباع سے روکتے تھے۔

اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا ہم تو بلاشبہ تمہارے تابع حکم تھے تم نے پیغمبروں کی تکذیب اور ان سے اعراض



Marfat.com

کرنے کا حکم دیا تھا ہم تمہارے حکم پر چلے۔ تَبَعٌ تَابِعٌ کی جمع ہے۔

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ؕ پس کیا (تم) ہم سے اللہ کے عذاب کا کچھ حصہ بھی دفع کردو گے۔ مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ میں مِنْ بیانیہ اور مِنْ شَیْءٍ میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔

قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ؕ وہ کہیں گے اگر اللہ ہم کو (ایمان کی) ہدایت نصیب کر دیتا تو ہم تم کو ہدایت پر آنے کی دعوت دے دیتے۔ لیکن ہم گمراہ تھے سو ہم نے تم کو بھی گمراہ کر دیا جو چیز اپنے لئے پسند کی تھی وہی تمہارے لئے بھی پسند کی، یا یہ مطلب ہے کہ ہم تم کو آگ کے کنارے پر لے آئے اب اگر اللہ عذاب سے بچنے کا کوئی طریقہ ہم کو بتا دیتا تو ہم تم کو وہی راستہ بتا دیتے اور تم کو عذاب سے بچا لیتے مگر نجات کا راستہ تو خود ہمارے لئے بھی بند کر دیا گیا۔

سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾ ع ہم بے قراری کریں یا صبر کریں اب ہمارے لئے دونوں باتیں برابر ہیں (کوئی سود مند نہیں) ہمارے لئے بچنے اور بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں۔ مَحِیْص اسم ظرف ہے حیصٌ مصدر حیص کا معنی بھاگنے کے لئے مژنیا مَحِیْص مصدر ہے جیسے مغیب۔ یہ جملہ یا سرداروں کے کلام کا جز ہے یا دونوں فریقوں کا مقولہ ہے مقاتل کا قول ہے کہ کافر دوزخ کے اندر سب مل کر پانچ سو برس تک فریاد وزاری کریں گے لیکن کوئی حاصل نہ ہوگا پھر پانچ سو برس تک صبر کریں گے پھر بھی کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس وقت کہیں گے سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ۔

ابن ابی حاتم طبرانی اور ابن مردویہ نے حضرت کعب بن مالکؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ دوزخی کہیں گے آؤ ہم صبر کریں (شاید اللہ کو رحم آجائے) چنانچہ پانچ سو برس تک صبر کریں گے اور جب یہ دیکھیں گے کہ کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو کہیں گے سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَا الخ

محمد بن کعب قرظی کا بیان ہے کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے کہ دوزخی دوزخ کے منتظمین سے کہیں گے اُدْعُوْا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ اپنے رب سے دعا کرو کہ وہ ایک دن ہی ہمارے عذاب میں تخفیف کر دے منتظمین دوزخ جواب دیں گے اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ؕ کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر احکام واضحہ لے کر نہیں پہنچے تھے؟ دوزخی کہیں گے پہنچے کیوں نہ تھے، اس پر منتظمین جواب دیں گے اُدْعُوْا ۚ وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ تم خود دعا کرو کافروں کی دعا کا سوائے ناکامی کے اور کچھ نتیجہ نہیں۔ جب وہ ناامید ہو جائیں گے تو کہیں گے يٰمَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ اے مالک (داروغۂ جہنم) تمہارا رب تو ہمارا کام تمام ہی کر دے (یعنی موت ہی دے دے تو اس عذاب سے چھوٹ جائیں) مالک ان کو اسّی برس تک کوئی جواب نہیں دے گا۔ اسّی برس میں ہر سال تین سو ساٹھ دن کا ہی ہوگا لیکن ہر دن ہزار برس کا ہوگا (یعنی ہمارے ہزار برس کے برابر ہوگا) اسّی برس کے بعد جواب دے گا تم کو یہیں رہنا ہوگا جب وہ ناامید ہو جائیں گے تو ایک دوسرے سے کہے گا تم پر جو مصیبت آنی تھی وہ آ ہی گئی (اب جزع فزع کرنا بیکار ہے) ہم کو صبر کرنا چاہئے، ممکن ہے صبر سے کچھ اچھا نتیجہ نکل آئے جس طرح دنیا میں جن لوگوں نے اللہ کی اطاعت پر صبر کیا تھا اور ہر دکھ کو برداشت کیا تھا تو ان کو (آج) فائدہ ہوا۔ غرض بالاتفاق (مجبوراً) صبر کریں گے اور طویل مدت تک صبر رکھیں گے (مگر بے سود) پھر جزع فزع کریں گے اور طویل مدت تک کریں گے (لیکن کچھ نتیجہ نہ ہوگا) آخر پکار اٹھیں گے سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ یعنی کوئی بچنے کا مقام نہیں۔ اس کے بعد ابلیس کھڑا ہو کر انکو خطاب کرے گا اور کہے گا اللہ نے بلاشبہ تم سے سچا وعدہ کیا تھا اور میں نے جو وعدے تم کو دیئے تھے ان کے خلاف ہوا مگر تم پر میری کوئی زبردستی نہ تھی میں نے تو تم کو صرف دعوت دی تھی تم نے میری دعوت مان لی۔ لہٰذا آج مجھے ملامت نہ کرو خود اپنے کو ملامت کرو[1] ابلیس کا یہ کلام سن کر لوگوں کو خود اپنے سے نفرت ہو جائے گی اس پر

[1] اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ

Marfat.com

ندا آئے گی جتنی نفرت تم کو (آج) اپنے سے ہے اس سے زیادہ نفرت اللہ کو تم سے اس وقت تھی جب تم کو ایمان کی دعوت دی جا رہی تھی اور تم انکار کر رہے تھے[۱] یہ نداسنکر وہ پکار اٹھیں گے اے ہمارے رب (نبیؑ کے قول اور تیرے وعدے کی سچائی) ہم نے دیکھ لی اور سن لیا اب ہم کو (دنیا میں) پھر لوٹا دے ہم اچھے عمل کریں گے ہم کو یقین آگیا[۲] اللہ ان کی تردید میں فرمائے گا وَلَوْ شِئْنَا لَاٰتَيْنَا كُلَّ نَفْسٍ هُدَاهَا۔ وہ تیسری مرتبہ پکاریں گے۔ اے ہمارے رب ہم تیری دعوت قبول کریں گے اور پیغمبروں کا بھی اتباع کریں گے تو تھوڑی مدت کو ہم کو مہلت دے دے[۳] اللہ فرمائے گا کیا تم نے اس سے پہلے قسم کھا کر نہ کہا تھا کہ ہم کو فنا نہیں[۴] پھر وہ چوتھی مرتبہ پکاریں گے اے ہمارے رب تو ہم کو (یہاں سے) نکال دے ہم جو کام پہلے کر چکے ہیں ان کے سوا دوسرے عمل کریں گے[۵] اللہ ان کے رد میں فرمائے گا کیا ہم نے تم کو ایسی اور اتنی زندگی نہیں دی تھی کہ اس میں جو نصیحت پکڑنے والا تھا نصیحت پکڑ لیتا اور کیا تمہارے پاس ڈرانے والا نہیں پہنچا تھا[۶] پھر ایک مدت تک توقف کرنے کے بعد اللہ اُنسے فرمائے گا کیا میرے اَحکام تم کو پڑھ کر نہیں سنائے گئے تھے اور تم ان کی تکذیب کرتے تھے[۷] یہ بات سنکر وہ کہیں گے کیا ہم پر آئندہ ہمارا رب رحم (بالکل) نہیں کرے گا۔ اس کے بعد پکار اٹھیں گے اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آگئی تھی ہم لوگ گمراہ ہو گئے تھے اے ہمارے رب (اب کی بار) ہم کو یہاں سے نکال لے اگر پھر ہم نے دوبارہ ایسا کیا تو ہم بلاشبہ ظالم ہوں گے[۸] اللہ فرمائے گا اس میں ذلت کے ساتھ رہو مجھ سے بات بھی نہ کرو[۹] اس وقت وہ بالکل مایوس ہوں گے اور دعا کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور باہم نوحہ کریں گے اور دوزخ کا پٹ بند کر دیا جائے گا۔

وَ قَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ جب معاملہ کا فیصلہ ہو چکا تو شیطان (ابلیس) نے کہا یعنی فیصلہ سے فراغت ہو چکے گی۔ جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو شیطان کافروں سے کہے گا۔ مقاتل نے کہا شیطان کے لئے ایک تخت رکھا جائے گا تمام کفار اپنے پیشواؤں کے ساتھ اس کے پاس جمع ہوں گے اور جن وانس دونوں قسم کے بدبختوں میں وہ تقریر کرے گا۔

ابن جریر، ابن مردویہ، ابن ابی حاتم، بغوی، طبرانی اور ابن المبارک نے حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ اگلوں پچھلوں کو سب کو جمع کر کے ان کا فیصلہ کر چکے گا تو اہل ایمان کہیں گے ہمارے رب نے ہمارے درمیان فیصلہ کر دیا اب کوئی شخص ایسا ہو جو ہمارے رب سے ہماری سفارش کر دے، لوگ کہیں گے آدمؑ ایسے ہو سکتے ہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے ان کو بنایا تھا اور ان سے کلام کیا تھا چنانچہ سب لوگ جا کر حضرت آدمؑ سے گزارش کریں گے کہ ہمارا رب ہمارا فیصلہ کر چکا اور حکم جاری کر چکا اب آپ اُٹھ کر ہماری شفاعت کر دیجئے۔ حضرت آدمؑ کہیں گے نوحؑ کے پاس جاؤ۔ لوگ حضرت نوحؑ کے پاس جائیں گے۔ حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ کے پاس جانے کی ہدایت کر دیں گے لوگ حضرت ابراہیمؑ کے پاس جائیں گے آپ حضرت موسیٰؑ کا راستہ بتا دیں گے لوگ حضرت موسیٰؑ کے پاس جائیں گے۔ آپ حضرت عیسیٰؑ کا حوالہ

---

۱۔ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ۔
۲۔ رَبَّنَا اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ۔
۳۔ رَبَّنَا اَخِّرْنَا اِلٰى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ۔
۴۔ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ۔
۵۔ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ۔
۶۔ اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ۔
۷۔ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ۔
۸۔ رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ۔
۹۔ اِخْسَـُٔوْا فِيْهَا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ۔

Marfat.com

دے دیں گے جب لوگ حضرت عیسیٰؑ کے پاس پہنچیں گے تو آپ کہیں گے میں تم کو پتہ بتاتا ہوں تم نبی اُمّی عربی ﷺ کے پاس جاؤ وہ سب سے زیادہ صاحب فخر (فضیلت) ہیں آخر لوگ میرے پاس آئیں گے اور اللہ مجھے کھڑے ہو کر گزارش کرنے کی اجازت دے گا پھر میری مجلس ایک بے نظیر پاکیزہ ترین خوشبو سے مہکادی جائے گی ایسی مہک ہوگی کہ کسی نے ایسی خوشبو نہیں سونگھی پھر میں اپنے رب کے سامنے حاضر ہو کر شفاعت کروں گا اللہ میری شفاعت قبول فرمائے گا اور سر کے بالوں سے پاؤں کے ناخن تک مجھے نور ہی نور کر دے گا سر تا قدم میرے لئے نور کر دے گا۔ یہ بات دیکھ کر کافر کہیں گے مسلمانوں کو تو سفارشی مل گیا اور ہماری سفارش کون کرے خود ہی جواب دیں گے اب تو ابلیس ہی جس نے ہم کو گمراہ کیا تھا ہمارے سامنے ہے اور کوئی سفارشی موجود ہی نہیں ہے چنانچہ یہ لوگ ابلیس سے جا کر کہیں گے مؤمنوں کو تو شفاعت کرنے والا مل گیا اب تو اٹھ کر ہماری شفاعت کر تو نے ہی ہم کو گمراہ کیا تھا ابلیس جونہی اٹھے گا اس کی مجلس میں بدترین بُو اُڑنے لگے گی ایسی بدبو تو کسی نے سونگھی ہی نہ ہوگی پھر ابلیس ان کو جہنم کی طرف لے جائے گا اور کہے گا۔

إِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ بے شک اللہ نے تم سے سچا وعدہ کیا تھا اس کو پورا کر دیا وعدہ سے مراد ہے دوبارہ زندہ کرنے اور بدلہ دینے کا وعدہ۔

وَوَعَدْتُّكُمْ اور میں نے تم سے (غلط) وعدہ کیا تھا کہ نہ دوبارہ زندگی ہوگی نہ حساب فہمی ہوگی اور دوبارہ زندگی ہوئی بھی تو بُت تمہاری سفارش کر دیں گے۔

فَأَخْلَفْتُكُمْ پس میں نے (آج) وعدہ کے خلاف کیا یعنی میرے وعدے کے خلاف واقعہ کا ظہور ہوا۔

وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّن سُلْطَانٍ اور میرا تم پر کوئی جبر نہ تھا کہ تم کو مجبور کر کے کفر و گناہ کی طرف کھینچ لیتا یا سلطان سے مراد ہے دلیل یعنی میں نے تم کو دعوت دی تھی مگر میری دعوت کی کوئی دلیل نہیں تھی میں تمہارے سامنے کوئی دلیل نہیں لایا تھا۔

إِلَّا أَن دَعَوْتُكُمْ میں نے تم کو صرف دعوت دی کفر و معاصی کی طرف بہکا دے کر بلایا تھا اور میرا یہ بہکاوا کوئی دلیل نہ تھا۔

فَاسْتَجَبْتُمْ لِي پس تم نے میری بات مان لی۔ میری دعوت قبول کر لی اور جس نے حجت کاملہ پیش کی تھی اسکی بات ماننے سے تم نے انکار کر دیا۔

فَلَا تَلُومُونِي اب تم مجھے (میرے بہکانے پر) ملامت نہ کرو۔

وَلُومُوا أَنفُسَكُم اور اپنی جانوں کو ملامت کرو کہ تم نے میری اطاعت کی باوجودیکہ میرے پاس اپنے قول کی کوئی دلیل نہ تھی اور اپنے رب کی اطاعت نہیں کی۔

فرقۂ معتزلہ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے اور یہ نتیجہ نکالا ہے کہ بندہ اپنے افعال کا خود (خالق) و مختار ہے مگر معتزلہ کا یہ استدلال غلط ہے آیت سے یہ مضمون ثابت نہیں ہوتا صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ بندہ کی قدرت کو عمل میں کچھ دخل ہے اور اسی دخل کو اشاعرہ کسب کہتے ہیں۔ (پس خالق افعال اللہ ہے اور کاسب بندہ ہے)۔

مَا أَنَا بِمُصْرِخِكُمْ تمہاری فریاد رسی نہیں کر سکتا کہ تم کو عذاب سے بچالوں۔

وَمَا أَنتُم بِمُصْرِخِيَّ اور نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکتے ہو (کہ مجھے عذاب سے بچالو)

إِنِّي كَفَرْتُ بِمَا أَشْرَكْتُمُونِ مِن قَبْلُ میں خود تمہارے اس فعل سے بیزار ہوں کہ تم اس کے قبل (دنیا میں) مجھ کو خدا کا شریک بناتے تھے۔

بِمَا میں مَا مصدر ہے اور مِنْ قَبْلُ میں مِن کا تعلق أَشْرَكْتُمُونِ سے ہے مطلب یہ ہوگا کہ آج سے پہلے دنیا میں جو تم مجھ کو اللہ کے ساتھ عبادت و طاعت میں شریک کرتے تھے آج اس شرک کا میں انکار کرتا ہوں تمہاری اس حرکت سے بیزاری

Marfat.com

کا اظہار کرتا ہوں۔ اسی مفہوم کی طرح دوسری آیت آئی ہے فرمایا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يَكْفُرُونَ بِشِرْكِكُمْ قیامت کے دن تمہارے معبود تمہارے شرک سے بیزار ہوں گے۔ یا بمعنی مَنْ ہے جیسے وَنَفْسٍ وَّ مَا سَوّٰهَا اور سُبْحَانَ مَا يَسْخَرُ كن لَنَا میں اس وقت بِمَا کا تعلق كَفَرْتُ سے ہوگا مطلب اس طرح ہوگا کہ جس خدا کے ساتھ تم نے مجھے طاعت میں شریک بنایا تھا یعنی میرے کہنے سے بتوں وغیرہ کی پوجا کی تھی میں تو تمہارے اس فعل شرک سے پہلے ہی اس خدا کا انکار کر چکا تھا اس نے مجھے آدمؑ کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا تو میں نے انکار کر دیا تھا۔

اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۲﴾ بلا شبہ ظالموں کے لئے بڑے دکھ کا عذاب ہے۔ یہ ابلیس کے کلام کا جز ہے یا اللہ کا کلام ہے اس قسم کی گفتگو کو نقل کرنے سے سننے والوں کو تنبیہ کرنی مقصود ہوتی ہے کہ وہ خود اپنی حساب فہمی کر لیں اور اپنے انجام پر غور کر لیں۔ اس طریقہ سے سننے والوں کے لئے پھر نزاکت اور لطیف پیام بیداری پیدا ہو جاتا ہے۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ

اور جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک کام کئے ان کو یقیناً ایسی جنتوں میں داخل کیا جائے گا جن کے (درختوں اور عمارتوں کے) نیچے نہریں بہتی ہوں گی ان جنتوں میں وہ اپنے رب کے حکم سے ہمیشہ رہیں گے جنتیوں کو جنت میں لے جانے والے ملائکہ ہوں گے جو بحکم خداوندی جنت کے اندر ان کو لے جائیں گے۔

تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ﴿۲۳﴾ وہاں ان کو لفظ سلام کہہ کر سلام کیا جائے گا۔ یعنی ایک دوسرے کو سلام کرے گا اور فرشتے سب کو سلام کریں گے بعض نے کہا سلامتی کی تحیت اللہ کی طرف سے ہوگی۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾

کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی ہے کلمۂ طیبہ (یعنی کلمۂ توحید وایمان) کی کہ وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ خوب گڑی ہوئی ہے اور شاخیں اونچائی میں جا رہی ہیں۔

ضَرَبَ مثلاً مثل بیان کی قائم کی۔ مثل وہ کہاوت جو کسی چیز سے تشبیہ دینے کے لئے بیان کی جاتی ہے۔ کلمۂ طیبہ سے مراد ہے کلمۂ توحید جو خلوص کے ساتھ ادا کیا جائے۔ شجرۂ طیبہ سے مراد ہے قوی، بلند، خوش ثمر درخت۔

كَلِمَةً طَيِّبَةً: ضَرَبَ اللّٰهُ مثلاً کی تفسیر ہے یا مثلاً سے بدل ہے اَصْلُهَا ثَابِتٌ یعنی اس کی جڑ زمین کے اندر مضبوط طور پر جمی ہوئی ہے جڑ کے مونتے اور ریشے زمین کے اندر پھیلے ہوئے ہیں۔

فَرْعُهَا سے مراد ہے چوٹی یا شاخیں۔ مؤخر الذکر ترجمہ پر فرع اسم جنس ہوگا اور اضافت کی وجہ سے اس میں استغراق کا مفہوم ہو جائے گا۔

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا جو اپنے خالق کے ارادے اور تخلیق کی وجہ سے ہر (اس) وقت پھل دیتا ہے (جو اس کے رب نے پھل لانے کے لئے مقرر کر دیا ہے) کلمۂ طیبہ کی بھی یہی حالت ہے مؤمن کے دل میں اس کی جڑ یعنی ایمان مضبوطی کے ساتھ قائم ہے جب یہ کلمہ زبان سے نکلتا ہے تو اوپر اٹھنے اور اللہ تک پہنچنے سے اس کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اللہ نے فرمایا ہے اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ اللہ ہی کی طرف پاکیزہ کلمہ چڑھتا ہے ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سبحان اللہ پڑھنا (قیامت کے دن) میزان (عدل) کا آدھا حصہ ہو گا اور الحمد للہ (پڑھنا) میزان کو نیکیوں سے بھر دے گا اور لا الہ الا اللہ کو (اللہ تک پہنچنے سے) کوئی مانع نہیں۔

ترمذی نے حسن کی سند سے حضرت ابو ہریرہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب بھی کوئی بندہ خلوص کے ساتھ لا الہ الا اللہ کہتا ہے تو ضرور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، یہاں تک کہ وہ کلمہ عرش تک پہنچ جاتا ہے بشرطیکہ اس کا قائل کبیرہ گناہوں سے بچتا رہے۔ ترمذی، نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا شجرۂ طیبہ کھجور کا درخت ہے اور شجرۂ خبیثہ حنظل

Marfat.com

(اندرائن) کا درخت ہے۔

لغت میں حِیْنَ کا معنی ہے وقت۔ مجاہد اور عکرمہ کے نزدیک اس جگہ پورا سال مراد ہے کیونکہ درخت کھجور میں پورے سال پھل آتا ہے۔ سعید بن جبیرؓ قتادہ اور حسن بصریؒ کے نزدیک چھ مہینے کی مدت مراد ہے۔ یعنی گابا نکلنے کے وقت سے کھجور توڑنے کے وقت تک حضرت ابن عباسؓ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی جاتی ہے۔ بعض علماء کے نزدیک چار ماہ کی مدت مراد ہے۔ یعنی پھل برآمد ہونے کے وقت سے پھل پکنے کا وقت سعید بن مسیبؒ نے کہا دو ماہ مراد ہیں یعنی کھجور کھانے کے قابل ہو جائے اس وقت سے لے کر توڑنے کے وقت تک۔ ربیع بن انسؒ نے کہا کل حین سے مراد ہے ہر صبح شام کیونکہ کھجوریں ہر زمانہ میں اور ہر فصل میں اور ہر وقت کھائی جاتی ہیں صبح ہو یا شام گرمی کی فصل ہو یا سردی کا موسم چھواروں کی شکل میں اس کو کھایا جاتا ہے یا کھجوروں کی صورت میں یا نیم پخت حالت میں مؤمن کے عمل کی بھی یہی حالت ہے صبح و شام رات و دن اور درمیانی اوقات میں غرض ہر وقت نیک عمل اوپر چڑھتا ہے اور ایمان کی برکت کبھی منقطع نہیں ہوتی ہر وقت حاصل ہوتی ہے۔

حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے نہیں جھڑتے اور وہ مسلمان کی طرح ہوتا ہے بتاؤ وہ کون سا درخت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا لوگوں کے خیالات صحرائی درختوں کی طرف جا پڑے اور میرے دل میں آیا کہ ایسا درخت کھجور ہوتا ہے مگر میں چھوٹا تھا اس لئے جھجکا (اور کچھ کہنے کی ہمت نہ ہوئی) آخر حاضرین نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ حضور خود ہی بیان فرما دیں فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔

بغوی نے لکھا ہے درخت کی تکمیل تین اجزاء سے ہوتی ہے زمین کے اندر جمے ہوئے ریشے تنہ اور شاخیں۔ ایمان کی تکمیل بھی تین ہی چیزوں سے ہوتی ہے (دل سے) تصدیق سے زبان سے اقرار اور اعضاء جسم سے عمل۔

ابو ظبیان نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا کہ شجرۂ طیبہ جنت کے اندر ایک درخت ہے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے (خلوص کے ساتھ) سبحان اللہ العظیم وبحمدہٖ کہا اس کے لئے کھجور کا ایک درخت جنت میں بو دیا جاتا ہے۔ (رواہ الترمذی)

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ اور اللہ لوگوں کے (فائدہ کے) لئے مثالیں بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔ تمثیل نام ہے معانی کی تصویر کشی کا اور غیر محسوس کو حس کے قریب لے آنے کا۔ اس لئے تمثیلات سے مقصود کے سمجھنے میں آسانی اور نصیحت اندوزی میں سہولت ہو جاتی ہے۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ اور ناپاک کلمہ کی مثال ایسی ہے بظاہر کلمۂ خبیثہ سے مراد ہے وہ کلمۂ توحید و رسالت جو نفاق کے ساتھ کہا جائے اللہ کی رضامندی پیش نظر نہ ہو۔

كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةٍ جیسے خراب درخت یعنی غیر مفید، ناکارہ درخت جس کی جڑ زمین کے اندر پیوست نہ ہو۔

اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ جس کو زمین کے اوپر سے ہی اکھاڑ لیا جائے اس کے سوتے زمین کے اوپر ہی رکھے ہوں۔

مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾ (زمین کے اندر) اس کا جماؤ نہ ہو اسی طرح اس کلمہ کی حالت ہے جو رضائے الٰہی کے لئے نہ ہو۔ اس کا کبھی کوئی فائدہ نہیں ابن مردویہ نے بوساطت حبان بن شعبہ، حضرت انس بن مالکؓ کا قول بیان کیا کہ شجرۂ خبیثہ شربانہ ہے حضرت انسؓ سے پوچھا گیا شربانہ کیا ہے۔ فرمایا اندرائن۔ میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ شجرۂ طیبہ کے اندر کھجور کا درخت بھی داخل ہے اور شجرۂ خبیثہ کا لفظ درخت حنظل کو بھی شامل ہے (خاص طور پر کھجور اور حنظل کے درخت مراد نہیں ہیں) اور حدیث میں جو طیبہ کی تشریح میں نخلہ اور خبیثہ کی تشریح میں حنظلہ آیا ہے وہ بطور تمثیل ہے طیبہ اور خبیثہ کے بعض افراد کا ذکر بطور مثال کر دیا گیا ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۙ

Marfat.com

اللہ ایمان والوں کو اس پکی بات (یعنی کلمۂ طیبہ) کی برکت سے دنیا اور آخرت میں مضبوط رکھتا ہے اور ظالموں (یعنی کافروں) کو (دین و امتحان میں) بچلا دیتا ہے القول الثابت سے مراد ہے کلمۂ توحید جس کا اعتراف خلوص کے ساتھ کیا گیا ہو خلوصِ دل سے کلمۂ توحید کا اقرار دل میں جم جاتا ہے اور اس کا ثواب اللہ کے ہاں ثابت ہو جاتا ہے دین کے معاملات میں دنیا کے اندر جو دکھ اور آلام اہل ایمان پر آتے ہیں ان کے ایمان کو نہیں ہلا سکتے وہ ایمان پر مضبوطی کے ساتھ جمے رہتے ہیں جیسے حضرت زکریاؑ حضرت یحییٰؑ حضرت جرجیسؑ حضرت شمعونؑ اصحاب اُخدود (جن کو گڑھوں میں آگ بھڑکا کر جھونک دیا گیا تھا یہ واقعہ یمن میں ہوا تھا اور شاہ ذونواس کے حکم سے ہوا تھا مترجم) حضرت خبیبؓ اور آپ کے ساتھی اور چاہِ معونہ والے (قاری جن کو دھوکہ سے شہید کیا گیا تھا مگر وہ اپنے ایمان پر قائم رہے) اور آخرت میں یعنی قبروں کے اندر نکیرین کے سوال کے وقت بھی اللہ ان کو اقرارِ توحید پر قائم رکھتا ہے ظالمین سے مراد ہیں منافق اور کافر یہ لوگ آزمائش کے وقت ثابت قدم نہیں رہتے آغازِ مصیبت کے وقت ہی ان کے قدم پھسل جاتے ہیں اور آخرت میں تو ان کا گمراہ ہونا اور ثابت قدم نہ ہونا ظاہر ہی ہے۔

---

ائمۂ ستہ نے حضرت براء بن عازبؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلمان سے جب قبر میں سوال کیا جاتا ہے تو وہ شہادت دیتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ کا یہی مطلب ہے دوسری روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ کا نزول عذابِ قبر کے سلسلہ میں ہوا۔ صاحبِ قبر سے کہا جائے گا تیرا رب کون ہے وہ جواب دے گا اللہ میرا رب ہے محمدؐ میرے پیغمبر ہیں (متفق علیہ)

ابو داؤد اور امام احمد کی روایت میں حدیث مذکورہ ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے (مردہ کے پاس) دو فرشتے آتے ہیں اس کو بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں تیرا رب کون ہے وہ شخص جواب دیتا ہے میرا رب اللہ ہے فرشتے کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ جواب دیتا ہے میرا دین اسلام ہے فرشتے کہتے ہیں وہ شخص کیسا تھا جس کو تمہارے اندر بھیجا گیا تھا وہ شخص جواب دیتا ہے وہ اللہ کے رسول تھے فرشتے کہتے ہیں تجھے کیا معلوم وہ شخص کہتا ہے میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اور میں نے اس کو مانا اور اس کو سچا جانا پس آیت يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ (کی مراد) یہی ہے حضور ﷺ نے فرمایا پھر ایک پکارنے والا آسمان سے پکارتا ہے میرے بندے نے سچ کہا اس کے لئے جنت کا بستر کر دو اور اس کو جنت کا لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کی طرف ایک دروازہ کھول دو حضور ﷺ نے فرمایا پھر اس کے پاس جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آنے لگتی ہیں اور حدِ نگاہ تک اس کے لئے جنت کی وسعت کر دی جاتی ہے کافر کی موت کا ذکر کرتے ہوئے حضور ﷺ نے فرمایا اس کی روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے دو فرشتے آکر اس کو بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے وہ کہتا ہے ہاہ ہاہ مجھے نہیں معلوم فرشتے کہتے ہیں تیرا دین کیا ہے وہ کہتا ہے ہاہ ہاہ مجھے نہیں معلوم۔ فرشتے کہتے ہیں وہ آدمی جو تمہارے پاس بھیجا گیا تھا اس کی کیا حالت تھی وہ کہتا ہے ہاہ ہاہ مجھے نہیں معلوم۔ پھر آسمان سے ایک منادی پکارتا ہے اس نے جھوٹ کہا اس کے لئے آگ کا بچھونا کر دو اور آگ کا لباس پہنا دو اور دوزخ کی طرف ایک دروازہ اس کے لئے کھول دو پھر دوزخ کی گرمی اور لُو اس پر آنے لگتی ہے اور اس کی قبر اتنی تنگ ہو جاتی ہے کہ اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر نکل جاتی ہیں پھر اس کو عذاب دینے کے لئے ایک اندھے بہرے (فرشتہ) کو مقرر کر دیا جاتا ہے جس کے ہاتھ میں لوہے کا ایسا گُرز ہوتا ہے کہ اگر اس کی ضرب پہاڑ پر پڑ جائے تو اس کو بھی خاک کر دے یہ فرشتہ گُرز اس کافر پر مارتا ہے جس کی آواز آدمی اور جن کے علاوہ مشرق سے مغرب تک ہر چیز سنتی ہے گویا ضرب سے کافر خاک ہو جاتا ہے پھر دوبارہ اس میں جان ڈالی جاتی ہے۔

حضرت عثمانؓ راوی ہیں کہ مردہ کے دفن سے فارغ ہو کر رسول اللہ ﷺ اس کے پاس توقف فرماتے تھے اور ارشاد فرماتے تھے اپنے بھائی کے لئے دعائے مغفرت کرو اور اللہ سے اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی درخواست کرو۔ اس وقت اس

Marfat.com

سے سوال کیا جارہا ہے۔ رواہ ابوداؤد۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بندہ کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی واپس آنے لگتے ہیں تو مردہ اس کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے (اس وقت) دو فرشتے آکر اس کو بٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں تو اس شخص یعنی محمد ﷺ کے بارے میں کیا کہتا ہے، مؤمن جواب دیتا ہے میں شہادت دیتا ہوں کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے کہا جاتا ہے اپنے دوزخ والے ٹھکانے کو دیکھ اس کی جگہ اللہ نے جنت کا ٹھکانہ عطا فرمادیا، مؤمن دونوں ٹھکانوں کو دیکھتا ہے۔ منافق اور کافر سے جب پوچھا جاتا ہے تو اس شخص کی بابت کیا کہتا تھا تو وہ کہتا ہے مجھے کچھ نہیں معلوم۔ جو بات اور لوگ کہتے تھے میں بھی کہتا تھا فرشتے کہتے ہیں نہ تو نے جانا اور نہ (قرآن میں) پڑھا پھر اس پر لوہے کے ہتھوڑوں کی مار پڑتی ہے اور وہ چیختا ہے اس کی چیخوں کو سوائے جن وانس کے سب قریب والے سنتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میت کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو دو سیاہ فام نیلے (یعنی نیلی آنکھوں والے) فرشتے اس کے پاس آتے ہیں ایک کا نام منکر دوسرے کا نام نکیر ہے دونوں فرشتے پوچھتے ہیں تو اس شخص کے متعلق کیا کہتا تھا مردہ کہتا ہے وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول تھے میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں فرشتے کہتے ہیں ہم تو جانتے ہی تھے کہ تو یہ کہے گا پھر اس کی قبر میں ستر ستر ہاتھ ہر طرف وسعت کر دی جاتی ہے اور روشنی کر دی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے سو جاؤ، وہ سو جاتا ہے۔ پھر وہ کہتا ہے میں واپس جا کر اپنے گھر والوں کو (اس کیفیت کی) اطلاع تو دے دوں۔ فرشتے کہتے ہیں اس دلہن کی طرح (محبت آرام اور سکون کے ساتھ) سو جا جس کو سوائے اس شخصیت کے جو سب گھر والوں میں اس کو پیاری ہوتی ہے اور کوئی نہیں اٹھاتا (آخر وہ سو جائے گا) یہاں تک کہ اللہ اس کو اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا اور اگر مردہ منافق ہوگا تو جواب دے گا میں نے لوگوں کو ایک بات کہتے سنا تھا میں نے بھی ویسے ہی کہہ دیا مجھے کچھ نہیں معلوم (کہ یہ اللہ کے رسول تھے یا نہ تھے) فرشتے کہیں گے ہم تو پہلے ہی جانتے تھے کہ تو یہ بات کہے گا پھر زمین کو حکم دیا جاتا ہے تو اس پر مل جا (یعنی ایسا دبا کہ تیرے دونوں حصے آپس میں مل جائیں) زمین اس منافق کو اتنا دبائے گی کہ اس کی پسلیاں اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر نکل جائیں گی اس طرح یہ برابر عذاب میں مبتلا رہے گا یہاں تک کہ اللہ اس کو اس کی خواب گاہ سے اٹھائے گا۔ رواہ الترمذی۔

وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ﴿۲۷﴾ اور اللہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے کسی کو ایمان کی توفیق دیتا ہے کسی کو توفیق ایمان سے محروم رکھتا ہے کسی کو ایمان پر قائم رکھتا ہے کسی کو قائم نہیں رکھتا اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا جاسکتا۔ حضرت ابودرداءؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے آدمؑ کو پیدا کیا، پیدا کرنے کے بعد ان کے دائیں شانہ پر ہاتھ مارا اور ان کی گوری نسل باہر آگئی۔ گویا (کثرت میں) وہ چھوٹی چیونٹیوں کی طرح تھی اور بائیں شانہ پر ہاتھ مارا تو کالی نسل جیسے کوئلہ باہر آگئی۔ پھر اس نسل کے متعلق جو دائیں شانہ میں تھی فرمایا (یہ) جنت کی طرف (جانے والے ہیں) اور مجھے پرواہ نہیں اور اس نسل کے متعلق جو بائیں شانہ میں تھی فرمایا (یہ) دوزخ کی طرف جانے والے ہیں اور مجھے پرواہ نہیں۔

حضرت اُبَی بن کعبؓ راوی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اگر تمام آسمانوں و زمین والوں کو اللہ عذاب دے تو وہ عذاب دے سکتا ہے اور وہ ظالم نہیں ہوگا اور اگر سب پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے ان کے لئے بہتر ہوگی اگر (کوہ) اُحد کے برابر سونا تم راہِ خدا و ندی میں دے دو تو جب تک تقدیر پر تمہارا ایمان نہ ہوگا اللہ اس کو قبول نہیں فرمائے گا اور جان لو کہ جو کچھ تم کو پہنچے گا وہ تم سے چوکنے والا نہیں اور جو کچھ نہیں پہنچے گا وہ کسی طرح پہنچنے والا نہیں۔ اگر اس کے خلاف عقیدہ پر مرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ حضرت ابن مسعودؓ حضرت حذیفہ بن یمانؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ سے بھی اسی طرح کی احادیث منقول ہیں۔ رواہ احمد و ابن ماجہ۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا کیا آپ نے ان لوگوں نہیں دیکھا جنہوں نے بجائے نعمتِ الٰہی کے کفر کیا۔ یعنی اللہ کی نعمت کے شکریہ کو ناشکری سے بدل دیا (شکر کے بجائے ناشکری کی) یا یہ مطلب ہے کہ

Marfat.com

اللہ کی نعمت کو ناشکری سے بدل دیا ناشکری کی وجہ سے ان سے اللہ کی نعمت چھین لی گئی تو گویا انہوں نے بجائے نعمت کے ناشکری کو پسند کر لیا۔ بخاری نے صحیح بخاری میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وَاللہ وہ کفار قریش تھے (یعنی کفارِ قریش آیت میں مراد ہیں) حضرت عمرؓ نے فرمایا: وہ (ناشکرے) قریش تھے اور اللہ کی نعمت محمد ﷺ کی ذات تھی۔ ابن جریر نے عطاء بن یسار کا قول نقل کیا ہے کہ بدر کی جنگ میں جو لوگ مکہ والوں میں سے مارے گئے وہ مراد ہیں اللہ نے ان کو پیدا کیا حرم کا ساکن بنایا جہاں ہر طرف سے پھل اور غلہ لایا جاتا تھا (اور چین کے ساتھ مکہ والے بیٹھے کھاتے تھے) اصحابِ فیل (نے جب کعبہ پر چڑھائی کی تو اللہ نے ان) کو مکہ والوں کی طرف سے دفع کیا ان کے لئے رزق کے دروازے کھول دیئے (شام و یمن کو) سردی و گرمی کے زمانہ میں سفر کرنے کا ان کو خوگر اور مانوس بنایا (تاکہ غلہ، پھل، کپڑا اور ہر ضرورت کی چیز ان کو بافراط مل سکے) اور انہی میں سے محمد ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا۔ تاکہ آپ ان کو قرآن پڑھ کر سنائیں ان کے عقائد و اخلاق کو پاکیزہ اور ستھرا بنائیں اور ان کو قرآن و حکمت کی تعلیم دیں اور تمام لوگوں کو ان کا تابع بنایا لیکن انہوں نے تمام نعمتوں کی ناشکری کی رسول اللہ ﷺ کے دشمن بن گئے اور ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی پر قائم رہے۔ آخر قحط ہفت سالہ میں مبتلا ہوئے اور بدر کے دن قید بھی ہوئے اور مارے بھی گئے اور ذلیل بھی ہوئے اور مرتے دم تک اللہ کی مذکورہ نعمتوں سے محروم ہو گئے۔

وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ ﴿۲۸﴾ اور (کفر پر ابھار کر) انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت کے مقام میں اتار دیا۔

جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا یعنی جہنم میں جس میں یہ خود بھی داخل ہوں گے (اور ان کے ساتھ والے بھی) سب کے سب جہنم کی گرمی میں جلیں گے۔ جہنم یا عطف بیان ہے یا فعل محذوف کا مفعول۔

وَبِئْسَ الْقَرَارُ ﴿۲۹﴾ اور جہنم بری قرارگاہ ہے، بُرا ٹھکانہ ہے۔ ابن مردویہ کی روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے عرض کیا امیر المؤمنین آیت اَلَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا میں کون لوگ مراد ہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا قریش کے وہ دو (قبیلے) جو سب سے زیادہ بدکار تھے۔ بنی مغیرہ اور بنی امیہ۔ بنی مغیرہ کے شر سے تو بدر کی لڑائی میں تمہاری حفاظت ہو چکی (یعنی بدر میں انکا زور ٹوٹ گیا) اور بنی امیہ کو ایک وقت تک مزے اڑانے کا موقع دیا گیا ہے۔ بغوی نے بھی اسی طرح حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے۔

ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم اور ابن مردویہ نے اسی طرح کا قول حضرت علیؓ کا بھی مختلف روایات سے نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح بھی کہا ہے۔

میں کہتا ہوں بنی امیہ کو حالتِ کفر میں مزے اڑانے کا موقعہ دیا گیا یہاں تک کہ ابو سفیانؓ معاویہؓ اور عمرو بن عاصؓ وغیرہ مسلمان ہو گئے پھر یزید اور اس کے ساتھیوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی اور اہلِ بیت کی دشمنی کا جھنڈا انہوں نے بلند کیا آخر حضرت حسینؓ کو ظلماً شہید کر دیا اور یزید نے دینِ محمدی کا ہی انکار کر دیا اور حضرت حسینؓ کو شہید کر چکا تو چند اشعار پڑھے جن کا مضمون یہ تھا آج میرے اسلاف ہوتے تو دیکھتے کہ میں نے آلِ محمد اور بنی ہاشم سے ان کا کیسا بدلہ لیا۔ یزید نے جو اشعار کہے تھے ان میں آخری شعر یہ تھا۔

لَستُ من خندفٍ اِن لم اَنتقِم مِن بنی احمدَ مَاکان فَعل

(احمد نے جو کچھ (ہمارے بزرگوں کے ساتھ بدر میں) کیا اگر احمد کی اولاد سے میں نے اس کا انتقام نہ لیا تو میں بنی خندف سے نہیں ہوں)

یزید نے شراب کو بھی حلال قرار دے دیا تھا شراب کی تعریف میں چند شعر کہنے کے بعد آخری شعر میں اس نے کہا تھا:

فَاِن حُرّمتْ یومًا علیٰ دینِ احمدٍ فَخُذْها علیٰ دینِ المسیحِ بن مریَم



Marfat.com

(اگر شراب دینِ احمد میں حرام ہے تو (ہونے دو) مسیح بن مریم کے دین (یعنی عیسائیت) کے مطابق تم اس کو (حلال سمجھ کر) لے لو۔

یزید لور اس کے ساتھیوں اور جانشینوں کے یہ مزے ایک ہزار مہینے تک رہے اس کے بعد ان میں سے کوئی نہ بچا۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا اور انہوں نے اللہ کی مثل دوسروں کو قرار دیا ہو جو کہ اللہ کا کوئی مثل نہیں مثل قرار دینے سے مراد یہ ہے کہ نام اور عبادت میں اللہ کی طرح دوسروں کو قرار دیا (اللہ کی پرستش کی طرح دوسروں کو معبود والہ مانا)

لِيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ تاکہ اللہ کی راہ سے لوگوں کو بھٹکا دیں لِيُضِلُّوْا میں لام سبب اور علت کے لئے نہیں ہے کیونکہ اللہ کے سوا دوسروں کو پوجا کرنے سے ان کی غرض نہ خود گمراہ ہونا تھا نہ دوسروں کو گمراہ کرنا۔ بلکہ یہ لامِ عاقبت ہے یعنی اللہ کی مثل دوسروں کو قرار دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ لوگ گمراہ ہو گئے۔

قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ۝۳۰ آپ کہہ دیجئے کہ چندے عیش کر لو کیونکہ اخیر انجام تمہارا دوزخ میں جانا ہے یعنی اپنی نفسانی خواہشات یا بت پرستی اور گمراہی میں پڑے کچھ مدت تک مزے اڑاتے رہو۔ جو کچھ تمہارے لئے مقدر کر دیا گیا ہے اور جس وقت تک مزہ اڑانا تمہارے لئے لکھ دیا گیا ہے اتنی مدت تک مزے اڑاؤ۔ ذوالنون نے کہا تمتع کا معنی یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو آدمی اپنی نفسانی خواہشات سے بہرہ اندوز ہو۔

تَمَتَّعُوْا اگرچہ امر کا صیغہ ہے لیکن امر سے مراد حکم نہیں بلکہ یہ ایک تہدید اور عذاب کی دھمکی ہے اور اس بات کی اطلاع ہے کہ تمہاری یہ گمراہیاں تم کو عذاب میں لے جائیں گی۔ اسی لئے امر کے بعد فرمایا کہ آخر تم کو دوزخ میں جانا ہے گویا دوزخ میں جانے کا حکم دے دیا گیا ہے۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً

(اے محمد ﷺ) آپ ﷺ میرے ان بندوں سے جو ایمان لے آئے ہیں کہہ دیجئے کہ وہ نمازیں قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا کیا ہے اس میں سے پوشیدہ اور ظاہر طور پر راہِ خدا میں کچھ خرچ کریں۔ اہلِ ایمان کو خصوصی طور پر نماز پڑھنے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کی ہدایت کرنے کا حکم دیا اور مؤمنوں کو خاص طور پر عِبَادِيْ فرمایا اور اپنے بندے قرار دیا اس سب سے مقصود اہلِ ایمان کی عزت افزائی ہے اور اس امر پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ اہلِ ایمان ہی حقیقتاً حقوقِ عبدیت کو ادا کرنے اور تعمیلِ احکام کرنے والے ہیں وہ امر کی تعمیل کریں گے۔

يُقِيْمُوْا، قُلْ کا مفعول نہیں ہے۔ قُلْ کا مفعول محذوف ہے یعنی آپ ان کو حکم دیں کہ تم لوگ نماز پڑھو اور راہِ خدا میں خرچ کرو۔ يُقِيْمُوْا اور يُنْفِقُوْا شرطِ محذوف کی جزا ہے یعنی اگر تم ان کو حکم دو گے تو وہ تعمیل کریں گے اس کلام میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ وہ رسول اللہ کے فرمان بردار ہیں فرمان کو ضرور مانیں گے اور تعمیل کریں گے۔

مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۝۳۱ قبل اس کے کہ وہ دن آجائے کہ اس میں نہ خرید فروخت ہو گی (کہ کوئی قصوروار کوئی ایسی چیز خرید کر دے جو اس کے قصور کا بدلہ ہو سکے) اور نہ کوئی دوستی ہو گی (کہ دوست اپنے دوست کی سفارش کر کے بچا لے)

ایک شبہ: متقی شفاعت کریں گے اور بعض مؤمن بعض مؤمنوں کی بھی شفاعت کریں گے یہ مسئلہ مسلّمہ ہے۔ اللہ نے فرمایا اَلْاَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الْمُتَّقِيْنَ "سب دوست باہم دشمن ہو جائیں گے سوائے تقویٰ والوں کے" (یعنی متقی باہم دشمن نہ ہوں گے) پھر عموماً دوستی کام نہ آنے کی جو اس آیت میں صراحت ہے وہ کس طرح صحیح ہو سکتی ہے۔

جواب: نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کا حکم ہی تقویٰ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ جن میں تقویٰ نہ ہو ان میں باہم دوستی نہ ہو گی اور دوستی نہ ہو گی تو ان میں سے کوئی کسی کی شفاعت نہیں کرے گا۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ



Marfat.com

اللہ ہی تو ہے جس نے آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا اور اوپر سے پانی اتارا پھر اس پانی سے تمہاری معیشت کے لئے پھل (غلہ، روئی وغیرہ) پیدا کئے۔ "رزق" کا لفظ عام ہے کھانا ہو یا لباس، سب کو یہ لفظ شامل ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِأَمْرِهِ ۖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْأَنْهَارَ ﴿٣٢﴾

اور (تمہاری سواری و بار برداری کے لئے) جہازوں اور کشتیوں کو تمہارے کام پر لگا دیا تاکہ اللہ کی مشیت کے مطابق وہ سمندر میں چلیں اور دریاؤں کو بھی تمہارا خدمت گار بنا دیا جہاں چاہتے ہو تم ان کو (رخ موڑ کر) لے جاتے ہو ان کے پانی سے فائدہ حاصل کرتے ہو اور ان پر پل اور بند باندھتے ہو۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ ۖ

اور تمہارے کام کے لئے سورج اور چاند کو بھی سرگرم کر دیا۔ یعنی انسانوں کے لئے منافع کے لئے یہ تیزی کے ساتھ سرگرم عمل ہیں۔

قاموس میں (دَأَبَ فِي عَمَلِهِ، کام میں کوشش اور محنت کی (دَأْبٌ، دَأَبٌ اور دُؤُوْبٌ مصدر تیزی سے ہنکانا

دَائِبَيْنِ شب و روز۔ یعنی دونوں تیز رفتاری کے ساتھ چلتے ہیں حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے اپنی اطاعت میں ان کو تیز رفتار بنا دیا۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ ﴿٣٣﴾

اور رات دن کو بھی تمہاری خدمت پر لگا دیا۔ رات دن کے پیچھے آتی ہے اور دن رات کے پیچھے تمہارے آرام کے لئے رات بنا دی کہ کام کی تھکان اور ماندگی دور ہو جائے اور کسبِ معاش کے لئے دن کا اُجالا کر دیا۔

وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ ۚ

اور جو کچھ تم نے اس سے مانگا اس میں سے کچھ (بقدرِ ضرورت و مناسبت) تم کو دیا۔ مِنْ كُلِّ میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے شاید مراد یہ ہے کہ تمہاری ضرورتوں کا جو تقاضا تھا اور تمہاری حاجتیں (فطری طور پر جس چیز کی خواہش مند تھیں وہ سب تم کو دیا خواہ زبان سے تم نے مانگا ہو یا نہ مانگا۔ لفظ "کُل" کثرت کے اظہار کے لئے استعمال کیا گیا ہے (استغراقِ حقیقی مراد نہیں ہے) جیسے محاورے میں بولا جاتا ہے۔ فلاں شخص سب کچھ جانتا ہے (یعنی بقدرِ ضرورت) اس کے پاس ہر شخص آگیا ہے یعنی بہت آدمی آگئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ یعنی بہت چیزوں کے دروازے ہم نے ان پر کھول دیئے۔

وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَتَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ

اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنو گے تو پوری گنتی نہیں کر سکتے یعنی ان کے انواع و اقسام کو بھی نہیں گن سکتے افراد کا تو ذکر ہی کیا ہے افرادِ نعمت تو ان گنت ہیں ان سب کا شکر ادا کرنا تمہاری طاقت سے باہر ہے لیکن اللہ نے اپنے کرم سے ادائے شکر نہ کر سکنے کے اقرار کو ہی اہلِ ایمان کے لئے شکر کے قائم مقام قرار دے دیا ہے اور جو لوگ شکر سے عاجزی کا اقرار کرتے ہیں ان کو اپنا شکر گذار بندہ فرمایا ہے اور جو لوگ شکر نہ کر سکنے کے باوجود اپنی عاجزی کا اقرار نہیں کرتے ان کے متعلق فرمایا ہے۔

إِنَّ الْإِنْسَانَ لَظَلُومٌ كَفَّارٌ ﴿٣٤﴾ ع ۵ ۱۷

بے شک انسان بے صبرا ناشکرا ہے سختی اور مصیبت میں اللہ کا شکوہ کرتا اور بے صبری کا اظہار کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ اس کا رب جواد ہے، کریم ہے، حکیم ہے یہ مصیبت بھی پُر از مصلحت ہے، تقاضائے حکمت ہے، خواہ اس کی حکمت سمجھ میں نہ آئے اور آسائش و نعمت ملتی ہے تو آدمی شکر ادا نہیں کرتا۔ ناشکرے کی ضد شکر گذار ہے ظاہر ہے کہ شکر اور عدم شکر باہم ضد ہیں اور بالواسطہ ظلم کی ضد کو صبر کہا جاتا ہے کیونکہ ظلم کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو بے محل رکھ دینا۔ مصیبت پر صبر کرنا بر محل ہے مصیبت کا تقاضا ہے پس اگر مصیبت پر صبر نہ کیا جائے بے صبری کے ساتھ شکایت کرنے لگے تو یہ ظلم ہو جائے گا اسی وجہ سے آیت میں ظلوم سے مجازاً مراد ہے بے صبرا۔ بعض علماء نے کہا کہ انسان کو ظلوم کہنے

Marfat.com

کی وجہ یہ ہے کہ گناہ کر کے آدمی اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے دنیا اور آخرت میں مبتلائے عذاب ہو جانے کے اسباب فراہم کر دیتا ہے یا یوں کہو کہ شکر نعمت کو ترک کر کے آدمی اپنے نفس کو نعمت سے محروم کر دیتا ہے یہی اپنے نفس پر ظلم ہوا یا یوں کہا جائے کہ ناشکرا آدمی نعمت پر ظلم کرتا ہے کہ اسکا شکر ادا نہیں کرتا یا غیر منعم کا شکریہ ادا کرتا ہے اور منعم حقیقی کا شکر نہیں کرتا تو اس طرح شکر کا استعمال بے محل کرتا ہے ایک حدیث میں آیا ہے کہ اللہ نے فرمایا میرے اور جن وانس کے معاملات عجیب ہیں۔ میں پیدا کرتا ہوں اور وہ دوسروں کو پوجتے ہیں میں رزق دیتا ہوں اور وہ دوسروں کا شکر ادا کرتے ہیں۔ رواہ الحاکم والبیہقی۔ عن ابی الدرداءؓ۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا اور جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے رب اس شہر (یعنی مکہ) کو امن والا (شہر) بنادے جو یہاں رہے (یا آئے) امن سے رہے امن سے ہو جائے۔ حضرت ابراہیمؑ نے اس جگہ مکہ سے خوف کو دور کرنے اور شہر کو پُرامن بنانے کی دعا کی اور آیت اِجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا سے یہ درخواست کی کہ اس وادی کو امن کی بستی بنادے۔ (یعنی یہاں وادی میں ایک شہر بسادے جو پُرامن ہو)

وَّ اجْنُبْنِیْ وَ بَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿۳۵﴾ اور مجھے اور میری اولاد کو بُت پرستی کرنے سے بچا، دور رکھ، الگ رکھ، یہ آیت بتا رہی ہے کہ انبیاءؑ کا معصوم ہونا محض اللہ کی توفیق اور نگہداشت سے وابستہ ہے (یعنی انسانی فطرت تو انبیاءؑ میں بھی کارفرما ہے خیر وشر کے جذبات تو انبیاءؑ میں بھی دوسرے انسانوں کی طرح ہوتے ہیں پیدائش اور عناصر پیدائش میں کوئی فرق نہیں لیکن اللہ کی توفیق انبیاءؑ کے شامل حال رہتی ہے جو ہر وقت ان کو گناہوں سے بچائے رکھتی ہے) بَنِیَّ (اولادِ صُلبی) کے لفظ کے اندر اولاد کی اولاد داخل نہیں ہے۔ آیت یٰبَنِیْ اٰدَمَ، یٰبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ سے مراد جو ساری نسل آدم و اسرائیل ہے وہ عموم مجاز کے طور پر مراد ہے پس آیت زیر تفسیر میں حضرت ابراہیمؑ نے جو اپنی اولاد کے لئے شرک سے محفوظ رکھے جانے کی دعا کی تھی اس سے مراد صرف صلبی اولاد تھی تمام نسلِ اسماعیلؑ (و اسحاقؑ) مراد نہ تھی، نسلِ اسماعیلؑ میں تو بکثرت بُت پرست گزرے ہیں لیکن آیت مذکورہ کے لفظ بنی کو دیکھ کر بقول ابن ابی حاتم سفیان بن عیینہ نے بیان کیا کہ اولادِ اسماعیلؑ میں سے کوئی بھی بُت پرست نہ تھا جن کو بُت پرست کہا جاتا ہے ان کی بُت پرستی کی حقیقت صرف اتنی تھی کہ وہ پتھروں کا طواف کر لیا کرتے تھے اور اسکو دوار (طواف) کہا کرتے تھے وہ کہتے تھے کعبہ بھی تو پتھروں کا نام ہے (جن کا طواف کیا جاتا ہے) اس لئے ہم جہاں پتھر نصب کر لیں وہ کعبہ کی طرح ہو جائیں گے (ان کا طواف کیا جاسکتا ہے) دُرِّ منثور میں اتنا مزید آیا ہے کہ سفیان بن عیینہ سے دریافت کیا گیا پھر آپ نے اولادِ اسحاق اور دوسری نسلِ ابراہیمیؑ کو کیوں اس میں داخل نہیں کیا اولادِ اسمٰعیلؑ کا خصوصیت کے ساتھ کیوں ذکر کیا سفیان نے جواب دیا، حضرت ابراہیمؑ نے اس شہر کے رہنے والوں ہی کے لئے دعا کی تھی کہ وہ بُت پرستی نہ کریں اور آبادی کے بعد انہی کے لئے دعا کی کہ اللہ اس شہر کو پُرامن بنادے تمام بستیوں کے لئے دعا نہیں کی تھی اور آیت رَبَّنَاۤ اِنِّیْۤ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ میں اسی شہر کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا۔ سفیان بن عیینہ کی یہ تشریح قرآن کے بھی خلاف ہے اور سنّت و اجماع کے بھی۔ خبرِ متواتر سے ثابت ہے کہ اللہ کی کتاب میں مشرکوں سے مراد اہل مکہ (نسلِ اسماعیلؑ) ہیں اور اللہ نے صراحت کے ساتھ فرمایا ہے وَ قَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اَشْرَكْنَا وَ لَاۤ اٰبَآؤُنَا وَ لَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ کے علاوہ بھی دوسری آیات سے (یہی) ثابت ہے کہ اہل مکہ مشرک تھے اور ان کے باپ دادا بھی۔

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ اے میرے رب ان مورتیوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر دیا ہے ان کی وجہ سے لوگ راہِ حق سے بھٹک گئے ان کی پوجا کرنے لگے یہ مورتیاں لوگوں کی گمراہی کا سبب بن گئیں۔

فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ ۚ پس جو شخص (دین میں) میرا پیرو ہو گا وہ میرا ہے یعنی مجھ سے متعلق ہے دنیا اور آخرت میں اسکا تعلق مجھ سے نہیں ٹوٹے گا یہاں تک کہ وہ جنت میں داخل ہو جائے گا۔

وَ مَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۶﴾ اور جو میری نافرمانی کرے گا تو (اس کو تو بخش دے اس پر رحم

Marfat.com

فرما کیونکہ تو) غفور و رحیم ہے۔ سدی نے کہا اس فقرہ کا مطلب یہ ہے جو میری نافرمانی کرے پھر توبہ کرلے تو اس کو تو معاف کر دے تو غفور و رحیم ہے۔ مقاتل نے کہا نافرمانی سے مراد ہے شرک سے کم درجہ کی نافرمانی یعنی شرک کے علاوہ جو میری نافرمانی کرے۔

ظاہر یہ ہے کہ (لفظ عَصَانِیْ میں شرک بھی داخل ہے لیکن) حضرت ابراہیمؑ نے یہ دعا اس وقت کی تھی جب کہ آپ کو مشرک کا غیر مغفور ہونا معلوم نہ ہوا تھا جب آپ کو مشرک کے غیر مغفور ہونے کی اطلاع دے دی گئی تو اس وقت آپ نے دعا کی وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرَاتِ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اور ان کو پھلوں سے رزق دے۔ اور اس (شہر) کے باشندوں میں سے ان لوگوں کو جو اللہ پر اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہوں کھانے کے لئے پھل عطا فرما۔ اس دعا میں صرف اہلِ ایمان کو رزق عطا کرنے کی دعا اس لئے کی کہ مشرک کے غیر مغفور ہونے کی صراحت سے آپ کو خیال پیدا ہو گیا کہ مشرک سے اللہ دنیا میں بھی انتقام لے گا اور اپنے پیدا کئے ہوئے پھلوں سے محروم رکھے گا۔ (چونکہ یہ خیال غلط تھا اس لئے اس کے جواب میں) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ اور جو کفر کرے گا اس کو تھوڑی مدت (بقدرِ مدّتِ زندگی) میں بہرہ اندوز رکھوں گا پھر اس کو عذابِ دوزخ کی طرف کھینچ کر لے جاؤں گا (یعنی کافروں کو دنیوی نعمتوں سے محروم نہیں رکھوں گا۔ ہاں آخرت میں اس کی مغفرت نہ ہوگی۔)

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ اے ہمارے رب میں نے اپنی کچھ اولاد کو باشندہ کر دیا۔ کچھ اولاد سے مراد ہیں اسمٰعیلؑ اور آپ کی نسل۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو وادیٔ مکہ میں رکھا تھا نسلِ اسماعیلی اس کے ذیل میں آ گئی۔

بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ ایسے وادی میں جہاں کھیتی نہیں ہے لغت میں وادی پہاڑی نالے کو کہتے ہیں پھر (توسیع استعمال کے بعد) چند پہاڑوں یا ریت کے ٹیلوں کے درمیانی میدان پر اس لفظ کا اطلاق ہونے لگا مکہ کی بستی بھی ایسے ہی میدان میں تھی جو پہاڑوں سے گھرا ہوا تھا۔ چونکہ یہ وادی پتھریلا علاقہ تھا نا قابلِ روئیدگی تھا اس لئے اس کو غیر ذی زرع فرمایا۔

عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ تیرے ممنوعہ گھر کے پاس۔ بیت اللہ سے مراد وہ بیت اللہ ہے جو طوفان نوحؑ سے پہلے موجود تھا۔

فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے جس روز آسمان و زمین بنائے (اسی روز) اس شہر کو باحرمت (ممنوعہ) قرار دے دیا۔ پس روز قیامت تک اللہ کی عطا کی ہوئی حرمت کی وجہ سے یہ شہر ممنوعہ (باحرمت) رہے گا یہاں کسی کے لئے لڑنا حلال نہیں اور ایک ساعت سے زیادہ میرے لئے بھی یہاں قتال جائز نہیں۔ روزِ قیامت تک خداداد حرمت کی وجہ سے یہ باحرمت (ممنوعہ) رہے گا۔ یہاں کے کانٹے یعنی جھاڑیاں (بھی) نہ کاٹے جائیں نہ یہاں کے شکار کو (بھگا کر) باہر نکالا جائے نہ یہاں گری پڑی چیز کوئی اٹھائے سوائے اس غرض کے کہ اس چیز کی شناخت کرائی ہو (کہ شناخت کر کے اس کا مالک لے لے) نہ یہاں کی گھاس کاٹی جائے حضرت عباسؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ اِذخر (مرچیا گند) اس سے مستثنیٰ کر دیجئے یہ لوہاروں کے اور مکہ والوں کے گھر کے کام میں آتی ہے فرمایا اِذخر مستثنیٰ ہے۔ متفق علیہ۔ رواہ ابن عباسؓ۔

واقدی اور ابن عساکر نے عامر بن سعید کے سلسلہ میں حسبِ ذیل روایت کی ہے۔ حضرت سارہ حضرت ابراہیمؑ کی بی بی تھیں مدت تک حضرت کے پاس رہیں لیکن اولاد نہیں ہوئی جب حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہو گئے تو حضرت سارہ کو جذبۂ رقابت نے ابھارا اور آپ کے دل میں کچھ احساس افسردگی و انتقام پیدا ہو گیا اور انہوں نے قسم کھائی کہ ہاجرہ کے تینوں ناک کان کاٹیں گی (تاکہ بدصورت ہو جائیں اور حضرت ابراہیمؑ کو ان سے نفرت ہو جائے) حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا تم اپنی قسم پوری کرنی چاہتی ہو۔ حضرت سارہ نے عرض کیا میں کیا کروں (میری قسم پوری ہونے کی کیا صورت ہو) حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ہاجرہ کے کانوں میں سوراخ کر دو اور اس کا ختنہ کر دو۔ حضرت سارہ نے ایسا ہی کیا حضرت ہاجرہ نے کان چھدنے

Marfat.com

کے بعد دو بالیاں کانوں میں پہن لیں، اس سے ان کا حسن اور بڑھ گیا۔ حضرت سارہ بولیں اس سے تو میں نے اس کے حسن میں اور اضافہ کر دیا۔ غرض حضرت سارہ نے پسند نہیں کیا کہ حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ کے ساتھ رہیں۔ مگر حضرت ابراہیمؑ کو حضرت ہاجرہ سے بڑی محبت تھی۔ (بہر حال) آپ ہاجرہ کو مکہ لے گئے اور چونکہ آپ کو ہاجرہ سے بڑی محبت تھی اور بغیر ہاجرہ کے نہیں رہ سکتے تھے اس لئے روزانہ بُراق پر سوار ہو کر شام سے مکہ کو ہاجرہ سے ملنے آیا کرتے تھے۔

بخاری نے صحیح میں اور بغوی نے اپنی سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے نطاق حضرت ہاجرہ نے اس غرض سے پہنا کہ قدموں کے نشانوں کو پیچھے سے نطاق کا پیرا منا تا چلے اور حضرت سارہ کو ان کا نشانِ قدم معلوم نہ ہو (عرب کی عورتوں نے نطاق کا استعمال حضرت ہاجرہ سے ہی سیکھا تھا)

غرض حضرت ابراہیمؑ حضرت ہاجرہ اور ان کے لڑکے اسماعیلؑ کو لے کر بیت اللہ کے پاس پہنچے اور مسجد سے بالائی مقام پر زَم زَم کے اوپر ایک بڑے درخت کے پاس دونوں کو بٹھایا۔ حضرت اسماعیلؑ (ان دنوں) شیر خوار تھے، حضرت ہاجرہ کا دودھ پیتے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایک خورجین جس میں چھوارے تھے اور ایک مشکیزہ پانی سے بھرا ہوا حضرت ہاجرہ کے پاس رکھ دیا پھر لَوٹ پڑے، حضرت ہاجرہ نے پیچھا کیا اور کہا ابراہیمؑ آپ ہم کو اس ویران وادی میں (جہاں نہ کوئی آدمی ہے نہ کچھ اور چیز) چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں۔ حضرت ہاجرہ نے یہ بات کئی بار کہی مگر حضرت ابراہیمؑ نے منہ پھیر کر نہیں دیکھا۔ آخر حضرت ہاجرہ نے کہا کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ہاں! اس پر ہاجرہ بولیں تو اللہ ہم کو ضائع نہیں کرے گا۔ پھر لَوٹ آئیں۔ حضرت ابراہیمؑ چل دیئے جب ہاجرہ کی نظر سے غائب ہو گئے تو کعبے کی طرف منہ کر کے دونوں ہاتھ اٹھا کر ان الفاظ میں دعا کی رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ..... یَشْکُرُوْنَ تک۔

حضرت اسماعیلؑ کی والدہ مشکیزہ کا پانی پیتی رہیں اور بچہ کو دودھ پلاتی رہیں یہاں تک کہ پانی ختم ہو گیا اور بچہ بھی پیاسا ہو گیا تو چل دیں بچہ کی طرف نظر اٹھائی تو بچہ اپنی زبان منہ میں گھمار ہا تھا یہ منظر دیکھ کر (بے تاب ہو گئیں اور) نظر پھیر لی اور چل کر کوہ صفا پر پہنچ گئیں۔ وہاں سے قریب ترین پہاڑ صفا تھا۔ صفا پر چڑھ کر اوپر کھڑی ہو کر وادی کی طرف دیکھنے لگیں کہ شاید کوئی نظر آ جائے جب کوئی نظر نہ آیا تو صفا سے اُتر کر وادی میں پہنچیں اور قوت کے ساتھ دوڑنے والے آدمی کی طرح کُرتہ کا دامن اوپر کو اٹھا کر دوڑ کر وادی سے گذر کر مروہ پہاڑی پر پہنچیں اور اِدھر اُدھر نظر دوڑائی کہ کوئی نظر پڑ جائے لیکن کوئی دکھائی نہ دیا۔ اس طرح سات بار کیا۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسی لئے (حاجی لوگ) صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے ہیں آخر (مرتبہ) جب مروہ پر پہنچیں تو ایک آواز سنی، اور خود اپنے آپ سے کہنے لگیں چُپ۔ پھر کان لگا کر سنا تو پھر آواز سنائی دی۔ کہنے لگیں میں نے آواز تو سن لی اگر تیرے پاس کچھ مدد کا سامان ہو (تو لا) اچانک زَم زَم کے مقام پر ایک فرشتہ نمودار ہوا اور زمین کو ایڑی یا پَر مار کر اس نے کھود افور اً پانی نکل آیا حضرت ہاجرہ پانی کا گھیرا بنانے لگیں اور اپنے ہاتھ سے چلّو بنا کر پانی لے کر مشکیزہ میں بھرنے لگیں جونہی چلّو بھر کر اٹھاتی تھیں پانی اور اُبل آتا تھا۔ حضرت ابن عباسؓ کا بیان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسماعیلؑ کی والدہ پر اللہ کی رحمت ہو اگر وہ زَمزَم کو یونہی رہنے دیتیں یا یہ فرمایا کہ اگر وہ چلّو نہ بھرتیں تو زم زم ایک جاری چشمہ ہو جاتا غرض حضرت ہاجرہ نے خود پانی پیا اور اپنے بچہ کو دودھ بھی پلایا فرشتہ نے کہا تم ہلاکت کا اندیشہ نہ کرو۔ یہاں اللہ کا گھر ہے یہ لڑکا اور اس کے والد اللہ کے گھر کی تعمیر کریں گے اللہ اپنے گھر والوں کو ضائع نہیں کرے گا۔ کعبہ اس زمانہ میں ٹیلہ کی شکل میں زمین سے کچھ اونچا تھا۔ سیلاب آ کر اس کے دائیں بائیں کناروں کو کاٹ کر لے جاتا تھا۔ حضرت ہاجرہ اسی حالت میں رہتی رہیں قافلہ جرہم کا ایک قافلہ ادھر سے گذرا اور آ کر مکہ کے نشیبی مقام پر اس نے پڑاؤ ڈالا۔ قافلہ والوں نے دیکھا کہ کچھ پرندے پانی کے لہ پر اُتر رہے ہیں کہنے لگے یہ پرندے یقیناً پانی پر گھوم رہے ہیں لیکن ہم تو اس وادی سے پہلے گذر چکے ہیں یہاں تو پہلے کوئی پانی نہ تھا کچھ لوگوں کو (تفتیش احوال کے لئے) بھیجا انہوں نے جا کر دیکھا تو پانی موجود پایا، لوٹ کر آئے اور ساتھیوں کو اطلاع دے دی اس کے بعد قافلہ والوں نے آ کر حضرت اسماعیلؑ کی والدہ سے گزارش کی کہ ہم کو اپنے پاس رہنے کی

Marfat.com

اجازت دے دیں حضرت ہاجرہ نے فرمایا لیکن پانی پر تمہارا کوئی (مالکانہ) حق نہ ہوگا۔ قافلے والوں نے اس کا اقرار کر لیا۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسماعیلؑ کی والدہ انس کی طالب تھیں (تنہائی کی وحشت دور کرنا چاہتی تھیں) پانی پر قبضہ انہی کا رہا قافلہ والوں نے اپنے متعلقین کو بھی بُلوالیا اور سب وہیں مقیم ہو گئے رفتہ رفتہ بہت خاندان بن گئے اسماعیلؑ بھی جوان ہو گئے بنی جُرہم سے عربی بھی انہوں نے سیکھ لی اور جوان ہونے کے بعد سب کے محبوب بن گئے بنی جُرہم نے اپنی ہی ایک عورت سے ان کا نکاح کر دیا اور اسماعیلؑ کی والدہ کی وفات بھی ہو گئی۔

حضرت اسماعیلؑ کا نکاح ہو چکا تھا کہ حضرت ابراہیمؑ (اپنی دعا کی) برکت کا معائنہ کرنے کے لئے تشریف لائے۔ باقی حصہ ہم نے سورت بقرہ کی آیت وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى کی تفسیر کے ذیل میں نقل کر دیا ہے۔

رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اے ہمارے رب تاکہ وہ نماز قائم کریں یعنی میں نے اپنی اولاد کو اس ویران وادی میں جہاں نہ کچھ کھانے کو ہے نہ آرام کا کوئی ذریعہ ہے صرف اس لئے رکھا ہے کہ وہ تیرے محترم گھر کے پاس نماز قائم کریں رَبَّنَا کو مکرّر ذکر کرنے سے اور درمیان میں لانے سے اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہاں اپنی اولاد کو رکھنے سے میرا مقصود صرف اقامتِ صلوٰۃ ہے اور میری دعا کا مقصد بھی یہی ہے کہ اللہ ان کو نماز کی توفیق عطا فرمائے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ لِيُقِيْمُوا صیغہ امر ہے اس سے آپ کا مقصد تھا اولاد کے لئے اقامتِ صلوٰۃ کی دعا کرنا گویا آپ نے یہ لفظ کہہ کر اولاد کو اقامتِ نماز کا حکم غائبانہ دیا اور اللہ سے دعا کی کہ ان کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَةً مِّنَ النَّاسِ پس کچھ لوگوں کے دلوں کو بنا دے۔ مِنَ النَّاسِ میں مِن تبعیض کے لئے ہے یعنی کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف پھیر دے۔ مجاہد نے کہا اگر (بغیر مِن کے) اَفْئِدَةَ النَّاسِ فرماتے تو تمام فارسی، رومی، ہندی اور تُرک تم پر ہجوم کر آتے۔ سعید بن جبیرؓ نے کہا یہودی، عیسائی اور مجوسی بھی کعبہ کا حج کرنے لگتے۔ مگر مِنَ النَّاسِ فرمایا اب صرف مسلمان ہی حج کرتے ہیں۔

تَهْوِيْٓ اِلَيْهِمْ کہ (شوق و محبت میں) ان کی طرف تیزی کے ساتھ بڑھیں۔ سدی نے ترجمہ کیا کہ کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف جھک جائیں۔

وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿۳۷﴾ اور کھانے کے لئے ان کو پھل عطا فرما امید ہے کہ وہ تیری نعمت کا شکر ادا کریں گے۔ یعنی باوجودیکہ یہ وادی ویران ہے اس میں کھیتی باڑی اور باغ نہیں ہیں مگر ان کو یہاں پھل عطا فرما، جس طرح شاداب مقامات پر رہنے والوں کو تو عطا فرماتا ہے اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا قبول فرمائی وادی کو پُرامن حرم بنا دیا یہاں ہر طرف سے پھل لائے جانے لگے یہاں تک کہ ایک ہی وقت اور ایک ہی زمانہ میں یہاں گرمی سردی اور ربیع و خریف کے پھل ملتے ہیں۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ اے ہمارے رب ہم جو کچھ چھپائے رکھیں یا ظاہر کریں تو سب کو جانتا ہے یعنی ہمارے تمام احوال و مصالح سے واقف ہے اور ہم سے زیادہ ہم پر رحم کرنے والا ہے ہم کو دعا کی ضرورت بھی نہیں ہے لیکن ہم اپنی عبدیت و بندگی کا مظاہرہ کرنے کے لئے تجھ سے دعا کرتے ہیں اور اپنی احتیاج کا اظہار کرنے اور تیری رحمت کی طلب میں اور عجلت اختیار کرنے کی غرض سے تجھ سے سوال کرتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ اور مقاتل کا قول ہے کہ مَا نُخْفِيْ وَمَا نُعْلِنُ سے مراد ہے حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ کو وادی غیر ذی زرع میں چھوڑنے کا غم جو حضرت ابراہیمؑ کے دل میں پیدا ہوا تھا۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ مَا نُعْلِنُ سے مراد ہے زاری اور تضرّع اور مَا نُخْفِيْ سے مراد ہے غمِ جدائی۔

وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾ اور اللہ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے زمین میں نہ آسمان میں وہ بالذات عالم ہے اس کے علم کی ہر چیز کی طرف نسبت برابر ہے۔ لہٰذا ہر چیز اس کو معلوم

Marfat.com

ہے (ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز اس کو معلوم ہو اور کوئی نامعلوم) اکثر علماء کے نزدیک یہ اللہ کا قول ہے بعض علماء اس کو حضرت ابراہیمؑ کے کلام کا جز قرار دیتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ تعریف ہے اس اللہ کو جس نے باوجود بڑھاپے کے مجھ کو اسمٰعیلؑ و اسحٰقؑ (دونوں بچے) عطا فرمائے یعنی بڑھاپے کی وجہ سے میں مایوس ہو گیا تھا ایسی حالت میں اللہ نے اولاد عطا فرمائی یہ اللہ کی عظیم الشان نعمت اور شانِ قدرت ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جب ابراہیمؑ کی عمر ننانوے سال کی تھی تو حضرت اسمٰعیلؑ پیدا ہوئے اور ایک سو بارہ سال کی عمر میں حضرت اسحاقؑ کی ولادت ہوئی۔ ابن جریر نے سعید بن جبیرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو ایک سو ستر سال کی عمر میں حضرت اسحاقؑ کے پیدا ہونے کی بشارت دی گئی تھی۔

اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾ میرا رب دعا کو خوب سننے والا ہے یعنی دعا قبول کرنے والا ہے سَمِیْعُ الْمَلِكُ الْكَلَامَ بادشاہ نے بات سن لی یعنی بات کا اثر لے لیا۔ آیت بتا رہی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رب سے دعا کی تھی اور اولاد ہونے کی درخواست کی تھی اللہ نے دعا قبول فرمائی اور ناامیدی کی حالت میں نرینہ اولاد عطا کی۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ اے میرے رب مجھے اور میری کچھ نسل کو نماز کا پابند بنا۔ اقامت صلوٰۃ نماز کو ارکان و آداب اور پابندی اوقات و شرائط کے ساتھ ہمیشہ ادا کرنا۔ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ میں مِنْ تبعیضی اس لئے ذکر کیا کہ آپ کو وحی کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو چکا تھا کہ آئندہ میری نسل میں کچھ کافر بھی ہوں گے کیونکہ اللہ نے فرمادیا تھا لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ اے میرے رب اور میری دعا (یا عبادت) قبول فرما۔ ترمذی نے حضرت انسؓ کی روایت سے امام احمد نے اور بخاری نے اَلْاَدَب میں اور چاروں اصحابُ السُّنن نے اور ابن حبان نے اور حاکم نے حضرت نعمان بن بشیرؓ کی روایت سے اور ابو یعلیٰ نے حضرت براء بن عازبؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دعا عبادت کا مغز ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ اے میرے رب مجھے بخش دے اور میرے والدین کو۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے والدین مسلمان تھے۔ آزر آپ کا چچا تھا اور تاریخ آپ کے باپ کا نام تھا۔ تفصیل سورۂ بقرہ میں گذر چکی ہے چونکہ اَبٌ کا لفظ چچا کے لئے بھی بولا جاتا ہے اس لئے اگر وَالِدَیَّ کی جگہ اَبَوَیَّ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو خیال ہو سکتا کہ شاید حضرت نے آزر کے لئے بھی دعاء مغفرت کی تھی (باوجودیکہ آزر مشرک تھا اور مشرک ناقابلِ مغفرت ہے) اس خیال کو دفع کرنے کے لئے وَالِدَیَّ فرمایا یعنی حقیقی ماں اور حقیقی باپ۔ اور بالفرض اگر آزر کو (حقیقی) باپ مان بھی لیا جائے تو اس کے لئے دعاء مغفرت کی وجہ خود ہی اللہ نے بیان فرمادی ہے کہ ابراہیمؑ نے باپ کے لئے دعاء مغفرت صرف اس وعدہ کی وجہ سے کی تھی کہ اس سے وعدہ کر لیا تھا لیکن جب ان پر ظاہر ہو گیا کہ ان کا باپ اللہ کا دشمن ہے تو اس سے بیزار ہو گئے اور بیزاری کا اظہار کر دیا اللہ نے ارشاد فرمایا ہے وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ۔

وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ اور (تمام) ایمان والوں کو جس روز حساب برپا ہو گا۔ برپا ہونے سے مراد ہے موجود ہونا یا ظاہر ہونا۔ یہ معنی قیام علی الرجل (پاؤں پر کھڑا ہونا) سے مستعار لیا گیا ہے محاورے میں بولا جاتا ہے قَامَتِ الْحَرْبُ عَلٰی سَاقٍ لڑائی اپنی پنڈلی پر کھڑی ہو گئی (یعنی برپا ہو گئی) یَقُوْمُ الْحِسَابُ سے پہلے لفظ اہل محذوف ہے یعنی جس روز اہلِ حساب کھڑے ہوں گے جیسے آیت وَاسْئَلِ الْقَرْیَةَ اور بستی سے پوچھ لو یعنی بستی والوں سے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ کھڑے ہونے کی نسبت حساب کی طرف مجازی ہے (پہلی صورت میں مجازی الحذف ہو گا اور اس صورت میں مجازی الاسناد) یعنی لوگ

ع ۶ ج ۱۸

Marfat.com

حساب کے لئے کھڑے ہوں گے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۭ اور تم اللہ کو ظالموں کے عمل سے غافل نہ خیال کرو کہ اس کو حقیقتِ امور کا علم نہ ہو یہ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے آپ تو اللہ کو غافل خیال ہی نہیں کر سکتے تھے یہ تو تم ہی نہیں ہو سکتا تھا کہ حضور اللہ کو لاعلم سمجھتے ہیں اس لئے آیت میں ممانعت کا مطلب یہ ہے کہ آپ جو اللہ کو واقفِ کل جانتے ہیں اس خیال پر آپ جمے رہیں اور جانتے رہیں کہ اللہ ظالموں کے تمام احوال و افعال پر مطلع ہے اس سے ان کی کوئی بات پوشیدہ نہیں وہ لامحالہ ان کے ہر چھوٹے بڑے ظلم کی سزا دے گا۔

یا آیت میں خطاب عمومی ہے ہر وہ شخص مخاطب ہے جو اللہ کی ذات و صفات سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اللہ کو غافل خیال کرتا ہے اور اللہ کی طرف سے ڈھیل ملنے کو اللہ کی ناواقفیت پر محمول کرتا ہے بعض علماء کا قول ہے کہ آیت میں مظلوم کے لئے پیامِ تسلی اور ظالم کے لئے عذاب کی دھمکی ہے۔

اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝ کیونکہ ان کو صرف اس روز تک مہلت دے رکھی ہے جس میں ان لوگوں کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی یعنی اس دن کے ہَول سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جائیں گی پلک نہ جھپکے گی یا یہ مطلب ہے کہ نظر اُٹھ جائیں گی اور اپنی جگہ سے ہٹ جائیں گی۔

مُهْطِعِيْنَ تیزی کے ساتھ بھاگ رہے ہوں گے اِدھر اُدھر منہ پھیر کر نہیں دیکھیں گے نہ یہ جانیں گے کہ ان کے قدم کہاں پڑ رہے ہیں۔ قتادہ نے کہا تیزی کے ساتھ قبلانے والے کی طرف دوڑیں گے۔ مجاہد نے کہا ٹکٹکی باندھے ہوں گے برابر نظر جمائے ہوں گے۔ قاموس میں ہے ہَطَعَ (ماضی) یَھْطَعُ (مضارع) ھُطُوْعًا (مصدر) سامنے سے دوڑتا ہوا تیزی کے ساتھ آیا، یا کسی چیز پر نظر جمائے رکھی نگاہ نہ ہٹائی۔ مُھْطِع بروزن مُحْسِن عاجزی کے ساتھ دیکھنے والا جو اپنی نظر کو نہ ہٹا سکے یا خاموشی کے ساتھ پکارنے والے کی آواز کی طرف جانے والا۔

مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ اپنے سر اوپر اٹھائے۔

قتبی نے کہا مُقْنِع اس شخص کو کہتے ہیں جو سر اٹھائے اپنے سامنے دیکھتا رہے سامنے سے نظر نہ ہٹائے۔ حسن نے کہا قیامت کے دن لوگوں کے منہ آسمان کی طرف ہوں گے کوئی کسی کی طرف نہیں دیکھے گا۔

لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ ان کی نظر ان کی طرف واپس نہیں آئے گی۔ کہ اپنے آپ کو دیکھ سکیں بلکہ ٹکٹکی باندھے اوپر ہی کی طرف تکتے رہیں گے۔

وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝ اور ان کے دل بالکل بد حواس ہوں گے یعنی انتہائی دہشت اور حیرت کی وجہ سے ان کے دل فہم و عقل سے خالی ہو جائیں گے۔ احمق آدمی کے متعلق کہا جاتا ہے قَلْبُہٗ ھَوَاءٌ اس کا دل (فہم سمجھ اور قوت سے) خالی ہے (مطلب یہ کہ اس کا دماغ کھوکھلا ہے) قتادہ نے کہا ان کے دل سینوں سے نکلنے لگیں گے اور حلق میں آکر اٹک جائیں گے نہ منہ سے باہر آئیں گے نہ اپنی جگہ پر لوٹیں گے۔ پس دل ہوا ہو جائیں گے یعنی ان کے اندر کچھ نہ ہو گا۔ آسمان و زمین کی درمیانی خلاء کو اسی وجہ سے ہوا کہا جاتا ہے سعید بن جبیرؓ نے کہا ان کے دل بے تاب اور بے قرار ہوں گے کسی جگہ ان کو قرار نہ ہو گا بغوی نے لکھا ہے اصل مطلب یہ ہے کہ دل بے تاب اور بے قرار ہوں گے کسی جگہ ان کو قرار نہ ہو گا۔ بغوی نے لکھا ہے اصل مطلب یہ ہے کہ دل اپنی جگہ سے ہٹ چکے ہوں گے اور نظریں خیرہ اور اوپر کو اٹھی ہوئی ٹکٹکی باندھے تک رہی ہوں گی۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ اور (اے محمد ﷺ) لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جس دن ان پر عذاب آجائے گا یعنی قیامت کے دن یا مرنے کے دن سے۔ مرنے کا دن بھی عذاب کا پہلا دن ہو گا، یا یہ مراد ہے کہ اس دن سے ڈراؤ جس روز ان کو مکمل تباہ کرنے اور جڑ سے اکھاڑ کر پھینک دینے والا عذاب دنیا میں ہی آجائے گا۔

Marfat.com

فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا پس ظالم یعنی وہ لوگ جنہوں نے شرک اور تکذیبِ رسول ﷺ کر کے اپنے اوپر ظلم کیا ہے کہیں گے۔

رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اے ہمارے رب ہم کو (دنیا میں) مہلت دے، یا یہ مطلب ہے کہ ہم کو دنیا میں لوٹا دے اور عذاب کو پیچھے کر دے۔

اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ تھوڑی مدت کے لئے، اور اتنی مدت ہم کو وہاں باقی رکھ کہ ہم تجھ پر ایمان لے آئیں اور تیری دعوت کو قبول کر لیں۔

نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ ہم تیری دعوت قبول کر لیں اور تیرے پیغمبروں کی پیروی کریں۔ یہ امر کا جواب ہے اسی کی نظیر آیت لَوْ لَآ اَخَّرْتَنِيْٓ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ فَاَصَّدَّقَ وَاَكُنْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ہے اس درخواست کا ان کو جواب دیا جائے گا۔

اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝۴۴ کیا اس سے پہلے (دنیا میں) تم نے قسمیں کھا کر یہ نہیں کہا تھا کہ ہم دنیا میں ہمیشہ رہیں گے ہم کو کبھی نہیں مرنا ہے شاید یہ الفاظ انہوں نے انتہائی غرور و تکبر کی حالت میں کہے ہوں یا اقسموا سے مراد ہے دلالتِ حال کی پختگی۔ انہوں نے مستحکم عمارتیں بنائی تھیں لمبی لمبی امیدیں باندھی تھیں جس سے (بدلالت التزامی) ثابت ہو رہا تھا کہ ان کو اپنے ہمیشہ رہنے کا یقین ہے۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ (زوال سے مراد ہے دار آخرت کی طرف منتقل ہو جانا) انہوں نے قسمیں کھا کر کہا تھا کہ ہم کو دارِ آخرت کی طرف پہنچنا نہیں (قیامت نہیں ہو گی اور دوبارہ کوئی زندہ کر کے نہیں اٹھایا جائے گا) دوسری آیت میں یہی مضمون آیا ہے۔ ارشاد فرمایا ہے وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ انہوں نے پختہ قسمیں کھا کر کہا کہ جو مر جائے گا اس کو اللہ دوبارہ زندہ نہیں کرے گا۔

وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ اور جن لوگوں نے (کفر و معصیت کر کے) اپنے آپ پر خود ظلم کیا تھا (جیسے قوم نوح عاد، ثمود وغیرہ) کیا ان کے گھروں میں ان کی جگہ پر تم نہیں رہے تھے۔

وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝۴۵ اور (کیا ان کے آثارِ قدیمہ کا مشاہدہ کر کے اور ان کی تباہیوں اور بربادیوں کی خبر سن کر) تم پر ظاہر نہ ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا اور (کیا) تمہاری عبرت کے لئے ہم نے (ان کے احوال کی) مثالیں (نہیں) بیان کر دی تھیں۔ یعنی کیا ہم نے پیغمبروں کی معرفت اور ان کی زبانی نہیں بیان کر دیا تھا کہ تم کفر و استحقاقِ عذاب میں گزشتہ اقوام کی طرح ہو یا یہ مطلب کہ گزشتہ اقوام کے حالات و اعمال اور ان کے نتائج۔ جو تُدرت میں مشہور کہاوتوں کی طرح ہو گئے تھے تم سے بیان نہ کر دیئے تھے، یا یہ مطلب ہے کہ تمہاری سبق آموزی کے لئے ہم نے قرآن میں مثلیں نہیں بیان کر دی تھیں۔

وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ اور انہوں نے اپنی سازشیں کیں یعنی کفارِ مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو جلاوطن کرنے یا قید کر دینے یا قتل کر ڈالنے کی سازش کی۔ اہلِ تفسیر کے نزدیک مکروا کی ضمیر فاعلی اور ضمیر ھم دونوں کفارِ مکہ کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ یعنی کفارِ مکہ نے اپنی پوری تدبیر کر لی اور حق کو مٹانے اور باطل کو اٹھانے کی ہر کوشش جو کر سکتے تھے کر لی۔ اس تفسیر پر اس کلام کا سابق کلام سے کوئی تعلق نہ ہو گا۔ میرے نزدیک اس جملے کا عطف سَكَنْتُمْ پر ہے مَكَرُوْا کی ضمیر تو کفارِ مکہ کی طرف راجع ہے۔ اور ھم ضمیر الذین کی طرف لوٹ رہی ہے اور الذین سے مراد اقوامِ گزشتہ ہیں یعنی کفارِ مکہ نے بھی گزشتہ امتوں کے کافروں جیسے فریب کئے اور ان کی تدبیروں کی طرح سازشیں کیں۔

وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ اور اللہ کے پاس ان کا فریب (لکھا ہوا) موجود ہے وہ اس فریب کاری کی ان کو سزا دے گا یا یہ مطلب ہے کہ ان کی سازشوں اور مکاریوں کی سزا دینے کے لئے اللہ کے پاس بھی پوشیدہ تدبیر ہے جس سے ان



Marfat.com

کی سازشوں کو بے حقیقت کر دے گا۔

وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾ اور واقعی ان کی تدبیریں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی ٹل جائیں اِنْ نافیہ ہے اور لِتَزُوْلَ میں لام تاکید نفی کے لئے ہے اور "جبال" سے مراد ہے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا معاملہ اور قوانین شریعت اور آیات خداوندی مطلب یہ ہے کہ ان کا مکر ایسا نہیں کہ اس سے پہاڑ ٹل جائیں یعنی نبوت محمدیہ اور احکام الٰہیہ ان کی سازشوں سے باطل نہیں ہو سکتے نہ ان کی فریب کاریوں سے ان میں زوال آسکتا ہے۔ یا اِنْ: اِنَّ کا مخففہ ہے مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور شریعت الٰہیہ اور احکام خداوندی جو پہاڑوں کی طرح پائیدار ہیں، انہوں نے اپنی سازشوں سے ان کو اکھاڑ دینا چاہا اور ارادہ کیا کہ فریب و مکر سے ان کی بیخ کنی کر دیں لیکن ایسا ناممکن ہے۔ حسن نے کہا ان کا مکر پہاڑوں کو ان کی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا۔ ابن جریج کی قرأت میں لِتَزُوْلَ کی جگہ لَتَزُوْلُ آیا ہے۔ اِنْ مخففہ ہے اور لام تاکید کی فصل کے لئے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کا مکر بلاشبہ ایسا تھا کہ پہاڑ بھی اس کی وجہ سے اپنی جگہ چھوڑ کر اکھڑ جائیں۔ یہی مضمون ایک اور آیت میں آیا ہے۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا۔

بغوی نے حضرت علیؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول نمرود کے حق میں ہوا جس نے حضرت ابراہیمؑ سے اللہ کی ہستی کی بابت مناظرہ کیا تھا نمرود نے کہا اگر ابراہیمؑ کا قول سچا ہے تو میں آسمان تک پہنچ کر خود دیکھوں گا کہ وہاں کون ہے، کیا ہے۔ چنانچہ آسمان تک چڑھنے کی اس نے یہ اسکیم بنائی کہ گدھ کے چار بچے لے کر ان کو پالا اور ٹریننگ دی جب وہ جوان ہو گئے تو ایک صندوق بنوایا اور جس کے دو دروازے قائم کئے۔ ایک بالائی جانب ایک نیچے کی طرف اور چار لکڑیاں لے کر صندوق کے ہر گوشہ میں ایک ایک لکڑی کھڑی کر دی اور ہر لکڑی کی بالائی نوک پر گوشت کا ٹکڑا باندھ دیا پھر صندوق کو گدھوں کی ٹانگوں سے باندھ دیا (صندوق نیچے گدھ اوپر اور لکڑیوں میں گوشت بندھا ہوا گدھوں کے اوپر) اسکے بعد نمرود ایک آدمی کو ساتھ لے کر صندوق میں بیٹھ گیا اور گدھوں کو اڑایا گدھ اڑے اور گوشت حاصل کرنے کے لئے اوپر اٹھتے گئے (جتنا اوپر اٹھتے تھے گوشت لکڑیوں میں لٹکتا ہوا ان کے اوپر ہی رہتا تھا اور گدھوں کی رسائی گوشت تک نہیں ہوتی تھی) اسطرح اوپر چڑھتے رہے اور دور ہوا میں پہنچ گئے۔ ایک روز گزر گیا تو نمرود نے ساتھی سے کہا اوپر کا دروازہ کھول کر دیکھو آسمان قریب آگیا یا نہیں ساتھی نے دروازہ کھول کر دیکھا اور بولا آسمان تو ویسا (ہی دور) ہے جیسا پہلے تھا۔ نمرود نے کہا اب نیچے کا دروازہ کھول کر دیکھو ساتھی نے نیچے کا دروازہ کھول کر دیکھا اور کہا زمین ایک تالاب کی طرح اور پہاڑ دھوئیں کی مانند دکھائی دے رہے ہیں۔ غرض گدھ اڑتے اور اوپر کو اٹھتے رہے یہاں تک کہ ایک دن اور گذر گیا اور اب خلا گدھوں کی اڑان میں رکاوٹ پیدا کرنے لگی نمرود نے ساتھی سے کہا اب دونوں دروازے کھول کر دیکھو اوپر کا دروازہ کھولا تو آسمان ویسا ہی اپنی ہیئت پر نظر آیا اور نیچے کا دروازہ کھول کر دیکھا تو زمین کی جگہ صرف ایک تاریک سیاہی نظر آئی اور (غیب سے) ندا آئی باغی تو کہاں جانا چاہتا ہے۔ عکرمہ کا بیان ہے نمرود کے ساتھ تابوت میں ایک غلام بھی تیر کمان لئے موجود تھا غلام نے (اوپر کی جانب) تیر پھینکا، تیر خون آلودہ ہو کر لوٹ آیا کوئی مچھلی (بحکم خداوندی) سمندر سے تڑپ کر خلا میں پہنچ گئی تیر اسی کے خون سے رنگین ہو گیا تھا۔ بعض نے کہا کسی پرندے کے خون سے آلودہ ہو گیا تھا نمرود نے کہا آسمان والے خدا کے کام سے تو میں فارغ ہو گیا پھر ساتھی کو حکم دیا اب (ستون والی) لکڑیوں کو اُلٹ دو اوپر کا رخ نیچے کی طرف کر دو۔ ساتھی نے حکم کی تعمیل کی۔ اسی طرح گوشت نیچے کی طرف ہو گیا اور گدھ گوشت کو نیچے کی طرف دیکھ کر نیچے اترنے لگے۔ پہاڑوں نے صندوق اور گدھوں کی سرسراہٹ سنی تو خوف زدہ ہو گئے ان کا خیال ہوا کہ آسمان سے کوئی نئی مصیبت آگئی اور قیامت برپا ہو گئی۔ خوف زدہ ہو کر قریب تھا کہ وہ اپنی جگہ سے ٹل جائیں یہ ہی مفہوم ہے آیت وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ کا (حضرت مفسّر نے فرمایا کہ) یہ روایت عقل و درایت کے بھی خلاف ہے اور نقل صحیح کے بھی۔

لہ آیت میں وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ ہے لیکن اس روایت میں كَانَ کی جگہ كَادَ ہے یا یہ ناقل کا سہو قلم ہے۔

Marfat.com

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ پس آپ یہ خیال بھی نہ کرنا کہ اللہ نے جو وعدہ اپنے پیغمبروں سے ان کی نصرت اور دشمنوں کو ہلاک کرنے کا کیا ہے وہ ان کے خلاف کرنے والا ہے۔ اللہ نے اپنے پیغمبروں کی نصرت کا وعدہ ایک اور آیت میں کیا ہے فرمایا ہے اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا اور پیغمبروں کو غالب کرنے اور دشمنوں کو ہلاک کرنے کے متعلق فرمایا ہے لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ وَعْدِهٖ کو رُسُلَهٗ سے پہلے ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ وعدہ خلافی کرتا ہی نہیں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ اور وہ کسی سے وعدہ خلافی نہیں کرتا تو پیغمبروں سے جو وعدہ کیا ہے اسکے خلاف کیسے کر سکتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ناقابلِ شک ہے یہ بات کہ اللہ غالب ہے اس کے مقابلے میں کوئی سازش نہیں کی جاسکتی اور ایسا قادر ہے کہ اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔

ذُو انْتِقَامٍ ۝ (اپنے دوستوں کا دشمنوں سے) انتقام لینے والا ہے۔

يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ جس روز دوسری زمین بدل دی جائے گی، اس زمین کے علاوہ اور آسمان بھی يَوْمَ تَبَدَّلُ يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ سے بدل ہے یا انتقام کا مفعول فیہ ہے یا اُذْكُرُوْا محذوف کا مفعول بہ ہے اور السَّمٰوٰتُ کا عطف اَلْاَرْضُ پر ہے۔

تبدیل دو طرح کی ہوتی ہے ایک تبدیلِ ذاتی یعنی ایک شئی کی بجائے دوسری چیز لے آئی جائے جیسے میں نے درہم کو دینار سے بدل دیا، درہم دے کر دینار لے لیا۔ اللہ نے فرمایا ہے بَدَّلْنَاهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا ہم ان کو ان کی کھالوں کی جگہ دوسری کھالیں دے دیں گے (۲) تبدیلِ وصفی (یعنی نفسِ شئی تو باقی رکھی جائے اس کی حالت شکل وغیرہ بدل جائے) جیسے بَدَّلْتُ الْحَلْقَةَ بِالْخَاتَمِ میں نے چھلا بدل کر انگوٹھی بنادی یعنی چھلے کو پگھلا کر انگوٹھی کی شکل دے دی۔ چھلے کی شکل کو انگوٹھی کی شکل میں تبدیل کر دیا۔

عبد الرزاق، عبد بن حمید، ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیروں میں اور بیہقی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن مسعودؓ کا قول اس آیت کی تشریح کے ذیل میں نقل کیا ہے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا یہ زمین بدل کر ایسی زمین کر دی جائے گی جو چاندی کی طرح ہو گی جہاں نہ کبھی حرام خون بہایا گیا ہو گا نہ کوئی اور گناہ کیا گیا ہو گا۔ بیہقی نے یہ حدیث مرفوعاً بھی بیان کی ہے، یعنی حضرت ابن مسعودؓ کا قول نہیں ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ کا قول ہے، اور حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں اور موقوفاً بھی یعنی حضرت ابن مسعودؓ کا قول بھی قرار دیا ہے اور موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے۔ میں کہتا ہوں اس جگہ موقوف حدیث بھی مرفوع کی طرح ہے۔ (واقعاتِ قیامت کا بیان اجتہاد و فکر و رائے سے کوئی صحابی نہیں کر سکتا کہ جس میں غلطی کا امکان ہو سکے۔ مبدء و معاد، ملائکہ، نبوت، جنت و دوزخ اور مستقبل کے سلسلے میں جو اقوال کسی صحابی کی طرف منسوب ہیں وہ یقیناً صحابی کے از خود نہیں ضرور رسول اللہ ﷺ سے سنے ہوئے ہیں احتیاطاً کسی اور وجہ سے رسول اللہ ﷺ کی طرف ان کی نسبت نہیں کی گئی پس تبدیلِ ارض و سماء کے سلسلے میں جو حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے وہ یقیناً رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے مترجم)

ایک دوسری سند سے ابن جریر و حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا یہ زمین بدل کر سفید زمین ہو جائے گی جیسے خالص چاندی۔ احمد، ابن جریر، ابن ابی حاتم نے حضرت ابو ایوبؓ کی روایت سے اور (صرف) ابن جریر نے حضرت انسؓ کی روایت سے (موقوفاً) بیان کیا، قیامت کے دن اللہ اس زمین کو چاندی کی ایسی زمین سے بدل دے گا جس پر گناہ نہیں کیا گیا ہو گا۔ ابن جریر نے ابو حمزہ کے سلسلے سے حضرت زید کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا، یہ زمین چاندی کی طرح سفید ہو جائے گی۔ ابن ابی الدنیا نے صفۃ الجنۃ میں حضرت علیؓ کی روایت سے اس آیت کی تشریح کے ذیل میں بیان کیا کہ (حضرت علیؓ نے فرمایا) زمین چاندی کی ہو گی اور آسمان سونے کا۔ ابن جریر نے مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ زمین ایسی ہو گی جیسے چاندی اور آسمان بھی ایسا ہی ہو گا۔ عبد بن حمید نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے، عکرمہ نے کہا ہم کو

Marfat.com

یہ (روایت) پہنچی ہے کہ یہ زمین لپیٹ دی جائے گی اور اس کے برابر ایک اور زمین ہو گی۔ اس زمین سے اس زمین کی طرف لوگوں کو لے جا کر جمع کیا جائے گا۔ صحیحین میں حضرت سہل بن سعدؓ کی روایت آئی ہے، حضرت سہلؓ نے فرمایا کہ میں نے خود سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے: قیامت کے دن لوگوں کو ایک سفید زمین پر جمع کیا جائے گا جسکا رنگ خاکستری (سفیدی آفریں مٹیالا) ہو گا اور چھنے ہوئے آٹے کی ٹکیہ کی طرح (ہموار و ہم رنگ) ہو گی جس میں کسی کی کوئی (عمارت، منارہ، گنبد وغیرہ غرض کوئی) نشانی نہ ہو گی۔ بیہقی نے بسندِ سدی صغیر بحوالۂ کلبی از ابو صالح اس آیت کی تشریح میں حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس میں کمی بیشی کر دی جائے گی ٹیلے، پہاڑ، وادیاں، درخت اور جو کچھ اس زمین میں ہے ختم کر دیا جائے گا اور عکاظ کے چمڑے کی طرح اس کو کھینچ کر پھیلایا جائے گا وہ چاندی کی طرح ایک سفید زمین ہو گی جس پر کوئی خون نہیں بہایا جائے گا اور نہ کوئی گناہ کیا گیا ہو گا اور آسمانوں کے سورج چاند ستارے ختم کر دیئے جائیں گے۔

حاکم نے حضرت ابن عمرؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب قیامت کا دن ہو گا تو چمڑے کی طرح زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور سب مخلوق کو (اس پر) جمع کیا جائے گا۔

حاکم نے عمدہ سند کے ساتھ حضرت جابرؓ کی روایت سے رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن چمڑے کے کھینچنے کی طرح زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا پھر کسی آدمی کے لئے قدموں کے رکھنے سے زیادہ جگہ نہ ہو گی پھر سب سے پہلے مجھے پکارا جائے گا اور میں سجدہ میں گر پڑوں گا پھر مجھے اجازت ملے گی تو اُٹھ کر کھڑا ہو جاؤں گا اور عرض کروں گا اے میرے رب! یہ جبرئیلؑ ہیں (حضرت جبرئیل اس وقت رحمان کے دائیں جانب ہوں گے اور جبرئیلؑ نے اس سے پہلے رحمٰن کو کبھی نہ دیکھا ہو گا) انہوں نے مجھے اطلاع دی تھی کہ آپ نے ان کو میرے پاس بھیجا تھا، جبرئیل خاموش ہوں گے کوئی بات نہیں کریں گے اللہ فرمائے گا اس نے سچ کہا تھا پھر اللہ مجھے شفاعت کرنے کی اجازت عطا فرمائے گا۔ میں عرض کروں گا اے میرے رب تیرے بندے زمین کے تمام اطراف میں ہیں۔ یہی مقامِ محمود ہو گا (اللہ کی حمد کرنے کا مقام جس پر قیامت کے دن رسول اللہ ﷺ کو فائز کیا جائے گا۔)

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن زمین ایک روٹی ہو گی جو اللہ اپنے ہاتھ سے اہلِ جنت کی مہمانی کے لئے تیار کرے گا جیسے تم لوگ سفر کے لئے اپنی روٹی تیار کرتے ہو (اس حدیث میں نُزُلاً لِاَھْلِ الْجَنَّۃِ کا لفظ آیا ہم نے نزل کا ترجمہ "مہمانی" کیا ہے خواہ مہمان کے لئے تیار کیا ہوا کھانا یا کوئی اور چیز جو کھانے کے لئے کھانے سے پہلے پیش کی جائے) دراوردی نے کہا، نُزُل اس چیز کو کہتے ہیں جو طعام مہمانی سے پہلے مہمان کو پیش کی جاتی ہے مراد یہ ہے کہ اہلِ جنت کو جنت میں پہنچنے تک مختلف مواقف و مقامات پر بطورِ نُزُل زمین کی روٹی پیش کی جائے گی اور آخر وہ جنت میں پہنچ جائیں گے۔

اسی طرح ابن مرجان نے الارشاد میں بیان کیا ہے کہ زمین بدل کر ایک روٹی کر دی جائے گی (جس کو) مؤمن اپنے قدموں کے درمیان سے اٹھا کر کھائے گا اور حوض (غالباً کوثر یا تسنیم) کا پانی پیے گا۔ ابن حجر نے لکھا ہے اس سے مستفاد ہوتا ہے کہ میدانِ حشر کے سارے مواقف کی پوری مدّت میں مؤمنوں کو بھوک کی سزا نہیں دی جائے گی بلکہ اللہ اپنی قدرت سے زمین کی فطرت بدل دے گا کہ اللہ کی مشیّت کے مطابق مؤمن اپنے قدموں کے نیچے سے بغیر کمائی اور تکلیف کے اٹھا کر روٹی کھائیں گے اسی کی تائید کرتا ہے سعید بن جبیرؓ کا وہ قول جو ابن جریر نے نقل کیا ہے کہ زمین سفید روٹی ہو جائے گی جو مؤمن اپنے قدموں کے نیچے سے اٹھا کر کھائے گا اسی طرح کا محمد بن کعب کا قول بھی مروی ہے بیہقی نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ زمین بدل کر سفید مثل روٹی کے ہو جائے گی جس کو اہلِ اسلام حساب سے فراغت کے وقت تک کھاتے رہیں گے۔ امام ابو جعفر یعنی امام باقر کا قول بھی روایت میں اسی طرح آیا ہے۔

خطیب نے حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ قیامت کے دن لوگوں کا حشر ایسی حالت میں ہو گا کہ بہت زیادہ

Marfat.com

بھوکے ہوں گے ایسے بھوکے کبھی نہیں ہوئے ہوں گے بہت زیادہ پیاسے ہوں گے ایسے پیاسے کبھی نہیں ہوئے ہوں گے بالکل برہنہ ہوں گے کبھی ایسے ننگے نہ رہے ہوں گے اور ایسے تھکے ہوئے ہوں گے کہ کبھی ایسے نہ تھکے ہوں گے۔ پس جس نے دنیا میں اللہ کے لئے کھانا کھلایا ہوگا اللہ اس روز اس کو کھانا کھلائے گا اور جس نے اللہ کے لئے پانی پلایا ہوگا اللہ اس کو پانی پلائے گا اور جس نے اللہ کے واسطے لباس پہنایا ہوگا اللہ اس کو لباس پہنائے گا اور جس نے (اللہ کے لئے) کوئی عمل کیا ہوگا اللہ اس کے لئے کافی ہوگا۔

ابن جریر نے محمد بن کعب کا قول اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ ابن کعب نے کہا آسمان باغ ہو جائیں گے اور سمندر کی جگہ آگ ہو جائے گی اور زمین تبدیل کر کے کچھ اور کر دی جائے گی۔ حضرت ابن مسعودؓ کا ایک قول آیا ہے کہ قیامت کے دن ساری زمین آگ ہو جائے گی۔ کعب احبار کا قول ہے کہ سمندر کی جگہ آگ ہو جائے گی۔

مسلم نے حضرت ثوبان کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک یہودی عالم نے خدمت گرامی میں حاضر ہو کر دریافت کیا جس روز زمین دوسری زمین میں تبدیل کر دی جائے گی اس روز لوگ کہاں ہوں گے حضور ﷺ نے فرمایا پل سے ورے تاریکی میں۔

مسلم نے حضرت عائشہؓ کا بیان نقل کیا ہے امّ المؤمنین نے فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بیان فرمایئے کہ جس روز زمین تبدیل کر دی جائے گی تو لوگ کہاں ہوں گے، فرمایا صراط پر۔ بیہقی نے کہا اس حدیث میں صراط کا لفظ بطور مجاز استعمال کیا گیا ہے چونکہ لوگوں کو (اسکے بعد) صراط سے گزرنا ہوگا اس لئے بطور مجاز صراط پر ہونے کی صراحت فرمائی اب حضرت ثوبان کی روایت سے اس روایت کی مطابقت ہو جائے گی ثوبانؓ کی روایت میں پل سے ورے تاریکی میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی ہے کہ تبدیل ارضی یعنی اس زمین سے منتقل ہو کر ارض محشر موقف پر پہنچنا تو جرہ (جھڑ کی یا جھنجھوڑ) کے وقت ہو گا (جو پل صراط پر پہنچنے سے پہلے ہوگا)

بیہقی نے حضرت اُبَیّ بن کعب کا قول نقل کیا ہے کہ آیت وَحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً کی تشریح میں آپ نے فرمایا، دونوں خاک ہو جائیں گے جو کافروں کے چہروں پر پڑے گی مؤمنوں کے چہروں پر نہیں پڑے گی وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ کا یہی مطلب ہے کافروں کے چہروں پر اس روز خاک ہوگی جن پر سیاہی چڑھی ہو گی۔

سیوطی نے لکھا ہے کہ قدماء کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے کہ کیا تبدیل ارض سے مراد صرف تبدیل اوصاف (احوال، رنگ، ہیئت وغیرہ) ہے یا تبدیل ذات ہی ہو جائے گی مؤخر الذکر قول کو ابن ابی حمزہ نے ترجیح دی ہے اور صراحت کی ہے کہ یہ دنیا کی زمین نابود ہو جائے گی اور موقف قیامت کی نئی زمین پیدا کی جائے گی۔

شیخ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ تبدیل ارض کی احادیث اور زمین کو کھینچ کر پھیلانے اور اس میں کمی بیشی کرنے کی احادیث میں کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ یہ سارے حوادث ارض دنیا پر واقع ہوں گے اور موقف کی زمین اس کے علاوہ ہو گی تو ایک جھڑ کی سے سب لوگ یہاں سے نکل کر ارض محشر میں پہنچ جائیں گے۔

ابن حجر نے لکھا ہے اسی طرح ان احادیث میں بھی باہم منافات نہیں جن میں سے کسی میں زمین کا روئی ہو جانا اور کسی میں خاک ہو جانا اور کسی میں آگ ہو جانا مذکور ہے کچھ زمین روئی بن جائے گی کچھ خاک ہو جائے گی اور سمندر کی زمین آگ ہو جائے گی۔ حضرت اُبَیّ بن کعب کا اثر اسی پر دلالت کر رہا ہے۔

(حضرت مفسّر نے فرمایا) میں کہتا ہوں کہ مومنوں کے قدموں کے نیچے کی زمین روئی بن جائے گی اور کافروں کے قدموں کے نیچے کی زمین خاک اور آگ ہو جائے گی۔ قرطبی نے لکھا ہے کہ صاحب افصاح نے ان تمام متضاد احادیث کا تعارض دور کرنے کیلئے کہا ہے کہ زمین و آسمان کی تبدیلی دو مرتبہ ہو گی، پہلی مرتبہ نفخۂ صعق (پہلی مرتبہ صور پھونکنے) سے پہلے ہو گی کہ ستارے جھڑ جائیں گے چاند اور سورج بے نور ہو جائیں گے، آسمان تانبے کی طرح سرخ ہو جائے گا اس کا پوست اتار لیا جائے

Marfat.com

گائیں پہاڑ اُڑے اُڑے پھریں گے سمندر آگ ہو جائیں گے زمین میں لرزہ پیدا ہو جائے گا اور وہ پارہ پارہ ہو جائے گی۔ اس کی ہیئت ہی بدل جائے گی پھر پہلا صور پھونکا جائے گا تو آسمان لپیٹ دیئے جائیں گے آسمان بدل کر دوسرا آسمان ہو جائے گا اور زمین کو کھینچ کر پھیلا دیا جائے گا اور ویسا ہی دوبارہ کر دیا جائے گا جیسے وہ پہلے تھی اس کے اندر قبریں ہوں گی جن کے اندر مردے ہوں گے۔

پھر (دوبارہ صور پھونکے جانے پر) زمین میں دوسری تبدیلی ہو گی یہ اس وقت ہو گا جب لوگ میدان حشر میں کھڑے ہوں گے ایسی حالت میں روئے زمین جس کو ساہرہ کہا جائے گا اور اس پر حساب فہمی ہو گی بدل دیا جائے گا اس وقت زمین چاندی کی ہو گی، سفید خاکستری رنگ ہو گا جس پر نہ خوں ریزی کی گئی ہو گی نہ کوئی گناہ کیا گیا ہو گا اس تبدیلی کے وقت لوگ صراط پر کھڑے ہوں گے اور سب اس میں سما جائیں گے جو بچیں گے وہ جہنم کے پل پر ٹھہرے ہوں گے۔ دوزخ اس وقت منجمد ہو گی۔ حضرت عبداللہ کی روایت میں آیا ہے کہ زمین آگ ہو جائے گی اس سے یہی مراد ہے جب لوگ صراط سے گزر جائیں گے اور (مؤمن) انبیاء کے حوضوں پر پہنچ کر قیام کریں گے اور حیاض انبیاء کا پانی پئیں گے، تو زمین روٹی کی ایک نکیہ بنا دی جائے گی جو جنت میں جانے والے ہوں گے وہ سب اس روٹی میں سے کھائیں گے۔ جنت کے بیل کے جگر یا مچھلی کی جگری کا ان کے لئے سالن ہو گا۔

طبرانی نے الاوسط میں اور ابن عدی نے ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قیامت کے دن سوائے مسجدوں کے سب زمین نابود ہو جائے گی مساجد کو باہم ملا دیا جائے گا (یعنی تمام مساجد یکجا جمع کر دی جائیں گی)

میں کہتا ہوں، اگر یہ روایت صحیح ثابت ہو جائے تو شاید سب مساجد کی زمین جنت کی زمین بنا دی جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا میرے گھر اور میرے ممبر کے درمیان جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔ رواہ الشیخان فی الصحیحین و احمد و النسائی عن عبداللہ بن زید و فی الصحیحین والترمذی عن ابی ہریرہؓ۔

وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿۴۸﴾ اور (قبروں سے نکل کر حساب فہمی اور جزا و سزا پانے کے لئے) ایک غالب اللہ کے سامنے آئیں گے واحد و قہار دو صفتیں ذکر کرنے سے یہ بات بتانی ہے کہ معاملہ بہت سخت ہو گا۔ ایسے خدا کی پیشی ہو گی جو سب پر غالب ہے جس سے مقابلہ ممکن نہیں نہ اس کے سوا کہیں پناہ کی جگہ ہو گی، نہ فریاد کا مقام۔

وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ اور اس روز تم مجرموں یعنی کافروں کو طوق و زنجیر میں جکڑا ہوا دیکھو گے سب باہم ایک ساتھ بندھے ہوئے ہوں گے عقائد و اعمال کی مشارکت کی وجہ سے ایک ساتھ زنجیروں میں گرفتار بھی ہوں گے سعید بن منصور نے حضرت عمر بن خطابؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نیک آدمی کو نیک آدمی کے ساتھ جنت میں اور بد آدمی کو بد آدمی کے ساتھ دوزخ میں ملا دیا جائے گا یا یہ مراد ہے کہ شیطانوں کے ساتھ ان کو ملا دیا جائے گا، یا یہ مطلب ہے کہ باطل عقائد اور نادرست اعمال جو دنیا میں ان کے تھے انہی کے ساتھ ان کا جوڑ لگا دیا جائے گا یا ہاتھوں اور پاؤں کو گردنوں سے ملا کر زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا۔

اَصفاد جمع صِفد واحد، بیڑیاں، ہتھکڑیاں اور طوق، صَفَدْتُہٗ میں نے اسکو خوب مضبوطی کے ساتھ زنجیروں میں جکڑ دیا۔

سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ ان کے کرتے قطران (تارکول وغیرہ) کے ہوں گے آبل کا نچوڑا ہوا عرق جو آگ پر پکایا جائے قَطِر ان کہلاتا ہے یہ سیاہ بدبودار ہوتا ہے، خارشی اونٹوں کے بدن پر ملا جاتا ہے یہ اتنا تیز ہوتا ہے کہ تیزی کی وجہ سے خارشت کو جلا دیتا ہے۔ یہ بہت جلد آگ پکڑ لیتا ہے دوزخیوں کے بدن پر اس کو ملا جائے گا اور اس کا دوزخیوں کے جسم پر لیپ مثل کرتے کے ہو جائے گا۔

عکرمہ اور یعقوب کی روایت میں مِنْ قَطِرٍ اٰنٍ آیا ہے قَطِر کا معنی ہے پگھلا ہوا تانبا اور پیتل۔ اٰنٍ (اصل میں آنِیٌ تھا) کھولتا اُبلتا ہوا۔

وَتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ﴿۵۰﴾ اور آگ ان کے چہروں پر لپٹی ہو گی ظاہری اعضاء میں چہرہ ممتاز حیثیت رکھتا

Marfat.com

ہے اسی لئے خصوصیت کے ساتھ چہروں کا ذکر کیا جس طرح باطنی اعضاء میں دل کی حیثیت ممتاز ہے اور اسی امتیاز کی وجہ سے تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ فرمایا ہے یا یوں کہا جائے کہ جب انہوں نے حق کی طرف اپنا رخ نہیں کیا اور دماغی حواس سے غور کا کام نہیں لیا باوجودیکہ آلاتِ شعور و ادراک کی تخلیق غرض ہی یہ تھی کہ حق پر غور کرنے کا کام ان سے لیا جائے اس لئے قیامت کے دن ان کے چہروں پر آگ چھا جائے گی اور چونکہ ان کے دل و ایمان معرفت سے خالی اور جہالتوں سے پُر تھے اس لئے آگ ان کے دلوں کو جھانکے گی۔

لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ تاکہ جس شخص نے جو کچھ کیا ہے اس کا بدلہ اللہ اس کو دے دے۔ "نفس" سے مراد ہے مجرم شخص عام آدمی بھی مراد ہو سکتا ہے۔ فرماں بردار ہو یا نافرماں۔ کیونکہ مجرموں کو سزا دینے کا جب اظہار کر دیا گیا تو اطاعت گزاروں کو اطاعت کا ثواب دیا جانا معلوم ہی ہو گیا اول صورت میں لیجزی کا تعلق مقترنین یا نعشی وغیرہ سے ہو گا اور دوسری صورت میں اسکا تعلق بَرَزُوْا سے۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۵۱﴾ بے شک اللہ بہت تیز حساب لینے والا ہے سیوطیؒ نے کہا یعنی ایک سے حساب فہمی اس کو دوسرے کی حساب فہمی سے نہیں روکتی (ایک ہی وقت میں سب کا حساب لے لے گا) سیوطی نے جلالین میں یہ بھی لکھا ہے کہ آدھے دن یعنی اس دنیوی دن کی نصف مدت میں سب کی حساب فہمی کر لے گا۔ اسکا ثبوت حدیث سے ملتا ہے نخعی کا بیان ہے وہ لوگ (غالباً صحابہؓ) خیال کرتے تھے کہ قیامت کے دن اللہ لوگوں کے حساب سے آدھے دن کی مدت میں فارغ ہو جائے گا یہاں تک کہ ایک فریق جنت اور دوسرا فریق دوزخ میں قیلولہ کرے گا (دوپہر گزارے گا) رواہ ابو نعیم وابن المبارک۔

ابن ابی حاتم اور ابن مبارک نے بیان کیا کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا اس دن کا آدھا حصہ گزرنے نہ پائے گا کہ یہ (جنت والے جنت میں) اور وہ (دوزخ والے دوزخ میں) قیلولہ کریں گے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے اس کے بعد (قیلولہ کرنے کے ثبوت میں) یہ آیات تلاوت فرمائیں اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا ثُمَّ اِنَّ مَقِيْلَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ (اول آیت اہل جنت کے قیلولہ کا بیان ہے اور دوسری آیت میں دوزخیوں کے قیلولہ کا۔)

ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ وہ صرف دوپہر تک کا وقت ہو گا پھر اولیاء اللہ (جنت کے اندر) کشادہ چشم حوروں کے ساتھ مسہریوں پر (دوپہر گزاریں گے یعنی) قیلولہ کریں گے اور اللہ کے دشمن شیطانوں کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوں گے۔ میں کہتا ہوں مذکورۂ بالا اقوالِ صحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ آدھے دن سے مراد ہے آخرت کا آدھا دن (اس سے دنیوی دن کا آدھا حصہ مراد نہیں ہے)

هٰذَا یہ یعنی قرآن یا سورت یا سورت کے اندر آیت وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ میں جو وعظ و نصیحت درج ہے۔

بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ لوگوں کی نصیحت کے لئے کافی ہے (یعنی پوری نصیحت ہے)

وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾ اور تاکہ اس کے ذریعہ عذاب سے ڈرائے جائیں اور تاکہ اس بات کا یقین کر لیں کہ وہی ایک معبود برحق ہے اور تاکہ دانش مند لوگ نصیحت حاصل کریں جس عذاب قیامت سے ان کو ڈرایا جائے گا اور وہ ڈر جائیں گے تو یہ خوف ان کو غور و فکر کرنے پر آمادہ کر دے گا اور غور و تامل کے بعد وہ آیات اور نشانیاں ان کے سامنے آجائیں گی جو اللہ کی توحید کو ثابت کرنے والی ہیں۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ اللہ کو واحد لاشریک مان لیں گے اور تسلیم توحید کے بعد اللہ کی نافرمانی سے رک جائیں گے۔

ان آیات میں اللہ نے بلاغ قرآنی کے تین فائدے بیان فرمائے تمام آسمانی کتابیں نازل ہونے کی یہی تین حکمتیں ہیں:

(۱) پیغمبروں کے ذریعہ سے لوگوں کو اللہ کی نافرمانی سے ڈرانا تاکہ اتمامِ حجت ہو جائے۔

(۲) انسان کی قوتِ فکریہ کی تکمیل قوتِ فکریہ کا انتہائی کمال اعتراف توحید ہے۔

(۳) قوتِ عملیہ کی درستی جو نصیحت پذیری اور اختیارِ تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے۔

Marfat.com

# سورۃ الحجر

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۹۹ آیات اور چھ ۶ رکوع ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

الٓرٰ یہ آیتیں ہیں کامل کتاب اور واضح قرآن کی۔ تلک سے سورت کی آیات کی طرف اشارہ ہے الکتاب سے مراد سورت ہے یا قرآن۔ قرآن کی تنوین اظہارِ عظمت کے لئے ہے یہ مطلب یہ ہے کہ یہ ایسی کتاب کی آیات ہیں جو کامل کتاب بھی ہے اور عربی قرآن بھی ہے حلال کو حرام سے جُدا کرنے والا اور ہدایت و گمراہی کو کھول کر بیان کر دینے والا۔

## ..... چودھواں پارہ شروع .....

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ②

کافر لوگ بار بار تمنا کریں گے کیا خوب ہوتا اگر وہ (یعنی ہم دنیا میں) مسلمان ہوتے۔ لفظ رُبَّ اظہارِ قلت کے لئے آتا ہے لیکن اس جگہ مجازاً اظہارِ کثرت کے لئے آیا ہے تقلیل و تکثیر میں علاقہ تضاد ہے یا اس بات پر تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ اگر ان کو اسلام سے کچھ بھی مودّت ہوتی خواہ ایک ہی بار ہوتی تو ضرور جلد از جلد اسلام کے دائرے میں آجاتے پس جب ان کو اسلام کی مودّت بہت زیادہ ہے تو پھر کفر پر قائم رہنا تعجب انگیز ہے یا تکثیر سے اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کی مودّت ان کے دلوں میں اتنی زیادہ ہو گئی ہے جو ناقابلِ بیان ہے پس قلت کا لفظ ہی اس کے لئے کافی ہے۔ بعض اہل تفسیر کے نزدیک رُبَّ اس جگہ اظہارِ قلت کے لئے ہی ہے کیونکہ قیامت کی ہولناکیاں ان کو دہشت زدہ بنائے ہوئے ہوں گی۔ اگر کسی وقت کچھ ہوش ہوگا تو مسلمان ہونے کی تمنا کریں گے۔

مَا رُبَمَا میں کافّہ ہے اس لئے فعل پر داخل ہونا جائز ہے (ورنہ رُبَّ حرفِ جر ہے جو صرف اسم پر داخل ہوتا ہے) مناسب تو یہ تھا کہ اس کے بعد فعل ماضی آتا لیکن اللہ کے بیان میں آئندہ ہونے والا واقعہ بھی گزشتہ کی طرح یقینی ہوتا ہے اس لئے ماضی کی جگہ مضارع کا استعمال بھی ماضی ہی کی طرح ہے۔ ابن جریر، ابن مبارک اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ اور حضرت انسؓ کے متعلق بیان کیا کہ ان دو بزرگوں نے اس آیت کے ذیل میں فرمایا، اللہ جب دوزخ کے اندر مشرکوں اور گناہ گار مسلمانوں کو جمع کرے گا تو مشرک مسلمانوں سے کہیں گے تم کو بھی تمہارے اعمال کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے اس پر اللہ ناراض ہو کر مسلمانوں کو دوزخ سے باہر نکال دے گا (رہا کر دے گا بخش دے گا) ہناد، سعید بن منصور اور بیہقی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اللہ شفاعت قبول فرما کر مسلسل جنت میں داخل فرمائے گا اور شفاعت کے بعد رحم فرمائے گا بالآخر فرمائے گا جو بھی مسلمان ہو جنت میں چلا جائے (اس وقت کافر تمنا کریں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے) آیت رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ کا یہی مطلب ہے۔

Marfat.com

طبرانی نے الاوسط میں صحیح سند کے ساتھ حضرت جابرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا میری امت کے کچھ لوگوں کو گناہوں کی وجہ سے عذاب دیا جائے گا اور وہ دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اور جتنی اللہ چاہے گا میں گے پھر (دوزخ کے اندر) مشرک ان کو طعن دیں گے کہ تم نے جو تصدیق کی تھی (اور ایمان لائے تھے) اس سے تم کو کوئی فائدہ نہ ہوا۔ اس پر اللہ ہر مومد کو دوزخ سے نکال لے گا کسی موحد کو آگ کے لئے نہیں چھوڑے گا یہ فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ نے آیت رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ تلاوت فرمائی۔ طبرانی، ابن عاصم اور بیہقی نے حضرت ابو موسیٰؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب دوزخی دوزخ میں جمع ہو جائیں گے اور حسب مشیت خدا ان کے ساتھ کچھ اہل قبلہ بھی ہوں گے تو کافر مسلمانوں سے کہیں گے کیا تم مسلمان نہ تھے۔ مسلمان کہیں گے تھے کیوں نہیں، کافر کہیں گے تو اسلام سے تم کو کیا فائدہ ہوا۔ تم بھی ہمارے ساتھ دوزخ میں آگئے تو مسلمان کہیں گے ہمارے کچھ گناہ تھے جن کی وجہ سے اللہ نے ہم کو پکڑ لیا۔ یہ گفتگو اللہ سنے گا تو حکم دے گا اہل قبلہ میں سے جو بھی دوزخ کے اندر ہو اس کو نکال لیا جائے چنانچہ سب مسلمان نکال لئے جائیں گے دوزخی کافر جب یہ بات دیکھیں گے تو کہیں گے کاش ہم بھی مسلمان ہوتے تو ہم کو بھی ان (مسلمانوں) کی طرح نکال لیا جاتا پھر حضور ﷺ نے آیت رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ تلاوت فرمائی۔

بغوی کی روایت میں اس حدیث میں اتنا زائد آیا ہے کہ اللہ ہر اہل قبلہ کے نکالنے کا حکم دے گا اور سب کو نکال لیا جائے گا اس وقت کافر تمنا کریں کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے۔

طبرانی کا بیان ہے کہ حضرت ابو سعید خدریؓ سے دریافت کیا گیا۔ آپ نے کیا اس آیت کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کو کچھ فرماتے سنا ہے۔ فرمایا ہاں میں نے سنا ہے حضور ﷺ فرما رہے تھے، انتقام لینے کے بعد اللہ دوزخ سے اپنی مشیت کے موافق مؤمنوں کو نکال لے گا (لیکن شروع میں) جب مشرکوں کے ساتھ ان مسلمانوں کو دوزخ کے اندر اللہ داخل فرما دے گا تو مشرک کہیں گے تم تو دنیا میں دعویٰ کرتے تھے کہ ہم اللہ کے دوست ہے پھر آج ہمارے ساتھ دوزخ میں کیوں ہو۔ یہ بات سماعت فرمانے کے بعد اللہ شفاعت کی اجازت دے دے گا فوراً فرشتے اور انبیاء اور مؤمن شفاعت کریں گے یہاں تک کہ ان گناہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے بحکم خدا نکال لیا جائے گا۔ مشرک یہ بات دیکھ کر کہیں گے کاش ہم بھی تمہاری طرح ہوتے اور تمہاری طرح ہماری بھی شفاعت ہو جاتی۔ ان (رہا شدہ) مسلمانوں کے چہرے چونکہ سیاہ ہوں گے اس لئے (مسلمان) ان کو جہنمی کہیں گے ان کا نام جہنمی ہو جائے گا لیکن وہ اللہ سے دعا کریں گے اے ہمارے رب ہم سے یہ نام الگ کر دے، حکم ہو گا نہر حیات میں غسل کریں گے۔ غسل کے بعد ان کے چہرے گورے چمکدار ہوں جائیں گے اور یہ نام (یا خطاب) ان کا نہیں رہے گا۔

ابن جریر نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ یہ (کافروں کی تمنا) اس وقت ہو گی جب گناہ گار مسلمانوں کو دوزخ سے نکالا جا رہا ہو گا ہناد نے اس آیت کے ذیل میں مجاہد کا قول نقل کیا ہے کہ اس وقت لا الہ الا اللہ کا ہر قائل (یعنی ہر مسلمان) دوزخ سے نکل آئے گا۔

ذَرْهُمْ يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا وَيُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ (اے محمد ﷺ) آپ ان (کافروں) کو رہنے دیجئے کہ کھائیں اور (دنیا کے) مزے اڑائیں اور (آخرت کی تیاری سے) ان کو (طول زندگی کی) امید روکے رہے (جب عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیں گے تو) اپنی بد انجامی ان کو خود معلوم ہو جائے گی۔

اس کلام کا اصل مقصد یہ ہے کہ کافروں کے ایمان لانے سے آپ ناامید ہو جائیں اور سمجھ لیں کہ اللہ کے علم میں ان کافروں کی شقاوت لکھی ہوئی ہے اگرچہ اللہ نے ان کو نصیحت کی ہے مگر یہ ایمان نہیں لائیں گے نصیحت سے ان کو کوئی فائدہ نہ ہو گا۔ آیت میں اتمام حجت بھی ہے اور عیش پرستی سے باز داشت بھی اور طول امید کے نتیجہ سے تحذیر بھی۔

وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ ۝ اور ہم نے جتنی بستیاں ہلاک کی ہیں ان کے لئے ایک معین وقت نوشتہ تھا۔ یعنی لوح محفوظ میں اسکی ہلاکت کا وقت لکھا ہوا تھا جو اللہ کو معلوم تھا۔

Marfat.com

مَا نُسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۝۵ کوئی قوم اپنے مقررہ وقتِ ہلاکت سے پہلے ہلاکت کی طرف نہ بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے رہ سکتی ہے یعنی مقررہ وقت سے نہ پہلے ہلاکت ہو سکتی ہے نہ پیچھے۔

وَقَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۝۶ اور (ان کافروں نے بطورِ استہزاء) کہا اے وہ شخص جس پر قرآن اُتارا گیا ہے تو بلا شبہ پاگل ہے یعنی دیوانوں کی ایسی باتیں کرتا ہے کہ کہتا ہے مجھ پر قرآن اتارا گیا ہے۔

لَوْمَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷ اگر تو (نبوت کے دعویٰ میں سچا ہے تو ہمارے سامنے (شہادت دینے کے لئے) فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا جو تیرے دعویٰ کی صداقت کی شہادت دیں اور تیری تائید کریں یہی مطلب دوسری آیت میں بھی ادا کیا گیا ہے فرمایا ہے لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا یا یہ مطلب ہے کہ ہم جو تکذیب کر رہے ہیں ہم کو عذاب دینے کے لئے فرشتوں کو کیوں نہیں لے آتا جس طرح سابق امتوں کو ہلاک کرنے کے لئے فرشتوں کا نزول ہوا تھا۔

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِيْنَ ۝۸ ہم (عذاب کے) ملائکہ کو نہیں اتارتے ہیں مگر حق (عذاب) کے ساتھ (یعنی اس عذاب کے ساتھ جس کے نازل کرنے کا قطعی فیصلہ اللہ کے نزدیک ہو چکا ہوتا ہے) اور اس وقت (کافروں کو) مہلت نہیں دی جاتی۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۝۹ بلا شبہ ہم نے ہی قرآن اُتارا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

اس کلام سے پُرزور طور پر کافروں کے انکار اور استہزاء کی تردید کر دی گئی۔ "حفاظت کرنے" سے مراد ہے ہر قسم کی الفاظ کے تغیّر ردّ و بدل اور کمی بیشی سے حفاظت؛ اب کسی طور پر بگاڑ اور تغیّر اس میں ممکن نہیں۔ یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہے اگر ایسا نہ ہوتا تو اس میں تحریف و تغیّر کا امکان ہوتا اور دین کے دشمن نکتہ چینی کر سکتے۔ افسوس کہ رافضی گروہ اس آیت کے باوجود قرآن کو بگڑا ہوا (اور ناقص) قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ (چالیس پارے تھے) حضرت عثمانؓ نے دس پارے جلوا دیئے۔

بعض اہلِ تفسیر کے نزدیک لَهٗ کی ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف راجع ہے۔ اسی کے ہم معنی ہے آیت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ یعنی رسول اللہ کو کوئی بد اندیش ضرر نہیں پہنچا سکے گا اللہ ان کا حافظ ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ ۝۱۰ اور ہم نے آپ سے پہلے بھی پچھلی امتوں میں پیغمبر بھیجے۔ شِیَع جمع ہے شیعۃ مفرد۔ شیعہ وہ جماعت ہے جو متفق الرائے ہو اور کسی بات پر متحد ہو شاعہ اس کا اتباع کیا اس کے پیچھے چلا، چھوٹی لکڑیاں جن کو آگ لگا کر بڑی لکڑیوں کو ان کے ذریعہ سے جلایا جاتا ہے شِیاع کہلاتی ہے۔

وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۱ اور جو پیغمبر بھی ان کے پاس پہنچا وہ اس سے ٹھٹھول کرتے رہے۔ جیسا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کرتے تھے اس جملے میں رسول اللہ ﷺ کے لئے پیامِ تسلی ہے۔

كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ ۝۱۲ اسی طرح ہم یہ استہزاء ان مجرموں کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں "المجرمین" سے مراد ہیں مشرکینِ مکہ یعنی جس طرح گزشتہ کافر امتوں کے دلوں میں ہم نے کفر و استہزاء کو داخل کر دیا تھا اسی طرح مکہ کے ان مشرکوں کے دلوں میں بھی ہم کفر و استہزاء کو داخل کرتے ہیں سلک (پرونا) ایک چیز کا دوسری چیز میں داخل کرنا جیسے سوئی میں ڈورے کو اور زخمی میں نیزے کی نوک کو داخل کر دینا۔ اس آیت میں فرقۂ قدریہ کے قول کا رد ہے (فرقۂ قدریہ قائل ہے کہ وہ اپنے افعال کا خود خالق ہے) آیت بتا رہی ہے کہ کافروں کے دلوں میں کفر و استہزاء کو



Marfat.com

پیدا کرنا اللہ کا کام ہے۔

لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ اسی وجہ سے یہ لوگ قرآن پر ایمان نہیں لاتے۔

وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۳﴾ اور گزشتہ لوگوں کا طریقہ بھی (ایسا ہی) گزرا ہے یعنی اللہ کا طریقہ ان کے ساتھ یہی رہا ہے کہ اللہ نے ان کی مدد نہیں کی اور کفر کو ان کے دلوں میں داخل کر دیا یہ مطلب ہے کہ پیغمبروں کی تکذیب کرنے والوں کو تباہ کر دیا۔

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِیْهِ یَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ اور اگر ان (طلبگارانِ آیت) پر ہم آسمان کا کوئی دروازہ کھول دیں اور (فرشتے) اس میں چڑھنے لگیں یعنی ان کافروں کو اپنی آنکھوں سے فرشتے چڑھتے دکھائی دیں۔

حسن نے کہا یَعْرُجُوْنَ اور ظَلُّوْا کی ضمیریں کافروں کی طرف لوٹ رہی ہیں یعنی کافر خود آسمان کی طرف چڑھنے لگیں اور دن کی روشنی میں عجائب آسمانی دیکھتے رہیں۔

لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا تب بھی (یہی) کہیں گے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے یعنی جادو کے زور سے ہماری نگاہوں کو بند کر دیا اور دیکھنے سے روک دیا گیا ہے۔

سُكِّرَتْ لفظ سُکْر سے ماخوذ ہے۔ سُکْر کا معنی ہے نہر کو بند کر دینا روک دینا (قاموس) کذا قال ابن عباسؓ۔ حسن بصریؒ نے سُکِّرَتْ کا ترجمہ کیا ہے "ہماری آنکھوں کو جادو زدہ کر دیا گیا ہے" کلبی نے ترجمہ کیا "ہماری بینائی کر دیا گیا ہے" اور قتادہ نے کہا "پیچھے کر دیا گیا" قاموس میں سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا کا ترجمہ کیا گیا ہے "دیکھنے سے روک دی گئیں، حیران کر دی گئیں، ان پر پردہ ڈال دیا گیا"۔

بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ بلکہ ہم سحر زدہ لوگ ہیں ہم پر محمد ﷺ نے جادو کر دیا۔ یہی بات کافروں نے دوسرے معجزات کو دیکھ کر بھی کہی تھی اِنَّمَا اور بَلْ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ کافروں کو اس امر کا قطعی یقین تھا کہ قرآن کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ ایک بے حقیقت جادو ہے جو کافروں کی قوتِ خیالیہ کو متاثر کر دیتا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا اور یہ حقیقت ہے کہ ہم نے آسمان میں بڑے بڑے ستارے بنائے ہیں۔

"بُرج" بڑا ستارہ، تبرج سے یہ لفظ ماخوذ ہے تبرج کا معنی ہے ظاہر ہونا تَبَرَّجَتِ الْمَرْاَةُ عورت نمودار ہو گئی عطیہ نے کہا بُرُوج آسمان کے اندر بڑے بڑے محلات ہیں اس آیت میں بُرُوج سے مراد وہ معنی نہیں ہیں جو اہل ہیئت کی اصطلاح میں آتا ہے۔ اہل ہیئت کے اصطلاحی معنی کا وجود مندرجہ ذیل اُمور پر موقوف ہے۔ تمام آسمان باہم جڑے ہوئے اور ایک دوسرے پر حاوی ہوں کہ نویں آسمان کے گھومنے سے سب اسی طرح گھومنے پر مجبور ہوں جس طرف نویں آسمان کی حرکت ہو، پھر نویں آسمان کی حرکت کے لئے ایک منطقہ اور دو قطب ہوں، پھر آٹھویں آسمان جس کو فلکِ ثوابت کہا جاتا ہے، کے لئے بھی ایک منطقہ اور دوسرے دو قطب ہوں اور سورج آٹھویں آسمان کے منطقہ پر قائم ہو اور دونوں منطقوں کا باہم تقاطع بھی ہو اور چاروں قطبوں کے درمیان ایک خط بھی کھینچا جائے جس سے چار قوس پیدا ہو جائیں اور ہر قوس میں تین بُرج ہوں۔ اس تمام خرافات کا شریعت انکار کرتی ہے شریعت سے آسمانوں کی حرکت ثابت نہیں بلکہ ستاروں کی حرکت ثابت ہوتی ہے اور ہر آسمان کا دوسرے آسمان سے فاصلہ پانچ سو برس کی راہ کے بقدر بتلایا گیا ہے (ایک آسمان کا دوسرے آسمان سے چسپاں ہونے کا انکار اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے) اور شریعت کے نزدیک آسمانوں کی تعداد سات سے اس سے زائد نہیں۔

وَزَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ﴿۱۶﴾ اور ہم نے (روشنی کی وجہ سے) ان برجوں کو یا (چاند سورج اور ستاروں کی وجہ سے) آسمان کی زینت عطا کی ہے۔

وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ ﴿۱۷﴾ اور ہر شیطان مردود سے آسمان کو محفوظ کر دیا ہے کوئی شیطان آسمان والوں کو بہکانے یا وہاں کے احوال معلوم کرنے یا وہاں کے انتظام میں دخل دینے کے لئے نہیں چڑھ سکتا۔

Marfat.com

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول لکھا ہے کہ پہلے آسمان تک پہنچنے سے شیطانوں کی روک ٹوک نہ تھی وہ جا کر آسمانوں کی خبریں لاتے اور کاہنوں کے دلوں میں القاء کرتے تھے جب حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے تو تین بالائی آسمان پر جانے سے شیطانوں کو روک دیا گیا لیکن رسول اللہ ﷺ کی میلاد مبارک ہوئی تو باقی چار آسمانوں تک جانے کی بھی ممانعت کر دی گئی اب جو کوئی شیطان چوری چھپے (اوپر جا کر) کوئی خبر سن پاتا تھا فوراً اس پر (ٹوٹنے والا ستارہ بشکل) انگارا مارا جاتا تھا، ان شیطانوں کی جب کامل بندش ہو گئی تو انہوں نے اس کی شکایت ابلیس سے کی۔ ابلیس نے کہا زمین میں یقیناً کوئی نیا حادثہ ہوا ہے جا کر دیکھو شیطان زمین پر آئے اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو قرآن کی تلاوت کرتے پایا کہنے لگے واللہ یہی نئی بات پیدا ہوئی ہے۔

اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾

ہاں جو چوری سے سُن پاتا ہے تو اس کے پیچھے روشن شعلہ آتشیں آپڑتا ہے "شہاب" آتشیں شعلہ جو ستاروں سے نکلتا ہے۔ بغوی نے چوری سے سننے اور پیچھے سے شعلہ آتشیں پڑنے کی یہ تفصیل بتائی ہے کہ شیاطین نیچے سے آسمانِ دنیا تک ایک کے اوپر ایک سوار ہو کر (گویا) سیڑھیاں بنا لیتے ہیں اور چوری چھپے فرشتوں کی کچھ باتیں وہ سن لیتے ہیں فرشتے (مطلع ہو کر) ان پر آتشیں شعلے مارتے ہیں کوئی انگارہ خطا نہیں جاتا۔ انگارہ پڑنے سے کوئی تو مر جاتا ہے کسی کا چہرہ یا پہلو یا ہاتھ یا کوئی اور حصہ حسبِ مشیتِ الٰہی جل جاتا ہے کوئی بدحواس اور پاگل ہو جاتا ہے، اور بھوت بن جاتا ہے جو زمین پر آ کر جنگلوں میں مسافروں کو سیدھے راستہ سے بھٹکاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب آسمان میں اللہ کسی کام کا کوئی فیصلہ کرتا ہے تو اطاعت اور احترام کے زیر اثر فرشتے اپنے بازو پھڑ پھڑاتے ہیں اور ایسی آواز پیدا ہوتی ہے جیسے پتھر کی چٹان پر کسی زنجیر کے لگنے سے ہوتی ہے جب دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو (آپس میں) پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا فرمایا دوسرے فرشتے جواب دیتے ہیں جو کچھ فرمایا بلاشبہ حق ہے، وہی (سب سے) بزرگ و بالا ہے چوری سے سننے والے ایک کے اوپر ایک لگے ہوتے ہیں چنانچہ (سب سے اوپر) چوری سے سننے والا کوئی بات سن پاتا ہے اور اپنے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اور نیچے والا اپنے سے نیچے والے کو بتا دیتا ہے اس طرح سب سے نیچے والا جادوگر یا کاہن کی زبان پر وہ بات لے آتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نیچے والے تک پہنچانے سے پہلے اوپر والے پر شعلہ آتشیں آپڑتا ہے اور کبھی آتشیں شعلہ پہنچنے سے پہلے وہ نیچے والے کو بتا چکتا ہے ساحر یا کاہن (اس ایک بات میں) سو جھوٹ ملا کر بیان کرتا ہے (جب وہ ایک بات جو کاہن کی زبان سے لوگ سنتے اور وہ واقع ہو جاتی ہے تو) کہا جاتا ہے کیا کاہن نے ہم سے ایسی ایسی بات پہلے ہی نہ کہہ دی تھی چنانچہ اس ایک آسمانی بات کی وجہ سے کاہن کی دوسری خرافات کی بھی) تصدیق کی جاتی ہے۔ رواہ البخاری۔

بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ فرشتے بادل میں اترتے ہیں اور وہاں اس بات کا تذکرہ ہوتا ہے جس کا فیصلہ آسمان پر ہو چکا ہے کوئی شیطان اس کو چوری سے سن پاتا ہے اور جا کر کاہن کے دل میں ڈال دیتا ہے، کاہن اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹ ملا کر بیان کر دیتے ہیں، یہ روایت بخاری کی بھی ہے اور بغوی کی بھی۔ سند میں فرق ہے۔

وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا — اور ہم نے (پانی پر) زمین کو بچھایا۔

وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ — اور زمین میں ہم نے جمے ہوئے پہاڑ قائم کر دیئے پہلے زمین لرزتی تھی اللہ نے اس میں پہاڑوں کی میخیں قائم کر دیں۔

وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ﴿۱۹﴾ — اور ہم نے زمین میں یا پہاڑوں میں یا دونوں میں ہر مناسب چیز پیدا کی۔

مَوْزُوْن سے مراد یا تو یہ ہے کہ حسبِ تقاضائے حکمت مقرر مقدار میں پیدا کی یا مَوْزُوْن سے مراد مناسب جو نازیبا نہ ہو جیسے کلامٌ موزونٌ کہا جاتا ہے۔ یا موزوں سے مراد یہ ہے کہ ہم نے ایسی چیزیں پیدا کیں جو دوسری نعمتوں میں اپنا خصوصی وزن (اور مرتبہ) رکھتی ہیں یا قابلِ وزن معدنیات مراد ہیں جیسے سونا، چاندی، لوہا، تانبا، ہڑتال، سُرمہ وغیرہ بلکہ یاقوت زبرجد

Marfat.com

، فیروزہ وغیرہ بھی پہاڑوں کی پیداوار ہے۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ اور زمین میں یا پہاڑوں میں ہم نے تمہارے لئے اسباب زندگانی پیدا کئے کھانے پینے کی چیزیں، لباس کی چیزیں، دوائیں، 'معاش' معیشت کی جمع ہے دنیوی زندگی کے اسباب۔

وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ ﴿۲۰﴾ اور ان (چوپایوں) کو بھی ہم نے پیدا کیا جن کو تم رزق دینے والے نہیں (ہم ہی رزق دیتے ہیں)

اس جگہ لفظ مَن (جو عربی زبان میں صرف عقل والی مخلوق کے لئے وضع کیا گیا ہے جیسے انسان فرشتہ، جن) بمعنی مَا کے ہے (کیونکہ اس جگہ چوپائے مراد ہیں اور چوپائے عقل والے نہیں قرار دیئے جاتے) اسی طرح آیت فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ میں مَنْ سے مراد جانور ہیں اس آیت میں بھی مَنْ بمعنی مَا کے ہیں۔

بعض علماء نے کہا مَنْ سے مراد بال بچے، خادم، غلام، باندی اور چوپائے وغیرہ ہیں اہل کفر خیال کرتے تھے کہ ان سب کو ہم کھلاتے پلاتے اور پرورش کرتے ہیں، آیت میں اس کی تردید کر دی گئی اور فرمایا ہم ان کو رزق دیتے ہیں، بعض علماء نے اس طرح ترجمہ کیا ہے، ہم نے تمہارے اور ان کے لئے جن کے تم رازق نہیں ہو اسباب زندگانی پیدا کئے ہیں۔ اللہ نے مذکورہ بالا آیات میں اپنی ہستی کمال قدرت، ہمہ گیر حکمت، استحقاق الوہیت اور توحید ذاتی و صفاتی کے لئے مذکورہ اشیاء کی تخلیق کو پیش کیا ہے اور بندوں کو اپنے انعامات کی یاد دہانی کی ہے تاکہ لوگ دوسروں کو اس کا شریک نہ بنائیں اور تنہا اسی کو معبود سمجھیں، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کریں، کفران نعمت نہ کریں۔

وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ ز اور جتنی چیزیں ہیں ہمارے پاس سب کے خزانے (بھرے پڑے) ہیں۔ یعنی ہماری قدرت ایسی ہمہ گیر ہے جتنی مخلوق ہم نے پیدا کی ہے اور جو چیز بنائی ہے اس سے کتنے ہی گنا زائد ہم پیدا کر سکتے ہیں۔ خزانے موجود ہونے سے مراد ہے قدرت کے اتھاہ ہونے کا بیان۔ یا اللہ نے اپنی مقدورات کو خزانوں سے تشبیہ دی جو جمع شدہ اور موجود ہوتے ہیں ان میں سے ہر وقت جو چاہو نکال سکتے ہو اللہ کے مقدورات بھی ایسے ہی ہیں اللہ جب چاہے اور جتنا حصہ چاہے اور مقدورات میں سے عالم ظہور میں لا سکتا ہے اور پیدا کر سکتا ہے اور آیت ذیل میں جو اتارنے کا لفظ استعمال کیا ہے اس سے مراد پیدا کر دینا اور عالم خارجی میں بالفعل لے آنا ہے۔

وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ ﴿۲۱﴾ اور ہم اس کو (یعنی ہر چیز کو) ایک معین مقدار سے ہی اتارتے ہیں قدر یعنی جس کو پیدا کرنا ازل میں مقدر ہو چکا ہو اور جس کی مقدار اللہ کو معلوم ہے۔

(مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا) میں کہتا ہوں، ممکن ہے کہ "خزائن" سے مراد اعیان ثابتہ ہوں (یعنی وہ حقائق امکانیہ جو اللہ کے علم میں ثابت ہوں۔ مترجم) اور اتارنے سے مراد ہو ان اعیان حقیقیہ کو وجود ظلی عطا کرنا (یعنی خارج میں موجود کر دینا، خارجی وجود کو اہل تصوف وجود ظلی کہتے ہیں یعنی وجود ظلی پر تو ہے اور حقائق امکانیہ جو علم خداوندی میں ثابت ہیں وہ اصل ہیں۔ وجود خارجی انہی کا پرتو ہے مترجم) بغوی نے لکھا ہے کہ امام جعفر صادق نے فرمایا مشکی اور سمندر میں اللہ نے جو کچھ پیدا کیا ہے سب کی تمثال (وجود مثالی یعنی حقیقت امکانیہ، مترجم) عرش میں ہے اور آیت وَإِنْ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ کی یہی تفسیر ہے۔ میں کہتا ہوں شاید امام کی مراد عرش سے عالم مثال ہے جس طرح انسان کا محل خیال دماغ ہے (اور وجود خارجی وجود خیالی کے ظہور خارجی کا نام ہے) اسی طرح عالم کبیر (کے ظہور خارجی) کا محل عالم مثال ہے اور محل تمثال عرش ہے۔

بعض علماء کا قول ہے کہ خزائن سے مراد بارش ہے۔ بارش ہر چیز کا خزانہ ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ روایت میں آیا ہے کہ آسمان سے جو قطرہ اترتا ہے اس کے ساتھ ایک فرشتہ ضرور ہوتا ہے یہ فرشتہ اس بوند کو اس جگہ تک ضرور پہنچاتا ہے جہاں پہنچانے کا حکم ہوتا ہے۔

وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ اور ہم ہواؤں کو بھیجتے ہیں جو بادلوں کو پانی سے بھر دیتی ہیں۔ لَوَاقِحَ، لَاقِحَةٌ کی

Marfat.com

جمع ہے، لَاقِحَۃٌ حاملہ۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ملاقح کی بیع کی ممانعت فرمائی ہے یعنی جو بچہ اونٹنی کے پیٹ کے اندر ہو تنہا اس کی بیع بغیر اس کی ماں جائز نہیں۔ یا لَوَاقِحَ لَقُوْحٌ کی جمع ہے نَوْقٌ دودھ دینے والی اونٹنی۔ بہر حال اس جگہ وہ ہوائیں مراد ہیں جو برسنے والے بادل کو اپنے اوپر اٹھائے ہوتی ہیں۔ بیضاوی نے لکھا ہے ابر بار اں کو اٹھانے والی ہواؤں کو جس طرح لَوَاقِح کہتے ہیں اسی طرح عَقِیم (ناقابلِ تولید) اس ہوا کو کہتے ہیں جو برسنے والے بادل کی حامل نہ ہو۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، اللہ ہوا کو بھیجتا ہے ہوا پانی کو اٹھا کر لاتی ہے۔ بادل پانی کو لے کر ہوا کی وجہ سے چلتا ہے اور اونٹنی کے دودھ دینے کی طرح پانی برستا ہے۔

ابو عبید نے کہا، لواقح کا معنی ہے ملاقح۔ ملاقح کا مفرد ملقحۃ ہے جس کا ترجمہ ہوا حاملہ کرنے والی ہوائیں یعنی وہ ہوائیں جو پھلوں کے تخم درختوں میں ڈالتی ہیں اور ان کو حاملہ کرتی ہیں۔ عبید بن عمیر نے کہا پہلے اللہ خوش خبری (یعنی بارش کی خوش خبری) دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو زمین کو صاف کر دیتی ہیں پھر بادلوں کو اٹھا کر لانے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو بادلوں کو اٹھا کر لاتی ہیں۔ پھر منتشر بادلوں کو یکجا کرنے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو آبر کے مختلف ٹکڑوں کو یکجا کر کے تہ بر تہ کر دیتی ہیں پھر حاملہ کرنے والی ہوائیں بھیجتا ہے جو درختوں میں پھل پیدا کر دیتی ہیں (گویا درخت حاملہ ہو جاتے ہیں) ابو بکر بن عیاش نے کہا جب تک چاروں ہوائیں اپنا اپنا عمل پورا نہیں کرتیں کوئی قطرہ نہیں اترتا۔ پروا بادل کو اٹھا کر لاتی ہے، شمالی ہوا بادل کو جمع کرتی ہے جنوبی ہوا بادل کو برساتی ہے اور نکھی ہوا بادل کو منتشر کر دیتی ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ لواقح جنوبی ہوائیں ہیں بعض آثار صحابہ میں آتا ہے، جب بھی جنوبی ہوا چلتی ہے انگور کے خوشے (ساتھ) اٹھا کر لاتی ہے اور ریح عقیم عذاب کو لاتی ہے پھل نہیں پیدا کرتی۔

بغوی نے امام شافعیؒ و طبرانی کی سند سے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب کبھی کوئی تیز ہوا چلتی تھی رسول اللہ ﷺ فوراً دوزانو بیٹھ کر دعا کرتے تھے، اے اللہ اسکو رحمت بنا دے عذاب نہ بنا اے اللہ اس کو رحمت کی ہوائیں کر دے عذاب کی آندھی نہ کر دینا۔ (رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں رحمت کی ہواؤں کے لئے لفظ رِیاح بصیغۂ جمع اور عذاب کی آندھی کے لئے لفظ ریح استعمال فرمایا ہے) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا لفظ ریح سے مراد وہ ریح ہے جس کا ذکر آیت اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا۔ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الرِّیْحَ الْعَقِیْمَ میں اللہ نے کیا ہے اور لفظ رِیاح سے مراد وہ ریاح ہے جس کا ذکر آیت اَرْسَلْنَا الرِّیَاحَ لَوَاقِحَ وَ یُرْسِلُ الرِّیَاحَ مُبَشِّرَاتٍ میں اللہ نے کیا ہے۔

فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ ۚ پھر ہم نے بادل سے پانی نازل کیا اور اس سے تم کو سیراب کیا یعنی بارش کو تمہارے لئے سیرابی بنا دیا۔ عربی محاورے میں سَقَیْتُ الرَّجُلَ مَاءً اَوْ لَبَنًا کا معنی ہے میں نے اسکو پانی یا دودھ پلا کر سیراب کر دیا اور اسقیت الرجل کا معنی ہے میں نے اس کو پانی دے دیا تا کہ وہ اپنی زمین یا جانوروں کو سیراب کرے۔

وَمَاۤ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ ﴿۲۲﴾ اور تم اس (پانی) کو اپنے پاس جمع رکھنے والے نہیں ہو یعنی بارش کا خزانہ ہمارے پاس ہے تمہارے پاس نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ چشموں اور کنوؤں وغیرہ میں پانی جمع رکھنا تمہارا کام نہیں (یہ ہمارے اختیار میں ہے) جس طرح مختلف جہات سے حرکت لوگوں کے فائدے کے لئے ہوتی ہے اسی طرح پانی کی بارش بھی منافع سے پُر ہے اور یہ سب قادر و حکیم کی تدبیر اور نظم کا نتیجہ ہے ورنہ پانی کی فطرت تو نیچے جانے کا تقاضا کرتی ہے مگر اس کو کسی حد پر روک لینا بغیر کسی خاص سبب کے نہیں ہو سکتا۔

وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ اور بلاشک و شبہ ہم ہی زندہ کرتے اور موت دیتے ہیں۔ یعنی دلوں کو معرفت سے اور اجسام کو نفس حیوانی و نباتی کا تعلق پیدا کر کے زندہ کرتے ہیں اور ان سے تعلق کاٹ کر مردہ کر دیتے ہیں۔

وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ اور ہم ہی باقی رہنے والے ہیں۔ ہمارے سوا کوئی زندہ باقی نہیں رہے گا مردہ کے بعد زندہ باقی رہنا اور اسکا وارث ہوتا ہے بطور استعارہ فنائے مخلوق کے بعد خالق کے باقی رہنے کو وراثت سے تعبیر کیا۔

Marfat.com

وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ ﴿۲۴﴾ اور ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور ہم تمہارے پچھلوں سے بھی واقف ہیں، یعنی ہم سے تمہاری کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ سابق آیت میں اپنی قدرتِ کاملہ کی دلیل بیان کی تھی۔ اس آیت میں اپنے علم کی ہمہ گیری کا اظہار فرمایا جو قدرت کی دلیل ہے اسی سے قدرت کا ثبوت ہو جاتا ہے (قدرت بغیر علم کے ناممکن ہے) بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، مستقدمین سے مردے اور متأخرین سے زندے مراد ہیں۔ شعبی نے کہا اگلے پچھلے لوگ مراد ہیں عکرمہ کا قول ہے، مستقدمین سے مراد وہ لوگ ہیں جو پیدا ہو چکے ہیں اور اپنے آباء کی پشت سے برآمد ہو گئے ہیں اور متأخرین سے مراد وہ لوگ ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے نہ اپنے باپوں کی پشت سے باہر آئے۔ مجاہد کے نزدیک گزشتہ اقوام مستقدمین ہیں اور امتِ محمدیہ متأخرین سے مراد ہے۔ حسن نے کہا طاعت وخیر میں آگے بڑھنے والے مستقدمین ہیں اور طاعت وخیر میں سستی کرنے اور پچھڑنے والے متأخرین ہیں۔

بعض علماء کا قول ہے کہ مستقدمین ومتأخرین سے مراد نمازیوں کی اگلی پچھلی صفیں ہیں۔ ابن مردویہ کا بیان ہے کہ داؤد بن صالح نے حضرت سہل بن حنیف انصاری سے دریافت کیا کیا یہ آیت جہاد کے سلسلہ میں نازل ہوئی (یعنی مستقدمین و متأخرین سے کیا مجاہدین مراد ہیں) حضرت سہل نے فرمایا نہیں اس کا نزول نمازیوں کی صفوں کے متعلق ہوا تھا مقاتل کے نزدیک جہاد کی صفوں میں آگے پیچھے رہنے والے مراد ہیں ابن عیینہ کے نزدیک وہ لوگ مراد ہیں جو مسلمان ہو چکے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے۔ اوزاعی کے نزدیک اول وقت اور آخر وقت میں نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا ایک خوبصورت عورت رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہی تھی کچھ لوگ اگلی صف میں بڑھ گئے تاکہ نماز میں (رکوع میں بھی) عورت پر نظر نہ پڑے اور کچھ لوگ اتنے پیچھے ہو گئے کہ آخری صف میں پہنچ گئے ان میں سے بعض لوگ رکوع میں گئے تو اپنی بغلوں کے نیچے سے عورت کو دیکھنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ ابن حبان، حاکم، حاکم نے اس کو صحیح کہا ہے)

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ اور بے شک آپ کا رب (قیامت کے دن) ان سب کو محشور کرے گا وہ بلاشبہ بڑی حکمت اور علم والا ہے یعنی سب کو جمع کر کے بلاشک وشبہ ہر ایک کو اس کے ہر عمل کا بدلہ دے گا۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص جس چیز پر مرے گا اللہ اسی چیز پر اس کو اٹھائے گا (رواہ احمد والحاکم والبیہقی) ضمیر ھو کا اضافہ بتا رہا ہے کہ اللہ ہی قادر اور سب لوگوں کو اٹھانے کا تنہا ذمہ دار ہے اس فعل میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ حکیم ہے یعنی اس کی حکمت نمایاں اور اس کی ہر صنعت محکم ہے۔ علیم ہے اس کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ اور بلاشبہ ہم نے انسان کو پیدا کیا (یعنی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے تیار کی ہوئی تھی الانسان (میں الف لام جنسی ہے اس) سے مراد ہے جنسِ بشر یعنی حضرت آدمؑ کو پیدا کیا۔ انسان کی وجوہ تسمیہ متعدد ہیں انس کا معنی ہے ظہور، انسان ظاہر ہے آنکھ سے دکھائی دیتا ہے اُنس کا معنی دل بستگی اور پریم بھی ہے انسان باہم مانوس ہوتے ہیں یا نسیان سے مشتق ہے۔ حضرت آدمؑ کو ایک حکم دیا گیا تھا مگر وہ اس کو بھول گئے۔ نسیان کا معنی ہے بھولنا۔ صلصال خشک مٹی جو آگ میں نہ پکائی گئی ہو اور کھن کھن بولتی ہو (یعنی بجانے سے کھنکھناتی ہو) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا صلصال وہ عمدہ پاکیزہ کیچڑ ہے جس میں پانی سوکھ جانے کی وجہ سے شگاف پیدا ہو جاتے ہیں اور جب اسکو (اس کی جگہ سے) ہلایا جاتا ہے تو کھڑ کھڑ کی آواز دیتی ہے۔ مجاہد نے کہا بدبودار کیچڑ کو صلصال کہتے ہیں۔ صَلَّ اللَّحْمُ اور اَصَلَّ اللَّحْمُ گوشت بدبودار ہو گیا صَلْصَالٍ اسی محاورہ سے ماخوذ ہے حماء دلدلی کیچڑ جو زیادہ پانی کے قریب ہونے سے کالی پڑ جاتی ہے۔ مسنون پتلا جس میں صورت بنادی گئی ہو۔ یہ لفظ سنت الوجہ سے ماخوذ ہے۔ شروع میں مٹی، تراب، خاک پھر پانی میں گوندھے جانے کے بعد طین (کیچڑ) پھر ایک مدت تک یونہی رہنے کے بعد حمأ (کیسدار کیچڑ یا دلدل) پھر اس کا خلاصہ اور جوہر نکال لیا جائے تو اس کو سُلَالَہ (خلاصہ) کہا جاتا ہے۔ پھر اس میں نقوش، صورت بنا دیے جائیں (پتلا بنا دیا جائے) تو اس کو مسنون کہتے ہیں اور

Marfat.com

مسنون خشک ہو جائے تو اس کو صلصال کہتے ہیں۔ مجاہد اور قتادہ نے کہا مسنون خراب بدبودار یہ لفظ سننتُ الحجر علی الحجر سے ماخوذ ہے ابو عبیدہ نے کہا مسنون (اسم مفعول) سن سے مشتق ہے سن کا معنی ہے بہانا۔ "مسنون" بہایا ہوا۔ جیسے مختلف دھاتیں جن کو پگھلا کر سانچوں میں بھر کر ڈھالا جاتا ہے اسی طرح اس (پکی سیال) کیچڑ کی حالت ہوتی ہے (جس کو مسنون کہا جاتا ہے) عرب کہتے ہیں سَنَنْتُ الماء میں نے پانی بہادیا گویا (دلدلی کیچڑ سے ڈھال کر اول (قوام) تیار کیا گیا پھر انسانی صورت بنائی گئی اور مجسمہ تیار کیا گیا جو کھوکھلا تھا پھر وہ خشک ہو گیا اور بجانے سے کھن کھن بولنے لگا پھر رفتہ رفتہ اس پر تغیرات آتے رہے۔ آخر جب وہ بالکل ہموار اور درست ہو گیا تو اس میں روح پھونک دی گئی۔

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ اور جن کو ہم نے پیدا کیا اس سے پہلے آگ سے جو ایک گرم ہوا سے بنی تھی۔

اَلْجَآنَّ (میں لام جنسی ہے) الانسان کی طرح جنس ہے جب ایک شخص سے نکلے ہوئے مختلف افراد اسی جنس کے ہوں اور اس شخص کو کسی خاص مادہ سے بنایا گیا ہو تو تمام افراد کا قوام اسی اصلی مادہ سے مانا جائے گا (پس ابو الجن کو جب آگ کے مادہ سے بنایا گیا تو اس کی ساری نسل کو بھی اسی مادہ سے بنا ہوا کہا جائے گا اگرچہ اولاد کا سلسلہ تناسلی ہو گا براہ راست آگ سے ان کو نہیں بنایا گیا ہو گا)

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، الجان سے مراد ہے تمام جنات کا باپ جیسے آدم تمام انسانوں کے باپ تھے۔ قتادہ نے کہا اس سے مراد ابلیس ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ الجان جنات کا باپ ہے اور شیاطین کا باپ ابلیس ہے جنات میں کچھ مسلمان ہیں کچھ کافر، مرتے بھی ہیں پیدا بھی ہوتے ہیں اور شیاطین میں سے کوئی بھی مسلم نہیں نہ کسی کو موت آتی ہے جب ابلیس مرے گا تو اسی کے ساتھ سب مریں گے۔

وہب نے کہا کچھ جنات تو آدمیوں کی طرح ہیں ان کے بچے پیدا ہوتے ہیں کھاتے پیتے ہیں اور کچھ جنات ہوا کی طرح ہیں ان میں توالد و تناسل نہیں ہوتا نہ وہ کھاتے پیتے ہیں۔

مِنْ قَبْلُ سے مراد یہ ہے کہ ہم نے آدم سے پہلے جان کو پیدا کیا۔

السَّمُوْمِ وہ سخت گرمی جو مسامات کے اندر گھس جائے۔ بغوی نے کہا السموم وہ گرم ہوا جو انسان کے بدن میں مسامات کے راستہ سے گھس کر اس کو ہلاک کر دیتی ہے (یعنی لُو) بعض کے نزدیک سموم دن کی اور حرور، رات کی گرم ہوا (لُو) کو کہتے ہیں۔ کلبی نے ابو صالح کا قول نقل کیا ہے السموم ایک آگ ہے جو آسمان اور (زیرین) حجاب کے درمیان ہے اس میں دھواں نہیں ہے صاعقہ کی پیدائش اسی سے ہوتی ہے (صاعقہ ٹوٹ کر گرنے والی بجلی) اللہ کا حکم ہوتا ہے تو سموم (یعنی صاعقہ) زیرین حجاب کو پھاڑ کر حسب مشیت الٰہی کہیں گر جاتی ہے حجاب کو پھاڑنے کی آواز ہی کڑک کہلاتی ہے۔ بعض نے کہا نارُ السموم آگ کے شعلے لپٹ بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے آتش جہنم۔ ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ابلیس بھی ملائکہ کی ایک خاص شاخ (قبیلہ یا گروہ) میں سے ہے اس شاخ کو جن کہا جاتا ہے اس صنف ملائکہ یعنی جن کی تخلیق نار سموم سے ہوئی ہے دوسری آیت میں ان جنات کی تخلیق بھڑکتی آگ سے بتائی گئی ہے (گویا نارُ السموم اور بھڑکتی آگ ایک ہی چیز ہے) باقی جن کے علاوہ ملائکہ کی تخلیق نور سے کی گئی ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾

فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ اور جب آپ کے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں آئندہ ایک بشر کو بجتی ہوئی مٹی سے جو سڑے ہوئے گارے سے بنی ہو گی پیدا کرنے والا ہوں سو جب میں اس کو پورا بنا چکوں اور اس میں اپنی طرف سے جان ڈال دوں۔ نفخ کا معنی ہے کسی کھوکھلی چیز میں ہوا کو گزارنا (منہ سے یا کسی اور طریقہ سے مترجم) روح کی دو قسمیں ہیں۔ علوی اور سفلی، روح علوی ایک خاص مخلوق ہے جو مادے سے خالی ہے (غیر مادی ہے) نظر کشف سے اس کو دیکھا

Marfat.com

جا سکتا ہے چونکہ عرش سے بھی زیادہ لطیف ہے اس لئے اس کا مقام عرش کے اوپر ہے۔ فوقانی و تحتانی مراتب کے لحاظ سے ہم کہتے ہیں کہ ارواح علویہ پانچ ہوتی ہیں۔ قلب، روح، سر، خفی، اخفیٰ انہی کو عالم امر کے لطائف (خمسہ) کہا جاتا ہے۔ روح سفلی اس بخار لطیف کو کہتے ہیں جو ان چاروں عناصر سے پیدا ہوتا ہے جن سے جسم انسانی کی ساخت ہوئی ہے۔ اسی کو نفس کہا جاتا ہے اللہ نے اس کو روح سفلی یعنی نفس کو ارواح علویہ کا آئینہ بنایا ہے، آفتاب آسمان پر ہونے کے باوجود جب آئینہ پر عکس ریز ہوتا ہے تو آئینہ کے اندر اس کے آثار پیدا ہو جاتے ہیں روشنی بھی اور حرارت بھی۔ آئینہ روشنی آفریں بھی ہو جاتا ہے اور جلانے والا بھی۔ ارواح علویہ تجرد کی انتہائی چوٹی پر ہونے کے باوجود نفس کے آئینہ پر اثر انداز ہوتی ہیں اور انہی کی پرتو فگنی کا جو اثر ہوتا ہے وہی ہر فرد کی روح جزئی کہلاتی ہے۔ ارواح علویہ سے روح سفلی میں نمودار ہو جاتے ہیں سب سے پہلے روح سفلی ان آثار کو ساتھ لے کر دل (سینہ کے اندر جو گوشت کا لوتھڑا ہے یعنی طبقی قلب) سے متعلق ہوتی ہے پھر قوت حیوانیہ اور معارف انسانیہ کو ساتھ لئے ہوئے (قلب کے ذریعہ سے) شریانوں کی خلاؤں میں پہنچتی ہے اور اس طرح بدن کے ہر حصہ میں سرایت کر جاتی ہے۔ اسی کو نفخ روح کہا جاتا ہے۔ کھوکھلی چیز میں جس طرح نفخ ریح (ہوا کا پھونکا جانا) ہوتا ہے اسی کے مشابہ (شریانوں کی خلاؤں میں) روح کا نفخ ہوتا ہے۔ روحی میں روح کی اضافت اپنی ذات کی طرف کرنے سے روح کی عظمت شان کی طرف اشارہ ہے روحی کا مطلب ہے میرے حکم سے براہ راست بغیر مادہ کے پیدا کی ہوئی روح۔ یا انسانی روح کو اپنی روح اس لئے قرار دیا کہ صرف انسانی روح رحمانی تجلیات و انوار کو قبول کرنے کی صلاحیت ہے دوسری مخلوق میں یہ استعداد نہیں۔ انسان کی ساخت میں اگرچہ مٹی کا عنصر غالب ہے اسی لئے انسان کی تخلیق کو مٹی سے قرار دیا ہے لیکن درحقیقت انسانی تقویم کے دس اجزاء ہیں، مٹی، پانی، ہوا، آگ اور وہ لطیف بخار جو ان چاروں کے اختلاط سے پیدا ہوتا ہے اسی کو نفس اور روح سفلی کہتے ہیں۔ ان پانچ اجزاء کے علاوہ پانچ اجزاء وہ ہیں جن کا فیضان عالم امر سے ہوتا ہے ان کا ذکر اوپر آچکا ہے (قلب، روح، سر، خفی، اخفی) انسان اسی جامعیت کی وجہ سے مستحق خلافت ہوا۔ معرفت کے نور اور عشق و محبت کی آگ کا اہل قرار پایا۔ انسان کی یہی جامعیت اس بے کیف معیت کی مقتضی ہے جس کا ذکر حدیث المرء مع من احب میں آیا ہے اور اسی جامعیت کے باعث آدمی کو انوار ذاتیہ، صفاتیہ، اور ظلیہ کا مہبط بنایا گیا پھر اسی معیت اور حامل تجلیات ہونے کے سبب سے ملائکہ کو اس کی جانب سجدہ کرنے کا حکم دیا اور فرمایا۔

فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ ﴿۲۹﴾ تو تم اس کی طرف رخ کر کے سجدے میں گر پڑنا۔

قَعُوْا امر ہے وَقَعَ وُقُوْعًا سے۔ لَهٗ میں لام بمعنی الی ہے یعنی آدمؑ کی جہت کو اور آدمؑ کی طرف رخ کر کے سجدہ کرنا۔ اللہ نے آدم کو ملائکہ کا قبلۂ سجود بنایا جیسے کعبہ کو قبلۂ عبادت انسانوں کے لئے قرار دیا۔ کعبہ کو سجدہ نہیں کیا جاتا بلکہ کعبہ کو تجلیات و انوار سے چونکہ ایک خصوصیت ہے (اس لئے اس کو جہت سجدہ بنایا پس اسی طرح فرشتوں کے لئے آدم جو سجدہ کی جہت بنا دیا مسجود لہٗ نہیں بنایا۔

فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ پس (آدم کی طرف رُخ کر کے) فرشتوں نے سجدہ کیا اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ فرشتوں نے آدم کے اندر معیت کا ادراک کر لیا یا محض تعمیل حکم غرض تھی (استحقاق سجود کی وجہ ان کو معلوم نہیں ہوئی)

كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ سب کے سب نے۔ تاکید مزید محض مبالغۂ عموم کے لئے ہے یعنی کوئی بھی سجدہ سے الگ نہیں رہا سب ہی نے سجدہ کیا مبرد کا قول ہے کہ كُلُّهُمْ کے لفظ سے تو عموم کی تاکید ہو گئی، یعنی سب نے سجدہ کیا اور اَجْمَعُوْنَ کے لفظ سے یہ بات ظاہر کرنی مقصود ہے کہ یکدم اجتماعی حالت میں سب نے سجدہ کیا۔ مگر یہ توجیہ غلط ہے اگر لفظ اجمعون سے اجتماعی حالت ظاہر کرنی مقصود ہوتی تو اجمعین (نصب کے ساتھ) کہا جاتا (کیونکہ حال منصوب ہوتا ہے)

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۱﴾ مگر ابلیس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے ابلیس معیت کو نہ سمجھ سکا اور نہ اس نے اس امر کا لحاظ کیا کہ حکیم کا حکم حکمت سے خالی



Marfat.com

نہیں ہوتا۔

ابلیس چونکہ ملائکہ میں سے نہ تھا جنّات میں سے تھا اللہ نے فرمایا كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ اس لئے بعض علماء نے کہا کہ استثناء منقطع ہے (متصل نہیں ہے استثناء متصل میں مابعد اِلّا کا ماقبل اِلّا میں داخل ہونا ضروری ہوتا ہے) اور اِلّا بمعنی لٰکن کے ہے (اسی کے موافق آیت کا ترجمہ ہم نے کیا ہے) بعض علماء کے نزدیک استثناء متصل ہی ہے کیونکہ ابلیس ملائکہ کی اس صنف کا ایک فرد تھا جس کو جن کہا جاتا ہے اس صورت میں ترجمہ اس طرح ہوگا مگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا اس نے سجدہ کرنے والوں میں شامل رہنے سے انکار کر دیا۔

قَالَ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۳۲﴾ اللہ نے فرمایا اے ابلیس تیرے سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہونے کا کیا سبب ہے یعنی تو نے کیوں سجدہ نہیں کیا باوجودیکہ حاکم کے حکم کی تعمیل تجھ پر واجب تھی اور آدم کی فضیلت اور استحقاقِ سجدہ اللہ کے بیان کرنے سے تجھے معلوم ہو گیا تھا۔

قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۳۳﴾

ابلیس نے (اپنی بے وقوفی کی وجہ سے) کہا میں تو ایک ایسے کثیف انسان کو سجدہ کر ہی نہیں سکتا تھا جس کو تو نے کھنکھناتی ہوئی سڑی کیچڑ سے بنایا ہے، مٹی کا درجہ تو تمام عناصر سے نچلا ہے، مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور آگ تمام عناصر سے لطیف اور سب سے اعلیٰ و اشرف ہے سورۂ اعراف میں اسکی مزید تشریح آچکی ہے۔

قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ ﴿۳۴﴾ (اللہ نے) فرمایا (جب تو نے میرا فرمان نہیں مانا) تو (جنت یا آسمان یا ملائکہ کے گروہ سے) نکل جا بلا شبہ تو مردود ہے یعنی بھلائی اور اعزاز سے نکالا اور دھتکارا ہوا ہے۔ رجیم سنگسار کیا ہوا پتھروں سے مارا ہوا جو (اللہ کی بارگاہ سے) مطرود ہو جائے گا وہ سنگسار کیا جائے گا یہ مطلب ہے کہ آئندہ اگر تو آسمان سے قریب آیا تو تجھ پر انگارے برسائے جائیں گے ٹوٹے ہوئے تارے تجھ پر (پتھروں کی طرح) پڑیں گے۔ شیطان کے لئے اس آیت میں وعید بھی اور اس کے اعتراض کا دَر پردہ جواب بھی ہے ابلیس کا اعتراض یہ تھا کہ میں تخلیقاً افضل ہوں آدم مجھ سے ادنیٰ ہے اور ادنیٰ کے سامنے افضل کو سر بسجود ہو جانے کا حکم مناسب نہیں جواب یہ ہے کہ فضیلت اور برتری کا مدار اللہ کے حکم کی تعمیل پر ہے (اجزاء تخلیقی پر نہیں) جو نافرمان ہو گا وہ بھلائی سے محروم ہو جائے گا اور نکالا جائے گا۔

وَّاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳۵﴾ اور روزِ جزا تک تجھ پر لعنت یقینی ہے روزِ جزا پر پھٹکار اور لعنت کی انتہا ہے اس کے بعد اعمال کی (اُخروی) سزا و جزا ہو گی اور لعنتِ اخروی کے عذاب کا وقت آجائے گا یہ مطلب ہے کہ روزِ جزا تک تو لعنت ہو گی اور اس کے بعد ایسی سخت سزا دی جائے گی کہ اس کی موجودگی میں دُنیوی لعنت بھول جائے گا۔

بعض نے کہا (لعنت کو یوم الدّین تک جاری رکھنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے بعد لعنت ختم ہو جائے گی بلکہ یہ ایک محاورہ کی بات ہے) طویل ترین مدّت کے لئے کہا جاتا ہے کہ قیامت تک یہ بات ہوتی رہے گی یا نہ ہو گی (اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ قیامت کے بعد اس کے خلاف ہو گا بلکہ کسی کام کے ہونے نہ ہونے کی ایک طویل ترین مدّت بیان کرنا مقصود ہوتی ہے)

بغوی نے کہا آسمان پر بھی ابلیس ملعون ہے اور زمین پر بھی، آسمان والے بھی اس پر ایسی ہی لعنت کرتے ہیں جیسے زمین والے۔ میں کہتا ہوں (آسمان و زمین والے کیا) آسمان اور زمین کے خالق نے اس پر لعنت کی ہے اور فرمایا: وَاِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾ ابلیس نے کہا اے میرے رب (جب تو نے مجھے نکال دیا اور مجھ پر لعنت کر دی ہے) تو مجھے مہلت عطا کر (یعنی زندگی کی مدّت باقی رکھ اور موت نہ دے)

اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ اس روز تک جب کہ لوگ (قبروں سے دوبارہ) اٹھائے جائیں گے۔ ابلیس نے اغوا کرنے کی مہلت مانگی اور بالکل موت سے محفوظ رہنے کی بھی درخواست کی کیونکہ (وہ جانتا تھا) کہ یوم بعث تک مہلت مل جائے

Marfat.com

کی اور دوبارہ اٹھائے جانے کے بعد تو موت آئے گی نہیں اس لئے موت سے چھوٹ مل جائے گی اللہ نے اول درخواست تو قبول فرمالی اور یہ قبولیت دعا اس کی عزت افزائی کے لئے نہیں بلکہ بدبختی اور مصیبت میں اضافہ کرنے کے لئے فرمائی، اور دوسری درخواست (اِلٰی یوم یُبعثون) کو رد کرتے ہوئے فرمایا۔

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ تو مہلت یافتہ گروہ میں سے تو بے شک ہوگا (لیکن یہ مہلت زندگی) معلوم وقت کے دن تک ہوگی یعنی اس وقت تک مہلت زندگی ہوگی جو اللہ کو معلوم ہے مراد یہ ہے کہ پہلی مرتبہ صور پھونکنے تک جس سے سب مخلوق مرجائے گی تجھے مہلت ہے دوسری مرتبہ صور پھونکنے کے وقت تک جس سے لوگ اٹھائے جائیں گے مہلت نہیں دی جاسکتی بعض لوگوں نے کہا کہ دونوں مرتبہ صور پھونکے جانے کی درمیانی مدت چالیس سال ہوگی اسی مدت میں ابلیس کی موت ہوگی۔

قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۳۹﴾

ابلیس نے کہا اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کر ہی دیا ہے اس لئے میں بھی ضرور ضرور دنیا میں (گناہوں کو) آراستہ کر کے ان کے سامنے لاؤں گا اور سب کو گمراہ بناؤں گا۔ باء قسمیہ اور ما مصدری ہے ترجمہ اس طرح ہوگا: اے رب (تو نے مجھے گمراہ کر دیا) تیرے اس گمراہ کرنے کی قسم کہ میں ان انسانوں کی نظر میں دنیا کو آراستہ کروں گا (جاذب توجہ کردوں گا)

اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾ مگر ان میں سے تیرے جو چنے ہوئے بندے ہوں گے اور تو نے ان کو تمام کدورتوں سے پاک کر دیا ہوگا (ان کو میں نہیں بہکا سکوں گا) جن کو تو نے ہدایت کر دی ہوگی ان پر میری فریب کاری کوئی اثر نہ ڈال سکے گی۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿۴۱﴾ اللہ نے فرمایا، یہ (اخلاص ہی) مجھ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے، اس میں کوئی کجی نہیں۔ حسن نے کہا حق کا راستہ سیدھا ہے مجاہد نے کہا حق کا رجوع اللہ کی طرف ہے۔ راہِ حق بھی اللہ تک پہنچتی ہے کسی اور طرف نہیں مڑتی۔ انخفش نے کہا سیدھا راستہ بنانا مجھ پر ہے (یعنی میرے ذمہ ہے) اس مطلب پر عَلَیَّ کو اِلَیَّ کے معنی میں لینے کی ضرورت نہ ہوگی) اس سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ اپنے منتخب بندوں کو گمراہ نہیں ہونے دے گا۔ منتخب بندوں کو شیطانی اغوا سے بچانے کا ذمہ اللہ کا ہے اور براہ راست ان کو محفوظ رکھنا اللہ کا کام ہے۔

کسائی نے کہا، هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ وعید آمیز تہدیدی کلام ہے جیسے کوئی شخص اپنے مخالف سے کہتا ہے کہ تیرا راستہ مجھ پر ہے یعنی تو میرے ہاتھ سے بچ نہیں سکتا۔ اللہ نے فرمایا اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ آپ کا رب گھات میں ہے۔ کسائی کی تفسیر پر لہٰذا سے اشارہ ابلیس کے راستہ کی طرف ہوگا جو اس نے اپنے لئے اختیار کیا تھا یعنی اغوا اور گمراہ کرنے کا راستہ۔

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۴۲﴾ بے شک میرے بندوں پر تیرا زور ابھی بس نہ چلے گا ہاں مگر جو گمراہ لوگوں میں تیری راہ پر چلنے لگے۔

عبادی سے مراد عام بندے ہیں مؤمن ہوں یا کافر۔ عِباد کی اضافت یا متکلم کی طرف استغراق ہے اگر عِبادِیْ کو صرف ایمان کے ساتھ مخصوص کیا جائے تو مَنِ اتبعک کا استثناء صحیح نہ ہوگا (مگر اہوں کو لفظ عباد میں داخل ہونا چاہئے اس کے بعد استثناء کر کے نکالنا چاہئے) مقصد آیت یہ ہے کہ اللہ نے صرف گمراہوں پر تجھے تسلط عطا کیا ہے تو ان پر غلبہ پاسکتا ہے مؤمنوں تک تیری دست رسی نہ ہوگی۔ ابلیس نے بھی مخلص بندوں کا استثناء اپنے قول میں کر دیا تھا اللہ کے قول سے بھی اس کی تائید ہوگئی دوسری آیت میں یہ مضمون آیا ہے فرمایا ہے اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطَانُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ مخلص بندوں کو اللہ شیطان کے پنجہ سے محفوظ رکھے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ استثناء منقطع ہو (متصل نہ ہو اور مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہی نہ ہو اس صورت میں عِبادِیْ سے مراد ہوں گے خاص

Marfat.com

بندے یعنی مؤمن۔ کافروں کو یہ لفظ شامل ہی نہ ہوگا) اور اِلَّا استثنائیہ نہ ہو بلکہ لٰکِنْ کے معنی میں ہو اور خبر محذوف ہو مطلب اس طرح ہوگا ہاں جو گمراہ لوگ تیری پیروی کریں گے اللہ ان کو جہنم میں لے جائے گا۔ شیطان نے اپنے کلام سے یہ وہم پیدا کرلیا تھا کہ جو مخلص بندے نہ ہوں گے میں ان کو ضرور گمراہ کردوں گا اللہ نے اس کی تکذیب کردی یعنی تیرا تسلّط گمراہوں پر بھی نہ ہوگا گمراہ کرنا بھی تیرے قبضہ میں نہیں زیادہ سے زیادہ تیرا کام گناہ کی ترغیب دینا اور بہکانا ہے۔ قیامت کے دن ابلیس خود کہے گا مَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطَانٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي میری تم پر کوئی زبردستی نہیں تھی بس اتنی بات تھی کہ میں نے دعوت دی تم نے میری دعوت مان لی (یعنی میرا تسلّط اور حجّت نہ تھا صرف ترغیب اور بہکاوا تھا)

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٤٣﴾ اور جو لوگ تیزی راہ پر چلیں گے ان سب سے جہنم کا وعدہ ہے۔ اَجْمَعِیْنَ: ھُمْ کی تاکید ہے یا حال ہے موعد مصدر ہے اور اجمعین میں عامل ہے۔ موعد اسم مکان بھی ہے (وعدۂ مقررہ کی جگہ) اس وقت موعد عامل نہ ہوگا۔

لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ ط اس (جہنم) کے سات دروازے ہیں۔ ہناد، ابن المبارک اور امام احمد نے الزہد میں اور ابن جریر و ابن ابی الدنیا نے صفۃ النار (دوزخ کی حالت کا بیان) میں بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کے اوپر اور انگلیوں کو الگ الگ کرکے فرمایا، دوزخ کے دروازے اسی طرح ہوں گے یعنی ہر دروازہ کے اوپر دروازہ ہوگا (اس طرح دوزخ کی سات منزلیں اور درجات ہوں گے) اول پہلی منزل بھر دی جائے گی، پھر دوسری، پھر تیسری، پھر چوتھی، پھر پانچویں، پھر چھٹی، ساتویں۔

بغوی نے حضرت علیؓ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اللہ نے جنت کو پھیلاؤ میں رکھا ہے (یعنی جنت کے اوپر جنت نہیں ہے) اور دوزخ کو ایک کو دوسرے کے اوپر بنایا ہے۔ ابن جریر اور ابن ابی الدنیا نے صفۃ النار میں اسی آیت کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ اول دروازہ (یعنی طبقہ) جہنم ہے، پھر لظیٰ، پھر حطمہ، پھر سعیر، پھر سقر، پھر جحیم، پھر ہاویہ۔

لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُومٌ ﴿٤٤﴾ ہر طبقے کے لئے گمراہوں کا ایک حصہ بانٹا ہوا ہوگا یعنی ہر درجہ میں گمراہوں کا ایک مقررہ جماعت ہوگی جو اس درجہ کے اندر رہے گی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ ضحاک نے کہا، پہلے درجہ میں وہ اہل توحید ہوں گے جن کو گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا اور گناہوں کے بقدر وہ دوزخ میں رہیں گے، پھر نکال لئے جائیں گے۔ دوسرے درجہ میں نصاریٰ، تیسرے میں یہودی، چوتھے میں صابی، پانچویں میں مجوسی، چھٹے میں مشرک اور ساتویں میں منافق ہوں گے۔ (یعنی دور مسیحی ختم ہونے کے بعد نصاریٰ عیسائیت پر قائم رہے اور کسی پیغمبر کا انکار کیا یا بعد کو آنے والے پیغمبر کی شریعت کا انکار کیا۔ اسی طرح شریعت موسوی کا زمانہ ختم ہونے کے بعد جو یہودی یہودیت پر قائم رہے اور حضرت عیسیٰؑ یا رسول اللہ ﷺ یا کسی اور پیغمبر کا انہوں نے انکار کیا۔ صابی جو اپنے کو موحّد کہتے ہیں اور کسی پیغمبر کی شریعت کو نہیں مانتے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صابی صرف حضرت نوحؑ کا متبع اپنے کو قرار دیتے ہیں۔ مجوسی آتش پرست اور ستارہ پرست) اللہ نے منافقوں کے متعلق فرمایا اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ منافق دوزخ کے سب سے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کے سات دروازے (یعنی درجے) ہیں ان میں سے ایک ان لوگوں کے لئے جنہوں نے میری امت پر تلوار سونتی یا فرمایا محمدؐ کی امت پر تلوار کھینچی۔ قرطبی نے کہا پہلا طبقہ جہنم ہے یہ تمام دوسرے درجات سے سہل ترین عذاب کا درجہ ہے اس امت کے گناہ گاروں کے لئے مخصوص ہے۔ جہنم کو جہنم کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کی آگ مردوں اور عورتوں کے چہرے بگاڑ دے گی اور ان کے گوشت کو کھالے گی۔

ہاویہ کا درجہ سب سے نچلا ہے یہ سب سے گہرا ہے بزار نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دوزخ کا ایک ایسا درجہ ہے جس میں صرف وہی لوگ داخل ہوں گے جنہوں نے اللہ کا غضب لے کر اپنے غصہ کو تسکین دی

Marfat.com

ہو گی (اللہ کے غضب کی پروا نہیں کی اور اپنے غصہ کی آگ بجھائی)

ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جہنم کے سات دروازے ہیں سب سے زیادہ غم آگیں کربناک آفریں اور حزن آلود اور متعفن ترین دروازہ ان زناکاروں کے لئے ہو گا جنہوں نے جانتے ہوئے زنا کا ارتکاب کیا ہو گا۔ بیہقی نے خلیل بن مرہ کی مرسل روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ بغیر تبارک الذی اور حم السجدہ پڑھے نہیں سوتے تھے اور فرماتے تھے حم والی سورتیں سات ہیں اور دوزخ کے بھی سات طبقات ہیں، جہنم، حطمہ، لظی، سقر، سعیر، ہاویہ، جحیم۔ قیامت کے دن ان (حم والی سورتوں) میں سے حم السجدہ آکر ان طبقات کے دروازہ پر کھڑی ہو جائے گی اور عرض کرے گی اے اللہ جو مجھ پر ایمان رکھتا اور مجھے پڑھتا تھا وہ اس میں داخل نہ ہو۔

ثعلبی کی روایت ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے جب آیت وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ سنی تو بدحواس ہو کر بھاگے اور اسی حالت میں تین روز بھاگتے رہے آخر (پکڑ کر) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر کیا گیا۔ حضور ﷺ نے (فرار کا سبب) دریافت فرمایا حضرت سلمان فارسیؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آیت وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ نازل ہوئی قسم ہے اس کی جس نے آپ کو سچ کا حامل بنا کر بھیجا ہے میرا دل اس سے پارہ پارہ ہو گیا اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝۴۵ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝۴۶ بے شک پرہیزگار لوگ (جنہوں نے شیطان کے اغوا میں آکر شرک نہیں کیا ہو گا، شرک سے پرہیز رکھا ہو گا جنتوں اور (جنتی) چشموں میں ہوں گے (ہر شخص کی ایک جنت اور ایک چشمہ یا ہر ایک کی متعدد جنتیں اور متعدد چشمے ہوں گے ان سے کہا جائے گا) ان جنتوں اور چشموں کے اندر سلامتی اور امن کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ یعنی آئندہ موت، ہر آفت اور یہاں سے نکالے جانے کے اندیشے سے تم محفوظ ہو۔

وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا اور ان کے دلوں میں جو کینہ تھا ہم وہ بالکل دور کر دیں گے کہ سب بھائی بھائی کی طرح ہو جائیں گے۔ یعنی دنیا میں ان کے آپس میں جو کینہ کشیدگی دلوں میں ہو گی (جنت میں داخل کرنے کے وقت) ہم دور کر دیں گے وہ بھائی بھائی ہو جائیں گے) غل کینہ چونکہ ایسا واقعہ آئندہ یقینی طور پر ہو گا اس لئے بصیغۂ ماضی اس کو بیان فرمایا۔

ابو نعیم نے الفتن میں اور سعید بن منصور، ابن ابی شیبہ، طبرانی اور ابن مردویہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا، مجھے امید ہے کہ میں اور عثمانؓ اور طلحہؓ اور زبیرؓ انہی میں سے ہوں گے (یعنی جنت میں داخلہ سے پہلے اللہ ہماری آپس میں کشیدگیوں کو دور کر دے گا۔ میں کہتا ہوں یہ کشیدگی اس وقت ہوئی تھی جب حضرت عثمانؓ کے خلاف فتنہ برپا کیا گیا یہاں تک کہ آپ شہید کر دیئے گئے اور حضرت طلحہؓ و حضرت زبیرؓ جنگ جمل میں شہید ہوئے۔ عبداللہ بن احمد نے زوائد الزہد میں عبدالکریم بن رشید کی روایت نقل کی ہے کہ اہل جنت جنت کے دروازے تک پہنچیں گے تو ایک دوسرے کی طرف غصہ کی نظر سے دیکھتا ہو گا لیکن اندر داخل ہوتے ہی اللہ ان کے سینوں سے کینہ نکال دے گا اور وہ بھائی بھائی ہو جائیں گے۔

یا (غل سے مراد دنیوی کینہ نہیں بلکہ اس سے) مراد یہ ہے کہ اہل جنت کے اندر جو درجات اور مراتب قرب کے لحاظ سے تفاوت ہو گا اس پر کوئی کسی سے حسد نہیں کرے گا اللہ (جذبۂ) حسد کو ان کے دلوں سے نکال دے گا۔

عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝۴۷ مسہریوں پر (بیٹھے) ہوں گے آمنے سامنے۔ ہناد نے مجاہد کا قول اس آیت کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ کسی کی پشت کسی کی طرف نہ ہو گی بغوی نے لکھا ہے بعض اخبار میں آیا ہے کہ جنتی جب جنت کے اندر اپنے مؤمن بھائی سے ملنا چاہے گا تو مسہری اس کو لے کر وہاں پہنچ جائے گی اس طرح دونوں کی ملاقات اور بات چیت ہو جائے گی۔

Marfat.com

ابن ابی حاتم نے حضرت علیؓ بن حسینؒ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت وَنَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ کا نزول ابو بکر و عمرؓ کے حق میں ہوا۔ سوال کیا گیا ان دونوں میں کون سا کینہ تھا فرمایا دورِ جاہلیت کا کینہ، بنی تمیم اور بنی عدی اور بنی ہاشم کے درمیان جاہلیت کے زمانہ میں کینہ تھا۔ جب یہ قبائل مسلمان ہو گئے تو باہم محبت کرنے لگے (ایک بار) حضرت ابو بکرؓ کو کمر کی کچھ تکلیف ہو گئی تو حضرت علیؓ نے اپنے ہاتھ سے گدی گرم کر کے حضرت ابو بکرؓ کی کمر کو سینکا، اس پر آیت ذیل نازل ہوئی۔

اس قول پر آیت کا مطلب اس طرح ہو گا کہ دورِ جاہلیت میں لوگوں کے سینوں میں جو عداوتیں تھیں جب وہ اسلام لے آئے تو ہم نے وہ باہمی عداوتیں دور کر دیں۔

لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ ﴿۴۸﴾ جنت کے اندر اہلِ جنت کو تھکان چھوئے گی بھی نہیں اور نہ جنت سے کبھی ان کو نکالا جائے گا دوامِ نعمت ہی تکمیلِ نعمت ہے۔

طبرانی نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ چند صحابی باہم ہنس رہے تھے، رسول اللہ ﷺ کا ادھر سے گذر ہوا صحابہؓ کو ہنستے دیکھ کر فرمایا دوزخ تم لوگوں کے سامنے ہے پھر بھی ہنس رہے ہو۔ فوراً جبرئیل نازل ہو گئے اور کہا محمد ﷺ آپ کا رب فرماتا ہے تم کیوں میرے بندوں کو میری رحمت سے ناامید کرتے ہو (اس پر آیت ذیل نازل ہوئی)

نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ﴿۵۰﴾

(اے نبی) میرے بندوں کو اطلاع دے دو کہ بلاشبہ میں ہی بہت بڑا بخشنے والا مہربان ہوں اور یہ بھی خبر دے دو کہ میرا عذاب بھی بڑا دردناک عذاب ہے۔

ابن مردویہ نے دوسری سند سے کسی صحابی کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے باب بنی شیبہ سے برآمد ہوئے اور فرمایا کیا میں تم کو ہنسی میں مشغول نہیں پا رہا ہوں (یعنی تم اللہ کے عذاب کی طرف سے غافل ہو اور ہنس رہے ہو) پھر پشت پھیر کر چل دیئے پھر پچھلے قدم لوٹے اور فرمایا میں یہاں سے نکل کر حجر (سنگِ اسود) تک ہی پہنچا تھا کہ جبرئیل آ گئے اور انہوں نے کہا محمد! اللہ فرماتا ہے میرے بندوں کو تم کیوں ناامید کرتے ہو نَبِّئْ عِبَادِیْ الخ آیت کی رفتار و ترتیب میں وعدۂ مغفرت و رحمت بھی ہے اور وعیدِ عذاب بھی گویا گزشتہ مضمون کا خلاصہ اس آیت میں مذکور ہے اور لفظ غفور رحیم بتا رہا ہے کہ آیتِ سابقہ میں الْمُتَّقِیْنَ سے مراد وہ لوگ ہیں جو شرک سے پرہیز کرنے والے ہیں، صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے بچنے والے مراد نہیں ہیں (ورنہ مغفرت کا مفہوم ہی کیا ہو گا کس چیز کی مغفرت ہو گی)

بغوی نے قتادہ کا بیان نقل کیا ہے کہ قتادہ نے کہا ہم کو معلوم ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر بندہ اللہ کی مقدارِ عفو کو جان لیتا تو حرام سے پرہیز نہ کرتا اور اگر اللہ کی مقدارِ عذاب کو جان لیتا تو خوف کے مارے (گویا) اس کی جان ہی نکل جاتی ترمذی نے حسن سند کے ساتھ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر مؤمن بندہ کو اللہ کے عذاب کا علم ہو جاتا تو پھر جنت کی امید ہی کسی کو نہ رہتی اور اگر کافروں کو اللہ کی رحمت کی مقدار معلوم ہو جاتی تو جنت سے مایوس نہ ہوتا۔

صحیحین میں آیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا میں نے سنا ہے رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے تخلیقِ رحمت کے دن اللہ نے سو رحمتیں پیدا کیں، ننانوے رحمتیں اپنے پاس روک لیں اور ایک رحمت ساری مخلوق میں پھیلا دی جو رحمتیں اللہ کے پاس ہیں اگر ان سب سے کافر واقف ہو جائے تو جنت سے ناامید نہ ہو اور جو عذاب اللہ کے پاس ہے اگر مؤمن کو اس کا علم ہو جائے تو دوزخ سے بے خوف نہ ہو۔

احمد اور مسلم نے حضرت سلمانؓ کی روایت سے اور احمد و ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا آسمان و زمین کی پیدائش کے دن اللہ نے سو رحمتیں پیدا کیں ہر رحمت آسمان و زمین کے درمیانی فاصلہ کے مطابق۔ ان میں سے ایک رحمت زمین پر قائم کی جس کی وجہ سے ماں اپنے بچہ کو پیار کرتی اور چرند پرند باہم محبت کرتے ہیں اور ننانوے رحمتیں پیچھے رکھ چھوڑی ہیں قیامت کا دن ہو گا تو ان رحمتوں کو اس رحمت سے ملا کر پورا کر دے گا۔

Marfat.com

اس آیت میں اللہ نے اپنی صفت غفور و رحیم بیان فرمائی، عذاب دینے والا نہیں فرمایا (حالانکہ عذاب دینا بھی اسی کی صفت ہے) اس سے معلوم ہوا کہ وعدہ کا پہلو وعید پر راجح ہے مغفرت و رحمت غضب پر غالب ہے۔

وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ إِبْرٰهِيمَ ﴿٥١﴾ اور ان کو ابراہیمؑ کے مہمانوں کے واقعہ کی اطلاع دے دو اس جملہ کا عطف امر سابق نَبِّئْ عِبَادِي پر ہے۔ یہ تائید ہے اس امر کی کہ اللہ کا وعدہ رحمت اور وعید عذاب آخرت کی طرح دنیا میں بھی ظاہر ہوتے ہیں (دیکھو ابراہیمؑ پر اللہ نے رحمت کی، پیرانہ سالی کے باوجود ان کو اولاد عطا کی اور قوم لوط کو ہلاک کر دیا) ضیف کا اطلاق واحد اور جمع دونوں پر ہوتا ہے یہاں "ضیف" سے مراد ملائکہ ہیں جو ابراہیمؑ کو اولاد کی بشارت دینے اور قوم لوط کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجے گئے تھے۔

إِذْ دَخَلُوا عَلَيْهِ فَقَالُوا سَلٰمًا ۖ قَالَ إِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُونَ ﴿٥٢﴾ جب مہمان ابراہیمؑ کے پاس آئے اور انہوں نے سلام (یعنی ہم سلام کرتے ہیں سلاماً فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے) ابراہیمؑ نے کہا، ہم تم سے خوف زدہ ہیں۔ یعنی تم بغیر اجازت کے یا بے وقت آئے ہو اس لئے ہم تمہاری طرف سے ڈر رہے ہیں یا خوف کی وجہ یہ تھی کہ حضرت ابراہیمؑ کی طرف سے پیش کیا ہوا طعام مہمانی مہمانوں نے کھانے سے انکار کر دیا تھا (جس سے حضرت ابراہیمؑ کو اندیشہ ہوا کہ شاید دشمن ہیں) وَجِلَ کا معنی ہے کسی مصیبت کے آنے کے خوف سے دل کا بے چین ہو جانا۔

قَالُوا لَا تَوْجَلْ إِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيمٍ ﴿٥٣﴾ مہمانوں نے کہا آپ کچھ خوف نہ کریں ہم ایک ذی علم لڑکے کی آپ کو بشارت دیتے ہیں یعنی آپ کا ایک لڑکا ہوگا جو بالغ ہو کر بڑا عالم ہوگا حضرت ابراہیمؑ چونکہ بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور بیوی بھی بوڑھی تھیں اس لئے آپ کو تعجب ہوا اور

قَالَ أَبَشَّرْتُمُونِي عَلٰى أَنْ مَسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُونَ ﴿٥٤﴾ کہا میرا تو بڑھاپا آ گیا اس کے باوجود تم بشارت دے رہے ہو کس سبب سے بشارت دے رہے ہو۔ یعنی ایسی بات کی خوش خبری دے رہے ہو جس کا معمولاً واقع ہونا ناقابل فہم ہے۔

قَالُوا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْقٰنِطِينَ ﴿٥٥﴾ فرشتوں نے کہا ہم نے آپ کو سچی (یا یقین کے ساتھ یا سچے طریقے سے) خوش خبری دی ہے "حق" سے مراد ہے اللہ کا قول اور حکم جس کو ٹالنے والا کوئی نہیں۔ کسی طرح اس کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ پس آپ آس توڑنے والوں میں سے نہ ہوں (یعنی امید رکھیں) اللہ بغیر ماں باپ کے بھی پیدا کر سکتا ہے تو کوئی تعجب نہیں کہ بوڑھے ماں باپ کو بچہ عطا فرما دے۔ حضرت ابراہیمؑ کو قدرت خدا کا انکار نہ تھا بلکہ ایسا ہونا چونکہ معمول خداوندی کے خلاف تھا اس لئے آپ کو تعجب ہوا۔

قَالَ وَمَنْ يَقْنَطُ مِنْ رَحْمَةِ رَبِّهِ إِلَّا الضَّالُّونَ ﴿٥٦﴾ ابراہیمؑ نے کہا گمراہوں کے سوا اپنے رب کی رحمت سے اور کوئی ناامید نہیں ہوتا۔ یعنی جو رحمت سے واقف نہیں، معرفت سے بے بہرہ ہیں اللہ کی رحمت، علم اور قدرت کی وسعت کا ان کو پتہ نہیں وہ ہی آس توڑ لیتے ہیں اور ناامید ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی رحمت سے ناامید ہو جانا ایسا ہی بڑا گناہ ہے جیسا غضب سے بے فکر ہو جانا۔

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ أَيُّهَا الْمُرْسَلُونَ ﴿٥٧﴾ ابراہیمؑ نے کہا، اے فرستادگان (الٰہی) تمہارا آنے کا معاملہ کیا ہے۔ یعنی اس بشارت کے علاوہ اصل سبب تمہارے نازل ہونے کا کیا ہے وہ کیا بڑا کام ہے جس کے لئے تم کو بھیجا گیا ہے شاید حضرت ابراہیمؑ سمجھ گئے کہ متعدد فرشتوں کے آنے کی غرض یہ خوش خبری تو ہو نہیں سکتی بشارت دینے کے لئے تو ایک بھی کافی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت زکریاؑ اور حضرت مریمؑ کو ایک ہی فرشتہ نے بشارت دی تھی یا حضرت ابراہیمؑ یہ سمجھے کہ ان کے آنے کی اگر اصل غرض اگر خوش خبری پہنچانی ہوتی تو آتے ہی بشارت سنا دیتے۔ بشارت تو انہوں نے خوف کو دور کرنے کے لئے ذیلی اور ضمنی طور پر دے دی (شروع میں تو مہمان بن کر آئے تھے)

Marfat.com

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ فرشتوں نے کہا ہم کو مجرم لوگوں کو ہلاک کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے سوائے ان لوگوں کے جو لوطؑ کے پیرو ہیں (ان کو ہلاک کرنے کا ہم کو حکم نہیں) یا اس طرح ترجمہ ہوگا کہ ہم کو تمام مجرموں یعنی مشرکوں کی طرف بھیجا گیا مگر آلِ لوطؑ کے پاس نہیں بھیجا گیا تاکہ ہم مجرموں کو ہلاک کر دیں اور آلِ لوطؑ کو ہلاک نہ کریں۔

اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ہم لوطؑ کی بیوی کے سوا باقی تمام آلِ لوطؑ کو بلاشبہ بچالیں گے۔
قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ہم نے طے کر دیا ہے کہ وہ (عذاب میں) باقی رہنے والوں (یعنی کافروں) میں شامل ہوگی۔

تقدیر، بمعنی قضا کے ہے یعنی ہم نے کہہ دیا یا ہم نے طے کر دیا۔ لغت میں تقدیر کا معنی ہے کسی چیز کو دوسری چیز کے اندازہ کے موافق بنا دینا یا کر دینا۔ حقیقت میں یہ فعل اللہ کا ہے، لیکن فرشتوں کو اللہ سے خصوصی قرب حاصل تھا اس لئے فعلِ تقدیر کی نسبت فرشتوں کی طرف کر دی گئی یا ملائکہ کی طرف فعلِ تقدیر کی نسبت کرنے کی یہ وجہ ہے کہ وہ تو محض قاصد جو نامہ بر تھے ان کا ہر قول و فعل اللہ کا قول و فعل تھا۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾ جب لوطؑ کے گھر والوں کے پاس فرشتے پہنچے تو لوطؑ نے ان سے کہا بلاشبہ تم اجنبی آدمی معلوم ہوتے ہو۔ یعنی میں نے تم کو نہیں پہچانا تم سے مجھے اندیشہ ہے نہ تو تم پر کوئی سفر کی علامت ہے کہ میں تم کو مسافر سمجھوں اور نہ تم اس بستی کے رہنے والے ہو کہیں تمہاری طرف سے مجھے کوئی دکھ نہ پہنچ جائے۔

قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ ﴿۶۳﴾ فرشتوں نے کہا ہم آپ کے پاس (کافروں کے لئے) وہ عذاب لے کر آئے ہیں جس کے آنے میں ان کو شک رہتا تھا یعنی آپ کو دکھ پہنچانے والی کوئی چیز لے کر نہیں آئے بلکہ آپ کے لئے خوش کُن بات لائے ہیں، جس عذاب سے آپ ان کو ڈراتے تھے اور وہ شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کو عذاب کا خوف ہی نہ تھا وہی عذاب ان کے لئے لائے ہیں۔

وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ اور آپ کے پاس عذاب کی یقینی اطلاع (یا وہ عذاب جو اللہ کے علم میں محقق ہو چکا ہے) لے کر آئے ہیں۔

وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۶۴﴾ اور ہم (اپنے اس قول میں) یقیناً سچے ہیں۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ سو آپ رات کے کسی حصے میں (یہاں سے) چلے جانا اور آپ ان سب کے پیچھے رہنا اور نہ دیکھے پیچھے مڑ کر تم میں سے کوئی۔

قِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ پارۂ شب، بعض نے کہا آخر شب۔ سب کے پیچھے چلنے سے مراد یہ ہے کہ تم ان کو اپنے آگے آگے تیزی سے نکال لے جاؤ اور ان کے احوال پر مطلع رہو۔ پیچھے پھر کر دیکھنے کی ممانعت اس لئے کی کہ ہولناک عذاب کا منظر ان سے دیکھا نہ جائے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ قوم کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر ان کے دلوں میں نرمی اور رقت پیدا ہو جائے اور اس قلبی ہمدردی کی پاداش میں ان پر بھی وہی عذاب آجائے۔

لَا يَلْتَفِتْ کا مطلب یہ ہے کہ تم میں کوئی کسی کام کے لئے ساتھ جانے سے رہ جائے ورنہ وہ بھی ہمہ گیر عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔ بعض نے کہا، التفات کی ممانعت اس لئے کی گئی کہ دل کے جماؤ کے ساتھ وہ ترکِ وطن کر سکیں۔ (وطن اور احباب و اقارب کی طرف ان کی رغبتِ خاطر ہی پیدا نہ ہو پائے) بعض علماء کے نزدیک عدمِ التفات سے مراد لفظی ترجمہ نہیں بلکہ کنائی معنی مراد ہیں یعنی سرپٹ نکل جاؤ، سستی نہ کرو، کہیں دَم نہ لو، تیزی کے ساتھ بھاگے چلے جاؤ۔ التفات (رخ کرنے) کو اونی وقفہ اتنا وقفہ کہ منہ موڑ کر دیکھ لے) کرنا ہی پڑتا ہے گویا عدمِ التفات سے مراد ہے وقفہ نہ کرنا دَم نہ لینا، تیزی کے ساتھ بھاگتے

Marfat.com

چلا جانا۔

وَامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ اور جہاں جانے کا (اللہ کی طرف سے) تم کو حکم دیا جا رہا ہے وہاں چلے جاؤ یعنی شام کو چلے جاؤ۔ حضرت ابن عباسؓ کا یہی قول ہے۔ مقاتل کے نزدیک زعمر اوہے بعض نے اُرُدن کہا ہے۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ﴿۶۶﴾ اور ہم نے لوطؑ کے پاس یہ حکم بھیجا کہ صبح ہوتے ہی ان کی جڑ بالکل کٹ جائے گی سب ہلاک کر دیئے جائیں گے یعنی لوطؑ کے پاس ہم نے یہ قطعی حکم بھیج دیا کہ ان لوگوں کی جڑ صبح ہوتے ہوتے بالکل کٹ جائے گی۔ دابر: جڑ، یعنی ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا سب کے سب بالکل ہلاک کر دیئے جائیں گے۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۶۷﴾ اور شہر والے باہم خوش خبریاں سناتے آئے یعنی سدوم بستی کے رہنے والے نووارد خوب صورت لڑکوں کی آمد کی اطلاع خوشی خوشی باہم دینے لگے، امرد پرست تھے خوب صورت نووارد لڑکوں کی آمد سے ان کا شیطانی جذبہ جوش میں آیا اور خوش خبری دینے لگا۔ فرشتے خوب صورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوطؑ کے گھر پہنچے تھے۔

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿۶۸﴾ لوطؑ نے کہا یہ میرے مہمان ہیں مجھے رُسوا نہ کرو۔ مہمان کی رُسوائی میزبان کی رُسوائی ہے۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿۶۹﴾ اور اللہ سے ڈرو (ایسی بے حیائی کی حرکت نہ کرو) اور مجھے ذلیل نہ کرو۔ تخزون خزی سے ماخوذ ہے خزی کا معنی ہے ذلت یا خجالۃ سے ماخوذ ہے۔ خزایۃ کا معنی ہے شرمندگی، حیا، یعنی مجھے شرمندہ نہ کرو۔

قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۰﴾ وہ کہنے لگے، کیا ہم تم کو دنیا بھر کے لوگوں کی (ذمہ داری لینے اور ہمارے معاملے میں دخل دینے) سے منع نہیں کر چکے تھے۔

اَوَلَمْ نَنْهَكَ کا عطف فعل محذوف پر ہے۔ پورا کلام اس طرح تھا کیا ہم ان کو تمہارے کہنے سے چھوڑ دیں باوجودیکہ ہم نے تم کو منع کر دیا تھا اور کہہ دیا تھا کہ تم ہمارے اور دوسرے لوگوں کے درمیان دخل نہ دو اور ہمارے خلاف کسی کو اپنے پاس پناہ میں نہ رکھو ہم تو ان سے جو کچھ چاہتے ہیں کریں گے۔ قوم لوطؑ والے (علاوہ امرد پرست ہونے کے) راہزن بھی تھے راہگیروں کو لوٹا کرتے تھے حضرت لوطؑ بقدر امکان اس فعل سے ان کو منع کرتے تھے۔

قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۷۱﴾ لوطؑ نے کہا یہ میری لڑکیاں (موجود) ہیں (تم اپنی خواہش ان سے پوری کر سکتے ہو ان سے نکاح کر لو) اگر خواہش پوری کرنی چاہتے ہو تو ایسا کر لو یا یہ مطلب ہے کہ اگر تم میرے کہنے پر عمل کرنے والے ہو تو ان سے نکاح کر لو۔

لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۲﴾ (اللہ نے فرمایا، اے محمد ﷺ) تمہاری زندگی کی قسم یہ لوگ درحقیقت اپنے نشہ میں سرمست ہیں عَمْر اور عُمْر ہم معنی ہیں۔ عُمْر کا لفظ خفیف بھی ہے اور قسم کے موقع پر یہی لفظ بولا جاتا ہے (عَمْر کا لفظ قسم کے موقع پر نہیں آتا) بغوی نے ابوالجوزاء کی وساطت سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ محمد ﷺ کی جان سے زیادہ عزیز اللہ نے کسی اور کی جان نہیں پیدا کی اور آپ کی زندگی کے علاوہ کسی اور کی زندگی کی قسم نہیں کھائی۔ عزیز ترین چیز ہی کی قسم کھائی جاتی ہے تمام جانوں میں حضورؐ کی جان اللہ کے نزدیک عزیز تھی اسی کی قسم کھائی۔ يَعْمَهُوْنَ کا معنی ہے سرگرداں ہیں، متحیر ہیں یعنی جب یہ کافر اپنے نشے میں سرمست ہیں تو آپ کی نصیحت کیسے سن سکتے ہیں، یا یہ کلام ملائکہ کا ہے جو حضرت لوطؑ کو خطاب کر کے انہوں نے کہا تھا مطلب یہ ہے کہ اے لوطؑ تمہاری زندگی کی قسم یہ لوگ اپنے نشہ میں سرمست ہیں (تمہاری نصیحت نہیں سنیں گے یا اللہ کا قول ہے اور خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہی ہے اور اللہ نے قوم لوطؑ کی حالت بیان کی ہے مطلب اس طرح ہوگا کہ اے محمد ﷺ آپ کی زندگی کی قسم قوم لوطؑ درحقیقت اپنے نشہ میں مست تھی اور لوطؑ کی نصیحت نہیں

Marfat.com

سن سکتے تھے۔ مترجم)

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ ﴿۷۳﴾ پس سورج نکلتے نکلتے ان کو ایک سخت آواز نے آدبایا۔ (پکڑ لیا کہ جہاں تھے وہیں رُک گئے، کوئی بچنے نہ پایا۔ مترجم) الصیحۃ یعنی ہولناک ہلاکت انگیز چیز، چیخ۔ بعض علماء کا قول ہے کہ یہ چیخ حضرت جبرئیلؑ کی تھی شروق الشمس سورج کا نکلنا اور روشن ہونا۔ مراد یہ ہے کہ عذاب کا آغاز تو فجر سے ہی ہو گیا تھا اور تکمیلِ عذاب، سورج نکلنے کے وقت ہوئی۔

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا سو ہم نے اس بستی کو تل پٹ کر دیا۔ حضرت جبرئیلؑ نے اس بستی کو اٹھا کر اُلٹ دیا۔ اوپر کو نیچے کر دیا۔

وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿۷۴﴾ اور ہم نے ان پر کنکر کے پتھر برسائے۔ سجیل وہ مٹی جو سخت ہو کر پتھر ہو جاتی ہے (کنکر) یا وہ کنکر جو (ہر ایک کے لئے جُدا جُدا) نام زَد تھا اس ترجمہ پر سجل کے لفظ اور اس واقعہ کی تفصیل سورۂ ہود میں گذر چکی ہے فَجَعَلْنَا میں ف (پھر) کا لفظ بتا رہا ہے کہ پہلے چیخ اور سخت آواز آئی تھی پھر بستی الٹی تھی اور پتھروں کی بارش ہوئی تھی۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿۷۵﴾ اس واقعہ میں کئی نشانیاں ہیں اہلِ بصیرت کے لئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے مُتَوَسِّمِیْنَ کا ترجمہ کیا ہے۔ دیکھنے والے۔ مجاہد نے کہا شناخت کرنے والے قتادہ نے کہا عبرت حاصل کرنے والے۔ مقاتل نے کہا غور کرنے والے میں کہتا ہوں وَسْم کا معنی ہے اثر کرنا، نشان پیدا کرنا اور سِمَۃ کا معنی ہے اثر، نشان یعنی جو لوگ ظاہر علامات و آثار کو دیکھ کر اندرونی نتائج و معانی کی شناخت کرنے والے ہیں ان کے لئے اس واقعہ میں بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اور وہ (یعنی الٹی ہوئی بستی) اس راستہ پر موجود ہے جو (اب بھی) آباد ہے یعنی اب بھی موجود ہے اس کے نشانات مٹے نہیں ہیں لوگ اس پر چلتے ہیں مقیم بمعنی قائم موجود (جس کے نشان مٹے نہ ہوں!

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۷۷﴾ بلاشبہ اس بیان میں مؤمنوں کے لئے نشانی ہے۔ یعنی ان لوگوں کے لئے جو اللہ اور اس کے رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ بیان اللہ کی طرف سے ہے۔

وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ اور بلاشبہ ایکہ والے بھی ظالم تھے۔ انہوں نے شعیبؑ کی تکذیب اور اللہ کی توحید کا انکار کر کے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا اور دوزخ کے مستحق بنے تھے۔ الایکۃ گھنے درخت، جھاڑی۔ اصحابُ الایکہ سے مراد حضرت شعیبؑ کی قوم ہے جو گھنے جنگل میں رہتی تھی وہاں عموماً درخت گوگل کے تھے۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ پس ہم نے ان سے انتقام لیا (ان کو ان کے جرم کی سزا دی) اللہ نے سات روز تک ان پر سخت گرمی کو مسلط کر دیا۔ سات روز کے بعد بادل کا ایک ٹکڑا آیا لوگ آرام لینے اور کچھ سکھ پانے کے لئے اس کے سایہ میں آ گئے لیکن اللہ نے اس بادل سے ان پر آگ برسائی اور سب جل بھن کر خاک ہو گئے اس عذاب کو عذاب یوم الظلہ (سایہ کے دن کا عذاب) کہا گیا ہے۔

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿۷۹﴾ اور دونوں (قوموں کی) بستیاں صاف سڑک پر (واقع) ہیں ہا (دونوں) سے مراد ہیں قومِ لوطؑ کی بستی سدوم اور قومِ شعیبؑ کی بستی ایکہ۔ بعض اہلِ تفسیر کا قول ہے کہ ایکہ اور مدین مراد ہیں کیونکہ ان دونوں شہروں کی اصلاح کے لئے حضرت شعیبؑ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا اوپر کی آیت میں ایک کا ذکر کر دیا گیا (اصحاب الایکۃ کا ذکر کر دیا، دوسری بستی کا ذکر اس جگہ ضروری نہ تھا)

بِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ کھلا ہوا راستہ، طریق واضح۔ جس کو دیکھ کر مکّہ والے عبرت حاصل کر سکتے تھے (سفر میں اس راستہ پر جاتے تھے) "امام" ہر وہ چیز جس کی پیروی کی جائے (یعنی اس کو نمونہ مکمل یا پیشوا یا دستورِ کار بنا لیا جائے) لوحِ محفوظ کو اور معمار کی گنیا کی ڈور کو اور راستہ کو بھی اسی مناسبت سے "امام" کہا جاتا ہے (جہاں کے تمام واقعات لوحِ محفوظ کی تحریر کے موافق ہوتے ہیں۔ معمار اپنی

Marfat.com

گنیا کے ڈورے سے تعبیر کرنا پایا اور اندازہ کرتا ہے اور راستے پر بھی سبھی لوگ چلتے ہیں راہ سب کے لئے راہ نما ہوتی ہے)

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾ اور حجر والوں نے بلا شبہ پیغمبروں کو جھوٹا قرار دیا

یعنی حضرت صالحؑ کی اور ان پیغمبروں کی تکذیب کی جن کو حضرت صالحؑ نے سچا بتایا تھا۔ اَصحابُ الحِجْر سے مراد ہے قوم ثمود۔ حجر ایک وادی کا نام ہے جو مدینہ اور شام کے درمیان تھی۔

وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ اور ہم نے ان کو اپنی نشانیاں دیں لیکن وہ نشانیوں سے کترا گئے۔ آیات سے مراد وہ کتاب ہے جو ان کے نبی پر اتاری گئی تھی (یعنی حضرت صالحؑ کے صحیفے) یا پیغمبر کے معجزات مراد ہیں پتھر سے اونٹنی اور اس کے بچے کا برآمد کرنا، اس اونٹنی کا دودھ بکثرت ہونا اور تالابوں کا سارا پانی پی جانا۔

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ وہ لوگ پہاڑ تراش تراش کر ان میں گھر بناتے تھے کہ امن میں رہیں یعنی نہایت مضبوط مکان بناتے تھے نہ ان کے گرنے کا اندیشہ ہوتا تھا نہ نقب زنی کا خوف، نہ دشمنوں کی طرف سے ڈھا دینے کا ڈر، یا اٰمِنِيْنَ کا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ انتہائی غفلت کی وجہ سے اللہ کے عذاب کی طرف سے بے خوف تھے ان کا خیال تھا کہ ہر طرح کے عذاب سے پہاڑوں کے اندر وہ اپنی حفاظت کر سکیں گے۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ پھر انکو بھی (عذاب کی) ایک سخت آواز نے صبح ہوتے ہی پکڑ لیا (یعنی صبح شروع ہوتے ہی عذاب آگیا)

فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ سو ان کے (دنیوی) ہنر ان کے کچھ بھی کام نہیں آئے یعنی مضبوط مکانوں کی تعمیر اور مال کی فراوانی اور تعداد کی کثرت ان کو اللہ کے عذاب سے نہ بچا سکی۔ ہم نے سورۂ توبہ میں غزوۂ تبوک کے بیان کے سلسلہ میں لکھ دیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تبوک کو جاتے ہوئے حجر میں سے گزرے تھے اور صحابہؓ سے فرمایا تھا جن لوگوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا تھا تم ان کے گھروں اور بستی میں داخل ہو تو روتے ہوئے جانا کہیں تم پر بھی وہ عذاب نہ آجائے جو ان پر آیا تھا۔ حضور ﷺ اس وقت اونٹنی پر سوار تھے چادر سے منہ چھپا کر تیزی کے ساتھ اونٹنی کو دوڑاتے ہوئے وادی سے گزر گئے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ اور ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور درمیانی چیزوں کو بغیر مصلحت کے نہیں پیدا کیا۔ یعنی ہم نے آسمان و زمین کی تخلیق حق کے ساتھ کی ہے تاکہ صانع اور اس کی صفات پر اس سے استدلال کیا جا سکے۔ اور منکروں کے خلاف دلیل قائم ہو سکے اور ان کی جہالت کے عذر کا ازالہ ہو جائے، یا یہ مطلب ہے کہ یہ کائنات (ہم نے اس طرح صحیح بنائی ہے کہ یہ) شر اور فساد کی مقتضی نہیں ہے بلکہ حکمتِ تخلیق کا تقاضا ہے کہ ایسے مفسد اور بربادی آفریں لوگوں کو ہلاک کر دیا جائے اور ان کی فساد انگیزی کا خاتمہ کر دیا جائے۔

وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ اور بلا شبہ قیامت آنے والی ہے۔ اس روز اللہ مشرکوں اور پیغمبروں کو جھوٹا قرار دینے والوں سے انتقام لے گا۔

فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ سو آپ خوبی کے ساتھ درگذر کریں، یعنی آپ ان سے کوئی تعرض نہ کریں اور ان سے انتقام لینے کی جلدی نہ کریں۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ کوئی شبہ نہیں کہ آپ کا رب ہی بہت بڑا خالق ہے، اسی نے آپ کو بھی پیدا کیا اور آپ کے دشمنوں کو بھی۔ اسی کے ہاتھ میں تمام امور ہیں۔

الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ وہی (نیک و بد اور نیکو کار و بدکار کو) خوب جاننے والا ہے پس ہر ایک کو اس کے اعمال کے موافق جزا و سزا دے گا، یا یہ مطلب ہے کہ وہ آپ کو اور آپ کے مخالفوں کو خوب جانتا ہے لہٰذا آپ کو اپنے تمام معاملات اسی کے سپرد کر دینا چاہئے، یا یہ مطلب ہے کہ اسی نے آپ کو پیدا کیا ہے اور وہی جانتا ہے کہ آپ کے لئے کیا مناسب اور مفید ہے۔ پس اس

Marfat.com

وقت در گذر کرنا ہی مناسب ہے آپ در گذر کیجئے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ اور ہم نے آپ کو سات آیتیں دیں جو (نماز میں) مکرر پڑھی جاتی ہیں اور قرآن عظیم دیا۔

الْمَثَانِيْ مَثْنَاةٌ کی جمع ہے اور مَثْنَاةٌ اسم ظرف ہے یا مَثْنِيَةٌ کی جمع ہے اور مَثْنِيَةٌ اسم فاعل ہے۔ بہر حال اس کا موصوف محذوف ہے یعنی آیات یا سُوَر (سورتیں)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، اور حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا سات مثانی سے مراد ہے سورۂ فاتحہ جس کی سات آیات ہیں۔ قتادہ، حسن بصری، عطا اور سعید بن جبیرؓ کا بھی یہی قول ہے۔ بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اُمُّ القرآن (سورۂ فاتحہ) سات (آیات) ہیں مَثَانِی (نماز میں بار بار پڑھی جانے والی) اور (یہی) قرآن عظیم ہے۔ مَثَانِی کہنے کی وجوہ متعدد بیان کی گئی ہیں حضرت ابن عباسؓ، حسن اور قتادہ کے نزدیک نماز میں بار بار یعنی ہر رکعت میں اس کو پڑھا جاتا ہے اس لئے مَثَانِی کہا گیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورۂ فاتحہ کے دو حصے ہیں نصف تو اللہ کے لئے جس میں اللہ کی ثنا کی گئی ہے اور نصف دعا ہے جو بندہ کے لئے ہے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ فرماتا ہے، میں نے (سورۂ) صلوٰۃ (یعنی سورۂ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے لئے آدھا آدھا تقسیم کر دیا ہے الیٰ آخر الحدیث۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں یہ حدیث گزر چکی ہے۔

حسین بن فضل نے وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ سورۂ فاتحہ دو مرتبہ نازل ہوئی ایک بار مکہ شریف میں اور دوسری بار مدینہ پاک میں، ہر مرتبہ ستر ہزار فرشتے سورۂ فاتحہ کے جلو میں تھے۔ مجاہد نے کہا، مَثَانِی کا معنی ہے منتخب، چھانٹی ہوئی۔ اللہ نے یہ سورۃ اس امت کے لئے چھانٹ کر رکھ لی تھی، کسی دوسری امت کو عطا نہیں فرمائی۔ ابو زید بلخی نے کہا ثَنَيْتُ الْعِنَانَ کا معنی ہے میں نے لگام کو پھیر دیا، موڑ دیا یہ سورۃ بھی شریروں اور بدکاروں کو بدکاری سے پھیر دیتی ہے۔ بعض نے کہا مَثَانِی ثناء سے ہے اس سورۃ میں اللہ کی ثناء کی گئی ہے یعنی اللہ کی عظیم صفات کا بیان ہے۔

سعید بن جبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی نقل کیا ہے کہ سَبْعًا سے مراد ہیں سات سورتیں اور مِنَ الْمَثَانِي میں مِنْ بیانیہ ہے (سات سورتیں یعنی مَثَانِی) اور سات سورتوں سے مراد سبع طوال ہیں جن میں سب سے اول سورۂ بقرہ ہے اور انفال و توبہ کا مجموعہ ہے یہ دونوں سورتیں ایک سورت کے حکم میں ہیں اسی لئے دونوں سورتوں کے درمیان بسم اللہ نہیں لکھی جاتی، سطر خالی چھوڑ دی جاتی ہے بعض نے کہا سبع طوال میں آخری سورہ صرف سورۂ توبہ ہے بعض کے نزدیک آخری سورت یونس ہے۔

حضرت ابن عباسؓ نے مَثَانِی کہنے کی یہ وجہ بیان کی کہ ان ساتوں سورتوں میں فرائض، حدود، امثال، خیر و شر اور عبرت آفریں الفاظ (و قصص) کا بار بار تذکرہ کیا گیا ہے۔[1]

یہ بھی کہا گیا ہے کہ لفظ مَثَانِی ثناء سے مشتق ہے قرآن بلاغت اور اعجاز کے لحاظ سے ثناء کردہ بھی ہے اور اللہ کی صفات کو اس نے بیان بھی کیا ہے۔ اس لئے ثناء کرنے والا بھی ہے۔

محمد بن نصر نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے توریت کی جگہ مجھے سبع طوال

[1] حضرت عمر بن خطابؓ نے آیت لَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي کے ذیل میں فرمایا یہ یعنی سبع مثانی سبع طوال و سات طویل سورتیں ہیں۔
حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن عباسؓ، مجاہد اور سفیان وغیرہم کی طرف بھی یہ قول منسوب ہے میں کہتا ہوں مَثَانِی (بایں معنی) تو سارا قرآن ہے پورے قرآن میں ایک ہی قصہ بار بار ذکر کیا گیا ہے، مفسر۔

Marfat.com

عطا فرمائی ہے اور انجیل کی جگہ الٓرٰ والی سورتیں طٰسٓ والی سورتوں تک عطا فرمائی ہیں اور زبور کی جگہ طٰسٓ سے حٰمٓ والی سورتوں تک عنایت کی ہیں اور حٰمٓ والی سورتیں مزید عطا فرمائی ہیں اور مفصلات کو مجھ سے پہلے کسی نبی نے نہیں پڑھا (یعنی مجھے خاص طور پر مفصلات عطا فرمائی ہیں) سعید بن جبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو سبع طوال عطا کی گئیں (سات طویل سورتیں عطا کی گئیں) اور حضرت موسیٰؑ کو چھ عطا کی گئیں پھر جب حضرت موسیٰؑ نے تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں تو دو سورتیں اٹھالی گئیں چار باقی رہ گئیں۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ سبع مثانی سے حٰمٓ والی سورتیں مراد ہیں بغوی نے اپنی سند سے حضرت ثوبانؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ نے توریت کی جگہ مجھے سبع طوال عطا فرمائی اور انجیل کی جگہ مئین عطا فرمائی اور زبور کی جگہ مثانی اور میرے رب نے مفصلات مزید عنایت کیں۔

طاؤس کا قول ہے کہ مثانی سے مراد پورا قرآن ہے آیت میں آیا ہے اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ قرآن کو مثانی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں واقعات و قصص کا بیان لوٹ لوٹ کر بار بار کیا گیا ہے۔ اس قول پر مِنْ الثانی میں مِنْ تبعیض کے لئے ہوگا اور سبع سے مراد سات سورتیں ہوں گی (یعنی قرآن کی سات سورتیں ہم نے تم کو دیں)

بعض کے نزدیک "مثانی" سے مراد پورا قرآن ہے اور سبع سے مراد ہیں ساتوں اجزاء (یعنی قرآن کو سات حصوں پر تقسیم کیا جائے تو ساتوں حصے یعنی پورا قرآن مراد ہے اس قول پر والقرآن العظیم کا عطف صرف اختلاف صفت کی وجہ سے ہوگا (جیسے کہا جاتا ہے زید عالم ہے اور نیک مالدار ہے اور شریف النسب ہے)

بہر حال اقوال مذکورہ بالا کے لحاظ سے القرآن العظیم کا عطف ایسا ہوگا جیسا کل کا اس کے جز پر کر دیا جاتا ہے یا ایسا ہوگا جیسا عام کا خاص پر عطف ہوتا ہے۔

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ آپ اس چیز کو نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں جو کہ ہم نے مختلف قسم کے کافروں کو برتنے کے لئے دی ہے۔ خطاب رسول اللہ ﷺ کو ہے آنکھیں اٹھانے سے مراد ہے لالچ اور رغبت کے ساتھ نظر اٹھا کر دیکھنا۔ "ازواج" کا معنی ہے اصناف یعنی قسم قسم کے کافروں کو جو ہم نے دنیا کی نعمتیں عطا کی ہیں آپ ان کی طرف رغبت اور طمع کی نظر سے نہ دیکھیں آپ کو جو قرآن دیا گیا ہے اس کے مقابلے میں یہ ساری نعمتیں حقیر ہیں۔ اسحاق بن راہویہ نے مسند میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اگر اللہ نے کسی کو قرآن عطا فرمادیا ہو اور کسی دوسرے شخص کو دنیا عطا کی ہو اور حامل قرآن مالدار کی دنیا کو اس نعمت سے بہتر خیال کرے جو اسے دی گئی ہے تو اس نے بڑی نعمت کو چھوٹی اور چھوٹی کو بڑی قرار دے دیا (یعنی نعمت قرآن اعلیٰ ہے اور نعمت دنیا ادنیٰ۔ جو شخص نعمت دنیا کو نعمت قرآن پر ترجیح دے اس نے ادنیٰ کو اعلیٰ اور اعلیٰ کو ادنیٰ بنادیا)

بغوی نے لکھا ہے کہ حدیث لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَّمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْاٰنِ کا مطلب سفیان بن عیینہ نے یہ بیان کیا ہے کہ جو شخص قرآن کی نعمت پاکر (ساری دنیا کی دولت سے) بے نیاز نہ ہو جائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

بخاری اور بیہقی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اور امام احمد و ابوداؤد، و ابن حبان و حاکم نے حضرت سعدؓ کی روایت سے اور ابوداؤد ابولبابہ کی وساطت سے عبدالمنذر کی روایت سے اور حاکم نے حضرت ابن عباسؓ و حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی فاجر کی نعمت پر رشک نہ کرو اللہ کے ہاں اس کا قاتل موجود ہے جو (کبھی) نہیں مرے گا۔ بغوی کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں، کسی فاجر پر (اس کی) نعمت کی وجہ سے رشک نہ کرو تم کو نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد اس کو کیا پیش آئے گا اللہ کے ہاں اس کا قاتل موجود ہے جو (کبھی) نہیں مرے گا۔ وہب بن منبہ کو جب اس حدیث کی اطلاع پہنچی تو انہوں نے ابوداؤد اعور کو بھیج کر دریافت کرلیا کہ نہ مرنے والے قاتل کا کیا مطلب ہے۔ عبداللہ بن مریم نے کہا، اس سے مراد ہے دوزخ۔ امام احمد، مسلم، ترمذی، ابن ماجہ اور بغوی نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

Marfat.com

اپنے سے نیچے والے کو دیکھو اوپر والے کو نہ دیکھو اللہ کی جو نعمت تم کو حاصل ہے اس کو حقیر نہ سمجھنے کے لئے یہی (تدبیر) زیادہ مناسب ہے۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اور کافروں کا کچھ غم نہ کیجئے کہ یہ ایمان نہیں لائے یا یہ مطلب ہے کہ تم کو جو کافروں کی طرح دنیا نہیں ملی اس کی وجہ سے کافر کی نعمت پر کچھ رنج نہ کرو۔

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۸۸﴾ اور مسلمانوں پر شفقت رکھیے۔ یعنی مؤمنوں سے نرمی کیجئے ان کے ساتھ رحم کا برتاؤ رکھیے۔

وَقُلْ إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿۸۹﴾ اور (کافروں سے) کہہ دو کہ میں واضح طور پر (تم کو اللہ کی نافرمانی اور عذاب سے) ڈرانے والا ہوں کھول کھول کر واضح دلائل کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ تم ایمان نہ لائے تو اللہ کا عذاب تم پر آجائے گا۔

كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِينَ ﴿۹۰﴾ الَّذِينَ جَعَلُوا الْقُرْآنَ عِضِينَ ﴿۹۱﴾ (ایسا ہی عذاب) جیسا عذاب ہم نے ان لوگوں پر نازل کیا جنہوں نے حصے کر رکھے تھے یعنی آسمانی کتاب کے مختلف اجزاء قرار دیئے تھے (بعض حصوں کو مانتے تھے اور بعض کو نہیں مانتے تھے تم پر بھی نازل کریں گے)۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اَلْمُقْتَسِمِيْنَ سے مراد ہیں یہودی اور عیسائی۔ طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا آیت كَمَا أَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ (میں مُقْتَسِمِيْنَ) سے مراد کیا ہے فرمایا، یہودی اور عیسائی۔ سائل نے دریافت کیا عِضِيْنَ کا کیا مطلب ہے فرمایا، بعض حصہ پر ایمان لائے بعض کا انکار کر دیا۔

عِضِيْنَ عِضَةٌ کی جمع ہے عضة کا معنی ہے ٹکڑا، ایک پارہ (قاموس) عِضَةٌ کی اصل عِضْوَةٌ تھی۔ عَضَى الشَّاةَ اُس نے بکری کے اعضاء جدا جدا کر دیئے یہود و نصاریٰ نے بھی قرآن کے دو ٹکڑے کر دیئے تھے ایک کو حق اور دوسرے کو باطل کہتے تھے۔ جس کو حق کہتے تھے اس کے متعلق کہتے تھے یہ توریت و انجیل کے موافق ہے ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں اور جس حصہ کو باطل قرار دیتے تھے اس کے متعلق کہتے تھے، یہ توریت و انجیل کے خلاف ہے اس لئے غلط ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ بعض اہل کتاب بطور استہزاء کہتے تھے سورۂ بقرہ میری ہے، دوسرا کہتا تھا آلِ عمران میری ہے۔

مجاہد نے کہا، اَلْمُقْتَسِمِيْن سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں اور قرآن سے مراد وہ (عیسائی مذہب کی) کتابیں ہیں جو اہل کتاب پڑھتے تھے یہودیوں اور عیسائیوں نے اپنی کتاب کو پہچان تو لیا تھا (یعنی اقرار تو کرتے تھے) مگر اس کو چھوڑ دیا تھا۔

بعض علماء نے کہا اَلْمُقْتَسِمِيْن سے مراد ہیں قرآن کے متعلق مختلف خیالات رکھنے والے کافر کوئی قرآن کو جادو کہتا تھا کوئی شاعری کوئی کہانت اور کوئی داستانِ پارینہ۔

بعض علماء کا قول ہے کہ اِقْتِسَام سے مراد یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق ان کے اقوال بٹے ہوئے تھے کوئی آپ کو جادوگر کہتا تھا، کوئی شاعر، کوئی کاہن۔

مقاتل کی روایت ہے کہ حج کے زمانہ میں ولید بن مغیرہ نے سولہ آدمی مکہ کی گھاٹیوں، مختلف راستوں اور موریوں پر اس غرض سے مقرر کر دیئے تھے کہ جو کوئی باہر سے محمد ﷺ کے پاس آئے اس سے کہہ دیں کہ تم اس کے فریب میں نہ آجانا مقرر کردہ لوگوں میں سے کچھ لوگ تو کہیں یہ شخص دیوانہ ہے، کچھ کہیں کاہن ہے، کچھ شاعر کہیں۔ خود ولید کعبہ کے دروازے پر جا کر بیٹھ گیا تھا جب اس سے دریافت کیا گیا کہ کچھ لوگ ساحر، کچھ شاعر، کچھ مجنون کہتے ہیں تمہارا کیا فیصلہ ہے، ولید نے کہا یہ سب باتیں ٹھیک ہیں سب لوگ سچ کہتے ہیں۔

اب اگر مُقْتَسِمِيْن سے مراد یہودی لئے جائیں تو اللہ کی طرف سے جو عذاب ان پر آیا وہ بنی قریظہ کے قتل اور بنی نضیر



Marfat.com

کے ملک بدر کئے جانے کی صورت میں نمودار ہوا اور اگر مُقتسِمین سے مراد قریش (ولید کے مقرر کئے ہوئے اشخاص) ہوں تو بدر کی شکست کی شکل میں ان پر اللہ کا عذاب آیا، بعض اہل تفسیر کے نزدیک مُقتسِمین سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضرت صالحؑ کو رات میں قتل کر دینے کا مشورہ کیا تھا اور اس پر قسمیں کھائی تھیں (اس صورت میں المُقتسِمین کا ترجمہ ہوگا، قسمیں کھانے والے)

بعض اہل لغت نے لکھا ہے کہ عِضِیْن عِضَۃٌ کی جمع ہے اور عِضَۃٌ کی اصل عِضْھَۃٌ تھی جیسے شَفَۃٌ اصل میں شَفْھَۃٌ تھا عِضْھَۃٌ جھوٹ اور بہتان کو کہتے ہیں صاحب قاموس نے عِضَۃٌ کا معنی کذب لکھا ہے حدیث بیعت میں آیا ہے کہ اِیَّاکُمْ وَالْعِضَۃَ بہتان تراشی سے بچو۔ زمخشری نے کہا کہ عِضَۃٌ اصل میں عِضْھَۃٌ بروزن فِعْلَۃٌ تھا اور عِضْھَۃٌ کا معنی ہے بہتان۔ کذا فی النہایۃ للجزری۔

بعض اہل لغت کا قول ہے کہ اَلْعِضَۃُ کا معنی ہے جادو صاحب قاموس نے لکھا ہے کہ العِضُون بمعنی جادو یہ عِضْھَۃٌ کی جمع ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے لَعَنَ اللّٰہُ الْمُتَعَضِّھَۃَ وَالْمُسْتَعْضِھَۃَ جادو کرنے والی اور جادو کرانے والی پر اللہ کی لعنت (النہایۃ) یہ بھی ممکن ہے کہ کَمَا اَنْزَلْنَا کا تعلق وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سے ہو اور اٰتَیْنَا کا معنی ہو اَنْزَلْنَا اور اَنْزَلْنَا عَلَی الْمُقْتَسِمِیْنَ سے مراد (عذاب نازل کرنا نہ ہو بلکہ) توریت و انجیل نازل کرنا ہو۔ مطلب اس طرح ہوگا ہم نے آپ پر سبع مثانی نازل کیں جیسے یہود و نصاریٰ پر توریت و انجیل اتاری۔

اس صورت میں آیت لَا تَمُدَّنَّ سے آخر آیت تک جملہ معترضہ ہوگی۔ اور اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ المُقْتَسِمِین کی صفت ہوگی۔ لیکن اگر المُقْتَسِمِین سے مراد وہ لوگ ہوں جنہوں نے صالحؑ کو قتل کرنے کا باہم مشورہ کیا تھا تو اَلَّذِیْنَ جَعَلُوا مبتدا ہوگا اور آئندہ آیت خبر۔

فَوَرَبِّکَ لَنَسْئَلَنَّھُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ پس قسم ہے آپ کے رب کی (یعنی ہم کو اپنی ذات کی) کہ ہم ان سب سے ان کے اعمال کی ضرور باز پُرس کریں گے۔ اعمال میں گناہ بھی داخل ہیں اور کفر بھی اور قرآن کی تکذیب بھی اور اس کو جادو قرار دینا بھی سوال کرنے سے مراد یہ ہے کہ ہم ان سے باز پُرس کریں گے اور ان کو ان کے کئے کی سزا بھی دیں گے۔

بغوی نے محمد بن اسماعیل بخاریؒ کا قول نقل کیا ہے کہ متعدد علماء کے نزدیک عَمَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ سے مراد ہے لا الٰہ الا اللہ (یعنی لا الٰہ الا اللہ کی ہم ان سے باز پُرس کریں گے)

---

ترمذی، ابن جریر، ابن ابی حاتم، اور ابن مردویہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اس آیت کے ذیل میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم ان سے باز پرس کریں گے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے متعلق۔

مسلم نے حضرت ابو برزہ اسلمیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (پل) صراط سے کسی بندہ کے قدم اس وقت تک نہیں ہٹیں گے (یعنی کوئی شخص اس وقت تک پل صراط سے پار نہیں ہوگا) جب تک اس سے چار باتیں نہ پوچھ لی جائیں گی۔ اس وقت سوال کیا جائے گا عُمر کے متعلق کہ کس کام میں ختم کی اور (سوال ہوگا) جسم کے متعلق کہ کس کام میں اس کو خرچ کیا (یعنی جسمانی طاقتیں کس کس کام میں صَرف کیں) اور (سوال ہوگا) علم کے متعلق کہ علم کے بعد کیا عمل کیا اور (سوال ہوگا) مال کے متعلق کہ کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا۔ ترمذی اور ابن مردویہ نے حدیث اسی طرح حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

اصبہانی نے ترغیب میں اور طبرانی نے (الاوسط میں) حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، علم (سکھانے) میں باہم خیر خواہی سے کام لو، کوئی کسی سے علم پوشیدہ نہ رکھے، علم میں خیانت کرنا مال میں خیانت کرنے

Marfat.com

سے زیادہ سخت ہے۔ اللہ اس کی بھی تم سے ضرور باز پُرس کرے گا۔

ابو نعیم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، بندہ جو قدم بھی (کسی مقصد کے لئے) اٹھاتا ہے اللہ اس مقصد کی اس سے ضرور باز پُرس کرے گا۔

طبرانی نے الاوسط میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو شخص لوگوں کی امامت کرے اس کو اللہ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور یہ جان لینا چاہئے کہ وہ (مقتدیوں کا) ذمہ دار ہے۔ اور اس ذمہ داری کے متعلق اس سے باز پُرس ہو گی اگر اس نے امامت اچھی (طرح، صحیح) کی ہو گی تو اس کو پیچھے والوں کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا اور اگر کچھ کمی ہو گی (یعنی نماز میں کچھ نقص ہوا ہو گا) تو اس کا گناہ بھی امام پر پڑے گا۔ ابو نعیم نے حلیہ میں اور ابن ابی حاتم نے حضرت معاذ بن جبلؓ کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، معاذ مؤمن سے قیامت کے دن اس کے تمام کاموں کی باز پُرس ہو گی یہاں تک کہ آنکھوں میں سُرمہ (لگانے) کے متعلق بھی سوال کیا جائے گا۔

بیہقی اور ابن ابی الدنیا نے حسن کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو بندہ کوئی خطبہ دیتا ہے اللہ اس سے اس خطبہ اور خطبہ کی اصل مراد کے متعلق ضرور باز پُرس کرے گا۔ یہ حدیث مرسل ہے (حسن بصریؒ تابعی ہیں صحابی کا نام روایت میں نہیں ہے)

ابن ابی حاتم نے انفع بن عبداللہ کلاعی کا قول نقل کیا ہے کہ جہنم کے سات پُل ہیں اور صراط ان کے اوپر ہے۔ تمام مخلوق کو پہلے پل پر روک لیا جائے گا حکم ہو گا ان کو ٹھہرالو، ان سے باز پرس کی جائے گی، یہاں نماز کی حساب فہمی اور باز پرس ہو گی ہلاک ہونے والا ہلاک ہو جائے گا اور نجات پانے والا نجات پا جائے گا، دوسرے پل پر پہنچیں گے تو امانت کی بابت سوال ہو گا کہ کیسے ادا کی اور کیسے اس میں خیانت کی یہاں بھی تباہ ہونے والا تباہ ہو جائے گا اور نجات پانے والا نجات پا جائے گا، پھر تیسرے پل پر پہنچیں گے تو رشتہ داری کے متعلق سوال کیا جائے گا کہ سلسلۂ قرابت کو جوڑا یا توڑا۔ یہاں بھی مرنے والا مرے گا اور بچنے والا بچ جائے گا رحم اس روز نیچے کی طرف آویختہ ہو گا اور عرض کرے گا اے اللہ جس نے مجھے ملائے رکھا ہو تو بھی اس کو اپنے سے ملائے اور جس نے مجھے توڑا ہو تو بھی اس سے قطع تعلق کر لے۔

ابن ماجہ نے حضرت ابو سعید خدریؓ کا بیان نقل کیا ہے حضرت ابو سعیدؓ نے فرمایا میں نے خود سنا رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے قیامت کے دن اللہ بندہ سے سوالات کرے گا یہاں تک کہ فرمائے گا جب تو نے بری بات دیکھی تو اس کا رد کیوں نہیں کیا۔ اس وقت اللہ خود اس کے دل میں صحیح جواب ڈال دے گا۔ بندہ عرض کرے گا، میرے رب میں تجھ سے امید لگائے ہوئے تھا اور لوگوں سے مجھے ڈر تھا (اس لئے خاموش رہا اور اس کام کو دل سے بُرا جانتا رہا)

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر ایک (ذمہ دار) نگراں ہے اور جس کی نگرانی اس کے سپرد ہے اس کے متعلق باز پُرس اس سے کی جائے گی حاکم سب لوگوں کا ذمہ دار اور) نگراں ہے اس سے اس کی رعیت کی باز پرس کی جائے گی۔ مرد اپنے گھر والوں کا ذمہ دار ہے۔ اس سے گھر والوں کے متعلق باز پرس ہو گی عورت اپنے شوہر کے گھر والوں کی اور اس کے بچوں کی ذمہ دار ہو گی اس سے (اس کے حلقۂ اثر مال کے متعلق باز پرس ہو گی۔ غلام (یعنی خادم) اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اس سے آقا کے مال کے متعلق باز پرس ہو گی غرض تم میں سے ہر ایک نگراں (یعنی ذمہ دار) ہے اور جس کی نگرانی اس کے سپرد ہے اس کے متعلق اس سے باز پرس ہو گی اس موضوع کی احادیث حضرت انسؓ کی روایت سے ابن حبان، ابو نعیم اور طبرانی نے بھی بیان کی ہیں۔

طبرانی نے الکبیر میں حضرت مقدامؓ کی روایت سے نقل کیا ہے حضرت مقدامؓ نے فرمایا، میں نے خود رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرما رہے تھے جو شخص بھی کسی قوم پر (مسلّط، پیشوا، حاکم، لیڈر وغیرہ) ہو گا قیامت کے دن وہ اس قوم کے آگے آگے جھنڈا اٹھائے ہو گا اور وہ) لوگ اس کے پیچھے ہوں گے۔ قوم کے متعلق اس سے باز پرس کی جائے گی اور قوم والوں سے اس

Marfat.com

کی بابت پوچھا جائے گا۔
طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو امیر دس آدمیوں کا بھی حاکم ہو گا قیامت کے دن اس سے اس کے ماتحتوں کے متعلق باز پرس ہو گی (سوال کے سلسلہ کی احادیث بکثرت آئی ہیں)
ایک شبہ: آیت لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ اور اس کے ہم معنی احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر ایک سے اس کے اعمال کی باز پرس ضرور ہو گی لیکن آیت فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ سے سوال کی نفی ہوتی ہے بظاہر دونوں میں تضاد ہے۔

## ازالہ

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا یہ سوال نہ ہو گا کہ تم نے یہ عمل کیا یا نہیں۔ اللہ کو اس سوال کی ضرورت نہیں اس کو کسی عمل کے کرنے نہ کرنے کا کامل علم ہے بلکہ باز پرس اس بات کی ہو گی کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔
بیہقی نے ابو طلحہ کی سند سے بھی حضرت ابن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ قطرب نے اس پر اعتماد کرتے ہوئے کہا ہے کہ سوال کی دو قسمیں ہیں:
(۱) علم حاصل کرنے کے لئے جس کو استفہامیہ سوال کہا جاتا ہے۔
(۲) زجر و توبیخ کے لئے۔ لَا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْۢبِهٖ میں استفہامیہ سوال کی نفی کی گئی ہے اور لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ میں زجر و توبیخ کے لئے سوال کرنے کی صراحت کی ہے۔ عکرمہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، قیامت کا دن بہت طویل ہو گا جس میں متعدد مواقف راہ اور رو کے جانے کے مقامات ہوں گے بعض مقامات پر اعمال کی باز پرس ہو گی بعض مقامات پر کوئی سوال نہ ہو گا۔ یہی تاویل ان آیات کی ہے جن میں بولنے اور نہ بولنے کا تضاد معلوم ہوتا ہے ایک آیت ہے هٰذَا يَوْمُ لَا يَنْطِقُوْنَ یہ ایسا دن ہو گا کہ لوگ کچھ نہ بول سکیں گے دوسری آیت ہے يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ رَبِّكُمْ تَخْتَصِمُوْنَ قیامت کے دن تم رب کے پاس جھگڑا کرو گے (کذا اخرج الحاکم)

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ جو آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اس کو علی الاعلان بیان کر دیجئے۔

حضرت ابن عباسؓ نے اِصْدَعْ کا ترجمہ کیا ہے ظاہر کر دو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اظہار دعوت کا حکم دیا ہے۔ عبد اللہ بن عبیدہؓ کی روایت میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے رسول اللہ ﷺ اسلام و ایمان کی دعوت پوشیدہ طور پر دیا کرتے تھے۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ اور آپ کے ساتھی کھل کر سامنے آ گئے۔ حضرت ابن عباسؓ کا ایک قول یہ بھی آیا ہے کہ اِصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کا ترجمہ ہے "دعوت جاری رکھو"۔ ضحاک نے ترجمہ کیا "اطلاع دے دو اعلان کر دو"۔ انقش نے کہا قرآن کے ذریعہ سے حق کو باطل سے جدا کر دو۔ سیبویہ نے کہا جیسا تم کو حکم دیا جا رہا ہے اسی کے موافق فیصلہ کرو۔ لغت میں صَدَعَ کا معنی ہے الگ الگ کر دینا (پھاڑ دینا) جدا جدا کر دینا۔ فصل کر دینا (لغوی معنی کی مناسبت سے علماء نے مرادی معنی جدا جدا بیان کئے ہیں) وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾

اور مشرکوں کی طرف کوئی توجہ نہ کرو (یعنی مشرکوں کی پروا نہ کرو مترجم) بعض علماء نے کہا آیت قتال سے یہ آیت منسوخ ہو گئی۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ یہ لوگ (جو آپ پر) استہزاء کرتے ہیں ان سے نمٹنے کے لئے ہم کافی ہیں یعنی ان کی جڑ اکھاڑ دیں گے ان کو تباہ کر دیں گے۔ بغوی نے لکھا ہے اللہ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ تم اللہ کا حکم پکار کر سناؤ۔ اللہ کے سوا کسی سے مت ڈرو۔ تمہارے لئے اللہ کافی ہے مذاق اڑانے والوں اور تم سے ٹھٹھول کرنے والوں کے مقابلے میں بھی اللہ نے تمہاری مدد کی۔ رسول اللہ ﷺ سے استہزاء کرنے والے اور آپ کی ہنسی اڑانے والے قریش کے پندرہ سردار تھے۔ (۱) ولید بن مغیرہ مخزومی یہ سب کا سرگروہ تھا۔ (۲) عاص بن وائل سہمی۔ (۳) اسود بن مطلب بن حارث بن اسد بن عبد العزیٰ رسول

Marfat.com

اللہ ﷺ نے اس کو بددعا دی تھی اور فرمایا تھا اے اللہ اس کو اندھا کر دے اس کو لاولد کر دے۔ (۴) اسود بن عبد یغوث بن وہب بن مناف بن زہرہ (۵) حارث بن قیس بن الطلالہ۔ رسول اللہ ﷺ سے استہزاء کرنیوالے کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ ولید بن مغیرہ آپ کی طرف سے گزرا اتنے میں جبرئیلؑ آگئے اور رسول اللہ ﷺ کے پہلو کھڑے ہو گئے اور کہا محمدؐ تمہارے نزدیک یہ کیسا ہے رسول اللہ نے جواب دیا بُرا بندہ ہے جبرئیلؑ نے کہا آپ کا کام اللہ کی طرف سے پورا کر دیا گیا پھر جبرئیلؑ نے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا بنا بریں ولید کسی خزاعی آدمی کی طرف سے ہو کر نکلا وہ شخص اپنے تیروں کے پَر ٹھیک کر رہا تھا ولید اس وقت یمنی چادر اوڑھے (غرور سے) تہہ بند زمین میں کھینچتا ہوا چل رہا تھا۔ خزاعی شخص کے تیر کی بوری ولید کے تہہ بند سے الجھ گئی انتہائی غرور کی وجہ سے نیچے جھک کر بوری کو تہہ بند سے نکالنا گوارا نہ کیا اور زور سے اپنی پنڈلی کو دے پٹکا۔ بوری سے پنڈلی میں خراش لگ گئی اور اسی خراش سے یہ مر گیا۔ عاص بن وائل بھی رسول اللہ ﷺ کی طرف سے گزرا اور جبرئیلؑ نے دریافت کیا تھا یہ کیسا آدمی تھا رسول اللہ ﷺ نے جواب دیا تھا بُرا بندہ ہے۔ جبرئیلؑ نے عاص کے پاؤں کی تلوؤں کی طرف اشارہ کر کے کہا آپ کا کام ہو گیا (اب آپ کو اس کے مقابلے میں کچھ نہیں کرنا پڑے گا) چنانچہ ایک روز عاص تفریح کر کے لئے اونٹنی پر سوار ہو کر اپنے دونوں لڑکوں کو ساتھ لے کر مکہ سے باہر نکلا اور کسی گھاٹی پر جا کر اترا وہاں کپڑے کا کوئی ٹکڑا تھا عاص نے اس پر قدم رکھا کپڑے میں کوئی کانٹا تھا کانٹا اس کے تلوے میں چبھ گیا عاص فوراً چلایا مجھے کسی کیڑے نے ڈس لیا، لوگوں نے تلوے کو دیکھا لیکن ڈھونڈھنے کے بعد کوئی چیز نظر نہ آئی، ٹانگ سوج کر اونٹ کی گردن کی طرح ہو گئی آخر وہیں اسی وقت مر گیا۔

اسود بن مطلب بھی (جبرئیلؑ کی موجودگی میں) رسول اللہ ﷺ کی طرف سے گذرا اور جبرئیل کے سوال و جواب میں حضور ﷺ نے فرمایا تھا یہ برا بندہ ہے اور جبرئیل نے حسب سابق کہا آپ کا کام کر دیا گیا اور اس کی آنکھوں کی طرف اشارہ کیا تھا چنانچہ اسود نابینا ہو گیا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جبرئیلؑ نے ایک سبز پتہ اسود پر مارا تھا جس سے اس کی نگاہ جاتی رہی اور آنکھوں میں اتنا درد ہوا کہ دیوار سے سر پٹکنے لگا آخر اسی میں مر گیا۔ کلبی کی روایت میں آیا ہے کہ اسود اپنے غلام کے ساتھ کسی درخت کی جڑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جبرئیل وہاں پہنچ گئے۔ اور اس کا سر پکڑ کر درخت سے ٹکرانے اور منہ پر کانٹے مارنے لگے۔ اسود نے واویلا مچادی اور غلام سے مدد کا خواستگار ہوا۔ غلام نے کہا، مجھے تو اور کوئی نظر نہیں آتا آپ خود ہی یہ حرکت کر رہے ہیں۔ کہنے لگا، مجھے محمدؐ کے رب نے قتل کر دیا یہ لفظ کہتے کہتے مر گیا۔ اسود بن عبد یغوث بھی گذرا تھا اور جبرئیلؑ کے سوال کے جواب میں حضورؐ نے فرمایا، یہ بُرا بندہ ہے باوجودیکہ میرے ماموں کا بیٹا ہے جبرئیلؑ نے کہا اب آپ کو (اس کی دفاع کی) کوئی ضرورت نہیں یہ کہتے ہوئے اسود کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا تھا جس سے اس کو استسقاء بطن ہو گیا اور مر گیا کلبی کی روایت میں آیا ہے کہ اسود (ایک روز) گھر سے نکلا، باہر لوگ گئی تھی لگنے سے اس کا رنگ (جل کر) کالے حبشی کی طرح ہو گیا گھر کو لوٹا تو گھر والوں نے اسے پہچانا بھی نہیں اور باہر نکال کر دروازہ بند کر لیا اسی حالت میں وہ مر گیا اور مرتے مرتے کہتا رہا، مجھے محمدؐ کے رب نے قتل کیا ہے۔

حارث بن قیس کے متعلق بھی رسول اللہ ﷺ نے جبرئیلؑ سے کہا تھا یہ برا بندہ ہے۔ جبرئیلؑ نے حارث کے سر کی طرف اشارہ کر کے کہا تھا آپ کا کام کر دیا گیا اب آپ کو ضرورت نہیں چنانچہ اس کی ناک سے پیپ کی ریزش ہونے لگی اسی سے مر گیا حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، حارث بن قیس نے نمکین مچھلی کھائی تھی جس سے پیاس کی شدت ہو گئی اور برابر پانی پیتا رہا، آخر پیٹ پھٹ گیا اور مر گیا آیت اِنَّا کَفَیْنٰکَ الْمُسْتَهْزِئِیْنَ کا مطلب یہی ہے جو آپ کے ساتھ اور قرآن کے ساتھ استہزاء کرتے تھے ہم نے (ان کے شر سے آپ کو محفوظ رکھا اور) آپ کی طرف سے ان کا کام تمام کر دیا۔

طبرانی، ابو نعیم اور بیہقی نے (دلائل میں) حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ (رسول اللہ ﷺ کی ہنسی بنانے والے) پانچ قریشی سردار تھے ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل، عدی بن قیس، اسود بن عبد یغوث اور اسود بن مطلب۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو دکھ پہنچانے اور آپ کا مذاق اڑانے میں بہت آگے بڑھ چکے تھے حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں آپ کی طرف سے ان کا کام تمام کر دوں۔ چنانچہ جبرئیلؑ نے ولید کی پنڈلی کی طرف اشارہ کیا اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی شخص تیر درست کر رہا تھا ولید ادھر سے گذرا اور اس کا کپڑا تیر سے الجھ گیا۔ اس نے غرور کی وجہ سے جھک کر

Marfat.com

تیر نہیں نکالا آخر تیر کی بوری کسی رگ میں لگ گئی اور اسی زخم سے وہ مر گیا حضرت جبرئیلؑ نے عاص کے تلوے کی طرف اشارہ کیا تھا نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے تلوے میں کوئی کانٹا چبھ گیا ٹانگ سوج کر چکی کی طرح ہو گئی اور وہ مر گیا۔ عدی بن قیس کی ناک کی طرف اشارہ کیا ناک سے پیپ بہنے لگی اور اسی سے اس کا انتقال ہو گیا اسود بن عبد یغوث کے سر کی طرف اشارہ کیا تھا ایک روز یہ شخص کسی درخت کی جڑ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ سر کو درخت سے ٹکرانے اور منہ کو کانٹوں (والی ٹہنی) سے پیٹنے لگا آخر مر گیا اسود بن مطلب کی آنکھوں کی جانب اشارہ کیا تھا جس کی وجہ سے وہ اندھا ہو گیا۔

بزار اور طبرانی نے حضرت انس بن مالکؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں کی طرف سے گذرے ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی پشت کی طرف طعن آمیز اشارہ کر کے کہا یہی وہ شخص ہے جو اپنے کو نبی کہتا ہے اس وقت جبرئیلؑ حضور ﷺ کے ساتھ تھے جبرئیلؑ نے ان کی طرف اشارہ کیا جس کی وجہ سے ناخن کے نشان کی طرح ان کے جسموں پر نشان ہو گیا آخر وہ نشان پھوڑا بن گیا اور سڑ گیا اور ایسا سڑ گیا کہ کوئی پاس بھی نہیں جاتا تھا انہیں لوگوں کے متعلق آیت اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِئِيْنَ نازل فرمائی۔

الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۚ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبود (کو شریک) قرار دیتے ہیں یقیناً انکو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا انجام کار کیا ہوا۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ اور ہم یقیناً واقف ہیں کہ ان کے قول سے آپ کے دل کو کوفت ہوتی ہے یعنی آپ کے سینہ میں غصہ کا اُبال ہوتا ہے اور آپ اس کو پورا نہیں کر سکتے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ آپ اپنے رب کی تسبیح و تحمید کرتے رہیں۔ یعنی ہر چیز سے دل کو خالی کر کے اللہ کی حمد و تسبیح (اللہ کی پاکی کے) اعتراف و اظہار میں مشغول ہو جایئے اللہ آپ کی کارسازی کرے گا۔ حمد و تسبیح میں مشغول ہونے سے دل کو کوفت اور سینہ کی بندش دور ہو جائے گی اور شدتِ غضب جاتی رہے گی یا یہ مطلب ہے کہ ان کے (مشرکانہ اور کافرانہ) اقوال سے اللہ کے پاک ہونے کا اظہار کیجئے اور اسی کے ساتھ اللہ کا شکر کیجئے کہ اللہ نے حق کا راستہ آپ کو دکھا دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے (تسبیح و حمد سے مراد لی ہے نماز اور آیت کی تشریح میں) فرمایا آپ اپنے رب کے حکم کے موافق نماز پڑھیے۔

وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ اور نماز پڑھنے والوں میں رہیں سَاجِدِيْنَ سے مراد ہیں تواضع اور اظہارِ فروتنی کرنے والے۔ ضحاک کے نزدیک نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ امام احمد، ابوداؤد، ابن جریر نے حضرت حذیفہ بن یمانؓ کے بھائی حضرت عبدالعزیز کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی امرِ ثقیل پیش آتا تھا تو آپ (گھبرا کر) نماز کی طرف رجوع کرتے تھے۔

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ اور وقت موت آنے تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں۔ یقین سے مراد ہے موت۔ ہر زندہ کے لئے موت کا آنا یقینی ہے یعنی جب تک آپ زندہ ہیں۔ رب کی عبادت میں مشغول رہیں، عبادت کو ترک نہ کریں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کا قول بھی اسی مضمون کا نقل فرمایا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ نے کہا تھا: اَوْصَانِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا۔

بغوی وغیرہ نے حضرت جبیر بن نفیرؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے مال جمع کرنے اور تاجر بن جانے کا حکم بذریعۂ وحی نہیں دیا گیا بلکہ میرے پاس تو وحی بھیجی گئی کہ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ حضرت مصعب بن عمیرؓ کو مینڈھے کی کھال اوڑھے اور اسی کا نطاق باندھے سامنے سے آتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا اس کو دیکھو اللہ نے اس کے دل کو نورانی کر دیا میں نے وہ وقت بھی اس کا دیکھا تھا کہ اس کے ماں باپ اس کو اعلیٰ قسم کی غذا کھلاتے پلاتے تھے۔ ایک جوڑا اس کے بدن پر دو سو درہم کا تھا۔ لیکن اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت نے اس کی یہ حالت کر دی جو تمہارے سامنے ہے۔

(۲۶ ربیع الثانی ۱۲۰۲ھ کو سورۃ الحجر کی تفسیر ختم ہوئی بحمد اللہ ۱۹ شعبان ۱۳۸۷ھ کو صبح چار بجے اس سورت کا ترجمہ ختم ہوا)

Marfat.com

# سُوْرَۃُ النَّحْلِ

اس سورۃ کی ۱۲۸ آیات ہیں اور آخری تین آیات کو چھوڑ کر باقی سورت مکی ہے ابن اسحاق و ابن جریر نے عطاء بن یسارؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اس سورت کے آخر کی تین آیات تو مدینہ میں جنگ اُحد کے بعد نازل ہوئی تھیں باقی سورت مکہ میں نازل ہوئی۔ جنگ اُحد میں حضرت حمزہؓ شہید ہو گئے تھے اور کافروں نے آپ کو مُثلہ بھی کیا تھا اور (شدتِ غضب میں) حضور ﷺ نے فرمایا تھا اگر ہم ان پر غالب آئے تو ہم بھی ان کو ایسا مُثلہ کریں گے کہ کسی عرب نے کسی عرب کو نہیں کیا ہوگا۔ اسی پر اللہ نے آیت وَاِنْ عَاقَبْتُمْ نازل فرمائی۔

## بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ اللہ کا حکم آ پہنچا۔ یعنی قریب آ گیا ابن عرفہ نے کہا جس چیز کی (یقینی) توقع ہو، عرب اس کے لئے کہتے ہیں وہ چیز ہو گئی۔ آیت میں امرِ الٰہی کے قریب الوقوع یا یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے مجازاً ماضی کا صیغہ استعمال کیا جو بات آئندہ یقینی طور پر ہونے والی ہو اور اسکا ہونا لازم ہو اس کو بصیغہ ماضی بیان کر دیتے ہیں (صیغہ ماضی سے اشارہ اس امر کی طرف ہوتا ہے کہ یہ کام ضرور ہو گا اور عنقریب ہو گا مترجم) امر اللہ سے مراد ہے قیامت کا آنا (کلبی وغیرہ) مراد یہ ہے کہ قیامت کا آنا ضروری ہے تم اس کا یقین رکھو اور یہ سمجھو کہ گویا آ گئی اس لئے تیاری کرو۔

فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اس کے جلد آجانے کی مانگ نہ کرو (وہ تو بہر حال آئے گی اور تمہارے لئے اس کے آنے میں کوئی فائدہ نہ ہو گا اس لئے جلد آنے کی خواہش تمہارے لئے ضرر رساں ہے)

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ جب آیت اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ نازل ہوئی تو بعض کافروں نے کہا یہ شخص کہتا ہے کہ پچھلی گھڑی قریب آ گئی اچھا تم (کچھ دنوں کے لئے) اپنے موجودہ مشاغل و اعمال ترک کر دو ہم بھی تو دیکھیں کہ آخر کیا ہونے والا ہے لیکن جب کچھ مدت تک انتظار کرنے کے بعد بھی کچھ نہ ہوا (اور قیامت نہ آئی) تو کہنے لگے تم جس چیز سے ہم کو ڈرا رہے ہو اسکا تو نام و نشان بھی نہیں پیدا ہوا اس پر آیت اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ نازل ہوئی۔ یہ آیت سن کر کافر خوف زدہ ہو گئے اور کچھ مدت تک مزید انتظار کیا لیکن طویل انتظار کے بعد بھی جب کچھ نہ ہوا تو کہنے لگے محمد (ﷺ) ہم کو ڈراتے ہو اور ہوا کچھ بھی نہیں ہے اس وقت اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ نازل ہوا۔ اس جملہ کے نزول پر رسول اللہ ﷺ اپنی جگہ سے اُچھل پڑے اور لوگوں نے اپنے سر اوپر اٹھا کر دیکھا اور خیال کیا کہ قیامت حقیقت میں آ ہی گئی اس پر (آخری فقرہ) فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ نازل ہوا اس وقت لوگوں کو اطمینان ہوا اور (گھبراہٹ) رفع ہوئی)

ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ نازل ہوا تو صحابہ خوف زدہ ہو گئے اس پر فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ نازل ہوا۔ اِسْتِعْجَال کا معنی ہے وقت سے پہلے کسی چیز کی طلب۔ بغوی نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل

Marfat.com

ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں (سبابہ اور وسطیٰ) سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا میں اور قیامت ان دونوں کی طرح (متصل) بھیجے گئے ہیں (شاید حضور ﷺ کی یہ مراد ہو کہ میرے بعد قیامت تک اور کوئی پیغمبر نہیں آئے گا اور میری نبوت کا دور قیامت تک باقی رہے گا۔ مترجم)

ترمذی نے حضرت مستورد بن شداد کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے عین قیامت کے وقت میں ہی بھیجا گیا مگر میں قیامت سے آگے آگیا جیسے یہ (انگلی) اس (انگلی) سے پہلے ہے (اگرچہ دونوں ساتھ ہی ساتھ ہیں) حضور ﷺ نے اپنی دونوں انگلیوں سبابہ اور وسطیٰ سے اشارہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا تھا۔

بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت قیامت کی علامات میں سے ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس جب (پیام بعثت لے کر) حضرت جبرئیلؑ کو بھیجا گیا اور اثناء راہ میں آپ آسمان والوں کی طرف سے گذرے تو اہل سماوات نے کہا، اللہ اکبر قیامت بپا ہو گئی۔

بعض اہل تفسیر کا خیال ہے کہ اَمْرُ اللّٰهِ سے مراد ہے سزا اور عذاب قتل۔ واقعہ یہ ہوا کہ نضر بن حارث نے کہا تھا اے اللہ اگر یہ تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر دے پس کافروں نے وقت سے پہلے عذاب کی مانگ کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نضر کو بدر کے دن قتل کیا گیا۔

سُبْحٰنَهٗ میں اللہ کی پاکی کا اظہار کرتا ہوں (جیسی پاکی اس کے لائق ہے مترجم)

وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ① اور وہ اپنی (صفات قدسیہ میں) ان کے شرک سے بزرگ و بالا ہے یعنی یہ جو خیال کرتے ہیں کہ اللہ کا کوئی شریک ہے اور وہ ان کو اللہ کے عذاب سے بچالے گا اللہ اس سے اعلیٰ اور بالا ہے یا یہ مراد ہے کہ اللہ ان کے شرکیہ بیان سے بالا ہے۔

يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ وہ روح دے کر فرشتوں کو اتارتا ہے روح سے مراد ہے وحی یا قرآن قرآن سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں (جیسے روح کے تعلق سے بے جان جسم زندہ ہوتے ہیں)

مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جن پر چاہتا ہے یعنی جن کو رسول بنانا چاہتا ہے۔

اَنْ اَنْذِرُوْٓا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② کہ خبردار کر دو کہ میرے سوا کوئی لائق عبادت نہیں سو مجھ سے ڈرتے رہو۔

اَنْذِرُوْا (ثلاثی مزید متعدی) بتا دو، اطلاع دے دو۔ نَذَرْتُ هٰكَذَا (ثلاثی مجرد لازم) میں نے ایسا جانا مجھے ایسا علم ہوا۔ اَنْ تفسیریہ ہے کیونکہ روح سے مراد وحی ہے یعنی ملائکہ کو ہم اپنے منتخب بندوں کے پاس وحی دے کر بھیجتے ہیں کہ لوگوں کو بتا دیا اَنْ مصدریہ ہے اور حرف جر محذوف ہے بِاَنْ اَنْذِرُوْا تھا اَنْذِرُوْا کا ترجمہ ڈراؤ، خوف دلاؤ بھی ہو سکتا ہے یعنی مشرکوں اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈراؤ اور یہ بتاؤ کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں لہٰذا مجھ سے ڈرو۔

آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ وحی کا تعلق دو چیزوں سے ہے ایک تو توحید پر تنبیہ جو علمی قوت کے کمال کا انتہائی درجہ ہے دوسرا تقویٰ جو عملی قوت کا آخری تکمیلی مرتبہ ہے توحید کو ثابت کرنے کے لئے اللہ نے ذیل کی آیات میں اپنی خود مختار، پُر حکمت، مصلحت آگیں خلاقیت کو بیان کیا ہے اگر کوئی دوسرا شریک ہوتا تو اس میں بھی خلاقیت اور ایجاد کی قدرت ہوتی اور وہ خود مختار کامل قدرت رکھنے والوں میں شمار ہوتا۔

خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اس نے آسمانوں کو اور زمین کو حکمت سے پیدا کیا۔ یعنی خاص مقدار، خاص شکل و وضع اور مختلف صفات کے ساتھ اللہ نے آسمانوں کو اور زمین کو نیست سے ہست کیا۔ اس کی ایجاد بتا رہی ہے کہ اس کو بنانے والا واحد، بے مثال، قادر مطلق اور حکیم کامل ہے۔

Marfat.com

تَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ۝ اللہ بالا ہے ان کے شرک سے۔ یعنی زمین و آسمان میں سے کسی کو اللہ کا شریک قرار دیا جائے اس سے اللہ بزرگ و برتر ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ برتر ہے اس بات سے کہ وہ اپنی ہستی یا بقاء ہستی میں زمین و آسمان میں سے کسی چیز کا محتاج ہو زمین و آسمان کو تو خود اپنی تخلیق پر بھی قدرت نہیں ہے۔ اس آیت میں اللہ کے غیر جسمانی ہونے پر تنبیہ ہے۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ اللہ نے انسان کو نطفہ سے پیدا کیا یعنی ایسی سیال بے جان بوند سے انسان کو پیدا کیا جس میں نہ رس ہے نہ حرکت نہ وہ اپنی ہیئت و وضع کو محفوظ رکھ سکتی ہے نہ شکل کو۔ (رفتہ رفتہ انسان) جب خوب طاقت ور ہو گیا تو

فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۝ پھر یکدم وہ کھلم کھلا جھگڑنے لگا۔

خَصِیْمٌ تیز زبان جھگڑالو۔ مُّبِیْنٌ یعنی نفی قیامت کی دلیل بیان کرنے والا جو بطور دلیل کہتا ہے مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَهِیَ رَمِیْمٌ بوسیدہ ریزہ ریزہ ہڈیوں کو کون زندہ کرے گا یا خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ سے مراد ہے خالق سے کھل کر جھگڑا کرنے والا۔

بغوی نے لکھا ہے، اس آیت کا نزول اُبَی بن خلف جمحی کے متعلق ہوا ابن خلف منکر قیامت تھا ایک روز وہ ایک بوسیدہ ہڈی لے کر آیا اور بولا کیا تم کہتے ہو کہ خدا اس کو زندہ کرے گا یہ تو بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہو گئی (یہ کیسے زندہ ہو گی) اس کی بابت آیت وَضَرَبَ لَنَا مَثَلًا وَّنَسِیَ خَلْقَهٗ بھی نازل ہوئی تھی۔

سدی نے آیت اَوَلَمْ یَرَ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ نُّطْفَةٍ کا نزول بھی اسی قصہ کے متعلق بیان کیا ہے (رواہ ابن ابی حاتم) آیت کا نزول کا خواہ خاص شخص کے متعلق ہوا ہو لیکن الفاظ میں عموم ہے (ہر منکر قیامت جو دوسری زندگی کا قائل نہ ہو اسی حکم میں داخل ہے) مطلب یہ ہے کہ منکر قیامت اتنا نہیں سمجھتا کہ جب اللہ نے بے جان نطفہ سے اس کو پیدا کر دیا تو بوسیدہ ہونے کے بعد دوبارہ زندہ کر دینا اسکے لئے کیا دشوار ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِیْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ اور اسی نے چوپایوں کو پیدا کیا ان میں تمہارے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔ اَلْاَنْعَامَ سے مراد ہیں اونٹ، گائے، بھینس، بکری، بھیڑ وغیرہ۔ لَكُمْ تمہارے فائدے کے لئے جس کی تفصیل فِیْهَا دِفْءٌ میں بیان کی ہے گویا لَكُمْ میں اجمالِ منفعت ہے اور اس کے بعد تفصیل کی گئی ہے۔ دِفْءٌ سردی کی شدت کا دور ہو جانا (قاموس) یعنی جانوروں کے بالوں اور اُون سے تم سردی کی سختی دور کرتے ہو کوئی لباس اور کمبل وغیرہ استعمال کرتے ہو۔ منافع سے دوسرے فائدے مراد ہیں۔ افزائش نسل، دودھ، سواری، باربرداری، کھیتی باڑی، خرید و فروخت، وغیرہ۔

وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ اور انہی سے تم کھاتے بھی ہو گوشت، چربی، گھی، دودھ، پنیر، مکھن، وغیرہ کھاتے ہو۔ عموماً غذا لحیوانی انہی جانوروں سے حاصل کی جاتی ہے اس لئے مِنْهَا کو تَاْكُلُوْنَ سے پہلے ذکر کیا دوسرے جانوروں کا گوشت تو محض لذت یا دوا کی خاطر کھایا جاتا ہے۔

وَلَكُمْ فِیْهَا جَمَالٌ حِیْنَ تُرِیْحُوْنَ وَحِیْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ اور جب شام کو (جنگل سے جانوروں کو) واپس لاتے ہو اور (صبح کو) چرانے کے لئے لے کر جاتے ہو تو ان سے تمہاری ایک شان بنتی ہے۔ کیونکہ دونوں وقت گھر سے باہر صحن میں ان کے جمع ہونے سے ایک رونق پیدا ہو جاتی ہے۔ دیکھنے والوں کی نظروں میں تمہاری عزت اور ساکھ ظاہر ہوتی ہے۔

وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِیْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ ۚ اور (بجائے اس کے کہ سفر میں تم اپنے سامان کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھا کر چلو) یہ جانور تمہارے سامان کے بوجھ اپنے اوپر لاد کر ایک شہر سے دوسرے شہر تک لے جاتے ہیں کہ بغیر سخت تکلیف اٹھانے کے تم وہاں تک خود پہنچ بھی نہیں سکتے ہو (بوجھ اٹھانے کا تو ذکر ہی

Marfat.com

کیا ہے) شفق اور شق دونوں ہم معنی ہیں جیسے رطل اور رطل

اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا مہربان اور رحمت والا ہے کہ اس نے ان جانوروں کو تمہارے فائدے کے لئے پیدا کر دیا۔

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً ۚ اور اس نے تمہاری سواری اور شان بنانے کے لئے گھوڑے خچر اور گدھے پیدا کئے۔ امام ابو حنیفہؒ نے اس آیت سے گھوڑے کے گوشت کے حرام یا مکروہ ہونے پر استدلال کیا ہے صاحب ہدایہؒ نے لکھا ہے کہ اللہ نے اس آیت میں اپنی نعمت کا اظہار کیا ہے اور اپنی نعمت کی یاد دہانی کی ہے اور دو فائدوں کی صراحت کی ہے۔ سواری اور زینت اور ظاہر ہے کہ غذائیت سب سے بڑی نعمت ہے اس لئے ممکن نہیں کہ جو اصل منفعت ہے اس کی تو یاد دہانی نہ کی جائے اور نیچے درجے کے فائدوں کا اظہار کیا جائے (اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان جانوروں کو فراہمی غذا کے لئے پیدا ہی نہیں کیا گیا ورنہ سواری اور زینت سے پہلے ان سے غذائیت فراہم کرنے اور ان کا گوشت یا دودھ کھانے پینے کا ذکر کیا جاتا)

میں کہتا ہوں، غذائیت تو بھیڑ، بکری، مرغی وغیرہ کے گوشت سے بہترین حاصل ہو جاتی ہے اور اسکا حصول آسان بھی ہے گھوڑے، گدھے وغیرہ کا گوشت نہ اچھا ہوتا ہے نہ اس کا حصول زیادہ سہل ہے، ہاں سواری، بار برداری اور شان بان کے جو فوائد اُن سے وابستہ ہیں وہ دوسرے چھوٹے جانوروں سے حاصل نہیں ہو سکتے اس لئے صاحب ہدایہؒ کا یہ قول غلط ہے کہ گھوڑوں اور گدھوں کا گوشت بطور غذائیت سب سے بڑی منفعت ہے۔ ان جانوروں کا سب سے بڑا فائدہ تو سواری وغیرہ ہی ہے جو دوسرے جانوروں سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ یہ آیت مکی ہے جب کہ گدھے کا گوشت بھی حلال تھا۔ اس کی حرمت تو خیبر کی فتح کے موقع پر ۶ھ ہجری میں ہوئی (ایسی صورت میں اس آیت سے گھوڑے کے گوشت کی حرمت پر استدلال کیسے کیا جا سکتا ہے) اس مسئلہ کی پوری تشریح آیت اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ کی تفسیر کے ذیل میں سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے)

وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور ایسی ایسی چیزیں بناتا ہے جنکی تمہیں خبر نہیں ہے۔ (حضرت مفسرؒ نے اس آیت کا تعلق آخرت سے قرار دیتے ہوئے حسبِ ذیل تفسیری مطلب بیان کیا ہے) یعنی جنت میں مؤمنوں کے لئے اور دوزخ میں کافروں کے لئے ایسی ایسی راحتیں اور تکلیفیں پیدا کی ہیں جن کا تمہیں پتہ بھی نہیں نہ کسی آنکھ نے ان کو دیکھا نہ کسی کان نے سنا نہ کسی شخص کے دل میں ان کا تصور آیا۔

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَآئِرٌ ۭ اور سیدھا راستہ اللہ تک پہنچتا ہے (اس ترجمہ پر علیٰ بمعنی اِلیٰ ہوگا) اور کچھ راستے ٹیڑھے بھی ہیں (جو اللہ تک نہیں پہنچتے۔ مترجم) یعنی سیدھا راستہ جو حق تک پہنچتا ہے (وہ راستہ دکھانا اور بتانا اللہ کے ذمے ہے) اس نے مہربانی اور کرم سے یہ ذمہ داری لی ہے)۔

یا قَصْدُ السَّبِيْلِ سے مراد ہے اللہ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ، کہ جو شخص اس راہ پر چلے گا اللہ تک پہنچ جائے گا۔ سَبِيْلٌ قَصْدٌ یا قَاصِدٌ سیدھے راستے کو کہتے ہیں۔

جَآئِرٌ کا معنی ہے ٹیڑھا یعنی راہِ مستقیم سے یا اللہ کے رُخ سے کٹا ہوا۔ اس کلام کا مقصود صرف راہِ خدا کا بیان ہے۔ مِنْهَا جَآئِرٌ کا جملہ باعرض ذکر کیا گیا ہے۔ قَصْدُ السَّبِيْلِ صرف راہِ سنت ہے اور ٹیڑھا راستہ تمام مذاہبِ کفر اور بدعات و خواہشاتِ نفس کا۔

وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ۝

اور اگر اللہ (تم سب کو ہدایت کرنا) چاہتا تو تم سب کو ہدایت کر دیتا۔ ہدایت سے مراد اس جگہ منزلِ مقصود پر پہنچا دینا ہے اور عَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ میں مراد ہے راہِ حق دکھانا اور بتانا (راہِ مستقیم اللہ نے تمام انسانوں کو بتا دی ہے اپنی کتابیں بھیج دی ہیں اور پیغمبروں کو بھی بھیج دیا ہے لیکن منزلِ مقصود پر پہنچایا کم لوگوں کو ہے) راہِ مستقیم پر چلنے کی توفیق کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہے (مترجم)

Marfat.com

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ۝۱۰

وہ ایسا ہے جس نے تمہارے واسطے بادل سے پانی برسایا جس سے (کچھ) تم کو پینے کو ملتا ہے اور کچھ حصے سے درخت (پیدا) ہوتے ہیں جن میں تم اپنے مویشی (چرنے) چھوڑتے ہو۔

مِنْهُ شَرَابٌ کے لفظ سے معلوم ہو رہا ہے کہ آدمیوں کو پینے کا پانی بارش سے ہی حاصل ہوتا ہے کیونکہ چشموں اور کنوؤں (اور دریاؤں) میں لوٹ پھر کر بارش ہی کا پانی آتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے فَسَلَكَهٗ يَنَابِيْعَ۔ دوسری آیت ہے فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ۔ مِنْهُ شَجَرٌ کا یہ مطلب ہے کہ درختوں کی زندگی بھی پانی سے ہے۔ درخت بھی بارش کا پانی پیتے ہیں۔

تُسِیْمُوْنَ کا ترجمہ ہے تم جانوروں کو چراتے ہو۔ سَامَتِ الْمَاشِيَةُ (مجرد) مویشی چرے۔ اَسَامَهَا صَاحِبُهَا (مزید) مالک نے جانوروں کو چرایا۔ مصدر سومة ہے سومة کا اصل لغوی معنی ہے "علامت"۔

يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ

اللہ پانی سے تمہارے لئے کھیتی اور زیتون اور کھجور کے درخت اور انگور اور تمام پھل پیدا کرتا ہے۔

مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی تمام ممکنہ پھلوں میں سے بعض پیدا کرتا ہے۔ کل پھل تو صرف جنت میں ہوں گے یہاں تو جنت کے پھلوں کی یاد دہانی کے لئے بعض پھل پیدا کئے گئے ہیں۔ مویشیوں سے پہلے ان کی چراگاہوں کا ذکر اور مویشیوں کے بعد کھیتی اور پھلوں کا تذکرہ ترتیب واقعی کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ سب سے پہلے درخت ہی حیوانات کی غذا بنتے ہیں اور حیوانات سے پیدا ہونے والی غذا سب سے اعلیٰ غذا ہے۔ پس درختوں کی پیدائش کا ذکر پہلے پھر حیوانات اور ان کی پیداوار کا تذکرہ اور پھر کھیتی کا بیان ہونا مناسب تھا اور ایسا ہی کیا گیا)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ۝۱۱

بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے صانع کے وجود، علم اور حکمت کا اس میں کھلا ہوا ثبوت ہے۔ غور کرنے والوں کے لئے۔ ایک دانہ زمین میں گرتا ہے زمین سے کچھ نمی اس میں کھینچ کر آتی ہے پھر دانہ کا بالائی حصہ پھٹ کر اس میں سوئی جیسا تنا نکلتا ہے اور نچلا حصہ پھٹ کر نیچے کی طرف جڑوں کے سوتے نکلتے ہیں پھر یونہی نمو ہوتا رہتا ہے۔ تنا بڑھتا ہے اس میں شاخیں پتیاں پھول شگوفے اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ پھول پھل کی بھی ایک خاص فصل ہوتی ہے ہر پھل کا ایک مخصوص موسم ہوتا ہے۔ سفلی طبیعت (یعنی زمین اور پانی کی طبیعت) اور علوی مؤثرات (دھوپ ہوا اور روشنی تاثیر کواکب وغیرہ) ہر طرح کے درختوں کے لئے ایک ہی جیسے ہوتے ہیں لیکن ہر درخت اپنی جدا جسمانیت، شکل اور طبیعت و خاصیت رکھتا ہے۔ مبادی کا اتحاد اور نتائج کا اختلاف بتا رہا ہے کہ یہ سب کرشمہ سازی کسی فاعل مختار کی ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے اور وہی جیسا چاہتا ہے کرتا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ

اور اس نے تمہارے فائدے کے لئے رات اور دن سورج اور چاند کو مسخر بنایا۔ یعنی تمہارے منافع کے لئے اس نے رات دن بنائے ہیں۔

وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ

اور ستارے بھی اسی کے حکم سے مسخر ہیں۔

بِاَمْرِهٖ میں امر سے مراد ہے ایجاد اور اندازہ مقرر کرنا یا حکم مراد ہے۔ آیت بتا رہی ہے کہ جو لوگ تخلیق نبات کو صرف تاثیر کواکب سے وابستہ قرار دیتے ہیں اور ستاروں کی حرکات و اوضاع کو مؤثر حقیقی جانتے ہیں انکا خیال غلط ہے اگر ایسا فرض بھی کر لیا جائے تب بھی کیا جواب ہے اس بات کا کہ تمام ستارے اپنی ذات و صفات کے لحاظ سے ممکن ہیں (اور ممکن وہ ہوتا ہے جس کا اپنا وجود بھی اپنا نہیں ہوتا وہ اپنی ذات و صفات میں دوسرے کا محتاج ہوتا ہے) تو لامحالہ ان کا اپنا وجود بھی ایسی ذات کا ممنون کرم ہے جو واجب الوجود ہے اور کسی کا محتاج نہیں اسی نے ممکنات کو نیست سے ہست کیا اگر ذات واجب الوجود آخری درجہ پر نہ مانی جائے تو جانب مبدأ میں تسلسل لازم آئے گا یا پھر گھوم کر لوٹنا پڑے گا اور ہر ممکن بلا واسطہ یا بالواسطہ خود اپنی نفس کی علت ہو جائے گا گویا انکار واجب الوجود سے تسلسل یا دور لازم آجائے گا اور چونکہ تسلسل بھی محال ہے اور دور بھی۔ اس لئے تمام ممکنات

Marfat.com

کی ہستی کے لئے ذات واجب الوجود کا ہونا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کائنات ساوی کی تاثیرات ہوں یا عناصر کی انکی حیثیت ایک ضابطہ اور دستور کی ہے اللہ کا ضابطہ اور عادت یہی ہے کہ اس نے بعض نتائج کو بعض اسباب سے وابستہ کر دیا ہے اور اسباب کو علت نتائج بنا دیا ہے خود یہ اسباب نتائج کے موجد نہیں ہیں، اسباب کا اپنا وجود ہی اپنا نہیں خداداد ہے، جو چیز معدوم الذات ہو وہ دوسرے کو وجود کیسے دے سکتی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ بے شک اس میں سمجھ والوں کے لئے بکثرت (توحید و قدرت کی) نشانیاں ہیں۔ حکیم اور سادہ دانش والوں کو ہر چیز میں اللہ کی تخلیق و حکمت کی گوناگوں نشانیاں نظر آتی ہیں یہ واضح نشانیاں ہیں اسی لئے "آیات" بصیغہ جمع ذکر فرمایا اور اصحاب عقل کے ساتھ آیات فہمی کو وابستہ کیا۔

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اور ان چیزوں کو بھی تمہارے لئے اس طور پر پیدا کیا کہ ان کے اقسام مختلف ہیں "اَلْوَان" سے اقسام و اصناف مراد ہیں رنگ کے اختلاف سے اکثر صنف بدل جاتی ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۶۸﴾ بلا شبہ نصیحت اندوز لوگوں کے لئے اس میں بڑی نشانی ہے۔ طبیعت، ہیئت اور صورت کا اختلاف دیکھ کر وہ اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ محض ایک صانع حکیم کی کرشمہ سازی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ اور اسی نے سمندر کو تمہاری خدمت پر لگا دیا ہے یعنی ایسا بنایا ہے کہ تم اس سے طرح طرح کے فائدے حاصل کرتے ہو۔ اس میں جہاز اور کشتیاں چلاتے ہو، مچھلیاں پکڑتے ہو اور موتی مونگے حاصل کرتے ہو۔

لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا اس میں سے تازہ تازہ گوشت کھاؤ۔ طَرِیًّا تر و تازہ یعنی مچھلیاں، مچھلی میں ہر گوشت سے زیادہ رطوبت ہے اسی لئے مچھلی کا گوشت بہت جلد خراب ہو جاتا ہے چونکہ (لعابیت کی وجہ سے) مچھلی کا گوشت آنتوں سے چپکا ہوا ہوتا ہے اس لئے اس کو کھانے کے بعد پیاس زیادہ لگتی ہے۔ گوشت کی گرمی یا خشکی موجب تشنگی نہیں ہوتی۔ اللہ کی عجیب حکمت ہے، تلخ، نمکین اور غلیظ پانی سے ایسی تر و تازہ شیریں لطیف چیز اس نے پیدا کی۔

امام مالک و امام ثوریؒ نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ مچھلی پر شرعاً گوشت کا اطلاق ہوتا ہے اگر کسی نے قسم کھائی کہ گوشت نہیں کھائیگا تو مچھلی کھانے سے بھی اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔ احنافؒ کہتے ہیں قسم میں عرف عام کا اعتبار کیا جاتا ہے اور عرف عام میں مچھلی پر گوشت کا اطلاق نہیں ہوتا۔ دیکھو اللہ نے کافروں کو شر الدواب (بدترین چوپایہ) قرار دیا ہے پس اگر کسی نے قسم کھائی کہ میں چوپایہ پر سوار نہ ہوں گا اور کسی کافر کے اوپر سوار ہو گیا تو کیا اس کی قسم ٹوٹ جائے گی۔

وَتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا اور اس میں سے (موتیوں کا) گہنا نکالو جسکو تم پہنتے ہو تَلْبَسُوْنَ (جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے لیکن اس) سے مراد یہ ہے کہ تمہاری عورتیں یہ زیور پہنتی ہیں حِلْیَةٌ بمعنی زیور، مراد موتی، مونگا وغیرہ۔

وَتَرَی الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ اور تم کشتیوں کو دیکھو کہ اس میں پانی کو چیرتی چلی جا رہی ہے۔ مَوَاخِرَ فِیْهِ سمندر میں چلنے والی۔ قتادہ نے ترجمہ کیا ہے "آنے جانے والیاں" ایک جاتی ہے دوسری آتی ہے باوجودیکہ ہوا کی رفتار ایک ہی ہے۔ حسن نے کہا، بھری ہوئی۔ فراء اور اخفش نے کہا پانی کو اپنے دونوں بازوؤں سے پھاڑنے والیاں۔ مَخَرَ کا معنی ہے پانی کو پھاڑتا یا کشتی کی رفتار کی آواز۔ ابو عبیدہ نے کہا تیز ہوا چلنے کے وقت جو آواز پیدا ہوتی ہے اس کو مَخَر کہا جاتا ہے۔ مجاہد نے کہا ہوا اوس کی رفتار کے سامنے سے کشتیاں آتی ہیں اور ہوائوں کو پھاڑتی ہیں۔ قاموس میں مخر اور مَخُور کا معنی بیان کیا گیا ہے کشتی کا چلنا اور ہوا کی رفتار کے سامنے آنا۔ مَخَرَتِ السَّفِیْنَةُ کا یہی مطلب ہے یَمْخَرُ السَّابِحُ تیرنے والے نے دونوں ہاتھوں سے پانی کو چیرا۔ مَوَاخِر کشتیاں وہ ہوتی ہیں جن کی رفتار کی آواز سنی جائے یا وہ کشتیاں جو اپنے سینہ کے زور سے پانی کو چیرتی ہیں یا ایک ہی ہوا سے آنے جانے والی



Marfat.com

کشتیاں حدیث میں ہے: اذا اراد احدکم البولَ فلیتمخرّ الریح ایک اور روایت میں آیا ہے کہ استمخرو الریح جب کسی کا پیشاب کرنے کا ارادہ ہو تو ہوا کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے۔ ہوا کی طرف پُشت کرو۔ گویا حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ اپنی پشت ہوا کے مقابل کر دو تاکہ ہوا چھٹ کر دائیں بائیں سے نکل جائے۔

وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اور تاکہ تم خدا کی دی ہوئی روزی تلاش کرو یعنی جہازوں اور کشتیوں پر سوار ہو کر اللہ کے فضل یعنی وسیع رزق کو تلاش کرو۔

وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ اور تاکہ (ان چیزوں کو اپنا تابع دیکھ کر اور اپنے کام پر لگا ہوا پا کر) تم اللہ کا شکر کرو۔ جو مقام ہلاکت آگیں ہیں انہی کو اللہ نے تحصیلِ معاش کا ذریعہ بنایا ہے یہ اس کا عظیم الشان احسان ہے جس کا شکر ادا کرنا لازم ہے اسی لئے آیت کے آخر میں تشکرون فرمایا۔ میں کہتا ہوں، مذکورہ بالا اشیاء کو دیکھ کر اور ان کے فوائد پر غور کر کے شکر نعمت کے درجہ تک پہنچنا یہ بجائے خود بڑا انعام ہے اس سے دنیا میں مزید نعمت اور آخرت میں ثوابِ عظیم حاصل ہوتا ہے گویا شکر تمام نعمتوں کی تکمیلی درجہ ہے۔

وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ اور اس نے زمین میں پہاڑ رکھ لئے تاکہ تم کو لے کر زمین ڈگمگانے نہ لگے۔

رَوَاسِیَ: ایک جگہ قائم رہنے والے پہاڑ۔ اَلْمَیْدُ، لرزہ، اضطراب۔ پہاڑوں کی تخلیق، زمین بالکل گول تھی اوتی سبب سے اس میں لرزہ آجاتا تھا۔ جب پہاڑوں کو پیدا کر دیا گیا تو ان کا دباؤ مرکزِ ثقل کی طرف پڑا اور زمین کا اِدھر اُدھر ہلنا بند ہو گیا۔ گویا پہاڑوں کی میخیں ٹھونک دی گئیں جو زمین کو حرکت و اضطراب سے روک رہی ہیں۔ بغوی نے لکھا ہے اللہ نے جب زمین کو پیدا کیا تو وہ لرزاں تھی۔ فرشتے کہنے لگے یہ اپنی پُشت پر کسی کو ٹھہرنے نہ دے گی پھر اللہ نے اس میں پہاڑ گاڑ دیئے اور فرشتوں کو معلوم نہ ہوا کہ پہاڑ کس چیز سے بنائے گئے۔ عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، اور ابن ابی حاتم نے بوساطتِ قتادہ بروایتِ حسین، قیس بن عُبادہ کا قول نقل کیا ہے کہ جب اللہ نے زمین کو پیدا کیا تو وہ (گول ہونے کی وجہ سے) لرزاں تھی فرشتے کہنے لگے یہ تو اپنی پشت پر کسی کو قرار نہیں پکڑنے دے گی لیکن جونہی صبح ہوئی تو (رات بیچ میں) زمین کے اندر پہاڑ قائم ہو گئے اور فرشتوں کو معلوم بھی نہ ہوا کہ کہاں سے پیدا ہو گئے۔ کہنے لگے، اے ہمارے رب کیا تیری مخلوق میں کوئی ایسی چیز بھی ہے جو ان سے زیادہ سخت ہو، اللہ نے فرمایا، ہاں لوہا ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا لوہے سے بھی سخت تیری کوئی اور مخلوق ہے فرمایا ہاں آگ ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا اے رب کیا آگ سے بھی زیادہ سخت کوئی اور چیز ہے فرمایا ہاں پانی ہے فرشتوں نے عرض کیا اے رب کیا تو نے پانی سے بھی زیادہ سخت کوئی اور چیز پیدا کی ہے۔ فرمایا ہاں ہوا ہے فرشتوں نے عرض کیا ہوا سے بھی سخت کوئی چیز تو نے بنائی ہے فرمایا ہاں مرد (ہوا سے زیادہ سخت ہے) عرض کیا کیا تیری کوئی مخلوق مرد سے بھی زیادہ سخت ہے فرمایا عورت ہے۔ انتہٰی۔

اگر دریافت کیا جائے کہ یہ سوال کہیں جا کر ختم بھی ہو سکتا ہے تو میں اس کے جواب میں کہوں گا، نہیں ایسا نہیں ہو سکتا، کیونکہ اللہ قوی اور بڑی طاقت والا ہے اور تمام ممکنات اس کے مقابلہ میں عاجز بلکہ ہیچ ہیں۔ اللہ کی قوت کا جس پر تو پڑ جاتا ہے وہ چیز دوسروں کے مقابلہ میں قوی ہو جاتی ہے۔ ہاتھی پر قوت کا پرتو پڑ گیا تو وہ چیونٹی سے قوی ہو گیا لیکن اگر اللہ چاہے تو چیونٹی پر اپنی قوت کا پرتو ڈال کر ہاتھی سے زیادہ قوی بنا دے، کسی کی قوت و شدت بہمہ جہات دوسروں سے زائد نہیں بعض اعتبارات سے ہے (ایک چیز دوسری چیز سے ایک اعتبار سے زیادہ قوی ہے اور وہ دوسری چیز پہلی چیز سے کسی دوسرے اعتبار سے قوی ہے بہمہ جہات تو اللہ ہی سب سے قوی ہے)

وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ اور زمین میں دریا اور (حصولِ مقصد کے) راستے بنائے تاکہ تم (اپنے مقصد یا اللہ کی معرفت کے) راستہ پر چلو۔ یعنی اللہ کی معرفت حاصل کرو۔

Marfat.com

وَعَلٰمٰتٍ ط اور (راستوں پر) اللہ نے کچھ نشانیاں بنائیں۔ درخت، پہاڑ، عمارتیں ستارے وغیرہ علاماتِ راہ ہیں، قافلے ان سے اپنے راستوں کی شناخت کرتے ہیں۔ شرعی اسباب وعلل بھی (احکام کے لئے) راہنما ہیں وجوبِ صلوٰۃ وصوم وزکوٰۃ کے لئے وقت سبب ہے اشیاء ماکولہ ومشروبہ کی حرمت کی علت نشہ ہے طبعی اور عقلی دلائل بھی رہنمائی کرتی ہیں نبض کی تیزی بخار کو ظاہر کرتی ہے اس عالم کا وجود اس کے بنانے والے کی ہستی کو ثابت کر رہا ہے۔ معجزہ پیغمبر کی نبوت کی دلیل ہوتا ہے۔

وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾ اور تاروں سے بھی لوگ راستہ معلوم کرتے ہیں یعنی رات کی تاریکی میں جنگلوں اور سمندروں میں ستاروں سے راستوں کی شناخت کرتے ہیں۔ "النجم" سے مراد ہے عام ستارے۔ محمد بن کعب نے کہا علامات سے مراد پہاڑ ہیں۔ دن کے وقت پہاڑوں سے راستہ معلوم ہوتا ہے۔ اور رات کے وقت ستاروں سے (کلبی نے کہا سب (علامات) سے مراد ستارے ہیں، کچھ ستارے علامات اور نشانات ہیں اور کچھ ستاروں سے لوگ راستے معلوم کرتے ہیں سدی نے کہا "النجم" سے مراد ہے ثریا اور بناتُ النعش اور دونوں فرقدا اور جدی ان سے لوگ راہ بھی معلوم کر لیتے ہیں اور جہتِ قبلہ بھی۔ میں کہتا ہوں اس (مراد) تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ یہ ستارے قطب شمالی کے قریب ہیں ان کے دائرے چھوٹے ہیں اس لئے اپنی جگہ سے بہت ہی کم حرکت کرتے ہیں۔

يَهْتَدُوْنَ کی فاعلی ضمیر "قریش" کی طرف لوٹ رہی ہے قریش عام طور پر تجارت کے لئے رات کو سفر کرتے تھے اور رات میں چلتے تھے اور ستاروں سے جہتِ سفر کو معلوم کرنے میں بہت مشہور تھے۔ علامات کے لفظ کے بعد "النجم" کا ذکر خصوصیت کو ظاہر کر رہا ہے گویا) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ نجم سے خاص طور پر راستہ کی شناخت کرتے اور راہ پر چلتے ہیں اس لئے ان پر اللہ کا شکر لازم ہے کہ اس نے ستاروں کو ان کے لئے دلیل راہ بنا دیا۔

اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ط سو کیا جو پیدا کرتا ہے اس کی طرح ہو جائے گا جو پیدا نہیں کرتا مَنْ لَا يَخْلُقُ سے مراد ہیں معبودانِ باطل (خواہ اہلِ عقل ہوں یا بے عقل) اہلِ عقل کو بے عقل پر تغلیب دے کر (بجائے مَا کے) مَنْ استعمال کیا ہے یا صرف بُت مراد ہیں چونکہ مشرک بتوں کو الٰہہ (اپنے معبود) مانتے تھے اور الٰہ کو اہلِ علم ہونا ہی چاہئے (تو گویا مشرکوں کے مفروضے کے مطابق بتوں کے لئے مَنْ کا صیغہ استعمال کیا) اَفَمَنْ میں ہمزہ انکاریہ اور فاء تعقیبیہ ہے یعنی جب روشن وکثیر دلائل سے اللہ علمی کمال اور قدرت کاملہ اور حکمت کی ہمہ گیری ثابت ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ تنہا اللہ ہی خالق کائنات ہے کوئی دوسرا خالق نہیں ہے یہاں تک کہ کوئی بھی نہ مکھی کو اڑا سکتا ہے نہ روک سکتا ہے اگر مکھی ان بتوں سے کچھ چھین کر لے جائے تو وہ واپس نہیں لے سکتے تو پھر ایسا خُلّاقِ کل اس چیز کی طرح کیسے ہو سکتا ہے جو خالقیت سے بالکل بے بہرہ ہے۔

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۷﴾ تو کیا (ان مشاہداتِ برہانی کے بعد بھی) نصیحت پذیر نہیں ہو گے یعنی جب ایسی چیزیں تمہارے سامنے ہیں جو نصیحت اندوزی کی مقتضی ہیں تو پھر عبرت اندوز نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ط اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کی گنتی کرو تو گن بھی نہیں سکتے۔ تمام نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا تو ذکر ہی کیا ہے اللہ کی نعمتوں کی کوئی حد ہی نہیں ہے کہ گن سکو لہٰذا اس کے معبود ہونے کا حق بھی محدود نہیں ہے (ہر نعمت اس کو مستحقِ عبادت بنا رہی ہے) پس تم پورا حقِ عبادت تو ادا ہی نہیں کر سکتے یہی کافی ہے کہ تم اپنی عاجزی کا اقرار کرو اور ظاہر باطن ہر طور پر اسی کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔

اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ (تمہارے قصور اور پورے شکر کو ادا کرنے سے عاجزی کو) معاف کرنے والا ہے۔

رَّحِيْمٌ ﴿۱۸﴾ (تم پر) مہربان ہے کہ تمہارے استحقاق کے بغیر اس نے اپنی وسیع نعمتیں تم کو عطا فرمائی ہیں اور تمہارے گناہوں کی پاداش میں اپنے انعامات کا سلسلہ منقطع نہیں کیا اور نہ ناشکری کی سزا تم کو فوراً دی۔

Marfat.com

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ اور اللہ تمہارے سب پوشیدہ اور ظاہر احوال کو جانتا ہے پوشیدہ احوال سے مراد ہیں عقائد، ارادے، دل کا شکر، کامل طور پر حقوقِ عبدیت کو ادا کرنے سے قاصر رہنے کا علم، غفلت، غرور وغیرہ اور ظاہری احوال سے اچھے برے اعمال مراد ہیں اللہ کے واقف ہونے کے اظہار کا یہ مقصد ہے کہ اللہ تم کو تمہارے اندرونی و بیرونی احوال کی سزا و جزا دے گا۔

وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور اللہ کے سوا مشرک جن کو پکارتے (یعنی عبادت کرتے) ہیں وہ کوئی چیز نہیں پیدا کرتے بلکہ خود (دوسرے کے ہاتھوں سے) پیدا کئے جاتے ہیں یعنی آسمان و زمین تو بڑی چیزیں ہیں ان کے معبود تو ادنیٰ اور حقیر ترین چیز کے بھی خالق نہیں۔ کوئی چیز پیدا کرنے کی انہیں قدرت ہی نہیں بلکہ خود اپنی ہستی بھی ان کی اپنی نہیں۔ نہ ذات اپنی ہے نہ وجود اپنا بلکہ ان کی ہستی دوسرے کی ممنون کرم اور عطا کردہ ہے پس کس طرح ممکن ہے کہ وہ شریک خدا ہو سکیں اور کیسے جائز ہے کہ ان کو الٰہ قرار دیا جائے۔

اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وہ (بت) بے جان ہیں زندہ نہیں (ان میں کبھی زندگی پیدا ہی نہیں ہوئی) یا یہ مطلب ہے کہ وہ (معبود) بذاتِ خود مردے ہیں زندہ نہیں ہیں ان کی زندگی خود بخود نہیں بلکہ ایک حی و قیوم کی عطا کردہ ہے۔

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اور ان کو خبر ہی نہیں کہ وہ مردے کب اٹھائے جائیں گے۔ یعنی ان کا دوبارہ اٹھایا جانا نہ ان کے اختیار میں ہے نہ ان کے پرستاروں کا دوبارہ زندہ کیا جانا ان کے بس میں ہے نہ اپنا اور نہ اپنے پجاریوں کا زندہ کر کے اٹھایا جانا ان کو معلوم ہے پھر اپنے پرستاروں کو وہ جزا کیسے دے سکتے ہیں اور ان کی پرستش کا کیا فائدہ ہے اور کس طرح وہ معبودیت کے مستحق قرار پا سکتے ہیں۔

اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ تمہارا معبود ایک معبود ہے یعنی دلائل سے ثابت ہو گیا کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ پس جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کے دل (اللہ کی اَن گنت نعمتوں کا) انکار کرتے ہیں باوجودیکہ خداداد نعمتیں بالکل ظاہر ہیں بات یہ ہے کہ اللہ نے ان کے دلوں کو نورِ معرفت سے محروم کر دیا ہے اسی کی وجہ سے وہ کور بصیرت اور نابینا ہو گئے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرو نے فرمایا میں نے خود رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا کہ اللہ نے مخلوق کو تاریکی (کثیف مادیت اور حیوانی جہالت) میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور (یعنی اس کا ایک چھینٹا ڈال دیا۔ جس شخص پر نور کا کچھ حصہ (کوئی چھینٹا) پڑ گیا اس کو راستہ مل گیا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور جس پر نہ پڑا وہ بھٹکتا رہا ہدایت یاب نہ ہوا۔ اسی لئے میں کہتا ہوں کہ قلم (الٰہی) علم خداوندی پر خشک ہو گیا (یعنی اللہ کے علم میں جس کا ہدایت یاب ہونا تھا وہ ہدایت یاب ہو گیا اور اللہ کے علم میں جس کا گمراہ ہونا تھا وہ گمراہ ہو گیا اس فیصلہ کی تحریر ہو چکی فیصلہ لکھنے والا قلم خشک ہو گیا اب تحریر کردہ فیصلہ میں تغیر ممکن نہیں۔ مترجم) (رواہ احمد والترمذی)

وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اور وہ (قبولِ حق سے) تکبر کرتے ہیں یعنی اللہ کی عبادت سے غرور کرتے ہیں اللہ کی نعمتوں ہی کا انکار کرتے ہیں اس لئے اللہ کو مستحقِ عبادت نہیں جانتے اور اتباعِ رسول سے بھی غرور کرتے ہیں اگر ان کو اللہ کی نعمتوں کا اقرار ہوتا اور اللہ کو مستحقِ عبادت جانتے تو آخرت پر ایمان رکھتے اور آخرت کی جزا و سزا کو مانتے اور رسول اللہ ﷺ کے اتباع سے سرتابی نہ کرتے۔

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ ضروری بات ہے کہ اللہ ان سب کے پوشیدہ اور ظاہر احوال سے واقف ہے یعنی اللہ کی ربوبیت اور معبودیت سے انکار دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور اللہ کی عبادت اور اللہ کے رسول کے اتباع سے تکبر جو وہ ظاہر کرتے ہیں اللہ سب سے واقف ہے۔

Marfat.com

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ﴿۲۳﴾ (اور) یہ بھی حقیقت ہے کہ اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا چھوٹی سرخ چیونٹی کے برابر غرور (والا) جنت میں نہیں جائے گا۔ اور چھوٹی سرخ چیونٹی کے برابر ایمان (والا) دوزخ میں نہ داخل ہوگا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ ہم میں سے بعض لوگ چاہتے ہیں کہ ان کا لباس خوب صورت ہو (اور یہ غرور کی علامت ہے پھر ان کا نتیجہ کیا ہوگا) فرمایا اللہ جمال والا ہے جمال کو پسند کرتا ہے (غرور کپڑوں کی پسندیدگی کا نام نہیں۔ خوش لباسی کی خواہش تکبر نہیں بلکہ) تکبر حق سے تکبر کرنے اور لوگوں کو حقیر سمجھنے سے ہوتا ہے۔ اس حدیث میں الکبر من بطر الحق آیا ہے جس کا مطلب علماء نے مختلف طور پر بیان کیا ہے۔ نہایہ میں یہ بطر الحق کا یہ معنی ہے کہ اللہ کی توحید اور عبادت کو باطل سمجھے باوجودیکہ اللہ نے اس کو حق قرار دیا ہے۔ بعض نے کہا کہ بطر الحق کا معنی ہے حق کے مقابلہ میں مغرور ہو جانا حق کو حق نہ ماننا۔ بعض نے کہا حق کو قبول نہ کرنے کا نام ہے بطر الحق۔ ان تمام اقوال کا حاصل ایک ہی ہے وہ یہ کہ اللہ کی عبادت کو لازم نہ سمجھے۔ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ کا احسان اور مہربانی نہ قرار دے بلکہ خدا پر اپنا حق سمجھے۔ میں کہتا ہوں حدیث مذکورہ میں جو تکبر کے مقابلہ میں ایمان کا ذکر کیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مؤمن اپنے وجود اور تمام کمالات کو خداداد سمجھتا ہے یہاں تک کہ اپنی ذات کو بھی اللہ کی امانت اور عاریت جانتا ہے اس لئے اپنے کمالات پر غرور نہیں کرتا اور کافر اپنی ہستی اور اپنے کمالات کو خود آور دہ جانتا ہے اور اللہ کو بھول جاتا ہے تصوف میں جو لفظ فنا آتا ہے اس کا مطلب بھی یہی ہے کہ آدمی اپنے وجود کو بجائے خود معدوم سمجھے خود اپنی ہستی کو اپنی نہ سمجھے بلکہ اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک عاریت جانے (اور ہر چیز میں ہر کمال مادی و علمی میں یہاں تک کہ اپنی وجود و ذات کے لحاظ سے بھی اپنے کو اللہ کا محتاج سمجھے۔ (مترجم)

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ مَّاذَاۤ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۲۴﴾ اور جب ان (منکرین آخرت) سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا تو انہوں نے جواب دیا (رب نے کچھ نہیں اتارا) یہ تو گزرے ہوئے لوگوں کی لکھی ہوئی (داستانیں) ہیں۔ قبائل عرب کو جب پتہ چلا کہ مکہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو انہوں نے ایام حج میں تحقیق احوال کے لئے کچھ آدمیوں کو مکہ بھیجا۔ یہ نمائندے آئے اور مکہ کی گھاٹیوں میں جو مشرک بیرونی لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے پاس جانے سے روکنے کے لئے معمور تھے ان سے مل کر دریافت کیا کہ اللہ نے کیا کلام اتارا ہے ان لوگوں نے جواب دیا، یہ اللہ کا بھیجا ہوا کلام نہیں ہے بلکہ وہی حکایتیں ہیں جو پچھلوں نے لکھ دی ہیں۔

سطور لائن کتاب کی ہو یا درختوں کی یا آدمیوں کی سطر کی جمع اسطر و سُطُور اور اسطار آتی ہے اور جمع الجمع اساطیر اور اسطُرَۃ ہے۔

لِیَحْمِلُوْۤا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً یَّوْمَ الْقِیٰمَةِ ۙ نتیجہ اس کہنے کا یہ ہوگا کہ قیامت کے دن اپنے گناہوں کا بھی بوجھ اٹھائیں گے یعنی یہ مشرک ایسا جواب اس لئے دیتے تھے کہ لوگوں کو گمراہ کر دیں اور قیامت کے دن اپنی گمراہی کے گناہوں کا بار پورا پورا اپنے اوپر اٹھائیں۔ کیونکہ گمراہ کن علامت سے کامل گمراہی کی دوسروں کو گمراہ بنانے سے معلوم ہوتا ہے کہ گمراہ کرنے والوں میں گمراہی جم گئی ہے (اسی وجہ سے تو وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں)۔

وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَهُمْ اور ان لوگوں کا بار (گناہ) بھی جن کو گمراہ کرتے ہیں یعنی کچھ گناہ ان لوگوں کا بھی اپنے اوپر اٹھائیں جو ان کے گمراہ کرنے سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ کچھ (من) کہنے کی یہ وجہ ہے کہ گمراہ کرنے والوں کے گمراہ کرنے کی وجہ سے جو لوگ گمراہ ہو جاتے ہیں ان کے کچھ گناہ تو وہ ہوں گے جو گمراہ کرنے والوں کی گمراہ کن کا نتیجہ ہوں گے اور کچھ اپنے خصوصی گناہ ہوں گے۔ لہٰذا الذکر گناہوں کا بار گناہ کرنے والوں کے برابر گمراہ کرنے والے پر بھی پڑے گا اور مؤخر الذکر گناہوں کے مجرم صرف گناہ گار ہی ہوں گے گمراہ گن کو ان میں کوئی دخل نہ ہوگا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ گمراہ کرنے والوں کے گناہوں کا کچھ بار گمراہ کرنے والے بھی اٹھائیں گے۔ امام احمد، مسلم، اور اصحاب السنن نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے

Marfat.com

بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص ہدایت کی طرف بلائے گا اس کو بھی نیکی کرنے والے کی نیکی کے برابر اجر ملے گا اور نیکی کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی اور جو شخص گمراہی کی طرف بلائے گا اس پر بھی اتنا ہی گناہ ہوگا جتنا گناہ کرنے والے پر اور گناہ کرنے والے کے (یا ں) گناہ میں اس سے کوئی کمی نہیں آئے گی۔

بِغَيْرِ عِلْمٍ بغیر جاننے کے یعنی وہ گمراہ کرتے ہیں بغیر دلیل کے یا یہ مطلب ہے کہ گمراہ ہونے والے نادانستگی کی حالت میں گمراہ ہو جاتے ہیں ان کو معلوم نہیں کہ گمراہ کرنے والے ان کو گمراہ کر رہے ہیں۔

آیت میں تنبیہ ہے اس امر پر کہ گمراہ ہونے کو نہ جاننا گمراہ ہونے والوں کے لئے کوئی عذر نہیں ہو سکتا ان کے لئے خود حق و باطل میں تمیز کرنا یا تحقیقات کرنا لازم تھا۔ أَلَا سَاءَ مَا يَزِرُونَ ﴿٢٥﴾ قَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ

خوب یاد رکھو کہ جس گناہ کو اپنے اوپر لاد رہے ہیں وہ بُرا بوجھ ہے۔ جو لوگ ان سے پہلے ہو گذرے ہیں انہوں نے بڑی بڑی تدبیریں کیں، یعنی اللہ کے پیغمبروں کے ساتھ فریب کرنے کی بڑی تدبیریں کیں۔

فَأَتَى اللَّهُ بُنْيَانَهُم مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِن فَوْقِهِمْ وَأَتَاهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾ پس اللہ نے ان کا بنا بنایا گھر جڑ (بنیاد) سے ڈھا دیا پھر اوپر سے ان پر چھت آ پڑی اور (علاوہ ناکامی کے) ان پر اللہ کا عذاب ایسی طرح آ گیا کہ ان کو خیال بھی نہ تھا، یعنی ان کی تدبیروں کی جڑیں اکھاڑ دینے کے لئے اللہ کا حکم آ گیا اور ہلاکت آفریں عذاب ایسے راستوں پر اُن پر آ پہنچا جن کا ان کو گمان بھی نہ تھا ان کی تدبیریں ہی اسباب ہلاکت بن گئیں جیسے کوئی قوم اپنے بچاؤ اور دشمنوں کو روکنے کے لئے اگر کوئی عمارت بنائے پھر عمارت میں زلزلہ آ جائے بنیادیں ہلنے لگیں اور ستون نیچے گر جائیں اور چھت اوپر سے آ جائے اور سب دب کر مر جائیں یہی حالت ان لوگوں کی ہوئی ان کی تدبیریں خود ان ہی کے لئے تباہ کن ہو گئیں آیت مذکورہ بالا میں کافروں کی حالت کی تصویر کشی بطور تمثیل کی گئی ہے (یہ مراد نہیں ہے کہ واقعی کوئی عمارت انہوں نے بنائی تھی اور وہ ڈھ گئی اور سب اس کے نیچے دب گئے)

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بغوی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نیز بغوی نے وہب (بن منبہ) کا بیان نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ میں نمرود بن کنعان مراد ہے جس نے حضرت ابراہیمؑ سے اللہ کے متعلق مناظرہ کیا تھا اور آسمان کی طرف چڑھنے کے لئے بابل میں ایک اونچی عمارت بنوائی تھی اس عمارت کی بلندی پندرہ ہزار ہاتھ تھی یا کعب کا اور مقاتل کا قول ہے کہ اس کی بلندی دو فرسخ تھی لیکن تیز آندھی کی وجہ سے وہ عمارت گر کر سمندر میں جا پڑی اور اس کا کچھ حصہ ان لوگوں پر گر پڑا جس کی وجہ سے وہ لوگ ہلاک ہو گئے۔

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يُخْزِيهِمْ پھر قیامت کے دن اللہ ان کو رُسوا کرے گا۔ یعنی ان کو ذلیل کرے گا اور دنیوی عذاب کے علاوہ ان کو رسوائی کے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ دوسری آیت میں آیا ہے رَبَّنَا إِنَّكَ مَن تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ

وَيَقُولُ أَيْنَ شُرَكَائِيَ الَّذِينَ كُنتُمْ تُشَاقُّونَ فِيهِمْ اور فرمائے گا (آج) میرے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کی بابت تم (رسولِ خدا اور مسلمانوں کی) مخالفت کرتے تھے۔

قَالَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ اہلِ علم کہیں گے۔ یعنی انبیاءؑ اور ملائکہ اور مؤمن نعمت ہدایت کا شکر ادا کرنے اور مشرکین کی توہین میں اضافہ کرنے اور کافروں کے دکھ پر مسرّت ظاہر کرنے کے لئے کہیں گے۔ اللہ نے قیامت میں ہونے والے واقعہ کو بیان کیا ہے۔ اس میں سننے والوں کے لئے ایک خاص مہربانی کا اظہار ہے۔

إِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوءَ عَلَى الْكَافِرِينَ ﴿٢٧﴾ آج بلاشبہ ذلّت اور عذاب کافروں پر ہو گا۔ اَلْیَوْمَ سے مراد ہے روز قیامت الخِزْیَ ذلّت، توہین۔ السُّوء عذاب۔

الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ جن کی جان فرشتوں نے حالتِ کفر پر قبض کی



Marfat.com

تھی (یعنی آخر وقت تک کافر تھے) اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے۔ نفسوں پر ظلم کرنے سے مراد کفر کرنا۔ نفس کو دوامی عذاب میں مبتلا کرنے کا سامان کرنا نفس پر ظلم ہے۔

فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ پھر کافر لوگ صلح کا پیغام ڈالیں گے (اور کہیں گے) ہم تو کوئی بُرا کام نہیں کرتے تھے۔

مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ سَلَمَ کی تشریح ہے اور اِستسلام سے مراد ہے پیغامِ صلح (ترجمہ میں اسی تفسیر کا لحاظ کیا گیا ہے) یا اَلْقَوُا السَّلَمَ کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت کافر مطیع ہو جائیں گے۔ اطاعت کا اظہار کریں گے سُوْٓءٍ سے مراد ہے کفر اور سرکشی۔

بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ (فرشتے کہیں گے) کیوں نہیں (تم بُرے کام کرتے تھے) بے شک اللہ کو تمہارے سب اعمال کی پوری خبر ہے پس وہ تم کو تمہارے اعمال کی پاداش ضرور دے گا۔ انکار سے تم کو کوئی فائدہ نہ ہوگا بکر مہ نے کہا اس سے مراد وہ کفار ہیں جو بدر کی لڑائی میں مارے گئے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ بَلٰی سے آخر تک اللہ کا قول ہو۔ (فرشتوں کا نہ ہو)

فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾ پس جہنم کے دروازوں میں (سے جہنم میں) داخل ہو جاؤ اور اس میں ہمیشہ کے لئے رہو غرض تکبر کرنے والوں کے لئے جہنم بُرا ٹھکانا ہے۔ یعنی تم میں سے ہر صِنف جہنم میں اس مخصوص دروازہ میں داخل ہو جو اس صِنف کے لئے مقرر کیا گیا ہے بعض علماء نے کہا ابوابِ جہنم سے مراد ہیں عذابِ جہنم کی مختلف قسمیں۔

## ضروری توضیح از مترجم

بظاہر خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ، اُدْخُلُوْا کی ضمیر فاعل سے حال ہے اور حال وذوالحال کا زمانہ حسبِ قاعدۂ نحو ایک ہونا چاہئے اور ظاہر ہے کہ دوزخ میں داخل ہونے کے وقت خلود نہیں ہو سکتا۔ داخل ہونا محدود وقت میں ہوگا اور اندر رہنا ہمیشہ ہوگا اور اس لئے حضرت مفسّر نے خٰلِدِيْنَ کی تفسیر میں مُقَدَّرِيْنَ الْخُلُوْدَ فرمایا یعنی خٰلِدِيْنَ سے مراد یہ ہے کہ داخلہ کے وقت تمہارے لئے خلود مقرر کر دیا گیا ہے اور حکم دے دیا گیا ہے کہ دوزخ کے اندر ہمیشہ رہو گے۔ ترجمہ میں مفسّرؒ کی اس توجیہ کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوْا خَيْرًا ؕ اور جو لوگ (گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے سے) بچے رہے ان سے کہا گیا کہ تمہارے رب نے کیا نازل کیا تو انہوں نے کہا، بڑی بہتر چیز نازل کی۔ یعنی ایسا کلام نازل کیا جس میں دنیا و دین کی بھلائی ہے۔

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ؕ جن لوگوں نے اس دنیا میں نیک کام (افکار و اعمال) کئے ان کے لئے (اس دنیا میں بھی) بھلائی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کے نزدیک حَسَنَةٌ سے مراد ہے ثواب کو دس گناہ تک بڑھا دینا ضحاک نے کہا اس سے فتح و نصرت مراد ہے۔ مجاہد نے اچھی روزی مراد لی ہے میں کہتا ہوں حَسَنَةٌ سے مراد ایسی پاکیزہ زندگی ہے جو خالق کی نظر میں بھی پسندیدہ ہو اور دانش مند صحیح ذوق رکھنے والے آدمیوں کی نظر میں بھی یعنی مخلوق کی پرستش نہ کرے صرف اللہ واحد و بے نیاز کی عبادت کرے اور اسی کی معرفت و قُرب کا طلب گار ہو، پاکیزہ (حلال) چیزوں کو حلال سمجھے اور گندی (حرام) چیزوں کو حرام جانے کسی کو ناحق دُکھ نہ دے اور ایسے عمل کرے جن کا اچھا پھل اس کو آخرت میں ملے۔

وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ ؕ اور بلا شبہ آخرت (کی زندگی) کا گھر دنیا (کی زندگی) کے گھر سے اہلِ تقویٰ کے لئے بہتر ہے دنیوی زندگی میں جو نیک اعمال انہوں نے کئے ہوں گے ان کا اچھا پھل ان کو آخرت میں ملے گا اور ہمیشہ ہمیشہ ان کو اللہ

Marfat.com

کی طرف سے عزت حاصل رہے گی۔

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۰﴾ اور بے شک (دارِ آخرت) متقیوں کے لئے بہت اچھا مکان ہے حسن نے کہا "دارُ المتقین" سے مراد دنیا ہے اہلِ تقویٰ یہیں سے آخرت کا سامان لے کر جاتے ہیں اکثر اہلِ تفسیر کے نزدیک "دار المتقین" سے مراد دارِ آخرت ہے۔

جَنّٰتُ عَدْنٍ ان کے لئے عدن کی جنتیں ہیں یا آخرت میں ان میں ان کا مسکن جناتِ عدن ہے۔

يَدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ؕ جن کے اندر متقی داخل ہوں گے (اور) جن کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی (اور) جو کچھ اہل جنت چاہیں گے ان کو وہاں ملے گا۔

مَا يَشَآءُوْنَ کا مطلب یہ ہے کہ اقسامِ مرغوبات میں سے جو کچھ چاہیں گے ان کو جنت میں ملے گا فِيْهَا کو مَا يَشَآءُوْنَ سے پہلے ذکر کرنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ انسان کے تمام مرغوبات صرف جنت میں ہی مل سکیں گے (دنیا میں تمام مقاصد کی تکمیل نہیں)۔

كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۱﴾ اسی طرح اللہ متقیوں کو جزا دے گا یعنی جو لوگ شرک اور بد اعمالی سے پرہیز رکھیں گے ان کو اللہ ایسی ہی جزا دے گا جیسی اوپر ذکر کر دی گئی۔

الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ ۙ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ۙ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۳۲﴾

جن کی روح فرشتے اس حالت میں قبض کرتے ہیں کہ وہ (شرک سے) پاک ہوتے ہیں وہ فرشتے ان سے کہتے جاتے ہیں تم پر سلامتی ہو (اللہ تم کو عذاب اور دکھ سے محفوظ رکھے) اپنے اعمال کے سبب جنت میں داخل ہو جاؤ۔

طَيِّبِيْنَ یعنی کفر اور بد اعمالی سے پاک ہونے کی حالت میں۔ پہلی آیت میں بیان کیا تھا کہ کافر جب کفر کی وجہ سے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہوں گے ایسی حالت میں فرشتے ان کی روح قبض کریں گے، ان کے مقابلے میں متقیوں کا ذکر اس آیت میں کیا اور فرمایا متقی پاک زندگی والے ہوں گے اسی پاکیزگی کی حالت میں فرشتے ان کی جانیں قبض کریں گے مجاہد نے طیبین کا معنی بیان کیا پاک قول و عمل والے بعض نے طیبین کا ترجمہ کیا ہے خوش یعنی فرشتوں کی بشارت جنت سے خوش ہونے والے یا یہ مطلب ہے کہ چونکہ ان کی کامل توجہ بارگاہِ قدس کی طرف ہوتی ہے اس لئے وہ اپنی روحیں قبض ہونے کی حالت میں خوش رہتے ہیں

سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ، فرشتوں کا قول ہے۔ بعض کے نزدیک یہ مطلب ہے کہ فرشتے ان کو اللہ کا سلام پہنچاتے ہیں۔

اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ یعنی جنت تمہارے اعمال کے سبب تمہارے لئے تیار ہے جب تم اٹھائے جاؤ گے تو فرشتے کہیں گے "سلامٌ علیکم" جنت میں داخل ہو جاؤ یا یہ مطلب ہے کہ مرنے کے وقت فرشتے ان سے "سلامٌ علیکم" کہتے ہیں اور جب قیامت کے دن ان کو اٹھایا جائے گا تو حکم ہوگا جنت میں داخل ہو جاؤ۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ کیا یہ کافر صرف اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ (ان کی روحیں قبض کرنے کو) فرشتے آ پہنچیں (اور اس وقت یہ ایمان لائیں) یا اللہ کا حکم (یعنی قیامت یا عذابِ مُہلک) آجائے (تو ایمان لائیں)۔

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ (جیسے ان کافروں نے شرک و تکذیب کو اختیار کیا) اسی طرح ان سے پہلے لوگوں نے بھی کیا تھا اور جو عذاب ان پر آنا تھا آ گیا۔)

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۳۳﴾ اور (عذاب دے کر) اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ وہ خود اپنے اوپر ظلم کرتے تھے۔ کہ کفر اور معاصی کا ارتکاب کرتے تھے جو ان کے عذابِ دنیوی میں مبتلا ہونے کا موجب ہوئے

فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾

Marfat.com

آخر اُن کے اعمالِ بد کی سزائیں ملیں اور جس عذاب (کے بیان) پر وہ ہنستے تھے ان کو اسی نے آگھیرا۔ سَیِّاٰتِ سے پہلے مضاف محذوف ہے یعنی بُرے اعمال کی سزا ان پر آگئی یا سَیِّاٰتِ سے مراد ہیں سزائیں اور مَا عَمِلُوْا سے مراد ہے کفر و معصیت یعنی کفر و معصیت کی سزائیں ان کو ملیں۔ حَاقَ بِهِمْ ان پر نازل ہو گیا یا ان کو گھیر لیا۔ مَا كَانُوْا میں مَا مصدری ہے یعنی استہزاء (کی سزا) نے ان کو گھیر لیا (اس وقت مضاف محذوف ہوگا) یا مَا موصولہ ہے اور اس سے مراد عذاب ہے۔ کفار بطور مذاق کہتے تھے لَوْلَا يُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ہمارے کہنے پر اللہ ہم کو عذاب کیوں نہیں دیتا۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ اور مشرک کہتے ہیں کہ اگر اللہ کو منظور ہوتا تو اس کے سوا کسی چیز کی عبادت نہ ہم کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ اس کے (حکم کے) بغیر ہم کسی چیز کو حرام قرار دیتے پھر بعثتِ پیغمبر اور احکامِ تکلیفیہ کا فائدہ ہی کیا ہے، یا یہ کلام سنجیدگی سے کہتے تھے اور مرضی و مشیت میں ان کے نزدیک کوئی فرق نہ تھا ہر کام چونکہ اللہ کی مشیت سے ہونا مسلّمہ حقیقت ہے اس لئے وہ سمجھے کہ ہمارا اور ہمارے باپ دادا کا شرک کرنا اور حلال کو حرام خود بنا لینا بھی اللہ کی مرضی ہے اور ہمارا یہ فعل اللہ کو ناپسند نہیں ہے۔

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ ان سے پہلے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔ شرک کرنے اور حلال کو از خود حرام بنانے کی یہی علت بیان کی تھی۔

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۝۳۵ سو پیغمبروں کا فریضہ تو واضح طور پر اللہ کا پیام پہنچا دینا ہے۔ اس کے سوا ان کا اور کوئی کام نہیں ہدایت یاب کرنا تو اللہ کے قبضہ میں ہے اور اسی کی مشیت پر موقوف ہے، البتہ اللہ کی خوشنودی کا راستہ بتا دینا پیغمبروں کا فریضہ ہے اس سے آگے آیاتِ ذیل میں بیان فرمایا ہے کہ پیغمبر بھیجے ہیں اور بعثتِ انبیاء کو ذریعہ ہدایت اور سببِ خلافت قرار دیا ہے جس کو اللہ نے ہدایت یاب بنانا چاہا پیغمبر کی بعثت اس کے لئے سببِ ہدایت بن گئی اور جس کو اللہ نے گمراہ بنا دینا چاہا پیغمبر کی بعثت سے اس کی گمراہی میں مزید اضافہ ہو گیا۔ پیغمبر کی بعثت تو اعلیٰ نفیس غذا کی طرح ہے۔ مناسب مزاج والے کو نفیس غذا طاقت پہنچاتی ہے اور بگڑے ہوئے مزاج والے کے مزاج میں مزید بگاڑ کا سبب بن جاتی ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ

اور ہم نے ہر امت میں یہ پیام پہنچانے کے لئے پیغمبر کو بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو اور شیطان سے بچتے رہو یعنی شیطان کی پیروی نہ کرو۔ وہ طاغوت ہے اللہ کی عبادت سے بہت بڑا طاغی (سرکش)

فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ پس ان میں سے بعض کو تو اللہ نے ہدایت یاب کر دیا جس کو ہدایت یاب کرنا چاہا اس کو پیغمبروں کی رہنمائی سے ایمان کی توفیق دے دی۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ اور ان میں سے بعض لوگوں کے لئے (بقضاء ازلی حسبِ مشیتِ الٰہی) گمراہی محقق ہو گئی (مضبوط ہو گئی) اللہ نے ان کو ایمان کی توفیق نہیں دی اور ان کو ہدایت یاب کرنا نہ چاہا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ کفر کی ہی حالت میں ان کو ہلاک کر دیا ان کی بستیوں کو اُجاڑ دیا ان کے محل ویران ہو گئے اور ان کے (جاگیری) کنویں بغیر مالکوں کے خالی پڑے رہ گئے۔

فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۳۶ (اے گروہ قریش) ذرا ملک میں چل پھر کر دیکھو کہ پیغمبروں کو جھوٹا قرار دینے والوں کا کیسا (بُرا) انجام ہوا۔ عاد، ثمود، قومِ لوط اور بن والوں (یعنی قوم شعیب) کی بستیاں دیکھو۔ کافروں نے اللہ کی مشیت اور مرضی کو ایک سمجھ رکھا تھا۔ اس خیال کا ازالہ اس آیت میں کر دیا کیوں کہ ان اقوام کی طرف سے تکذیب کا ارتکاب تو مشیتِ خدا تھا اب اگر تکذیب ہی میں اس کی مرضی ہوتی تو ان پر عذاب نازل نہ فرماتا۔

Marfat.com

اس سے آگے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ کفارِ قریش پر گمراہی کی مہر اللہ کی طرف سے ثبت ہو چکی ہے آپ اپنے جی کو ہلکان نہ کریں اور ان کو ہدایت یاب بنانے کی حرص نہ کریں۔ فرمایا ہے۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰی هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ یُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۳۷﴾

ان کے راہِ راست پر آنے کی آپ کتنی ہی تمنا کریں اللہ ایسے لوگوں کو ہدایت یاب نہیں کرتا جن کو گمراہ کرنا اس کو مقصود ہوتا ہے اور ان کا کوئی حمایتی نہ ہوگا۔

یعنی اللہ جس کو گمراہ رکھنا ہی چاہے اس کو پھر ہدایت یاب نہیں کرتا۔ آیت لِمَنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ کا جو مفہوم ہے وہ مَنْ یُّضِلُّ کا مفہوم ہے۔

مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ کا یہ مطلب ہے کہ جن کو خدا ہی گمراہ کر دے اُن کی مدد کرنے والا اور حکمِ خدا کو نافذ ہونے سے روکنے والا اور اللہ کے مقرر کردہ عذاب کو ٹالنے والا کوئی نہیں ہو سکتا۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ محمد اگر آپ ان کو ہدایت یاب بنانے کی کتنی ہی حرص کریں اور ان کو ہدایت کرنے میں کتنی ہی تکلیف اٹھائیں جب ان کو خدا نے ہی گمراہ کر دیا ہے تو آپ کی اس حرص سے ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا اور ان کو ہدایت یافتہ بنانے کی آپ کو قدرت نہ ہوگی، اللہ سب پر غالب اور قوی ہے جس کو وہ گمراہ کر دے اس کو نہ کوئی ہدایت کرنے والا ہے نہ مدد گار کہ عذاب کو دفع کر سکے۔

ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے ابو العالیہ کی روایت سے لکھا ہے کہ ایک مسلمان کا کسی مشرک پر کچھ قرض تھا۔ مسلمان مشرک کے پاس تقاضا کرنے گیا اور اپنے قرض کے متعلق کچھ گفتگو کی اثناءِ کلام میں یہ بات بھی مسلمان نے کہہ دی کہ مرنے کے بعد مجھے اللہ سے یہ امیدیں ہیں مشرک بولا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو مرنے کے بعد دوبارہ جی اٹھنے کا یقین ہے میں اللہ کی پختہ قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جو مر گیا اللہ اس کو دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا اس پر آیتِ ذیل نازل ہوئی۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَا یَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ یَّمُوْتُ ؕ اور انہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کھا کر کہا کہ جو مر جائے گا اللہ اس کو نہیں اٹھائے گا اس جملہ کا عطف وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا پر ہے اور یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح یہ توحید کے منکر ہیں اسی طرح مضبوط قسمیں کھا کر مرنے کے بعد جی اٹھنے کا بھی انکار کرتے ہیں اس کی تردید میں اللہ نے فرمایا۔

بَلٰی وَعْدًا عَلَیْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ کیوں نہیں (اٹھائے گا) اس نے اس کا پختہ وعدہ کر لیا ہے اس پر (وعدہ پورا کرنا) ضروری ہے (کیونکہ دوبارہ زندہ کر کے اٹھانا اس کی حکمت کا تقاضا ہے اور تقاضائے حکمت کے خلاف ہونا ممکن نہیں اور اس کے وعدہ کی خلاف ورزی محال ہے) اس نے (قیامت بپا کرنے کا) وعدہ بہت پختہ کر لیا ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے (کہ اللہ کے وعدہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے) یا یہ مطلب ہے کہ اکثر لوگ قیامت کا یقین نہیں رکھتے کیونکہ وہ نہیں جانتے کے قیامت کا برپا ہونا اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے ان کے علاوہ ان کی نظریں کوتاہ ہیں محسوسات کی عادی ہیں۔ غیر معمولی حادثہ کے واقع ہونے کو محال جانتی ہیں۔

لِیُبَیِّنَ لَهُمُ الَّذِیْ یَخْتَلِفُوْنَ فِیْهِ (وہ قیامت قائم کرے گا) تاکہ ان پر وہ امر (حق) واضح کر دے جس کے متعلق وہ (دنیا میں) اختلاف کرتے تھے۔

لَهُمْ کی ضمیر مرنے والوں کی طرف لوٹ رہی ہے خواہ کافر ہوں یا مؤمن۔

وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِیْنَ ﴿۳۹﴾ اور تاکہ (قیامت کے دن) کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے۔

کافر کہتے تھے کہ جو مر گیا اللہ دوبارہ اس کو زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا۔

Marfat.com

لِيُبَيِّنَ اور لِيَعْلَمَ میں قیامت قائم کرنے کی علت اور حکمت بیان فرمائی ہے حق و باطل اور حق پرست و باطل پرست میں تمیز کر دینا اور ہر فریق کو سزا یا جزا دینا تقاضائے حکمت ہے۔ جس کا ظہور قیامت کے دن ہو گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لِيُبَيِّنَ کا تعلق آیت وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا سے ہو یعنی ہر امت میں ہم نے پیغمبر بھیجا تا کہ پیغمبر وہ امرِ حق ظاہر کر دے جس کی بابت اس امت میں اختلاف تھا اور لوگوں کو بتا دے کہ وہ گمراہی پر ہیں اللہ پر بہتان تراشی اور دروغ بندی کرتے ہیں (اللہ نے ان کو بت پرستی اور حلال کو حرام بنانے کا حکم نہیں دیا)

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۴۰ ہم جس چیز کو پیدا کرنا چاہتے ہیں۔

اس سے ہمارا الٰہ ہی کہنا کافی ہوتا ہے کہ ہو جا پس وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

اِذَآ اَرَدْنٰهُ یعنی جب ہم کسی چیز کو موجود کرنا چاہتے ہیں خواہ وہ پہلی بار یا دوبارہ۔ اس آیت میں دوسری زندگی کا امکان ثابت کیا گیا ہے۔ خلاصۂ بیان یہ ہے کہ اللہ مخلوق کو محض اپنی قدرت سے پیدا کرتا ہے کسی اور چیز پر کسی مخلوق کی ہستی موقوف نہیں ورنہ نتائج و اسباب کا تسلسل کہیں ختم نہ ہو گا اور کسی چیز کا وجود ہی نہ ہو سکے گا پھر کسی چیز کی تخلیق و تکوین سے اللہ کو کوئی تھکان یا تکلیف نہیں ہوتی ورنہ خدا کا عاجز ہونا لازم آئے گا۔ اور عجز تقاضائے اُلوہیت کے خلاف ہے پس جب کہ کوئی مادہ نہ تھا نہ سابق میں کوئی نظیر اور مثال تھی بلکہ اللہ نے تمام چیزوں (یہاں تک کہ خود مادہ) کو بغیر مادہ اور مثال کے پہلی مرتبہ پیدا کر دیا تو (اب جبکہ ایک مثال موجود ہو چکی ہے) دوبارہ پیدا کرنا ناممکن نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ نے فرمایا، میرے بندے نے میری تکذیب کیا اور اس کے لئے یہ زیبا نہ تھا اور میرے بندے نے مجھے گالی دی اور یہ اس کے لئے مناسب نہ تھا۔ تکذیب تو یہ کی کہ اس نے کہا اللہ نے جیسا شروع میں مجھے پیدا کر دیا ایسا دوبارہ ہرگز مجھے پیدا نہیں کرے گا۔ حالانکہ ابتدائی تخلیق میرے لئے دوبارہ تخلیق سے آسان نہ تھی اور گالی یہ دی کہ اس نے کہا اللہ نے اپنے لئے اولاد اختیار کر لی ہے حالانکہ میں ایک ہوں بے نیاز ہوں نہ میں کسی کا باپ ہوں نہ کسی کا بیٹا، میری مثل کوئی بھی نہیں ہے۔

حضرت ابن عباسؓ کی روایت کے یہ الفاظ ہیں اس کا گالی دینا تو یہ ہے کہ اس نے کہا میری اولاد ہے، حالانکہ میں پاک ہوں بی بی یا اولاد اختیار کرنے سے۔ رواہ البخاری۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا اور جن لوگوں نے اللہ کے واسطے اپنا وطن چھوڑ دیا بعد اس کے کہ ان پر ظلم کیا گیا۔

فِي اللّٰهِ، یعنی اللہ کی راہ میں۔ اللہ کے معاملہ میں اللہ (کو ماننے) کی وجہ سے ظُلِمُوْا بعد اس کے کہ ان کو سخت دکھ دیئے گئے اور ایذائیں پہنچائی گئیں۔ عبد الرزاق اور ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ اور داؤد بن ہند کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول حضرت ابو جندل بن سہیل کے متعلق ہوا۔ مشرکوں نے مکہ میں آپ کو قید کر رکھا تھا اور دکھ پہنچائے تھے۔ ابن المنذر، ابن ابی حاتم نے اور عبد بن حمید نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول چند صحابہ کے متعلق ہوا جن پر مکہ والوں نے مظالم کئے تھے اور گھروں سے نکال باہر کر دیا تھا انہی مظلوموں میں سے ایک گروہ ملک حبش کو چلا گیا تھا پھر اللہ نے انکو مدینہ میں ٹھکانا دے دیا مدینہ کو ان کے لئے دارُ الہجرت بنا دیا اور کچھ مؤمنوں (یعنی مدینہ والوں) کو ان کا مددگار کر دیا۔

لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۚ ہم ضرور دنیا میں ان کا ٹھکانہ دیں گے اچھی طرح اور آخرت کا اجر تو بہت ہی بڑا ہے اچھے ٹھکانے سے مراد ہے مدینہ۔

بغوی نے لکھا ہے روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمر بن خطابؓ جب کسی مہاجر کو کچھ عطا فرماتے تھے تو کہتے تھے یہ لے لو اللہ تم کو مبارک کرے یہ چیز تو وہ ہے جس کے دینے کا اللہ نے تم سے دنیا میں وعدہ کیا تھا اور آخرت میں جو تمہارے لئے رکھ چھوڑا ہے وہ بہت بہتر ہے پھر آپ یہی آیت تلاوت فرماتے تھے۔

Marfat.com

بعض علماء کے نزدیک آیت کا معنی یہ ہے کہ ہم دنیا میں ان کے ساتھ بھلائی کریں گے بعض نے کہا، دنیا میں بھلائی سے مراد ہے ایمان کی توفیق اور نیکی کی ہدایت۔

لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ اگر (کفار) جانتے ہوتے (کہ اللہ ان مہاجروں کو دونوں جہان کی بھلائی عطا فرمائے گا تو ان پر ظلم نہ کرتے انکی تائید کرتے) یا یہ مطلب ہے کہ اگر مہاجروں کو معلوم ہوتا (کہ ہمارے لئے اس دکھ پانے کا یہ اجر ہے) تو وہ اور زیادہ کوشش کرتے اور مزید صبر سے کام لیتے۔

الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وہ ایسے ہیں کہ صبر کرتے ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔

صَبَرُوْا کا مفعول محذوف ہے یعنی کافروں کی طرف سے ایذا پانے اور وطن چھوڑنے اور دوسرے مصائب پر صبر کرتے ہیں۔

يَتَوَكَّلُوْنَ یعنی اپنے تمام معاملات اللہ کے سپرد کر دیتے ہیں اور سب سے (دل کا) تعلق توڑ کر اللہ سے اپنا رابطہ جوڑ لیتے ہیں۔ جب کافروں نے رسول اللہ ﷺ کی نبوت کا انکار کر دیا اور کہنے لگے کوئی آدمی اللہ کا پیغامبر نہیں ہو سکتا۔ اللہ نے ہماری ہدایت کے لئے کسی فرشتے کو کیوں نہیں بھیجا۔ اس پر آیت کا نزول ہوا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ اور آپ سے پہلے بھی ہم نے (آدمیوں کے پاس) مرد ہی پیغمبر بنا کر بھیجے (ملائکہ کو نہیں بھیجا) ہم ان کے پاس (ملائکہ کے ذریعہ سے) وحی بھیجتے رہے۔

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾ پس اگر تم نہیں جانتے ہو تو اہل علم سے پوچھ لو۔ یعنی اگر آدمیوں کے پیغمبر ہونے میں تم کو شک ہے تو جن کو کتب سابق کا علم ہے یہودی ہوں یا عیسائی ان سے دریافت کر لو کہ اللہ نے بنی اسرائیل کے پاس موسیٰ اور عیسیٰ وغیرہ کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا اور ان سے پہلے آدمؑ اور نوحؑ وغیرہ کو ان کی امتوں کو ہدایت کے لئے بھیجا تھا۔

آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ جن لوگوں کو علم نہ ہو ان کو علماء سے دریافت کرنا چاہئے اور اگر بتانے والا ثقہ ہو تو اس کی خبر مفید علم ہوتی ہے اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ (ہم نے مردوں کو پیغمبر بنا کر بھیجا) کھلے معجزات اور کتابوں کے ساتھ۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ اور ہم نے آپ پر بھی ایک نصیحت نامہ (یعنی قرآن مجید) اتارا تا کہ آپ لوگوں کے سامنے کھول کر اسکا اظہار کر دیں جو (آپ کے ذریعہ سے) ان کے پاس بھیجا گیا ہے "مانزل" سے مراد ہے ثواب کا وعدہ، عذاب کی وعید، احکام اور مجمل قوانین، بیان (جس کا رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے) قولی بھی ہے عملی بھی اور تقریری بھی اس کو تو بیان صریح کہا جاتا ہے بیان کی دوسری قسم غیر صریحی ہے جیسے رسول اللہ ﷺ نے قیاس کرنے کا حکم دیا ہے (پس مقیس علیہ میں تو صریحی بیان ہوتا ہے اور مقیس میں غیر صریحی)

وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾ اور تا کہ وہ غور کریں۔ غور کرنے سے مراد ہے رفتار عبارت اور اقسام دلالت پر غور کرنا اس طرح کہ شارع کی طرف سے کسی بیان کی ضرورت نہ ہو مثلاً آیت فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ میں لفظ حَرْث بتا رہا ہے کہ اس سے مراد زنانہ شرمگاہ ہے مبرز مراد نہیں ہے کیونکہ مبرز کھیتی (تخم آفرینی) کا مقام نہیں ہے (مبرز میں تخم ریزی ضائع تخم ہے) یا آیت ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ میں قُرُوْٓءٍ سے مراد حیض ہے۔ طُہر مراد نہیں ہے کیونکہ طلاق مسنون طہر کے زمانہ میں ہی ہوتی ہے اب اگر جس طہر کے زمانہ میں طلاق دی ہو اس کو پورا طہر محسوب کر لیا جائے تو تین طہر سے مدت کم ہو جائے گی اور محسوب نہ کیا جائے تو مدت تین سے بڑھ جائے گی بہر حال پورے تین طہر نہ ہوں گے۔ اس سے ثابت ہوا کہ قروء سے مراد طہر نہیں ہے بلکہ حیض مراد ہے۔

النصف

Marfat.com

اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ جو لوگ بُری بُری تدبیریں کرتے ہیں کیا وہ اس بات سے بے فکر ہیں کہ اللہ ان کو زمین دھنسا دے۔

مشرکوں نے بُری بُری تدبیریں کی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کو شہید کر دینے یا بند کر رکھنے یا جلاوطن کرنے کے مشورے کئے تھے اور لوگوں کو ایمان سے روکنے کی بھی منصوبہ بندی کی تھی۔

اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ ۝ یا (اچانک آسمان سے کوئی غیبی) عذاب ان پر ایسے طریقے سے آجائے کہ ان کے گمان میں بھی نہ ہو۔ جیسے قوم لوطؑ اور قوم شعیبؑ پر آیا تھا۔

اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۝ یا (سفر میں) آتے جاتے اللہ ان کو عذاب میں دھر پکڑے، سو وہ لوگ خدا کو ہرگز نہیں ہرا سکتے۔ حضرت ابن عباسؓ نے تقلب کا ترجمہ کیا ہے اختلاف اور ابن جریج نے ترجمہ کیا ہے اقبال و ادبار (دونوں ترجمے ہم معنی ہیں یعنی آمد و رفت)

اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ ؕ یا گھٹاتے گھٹاتے سب کو پکڑ لے۔ تخوّف کا معنی ہے گھٹانا۔ تَخَوَّفَهُ نے اس کو کم کر دیا۔ تَخَوَّفَهُ الدَّهْرُ زمانے نے اس کو جسمانی و مالی نقصان پہنچایا۔ لغوی نے لکھا ہے تخوّف کا یہ معنی قبیلہ بنی ہُذَیل کے محاورہ میں آیا ہے گھٹانے کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو آج کسی کو کل کسی کو پرسوں اللہ ہلاک کر دے اور اسی طرح سب کو ختم کرے۔ ضحاک اور کلبی نے کہا تخوّف کا معنی خوف ہی ہے میں کہتا ہوں اس صورت میں آیت کا مقصد یہ ہوگا کہ جب دوسرے ہلاک کر دیئے جائیں تو ان کی ہلاکت کو دیکھ کر لوگ خوف زدہ ہو جائیں اور اس خوف کی حالت میں ان پر بھی ہلاکت آجائے یا یہ مطلب ہے کہ پہلے ہلاکت کی نشانیاں ظاہر کر دی جائیں جن سے وہ لوگ خوف زدہ ہو جائیں ان کو ہلاک کر دیا جائے جیسے قوم ثمود کو ہلاک کیا گیا تھا پہلے روز اُن کے چہرے زرد پڑ گئے تھے دوسرے روز سرخ اور تیسرے روز سیاہ ہو گئے اس کے بعد ان کو ہلاک کر دیا گیا۔

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۝ پس بلاشبہ تمہارا رب بڑا مہربان اور رحیم ہے۔ اسی وجہ سے وہ فوراً عذاب میں مبتلا نہیں کرتا اور فوری سزا نہ دینے کی وجہ سے لوگ بے خوف ہو گئے ہیں، حالانکہ یہ بے باکی اور عذاب نہ ہونے کا یقین کسی طرح مناسب نہیں کیونکہ رحیم ہونے کے باوجود اللہ سخت منتقم بھی ہے اس کا انتقام بہت سخت ہے کسی میں بھی اس کے مقابلے کی طاقت نہیں ہے۔

اَفَاَمِنَ کا عطف آیت وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا پر ہے اور فاء تعقیب کے لئے ہے یعنی جب یہ بات معلوم ہو گئی کہ اللہ نے انسانوں کی ہدایت کے لئے آدمیوں کو ہی پیغمبر بنا کر بھیجا تو پھر محمد ﷺ کا انکار اور آپ ﷺ کو مغلوب کرنے کی تدبیریں اور ان بری تدبیروں کے برے نتیجہ سے بےخبر ہو جانا بالکل نازیبا اور ناروا ہے، یہ رسول بھی گزشتہ رسولوں کی طرح ہیں جن کی مخالفت گزشتہ امتوں کے لئے تباہ کُن ثابت ہو چکی ہے۔

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ کیا انہوں نے اللہ کی پیدا کی ہوئی ان چیزوں کو نہیں دیکھا۔ اگر دیکھا ہے تو اللہ کی قدرت کاملہ اور ہمہ گیر غلبہ کا اور ادراک ان کو کیوں نہیں ہوا اور کیوں اس کے عذاب سے بےخبر ہو گئے۔

یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ ۝ جن کے سائے کبھی ایک طرف کو، کبھی دوسری طرف کو جھکتے جاتے ہیں کہ (بالکل) خدا کے حکم کے تابع ہیں اور وہ (چیزیں) بھی عاجز ہیں یعنی کیا انہوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا جن کے سائے سورج کے چڑھنے اُترنے یا مشرق و مغرب کے اختلاف کی وجہ سے دائیں بائیں یعنی دونوں طرف بحکم الٰہی جھکتے ہیں۔ سُجَّدًا میں سجدہ سے مراد ہے اطاعت اختیاری ہو یا فطری۔ سَجَدَتِ النَّخْلَةُ کھجور کا درخت سجدہ کرنے لگا۔ یعنی پھلوں کا زیادہ بار پڑنے سے جھک گیا۔ سَجَدَ الْبَعِیْرُ اونٹ نے اپنے اوپر سوار کرنے کے لئے گردن جھکا دی۔ مطلب یہ ہے کہ سائے اللہ کے ضابطۂ فطرت کے تابع ہیں یا یہ مطلب ہے کہ سجدہ کی

Marfat.com

ہیبت کی طرح زمین پر گرتے اور چسپاں رہتے ہیں اور سایہ والی چیزیں بھی عاجز بے بس اور اللہ کے حکم کی تابع ہیں۔

وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ اور اللہ ہی کی مطیع ہیں جتنی چیزیں آسمانوں میں ہیں اور جو چلنے والی چیزیں زمین میں ہیں۔

مَا فِي السَّمٰوٰتِ سے مراد ہے چاند، سورج، ستارے۔ اور مِنْ دَآبَّةٍ : مَا فِي الْاَرْضِ کا بیان ہے یا مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ دونوں کا بیان مِنْ دَآبَّةٍ ہے یعنی چلنے والی چیزیں آسمانوں میں ہو یا زمین میں۔ دَبِیْبٌ جسمانی حرکت کو کہتے ہیں آسمان ہو یا زمین میں۔

وَالْمَلٰٓئِكَةُ اور فرشتے بھی۔ وَالْمَلٰٓئِكَةُ کا عطف مَا فِي السَّمٰوٰتِ پر ہے کیونکہ مَا فِي السَّمٰوٰتِ سے آسمانی چیزیں مراد ہیں چاند، سورج، ستارے اور مَا فِي الْاَرْضِ سے مراد زمین کی حرکت کرنے والی چیزیں ہیں اور ملائکہ کچھ زمین کے ہیں اور کچھ آسمان کے اور کچھ حاملینِ عرش ہیں جو نہ آسمانی ہیں نہ زمینی اس لئے ملائکہ نہ سماوی جنس سے ہیں نہ ارضی مخلوقات میں سے بلکہ سب سے الگ مخلوق ہیں (اور اگر ملائکہ کو موجوداتِ سماوی وارضی میں شامل مانا جائے تو پھر) ملائکہ کا عطف خصوصیت ظاہر کرنے کے لئے ہوگا جیسے آیت تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ میں رُوْح (جبرئیل) کا عطف ملائکہ پر اظہارِ خصوصیت کے لئے ہے اس صورت میں وَالْمَلٰٓئِكَةُ کا ترجمہ ہوگا اور بالخصوص ملائکہ بھی۔

سُجُود سے مراد ہے اطاعت وانقیاد (خواہ طبعی تأثیر کی شکل میں ہو یا ارادہ اور قصد کے ساتھ احکام تکلیفیہ کی تعمیل کی صورت میں۔ انقیادِ عمومی میں تمام مخلوق کی ارادی اطاعت یہاں تک کہ شرّ الدّواب یعنی کفار کا طبعی انقیاد بھی شامل ہے بعض علماء کے نزدیک سُجُودِ اشیاء سے مراد ہے "ہر چیز میں اللہ کی پُر حکمت صنعت کا ظہور" جو اہل عقل کو دعوتِ سجدہ دے رہا ہے میرے نزدیک سُجُودِ اشیاء سے مراد اطاعتِ شعوری ہے جاندار ہو یا بے جان، نامی ہو یا جامد، ہر چیز ایک خاص زندگی رکھتی ہے اور کوئی چیز بھی شعور سے خالی نہیں خواہ ہم بعض چیزوں کو بیجان اور بے شعور جانتے ہوں ہم کو ان کے باشعور اور زندہ ہونے کا علم نہ ہو مگر اللہ کے نزدیک وہ باشعور اور زندہ ہیں اسی مضمون کی تائید مختلف آیات سے ہو رہی ہے اللہ نے فرمایا وَاَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَحُقَّتْ۔ قَالَتَا اَتَيْنَا طَآئِعِيْنَ۔ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اَطَّتِ السَّمَآءُ وَحُقَّ لَهَا اَنْ تَاِطَّ آسمان (خوف سے) چرچرایا اور چرچرانا (یعنی اللہ سے ڈرنا) ہی اس کے لئے مناسب تھا۔

اس توجیہ پر آیتِ مذکورہ میں کافروں کے علاوہ دوسری مخلوق مراد ہوگی کافر مستثنیٰ ہوں گے۔ اللہ نے سورۂ حج کی آیتِ سجدہ میں وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فرمایا ہے جس سے کافروں کا استثناء ظاہر ہو رہا ہے۔ آئندہ آیت بھی اس تخصیص کو ظاہر کر رہی ہے۔

وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ اور (اللہ کی عبادت سے) تکبّر نہیں کرتے۔

يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وہ اپنے رب سے ڈرتے ہیں جو کہ ان سے بالادست ہے یعنی غالب اور قاہر ہے اللہ نے دوسری جگہ فرمایا ہے وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ یا یہ مطلب ہے کہ وہ اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں عذاب ان کے اوپر سے نہ نازل ہو جائے۔

وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝ اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں یعنی جیسی تعمیلِ حکم ان کے لئے مناسب ہے وہی کرتے ہیں۔ یہ جملے بتا رہے ہیں کہ لِلّٰهِ يَسْجُدُ سے کفار مستثنیٰ ہیں۔ تکبّر نہ کرنا، ڈرنا اور تعمیلِ حکم کرنا تقاضائے کفر کے خلاف ہے۔ ہاں اگر سجود سے عمومی تکوینی اطاعت اور اللہ کی صنعت کا ظہور مراد لیا جائے تو پھر هُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ اور يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ اور يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ملائکہ کی صفاتِ خصوصی ہوں گی۔ (عام مخلوق کی صفات نہ ہوں گی)

السجدۃ ۱۵ ع ۲

Marfat.com

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جو کچھ میں دیکھتا ہوں تم نہیں دیکھتے اور جو کچھ میں سنتا ہوں تم نہیں سنتے۔ آسمان خوب چرچرایا اور اس کو خوب چرچرانا چاہئے ہی تھا، قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے آسمان میں کہیں بھی چار انگلی کی جگہ ایسی نہیں کہ اس میں کوئی فرشتہ سجدہ میں پیشانی رکھے ہوئے نہ ہو۔ خدا کی قسم جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو تم ہنستے اور زیادہ روتے اور بستروں پر عورتوں سے لذت اندوز نہ ہوتے، اور میدانوں میں نکل کر اللہ کے سامنے چیختے چلاتے (یہ سن کر) حضرت ابوذرؓ بولے کاش میں درخت ہوتا کہ اس کو کاٹ دیا جاتا۔ رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ والبغوی۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ اور اللہ نے فرمایا ہے کہ دو معبود نہ قرار دو بس اللہ ہی ایک معبود ہے یعنی دوئی الوہیت کے منافی ہے (دو اللہ ہو ہی نہیں سکتے) آخری آیت دلالت کر رہی ہے کہ اس جگہ وحدانیت کو ثابت کرنا مقصود ہے الوہیت کا اثبات مقصود نہیں۔ الوہیت کے لوازم میں سے وحدانیت ہے۔

فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۵۱ پس خصوصیت کے ساتھ مجھ ہی سے ڈرا کرو۔ (اِیَّایَ فعل محذوف کا مفعول ہے اور فَارْهَبُوْنِ کا مفعول محذوف ہے اصل کلام اس طرح تھا اِیَّایَ اِرْهَبُوْا فَارْهَبُوْنِیْ تکرار جملہ تاکیدی حکم کو ظاہر کر رہی ہے)

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے۔ یعنی اللہ ہی ہر چیز کا خالق اور مالک ہے اس کی شان میں ظلم کا تصور بھی نہیں ہو سکتا (وہ اپنی ملک میں ہر طرح کا تصرّف کر سکتا ہے اس کے لئے کسی قسم کا تصرف ظلم نہیں ہو سکتا) ظلم تو دوسرے کی ملک میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنے کا نام ہے بغیر اجازت کے دوسرے کی چیز میں تصرّف جائز نہیں (اپنی ملک میں تصرف تو کسی صورت میں اور کسی بھی حالت میں ظلم ہو ہی نہیں سکتا) فرقہ معتزلہ انسان کو اپنے افعال کا خالق کہتا ہے اس کے مسلک کی تردید اس آیت سے ہوتی ہے۔

وَّلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۭ اور اسی کو حق ہے کہ اس کی اطاعت لازمی طور پر اور ہمیشہ کی جائے۔ اس کی اطاعت کا حکم کبھی ساقط نہیں ہو سکتا۔ وہی اللہ واحد ہے اور اسی سے خوف کرنا ضروری ہے فرشتوں کی طرح انسانوں کو بھی ہمیشہ ہر حال میں اسی کی اطاعت کرنی چاہئے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت نہیں۔ رواہ احمد والحاکم بسند صحیح عن عمران والحکیم بن عمرو الغفاری۔

صحیحین اور نسائی اور سنن ابوداؤد میں حضرت علیؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی نافرمانی میں کسی کی اطاعت جائز نہیں اطاعت (کا حکم) تو نیکی میں ہے (امر ممنوع کا ارتکاب کسی کے حکم سے درست نہیں) لہ الدین ذا کلفۃ کا بھی یہی مطلب ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی مالک نہیں مالک اپنی ملک میں جیسا چاہے تصرّف کر سکتا ہے غیر مالک مالک کی اجازت کے بغیر تصرف نہیں کر سکتا۔

بعض اہل تفسیر نے لکھا ہے کہ اس جگہ دین سے مراد ہے بدلہ یعنی سزا و جزا۔ مطلب یہ ہے کہ دوامی سزا جزا اسی کو زیبا ہے وہی مؤمنوں کو دوامی ثواب دے گا اور کافروں کو لازوال عذاب۔

بعض نے کہا دین سے مراد عذاب ہے یعنی کافروں کو دوامی عذاب دینے کا اسی کو حق ہے۔ اصل میں واصب بیماری کو کہتے ہیں وَصَبَ زیدٌ زید دکھی ہو گیا۔ اللہ نے عذاب کی صفت واصب فرمائی ہے۔ ایک آیت میں فرمایا ہے۔ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ حضرت عائشہؓ نے فرمایا تھا: اَنَا وَصَبْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ میں نے رسول اللہ کی تیمارداری کی تھی۔ نہایہ میں ہے وصب دوامی دکھ ہوتا، توصیب تیمارداری۔ قاموس میں ہے وصب بمعنی مرض اوصبہ اللہ اس کو اللہ نے بیمار کر دیا وَصَبَ یَصِبُ وَصُوبًا مرض جم گیا۔ لازم ہو گیا اَوصب کا بھی یہ معنی آتا ہے وصب علی الامر کسی کی پابندی سے نگرانی کی اور اچھی طرح اس کا انتظام کیا ہے آیت میں دو معبود ماننے والوں کے لئے اللہ کی طرف سے سخت اور دوامی عذاب کی وعید ہے۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۝۵۲ کیا تم اللہ کے سوا دوسروں سے ڈرتے ہو یعنی کسی دوسرے سے نہ ڈرو سوائے اللہ

Marfat.com

کے کوئی نفع و نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ اور تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے نعمت سے مراد ہے صحت، عافیت، دولت، خوش حالی، ارزانی وغیرہ۔

ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ﴿۵۳﴾ پھر جب تم پر (بیماری، ناداری قحط وغیرہ کی کوئی) مصیبت آتی ہے تو عاجزی اور زاری کے ساتھ اللہ ہی کی طرف تم رُجوع کرتے ہو۔ یعنی سوائے اس کے کسی سے دفع مصیبت کے لئے زاری نہیں کرتے جوار اونچی آواز سے دعا کرنا اور فریاد کرنا۔

ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۴﴾ پھر جب اللہ مصیبت کو تم سے دور کر دیتا ہے تو تم میں سے کچھ لوگ یکدم (اللہ کی عبادت میں) دوسروں کو شریک کرنے لگتے ہیں اگر خطاب تمام انسانوں کو مانا جائے مؤمن ہوں یا کافر تو منکم (تم میں کچھ) سے مراد ہوگا فریق کفار اور اگر خطاب صرف کافروں کو قرار دیا جائے تب کافروں میں سے کچھ لوگوں کا مشرک ہو جانا صحیح ہے کیونکہ مصیبت دور ہونے کے بعد کچھ کافر بھی نصیحت پذیر ہو جاتے ہیں۔ دوسری آیت میں آیا ہے: فَلَمَّا نَجّٰىهُمْ اِلَى الْبَرِّ فَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ پھر جب سمندری طوفان سے بچا کر اللہ ان کو خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ سیدھی چال اختیار کر لیتے ہیں۔

لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ؕ جس کا حاصل یہ ہے کہ جو نعمتیں ہم نے ان کو دی ہیں ان کی ناشکری کرتے ہیں خصوصاً دفع مصیبت کی نعمت لِيَكْفُرُوْا میں لام نتیجہ کا ہے یعنی ان کے شرک کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے خدا کی دی ہوئی نعمتوں کی ناشکری کی، دوسروں کی عبادت کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے خداداد نعمتوں کا منعم دوسروں کو قرار دے لیا۔

فَتَمَتَّعُوْا ۟ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ خیر (چند روز) عیش اُڑا لو اب جلد ہی خبر ہو جائے گی تَمَتَّعُوْا امر کا صیغہ ہے لیکن مراد ڈرانا ہے (حکم دینا مقصود نہیں ہے) فسوف تَعْلَمُوْنَ سے تہدید کی مزید شدت ہو گئی۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ؕ اور یہ لوگ ہماری دی ہوئی چیزوں میں ان (جھوٹے معبودوں) کا حصہ لگاتے ہیں جن کے متعلق ان کو کچھ علم نہیں۔ یعنی جن معبودوں کا حصہ لگایا جا رہا ہے وہ عبادت کے مستحق ہیں اور نفع یا ضرر پہنچانے والے ہیں یہ کافر ان کو ایسا نہیں خیال کرتے فقط اپنی نادانی کی وجہ سے ان کو معبود اور نفع و نقصان پہنچانے والے کہہ دیتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ کافر ان معبودوں کا حق نہیں سمجھتے یونہی حصہ لگا دیتے ہیں یا لَا يَعْلَمُوْنَ سے مراد بُت ہیں اور يَعْلَمُوْنَ کا فاعل بُت ہیں یعنی بُت بے علم ہیں جماد ہیں اور کافر ایسے پتھروں کا حصہ لگا دیتے ہیں۔ مَا رَزَقْنٰهُمْ سے مراد ہے کھیتی، مویشی، پھل مشرک کہا کرتے تھے هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا۔

تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۶﴾ خدا کی قسم تم سے تمہاری ان دروغ تراشیوں کی ضرور باز پُرس ہوگی۔ یعنی تم جو ان کو معبود بنا رہے ہو قیامت کے دن اس کی باز پُرس ہوگی تم سے ضرور۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۵۷﴾ اور اللہ کے لئے تو بیٹیاں تجویز کرتے ہیں سبحان اللہ اور اپنے لئے چاہتی چیز (یعنی بیٹے) بنی خزاعہ اور بنی کنانہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ سبحانہ، حنزیہ ذات ہے یعنی اللہ کو میں نسبت اولاد سے پاک سمجھتا ہوں اور اس کی پاکی کا اقرار کرتا ہوں یا سبحانہ صرف اظہار تعجب کے لئے ہے۔

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۵۸﴾ اور ان میں سے کسی کو بیٹی ہونے کی خبر دی جاتی ہے تو سارے دن اس کا چہرہ بدرونق رہتا ہے اور وہ دل ہی دل میں گھٹتا ہے۔

مُسْوَدًّا سیاہ بدرونق یعنی شرم، رنج اور غم کی وجہ سے اس کا چہرہ بدرونق ہو جاتا ہے اور دن بھر بدرونق رہتا ہے باوجودیکہ دن ایسی چیز ہے کہ اس میں خوشی بھی ہوتی ہے اور غم بھی مگر اس پر رنج ہی سوار رہتا ہے نظیم دل میں غم رنج گھٹا ہوا کہ اس کو اندر ہی اندر رو کے رکھتا ہے ظاہر نہیں کرتا۔



Marfat.com

يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اور جس چیز (لڑکی) کی اس کو اطلاع دی جاتی ہے اس کی عار سے لوگوں سے چھپا چھپا پھرتا ہے۔ القوم سے مراد ہے اپنے لوگ۔

اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ (تردّد میں پڑ جاتا ہے) کہ اس کو ذلت کی حالت میں (اپنے پاس) رو کے رکھے یا مٹی میں اس کو زندہ گاڑ دے۔

یَدُسُّہٗ چھپا دے، دفن کر دے۔ بغوی نے لکھا ہے کہ قبیلۂ مضر اور بنی خزاعہ اور بنی تمیم لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے ایک تو ان کو ناداری کا اندیشہ ہوتا تھا (کہ لڑکیاں تو صرف کھانے پہننے کی ہیں لوٹ مار کر کے کہیں سے کچھ لا نہیں سکتیں) دوسرے یہ کہ (ناداری کو دیکھ کر) غیر کفو کہیں ان سے نکاح کرنے کا لالچ نہ کرنے لگیں عرب کے بعض لوگوں کا دستور تھا کہ جب لڑکی پیدا ہوتی اور وہ اس کو زندہ رکھنا چاہتا تو اس کو اُون کا یا بالوں کا کرتہ پہنا کر جانور چرانے کی خدمت پر لگا دیتا تھا اور اگر اس کو قتل کر دینا چاہتا تو چھ سال کی عمر تک اس کو چھوڑے رکھتا جب وہ چھ سال کی ہو جاتی تو اس کی ماں سے کہتا اس کو بنا سنوار کر تیار کر دے پھر اس کو کہیں جنگل میں لے جاتا وہاں پہلے ایک گہرا گڑھا کھود کر تیار رکھتا۔ جب لڑکی کو لے کر وہاں پہنچتا تو لڑکی سے کہتا دیکھ تو اس گڑھے میں کیا ہے لڑکی دیکھنے کو جونہی جھکتی یہ سنگدل باپ پیچھے سے اس کو دھکا دے دیتا اور اوپر سے مٹی ڈال کر زندہ دفن کر دیتا اور گڑھے کو ہموار کر دیتا۔

فرزدق کے دادا صعصعہ کو اگر کہیں اس کی سُن گن مل جاتی تو لڑکی کے باپ کے پاس لڑکی کے عوض کچھ اونٹ بھیج دیتا اور اس طرح لڑکی کی گلو خلاصی ہو جاتی فرزدق نے بطور فخر اسی واقعہ کی طرف ذیل کے شعر میں اشارہ کیا ہے۔

میرا دادا وہ تھا جس نے زندہ دفن کرنے والوں کو زندہ دفن کرنے سے روکا اور زندہ در گور ہونے والی کو زندگی عطا کی۔

اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۵۹﴾ خوب سن لو، ان کی یہ تجویز بہت ہی بُری ہے اللہ جو ہر طرح کی اولاد سے پاک ہے اس کے لئے تو ایسی اولاد تجویز کرتے ہیں جو صنف ادنیٰ ہے اور اپنے لئے لڑکوں کو پسند کرتے ہیں دوسری آیت میں اس کو ناانصافی کی تقسیم قرار دیا ہے فرمایا ہے، اَلَكُمُ الذَّكَرُ وَلَهُ الْاُنْثٰى تِلْكَ اِذًا قِسْمَةٌ ضِيْزٰى ۔

لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے ان کی بُری حالت ہے مرنے کے بعد بقاءِ نسل کے محتاج ہیں اپنی قوتِ بازو بنانے کے لئے لڑکوں کے ضرورت مند ہیں لڑکیاں ہونے کو بُرا جانتے ہیں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے ہیں یہ سب ان کی بری حالت ہے۔ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ اور اللہ کی شان سب سے اونچی ہے وہ واجبُ الوجود ہے ہر چیز سے بے نیاز ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں علم، قدرت، بقاء اور تمام جلالی و جمالی صفات سے متصف ہے مخلوق کی صفات سے پاک ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا مَثَلُ السَّوْءِ دوزخ ہے اور مثل الاعلیٰ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت ہے۔

وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۰﴾ اور وہ (سب پر) غالب اور (اس کا ہر کام) پر حکمت ہے۔ یعنی قدرت و حکمت میں یگانہ و بے مثال ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ اگر اللہ لوگوں کی بے جا حرکتوں کے سبب ان کی فوری گرفت کرتا تو زمین پر کسی حس و حرکت کرنے والے کو نہ چھوڑتا۔

مؤاخذہ کرنے سے مراد ہے فوری سزا دینا۔ النّاس سے مراد کفار ہیں۔ لفظ مؤاخذہ اور ظلم اسی کی طرف اشارہ کر رہا ہے ظلم سے مراد ہے کفر اور معصیت، بیضاوی نے لکھا ہے کہ النّاس سے مراد سب لوگ ہیں (مؤمن ہوں یا کافر) عبارت کی رفتار اسی کی غمازی کر رہی ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ سب ہی لوگ یہاں تک کہ انبیاء بھی ظالم قرار پا جائیں گے کیونکہ گروہ انسانی کے اکثر افراد سے چونکہ کفر و معصیت کا صدور ہو رہا ہے اس لئے جماعت کی طرف ظلم کی نسبت کر دی گئی اور جماعت کی طرف نسبت کرنے سے ہر ہر شخص کی طرف نسبت ضروری نہیں۔ (حضرت مفسرؒ نے کہا میں کہتا ہوں) اس صورت

Marfat.com

میں (ماترک علیہا من دابۃ کے لفظ سے) ظاہر ہوتا ہے اکثر افراد کے ارتکاب جرم کا بدلہ پوری جماعت سے لیا جاتا اور یہ بدلہ قطعاً غلط ہوگا کیونکہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی صریحی نص ہے (مجرم کی سزا میں غیر مجرم کو شریک نہیں کیا جاسکتا)

دابۃ سے مراد ہے گناہ گار دابہ۔ مفسر مدارک نے حضرت ابن عباسؓ کی طرف اس تشریح کی نسبت کی ہے یا دابہ سے مراد ہے جاندار رینگنے والا جانور اس صورت میں مؤمنین صالحین مستثنیٰ ہوں گے یعنی نیکوکار مؤمنوں کے علاوہ ہر جاندار کو ہلاک کر دیتا کسی کو نہ چھوڑتا۔ کیونکہ کافروں اور گناہ گاروں کی بے جا حرکتوں پر نیکوں کی پکڑ نہیں ہو سکتی ہاں اگر نیک لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیں تو گناہ پر راضی ہونے یا فرض کو ادا نہ کرنے کے سبب ان کو بھی عذاب میں شریک کیا جاسکتا ہے۔ ابن ماجہ اور ترمذی نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا لوگ جب کسی بری بات کو دیکھیں اور اس کو نہ بدلیں؟ یعنی بدلنے کی کوشش نہ کریں، تو ہو سکتا ہے کہ اللہ سب کو عموماً اپنے عذاب کی لپیٹ میں لے لے۔ ترمذی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے ابو داؤد نے حضرت جریر بن عبداللہؓ کی روایت سے بھی اسی مضمون کی حدیث نقل کی ہے۔

صالح مؤمنوں کے علاوہ باقی جانداروں کا ظالم اور کافر انسانوں کے ظلم کے بدلہ میں پکڑا جانا ناجائز ہر جانور کی تخلیق انسان کی تخلیق کے تابع ہے جانوروں کی پیدائش آدمیوں کے فائدہ ہی کے لئے ہوئی ہے اللہ نے فرمایا ہے: خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا زمین کی سب چیزیں اللہ نے تمہارے ہی فائدے کے لئے پیدا کی ہیں۔

قتادہ نے اس آیت کی تفسیر کے ذیل میں بیان کیا ہے کہ ایسا حضرت نوحؑ کے زمانہ میں ہو چکا ہے۔ حضرت نوحؑ کی کشتی میں جو جاندار چڑھ گئے وہ بچ گئے باقی ہلاک کر دیئے گئے بیہقی کی روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے سنا کہ ایک شخص کہہ رہا ہے ظالم صرف اپنے نفس کو ہی ضرر پہنچاتا ہے (اس کے ظلم کی سزا کسی دوسرے پر نہیں پڑتی) حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا کیوں نہیں خدا کی قسم (ضرور ایسا ہوتا ہے) یہاں تک کہ ظالم کے ظلم کی پاداش میں چڑیاں اپنے آشیانوں میں بھوکی مر جاتی ہیں۔

ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم اور بیہقی نے (شعب الایمان میں) حضرت ابن مسعودؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ابن آدم کے گناہ کی وجہ سے جُعَل (ایک خاص کیڑا) اپنے سوراخ میں عذاب میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

بعض اہل تفسیر نے آیت کا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اگر کافروں کے آباء واجداد کو ان کے ظلم کی پاداش میں فوراً پکڑ لیتا تو نسل ہی منقطع ہو جاتی ان کی اولاد بھی زندہ نہ بچتی اور زمین پر کوئی باقی نہ رہتا۔ اسی لئے حضرت نوحؑ نے اپنی قوم کے لئے اس وقت تک بد دعا نہیں کی جب تک وحی کے ذریعہ سے ان کو معلوم نہ ہو گیا کہ موجودہ کافروں کی نسل بھی کافر ہی پیدا ہو گی۔

وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۶۱﴾

لیکن (اپنے حکم کی وجہ سے) ظالموں کو ایک میعادِ معین تک اللہ مہلت دے رہا ہے (یعنی توبہ کے لئے اس نے عذاب ٹال رکھا ہے) پھر جب ان کا وقتِ معین آپہنچے گا اس وقت منٹ بھر نہ پیچھے ہٹ سکیں گے نہ (مقررہ وقت سے) آگے بڑھ سکیں گے (یعنی وقتِ معین سے تھوڑی دیر کی تاخیر بھی نہ ہو گی)۔

وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ﴿۶۲﴾

اور اللہ کے لئے وہ باتیں تجویز کرتے ہیں جن کو خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں اور اپنی زبانوں سے جھوٹے وعدے کرتے ہیں کہ ان کے (یعنی ہمارے) لئے ہر طرح کی بھلائی ہے لازمی بات ہے کہ ان کے لئے دوزخ ہے اور بلاشبہ وہ لوگ سب سے پہلے دوزخ میں بھیجے جائیں گے۔

مَا يَكْرَهُوْنَ، جو خود پسند نہیں کرتے جیسے لڑکیاں، ریاست اور سرداری میں کسی کی شرکت، حقیر ترین مال میں بھی کسی کا ساجھا وغیرہ۔ الحسنیٰ، یمان نے کہا الحُسْنٰی نے مراد ہے جنت۔ کافر کہتے تھے کہ محمد ﷺ کے قول کے مطابق اگر قیامت ہوئی بھی تو ہمارے لئے جنت ہو گی۔ لَا جَرَمَ کا ترجمہ ہے یقیناً قطعاً بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے اس کا ترجمہ کیا

Marfat.com

کیوں نہیں۔

میں کہتا ہوں، اس ترجمہ کی بناء اس امر پر ہے کہ لَا جَرَمَ کے لَا کو نافیہ قرار دیا جائے اور اس سے گزشتہ خیال کی تردید مقصود ہو پہلے بیان کیا تھا کہ کافروں کا خیال ہے کہ ان کے لئے جنت ہو گی اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم دوزخ میں نہیں جائیں گے اللہ نے اس کی تردید فرمادی اور پھر ان کے دوزخی ہونے کی صراحت فرمادی۔

مُفْرَطُوْنَ (اِفراط سے اسم مفعول) قاموس میں ہے دوزخ میں چھوڑے ہوئے گویا دوزخ میں ڈال کر بھلا دیئے گئے یا سب سے پہلے دوزخ میں بھیجے گئے (ہم نے یہی ترجمہ کیا ہے) مترجم۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے اس کا ترجمہ کیا ہے دوزخ میں ڈال کر بھلا دیئے گئے مقاتل نے کہا دوزخ میں چھوڑ دیئے گئے۔ قتادہ نے کہا دوزخ میں جلد بھیج دیئے گئے فراء نے کہا دوزخ میں سب سے پہلے بھیجے گئے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اَنَا فَرَطُکُمْ میں تمہارا پیش رو ہوں گا اور حوض پر سب سے پہلے پہنچوں گا سعید بن جبیرؓ نے ترجمہ کیا وہ (نجات و رحمت سے) دور کر دیئے جائیں گے۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ آپ سے پہلے جو امتیں ہو گذری ہیں ان کے پاس بھی ہم نے رسولوں کو بھیجا تھا سو ان کو بھی شیطان نے ان کے (کفریہ) اعمال خوبصورت (پسندیدہ) بنا کر دکھائے لَهُمْ یعنی اکثر امتوں کو۔ "اعمال" سے مراد ہیں کفریہ اعمال، شرک باللہ اور پیغمبروں کی تکذیب۔ شیطان نے اعمالِ کفر کو ان کی نظر میں پسندیدہ بنا دیا اس لئے وہ اپنے برے اعمال پر جمے رہے۔

فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ پس وہی شیطان آج (اس دنیا میں) ان (کفارِ قریش) کا بھی رفیق ہے اور قیامت کے دن ان کے لئے دردناک عذاب ہو گا۔ وَلِيُّهُمْ کی ضمیر کفارِ قریش کی طرف لوٹ رہی ہے کلام کی رفتار کا یہی تقاضا ہے کفارِ قریش کے متعلق کلام کیا جا رہا ہے۔ "ولی" کا معنی ہے مددگار، رفیق، ساتھی، جو قریش کے برے اعمال کو اچھی شکل میں بنا کر دکھا رہا ہے۔ مسلمانوں کی دشمنی میں ان کا ساتھی اور مددگار ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَلِيُّهُمْ کی ضمیر اُممِ سابقہ کی طرف لوٹائی جائے اور گزشتہ حال کی حکایت قرار دی جائے یعنی شیطان اُممِ سابقہ کا اس دنیا میں رفیق تھا اعمالِ کفریہ کو پسندیدہ بنا کر دکھاتا تھا۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اَلْيَوْمَ سے مراد قیامت کا دن ہو اور آنے والے واقعہ کا بیان یعنی قیامت کے دن شیطان ان کافروں کا ساتھی ہو گا اور طوق و زنجیر میں ان کے ساتھ بندھا ہوا ہو گا، یا یہ مطلب ہے کہ قیامت کے دن بس شیطان ہی ان کا رفیق ہو گا کوئی اور رفیق نہ ہو گا اور ظاہر ہے کہ شیطان اس روز خود اپنی مدد نہیں کر سکے گا تو ان کی مدد کیا کرے گا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مضاف محذوف ہو یعنی گزشتہ اقوام جیسے لوگوں کا رفیق یہاں شیطان ہی ہے مطلب یہ کہ کفارِ قریش گزشتہ امتوں کی طرح ہیں اور ان کا رفیق شیطان ہے۔

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۶۴﴾ اور ہم نے یہ کتاب آپ پر صرف اس لئے نازل کی ہے کہ جن اُمور (دین) میں لوگ اختلاف کر رہے ہیں آپ عام لوگوں پر اس کو ظاہر فرمادیں اور خاص طور پر ایمان والوں کے لئے ہدایت اور رحمت (بنا کر ہم نے یہ قرآن نازل کیا ہے۔)

اِخْتَلَفُوْا فِيْهِ یعنی توحید۔ اللہ کی صفات، تقدیر، احوالِ قیامت، انسانی افعال (کی تخلیق) اور اللہ کے احکام کے بارے میں لوگوں کے جو مختلف خیالات ہیں۔

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اور اللہ ہی نے آسمان سے پانی برسایا پھر اس سے زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد زندہ کیا۔ الارض سے مراد ہے زمین کا سبزہ، زمین کو زندہ کیا، یعنی اس کو سرسبز اور نامی بنایا۔ "زمین کی موت" سے مراد ہے زمین کا خشک ہو جانا، روح نباتی سے خالی ہو جانا۔

Marfat.com

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّقَوْمٍ يَسْمَعُونَ ﴿٦٥﴾ اس میں ایسے لوگوں کے لئے بڑی دلیل ہے جو سنتے ہیں۔ یعنی غور و فکر کے کانوں سے سننے والوں کے لئے خشک، بے جان زمین کا پانی سے سرسبز و شاداب ہو جانا، امکانِ قیامت کی بڑی دلیل ہے۔

وَإِنَّ لَكُمْ فِي الْأَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۖ اور (نیز) تمہارے لئے مویشیوں میں بھی غور درکار ہے۔ عبرت سے مراد ہے ایسا غور جو جہالت سے نکال کر علم کی طرف لے جائے۔

نُّسْقِيكُم مِّمَّا فِي بُطُونِهِ مِن بَيْنِ فَرْثٍ وَدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَائِغًا لِّلشَّارِبِينَ ﴿٦٦﴾

(دیکھو) ان کے پیٹ میں جو گوبر اور خون (کا مادہ) ہے اس کے درمیان میں سے صاف اور گلے میں آسانی سے اُترنے والا دودھ (بنا کر) ہم تم کو پینے کو دیتے ہیں۔ بُطُوْنِہٖ میں واحد مذکر کی ضمیر اَلْاَنْعَام کی طرف لوٹ رہی ہے الانعام اسم جمع ہے۔ لفظ کے اعتبار سے مفرد ہے۔ سیبویہ نے اس لفظ کا شمار ان مفرد الفاظ میں کیا ہے جو بروزن اَفعال آتے ہیں جیسے اَخلاق اور اَکباش وغیرہ فیراء، ابو عبیدہ اور اخفش کا بھی یہی قول ہے نَعَم اور اَنعام دونوں مفرد کے صیغے ہیں۔ مذکر و مؤنث دونوں طرح سے ان کا استعمال آیا ہے جس نے مؤنث استعمال کیا اس نے ان کے جمعیتی معنی کا لحاظ کیا ہے اور جس نے مذکر قرار دیا ہے اس نے لفظ کا لحاظ کیا ہے۔

کسائی نے بطونہٖ کی ضمیر کو مَا کی طرف راجع کیا ہے یعنی اس چیز کے پیٹ کے اندر سے جس کا ذکر اوپر کر دیا گیا۔ مؤرخ نے کہا سب انعام کے پیٹ سے تو دودھ نہیں نکلتا اس لئے بعض مراد ہیں اور بعض ہی کی طرف بطورِ کنایہ ضمیر کا رجوع ہے۔ بعض کے نزدیک جنس انعام مراد ہے اور جنس کی طرف ضمیر راجع ہے۔

فَرْث وہ گوبر جو اوجھ کے اندر ہو۔ جب باہر آجاتا ہے تو اس کو فرث نہیں کہا جاتا۔ خالصاً سے یہ مراد ہے کہ خون اور گوبر کے اثرات سے خالص ہوتا ہے نہ اس میں خون کا رنگ ہوتا ہے نہ گوبر کی بُو۔ باوجودیکہ دودھ کی پیداوار انہی دونوں چیزوں سے ہوتی ہے سَائِغ حلق میں آسانی سے اتر جانے والا۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا جانور چارہ گھاس کھاتا ہے تو کھایا ہوا چارہ انتڑیوں میں جا کر ٹھہرتا ہے پھر وہاں اس کی پسائی ہوتی ہے پسنے کے بعد اس کا نچلا حصہ تو گوبر ہو جاتا ہے اور بالائی حصہ خون اور درمیانی حصہ دودھ (دونوں کے درمیان دودھ پیدا ہونے کا یہی مطلب ہے) اور یہ سب کام جگر کے زیر تسلّط ہوتا ہے جگر خون کو رگوں میں بہاتا ہے اور دودھ کو تھنوں میں اور گوبر کو وہیں باقی رکھتا ہے، جہاں وہ ہے۔ بیضاوی نے لکھا ہے شاید حضرت ابن عباسؓ کے کلام کی مراد یہ ہے کہ درمیانی حصہ دودھ کا مادہ ہو جاتا ہے۔ اور بالائی حصہ خون کا مادہ جو بدن کی غذا بنتا ہے اور اگر اس غذا کو جو انتڑیوں میں ہوتی ہے اس کا ہضم شدہ خلاصہ (کیلوس) اپنی طرف کھینچ لیتا اور فضلہ وہیں رہتا ہے جہاں ہوتا ہے (یعنی انتڑیوں میں) پھر کیلوس کو روک کر دوبارہ اس کو ہضم کرتا ہے (جس کے جوہر کو کیموس کہتے ہیں) پھر چار اَخلاط تیار کرتا ہے جن کے اندر مائیت ہوتی ہے پھر جگر کی قوتِ ممیزہ (مائیت کو چھانٹ کر الگ کرنے والی قوت) قدرِ ضرورت سے زیادہ پانی کو اخلاط سے الگ کر کے گُردوں اور پتے اور طحال کی طرف روانہ کر دیتی ہے پھر باقی اَخلاط کو تمام اعضاء کی طرف حسبِ ضرورت تقسیم کر دیتی ہے اس طرح ہر عضو کو قادر، حکیم، علیم کے زیر انتظام اس کا حق مل جاتا ہے پھر اگر حیوان مادہ ہے تو چونکہ اس کے مزاج میں بُرودت و رُطوبت کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے اس کے اَخلاطِ غذائی ضرورت سے زائد ہوتے ہیں اور زائد حصہ جنین کی پرورش کے لئے رحم کی طرف چلا جاتا ہے اور بچہ پیدا ہو جاتا ہے تو ماں کے بدن کی غذائی ضرورت سے تمام زائد حصہ یا اس کا کچھ حصہ تھنوں کی طرف چلا جاتا ہے اور سفید شیریں گوشت کے قرب کی وجہ سے سفید ہو کر دودھ بن جاتا ہے۔ اَخلاط اور دودھ کی پیدائش کیسے ہوتی ہے؟ کن راستوں سے کس طرح کہاں جا کر یہ ٹھیرتے ہیں؟ ان کو پیدا کرنے والے اسباب کیا کیا ہیں؟ مناسب طور پر ہر وقت ان کی حالت کی تبدیلی کون سی قوتوں کی ممنون ہے جو شخص ان امور پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرے گا اس کو صانع حکیم کی حکمتِ کاملہ اور قدرتِ تامّہ کا اعتراف کرنا پڑے گا اور رحمتِ شاملہ

Marfat.com

کو ماننا پڑے گا۔

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ

اور (نیز) کھجور اور انگوروں کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو (حضرت مفسرؒ نے لکھا ہے) نُسْقِیْ فعل محذوف ہے اور ثمرات سے مراد ہے کھجور و انگور کا شیرہ عرق۔ یعنی ہم تم کو پینے کے لئے شیرۂ کھجور و انگور دیتے ہیں۔ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سے جملہ علیحدہ ہے یا مِنْ ثَمَرَاتٍ کا تعلق تَتَّخِذُوْنَ سے ہے (اسی کے موافق ترجمہ کیا گیا ہے) سُکر نشہ آور چیز، یا مصدر ہے بمعنی صفت یعنی شراب۔ قاموس میں ہے سَکِرَ (بے ہوش ہو گیا) ہوش کی ضد ہے سُکْر، سُکُر، سَکَر، سُکْر ان یہ سب مصدر ہیں۔ سُکُر بضمتین شراب اور اس نبیذ کو بھی کہتے ہیں جو کھجوروں اور کشمش سے اور ہر نشہ آور چیز سے بنایا جاتا ہے۔ اور سکر کہ اور طعام کو بھی سکر کہا جاتا ہے۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ سُکر وہ ہوتا ہے جو کھجوروں کے عرق سے بنایا جاتا ہے شریک بن عبداللہ نے کہا اس آیت کی وجہ سے سکر کی اباحت ثابت ہو رہی ہے کیونکہ اللہ نے بطور احسان و منت نہ سکر تیار کرنے کا ذکر کیا ہے اور حرام چیز کا ذکر بطور احسان نہیں کیا جا سکتا ہماری دلیل یہ ہے کہ سکر کی حرمت پر صحابہؓ کا اجماع ہے۔ رہا آیت کا جواب تو (یہ آیت مکی ہے) اس کا نزول اس وقت ہوا جب ہر طرح کی پینے کی چیز حلال تھی۔ انتہی کلامہ۔

بغوی نے لکھا ہے کچھ لوگوں کا قول ہے کہ سکر شراب ہے اور رزق حسن سرکہ، رُب، چھوارے اور کشمش۔ اور یہ حکم تحریم خمر سے پہلے کا ہے (یعنی اس آیت کا نزول حرمت شراب سے پہلے ہوا تھا) یہ قول حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابن عمرؓ، سعید بن جبیرؒ، حسن اور مجاہد کا ہے بغوی نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کا قول ایک روایت میں بھی آیا ہے کہ سکر وہ پھل ہیں جو حرام کر دیئے گئے اور رزق حسن سے مراد حلال پھل ہیں (شاید حضرت ابن عباسؓ کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جو عرق یا نبیذ پھلوں کا حرام کر دیا گیا ہے وہ سکر ہے اور جو عرق یا نبیذ حلال رکھا گیا وہ رزق حسن ہے، مترجم) ابو عبیدہ نے کہا سکر سے مراد ہے کھانا عرب بولتے ہیں ہذا سکر لک یہ آپ کا کھانا ہے۔ شعبی، سکر سے پینے کی چیز مراد ہے اور رزق حسن سے کھانے کی چیز۔ عوفی نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حبشی زبان میں سکر سرکہ کو کہتے ہیں ضحاک اور نخعی کا قول ہے کہ حبشی زبان میں نشہ آور نبیذ کو سکر کہتے ہیں اور سکر چھواروں اور کشمش کے گاڑھے خیسانیدہ اور پکائے ہوئے عرق کا نام تھا۔ سب سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ آیت تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا منسوخ ہے انتہی کلام البغوی۔

ایک اور مقام پر بغوی نے لکھا ہے کہ خلاصۂ کلام یہ ہے کہ شراب کے متعلق چار آیات نازل ہوئی تھیں۔ آیت وَمِنْ ثَمَرَاتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا مکہ میں نازل ہوئی۔ اس کے نزول کے بعد مسلمان شراب پیتے رہے۔ شراب اس زمانہ میں حلال رہی اس کے بعد مدینہ میں آیت يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ نازل ہوئی اس کے کچھ زمانہ کے بعد آیت يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى نازل ہوئی اور سب سے آخر میں سورہ مائدہ والی آیت نازل ہوئی (جس میں شراب کی قطعی ابدی حرمت ہو گئی) چاروں آیات کے نزول کی تفصیل سورۂ بقرہ کی آیت وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے ذکر کر دی ہے۔

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۶۷﴾ بلاشبہ اس میں بڑی نشانی ہے ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں یعنی آیات میں غور و فکر کرنے کا کام اپنی عقلوں سے لیتے ہیں۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾

اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے جی میں یہ بات ڈالی کہ تو بعض پہاڑوں میں گھر بنا لے اور بعض درختوں میں بھی اور لوگ جو چھتیں بناتے ہیں ان میں بھی۔ "وحی کرنے" سے مراد ہے الہام کرنا اور دل میں ڈالنا۔ یعرشون سایہ کے گھروں کی چھتیں بناتے ہیں یا عرش سے مراد ہے انگوروں کی ٹٹیاں۔ عرش کا لغوی معنی ہے چھت۔ من الجبال اور من الشجر اور

Marfat.com

عمایرشون میں من تبعیضیہ ہے کیونکہ سب پہاڑوں میں اور سب درختوں میں اور سب چھتوں اور انگوروں کی ٹٹیوں میں شہد کی مکھیوں کے چھتے نہیں لگتے ہیں نہ ہر جگہ چھتا ہوتا ہے بعض پہاڑوں اور بعض درختوں وغیرہ میں بعض جگہ چھتے لگتے ہیں شہد کی مکھی کے چھتے کو مکان کہنے سے اس طرف اشارہ ہے کہ انسانی مکان کی طرح مکھیوں کے چھتوں میں بھی تمام ضروری حصے ہوتے ہیں ان میں بھی متعدد کمرے، چھتیں اور دروازے ہوتے ہیں اور وہ بھی حسنِ صنعت کا ایسا اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں کہ سوائے کسی ماہر انجینئر کے اور کوئی انسان بھی نہ ایسا نقشہ بنا سکتا ہے نہ ایسی تعمیر کر سکتا ہے۔

ثُمَّ كُلِي مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِي سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا ۭ پھر ہر قسم (یعنی ہر ضروری اور مناسب قسم) کے پھلوں کو چوس اور پھر اپنے رب کے راستوں پر چل جو آسان ہیں۔

الثمرات میں الف لام جنسی ہے اور لفظ کل استغراقی نہیں ہے بلکہ ہر مرغوب اور مناسب پھل مراد ہے یعنی ہر قسم کے مناسب پسندیدہ اور میسّر آجانے والے پھلوں کا عرق چوس لے خواہ میٹھے ہوں یا کڑوے۔

سُبُلَ رَبِّكِ یعنی ان راستوں پر چل کر شہد تیار کر جو تیرے رب نے تجھے بتا دیئے ہیں اور فطری طور پر تجھے سکھا دیئے ہیں اور جب دور دور کے پھولوں کا رس چوس کر اپنے گھر کو لوٹے تو اپنے رب کے بتائے ہوئے راستوں پر لوٹنا، راستہ نہ بھول جانا یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے ایسے راستوں پر چلنا کہ تیرے پیٹ کے اندر پھلوں اور پھولوں سے چوسا ہوا عرق شہد بن جائے۔

ذُلُلًا یعنی وہ راستے اللہ نے تیرے لئے آسان کر دیئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے حکم کی اطاعت میں لگی رہنا اور حکم کے زیر اثر راستوں پر چلنا کہنے والے کہتے ہیں کہ مکھیوں کے سردار تمام مکھیوں کو ساتھ لے کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پر منتقل ہو جاتے ہیں اور سب مکھیوں کا ایک بادشاہ ہوتا ہے جس کو یعسوب کہا جاتا ہے۔ جب وہ کہیں سے چل دیتا ہے تو سب مکھیاں چل دیتی ہے اور جہاں کہیں وہ رک جاتا ہے تو سب ٹھہر جاتی ہیں۔

يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ اس کے پیٹ میں سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے جس کے رنگ مختلف ہوتے ہیں یعنی سرخ بھی ہوتا ہے سفید بھی زرد بھی اور سبز بھی۔

فِيْهِ شِفَاۗءٌ لِّلنَّاسِ ۭ کہ اس میں لوگوں کے لئے شفاء ہے۔ مجاہد نے فیہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع کی ہے یعنی قرآن میں لوگوں کے لئے شفا ہے، لیکن آیت کی رفتار بتا رہی ہے کہ شہد کی طرف ضمیر راجع ہے یعنی شہد میں شفاء ہے۔ یعنی بعض امراض کے لئے۔ بعض حالات میں شہد کے اندر شفا ہے شفاءٌ نکرہ ہے، کلام موجب ہے، اس لئے تعمیم فی الجملہ ہے یعنی بعض امراض کے بعض حالات میں شفاء ہے۔

## ایک شبہ

بعض حالات میں بعض امراض کے لئے شفاء تو ہر چیز میں ہے یہاں تک کہ زہر میں بھی بعض امراض کے لئے شفاء ہے شہد ہی کی کیا خصوصیت ہے۔

## ازالہ

شفاءٌ میں تنوین عظمت کو ظاہر کر رہی ہے یعنی شہد میں اکثر امراض کے لئے شفاء عظیم ہے حضرت ابن مسعودؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا دو شفاؤں کو اختیار کرو۔ شہد اور قرآن (اول میں شفاء جسمانی ہے اور دوسرے میں شفاء اخلاقی و روحانی) رواہ ابن ماجہ والحاکم بسند صحیح۔ یہ حدیث بتا رہی ہے کہ شہد میں شفا غالب ہے۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ بعض امراض کے لئے تو شہد تنہا شفا ہے اکثر بلغمی امراض میں مفید ہے اور بعض امراض کے علاج میں دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر شہد مفید صحت ہے، ہر معجون کا جزء اعظم شہد ہوتا ہے۔

صحیحین میں حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور



Marfat.com

عرض کیا میرے بھائی کو اِسہال کی شکایت ہے۔ فرمایا شہد پلاؤ۔ حسبِ الحکم اس شخص نے شہد پلایا (کچھ فائدہ نہ ہوا) وہ پھر خدمت گرامی میں حاضر ہوا اور عرض کیا حضور میں نے شہد پلایا تھا، شہد سے اور اِسہال میں اضافہ ہو گیا۔ فرمایا اللہ سچا ہے اور تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا۔ اس نے جا کر پھر شہد پلایا اور مریض اچھا ہو گیا اس حدیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ (پیٹ کے) بعض امراض کے لئے تنہا شہد شفا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ خلوص اور حسنِ نیت سے جو شخص تنہا شہد کا استعمال کرے گا اللہ اس کو شفا دے گا خواہ کوئی مرض ہو۔ کذا قال السیوطی۔

صحیح بات یہ ہے کہ ہر قسم کے شہد کا ہر مرض کے لئے شفا ہونا نہ قرآن میں مذکور ہے نہ حدیث میں۔ ہر فصل کے شہد کی خاصیت جُدا ہوتی ہے۔ کس قسم کے پھلوں اور پھولوں کے عرق سے شہد تیار ہوا ہے اس کا لحاظ بھی موسم کے مطابق ضروری ہے۔ شہد کے علاوہ کوئی شفا بخش دوا ایسی نہیں کہ ہر قسم کے پھلوں اور پھولوں کا خلاصہ کھینچ کر اس میں آگیا ہو ہر دوا کا ایک خاص مزاج اور خاصیت ہے شہد ہی ایک ایسی چیز ہے جو فصل کے اختلاف اور پھلوں پھولوں کے تنوع کے لحاظ سے اپنے اندر مختلف خاصیات رکھتا ہے پس شہد کا ہر مرض کے لئے شفا ہونا بجائے خود صحیح ہے لیکن مرض کی نوعیت کے لحاظ سے شہد کی نوعیت اور جن پھلوں اور پھولوں سے شہد بنا ہو ان کی دریافت لازم ہے پھر شہد کے طریق استعمال اور مقدار استعمال کا بھی بڑا فرق ہے اگر طریق استعمال اور مقدار ضروری کا علم نہ ہو تو اس سے شہد کے شفا بخش ہونے کی نفی نہیں کی جا سکتی ہر شہد ایک کیفیت کا بھی حامل نہیں ہوتا، کسی میں گرمی زیادہ ہوتی ہے کسی میں کم، بعض شہد فالج، لقوہ، اور بڑے بڑے اعصابی امراض میں بہت مفید ہوتے ہیں اور بعض کم مفید اور بعض بالکل فائدہ نہیں دیتے۔ اسہال کو روکنے کے لئے بھی شہد مفید ہوتا ہے اور جاری کرنے کے لئے بھی۔ فاسد مادہ کو باہر نکال کر پھینک دیتا ہے اور فاسد غذائی مادہ کو نکال پھینکنے کے بعد قبض بھی کر دیتا ہے۔ غرض شہد متقوی بھی ہے مفرح بھی، اچھی غذا بھی ہے اور عمدہ دوا بھی۔ جو اور جتنے فوائد شہد کے اندر ہیں وہ دنیا کی کسی چیز کے اندر نہیں ہیں۔ حقیقت میں شہد مجمع الاضداد ہے)

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اس میں بھی ان لوگوں کے لئے (اللہ کی قدرت، حکمت اور وحدانیت والوہیت کی) بڑی دلیل ہے جو غور کرتے ہیں جو شخص مکھیوں کی اس صنعتی مہارت اور عجیب پُر حکمت نظم پر غور کرے گا اس کو صاف نظر آجائے گا کہ یہ سب کار فرمائی اور عجوبہ زائی در پردہ کسی قادر حکیم کی ہے وہی مکھیوں کے دل میں یہ تدبیریں ڈالتا ہے اور ترکیبیں بتاتا ہے۔

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ﴿۷۰﴾ اور اللہ ہی نے تم کو پیدا کیا اور وہ ہی تمہاری جانیں قبض کرتا ہے (بچپن میں یا جوانی میں یا متوسط عمر میں یا بڑھاپے میں) اور بعض تم میں سے وہ ہیں جو ناکارہ عمر تک پہنچائے جاتے ہیں جس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ ایک چیز سے باخبر ہونے کے بعد پھر بے خبر ہو جاتا ہے بے شک اللہ بڑے علم اور بڑی قدرت والا ہے۔

اَرْذَلِ الْعُمُرِ، بدترین عمر، ناکارہ عمر، انتہائی بڑھاپا۔ قتادہ نے کہا، ارذلِ عمر نوے سال ہے حضرت علیؓ نے فرمایا پچھتر برس ارذلِ عمر ہے۔ بعض نے اسّی برس کی عمر کو ارذلِ عمر کہا ہے، رسول اللہ ﷺ اپنی دعا میں فرماتے تھے اے اللہ! میں بڑی عمر سے تیری پناہ لیتا ہوں، دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ اے اللہ میں تیری پناہ کا طالب ہوں کہ مجھے ارذل عمر تک پہنچایا جائے۔ صحیحین وغیرہ میں بھی ایسی ہی روایت آئی ہے باخبر ہونے کے بعد بے خبر ہو جانے کا یہ مطلب ہے کہ تمام معلومات کو بھول جائے اور بچوں کی طرح نادان اور ضعیف الفہم ہو جائے عکرمہ نے کہا جو قرآن (ہمیشہ) پڑھتا ہے وہ اس حالت پر نہیں پہنچتا۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ یعنی اللہ لوگوں کی عمروں کی مقداروں سے خوف واقف ہے اور ہر چیز پر قادر ہے پیر فرتوت کو کبھی چھوڑتا اور جوان قوی کی جان قبض کر لیتا ہے اس آیت سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لوگوں کے احوال کا اختلاف و تفاوت اللہ حکیم و علیم کے اندازے کے مطابق اور اس کی مشیت کے موافق ہے طبعی اور خود بخود نہیں ہے اگر طبعی اقتضا ہوتا تو اس حد تک نہ

Marfat.com

ہوتا (کہ عالم صغیر ہونے کے بعد آدمی قطعاً بے خبر ہو جائے کہ باوجود بیماری نہ ہونے کے محض ترقی عمر کی وجہ سے بچہ کی طرح ہو جائے اور علم و عمل سے بے خبر ہو جائے)

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ اور اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں برتری عطا کی ہے۔ کوئی مالدار ہے، مالک ہے، بادشاہ ہے، ہزاروں لاکھوں روپیہ خرچ کرتا ہے کوئی نادار فقیر غلام اور ادنیٰ فوجی ہے۔ ایک روپیہ بھی صرف نہیں کر سکتا۔

فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۭ

سو وہ اپنے حصہ کا مال اپنے غلاموں کو اس طرح کبھی دینے والے نہیں کہ وہ (مالک و مملوک) سب اس مال میں برابر ہو جائیں۔ یعنی مالداروں اور بادشاہوں کو اللہ نے جو زیادہ مال عطا کیا وہ اپنا زائد مال اپنے غلاموں اور خادموں کو اتنا دینے والے نہیں کہ آقا اور غلام اور بادشاہ و فقیر سب مال میں برابر ہو جائیں۔

اس آیت سے مشرکوں کے شرک کی تردید مقصود ہے مشرک اللہ کے ساتھ مخلوق کی الوہیت و معبودیت میں شریک قرار دیتے تھے باوجودیکہ ان کے فرضی معبود کسی چیز میں اللہ کے شریک نہیں بن سکتے تھے اللہ خالق ہے اور اس کے سوا ہر چیز مخلوق، اللہ مالک ہے اور ہر چیز اس کی مملوک، اللہ حاکم ہے اور ہر چیز اس کی محکوم کوئی مخلوق اس کی ہم جنس نہیں۔ اس کے مشابہ نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں نہ کسی کیفیت و حالت میں (مترجم)۔ مشرک خود تو اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ اپنے مال میں اپنے غلاموں کو مساویانہ شریک کر لیں باوجودیکہ غلام و آقا دونوں ہم جنس ہوتے ہیں اور آقا کے پاس خداداد مال ہوتا ہے اور آقا اپنے غلام کا رازق نہیں ہوتا رزق اس کو بھی خدا دیتا ہے۔

آیت کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جن لوگوں کو اللہ زائد رزق عطا فرما دیتا ہے وہ اپنا رزق غلاموں کو نہیں دیتے بلکہ غلام اپنا رزق کھاتے ہیں جو اللہ نے ان کو عطا فرمایا ہے پس اس رزق میں مالک و مملوک سب برابر ہیں، سب خداداد رزق کھاتے ہیں۔

اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۝ کیا پھر بھی خدا کی نعمت کا انکار کرتے ہیں کہ اللہ کے شریک قرار دیتے ہیں۔ شرک کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی بعض نعمتوں کا انکار کیا جائے اور ان کو شریکوں کی عطا کردہ قرار دیا جائے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اللہ ایسے واضح دلائل و براہین سے اپنی توحید و الوہیت کو ثابت کر رہا ہے اور یہ دلائلِ توحید اللہ کی نعمت ہیں تو کیا یہ اللہ کی نعمت کے منکر ہیں۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ

اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً ۔ اور اللہ ہی نے تم میں سے (یعنی تمہاری جنس میں سے) تمہارے لئے تمہاری بیبیاں بنائیں اور بیبیوں سے تم کو بیٹے پوتے عنایت کئے۔ تمہاری جنس سے تمہاری بیبیاں بنائیں تاکہ تم کو ان سے اُنس خاطر حاصل ہو اور تمہاری اولاد تمہاری جنس کی ہی ہو (یعنی آدمی ہو)۔

بعض علماء نے جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ نے حضرت حوا کو حضرت آدمؑ سے پیدا کیا پھر باقی تمام عورتوں کو مردوں اور عورتوں کے نطفہ سے بنایا۔

حَفَدَةً اولاد کی اولاد اور تیز دست خادم۔ صاحبِ قاموس نے لکھا ہے حَفَدَ ماضی سَحِفَ (مضارع) حفداً اور حفداناً (مصدر) کام میں تیزی کی سبکدستی سے کام کیا۔ اِحْتَفَدَ (باب اِفتعال) کا بھی یہی معنی ہے حَفَدَ کا معنی خدم بھی ہے (خدمت کی) حفدۃ، حافِد کی جمع ہے خادم کارگزار۔ حفدۃ اور حفید لولاد، اولاد کی اولاد، خسر اور لڑکیاں۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ اور نخعی نے فرمایا (آیت میں) حفدۃ سے مراد ہیں داماد دوسری روایت میں حضرت ابن مسعودؓ کا قول آیا ہے کہ حفدۃ سے مراد ہے خسر۔ اس قول پر آیت کا یہ مطلب ہوگا کہ اللہ نے تمہاری بیبیوں سے تم کو نرمادہ اولاد عطا کی اور ان کے نکاح کر دینے سے خسر کا داماد تمہارے لئے مقرر کئے۔ عکرمہ، حسن اور ضحاک نے کہا آیت میں خادم مراد ہیں۔ مجاہد نے کہا کارگذار کارندے مراد

Marfat.com

ہیں عطائے کماوہ اولاد مراد ہے جو مددگار اور خادم ہوتی ہے میں کہتا ہوں ان تمام اقوال کی بناء پر آیت میں حَفَدَةً سے مراد ہیں بیٹے اور بَنِيْنَ پر حَفَدَةً کا عطف وصفی تغایر کی وجہ سے کیا گیا (بَنِيْنَ میں نسبی حالت اور حفدۃ میں خدمت کی حالت ملحوظ رکھی گئی) بیضاوی نے متعدد توجیہات میں سے ایک توجیہ (حسب مذکورہ بالا) لکھی ہے۔

مقاتل اور کلبی نے کہا بَنِيْنَ سے چھوٹے بچے اور حفدۃ سے بڑی اولاد مراد ہے جو چھوٹے بچوں کی خدمت کرتی اور ان کی مدد کرتی ہے قتادہ نے کہا وہ اولاد مراد ہے جو تمہاری خدمت اور کام کاج کرتی ہے۔ مجاہد اور سعید بن جبیرؓ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ حفدۃ سے مراد اولاد کی اولاد ہے عوفی کی روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے کہ اپنی بیوی کے بچے مراد ہیں جو پہلے شوہر سے ہوں۔ میں کہتا ہوں شاید حفدۃ کہنے کی وجہ تسمیہ اس صورت میں یہ ہو کہ (حفدۃ لغت میں خادموں کو کہتے ہیں اور) بیوی کے بچوں سے آدمی وہ کام لیتا ہے جو اپنی اولاد سے نہیں لیتا اس لئے بیوی کے بچوں کو حفدۃ کہا گیا۔

بیضاوی نے لکھا ہے کہ مجملہ دوسرے معانی کے آیت میں ایک مرادی معنی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حفدۃ سے مراد ہیں بیٹیاں گھروں کے اندر بیٹیاں ہی زیادہ کام کاج کرتی ہیں۔

وَرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اور تم کو اچھی اچھی چیزیں کھانے پینے کو دیں۔ طَيِّبٰتِ لذیذ چیزیں یا حلال چیزیں۔ مِنْ تبعیضیہ ہے، دنیا کی نعمتیں، آخرت کی نعمتوں کا نمونہ ہیں یہاں کل نعمتیں موجود نہیں ہیں۔

اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝ کیا پھر بھی وہ بے بنیاد بات کو مانتے رہیں گے اور اللہ کی نعمت کی ناشکری کرتے رہیں گے۔ یعنی بتوں کو نفع رساں سمجھتے رہیں گے اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کی نسبت بتوں کی طرف کرتے رہے گے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے ارشاد فرمایا میرا اور کافر جن وانس کا ایک عظیم واقعہ (یعنی عجیب معاملہ) ہے پیدا میں کرتا ہوں پوجا دوسروں کی کی جاتی ہے رزق میں دیتا ہوں شکر دوسروں کا کیا جاتا ہے بعض علماء کا قول ہے کہ "باطل" سے مراد ہے بحیرہ، سائبہ اور وصیلہ کی اڑ خود باغواء شیطانی تحریم (یہ تینوں قسمیں بحار لونٹوں یا سانڈھوں کی عرب میں ہوتی تھیں۔ بعض کا گوشت کھانا اور سواری لینا اور بوجھ لادنا مشرکوں نے حرام کر رکھا تھا)

یعنی بحیرہ وغیرہ کی حرمت کا تو یہ لوگ عقیدہ رکھتے ہیں اور اللہ کے حلال پاکیزہ رزق کی حلت کا انکار کرتے ہیں۔ بعض نے کہا باطل شیطان ہے اور اللہ کی نعمت رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک۔

وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝ اور اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کرتے رہیں گے جو ان کو نہ آسمان میں سے رزق پہنچانے کا اختیار رکھتی ہیں اور نہ زمین میں سے اور نہ کسی قسم کی قدرت رکھتی ہیں۔ آسمان سے رزق یعنی بارش اور زمین سے رزق یعنی سبزی (غلہ، پھل، ترکاری وغیرہ) اخفش کے نزدیک شیئاً بدل ہے اور رزقاً مبدل منہ اور رزق سے مراد ہے مرزوق (کھانے پینے پہننے کی چیز) یعنی وہ کسی چیز کے مالک نہیں نہ قلیل کے نہ کثیر کے، ان کے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ فراء نے رزقاً کو مفعول مطلق کہا ہے اور شَيْـًٔا کو مفعول بہ۔

لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ، کا یہ مطلب ہے کہ مالک بننے کی بتوں میں طاقت ہی نہیں ہے یا یہ مطلب ہے کہ بتوں کو کسی قسم کی بھی طاقت حاصل نہیں ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ کی ضمیر راجع کی جائے کافروں کی طرف یعنی کافروں میں باوجود زندہ ہونے کے مالک بننے کی طاقت نہیں ہے اور بت تو بے جان پتھر ہیں ان میں طاقت کیسے ہو سکتی ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ پس تم اللہ کی مثالیں مت گھڑو۔ اللہ بلاشبہ (اشیاء کی حقیقت اور ضرب امثال کو) خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

اللہ کی مثال بیان کرنے کی ممانعت اس وجہ سے کی کہ ضرب المثل نام ہے ایک حال کو دوسرے حال سے تشبیہ دینے کا اور اللہ کی ذات و صفات کا کسی کو (کامل) علم نہیں نہ کوئی یہ جانتا ہے کہ کون کون سی صفات کا اطلاق اللہ پر ہونا درست ہے اور کن

Marfat.com

کن صفات کے ساتھ اللہ کا متصف ہونا محال ہے ایسی حالت میں اللہ کو کسی چیز پر کیسے قیاس کیا جا سکتا ہے غائب کو حاضر کے سانچے میں ڈھالنا کس طرح زیبا ہے۔ کوئی علت جامع اور وصفِ مشترک موجود نہیں ہے اَللّٰہُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ حقائقِ اشیاء سے واقف ہے اور تم ناواقف ہے اور تم ناواقف ہو یا یہ مطلب ہے کہ تم جو اللہ کی مثالیں بیان کرتے ہو اور قیاس چلاتے ہو اللہ کو اس کی غلطی کا علم ہے وہ جانتا ہے کہ تمہاری تمثیلات فاسد ہیں اور تم کو اس کا علم نہیں اگر تم کو اپنے قول کی غلطی کا علم ہوتا تو تمثیلات بیان کرنے کی جرأت ہی نہ کرتے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے (فرض کرو) ایک شخص تو غلام ہے جو کسی کا مملوک ہے خود کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا۔

اللہ نے یہ مثال اپنی ذات اور دوسرے باطل معبودوں (کا فرق واضح کرنے) کے لئے بیان کی ہے۔ مملوکاً سے مراد یہ ہے کہ وہ بندہ آزاد نہیں۔ یوں تو سبھی لوگ آزاد ہوں یا غلام، اللہ کے بندے ہیں لایقدر علیٰ شیئ کہنے سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ غلام مکاتب نہیں ہے اور نہ اس کو لین دین کی آقا کی طرف سے اجازت دی گئی ہے (مکاتب اس غلام کو کہتے ہیں جس نے آقا سے معاہدہ کر لیا ہو کہ اتنا روپیہ کما کر جب میں تم کو دے دوں گا تو آزاد ہو جاؤں گا اور آقا نے اس معاہدہ کو تسلیم کر لیا ہو)۔

وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا ؕ هَلْ يَسْتَوٗنَ ؕ

اور ایک شخص وہ ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی ہے سو وہ اس میں سے پوشیدہ اور علانیہ (جس طرح اور جتنا چاہتا ہے) خرچ کرتا ہے کیا یہ دونوں آپس میں برابر ہو سکتے ہیں۔

اللہ نے اس مثال میں باطل معبودوں کو اس غلام سے تشبیہ دی جو بے بس اور ہر قسم کا تصرّف کرنے سے عاجز ہے کچھ بھی اس کو اختیار نہیں۔ اور اپنی ذات کو آزاد، مالدار، سخی آدمی سے تمثیل دی جو جیسا اور جتنا چاہتا ہے صَرف کرتا ہے ظاہر ہے کہ صَرف سے اس کو کوئی نہیں روک سکتا اور پوشیدہ خرچ سے کوئی مانع نہیں ہو سکتا۔ اس تمثیل سے شرک کے باطل ہونے پر استدلال کیا ہے کیونکہ جن بُتوں کو اللہ کی الوہیت میں شریک قرار دیا جاتا تھا وہ تو بے اختیار غلام سے زیادہ عاجز ہیں اور اللہ ہر آزاد، غنی، سخی سے زیادہ مالکِ مال اور عطا کنندہ اور قوی و مختار ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ساری تعریفیں اللہ کے لائق ہیں۔ (اور یہ لوگ اس کے منکر ہیں) بلکہ ان میں سے اکثر جانتے ہی نہیں ہیں، یعنی اللہ ہی تمام نعمتوں کا عطا کرنے والا ہے لہٰذا وہی ہر ستائش کا مستحق ہے اس کے سوا اور کوئی نعمت دینے والا نہیں اس لئے کوئی دوسرا قابلِ ستائش نہیں۔ معبودیت کا استحقاق تو بجائے خود رہا۔

اکثر لوگ چونکہ جانتے نہیں نادانی کی وجہ سے اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو دوسروں کی طرف سے منسوب کر دیتے ہیں اور غلط انتساب کی وجہ سے باطل معبودوں کی عبادت کرتے ہیں بعض اہلِ تفسیر کا خیال ہے کہ عبداً مملوکاً کافر کی مثال ہے اللہ نے اس کو توفیق ہی نہیں دی کہ کوئی بھلائی کر سکے یا راہِ خدا میں کچھ صرف کرے۔ ہر نقطہ خیر سے عاجز ہے اور مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا مؤمن کی مثال ہے جو اللہ کی راہ میں جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔

ابن جریج نے عطاء کا قول نقل کیا ہے کہ عبدِ مملوک سے مراد ابو جہل ہے اور مَنْ رَّزَقْنٰهُ سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں۔

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ

اور اللہ ایک (اور) مثال بیان کرتا ہے دو آدمی ہیں ایک تو ان میں گونگا جو کوئی کام نہیں کر سکتا اپنے سرپرست کے لئے وبالِ جان ہے، اس کو جہاں بھی بھیجتا ہے کوئی کام ٹھیک کر کے نہیں لاتا۔

Marfat.com

ابکم پیدائشی گونگا جو نہ کچھ سمجھتا ہے نہ بول سکتا ہے لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ کم فہمی کی وجہ سے وہ نہ کسی صنعت پر قادر ہے نہ کسی کام کی تدبیر پر کَلٌّ بار ہے، وبال ہے مَوْلٰہُ یعنی اپنے سرپرست کے لئے (آقا مراد نہیں ہے) لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ یعنی کسی معمولی کام کو بھی ٹھیک کر کے نہیں لاتا یہ تشبیہ بتوں کی ہے جو نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں نہ کچھ سمجھتے ہیں پوجنے والوں پر خواہ مخواہ کا بار ہیں، پجاری خود ان کو اٹھاتے اور رکھتے ہیں اور سب بے سود۔ بت ان کو کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔

هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ کیا یہ شخص اور ایسا شخص باہم برابر ہو سکتے ہیں جو اچھی باتوں کی تعلیم دیتا ہو اور خود بھی سیدھے راستہ پر چلتا ہو۔ یعنی جو شخص سلیم الطبع اور سمجھدار ہو خوب رواں سلیس گفتگو کر سکتا ہو، ہر کام ٹھیک اور پورا پورا کرتا ہو، لوگوں کو تمام اچھی باتیں سکھاتا ہو۔ غرض یہ کہ عدل (جو عفت، شجاعت اور حکمت کا مجموعہ ہے) کی تعلیم دیتا ہو اس گونگے ناکارہ بے وقوف کی طرح ہو سکتا ہے جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ صراط مستقیم پر ہونے کا یہ معنی ہے کہ ہر مقصد کو سیدھے راستے پر چل کر حاصل کر لیتا ہو۔ مَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ سے اللہ نے اپنی ذات کی تمثیل دی ہے بعض علماء نے کہا اس سے رسول اللہ ﷺ کی ذات مراد ہے۔ عطاء نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ابکم سے کافر اور مَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ سے مؤمن مراد ہے۔ یہ تمثیل کافر و مؤمن کی ہے۔

عطاء نے اس آیت کے (سبب نزول) کے ذیل میں بیان کیا کہ ابکم سے مراد اُبَی بن خلف ہے اور مَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ سے مراد حضرت حمزہؓ حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عثمان بن مظعونؓ ہیں۔ مقاتل نے کہا قبیلۂ ربیعہ کا ایک شخص تھا جس کا نام ہاشم بن عمرو بن حارث تھا یہ رسول اللہ ﷺ کا سخت دشمن تھا اور بہت ہی شریر تھا اسی کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول بیان کیا ہے کہ آیت ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْکًا ایک قریشی آدمی اور اسکے غلام کے متعلق نازل ہوئی اور آیت رَجُلَیْنِ اَحَدُھُمَا اَبْکَمُ حضرت عثمانؓ اور ان کے کافر غلام اُسید بن ابو العیص کے متعلق نازل ہوئی۔ اُسید کو اسلام سے سخت نفرت تھی خود بھی کافر تھا اور دوسروں کو بھی اسلام سے اور ہر بھلائی، حسن سلوک اور خیر خیرات سے روکتا تھا۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اور آسمانوں اور زمین کی تمام پوشیدہ باتیں اللہ ہی کے لئے مخصوص ہیں۔ یعنی ان سے واقف اللہ ہی ہے بغیر اس کے بتائے ہوئے کسی کو معلوم نہیں ہو سکتیں۔ غیب و شہادت کے معنی کی تشریح ہم نے سورۂ جن میں ذکر کی ہے۔

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اور قیامت کا معاملہ بس پلک جھپکنے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی جلدی۔ یعنی وقوع قیامت کی سرعت اور سہولت پلک جھپکنے کی طرح ہے۔ قاموس میں لمح کا معنی نظر جھپکنا بیان کیا گیا ہے۔ میں کہتا ہوں اس معنی پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت بس ایسی ہے جیسے بجلی نظر کو جھپک لے۔ بیضاوی نے لکھا ہے کہ لمح کا معنی ہے نظر کا حدقہ، چشم کے بالائی حصہ سے نچلے حصہ کی طرف لوٹنا۔ پلک جھپکنے سے کم وقت کو ظاہر کرنے کے لئے عرف عام میں کوئی لفظ نہیں اس لئے قیامت کے جلد اور بسہولت آجانے کی تشبیہ پلک جھپکنے سے دی گئی۔

اَوْ هُوَ اَقْرَبُ کا یہ مطلب ہے کہ وقوع قیامت اس سے بھی جلدی ہے اللہ ساری مخلوق کو یکدم زندہ کر کے اٹھا دے گا کُنْ کہتے ہی ہر چیز موجود ہو جائے گی دم کی کوئی مدت نہیں بیان کی جا سکتی۔ بغوی نے لکھا ہے اس آیت کا نزول منکرین کے متعلق ہوا جو قیامت کے منکر تھے اور قیامت کا مذاق اڑاتے ہوئے جلد سے جلد آجانے کے خواہش مند تھے۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ بلا شبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ دنیا میں اس نے مخلوق کو رفتہ رفتہ زندگی عطا فرمائی اور قیامت کے دن سب کو یکدم زندہ کر دے گا دیکھو یہ اس کی قدرت ہی کا کرشمہ ہے کہ

وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـــًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ

اللہ نے ہی تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے ایسی حالت میں نکالا کہ تم (بے جان جمادات کی طرح) کچھ بھی نہیں جانتے اور اسی نے تم کو کان دیئے اور آنکھیں اور دل۔

Marfat.com

سمع، سے مراد ہیں اسماع (اسم جنس بمعنی جمع) یعنی اللہ نے تم کو آلاتِ علم عطا کئے اول حواس کے ذریعہ سے تم جزئیات کا علم حاصل کرتے ہو پھر بار بار اور پے در پے احساس کرنے کے بعد تم دل سے اشیاء میں امتیاز کرتے ہو اشیاء مشترکہ کے اشتراک اور جُدا جُدا چیزوں کے اختلاف کو جان لیتے ہو، اس طرح تم کو کچھ بدیہی علوم حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور ان بدیہی علوم پر غور کرنے کے بعد تم کو نظری اور فکری علوم حاصل کرنے کی قدرت پیدا ہو جاتی ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ تاکہ تم شکر کرو۔ یعنی آلاتِ علم اس لئے عطا کئے کہ تم اللہ کی نعمتوں کو پہچانو اور شکر ادا کرو۔

اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ ؕ

کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا کہ آسمان کے نیچے فضا میں مسخر ہو رہے ہیں ان کو اللہ کے سوا (اس خلا میں) کوئی نہیں تھامتا۔

مُسَخَّرٰتٍ یعنی بازو، پَر وغیرہ اُڑنے کے آلات اللہ نے ان کو عطا کئے جن کے ذریعہ سے وہ اللہ کے زیر فرمان اڑتے ہیں۔ جَوِّ السَّمَآءِ آسمان و زمین کی درمیانی ہوا۔ بغوی نے کعب الاحبار کا قول نقل کیا ہے کہ پرندے بارہ میل بلندی تک اڑ سکتے ہیں اس سے اوپر نہیں اڑ سکتے۔ (یعنی مسخر ہونے کا یہ مطلب ہے کہ صرف بارہ میل کی بلندی تک ہی اڑنے کی ان میں طاقت ہے اس سے اونچا اڑنا ان کے لئے ناممکن نہیں)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾ ایمان لانے والے لوگوں کے لئے اس میں بلاشبہ (اللہ کی قدرت، حکمت اور اُلوہیت کی) بڑی نشانیاں ہیں یعنی اللہ نے پرندوں کی پیدائش ہی ایسی کی ہے کہ وہ ہوا میں اڑتے ہیں ان کے جسم بھاری ہوتے ہیں۔ نیچے کچھ سہارا اور ستون نہیں ہوتا۔ اوپر کسی چیز سے بندھے نہیں ہوتے پھر بھی ہوا میں رُکے رہتے ہیں۔ طبعی تقاضا ہے کہ نیچے گر پڑیں بیچ میں کوئی ثقیل مانع بھی نہیں پھر بھی نہیں گرتے۔ بس اللہ ہی ان کو تھامے رہتا ہے اور کون ایسا کر سکتا ہے ایمان والے اس پر غور کی نگاہ ڈالیں تو انہی کو اس عملِ تسخیر میں خدا کی قدرت نظر آئے گی اور وہ فائدہ اندوز بھی ہوں گے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ

اور اللہ ہی نے تمہارے واسطے گھروں میں رہنے کی جگہ بنائی اور تمہارے واسطے جانوروں کی کھال کے گھر (یعنی چرمی خیمے) بنائے جن کو تم اپنے سفر اور قیام کے زمانے میں ہلکا پھلکا پاتے ہو۔ کھالوں کے گھروں سے مراد ہیں چرمی ڈیرے، خیمے، چھولداریاں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اُون اور بالوں سے بنے ہوئے ڈیرے خیمے بھی اس لفظ کے اندر شامل ہوں کیونکہ بال اور اُون کھال کی پیداوار ہے لہٰذا چمڑے ہی کے حکم میں ہے یَوْمَ ظَعْنِ کوچ کا دن یعنی سفر کا زمانہ۔ یوم اقامت ٹھہرنے یا کہیں اترنے کا وقت۔

وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ اور ان کے اون اور ان کے روئیں اور ان کے بالوں سے گھر کا سامان اور ایک وقت تک فائدے کی چیزیں بنائیں۔ صُوف (اون) بھیڑوں، دنبوں کا ہوتا ہے اور وَبَر اونٹوں سے حاصل کیا جاتا ہے اور بال بکری سے۔ اثاث گھر کا سامان، فرش، بستر، چادر، کمبل، لباس، اثاث کا مفرد نہیں آتا۔ اثاث ہر طرح کے مال کو بھی کہتے ہیں کذا فی القاموس۔ "متاع" سامانِ تجارت اِلٰی حِین یعنی اس مدت تک جب تک اللہ اس کو باقی رکھنا چاہتا ہے۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا اور تمہارے لئے اللہ ہی نے اپنی پیدا کی ہوئی بعض چیزوں کے سائے بنائے اور تمہارے لئے پہاڑوں میں پناہ کی جگہیں بنائیں۔ یعنی درختوں پہاڑوں اور مکانوں کے سائے بنائے جو دھوپ کی تپش سے بچاتے ہیں اور پہاڑوں میں چھپنے اور محفوظ رہنے کے مقامات مثلاً غار اور غاروں



Marfat.com

کے اندر پتھروں کو تراش کر بنائے ہوئے مکان بنائے۔ اَکْنَان کِنٌّ کی جمع ہے کِنٌّ چھپنے کا مقام۔ مکان وغیرہ۔

وَ جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ اور تمہارے لئے (سوت، اون، کتان، ریشم وغیرہ کے کچھ) ایسے کرتے بنائے جو تم کو گرمی سے محفوظ رکھتے ہیں اور (لوہے، ریشم وغیرہ کے کچھ) ایسے کرتے بنائے جو لڑائی میں تمہاری حفاظت کرتے ہیں۔

صرف گرمی سے بچانے کا ذکر کیا مراد سردی گرمی دونوں ہیں ایک ضد کو ذکر کرنے کے بعد دوسرے کا ذکر ضروری نہ تھا۔ (خود ہی سمجھ میں آسکتا تھا اس لئے ذکر نہیں کیا گیا)

كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾ اللہ تعالیٰ اسی طرح (کی) نعمتیں تم کو پوری پوری عطا فرماتا ہے تاکہ تم فرماں بردار رہو۔ یعنی جس طرح اس نے مذکورہ نعمتیں تم کو عطا فرمائی اسی طرح تم پر اپنی نعمتیں پوری کرتا ہے تمہارے ہی لئے اس نے اپنے رسول اللہ ﷺ کو بھیجا اور رسول ﷺ کی تصدیق کے لئے اس کو معجزات عطا کئے اور اپنی کتاب نازل کی اور واضح دلائل قائم کیں اور اسلام کو عزت دی یہ سب کچھ اس لئے کیا کہ اکثر لوگ فرماں بردار ہو جائیں اور خالص اللہ کی اطاعت کریں۔ عطاخراسانی نے کہا اللہ نے انسانوں کی سمجھ کے موافق قرآن نازل فرمایا۔ (دیکھو پہاڑوں میں پناہ گاہیں پیدا کرنے کا ذکر کیا اور میدان و صحرا جو پہاڑوں سے بڑے ہیں ان کا ذکر نہیں کیا وجہ یہ ہے کہ ان کے چاروں طرف پہاڑ تھے۔ پہاڑ ان کے سامنے تھے اسی طرح اون، روئیں اور بالوں کے خیموں، ڈیروں کا تذکرہ اس لئے کیا کہ وہ مویشی پالا کرتے تھے ان کے پاس اون، بال وغیرہ ہی تھے۔ اسی طرح ایک اور آیت میں فرمایا وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْۢ بَرَدٍ اللہ تعالیٰ آسمانی پہاڑوں سے اولے اتارتا ہے مگر (آسمانی برف) کا ذکر نہیں کیا حالانکہ ژالہ باری سے برف باری کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ برف باری سے واقف ہی نہ تھے اسی طرح آیات مذکورہ بالا میں گرمی سے حفاظت کو لباس کا فائدہ قرار دیا ہے سردی کا ذکر نہیں کیا کیونکہ ان لوگوں کو گرمی سے ہی زیادہ واسطہ پڑتا تھا۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۸۲﴾ پھر بھی یہ لوگ اگر (ایمان سے) منہ پھیریں (تو آپ سے اس کا کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا کوئی پروانہ کیجئے) آپ کے ذمے تو صاف صاف اللہ کا پیام پہنچا دینا ہے۔

یعنی اتنے دلائل اور نشانات قدرت کے بعد بھی اگر یہ ایمان سے گریز کریں تو آپ ان کی پروانہ کریں رنجیدہ اور تنگ دل نہ ہوں، آپ کا کام صرف پیام پہنچا دینا ہے (ان کے ماننے نہ ماننے سے آپ کا کچھ تعلق نہیں ہے) ابن ابی حاتم نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا حضور ﷺ نے اسکے سامنے پڑھا وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا اس نے کہا جی ہاں! پھر حضور ﷺ نے پڑھا وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ اعرابی نے کہا جی ہاں، اسکے بعد اگلی آیات پڑھیں اور اعرابی ہر آیت پر کہتا رہا ٹھیک ہے جی ہاں آخر میں جب حضور ﷺ نے پڑھا كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ یہ سنتے ہی اعرابی منہ پھیر کر چل دیا اس پر اللہ نے نازل فرمایا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ -

يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۸۳﴾ یہ اللہ کی نعمت کو پہچانتے تو ہیں پھر انجان ہو جاتے ہیں (منکر ہو جاتے ہیں) اور ان میں سے اکثر ناشکرے ہیں یعنی اللہ کی نعمتوں کو دیکھ کر ان کا اقرار کرتے ہیں اور ان کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ جانتے ہیں پھر اللہ کی خالص عبادت سے روگرداں ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی عبادت میں دوسروں کو شریک بنا لیتے ہیں (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کو منعم سمجھتے ہیں اللہ کو منعم نہیں سمجھتے، یا اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی منعم جانتے ہیں۔ یہ حقیقت میں اللہ کی نعمت کا انکار ہے، مترجم) سدی کے نزدیک اللہ کی نعمت سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت مراد ہے یعنی وہ نبوت محمدیہ کے سبب جانتے پہچانتے ہیں پھر محض ضد و عناد سے ماننے سے انکار کر دیتے ہیں۔

ع ۱۱ ۱۷

Marfat.com

## "ایک شبہ" جس کا وہم کیا جا سکتا تھا۔

مشرک تو پہلے ہی سے منکر تھے اور ثُمَّ يُنكِرُونَ میں ثُمَّ کا لفظ بتا رہا ہے کہ اعتراف و اقرار کے بعد وہ منکر ہوئے حالانکہ ایسا نہ تھا۔

### ازالۂ شبہ

ثُمَّ بُعد زمان کو ظاہر کرتا ہے لیکن کبھی بُعد مرتبہ کے لئے بھی آتا ہے پہچان لینے کے بعد انکار کرنا عقل سے بہت بعید تھا اس لئے ثُمَّ کا لفظ استعمال کیا گیا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مجاہد و قتادہ نے کہا اللہ نے اس سورت میں جن نعمتوں کی تفصیل کی ہے کافران کو پہنچانتے تھے۔ پھر جب ان سے کہا گیا کہ اس بات کی تصدیق بھی کرو ان نعمتوں کو خداداد تسلیم کر کے اللہ کے احکام کی تعمیل کرو تو اس کا انکار کرنے لگے اور کہنے لگے ہم کو تو یہ نعمتیں باپ دادا سے وراثت میں ملی ہیں۔

کلبی نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا تو انہوں نے اقرار کیا اور کہا، ہاں، یہ نعمتیں اللہ ہی نے دی ہیں لیکن ہمارے معبودوں کی سفارش سے ملی ہیں۔ عون بن عبد اللہ نے کہا، نعمتوں کے انکار کا مطلب ہے ظاہر اسباب کی طرف نعمتوں کی حقیقی نسبت کر دینا مثلاً کوئی کہتا ہے، اگر فلاں بات ہوتی (یا فلاں شخص یا فلاں تدبیر ہوتی) تو یہ کام ہو جاتا یا یہ کام نہ ہونے پاتا (یہ الفاظ بظاہر مشرکانہ ہیں جن کی ممانعت ہے، مترجم)

اکثر ناشکرے ہیں نعمتوں کے اعتراف کے بعد محض ضد و عناد سے انکار کرتے ہیں اکثر سے مراد یا تو کل کافر ہیں یا اکثر ہی مراد ہیں۔ بعض ناقص العقل ہیں اس لئے حق کو پہچانتے ہی نہیں یا کوتاہ نظر ہیں غور کرتے یا مکلف ہی نہیں ہیں (نابالغ یا مجنوں ہیں) اس لئے ان پر کوئی حجت ہی قائم نہیں ہوئی۔ بہر حال بعض لوگ ناسپاس نہیں ہیں حکم مذکور سے مستثنیٰ ہیں۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِن كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾

اور جس دن ہر ہر امت میں سے ہر ایک ایک گواہ قائم کریں گے۔ پھر ان کافروں کو اجازت نہ دی جائے گی اور نہ ان سے اللہ کو راضی کرنے کی فرمائش کی جائے گی۔

شَهِيدٌ سے مراد پیغمبر ہے جو اپنی امت کے کفر و ایمان کی شہادت دے گا۔ اجازت نہ دی جانے سے مراد ہے عذر پیش کرنے کی اجازت نہ ملنا کیونکہ ان کے پاس کوئی عذر موجود ہی نہ ہوگا یا یہ مطلب ہے کہ بولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی بعض نے کہا کہ دنیا میں واپس جانے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ یعنی ان سے یہ نہیں کہا جائے گا کہ اپنے رب کو راضی کر لو۔ روز آخرت تو عمل کا دن ہی نہ ہوگا اور دنیا میں واپس جا کر توبہ و عمل کی اجازت نہ ہوگی غرض یہ کہ ان کے لئے اللہ کی رضامندی کا حصول ناممکن ہوگا۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿٨٥﴾

اور جب ظالم (یعنی کافر) عذاب جہنم کو دیکھیں گے تو وہ عذاب (اندر داخل ہونے کے بعد) ان سے ہلکا نہیں کیا جائے گا اور نہ (داخل ہونے سے پہلے) ان کو مطلق مہلت دی جائے گی۔

وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِن دُونِكَ ۖ

اور جب مشرک اپنے (بنائے ہوئے) شریکوں (یعنی بتوں) کو دیکھیں گے تو کہیں گے، وہ ہمارے (مفروضہ بنائے ہوئے) شریک یہی ہیں جن کو ہم تیرے سوا پوجتے تھے۔ یعنی یہ وہی معبود ہیں جن کی عبادت کرتے تھے یا جن کی اطاعت ہم کرتے تھے یہ مشرکوں کی طرف سے اپنی غلطی کا اعتراف ہوگا یا اس درخواست کا یہ مقصد ہوگا کہ ہمارا عذاب آدھا کر دیا جائے۔

Marfat.com

فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۸۶﴾ سو وہ (بت) ان (مشرکوں) کی طرف کلام کا رخ کریں گے اور کہیں گے تم قطعاً جھوٹے ہو یعنی اللہ بتوں کو گویا بنادے گا اور کلام کرنے کی قدرت عطا کردے گا اور بت اپنے کلام کا رُخ مشرکوں کی طرف کر کے کہیں گے تم جھوٹے ہو کہ ہم کو اللہ کا شریک کہتے تھے یا اس دعوے میں جھوٹے ہو کہ حقیقت میں تم ہماری پوجا کرتے تھے، واقع میں تم اپنی خواہشات کے پجاری تھے (تم نے خود ہی اپنی خواہشات کے مطابق ہماری پوجا کی تھی) ہم نے تم کو اپنی عبادت کرنے کی دعوت نہیں دی تھی دوسری آیت سے اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے فرمایا سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا (اور کہیں گے تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے) یا یہ مطلب ہے کہ تم اس دعویٰ میں جھوٹے ہو کہ ہم نے تم کو اپنی پوجا پر آمادہ کیا تھا اور کفر کی ترغیب دی تھی اور تم پر اپنی عبادت کرانے پر زبردستی کی تھی (ابلیس کہے گا) وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ میری تم پر کوئی زبردستی نہ تھی صرف اتنی بات تھی کہ میں نے تم کو دعوت دی تھی تم نے میری دعوت مان لی۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۸۷﴾ اور مشرک لوگ اس روز اللہ کے سامنے اطاعت کی باتیں کرنے لگیں گے اور جو کچھ دروغ بندیاں کرتے تھے سب گم ہو جائیں گی یعنی دنیا میں تو اللہ کی اطاعت سے تکبر کرتے تھے مگر قیامت کے دن اطاعت کا اظہار کریں گے اور جو جو دروغ تراشیاں کرتے اور کہتے تھے کہ انکے معبود اللہ کے دربار میں سفارش کردیں گے وہ سب افترا پردازیاں بیکار ثابت ہوں گی۔

اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ ﴿۸۸﴾ جو لوگ کفر کرتے تھے اور اللہ کی راہ سے روکتے تھے ہم ان کی فساد انگیزی کی پاداش میں سزا پر اور سزا کا اضافہ کردیں گے۔

اللہ کی راہ یعنی اسلام سے لوگوں کو روکتے اور کفر پر آمادہ کرتے تھے۔ عذاب کی زیادتی کا یہ مطلب ہے کہ کفر کی جس سزا کے مستحق ہوں گے اس میں کافر گری اور راہ خدا سے روکنے کا مزید اضافہ ہو جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے عذاباً کی تشریح میں فرمایا، بچھو ہوں گے جن کے ڈنک کھجور کے لمبے درختوں کے برابر ہوں گے۔ ابن مردویہ نے حضرت براء کی روایت سے اسی معنی کی حدیث مرفوع بھی نقل کی ہے۔ سعید بن جبیرؓ نے کہا، سانپ ہوں گے بختی اونٹوں کی طرح اور بچھو ہوں گے خچروں کی مثل جن کے ایک مرتبہ کاٹنے کا اثر چالیس (خریف) سال تک دُکھا ہوا آدمی محسوس کرتا رہے گا۔ حضرت ابن عباسؓ اور مقاتل کا قول ہے عرش کے نیچے سے پگھلے ہوئے تانبے کے پانچ دریا نکلتے ہیں جو آگ کی طرح ہیں، ان دریاؤں میں دن کی مدت کے برابر (ہمیشہ) سزا پاتے رہیں گے۔ بعض نے کہا کہ گرمی کے عذاب سے سردی کے عذاب کی طرف ان کو نکال کر لایا جائے گا سردی کی شدت کی وجہ سے وہ چیخیں گے فریاد کریں گے اور دوزخ کی گرمی میں جانا چاہیں گے۔

فساد انگیزی سے مراد ہے دنیا میں کفر کرنا اور راہ خدا سے روکنا۔

وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۸۹﴾ اور جس دن ہم ہر ہر امت میں ایک ایک گواہ جو ان ہی میں کا ہوگا ان کے مقابلہ میں قائم کردیں گے اور ان لوگوں کے مقابلہ میں آپ کو گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر قرآن اُتارا ہے کہ تمام (دین کی ضروری) باتوں کو بیان کرنے والا ہے اور (خاص) مسلمانوں کے واسطے بڑی ہدایت اور بڑی رحمت اور خوش خبری سنانے والا ہے۔ شہید سے مراد ہے ہر امت کا پیغمبر۔ ہر امت کی ہدایت کے لئے اللہ نے انہی کا پیغمبر مبعوث فرمایا۔ ہٰؤلاء سے مراد ہے امت اسلامیہ۔ تبیاناً یعنی واضح، بلیغ بیان لکل شی یعنی ہر دینی ضروری مسئلہ کا واضح بیان مفصل ہو یا مجمل۔ جس طرح کہ ان آیات میں آیا ہے مَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا۔ وَمَنْ يَّتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي

Marfat.com

الْاَبْصَارِ

هُدًى یعنی گمراہی سے نکال کر سیدھا راستہ دکھانے والا ہے رَحْمَةً یعنی سب لوگوں کے لئے رحمت ہے اگر کوئی اس رحمت سے محروم رہا تو اپنی کوتاہی کی وجہ سے (حضرت مفسرؒ کی یہ تفسیر ہمارے ذکر کئے ہوئے ترجمہ کے خلاف ہے۔ ترجمہ حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمہ سے مأخوذ ہے جس میں قرآن کی ہدایت اور رحمت اور خوش خبری خصوصیت کے ساتھ مسلمانوں کے لئے بتایا گیا ہے۔ اور حضرت مفسرؒ نے ہدایت و رحمت کو عمومی قرار دیا ہے اور بشارت کو صرف مسلمانوں کے لئے بتایا ہے۔ واللہ اعلم بمترجم)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ بے شک اللہ عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے عدل کا لفظ مساوات کا مقتضی ہے اللہ نے اسی لئے فرمایا ہے اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا یا اس کے برابر روزے وَاَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ اور یہ کہ عورتوں میں ہر طرح سے برابری رکھو۔ فدیہ اور بدلہ کو عدل اسی وجہ سے کہا جاتا ہے۔ اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ عدل کا حکم دیتا یعنی بدلہ میں مساوات رکھنے کا۔ خیر کا بدلہ خیر اور شر کا بدلہ شر اور اللہ حکم دیتا ہے کہ حاکم مدعی اور مدعیٰ علیہ کے درمیان مساوات کا سلوک کرے کسی ایک کی طرف مائل نہ ہو جائے۔ جو کچھ فیصلہ کرے اللہ کے حکم کے مطابق کرے۔

اگر عدل کا معنی بدلہ دینے میں مساوات لیا جائے گا تو احسان کا یہ مطلب ہوگا کہ خیر کا بدلہ زیادہ اور بہتر بھلائی کی شکل میں دے اور شر کا بدلہ کم شر سے دے۔ خیر کے مقابلہ میں زیادہ بھلائی کرے اور برائی کے مقابلے میں کم برائی۔

(اور اگر عدل سے مراد مدعی اور مدعیٰ علیہ کے درمیان مساوات ہو تو احسان کا مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کرے) میں کہتا ہوں، عدل سے مراد استقامت علی الحق بھی ہو سکتی ہے یعنی کج روی اور جور کا مخالف مفہوم بھی مراد ہو سکتا ہے۔ صاحب قاموس نے لکھا ہے عدل، جَور (کج روی) کی ضد ہے اور طبیعت کے اندر کسی چیز کے مستقیم ہونے کے خیال کے جماؤ کو بھی کہتے ہیں بعض علماء نے عدل کو بمعنی اعتدال کہا ہے یعنی ہر چیز میں توسط جیسے تعقل (اللہ کا تمام صفات سے خالی ہونا) اور شرک (اللہ کی صفات میں مخلوق کو شریک قرار دینا) کے درمیان توحید (صفاتی) کا درجہ ہے (یعنی اللہ نہ صفات سے خالی ہے نہ اس کی صفات مخلوق میں پائی جاتی ہیں بلکہ وہ اپنی صفات کے لحاظ سے واحد لاشریک ہے) یا جیسے جبر و قدر کے درمیان کسب کا درجہ ہے (بندہ بالکل نہ مجبور ہے نہ اپنے افعال کا خود خالق اور قادر بلکہ کاسب ہے۔ خالق افعال اللہ ہے اور افعال کو کرنے والا بندہ) یا جیسے اللہ اور بندوں کے حقوق ادا کرنے کا درمیانی درجہ کہ نہ عبادتِ خدا میں اتنا غرق ہو جائے کہ بندوں کے حقوق کی ادائیگی ترک کر دے اور دنیا کو چھوڑ بیٹھے نہ دنیا میں اتنا منہمک ہو جائے کہ اللہ کے حقوق کی ادائیگی چھوڑ دے۔ واجب نفل کچھ ادا نہ کرے۔ یا جیسے سخاوت کہ بخل و فضول خرچی کے درمیانی درجہ کا نام ہے یا شجاعت کا جو احمقانہ بیجا دلیری اور بزدلی کے درمیانی وصف کا نام ہے یا جیسے عفّت کہ پاکدامنی کو کہتے ہیں زناکاری بے حیائی اور جائز قربتِ صنفی کے ترک کے درمیان عفت کا درجہ ہے۔ بغوی نے لکھا ہے حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا (عدل سے مراد) توحید ہے اور احسان سے مراد اداء فرائض۔ دوسری روایت میں حضرت ابن عباسؓ کا قول آیا ہے خالص توحید کا نام احسان ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: احسان یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو گویا اس کو دیکھ رہے ہو اگر تم اس کو نہیں دیکھتے تو وہ یقیناً تم کو دیکھتا ہے (یعنی عبادت میں مشاہدۂ رب کا درجہ حاصل نہ ہو تو کم از کم اتنا تو سمجھتے رہنا ہی چاہئے کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے) رواہ عمر بن الخطاب کذا فی الصحیحین

مقاتل نے کہا، عدل توحید ہے اور لوگوں سے درگذر کرنا احسان ہے بعض علماء نے کہا عدل سے مراد فرض ہے اور احسان سے مراد نفل اگر فرض میں کوئی قصور آجاتا ہے تو نفل سے اس کی اصلاح ہو جاتی ہے (گویا نفل فرض ناقص کو حسین یعنی کامل بنا دینے والی چیز ہے) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا اللہ نہ اس کے صَرف کو قبول فرمائے گا نہ عَدل کو یعنی نہ نفل کو نہ فرض کو۔

وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ اور (حکم دیتا ہے) قرابتداروں کو دینے کا اور بے حیائی سے اور بُری باتوں سے اور ظلم سے منع کرتا ہے۔

Marfat.com

قرابتداروں کو دینے سے مراد ہے حاجت روائی کرنا، ضرورت مندوں کی ضرورت پوری کرنا یعنی کنبہ پروری کرنا۔ فحشاء حد سے بڑھی ہوئی برائی (کھلی برائی) قولی ہو یا فعلی (سخت بری بات سخت، برا کام) حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا، الفحشاء یعنی زنا المنکر ہر برا کام جس کو شریعت نے برا قرار دیا ہو اور عقل سلیم بھی اس کو برا جانتی ہو۔ البغی تکبر اور ظلم۔ بیضاوی نے لکھا ہے فحشاء سے مراد ہے قوت شہوانیہ کے استعمال میں حد (اعتدال) سے آگے بڑھ جانا جیسے زنا انسانی احوال میں حد سے بڑھی ہوئی شہوانیت یعنی زنا بہت ہی بری حالت ہے منکر قوت غضبیہ کے ہیجان سے مغلوب ہو کر ایسا کام کرنا جو (عقلاً و نقلاً) برا ہے۔ البغی غرور، تکبر لوگوں پر جبر اور زبردستی، سب سے اونچا ہو جانا۔ یہ شیطنیت قوت وہمیہ کا کرشمہ ہے انسان کی ہر برائی اور شر انہی تینوں اقسام میں سے کسی نہ کسی قسم کے ذیل میں داخل ہے اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، قرآن مجید میں سب سے زیادہ جامع آیت یہی ہے حضرت ابن مسعودؓ کا یہ قول سعید بن منصور نے الادب میں بخاری میں نے محمد بن منصور اور ابن جریر نے ابن المنذر ابن ابی حاتم اور حاکم نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے نقل کیا ہے اور حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ الادب میں بخاری نے اور امام احمد (ابن ابی حاتم و طبرانی و ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یہی آیت حضرت عثمان بن مظعونؓ کے مسلمان ہو جانے کا سبب ہوئی۔

بغوی نے لکھا ہے کہ سفیان بن عیینہ نے کہا ظاہر و باطن برابر ہو جانا عدل ہے باطن کا ظاہر سے اچھا ہونا احسان ہے اور ظاہر بہ نسبت باطن کے اچھا ہو تو یہ فحشاء اور منکر ہے۔

يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿٩٠﴾ اللہ تم کو اس لئے نصیحت کر رہا ہے کہ تم نصیحت قبول کرو۔ یعنی امر و نہی (کی پابندی) اور اچھائی برائی میں تمیز کرنے کی نصیحت اللہ تم کو کرتا ہے تاکہ تم اس کو مانو اور اس پر کاربند ہو۔ بیضاوی نے لکھا ہے اگر قرآن میں اس آیت کے سوا کوئی اور آیت ہی نہ ہوتی تب بھی قرآن کو تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ کہنا صحیح ہوتا۔

بغوی نے ایوب کا قول نقل کیا ہے کہ عکرمہؓ نے بیان کیا رسول اللہ ﷺ نے جب یہ آیت ولید کو سنائی تو ولید بولا بھتیجے ذرا اس کو دوبارہ پڑھو۔ حضور ﷺ نے دوبارہ تلاوت فرمائی ولید کہنے لگا خدا کی قسم اس میں عجیب شیرینی اور ایک خاص حسن ہے (یہ کھجور کے درخت کی طرح ہے) اس کا بالائی حصہ (یعنی ظاہر) ثمر آفریں اور نچلا حصہ (یعنی باطن) خوشوں سے بھرا ہوا ہے یہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

وَأَوْفُوا بِعَهْدِ اللَّهِ إِذَا عَاهَدْتُمْ وَلَا تَنقُضُوا الْأَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللَّهَ عَلَيْكُمْ كَفِيلًا

اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو جبکہ تم اس عہد کو (خصوصاً یا عموماً) اپنے ذمے لے لو اور قسموں کو مضبوط کرنے کے بعد توڑو اور تم تو خود (اپنی قسموں) پر اللہ کو گواہ بنا چکے ہو۔ عہد پختہ اقرار۔ ابن جریر نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کے بیعت لینے اور رسول اللہ ﷺ نے بیعت کرنے کے متعلق نازل ہوئی بغوی نے لکھا ہے عہد اس جگہ بمعنی قسم ہے شعبی نے کہا (اس جگہ) عہد بمعنی قسم ہے اور اس کو توڑنے کا کفارہ قسم کا کفارہ ہے الایمان یعنی بیعت کے عہد یا عام قسمیں بعد توکید یا یعنی اللہ کا نام لے کر قسموں کو پختہ کرنے کے بعد کفیلا یعنی بیعت کا گواہ۔ کفیل جس چیز کی کفالت کرتا ہے اس کی نگرانی رکھتا ہے۔

إِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُونَ ﴿٩١﴾ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے یقیناً واقف ہے یعنی عہد پورا کرو یا توڑو اللہ سب سے واقف ہے مجاہد نے کہا، اس آیت کا نزول حلف جاہلیت کے متعلق ہوا (یعنی اسلام کے دور سے پہلے جو لوگ باہم محالفے کرتے تھے اس کے سلسلہ میں یہ آیت نازل ہوئی) اس کے بعد آیت ذیل میں عہد شکنی کی مثال دے کر سمجھایا ہے فرمایا ہے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِن بَعْدِ قُوَّةٍ أَنكَاثًا اور تم (مکہ کی) اس (بیوقوف) عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت کاتنے کے بعد ریزہ ریزہ کر کے نوچ ڈالا۔



Marfat.com

غَزْل بٹنا، کاتنا، مضبوط کرنا، اِنکَاث نِکث کی جمع ہے ریزہ ریزہ سارے بَل کھلے ہوئے۔

ابن ابی حاتم نے ابو بکر بن ابی حفص کا بیان نقل کیا ہے کہ (مکّہ کی ایک عورت) سعیدہ اسدیہ پاگل تھی بال اور کھجور کی چھال کے ریشے جمع کرتی تھی اسی کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی بغوی نے لکھا ہے کہ کلبی اور مقاتل نے کہا کہ ریطہ بنت عمر بن سعد بن کعب بن زید بن مناۃ بن تمیم ایک الٹر بیو قوف عورت تھی۔ اس کا لقب جعر تھا۔ اس کے دماغ میں کچھ خرابی تھی اس نے ایک چرخہ ہاتھ بھر کا اور اس میں ایک میخ انگل بھر کی اور مُگرّ کہ بہت بڑا بنا رکھا تھا (روز) وہ اون اروئیں اور بالوں کی کتائی کرتی تھی اور اپنی باندیوں سے بھی کتواتی تھی سب مل کر دوپہر تک کاتتی تھیں دوپہر کو وہ سب کا کاتا ہوا دھاگہ کھول ڈالتی تھی (اور ریزہ کر دیتی تھی) یہی اس کا روزانہ کا معمول تھا۔ اس پس منظر میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ عورت جو کاتنے کا کام برابر کرتی تھی کاتنا ترک نہیں کرتی تھی اور کاتنے کے بعد کتے ہوئے سُوت کو توڑنے سے باز نہیں رہتی تھی تم اس کی طرح نہ ہو جاؤ یا تو عمد ہی نہ کرو اور کرو تو اس کو پورا بھی کرو۔ ہر مرتبہ معاہدہ کر کے اس کو نہ توڑو۔

تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَیْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ؕ

(کہ اس طرح) تم بھی اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ بنانے لگو۔ محض اس وجہ سے کہ ایک گروہ دوسرے گروہ سے بڑھ جائے۔ دَخَل بِگاڑ، دھوکہ، فریب، خیانت۔ دَخَل لغوی (ساخت کے) اعتبار سے اس چیز کو کہتے جس کو کسی دوسری چیز کے اندر اس کو خراب کرنے اور بگاڑنے کے لئے داخل کیا جائے۔ بعض علماء نے کہا دخل اور دغل یہ ہے کہ ظاہر میں تو وفا عہد کرے اور باطن میں اس کو توڑ دے۔ اَرْبٰی تعدادِ افراد اور مال میں زیادہ۔ مجاہد نے کہا (دورِ جاہلیت میں) عرب کا دستور تھا کہ ایک قبیلہ یا ایک جماعت دوسری جماعت سے باہمی امداد کا تقسیم معاہدہ کر لیتی تھی (یعنی ایک جماعت دوسری جماعت کی حلیف ہو جاتی تھی) دونوں کا معاہدہ بحلف ہو جاتا تھا) لیکن ان دونوں قبیلوں میں سے کسی کو اپنے حلیفوں کی دشمن جماعت زیادہ طاقت ور یا مالدار نظر آتی تھی تو اپنے حلیفوں سے غداری کر کے حلیفوں کے دشمنوں سے جا کر مل جاتے تھے اور ان سے محالفہ کر لیتے تھے۔ مجاہد کی تشریح کی بناء پر آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کمزوروں سے عہد شکنی کر کے طاقتوروں سے تم معاہدے کر لیتے ہو۔ محض اس لئے کہ تم کو غلبہ اور طاقت حاصل ہو جائے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔

یا آیت کا یہ مطلب ہے کہ تم اپنی قسموں کو فساد کا ذریعہ صرف اس وجہ سے بنا لیتے ہو کہ تمہارا ایک گروہ دوسرے ہم معاہدہ گروہ سے تعداد اور مال میں زیادہ ہوتا ہے اس لئے طاقت ور گروہ کو معاہدہ شکنی کی کوئی پروا نہیں ہوتی جس طرح قریش نے حدیبیہ کے مقام پر مسلمانوں سے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر لیا تھا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ مسلمانوں کی جماعت سے قریش کی تعداد زیادہ ہے اور مالی طاقت بھی بڑھ کر ہے اس لئے دو ہی سال میں معاہدہ توڑ دیا۔

اِنَّمَا یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ؕ وَلَیُبَیِّنَنَّ لَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

پس اس سے اللہ تمہاری آزمائش کرتا ہے اور جن چیزوں میں تم اختلاف کرتے رہے قیامت کے دن ان سب کو تمہارے سامنے عملاً ظاہر کر دے گا۔

یعنی ایک جماعت کو دوسری جماعت سے بڑا اور برتر کر کے اللہ جانچ کرتا ہے کہ یہ جماعتیں اللہ سے کئے ہوئے عہد اور رسول اللہ ﷺ کی بیعت کی رسی کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہتی ہے یا مؤمنوں کی قلت اور قریش کی کثرت و شوکت دیکھ کر توڑ دیتی ہیں۔ اور دنیا میں کئے ہوئے اختلافی اُمور کا فیصلہ جب قیامت کے دن اللہ کرے گا اور ہر ایک اعمال کا بدلہ دے گا تو جن لوگوں نے عہد کو پورا کیا ہوگا ان کو ثواب اور جن لوگوں نے وعدہ شکنی کی ہوگی۔ ان کو عذاب دے کر حقیقت کو ظاہر کر دے گا۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾

اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو سب کو ایک ہی طریقہ کا بنا دیتا لیکن (اس کی مشیت ہے) وہ جس کو چاہتا ہے بے راہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے راہ پر ڈال دیتا ہے اور (قیامت کے دن) تم

Marfat.com

سے تمہارے اعمال کی ضرور بازپرس ہوگی۔

ایک ہی طریقہ کا بنا دینے کا مطلب یہ ہے کہ سب کو اسلام پر متفق کر دیتا اور سب وفا عہد کرنے والے ہو جاتے آپس میں اختلاف نہ رہتا۔ بے راہ کر دینے کا یہ مطلب ہے کہ اس کو بے مدد چھوڑ دیتا۔ مدد نہ کرتا اور راہ پر ڈالنے کا معنی یہ ہے کہ اس کو ایمان و خیر کی توفیق دے دیتا۔ ہر شخص سے بازپرس لاجواب بنانے اور سزا و جزا دینے کے لئے ہوگی۔

وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾

اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فساد ڈالنے کا ذریعہ مت بناؤ۔ کہیں (اس کو دیکھ کر کسی اور کا) قدم جمنے کے بعد نہ پھسل جائے اور اللہ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے پھر تم کو تکلیف بھگتنا پڑ جائے اور (آخرت میں) تمہارے لئے بڑا عذاب ہو جائے۔

''دَخَل'' فساد دھوکہ۔ یعنی قسموں کو فریب دہی اور فساد انگیزی کا ذریعہ نہ بناؤ کہ لوگ تمہارے معاہدات پر اعتماد کر لیں اور تمہاری طرف سے مطمئن ہو جائیں اور تم ان کو فریب دے کر قسمیں اور معاہدے توڑ دو۔

قدم جمنے کے بعد پھسل جانے کا مطلب یہ ہے کہ بے خوف اور مطمئن ہو جانے کے بعد تم ہلاک ہو جاؤ۔ عرب کا محاورہ ہے کہ عافیت کے بعد اگر کوئی شخص کسی مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے یا سلامتی کے بعد کسی گڑھے میں گر پڑتا ہے تو کہتے ہیں اس کا قدم پھسل گیا۔

رسول اللہ ﷺ کی بیعت اسلام کی شاہراہ تھی۔ بیعت پر قائم رہنا اور اس کو نہ توڑنا راہِ اسلام پر برابر چلتے رہنے اور استقامت رکھنے کا نام تھا اور بیعت توڑ دینا لغزشِ قدم تھی تکلیف کا مزہ چکھنے سے مراد ہے دنیا میں تکلیف بھگتنا، اور عذابِ عظیم سے مراد ہے آخرت کا بڑا عذاب۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اور تم لوگ عہدِ خداوندی (اور بیعتِ رسول) کے عوض (دنیا کا) تھوڑا سا فائدہ مت حاصل کرو۔ یعنی اللہ سے کیا ہوا عہد اور رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر کی ہوئی بیعت اور معاہدات اس لالچ میں نہ توڑ دو کہ دنیا کا کچھ مال تم کو مل جائے۔

اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۵﴾ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ۭ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۭ

جو کچھ (دنیوی اور اُخروی نعمتیں) اللہ کے پاس ہیں وہ (اس دنیا سے جس کے تم طلب گار ہو) تمہارے لئے بدرجہا بہتر ہے اگر تم سمجھو جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ باقی رہے گا یعنی جو کچھ دنیوی مال و متاع تمہارے پاس ہے وہ فنا ہو جائے گا اور اللہ کی رحمت کے خزانے کبھی فنا نہیں ہوں گے۔ یہ جملہ لَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ کی علت ہے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنی دنیا کو پسند کرتا ہے وہ اپنی آخرت کو نقصان پہنچاتا ہے اور جو آخرت کو پسند کرتا ہے وہ اپنی دنیا کا ضرر کرتا ہے تم باقی رہنے والی چیز کو فنا ہونے والی (دنیا) پر ترجیح دو (آخرت کو پسند کرو دنیا کی پرواہ مت کرو) رواہ الحاکم بسند صحیح واحمد)

وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

اور جو لوگ ثابت قدم ہیں ان کے اچھے کاموں کے عوض میں ہم ان کا اجر ان کو ضرور دیں گے۔ یعنی جن لوگوں نے بیماری افلاس، کفار کی ایذا یا پابندی احکام کی مشقت اور جہاد میں ڈٹے رہنے کی مصیبتوں پر صبر کیا اللہ ان کے صبر کا انکو ثواب عطا فرمائے گا اور اتنا ثواب دے گا کہ ان کے اعمال کے مقررہ اجر سے بہت اچھا ہوگا بہر نیکی کو سات سو گنا تک بڑھا دے گا اور اس سے بھی زیادہ جتنی اللہ کی مشیت ہوگی بعض علماء نے کما اَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ سے مراد فرائض اور مستحبات ہیں۔ ممنوعات اور مباحات سے فرائض و مستحبات بہر حال بدرجہا بہتر ہوتے ہیں۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ

Marfat.com

جو شخص کوئی نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ صاحبِ ایمان ہو تو ہم اس شخص کو (دنیا میں) بالطف زندگی عطا کریں گے۔

وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ اور آخرت میں ان کے اچھے کاموں کے عوض ان کا اجر عطا کریں گے۔

وَهُوَ مُؤْمِنٌ بشرطیکہ وہ مؤمن ہو، ایمان کی شرط اس لئے لگائی کہ کافر کسی ثواب کے مستحق نہیں خواہ کیسے ہی اچھے اعمال کریں زیادہ سے زیادہ عذاب کی تخفیف کی امید کی جاسکتی ہے کیونکہ اللہ کے نزدیک ثواب کا مدار خلوص اور حسنِ نیت پر ہے (یعنی محض خوشنودی خدا کے لئے ہونا ضروری ہے) اور کافروں کی نیکیوں میں یہ چیز مفقود ہے۔

حیاتِ طیبہ سے مراد سعید بن جبیرؓ کے نزدیک رزقِ حلال ہے اور حسن کے نزدیک قناعت۔ مقاتل بن حیان نے کہا طاعت میں زندگی گزارنا حیاتِ طیبہ ہے۔ ابو بکر وراق نے کہا طاعت کی شیرینی پاکیزہ زندگی ہے بیضاوی نے کہا۔ پاکیزہ زندگی گزارنے والا اگر مالدار اور فراخ حال ہے تو ظاہر ہے اس کی دُنیوی زندگی پاکیزہ ہوگی اور اگر تنگدست ہے تو ظاہر ہے کہ قناعت کرے گا۔ تقسیمِ خداوندی پر راضی ہوگا اور آخرت میں اجرِ عظیم ملنے کا امیدوار ہوگا اس طرح اس کی زندگی خوش عیشی کے ساتھ گزرے گی۔ کافر کی زندگی اس کے برعکس ہوتی ہے۔ تنگدست ہے تو ظاہر ہے کہ اس کی زندگی تلخ ہوتی ہے اور مالدار ہے تب بھی اس کو موجودہ دولت کے زوال کا اندیشہ رہتا ہے اور ہر وقت حرص میں گرفتار رہتا ہے اور اس کی وجہ سے خوش عیش زندگی اطمینان کے ساتھ نہیں گزار سکتا۔ میں کہتا ہوں آیت اِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا کا بھی یہی مطلب ہے۔ میں کہتا ہوں، بندے کو جب اللہ سے محبت ہوتی ہے تو جو کچھ محبوب کی طرف سے اس کو پہنچتا ہے، تلخی ہو یا شیرینی وہ سب سے لذت اندوز ہوتا ہے حضرت مجددؒ نے فرمایا ہے، محبوب کی طرف سے جو دکھ پہنچتا ہے وہ محبوب کی طرف سے ملنے والے سکھ سے زیادہ لذیذ ہوتا ہے۔ دکھ تو صرف رضاءِ محبوب ہوتی ہے اور سکھ میں کچھ ذاتی مقصد بھی ہوتا ہے اور خالص رضاءِ محبوب زیادہ لذت آفریں ہوتی ہے اور محبّ کو محبوب کی مرضی ہی سب سے پیاری ہوتی ہے۔ شیخ عارف رومی قدس سرہٗ نے فرمایا:

عاشقم بر لطف و بر قہرت بجد — اے عجب من عاشقم بر ہر دو ضد
ناخوش از وے خوش بود در جانِ من — جاں فدائے یار جاں رنجانِ من

میں کہتا ہوں، حیاتِ طیبہ کی تشریح میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ نے اپنے دوستوں کے حق میں فرمایا ہے لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ان کے لئے دنیوی زندگی میں بشارت ہے۔ اس آیت کی تفسیر سورۂ یونس میں گزر چکی ہے جب مؤمن کو اس زندگی میں اللہ کی خوشنودی کے حصول اور بارگاہِ قدس میں مرتبۂ قرب پر پہنچنے اور درجات بلند ہونے کی بشارت مل جاتی ہے تو دنیا میں ہی اس کو وہ نعمت و راحت مل جاتی ہے جس کی جنت کے اندر ملنے کی اس کو امید ہوتی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، اللہ اہلِ جنت سے فرمائے گا کیا تم راضی ہو گئے جنتی عرض کریں گے (اے ہمارے رب) راضی نہ ہونے کی وجہ بھی کیا ہو سکتی ہے تو نے تو ہم کو وہ نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو کسی شخص کو نہیں دیں۔ اللہ فرمائے گا کیا ان نعمتوں سے بھی بڑی نعمت تم کو دوں۔ پھر فرمائے گا (وہ سب سے اعلیٰ نعمت یہ ہے کہ) میں تم کو اپنی خوشنودی عطا کرتا ہوں آئندہ کبھی میں تم سے ناراض نہیں ہوں گا۔ یہ حدیث حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے صحیحین میں مذکور ہے۔ اور حضرت جابرؓ کی روایت سے طبرانی نے الاوسط میں بھی ایسی ہی حدیث بیان کی ہے۔ اسی حدیث کے مضمون کو پڑھ کر ایک عارف نے کہا ہے:

امروز چوں جمال تو بے پردہ ظاہر است — در حیرتم کہ وعدۂ فردا برائے چیست

شیخ محمد عابد مجددیؒ فرماتے تھے، جو لذت و راحت دنیا میں اہلِ فقر کو حاصل ہے اگر بادشاہوں اور امیروں کو اس کا علم ہو جاتا تو وہ اہلِ فقر پر رشک کرنے لگتے اور جل جاتے۔

## ایک شبہ

Marfat.com

اگر دنیا میں حسب بیان مذکور لذت وراحت کی وہ حالت حاصل ہو جاتی ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے تو پھر ایمان کہاں جاتا۔ دنیا میں تو خوف وامید دونوں ایمان کے لوازم میں سے ہیں۔ (ایمان بیم ورجاء کی درمیانی حالت کا نام ہے)

## ازالہ

حالتِ مذکورہ تو نتیجہ ہے اُنس ومحبت کا۔ یہ خوف کے خلاف نہیں۔ کیونکہ خوف ہوتا ہے اللہ کی عظمت وکبریائی کو دیکھ کر۔ مؤمن کے دل سے خوف کبھی دور نہیں ہوتا۔ وہ انبیاء جن کو اللہ کی خوشنودی حاصل ہونے کا یقین ہوتا ہے۔ اور اپنے حسن خاتمہ میں کوئی شک نہیں ہوتا ان کو دوسروں کے مقابلے میں اللہ کی عظمت وبزرگی کا زیادہ مشاہدہ ہوتا ہے، اس لئے دوسرے مؤمنوں کے مقابلے میں ان کو اللہ کا خوف بھی زیادہ ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا میں تم لوگوں سے زیادہ اللہ کو جانتا اور تم سے زیادہ اللہ کا خوف رکھتا ہوں۔ صحابہؓ کو قطعی وحی کے ذریعے سے حصولِ رضا خداوندی اور داخلۂ جنت کی بشارت دے دی گئی تھی، اللہ نے صحابہ کرامؓ کے متعلق فرمایا ہے۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اس قطعی بشارت کے باوجود وہ کامل طور پر اللہ سے ڈرتے تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کی یہ حالت تھی تو صحابہؓ کے بعد جن مؤمنوں کو کشفِ ظنی کے طور پر بشارت دے دی جاتی ہے، ان کا تأثر بشارت، خوف کے خلاف کیسے ہو سکتا ہے۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حیاتِ طیبہ سے مراد ایسی زندگی ہو جو بہر حال خیر وبرکات سے پُر ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا مؤمن کا معاملہ بھی عجیب ہے۔ اس کا ہر کام خیر ہی خیر ہے۔ سوائے مؤمن کے اور کسی کو یہ بات حاصل نہیں۔ مؤمن پر اگر راحت آتی ہے تو وہ شکر کرتا ہے اور یہ اس کے لئے خیر بن جاتا ہے اگر اس پر کوئی بدحالی اور دکھ آتا ہے تو وہ صبر کرتا ہے اور یہ صبر اس کے لئے خیر ہو جاتا ہے۔ رواہ احمد فی المسند و مسلم فی الصحیح عن صہیبؓ واحمد وابن حبان عن انسؓ والبیہقی بسند صحیح عن سعید۔

مجاہد وقتادہ کے نزدیک حیاتِ طیبہ سے جنت کی زندگی مراد ہے۔ عوف نے حسن بصریؒ کی طرف بھی اس قول کی نسبت کی ہے۔ حسن نے فرمایا جنت کے علاوہ دنیا میں کسی کی زندگی طیب نہیں ہوتی۔

اوّل الذکر تفسیر (یعنی دنیا میں پاکیزہ زندگی مراد لینا) ظاہر ہے کلام کی رفتار سے یہی ظاہر ہو رہا ہے۔

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ جب آپ قرآن پڑھیں تو

شیطان مردود سے بچنے کے لئے اللہ کی پناہ طلب کریں یعنی جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کریں تو شروع کرنے سے پہلے اللہ سے پناہ کی دعا کریں تاکہ شیطان مردود قرأت میں وسوسہ نہ پیدا کر سکے اور تلاوت میں کوئی غیر لفظ شامل نہ کرے۔ کیونکہ شیطان کی عادت ہے کہ اللہ نے جو بھی پیغمبر یا نبی بھیجا اور اس نے اللہ کا کلام پڑھا تو شیطان نے اس کی قرأت میں مداخلت ضرور کی۔ اس آیت میں قرأت کرنے سے مراد ہے ارادۂ قرأت کرنا (یہ مجاز کلام کے لئے ارادہ کی تعبیر فعل سے کی۔ اس سے اشارہ اس بات کی طرف بھی ہے کہ جو شخص عبادت کا ارادہ کر لے تو اس کے بعد عبادت ضرور کرے (ایسا نہ ہو کہ ارادہ کر لے اور عبادت نہ کرے) عکمی اور ابن سیرین نے ظاہر لفظ کو دیکھ کر (یعنی اِذَا قَرَأْتَ کا ظاہری مطلب لے کر صراحت کی ہے۔ کہ تلاوت کرنے کے بعد اَعُوْذُ بِاللّٰہ پڑھی جائے۔ اسکے علاوہ تاخیرِ تعوذ کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ عبادت اَقْرَبُ اِلَی الْاِجَابت ہو جائے گی ویسے شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ کی طلب تو ہمیشہ ہی کرنا چاہئے۔ (آغازِ قرأت پر ہی موقوف نہیں ہے)

صحیح روایت سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ قرأت سے پہلے دعا کرتے (یعنی اَعُوْذُ بِاللّٰہ پڑھا کرتے) تھے جمہور سلف وخلف کا اسی پر اجماع ہے۔ لیکن جمہور کے نزدیک قرأت سے پہلے تعوذ سنت ہے اور عطاء نے اسی آیت کو استدلال میں پیش کرتے ہوئے واجب ہونے کی صراحت کی ہے کیونکہ اِسْتَعِذْ امر کا صیغہ ہے اور امر کا حقیقی مفہوم وجوب ہے۔ اور یہ خیال نہ کرنا چاہئے کہ اعوذ باللہ پڑھنے کا حکم شیطانی وسوسہ کو دفع کرنے کے لئے دیا گیا ہے اور مسنون ہونے کی علامت ہے (اگر اغواء شیطانی کا اندیشہ نہ ہو تو ترکِ تعوذ جائز ہے) یہ دلیل کمزور ہے وجوبِ تعوذ اس کے باوجود بھی ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

جمہور علماء تعوّذ کے واجب ہونے کے قائل نہیں کیونکہ بعض اوقات رسول اللہ ﷺ نے قرأت سے پہلے تعوّذ کو ترک کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور کے نزدیک بعض وقت ترکِ تعوّذ جائز ہے اگر بعض وقت تعوّذ کو ترک کرنا رسول اللہ ﷺ کے عمل سے ثابت نہ ہوتا تو علماء بھی ترکِ تعوّذ کو جائز نہ قرار دیتے۔ بکثرت احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اعوذ پڑھے بغیر بھی قرآن کی تلاوت فرمائی۔ صحیحین میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری تہائی رات کو اُٹھ بیٹھے اور سورۂ آلِ عمران کی آخرت دس آیات اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّھَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ سے پڑھیں پھر کھڑے ہو کر وضو کیا الیٰ آخرہ۔ صحیح مسلم میں آیا ہے کہ حضرت انسؓ نے بیان کیا ہم ایک روز رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے اچانک آپ کو غفلت سی ہو گئی پھر کچھ دیر کے بعد مسکراتے ہوئے سر اٹھایا ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! حضور ﷺ کے مسکرانے کی کیا وجہ ہے فرمایا، ابھی مجھ پر ایک سورت اتری ہے اس کے بعد آپ نے تلاوت کی بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اِنَّا اَعْطَیْنٰکَ الْکَوْثَرَ۔ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانْحَرْ۔ اِنَّ شَانِئَکَ ھُوَ الْاَبْتَرُ۔

**مسئلہ:** کیا نماز کے اندر ہر رکعت میں قرأت سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہئے۔ یہ مسئلہ اختلافی ہے۔ امام ابو حنیفہ اور امام احمد قائل ہیں کہ نماز کی صرف پہلی رکعت میں قرأت سے پہلے اعوذ پڑھی جائے امام شافعی ہر رکعت میں تعوّذ کے قائل ہیں۔ شیخ ابن حجر نے لکھا ہے کہ حسن اور عطاء اور ابن سیرین کے نزدیک ہر رکعت میں اعوذ پڑھنی مستحب ہے امام مالک نے کہا فرض نماز میں تعوّذ نہ کیا جائے۔ بیضاوی نے امام شافعیؒ کے قول کی تائید میں یہ دلیل پیش کی ہے کہ جو حکم کسی شرط پر مرتب ہو قیاس کا تقاضا ہے کہ تکرارِ شرط سے تکرارِ حکم ہو گی پس جب بھی کسی رکعت میں کوئی شخص قرأت کرے گا اعوذ پڑھنا ہو گی۔ خواہ پہلی رکعت ہو یا دوسری۔ امام مالکؒ نے اپنے مسلک کے ثبوت میں حضرت انسؓ کی روایت پیش کی ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اور حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ، کے پیچھے بھی اور سب جہری قرأت سورۂ فاتحہ سے شروع کرتے تھے۔ صحیحین کی دوسری روایت ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے کہ یہ حضرات نماز کو الحمد للہ ربّ العٰلمین سے شروع کرتے تھے۔

ہم اس کے جواب میں کہتے ہیں جہراً اعوذ نہ پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ پوشیدہ چپکے سے بھی نہ پڑھی ہو، ہماری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ پہلی رکعت میں ثناء (سبحانک اللّٰھم) پڑھنے کے بعد اعوذ پڑھا کرتے تھے پہلی رکعت کے علاوہ کسی دوسری رکعت میں اعوذ پڑھنا کسی روایت میں نہیں آیا۔ ابن السنی اور ابن ماجہ نے حضرت جبیر بن مطعمؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب نماز میں داخل ہو جاتے تھے تو تین بار اللہ اکبر کبیراً اور تین بار الحمد للہ کثیراً اور تین بار سبحان اللہ بکرۃً و اصیلاً کہنے کے بعد اعوذ باللّٰہ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم پڑھتے تھے۔ امام احمد اور امام ابن حبان اور ابو داؤد کی روایت میں من الشیطن الرجیم کے بعد مِنْ نَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ وَھَمْزِہٖ کے الفاظ بھی آئے ہیں (میں اللہ کی پناہ لیتا ہوں شیطان مردود سے اس کی پھونک سے اور اس کے دم کرنے سے اور اس کے وسوسہ سے) حاکم نے بھی اسی طرح بیان کیا ہے۔

امام احمد اور حاکم اور اہل السنن نے حضرت ابو سعید خدریؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات میں نماز کو کھڑے ہوتے تھے تو تکبیر کے بعد سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَ بِحَمْدِکَ وَ تَبَارَکَ اسْمُکَ وَ تَعَالٰی جَدُّکَ وَلَا اِلٰہَ غَیْرُکَ پھر تین بار لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ اور تین بار اللہ اکبر کہنے کے بعد پڑھتے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ مِنْ نَفْخِہٖ وَنَفْثِہٖ وَ ھَمْزِہٖ امام احمدؒ کی روایت سے بھی یہی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ آیا ہے مگر اس کی اسناد میں بعض راویوں کے نام ذکر نہیں کئے گئے ہیں۔

ابن ماجہ اور ابن خزیمہ نے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ پڑھتے تھے، اَللّٰھُمَّ انّی اعوذبک من الشیطان الرجیم من ھمزہ ونفخہ و نفثہ حاکم اور بیہقی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں، جب نماز میں داخل ہوتے تھے، حضرت انسؓ کی روایت سے دار قطنی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے اس اسناد میں ایک راوی حسین بن علی بن اسود ہے، اس

Marfat.com

کے متعلق اہل علم نے کلام کیا ہے۔ مراسیل ابوداؤد میں حسن بصری کا قول (بغیر صحابی کے) آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان الفاظ کے ساتھ تعوذ کرتے تھے اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم۔

## فائدہ

صاحب ہدایہؒ نے لکھا ہے اَسْتَعِیْذُ بِاللّٰہِ کہنا افضل ہے اس لفظ سے آیت کے لفظ اِسْتَعِذْ کی موافقت ہو جاتی ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ کہنا بھی اسی کے قریب ہے۔

میں کہتا ہوں، ماہر اہل تجوید اور فقہاء کے نزدیک اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم آیا ہے، دوسرے الفاظ نہیں آئے۔ ثعلبی اور واحدی نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطٰن الرجیم پڑھی، حضور ﷺ نے فرمایا اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم پڑھو، مجھے جبرئیلؑ نے قلم سے یعنی لوح محفوظ سے (نقل کر کے) ایسا ہی پڑھایا ہے۔

ابوعمر درانی نے التیسیر میں لکھا ہے میں نے بعینہٖ یہی لفظ (اعوذ) پڑھا اور اسی کو لیا اور قرآن کی تلاوت شروع کرتے وقت (یعنی نماز سے باہر) جہر کے ساتھ یہی لفظ پڑھا جاتا ہے، اہل تجوید میں کسی کی قرأت اس کے خلاف مجھے معلوم نہیں اور پاروں وغیرہ کے شروع میں اسی کو پڑھنا اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے۔ نصِ قرآنی کی تعمیل اور سنت کا اتباع اسی سے ہوتا ہے۔

امام القرّاء حمزہ صرف سورۂ فاتحہ کے شروع میں اعوذ کو جہر سے پڑھتے تھے باقی قرآن میں پوشیدہ پڑھتے تھے خلف کی روایت یہی ہے لیکن خلاد نے حمزہ کا مسلک یہ نقل کیا ہے کہ آپ کے نزدیک جہر و اخفاء دونوں درست ہیں جہر سے پڑھے یا اخفا سے دونوں کا اختیار ہے۔ باقی قراء کا کوئی قول جہر و اخفا کے متعلق منقول نہیں۔

یقیناً شیطان کا قابو ان

اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾

لوگوں پر نہیں جو ایمان دار ہیں اور اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ کیونکہ اللہ پر بھروسہ رکھنے والے مؤمن احکام شیطانی پر نہیں چلتے اللہ ان کی حفاظت کرتا ہے ہاں کبھی غفلت کی حالت میں بعض معمولی حقیر وسوسے ان کے دلوں میں پیدا ہو جاتے ہیں اور وہ ان وسوسوں کو قبول بھی کر لیتے ہیں اسی لئے ان کو تعوذ کا حکم دیا گیا۔

آیت بالا میں تعوذ کا حکم دیا تھا جس سے یہ خیال پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید شیطان کو اہل ایمان پر تسلط حاصل ہے اس خیال کی نفی اس آیت میں کر دی کذا قال البیضاویؒ، میں کہتا ہوں یہ آیت گزشتہ آیت کی علت بھی ہو سکتی ہے مؤمن اللہ سے استعاذہ اس لئے کرتے ہیں کہ انکا بھروسہ اپنے رب پر ہی ہوتا ہے اسی کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اپنے آپ کو اسی کی پناہ میں دے دیتے ہیں اللہ کی طرف رجوع اور اسی پر بھروسہ رکھنا مؤمن مخلص کا خصوصی وصف ہے جو ہر مؤمن کے ساتھ ہر وقت رہتا ہے زبان سے تعوذ کرنے کا حکم تو سنتِ دعا کی تکمیل کے لئے ہے تاکہ ظاہر بھی باطن کے موافق ہو جائے اور شیطان سے پوری پوری امان حاصل ہو جائے۔

شیطان کا تسلط تو

اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

صرف ان لوگوں پر ہے جو اس سے رفاقت کرتے ہیں اور ان لوگوں پر ہے جو اللہ کا کسی کو ساجھی قرار دیتے ہیں۔ یعنی جو شیطان کے دوست ہیں اس کی اطاعت کرتے ہیں باوجودیکہ شیطان کو تسلط حاصل نہیں ہے لیکن وہ خود شیطان کو اپنے اوپر مسلط کر لیتے ہیں ہماری اس تفسیر کی رو سے اس آیت میں اور آیت مَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

هُمْ بِهٖ میں بہٖ کی ضمیر اللہ کی طرف راجع ہے یعنی اللہ کے ساتھ دوسروں کو شریک قرار دیتے ہیں یا شیطان کی طرف راجع ہے یعنی شیطان کی وجہ سے اس کے اغوا کے سبب شرک کرتے ہیں۔

وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

Marfat.com

اور جب ہم ایک آیت کو بدل کر دوسری آیت کو اس کی جگہ رکھ دیتے ہیں اور اللہ جو حکم بھیجتا ہے اسکو وہی خوب جانتا ہے تو یہ لوگ کہتے ہیں کہ آپ از خود تراش لیتے ہیں (اور اللہ پر دروغ بندی کرتے ہیں آپ مفتری نہیں ہیں بلکہ ان میں سے اکثر جاہل ہیں۔ تبدیلِ آیت سے مراد کسی آیت کی تلاوت کو منسوخ کرنا ہے یا کسی حکم کو منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسرا حکم دینا:

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ جو کچھ نازل کرتا ہے وہی خوب جانتا ہے کہ پہلی آیت اس سے قبل ضرور مبنی بر مصلحت تھی لیکن اس کا اب باقی رکھنا غلط ہے یا اس سے پہلے وہ حکم بگاڑ کا سبب بن گیا تھا اس لئے اس کو بدل کر ایسا حکم نازل کر دیا جو اصلاحِ خلق کرنے والا ہے خلاصہ یہ کہ لوگوں کے لئے کب اور کون سا حکم مناسب ہے اس کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔

مُفْتَرِی (اللہ پر) دروغ بندی کرنے والا۔ بغوی نے لکھا ہے مشرکوں نے کہا محمدؐ اپنے ساتھیوں سے مذاق کرتے ہیں۔ آج ایک حکم دیتے ہیں اور کل اس کی ممانعت کر دیتے ہیں، یہ از خود تراش کر اللہ پر دروغ بندی کر دیتے ہیں۔

اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ یعنی اکثر کافر احکام کی مصلحت نہیں جانتے یا یہ مطلب ہے کہ اکثر کافر اہلِ علم و تمیز نہیں ہیں اگر ان کو امتیاز ہو تو پہچان لیتے کہ قرآن ایسا کلام نہیں کہ کوئی انسان خود بنا سکے اور محمدؐ ایسے آدمی نہیں ہیں کہ ان کو دروغ باف اور بہتان تراش کہا جا سکے۔

تبارک اللہ ماوحیٰ بمکتسبٍ ولا نبیٌّ علیٰ غیبٍ بمتّھمٍ

اللہ بزرگ ہے۔ کوئی وحی دماغی تراشیدہ نہیں ہو سکتی اور نہ کوئی نبی ایسا ہوتا ہے کہ وحی کے معاملہ میں اس پر الزام لگایا جا سکے۔

قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

آپ کہہ دیجئے کہ اس کو جبرئیلؑ میرے رب کی طرف سے حکمت کے مطابق لے کر آئے ہیں تاکہ ایمان والوں کو ثابت قدم رکھے اور ان مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوش خبری (کا ذریعہ) ہو جائے۔ "روح القدس" سے مراد جبرئیلؑ ہیں قدس کا معنی ہے پاکی یعنی پاکی والی روح۔ نزلہ تنزیل مصدر، تنزیل کا معنی تدریجاً تھوڑا تھوڑا نازل کرنا۔ یہ لفظ تنبیہ کر رہا ہے کہ قرآن کا مصالح کے مطابق تدریجی نزول تبدیل کا مقتضی ہے (اگر بعض احکام کو بدلنا نہ ہوتا تو یکدم سب قرآن نازل کر دیا جاتا) اَلْحَقِّ حکمت کا ملہ۔ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا یعنی تدریجاً اس لئے نزول ہوا کہ جو لوگ اس کے کلام اللہ ہونے پر ایمان رکھتے ہیں ان کے ایمان میں مزید استحکام ہو جائے اور ناسخ کو سننے کے بعد جب وہ غور کریں اور سمجھیں کہ حکمت و مصلحت کا تقاضا یہی تھا کہ پچھلا حکم اس وقت منسوخ کر کے یہ نیا حکم نازل کر دیا جائے تو ان کے عقائد میں مزید پختگی پیدا ہو جائے اور اطمینانِ قلب حاصل ہو جائے۔

یا یہ مطلب ہے کہ ناسخ کو نازل کر کے ایمانداروں کی جانچ کرنی مقصود ہے جب وہ قدیم حکم کی جگہ جدید حکم کو برحق یقین کر لیں اور سمجھ جائیں کہ اللہ حکمت والا ہے اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں تو اس سے ان کو مزید استحکامِ ایمانی حاصل ہو جائے۔ لِلْمُسْلِمِيْنَ مسلمین سے مراد ہیں فرمان بردار۔ مطیع حکم صرف مسلمانوں کے لئے ہدایت و بشارت کا ذریعہ قرار دینے سے در پردہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ غیر مسلموں کے لئے یہ باعثِ ہدایت و بشارت نہیں ہے۔

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ اور ہم کو معلوم ہے کہ یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کو یہ کلام آدمی سکھا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی طرف سے نہیں ہے۔ بغوی نے لکھا ہے، جس شخص کے متعلق وہ قرآن سکھا جانے کی جھوٹی نسبت کرتے تھے وہ کون آدمی تھا، اس کی تعیین میں علماء کا اختلاف ہے ابن جریر نے مسند میں ضعیف سند سے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ مکہ میں ایک عیسائی عجمی غلام تھا جو لوہار تھا اس کا نام بلعام تھا رسول اللہ ﷺ اس کے پاس آتے جاتے تھے مشرکوں نے آپ کو بلعام کے پاس آتا جاتا دیکھ کر کہا ان کو بلعام سکھا دیتا ہے۔ عکرمہؓ نے کہا بنی مغیرہ کا ایک غلام



Marfat.com

تھا جس کا نام یعیش تھا وہ کتابیں پڑھتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ اس کو قرآن سکھاتے تھے قریش کہنے لگے ان کو یعیش سکھا دیتا ہے۔ فراء نے کہا حویطب بن عبدالعزیٰ کا ایک غلام تھا جس کی زبان عجمی تھی اس کا نام عائش تھا۔ مشرک کہنے لگے یہ عائش سے سیکھ لیتے ہیں۔ آخر میں عائش مسلمان ہو گیا تھا اور اسلام میں پختہ رہا۔ ابن اسحاق نے بیان کیا رسول اللہ مروہ پہاڑ کے قریب ایک رومی عیسائی غلام کے پاس بیٹھا کرتے تھے۔ اس کا نام جبر تھا جبر بنی الحضرم قبیلہ میں سے کسی کا غلام تھا، اور کتابیں پڑھا کرتا تھا۔ عبداللہ بن مسلم حضرمی کا بیان ہے ہمارے دو غلام تھے جو یمن کے تھے۔ ایک کا نام یسار اور دوسرے کا نام جبر تھا۔ یسار کی کنیت ابو فکیہہ تھی۔ دونوں مکہ میں تلواریں بنایا کرتے تھے اور توریت و انجیل پڑھا کرتے تھے۔ کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ ان کی طرف سے گزرتے اور وہ (انجیل یا توریت) پڑھتے ہوتے تو حضور ﷺ ٹھہر کر سننے لگتے۔ ابن ابی حاتم نے حسین بن عبداللہ کے طریق سے ایسا ہی بیان کیا ہے ضحاک کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب کفار دکھ دیتے تو آپ ان دونوں غلاموں کے پاس جا کر بیٹھ جاتے۔ اور ان کے کلام سے کچھ سُکھ محسوس کرتے۔ مشرک کہنے لگے محمدؐ انہی دونوں سے سیکھ لیتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اللہ نے مشرکوں کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا۔

لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّ هٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۱۰۳﴾

جس شخص کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہے اور یہ صاف عربی زبان ہے قاموس میں ہے لَحَدَ اِلَیْهِ اس کی طرف مائل ہوا اَلْتَحَدَ کا بھی یہی معنی ہے اَلْحَدَ کا معنی بھی "مائل ہوا، مُڑا ہے" جس کی طرف مائل ہوتے ہیں یعنی اشارہ کرتے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ وہ لوگ اپنے قول کی سچائی اور استقامت سے موڑ کر اس شخص کی طرف پھیر دیتے ہیں۔

اَعْجَمِیٌّ صاف عربی نہ بولنے والا۔ قاموس میں ہے لفظ "اعجم" قوم اور شخص دونوں کی صفت میں آتا ہے اَعْجَم اور اعجمی گونگا اور وہ شخص جو صاف (عربی) نہ بول سکے۔ عجمی عجم کا رہنے والا جو جنسِ عجم سے ہو خواہ فصیح البیان ہو، غیر عرب کو عجم کہتے ہیں۔ بعض محققینِ لغت کا قول ہے کہ عجمہ کا معنی لیاقت کے معنی کے مقابل ہے یعنی صاف زبان میں بات نہ کرنا۔ اِعجام کا معنی ہے ابہام اِسْتَعْجَمَتِ الدَّارُ گھر گونگا ہو گیا یعنی سب گھر والے مر گئے کوئی جواب دینے والا بھی باقی نہیں رہا۔

هٰذا، یعنی یہ قرآن مبین، واصف، صاف، فصیح۔ کافروں کی بہتان تراشی کا جواب اس آیت میں دیا گیا ہے جس کی تقریر دو طرح سے ہو سکتی ہے (۱) وہ شخص جس کی طرف قرآن کی نسبت کی جاتی ہے اس کی بولی عجمی ہے جس کو نہ رسول اللہ ﷺ سمجھتے ہیں نہ تم لوگ سمجھتے ہو اور قرآن کی زبان عربی فصیح ہے جس کو تم لوگ سمجھتے ہو پھر یہ قرآن اس شخص کا بتایا ہوا کیسے ہو سکتا ہے۔ (۲) قرآن کے معانی معجزہ ہیں اور معانی کی طرح الفاظ کی ترکیب بھی معجزہ ہے وہ عجمی شخص تورات اور انجیل پڑھتا ہے تورات و انجیل کے معانی سے قرآن کے معانی مطابقت ضرور رکھتے ہیں، لیکن ان معانی کو معجز عربی عبارت میں ادا کرنا بھی تو معجزہ ہے جو کسی انسان کی قدرت میں نہیں ہے آیت فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ میں جو دعوتِ مقابلہ دی گئی ہے اس کے مقابلہ سے سب کا عاجز رہنا خود بتا رہا ہے کہ قرآن کا مقابلہ بشری طاقت سے باہر ہے۔

پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ آسمانی کتابوں کے علوم حاصل کرنا اتنا آسان نہیں جب تک کوئی ماہر اور قابل معلّم نہ ہو جو تمام علومِ سماویہ میں پوری دستگاہ رکھتا ہو اور ایک طویل مدت تک درس نہ دیتا رہے اس وقت تک ان علوم کا حصول ناممکن ہے۔ ایک معمولی غلام جو آسمانی علوم کا خود ہی ماہر نہ ہو کچھ شُدبُد رکھتا ہو اور اس کی زبان بھی عجمی ہو اس کے پاس کبھی بھی کسی عربی شخص کا آنا جانا کس طرح عربی شخص کو علومِ سماویہ کا اس حد تک ماہر بنا سکتا ہے کہ وہ عربی زبان میں تمام کتابوں کے علوم کو اعجازی طور پر منتقل کر دے جبکہ استاد کی زبان سے شاگرد واقف بھی نہ ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۙ لَا یَهْدِیْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۰۴﴾

جو لوگ اللہ کی آیات پر ایمان نہیں رکھتے (اور ان کو اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہیں مانتے) یقیناً اللہ ان کو کبھی راہ پر نہیں لائے گا اور ان کے لئے دردناک سزا ہو گی یعنی راہِ حق پر نہیں لائے گا یا نجات اور جنت کا راستہ نہیں دکھائے گا اور آخرت میں ان کو دکھ

Marfat.com

کی سزا دی جائے گی۔

اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْکٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

بس جھوٹ تراشنے والے تو یہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیات پر ایمان نہیں لاتے اور یہی لوگ پورے جھوٹے ہیں یعنی حقیقت میں یہی جھوٹے ہیں ایمان لانے والے جھوٹے نہیں ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے دور میں تمام صحابہؓ سچے اور عادل تھے یا یہ مطلب ہے کہ کامل جھوٹے اور پورے پورے کاذب یہی لوگ ہیں کیونکہ ظہورِ معجزات کے بعد اللہ کے معصوم نبی اور اللہ کی آیات کا انکار اور اللہ کے رسول ﷺ پر تہمت تراشی سب سے بڑا جھوٹ ہے یا ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ سے یہ مراد ہے کہ یہ لوگ جھوٹ بولنے کے عادی ہیں ان کو جھوٹ سے کوئی چیز نہیں روک سکتی نہ شرافت، نہ دین یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ جو آپ ﷺ کو مُفتَرِی قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کوئی آدمی آپ کو سکھا جاتا ہے اس قول میں یہ ہی جھوٹے ہیں اِنَّمَا یَفْتَرِی الجملہ فعلیہ ہے جو بتا رہا ہے کہ افترا کرنے والے صرف یہی لوگ ہیں اور اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ جملہ اسمیہ ہے جو بتا رہا ہے کہ جھوٹ بولنا ان کی عادت لازمہ ہے۔ بغوی نے اپنی سند سے لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن حرادؓ نے فرمایا، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا مؤمن زنا کر سکتا ہے۔ فرمایا کبھی ایسا ہو سکتا ہے میں نے عرض کیا کیا مؤمن چوری کر سکتا ہے فرمایا کبھی ایسا ہو سکتا ہے میں نے عرض کیا کیا ایسا مؤمن جھوٹ بول سکتا ہے۔ فرمایا نہیں۔ اللہ نے فرمادیا ہے اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ط

امام احمد نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا سوائے خیانت اور جھوٹ کے مؤمن کی سرشت میں تمام (اچھی بری) باتیں ہو سکتی ہیں۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث بیان کی ہے۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اور امام مالکؒ نے مرسلاً بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کیا مؤمن ڈرپوک ہو سکتا ہے۔ فرمایا ہاں، عرض کیا گیا کیا مؤمن بخیل ہو سکتا ہے، فرمایا ہاں، پوچھا گیا کیا مؤمن بزدل ہو سکتا ہے، فرمایا نہیں۔ میں کہتا ہوں ان احادیث میں جو مؤمن کا ذکر آیا ہے بظاہر اس سے مراد وہ مؤمن ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں موجود تھے (ورنہ بعد کے زمانہ میں تو بکثرت مؤمن جھوٹے تھے اور اب بھی ہیں) اسی لئے تمام صحابہؓ کے سچے اور عادل ہونے پر علماء کا اجماع ہے اور یہی وجہ ہے کہ کسی صحابی کی روایت قابلِ جرح نہیں ہے (بشرطیکہ صحابیؓ تک روایت کا سلسلہ غیر مجروح ہو) یا احادیث میں جس مؤمن کا ذکر کیا ہے اس سے مراد کامل مؤمن ہے یعنی صوفی صافی عارف خدا فانی فی اللہ باقی باللہ۔

مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْہِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۚ وَلَہُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۰۶﴾

جو لوگ ایمان لانے کے بعد (لوٹ کر) اللہ کے (یعنی اس کی ذات، صفات یا قیامت و نبوت کے) ساتھ کفر کرنے لگیں اور جی کھول کر (دل کی خوشی کے ساتھ) کفر کریں تو ان پر اللہ کا غضب ہوگا اور ان کو بڑے دکھ کی سزا ہوگی ہاں جو لوگ کفر کرنے پر مجبور کئے گئے ہیں اور ان کا دل ایمان پر مطمئن ہو (اور زبان سے کلماتِ کفر بمجبوری کہہ گزریں) وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اس آیت کا نزول عمار بن یاسرؓ کے حق میں ہوا۔ مشرکوں نے عمارؓ کو ان کے باپ یاسرؓ کو ان کی ماں سمیہؓ کو اور صہیب و بلال و خبیب و سالم کو پکڑ کر سخت ترین جسمانی دکھ دیئے حضرت سمیہؓ کو دو اونٹوں کے درمیان باندھ دیا گیا (ایک ٹانگ ایک اونٹ سے دوسری ٹانگ دوسرے اونٹ سے) اور شرم گاہ میں نیزہ ڈال کر چیرہ دیا گیا۔ حضرت یاسرؓ کو بھی قتل کر دیا گیا اسلام میں سب سے اول یہی دونوں شہید ہوئے۔ عمارؓ نے بمجبوری وہ بات زبان سے نکال دی جو مشرک چاہتے تھے۔ قتادہ نے کہا بنی مغیرہ نے عمارؓ کو پکڑ کر چاہ میمون میں غوطے دیئے اور کہا محمد ﷺ کا انکار کر حضرت عمارؓ نے وہی بات کہہ دی جو مشرک چاہتے تھے۔ مگر آپ کا دل اس بات سے نفرت کرتا تھا دل کو انکارِ رسالت گوارا نہ تھا۔ کسی نے جا کر رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دے دی کہ عمارؓ کافر ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہرگز نہیں، عمارؓ کے اندر تو چوٹی سے قدم تک ایمان بھرا ہوا

Marfat.com

ہے اس کے خون اور گوشت میں ایمان سرایت کر گیا ہے۔ آخر حضرت عمارؓ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں روتے ہوئے حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے، عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ بات بُری ہے، میں نے آپ کو بُرا کہہ دیا اور (انکار کے طور پر) آپ کا ذکر کیا فرمایا اس وقت تمہارے دل کی کیا حالت تم کو محسوس ہو رہی تھی۔ عرض کیا دل تو ایمان پر مطمئن تھا۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے عمارؓ کے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا اگر وہ دوبارہ تمہارے ساتھ ایسی حرکت کریں تو تم دوبارہ (بھی یہی کفریہ الفاظ) لوٹا سکتے ہو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ثعلبی اور واحدی نے بھی اسی طرح یہ واقعہ بیان کیا ہے۔

ابن ابی حاتم نے بیان کیا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ کو ہجرت کرنے کا ارادہ کیا تو مشرکوں نے بلالؓ، خبیبؓ اور عمارؓ کو پکڑ لیا۔ عمارؓ نے تقیہ کر کے وہ بات کہہ دی جو مشرکوں کو پسند تھی پھر جب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو واقعہ بیان کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا (کلماتِ کفر) کہنے کے وقت تمہارے دل کی کیا حالت تھی۔ عرض کیا، دل تو آپ کے قول پر مطمئن تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ بغوی نے لکھا ہے کہ ابن ابی حاتم نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ اس آیت کا نزول مکہ کے چند مسلمانوں کے حق میں ہوا تھا بعض صحابہؓ نے (مدینہ سے) ان کو لکھا تھا کہ مکہ چھوڑ آؤ۔ جب تک ہجرت کر کے ہمارے پاس نہ آجاؤ گے ہم تم کو اپنے میں شمار نہیں کریں گے۔ اس تحریر پر وہ لوگ مکہ چھوڑ کر مدینہ کو چل دیئے راستہ میں انکو قریش نے پکڑ لیا اور سخت دکھ دیئے۔ مجبوراً بنفرتِ خاطر ناگواری کے ساتھ کلماتِ کفر کہہ دیئے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ مقاتل نے بیان کیا کہ عامر بن حضرمی کے غلام جبر کے حق میں اس آیت کا نزول ہوا۔ ان کے آقا نے ان پر زبردستی کی تھی مجبوراً جبر نے کلماتِ کفر کہہ دیئے تھے۔ بغوی نے لکھا ہے پھر جبر کا آقا بھی مسلمان ہو گیا اور اسلام میں پختہ رہا اور جبر کو ساتھ لے کر اس نے بھی مدینہ کو ہجرت کر لی۔

ایمان پر دل کے مطمئن ہونے کا یہ مطلب ہے کہ عقیدہ میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ دل ایمان پر قائم رہا یہ جملہ بتا رہا ہے کہ دل سے سچا جاننا ایمان کا رُکنِ ضروری ہے (خالی شہادت ایمان بغیر دلی عقیدہ کے اللہ کے نزدیک ناقابلِ اعتبار ہے)

کفر کے لئے سینہ کے کشادہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ دل نے کفر کو پسند کر لیا اور بخوشی کفر کو قبول کر لیا۔

## اِکراہ کی تحقیق

کسی کو ایسے کام پر آمادہ کرنا جس کو وہ دل سے گوارا نہ کرتا ہو اِکراہ ہے اِکراہ کی دو صورتیں ہیں (۱) کسی کو کسی ناگوار کام کے کرنے پر اس طرح آمادہ کرنا کہ اگر وہ انکار کر لے تو اس کو اذیت اور دُکھ اٹھانا پڑ جائے لیکن یہ ایذا اور دکھ اس کو بے اختیار نہ بنا دے مثلاً انکار کی صورت میں مارنا قید کر دینا۔ ظاہر ہے کہ پٹنے اور قید ہو جانے کے بعد بھی مضروب اور قیدی بے اختیار نہیں ہو جاتا صرف جسمانی اذیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (۲) انکار کی صورت میں مجبور آدمی اپنے اختیار کا مالک ہی نہ رہے مثلاً آتھ پاؤں کاٹنا یا قتل کر دینا۔ ان دونوں صورتوں میں اِکراہ کا حکم اس وقت جاری ہو گا کہ مجبور کرنے والا اس اذیت دینے پر قدرت رکھتا ہو جس کی دھمکی دے رہا ہے اور جس کو مجبور کیا جا رہا ہو اس کا بھی غالب خیال ہو کہ اگر میں انکار کر دوں گا تو اس شخص کی طرف سے مجھے یہ دکھ پہنچ جائے گا۔ آیت میں اِکراہ کی اوّل صورت مراد نہیں ہے ایسے اِکراہ کا اثر تو صرف خرید و فروخت، اقرار قرض، کسی جائیداد کے ٹھیکہ کے لین دین وغیرہ پر ہی پڑتا ہے اس صورت میں جب خوفِ اذیت نہ رہے اور ایذا رساں طاقت سے آزادی مل جائے تو مجبوری کی حالت میں جو عقد، اقرار، ٹھیکہ وغیرہ کا لین دین کیا ہو اس کو فسخ کر دینا جائز ہے چاہے قائم رکھے چاہے منسوخ کر دے۔ تجارت، لین دین، وغیرہ ایسے عقود ہیں، جن کے لئے فریقین کی رضامندی ضروری ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ اِکراہ کی شکل میں مجبور شخص کی رضامندی نہیں ہوتی اس لئے جبر ختم ہونے کے بعد اس کو اختیار ہے چاہے معاملے کو فسخ کر دے چاہے قائم رکھے۔ اگر قیمت پر بخوشی قبضہ کر لیا تو بیع کو نافذ قرار دیا جائے گا قبول قیمت علامتِ رضامندی ہے۔

Marfat.com

آیت مذکورہ میں اکراہ کی دوسری قسم مراد ہے علماء کا اجماع ہے کہ جس شخص کو کفر پر مجبور کیا گیا ہو اور وہ بے بس ہو جائے تو ظاہری طور پر کفر اختیار کر لینا جائز ہے۔ بشرطیکہ دل میں اطمینانِ ایمانی ہو۔ حضرت عمارؓ کے متعلق اس آیت کا نزول اس مسئلے کے ثبوت کے لئے کافی ہے۔ حضرت عمارؓ کو کافر نہیں قرار دیا گیا ایسے ظاہری کافرانہ کام بھی قبیح نہیں ہوگا لیکن اگر کلمۂ کفر زبان پر لانے سے انکار کر دے اور جان کی قربانی دے دے تو افضل ہے جیسے حضرت عمارؓ کے والدین نے کیا۔ حضرت خبیبؓ، حضرت زید بن دثنہؓ اور حضرت عبداللہ بن طارقؓ نے بھی مرتد ہونا پسند نہیں کیا اور شہادت کو اختیار کر لیا اصحاب سیر نے سریۂ رجیع کے بیان میں لکھا ہے کہ حضرت خبیبؓ کو جب قتل کیا جانے لگا تو آپ نے قتل سے پہلے دو رکعت نماز پڑھی۔ بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ خبیبؓ ہی نے سب سے پہلے قتل کے وقت دو رکعت پڑھنے کا طریقہ قائم کیا۔ جب آپ نماز پڑھ چکے تو آپ کو ایک تختہ سے باندھ دیا پھر مدینہ کی طرف منہ کر دیا اور بندش مضبوط کر دی پھر کہنے لگے اسلام سے لوٹ جاؤ ہم تم کو چھوڑ دیں گے۔ حضرت خبیبؓ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے یہ بھی پسند نہیں کہ اسلام سے مرتد ہونے کی شرط پر مجھے ساری دنیا کی دولت مل جائے کافر کہنے لگے اب تو چاہتے ہو گے کہ محمدؐ میری جگہ ہوتے اور میں اپنے گھر بیٹھا چین کرتا۔ حضرت خبیبؓ نے فرمایا نہیں خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ محمد ﷺ کے کوئی کانٹا چبھ جائے اور میں گھر میں آرام سے بیٹھ رہوں کافر برابر کہتے رہے خبیبؓ اسلام سے لوٹ جاؤ حضرت خبیبؓ نے فرمایا، نہیں میں کبھی اسلام سے نہیں پھرنے کا۔ کہنے لگے اگر اسلام سے نہ پھرو گے تو ہم تم کو قتل کر دیں گے بولے اللہ کی راہ میں مار جانا ایک حقیر چیز ہے۔

بخاری نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت خبیبؓ نے شہادت سے پہلے چند اشعار پڑھے تھے جن میں سے دو شعر یہ تھے:

"اگر مسلمان ہونے کی حالت میں مارا جاؤں تو مجھے پرواہ نہیں کہ کس بل سے اللہ کی راہ میں زمین پر گرتا ہوں میرا یہ قتل ہونا اللہ کی خوشنودی کے لئے ہے اگر اللہ چاہے گا تو پارہ پارہ میں جسم کے جوڑ جوڑ میں برکت عطا فرمائے گا"۔

ابن عقبہ کا بیان ہے کہ حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ دونوں ایک ہی دن شہید کئے گئے اور جس روز ان کی شہادت ہوئی اسی روز لوگوں نے سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے تھے وعلیکما السلام۔

ابن ابی شیبہ نے حسن بصری کی مرسل روایت سے بیان کیا ہے اور عبدالرزاق نے اپنی تفسیر میں تفصیل کے ساتھ لکھا ہے کہ مسیلمۂ کذاب نے دو مسلمانوں کو گرفتار کر لیا اور ایک سے کہا محمد ﷺ کے متعلق تیرا کیا خیال ہے اس نے جواب دیا وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں مسیلمہ نے کہا، میرے متعلق تیرا کیا خیال ہے اس نے جواب دیا آپ بھی۔ مسیلمہ نے دوسرے سے پوچھا محمد ﷺ کے متعلق تو کیا کہتا ہے، اس نے جواب دیا وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ مسیلمہ نے پوچھا: میرے متعلق تو کیا کہتا ہے اس نے جواب دیا میں بہرا ہوں۔ مسیلمہ نے یہی بات تین بار دُہرائی اور اس شخص نے بھی یہی جواب دُہرا دیا۔ آخر مسیلمہ نے اس کو قتل کر دیا رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع پہنچی تو اوّل شخص کے متعلق فرمایا اس نے اللہ کی دی ہوئی اجازت کو اختیار کر لیا اور دوسرے نے بلند آواز سے اعلانِ حق کیا اس کو مبارک ہو۔

مسئلہ: اگر کسی مسلمان کا مال تلف کرنے پر کسی کو مجبور کیا جائے تو اس کا مال تلف کرنا اس کے لئے جائز ہے ضرورت کے وقت غیر کا مال مباح ہو جاتا ہے جیسے سخت بھوک کے وقت کسی کا مال کھا لینا جائز ہے۔ لیکن صاحب مال مجبور کرنے والے سے اپنے مال کا تاوان وصول کرے گا کیونکہ مجبور شخص تو اس جابر کا آلۂ کار ہے اور جس صورت میں آلۂ کار بننا درست ہے اس میں تاوان آلۂ کار بنانے والے سے لیا جاتا ہے۔

مسئلہ: اگر شراب پینے یا مردار کو کھانے پر مجبور کیا جائے تو ایسا کر لینا باتفاق علماء جائز ہے۔ لیکن کیا نہ کھانا اور جان دے دینا جائز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حرام کو کھا پی لینا واجب ہے انکار کر کے جان دے دینا جائز نہیں۔ جیسے حلال چیز (یعنی پرائی حلال چیز کو) جان بچانے کے لئے کھا پی لینا واجب ہے ویسے ہی شراب اور مُردار کا حکم ہے۔ اگر کھانے پینے سے انکار کر کے

Marfat.com

جان دے دے گا تو گناہ گار ہو گا اور بلا ضرورت اپنی جان کھو دینے میں اس جابر کا مددگار مانا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اگر کھانے پینے سے انکار کر کے جان دے دے گا تو گناہ گار نہ ہو گا۔ امام شافعیؒ کا بھی صحیح ترین قول یہی ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں شراب پینے کی اجازت اور رخصت ہے اباحت نہیں ہے۔ شراب مباح نہیں ہو جاتی۔ اب اگر اس نے عزیمت کو اختیار کیا، اور شراب پینے سے انکار کر کے جان دے دی) تو گناہ گار نہیں ہو سکتا۔ امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا یہ رخصت نہیں اباحت ہے اضطرار کی حالت میں مردار بھی ذبیحہ کی طرح حلال ہو جاتا ہے۔ آیت میں حالت اضطرار مستثنیٰ ہے فرمایا ہے اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَیْہِ استثناء کر کے حالت اضطرار کو عدم اضطرار کی حالت سے حکم میں علیحدہ کر لیا گیا ہے (اور ظاہر ہے کہ عدم اضطرار کی حالت میں حرمت کا حکم ہے تو اضطرار کی حالت میں اباحت ہو گی، رخصت نہ ہو گی) ہاں اگر غیر کا مال کھانے پر مجبور کیا گیا اور انکار کرنے کی صورت میں مار کھائی تو بالاتفاق علماء ماجور ہو گا، کیونکہ غیر کے مال کی حرمت ہر حال میں قائم ہے (کھا لینے کی صرف رخصت ہے) یہاں سے یہ بات بھی ظاہر ہو گئی کہ اِکراہ سے خطاب نہیں بدلا کرتا کہ ایک ہی چیز ایک مرتبہ مباح اور فرض ہو جائے اور پھر کبھی وہی چیز حرام ہو جائے اسی لئے امام ابو حنیفہؒ نے ایک عام ضابطہ قائم کر دیا ہے کہ جس تصرّف کا حکم الفاظ پر جاری ہوتا ہو دل کی رضا پر موقوف نہ ہو وہ حکم اس وقت بھی مرتب ہو گا جب وہ تصرف جبر کی حالت میں کیا جائے۔ اس قسم کے تصرّفات (جو الفاظ پر مبنی ہوں اور ان میں دل کی رضامندی ضروری نہیں) دس ہیں۔ نکاح، طلاق، طلاق سے رجوع، اَیلاء، ظہار، غلام کی آزادی، قصاص کی معافی، قسم، نذر (ان سب کے احکام صرف زبان سے کہنے سے نافذ ہو جائیں گے، زبانی ایجاب و قبول سے نکاح ہو جائے گا۔ زبان سے لفظ طلاق کہہ دینے سے طلاق ہو جائے گی۔ صرف زبان سے آزاد کرنے سے غلام آزاد ہو جائے گا وغیرہ وغیرہ، ان احکام کے مرتب ہونے کے لئے دل کی رضامندی ضروری نہیں پس کسی نے جبراً اگر طلاق یا نکاح میں ایجاب و قبول یا معافی یا قسم وغیرہ کے الفاظ کہلوا لئے تو احکام مرتب ہو جائیں گے) شعبی، نخعی اور ثوری کا بھی یہی مسلک ہے۔ امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک کوئی جبری تصرّف جاری نہیں ہو سکتا جبر سے احکام مرتب نہیں ہوں گے۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا، میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرما رہے تھے اغلاق و جبر کی صورت میں نہ طلاق ہے نہ باندی غلام کی آزادی۔ رواہ احمد وابو داؤد وابن ماجہ، الحاکم وابن الجوزی، ابو یعلی، والبیہقی من طریق صفیۃ بن عثمان عن شیبہ۔ اس سلسلے کو حاکم نے صحیح کہا ہے لیکن اس سند میں ایک راوی محمد بن عبیدہ مکی ہے جس کو ابو حاتم رازی نے ضعیف کہا ہے۔

ابن جوزی نے لکھا ہے کہ قتادہ نے کہا اغلاق کا معنی ہے اِکراہ (جبر کرنا) یہ لفظ اَغْلَقْتُ الْبَابَ سے ماخوذ ہے۔ گویا مجبور آدمی کو جابر کی مرضی کے خلاف کرنے سے بند کر دیا جاتا ہے۔ بعض علماء نے اغلاق کا ترجمہ شدّتِ غصہ کیا ہے۔ سنن ابو داؤد میں یہ ترجمہ آیا ہے اور امام احمد نے بھی اس لفظ کی یہی تشریح کی ہے لیکن یہ تشریح اچھی نہیں ہے۔ ابن اُسید نے اس کو پسند نہیں کیا ہے اور صراحت کی ہے اگر اغلاق کا ترجمہ غضب کیا جائے گا تو کوئی اطلاق ہی نہیں پڑے گی کیونکہ ہر شخص سخت غصہ کی حالت میں ہی طلاق دیتا ہے۔ حسن بصریؒ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ نے تمہارے لئے بھول چوک کو معاف کر دیا اور اس کو بھی جس پر تم کو مجبور کیا گیا ہو۔ رواہ ابن الجوزی، اس حدیث سے اصل مدّعا کا ثبوت نہیں ہوتا کیونکہ اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو گناہ کا کام جبراً کسی سے کرا لیا گیا ہو اللہ اس کا مواخذہ نہیں کرے گا یہ مطلب نہیں کہ دنیوی احکام بھی مرتب نہ ہوں گے۔ اسی حدیث کی ہم معنی وہ حدیث بھی ہے جو طبرانی نے از روایت ثوبان نقل کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میری امت سے بھول چوک (کی سزا) اٹھا لی گئی ہے اور وہ کام بھی جس پر لوگوں کو مجبور کیا گیا ہو حضرت ابو درداءؓ کی روایت سے بھی ایسا ہی آیا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ ان دونوں حدیثوں کی سند میں ضُعف ہے اس مضمون کی حدیث مختلف روایات سے ابن ماجہ، ابن حبان، دار قطنی، بیہقی اور حاکم وغیرہ نے بحوالۂ اوزاعی بانتساب ابن عباسؓ بیان کی ہیں لیکن اہل روایت نے ان روایات کو منکر قرار دیا ہے حضرت ابو ذرؓ کی روایت سے بھی یہ حدیث ابن ماجہ نے بیان کی ہے اس کے سلسلہ میں شہر بن حوشب واقع ہے اور سند میں انقطاع ہے لیکن اگر حدیث کو صحیح مان لیا جائے تب بھی امام شافعیؒ وغیرہ کا اس سے استدلال غلط ہے۔

Marfat.com

بھوک چوک اٹھالیے جانے کا یہ معنی تو ہرگز نہیں کہ بھول چوک واقع نہ ہوگی، یہ تو واقعہ کے خلاف ہے اس لئے تین ہی معنی ہو سکتے ہیں۔

(۱) بھول چوک کا مؤاخذہ اُخروی اٹھالیا گیا ہے یعنی اللہ نے بھول چوک کی سزا معاف کر دی ہے یہی مطلب صحیح ہے (۲) بھول چوک کا عمومی مطلب اٹھالیا گیا ہے (نہ حکم دینا بھول چوک پر مرتب ہوتا ہے نہ آخرت کا حکم یعنی سزا) یہ مطلب غلط ہے عمومِ حکم کسی لفظ سے نہیں معلوم ہوتا۔ مقتضیٰ النص میں عموم نہیں ہوتا۔ (۳) احکام دنیا اٹھالئے گئے ہیں یہ مطلب اجماع کے خلاف ہے۔ بالاتفاق حکم آخرت یعنی مؤاخذہ کا اٹھلیا جانا اس جگہ مراد ہے اس لئے حکم دنیا مع حکم آخرت کے مراد نہیں ہو سکتا ورنہ عمومِ مقتضیٰ لازم آئیگا کذا قال ابن ہمام۔

ابن جوزی نے شافعیہ کے مسلک کی تائید میں حضرت عمرؓ کا ایک فیصلہ نقل کیا ہے عہد فاروقی میں کوئی شخص کسی پہاڑ پر چڑھ گیا اس کی بیوی اور بلندی پر جا بیٹھی بیوی نے کہا یا تو مجھے تین طلاقیں دے دے ورنہ میں اوپر سے پتھر لڑھکا کر تجھے قتل کر دوں گی اس شخص نے عورت کو ہر چند اللہ اور اسلام کا واسطہ دیا اور اللہ سے ڈرایا لیکن وہ نہ مانی۔ مجبوراً اس شخص نے تین طلاقیں دے دیں پھر حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا آپ نے فرمایا لوٹ کر اپنی بیوی کے پاس چلا جا۔ یہ طلاق نہیں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ نے بھی اپنے مسلک کی تائید میں چند احادیث نقل کی ہیں جن میں سے ایک حدیث حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تین چیزیں ہیں جن میں سنجیدگی تو سنجیدگی ہی ہے اور ان میں مذاق بھی سنجیدگی (کا حکم رکھتی) ہے نکاح، طلاق، رجعت، رواہ ابو داؤد والترمذی وابن ماجہ واحمد والحاکم والدار قطنی۔ ترمذی نے اس کو حسن اور حاکم نے صحیح کہا ہے۔

ابن جوزیؒ نے کہا اس کی سند میں ایک راوی عطاء بن عجلان ہے جو متروک الحدیث ہے حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے، ابن جوزی سے غلطی ہو گئی انہوں نے عطاء کو عطاء بن عجلان سمجھ لیا حالانکہ عطاء بن عجلان نہیں عطاء بن ابی رباح ہے (جو قوی راوی ہے) ابو داؤد کی روایت میں اس کی صراحت آئی ہے اور حاکم نے بھی اس کی صراحت کی ہے لیکن اس کی سند میں ایک شخص عبدالرحمن بن حبیر آیا ہے اور اس شخص کے متعلق اختلاف ہے نسائی نے اس کو منکر الحدیث کہا ہے اور دوسرے علماء نے اس کو ثقہ قرار دیا ہے۔ اس اختلاف کی وجہ سے ہم اس حدیث کو حسن کہتے ہیں۔

## ایک شبہ

تصرف شرعی کے لئے صاحب تصرف کا بااختیار ہونا ضروری ہے اگر بطور ہزل (یعنی مذاق کے طور پر) کوئی طلاق دے دے تو اس کا یہ کلام بھی اپنے اختیار سے ہی ہوتا ہے البتہ وہ کلام کے حکم (یعنی طلاق پر) راضی نہیں ہوتا مگر رضا قلب کو وقوع طلاق میں کوئی دخل نہیں ہے لہٰذا وہ شخص جس نے اپنے اختیار سے بطور ہزل طلاق دے دی ہو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی لیکن اکراہ میں تو متکلم کا اختیار نہیں ہوتا اس سے سرزد ہونے والی طلاق کو ہزل کی طلاق سے کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے۔

## ازالہ

ہم کہتے ہیں جس شخص پر جبر کیا گیا وہ بھی تو بااختیار ہوتا ہے اس کا کلام بھی اختیار ہی کے ساتھ ہوتا ہے اور کامل اختیار کے ساتھ ہوتا ہے اور ہزل کے طور پر طلاق دینے والے کی طرح وہ بھی حکم کلام (یعنی طلاق) کو پسند نہیں کرتا وہ خوب واقف ہوتا ہے کہ جبر کرنے والے کی مخالفت بھی تکلیف دہ ہے اور وقوع طلاق بھی دکھ دینے والا ہے مگر دونوں میں آسان مصیبت کو وہ جان کر اختیار کرتا ہے لہٰذا مکرہ (مجبور) کی طلاق کا واقع ہونا ضروری ہے۔

Marfat.com

ابن ہمام نے لکھا ہے، نفی حکم طلاق میں اکراہ کو کوئی دخل نہیں جب حضرت حذیفہؓ اور ان کے والد سے کفار نے قسم لے لی تھی تو رسول اللہ ﷺ نے دونوں حضرات سے فرمایا ہم کافروں کی طرف سے لئے ہوئے عہد کو پورا کریں گے اور اللہ سے ان کے خلاف مدد چاہیں گے۔ اس حدیث میں حضور ﷺ نے بتادیا کہ قسم اپنی خوشی سے کھائی جائے یا کسی کے جبر سے دونوں برابر ہیں محض لفظ پر جو حکم مرتب ہوتا ہے اس کی نفی میں اکراہ کو کوئی دخل نہیں (اختیار سے اس لفظ کا صدور ہو یا اکراہ سے دونوں برابر ہیں) بیع کی حالت اس سے جدا ہے بیع کی صحت کا تعلق الفاظ یا قائم مقام الفاظ سے ضرور ہے مگر دل سے رضامندی ضروری ہے اور اکراہ کی صورت میں یہ رضامندی نہیں ہوتی۔ امام ابو حنیفہؒ کے قول کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کے راوی حضرت ابو ہریرہؓ ہیں (حضور ﷺ نے فرمایا) ہر طلاق نافذ ہے سوائے پاگل، مغلوب العقل کی طلاق کے۔ ترمذی نے کہا، ہم کو یہ حدیث صرف عکرمہ بن خالد کی وساطت سے بروایت ابو ہریرہؓ معلوم ہوئی ہے عطاء بن عجلان از عکرمہ کی روایت سے بھی یہ حدیث آئی ہے مگر عطاء ضعیف اور منکر الحدیث ہے (اس لئے عطاء کی وساطت سے اس حدیث کی روایت ناقابل اعتبار ہے)

امام شافعیؒ کے قول کی تائید میں صفوان بن اصم کی روایت کردہ حدیث بھی آئی ہے صفوان نے ایک صحابی کی روایت سے بیان کیا کہ ایک شخص اپنی بیوی کے ساتھ سو رہا تھا بیوی یکدم اٹھی اور چھری لے کر مرد کے سینہ پر بیٹھ گئی اور چھری اس کے حلق پر رکھ کر بولی مجھے طلاق دے دے ورنہ تجھے ذبح کر دوں گی۔ مرد نے اس کو اللہ کا واسطہ دیا مگر وہ نہ مانی، آخر مرد نے اس کو تین طلاقیں دے دیں اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر واقعہ عرض کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا طلاق میں قیلولہ نہیں۔

ابن جوزی کا بیان ہے کہ بخاری نے کہا طلاقِ مکرَہ کے بارے میں صفوان بن اسم کی روایت کردہ حدیث منکر ہے اس کو نہیں مانا جائے گا۔

ابن ہمام نے حضرت عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ چار مسئلے مبہم ناقابلِ حل ہیں جن کی کوئی واپسی نہیں نکاح، طلاق، غلاموں کی آزادی اور صدقہ (یعنی ان چاروں میں اکراہ اور جبر سے بھی حکم مرتب ہو جاتا ہے)

میں کہتا ہوں، بظاہر امام ابو حنیفہؒ کا استدلال قوی ہے اور اگر احادیث میں تعارض تسلیم بھی کر لیا جائے تو قیاس کی طرف رجوع لازم ہے اور قیاس چاہتا ہے کہ (مکرہ کی) طلاق، عتاق وغیرہ کا وقوع ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

یہ (ایمان کے بعد کفر یا وعید) اسوجہ سے ہے کہ انہوں نے دنیوی زندگی کو اخروی زندگی پر ترجیح دے رکھی ہے اور یہ (سبب بھی ہے) کہ اللہ ان لوگوں کو راہ پر نہیں لاتا۔ جو (اس کے علم میں) کافر ہیں یعنی ایسا راستہ نہیں بتاتا کہ وہ ایمان پر جم جائیں اور نہ ان کو کج روی سے بچاتا ہے۔ اللہ نے اس آیت میں کافروں کے کفر کے دو سبب بیان فرمائے۔ ایک ظاہری دوسرا حقیقی ظاہری سبب تو یہ تھا کہ انہوں نے خود کفر کو پسند کر رکھا تھا اور آیاتِ الٰہی میں غور نہیں کرتے تھے اور حقیقی سبب یہ تھا کہ اللہ ان کو ہدایت یاب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کے اعمال جبر اور قدر کے درمیان ہیں (نہ انسان بالکل قادر ہے نہ محض مجبور اور بے اختیار)

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اور یہ ہی لوگ (انجام سے) بالکل غافل ہیں۔

دلوں پر مہر لگنے کی وجہ سے حق کو حق نہیں جانتے اور کانوں پر مہر لگنے کی وجہ سے حق کو گوشِ قبول سے نہیں سنتے اور آنکھوں پر مہر لگنے کی وجہ سے چشم عبرت اندوز سے آیاتِ خداوندی کو نہیں دیکھتے پس یہ بالکل غافل ہیں کہ صانع عالم کی طرف سے غافل ہیں باوجودیکہ جانور اور بے عقل پتھر بھی اپنے بنانے والے سے بے خبر نہیں ہیں۔

Marfat.com

لَاجَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ (اس لئے) لازمی بات ہے کہ آخرت میں یہ ہی لوگ گھاٹے میں رہیں گے کیونکہ انہوں نے اپنی زندگیاں بالکل بے کار کھو دیں ایسے کاموں میں عمروں کو ضائع کیا جو دوامی عذاب میں ان کو لے جائیں گے اور کوئی ایسا عمل نہیں کیا جو عذاب سے بچا سکے، اور منزل کامیابی تک پہنچا سکے۔ برخلاف گناہ گار مسلمانوں کے یہ بھی اپنی زندگیوں کا بیشتر حصہ نفسانی خواہشات اور گناہوں میں برباد کرتے ہیں لیکن انہوں نے چونکہ توحید کا دامن پکڑ لیا ہے اس لئے کبھی نہ کبھی عذاب الٰہی سے ان کو نجات مل جائے گی اور توحید کا عقیدہ ان کو جنت میں لے جائے گا۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۱۰﴾ پھر بیشک آپکا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے مبتلائے کفر ہونے کے بعد (ایمان لا کر) ہجرت کی پھر جہاد کیا اور (ایمان پر) قائم رہے تو آپ کا رب ان اعمال کے بعد ان کی بڑی مغفرت کرنے والا اور (ان پر) بڑی رحمت کرنے والا ہے۔

چونکہ مسلمانوں کے اور کفر پر قائم رہنے والوں کے حالات میں بڑا بُعد تھا اس لئے لفظ ثم استعمال کیا۔ فُتِنُوْا یعنی ان کو اسلام سے روکا گیا اور بڑے بڑے دکھ دیئے گئے ابن سعد نے طبقاتِ کبریٰ میں عمر بن حاکم کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت عمار بن یاسرؓ کو ایسے سخت دکھ دیئے جاتے تھے کہ وہ بالکل بدحواس ہو جاتے تھے اور ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں (اور کیا کریں) حضرت صہیبؓ، حضرت ابوفکیہہؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عمار بن فہیرہؓ اور کچھ دوسرے مسلمانوں کی بھی یہی حالت تھی اور ایسے ایسے سخت دکھ ان کو دیئے جاتے تھے کہ وہ حواس باختہ ہو جاتے تھے ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کہیں (اور کیا کریں) انہی حضرات کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اس آیت کا نزول ابوجہل کے رضاعی بھائی عیاش بن ابی ربیعہؓ، ابوجندل بن سہیل بن عمروؓ، ولید بن ولید بن مغیرہؓ، سلمہ بن ہشامؓ اور عبیداللہ بن اُسید ثقفیؓ کے متعلق ہوا مشرکوں نے ان کو سخت اذیتیں دی تھیں، انہوں نے مشرکوں کی ایذا سے بچنے کے لئے کچھ ایسے الفاظ کہہ دیئے جو مشرک کہلوانا چاہتے تھے۔ پھر مکہ چھوڑ کر مدینہ کو چلے گئے۔

پھر انہوں اور جہاد کیا یعنی رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ہو کر کافروں سے لڑے اور صبر کیا یعنی ایمان، اطاعتِ الٰہی، جہاد اور برداشتِ مصائب پر ثابت قدم رہے اور گناہوں سے اپنے آپ کو روکے رکھا۔ (صبر کے بعد اگر علیٰ لفظ آتا ہے تو جم جانے اور ثابت قدم رہنے کا معنی ہوتا ہے اور اگر صبر کے بعد عَنْ آتا ہے تو بچنے، گریز کرنے اور باز رہنے کا معنی ہوتا ہے اور چونکہ آیت میں صَبَرُوْا کے بعد عَلٰی ہے نہ عَنْ اس لئے دونوں معنی ہو سکتے ہیں، اس لئے تفسیر میں ثابت قدم رہنے اور گناہوں سے باز رہنے کے الفاظ سے مرادی مطلب بیان کیا گیا ہے۔ (مترجم)

حسن بصریؒ اور عکرمہ نے کہا اس آیت کا نزول عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کے متعلق ہوا عبداللہ رسول اللہ ﷺ کا کاتب تھا پھر مرتد ہو کر عیسائی ہو گیا اور کافروں سے جا ملا، فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے اس کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا عبداللہ چونکہ حضرت عثمان بن عفانؓ کا اخیافی بھائی تھا اس لئے اس نے حضرت عثمانؓ سے پناہ کی درخواست کی حضرت عثمانؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی سفارش کر دی اور حضور ﷺ نے اس کو پناہ دے دی (اور قتل کا حکم واپس لے لیا) اس کے بعد عبداللہ پکا مسلمان ہو گیا اور اس کی اسلامی حالت بہت اچھی رہی۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

ابن عامر کی قرأت میں فُتِنُوْا آیا ہے، یعنی کافر ہونے اور مسلمانوں کو دکھ پہنچانے کے بعد ایمان لا کر انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا (اس صورت میں) اس آیت کا نزول عامر حضرمی اور ان کے غلام جبر کے متعلق قرار دیا جائے گا جبر مسلمان ہو گئے تھے۔ عامر ان کو طرح طرح کے دکھ دیتے تھے، یہاں تک کہ جبر (بظاہر) مرتد ہو گئے تھے کچھ مدت کے بعد عامر خود مسلمان اور پختہ مسلمان ہو گئے اور جبر کو جن کو زبردستی مرتد بنایا گیا تھا ساتھ لے کر ہجرت کر کے مدینہ میں آ گئے اور رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب رہ کر کافروں سے جہاد کیا اور مصائب پر صبر کیا۔

Marfat.com

مِنْ بَعْدِهَا یعنی ہجرت، جہاد اور صبر کے بعد۔ پچھلے گناہوں کو اللہ معاف کرنے والا، اور آئندہ دنیا و آخرت میں ان کے اعمال کے موافق نعمت و راحت عطا کرنے والا ہے۔

مکرر اِنَّ رَبَّکَ کا ذکر محض لفظی تاکید ہے۔

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا وَتُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾

جس روز ہر شخص اپنی ہی طرف داری میں بات کریگا اور ہر شخص کو اس کے کئے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

یَوْمَ کا تعلق رَحِیْمٌ سے ہے یعنی اس روز اللہ تم پر مہربان ہوگا جس روز، یا اُذْکُرْ محذوف سے تعلق ہے یعنی یاد کرو اس دن کو جس دن.....

تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا یعنی ہر شخص کو اپنی ہی پڑی ہوگی ہر شخص کو اپنے ہی بچاؤ کی فکر اور کوشش ہوگی، دوسرے کا خیال بھی نہ ہوگا۔ کافر کہے گا اے ہمارے مالک! انہوں نے ہم کو گمراہ کیا تھا، اے ہمارے مالک ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کا کہا مانا، ہم اپنے رب کی قسم کھا کر کہتے ہیں جو معبود برحق ہے کہ ہم (خود) مشرک نہیں تھے۔ ہم کو دوبارہ دنیا میں لوٹا دے ہم نیک عمل کریں گے مؤمن کہے گا اے رب میں تجھ سے اپنی جان کی امان مانگتا ہوں مجھے کافر لوگوں کے ساتھ شامل نہ کر دینا۔

ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا۔ قیامت کے دن جہنم کو کہاں سے لایا جائے گا۔ فرمایا: ساتویں زمین سے لایا جائے گا اس کی ایک ہزار سال کی مسافت پر رہ جائے گی تو ایک سانس کھینچے گی جس کی وجہ سے ہر مقرب فرشتہ اور ہر نبی مرسل دوزانو بیٹھ کر عرض کرے گا، اے میرے مالک! میری جان (بچا دے) بغوی نے لکھا ہے، حضرت عمر بن خطابؓ نے کعب احبارؒ سے فرمایا (کچھ آخرت کا تذکرہ کر کے) ہمارے اندر (اللہ کا) خوف پیدا کر دو۔ کعب احبارؒ نے عرض کیا: امیر المؤمنین! اگر ستر پیغمبروں کے برابر عمل کر کے آپ قیامت کا دن پائیں گے تب بھی قیامت آپ پر بار بار ایسے حالات لائے گی کہ اس وقت آپ کو اپنی جان کے علاوہ کسی دوسرے کا خیال ہی نہیں رہے گا جہنم ایک ایسا دم کھینچے گی کہ ہر مقرب فرشتہ اور ہر برگزیدہ نبی دوزانو بیٹھ جائے گا یہاں تک کہ حضرت ابراہیمؑ بھی کہہ اٹھیں گے میں تجھ سے صرف اپنی جان کی امان مانگتا ہوں اس کی تصدیق اللہ کی بھیجی ہوئی آیت میں موجود ہے ارشاد فرمایا ہے یَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا۔

عکرمہ نے اس آیت کے ذیل میں حضرت ابن عباسؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا قیامت کے دن لوگوں میں باہم جھگڑا برابر ہوتا رہے گا یہاں تک کہ روح اور بدن میں بھی باہم جھگڑا ہوگا، روح کہے گی اے میرے رب! نہ میرے ہاتھ تھے جن سے میں پکڑتی نہ میرے پاؤں تھے جن سے میں چلتی نہ میری آنکھ تھی کہ میں دیکھتی (جو کچھ بداعمالی ہے وہ اس بدن کی ہے) بدن کہے گا تو نے مجھے لکڑی کی طرح (بے حس، بے شعور، بے جان) پیدا کیا تھا میرے ہاتھ نہ تھے کہ میں پکڑتا میرے پاؤں نہ تھے کہ میں چلتا نہ میری آنکھیں تھیں کہ ان سے دیکھتا۔ جب یہ میرے اندر نور کی شعاع کی طرح آئی تو میری زبان بولنے لگی میری آنکھ بینا ہو گئی اور میرے پاؤں رواں ہو گئے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اللہ نے روح اور جسم کو اس طرح بنایا ہے جیسے ایک اندھا اور ایک لاچ کسی کے باغ میں پہنچ گئے باغ میں درختوں پر پھل لگے ہوئے تھے، اندھا تو پھلوں کو دیکھ ہی نہ سکتا تھا اور لاچ (دیکھتا تو تھا) پھلوں تک پہنچ نہ سکتا تھا آخر اندھے نے لاچ کو اپنے اوپر سوار کر لیا اس طرح دونوں نے پھل حاصل کر لئے (اور دونوں چوری کے مجرم قرار پائے) روح اور بدن بھی دونوں اسی طرح عذاب میں پکڑے جائیں گے۔

تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا میں نفس سے مراد ذات ہے۔ عین شی اور ذات شی کو نفس شی کہا جاتا ہے اور جو عین اور ذات نہ ہو اس کو غیر کہتے ہیں یعنی ہر شخص اپنی ذات کی طرف سے دفاع کرے گا۔

لَا يُظْلَمُونَ کا یہ مطلب ہے کہ کسی کا ثواب کم نہیں کیا جائے گا، کسی کی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔

Marfat.com

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ

اور اللہ ایک بستی والوں کی حالت عجیب بیان فرماتا ہے کہ وہ بڑے امن اور اطمینان سے رہتے تھے ان کے کھانے کی چیزیں بڑی فراغت سے ہر طرف سے ان کے پاس پہنچا کرتی تھیں۔ پس انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کی۔ یعنی اللہ نے ایک بستی کو جس کے اوصاف مندرجۂ آیات تھے۔ ہر اس قوم کو مثال کے طور پر بیان فرمایا جس کو اللہ نے اپنی نعمتوں سے نوازا، پھر بجائے شکر کرنے کے وہ مغرور ہو گئے اور کفر کرنے لگے۔ آخر اللہ نے ان کو عذاب میں گرفتار کر دیا۔ قریۃ سے مراد ایک مفروضہ بستی ہے جس کو بطورِ مثال ذکر کیا گیا ہے اور ممکن ہے کوئی ایسی بستی گذری ہو جس کا ذکر اللہ نے مکہ کی تشبیہ دینے کے لئے کیا ہے تاکہ اہلِ مکہ کو ان کے بُرے انجام کا تذکرہ پڑھ کر عبرت حاصل ہو۔

بغوی نے لکھا ہے قریۃ سے مراد مکہ ہی ہے۔ اس تفسیر پر مکہ کا ذکر دوسری بستیوں کو سبق سکھانے کے لئے ہوگا۔[1]

آمِنَةً: امن چین سے، نہ ڈاکوؤں کا خوف نہ کسی کے حملے کا اندیشہ۔

مُّطْمَئِنَّةً: اپنی جگہ برقرار سکون سے رہنے والے تنگ دستی یا دشمن کے خوف کی وجہ سے ترکِ سکونت نہ کرنے والے۔ عام عرب آبادی کو ہر وقت دشمنوں کے حملے کا خطرہ لگا رہتا تھا اور غذائی اشیاء کی بھی کمی تھی اس لئے بہت زیادہ خانہ بدوش رہتے تھے۔ لیکن مکہ والوں کی یہ کیفیت نہ تھی ان کو کھانے پینے کی رسد مِنْ كُلِّ مَكَانٍ ہر طرف اور ہر جگہ سے پہنچتی تھی خشکی کے راستہ سے بھی اور سمندر کے ذریعہ سے بھی۔

فَكَفَرَتْ اس بستی نے یعنی اس کے باشندوں نے ناشکری کی۔

بِاَنْعُمِ اللّٰهِ اللہ کی نعمتوں کی اَنْعُمٌ نعمت کی جمع ہے یا نُعْمٌ کی جیسے دِرْعٌ کی جمع اَدْرُعٌ اور بُؤْسٌ کی جمع اَبْؤُسٌ آتی ہے۔

فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ اس پر اللہ نے ان کو ان کے حرکات کے سبب ایک محیط قحط اور خوف کا مزہ چکھایا۔

مزہ چکھانے سے مراد ہے بھوک اور خوف کے ضرر کے اثر کا محسوس کرانا اور لباس سے مراد ہے وہ اثر جو بھوک اور خوف کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے یعنی لاغری اور رنگ کا تغیر۔

مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ سے مراد ہے کفر اور ناشکری۔

بغوی نے لکھا ہے اہلِ مکہ سات برس تک کال میں مبتلا رہے رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تمام عرب نے مکہ کو کھانے پینے کا سامان بھیجنا بند کر دیا ہر طرف سے رسد کی بندش ہو گئی اور اس قدر فاقوں کی نوبت آ گئی کہ لوگوں نے جلی ہوئی ہڈیوں مردار جانور مُردہ کتے اور علز یعنی اونٹوں کے اون اور خون کا پکا ہوا مخلوط قوام تک کھا لیا فاقوں کی وجہ سے نظر کی یہ حالت ہو گئی کہ آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھتے تھے تو دھواں سا نظر آتا تھا اس حالت سے مجبور ہو کر سردارانِ مکہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا دشمنی تو مَردوں سے ہے عورتوں اور بچوں کا کیا قصور ہے آخر رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو غلہ کی رسد پہنچانے کی اجازت دے دی اور عرب مکہ کو خوردنی جنس بھیجنے لگے۔ اہلِ مکہ اس زمانہ میں مشرک تھے۔

میں کہتا ہوں، یہ سورت تو مکی ہے اور مکہ والوں پر جو ہفت سالہ قحط پڑا اور رسول اللہ ﷺ کے فوجی دستوں کے حملہ کرنے کا خوف ہوا وہ ہجرت کے بعد ہوا، لامحالہ ان آیات کو یا تو مدنی تسلیم کیا جائے گا یا قریۃ سے مراد مکہ نہ ہوگا کوئی اور بستی ہوگی جس کا ذکر اللہ نے بطورِ تمثیل کیا ہے تاکہ اس کی بدانجامی کو سن کر اہلِ مکہ کو بھی خوف پیدا ہو اور چونکہ اہلِ مکہ اس ذکر کے بعد بھی

[1] سلیم بن عمر کا بیان ہے میں امّ المؤمنین حضرت حفصہؓ کے ساتھ تھا۔ آپ مکہ سے نکل کر مدینہ کو جا رہی تھیں راستہ میں اطلاع ملی کہ حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے گئے آپ فوراً لوٹ پڑیں اور فرمایا تم بھی میرے ساتھ لوٹ آؤ قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے یہ وہی بستی ہے جس کا ذکر اللہ نے آیت قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً میں کیا ہے۔ اِزالۃ الخفاء۔

Marfat.com

عبرت اندوز نہیں ہوئے اس لئے ان کا بھی وہی نتیجہ ہوا جو مذکورہ بستی والوں کا ہوا تھا۔

وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور ان کے پاس انہیں میں کا ایک رسول (اللہ کی طرف سے) آیا سو اس رسول کو انہوں نے جھوٹا بتلایا آخر اللہ کے عذاب نے ان کو آپکڑا جب کہ وہ بالکل ہی ظلم پر کمر باندھنے لگے۔

اللہ نے قریہ کے ذکر کے بعد اہل مکہ کے ذکر کی طرف کلام کا رُخ پھیر دیا۔ ضمیر اہل مکہ کی طرف راجع ہے اور رسول اللہ ﷺ سے مراد محمد ﷺ ہیں اور عذاب سے مراد ہے سخت کال یا بدر کا واقعہ۔

یہ آیت خود دلالت کر رہی ہے کہ اس کا نزول ہجرت کے بعد ہوا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ کفرت کی ضمیر سے حال ہو اور رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ سے وہ پیغمبر مراد ہو جو اہل قریہ کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تھا۔

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

سو جو چیزیں اللہ نے تم کو حلال پاک دی ہیں انکو کھاؤ اور اللہ کی نعمت کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو۔

كُلُوْا سے مسلمانوں کو خطاب ہے جن کو اللہ نے کفر سے نکالا اور اسلام کی ہدایت کی۔

نِعْمَتَ اللّٰهِ سے مراد رسول اللہ ﷺ کی نبوت اور دوسری دنیوی نعمتیں ہیں جو اللہ نے مؤمنوں کو عطا فرمائی ہیں۔ پہلے اللہ نے کفر پر توبیخ کی اور ایک ناشکری قوم کی مثال دے کر ان کا نتیجہ بد اور ان پر عذاب نازل ہونے کا ذکر کیا تاکہ مشرک اعمال جاہلیت سے کنارہ کش ہو جائیں اور باطل مذاہب چھوڑ کر ایمان لے آئیں۔ اس آیت میں اہل ایمان کو خطاب کر کے حلال چیزوں کو کھانے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔

بعض علماء نے کہا جن لوگوں کو سابق آیت میں خطاب کیا تھا انہیں کو اس آیت میں بھی خطاب کیا ہے۔ پہلی آیت جو کفر پر زجر کی تھی اس آیت میں نعمت کا شکر ادا کرنے اور حلال چیزوں کو کھانے کا حکم دیا۔ کفار کا دعوٰی تھا کہ ہم صرف اللہ واحد کی عبادت کرتے ہیں اور بتوں کی پوجا تو صرف اس لئے کرتے ہیں کہ یہ اللہ سے ہماری شفاعت کریں گے (اس آیت کے آخری جملہ میں تنبیہ کے طور پر فرمایا کہ اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو تو اس کی نعمت کا شکر ادا کرو اور جو چیز اس نے حلال اور پاکیزہ قرار دی ہے اس کو کھاؤ اور جس چیز کو کھانے کی اس نے ممانعت کی ہے اس کو نہ کھاؤ)

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۚ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾

تم پر تو صرف مردار کو حرام کیا ہے اور خون کو خنزیر کے گوشت (وغیرہ) کو اور اس چیز کو جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کے لئے نامزد کر دی گئی ہو اس حکم کے بعد اگر کوئی بہت ہی سخت مجبور ہو بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ حد (ضرورت) سے آگے بڑھنے والا ہو (اور اس حالت میں ان چیزوں میں سے کچھ کھالے) تو اللہ معاف کرنے والا مہربان ہے اور جن چیزوں کے بارے میں محض تمہارا جھوٹا زبانی دعوٰی ہے ان کی نسبت یوں مت کہو کہ فلاں چیز حلال ہے اور فلاں چیز حرام ہے جس کا حاصل یہ ہوگا کہ اللہ پر جھوٹی تہمت باندھو گے بلاشبہ جو لوگ اللہ پر خود تراشیدہ دروغ بندی کرتے ہیں وہ فلاح نہ پائیں گے۔

کفار از خود بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام کہتے تھے۔ مثلاً کہتے تھے مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا یہ پیٹ کے اندر کے بچے صرف ہمارے مردوں کے لئے حلال ہیں یا بحیرہ اور سائبہ (جیسے بجاروں اور سانڈوں) کو حرام قرار دیتے تھے۔



Marfat.com

اللہ نے صرف یہ چیزیں حرام کی ہیں، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ باقی تمام درندے، کیڑے مکوڑے حلال کر دیئے ہیں بلکہ یہ حصر اضافی ہے یعنی کافروں نے جن چیزوں کو از خود حرام بنا رکھا ہے وہ خدا کی حرام کردہ نہیں ہیں اللہ نے تو صرف یہ چیزیں حرام کی ہیں۔ چونکہ حصر اضافی ہے اس لئے صحیح احادیث سے ان چیزوں کے علاوہ دوسری چیزوں کی جو حُرمت ثابت ہے وہ قرآنی عبارت کے خلاف نہیں ہے اس کی پوری تفصیل سورۂ مائدہ میں گزر چکی ہے۔[1]

اَلْكَذِبَ: لَا تَقُوْلُوْا کا مفعول ہے یعنی تم جو اپنی زبانوں سے جھوٹ کہتے ہو اور کسی کو از خود حلال اور کسی کو حرام بناتے ہو اس کی حلّت و حرمت کو اللہ پر مت باندھو اور اس کی تحریم و تحلیل کو اللہ کا حکم مت قرار دو اور صرف اپنی زبانوں سے اشیاء کی حُرمت و حلّت کا فیصلہ بغیر دلیل کے نہ کرو۔

مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۖ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾ (دنیا میں ان کے لئے یہ) چند روزہ عیش ہے اور (آخرت میں) دردناک سزا ہے۔ یعنی جس عیش کے لئے یہ افترا بندی کرتے ہیں وہ بہت ہی حقیر اور زوال پذیر ہے۔ عنقریب فنا ہو جائے گا اور اس افترا بندی کی سزا مرنے کے بعد بڑی دردناک ہوگی۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

اور صرف یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں۔

جن کا بیان ہم آپ سے اس سے پہلے کر چکے ہیں اور ہم نے ان پر کوئی زیادتی نہیں کی بلکہ وہ خود ہی اپنے اوپر زیادتی کیا کرتے تھے سورۂ انعام میں پہلے اللہ بیان کر چکا تھا وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ الخ

مَا ظَلَمْنٰهُمْ یعنی بعض حلال چیزوں کو یہودیوں کے لئے ہم نے حرام کر کے ان پر زیادتی نہیں کی تھی بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر زیادتی کی تھی اس کی سزا میں ان کے لئے بعض حلال چیزیں حرام کر دی گئی تھیں۔

آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ کسی چیز کی حُرمت بھی تو اس لئے ہوتی ہے کہ اس کے کرنے میں ضرر اور نہ کرنے میں فائدہ ہوتا ہے اور کبھی محض سزا کے طور پر بھی حلال چیزوں کو حرام کر دیا جاتا ہے۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾ ع ۱۵ ۲۱

پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے نادانی کے سبب گناہ کر لیا ہو پھر اس کے بعد توبہ کر کے اعمال درست کر لئے ہوں بلاشبہ توبہ کے بعد آپ کا رب (ان کو) معاف کر دینے والا بڑا مہربان ہے۔

عَمِلُوا السُّوْٓءَ بدی کفر ہو یا گناہ۔ بِجَهَالَةٍ نہ جاننے کے سبب یا جہالت کی حالت میں یعنی اللہ کو اور اس کے عذاب کو نہ جاننے کی حالت میں اور نتیجہ پر غور نہ کرنے کے سبب محض خواہشِ نفس کے زیر اثر کوئی گناہ کر لیا ہو۔ لَغَفُوْرٌ اس گناہ کو معاف کر دینے والا ہے۔ رَّحِيْمٌ بڑا مہربان ہے توبہ کرنے اور اللہ کی طرف رجوع ہو جانے کا ثواب عطا فرمائے گا۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۲۱﴾ بے شک ابراہیمؑ بڑے مقتدا تھے۔ اللہ تعالیٰ کے فرماں بردار تھے۔ بالکل ایک طرف کے (یعنی اللہ کی طرف کے) ہو رہے تھے شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے اللہ نے ان کو منتخب کر لیا تھا اور ان کو سیدھے راستے پر ڈال دیا تھا۔

[1] حضرت ابو النضرہ نے فرمایا، میں نے جب سورۂ نحل کی آیت وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ پڑھی ہے اس وقت سے آج تک (کسی چیز کی حُرمت و حلّت کا) فتویٰ دینے سے ڈرتا ہوں۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا آئندہ لوگ (از خود) کہیں گے کہ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے اور اس کی ممانعت کی ہے اور اللہ فرمائے گا تو جھوٹا ہے یا بعض لوگ کہیں گے اس کو اللہ نے حلال کر دیا ہے اور اس کو حرام کر دیا ہے اور اللہ اس سے فرمائے گا تو نے جھوٹ کہا۔ ازالۃ الخفاء (از مفسّر)

Marfat.com

امت کے معانی صاحب قاموس نے حسب ذیل بیان کئے ہیں وہ شخص جس میں ہر طرح کی اچھائی اور خوبی ہو۔ وہ شخص جو حق پر ہو اور تمام مذاہب (باطلہ) کا مخالف ہو، چستی، طاعت، عالم وغیرہ۔ حضرت ابراہیمؑ کے اندر اتنے فضائل اور محاسن جمع تھے جو متعدد اشخاص میں بھی پائے جائے دشوار ہیں۔ آپ سب لوگوں کے مقتدا تھے، حق پر قائم تھے، تمام باطل مذاہب کے مخالف تھے، (اللہ کی فرماں برداری میں) مجسم نشاط و طاعت تھے اللہ اور اسکے احکام کو جانتے تھے۔

حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا حضرت ابراہیمؑ معلم خیر تھے دنیا کے لوگ آپ کی اقتدا (کا دعویٰ) کرتے ہیں۔

اُمّ کا معنی ہے قصد کرنا اُمَّۃٌ بروزن فُعَلَۃٌ بمعنی اسم مفعول ہے یعنی مقصودِ کل۔ مجاہد نے کہا تنہا آپ ہی مؤمن تھے باقی سب لوگ کافر تھے۔

قَانِتًا یعنی اللہ کے فرماں بردار، احکام خداوندی پر قائم، حَنِیْفًا باطل سے پھر جانے والے، حق کی جانب مڑنے والے، بعض علماء نے حنیف کا ترجمہ کیا، دین اسلام پر قائم رہنے والے بعض نے ترجمہ کیا ہے مخلص۔ لَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ قریش کا دعویٰ تھا کہ ہم ابراہیمؑ کے دین پر ہیں اللہ نے اس دعویٰ کی تردید کر دی کہ ابراہیمؑ مشرک نہ تھے (اور تم مشرک ہو) صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ سے مراد ہے دین اسلام اور اللہ کی طرف آنے کی دعوت۔

وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبیاں دی تھیں۔

حَسَنَةً سے مراد ہے پیغمبری اور خالص دوستی۔ حضرت مجدد نے فرمایا حسنہ سے مراد خلّت (خالص دوستی) ہے ہر شخص اپنے خلیل کو ان اسرار سے واقف کرتا ہے جو محب یا محبوب سے تعلق رکھتے ہیں اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنے اور اپنی آل کے لئے اسی طرح کی رحمت نازل ہونے کی درخواست کی تھی جو حضرت ابراہیمؑ اور ان کی آل پر نازل کی گئی تھی آپ نے دعا کی تھی اللّٰھم صل علٰی محمّد وعلٰی آل محمّد کما صلّیت علٰی ابراھیم وعلٰی آل ابراھیم۔

## علامہ مفسرؒ کی زبانِ قلم سے حضرت مجدد الفِ ثانیؒ کی تعریف

رسول اللہ ﷺ خالص محبوبیت کے مرتبہ پر فائز تھے۔ خلّت کا درجہ خالص محبوبیت کے درجہ سے نیچا ہے مقامِ خلّت محبوبیتِ خالصہ کے راستہ میں واقع ہے اس لئے حضور مقامِ خلّت پر نہیں ٹھہرے نہ ٹھہرنے کی اجازت تھی لیکن آپ کی خواہش تھی کہ مقامِ خلّت میں بھی کچھ استقرار کریں اور استقرار کی اجازت مل نہیں سکی اس لئے اللہ نے حضور ﷺ کے متبعین میں سے ایک ہزار سال کے بعد ایک شخص کو مقامِ خلّت میں استقرار عطا فرمادیا۔ تابع کا کمال متبوع کے کمال کا جز ہوتا ہے اور جز کل میں داخل ہوتا ہے پس حضرت مجددؒ کا کمال یعنی مقامِ خلّت میں استقرار رسول اللہ ﷺ کے کمالِ محبوبیت کا ہی ایک حصہ تھا اور حضور ﷺ کے اتباع ہی سے حضرت مجددؒ کو یہ مرتبہ حاصل ہوا تھا۔ کسی گورنر، کمانڈر یا شاہی ملازم کا کسی قلعہ کو سر کرنا یا کسی شہر پر قبضہ کر لینا اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ اس فاتح کا تعلق مرکزِ سلطانی سے ہوتا ہے اور ملازم کی فتح یابی اور قبضۂ سلطانِ معظم کی کامیابی اور فتح ہوتی ہے پس حضرت مجددؒ کو مقامِ خلّت پر فائز کرنا اور استقرار عطا کرنا حقیقت میں رسول اللہ ﷺ کو ہی مقامِ خلّت پر فائز کرنا ہے۔

وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۱۲۲﴾ اور وہ آخرت میں بھی اچھے لوگوں میں ہوں گے "صالحین" سے مراد ہیں انبیاء معصومین۔ صلاح کی تکمیل بغیر عصمت (یعنی تمام گناہوں سے بچنے کی منجانب اللہ توفیق) کے نہیں ہوتی اور عصمت کا تقاضا ہے کہ آخرت میں ہر نیکی کا ثواب بغیر کمی کے پورا پورا ملے اور یہ خصوصیت صرف اہلِ عصمت ہی کی ہے کہ ہر نیکی کا پورا پورا ثواب حاصل ہو کیونکہ کسی صغیرہ یا کبیرہ کا ارتکاب کرنے سے توازنِ اعمال کے وقت نیکیوں کے وزن میں کچھ کمی آ جانے کا احتمال ہے اس لئے اگر رحمتِ خداوندی شاملِ حال نہ ہو تو غیر معصوم کی نیکی کا ثواب مقابلہ گناہ کے وقت کچھ کم ہو سکتا ہے ہاں اگر کوئی گناہ ہی نہ ہو تو نفیِ حسنات کا کوئی احتمال ہی نہیں ہے گویا یہ آیت جواب ہے اس دعا کا جو حضرت ابراہیمؑ نے

Marfat.com

کی تھی اور کہا تھا اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔

ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ؕ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۲۳﴾

پھر ہم نے آپ کے پاس وحی بھیجی کہ آپ ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلیں جو اللہ ہی کی طرف یکسو ہو گئے تھے اور شرک کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔

یعنی توحید میں نرمی کے ساتھ اللہ کی طرف لوگوں کو بُلانے میں پے در پے دلیلیں پیش کرنے میں ہر شخص سے اس کی سمجھ کے مطابق مناظرہ کرنے میں، قبلہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے میں، دینِ ابراہیمی کے اصول و شرائع اختیار کرنے میں ابراہیمؑ کے طریقے پر چلو۔ یہ تمام چیزیں وہ نعمتیں تھیں جو اللہ نے ابراہیمؑ کو عطا فرمائی تھیں اور حضرت ابراہیمؑ نے اللہ کی ان نعمتوں کا شکر ادا کیا تھا اسی طرح رسول اللہ ﷺ کو بھی ان نعمتوں کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا۔ طریقِ ابراہیمؑ کی پیروی میں یہ تمام اُمور داخل ہیں۔

## فائدہ

رسول اللہ ﷺ کو ملّتِ ابراہیمؑ پر چلنے کا حکم دیا کیونکہ حضور ﷺ مرتبۂ خلّت پر پہنچنے کے بڑے مشتاق تھے اور آپکو حضرت ابراہیمؑ سے بہت زیادہ محبت تھی آیت قَدْ نَرٰی تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِی السَّمَآءِ اس محبت پر دلالت کر رہی ہے۔

مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ یہ جملہ دوبارہ ذکر کرنے سے یہودیوں اور اہلِ مکہ اور عیسائیوں کی تردید مقصود ہے کیونکہ یہ سب ملّتِ ابراہیمی پر چلنے کے مدّعی تھے (مگر ان کے مسلک شرک آمیز تھے)

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَیَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

ہفتہ (کے دن کی تعظیم و عبادت اور حرمت کا پاس) تو صرف ان لوگوں پر فرض کیا گیا تھا جنہوں نے اس میں خلاف کیا تھا اور آپ کا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس بات کا فیصلہ کر دے گا جس میں وہ اختلاف کرتے تھے۔

جُعِلَ السَّبْتُ یعنی ہفتہ کے دن کی تعظیم اور دنیا کے تمام مشاغل کی حرمت اور محض عبادت لازم کر دی گئی تھی۔

اِخْتَلَفُوْا فِیْهِ یعنی سنیچر کے معاملہ میں انہوں نے اپنے پیغمبر کی مخالفت کی یہ بیان ہے بنی اسرائیل کو حضرت موسیٰ نے حکم دیا تھا کہ ہر سات دن میں ایک روز یعنی جمعہ کے دن کوئی کام اور پیشہ نہ کریں صرف عبادت کیا کریں چھ دن اپنے پیشے کیا کریں۔ بنی اسرائیل نے کہا ہم تو (عبادت کے لئے مخصوص) وہ دن چاہتے ہیں جس روز اللہ سارے عالم کی پیدائش سے فارغ ہو گیا تھا یعنی سنیچر کا دن۔ اللہ نے سنیچر کا دن مقرر کر دیا اور سختی کر دی (کہ ان کے پابند رہیں) پھر حضرت عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کے سامنے جمعہ کے دن کو پیش کیا (یعنی جمعہ کا دن عیسائیوں کے لئے مقرر کیا) کہنے لگے، ہم کو تو یہ بات پسند نہیں کہ ہماری عید کے بعد ہی ان (یہودیوں) کی عید ہو جائے غرض عیسائیوں نے (عبادت کے لئے) اتوار کا دن پسند کر لیا آخر اللہ نے جمعہ کا دن اس امت کو دے دیا اور اس امت نے عطاءِ الٰہی کو قبول کر لیا اور اللہ نے امتِ اسلامیہ کو اس دن کی برکات بھی عطا فرما دیں۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، ہم (دنیا میں) پیچھے ہیں قیامت کے دن آگے ہوں گے باوجود اس کے کہ ان کو کتاب ہم سے پہلے دی گئی اور ہم کو ان کے پیچھے پھر یہ ان کا دن تھا جو ان پر فرض کیا گیا تھا یعنی جمعہ کا دن پر انہوں نے اس کی مخالفت کی لیکن اللہ نے ہم کو اس کی ہدایت کر دی سب لوگ اس روز عبادت میں ہمارے پیچھے ہیں یہودیوں کے لئے کل کا دن ہے (یعنی سنیچر) اور عیسائیوں کے کل کے بعد کا دن (یعنی اتوار)

بغوی کی روایت میں اس حدیث کے آخر میں اتنا زائد ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا فِیْهِ۔

Marfat.com

مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت حذیفہؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے، جس کے آخر میں الفاظ ہیں ہم دنیا والوں سے پیچھے ہیں اور قیامت کے دن اوّل ہوں گے ہمارا فیصلہ اور لوگوں سے پہلے کر دیا جائے گا۔

بعض علماء نے آیت کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ اللہ نے سنیچر کے دن کی تعظیم اور حُرمت صرف ان لوگوں کے لئے لازم کی تھی جنہوں نے اس کے سلسلے میں اختلاف کیا تھا یعنی یہودیوں پر سنیچر کی تعظیم لازم کی تھی مگر لوگوں میں اختلاف ہو گیا۔ بعض لوگوں نے کہا سنیچر کا دن سب سے بڑی عظمت کا دن ہے۔ اللہ تمام چیزوں کو پیدا کر کے جمعہ کے دن فارغ ہو گیا اور سنیچر کے دن آرام کیا۔

بعض لوگوں نے کہا اتوار کا دن سب سے زیادہ عظمت والا ہے۔ اللہ نے اسی روز مخلوق کو پیدا کرنے کا افتتاح کیا تھا۔ غرض یہ کہ اللہ نے ان کے لئے جمعہ کی تعظیم فرض کی تھی مگر خدا کے فرض کردہ دن کے علاوہ انہوں نے دوسرے ایام کی تعظیم کو اختیار کیا۔

بعض اہل تفسیر نے آیت مذکورہ کا یہ مطلب بیان کیا کہ اللہ نے سنیچر کے دن کو لعنت اور صورت بگاڑ دینے کا سبب بنا دیا ان لوگوں کے لئے جنہوں نے اس کے حکم کی مخالفت کی یعنی یہودیوں کے لئے لعنت اور ان کی صُورتیں مسخ ہو جانے کا سبب سنیچر کا دن ہوا۔ بعض یہودیوں نے سنیچر کے دن مچھلی کا شکار حلال بنا لیا تھا اور کچھ دوسرے لوگ اس کو حرام کہتے تھے۔

لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ یعنی اختلاف کے مطابق سزا و جزا دے گا ہر فریق کو وہی بدلہ دے گا جس کا وہ مستحق ہو گا۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ؕ

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ سے بلائیں اور (اگر بحث آپڑے تو) ان کے ساتھ اچھی طرح بحث کریں (کہ تنگ مزاجی اور سخت کلامی نہ ہو) یعنی اے محمدؐ! آپ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں اَلْحِكْمَةُ سے مراد قرآن مجید ہے۔ قرآن ایک محکم مضبوط دلائل کلام ہے جس پر کوئی نکتہ چینی نہیں کی جا سکتی (گویا حِكْمَةٌ بمعنی محکم کے ہے اور اس سے مراد قرآن ہے) اور اَلْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ سے مراد معارضہ ہے مُعارضہ ایسی دلیل کو کہتے ہیں جس سے حق واضح ہو جائے اور شبہات دُور ہو جائیں۔ اس کا حسن یہ ہے کہ دلیل کے ساتھ ترہیب اور ترغیب بھی ہو (یعنی نہ ماننے پر سخت عذاب کا ڈر ہو اور ماننے کے بعد بہترین نتیجہ کی بشارت) بعض علماء نے کہا کہ مَوْعِظَةِ حَسَنَة سے مراد ایسا نرم کلام ہے جس میں درُشتی اور چڑچڑاپن نہ ہو۔

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ یعنی بہت اچھے عمدہ طریقہ سے ان سے مناظرہ کرو اور اس طرح بحث کرو کہ اس میں نفس کی تیزی اور شیطانی وسوسہ کو دخل نہ ہو چڑچڑاپن اور غلبۂ نفسانی کی خواہش نہ ہو بلکہ محض لوجہ اللہ ہو، اور اللہ کا بول بالا کرنا مقصود ہو۔

اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

آپکا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو جو اس کے راستہ میں گم ہوا اور وہی راہِ حق پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔

یعنی آپکا فریضہ تو صرف تبلیغ اور دعوت ہے حصولِ ہدایت اور سزا و جزا کا علم اللہ کو ہے اس کی ذمہ داری آپ کو نہیں جو کوئی گمراہ ہو یا ہدایت یافتہ سب سے واقف اللہ ہے اور وہی ہر ایک کو جزا و سزا دینے والا ہے حاکم نے حضرت جابر بن عبد اللہؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اُحد کے روز جب لوگ میدانِ جنگ سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کو نہ پایا، ایک شخص نے کہا میں نے فلاں چٹان کے پاس ان کو دیکھا تھا وہ کہہ رہے تھے میں اللہ کا اور اللہ کے رسول ﷺ کا شیر ہوں اے اللہ! میں تیرے سامنے اس بات سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں جس کو یہ لوگ (یعنی ابو سفیان وغیرہ) لائے ہیں اور ان لوگوں یعنی مسلمانوں نے جو شکست کھائی ہے ان کی طرف سے میں عُذر خواہ ہوں (اس شخص سے اطلاع پا کر) رسول اللہ ﷺ حضرت حمزہؓ کی طرف آئے اور آپ کی لاش کو دیکھ کر رو دیئے اور جب آپ کے کان ناک کٹے اور صورت بگڑی ہوئی پائی تو چیخ پڑے اور فرمایا کیا

Marfat.com

اس کو ڈھانکنے کے لئے کوئی کپڑا نہیں ہے ایک انصاری نے اپنا کپڑا حضرت حمزہؓ پر ڈال دیا اور اس کے بھائی نے ایک اور کپڑا بھی حضرت حمزہؓ پر ڈال دیا حضور ﷺ نے فرمایا جابرؓ یہ کپڑا تیرے باپ کے لئے ہے (ان کو نعش پر ڈال دو) رسول اللہ ﷺ نے اس وقت یہ بھی فرمایا تجھ پر اللہ کی رحمت ہو، میں جس طرح تجھے جانتا تھا تو ویسا ہی بڑا نیکو کار اور کنبہ پرور تھا اگر صفیہ رنجیدہ نہ ہوتی یا یہ فرمایا اگر ہماری عورتوں کو رنج نہ ہوتا تو میں تجھے (یونہی) ایسی حالت میں چھوڑ دیتا کہ تیرا حشر درندوں کے پیٹوں اور پرندوں کے پوٹوں سے قیامت کے دن ہوتا یعنی بغیر دفن یونہی چھوڑ دیتا کہ درندے اور پرندے کھا جائیں اور قیامت کے دن اللہ تجھ کو درندوں اور پرندوں کے پیٹ سے اٹھاتا پھر فرمایا، تم کو بشارت ہو مجھے جبرئیلؑ نے آکر اطلاع دی ہے کہ ساتوں آسمانوں والوں میں حمزہؓ کے متعلق یہ الفاظ لکھ دیئے گئے ہیں حمزہ بن عبد المطلب اسدُ اللہ، اسدُ رسولِ اللہ ﷺ (اللہ کا شیر اور اللہ کے رسول کا شیر) اس کے بعد اگر آئندہ کسی مقام پر اللہ نے قریش پر مجھے فتح یاب کیا تو تیری بجائے ان کے ستر آدمیوں کے ناک کان کاٹوں گا جب رسول اللہ ﷺ کا یہ رنج اور غصہ مسلمانوں نے دیکھا تو انہوں نے بھی کہا اگر ہم کو بھی کسی روز اللہ نے ان پر فتح عنایت کی تو ہم بھی ان کے ستر آدمیوں کی اس طرح شکلیں بگاڑ دیں گے کہ کسی عرب نے ایسا نہیں کیا ہوگا۔

ابن سعد اور بزار اور ابن المنذر اور بیہقی اور حاکم نے بیان کیا کہ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا رسول اللہ ﷺ وہیں کھڑے تھے کہ حضرت جبرئیلؑ نے سورۂ نحل کی آخری آیات لے کر اترے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور اگر بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا تمہارے ساتھ برتاؤ کیا گیا ہے اور اگر صبر کرو تو صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے۔

کسی برائی کے بدلے کو عقوبت اور عقاب کہا جاتا ہے اس کو عقوبت (سزا بدلہ) کہنا محض لفظی مناسبت کی وجہ سے ہے جیسے جَزٰٓؤُا سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا میں بدی کے بدلہ کو بھی برائی کہا گیا ہے حالانکہ برائی کی سزا برائی نہیں ہوتی مطلب یہ ہے کہ برائی کی سزا جرم کے برابر دے سکتے ہو اس سے تجاوز نہ کرو۔

صبر کرنے سے مراد ہے انتقام نہ لینا اور بدلہ لینے سے رُک جانا۔

لَهُوَ خَيْرٌ یعنی انتقام سے صبر بہتر ہے اِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا میں تو در پردہ عفو کی ترغیب ہے اور لَئِنْ صَبَرْتُمْ میں تاکید کے ساتھ صبر کرنے کی صراحت ہے لِلصّٰبِرِيْنَ میں لفظ صَابِرِيْنَ کو ذکر کرنے سے اللہ کی طرف سے فی الجملہ ان لوگوں کی تعریف ہے جو مصائب اور شدائد پر صبر کرتے ہیں۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا خاص خدا کی توفیق سے ہے اور ان پر غم نہ کیجئے اور جو کچھ وہ تدبیر کرتے ہیں ان سے دل تنگ نہ ہوجیئے۔

چونکہ رسول اللہ ﷺ کا علم اور اللہ پر اعتماد سب سے زیادہ تھا اس لئے خصوصیت کے ساتھ آپ کو اس آیت میں خطاب فرمایا۔

وَاصْبِرْ یعنی کفار کی طرف سے جو ایذا پہنچے اس پر صبر کرو۔ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ یعنی اللہ کی توفیق اور اس کی مدد سے ہی آپ کا صبر ہو سکتا ہے۔

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اور ان پر یعنی کافروں پر یا مؤمنوں پر اور مؤمنوں کو پہنچی ہوئی اذیت پر رنج نہ کرو۔

وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ یعنی کافر جو مؤمنوں کے خلاف مکاریاں کرتے ہیں آپ ان کی پروا نہ کریں، آپ کو اُن پر فتح دینا اور ان کو سزا دینا ہمارا ذمہ ہے۔

ضَيْقٍ اور ضِيْقٍ (سینہ کی تنگی، گھٹن، غم) دونوں ہم معنیٰ ہیں ابو عمرو نے کہا ضَيْق غم ضِيْق شدت ابو عبیدہ نے کہا ضَيْق

Marfat.com

کھانے پینے اور مسکن کی کمی۔ ضَیْق دل کی گھٹن، کبیدگی غم۔ ابو عبیدہ نے کہا ضَیْق ضِیْق کا مخفف ہے جیسے مَیْتٌ مَیِّتٌ کا اور لَیِّن لَیْن کا اس قول پر ضَیْق صفت کا صیغہ ہوگا یعنی تنگ امر۔

اللہ ایسے لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو (گناہوں سے) بچتے ہیں اور ان کے ساتھ ہوتا ہے جو نیک کردار ہوتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝۱۲۸

اِتَّقُوْا یعنی گناہوں سے پرہیز رکھتے ہیں مُحْسِنُوْن یعنی نیک کردار ہیں۔ یہ اتَّقُوْا سے مراد ہے وہ لوگ جو اللہ کے حکم کی تعظیم کرتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں اور مُحْسِنُوْن یعنی نیک کردار ہیں یا اتَّقُوْا سے مراد ہیں وہ لوگ جو اللہ کے حکم کی تعظیم کرتے ہیں۔ اور اس سے ڈرتے ہیں اور مُحْسِنُوْن سے مراد ہیں وہ لوگ جو مخلوق کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں یا اتَّقُوْا سے مراد ہیں وہ لوگ جو بدلہ لینے میں زیادتی کرنے سے بچتے ہیں اور مُحْسِنُوْن سے مراد ہیں وہ لوگ جو دوسروں کو معاف کرتے ہیں۔

اللہ کے ساتھ ہونے سے مراد ہے اللہ کی رفاقت، دوستی، مہربانی اور مدد و نصرت کا ساتھ ہونا یا معیت ذاتیہ مراد ہے جو بے کیف ہے اس کی کوئی کیفیت نہ سمجھی جاسکتی ہے نہ بیان کی جاسکتی ہے۔

ابن سعد وغیرہ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے جو حدیث بیان کی ہے جس کا ذکر اوپر کر دیا گیا ہے اسی حدیث میں ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اپنی قسم کا کفارہ دے دیا اور جو اراوہ کیا تھا اس سے باز رہے اور صبر کیا۔

ابن المنذر، طبرانی اور بیہقی نے بھی حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کی طرح حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے حدیث مذکورہ بیان کی ہے اور شان نزول کے سلسلے میں ایسی ہی حدیث سورت کے آغاز میں ہم نے ابن اسحاق، ابن جریر اور عطاء کے حوالہ سے ذکر کر دی ہے۔

عبداللہ بن امام احمد نے زوائد المسند میں اور نسائی اور ابن المنذر اور ابن حبان اور ضیاء اور ترمذی نے بیان کیا ہے اور ترمذی نے اس کو حسن قرار دیا ہے کہ حضرت اُبَی بن کعبؓ نے فرمایا اُحد کی جنگ میں ۶۴ انصار اور چھ مہاجر کام آئے۔ مہاجرین شہداء میں حضرت حمزہؓ بھی شامل تھے ان سب کو کافروں نے مُثلہ کیا (یعنی سب شہیدوں کے ناک کان بھی کاٹ لئے تھے) انصار نے کہا اگر ہم کو کسی روز ایسا موقع ہاتھ لگا تو ہم بھی ان کی حالت قابل رحم بنا دیں گے (یعنی ہم بھی مُثلہ کر دیں گے کہ جو لاشوں کو دیکھے گا اس کو ان کی ذلیل خستہ حالت دیکھ کر رحم آئے گا) کچھ مدت کے بعد جب مکہ فتح ہوا تو اللہ نے آیت وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ لَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ نازل فرما دی۔ اس آیت کے نزول کے بعد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہم بدلہ نہ لیں گے صبر کریں گے۔ چار آدمیوں کے علاوہ باقی سب سے ہاتھ روک لو، کسی کو قتل نہ کرو)

بغوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت شہداء اُحد کے متعلق نازل ہوئی۔ مسلمانوں نے جب دیکھا کہ مشرکوں نے ہمارے شہدائے کے پیٹ چاک کئے اور بہت ہی بُرے طریقہ سے لاشوں کے ناک کان کاٹے ہیں ہر شہید کو مُثلہ کر دیا گیا ہے صرف حنظلہ بن ابو عامر راہب کو مُثلہ نہیں کیا تھا کیونکہ حضرت حنظلہ کا باپ ابو عامر (جس کو رسول اللہ ﷺ نے راہب کے بجائے فاسق فرمایا تھا) اس روز ابوسفیان کے ساتھ تھا اسی وجہ سے حنظلہ کو مُثلہ کرنے سے انہوں نے چھوڑ دیا تھا اور کہا اگر اللہ نے ہم کو ان پر غالب کر دیا تو جو حرکت انہوں نے کی ہے ہم اس سے بھی زیادہ کریں گے ایسا مُثلہ کریں گے کہ کسی عرب نے کسی کو نہ کیا ہوگا، اس وقت رسول اللہ ﷺ اپنے چچا حضرت حمزہؓ کی لاش کے پاس کھڑے تھے مشرکوں نے آپ کے کان ناک اور آلات مردانہ کاٹ لئے تھے اور پیٹ چاک کر دیا تھا، ہندہ بنت عتبہ (زوجۂ ابوسفیان) نے آپ کے جگر کا ایک ٹکڑا چبا ڈالا تھا اور اس کو نگل گئی مگر وہ پیٹ میں رک نہ سکا اور اس نے اگل دیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا سنو! اگر وہ کھا لیتی تو آگ میں کبھی داخل نہ ہوتی جبکہ حمزہؓ کو اللہ نے یہ عزت عطا فرما دی ہے کہ ان کا کوئی حصہ دوزخ میں نہیں جائے گا رسول اللہ ﷺ نے حضرت حمزہؓ کی جو یہ حالت دیکھی تو ایسا منظر آنکھوں کے سامنے آیا کہ اس سے زیادہ دل خراش منظر کبھی نہیں دیکھا تھا فرمایا: ابو السائب: آپ پر اللہ کی رحمت ہو، مجھے معلوم ہے کہ آپ بڑے نیک کردار اور صلۂ رحمی کرنے والے تھے اگر آپ کے بعد رہنے

Marfat.com

والوں کے رنجیدہ ہونے کا خیال نہ ہوتا تو مجھے اس بات سے خوشی ہوتی کہ آپ کو یونہی (بے گور و کفن) چھوڑ دوں تاکہ قیامت کے دن آپ کا حشر متعدد (درندوں اور پرندوں کی) گروہوں کے اندر سے ہو خدا کی قسم اگر اللہ نے مجھے ان پر فتح عنایت کی تو آپ کی جگہ میں ان کے ستر آدمیوں کو ضرور ضرور مُثلہ کروں گا، اس پر اللہ نے آیاتِ مذکورہ نازل فرمائیں اور نزولِ آیات کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا ہم (انتقام نہیں لیں گے بلکہ) صبر کریں گے چنانچہ آپ اپنے ارادہ سے باز آگئے اور قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔

فائدہ: حضرت اُبَی بن کعب کی مذکورہ بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت کا نزول فتح مکہ کے وقت ہوا۔ حضرت ابوہریرہؓ حضرت ابن عباسؓ، اور عطاء بن یسارؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اُحد کے موقع پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ ابن الحصار نے دونوں متضاد روایتوں میں ایک صورت جامعہ اس طرح بیان کی ہے کہ ان آیات کا نزول اول مکہ میں پھر اُحد میں پھر فتح کے بعد یاد داشت کے طور پر ہوا۔ بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اور ضحاک نے فرمایا، اس آیت کا حکم سورۂ برأت کے نزول سے پہلے تھا جب کہ حضور ﷺ کو پہلے آغاز قتال سے منع کیا گیا تھا اور لڑنے والوں سے لڑنے کا حکم دیا تھا لیکن اللہ نے اسلام کو غالب کر دیا اور سورۂ برأت نازل ہو گئی اور عمومی جہاد کا حکم دے دیا گیا تو یہ آیت منسوخ کر دی گئی۔ مجمعی، ثوری، سدی، مجاہد اور ابن سیرین کے نزدیک یہ آیت محکم ہے، منسوخ نہیں ہوئی جن لوگوں نے ظلم کیا ہو ان کے ظلم کے مطابق انتقام لینے کا حکم اس آیت میں دیا گیا ہے یہی اس کی شانِ نزول ہے ظالم نے جتنا ظلم کیا ہو اس سے زیادہ انتقام لینا جائز نہیں بقدرِ ظلم بدلہ لیا جا سکتا ہے اور معاف کر دینا بہتر ہے۔

مسئلہ: باتفاق علماء مُثلہ کرنا ناجائز ہے ابن اسحاق نے حضرت سمرۃ بن جندبؓ کا بیان نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ (تقریر فرمانے کے لئے) جس مقام پر بھی کھڑے ہوئے جب تک اسی جگہ صدقہ (خیر خیرات زکوٰۃ) دینے کا حکم نہیں دے دیا اور مُثلہ کرنے کی ممانعت نہ کر دی وہاں سے نہ ہٹے۔

مُثلہ کرنے کی ممانعت بکثرت احادیث میں آئی ہے۔

سورۂ نحل کی تفسیر ۲ رجب ۱۳۰۲ھ کو ختم ہوئی۔ الحمد للہ کہ سورۂ نحل کی تفسیر کا ترجمہ ۱۶ رمضان المبارک ۱۳۸۶ھ کو بعونہ تعالیٰ ختم ہوا

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ

تمت

Marfat.com

Marfat.com